

معراج المکرمین

محدث لائسنس کی شریف ترین تصانیف
محفوظی عظیم ہر پاکستانی



معارف القرآن

جلد

۸

سُورَةُ مُحَمَّدٍ سے آخرِ قرآن تک
پارہ ۲۶ رکوع ۵ تا آخرِ قرآن

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مفتی اعظم پاکستان

مکتبہ معارف القرآن کلکتہ



نمبر رجسٹریشن نمبر ۲۰۰۸

حکومت پاکستان کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر ۲۰۰۸

عارضہ نامہ: اگرچہ معارف القرآن کی تصحیح کا اہتمام کیا جاتا ہے، لیکن
کبھی کبھی کتابت، طباعت اور جلد بندی میں سہو غلطی
ہو جاتی ہے۔ اگر کسی صاحب کو ایسی کسی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم
مطلع فرمائیں۔
ادارۃ المعارف کراچی ۱۲
احاطہ وزارت العلوم کراچی پوسٹ کوڈ
۷۵۱۸۰
فون: ۵۰۳۲۰۲۰، ۵۰۳۹۷۳۳

باہتمام : مجمع مکتبہ مکتبہ
طبع جدید : ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ - اپریل ۲۰۰۸ء
مطبع : شمس پرنٹنگ پریس کراچی
ناشر : ادارۃ المعارف کراچی
فون : 5049733 - 5032020
ای میل : i_maarif@cyber.net.pk

ملنے کے پتے:

✽ ادارۃ المعارف کراچی

فون: 5049733 - 5032020

✽ مکتبہ معارف القرآن کراچی

فون: 5031565 - 5031566

فہرست مضامین "معارف القرآن" جلد ہشتم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۹	کفار سے صلح کرنے کا حکم	۱۹	سورۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
۵۱	منقبت امام ابوحنیفہؒ	"	آیات ۱ تا ۳
۵۲	سورۃ الفتح	۲۱	آیت ۱
۵۳	شان نزول	۲۲	جنگی قیدیوں کے قتل و گرفتاری کے احکام
۵۴	واقعہ حدیبیہ	۲۳	مسئلہ مذکورہ میں مذاہب فقہاء کی تفریق
"	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب	۲۴	جنگی قیدیوں کے متعلق امام کو چار اختیار
۵۵	صحابہ کرام اور دیہات کے مسلمانوں کو ساتھ چلنے کی دعوت	"	اسلام میں غلامی کی بحث
"	مکہ کی طرف روانگی	۲۷	آیات ۵ تا ۱۱
"	اہل مکہ کی مقابلہ کیلئے تیاری	۲۹	مشروعیت جہاد کی حکمت
۵۶	خبر رسانی کا ایک عجیب سا طریقہ	۳۰	شہید کیلئے تین عظیم انعامات
"	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر رساں	۳۱	آیات ۱۲ تا ۱۵
"	آنحضرتؐ کی ناقہ کا راستہ میں پٹھ جانا	۳۳	آیات ۱۶ تا ۱۸
"	مقام حدیبیہ میں ایک معجزہ	۳۴	قیامت کی علامتیں
۵۷	اہل مکہ کے دُور سے بات چیت	۳۵	آیت ۱۹
۵۸	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کے پاس بھیجنا	۳۶	عصمت نبوت کے باوجود حکم استغفار کا مطلب
۵۹	اہل مکہ اور مسلمانوں میں آویزش	۳۷	آیات ۲۰ تا ۳۱
۶۰	بیعت رضوان کا واقعہ	۳۸	صلہ رحمی کی سخت تاکید
"	حدیبیہ کا واقعہ	۳۹	کسی معین شخص پر لعنت کا حکم اور نزیہ پر
۶۲	شرائط صلح سے عام صحابہ کرام کی ناراضی	۴۰	لعنت بھیجنے کی بحث
		۴۱	آیات ۳۲ تا ۳۸
		۴۲	لَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ پر بحث

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۹۲	دوسرا وصف	۶۳	ایک اور حادثہ اور معاہدہ کی پابندی میں آپ کا
۹۵	صحابہ کرام سب کے سب جنتی ہیں		بے نظیر عمل
۹۷	سُورَةُ الْحَجَرَات		احرام کھولنا اور قربانی کے جانور ذبح کرنا
۹۸	آیات ۵ تا ۵	۶۴	اطاعت رسول کا ایک اور امتحان
۱۰۰	ربطِ سورت اور شانِ نزول		صلح حدیبیہ کے ثمرات و برکات کا ظہور
۱۰۱	علمائے دین اور بزرگوں کے سامنے پیش قدمی	۶۶	رسول کے لئے مغفرت گناہ کا مطلب
	بھی خلافتِ ادب ہے		حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے صراطِ مستقیم
	مجلسِ نبوی کا دوسرا ادب		کی ہدایت کی تحقیق
۱۰۱	روضہ اقدس کے سامنے بھی بہت بلند آواز	۶۷	آیات ۳ تا ۷
	سے سلام و کلام ممنوع ہے	۷۰	آیات ۸ تا ۱۰
	رفع صوت کے سبب ضبطِ اعمال ہوئی توجیہ	۷۱	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صفات کا بیان
۱۰۲	حجرات اُمّیات المؤمنین	۷۲	آیات ۱۱ تا ۱۴
	سببِ نزول	۷۳	آیات ۱۵ تا ۱۷
۱۰۳	آیت ۶	۷۷	وحیِ الہی صرف قرآن میں منحصر نہیں احادیث
۱۰۴	شانِ نزول		بھی کلام اللہ کے حکم میں ہیں۔
۱۰۵	آیت سے متعلق احکام و مسائل		متخلفین حدیبیہ میں سے بعض لوگ تائب
۱۰۶	عدالتِ صحابہ سے متعلق ایک اہم سوال جو آج		ہو گئے تھے
۱۰۷	آیات ۸۱ تا ۸۷	۷۹	آیات ۱۸ تا ۲۱
۱۰۹	آیات ۱۰۱ تا ۱۰۹	۸۱	صحابہ کرام پر طعن و تشنیع اور انکی لغزشوں میں
۱۱۰	سببِ نزول و ربط		غور و خوض جائز نہیں
۱۱۱	مسائل متعلقہ		شجرہ رضوان
۱۱۲	مشاجرات صحابہ کرام		فتحِ خیبر
۱۱۳	آیت ۱۱	۸۳	آیات ۲۲ تا ۲۶
۱۱۵	کسی مسلمان کی شان میں تمسخر، طعنہ زنی اور	۸۶	محصر کی قربانی کیلئے حرم کی شرط
	برے لقب کی ممانعت		صحابہ کرام کو غلطی سے بچانے کا فدرتی
۱۱۸	بعض القاب کا استثناء		انتظام
	اچھے القاب سے لوگوں کو یاد کرنا سنتِ ۱۵	۸۷	آیات ۲۷ تا ۲۹
	آیت ۱۲	۹۰	آئندہ کے کاموں کے لئے انشاء اللہ کہتے
۱۱۹	بدگمانی، تجسس اور غیبت کی حرمت		کی تاکید
	ظن کی چار قسمیں	۹۱	صحابہ کرام کے اوصاف و فضائل اور خاص علائق

تجسس اور تجسس میں فرق ۱۲۰، غیبت کے متعلق مسائل ۱۲۲، آیت ۱۳ ص ۱۲۳، شان نزول ۱۲۳
 وطنی، نسلی اور لسانی امتیاز کی حکمت تعارف ہے ۱۲۵، آیات ۱۳ تا ۱۸ ص ۱۲۵،
 شان نزول ۱۲۸، اسلام و ایمان میں فرق ہے یا نہیں ۱۲۹

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۵۲	سورۃ ذاریات	۱۳۰	سورۃ ق
۱۵۲	آیات ۱ تا ۲۳	۱۳۰	آیات ۱ تا ۱۵
۱۵۹	عبادت میں شب بیداری اور اسکی تفصیل	۱۳۳	سورۃ ق کی خصوصیات
۱۶۰	بوقت سحر استغفار کی برکات و فضائل	۱۳۴	اَفَلَمْ يَنْظُرُوا اِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ اَنشَأْنَا السَّمَاءَ لَظْهَارًا
۱۶۰	صدقہ و خیرات کرنے والوں کو خاص ہدایت	۱۳۴	مرنے کے بعد زندہ ہونے پر مشہور شبہ کا جواب
۱۶۱	آفاق عالم اور اپنے نفوس میں قدرت کی نشانی	۱۳۵	اصحاب الرس کون کون لوگ ہیں؟
۱۶۳	آیات ۲۳ تا ۴۶	۱۳۶	آیات ۱۶ تا ۲۹ مع تفسیر
۱۶۴	بعض آداب مہمانی	۱۳۷	اللہ تعالیٰ کا شہ رگ سے زیادہ قریب ہونا
۱۶۸	آیات ۴۷ تا ۵۵	۱۳۷	انسان کے ساتھ قرب خداوندی کی تحقیق
۱۷۰	آیات ۵۶ تا ۶۰	۱۳۸	ہر انسان کے ساتھ نائن اعمال سمجھنے کے لئے
۱۷۱	جن دانس کی تخلیق کا مقصد	۱۳۹	دو فرشتے
۱۷۲	سورۃ طہ	۱۴۰	انسان کا ہر قول ریکارڈ کیا جاتا ہے
۱۷۲	آیات ۱ تا ۲۸	۱۴۱	سکرات الموت
۱۷۹	آسمانی کعبہ بیت معمر	۱۴۲	انسان کو میدان حشر میں لایا جائے دو فرشتے
۱۸۰	فاروق اعظم پر خشية اللہ کا غلبہ	۱۴۳	مرنے کے بعد آنکھیں وہ سب دیکھیں گی جو
۱۸۰	بزرگوں کے ساتھ نسی تعلق آخرت میں	۱۴۴	زندگی میں نہ دیکھ سکتی تھیں
۱۸۱	بشرط ایمان فائدہ دے گا	۱۴۵	آیات ۳۰ تا ۳۵
۱۸۱	آیات ۲۹ تا ۴۹	۱۴۶	آداب کے معنی اور تعریف
۱۸۲	کفارة مجلس	۱۴۷	آیات ۳۶ تا ۴۰
۱۸۲		۱۴۸	حصول علم کے دو طریقے
۱۸۲		۱۴۹	آیات ۴۱ تا ۴۵
۱۸۲		۱۵۰	مردوں کو زندہ کرنے کیلئے اسرافیل کی آواز

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲۲	سورۃ نجم کی آخری آیت پر ساری مخلوقات کا سجدہ	۱۸۸	سُورَةُ النَّجْمِ
۲۲۳	سُورَةُ الْفَيْرِ	۱۸۸	آیات ۱ تا ۱۸
۲۲۵	آیات ۸ تا ۸	۱۹۳	سورۃ نجم کی بعض خصوصیات
۲۲۵	معجزہ شق القمر	۱۹۴	آنحضرت کو لفظ صَاحِبِکُمْ سے تعبیر کرنیکی حکمت
۲۲۷	اس معجزہ پر مخالفین کے شبہات کا جواب	۱۹۵	سورۃ نجم کی ابتدائی آیات کی تفسیر میں ائمہ
۲۲۸	آیات ۹ تا ۱۷		تفسیر کا اختلاف
۲۳۰	قرآن کے آسان ہونے کا مطلب	۱۹۶	ابن کثیر کی تحقیق
۲۳۱	آیات ۱۸ تا ۴۳	۱۹۸	ایک علی اشکال اور اس کا جواب
۲۳۲	معارف و مسائل	۲۰۰	جنت اور دوزخ کا موجودہ مقام
۲۳۵	آیات ۴۳ تا ۵۵	۲۰۱	آیات مذکورہ کی تفسیر میں حضرت استاد علامہ
۲۳۷	معارف و مسائل	۲۰۲	شمیری کی تحقیق مفید اور مختلف اقوال میں تطبیق
۲۳۹	سُورَةُ الرَّحْمٰنِ	۲۰۶	رُبوبیت حق تعالیٰ کا مسئلہ
۲۴۰	آیات ۲۵ تا ۲۵	۲۰۸	آیات ۱۹ تا ۲۸
۲۴۲	جملہ قیامی آلایہ کے تکرار کی حکمت	۲۰۹	ظن کی مختلف اقسام اور ان کے احکام
۲۴۲	معارف و مسائل	۲۱۱	آیات ۲۹ تا ۳۲
۲۴۷	آیات ۲۶ تا ۲۵	۲۱۲	ضروری تنبیہ، آخرت کا عملی انکار
۲۵۱	معارف و مسائل	۲۱۳	گناہ کبیرہ و صغیرہ کی تعریف
۲۵۵	آن تَنْفَعُ وَاِمِنْ اَوْ ظَارِ السَّمَاءِ، اس آیت کا فضائی سفر سے کوئی جوڑ نہیں	۲۱۳	آیات ۳۳ تا ۶۲
۲۵۶	آیات ۲۶ تا ۷۸	۲۱۷	شان نزول مع خلاصہ تفسیر
۲۶۰	معارف و مسائل	۲۱۷	ابراہیم علیہ السلام کی امتیازی صفت
۲۶۳	سُورَةُ الْوَاقِعَةِ	۲۱۸	ایفار عہد اور اس کی کچھ تفصیل
۲۶۳	آیات ۱ تا ۵۶		صحبِ موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام کی
			خاص ہدایات و تعلیمات
			ایک گناہ میں دوسرا آدمی نہیں پکڑا جائے گا
			ایصالِ ثواب یعنی دوسروں کو اپنے عمل کا
			ثواب بخشنے کا طریقہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۹۹	صحابہ کرام کا مقام قرآن سے پہچانا جاتا ہے	۲۶۵	خلاصہ تفسیر
۳۰۰	تاریخی روایات سے نہیں	۲۶۸	معارف و مسائل
۳۰۲	صحابہ کرام کے بارگاہیں پوری امت کا اجماعی عقیدہ	=	سورۃ واقعہ کی خصوصیات
۳۰۳	آیات ۱۹ تا ۱۹	=	حضرت عبداللہ بن مسعود کی سبق آموز ہدایت
۳۰۶	خلاصہ تفسیر	۲۶۹	میدانِ حشر میں حاضرین کی تین قسمیں
=	معارف و مسائل	۲۷۰	اولین و آخرین سے کیا مراد ہے ؟
۳۰۸	میدانِ حشر کی بعض تفصیلات حدیث سے	۲۷۲	اہل جنت میں اُمت محمدیہ کی کثرت
۳۱۱	میدانِ حشر میں نور و ظلمت کے اسباب	۲۷۴	آیات ۴ تا ۵
۳۱۲	کیا ہر مؤمن صدیق و شہید ہوتا ہے ؟	=	معارف و مسائل
۳۱۳	آیات ۲۰ تا ۲۱ مع خلاصہ تفسیر	۲۷۹	آیات ۷ تا ۹
۳۱۴	معارف و مسائل	۲۸۲	خلاصہ تفسیر
۳۱۸	آیات ۲۲ تا ۲۳ مع خلاصہ تفسیر	۲۸۳	معارف و مسائل
۳۱۹	معارف و مسائل	۲۸۵	قرآن مجید کو ہاتھ سے چھونے کے لئے طہارت
۳۲۰	آیت ۲۵ مع خلاصہ تفسیر	۲۸۷	شرط ہے۔
=	معارف و مسائل		
۳۲۱	انبیاء اور آسمانی کتابیں دنیا میں عدل و انصاف	۲۹۰	سُورَةُ الْحَدِيدِ
۳۲۲	قائم کرنے کے لئے آتے ہیں یہی اصل مقصد ہے	=	آیات ۱ تا ۶
۳۲۳	قیامِ عدل کے لئے تین چیزیں نازل کی گئیں	۲۹۱	خلاصہ تفسیر
۳۲۵	کتاب، میزان، لوہا، اس کی تفصیل	۲۹۲	معارف و مسائل
۳۲۹	آیات ۲۶ تا ۲۹ مع خلاصہ تفسیر	=	سورۃ حدید کی بعض خصوصیات
۳۲۹	معارف و مسائل	=	وساوسِ شیطانیہ کا علاج
۳۳۱	رہبانیت کا مفہوم اور ضروری تشریح	۲۹۳	آیات ۱۱ تا ۱۱
=	کیا رہبانیت مطلقاً مذموم ہے ؟	۲۹۳	خلاصہ تفسیر
۳۳۲	سُورَةُ الْمُجَادَلَةِ	۲۹۵	معارف و مسائل
=	آیات ۱ تا ۶	۲۹۷	فتح مکہ صحابہ کرام کے درجات میں حواصل
۳۳۲	سبب نزول کا واقعہ	۲۹۸	تمام صحابہ کرام کیلئے مغفرت رحمت کی بشارت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۳۲	رسول کا حکم و حقیقت اللہ ہی کا حکم ہے	۳۳۳	خلاصہ تفسیر
"	اجتہادی اختلاف کی دونوں جانبوں میں	۳۳۵	معارف و مسائل
"	کسی کو گناہ نہیں کہہ سکتے	"	ظہار کی تعریف اور حکم شرعی
"	مسئلہ جنگ کے وقت درختوں وغیرہ	۳۳۸	آیات ۷ تا ۱۳
"	کو آگ لگانا	۳۳۹	سبب نزول چند واقعات کا مجموعہ
"	آیات ۶ تا ۱۰ مع خلاصہ تفسیر	۳۴۱	خلاصہ تفسیر
۳۶۶	معارف و مسائل	۳۴۲	معارف و مسائل
"	مال غنیمت اور فتنی کی تعریف	۳۴۲	خفیہ مشوروں کے متعلق ایک ہدایت
"	غنیمت اور فتنی کے مصارف	"	ایک دوسری ہدایت
۳۶۹	اکتتار دولت پر اسلامی قوانین کی	۳۴۵	شرارت کفار کی مدافعت شریفانہ طرز پر
"	ضرب کاری	۳۴۵	بعض آداب مجلس
۳۷۰	حکم رسول حکیم قرآن کی طرح واجب العمل ہو	"	فَقَدْ مَوَّأَيْنِي يَوْمَئِذٍ الْخِزْيَانُ مَصْرُوعٌ اس آیت پر
۳۷۱	اموال صدقات میں حاجتمند علماء و صلحاء	۳۴۷	صرف حضرت علیؑ عمل کرنے پائے تھے پھر
"	مقدم ہیں	"	شورخ ہو گئی، اور کسی نے عمل نہیں کیا
۳۷۲	فضائل مہاجرین	۳۴۸	آیات ۱۳ تا ۲۲ مع خلاصہ تفسیر
"	مسلمانوں کے اموال پر کفار کے قبضہ کا حکم	۳۵۱	معارف و مسائل
۳۷۳	فضائل انصار	۳۵۲	مسلمان کی دلی دوستی کسی کافر سے نہیں ہو سکتی
۳۷۴	اموال بنی نضیر کی تقسیم کا واقعہ	۳۵۳	سُورَةُ الْحَشْرِ
۳۷۵	حضرات انصار کے ایشار کے چند عبرت آمیز واقعات	"	آیات ۵ تا ۱۵
۳۷۸	ایک مشبہ کا جواب	"	ربط آیات اور شان نزول مع خلاصہ تفسیر
۳۷۸	مہاجرین کی طرف سے ایشار انصار کی مکافات	۳۵۵	معارف و مسائل
۳۷۹	کینہ و حسد پاک ہونا جنتی ہونے کی علامت ہے	۳۵۸	سورۃ حشر کی خصوصیات اور قبیلہ
۳۸۰	مہاجرین انصار کے بعد عام امت کے مسلمان	"	بنی نضیر کی تاریخ
"	امت کے حق پر ہونے کی پہچان صحابہ کرام	"	درس عبرت
"	کی عظمت و محبت ہے۔	۳۵۹	بنو نضیر کی جلا وطنی کے وقت مسلمانوں
۳۸۲	آیات ۱۱ تا ۱۷ مع خلاصہ تفسیر	۳۶۰	کی رواداری اہل بیت کے لئے ایک سبق
۳۸۵	معارف و مسائل		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۸۶	تبلیہ بنو قینقار کی جلا وطنی	۳۸۶	شرط مذکور کی توضیح حدیبیہ میں ہی فرق ثانی کے سامنے
۳۸۸	آیات ۱۸ تا ۲۴ مع خلاصہ تفسیر	۳۸۸	کردی گئی تھی جس نے اس کو منظور کیا
۳۹۰	معارف و مسائل	۳۹۰	شرط حدیبیہ کے بعد کوئی مسلمان عورت مرتد
۳۹۲	سورہ حشر کی آخری آیات کے خاص فوائد و برکات	۳۹۲	ہو کر مکہ نہیں گئی بجز ایک کے اور وہ بھی پھر مسلمان ہو گئی
۳۹۵	سُورَةُ الْمُمتَحِنَةِ	۳۹۵	عورتوں کی بیعت
۳۹۷	آیات ۶ تا ۹	۳۹۷	مردوں کی بیعت میں اجمال عورتوں کی بیعت میں تفصیل
۳۹۹	خلاصہ تفسیر	۳۹۹	سُورَةُ الصَّف
۴۰۰	معارف و مسائل	۴۰۰	آیات ۹ تا ۱۲ مع خلاصہ تفسیر
۴۰۲	آیات کا سبب نزول	۴۰۲	معارف و مسائل
۴۰۳	فتح مکہ کی خفیہ تیاری	۴۰۳	شان نزول کا واقعہ
۴۰۴	حضرت حاطب بن ابی بلتہ کی لغزش اور معافی	۴۰۴	دعویٰ اور دعوت میں فرق
۴۰۵	ایک شبہ کا جواب	۴۰۵	انجیل میں آنحضرت کو بنام احمد ذکر کرنے کی حکمت
۴۰۶	آیات ۹ تا ۱۲ مع خلاصہ تفسیر	۴۰۶	انجیل میں آنحضرت کی بشارتیں
۴۰۷	معارف و مسائل	۴۰۷	آیات ۱۰ تا ۱۴ مع خلاصہ تفسیر
۴۰۸	حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ کا مدینہ آنا اور صابری کی قوت ایمان کا ایک سبق آموز واقعہ	۴۰۸	معارف و مسائل
۴۰۹	آیات ۱۰ تا ۱۲ مع خلاصہ تفسیر	۴۰۹	عیسائیوں کے تین فرقے
۴۱۰	سبب نزول	۴۱۰	سُورَةُ الْجُمُعَةِ
۴۱۱	معارف و مسائل	۴۱۱	آیات ۸ تا ۱۱ مع خلاصہ تفسیر
۴۱۲	صلح نامہ حدیبیہ کی ایک شرط کی وضاحت	۴۱۲	معارف و مسائل
۴۱۳	مسلمانوں اور مشرکین درمیان شہ ازدواج کی حرمت	۴۱۳	بعثت نبوی کے تین مقاصد
۴۱۴		۴۱۴	ایک سوال و جواب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۶۳	معارف و مسائل	۳۳۷	عالم بے عمل کی مثال
"	دوقومی نظریے	۳۳۸	موت کی تمنا جائز ہے یا نہیں؟
۳۶۵	قیامت کو یوم تغابن کہنے کی وجہ	"	اسباب موت سے فراہم احکام
۳۶۷	آیات ۱۱ تا ۱۸ مع خلاصہ تفسیر	"	آیات ۹ تا ۱۱ مع خلاصہ تفسیر
۳۶۹	معارف و مسائل	۳۴۰	معارف و مسائل
۳۷۰	گناہگار بیوی بچوں سے بیزاری اور بغض	۳۴۱	چھوٹے گاؤں میں جمعہ نہ ہونے کی طرف
"	درست نہیں	"	آیت میں اشارہ
"	مال اور اولاد انسان کے لئے بڑا فتنہ ہیں	۳۴۳	جمعہ کے بعد تجارت و کسب معاش میں برکت
۳۷۲	سُورَةُ الطَّلَاف	۳۴۵	سُورَةُ مَنَافِقُونَ
"	آیات ۱ تا ۸ مع خلاصہ تفسیر	"	آیات ۱ تا ۸ مع خلاصہ تفسیر
۳۷۶	معارف و مسائل	۳۴۸	سورہ منافقون کے نزول کا مفصل واقعہ
"	نکاح و طلاق کی شرعی حیثیت اور ان کا	۳۴۹	وطنی یا نسبی قومیت کفر و جاہلیت کا نعرہ ہے
"	حکیمانہ نظام	"	اور تعاون و تناصر کا اسلامی اصول
۳۷۸	طلاق کے متعدد احکام	۳۵۳	واقعہ مذکورہ میں اہم ہدایات
۳۸۰	دوسرا تیسرا چوتھا حکم	۳۵۴	اسلامی سیاست کا سنگ بنیاد اسلامی
۳۸۲	پانچواں حکم	"	برادری قائم کرنا ہے جس میں وطن و نسب
۳۸۳	چھٹا ساتواں حکم	"	زبان کا فرق حائل نہ ہو
"	تین طلاق بیک وقت دینا حرام ہے،	۳۵۵	صحابہ کرام کا مقام بلند اسلامی اصول
"	مگر تین طلاق ہو جاتی ہیں	"	کی سخت پابندی
۳۸۴	آٹھواں حکم	۳۵۶	موضع ہمت اور عوام کی غلط فہمی سے
۳۸۵	تعزیرات کے متعلق قرآن کا حکیمانہ اور	"	بچنا چاہئے
"	مرتبہ اصول عجیب	۳۵۷	آیات ۹ تا ۱۱ مع خلاصہ تفسیر
۳۸۶	وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا (شان نزول)	۳۵۸	معارف و مسائل
۳۸۷	مسئلہ	۳۶۰	سُورَةُ التَّغَابُنِ
۳۸۸	مصائب نجات اور حصول مقاصد مجرب نسخہ	"	آیات ۱ تا ۱۰ مع خلاصہ تفسیر

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۱۶	موت و حیات کے مختلف درجات	۴۸۹	عدت طلاق کے متعلق نواں حکم
۵۱۷	حسن عمل کی تعریف	*	تقویٰ کی پانچ برکات
۵۲۰	سمع و بصر اور قلب کی تخصیص	۴۹۰	دسواں اور گیارہواں حکم
۵۲۲	سُورَةُ الْقَلَمِ	۴۹۱	بارہواں تیرہواں، چودھواں حکم
=	آیات انا آخر سورت مع خلاصہ تفسیر	۴۹۲	مسئلہ
۵۳۰	معارف و مسائل	=	آیات ۸ تا ۱۲ مع خلاصہ تفسیر
=	قلم کی مراد اور خاص فضیلت	۴۹۳	معارف و مسائل
۵۳۱	قسم کا فائدہ	=	سات زمینیں کہاں کہاں کس صورت میں ہیں؟
۵۳۲	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم	۴۹۶	سُورَةُ التَّحْرِيمِ
۵۳۴	بارغ والوں کا قصہ	=	آیات انا ۵ مع خلاصہ تفسیر
۵۳۶	مصیبت کے وقت ایک دوسرے پر	۴۹۸	معارف و مسائل
۵۳۷	الزام ڈالنا ایک دوسرا عذاب ہے	=	آیات تحریم کا واقعہ نزول
۵۳۷	قیامت کی عقلی دلیل	۴۹۹	کسی حلال کو حرام کرنے کی تین صورتیں
۵۳۹	نظریہ کا علاج	۵۰۱	آیات ۶ و ۷ مع خلاصہ تفسیر
۵۴۰	سُورَةُ الْحَاقَّةِ	۵۰۲	معارف و مسائل
=	آیات انا ختم سورت مع خلاصہ تفسیر	۵۰۳	بیوی اور اولاد کی تعلیم و تربیت ہر مسلمان پر فرض ہے
۵۴۵	معارف و مسائل	=	آیات ۸ تا ۱۲ مع خلاصہ تفسیر
۵۴۹	سُورَةُ الْمَعَارِجِ	=	معارف و مسائل
=	آیات انا ختم سورت مع خلاصہ تفسیر	۵۰۵	
۵۵۳	معارف و مسائل	۵۰۸	سُورَةُ الْمَلِكِ
۵۵۵	روز قیامت کی درازی ایک ہزار یا پچاس ہزار سال کی تحقیق	=	آیات انا آخر سورت مع خلاصہ تفسیر
۵۵۷	مقادیر زکوٰۃ منجانب اللہ مقرر ہیں، ان میں کمی بیشی کا کسی کو کسی زمانے میں اختیار نہیں	۵۱۳	معارف و مسائل
۵۵۸	اپنے ہاتھ سے شہوت پوری کرنا	=	فضائل سورت
=	حقوق امانت ہیں۔	۵۱۵	موت و حیات کی حقیقت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۹۳	اہل علم کو بھی رات کا وقت عبادت میں مشغول رکھنا بہتر ہے	۵۵۹	سُورَةُ نُوحٍ
۵۹۴	صرف اللہ کا ذکر بھی مسنون ہے بدعت نہیں	۵۶۳	آیات انا آخر سورت مع خلاصہ تفسیر معارف و مسائل
۵۹۵	توکل کے شرعی معنی	۵۶۸	سُورَةُ الْجِنِّ
۵۹۷	سلف صالحین کا خوفِ آخرت	۵۷۰	آیات انا آخر سورت
۵۹۸	نماز تہجد کی فرصت منسوخ ہو گئی	۵۷۲	شانِ نزول، چند واقعات خلاصہ تفسیر معارف و مسائل
۶۰۲	بعض احکام شرعیہ کے منسوخ ہونے کی حقیقت	۵۷۴	جنات کی حقیقت
۶۰۳	سُورَةُ الْمَدَّ ثَرِ	۵۷۵	سورة جن کے نزول کے واقعہ کی تفصیل
۶۰۹	آیات انا آخر سورة مع خلاصہ تفسیر معارف و مسائل	۵۷۸	ابوطالب کی وفات اور آنحضرتؐ کا سفرِ طائف اور عام بیکسی کی دعا
۶۱۰	سورة مدثر کے نزول کی تاریخ	۵۷۹	ایک صحابی جن کا واقعہ
۶۱۲	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائی تعلیم پانچ احکام	۵۸۰	حضرت رافع بن عمرؓ کا اسلام بلیقین جنات
۶۱۳	ولید بن مغیرہ جس کا تمول اس سورت میں میں مذکور ہے، اس کی سالانہ آمدنی ایک کروڑ گستاخیاں تھیں	۵۸۲	جنات قبل از اسلام آسمانی خبریں سننے کیلئے بادلوں تک جاتے تھے مذکہ آسمان تک شہاب ثاقب اگرچہ پہلے سے تھے مگر ان سے دفع شیاطین کا کام محمدؐ نبویؐ میں لیا گیا علم غیب اور غیبی خبروں میں فرق
۶۱۴	ابو جہل اور ولید بن مغیرہ کا مکالمہ، اور آنحضرتؐ کی حقانیت پر دونوں کا اتفاق	۵۸۳	سُورَةُ الْمُزَّمِّلِ
۶۱۵	جموٹ سے کفار بھی پرہیز کرتے تھے	۵۸۸	آیات انا آخر سورت مع خلاصہ تفسیر معارف و مسائل
۶۱۶	اولاد کا اپنے پاس ہونا بھی نعمت ہے	۵۸۹	نماز تہجد کے احکام
۶۱۷	کافر کے لئے کسی کی سفارش نافع نہ ہوگی اور مؤمن کے لئے بہت سے لوگوں کی شفاعت نافع ہوگی	۵۹۰	ترتیل قرآن کا مطلب
۶۱۸	سُورَةُ الْقِيَامَةِ		
۶۱۹	آیات انا آخر سورت مع خلاصہ تفسیر		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۶۳	معارف و مسائل	۶۲۲	معارف و مسائل
۶۶۵	قبر میں ثواب و عذاب	۶۲۳	نفسِ لوامہ کی تفسیر
"	نفس اور روح دو چیزیں الگ الگ ہیں	"	نفسِ آمارہ، لوامہ، مطمئنہ
۶۶۷	قاضی ثناء اللہؒ کی تحقیق	۶۲۴	حشرِ اجساد میں قدرتِ حق کا عجیب عمل
۶۶۷	ہوائے نفسانی کے تین درجے	۶۲۶	ترکِ قراءت خلفِ الامام کی ایک دلیل
"	مکانِ نفس	۶۲۹	سُورَةُ الذَّهَرِ
۶۶۹	سُورَةُ عَبَسَ	"	آیاتِ انا آخر سورت مع خلاصہ تفسیر
"	آیاتِ انا آخر سورت	۶۳۵	معارف و مسائل
۶۷۰	شانِ نزول	۶۳۶	ہر انسان کی تخلیق میں دنیا بھر کے اجزاء
"	خلاصہ تفسیر	"	اور ذرات کی شمولیت
۶۷۲	معارف و مسائل	۶۳۷	نذر و منت کے مسائل
۶۷۳	تبلیغ دین اور تعلیم کیلئے ایک ہم اصول قرآنی	۶۳۹	انسانی جوڑ بند میں کوششِ قدرت
۶۷۸	سُورَةُ الشَّكْوٰی	۶۴۰	سُورَةُ الْمُرْسَلَاتِ
"	آیاتِ انا آخر سورت	"	آیاتِ انا آخر سورت مع خلاصہ تفسیر
۶۸۱	معارف و مسائل	۶۴۳	معارف و مسائل
۶۸۲	چار ماہ کے بعد اسقاطِ حمل بحکمِ قتل ہے	۶۴۹	سُورَةُ النَّبَاِ
۶۸۵	سُورَةُ الْاَنْفٰطٰرِ	"	آیاتِ انا آخر سورت مع خلاصہ تفسیر
"	آیاتِ انا آخر سورت مع خلاصہ تفسیر	۶۵۲	معارف و مسائل
۶۸۶	معارف و مسائل	۶۵۳	نہند اللہ کی بڑی نعمت ہے
۶۸۹	سُورَةُ التَّطْوِیٰفِ	۶۵۶	خلودِ جہنم کا اجماعی عقیدہ اور اس پر شہادت کا جواب
"	آیاتِ انا آخر مع خلاصہ تفسیر	۶۶۰	سُورَةُ النَّازِعَاتِ
۶۹۳	معارف و مسائل	"	آیاتِ انا آخر سورت مع خلاصہ تفسیر

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۲۲	معارف و مسائل	۶۹۳	تطیف صرف ناپ تول ہی میں نہیں بلکہ
"	چند مسائل		مطلقاً حق دار کو حق سے کم دینا تطیف ہے
۷۲۳	تخلیق کائنات میں حق تعالیٰ کی لطیف و	۶۹۴	فقر و فاقہ اور قحط کی مختلف صورتیں
	عجیب حکمتیں	۶۹۵	رجحان اور علیتین مقامات کا نام ہے
۷۲۴	سائنس کی تعلیم بھی عطا حق تعالیٰ ہے	"	جنت اور دوزخ کا مقام
۷۲۷	صحیفہ ابراہیمی کے بعض مضامین	۶۹۶	فائدہ
"	صحیفہ موسیٰ علیہ السلام کے بعض مضامین	۶۹۷	موت کے بعد استقرار و احکام کیا ہے؟
۷۲۸	سُورَةُ الْغَاشِيَةِ	۷۰۰	سُورَةُ الْاِنْشِقَاقِ
"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر	"	آیات مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر
۷۳۰	معارف و مسائل	۷۰۲	معارف و مسائل
۷۳۲	بعض آداب معاشرت	۷۰۳	احکام الہیہ کی قمیص، ٹکڑی، تریجی
۷۳۴	سُورَةُ الْفَجْرِ	۷۰۴	رجوع الی اللہ
"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر	۷۰۶	انسان کا دائمی سفر اور بے شمار انقلابات
۷۳۷	معارف و مسائل		کے بعد آخری منزل
۷۳۸	وَالْفَجْرِ اور ثیالی عشر سے کیا مراد ہے؟	۷۰۹	سُورَةُ الْمَبْرُوجِ
۷۴۱	رزق کی فراخی اور تنگی مقبولیت یا	"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر
	مردودیت کی علامت نہیں	۷۱۲	معارف و مسائل
۷۴۲	یتیم کا حق ادا کرنے کے ساتھ اس کا اکرام	۷۱۳	اصحاب اخذ و رد کے واقعہ کی کچھ تفصیل
	بھی ضروری ہے		
۷۴۵	اَدْخُلِ الْجَنَّةَ کا خطاب موت اور حشر	۷۱۵	سُورَةُ الطَّارِقِ
"	دونوں کے وقت	"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر
"	چند واقعات عجیبہ	۷۱۶	معارف و مسائل
۷۴۷	سُورَةُ الْبَلَدِ	۷۲۰	سُورَةُ الْاَعْلٰی
"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر	"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۴۳	سُورَةُ الْاٰتِيْنَ	۴۴۹	معارف و مسائل
"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر	۴۵۰	دنیا میں نہ کوئی راحت مکمل ہے نہ کلفت مصیبت
۴۴۴	معارف و مسائل	"	آنکھ اور زبان کی تخلیق میں خاص حکمتیں
۴۴۵	انسان ساری مخلوقات میں سب سے زیادہ حسین ہے	۴۵۲	صرف اپنی نیکی پر اکتفا نہ کیا جائے۔
"	حسن انسانی کا ایک عجیب واقعہ	۴۵۳	سُورَةُ الشَّمْسِ
"	اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اَدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهِ، حدیث نہیں	"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر
۴۴۸	سُورَةُ الْعَلَقِ	۴۵۵	معارف و مسائل
"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر	۴۵۸	سُورَةُ اللَّيْلِ
۴۸۱	معارف و مسائل	"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر
"	سب سے پہلی وحی اور متعلقہ واقعات	۴۶۰	معارف و مسائل
۴۸۵	تعلیم کا سب سے پہلا ذریعہ قلم ہے	"	سچی و عمل کے اعتبار سے انسانوں کے دو گروہ
"	قلم کی تین قسمیں	۴۶۲	صحابہ کرامؓ کے سب سے جہنم سے محفوظ ہیں
"	علم کتابت کا سب سے پہلا سیکھنے والا	۴۶۳	سُورَةُ الصَّحٰحِ
۴۸۶	خط و کتابت اللہ کی بڑی نعمت ہے	"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر
"	علماء و سلف کا فن کتابت کے لئے اہتمام	۴۶۵	معارف و مسائل
"	آنحضرتؐ کو کتابت کا علم نہ دینے کا راز	"	شان نزول
۴۸۷	ذریعہ تعلیم قلم کے علاوہ اور بھی ہیں	۴۶۸	سورۃ ضحٰی سے آخر قرآن تک ہر سورت کے ساتھ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اللّٰهُ اَكْبَرُ کہنا سنت ہے
۴۸۹	سجدہ میں دعاء کی قبولیت	۴۶۹	سُورَةُ الْاِنْشِرَاحِ
۴۹۰	سُورَةُ الْقَدَرِ	"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر
"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر	"	معارف و مسائل
۴۹۱	معارف و مسائل	۴۷۰	شان نزول
"	شان نزول	۴۷۲	علماء کو کچھ وقت ذکر اللہ اور خلوت کا بھی رکھنا چاہئے
"	لسیلۃ القدر کے معنی		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۱۰	سُورۃ تکوین کی خاص فضیلت	۷۹۲	شب قدر کی تعبیریں
۸۱۱	سُورۃ العصر	"	شب قدر کے بعض فضائل
"	مکمل سورۃ مع خلاصہ تفسیر	۷۹۳	تمام آسمانی کتابیں رمضان میں نازل ہوئیں
"	معارف و مسائل	"	فائدہ
"	سورۃ عصر کی خاص فضیلت	۷۹۳	
۸۱۲	نوح الہامی کے خسارہ پر زانے کی قسم میں حکمت	۷۹۳	سُورۃ البینۃ
۸۱۳	نجات کے لئے صرف اپنی اصلاح کافی نہیں دوسرے مسلمانوں کی فکر بھی ضروری ہے	"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر
۸۱۴	سُورۃ الہمزۃ	۷۹۶	معارف و مسائل
"	سورت مع خلاصہ تفسیر	۸۰۰	سُورۃ الزلزال
۸۱۵	معارف و مسائل	"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر
۸۱۶	سُورۃ الفیل	۸۰۱	معارف و مسائل
"	سورت مع خلاصہ تفسیر	۸۰۲	سُورۃ الخیات
۸۱۷	معارف و مسائل	"	پوری سورت مع خلاصہ تفسیر
۸۱۸	واقعہ فیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے سال میں ہوا	۸۰۳	معارف و مسائل
"	اصحاب فیل کا تفصیلی واقعہ	۸۰۵	فائدہ
۸۲۲	سُورۃ قمریش	۸۰۶	سُورۃ القارعۃ
"	سورت مع خلاصہ تفسیر	"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر
"	معارف و مسائل	۸۰۷	معارف و مسائل
		۸۰۸	سُورۃ التکوین
		"	مکمل سورت مع خلاصہ تفسیر
		۸۰۹	معارف و مسائل

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۳۶	قرآن مجید کی آخری سورت اور آخری آیات	۸۲۳	قریش کی افضلیت سائے عرب پر
۸۳۷	جب موت قریب محسوس ہو تو تسبیح و استغفار کی کثرت چاہئے	۸۲۴	سورۃ قریش کی خاص فضیلت دشمن کے شر سے نجات
۸۳۸	سُورَةُ الْمَاعُونِ	۸۲۵	سورۃ مع خلاصہ تفسیر
"	سورت مع خلاصہ تفسیر	"	معارف و مسائل
"	معارف و مسائل	۸۲۶	سُورَةُ الْكَوْثَرِ
۸۳۹	شان نزول	۸۲۷	سورت مع خلاصہ تفسیر
۸۴۰	چغل خوری سخت کبیرہ گناہ ہے	"	معارف و مسائل
۸۴۱	سُورَةُ الْاِخْلَاصِ	۸۲۸	شان نزول
۸۴۲	سورت مع خلاصہ تفسیر	"	حوض کوثر
"	معارف و مسائل	۸۲۹	عبرت
"	شان نزول	۸۳۰	سُورَةُ الْكَافِرُوْنَ
۸۴۳	فضائل سورت	۸۳۱	سورت مع خلاصہ تفسیر
۸۴۴	سورۃ اخلاص میں مکمل توحید ہر طرح کے شرک کی نفی	"	معارف و مسائل
۸۴۵	سُورَةُ الْفَلَقِ	"	اس سورت کے فضائل اور خواص
"	سورت مع خلاصہ تفسیر	"	شان نزول
۸۴۶	معارف و مسائل	۸۳۲	کفار سے معاہدہ صلح کی جائز اور ناجائز صورتیں
۸۴۷	سحر کے اثر سے متاثر ہونا نبوت کے منافی نہیں	۸۳۳	سُورَةُ النَّصْرِ
"	معوذتین دینی اور دنیوی آفات سے حفاظت کا قلم	۸۳۴	سورت مع خلاصہ تفسیر
"		"	معارف و مسائل

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۵۴	انسان کے دو دشمن اور دونوں کا الگ الگ علاج	۸۴۸	لفظ شر کے معنی از ابن قیم
۸۵۵	انسانی اور شیطانی دشمنوں کے مقابلہ کا فرق	۸۵۰	سورۃ التائیس
۸۵۶	کبیر شیطانی ضعیف ہے	۸۵۲	سورت مع خلاصہ تفسیر
	قرآن کریم کی ابتداء و انتہاء میں خاص مناسبت	۸۵۳	معارف و مسائل
	خاتمہ تفسیر		شیطانی وساوس پناہ مانگنے کی اہمیت
	تتمتہ		موضح ہمت سے بچنا اور مسلمانوں کو بدگمانی سے بچانا بھی ضروری ہے
			سورۃ فلق اور ناس کے تعوذات میں فرق



سُورَةُ مُحَمَّدٍ

سورۃ محمد ﷺ مکیہ ۲۳ آیتیں ہیں اور اس میں ۲۳ آیتیں ہیں اور چار رکوع
سورۃ محمد مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں ۲۳ آیتیں ہیں اور چار رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْطَدُوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝ وَالَّذِينَ
جو لوگ کہ منکر ہوئے اور روکا اوروں کو اللہ کی راہ سے کھودے اللہ نے انکے کئے کام اور جو

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ
یقین لائے اور کئے بھلے کام اور مانا اس کو جو اُترا محمدؐ پر اور وہی ہے سچا دین

مِنْ رَبِّهِمْ لَا كُفْرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ
انکے رب کی طرف سے اُن پر سے اتاریں اُن کی بُرائیاں اور سنوارا اُن کا حال یہ اس لئے کہ

الَّذِينَ كَفَرُوا وَاتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ
جو منکر ہیں وہ چلے جھوٹی بات پر اور جو یقین لائے انھوں نے مانی سچی بات

مِنْ رَبِّهِمْ ۝ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ ۝

اپنے رب کی طرف سے یوں بتلاتا ہے اللہ لوگوں کو اُن کے احوال

خلاصہ تفسیر

جو لوگ (خود بھی) کافر ہوئے اور (دوسروں کو بھی) اللہ کے راستہ سے روکا (جیسا کہ کفار
کی عادت تھی کہ جان و مال سے ہر طرح کی کوشش اسلام کا راستہ روکنے میں کرتے تھے سو) خدا نے انکے
عمل کا عدم کردیئے (یعنی جن کاموں کو وہ نیک سمجھ رہے ہیں بوجہ عدم ایمان کے وہ مقبول نہیں بلکہ
اُن میں سے بعضے کام اور اُلٹے موجب عقاب ہیں جیسے اللہ کے راستے پر چلنے سے روکنے میں فرج

کرنا، کہا قال تعالیٰ فَسَيَنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً الْخَيْرِ (اور (برخلاف انکے) جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے اور (انکے ایمان کی کیفیت تفصیلی یہ ہے کہ) وہ اس سب پر ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا ہے اور وہ (جو نازل کیا گیا ہے وہ) انکے رقبے پاس سے (آیا ہوا) امر واقعی (بھی) ہے (جسکا ماننا بھی ضروری سو) اللہ تعالیٰ انکے گناہ اُن پر سے اتار دے گا (یعنی معاف کر دیگا) اور (دونوں جہان میں) اُن کی حالت درست رکھے گا (دُنیا میں تو اس طرح کہ اُن کو اعمالِ صالحہ کی توفیق بڑھتی جاوے گی اور آخرت میں اس طرح کہ ان کو عذاب سے نجات اور جنت میں داخلہ ملے گا اور) یہ (جو مومنین کی خوشحالی اور کفار کی بد حالی بیان کی گئی) اس وجہ سے ہے کہ کافر تو غلط راستہ پر چلے اور اہل ایمان صحیح راستہ پر چلے جو اُن کے رب کی طرف سے (آیا) ہے، (اور غلط راستہ کا موجب ناکامی ہونا اور صحیح راستہ کا سبب کامیابی ہونا ظاہر ہے اس لئے وہ ناکام ہوئے اور یہ کامیاب ہوئے۔ اور اگر اسلام کے صحیح راستہ ہونے میں کوئی شبہ ہو تو مَن رُبَّمَا سِئَامُ اسکا جواب ہو گیا کہ دلیل اسکی صحیح ہونے کی یہ ہے کہ وہ من جانب اللہ ہے اور من جانب اللہ ہونا تمام معجزات نبویہ سے بالخصوص اعجازِ قرآنی سے ثابت ہے اور) اللہ تعالیٰ اسی طرح (جیسے یہ حالت بیان فرمائی) لوگوں کے (نفع و ہدایت کے) لئے اُن (مذکورین) کے حالات بیان فرماتا ہے (تاکہ ترغیبِ ترہیب کے دونوں طریقوں سے ہدایت کی جائے)

معارف و مسائل

سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دوسرا نام سورہ قتال بھی ہے کیونکہ جہاد و قتال کے احکام اس میں بیان ہوئے ہیں۔ ہجرتِ مدینہ کے فوراً بعد ہی یہ سورت نازل ہوئی یہاں تک کہ اس کی ایک آیت کَاَيُّنَ قَرْيَةٍ قَدْ نَبِيَتْ كَيْفَ تَقُومُ عَنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ يَوْمَئِذٍ يَكُونُ لَكَ يَوْمَئِذٍ ثَمَرٌ مِّمَّا تَكْفُرُ (آیت ۱) سے یہ منقول ہے کہ وہ مکی آیت ہے کیونکہ اسکا نزول اس وقت ہوا ہے جبکہ آپ ہجرت کی نیت سے مکہ معظمہ سے نکلے اور مکہ مکرمہ کی بستی اور بیت اللہ پر نظر کر کے آپ نے فرمایا کہ ساری دُنیا کے شہروں میں مجھے تو ہی محبوب ہے اگر اہل مکہ مجھے یہاں سے نہ نکالتے تو میں خود اپنے اختیار سے مکہ مکرمہ کو نہ چھوڑتا، اور اصطلاحِ مفسرین کے مطابق جو آیات سفر، ہجرتِ مدینہ کے دوران میں نازل ہوئی ہیں وہ مکی کہلاتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ سورت ہجرتِ مدینہ کے فوراً بعد نازل ہوئی ہے اور یہیں پہنچ کر کفار سے جہاد و قتال کے احکام نازل ہوئے ہیں۔

صَدَقَ وَاعْتَنَى سَبِيلَ اللَّهِ، سبیل اللہ سے مراد اسلام ہے أَضَلَّ أَعْمَاءَ لَهْجَتِهِمْ ان کفار کے وہ اعمال مراد ہیں جو فی نفسہ نیک کام ہیں جیسے مساکین کی امداد و اعانت، پڑوسی کی حمایت و حفاظت، سخاوت اور صدقہ خیرات وغیرہ کہ یہ اعمال اگرچہ اپنی ذات میں نیک اور اچھے عمل ہیں

لیکن آخرت میں ان کا فائدہ ایمان لانے کیساتھ مشروط ہے کافروں کے ایسے نیک اعمال آخرت میں انکے کچھ کام نہ آئیں گے البتہ دنیا میں ہی ان کو انکے نیک اعمال کے بدلے میں راحت و آرام دیدیا جاتا ہے۔
وَأَمَّا زَيْنًا فَزَلَّ عَلَىٰ حَقِّهِ، اگرچہ پہلے جملے میں ایسا اور عمل صالح کا ذکر آچکا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ پر نازل ہونیوالی وحی بھی شامل ہے مگر اس دوسرے جملے میں اسکو بالتصریح ذکر کرنے میں یہ بتلانا منظور ہے کہ ایمان کی اصل بنیاد اس پر ہے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات کو صدق دل سے قبول کیا جائے۔

وَأَصْلُكَ يَا كَاهِنًا، لفظ بال کبھی شان اور حال کے معنی میں آتا ہے اور کبھی قلب کے معنی میں یہاں دونوں معنی لئے جاسکتے ہیں، پہلے معنی لئے جاویں تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے حال کو یعنی دنیا و آخرت کے تمام کاموں کو درست کر دیا اور دوسری صورت میں معنی یہ ہونگے کہ اللہ تعالیٰ نے انکے قلوب کو درست کر دیا حاصل اسکا بھی وہی ہوگا کہ تمام کام درست کر دیئے کیونکہ کاموں کی درستی قلب کی درستی کیساتھ لازم و ملزوم ہیں۔

فَإِذَا كَفَيْتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْنَيْتُمُوهُمْ

سو جب تم مقابل ہو منکروں کے تو مارو گردنیں یہاں تک کہ جب خوب قتل کر چکو اُن کو

قَتَلُوا وَالْوَثَاقَ ۖ فَمَا مَثَلًا بَعْدُ وَإِنَّمَا فِدَاءٌ حَتَّىٰ تَضَعُوا

تو مضبوط باندھ لو قید پھر یا احسان کیجیو اور یا معاوضہ لیجیو جب تک کہ رکھ دے

	الْحَرْبِ أَوْ زَارَهَا فَتَجِبَ	
	لڑائی اپنے ہتھیار	

خلاصہ تفسیر

(اوپر کی آیات میں اہل ایمان کا مصلح ہونا اور کفار کا مفسد ہونا بیان ہوا ہے اسکی مناسبت سے کفر و کفار کا فساد رفع کرنے کے لئے اس آیت میں احکام جہاد کا ذکر ہے) سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو جائے تو اُن کی گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب تم اُن کی خوب خونریزی کر چکو (جسکی حد یہ ہے کہ کفار کی شوکت و قوت ٹوٹ جائے اور قتال بند کرنے سے مسلمانوں کی مضرت یا کفار کے غلبہ کا خوف نہ رہے) تو (اسوقت کفار کو قید کر کے) خوب مضبوط باندھ لو پھر اسکے بعد (تم کو دو باتوں کا اختیار ہے) یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا اور یا معاوضہ لیکر چھوڑ دینا (اور یہ قید اور قتل کا حکم اسوقت تک ہے) جب تک کہ لڑنے والے (دشمن) اپنے ہتھیار نہ رکھ دیں (مرا د اس

سے اسلام یا استسلام ہی یعنی یا تو اسلام قبول کر لیں یا مسلمانوں کا ذمی ہو کر رہنا قبول کر لیں تو پھر نہ قتل جائز ہے نہ قید۔

معارف و مسائل

اس آیت سے دو باتیں ثابت ہوئیں، اول یہ کہ جب قتال کے ذریعہ کفار کی شوکت و قوت ٹوٹ جائے تو اب بجائے قتل کرنے کے ان کو قید کر لیا جائے پھر ان جنگی قیدیوں کے متعلق مسلمانوں کو دو اختیار دیئے گئے، ایک یہ کہ ان پر احسان کیا جائے بغیر کسی فدیہ اور معاوضہ کے چھوڑ دیا جائے دوسرے یہ کہ ان سے کوئی فدیہ لیکر چھوڑا جائے۔ فدیہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے کچھ مسلمان ان کے ہاتھ میں قید ہوں تو ان سے تبادلہ کر لیا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ مال کا فدیہ لیکر چھوڑا جائے۔ یہ حکم بظاہر اس حکم کے خلاف ہے جو سورہ انفال کی آیت میں گزر چکا ہے جس میں غزوہ بدر کے قیدیوں کو معاوضہ لیکر چھوڑ دینے کی رائے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اس عمل پر اللہ تعالیٰ کا عذاب قریب آگیا تھا اگر یہ عذاب آتا تو اس سے بجز عمر بن خطابؓ اور سعد بن معاذؓ کے کوئی نہ بچتا کیونکہ انھوں نے فدیہ لیکر چھوڑ نیکی رائے سے اختلاف کیا تھا جس کی پوری تفصیل معارف القرآن جلد چہارم میں صفحہ ۲۸۲ سے ۲۸۸ تک لکھی گئی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آیت انفال نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑنا بھی ممنوع کر دیا تو بلا معاوضہ چھوڑنا بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا۔ اور سورہ محمد کی آیت مذکورہ نے ان دونوں چیزوں کو جائز قرار دیا ہے اسلئے اکثر صحابہ اور ائمہ فقہاء نے فرمایا کہ سورہ محمد کی اس آیت نے سورہ انفال کی آیت کو منسوخ کر دیا تفسیر منظرہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حسن اور عطار اور اکثر صحابہ و جہور فقہاء کا یہی قول ہے اور ائمہ فقہاء میں سے ثوری، شافعی، احمد، اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ غزوہ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی قلت تھی اسوقت من و فدا کی ممانعت آئی اور پھر حب مسلمانوں کی شوکت و تعداد بڑھ گئی تو سورہ محمد میں من و فدا کی اجازت دیدی گئی۔ تفسیر منظرہ میں حضرت قاضی شہار اللہؒ نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ یہی قول صحیح اور مختار ہے کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل فرمایا اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے اس پر عمل فرمایا اسلئے یہ آیت سورہ انفال کی آیت کے لئے ناسخ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سورہ انفال کی آیت غزوہ بدر کے وقت نازل ہوئی جو ہجرت کے دوسرے سال میں ہوا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سترہ ہجری غزوہ حدیبیہ میں جن قیدیوں کو بلا معاوضہ آزاد فرمایا وہ سورہ محمد کی اس آیت مذکورہ کے مطابق ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اہل مکہ میں سے اسی آدمی اچانک جبل تنعیم

سے اترے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو بے خبر یا کر قتل کرنے کا ارادہ کر رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے ان کو زندہ گرفتار کر لیا پھر بلا معاوضہ آزاد کر دیا۔ اسی پر سورہ فتح کی یہ آیت نازل ہوئی وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَارْتَمَتْ بِكُمْ عَيْنُهُمْ بَاطِلٌ مَكْرٌ مِنْ أَعْيُنِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ، امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مشہور مذہب اُن کی ایک روایت کی مطابق یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ یا معاوضہ لیکر آزاد کرنا جائز نہیں اسی لئے علماء حنفیہ نے سورہ محمد کی آیت مذکورہ کو امام اعظم کے نزدیک منسوخ اور سورہ انفال کی آیت کو ناسخ قرار دیا ہے مگر تفسیر منطہری نے یہ صرح کر دیا کہ سورہ انفال کی آیت پہلے اور سورہ محمد کی آیت بعد میں نازل ہوئی ہے اس لئے وہی ناسخ اور انفال کی آیت منسوخ ہے اور امام اعظم کا مختار مذہب بھی جمہور صحابہ و فقہاء کی مطابق آزاد کر دینے کے جواز کا نقل کیا ہے جبکہ مسلمانوں کی مصلحت اس میں ہو، اور فرمایا کہ یہی اصح اور مختار ہے۔ علماء حنفیہ میں سے علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں اسی طرف مائل ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ قدوری اور ہدایہ کی روایت کی مطابق امام اعظم کے نزدیک قیدیوں کو فدیہ لیکر آزاد نہیں کیا جاسکتا اور یہ ایک روایت ہے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے، مگر انہی سے دوسری روایت سیر کبیر میں جمہور کے قول کی مطابق جواز کی منقول ہے اور یہی ان دونوں روایتوں میں اظہر ہے اور امام طحاوی نے معانی الآثار میں اسی کو ابو حنیفہؒ کا مذہب قرار دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ سورہ محمد اور سورہ انفال کی دونوں آیتیں جمہور صحابہ و ائمہ کے نزدیک منسوخ نہیں، مسلمانوں کے حالات اور ضرورت کے تابع امام المسلمین کو اختیار ہے کہ انہیں جس صورت کو مناسب سمجھے اختیار کر لے۔ قرطبی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عمل سے یہ ثابت کیا ہے کہ جنگی قیدیوں کو کبھی قتل کیا گیا ہے اور کبھی غلام بنایا گیا اور کبھی فدیہ لے کر چھوڑا گیا اور کبھی بغیر فدیہ کے آزاد کر دیا گیا۔ فدیہ لینے میں یہ بھی داخل ہے کہ انکے بدلے میں مسلمان قیدی آزاد کر لئے جائیں اور یہ بھی کہ اُن سے کچھ مال لیکر چھوڑ جائے، دونوں قسم کی صورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عمل سے ثابت ہیں اس تفصیل کو نقل کرنے کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ اس معاملہ میں جن آیتوں کو ناسخ منسوخ کہا گیا درحقیقت وہ سب محکم ہیں ان میں سے کوئی منسوخ نہیں، اس لئے کہ جب کفار قید ہو کر ہمارے قبضے میں آئیں تو امام المسلمین کو چار چیزوں کا اختیار ہے کہ مناسب سمجھے تو قتل کر دے اور مصلحت مسلمانوں کی سمجھے تو ان کو غلام اور نوٹھی بنائے، اور فدیہ لیکر چھوڑنے میں مصلحت ہو تو فدیہ مال کا یا مسلمان قیدیوں کا لیکر چھوڑ دے یا بغیر کسی معاوضہ کے آزاد کر دے۔ قرطبی نے تفصیل نقل کر کے لکھا ہے وَهَذَا الْقَوْلُ يَرَوْنَهُ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَالشَّافِعِيِّ وَالْإِسْمَاعِيلِيِّ وَالْحَنَابِلِيِّ وَالطَّحَاوِيِّ وَمِثْلِهِ

عن ابی حنیفہ والمشہور مآخذ منہا، یعنی علمائے مدینہ کا یہی قول ہے اور یہی قول امام شافعیؒ اور ابو عبیدہؒ کا ہے اور امام طحاویؒ نے ابو حنیفہؒ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے اگرچہ مشہور مذہب ان کا اسکے خلاف ہے (قرطبی ص ۲۲۸ ج ۱۶)

جنگی قیدیوں کے متعلق | مذکور الصدر تقریر سے واضح ہو گیا کہ جنگی قیدیوں کے قتل اور استرقاق یعنی غلام بنالینے کا جو امام المسلمین کو اختیار ہے اس پر تو تمام اُمت کا اجماع ہے اور قیدیوں کے کر یا بلا معاوضہ آزاد کرنے میں اگرچہ کچھ اختلافات ہیں مگر جمہور کے نزدیک یہ دونوں صورتیں بھی جائز ہیں۔

اسلام میں غلامی کی بحث | یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنگی قیدیوں کو آزاد چھوڑ دینے میں تو فقہاء کا کچھ اختلاف ہے بھی، قتل کرنے اور غلام بنانے کی اجازت میں کوئی اختلاف نہیں سب کا اجماع ہے کہ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، پھر قرآن کریم میں ان دو صورتوں کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟ اور صرف آزاد چھوڑنے کی دو صورتوں ہی کا بیان کیوں کیا گیا ہے؟ اس سوال کا جواب امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں یہ دیا ہے کہ یہاں صرف ان دو صورتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ہر جگہ اور ہر وقت جائز ہوں، غلام بنانے کا ذکر اسلئے نہیں کیا گیا کہ عرب کے جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی اجازت نہیں ہے، اور قتل بھی ایسا جو غیرہ کا جائز نہیں اسکے علاوہ قتل کا ذکر اور پرا بھی چکا ہے (تفسیر کبیر ص ۷۷ ج ۷)

دوسری بات یہ ہے کہ جہاں تک قتل کرنے اور غلام بنانے کا تعلق ہے اس کا جواز بہت معروف و مشہور تھا، سب کو معلوم تھا کہ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں اسکے برخلاف آزاد چھوڑ دینے کو غزوہ بدر کے موقع پر ممنوع کر دیا گیا تھا، اب اس مقام پر آزاد چھوڑنے کی اجازت دینا ہی مقصود تھا اسلئے اسی کی دو صورتوں یعنی من اور فدا کا ذکر کر دیا گیا، اور جو صورتیں پہلے سے جائز تھیں انھیں اس موقع پر بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، اسلئے ان آیات میں ان سے سکوت اختیار کیا گیا، لہذا ان آیات سے یہ نتیجہ نکالنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد قتل یا غلام بنانے کی اجازت منسوخ کر دی گئی ہے، ورنہ اگر غلام بنانے کا حکم منسوخ ہو گیا ہوتا تو قرآن و حدیث میں کسی ایک جگہ تو اس کی ممانعت مذکور ہوتی، اور اگر یہ آیت ہی ممانعت کے قائم مقام تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بعد قرآن و حدیث پر جان دینے والے صحابہ کرامؓ نے بشمار غزوات میں جنگی قیدیوں کو غلام کیوں بنایا؟ روایات حدیث و تاریخ میں غلام بنانے کا ذکر اس کثرت اور معنوی تواثر کیسا تھا آیا ہے کہ اس کا انکار مسکا برہ کے سوا کچھ نہیں۔

رہا یہ اشکال کہ اسلام، جو حقوق انسانیت کا سب سے بڑا محافظ ہے، اُس نے غلامی کی اجازت کیوں دی؟ سو درحقیقت یہ اشکال اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کی جائز

کی ہوئی غلامی کو دیگر مذاہب اقوام کی غلامی پر قیاس کر لیا گیا ہے حالانکہ اسلام نے غلاموں کو جو حقوق عطا کئے اور معاشرے میں ان کو جو مقام دیا اسکے بعد وہ صرف نام کی غلامی رہ گئی ورنہ حقیقت میں وہ بھائی چارہ بن گیا ہے، اور اگر اس کی حقیقت اور روح پر نظر کیجائے تو بہت سی صورتوں میں جنگی قیدیوں کیساتھ اس سے بہتر سلوک ممکن نہیں، مشہور مستشرق موریس گستاڈ لیبان اپنی کتاب تمدن عرب میں لکھتا ہے :-

”غلام کا لفظ جب کسی ایسے یورپین شخص کے سامنے بولا جاتا ہے جو تیس سال کے دوران لکھی ہوئی امریکی روایتوں کو پڑھنے کا عادی ہے تو اس کے دل میں اُن مسکینوں کا تصور آ جاتا ہے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، ان کے گلوں میں طوق پڑے ہیں اور انھیں کوٹے مار مار کر ہنکایا جا رہا ہے، ان کی غذا انکی سدرہ مق کے لئے بھی کافی نہیں اور انھیں نہ ہنے کے لئے تاریک کوٹھڑیوں کے سوا کچھ میسر نہیں، مجھے یہاں اس سے بحث نہیں کہ یہ تصویر کس حد تک درست ہے اور انگریزوں نے چند سالوں سے امریکہ میں جو کچھ کیا ہے یہ باتیں اس پر صادق آتی ہیں یا نہیں؟ ... لیکن یہ بالکل یقینی بات ہے کہ اہل اسلام کے یہاں غلام کا تصور نصاریٰ کے یہاں غلام کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔“

(منقول از دائرة المعارف القرآن العشرین الفرید وجدی، ص ۲۴۹ ج ۴ مادہ ”استرقاق“)

حقیقت یہ ہے کہ بہت سی صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں قیدیوں کو غلام بنانے سے بہتر کوئی دوسرا راستہ نہیں ہوتا، کیونکہ اگر غلام نہ بنایا جائے تو تین ہی صورتیں عقلاً ممکن ہیں، یا قتل کر دیا جائے، یا آزاد چھوڑ دیا جائے یا دائمی قیدی بنا کر رکھا جائے، اور بسا اوقات تینوں صورتیں مصلحت کے خلاف ہوتی ہیں، قتل کرنا اس لئے مناسب نہیں ہوتا کہ قیدی اچھی صلاحیتوں کا مالک ہوتا ہے۔ آزاد چھوڑ دینے میں بعض مرتبہ یہ خطرہ ہوتا ہے کہ دارالحرب میں پہنچ کر وہ مسلمانوں کے لئے دوبارہ عظیم خطرہ بن جائے، اب وہی صورتیں رہ جاتی ہیں، یا تو اسے دائمی قیدی بنا کر آجکل کی طرح کسی الگ تھلگ جزیرے میں ڈال دیا جائے یا پھر غلام بنا کر اس کی صلاحیتوں سے کام لیا جائے اور اس کے حقوق انسانی کی پوری نگہداشت کی جائے، ہر شخص سوچ سکتا ہے کہ ان میں سے بہتر صورت کونسی ہے؟ بالخصوص جبکہ غلاموں کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر وہ ہے جو ایک معروف حدیث میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالفاظِ ذیل بیان فرمایا ہے:

تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے زیر دست کر دیا ہے، پس جسکا بھائی اسکے زیر دست ہو اسے چاہئے کہ اسکو بھی اسی میں سے کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے اور اسی

اخوانکم جعلہم اللہ تحت ایدیکم
فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ
متا یا کل ولیلبسہ فمالی یسرق لا یکلفہ

مَا يَغْلِبُهُ فَاِنْ كَلَفَهُ مَا يَغْلِبُهُ فَلَْيَعْنَهُ
(بخاری، مسلم، ابوداؤد وغیرہ)

میں سے پہنائے جسے وہ خود پہنتا ہے اور اسکو ایسے کام کی زحمت نہ دے جو اس کے لئے ناقابل برداشت ہو، اور اگر اسے ایسے کام کی تکلیف دے تو خود بھی اس کی مدد کرے۔

معاشرتی اور تمدنی حقوق کے اعتبار سے اسلام نے غلاموں کو جو مرتبہ عطا کیا وہ آزاد افراد کے قریب قریب مساوی ہے، چنانچہ دوسری اقوام کے برخلاف اسلام نے غلاموں کو نکاح کی نہ صرف اجازت دی بلکہ آقاؤں کو اُنکی خواہش کے ذریعہ اسکی تاکید کی گئی ہے یہاں تک کہ وہ آزاد عورتوں سے بھی نکاح کر سکتا ہے، مال غنیمت میں اسکا حصہ آزاد مجاہدین کے برابر ہے اور دشمن کو امان دینے میں اسکا قول اسی طرح معتبر ہے جس طرح آزاد افراد کا، قرآن و حدیث میں ان کیساتھ حسن سلوک کے اتنے احکام آئے ہیں کہ ان کو جمع کر نیسے ایک مستقل کتاب بن سکتی ہے، یہاں تک کہ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو الفاظ آخری وقت تک زبان مبارک پر جاری تھے اور جس کے بعد آپ خالق حقیقی سے جا ملے، وہ یہ الفاظ تھے: الصَّلَاةُ الصَّلَاةُ، اتَّقُوا اللَّهَ فِيمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ترجمہ: نماز کا خیال رکھو، نماز کا خیال رکھو، اپنے زیر دست غلاموں کے بار میں اللہ سے ڈرو (ابوداؤد۔ باب فی حق المملوک) غلاموں کے لئے تعلیم و تربیت کے جو مواقع اسلام نے فراہم کئے ہیں ان کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں اسلامی سلطنت کے تقریباً تمام صوبوں میں علم و فضل کے مرجع اعلیٰ سب کے سب غلاموں میں سے تھے جسکا واقعہ متعدد کتب تاریخ میں مذکور ہے پھر اس نام کی غلامی کو بھی رفتہ رفتہ ختم یا کم کرنے کے لئے غلاموں کو آزاد کر نیکے اتنے فضائل و سران و حدیث میں وارد ہوئے ہیں کہ شاید ہی کوئی نیکی اس کی ہمسری کر سکے۔ مختلف فقہی احکام میں غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے بہانے ڈھونڈے گئے ہیں۔ کفارہ صوم، کفارہ قتل، کفارہ ظہار، کفارہ یمین ان تمام صورتوں میں سب سے پہلا حکم یہ مذکور ہے کہ کوئی غلام آزاد کیا جائے، یہاں تک کہ حدیث میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی نے غلام کو ناحق تھپڑ مار دیا تو اسکا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دیا جائے۔ (صحیح مسلم۔ باب صجۃ الممالیک) چنانچہ صحابہ کرامؓ جس کثرت کیساتھ غلام آزاد کیا کرتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ صاحب النجم الوہاب نے بعض صحابہؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی یہ تعداد نقل کی ہے

حضرت عائشہؓ ۶۹ حضرت عباسؓ ۷۰

حضرت حکیم بن حزامؓ ۱۰۰ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ۱۰۰۰

حضرت عثمان غنیؓ ۲۰ حضرت ذوالکفل اعجمیؓ ۸۰۰۰ (حضرا یکدہیں)

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ ۳۰۰۰ (فتح الغلام شرح بلوغ المرام از نواب صدیق حسن خان صاحب ۲۳۲ کتاب العتق)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف سات صحابہؓ نے اتنا لیس ہزار و سوا تسٹھ غلام آزاد کئے، اور ظاہر ہے

کہ دوسرے ہزاروں صحابہؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد اس سے کہیں زائد ہوگی۔ غرض اسلام نے غلامی کے نظام میں جو ہمہ گیر اصلاحات کیں جو شخص بھی انہیں بنظر انصاف دیکھے گا وہ اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اسے دوسری اقوام کے احکام غلامی پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے، اور ان اصلاحات کے بعد جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی اجازت ان پر ایک عظیم احسان بن گئی ہے۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا حکم صرف اباحت اور جواز کی حد تک ہے یعنی اگر اسلامی حکومت مصالح کے مطابق سمجھے تو انہیں غلام بنا سکتی ہے ایسا کرنا مستحب یا واجب فعل نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث کے مجموعی ارشادات سے آزاد کرنیکا افضل ہونا سمجھ میں آتا ہے اور یہ اجازت بھی اس وقت تک کے لئے ہے جب تک اس کے خلاف دشمن سے کوئی معاہدہ نہ ہو اور اگر دشمن سے یہ معاہدہ ہو جائے کہ نہ وہ ہمارے قیدیوں کو غلام بنائینگے نہ ہم ان کے قیدیوں کو، تو پھر اس معاہدہ کی پابندی لازم ہوگی۔ ہمارے زمانے میں دنیا کے بہت سے ملکوں نے ایسا معاہدہ کیا ہوا ہے، لہذا جو اسلامی ممالک اس معاہدے میں شریک ہیں ان کے لئے غلام بنانا اس وقت تک جائز نہیں جب تک یہ معاہدہ قائم ہے۔

ذٰلِكَ ۙ وَكُوشَاءُ اللّٰهُ لَا تُنَصِّرُ مِنْهُمْ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوْا اَبْعَضَكُمْۙ يَبْعُضُ

یہ سن چکے اور اگر چاہے اللہ تو بدلے اُن سے پر جانچنا چاہتا ہے تمہارے ایک سے دوسرے کو

وَالَّذِيْنَ قَاتَلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالُهُمْ ۙ سَيَجْزِيْهِمْ

اور جو لوگ مارے گئے اللہ کی راہ میں تو نہ ضائع کریگا وہ ان کے کئے کام ان کو راہ دیگا

وَيُضِلُّهُمۡ بِاللّٰهِ ۙ وَيُدْخِلُهُمۡ الْجَنَّةَ عَرَفَهَا لَّهُمْ ۙ يَا أَيُّهَا

اور سنوارے گا ان کا حال اور داخل کریگا اُن کو بہشت میں جو معلوم کرا دی ہے ان کو اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوْا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۙ

ایمان والو اگر تم مدد کرو گے اللہ کی تودہ تمہاری مدد کریگا اور جہادے گا تمہارے پاؤں

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعَسَّ اَلَهُمْ ۙ وَاَصْلَ اَعْمَالُهُمْ ۙ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

اور جو لوگ کہ منکر ہوئے وہ گرے منہ کے بل اور کھو دیئے ان کے کئے کام یہ اس لئے کہ انکو پسند

كَرِهُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاحْبَطَ اَعْمَالُهُمْ ۙ اَفَلَمْ يَسِيرُوْا فِي

نہ ہوا جو اتارا اللہ نے پھر اکارت کر دیئے ان کے کئے کام کیا وہ پھرے نہیں

الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ دَرَر

ملک میں کہ دیکھیں کیسا ہوا انجام اُن کا جو اُن سے پہلے تھے ہلاکی

اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا ۝ ذَلِك بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى

ذالی اللہ نے اُن پر اور منکروں کو ملتی رہتی ہیں ایسی چیزیں یہ اس لئے کہ اللہ رفیق ہے اُن کا

الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ ۝

جو یقین لائے اور یہ کہ جو منکر ہیں اُن کا رفیق نہیں کوئی

خلاصہ تفسیر

یہ حکم (جہاد کا جو مذکور ہوا) بجالانا اور (جو بعض صورتوں میں کفار سے انتقام لینے کیلئے طریقہ جہاد کا مقرر کیا، یہ خاص حکمت کی وجہ سے ہے ورنہ) اگر اللہ چاہتا تو اُن سے (خود ہی آسمانی اور زمینی عذابوں کے ذریعہ) انتقام لے لیتا (جیسے پھیلی اُمتوں سے اسی طرح انتقام لیا، کسی پر پتھر سے کسی پر ہوا کا طوفان آیا، کسی کو غرق کیا گیا، اگر ایسا ہوتا تو تم کو جہاد نہ کرنا پڑتا) لیکن (تم کو جہاد کرنیکا حکم اسلئے دیا) تاکہ تمہارا ایک دوسرے کے ذریعہ امتحان کرے (مسلمانوں کا امتحان یہ کہ کون حکیم الہی پر اپنی جان کو ترجیح دیتا ہے، اور کفار کا امتحان یہ کہ قتال و جہاد کی تکلیف سے مستنہ ہو کر کون حق کو قبول کرتا ہے) اور (جہاد میں جیسے کفار کا قاتل ہونا کامیابی ہی اسی طرح مقتول ہونا بھی ناکامی نہیں کیونکہ) جو لوگ اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں مارے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال کو (جن میں یہ عمل جہاد بھی داخل ہے) ہرگز ضائع نہ کرے گا (جیسا کہ ظاہر میں سمجھا جاسکتا ہے کہ جب وہ کافروں پر غالب نہ آسکا یہ خود مقتول ہو گیا تو گویا اسکا عمل بیکار گیا مگر واقعہ یوں نہیں کیونکہ اسکے اس عمل پر دوسرا نتیجہ جو ظاہری کامیابی سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے اس کو حاصل ہو گیا وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اُن کو (منزل) مقصود تک (جسکا بیان آگے آتا ہے) پہنچا دے گا اور اُن کی حالت (قبر اور حشر اور پل صراط اور تمام مواقع آخرت میں) درست رکھے گا (کہیں کوئی خرابی اور مضرت اُن کو نہ پہنچے گی) اور (اس منزل مقصود تک پہنچنے کا بیان یہ ہے کہ) اُن کو جنت میں داخل کر دیا جائے گی اُن کو پہچان کر دیا جائے گا کہ ہر جنتی اپنے اپنے مقررہ مکان پر بغیر کسی تلاش و تفتیش کے بے تکلف جا پہنچے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جہاد میں ظاہری ناکامی یعنی خود مقتول ہو جانا بھی بڑی کامیابی ہے۔ آگے جہاد کے دُنیوی فوائد و فضائل کا ذکر کر کے اسکی ترغیب ہے کہ) اے ایمان والو اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا (جسکا نتیجہ دنیا میں بھی دشمنوں پر غالب آنا ہی خواہ ابتداء ہی یا کچھ عرصہ کے بعد انجام کار میں۔ اور بعض مومنین کا مقتول ہو جانا یا کسی معرکہ میں وقتی طور پر مغلوب ہو جانا اسکے منافی نہیں) اور (اسی طرح دشمنوں کے مقابلہ میں) تمہارے قدم

جماد گیکا (اسی طرح کا مطلب یہ ہے خواہ ابتداء ہی سے یا وقتی پسپائی کے بعد انتہا میں ثابت قدم رکھ کر کفار پر غالب کر گیکا جیسا کہ بار بار اسکا مشاہدہ دنیا میں ہو چکا ہے یہ تو مسلمانوں کا حال بن گیا گیا) اور جو لوگ کافر ہیں انکے لئے (دنیا میں جبکہ مؤمنین سے مقابلہ کریں) تباہی (اور مغلوبیت) ہے اور (آخرت میں) انکے اعمال کو خدا تعالیٰ کا عدم کر دیکھا (جیسا کہ شروع سورت میں بیان ہوا۔ غرض کفار دونوں جہان میں خسارے میں ہے اور) یہ (کفار کا خسارہ اور اعمال کی بربادی) اس سبب سے ہوئی کہ انھوں نے اللہ کے اتارے ہوئے احکام کو ناپسند کیا (عقیدہ بھی اور عملاً بھی) سو اللہ نے انکے اعمال کو (اول ہی سے) اکارت کر دیا (کیونکہ کفر کا جو علی درجہ کی بغاوت ہے یہی اثر ہے اور یہ لوگ جو عذاب الہی سے نہیں ڈرتے) کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں اور انھوں نے دیکھا نہیں کہ جو لوگ اُن سے پہلے ہو گزرے ہیں اُن کا انجام کیسا ہوا کہ خدا تعالیٰ نے اُن پر کسی تباہی ڈالی (جو اُنکے اُجڑے ہوئے محلات و مکانات سے ظاہر ہے تو اُن کو بھی اس سے بے فکر نہ ہونا چاہیے کہ اپنے کفر سے باز نہ آئے تو) ان کافروں کے لئے بھی اسی قسم کے معاملات ہونے کو ہیں (اگے فریقین کے حال کا اجمالی ذکر ہے کہ) یہ (مسلمانوں کی کامیابی اور کافروں کی تباہی) اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کار ساز ہے اور کافروں کا کوئی (ایسا) کار ساز نہیں (کہ خدا کے مقابلہ میں انکے کام بنا سکے اسلئے وہ دونوں جہان میں ناکام رہتے ہیں اور مسلمانوں کو اگر کبھی دنیا میں وقتی ناکامی بھی ہو جائے تو انجام کار کامیابی ہوگی، اور آخرت کی فلاح تو ظاہر ہی ہے اسلئے مسلمان ہمیشہ کامیاب اور کافر ناکام رہتا ہے)

معارف و مسائل

مشروعیت جہاد کی ایک حکمت | وَكَوَيْشَاءَ لِلَّهِ لَئِنْ أَشْرَكْتَ مِنْهُمْ | اس آیت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس اُمت میں کفار سے جہاد و قتال کی مشروعیت درحقیقت ایک حکمت ہے کیونکہ وہ آسمانی عذابوں کے قائم مقام ہے کیونکہ کفر و شرک اور اللہ سے بغاوت کی سزا پچھلی قوموں کو آسمانی اور زمینی عذابوں کے ذریعہ دی گئی ہے اُمت محمدیہ میں ایسا ہو سکتا تھا مگر رحمۃ للعالمین کی برکت سے اس اُمت کو ایسے عام عذابوں سے بچا لیا گیا، اسکے قائم مقام جہاد شرعی کو کر دیا گیا جس میں نسبت عذاب عام کے بڑی سہولتیں اور مصلحتیں ہیں۔ اول تو یہ کہ عذاب عام میں پوری قومیں مرد، عورت، بچے سبھی تباہ ہوتے ہیں اور جہاد میں عورتیں بچے تو مامون ہیں ہی، مرد بھی صرف وہی اسکی زد میں آتے ہیں جو اللہ کے دین کی حفاظت کرنیوالوں کے مقابلہ پر قتال کے لئے اکھڑے ہوں، پھر اُس میں بھی سب مقتول نہیں ہوتے، اُن میں بہت سے لوگوں کو اسلام و ایمان کی توفیق نصیب ہوتی ہے نیز جہاد کی مشروعیت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اسکے ذریعہ جہاد و قتال کے دونوں فریق مسلمان

اور کافر کا امتحان ہو جاتا ہے کہ کون اللہ کے حکم پر اپنی جان و مال نثار کرنے کو تیار ہو جاتا ہے اور کون سرکشی اور کفر پر جما رہتا ہے یا اسلام کے روشن دلائل کو دیکھ کر اسلام قبول کر لیتا ہے۔
 وَالَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَنُضِلَّ عَنْهُمُ أَغْمًا لَهُمْ، شروع سورت میں ذکر تھا کہ جو لوگ کفر و شرک پر جمع ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی اسلام سے روکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اُن کے نیک اعمال کو بھی اکارت اور ضائع کر دیا یعنی صدقہ خیرات اور رفاہ عام کے نیک کام جو وہ کرتے ہیں کفر و شرک کی وجہ سے اللہ کے نزدیک آخرت میں ان کا کوئی ثواب نہیں، اسکے بالمقابل اس آیت میں فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں انکے اعمال ضائع نہیں ہوتے یعنی اگر انھوں نے کچھ گناہ بھی کئے ہوں تو اُن کے گناہوں کی وجہ سے اُن کے نیک اعمال پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ بسا اوقات اُن کے نیک اعمال اُن کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔

سَيَهْدِيَهُمْ وَيُضِلُّهُمْ بِالْهَمِّ، اس میں شہید فی سبیل اللہ کے لئے دو نعمتوں کا ذکر ہے ایک یہ کہ اللہ ان کو ہدایت کر دیگا۔ دوسرے اُن کے سب حالات درست کر دیگا۔ حالات سے مراد دنیا و آخرت دونوں جہان کے حالات ہیں۔ دنیا میں تو یہ کہ جو شخص جہاد میں شریک ہوا اگرچہ وہ شہید نہ ہوا سلامت رہا وہ بھی شہید کے ثواب کا مستحق ہو گیا، اور آخرت میں یہ کہ وہ قبر کے عذاب سے محشر کی پریشانی سے نجات پائے گا اور اگر کچھ لوگوں کے حقوق اسکے ذمہ رہ گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ اصحاب حقوق کو اُس سے راضی کر کے اسکی خلاصی کرادیں گے (کما ورد فی حدیث ابی نعیم والبیہقی منطہری) اور موت کے بعد ہدایت کر دینے سے مراد ان کی منزل مقصود یعنی جنت پر پہنچا دینا ہے جیسا کہ قرآن میں اہل جنت کے متعلق آیا ہے کہ جنت میں پہنچ کر کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدٰى لَنَا لِهٰذَا۔

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ، یہ ایک سیرا انعام ہے کہ اُن کو صرف یہی نہیں کہ جنت میں پہنچا دیا جائیگا بلکہ انکے دلوں میں خود بخود جنت کے اپنے اپنے مقام اور اسمیں ملنے والی نعمتوں جو وہ قصور سے ایسی واقفیت پیدا کر دی جائے گی جیسے وہ ہمیشہ سے انہی میں رہتے اور ان سے مانوس تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو جنت ایک نیا عالم تھا اسمیں اپنا مقام تلاش کرنے میں وہاں کی چیزوں سے مناسبت اور تعلق قائم ہونے میں وقت لگتا، اور ایک مدت تک اجنبیت کے احساس سے قلب مطمئن نہ ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھے دین حق دے کر بھیجا ہے کہ تم دنیا میں جس طرح اپنی بیبیوں اور گھروں سے واقف اور مانوس ہو اس سے بھی زیادہ اپنے جنت کے مقام اور وہاں کی بیبیوں سے واقف اور مانوس ہو جاؤ گے (رواہ ابن جریر والطبرانی والبیہقی منطہری) اور بعض روایتوں میں ہے کہ ایک فرشتہ ہر ایک جنتی کے لئے مقرر کر دیا جائیگا جو اسکا اپنے مقام جنت اور وہاں کی بیبیوں سے تعارف کرایگا واللہ اعلم

وَالْكَافِرِينَ اَمْثَلُهَا، یہاں الکافرین کا الف لام عہد کے لئے ہے اور مراد کفار مکہ ہیں مراد ان کو ڈرانا ہے کہ جس طرح پھلی اُمتوں پر عذاب آئے ہیں تم پر بھی آسکتے ہیں بے فکر نہ رہنا چاہیے۔

وَاَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلٰی لَهُمْ، لفظ مولى بہت سے معانی کے لئے مستعمل ہوتا ہے ایک معنی کارساز کے ہیں جو اس جگہ مراد ہیں اور ایک معنی مالک کے ہیں۔ قرآن میں دوسری جگہ کفار کے بارے میں آیا ہے رُدُّوْا اِلٰی اللّٰهِ مَوْلٰیْہُمْ الْحَقِّ، اس میں اللہ تعالیٰ کو کفار کے لئے بھی مولى قرار دیا ہے کیونکہ مولى کے معنی مالک کے ہیں اور مالکیت اللہ تعالیٰ کی عام ہے مومن کافر کوئی اُس سے خارج نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَدْخُلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنَّٰتٍ تَجْرِیْ

مقرر اللہ داخل کریگا اُن کو جو یقین لائے اور کئے بھلے کام باغوں میں جن کے

مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْهَارُ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا اٰیَمْتَعُوْنَ وِیَا کُلُوْنَ کَمَا

نیچے بہتی ہیں نہریں اور جو لوگ منکر ہیں برت رہے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے

تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوٰی لَہُمْ ۝۱۲ وَكَآئِنَ مِنْ قَرْیَۃٍ ھِیَ

کہ کھائیں جو پائے اور آگ ہے گھر اُن کا اور کتنی تھیں بستیوں جو

اَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْیَۃٍ الّٰتِیْ اَخْرَجْتَکَ اَھْلَکُنْہُمْ فَلَا

زیادہ تھیں زور میں اس تیری بستی سے جس نے تجھ کو نکالا ہمنے ان کو غارت کر دیا پھر

نَاصِرَ لَہُمْ ۝۱۳ اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِنْ رَبِّہٖ کَمَنْ رُّدِّیْنَ لَہٗ

کوئی نہیں اُن کا مددگار، بھلا ایک جو چلتا ہے واضح رستہ پر اپنے رب کے برابر ہے اسکے جکو بھلا دکھلایا

سُوْءٌ مِّمَّہٗ وَاتَّبِعُوْا اٰھْوَاۤءَہُمْ ۝۱۴ مَثَلُ الْجَنَّةِ الّٰتِیْ وُعِدَ

اُسکا بُرا کام اور چلتے ہیں اپنی خواہشوں پر احوال اس بہشت کا جس کا وعدہ ہوا کہ

الْمُتَّقُوْنَ فِیْہَا اَنْھَارٌ مِّنْ قَآءٍ غَیْرِ اَسْنِیْۃٍ وَّاَنْھَارٌ مِّنْ لَّیْلِ لَّمْ

ڈرنے والوں سے اس میں نہریں ہیں پانی کی جو نہریں نہیں کر گیا اور نہریں ہیں دودھ کی جسکا مزہ

یَتَغٰیَّرُ طَعْمُہٗ وَّاَنْھَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِیْنَ وَّاَنْھَارٌ مِّنْ

نہیں پھرا اور نہریں ہیں شراب کی جیسے مزہ ہے پینے والوں کے واسطے اور نہریں ہیں

عَسَلٍ مُّصَفٰی وَّ لَہُمْ فِیْہَا مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَۃٌ مِّنْ رَّبِّہُمْ

شہد کی جھاگ اُتار دیا، اور اُن کے لئے وہاں سب طرح کے میوے ہیں اور معافی ہے اُن کے رب سے

کَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَاۤءُہُمْ ۝۱۵

یہ برابر ہے اسکے جو سدا رہے آگ میں اور پیلا یا جلے ان کو کھوتا پانی تو کاٹ نکالے ان کی آستیں

خلاصہ تفسیر

بیشک اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی اور جو لوگ کافر ہیں وہ (دنیا میں) عیش کر رہے ہیں اور اس طرح (آخرت سے بے فکر ہو کر) کھاتے (پیتے) ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں (کہ وہ نہیں سوچتے کہ ہم کو کیوں کھلایا پلایا جاتا ہے اور ہمارے ذمہ اس کا کیا حق واجب ہے) اور جہنم اُن لوگوں کا ٹھکانا ہے (اور اوپر جو کفار کے دنیا میں عیش کر رہے ہیں اُس سے آپ کے مخالفین کو دھوکہ نہ کھانا چاہیے، اور نہ آپ کو اُن کی اس غفلت پر کچھ حزن و ملال ہونا چاہیے، جو اُن کی مخالفت کا سبب بنی ہوئی ہے یہاں تک کہ انھوں نے آپ کو تنگ کر کے مکہ میں بھی نہیں دیا کیونکہ) بہت سی بستیاں ایسی تھیں جو قوت (جسم اور قوت مال و جاہ) میں آپ کی اس سستی سے بھی ہوئی تھیں جس کے رہنے والوں نے آپ کو گھر سے بے گھر کر دیا کہ ہم نے ان کو (عذاب سے) ہلاک کر دیا سو اُن کا کوئی مددگار نہ ہوا (تو یہ بیچارے کیا چیز ہیں ان کو مغرور نہ ہونا چاہیے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ چاہیں ان کی صفائی کر سکتے ہیں اور آپ ان کے چند روزہ عیش سے مغموں نہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے مقرر وقت پر اُن کو بھی سزا دینے والے ہیں) تو جو لوگ اپنے پروردگار کے واضح (ثابت بالذلیل) راستے پر ہوں کیا وہ اُن شخصوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کی بد عملی ان کو بھلی معلوم ہوتی ہو اور جو اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہوں (یعنی جب ان دونوں فریق کے اعمال میں تفاوت ہے تو ان کے مال اور انجام میں بھی تفاوت ضروری ہے، اہل حق ثواب کے اور اہل باطل عقاب و عذاب کے مستحق ہیں جس کا بیان یہ ہے) جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں جس میں ذرا تغیر نہیں ہوگا (نہ بویں نہ رنگ میں نہ مزے میں) اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ ذرا بدلا ہوا نہ ہوگا، اور بہت سی نہریں ہیں شراب کی جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوگی اور بہت سی نہریں ہیں شہد کی جو باکھل (میل کچیل سے پاک) صاف ہوگا اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے پھل ہونگے اور (اس میں داخل ہونے سے پہلے) ان کے رب کی طرف سے (گناہوں کی) بخشش ہوگی کیا ایسے لوگ اُن جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، اور کھولتا ہوا پانی اُن کو پینے کو دیا جاوے گا تو وہ اُن کی انٹریوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔

معارف و مسائل

چونکہ دنیا کا پانی کبھی رنگ میں کبھی بویں کبھی ذائقہ میں متغیر ہو جاتا ہے اسی طرح دنیا کا

دودھ بگڑ جاتا ہے اسی طرح دنیا کی شراب بدمزہ دلتخ ہوتی ہے صرف بعض منافع کی خاطر پی جاتی ہو جیسے تمباکو کو کڑوا ہونیکے باوجود کھایا جاتا ہے پھر عادت پڑ جاتی ہے۔ جنت کے پانی اور دودھ اور شراب کے بار میں بتلادیا گیا کہ وہ سب ان تغیرات اور بدمزگی کی آفات سے خالی ہیں اور جنت کا دوسری مضرتوں اور مفاسد سے خالی ہوتا سورہ صافات کی آیت میں آیا ہے لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْفَوْنَ۔ اسی طرح دنیا کے شہد میں موم اور میل کچیل ملا ہوتا ہے جنت کی نہر میں شہد کا پاک صاف ہونا بتلادیا گیا۔ صحیح بات یہ ہے کہ انہار جنت کی چاروں قسمیں، پانی، دودھ، شراب، شہد اپنے حقیقی معنی میں ہیں بلا وجہ مجازی معنی لینے کی ضرورت نہیں، البتہ یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ جنت کی چیزوں کو دنیا کی چیزوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا وہاں کی ہر چیز کی لذت و کیف کچھ اور ہی ہوگا جس کی دنیا میں کوئی نظیر نہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِندِكَ قَالُوا

اور بعض ان میں ہیں کہ کان رکھتے ہیں تیری طرف یہاں تک کہ جب نکلیں تیرے پاس سے کہتے ہیں ان کو للَّذِينَ أَوْثُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ أَنْفَاكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ

جن کو علم ملا ہے کیا کہا تھا اس شخص نے ابھی یہ وہی ہیں جن کے دلوں پر مہر لگا دی ہے عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۖ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ

اللہ نے اور چلے ہیں اپنی خواہشوں پر اور جو لوگ راہ پر آئے ہیں ان کو اور بڑھ گئی هُدًى وَآثَرَهُمْ تَقْوَاهُمْ ۖ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ

اس سے سوجھ اور ان کو اس سے ملا بجکر چلنا اب یہی انتظار کرتے ہیں قیامت کا کہ آکھڑی ہو ان پر يَغْتَسَحَّ فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۚ فَأَنَّىٰ لَهُمْ إِذَا جَاءَهُمُ ذِكْرُهُمْ ۚ

ایسا تک سوا چکی ہیں اس کی نشانیاں پھر کہاں نصیب ہوگا ان کو جب وہ آپہنچے ان پر سمجھ پھرنا

خلاصہ تفسیر

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) بعض آدمی ایسے ہیں (مراد منافقین ہیں) کہ وہ (اپنی تبلیغ و تعلیم کے وقت ظاہر میں تو) آپ کی طرف کان لگاتے ہیں (لیکن دل سے بالکل متوجہ نہیں ہوتے) یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ کے پاس سے (اٹھ کر مجلس سے) باہر جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم (صحابہ) کہتے ہیں کہ حضرت نے ابھی (جب ہم مجلس میں تھے) کیا بات فرمائی تھی (ان کا یہ کہنا بھی ایک قسم کا استہزاء ہی تھا کہ اس سے یہ جملانا تھا کہ ہم آپ کی گفتگو کو قابل التفات نہیں سمجھتے، یہ بھی ایک شعبہ نفاق ہی کا تھا) یہ وہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے (ہدایت سے دور ہو گئے)

اور اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں اور (انہی کی قوم میں سے) جو لوگ راہ پر ہیں (یعنی مسلمان ہو چکے ہیں) اللہ تعالیٰ ان کو (احکام سننے کے وقت) اور زیادہ ہدایت دیتا ہے کہ وہ ان احکام جدیدہ پر بھی ایمان لاتے ہیں یعنی ان کی ایمانیات کی تعداد بڑھ گئی یا یہ کہ ان کے ایمان کو اور زیادہ قوی اور نچتہ کر دیتے ہیں جو عمل صالح کا خاصہ ہے کہ اس سے ایمان میں مزید نچنگی پیدا ہوتی ہے) اور ان کو ان کے تقویٰ کی توفیق دیدیتا ہے (آگے ان منافقین کے لئے وعید ہے کہ یہ جو قرآن اور احکام الہیہ سن کر بھی متاثر نہیں ہوتے) سو (معلوم ہوتا ہے کہ) یہ لوگ بس قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ اُن پر دفعۃً آپڑے (یہ بطور زبرد تو بیخ کے فرمایا کہ اب بھی متاثر نہیں ہوتے تو کیا قیامت میں تذکر اور ہدایت حاصل کریں گے) سو (یاد رکھو کہ قیامت بھی نزدیک ہے چنانچہ) اسکی (متعدد) علامتیں تو آچکی ہیں (چنانچہ از روئے حدیث خود خاتم النبیین کی بعثت و نبوت بھی علامات قیامت میں سے ہے اور شوقِ قمر بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہونے کے علاوہ قیامت کی علامات میں سے بھی ہے۔ یہ سب علامات زمانہ نزولِ قرآن میں موجود ہو چکی تھیں، آگے اسکا بیان ہے کہ ایمان لانے اور ہدایت پانے میں قیامت کا انتظار کرنا محض جہالت ہے کیونکہ وہ وقت سمجھنے اور عمل کرنے کا نہیں ہوگا۔ فرمایا) تو جب قیامت اُن کے سامنے آکھڑی ہوئی اُس وقت اُن کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا (یعنی مفید نہیں ہوگا)

معارف و مسائل

اشارات، کے معنی علامات کے ہیں اور علاماتِ قیامت کی ابتدا خود خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ہو جاتی ہے کیونکہ ختم نبوت بھی قربِ قیامت کی علامت ہے۔ اسی طرح شوقِ قمر کے معجزہ کو بھی قرآن میں اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ کیساتھ فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ یہ بھی علاماتِ قیامت میں سے ہے۔ یہ تو علاماتِ ابتدائیہ ہیں جو خود نزولِ قرآن کے وقت میں ظاہر ہو چکی تھیں دوسری علاماتِ قریبہ احادیثِ صحیحہ میں ثابت ہیں ان میں سے ایک حدیث حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ علاماتِ قیامت یہ ہیں۔

علم اٹھ جائیگا، جہل بڑھ جائیگا، زنا کی کثرت ہوگی، شراب خوری کی کثرت ہوگی، مرد کم رہ جائیں گے، عورتیں بڑھ جائیں گی، یہاں تک کہ بچاس عورتوں کا تکفل ایک مرد ہوگا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ علم گھٹ جائے گا اور جہل پھیل جائے گا (بخاری و مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مالِ غنیمت کو شخصی دولت سمجھ لیا جائے اور امانت کو مالِ غنیمت قرار دے لیا جائے (کہ حلال

سمجھ کر کھا جائیں) اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے (یعنی اسکی ادائیگی میں دل میں تنگی محسوس ہو) اور علم دنیا اغراض دنیوی کے لئے حاصل کیا جائے لگے، اور مرد اپنی بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے، اور دوست کو اپنے قریب کرے اور باپ کو دور کر دے، اور مساجد میں شور و شغب ہونے لگے۔ اور قوم کا سردار ان سب میں کا فاسق بدکردار آدمی ہو جائے، اور قوم کا نمائندہ ان سب میں کا ذلیل ہو جائے، اور شریر آدمی کا اکرام صرف اس لئے کرنا پڑے کہ اسکا اکرام نہ کریں گے تو تباہی بگا اور گانے والی عورتوں کا گانا عام ہو جائے، اور مزا میر باجے گا جے پھیل جائیں اور شرابی پی جائیں، اور اس امت کے آخری لوگ اپنے اسلاف پر لعنت کرنے لگیں تو اس وقت تم لوگ انتظار کرو ایک سرخ آندھی کا اور زلزلہ کا اور لوگوں کے زمین میں دھنس جانے کا اور صورتیں مسخ ہو جانے کا اور آسمان سے پتھر برسنے کا اور دوسری علامات قیامت کا جو یکے بعد دیگرے اس طرح آئیں گی جیسے موتیوں کی لڑی کو کاٹ دیا جائے اور موتی ایک ایک کر کے نیچے آگرتے ہیں۔

فَاعْلَمُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرُوا لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَلِلَّهِ مِيرَاتُ

سو تو جان لے کہ کسی کی بندگی نہیں سوائے اللہ کے اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایماندار مردوں

وَالْمُؤْمِنَاتُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ ۝ ۱۹

اور عورتوں کے لئے اور اللہ کو معلوم ہے بازگشت تمھاری اور گھر تمھارا

خلاصہ تفسیر

(جب آپ خدا تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار بندوں اور سرکشوں دونوں کا حال و مال سن چکے) تو آپ اسکا (اکمل طریقہ پر) یقین رکھئے کہ بجز اللہ کے اور کوئی قابل عبادت نہیں (اسیما دین کے تمام اصول و فروع آگئے، کیونکہ علم سے مراد علم کامل اکمل ہے اور علم کامل کے لئے لازم ہے کہ تمام احکام الہیہ پر پورا عمل ہو۔ حاصل یہ ہے کہ تمام احکام الہیہ پر مداومت رکھو) اور (اگر بھی کوئی خطا سرزد ہو جائے جو آپ کی عصمت نبوت کی بنیاد پر درحقیقت گناہ نہیں بلکہ صرف ترک افضل ہی ہو گا مگر آپ کی شان ارفع کے اعتبار سے صورتہ خطا ہے اس لئے) آپ اپنی (اُس ظاہری) خطا کی معافی مانگتے رہئے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کے لئے بھی (بخشش کی دعا مانگتے رہئے) اور (یہ بھی یاد رہے کہ) اللہ تعالیٰ تمھارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی (یعنی سب اعمال و احوال کی) خبر رکھتا ہے۔

معارف و مسائل

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ سمجھ لیجئے کہ اللہ کے سوا اور کوئی قابل عبادت نہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ علم تو ہر مؤمن مسلمان کو بھی حاصل ہے سید الانبیاء کو کیوں حاصل نہ ہوتا پھر اس علم کے حاصل کرنے کا حکم دینا یا تو اس پر ثبات قدم رہنے کے معنی میں ہے اور یا اس کے مقتضیات پر عمل کرنا مراد ہے جیسا کہ قرطبی نے نقل کیا ہے کہ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے کسی نے علم کی فضیلت کا سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کیا تم نے قرآن کا ارشاد نہیں سنا، فَأَعْلَمَ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرُ لِدُنْبِكَ کہ اس میں علم کے بعد عمل کا حکم دیا ہے اسی طرح دوسری جگہ فرمایا اَعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِيبٌ وَلَهُمْ أَوْفَرُ بَرَاءً إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ اسی طرح انفال میں فرمایا وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنْتُمْ فِيهَا فَاخِذُوا حَذَرًا وَهُمْ، ان سب مقامات میں اول علم پھر اس کے مقتضیات پر عمل کی تلقین فرمائی گئی ہے یہاں آیت مذکورہ میں بھی اگرچہ یہ علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے حاصل تھا مگر مقصود اس سے اس کے مقتضی پر عمل ہے اسی لئے اس کے بعد وَاسْتَغْفِرُ کا حکم دیا گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بوجہ عصمت نبوت کے اس کے خلاف کرنا اگرچہ حتمال نہیں تھا مگر انبیاء علیہم السلام سے معصوم ہونے کے باوجود بعض اوقات اجتہاد میں خطا ہو جاتی ہے اور اجتہادی خطا قانون شرع میں گناہ نہیں بلکہ اُس پر بھی اجر ملتا ہے مگر انبیاء علیہم السلام کو اس خطا پر مستثنیٰ ضرور کر دیا جاتا ہے اور ان کی شانِ عالی کے اعتبار سے اس کو لفظ ذنب سے بھی تعبیر کر دیا جاتا ہے جیسا کہ سورہ عبس میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک قسم کا عتاب نازل ہوا وہ بھی اسی خطا اجتہادی کی ایک مثال تھی جس کی تفصیل سورہ عبس میں آئے گی کہ وہ اجتہادی خطا اگرچہ کوئی گناہ نہ تھا بلکہ ایک اجر اسپر بھی ملنے کا وعدہ تھا مگر آپ کی شانِ عالی کے لئے اس کو پسند نہیں کیا گیا اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا۔ آیت مذکورہ میں اسی طرح کا ذنب مراد ہو سکتا ہے۔

فائدہ | حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ اور استغفار کی کثرت کیا کرو کیونکہ ابلیس کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو گناہوں میں مبتلا کر کے ہلاک کیا تو انھوں نے مجھے کلمہ لا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کہہ کر ہلاک کر دیا، جب میں نے دیکھا تو میں نے ان کو ایسے خیالات باطلہ کے پیچھے لگا دیا جن کو وہ نیکی سمجھ کر کرتے ہیں جیسے بدعات کا یہی حال ہے۔ اس سے اُن کو توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔

مُتَقَلِّبُكُمْ وَمَمْنُونُكُمْ، متقلب کے لفظی معنی لوٹ پوٹ ہونے یا الٹ پلٹ ہونے

کے اور مشوئی کے معنی جائے قرار کے ہیں، اس کی مراد میں مختلف احتمالات ہو سکتے ہیں اسی لئے حضرات مفسرین نے مختلف معنی بیان کئے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ سب ہی مراد ہیں کیونکہ ہر انسان پر دو قسم کے حالات آتے ہیں، ایک وہ جن میں عارضی اور وقتی طور پر اشتغال ہوتا ہے دوسرے وہ جن کو وہ مستقل اپنا مشغلہ سمجھتا ہے، اسی طرح بعض مکانات میں انسان کا قیام عارضی ہوتا ہے بعض میں مستقل، تو آیت میں عارضی کو متقلب کے لفظ سے اور مستقل کو مشوئی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اس طرح تمام احوال کا اللہ تعالیٰ کے علم میں ہونا اس آیت کا مفہوم ہے

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا كَوْلَا نَزَّلَتْ سُورَةٌ ۚ فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ

اور کہتے ہیں ایمان والے کیوں نہ آتری ایک سورت پھر جب آتری ایک سورت

مُحْكَمَةٌ ۖ وَذُكِّرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۚ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ

جا پختی ہوئی اور ذکر ہوا اسیں لڑائی کا تو تو دیکھتا ہے ان کو جن کے دل میں روگ ہے

يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَطْرَأُ الْمَغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ

تکنت ہیں تیری طرف جیسے تکتا ہے کوئی بیہوش پڑا ہوا مرنے کے وقت سو فرابی ہے ان کی

طَاعَةٌ ۖ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ ۚ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَقَدْ قَضَىٰ اللَّهُ

حکم ماننا ہے اور بھلی بات کہنا پھر جب تاکید ہو کام کی تو اگر سچے رہیں اللہ سے

لَكَ أَنْ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي

تو ان کا بھلا ہے پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت ملجائے تو ضرابی ڈالو

الْأَرْضِ وَتَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَعَنَ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ

ملک میں اور قطع کرو اپنی قرابتیں ایسے لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے پھر کر دیا انکو بہرا

وَأَعَمَّىٰ أَبْصَارَهُمْ ۚ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ ۚ الْقُرْآنُ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ

اور اندھی کر دیں ان کی آنکھیں کیا دھیان نہیں کرتے قرآن میں یا دلوں پر لگ رہے ہیں

أَقْفَالُهَا ۚ إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ

انکے قفل بیشک جو لوگ اُلٹے پھر گئے اپنی پیٹھ پر بعد اسکے کہ ظاہر ہو چکی

لَهُمُ الْهُدَىٰ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ

ان پر سیدھی راہ شیطان نے بات بنائی انکے دل میں اور دیر کے وعدے کئے یہ اس واسطے کہ انھوں

قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ ۚ وَاللَّهُ

نے کہا ان لوگوں سے جو بیزار ہیں اللہ کی اتاری کتاب کے ہم تمھاری بات بھی مانیں گے بعض کاموں میں اور اللہ

مسلمان لڑائی کا) تیار ہی ہو جاتا ہے تو (اُس وقت بھی) اگر یہ لوگ (دعویٰ ایمان باللہ میں) اللہ سے سچے رہتے (یعنی دعویٰ ایمان کے مقتضیٰ پر عمل کرتے جس میں تمام احکام شرعیہ عموماً اور حکم جہاد خصوصاً شامل ہے اور صدق دل سے جہاد کرتے) تو ان کے لئے بہت ہی بہتر ہوتا (یعنی ابتداء میں اگر منافق تھے تو اخیر ہی میں نفاق سے تائب ہو جاتے تب بھی ایمان مقبول ہو جاتا اور انتہا کو اس میں منحصر نہ سمجھا جاوے کیونکہ وقت موت تک صدق دل سے توبہ مقبول ہے، آگے جہاد کی تاکید اور اُس سے پیچھے رہنے والوں کو خطاب کر کے ترک جہاد پر بیان فرماتے ہیں کہ تم لوگ جو جہاد سے کراہت کرتے ہو) سو (اس میں ایک دُنیوی مضرت بھی ہے چنانچہ) اگر تم (اور اسی طرح سب جہاد سے) کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے (یعنی ہونا چاہیے) کہ تم (یعنی تمام آدمی) دُنیا میں فساد مچا دو اور آپس میں قطع قرابت کر دو (یعنی جہاد سے بڑا فائدہ اقامت عدل و صلاح و امن کا ہے اگر اس کو چھوڑ دیا جاوے تو مفسدین کا غلبہ ہو جائے اور کوئی انتظام جس میں تمام لوگوں کے مصالح کی حفاظت ہو نہ رہے اور ایسے انتظام نہ ہونے کے لئے فساد عام اور اضاعتہ حقوق لازم ہو پس جس جہاد میں دُنیوی منفعت بھی ہو اُس سے پیچھے ہٹنا اور بھی عجیب ہے، آگے ان منافقین کو رین کی تفسیح ہے کہ) یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے اپنی رحمت سے دُور کر دیا (اس لئے اسکے احکام پر عمل کی توفیق نہ رہی) پھر (رحمت سے بعید کرنے پر یہ امر مرتب ہوا کہ) اُن کو (یگوش قبول احکام الہیہ سُننے سے) بہرہ کر دیا اور (راہ حق کے دیکھنے سے) انکی (باطنی) آنکھوں کو اندھا کر دیا (آگے ان پر توضیح ہے کہ باوجودیکہ قرآن میں جہاد اور دیگر احکام کا وجوب مع دلائل حقاہیت قرآن کے اور ان احکام کے مصالح و مفاد پر لازم اور دُنیویہ بھی احیاناً اور ان احکام کی مخالفت پر وعیدیں مذکور ہیں پھر جو یہ لوگ اُس طرف التفات نہیں کرتے) تو کیا یہ لوگ قرآن (کے اعجاز اور مضامین) میں غور نہیں کرتے (اس لئے ان کو انکشاف نہیں ہوتا) یا (غور کرتے ہیں مگر دلوں پر (غیبی) قفل لگ رہے ہیں) یہ منع الخلو ہے، یعنی ان دونوں میں سے ایک بات کا ہونا ضروری اور دونوں جمع ہوں یہ بھی ہو سکتا ہے، اور واقع میں یہاں دونوں باتیں مجتمع ہیں، اول انکی طرف سے ایک فعل ہوا یعنی انکار کی وجہ سے قرآن میں غور نہ کرنا پھر اسکے وبال میں قفل لگ گیا جسکو طبع او ختم (یعنی مہر لگا دینا) بھی کہا گیا ہے اور دلیل اس ترتیب کی یہ آیت ہے ذَلِکَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ اور اس مجموعہ پر فہم لَا یَفْقَهُونَ مرتب ہے، آگے اس عدم تدبر کی وجہ فرماتے ہیں کہ) جو لوگ (حق سے) پشت پھیر کر ہٹ گئے بعد اس کے سیدھا راستہ اُن کو (دلائل عقلیہ مثل اعجاز قرآن اور دلائل نقلیہ مثل پیشین گوئی کتب سابقہ سے) صاف معلوم ہو گیا شیطان نے ان کو چقمہ دیا ہے اور اُن کو دُور دُور کی سوچھائی ہے کہ ایمان لائیسے فلاں مصلحتیں

موجودہ یا جو آئندہ متوقع ہیں فوت ہو جاویں گی، حاصل یہ ہوا کہ اس عدم تدبیر کی وجہ عناد ہے کہ ہدایت کے واضح ثبوت کے بعد پھر یہ اُلٹے پاؤں ٹوٹے جا رہے اور اس عناد کے بعد تسویل شیطانی ہوئی، یعنی شیطان نے ان کی نظروں میں اس غلط اور مہلک عمل کو مزین کر کے دکھلایا اور اس تسویل سے عدم تدبیر ہوا اور عدم تدبیر سے ختم اور طبع یعنی دلوں پر مہر ہوئی پھر (یہ ہدایت سامنے آجانے کے باوجود اس سے ٹوٹنا اور دور ہونا) اس سبب سے ہوا کہ ان لوگوں نے ایسے لوگوں سے جو کہ خدا کے آثار سے ہوئے احکام کو (حدا) ناپسند کرتے ہیں (مراد اس سے روسائے یہود ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد کرتے تھے اور باوجود معرفت حق کے اتباع سے عار کرتے تھے، حال یہ کہ ان منافقین نے روسائے یہود سے) یہ کہا بعضی باتوں میں ہم تمہارا کہنا مان لیں گے (یعنی تم جو ہم کو اتباع محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے منع کرتے ہو اسکے دو جز ہیں ایک عدم اتباع ظاہراً دوسرا عدم اتباع باطناً سو جزو اول میں تو ہم مصلحت تمہارا کہنا نہیں مان سکتے لیکن جزو ثانی میں مان لیں گے کیونکہ عقائد میں ہم تمہارے ساتھ ہیں، کہنا قال لا تأمروا بکفر، مطلب یہ ہوا کہ حق سے پھرنے کا سبب قومی تعصب اور کورانہ تقلید ہے، غرض ابتداء سلسلہ کی اس سے اور انتہا ختم و طبع پر) اور (گو اس قسم کی باتیں یہ منافقین خفیہ کرتے ہیں مگر) اللہ تعالیٰ ان کی خفیہ باتیں کرنے کو (خوب) جانتا ہے (اور بعض امور پر وحی سے آپ کو مطلع کر دیتا ہے، آگے وعید ہے جو کہ اولیٰ الہم کی تفسیر کے طور پر ہو سکتی ہے یعنی یہ جو ایسی حرکتیں کر رہے ہیں) سوان کا کیا حال ہوگا جبکہ فرشتے ان کی جان قبض کرتے ہونگے اور ان کے مونہوں پر اور پشتوں پر مار تے جاتے ہونگے (اور) یہ (سزا) اس سبب سے (ہوگی) کہ جو طریقہ خدا کی ناراضی کا موجب تھا یہ اُسی پر چلے اور اس کی رضا (یعنی اعمال موجبہ رضا) سے نفرت کیا کئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے سب اعمال (نیک ابتداء ہی سے) کا عدم کر دیئے (پس اس سزا کے مستحق ہو گئے اور کسی کے پاس کوئی عمل مقبول ہو تو اُس کی برکت سے عقوبت میں کچھ تو کمی ہو جاتی ہے آگے وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اسرارِ ہم کے مضمون کی شرح کے طور پر ہے کہ) جن لوگوں کے دلوں میں مرض (نفاق) ہے (اور وہ اُس کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں) کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی ان کی دلی عداوتوں کو ظاہر نہ کرے گا (یعنی یہ ان کو کیسے اطمینان ہو گیا جبکہ حق تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا ثابت اور مسلم ہے) اور ہم (تو) اگر چاہتے تو آپ کو انکا پورا پتہ بتلا دیتے سو آپ اُن کو اُنکے حلیہ سے پہچان لیتے (پورے پتہ کا مطلب یہی ہے کہ ہر ایک کا پورا حلیہ بتا دیتے) اور (گو مصلحت ہم نے اس طرح نہیں بتلایا لیکن) آپ اُن کو طرز کلام سے (اب بھی) ضرور پہچان لیں گے (کیونکہ اُن کا کلام صدق پر مبنی نہیں اور آپ کو نور فراست سے اللہ تعالیٰ نے صدق و کذب کی پہچان دی تھی کہ صدق کا اثر قلب پر اور ہوتا تھا اور کذب

کا اور جیسا کہ حدیث میں ہے کہ صدق اطمینان بخش ہوتا ہے اور جھوٹ دل میں شک پیدا کرتا ہے اور (آگے مومنین و منافقین سب کو خطاب میں جمع کر کے بطور ترغیب ترہیب کے فرماتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ تم سب کے اعمال کو جانتا ہے (پس مسلمانوں کو ان کے اخلاص پر جزا اور منافقین کو ان کے نفاق اور دھوکہ پر سزا دیگا) اور (آگے احکام شاقہ مثل جہاد وغیرہ کی ایک حکیمانہ حکمت ارشاد ہے جیسا اوپر پہلے عَشِیْمُ الخ میں ایک حکیمانہ حکمت ارشاد فرمائی تھی یعنی) ہم (ایسے امور شاقہ کا حکم دے کر) ضرور تمہاری سب کی آزمائش کریں گے تاکہ ہم (ظاہری طور پر بھی) ان لوگوں کو معلوم (اور میسر) کر لیں جو تم میں جہاد کرنے والے ہیں اور جو (جہاد میں) ثابت قدم رہنے والے ہیں، اور تاکہ تمہاری حالتوں کی جانچ کر لیں (یہ اسلئے بڑھا دیا کہ علاوہ حکم جہاد کے اور احکام بھی داخل ہو جاویں اور علاوہ حالت مجاہدہ و صبر کے دوسرے حالات بھی داخل ہو جاویں)

معارف و مسائل

سُورَةُ مُحَمَّدٍ، محکمہ کے لفظی معنی مضبوط و مستحکم کے ہیں اس لغوی معنی کے اعتبار سے تو قرآن کی ہر سورت محکمہ ہے لیکن اصطلاح شرع میں محکمہ بمقابلہ منسوخ استعمال ہوتا ہے، یہاں سورۃ کے ساتھ محکمہ کی قید کا اضافہ اسلئے ہے کہ عمل کا شوق تو جیسا پورا ہو سکتا ہے جبکہ وہ سورت منسوخ نہ ہو۔ اور قتادہ نے فرمایا کہ عتبی سورتوں میں قتال و جہاد کے احکام آئے ہیں وہ سب محکمہ ہیں۔ یہاں چونکہ اصل مقصود حکم جہاد اور اس پر عمل ہے اسلئے سورت کیساتھ محکمہ کا لفظ بڑھا کر ذکر جہاد کی طرف اشارہ کر دیا جس کی آگے تصریح آ رہی ہے۔ (قطبی)

أَوَّلَىٰ لَهُمْ کے معنی اہم کی قول کے مطابق یہ ہیں قَادِبَہُ کَا یُھْلَکُ یعنی اسکی ہلاکت کے اسباب قریب آچکے ہیں (قطبی)

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُنْتُمْ أَنْ تَفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ لفظ توئی کے لغت کے اعتبار سے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک اعراض دوسرے کسی قوم و جماعت پر اقتدار حکومت۔ اس آیت میں بعض حضرات مفسرین نے پہلے معنی لئے ہیں جسکو اوپر خلاصہ تفسیر میں لکھا گیا ہے۔ ابو حیان نے بحر محیط میں اسی کو ترجیح دی ہے اس معنی کے اعتبار سے مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر تم نے احکام شرعیہ الہیہ سے روگردانی کی جن میں حکم جہاد بھی شامل ہے تو اسکا اثر یہ ہوگا کہ تم جاہلیت کے قدیم طریقوں پر پڑ جاؤ گے جسکا لازمی نتیجہ زمین میں فساد اور قطع ارحام ہے جیسا کہ جاہلیت کے ہر کام میں اسکا مشاہدہ ہوتا تھا کہ ایک قبیلہ

دوسرے قبیلہ پر چڑھائی اور قتل و غارت کرتا تھا، اپنی اولاد کو خود اپنے ہاتھوں زندہ درگور کرتے تھے۔ اسلام نے ان تمام رسوم جاہلیت کو مٹایا اور اسکے مٹانے کے لئے حکیم جہاد جاری فرمایا جو اگرچہ ظاہر میں خونی و زری ہے مگر درحقیقت اسکا حاصل سڑے ہوئے عضو کو جسم سے الگ کر دینا ہے تاکہ باقی جسم سالم رہے، جہاد کے ذریعہ عدل و انصاف اور قرابتوں اور رشتوں کا احترام قائم ہوتا ہے۔ اور روح المعانی قرطبی وغیرہ میں اس جگہ توئی کے معنی حکومت و امارت کے لئے ہیں تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ تمہارے حالات جسکا ذکر اوپر آچکا ہے اُن کا تقاضا یہ ہے کہ اگر تمہاری مراد پوری ہو، یعنی اسی حالت میں تمہیں ملک قوم کی ولایت اور اقتدار حاصل ہو جائے تو نتیجہ اسکے سوا نہیں ہوگا کہ تم زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور رشتوں قرابتوں کو توڑ ڈالو گے۔

صلہ رحمی کی سخت تاکید | اور لفظ ارحام رحم کی جمع ہے جو ماں کے پیٹ میں انسان کی تخلیق کا مقام ہے۔ چونکہ عام رشتوں قرابتوں کی بنیاد وہیں سے چلتی ہے اسلئے محاورات میں رحم بمعنی قرابت اور رشتہ کے استعمال کیا جاتا ہے تفسیر روح المعانی میں اس جگہ اسپر تفصیلی بحث کی ہے کہ ذوی الارحام اور ارحام کا لفظ کن کن قرابتوں پر حاوی ہے۔ اسلام نے رشتہ داری اور قرابت کے حقوق پورے کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ اور دوسرے دو اصحاب سے اس مضمون کی حدیث نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص صلہ رحمی کرے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے قریب کرے اور جو رشتہ قرابت قطع کرے اللہ تعالیٰ اس کو قطع کر دینگے جس سے معلوم ہوا کہ اقرباء اور رشتہ داروں کے ساتھ اقوال و افعال اور مال کے خرچ کرنا احسان کا سلوک کرنے کا تاکید حکم ہے حدیث مذکور میں حضرت ابو ہریرہؓ نے اس آیت قرآن کا حوالہ بھی دیا کہ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو۔ اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ کوئی ایسا گناہ جس کی سزا اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی دیتا ہے اور آخرت میں اسکے علاوہ، ظلم اور قطع رحمی کے برابر نہیں (رواہ ابو داؤد و الترمذی، ابن کثیر) اور حضرت ثوبانؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہو کہ اس کی عمر زیادہ ہو اور رزق میں برکت ہو اسکو چاہیے کہ صلہ رحمی کرے یعنی رشتہ داروں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے۔ احادیث صحیحہ میں یہ بھی ہے کہ قرابت کے حق کے معاملہ میں دوسری طرف سے برابری کا خیال نہ کرنا چاہیے اگر دوسرا بھائی قطع تعلق اور ناروا سلوک بھی کرتا ہے جب بھی تمہیں حسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہیے صحیح بخاری میں ہے لیس الواصل بالماکافی ولو کان الواصل الذی اذا قطعت رحمہ وصلہا یعنی وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں جو صرف برابر کا بدلہ دے بلکہ صلہ رحمی کرنا والا وہ ہے کہ

جب دوسری طرف سے قطع تعلق کا معاملہ کیا جائے تو یہ لانے اور جوڑنے کا کام کئے (ابن کثیر)
 اُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ، یعنی ایسے آدمی جو زمین میں فساد پھیلائیں اور رشتوں
 قرابتوں کو قطع کریں اُن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے یعنی ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا،
 حضرت فاروق اعظمؓ نے اسی آیت سے ام الولد کی بیع کو حرام قرار دیا، یعنی وہ مملوکہ کنیز جس سے
 کوئی اولاد پیدا ہو چکی ہو اس کو فروخت کرنا اس اولاد سے قطع رحمی کا ذریعہ ہے جو موجب لعنت ہے،
 اس لئے اُم ولد کی فروخت کو حرام قرار دیا (رواہ الحاکم وصحہ وابن المنذر عن بریدہ)

کسی معین شخص پر لعنت کا اور حضرت امام احمد کے صاحبزادے عبد اللہ نے اُن سے تیرید پر لعنت
 حکم اور لعن یزید کی بحث کرنے کی اجازت کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ اُس شخص پر کیوں لعنت
 کی جائے جس پر اللہ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے۔ صاحبزادے نے عرض کیا کہ میں نے تو
 قرآن کو پورا پڑھا اُس میں کہیں یزید پر لعنت نہیں آئی آپ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ یزید کو
 زیادہ کون قطع ارحام کا مرتکب ہو گا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ و قرابت کی
 بھی رعایت نہیں کی، مگر جہور اُمت کے نزدیک کسی معین شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں جب
 تک کہ اس کا کفر پر مبنی طور پر ثابت نہ ہو۔ ہاں عام وصف کیساتھ لعنت کرنا جائز ہے
 جیسے لعنت اللہ علی الکاذبین، لعنت اللہ علی المفسدین ولعنت اللہ علی قاطع الرحم وغیرہ، روح المعانی
 میں اس جگہ اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے (روح ص ۲۶ ج ۲۶)

اَمْ عَلَىٰ قُلُوْبٍ اَقْفَالٌهَا، دل پر قفل لگ جانے کے وہی معنی ہیں جسکو دوسری آیتوں میں
 ختم اور طبع یعنی مہر لگ جانے سے تعبیر کیا گیا اور مراد اس سے دل کا سخت اور ایسا بے حس
 ہو جانا ہے کہ اچھے کو بُرا اور بُرے کو اچھا سمجھنے لگے۔ بے پروائی کے ساتھ مسلسل گناہوں میں
 لگا رہنا عموماً اس کا سبب ہوتا ہے نعوذ باللہ منہ

الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَاَمَلٰ لَهُمْ، اس میں شیطان کی طرف دو کاموں کی نسبت کی
 گئی۔ ایک تسویل جس کے معنی تزیین کے ہیں کہ بُری چیز یا بُرے عمل کو کسی کی نظروں میں اچھا
 اور مزین کر دے۔ دوسرا ملار، جس کے معنی اہمال اور مہلت دینے کے ہیں مراد یہ ہے کہ شیطان
 نے اول تو ان کے بُرے اعمال کو اُن کی نظروں میں اچھا اور مزین کر کے دکھلایا پھر ان کو ایسی
 طویل آرزوؤں اور اُمیدوں میں الجھا دیا جو پوری ہونے والی نہیں۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ يَّخْرِجَ اللّٰهُ اَصْفًا نَّهْمٌ، اصفان
 جمع صفت کی ہے جس کے معنی مخفی عداوت اور حسد و کینہ کے ہیں۔ منافقین جو اسلام کا دعویٰ اور
 ظاہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اظہار اور باطن میں عداوت و کینہ رکھتے تھے

اُن کے بارے میں نازل ہوا کہ یہ لوگ بشر رب العالمین کو عالم الغیب جانتے ہوئے اس بات سے کیوں بے فکر ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے باطنی راز اور مخفی عداوت کو لوگوں پر ظاہر کر دیں۔ ابن کثیر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ برات میں ان کے ایسے اعمال و افعال اور حرکتوں کا پتہ دیدیا جن سے منافقین کے نفاق کا پتہ چل جائے اور وہ پہچانے جائیں، اسی لئے سورۃ برات کو فاضلہ بھی کہا جاتا ہے یعنی رُسوا کرنے والی کیونکہ اس نے منافقین کی خاص خاص علامتیں ظاہر کر دی ہیں۔

وَلَوْ نَشَاءُ لَكُنَّا مُّذٰكِرٰتُہُمْ فَلَعَرَفْتُمُہُمْ سِیَّمٰہُمْ، یعنی اگر ہم چاہیں تو آپ کو بالیقین متاثرین کو دکھا دیں اور ان کا ایسا حلیہ بتلا دیں جس سے آپ ہر ایک منافق کو شخصی طور پر پہچان لیں قرآن نے اس مضمون کو بحرف کو بیان کیا ہے جس کا استعمال ایسی شرط کے لئے ہوتا ہے جس کا وقوع ہوا ہو، اس لئے معنی آیت کے یہ ہوتے ہیں کہ اگر ہم چاہتے تو ہر منافق کو آپ کو شخصی طور پر متعین کر کے بتلا دیتے مگر ہم نے حکمت و مصلحت اپنے حلم و بردباری سے ان کو اس طرح رُسوا کرنا پسند نہیں کیا تاکہ ضابطہ یہ قائم رہے کہ تمام امور کو ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے اور باطنی حالات اور قلبی مضمرات کو صرف علیم و خبیر اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے، البتہ آپ کو ایسی بصیرت ہم نے دیدی کہ آپ منافق کو خود انھیں کے کلام سے پہچان لیں، وَلَعَرَفْتُمُہُمْ فِی الْحٰثِرِ الْقَوْلِ کا یہی مفہوم ہے اور ابن کثیر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص کوئی چیز اپنے دل میں چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اُس کے چہرے سے اور سبقتِ لسانی سے ظاہر کر دیتے ہیں یعنی دورانِ گفتگو اس سے کچھ ایسے کلمات نکل جاتے ہیں جس سے اس کا دلی راز ظاہر ہو جائے۔ ایسی ہی ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے دل میں کوئی بات چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے وجود پر اُس چیز کی چادر اُڑھا دیتے ہیں۔ اگر وہ چیز کوئی اچھی بھلی ہے تو وہ ظاہر ہو کر رہتی ہے اور بُری ہے تو وہ ظاہر ہو کر رہتی ہے۔ اور بعض روایات حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ منافقین کی ایک جماعت کا آپ کو شخصی طور پر بھی علم دیدیا گیا تھا جیسا کہ مسند احمد میں عقبہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں خاص خاص منافقین کے نام لیکر ان کو مجلس سے اُٹھا دیا اس میں چھتیس آدمیوں کے نام شمار کئے گئے ہیں (ابن کثیر)

حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجْہِلِیْنَ مِنْكُمْ، اللہ تعالیٰ کو تو ازل سے ہر شخص کے اعمال و افعال کا علم محیط ازلِ ابدی ہے۔ یہاں علم سے مراد ظہور و وقوع ہے۔ یعنی جو چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے تھی اس کا وقوع و ظہور ہو کر واقعی علم ہو جائے (ابن کثیر) واللہ اعلم

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ اٰوَدُوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ شَاقُّوا الرَّسُوْلَ

جو لوگ منکر ہوئے اور روکا انھوں نے اللہ کی راہ سے اور مخالف ہو گئے رسول سے

مِنْ بَعْدٍ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَنْ يَضُرَّوَاللَّهُ تَبَيَّنَ وَسَيُحِيطُ

بعد اسکے کہ ظاہر ہو چکی اُن پر سیدھی راہ نہ بگاڑ سکیں گے اللہ کا کچھ اور وہ آکارت کر دینگا

أَعْمَالَهُمْ ۝ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

ان کے سب کام اے ایمان والو حکم پر چلو اللہ کے اور حکم پر چلو رسول کے

وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْدَوْا عَنْ سَبِيلِ

اور ضائع مت کرو اپنے کئے ہوئے کام جو لوگ منکر ہوئے اور روکا لوگوں کو اللہ کی راہ

اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۝ فَلَا تَهِنُوا وَ

سے پھر مر گئے اور وہ منکر ہی رہے تو ہرگز نہ بخشے گا ان کو اللہ سو تم بودے نہ ہوئے جاؤ

تَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ وَأَنْتُمْ لَا عَلَوْنَ ۝ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتْرَكَكُمْ

اور لگو پکارنے صلح اور تم ہی رہو گے غالب اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور نقصانہ دیگا تم کو

أَعْمَالَكُمْ ۝ إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُوَ وَإِنْ تَوَصَّوْا

تمہارے کاموں میں یہ دنیا کا جینا تو کھیل ہے اور تمہارا اور اگر تم یقین لاؤ گے اور

تَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أَجْرَكُمْ وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ۝ إِنَّ يَسْأَلْكُمْ

بچکر چلو گے دے گا تم کو تمہارا بدلہ اور نہ مانگے گا تم سے مال تمہارے اگر مانگے تم سے وہ مال

فِيْخَفَكُمُ يَنْخَلُوا وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ ۝ هَآ أَنْتُمْ هَآؤُلَاءِ تَدْعُونَ

پھر تم کو تنگ کرے تو بخل کرنے لگو اور ظاہر کر دے تمہارے دل کی خفگیاں، سنتے ہو تم لوگ، تم کو بلاتے ہیں

لِتُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخُلُ ۚ وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا

کہ خرچ کرو اللہ کی راہ میں پھر تم میں کوئی ایسا ہے کہ نہیں دیتا اور جو کوئی نہ دے گا سو

يَبْخُلُ عَنْ نَفْسِهِ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ ۚ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا

نہ دینگا آپ کو اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو اور اگر تم پھر جاؤ گے

يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ۝

تو بدل لے گا اور لوگ تمہارے سولے، پھر وہ نہ ہوں گے تمہاری طرح کے

خلاصہ تفسیر

بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور انھوں نے (اوروں کو بھی) اللہ کے رستہ (یعنی دین حق) سے روکا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کی بعد اسکے کہ ان کو (دین کا) راستہ (دلائل عقلیہ سے مشرکین کے لئے اور نقلیہ سے بھی اہل کتاب کے لئے) نظر آچکا تھا یہ لوگ اللہ

(کے دین) کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے (بلکہ یہ دین ہر حال میں پورا ہو کر رہے گا چنانچہ ہوا) اور اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو (جو دین حق کے مٹانے کے لئے عمل میں لا رہے ہیں) مٹا دے گا اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور (چونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ ہی کا حکم بتلاتے ہیں خواہ خاص طور پر وحی الہی میں اس کا حکم ہوا ہو یا وحی الہی میں کئی ضابطہ بیان فرمایا گیا ہو، اور اس خاص حکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ضابطہ میں داخل ہونے کی بنا پر حکم دیا ہو اس لئے) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی (بھی) اطاعت کرو اور (کفار کی طرح اللہ و رسول کی نفی کر کے) اپنے اعمال کو برباد مت کرو (اس کی تفصیل معارف و مسائل میں آئے گی) بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے اللہ کے رستہ سے روکا پھر وہ کافر ہی رہ کر مر (بھی) گئے، سو خدا تعالیٰ ان کو کبھی نہ بخشے گا (عدم مغفرت کے لئے کفر کے ساتھ صدّ عن سبیل اللہ شرط نہیں بلکہ صرف کفر و الی الموت تک کا ہی اثر ہے لیکن زیادت تشبیح کے لئے یہ قید واقعی بڑھا دی کہ اس وقت کے رؤسائے کفار میں یہ امر بھی متحقق تھا، آگے مؤمنین کے مدایح اور کفار کے قباہ پر بطور تفریح کے فرماتے ہیں کہ جب معلوم ہو گیا کہ مسلمان خدا کے محبوب اور کفار مبغوض ہیں) تو (اے مسلمانو) تم (کفار کے مقابلہ میں) ہمت مت ہارو اور (ہمت ہار کر ان کو) صلح کیطرف مت بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے (اور وہ مغلوب ہونگے کہ تم محبوب ہو اور وہ مبغوض ہیں) اور اللہ تمہارے ساتھ ہے (یہ تو تم کو دنیا کی کامیابی ہوئی) اور (آخرت میں یہ کامیابی ہوگی) کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال (کے ثواب) میں ہرگز کمی نہ کرے گا (یہ تو ہمت افزائی کر کے جہاد کی ترغیب تھی آگے دنیا کے فانی ہونے کا ذکر کر کے جہاد کی ترغیب اور اتفاق فی سبیل اللہ کی تمہید ہے کہ) یہ دنیوی زندگی تو محض ایک لہو و لعب ہے (اگر اس میں جان اور مال کو اپنے فائدہ کے لئے بچانا چاہے تو وہ فائدہ ہی کتنے دن کا ہے اور کیا اس کا حاصل) اور اگر تم ایمان اور تقویٰ اختیار کرو (جس میں جہاد بانفس و المال بھی آگیا) تو (تم کو تو اپنے پاس سے نفع پہنچا دیگا اس طرح کہ) تم کو تمہارے اجر عطا کرے گا اور (تم سے کسی نفع کا طالب نہ ہو گا چنانچہ) تم سے تمہارے مال (تک بھی جو کہ جان سے اہون ہے اپنے نفع کے لئے) طلب نہیں کرے گا (جب تم سے ایسی چیز نہیں طلب کرتا جس کا دینا آسان ہے تو جان جس کا دینا مشکل ہے وہ تو کیوں طلب کرے گا چنانچہ ظاہر ہے کہ ہمارے جان و مال کے خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نفع نہیں اور نہ یہ ممکن ہے و لہذا کقولہ تعالیٰ وَهُوَ يُطِمْؤُنُكُمْ وَلَا يَغْلِبُكُمْ جُنَاحٌ عَلَیْکُمْ (تم سے تمہارے مال طلب کرے پھر انتہا درجہ تک تم سے طلب کرتا رہے) یعنی سب مال طلب کرنے لگے) تو تم (یعنی تم میں سے اکثر) بخل کرنے لگو (یعنی دینا گوارا نہ کرو) اور (اس وقت) اللہ تعالیٰ

تمہاری ناگواری ظاہر کر دے (یعنی نہ دینے سے کہ فعل ظاہری ہے باطنی ناگواری کھل جائے اس لئے یہ فرد ممکن بھی واقع نہیں کی گئی اور) ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو اللہ کی راہ میں (جس کا نفع تمہاری طرف عائد ہونا یقینی ہے تھوڑا سا حصہ مال کا) خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہو (اور بقیہ اکثر تمہارے قبضہ میں چھوڑ دیا جاتا ہے) سو (اس پر بھی) بعض تم میں سے وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں، اور (آگے اس فرد واقع پر بخل کی مذمت ہے کہ) جو شخص (ایسی جگہ خرچ کرے) بخل کرتا ہے تو وہ (درحقیقت) خود اپنے سے بخل کرتا ہے (یعنی اپنے ہی کو اس کے نفع دائمی سے محروم رکھتا ہے) اور (نہیں تو) اللہ تو کسی کا محتاج نہیں (تاکہ احتمال اسکے ضرر کا ہو) اور (بلکہ) تم سب (اسکے) محتاج ہو (اور تمہاری اس احتیاج کی رعایت سے تم کو اتفاق کا حکم کیا گیا کیونکہ آخرت میں تم کو ثواب کی حاجت ہوگی اور طریق اس کا یہی اعمال ہیں اور) اگر تم (ہمارے احکام سے) رد گردانی کر دو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا (اور) پھر وہ تم جیسے (رد گردانی کرنے والے) نہ ہونگے (بلکہ نہایت فرمایند ہونگے، یہ کام اُن سے لیا جاوے گا اور اس طرح وہ حکمت پوری ہو جاوے گی)

معارف و مسائل

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ، یہ آیت بھی منافقین اور یہود بنی قریظہ بنی نضیر کے متعلق نازل ہوئی ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ اُن منافقین کے متعلق ہے جنہوں نے غزوہ بدر کے موقع پر کفار قریش کی امداد اس طرح کی کہ انہیں سے بارہ آدمیوں نے اُنکے پورے لشکر کا کھانا اپنے ذمہ لے لیا تھا، ہر روز اُن میں سے ایک آدمی لشکر کفار کے کھانے کا انتظام کرتا تھا۔ وَ سَيُحْطِطُ أَعْمَالَهُمْ، یہاں ضبطِ اعمال سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انکی اسلام کی خلاف کوشتشوں کو کامیاب نہ ہونے سے بلکہ اکارت کر دے جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں لکھا گیا ہے اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ انکے کفر و نفاق کی وجہ سے انکے نیک عمل مثل صدقہ خیرات وغیرہ کے سب اکارت ہو جائینگے قابل قبول نہ ہونگے لَا تُبْطَلُوا أَعْمَالُكُمْ، قرآن کریم نے اس جگہ ضبطِ اعمال کے بجائے ابطالِ اعمال کا لفظ استعمال فرمایا ہے جیسا کہ مفہوم بہت عام ہے کیونکہ ابطال کی ایک تو وہ صورت ہے جو کفر کی وجہ سے پیش آتی ہے جس کو اوپر آیت میں ضبطِ اعمال کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ کافر اصلی کا تو کوئی عمل بوجہ کفر کے مقبول ہی نہیں اور جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا تو زمانہ اسلام کے اعمال اگرچہ لائق قبول تھے مگر اسکے کفر و ارتداد نے ان سب اعمال کو بھی اکارت کر دیا۔ دوسری صورت ابطالِ اعمال کی یہ بھی ہے کہ بعض اعمال صالحہ کے لئے کچھ دوسرے اعمال

صالحہ شرط ہیں تو جس شخص نے اُس شرط کو ضائع کر دیا تو اس کا یہ عمل صالح بھی ضائع ہو گیا جو اس شرط کے ساتھ مشروط تھا۔ مثلاً ہر عمل صالح کے قبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ خالص اللہ کے لئے ہو، ریا و تمعہ اسمیں نہ ہو یعنی محض لوگوں کے دکھانے یا سنانے کے لئے یہ عمل نہ کیا ہو۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ اور دوسری جگہ فرمایا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الَّذِينَ خَالَصُوا تَوْحِيدَ اللَّهِ تو جس شخص کے نیک اعمال ریا و تمعہ کے لئے ہوں وہ عمل اللہ کے نزدیک باطل ہو جائے گا۔ اسی طرح صدقات کے بارے میں خود قرآن نے تصریح فرمادی لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى یعنی اپنے صدقات کو احسان جتلا کر یا غریب کو ایذا دیکر باطل نہ کرو۔ معلوم ہوا کہ جس نے صدقہ دیکر غریب پر احسان قبلایا یا اُسے کوئی اور ایذا پہنچایا اس کا صدقہ باطل ہے۔ یہی مفہوم ہو سکتا ہے حضرت حسن بصری کے قول کا جو انھوں نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اپنی نیکیوں کو گناہوں کے ذریعہ باطل نہ کرو، جیسا کہ ابن جریر کا قول ہے یعنی بِالْكَرِّ وَالْمُتَمَعِّهِ اور مقابل وغیرہ نے فرمایا بِالْمَنِّ، کیونکہ باتفاق اہل سنت و اجماع کفر و شرک کے علاوہ کوئی گناہ اگرچہ کبیرہ ہو ایسا نہیں جو مومن کے تمام اعمال صالحہ کو ضبط اور باطل کر دے مثلاً کسی شخص نے چوری کر لی اور وہ نماز روزہ کا پابند ہے تو شرعاً اس کو یہ نہیں کہا جائیگا کہ تیری نماز اور روزہ بھی باطل ہو گئے اسکی قصداً کہ اسلئے ابطال اعمال بالمعاصی سے مراد وہی معاصی ہونگے جن کے نہ کرنے پر عمل کی مقبولیت کا مدار ہے جیسا ریا و تمعہ کا انکار ہوتا ہے ہر عمل صالح کی مقبولیت کی شرط یہی اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت حسن بصری کے قول میں ابطال اعمال سے مراد اعمال صالحہ کی برکات سے محرومی ہو نفس عمل کا ضائع ہو جانا مراد نہ ہو تو یہ تمام معاصی کے لئے شرط ہے۔ جس شخص کے اعمال میں معاصی کا غلبہ ہو تو اس کے تھوڑے سے نیک اعمال میں بھی وہ برکت نہیں ہوتی کہ عذاب سے بچائے بلکہ وہ اپنے اعمال کی سزا قاعدہ کی مطابق بھگتے گا مگر بالآخر اپنے ایمان کی برکت سے سزا بھگتے کے بعد انجام کار نجات پائے گا۔

مسئلہ تیسری صورت ابطال عمل کی یہ بھی ہے کہ کوئی نیک عمل کر کے اس کو قصداً فاسد کر دے مثلاً نفل نماز یا روزہ شروع کرے پھر بغیر کسی عذر کے اس کو قصداً فاسد کر دے یہ بھی اس آیت کے ذریعہ ناجائز قرار پایا، امام عظیم ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے کہ جو اعمال صالحہ ابتداءً فرض یا واجب نہیں تھے مگر کسی نے ان کو مشروع کر دیا تو اب انکی تکمیل اس آیت کی رو سے واجب ہو گئی تاکہ ابطال عمل کا مرتکب نہ ہو، اگر کسی نے ایسا عمل مشروع کر کے بلا عذر کے چھوڑ دیا یا قصداً فاسد کر دیا تو وہ گناہگار بھی ہو اور اس کے ذمہ قضا بھی لازم ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک نہ تو قضا لازم ہے اور نہ اس کے فاسد کرنے کا گناہگار ہو گا کیونکہ جب ابتداءً یہ عمل فرض یا واجب نہیں تھا تو بعد میں بھی فرض واجب نہیں جس کے ترک یا فساد سے گناہ لازم آئے مگر حنفیہ کے نزدیک آیت مذکورہ کے الفاظ عام ہیں ہر عمل صالح کو شامل ہیں خواہ پہلے فرض واجب ہو یا نقلی طور پر کرنا مشروع کر دیا ہو تو مشروع کرنے سے وہ نقلی

عمل بھی واجب ہو گیا، تفسیر منظر ہی میں اس جگہ احادیث کثیرہ سے اس بحث کو مفصل لکھا گیا ہے۔
 اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاصْلَوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَا تَوَادَّوْهُمْ كُفَّارًا، انھیں الفاظ کے ساتھ ایک حکم بھی پہلے آیا ہے، مکرر ذکر یا تو اسلئے ہے کہ پہلی آیت میں کفار کے خسارہ دنیوی کا بیان ہوا ہے اور اس آیت میں ان کا اخروی نقصان بتلانا منظور ہے جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں نقل کیا گیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی آیت میں تو عام کفار کا ذکر تھا جن میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے ان کا حکم تو یہ آیا کہ جو اعمال صالحہ انھوں نے بحالت کفر کئے تھے وہ سب کارت گئے اسلام لانیکے بعد بھی ان کا ثواب نہیں ملیگا اور اس آیت میں ایسے کفار کا خاص ذکر ہے جو کئے دم تک کفر و شرک ہی پر جمے رہے کہ ان کا حکم ہے کہ آخرت میں انکی ہرگز مغفرت نہیں ہوگی واللہ اعلم

فَلَا تَهْتَفُوا وَتَدْعُوْا اِلَى السَّلَامِ، اس آیت میں کفار کو صلح کی دعوت دینے کی ممانعت کی گئی ہے اور قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے وَ اِنْ جَنَحُوا لِلسَّلَامِ فَاِجْنَحْ لَهَا یعنی اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی مائل ہو جائیے جس سے صلح کی اجازت معلوم ہوتی ہے اس لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ اجازت والی آیت اس شرط کیساتھ ہے کہ کفار کی طرف سے صلح جوئی کی ابتداء ہو اور اس آیت میں جس کو منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے صلح کی درخواست کی جائے اسلئے دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں مگر صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے ابتداء صلح کر لینا بھی جائز ہے جبکہ مصلحت مسلمانوں کی اس میں دیکھی جائے محض بزدلی اور عیش کوئی اسکا سبب نہ ہو اور اس آیت نے شروع میں فَلَا تَهْتَفُوا کہہ کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ ممنوع وہ صلح ہے جسکا منشاء بزدلی اور الشریک راہ میں جہاد کرنے سے فرار ہو اسلئے اس میں بھی کوئی تعارض نہیں کہ وَ اِنْ جَنَحُوا لِلسَّلَامِ کی آیت کے حکم کو اس صورت کیساتھ مقید کیا جائے جس میں صلح جوئی کا سبب دشمن اور سستی بزدلی نہ ہو بلکہ خود مسلمانوں کی مصلحت کا تقاضا ہو۔ واللہ اعلم

وَلٰكِنْ يَّذَرُكُمْ اَعْمٰى الْكُفْرِ یعنی اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال کی جزا میں کوئی کمی نہیں کرے گا، اشارہ اس طرف ہے کہ دنیا میں کوئی تکلیف بھی پہنچ گئی تو اسکا اجر عظیم آخرت میں ملنے والا ہے اسلئے مؤمن تکلیف کی حالت میں بھی ناکام نہیں۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا، چونکہ جہاد سے روکنے والی چیز انسان کے لئے دنیا کی محبت ہی ہو سکتی ہے جس میں اپنی جان کی محبت، اہل و عیال کی محبت مال و دولت کی محبت سب داخل ہیں اس آیت میں یہ بتلادیا گیا ہے کہ یہ سب چیزیں بہر حال ختم اور فنا ہونیوالی ہیں اسوقت انکو بچا بھی لیا تو پھر کیا، دوسرے وقت یہ چیزیں ہاتھ سے نکلیں گی اسلئے ان فانی اور ناپائیدار چیزوں کی محبت کو آخرت کی دائمی پائیدار نعمتوں کی محبت پر غالب نہ آنے دو۔

وَلَا يَسْئَلُكُمْ أَمْوَالُكُمْ، اس آیت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمھارے مال طلب نہیں کرتا مگر پورے قرآن میں زکوٰۃ و صدقات کے احکام اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے بیشمار مواقع آئے ہیں اور خود اس کے بعد ہی دوسری آیت میں اتفاق فی سبیل اللہ کی تاکید آ رہی ہے اس لئے بظاہر ان دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے اس لئے بعض حضرات نے لَا يَسْئَلُكُمْ کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے اموال تم سے کسی اپنے نفع کے لئے نہیں مانگتا بلکہ تمھارے ہی فائدہ کے لئے مانگتا ہے جس کا ذکر اسی آیت میں بھی یُؤْتِكُمْ أَجُورَكُمْ کے الفاظ سے کر دیا گیا ہے کہ تم سے جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کیلئے کہا گیا وہ اس لئے ہے کہ آخرت میں جہاں تمھیں سب سے زیادہ ضرورت نیکوں کی ہوگی اس وقت یہ خرچ کرنا تمھارے کام آئے وہاں تمھیں اس کا اجر ملے۔

مذکورہ صدر خلاصہ تفسیر میں اسی مفہوم کو اختیار کیا گیا ہے، اس کی نظیر یہ آیت مَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ رِزْقٍ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تم سے اپنے لئے کوئی رزق نہیں لیتے نہ اس کی ہمیں حاجت ہے اور بعض حضرات نے اس آیت کا مفہوم یہ قرار دیا ہے کہ لَا يَسْئَلُكُمْ سے مراد پورا مال طلب کر لینا (وہ قول ابن عیینہ قرطبی) اس کا قرینہ اگلی آیت ہے جس میں فرمایا ہے اِنْ يَسْئَلْكُمْ وَهَافِيْكُمْ فُكُوْا كَيْوَمَآءَ يُخْفِ اَحْقَابُ الشُّرَکِّیْنَ ہر جیسے معنی مبالغہ اور کسی کام میں آخر تک پہنچ جانیکے ہیں۔ اس دوسری آیت کا مفہوم سب کے نزدیک ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تم سے تمھارے اموال پورے طلب کرنا تو تم بخل کرنے لگتے اور اس حکم کی تعمیل تمھیں ناگوار ہوتی یہاں تک کہ ادائیگی کے وقت تمھاری یہ ناگواری ظاہر ہو جاتی۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں لَا يَسْئَلُكُمْ سے مراد یہی ہے جو دوسری آیت میں فُكُوْا کی قید کیساتھ آیا ہے تو مطالبہ دونوں آیتوں کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مالی فرائض زکوٰۃ وغیرہ تم پر عائد کئے ہیں اول تو وہ خود تمھارے ہی فائدہ کیلئے ہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی اپنا فائدہ نہیں، دوسرے پھر ان فرائض میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تمھارے مال کا اتنا تھوڑا سا جزو فرض کیا ہے جو کسی طرح بار خاطر نہ ہونا چاہیے زکوٰۃ میں چالیسواں حصہ زمین کی پیداوار میں دسواں یا بیسواں حصہ، سو بکریوں میں سے ایک بکری، تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے پورے اموال تو طلب نہیں کئے جن کا دینا ناگوار اور بار خاطر طبعاً ہوتا بلکہ اس کا قدر قلیل طلب فرمایا ہے اس لئے تمھارا فرض ہے کہ اس کو خوشدلی کیساتھ ادا کیا کرو۔ اور اس دوسری آیت میں جو ارشاد ہے یُخْرِجْ اَصْفَا نَفْسِكُمْ اس میں اصْفَان جمع صُفْن کی ہے جس کے معنی مخفی کیسہ اور مخفی کراہت کے ہیں اس جگہ بھی مخفی کراہت ذناگواری مراد ہے یعنی طبعی طور پر انسان کو اپنا پورا مال بخشش کر دینا ناگوار ہوتا ہے جس کو وہ ظاہر بھی نہ کرنا چاہے تو ادائیگی کے وقت مال مٹول وغیرہ سے یہ ناگواری کھل ہی جاتی ہے تو حاصل ارشاد کا یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تم سے پورے اموال کا مطالبہ کر لیتا تو تم بخل کرنے لگتے اور بخل کی وجہ سے جو ناگواری اور کراہت تمھارے دلوں میں ہوتی

وہ لا محالہ ظاہر ہو جاتی۔ اس لئے اُس نے تمہارے اموال میں سے ایک حقیر اور قلیل حصہ تم پر فرض کیا ہے تم اس میں بھی بخل کرنے لگے اسی کا بیان آخری آیت میں اس طرح فرمایا ہے کہ

تَذَعُونَ لِمُغْفِرٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنْكُمْ مُنٌّ يَبْخُلُ، یعنی تم کو تمہارے اموال کا

کچھ حصہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو تم میں سے بعض ہمیں بھی بخل کرنے لگتے ہیں

اس کے بعد فرمایا کہ وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يَبْخُلْ لِنَفْسِهِ، یعنی جو شخص ہمیں بھی بخل کرتا ہے وہ کچھ

اللہ کا نقصان نہیں کرتا بلکہ خود اپنی جان کا نقصان اس بخل کے ذریعہ کرتا ہے کہ آفرت کے ثواب سے

محرومی اور ترک فرض کا وبال ہے۔ پھر اسی بات کو زیادہ وضاحت سے فرمادیا وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ

الْفُقَرَاءُ یعنی اللہ تو غنی ہے تم ہی حاجت مند ہو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا خود تمہاری حاجت کا پورا کرنا ہے

وَأِنْ تَتَوَكَّلْ أَوْ لَا تَتَوَكَّلْ فَإِنَّمَا تَتَوَكَّلُ عَلَى اللَّهِ تَعَالٰی، اس آیت میں حق تعالیٰ

کے غنی الاغنیاء ہونے کو اس طرح واضح کیا ہے کہ اللہ کو تمہارے اموال کی تو کیا خود تمہارے وجود کی

بھی کوئی ضرورت نہیں، اگر تم سب کے سب ہمارے احکام کی تعمیل چھوڑ دو تو جیتک ہمیں دُنیا کو اور

اس میں اسلام کو باقی رکھنا ہے ہم اپنے دین حق کی حفاظت اور اپنے احکام کی تعمیل کیلئے دوسری کسی

قوم پیدا کر دیں گے جو تمہاری طرح احکام شرعیہ سے گریز اور اعراض نہ کریں بلکہ ہماری مکمل طاعت

کریں گی۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ مراد اس سے عجمی لوگ ہیں، اور حضرت عکرمہؒ نے فرمایا کہ اس

سے مراد فارس اور روم ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس آیت کی تلاوت صحابہ کرام کے سامنے فرمائی تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ ایسی

کونسی قوم ہے کہ اگر ہم (خدا نخواستہ) احکام دین سے روگردانی کرنے لگیں تو وہ ہمارے بدلے میں لائی

جائے گی اور پھر وہ ہماری طرح احکام سے روگردانی نہیں کریں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

سلمان فارسیؓ (جو مجلس میں موجود تھے) کی رائے پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ اور اسکی قوم، اور اگر بالفرض،

دین حق شریا ستارے پر بھی ہوتا جہاں لوگوں کی رسائی مشکل ہوتی، تو فارس کے کچھ لوگ ہاں

بھی پہنچ کر دین کو حاصل کرتے اور اس پر عمل کرتے (رواہ الترمذی والحاکم وصحاحہ وابن حبان منظرہ)

شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب جو ابو حنیفہؒ کے مناقب میں لکھی ہے اس میں فرمایا ہے کہ

اس سے مراد ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب ہیں کیونکہ ابن فارس میں کوئی جماعت علم کے اُس مرتبہ پر

نہیں پہنچی جس پر ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب پہنچے ہیں (حاشیہ تفسیر منظرہ)

تَمَّتْ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالٰی دَعْوَةُ سُوْرَةِ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) الرَّابِعُ عَشْرُونَ

شعبان ۱۳۹۲ھ یَوْمَ السَّبْتِ بَعْدَ الْعَصْرِ

سُورَةُ الْفَتْحِ

سُورَةُ الْفَتْحِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً وَأَرْبَعُ رُكُوعَاتٍ
سُورَةُ فَتَحَ مدینہ میں نازل ہوئی اسکی آیتیں آیتیں ہیں اور چار رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بجد مہربان نہایت رحم والا ہے

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ① لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ

ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے

ذُنُوبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ②

گناہ اور جو پیچھے رہے اور پورا کرے تجھ پر اپنا احسان اور چلائے تجھ کو سیدھی راہ

وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ③

اور مدد کرے تیری اللہ زبردست مدد

خُلاصۂ تفسیر

بیشک ہم نے (اس صلح حدیبیہ سے) آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی (یعنی صلح حدیبیہ سے یہ فائدہ ہوا کہ وہ سبب ہو گئی ایک فتح مطلوب یعنی فتح مکہ کا، اس لحاظ سے یہ صلح ہی فتح ہو گئی۔ اور فتح مکہ فتح مبین اسلئے کہا گیا کہ فتح سے مقصود شریعت اسلام میں کوئی حکم انی نہیں بلکہ دین اسلام کا غلبہ مقصود ہوتا ہے، اور فتح مکہ سے مقصود بڑی حد تک حاصل ہو گیا، کیونکہ تمام قبائل عرب اس بات کے منتظر تھے کہ اگر آپ اپنی قوم پر غالب آگئے تو ہم بھی اطاعت کر لیں گے۔ جب مکہ فتح ہوا تو چاروں طرف سے عرب کے قبائل امنڈ پڑے اور خود یا بواسطہ اپنے وفود کے اسلام لانا شروع کیا (رواہ البخاری عن عمر بن سلمہ) چونکہ غلبہ اسلام کے بڑے آثار فتح مکہ سے نمایاں ہوئے اسلئے اس کو فتح مبین فرمایا گیا، اور صلح حدیبیہ

اس فتح مکہ کا سبب اور ذریعہ اس طرح ہو گئی کہ اہل مکہ سے آئے دن لڑائی رہا کرتی تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنی قوت اور سامان بڑھانے کی مہلت و فرصت نہ ملتی تھی۔ حدیبیہ کے واقعہ میں جو صلح ہو گئی تو اطمینان کیساتھ مسلمانوں نے کوشش کی جس سے بہت سے نئے آدمی مسلمان ہو گئے اور مجمع مسلمانوں کا بڑھ گیا اور فتح خیبر وغیرہ سے سامان بھی درست ہو گیا اور ایسے ہو گئے کہ دوسروں پر دباؤ پڑ سکے، پھر قریش کی طرف سے عہد شکنی ہوئی تو آپ دس ہزار صحابہ کرام کیساتھ مقابلے کے لئے چلے۔ اہل مکہ اس قدر مرعوب ہوئے کہ زیادہ لڑائی بھی نہیں ہوئی اور اطاعت قبول کر لی اور جو لڑائی ہوئی بھی تو اتنی کم اور خفیف کہ اہل علم کا اس میں اختلاف ہو گیا کہ مکہ مکرمہ صلح کیساتھ فتح ہوا یا جنگ سے، غرض اس طرح یہ صلح سبب فتح ہو گئی اسلئے مجازی طور پر اس صلح کو بھی فتح فرمادیا گیا جس میں فتح مکہ کی پیشین گوئی بھی ہے۔ آگے اس فتح کے دینی اور دنیوی ثمرات و برکات کا بیان ہے کہ یہ فتح اسلئے میسر ہوئی تاکہ (تبلیغ دین اور دعوت حق میں آپ کی کوششوں کا نتیجہ اس طرح ظاہر ہو کہ کثرت سے لوگ اسلام میں داخل ہوں اور اس سے آپ کا اجر بہت بڑھ جائے اور کثرتِ اجر و قرب کی برکت سے) اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی (صوری) خطائیں معاف فرمادے اور آپ پر (جو اللہ تعالیٰ) اپنے احسانات (کرتا آتا ہے مثلاً آپ کو نبوت دی، قرآن دیا، بہت سے علوم دیئے بہت سے اعمال کا ثواب دیا ان احسانات) کی (اور زیادہ) تکمیل کر دے (اس طرح کہ آپ کے ہاتھ پر بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہوں جس سے آپ کا اجر اور مقام قرب اور بلند ہو یہ دو نعمتیں تو آخرت سے متعلق ہیں) اور (دو نعمتیں دنیوی ہیں ایک یہ کہ) آپ کو بغیر کسی روک ٹوک کے (دین کے) سیدھے راستہ پر لے چلے (اور اگرچہ بکا صراطِ مستقیم پر چلنا پہلے سے یقینی ہے مگر اس میں کفار کی مزاحمت ہوتی تھی اب مزاحمت نہیں رہے گی) اور (دوسری دنیوی نعمت یہ ہے کہ) اللہ آپ کو ایسا غلبہ دے جس میں عزت ہی عزت ہو (یعنی جسکے بعد آپ کو کبھی کسی سے دبنانہ پڑے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ تمام جزیرۃ العرب پر آپ کا تسلط ہو گیا)

معارف و مسائل

جمہور صحابہ و تابعین اور ائمہ تفسیر کے نزدیک سورہ فتح سنہ ہجری میں اُس وقت نازل ہوئی جبکہ آپ بقصدِ عمرہ مکہ مکرمہ مع جماعت صحابہ کے تشریف لے گئے اور حرم مکہ کے قریب مقام حدیبیہ تک پہنچ کر قیام فرمایا مگر قریش مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے منع کیا پھر اسپر صلح کرنے کے لئے تیار ہوئے کہ اس سال تو آپ واپس چلے جائیں اگلے سال اس عمرہ کی قضا کر لیں، بہت سے صحابہ کرام خصوصاً فاروقِ اعظمؓ اس طرح کی صلح سے ناراض تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باشاراتِ ربانی اس صلح کو انجام کا مسلمانوں کے لئے ذریعہ کامیابی سمجھ کر قبول فرمایا جس کی تفصیل آگے آتی ہے

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا احرام عمرہ کھول دیا اور حدیبیہ سے واپس روانہ ہوئے تو راستہ میں یہ سورت پوری نازل ہوئی جس میں بتلادیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب سچا ہی ضرور واقع ہوگا مگر اس کا یہ وقت نہیں بعد میں فتح کے وقت ہوگا اور اس صلح حدیبیہ کو فتح مبین سے تعبیر فرمایا کیونکہ یہ صلح ہی درحقیقت فتح مکہ کا سبب بنی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور بعض دوسرے صحابہ کرام نے فرمایا ہے کہ تم لوگ تو فتح مکہ کو فتح کہتے ہو اور ہم صلح حدیبیہ کو فتح سمجھتے ہیں۔ اسی طرح جابرؓ نے فرمایا کہ ہم صلح حدیبیہ ہی کو فتح سمجھتے ہیں اور حضرت برادر بن عازبؓ نے فرمایا کہ تم لوگ تو فتح مکہ ہی کو فتح سمجھتے ہو اور کوئی شک نہیں کہ وہ فتح ہے لیکن ہم تو واقعہ حدیبیہ کے وقت بیعت رضوان کو اصلی فتح سمجھتے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین صحابہؓ جن کی تعداد چودہ سو تھی ایک درخت کے نیچے جہاد کرنے پر بیعت لی تھی جیسا کہ اسی سورت میں اُس بیعت کا ذکر بھی آگے آیا ہے (مخلص از ابن کثیر) اور جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ یہ سورت واقعہ حدیبیہ میں نازل ہوئی ہے اور اس واقعہ کے بہت سے اجزاء کا خود اس صورت میں تذکرہ بھی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس واقعہ کو پہلے ذکر کر دیا جائے۔ تفسیر ابن کثیر میں اس کی بڑی تفصیل ہے اور اس سے زیادہ تفسیر مظہری میں اس جگہ چودہ صفحات میں یہ قصہ اول سے آخر تک مفصل اور مرتب مستند کتب حدیث کے حوالہ سے بیان کیا ہے جو بہت سے معجزات اور نصائح اور علمی۔ دینی۔ سیاسی فوائد و حکم پر مشتمل ہے اس سے یہاں اس قصہ کے صرف وہ اجزاء لکھے جاتے ہیں جن کا ذکر خود اس سورت میں کیا گیا ہے یا جن سے اس کا تعلق ہے تاکہ آگے اُن آیتوں کی تفسیر سمجھنا آسان ہو جائے جو اس قصہ سے متعلق ہیں اور یہ سب بیان تفسیر مظہری سے لیا گیا ہے اور جو کسی دوسری تفسیر سے لیا ہے اس کا حوالہ دیدیا ہے۔

واقعہ حدیبیہ | حدیبیہ، ایک مقام مکہ مکرمہ سے باہر حدودِ حرم کے بالکل قریب ہے جس کو آج کل شمیمہ کہا جاتا ہے یہ واقعہ اس مقام پر پیش آیا ہے۔

جزء اول رسول اللہ | اس واقعہ کا ایک جزو بروایت عبد بن حمید و ابن جریر و تہذیبی وغیرہ یہ ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں یہ خواب دیکھا کہ آپ مکہ مکرمہ میں مع صحابہ کرام کے امن و اطمینان کیساتھ داخل ہوئے اور احرام سے فارغ ہو کر کچھ لوگوں نے حسب قاعدہ سرکا خلق کرایا، بعض نے بال کٹوائے اور یہ کہ آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ اور بیت اللہ کی چابی آپ کے ہاتھ آئی، یہ اس واقعہ کا ایک جزو ہے جس کا ذکر اسی سورت میں آیا ہے (انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے اس لئے اس صورت کا واقعہ ہونا یقینی ہو گیا مگر خواب میں اس واقعہ کے لئے کوئی سال یا مہینہ متعین نہیں کیا گیا، اور درحقیقت یہ خواب فتح مکہ کے وقت پورا ہونے والا تھا۔ مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو خواب سنایا تو وہ سب

کے سب مکہ مکرمہ جانے اور بیت اللہ کا طواف کرنے وغیرہ کے ایسے مشتاق تھے کہ ان حضرات نے فوراً ہی تیاری شروع کر دی اور جب صحابہ کرام کا ایک مجمع تیار ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارادہ فرمایا کیونکہ خواب میں کوئی خاص سال یا مہینہ متعین نہیں تھا تو احتمال یہ بھی تھا کہ ابھی یہ مقصد حاصل ہو جائے (کذا فی بیان القرآن بحوالہ روح المعانی)

جز دوم، آپ کا صحابہ کرام اور دیہات کے مسلمانوں کو ساتھ چلنے کے لئے بلانا اور بعض کا انکار کرنا۔

ابن سعد وغیرہ کی روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے عمرہ کا ارادہ فرمایا تو آپ کو یہ خطرہ سامنے تھا کہ قریش مکہ ممکن ہے کہ ہمیں عمرہ کرنے سے روکیں اور ممکن ہے کہ مدافعت کے لئے جنگ کی صورت پیش آجائے اسلئے آپ نے مدینہ طیبہ کے قریبی دیہات میں اعلان کر کے ان لوگوں کو ساتھ چلنے کی دعوت دی، ان میں سے بہت سے اعراب (دیہات) نے ساتھ چلنے سے عذر کر دیا اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب ہیں قریش مکہ سے لڑنا چاہتے ہیں جو سارے مسلمانوں کے لئے اور طاقتور ہیں ان کا انجام تو یہ ہونا ہے کہ یہ اس سفر سے زندہ واپس نہ لوٹیں گے (مظہری)

جز سوم، مکہ کی طرف روانگی | امام احمد بخاری، ابو داؤد و نسائی وغیرہ کی روایت کی مطابق روانگی سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا اور نیا لباس زیب تن فرمایا اور اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار ہوئے، ام المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ کو ساتھ لیا اور آپ کے ساتھ مہاجرین و انصار اور دیہات کے آنے والوں کا بڑا مجمع تھا جن کی تعداد اکثر روایات میں چودہ سو بیان کی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی وجہ سے انہیں کسی کو شک نہیں تھا کہ مکہ اس وقت فتح ہو جائے گا، حالانکہ بحر تلواروں کے ان کے ساتھ اور کچھ اسلحہ نہ تھا۔ آپ مع صحابہ کرام کے شروع ماہ ذیقعدہ میں پیر کئے ن روانہ ہوئے اور ذوالحلیفہ میں پہنچ کر احرام باندھا (مظہری ص ۱۲۸)

جز وچہارم، اہل مکہ کی مقابلے کی تیاری | دوسری طرف جب اہل مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بڑی جماعت صحابہ کیساتھ مکہ کے لئے روانہ ہونے کی خبر ملی تو جمع ہو کر باہم مشورہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کیساتھ عمرہ کے لئے آرہے ہیں اگر ہم نے ان کو مکہ میں آنے دیا تو تمام عرب میں یہ شہرت ہو جائے گی کہ وہ ہم پر غلبہ پا کر مکہ مکرمہ پہنچ گئے حالانکہ ہمارے اور ان کے درمیان کئی جنگیں ہو چکی ہیں سب نے عہد کیا کہ ہم ایسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے اور آپ کو روکنے کے لئے خالد بن ولید (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کی سرکردگی میں ایک جماعت کو مکہ سے باہر مقام کراع الغیم پر بھیجا اور اس پاس کے دیہات والوں کو بھی ساتھ ملا لیا اور طائف کا قبیلہ بنو ثقیف بھی ان کے ساتھ لگ گیا، انہوں نے مقام بلدح پر اپنا پڑاؤ ڈال لیا، ان سب نے آپس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے اور آپ کے مقابلے میں جنگ کرنے کا عہد کر لیا۔

خبر رسائی کا ایک عجیب سا وہ طریقہ | ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے باخبر رہنے کے لئے یہ انتظام کیا کہ مقام بلدح سے لیکر اُس مقام تک جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ چکے تھے پہاڑوں کی چوٹیوں پر کچھ آدمی بٹھا دیے تاکہ آپ کے پورے حالات دیکھ کر آپ کے متصل پہاڑ والا باوازی بلند دوسرے پہاڑ والے تک وہ تیسرے تک وہ چوتھے تک پہنچا دے اس طرح چند منٹوں میں آپ کی نقل و حرکت کا بلدح والوں کو علم ہو جاتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر رساں | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشر ابن سفیان کو آگے مکہ مکرمہ بھیج دیا تھا کہ وہ خفیہ اہل مکہ کے حالات جا کر دیکھیں اور آپ کو اطلاع کریں۔ وہ مکہ سے واپس آئے تو اہل مکہ کی ان جنگی تیاریوں اور مکمل مزاحمت کے واقعات کی خبر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افسوس ہے قریش پر کہ متعدد جنگوں نے ان کو کھالیا ہے پھر بھی وہ جنگ سے باز نہیں آتے، اُن کے لئے تو اچھا موقع تھا کہ وہ مجھے اور دوسرے اہل عرب کو آزاد چھوڑ دیتے اگر یہ عرب لوگ مجھ پر غالب آجاتے تو اُن کی مراد گھر بیٹھے حاصل ہوتی اور میں اُن پر غالب آجاتا تو یا تو پھر وہ بھی اسلام میں داخل ہو جاتے اور اگر یہ نہ کرتے اور جنگ ہی کرنے کا ارادہ ہوتا تو وہ تازہ اور قوی ہوتے اور پھر وہ میرے مقابلے پر آجاتے، معلوم نہیں کہ یہ قریش کیا سمجھ رہے ہیں قسم ہے اللہ کی کہ میں اُس حکم پر جو اللہ نے مجھے دیکر بھیجا ہے ہمیشہ انکے خلاف جہاد کرتا رہوں گا یہاں تک کہ تنہا میری گردن رہ جائے۔

جز و پنجم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم | اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ کی ناقہ کا راستہ میں بیٹھ جانا دیا اور مشورہ لیا کہ اب ہمیں یہیں سے ان عربوں کے خلاف جہاد شروع کر دینا چاہیے یا ہم بیت المقدس کی طرف بڑھیں، پھر جو ہمیں روکے اُس سے قتال کریں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے صحابہ نے مشورہ دیا کہ آپ بیت المقدس کے قصد سے نکلے ہیں کسی سے جنگ کے لئے نہیں نکلے اسلئے آپ اپنے قصد پر رہیں ہاں اگر کوئی ہمیں مکہ سے روکے گا تو ہم اُس سے قتال کریں گے، اسکے بعد حضرت مقداد بن اسودؓ اٹھے اور عرض کیا یا رسول اللہ، ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں کہ آپ سے یہ کہیں اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا (یعنی جائیے آپ اور آپ کا رب بڑھ کر لیجئے ہم تو یہاں بیٹھے ہیں) بلکہ ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ قتال کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا، بس اب اللہ کے نام پر مکہ کی طرف چلو۔ جب آپ مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے اور خالد بن ولید اور اُن کے ساتھیوں نے آپ کو مکہ کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو اپنے لشکر کی صفوف جانب قبلہ کی طرف مستحکم کر کے کھڑا کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباد بن بشر کو ایک دستہ فوج کا امیر بنا کر آگے کیا، اُنھوں نے خالد بن ولید کے لشکر کے بالمقابل صفوف بنالیں، اسی حالت میں نماز ظہر کا وقت آگیا حضرت بلالؓ نے اذان کہی اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔ خالد بن ولید اور ان کے سپاہی دیکھتے رہے۔ بعد میں خالد بن ولید نے کہا کہ ہمنے بڑا اچھا موقع ضائع کر دیا جب یہ لوگ سب نمازیں تھے اُس وقت ہم ان پر ٹوٹ پڑتے مگر کچھ بات نہیں اب ان کی دوسری نماز کا وقت آنے والا ہے اسکا انتظار کرو مگر جبریل علیہ السلام صَلَواتُہُ الْخَوَف کے احکام لیکر نازل ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ارادوں سے باخبر کر کے نماز کے وقت لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا طریقہ بتلادیا اور ان کے شر سے محفوظ رہے۔

جزو ششم، مقام حدیبیہ میں ایک معجزہ | مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے قریب پہنچے تو آپ کی اونٹنی کا ہاتھ پھسل گیا وہ بیٹھ گئی صحابہ کرام نے اٹھانا چاہا تو نہ اٹھی لوگوں نے کہا کہ قصویٰ بگڑا گئی آپ نے فرمایا قصویٰ کا تصور نہیں نہ اُس کی ایسی عادت ہے بلکہ اُس کو تو اُس ذات نے دکدیا جس نے اصحاب فیل کو روک دیا تھا (غالباً اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ انداز ہو گیا کہ جو واقعہ خواب میں دکھلایا گیا ہے اسکا یہ وقت نہیں ہے) آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جسکے ہاتھ میں محمد کی جان ہے آج کے دن قریش مجھ سے جو بات بھی ایسی کہیں گے جس میں شاعر الہیہ کی تنظیم ہو تو میں اسکو ضرور مان لوں گا۔ پھر آپ نے اونٹنی پر ایک آواز لگائی تو اٹھ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کی جانب سے ہٹ کر حدیبیہ کی دوسری جانب قیام فرمایا جہاں پانی بہت ہی کم تھا۔ پانی کے مواقع پر خالد بن ولید اور بلدح والے قابض ہو چکے تھے۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ ایک کنواں جس میں پانی کچھ کچھ رستا تھا اُس میں آپ نے کھلی کردی اور اپنا ایک تیر دیا کہ اسکے اندر گاڑ دو، یہ عمل ہوتے ہی اُسکا پانی جوش مار کر کنویں کی من کے قریب پہنچ گیا کنویں کے اوپر والوں نے اپنے برتنوں سے پانی نکالا اور سیراب ہو گئے۔

جزو ہفتم، اہل مکہ کیساتھ | اس طرح سب صحابہ مطمئن ہو کر یہاں مقیم ہوئے اور اہل مکہ سے بواسطہ وفود بواسطہ وفود بات چیت | بات چیت شروع ہوئی۔ پہلے بدیل بن ورقار (جو بعد میں مسلمان ہو گئے) اپنے ساتھیوں کے ساتھ حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر خواہانہ عرض کیا کہ قریش مکہ پوری قوت کیساتھ مقابلے کے لئے نکل آئے ہیں اور پانی کی جگہوں پر انھوں نے قبضہ کر لیا ہے وہ ہرگز آپ کو نہ چھوڑیں گے کہ آپ مکہ میں داخل ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم کسی سے جنگ کرنے نہیں آئے البتہ اگر کوئی ہمیں عمرہ کرنے سے روکے گا تو ہم قتال کریں گے پھر آپ نے اسی بات کا اعادہ فرمایا جو پہلے جاسوس بشر کے سامنے کہی تھی کہ قریش کو متعدد جنگوں نے کمزور کر دیا ہے اگر وہ چاہیں تو کسی معین مدت تک کھیلے ہم سے صلح کر لیں تاکہ وہ بے فکر ہو کر اپنی تیاری میں لگ جائیں اور ہمیں اور باقی عرب کو چھوڑ دیں، اگر وہ مجھ پر غالب آگئے تو انکی مراد گھر بیٹھے پوری ہو جائیگی

اور اگر ہم غالب آگئے اور وہ اسلام میں داخل ہونے لگے تو ان کو اختیار ہوگا کہ وہ بھی اسلام میں داخل ہو جاویں یا ہمارے خلاف جنگ کریں اور اس عرصہ میں وہ اپنی قوت محفوظ رکھ کر بڑھاپے ہونگے اور اگر قریش اس بات سے انکار کریں تو بخدا ہم اپنے معاملہ پر ان سے جہاد کرتے رہیں گے جب تک کہ میری تنہا گردن باقی ہے۔ بدیل یہ کہہ کر واپس ہو گئے کہ میں جا کر قریشی سرداروں سے آپکی بات کہہ دیتا ہوں۔ وہاں پہنچے تو کچھ لوگوں نے تو ان کی بات ہی سننا نہ چاہا بلکہ جنگ کے جوش میں رہے پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ بات تو سن لیں، یہ کہنے والے عروہ بن مسعود اپنی قوم کے سردار تھے، جب بات سنی تو عروہ بن مسعود نے قریشی سرداروں سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو بات پیش کی ہے وہ درست ہے اس کو قبول کر لو اور مجھے اجازت دو کہ میں جا کر ان سے بات کروں، چنانچہ دوسری مرتبہ عروہ بن مسعود گفتگو کے لئے حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ اگر اپنی قوم قریش کا صفایا ہی کر دیں تو یہ کونسی اچھی بات ہوگی، کبھی دنیا میں آپ نے سنا ہے کہ کوئی شخص اپنی ہی قوم کو ہلاک کر دے۔ پھر صحابہ کرام سے انکی نرم و گرم باتیں ہوتی رہیں، اسی حال میں عروہ صحابہ کرام کے حالات کا مشاہدہ کرتے رہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کا بھی تو صحابہ نے اس کو اپنے ہاتھوں میں لیکر اپنے چہروں سے مل لیا۔ اور جب آپ نے وضو کیا تو وضو کے کرنے والے پانی پر صحابہ کرام ٹوٹ پڑتے اور اپنے چہروں کو ملتے تھے اور جب آپ گفتگو فرماتے تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے۔ عروہ نے واپس جا کر قریشی سرداروں سے یہ حال بیان کیا کہ میں بڑے بڑے شاہی درباروں قیصر کسری اور نجاشی کے پاس جا چکا ہوں، خدا کی قسم میں نے کوئی بادشاہ ایسا نہیں دیکھا جسکی قوم اس پر اس طرح ذرا ہو جیسے اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان پر خدا ہیں اور وہ ایک صحیح بات کہہ رہے ہیں میرا مشورہ یہ ہے کہ تم ان کی بات مان لو، مگر لوگوں نے کہا ہم یہ بات نہیں مان سکتے بجز اسکے کہ اس سال تو آپ ٹوٹ جائیں پھر اگلے سال آجائیں۔ جب عروہ کی بات نہ مانی گئی تو وہ اپنی جماعت کو ساتھ لیکر واپس ہو گئے اسکے بعد ایک صاحب حلبس بن علقمہ جو اعراب کے سردار تھے وہ آپکی خدمت میں حاضر ہوئے اور صحابہ کرام کو احرام کی حالت میں قربانی کے جانور ساتھ لئے دیکھا تو واپس ہو کر اُس نے بھی اپنی قوم کو سمجھایا کہ یہ لوگ بیت اللہ کے عمرہ کیلئے آئے ہیں انکو روکنا کسی طرح درست نہیں، لوگوں نے اسکا کہنا نہ سنا تو یہ بھی اپنی جماعت کو لیکر واپس ہو گیا۔ پھر ایک چوتھا آدمی آپ سے بات کرنے کے لئے آیا اور آپ سے گفتگو کی تو آپ نے اپنی دہی بات پیش کر دی جو اس سے پہلے بدیل اور عروہ ابن مسعود کے سامنے پیش کی تھی اس نے جا کر آپکا جواب قریش کو سنا دیا۔ جزو ہتم، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو امام بیہقی نے حضرت عروہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کے لئے پیغام دیکر بھیجا | نے حدیبیہ میں پہنچ کر قیام فرمایا تو قریش گھبرا گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ انکے پاس اپنا کوئی آدمی بھیج کر بتلا دیں کہ ہم جنگ کرنے نہیں عمرہ کرنے آئے ہیں ہمارا راستہ نہ روکو۔ اس کام کے کیلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا انھوں نے عرض کیا کہ یہ قریش میرے سخت دشمن ہیں۔

کیونکہ اُن کو میری عداوت و شدت کا حال معلوم ہے اور میرے قبیلہ کا کوئی آدمی ایسا مکہ میں نہیں جو میری حمایت کرے اسلئے میں آپ کے سامنے ایک ایسے شخص کا نام پیش کرتا ہوں جو مکہ مکرمہ میں اپنے قبیلہ وغیرہ کی وجہ سے خاص قوت و عزت رکھتے ہیں یعنی عثمان بن عفانؓ، آپ نے حضرت عثمان کو اس کام کے لئے مامور فرما کر بھیج دیا اور یہ بھی فرمایا کہ جو ضغفار مسلمین مرد اور عورتیں مکہ مکرمہ سے ہجرت نہیں کر سکے اور مشکلات میں پھنسے ہوئے ہیں انکے پاس جا کر تسلی کر دیں کہ پریشانی نہ ہوں انشاء اللہ مکہ مکرمہ فتح ہو کر تمہاری مشکلات کے ختم ہونیکا وقت آگیا ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ پہلے اُن لوگوں کے پاس پہنچے جو مقام بلذح میں حضور کا راستہ روکنے اور مقابلے کے لئے جمع ہوئے تھے اُن سے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہی بات سنادی جو آپ نے بدیل اور عروہ ابن مسعود وغیرہ کے سامنے کہی تھی، ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے پیغام سن لیا آپ جا کر اپنے بزرگ سے کہہ دو کہ یہ بات ہرگز نہیں ہوگی۔ ان لوگوں کا جواب سن کر آپ مکہ مکرمہ کے اندر جانے لگے تو ابان بن سعید کی (جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) ان سے ملاقات ہوئی انھوں نے حضرت عثمانؓ کا گرمجوشی سے استقبال کیا اور اپنی پناہ میں لیکر اُن سے کہا کہ مکہ میں اپنا پیغام لیکر جہاں چاہیں جاسکتے ہیں اس میں آپ کوئی فکر نہ کریں پھر اپنے گھوڑے پر حضرت عثمانؓ کو سوار کر کے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے کیونکہ اُن کا قبیلہ بنو سعید مکہ مکرمہ میں بہت قوی اور عزت دار تھا، یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ مکہ مکرمہ میں قریش کے ایک ایک سردار کے پاس پہنچے اور حضورؐ کا پیغام پہنچایا کہ ہم کسی سے لڑنے کے لئے نہیں آئے عمرہ کر کے واپس جائیں گے ہاں کوئی ہمارا راستہ روکے گا تو لڑیں گے اور قریش خود جنگوں سے نیم جاں ہو چکے ہیں انکے لئے مناسب یہ ہے کہ ہمیں اور دوسرے اہل عرب کو چھوڑ دیں قریش ہمارے مقابلہ پر نہ آئیں پھر دیکھیں اگر عرب ہم پر غالب آگئے تو اُن کی مراد پوری ہو جائے گی اور ہم غالب آئے تو انھیں پھر بھی اختیار باقی ہوگا اس وقت قتال کر سکتے ہیں اور اس عرصہ میں انکو اپنی طاقت بڑھانے اور محفوظ رکھنے کا موقع بھی ملجائے گا مگر ان سب نے آپ کی بات کو رد کر دیا۔ پھر عثمان غنیؓ رضی اللہ عنہ سے ملے انکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا وہ بہت خوش ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام بھیجا۔ جب حضرت عثمانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام پہنچانے سے فارغ ہوئے تو اہل مکہ نے ان سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو طواف کر سکتے ہیں۔ عثمان غنیؓ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس وقت تک طواف نہیں کروں گا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کریں، عثمان غنیؓ رضی اللہ عنہ مکہ میں تین رات رہے اور رُوساء قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننے کی طرف دعوت دیتے رہے۔

جزوہم، اہل مکہ اور مسلمانوں میں آویزش | اسی عرصہ میں قریش نے اپنے پچاس آدمی اس کام پر لگائے اور اہل مکہ کے ساتھ آدمیوں کی گرفتاری | کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ کر موقع کا انتظار

کریں اور موقع ملنے پر (معاذ اللہ) آپ کا قصہ ختم کر دیں۔ یہ لوگ اسی تاک میں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و نگرانی پر مامور حضرت محمد بن مسلمہؓ نے ان سب کو گرفتار کر لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قید کر کے حاضر کر دیا، دوسری طرف حضرت عثمانؓ جو مکہ میں تھے اور انکے ساتھ تقریباً دس مسلمان اور مکہ مکرمہ میں پہنچ گئے تھے۔ قریش نے جب اپنے پچاس آدمیوں کی گرفتاری کا حال سنا تو حضرت عثمان سمیت ان سب مسلمانوں کو روک لیا اور قریش کی ایک جماعت مسلمانوں کے لشکر کی طرف نکلی اور مسلمانوں کی جماعت پر تیر اور پتھر پھینکے اس میں مسلمانوں میں سے ایک صحابی ابن زنییمؓ شہید ہو گئے اور مسلمانوں نے ان قریشیوں کے دس سواروں کو گرفتار کر لیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نے یہ خبر پہنچائی کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دیے گئے۔

جز دہم، بیعت رضوان کا واقعہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سن کر صحابہ کرام کو ایک درخت کے نیچے جمع کیا کہ سب جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر جہاد کیلئے بیعت کریں، سب صحابہ کرام نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جس کا ذکر آگے اس سورت میں آنے والا ہے حادثہ صحیحہ میں ان لوگوں کی بڑی فضیلت آئی ہے جو اس بیعت میں شریک تھے اور حضرت عثمان غنیؓ کا چونکہ آپ کے حکم سے مکہ گئے ہوئے تھے اس لئے ان کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود آپسے ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مار کر فرمایا کہ عثمانؓ کی بیعت ہے یہ خصوصی فضیلت حضرت عثمانؓ کی تھی کہ آپ نے اپنے ہی ہاتھ کو عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیکر ان کی طرف سے بیعت کر لی۔

جز دیا ز دہم، حدیبیہ کا واقعہ | دوسری طرف اہل مکہ پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا رعب مسلط کر دیا اور خود مصالحت پر آمادہ ہو کر انھوں نے اپنے تین آدمی سہیل بن عمرو اور حوٰیط بن العزیٰ اور مکرز بن حفص کو عند معذرت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، ان میں سے پہلے دو حضرت ابعد میں مسلمان بھی ہو گئے۔ سہیل بن عمرو نے اگر عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ تک جو خبر پہنچی ہے کہ عثمان غنیؓ اور انکے ساتھی قتل کر دیے یہ بالکل غلط ہے ہم ان کو آپ کے پاس بھیجے ہیں ہمارے قیدیوں کو آزاد کر دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا، مسند احمد اور مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ اس سورت میں جو آگے آیت **أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحِبُّوا إِلَيْهِمْ عُنْكُمْ**، یہ اسی واقعہ سے متعلق ہے اب سہیل اور انکے ساتھیوں نے جا کر بیعت رضوان میں صحابہ کرام کی مسارعت اور جہاں نشاری کے عجیب غریب منظر کا حال قریش کے سامنے بیان کیا تو قریش کے اصحاب اے لوگوں نے آپس میں کہا کہ اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس بات پر صلح کر لیں کہ وہ اس سال تو واپس چلے جائیں تاکہ پورے عرب میں یہ شہرت نہ ہو جائے کہ ہم نے ان کو روکنا چاہا وہ زبردستی مکہ میں داخل ہو گئے، اور اگلے سال عمرہ کے لئے آجائیں اور تین روز

مکہ میں قیام کریں، اسوقت اپنے جانور قربانی کے ذبح کر ڈالیں اور احرام کھول دیں چنانچہ سہیل بن عمرو یہ پیغام لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے اُن کو دیکھتے ہی فرمایا کہ اب معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم نے صلح کا ارادہ کر لیا ہے کہ سہیل کو پھر بھیجا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چہار زانو بیٹھ گئے اور صحابہ میں سے عباد بن بشر اور سلمہ مٹھیا روں سے صلح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حفاظت کے لئے کھڑے ہو گئے۔ سہیل حاضر ہوئے تو ادب کے ساتھ حضور کے سامنے بیٹھ گئے اور قریش کا پیغام آپ کو پہنچایا۔ صحابہ کرام عموماً اس پر راضی نہ تھے کہ اسوقت اپنے احرام بغیر عمرہ کئے کھول دیں، انھوں نے سہیل سے سخت گفتگو کی، آواز میں کبھی بلند ہو گئیں کبھی پست ہوئیں، عباد بن بشر نے سہیل کو ڈانٹا کہ حضور کے سامنے آواز بلند نہ کر، طویل گفتگو کے بعد آپ اس شرط کو قبول کر کے صلح کر لینے پر راضی ہو گئے سہیل نے کہا کہ لائیے ہم اپنے اور آپ کے درمیان صلحنامہ لکھ لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا لکھو، بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سہیل نے یہیں سے بخت شروع کر دی اور کہا کہ لفظ رحمن اور رحیم ہمارے محاورات میں نہیں ہے آپ یہاں وہی لفظ لکھیں جو پہلے لکھا کرتے تھے یعنی بسم اللہ۔ آپ نے اسکو بھی مان لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ایسا ہی لکھ دو۔ اسکے بعد آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ یہ لکھو کہ یہ وہ عہد نامہ ہے جس کا فیصلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔ سہیل نے اسپر بھی ضد کی کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو آپ کو ہرگز بیت اللہ سے نہیں روکتے (صلحنامہ میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہونا چاہیے جو کسی فرق کے عقیدہ کی خلاف ورزی ہو) آپ صرف محمد بن عبد اللہ لکھوائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بھی منظور فرما کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جو لکھا ہے اسکو مٹا کر محمد بن عبد اللہ لکھ دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باوجود سراپا اطاعت ہونے کے عرض کیا میں تو یہ نہیں کر سکتا کہ آپ کے نام کو مٹا دوں۔ حاضرین میں سے حضرت انس بن حنفیہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا کہ اسکو نہ مٹائیں اور بجز محمد رسول اللہ کے اور کچھ نہ لکھیں اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو ہمارے اور ان کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی اور کچھ آوازیں ہر طرف سہلید ہونے لگیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلحنامہ کا کاغذ خود اپنے دست مبارک میں لے لیا اور باوجود اسکے کہ آپ اُمتی تھے پہلے کبھی لکھا نہیں تھا مگر اسوقت خود اپنے قلم سے آپ نے یہ لکھ دیا ہذا ما قاضی محمد بن عبد اللہ وسہیل بن عمرو اصلحا علی وضع الحرب عن الناس عشر سنین یا من فیہ الناس ویکف بعضهم عن بعض، یعنی یہ وہ فیصلہ ہے جو محمد بن عبد اللہ اور سہیل بن عمرو نے دس سال کے لئے باہم جنگ نہ کرنے کا کیا ہے جس میں سب لوگ مامون رہیں ایک دوسرے پر چڑھائی اور جنگ سے پرہیز کریں۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہماری ایک شرط یہ ہے کہ اسوقت ہمیں طواف

کرنے سے نہ روکا جائے، سہیل نے کہا کہ بخدا یہ نہیں ہو سکتا، آپؐ نے اسکو بھی قبول فرمایا اس کے بعد سہیل نے اپنی ایک شرط یہ لکھی کہ جو شخص مکہ والوں میں سے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر آپ کے پاس جائیگا اسکو واپس کر دیں گے اگرچہ وہ آپ ہی کے دین پر ہوا۔ مسلمانوں میں سے جو کوئی قریش کے پاس مکہ چلا آوے اسکو ہم واپس نہ کریں گے۔ اس پر عام مسلمانوں کی آواز اٹھی سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے مسلمان بھائی کو مشرکین کی طرف لوٹا دیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بھی قبول فرمایا اور یہ فرمایا کہ ہم میں سے کوئی آدمی اگر ان کے پاس گیا تو اسکو اللہ ہی ہم سے دور کر دیا اسکی ہم کیوں فکر کریں اور ان میں کا کوئی آدمی ہمارے پاس آیا اور ہم نے لوٹا بھی دیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے راستہ سہولت کا نکال دیں گے حضرت برادرؓ نے اس صلح نامہ کا خلاصہ تین شرطیں بیان کیا ہے، ایک یہ کہ اُن کا کوئی آدمی ہمارے پاس آجائے گا تو ہم اسکو واپس کر دیں گے، دوسرے یہ کہ ہمارا کوئی آدمی اُن کے پاس چلا جائیگا تو وہ واپس نہ کریں گے۔ تیسرے یہ کہ اب آئندہ سال عمرہ کے لئے آئیں گے اور تین روز مکہ میں قیام کریں گے اور زیادہ ہتھیار لیکر نہیں آئیں گے، اور آخر میں لکھا گیا کہ یہ عہد نامہ اہل مکہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک محفوظ دستاویز جس کی کوئی خلاف ورزی نہ کریگا اور باقی سب عرب آزاد ہیں جسکا جی چاہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عہد میں داخل ہو جائے اور جسکا جی چاہے قریش کے عہد میں داخل ہو جائے۔ یہ سُن کر قبیلہ خزاعہ اُچھل پڑا اور کہا کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عقد میں داخل ہیں اور بنو بکر نے آگے بڑھ کر کہا کہ ہم قریش کے عقد و عہد میں داخل ہیں۔

شرائط صلح سے عام | جب یہ شرائط صلح طے ہو گئیں تو عمر بن خطابؓ سے نہ رہا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ، کیا آپ اللہ کے نبی برحق نہیں ہیں، آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا ہم حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں ہیں، آپ نے فرمایا کیوں نہیں، پھر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ کیا ہمارے مقتولین جنت اور اُن کے مقتولین جہنم میں نہیں ہیں، آپ نے فرمایا کیوں نہیں، اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا تو پھر ہم کیوں اس ذلت کو قبول کریں کہ بغیر عمرہ کئے واپس چلے جائیں جب تک جنگ کیسا تھا اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ نہ کر دیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اسکا رسول ہوں ہرگز اس کے حکم کی خلاف نہیں کرؤں گا اور اللہ تعالیٰ مجھے ضائع نہ فرمائیگا وہ میرا مددگار ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا کہ ہم بیت اللہ کے پاس جائیں گے اور طواف کریں گے، آپ نے فرمایا کہ بیشک یہ کہا تھا مگر کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ کام اسی سال ہوگا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ تو آپ نے نہیں فرمایا تھا تو آپ نے فرمایا کہ بس یہ واقعہ جیسا کہ میں نے کہا تھا ہو کر رہے گا کہ آپ بیت اللہ کے پاس جائیں گے اور طواف کریں گے۔

حضرت عمر بن خطاب خاموش ہو گئے مگر غم و غصہ نہیں گیا، آپ کے پاس سے حضرت ابو بکرؓ کے پاس گئے اور اسی گفتگو کا اعادہ کیا جو حضورؐ کے سامنے کی تھی، حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا خدا کے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور وہ اللہ کے حکم کی خلاف کوئی کام نہ کریں گے اور اللہ ان کا مددگار ہے اسلئے تم مرتے دم تک آپؐ کی رکاب تھامے رہو، خدا کی قسم وہ حق پر ہیں، غرض حضرت فاروق اعظمؓ کو ان شرائط صلح سے سخت رنج و غم پہنچا، خود انھوں نے فرمایا کہ اللہ حجب سے میں نے اسلام قبول کیا مجھے کبھی شک پیش نہیں آیا بحر اس واقعہ کے (رداء البخاری) حضرت ابوبکرؓ نے سمجھایا اور فرمایا کہ شیطان کے شر سے پناہ مانگو، فاروق اعظمؓ نے کہا میں شیطان سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو میں برابر صدقہ خیرات کرتا اور روزے رکھتا اور غلام آزاد کرتا رہا کہ میری یہ خطا معاف ہو جائے۔

ایک اور حادثہ اور معاہدہ کی پابندی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے نظیر عمل یہ بھی یہ شرائط صلح طے ہوئی تھیں اور صحابہ کرام کی ناگواری اسپر پوری تھی کہ اچانک اسی ہیل بن عمرؓ کا جو صلحنامہ کفریہ منجانب قریش تھا بیٹا ابوجندل جو مسلمان ہو چکا تھا اور باپ نے اس کو قید کر رکھا تھا اور سخت ایذا میں ان کو دیتا تھا وہ کسی طرح بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پہنچ گیا اور آپؐ سے پناہ مانگی، کچھ مسلمان بڑھے اور اسکو اپنی پناہ میں لے لیا مگر سہیل چلا اٹھا کہ یہ بچی عہد نامہ کی خلاف ورزی ہو رہی ہے اگر اسکو واپس نہ کیا گیا تو میں صلح کی کسی شرط کو نہ مانوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عہد کر کے پابند ہو چکے تھے اسلئے ابوجندل کو آواز دیکر فرمایا کہ اے ابوجندل تم چند روز اور صبر کرو اللہ تعالیٰ تمھارے لئے اور ضعفاء مسلمین کے لئے جو مکہ میں مجبوس ہیں جلد رہائی اور فراخی کا انتظام کرنے والا ہے۔ مسلمانوں کے دلوں پر ابوجندل کے اس واقعہ نے اور زیادہ نمک پاشی کی وہ تو یقین کر کے آئے تھے کہ اسی وقت مکہ فتح ہوگا اور یہاں یہ حالات دیکھے تو انکے رنج و غم کی انتہا نہ رہی قریب تھا کہ وہ ہلاکت میں پڑ جاتے مگر معاہدہ صلح مکمل ہو چکا تھا اس صلحنامہ پر مسلمانوں کی طرف سے ابو بکر و عمر عبدالرحمن بن عوف اور عبداللہ بن سہیل بن عمر معد بن ابی وقاص محمد بن مسلمہ اور علی بن ابی طالب وغیرہ رضی اللہ عنہم کے دستخط ہوئے اسی طرح مشرکین کی طرف سے سہیل کے ساتھ چند دوسرے لوگوں کے بھی دستخط ہو گئے۔

احرام کھولنا اور قربانی جب صلحنامہ کی کتابت سے فراغت ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کے حبانہ ذبح کرنا فرمایا کہ (قرار داد صلح کے مطابق اب ہمیں واپس جانا ہے) سب لوگ اپنی قربانی کے جانور جو ساتھ ہیں ان کی قربانی کر دیں اور سر کے بال منڈوا کر احرام کھول دیں۔ صحابہ کرام کی مسلسل رنج و غم کی وجہ سے یہ حالت ہو گئی تھی کہ آپؐ کے فرمانے کے باوجود کوئی اس

کام کے لئے نہیں اٹھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہم ہوئے اور اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور اپنے اس رنج کا ذکر کیا، اُم المؤمنینؓ نے بہت مناسب اور اچھا مشورہ دیا کہ آپ صحابہ کرام کو اس پر کچھ نہ کہیں، ان کو اس وقت سخت صدمہ اور رنج شرائط صلح اور بغیر عمرہ کے واپسی کی وجہ سے پہنچا ہوا ہے، آپ سب کے سامنے حجام کو بلا کر خود اپنا حلق کر کے احرام کھول دیں اور اپنی قربانی کر دیں۔ آپ نے مشورہ کے مطابق ایسا ہی کیا، صحابہ کرام نے جب یہ دیکھا تو سب کھڑے ہو گئے ایک دوسرے کا حلق کرنے لگے اور قربانی کے جانوروں کی قربانی کرنے لگے، آپ نے سب کے لئے دعا فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام حدیبیہ میں انیس اور بعض روایات کے اعتبار سے بیس دن قیام فرمایا تھا، اب یہاں سے واپسی شروع ہوئی اور آپ صحابہ کرام کے مجمع کیساتھ پہلے مڑ ظہران پھر عسفان پہنچے، یہاں پہنچ کر سب مسلمانوں کا زاد راہ تقریباً ختم ہو چکا تھا، کھانے کے لئے بہت کم سامان تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دسترخوان بچھایا اور سب کو حکم دیا کہ جس کے پاس جو کچھ ہے لاکر یہاں جمع کر دے اس طرح جو کچھ باقی ماندہ کھانے کا سامان تھا سب اس دسترخوان پر جمع ہو گیا۔ خود سو حضرات کا مجمع تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور سب کو کھانا شروع کرنے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام کا بیان ہے کہ پورے خود سو حضرات نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا پھر اپنے برتنوں میں بھر لیا اسکے بعد بھی اتنا ہی کھانا باقی تھا، اس مقام پر یہ دوسرا معجزہ ظاہر ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔

صحابہ کرام کے ایمان اور اطاعت رسولؐ کا اور پر معلوم ہو چکا ہے کہ صحابہ کرام پر ان شرائط صلح اور بغیر عمرہ ایک اور امتحان اور انکی بے نظیر قوت ایمانی اور بغیر جنگ میں اپنے حوصلے نکالنے کے واپسی سخت

بھاری اور تاگوار تھی، یہ انہی کا ایمان تھا کہ ان سب حالات میں ایمان اور اطاعت رسولؐ پر جمے رہے۔ حدیبیہ سے واپسی پر جب آپ مقام کراع غنیم پر پہنچے تو آپ پر یہ سورہ فتح نازل ہوئی آپ نے صحابہ کرام کو بڑھ کر مسنایا، صحابہ کرام کے قلوب اس طرح کی شرائط صلح اور بغیر عمرہ کے واپسی سے زخم خوردہ پہلے ہی سے تھے اب اس سورت نے یہ بتلایا کہ فتح مبین حاصل ہوئی ہے حضرت عمر بن خطابؓ پھر سوال کر بیٹھے کہ یا رسول اللہ کیا یہ فتح ہے، آپ نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ فتح مبین ہے۔ صحابہ کرام نے اس پر بھی تسلیم خم کیا اور ان سب چیزوں کو فتح مبین یقین کیا۔

صلح حدیبیہ کے ثمرات و برکات کا ظہور سب سے پہلی بات تو اس واقعہ میں یہ ہوئی کہ قریش مکہ اور انکے بہت سے متبعین پر انکی ضد اور بیجا ہٹ دھرمی واضح ہو کر خود انہیں پھوٹ پڑی

بذیل ابن ورقار اپنے ساتھیوں کو لے کر ان سے الگ ہو گئے، پھر عروہ ابن مسعود اپنی جماعت کو لیکر الگ ہو گئے۔ دوسرے صحابہ کرام کی بے نظیر جاں نثاری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال اطاعت و محبت و عظمت دیکھ کر قریش مکہ کا مرعوب ہو جانا اور صلح کی طرف مائل ہونا حالانکہ اُن کے لئے مسلمانوں کا صفایا کر دینے کا اس سے بہتر کوئی موقع نہ تھا کیونکہ وہ اپنے گھروں میں مطمئن تھے، مسلمان مسافرت کی حالت میں تھے قریش نے پانی کی جگھوں پر قبضہ کیا ہوا تھا یہ بے آب و دانہ جنگل میں تھے، اُن کی پوری قوت موجود تھی مسلمانوں کے پاس کچھ زیادہ اسلحہ بھی نہیں تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اُنکے دلوں میں رعب ڈالا اور ان کی جماعت کے بہت سے افراد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات اور اختلاط کے مواقع ملکر ان میں سے بہت سے لوگوں کے دلوں میں اسلام دایما راسخ ہو گیا اور بعد میں مسلمان ہو گئے۔ تبصرے صلح و امان کی وجہ سے راستے مأمون ہو گئے و دعوتِ اسلام کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے واسطے راستے کھل گئے، عرب کے دُفود کو آپ کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے گوشہ گوشہ میں دعوتِ اسلام کو پھیلایا، دُنیا کے بادشاہوں کو دعوتِ اسلام دینے کے لئے خطوط بھیجے گئے انہیں سے چند بڑے بڑے بادشاہ متاثر ہوئے جسکا حاصل یہ نکلا کہ واقعہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ عام اور سب کو عمرہ کے لئے نکلنے کی تاکید کے باوجود ڈیڑھ ہزار سے زیادہ مسلمان تھے نہیں تھے اور صلح حدیبیہ کے بعد جوق جوق لوگ اسلام میں داخل ہوئے، اسی عرصہ میں شہِ جبرئیل میں خیبر فتح ہو کر مسلمانوں کو سامانِ بڑی مقدار میں مل گیا اور ان کی مادی قوت مستحکم ہو گئی۔ اور اس صلح پر دو سال گزرنے نہ پائے تھے کہ مسلمانوں کی تعداد اتنی کثیر ہو گئی جو اس سے پہلے تمام پچھلی مدت میں نہیں تھی، اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب قریش مکہ نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے معاہدہ توڑ ڈالا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کرنے کی خفیہ تیاری شروع کی تو اس صلحنامہ پر صرف بیس اکیس مہینے گزرے تھے کہ فتح مکہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ جانیوالے جاں نثار سپاہی دس ہزار تھے قریش مکہ کو خبر لگی تو گھبرا کر ابوسفیان کو عذرِ مغدرت کر کے تجدیدِ معاہدہ پر آمادہ کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اپنے معاہدہ کی تجدید نہ کی اور بالآخر دس ہزار کے اس حزبِ اللہ کے ساتھ آپ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے کفارِ قریش ایسے مغلوب و مرعوب ہو چکے تھے کہ مکہ مکرمہ میں کچھ زیادہ لڑائی کی بھی نوبت نہیں آئی، کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکیمانہ سیاست نے جنگ نہ ہونے کا یہ انتظام کر دیا کہ آپ نے مکہ مکرمہ میں اعلان کر دیا کہ جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ مأمون ہے جو مسجد میں داخل ہو جائے وہ مأمون جو ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے وہ مأمون ہے اس طرح سب لوگوں کو اپنی اپنی

فکر پڑ گئی اور قتل و قتال کی زیادہ نوبت نہیں آئی اسی لئے ائمہ فقہاء میں یہ اختلاف ہو گیا کہ مکہ مکرمہ صلح سے فتح ہو یا جنگ سے۔ بہر حال بڑی سہولت کے ساتھ مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب واقعہ بن کر سب کے سامنے آ گیا، صحابہ کرام نے بے خطر ہو کر بیت اللہ کا طواف پھر حلق و قصر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ بیت اللہ کی چابی آپ کے ہاتھ آئی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو خطاب کو خصوصاً اور سب صحابہ کو عموماً خطاب کر کے فرمایا کہ یہ ہے وہ واقعہ جو میں نے آپ سے کہا تھا، پھر حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو خطاب کر کے فرمایا کہ یہ تھا وہ واقعہ جو میں نے تم سے کہا تھا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ بیشک کوئی فتح صلح حدیبیہ سے زیادہ بہتر اور اعظم نہیں ہے۔ صدیق اکبرؓ تو پہلے سے فرماتے تھے کہ اسلام میں کوئی فتح صلح حدیبیہ کے برابر نہیں ہے لیکن لوگوں کی رائے اور بصیرت وہاں تک نہ پہنچی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے درمیان ایک طے شدہ حقیقت تھی یہ لوگ جلد بازی کرنا چاہتے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی جلد بازی سے متاثر ہو کر جلدی نہیں کرتا بلکہ حکمت و مصلحت کیساتھ ہر کام اپنے صحیح وقت پر انجام پاتا ہے اس لئے سورہ فتح میں حق تعالیٰ نے واقعہ حدیبیہ کو فتح مبین فرمایا۔ یہ واقعہ حدیبیہ کے اہم اجزاء تھے جن سے اگلی آیات کے سمجھنے میں سہولت ملیگی اب آیات کی تفسیر دیکھئے۔

لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، اسیں لیغفر کا لام اگر تعلیل یعنی بیان علت کے لئے لیا جائے تو حاصل اس کا یہ ہے کہ یہ فتح مبین آپ کو اس لئے دی گئی ہے تاکہ آپ کو یہ تین کمالات حاصل ہو جائیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے، ان میں پہلی چیز تمام گلی پھیلی لغزشوں اور خطاؤں کی معافی ہے۔ سورہ محمد میں پہلے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں ان کی طرف قرآن میں جہاں کہیں ذنب یا عصیان وغیرہ کے الفاظ منسوب کئے گئے وہ ان کے مقام عالی کی مناسبت سے ایسے کاموں کے لئے استعمال کئے گئے جو خلاف اولیٰ تھے مگر نبوت کے مقام بلند کے اعتبار سے غیر فصل پر عمل کرنا بھی ایسی لغزش ہے جس کو قرآن نے بطور تہدید کے ذنب و گناہ سے تعبیر کیا ہے اور ما تقدم سے مراد وہ لغزشیں ہیں جو نبوت سے پہلے ہوئیں اور ما تأخر سے مراد وہ لغزشیں جو رسالت و نبوت کے بعد صادر ہوئیں (منظہری) اور فتح مبین کا اس مغفرت کے لئے سبب ہو کی وجہ یہ ہے کہ اس فتح مبین سے بہت لوگ جو حق اسلام میں داخل ہوں گے اور اسلام کی دعوت کا عام ہو جانا آپ کی زندگی کا مقصد عظیم اور آپ کے اجر و ثواب کو بہت بڑھانے والا ہے اور اجر و ثواب کی زیادتی سبب ہوتی ہے کفارہ سینات کی (بین القرآن)

وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا، یہ دوسری نعمت ہے جو اس فتح مبین پر مرتب ہوئی ہے یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ صراط مستقیم پر تو آپ اول ہی سے ہیں اور نہ صرف خود صراط مستقیم پر ہیں بلکہ

دنیا کو اسی صراطِ مستقیم کی دعوت دینا آپ کا رات دن کا مشغلہ ہے تو ہجرت کے چھٹے سال فتحِ مبین کے ذریعہ صراطِ مستقیم کی ہدایت کے کیا معنی ہیں اسکا جواب سورہ فاتحہ کی تفسیر لفظ ہدایت کی تحقیق میں گزر چکا ہے کہ ہدایت ایک ایسا مفہوم عام ہے کہ جس کے درجات غیر متناہی ہیں وجہ یہ ہے کہ ہدایت کے معنی منزل مقصود کا راستہ دکھلانا یا اس پر پہنچانا ہے اور اصل منزل مقصود ہر انسان کی حق تعالیٰ کی رضا اور قرب حاصل کرنا ہے اور اس رضا و قرب کے متفاوت درجات بے شمار ہیں، ایک درجہ حاصل ہونے کے بعد دوسرے اور تیسرے درجہ کی ضرورت باقی رہتی ہے جس سے کوئی بڑے سے بڑا ولی بلکہ نبی و رسول بھی بے نیاز نہیں ہو سکتا، اسی لئے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی دعا نماز کی ہر رکعت میں کرنیکی تعلیم جیسے اُمت کو ہے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہے جس کا حاصل صراطِ مستقیم کی ہدایت یعنی اللہ تعالیٰ کے قرب رضا کے درجات میں ترقی حاصل کرنا ہی اس فتحِ مبین پر حق تعالیٰ نے اسی قرب رضا کا کوئی بہت اعلیٰ مقام آپ کو عطا فرمایا جس کو یھدیك کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے وَ يَبْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَظِيمًا، یہ تیسری نعمت ہے جو اس فتحِ مبین پر مرتب ہوئی کہ حق تعالیٰ کی امداد و اعانت جو آپ کو ہمیشہ حاصل رہی ہر اس وقت اس مدد کا ایک بڑا درجہ آپ کو دیا گیا

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَرُدَّ أَدْوًا

وہی ہے جس نے اُتارا اطمینان دل میں ایمان والوں کے تاکہ اور بڑھ جائے

إِيمَانًا مَعَ إِيْمَانِهِمْ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ

ان کو ایمان اپنے ایمان کے ساتھ اور اللہ کے ہیں سب لشکر آسمانوں کے اور زمین کے اور اللہ

اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ لِيَدْخُلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ

ہے خبردار حکمت والا تاکہ پہنچادے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفَّرُ عَنْهُمْ

نیچے بہتی ہیں اُن کے نہریں ہمیشہ رہیں ان میں اور اُتار دے اُن پر سے

سَيِّئَاتِهِمْ وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ۝ قُلْ يَعْذِبُ

انکی بُرائیاں اور یہ ہے اللہ کے یہاں بڑی مراد ملنی اور تاکہ عذاب کرے

الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّالِمِينَ

دغا باز مردوں کو اور دغا باز عورتوں کو اور شرک والے مردوں کو اور شرک والی عورتوں کو جو انکلیں کرتے ہیں

بِاللَّهِ ظَنُّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

اللہ پر بُری اطمینان انہی پر پڑے پھر مصیبت کا اور غصہ ہوا اللہ اُن پر

وَلَعَنَهُمْ وَاعَدَ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝۶ وَلِلّٰهِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ

اور لعنت کی اُن کو اور تیار کی انکے واسطے دوزخ، اور بُری جگہ پہنچے اور اللہ کے ہیں سب لشکر آسمانوں کے

وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيْمًا ۝۷

اور زمین کے اور ہے اللہ زبردست حکمت والا

خلاصہ تفسیر

وہ خدا ایسا ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں تحمل پیدا کیا (جسکے دو اثر ہیں ایک بیعت جہاد کے وقت اسکی طرف مسابقت اور غم و ہمت جیسا کہ بیعت رضوان کے واقعہ میں اور ذکر آچکا ہے اور دوسرا اثر کفار کی بیجا ضد کے وقت اپنے جوش اور غیظ و غضب کو قابو میں رکھنا جسکا ذکر اس واقعہ کے جزو دوم میں تفصیل کے ساتھ آچکا ہے اور آگے بھی فَا نَزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ میں آئے گا) تاکہ اُن کے پہلے ایمان کیساتھ اُن کا ایمان اور زیادہ ہو (کیونکہ دراصل اطاعت رسول ذریعہ ہے نور ایمان میں زیادتی کا اور اس واقعہ میں ہر پہلو سے مکمل اطاعت رسول کا امتحان ہو گیا کہ جب رسول نے دعوت جہاد کے لئے بلایا اور بیعت لی تو بڑی خوشدلی اور مسابقت کے ساتھ سب نے بیعت کی اور جہاد کے لئے تیار ہو گئے اور جب حکمت و مصلحت کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال سے روکا اور سب صحابہ جوش جہاد میں قتال کے لئے بے قرار تھے مگر اطاعت رسول میں تسلیم خم کر دیا اور قتال سے باز رہے) اور آسمان و زمین کے سب لشکر (جیسے ملائکہ اور سب مخلوقات) اللہ ہی کے (لشکر) ہیں (اسلئے کفار کی شکست اور دین اسلام کی سر بلندی کے لئے اللہ تعالیٰ تمھارے قتال و جہاد کا محتاج نہیں وہ اگر چاہیں تو اپنے فرشتوں کے لشکر بھیج دیں جیسا کہ بدر - احزاب - حنین کے غزوات میں اسکا مشاہدہ ہو چکا، اور یہ لشکر بھیجنا بھی مسلمانوں کی ہمت بڑھانے کے لئے ہے ورنہ ایک فرشتہ بھی سب کیلئے کافی ہو اسلئے تم لوگوں کو نہ تو کفار کی کثرت دیکھ کر جہاد و قتال میں کوئی تردد ہونا چاہیئے اور نہ جو وقت اللہ و رسول کا حکم ترک قتال کا ہوا سو وقت ترک قتال میں بھی کوئی تردد ہونا چاہیئے کہ افسوس صلح ہو گئی اور کفار بچ گئے ان کو سزا نہ ہوئی اور قتال یا ترک قتال کے نتائج اور عواقب کو اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ (مصلحتوں کا) بڑا جاننے والا حکمت والا ہے (جب قتال میں حکمت ہوتی ہے اسکا حکم دیتا ہے اور جب ترک قتال میں مصلحت ہوتی ہے اسکا حکم فرماتا ہے) اسلئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ دونوں حالتوں میں اپنے جذبات کو امر رسول کے تابع رکھیں جو سبب ہے زیادتِ ایمان کا - آگے زیادتی ایمان کے ثمرہ کا بیان ہے یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ

(اس اطاعت کی بدولت) مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایسی بہشتوں میں داخل کرے جس کے نیچے نہریں جاری ہونگی جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور تاکہ (اس اطاعت کی بدولت) اُن کے گناہ دور کر دے (کیونکہ اطاعتِ رسول میں گناہوں سے توبہ اور اعمالِ صالحہ سب داخل ہیں جو تمام سُئیات اور گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں) اور یہ (جو کچھ مذکور ہوا) اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی (اس آیت میں اَوَّل قلوبِ مؤمنین پر سکینت اور تحمل نازل کرنے کا انعام ذکر فرمایا پھر یہ انعام ایمان کی زیادتی کا بذریعہ اطاعتِ رسول سبب بنا اور اطاعتِ رسول دخولِ جنت کا سبب بنی اسلئے یہ سب اُمور مؤمنین کے قلوب میں نزولِ سکینت پر مرتب ہوئے، آگے اسی سکینت پر مرتب کر کے منافقین کی اس سے محرومی) اور (اس محرومی کے سبب سے گرفتار عذاب ہونا بیان فرماتے ہیں یعنی یہ سکینت مسلمانوں کے قلوب پر نازل فرمائی اور کفار کے قلوب پر نہیں فرمائی) تاکہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو (بوجہ ان کے کفر کے) عذاب دے جو کہ اللہ کے ساتھ بُرے بُرے گمان رکھتے ہیں (اس بُرے گمان سے مراد باعتبارِ سیاقِ کلام کے اُن لوگوں کا گمان ہے جن کو عمرہ کے لئے حدیبیہ کے سفر کی دعوت دی گئی اور انھوں نے انکار کر دیا اور باہم یہ کہا کہ یہ لوگ اہل مکہ سے ہمیں لڑانا چاہتے ہیں ان کو جانے دو یہ انکے ہاتھ سے بچ کر نہیں آویں گے ایسا کہنے والے لوگ منافقین ہی ہو سکتے ہیں، اور اپنے مفہومِ عام کے اعتبار سے سارے عقائدِ کفریہ کریمہ اسی گمانِ بد میں داخل ہیں ان سب کے لئے وعید ہے کہ دُنیا میں) ان پر بُرا وقت پڑنے والا ہے (چنانچہ چند ہی روز کے بعد مقتول اور مجبوس ہوئے اور منافقین کی تمام عمر حسرت و پریشانی میں کٹی کہ اسلام بڑھتا تھا اور وہ گھٹتے جاتے تھے یہ تو دُنیا میں ہوا) اور (آخرت میں) اللہ تعالیٰ اُن پر غضبناک ہو گا اور اُن کو رحمت سے دور کر دیگا اور اُن کے لئے اس نے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے اور (آگے اس وعید کی تاکید ہے کہ) آسمان اور زمین کے سب لشکرِ اللہ ہی کے ہیں اور اللہ تعالیٰ زبردست (یعنی پوری قدرت والا ہے اگر چاہتا اپنے کسی بھی لشکر سے ان سب کی ایک دم صفائی کر دیتا کہ یہ اسکے مستحق ہیں لیکن چونکہ وہ) حکمت والا ہے (اس لئے مصلحتِ سزا میں مہلت دیتا ہے۔)

معارف و مسائل

شروعِ سُورت کی تین آیتوں میں اُن خاص انعامات کا ذکر ہے جو اس فتحِ حسین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مبذول ہوئے۔ بعض صحابہ جو سفرِ حدیبیہ میں ساتھ تھے انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ انعامات تو آپ کے لئے ہیں اللہ آپ کو مبارک فرمائے ہمارے لئے کیا ہے

اس پر یہ آیات نازل ہوئیں ان میں اصالتِ حاضرینِ حدیبیہ اور بیعت رضوان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر ہے اور چونکہ وہ انعامات ایمان اور اطاعتِ رسول کے سبب ملے اس حیثیت سے سب مومنین کو بھی شامل ہے کہ جو بھی ایمان اور اطاعت میں کامل ہوگا وہ ان انعامات کا مستحق ہوگا۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ

ہم نے تجھ کو بھیجا احوال بتانے والا اور خوشی اور ڈر سنانے والا تاکہ تم لوگ یقین لاد اللہ پر اور

رَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝

اُسے رسول پر اور اُسکی مدد کرو اور اُسکی عظمت رکھو اور اُسکی پاکی بولتے رہو صبح اور شام

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ

تھتین جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے اللہ کا ہاتھ ہے اُوپر اُنکے

أَيْدِيهِمْ فَمَنْ تَكَثَّرَ فَأِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ

ہاتھ کے پھر جو کوئی قول توڑے سو توڑتا ہے اپنے نقصان کو اور جو کوئی پورا کرے

بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَمَنْ تَكَثَّرَ فَأِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ

اس چیز کو جس پر اقرار کیا اللہ سے تو وہ اس کو دے گا بدلہ بہت بڑا

خلاصہ تفسیر

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو (اعمالِ اُمت پر قیامت کے دن) گواہی دینے والا (عموماً) اور (دنیا میں خصوصاً مسلمانوں کے لئے) بشارت دینے والا اور (کافروں کے لئے) ڈرانے والا کر کے بھیجا ہے (اور اے مسلمانو، ہم نے اُن کو اسلئے رسول بنا کر بھیجا ہے) تاکہ تم لوگ اللہ پر اور اُسکے رسول پر ایمان لاؤ اور اُس (کے دین) کی مدد کرو اور اُسکی تعظیم کرو (عقیدہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کو تمام کمالات کیساتھ موصوف اور تمام نقائص اور عیوب سے پاک سمجھو اور عملاً بھی کہ اُس کی اطاعت کرو) اور صبح و شام اُسکی تسبیح (و تقدیس) میں لگے رہو (اگر اس تسبیح کی تفسیر نماز سے کی جائے تو صبح و شام کی فرض نمازیں مُراد ہونگی ورنہ مطلق ذکر اگرچہ مستحب ہی ہو مراد ہوگا۔ آگے بعض حقوقِ خاصہ کے متعلق ارشاد ہے کہ) جو لوگ آپ سے (حدیبیہ کے روز اس بات پر) بیعت کر رہے ہیں (یعنی بیعت کر چکے ہیں کہ جہاد سے بھاگیں گے نہیں) تو وہ (واقع میں) اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں (کیونکہ مقصود آپ سے اس پر بیعت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لایجے اور جب یہ بات ہے تو گویا) خدا کا ہاتھ اُنکے ہاتھوں پر ہے پھر (بیعت کے بعد) جو شخص عہد

توڑے گا (یعنی بیائے اطاعت کے مخالفت کر گیا) تو اُسکے عہد توڑنے کا وبال اُسی پر پڑ گیا اور جو شخص اُس بات کو پورا کر گیا جس پر (بیعت میں) خدا سے عہد کیا ہے تو عنقریب خدا اُس کو بڑا اجر دے گا۔

معارف و مسائل

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ کے اُن انعامات کا ذکر تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکی اُمت پر خصوصاً بیعت رضوان کے شرکار پر مبذول ہوئے، اور چونکہ ان انعامات کا عطا کرنے والا اللہ اور واسطہ عطا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسکی مناسبت سے آیات مذکورہ میں ان کے حقوق اور تعظیم و تکریم کا ذکر ہے اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے آپ کی تین صفات بیان فرمائیں۔ شاہد، بشیر، نذیر۔ شاہد کے معنی گواہ کے ہیں مراد اس کی وہی ہے جو سورہ نسا کی آیت فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا کی تفسیر میں معارف القرآن جلد دوم صفحہ ۲۱۹ میں گزر چکی ہے کہ ہر نبی اپنی اُمت کی بابت اس بات کی گواہی دے گا کہ اُسے اللہ کا پیغام اُمت کو پہنچا دیا پھر کسی نے اطاعت کی کسی نے نافرمانی۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کے متعلق گواہی دیں گے۔ سورہ نسا کی آیت کی تفسیر میں قرطبی نے لکھا ہے کہ انبیاء کی یہ گواہی اپنے زمانے کے موجود لوگوں کے متعلق ہوگی کہ ان کی دعوت حق کو کس نے قبول کیا اور کس نے نافرمانی کی، اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گواہی اپنے زمانے کے لوگوں کے متعلق ہوگی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ گواہی تمام اُمت کے اعمال طاعات سیئات پر ہوگی کیونکہ بعض روایات کے مطابق اُمت کے اعمال صبح شام رسول اللہ کے سامنے فرشتے پیش کرتے ہیں اسلئے آپ تمام اُمت کے اعمال سے باخبر ہونگے (ذکرہ القرطبی عن سعید بن المسیب ر) اور بشیر کے معنی بشارت دینے والا، نذیر کے معنی ڈرانے والا۔ مراد یہ ہے کہ آپ اُمت کے مومنین اور اطاعت کرنے والوں کو جنت کی بشارت دینے والے ہیں اور کفار و فجار کو عذاب سے ڈرانے والے ہیں آگے رسول کو بھیجنے کا مقصد یہ بتلایا گیا کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور ایمان کے ساتھ مزید تین اوصاف کا ذکر فرمایا ہے جو مومنین میں ہونے چاہئیں تَعَزُّوْا - شَوْقُوْا اور تَسَبَّحُوْا تَعَزُّوْا، تعزیر سے مشتق ہے جس کے معنی مدد کرنے کے ہیں اور سزا کو جو تعزیر کہا جاتا ہے وہ بھی اسلئے کہ مجرم کی مدد حقیقی اسمیں ہے کہ اس پر سزا جاری کی جائے (مفردات القرآن راغب) اور شَوْقُوْا، تَوْقِرُوْا سے مشتق ہے جسکے معنی ہیں تعظیم، اور تَسَبَّحُوْا، تسبیح سے مشتق ہے جس کے معنی پاکی بیان کرنے کے ہیں انہیں آخری لفظ تو متعین ہے کہ اللہ ہی کے لئے ہو سکتا ہے اسلئے تَسَبَّحُوْا کی ضمیر میں بجز اس کے کوئی احتمال نہیں کہ حق تعالیٰ کی طرف راجع ہو اسی لئے اکثر حضرات نے پہلے دونوں جملوں کی ضمیریں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف راجع کر کے معنی یہ قرار دیئے ہیں کہ ایمان لاؤ اور اللہ کی یعنی اسکے دین اور رسول

کی مدد کرو اور اسکی تعظیم کرو اور اسکی تسبیح کرو۔ اور بعض حضرات نے پہلے دو جملوں کی ضمیر رسول کی طرف راجع کر کے مطلب یہ قرار دیا کہ رسول کی مدد کرو اور تعظیم کرو اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو مگر بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں انتشار ضما ئر لازم آتا ہے جو بلاغت کے خلاف ہے واللہ اعلم۔ اسکے بعد اس بیعت کا ذکر ہے جس کا واقعہ قصہ حدیبیہ کے جزو دہم میں گزر چکا ہے۔ اس بیعت کے متعلق حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر یہ بیعت کی چونکہ مقصود اس سے اللہ کے حکم کی تعمیل اور رضا جوئی ہے اسلئے گویا خود اللہ تعالیٰ سے بیعت کی اور جب انھوں نے رسول کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تو گویا اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اللہ کا ہاتھ متشابہات میں سے ہے جس کی کیفیت اور حقیقت نہ کسی کو معلوم ہے نہ معلوم کرنے کی فکر میں رہنا درست ہے، اس بیعت کی فضیلت آگے بھی آ رہی ہے لفظ بیعت دراصل کسی خاص کام پر عہد لینے کا نام ہے اس کا قدیم اور مسنون طریقہ بارہم عہد کرنے والوں کا ہاتھ پر ہاتھ رکھنا ہے اگرچہ ہاتھ پر ہاتھ رکھنا شرط اور ضروری نہیں۔ بہر حال جس کام کا کسی سے عہد کیا جائے اسکی پابندی شرعاً واجب ضروری ہے اور خلاف ورزی حرام ہی اسی لئے آگے فرمایا کہ جو شخص اس عہد بیعت کو توڑیگا تو کچھ اپنا ہی نقصان کریگا اللہ اور اس کے رسول کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور جو اس عہد کو پورا کریگا تو اس کو اللہ تعالیٰ بڑا اجر دینے والے ہیں۔

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلْفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا

اب کہیں گے تجھ سے پیچھے رہ جانے والے گنوار ہم کام میں لگے رہ گئے اپنے مالوں کے اور گھر والوں کے

وَأَسْتَغْفِرُ لَكُمْ يَقُولُونَ يَا لَيْسَ لِمَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ قَوْلٌ

سو ہمارا گناہ بخشو وہ کہتے ہیں اپنی زبان سے جو ان کے دل میں نہیں تو کہہ

فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ

کس کا کچھ بس چلتا ہے اللہ سے تمہارے واسطے اگر وہ چاہے تمہارا نقصان یا چاہے تمہارا

نَفْعًا بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝۱۱ بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ

فائدہ بلکہ اللہ ہے تمہارے سب کاموں سے خبردار کوئی نہیں تم نے تو خیال

لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَى أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ

کیا تھا کہ پھر نہ آئے گا رسول اور مسلمان اپنے گھر کبھی اور کھٹ گیا

ذَلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنًّا سَوْفَ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ۝۱۲ وَ

تمہارے دل میں یہ خیال اور اٹکل کی تم نے بُری انگلیں اور تم لوگ تھے تباہ ہونے والے اور

مَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ۝۱۳

جو کوئی یقین نہ لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر تو ہم نے تیار کر رکھی ہے منکروں کے واسطے دہکتی آگ

وَاللّٰهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ

اور اللہ کے لئے ہے راج آسمانوں کا اور زمین کا بخشے جس کو چاہے اور عذاب میں ڈالے

مَنْ يَّشَاءُ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۳۶﴾

جس کو چاہے اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

خلاصہ تفسیر

جو دیہاتی (اس سفرِ حدیبیہ سے) پیچھے رہ گئے (شریک سفر نہیں ہوئے) وہ عنقریب (جبکہ آپ مدینہ پہنچیں گے) آپ سے (بات بنانے کے طور پر) کہیں گے کہ (ہم جو آپ کے ساتھ شریک نہیں ہوئے وجہ اکی یہ ہوئی کہ) ہم کو ہمارے مال اور عیال نے فرصت نہ لینے دی (یعنی انکی ضروریات میں مشغول رہے) تو ہمارے لئے (اس کو تاہی کی) معافی کی دعا کر دیجئے (آگے حق تعالیٰ اُن کی تکذیب فرماتے ہیں کہ) یہ لوگ اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو اُن کے دل میں نہیں ہیں (آگے آپ کو تلقین ہے کہ یہ لوگ جب آپ سے یہ عذر پیش کریں تو) آپ کہہ دیجئے کہ (اول تو یہ عذر اگر سچا بھی ہوتا تو بمقابلہ اللہ و رسول کے حکم قطعی کے محض عذر لنگ اور باطل ہوتا) سو (ہم پوچھتے ہیں کہ) وہ کون ہے جو خدا کے سامنے تمہارے لئے (نفع و نقصان میں) کسی چیز کا اختیار رکھتا ہو اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی نقصان یا کوئی نفع پہنچانا چاہے (یعنی تمہاری ذات یا تمہارے مال اور عیال میں جو نفع یا نقصان تقدیر الہی میں مقدر ہو چکا ہے اسکے خلاف کر سکا کسی کو اختیار نہیں۔ البتہ شریعت اسلام نے بہت سے مواقع پر اس طرح کے خطرات کا عذر قبول کر کے رخصت دیدی ہے بشرطیکہ وہ عذر واقعی ہو، اور جہاں شریعت نے اس عذر کو قبول نہیں کیا اور رخصت نہیں دی بلکہ حکم قطعی کر دیا جیسا کہ مسئلہ زیر بحث میں ہے کہ سفرِ حدیبیہ کے لئے اللہ و رسول نے گھربار کے مشاغل کو قابل قبول عذر قرار نہیں دیا اگرچہ وہ واقعی ہو۔ دوسرے یہ عذر جو تم کر رہے ہو واقعی اور سچا بھی نہیں جیسا کہ آگے آتا ہے اور تم سمجھتے ہو گے کہ مجھ کو اس جھوٹ کی خبر نہیں ہوئی) بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ (نے جو کہ) تمہارے سب اعمال پر مطلع ہے (مجھ کو بذریعہ وحی اطلاع کر دی ہے کہ تمہاری غیر حاضری کی وجہ وہ نہیں جو تم بیان کر رہے ہو) بلکہ (اصل وجہ یہ ہے کہ) تم نے یہ سمجھا کہ رسول اور مومنین اپنے گھر والوں میں کبھی ٹوٹ کر نہ آویں گے (بلکہ مشرکین سب کی صفائی کر دیں گے) اور یہ بات تمہارے دلوں میں اچھی بھی معلوم ہوتی تھی (بوجہ اللہ و رسول کی عداوت کے تمہاری دلی تمنا بھی تھی) اور تم نے بُرے بُرے گمان کئے اور تم (ان بُرے گمانوں کی وجہ سے جو کہ خیالاتِ کفریہ ہیں) برباد ہو نیوالے لوگ ہو گئے اور (اگر ان وعیدوں کو سنکر تم اب بھی دل سے ایمان لے آؤ تو خیر ورنہ) جو شخص اللہ پر

اور اسکے رسول پر ایمان نہ لادیکا تو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور (مومن وغیر مومن کے لئے مذکورہ قانون مقرر کرنے سے تعجب نہ کیا جائے کیونکہ) تمام آسمان وزمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے وہ جسکو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے سزا دے اور (کافر اگرچہ مستحق عذاب ہوتا ہے لیکن) اللہ تعالیٰ بڑا غفور و رحیم ہے (کہ وہ بھی سچے دل سے ایمان لے آویں تو ان کو بھی بخش دیتا ہے)

معارف و مسائل

یہ مضمون جو اوپر مذکور ہوا ان اعراب کے متعلق ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر حدیبیہ میں ساتھ چلنے کا حکم کیا تھا مگر انھوں نے یہاں نہ بازی سے کام لیا جسکا بیان قصہ حدیبیہ کے جز و اقل میں ہو چکا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بعض حضرات بعد میں تائب اور مخلص ہو گئے تھے

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَى مَغَائِرٍ لَّتَأْخُذُوا هَٰذَا ذَرُونَا

اب کہیں گے پیچھے رہ گئے ہوئے جب تم چلو گے غیبتیں لینے کو چھوڑو ہم بھی چلیں

تَتَّبِعُكُمْ يَرْيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلِمَ اللَّهِ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا

تمہارے ساتھ چاہتے ہیں کہ بدلدیں اللہ کا کہا تو کہہ دے تم ہمارے ساتھ ہرگز نہ چلو گے

كذلك قال الله مِنْ قَبْلِ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسَدُونََنَا بَلْ

یوں ہی کہہ دیا اللہ نے پہلے سے پھر اب کہیں گے نہیں تم تو جلتے ہو ہمارے فائدہ سے کوئی نہیں

كَانُوا لَا يَفْقَهُوْنَ إِلَّا قَلِيلًا ۝۱۵ قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ

یہ وہ نہیں سمجھتے ہیں مگر تھوڑا سا کہہ دے پیچھے رہ جانے والے گنواروں سے

سَتَدْعُونَ إِلَى قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ

آئندہ تم کو بلائیں گے ایک قوم پر بڑے سخت لڑنے والے تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہونگے

فَإِنْ تَطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ

پھر اگر حکم مانو گے دیکھا تم کو اللہ بدلہ ایسا اور اگر پلٹ جاؤ گے جیسے پلٹ گئے تھے

مَنْ قَبْلُ يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝۱۶ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ

پہلی بار دیکھا تم کو ایک عذاب دردناک اندھے پر تکلیف نہیں

وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى مَنْ

اور نہ لنگڑے پر تکلیف اور نہ بیمار پر تکلیف اور جو کوئی

يُطِيعُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يَدْخُلْهُ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

حکم مانے اللہ کا اور اسکے رسول کا اسکو داخل کر دیا جائے گی جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں

وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۱۰

اور جو کوئی پلٹ جائے اُس کو عذاب دے گا دروناک

خلاصہ تفسیر

جو لوگ (سفر حدیبیہ سے) پیچھے رہ گئے وہ غنقریب جب تم (خیبر کی) غنیمتیں لینے چلو گے (مطلب یہ ہے کہ خیبر فتح کرنے کے لئے چلو گے جہاں غنیمت ملنے والی ہے تو یہ لوگ تم سے) کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ چلیں (وجہ اس درخواست کی مال غنیمت کی طمع تھی جبکہ حاصل ہونا قرآن سے ان کو معلوم اور متوقع تھا بخلاف سفر حدیبیہ کے کہ انہیں رحمت بلکہ ہلاکت زیادہ متوقع تھی، اس کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ خدا کے حکم کو بدل ڈالیں (یعنی حکم اللہ کا یہ تھا کہ اس غزوہ میں صرف وہ لوگ جائیں جو حدیبیہ اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے انکے سوا اور کوئی نہ جائے خصوصاً اُن لوگوں میں جنہوں نے سفر حدیبیہ میں مختلف اختیار کیا اور بہانہ بازی کی سو) آپ کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے (یعنی تمہاری یہ درخواست ہم منظور نہیں کر سکتے کیونکہ اس میں حکم خدا تعالیٰ کی تبدیلی کا گناہ ہے کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے پہلے سے یوں ہی فرما دیا ہے (یعنی حدیبیہ سے واپسی ہی میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیدیا تھا کہ غزوہ خیبر میں اہل حدیبیہ کے سوا کوئی نہ جائے گا اور یہ حکم خداوندی بظاہر قرآن میں مذکور نہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم وحی غیر متلو کے ذریعہ آپ کو ملا تھا جو احادیث کے ذریعہ بیان کی جاتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حدیبیہ سے واپسی میں جو سورت فتح نازل ہوئی اور اس میں یہ آیت آئی اَنَّا بَهْمُ فَتَحْنَا قَسْرِيْنَا، اس فتح قریب سے مراد فتح خیبر ہی ہے تو اس آیت نے اشارہ کر دیا کہ یہ فتح خیبر انہی اہل حدیبیہ کو نصیب ہوگی، اور جب آپ اُن کو یہ جواب دیں گے) تو وہ لوگ کہیں گے (ظاہر یہ ہے کہ آپ کے سامنے کہنا مراد نہیں بلکہ اُوروں سے کہیں گے کہ ہمارے ساتھ نہ لینے کو جو خدا کا حکم بتلایا جاتا ہے بات یہ نہیں) بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو (اس لئے ہمارا شریک ہونا گوارا نہیں حالانکہ مسلمانوں میں حسد کا کوئی شائبہ نہیں) بلکہ خود یہ لوگ بہت کم بات سمجھتے ہیں (اگر سمجھ پوری ہوتی تو اللہ کے اس حکم کی حکمت باسانی سمجھ سکتے تھے کہ حدیبیہ میں ان حضرات نے ایک بہت بڑے خطرہ اور بڑے امتحان کا کام کیا منافقین نے اپنی دنیوی اغراض کو مقدم رکھا یہ وجہ انکی تخصیص اور انکی محرومی کی ہے۔ یہاں تک مضمون خیبر کے متعلق تھا آگے ایک دوسرے واقعہ کے متعلق گفتگو کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ) آپ ان پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ (اگر ایک خیبر میں نہ گئے تو نہ ہی ثواب حاصل کرنے کے اور بھی مواقع آنے والے ہیں چنانچہ)

عنقریب تم لوگ ایسے لوگوں (سے لڑنے) کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہونگے (مراد اس سے فارس و روم کے غزوات ہیں) (کذا فی الدرر عن ابن عباسؓ) کیونکہ ان کی فوجیں تربیت یافتہ اور با سامان تھیں کہ یا تو ان سے لڑتے رہو یا وہ مطیع (اسلام) ہو جاویں (خواہ اسلام قبول کر کے یا اسلامی حکومت کی اطاعت اور ہزیہ دینا قبول کر کے۔ مطلب یہ کہ تم اس کام کے لئے بلا جاؤ گے) سو (اُس وقت) اگر تم اطاعت کرو گے (اور ان سے جہاد کرو گے) تو تم کو اللہ تعالیٰ نیک لہ دیگا اور اگر تم (اُس وقت بھی) رد گردانی کرو گے جیسا اسکے قبل (حدیبیہ وغیرہ میں) رد گردانی کر چکے ہو تو وہ دردناک عذاب کی سزا دیگا (البتہ دعوت جہاد سے معذور لوگ مستثنیٰ ہیں چنانچہ) نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے اور (اوپر جو مجاہدین کے لئے جنت و نعمت کے وعدے اور جہاد سے جان پھرانے والوں کے لئے وعیدیں مذکور ہیں انہیں کچھ انہی لوگوں کی تخصیص نہیں بلکہ قاعدہ کلیہ ہے کہ) جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مانے گا اسکو ایسی جنتوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو شخص (حکم سے) رد گردانی کریگا اس کو دردناک عذاب کی سزا دیگا۔

معارف و مسائل

آیات مذکورہ میں اس واقعہ کا ذکر ہے جو حدیبیہ سے واپسی کے بعد مکہ ہجری میں پیش آیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کا ارادہ فرمایا تو صرف ان لوگوں کو ساتھ لیا جو سفر حدیبیہ اور بیعت رضوان میں شریک تھے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر کی فتح اور وہاں سے اموال غنیمت ملنے کا وعدہ فرمایا تھا اس وقت دیہات کے وہ لوگ جو سفر حدیبیہ میں باوجود بلا نیکی عذر کر کے پیچھے رہ گئے تھے ان لوگوں نے بھی جہاد خیبر میں ساتھ چلنے کا ارادہ کیا خواہ اس طرح سے کہ ان کو قرآن سے خیبر کا فتح ہونا اور وہاں مال غنیمت ملنے کی توقع تھی اور یا مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے معاملات اور صلح حدیبیہ کے کچھ برکات دیکھ کر ان کو جہاد سے پیچھے رہنے پر ندامت ہوئی اور اب شرکت جہاد کا ارادہ کیا۔ ان کے جواب میں قرآن نے فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے کلام یعنی اُس کے حکم کو بدلنا چاہتے ہیں یُرِيدُونَ اَنْ يُبَدِّلُوا كَلِمَةَ اللَّهِ، اور مراد اس حکم سے غزوہ خیبر اور اسکے منافع کا صرف اہل حدیبیہ کے ساتھ مخصوص ہونا ہے اور اسکے بعد گد لکھ کر قال اللہ من قبل میں بھی یہی تخصیص اہل حدیبیہ کا قول ہے مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں تو کہیں اس تخصیص کا ذکر ہے نہیں پھر اس تخصیص کے وعدہ کو کلام اللہ اور قال اللہ کہنا کیسے صحیح ہوا۔

وحی الہی صرف قرآن میں منحصر نہیں، قرآن کے علاوہ بھی بذریعہ وحی احکام آئے ہیں اور احادیث رسول بھی کلام اللہ کے حکم میں ہیں

ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر حدیبیہ میں فرمایا تھا، اسی کو اس جگہ کلام اللہ اور قال اللہ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ علاوہ احکام قرآن کے جو احکام احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں وہ بھی حسب تصریح اس آیت کے کلام اللہ اور قول اللہ میں داخل ہیں۔ جو محدثین احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجت دین نہیں مانتے یہ آیتیں ان کے الحاد کو کھولنے کے لئے کافی ہیں، رہا یہ معاملہ کہ اسی سورت میں جو سفر حدیبیہ کے شروع میں نازل ہوئی ہے یہ الفاظ قرآن میں موجود ہیں اِنَّا بِهَذَا فَتْحًا قَسِيًّا اور باتفاق مفسرین یہاں فتح قریب سے فتح خیبر مراد ہے تو اس طرح قرآن میں فتح خیبر کا اور اُس کے غنائم اہل حدیبیہ کو ملنے کا وعدہ آگیا وہی اس لفظ کلام اللہ اور قال اللہ کی مراد ہو سکتی ہے، تو حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں غنیمت کا وعدہ تو ہے مگر اسکا کہیں ذکر نہیں کہ یہ غنیمت اہل حدیبیہ کے ساتھ مخصوص ہوگی دوسرے اسمیں شریک نہ ہو سکیں گے یہ تخصیص تو بلاشبہ حدیث رسول ہی سے معلوم ہوئی ہے وہی کلام اللہ اور قال اللہ کا مصداق ہے اور بعض حضرات نے جو سورہ توبہ کی آیت کو اسکا مصداق قرار دیا ہے یعنی فَاَسْتَأْذِنُوكَ لِخُرُوجِ فَقُلْ لَنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ اَبَدًا وَ لَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا اِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْفُتُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ تو اس لئے صحیح نہیں کہ یہ آیات غزوہ تبوک کے متعلق آئی ہیں، اور وہ غزوہ خیبر کے بعد ۹ ہجری میں ہوا ہے (قرطبی وغیرہ)

قُلْ لَنْ تَتَّبِعُوْنَا، اس میں جو تاکید کی طور پر متخلفین حدیبیہ سے یہ فرمایا ہے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں ہو سکتے یہ صرف غزوہ خیبر کے ساتھ مخصوص ہے آگے کسی اور جہاد میں بھی شریک نہ ہو سکیں یہ اس سے لازم نہیں آتا، یہی وجہ ہے کہ ان متخلفین حدیبیہ میں سے قبائل مزنیہ اور جہلینہ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ غزوات میں شریک ہوئے (کمانی الریح عن البحر۔ بیان)

متخلفین حدیبیہ میں سے بعض لوگ بعد میں تائب ہو کر سچے مسلمان ہو گئے تھے جہاد کی شرکت سے روک دیا گیا تھا حالانکہ ان میں سب منافق نہیں، بعض مسلمان بھی تھے اور بعض گواہ سوقت منافق تھے مگر بعد میں سچے ایمان کی ان کو توفیق ہو گئی تھی اسلئے ایسے لوگوں کی دلجوئی کے لئے اگلی آیات آئیں جنہیں ان کو تسلی دی گئی ہے کہ اگرچہ غزوہ خیبر اللہ کے وعدے کے مطابق اہل حدیبیہ کے لئے مخصوص کر دیا گیا مگر جو تخلص مسلمان ہیں اور دل سے شرکت جہاد چاہتے ہیں ان کے لئے دوسرے مواقع آنے والے ہیں ان مواقع کو قرآن کریم ایک خاص پیشین گوئی کی صورت میں بیان فرماتا ہے جس کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہونے

والا ہے۔ ارشاد فرمایا، سَتَكُونُ إِلَى قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ، یعنی ایک ایسا وقت آنے والا ہے جبکہ تمہیں جہاد کی دعوت دی جائے گی اور یہ جہاد ایک بڑی سخت جنگجو قوم کے ساتھ ہوگا۔ اور تاریخ اسلام شاہد ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیش نہیں آیا، کیونکہ اولا تو آپ کا اس کے بعد اعراب کو کسی غزوہ میں دعوت شرکت دینا ثابت نہیں ثانیاً اسکے بعد کسی ایسی قوم سے مقابلہ بھی نہیں ہوا جسکے جہاد اور سخت ہونی کا قرآن نے ذکر فرمایا ہے کیونکہ غزوہ تبوک میں اگرچہ مقابلہ ایسی قوم سے تھا مگر نہ اُس غزوہ میں اعراب کو دعوت دینا ثابت ہے اور نہ اس میں قتال کی نوبت آئی کیونکہ مقابل آدمیوں پر اللہ نے رعب ڈال دیا وہ مقابلہ نہیں آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ بغیر قتال کے واپس آئے اور غزوہ حنین میں بھی نہ انکو دعوت دینا ثابت ہے اور نہ اسوقت مقابل کوئی ایسی قوم تھی جو سخت اور ساز و سامان والی ہو۔ اسلئے ائمہ تفسیر میں سے بعض نے فرمایا ہے کہ مراد اس سے فارس اور روم یعنی کسریٰ و قیصر کی قومیں ہیں جن کیساتھ جہاد حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد میں ہوا ہے (ہو قول ابن عباس عطاء و مجاہد وابن ابی سنیہ و ابن قریظ) اور حضرت رافع بن خدیجؓ نے فرمایا کہ ہم قرآن کی یہ آیت پڑھتے تھے اور ہمیں معلوم نہ تھا کہ اس قوم سے کونسی قوم مراد ہے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صدیق اکبرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں ہمیں بنو حنیفہ اہل یمامہ یعنی مسلمہ کذاب کی قوم کیساتھ جہاد کرنے کی دعوت دی اسوقت ہم سمجھے کہ یہی قوم اس آیت میں مراد تھی مگر ان دونوں اقوال میں کوئی تضاد و تعارض نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ بھی تو میں اس میں داخل ہوں۔

امام قرطبیؒ نے اسکو نقل کر کے فرمایا کہ یہ آیت اسکی دلیل ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی خلافت حق کے مطابق تھی انکی دعوت کا ذکر خود قرآن نے آیت مذکورہ میں فرمایا ہے ثَقَاتُكُمْ أَوْ يُسْلِمُوا، حضرت ابی رضی کی قرأت میں أَوْ يُسْلِمُوا بغیر نون کے آیا ہے اس لئے قرطبی نے اسکے مطابق حرف اذ کو حتی کے معنی میں لیا ہے یعنی اُس قوم سے قتال اسوقت تک ہوتا رہے گا جب تک کہ وہ مطیع فرمانبردار نہ ہو جائیں خواہ اسلام قبول کر کے یا اسلامی حکومت کی اطاعت میں رہنا قبول کر کے۔

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرْجٌ، حضرت ابن عباس رضی نے فرمایا کہ جب اد پر کی آیات میں جہاد کی شرکت سے ہٹنے والوں کے لئے عذاب کی وعید آئی اِنْ تَتُوبَا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يَعِزُّكُمْ عَذَابُ الْآلِیَا، تو کچھ معذور ہوگ جو صحابہ کرام میں تھے اُن کو فکر ہوئی کہ ہم تو شرکت جہاد کے قابل نہیں، کہیں ہم بھی اس وعید میں شامل نہوں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اندھے، لنگڑے اور بیمار کو حکم جہاد سے مستثنیٰ کر دیا گیا (قرطبی) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ

تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے پھر معلوم

مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝۱۸

کیا جو ان کے جی میں تھا پھر اتارا ان پر اطمینان اور انعام دیا ان کو ایک فتح نزدیک

وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝۱۹

اور بہت غنیمتیں جن کو وہ لیں گے اور ہے اللہ زبردست حکمت والا

وَعَدَكُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَلَ لَكُمْ هَذِهِ وَكَفَّ

وعدہ کیا ہے تم سے اللہ نے بہت غنیمتوں کا کہ تم ان کو لو گے سو جلدی پہنچا دی تم کو یہ غنیمت اور روک دیا

أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ

لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے اور تاکہ ایک نمونہ ہو قدرت کا مسلمانوں کے واسطے اور چلائے تم کو

صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝۲۰ وَأُخْرَى لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا

سیدھی راہ اور ایک فتح اور جو تمہارے بس میں نہ آئی وہ اللہ کے قابو میں ہے

وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝۲۱

اور اللہ ہر چیز کو سکتا ہے

خلاصہ تفسیر

تحقیق اللہ ان مسلمانوں سے (جو آپ کے ہمسفر ہیں) خوش ہوا جبکہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے (جہاد میں ثابت قدم رہنے پر) بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ (اخلاص اور عہد کو پورا کرنے کا عزم) تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا اور (اس وقت) اللہ تعالیٰ نے ان (کے قلب) میں اطمینان پیدا کر دیا (جس سے ان کو خدا کا حکم ماننے میں ذرا پس و پیش یا تردد نہیں ہوا۔ یہ تو معنوی نعمتیں ہوئیں) اور (اسکے ساتھ کچھ محسوس نعمتیں بھی دی گئیں جن میں معنوی نعمتیں بھی شامل تھیں، چنانچہ) ان کو ایک لگتے ہاتھ فتح دیدی (مراد اس فتح سے فتح خیبر ہے) اور (اس فتح میں) بہت سی غنیمتیں بھی (دی) جن کو یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست (اور) بڑا حکمت والا ہے (کہ اپنی قدرت اور حکمت سے جو وقت جس کے لئے مناسب سمجھتا ہے فتح دیدیتا ہے۔ اور کچھ اسی فتح خیبر پر بس نہیں بلکہ) اللہ تعالیٰ نے تم سے (اور بھی) بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لوگ سو (ان میں سے) سر دست تم کو یہ دیدی ہے اور (اس کے دینے کے لئے خیبر اور حلفاء خیبر کے) لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے (یعنی سب کے

دلوں پر رعب ڈال دیا کہ اُن کو زیادہ دراز دستی کی ہمت نہ ہوئی اور اس سے تمہارا دنیوی نفع بھی مقصود تھا تاکہ آرام اور فراغت ملے اور (دینی نفع بھی تھا) تاکہ یہ (واقعہ) اہل ایمان کیلئے (دوسرے وعدوں کے سچے ہونیکا) ایک نمونہ ہو جائے (یعنی خدا کے وعدوں کے سچا ہونے پر اور زیادہ ایمان پختہ ہو جائے) اور تاکہ (اس نمونہ کے ذریعہ) تم کو (آئندہ کے لئے ہر کام میں) ایک سیدھے راستے پر ڈال دے (مراد اس راستہ سے توکل اور اللہ پر بھروسہ ہے یعنی ہمیشہ کے لئے اس واقعہ کو سوچ کر اللہ پر اعتماد سے کام لیا کر اس طرح دینی نفع دوہو گئے ایک علمی اور اعتقادی جس کو ولتکون سے بیان فرمایا ہے، دوسرا عملی و اخلاقی جس کو بھد یکم کے الفاظ سے ارشاد فرمایا ہے) اور ایک فتح اور بھی (موعود) ہے جو (اس وقت تک) تمہارے قابو میں نہیں آئی (مراد اس سے فتح مکہ ہے جو اب تک واقع نہیں ہوئی تھی مگر) خدا تعالیٰ اس کو احاطہ قدرت میں لئے ہوئے ہے (جب چاہے گا تم کو عطا کر دیگا) اور (اسی کی کیا تخصیص ہے) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

معارف و مسائل

لَقَدْ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرًا يُّبَايِعُوكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ، اس بیعت سے مراد بیعت حدیبیہ ہے جس کا ذکر اس سے پہلے بھی اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ میں آچکا ہے یہ آیت بھی اسی سے متعلق اور اس کی تاکید ہے اس آیت میں حق تعالیٰ نے اس بیعت کے شرکار سے اپنی رضا کا اعلان فرما دیا ہے اسی لئے اسکو بیعت رضوان بھی کہا جاتا ہے اور مقصود اس سے اُن شرکار بیعت کی مدح اور اُن کو اس عہد کے پورا کرنے کی تاکید ہے۔ صحیحین میں حضرت جابر رضی عنہ روایت ہے کہ حدیبیہ کے دن ہماری تعداد چودہ سو نفر کی تھی ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انتہ خیر اھل (احراض)، یعنی تم لوگ تمام روئے زمین کے انسانوں سے بہتر ہو۔ اور صحیح مسلم میں اُمّ بشار رضی عنہا سے مرفوعاً روایت ہے کہ لا یدخل النار احد من بايع تحت الشجرة، یعنی جن لوگوں نے اس درخت کے نیچے بیعت کی ہے اُن میں کوئی جہنم میں نہیں جائیگا (منظہری) اس لئے اس بیعت کے شرکار کی مثال شرکار غزوہ بدر کی سی ہے جیسا انکے متعلق قرآن و حدیث میں رضائے الہی اور جنت کی بشارتیں ہیں اسی طرح شرکار بیعت رضوان کے لئے بھی یہ بشارت آئی ہے۔

یہ بشارتیں اس پر شاہد ہیں کہ ان سب حضرات کا خاتمہ ایمان اور اعمال صالحہ مرضیہ پر ہوگا کیونکہ رضائے الہی کا یہ اعلان اسکی ضمانت دے رہا ہے۔

صحابہ کرام طعن و تشنیع اور انکی لغزشوں | تفسیر مظہری میں فرمایا کہ جن خیارات امت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے غفران میں غور و بحث اس آیت کی خلاف ہے | مغفرت کا یہ اعلان فرمادیا ہے، اگر ان سے کوئی لغزش یا گناہ ہوا بھی ہے تو یہ آیت اُس کی معافی کا اعلان ہے۔ پھر انکے ایسے معاملات کو جو مستحسن نہیں ہیں غور و فکر اور بحث مباحثہ کا میدان بنانا بد بخئی اور بظاہر اس آیت کی مخالفت ہے۔ یہ آیت روافض کے قول کی واضح تردید ہے جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہؓ پر کفر و نفاق کے الزام لگاتے ہیں۔

شجرہ رضوان | شجرہ، جسکا ذکر اس آیت میں آیا ہے ایک ببول کا درخت تھا اور شہور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کچھ لوگ وہاں چلکر جاتے اور اس درخت کے نیچے نمازیں پڑھتے تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خطرہ ہوا کہ کہیں آئندہ آنے والے جہلاء اسی درخت کی پرستش نہ شروع کر دیں جیسے پھلی اُمتوں میں اس طرح کے واقعات ہوئے ہیں اس لئے اس درخت کو کٹوا دیا مگر صحیحین میں ہے کہ حضرت طارق بن عبد الرحمن فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کے لئے گیا تو راستے میں میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جو ایک مقام پر جمع تھے اور نماز پڑھ رہے تھے میں نے اُن سے پوچھا کہ یہ کونسی مسجد ہے انھوں نے کہا کہ یہ وہ درخت ہے جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان لی تھی، میں اسکے بعد حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور اس واقعہ کی خبر اُن کو دی، انھوں نے فرمایا کہ میرے والد ان لوگوں میں سے تھے جو اس بیعت رضوان میں شریک ہوئے انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ ہم جب اگلے سال مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو ہم نے وہ درخت تلاش کیا ہمیں بھول ہو گئی اسکا پتہ نہیں لگا۔ پھر سعید بن مسیب نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جو خود اس بیعت میں شریک تھے اُن کو تو پتہ نہیں لگا تمہیں وہ معلوم ہو گیا عجیب بات ہے کیا تم اُن سے زیادہ واقف ہو (روح المعانی) اس سے معلوم ہوا کہ بعد میں لوگوں نے محض اپنے تخمینہ اور اندازہ سے کسی درخت کو متعین کر لیا اور اس کے نیچے حاضر ہونا اور نمازیں پڑھنا شروع کر دیا، فاروق اعظم کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ وہ درخت نہیں پھر خطرہ ابتلائے شرک کا لاحق ہو گیا اسلئے اسکو قطع کرادیا ہو کیا بعید ہے۔

فتح خیبر | خیبر درحقیقت ایک صوبہ کا نام ہے جس میں بہت سی بستیاں اور قلعے اور باغات شامل ہیں (مظہری) وَأَنَّا بَعَثْنَا فِيهِمَا رُسُلًا قَرِيبًا، اس فتح قریب سے مراد باتفاق فتح خیبر ہے جو حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد واقع ہوئی ہے بعض روایات کے مطابق تو حدیبیہ سے واپسی کے بعد آپ کا قیام مدینہ منورہ میں صرف دس روز اور دوسری روایت کے مطابق بیڑا روز رہا اسکے بعد خیبر کے لئے روانہ ہو گئے، ابوہریرہ کی روایت کے مطابق آپ ذی الحجہ میں مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے اور محرم سنہ ہجری میں آپ غزوہ خیبر کے لئے تشریف لے گئے اور ماہ صفر سنہ ہجری میں خیبر فتح ہوا۔ واقدی کے مغازی میں یہی لکھا ہے اور حافظ ابن جریر نے فرمایا کہ یہی راجح ہے (تفسیر مظہری)

بہر حال یہ ثابت ہوا کہ یہ واقعہ فتح خیبر سفر حدیبیہ سے کافی دنوں کے بعد پیش آیا ہے۔ اور سورۃ فتح کا سفر حدیبیہ کے دوران نازل ہونا سب کے نزدیک متفق علیہ ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ پوری سورت اسی وقت نازل ہوئی یا کچھ آیتیں بعد میں آئیں۔ اگر پہلی صورت رائج ہو تو ان آیتوں میں واقعہ خیبر کا بیان بطور پیش گوئی کے ہو اور اسکو بصیغہ ماضی قطعی اور یقینی ہونے کی بنا پر تعبیر کیا گیا، اور اگر دوسرا قول رائج ہو تو یہ ہو سکتا ہے کہ یہ آیتیں بعد وقوع فتح خیبر کے نازل ہوئی ہوں واللہ اعلم۔

وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونََهَا، مراد اس سے خیبر کا مال غنیمت ہے جس سے مسلمانوں کو سہولت اور فراغ مالی حاصل ہوئی۔

وَعَدَ كُفْرًا لِلَّهِ مَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونََهَا فَجَعَلَ لَكُمُ هَذِهِ، اس سے مراد تمام اسلامی فتوحات اور ان کے غنائم ہیں جو قیامت تک حاصل ہونے والی ہیں۔ پہلے مغانم اہل حدیبیہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مخصوص کر دیئے گئے تھے یہ سب کے لئے عام ہیں۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ تخصیص کا حکم ان آیات میں ذکر نہیں کیا گیا بلکہ وہ جداگانہ وحی کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا ہے۔ آپ نے اُس پر عمل کیا اور صحابہ کرام کو بتلایا۔

وَكَفَّ آيِدِي النَّاسِ عَنْكُمْ، اس سے مراد کفار اہل خیبر ہیں کہ اُن کو اس جہاد میں کچھ زیادہ زور دکھانے کا موقع اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا۔ امام بغوی نے فرمایا کہ قبیلہ غطفان یہود خیبر کا حلیف تھا جب اس قبیلہ نے خبر سنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر چڑھائی کی ہے تو یہ لوگ یہود کی مدد کے لئے بڑے ساز و سامان سے نکلے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور یہ اس فکر میں پڑ گئے کہ اگر ہم اس طرف گئے تو بعید نہیں کہ مسلمانوں کا کوئی لشکر ہمارے پیچھے ہمارے گھروں پر حملہ کر دے اسلئے سب ٹھنڈے ہو کر بیٹھ گئے (مظہری)

وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا، اصل ہدایت صراطِ مستقیم کی تو ان حضرات کو پہلے سے حاصل تھی مگر جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے کہ ہدایت کے درجات بشمار ہیں یہاں وہ درجہ مراد ہے جو پہلے سے حاصل نہ تھا یعنی الشریعہ پر بھروسہ اور قوتِ ایمان کی زیادتی۔

وَأُخْرَى كَمَا تَقُولُونَ عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا، یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے اور بہت سی فتوحات کا وعدہ کیا ہے جس پر ابھی اُن کو قدرت نہیں۔ ان فتوحات میں چونکہ سب سے پہلے مکہ مکرمہ کی فتح ہے اس لئے بعض حضرات نے اس سے فتح مکہ مراد لیا ہے مگر الفاظ عام ہیں قیامت تک ہونے والی فتوحات اس میں شامل ہیں (مظہری)

وَكُوۡفَاتِكُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوْ اِلَّا دُبَارُ ثُمَّ لَا يَحۡدُوۡنَ وَلٰٓيَا وَ

اور اگر رطتے تم سے کافر تو پھرتے پیٹھ پھرنے پالتے کوئی حمایت اور

لَا نَصِيۡرًا ۝۲۲ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيۡ قَدْ خَلَتۡ مِنْ قَبۡلِ ۚ وَلٰكِنۡ يَّحۡدِلُسُنَّةَ

نہ مددگار رسم بڑی ہوئی اللہ کی جو چلی آتی ہے پہلے سے اور تو ہرگز نہ دیکھے کما

اللّٰهِ تَبَدُّلًا ۝۲۳ وَهُوَ الَّذِيۡ كَفَّ اَيۡدِيۡهِمۡ عَنْكُمۡ وَاَيۡدِيۡكُمْ عَنْهُمۡ

اللہ کی رسم کو بدلتے اور وہی ہے جس نے روک رکھا انکے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے

بِطۡنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعۡدِ اَنۡ اَظۡفَرَكُمۡ عَلَيْهِمۡ ط وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ

بیچ شہر مکہ کے بعد اسکے کہ تمہارے ہاتھ لگا دیا ان کو اور ہے اللہ جو کچھ تم کرتے ہو

بَصِيۡرًا ۝۲۴ هُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَاصۡدُوۡكُمْ عَنِ الْمَسۡجِدِ الْحَرَامِ

دیکھتا یہ وہی لوگ ہیں جو منکر ہوئے اور روکا تم کو مسجد حرام سے

وَالِهٰدِيۡ مَعۡكُوفًا اَنۡ يَّبۡلُغَ مَحِلُّهُ ط وَكُوۡلَا رِجَالٌ مُّؤۡمِنُوۡنَ

اور نیاز کی قربانی کو بھی بند بڑی ہوئی اس بات سے کہ پہنچے اپنی جگہ تک، اور اگر نہ ہوتے کتنے ایک مرد ایمان والے

وَنِسَاۗءٌ مُّؤۡمِنٰتٌ لَّمۡ تَعۡلَمُوۡهُمۡ اَنۡ تَطُوۡهُمۡ فَتَضَيَّبِكُمۡ مِّنۡهُمۡ

اور کتنی عورتیں ایمان والیاں جو تم کو معلوم نہیں یہ خطرہ کہ تم ان کو پیس ڈالتے پھر تیرا نکی وجہ سے

مَعَرَّضَةٌ لِ۬لۡبَغۡيِۡ عِلۡمِ لِيُدۡخِلَ اللّٰهُ فِيۡ رَحۡمَتِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ لَّوۡ تَرۡيَوۡنَ

خوابی بڑجاتی بے خبری سے کہ اللہ کو داخل کرنا ہے اپنی رحمت میں جس کو چاہے اگر وہ لوگ ایک

لَعَدۡ بَنَآ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنْهُمۡ عَدَاۤءًا اِلِيۡمًا ۝۲۵ اِذۡ جَعَلَ الَّذِيۡنَ

طرف ہو جاتے تو آفت ڈالتے ہم منکروں پر عذاب دردناک کی جب رکھی منکروں

كَفَرُوۡا فِيۡ قُلُوۡبِهِمۡ الْحَمِيۡةُ الْحَمِيۡةُ فَانۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتًا

نے اپنے دلوں میں کہ نادانی کی ضد پھر اتارا اللہ نے اپنی طرف کا اطمینان

عَلٰی رَسُوۡلِهٖ وَاٰلِ الْمُؤۡمِنِيۡنَ وَالزَّوۡجَاتِ الطَّٰقَاتِ وَكَانُوۡا

اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر اور قائم رکھا ان کو ادب کی بات پر اور وہی تھے

اٰحۡقَ زُهَّاءُ وَاَهۡلَهَا ط وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِيۡمًا ۝۲۶

اس کے لائق اور اس کام کے اور ہے اللہ ہر چیز سے خبردار

۳۹

خلاصہ تفسیر

اور (چونکہ ان کفار کے مغلوب ہونے کے مقتضیات موجود تھے جو آگے آتے ہیں اسلئے)

اگر تم میں یہ صلح نہ ہوتی بلکہ تم سے یہ کافر لڑتے تو (ان مقتضیات کی وجہ سے وہ) ضرور بیٹھ پھیر کر بھاگتے پھر نہ ان کو کوئی یار ملتا نہ مددگار (اور) اللہ تعالیٰ نے (کفار کے لئے) یہی دستور کر رکھا ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے (کہ مقابلہ میں اہل حق غالب اور اہل باطل مغلوب رہے ہیں اور کبھی کسی وقت کسی حکمت و مصلحت سے اس میں تاخیر ہونا اسکے منافی نہیں) اور آپ خدا کے دستور میں (کسی شخص کی طرف سے) رد و بدل نہ پا دیں گے (کہ خدا تعالیٰ کوئی کام کرنا چاہے اور کوئی اسکو نہ ہونے دے) اور وہ ایسا ہے کہ اس نے انکے ہاتھ تم سے (یعنی تمہارے قتل سے) اور تمہارے ہاتھ ان (کے قتل) سے عین مکہ (کے قریب) میں (یعنی حدیبیہ میں) روک دیے بعد اسکے کہ تم کو ان پر قابو دیدیا تھا (یہ اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے جو قصہ حدیبیہ کے جزو ششم میں شروع میں بیان ہو چکا ہے کہ قریش کے پچاس آدمیوں کو صحابہ کرام نے گرفتار کر لیا تھا اور پھر کچھ لوگ بھی گرفتار ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے تھے اس وقت اگر مسلمان انکو قتل کر دیتے تو دوسری طرف مکہ میں حضرت عثمان غنی اور انکے چند ساتھی روک لئے گئے تھے وہ ان کو شہید کر دیتے اسکا لازمی نتیجہ مکمل طور پر جنگ چھڑ جانا ہوتا اور اگرچہ مذکورہ آیات کی پہلی آیت میں حق تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرما دیا ہے کہ اگر جنگ ہو بھی جاتی تو فتح مسلمانوں ہی کی ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں مسلمانوں کی بڑی مصلحت تھی کہ اس وقت جنگ نہ ہو اس لئے اس طرف مسلمانوں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ انکے قیدیوں کو قتل نہ کریں اس طرح مسلمانوں کے ہاتھ انکے قتل سے روک دیئے دوسری طرف قریش کے دلوں پر اللہ نے مسلمانوں کا رعب ڈال دیا کہ انھوں نے صلح کی طرف مائل ہو کر سہیل کو آپ کی خدمت میں بھیجا، اس طرح حق تعالیٰ کی حکمت نے دو طرفہ انتظام جنگ نہ ہونے کا کر دیا) اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو (اس وقت) دیکھ رہا تھا (اور ان کاموں کے نتائج کو جانتا تھا اسلئے ایسا کام نہیں ہونے دیا جس سے جنگ چھڑ جائے۔ آگے اسکا بیان ہے کہ اگر جنگ ہو جاتی تو کفار کی مغلوبیت کس طرح اور کیوں ہوتی) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو (عمرہ کرنے کے لئے) مسجد حرام سے روکا (مراد مسجد حرام اور صفا مروہ کے درمیان کا میدان جہاں سعی ہوتی ہے دونوں ہی ہیں مگر چونکہ طواف اصل اور اول ہے اور وہ مسجد حرام میں ہوتا ہے اسلئے اُس سے روکنے کے ذکر پر اکتفا کیا گیا) اور قربانی کے جانور کو جو (حدیبیہ میں) روکا ہوا رہ گیا اس کو اس کے موقع میں پہنچنے سے روکا (جانوروں کی قربانی کا موقع منیٰ ہے ان لوگوں نے جانوروں کو منیٰ تک نہیں جانے دیا، ان کے ان جرائم) اور (حرم محترم میں بیٹھ کر ایسا ظلم کر نیکا تقاضا یہ تھا کہ مسلمانوں کو جنگ کا حکم دے کہ ان کو مغلوب کر دیا جاتا لیکن بعض حکمتیں اس تقاضے کو پورا کرنے سے مانع ہو گئیں ان حکمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس وقت مکہ میں بہت

سے مسلمان کفار کے ہاتھوں مجبوس اور مظلوم تھے جیسا کہ قصہ حدیبیہ کے جزو دہم میں اسکا ذکر آیا ہے اور ان میں سے ابو جندل کا حضورؐ کی خدمت میں پہنچ کر فریاد کرنا بیان ہو چکا ہے، اگر اسوقت جنگ چھڑ جاتی تو غیر شعوری طور پر ان مسلمانوں کو بھی نقصان پہنچ جاتا اور ممکن تھا کہ ان کے ہاتھ سے ہی وہ قتل ہو جاتے اور عام مسلمانوں کو پھر اس پر ندامت و افسوس ہوتا اسلئے اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا فرما دیے کہ جنگ نہ ہو۔ اسی مضمون کو آگے فرمایا ہے کہ اگر (مکہ میں اسوقت) بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی یعنی انکے پس جائز کا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کی وجہ سے تم کو بھی بے خبری میں (سبج و افسوس کا) ضرر پہنچتا (اگر یہ بات نہ ہوتی) تو سب قصہ طے کر دیا جاتا، لیکن ایسا اسلئے نہیں کیا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے (چنانچہ جنگ نہ ہونے سے ان مسلمانوں کی جان بچی اور تم ان کے قتل کے گناہ اور پھر اسپر رنج و افسوس سے بچے البتہ) اگر یہ (مذکور مسلمان مکہ سے کہیں) ٹل گئے ہوتے تو ان (اہل مکہ) میں جو کافر تھے ہم ان کو (مسلمانوں کے ہاتھ سے) دردناک سزا دیتے (اور ان کفار کے مغلوب و مقتول ہونیکا ایک مقتضی اور بھی تھا) جبکہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی اور عار بھی جاہلیت کی (اس عار سے وہ ضد مراد ہے جو بسم اللہ اور لفظ رسول اللہ کے لکھنے پر انھوں نے مزاحمت کی جیسا کہ اوپر صلحنامہ حدیبیہ کے بیان میں اسکا ذکر آچکا ہے) سو (اسکا مقتضایہ تھا کہ مسلمان جو ش میں آکر لڑ پڑتے مگر) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اور مومنین کو اپنی طرف سے تحمل عطا فرمایا۔ (جس کی وجہ سے انھوں نے اس کلمہ کے لکھنے پر اصرار چھوڑ دیا اور صلح ہو گئی) اور (اس وقت) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا (تقویٰ کی بات سے مراد کلمہ طیبہ یعنی توحید و رسالت کا اقرار ہے اور مطلب اس پر جمائے رکھنے کا یہ ہے کہ توحید و رسالت کے اعتقاد کا تقاضا اطاعت ہے اللہ اور رسول کی اور مسلمانوں کا یہ صبر و ضبط اپنے جذبات کیخلاف صرف اسوجہ سے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضبط و صبر کا حکم فرمایا تھا ایسے سخت مرحلہ میں اپنے جذبات کے خلاف رسول کی اطاعت ہی کا نام کلمہ تقویٰ پر جمنا ہے) اور وہ (مسلمان) اس (کلمہ تقویٰ) کے (دنیا میں بھی) زیادہ مستحق ہیں (کیونکہ ان کے قلوب میں طلب حق ہے اور یہ طلب ہی ایمان تک پہنچاتی ہے) اور (آفرت میں بھی) اس (کے ثواب) کے اہل ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

معارف و مسائل

بِطَرْنِ فَكَّةً، اس لفظ کے اصل معنی عین مکہ کے ہیں مگر یہاں اس سے مراد مقام حدیبیہ ہے اس کو مکہ مکرمہ سے بہت متصل ہونے کی بنا پر بطرن مکہ سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ اور اس سے اس

بات کی تائید ہوتی ہے جو خفیہ نے اختیار کی ہے کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم میں داخل ہے آٹ
 یَبْلُغَ مَجْلَدًا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محضر عن الحج والعمرة یعنی جس کو احرام باندھنے کے بعد
 کسی وجہ سے دخول مکہ سے روک دیا گیا ہو اس پر باتفاق یہ تو لازم ہے کہ قربانی کر کے احرام سے
 حلال ہو لیکن اس میں اختلاف ہے کہ یہ قربانی اسی جگہ ہو سکتی ہے جہاں وہ روک دیا گیا ہے، یا
 دوسری قربانیوں کی طرح اسکے لئے بھی حدود حرم کے اندر ہونا شرط ہے خفیہ کے نزدیک اسکے
 لئے بھی حدود حرم شرط ہیں اس آیت سے ان کا استدلال ہے کہ یہاں اس قربانی کے لئے قرآن
 نے ایک خاص محل قرار دیا ہے جس سے کفار نے مسلمانوں کو روک دیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ اس
 قربانی کے لئے حدود حرم میں ہونا شرط ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ خود خفیہ ہی کا یہ قول بھی ہے کہ حدیبیہ
 کے بعض حصے حرم میں داخل ہیں تو پھر حرم سے روکنا کیسے ثابت ہوا، تو جواب یہ ہے کہ اگرچہ
 اس قربانی کا حدود حرم میں کسی بھی جگہ کر دینا شرعاً کافی ہے مگر اس خاص جگہ میں جو منیٰ کے اندر
 منحر کے نام سے موسوم ہے اس میں ہونا افضل ہے۔ کفار مکہ نے اس وقت مسلمانوں کو اس افضل
 مقام تک قربانی کا جانور لیجانے سے روک دیا تھا۔

فَضِيْبِكُمْ مِّنْهُمْ مَّعْرَۃً اٰلَیْغٰیْرِ عَلَیْہِمْ، لفظ معرۃ کے معنی بعض حضرات نے گناہ کے بیان
 کئے ہیں اور بعض حضرات نے مطلق مضرت کے اور بعض نے عیب کے بیان کئے ہیں، اس مقام پر
 ظاہر یہی آخری معنی ہیں کہ اگر جنگ چھڑ جاتی اور بے خبری کی حالت میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مکہ میں
 مجوس مسلمان قتل ہو جاتے تو یہ ایک عیب اور عار کی بات بھی تھی کہ کفار ان کو عار دلاتے کہ اپنے
 ہی دینی بھائیوں کو مار ڈالا اور مضرت بھی، مقتول مسلمانوں کی مضرت تو ظاہر ہی ہے۔ قاتل مسلمانوں
 کو جب خبر ہوتی سخت ندامت اور افسوس ہوتا، یہ مضرت عام مسلمانوں کو پہنچتی۔

صحابہ کرام کو غلطی اور عیب سے | امام قرطبی نے فرمایا کہ بغیر علم کے اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کے ہاتھ
 بچانے کا قدرتی انتظام سے | سے مارا جائے وہ گناہ تو نہیں مگر ایک عیب اور عار اور ندامت
 افسوس کا سبب ضرور ہے اور قتل خطا پر دیت وغیرہ دینے کے بھی احکام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے
 اپنے رسول کے صحابہ کی اس سے بھی حفاظت فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے ساتھ
 حق تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ اگرچہ انبیاء کی طرح معصوم تو نہیں مگر عامۃً اُن کو خطاؤں اور
 عیبوں سے بچانے کا قدرتی انتظام ہو جاتا ہے۔

لَیْدُ خِلَ اللّٰہِ فِی رَحْمَتِہٖ مِّنْ یَّشَدِّ اَہْ، یعنی حق تعالیٰ نے اس موقع پر مسلمانوں کے قلوب میں
 تحمل پیدا کر کے جنگ نہ ہونے کا انتظام اس لئے فرمایا کہ انہیں سے بہت سے لوگوں کا آئندہ
 اسلام قبول کر لینا اللہ تعالیٰ جانتا تھا اُن پر رحمت کرنے کے لئے نیز جو مسلمان مجوس تھے اُن پر

رحمت کے لئے یہ سارا سامان کیا گیا۔

کُوْ تَرْيَكُوْا، تزیل کے معنی اصل میں تفرق کے ہیں مطلب یہ ہے کہ مکہ میں مجبوس مسلمان اگر کفار سے الگ اور ممتاز ہوتے کہ مسلمان اُن کو پہچان کر تکلیف سے بچا لیتے تو ان کفار کے حالات کا تقاضا یہی تھا کہ اسی وقت ان کو مسلمانوں کے ہاتھوں سزا دلوا دی جاتی مگر چونکہ مجبوس ضعیف مسلمین مرد اور عورتیں انہی کے اندر مخلوط تھے اگر قتال ہوتا تو اُن کو بچانے کی صورت نہ بنتی اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کو موقوف رکھا۔

وَالَّذِي هُمْ كَلِمَةُ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا، کلمہ تقویٰ سے مراد اہل تقویٰ کا کلمہ ہے یعنی کلمہ توحید و رسالت، اس کو کلمہ تقویٰ اسلئے کہا گیا کہ یہ کلمہ ہی تقویٰ کی بنیاد ہے۔ اور صحابہ کرام کو اس کلمہ کا احق اور اہل فرما کر اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کی رسوائی واضح کر دی جو ان حضرات پر کفر و نفاق کا الزام لگاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو ان کو کلمہ اسلام کا اہل اور احق فرمائے اور یہ بد بخت اُن پر تبر کریں۔

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ

اللہ نے سچ دکھلایا اپنے رسول کو خواب تحقیقی کہ تم داخل ہو رہو گے مسجد

الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ أَمِينٌ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ

حرام میں اگر اللہ نے چاہا آرام سے بال مونڈتے ہوئے اپنے سروں کے اور کترتے ہوئے

لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا

بے کھٹے پھر جانا وہ جو تم نہیں جانتے پھر مقرر کر دی اس سے ورے ایک فتح

قَرِيبًا ۲۷ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ

نزدیک وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول سیدھی راہ پر اور سچے دین پر

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۲۸ مُحَمَّدٌ رَسُولُ

تاکہ اوپر رکھے اُسکو ہر دین سے اور کافی ہے اللہ حق ثابت کرنیوالا محمد رسول

اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ

اللہ کا اور جو لوگ اسکے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر نرم دل ہیں آپس میں تو دیکھئے اُن کو

رُكْعًا سَاجِدًا يُبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا لِّسِيمَاهُمْ فِي

رکوع میں اور سجدہ میں ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشی نشانی اُن کی انکے

وَجُورِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ يَجُودُ

منہ پر ہے سجدے کے اثر سے یہ شان ہے اُن کی تورات میں اور

مَثَلُهُمْ فِي الْإِخْتِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ

مثال اُن کی انجیل میں جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھرا سکی کر مضبوط کی، پھر موٹا ہوا

فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سَوْقِهِ يَعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ

پھر کھڑا ہو گیا اپنی نال پر خوش گتا ہے کھیتی والوں کو تاکہ جلائے ان سے جی کافروں کا وعدہ کیا ہے اللہ نے

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿۲۹﴾

اُن سے جو یقین لائے ہیں اور کئے ہیں بھلے کام معافی کا اور بڑے ثواب کا

خلاصہ تفسیر

بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا ہے جو مطابق واقعہ کے ہے تم لوگ مسجد حرام میں انشاء اللہ ضرور جاؤ گے امن و امان کے ساتھ کہ تم میں کوئی سرمنڈاتا ہوگا کوئی بال کتراتا ہوگا تم کو کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا (چنانچہ سال آئندہ ایسا ہی ہوا، اور اس سال سے تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ سو اللہ تعالیٰ کو وہ باتیں (اور حکمتیں) معلوم ہیں جو تم کو معلوم نہیں (اُن حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ) پھر اس (خواب کے واقع ہونے) سے پہلے تم کو ایک قریبی فتح (خیبر کی) دیدی (تاکہ اُس سے مسلمانوں کو قوت اور سامان حاصل ہو جائے اور وہ پورے اطمینان کیساتھ عمرہ ادا کریں جیسا کہ ایسا ہی واقع ہوا) وہ اللہ ایسا ہے کہ اُس نے اپنے رسول کو ہدایت (کا سامان یعنی قرآن) اور سچا دین (اسلام) دے کر بھیجا ہے تاکہ اُس (دین) کو تمام دینوں پر غالب کر دے (یہ غلبہ حجت و دلیل کے اعتبار سے تو دائمی اور ہمیشہ ہی رہے گا اور شوکت و سلطنت کے اعتبار سے بھی غلبہ ہوگا مگر ایک شرط کے ساتھ وہ یہ کہ اہل دین یعنی مسلمان باصلاحیت ہوں۔ جب یہ شرط نہیں ہوگی تو غلبہ ظاہری کا وعدہ نہیں اور چونکہ صحابہ کرام میں یہ شرط موجود تھی جیسا کہ اگلی آیات جو صحابہ کے متعلق آرہی ہیں انہیں اس صلاحیت کا ذکر ہے اسلئے اس آیت میں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی بشارت ہے ایسا ہی صحابہ کرام کے لئے فتوحات کی بشارت ہے جیسا کہ مشاہدہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر پچیس سال گزرنے نہ پائے تھے کہ اسلام اور قرآن دُنیا کے گوشہ گوشہ میں فاتحانہ طور پر پہنچ گیا) اور (حمیت جاہلیت والے اگر آپ کے نام کے ساتھ رسول کا لفظ لکھنے سے گریز کرتے ہیں تو آپ مغموم نہوں، کیونکہ آپ کی رسالت پر) اللہ کافی گواہ ہے (جس نے آپ کی رسالت کو دلائل واضحہ اور کھلے ہوئے معجزات سے ثابت کر دکھایا جس سے ثابت ہو گیا کہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں (اس جگہ محمد رسول اللہ کا پورا جملہ لانیسے اسطوٹ اشارہ ہے کہ حمیت جاہلیت والوں نے ان کے نام کیساتھ رسول اللہ لکھنا گوارا نہ کیا تو کیا پرواہ ہے اللہ نے یہ کلمہ آپ کے نام کیساتھ لکھ دیا جو قیامت

تک پڑھا جائے گا، آگے آپ کی متبعین صحابہؓ کے فضائل و بشارات مذکور ہیں کہ) اور جو لوگ آپ کی صحبت پائے ہوئے ہیں (یہ لفظ تمام صحابہ کرام کو شامل ہے خواہ اُن کی صحبت طویل میسر ہو یا قلیل) جو صحابہ خدیجہ میں آپ کے ساتھ تھے وہ اصالتہً اور خصوصاً اسکے مصداق ہیں، حاصل یہ ہے کہ سب صحابہ کرام ان صفات کمال کیساتھ موصوف ہیں کہ) وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں (اور) آپس میں مہربان ہیں (اور) اے مخاطب تو اُن کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں (اور) اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا مندی (یعنی ثواب اور قرب) کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں اُن (کی عبدیت) کے آثار (اُنکے) سجدہ کی تاثیر سے اُنکے چہروں پر نمایاں ہیں (مراد ان آثار سے خشوع و خضوع کے انوار ہیں جو مومن متقی کے چہرہ میں عموماً مشاہدہ کئے جاتے ہیں) یہ اُنکے اوصاف (مذکورہ) تورات میں ہیں اور انجیل میں اُن کا یہ وصف (مذکور) ہے کہ جیسے کھیتی کہ اُس نے (اول زمین سے) اپنی سوئی نکالی پھر اُس نے (مٹی پانی ہوا وغیرہ سے غذا پکا کر اپنی) اُس (سوئی) کو قوی کیا (یعنی کھیتی قوی ہو گئی) پھر وہ کھیتی اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہو گئی کہ (اپنے ہرے بھرے ہونے سے) کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی (اسی طرح صحابہ میں اول ضعف تھا پھر روزانہ قوت بڑھتی گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو یہ نشوونما اسلئے دیا) تاکہ اُن (کی اس حالت) سے کافروں کو (حسد میں) مبتلا کرے اور (آخرت میں) اللہ نے اُن صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کر رہے ہیں (گناہوں کی مغفرت اور) طاعت پر) اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے

معارف و مسائل

جب صلح خدیجہ مکمل ہو گئی اور یہ بات طے ہو گئی کہ اسوقت بغیر دخول مکہ اور بغیر ادائے عمرہ کے واپس مدینہ جانا ہے اور صحابہ کرام کا یہ غزم عمرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی بنا پر ہوا تھا جو ایک طرح کی وحی تھی۔ اب بظاہر اسکے خلاف ہوتا ہوا دیکھ کر بعض صحابہ کرام کے دلوں میں خود یہ شکوک پیدا ہونے لگے کہ (معاذ اللہ) آپ کا خواب سچا نہ ہوا۔ دوسری طرف کفار و منافقین نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ تمہارے رسول کا خواب صحیح نہ ہوا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی لَقَدْ صدَّقَ اللہُ رَسُوْلَکَ الْاٰیۃ (رواہ البیہقی وغیرہ عن مجاہد)

لَقَدْ صدَّقَ اللہُ رَسُوْلَکَ الْاٰیۃ بِالْحَقِّ، لفظ صدق بمقابلہ کذب کے اقوال میں استعمال ہوتا ہے۔ جو قول واقعہ کی مطابق ہو اسکو صدق جو مطابق نہ ہو اسکو کذب کہا جاتا ہے اور بعض اوقات یہ لفظ افعال کے لئے بھی بولا جاتا ہے تو اسوقت اسکے معنی کسی فعل کو محقق اور ثابت کرنے کے

لفظ صدق کا پہلا مفعول رسولہ اور دوسرا رؤیا ہے۔ اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول کو اپنے خواب میں سچا کر دکھایا (بیضاوی) اور اگرچہ یہ سچا کر دکھانیکا واقعہ آگے آنے والا تھا مگر اسکو بلفظ ماضی تعبیر کر کے اسکے قطعی اور یقینی ہونے کی طرف اشارہ کر دیا چنانچہ آگے بلفظ مستقبل فرمایا گیا کہ لَتَذْخُلَنَّ الْخُلُقَ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ، یعنی آپ نے جو خواب میں دیکھا تھا کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہوئے یہ ضرور ہو کر رہے گا مگر اس سال نہیں بلکہ اس سال کے بعد ہوگا۔ خواب میں اسکا وقت معین نہیں تھا، صحابہ کرام نے اپنے اشتیاق کیوجہ سے اسی سال عزم سفر کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی موافقت فرمائی جس میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمتیں تھیں جن کا ظہور صلح حدیبیہ کے وقت ہوا، جیسا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اول ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جواب میں فرمایا تھا کہ آپ کو شک میں نہیں پڑنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب میں کوئی وقت اور سال معین نہیں تھا اگر اس وقت نہیں تو پھر ہوگا (قطبی)

آئندہ ہونے والے کاموں کیلئے اس آیت میں حق تعالیٰ نے آئندہ ہونے والے داخلہ مسجد حرام کے ساتھ انشاء اللہ کہنے کی تاکید انشاء اللہ کا لفظ استعمال فرمایا حالانکہ اللہ تعالیٰ تو خود اپنی مشیت کے عالم ہیں ان کو اسکے کہنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن اپنے رسول اور سب بندوں کو تعلیم دینے کیلئے اس جگہ حق تعالیٰ نے بھی لفظ انشاء اللہ استعمال فرمایا (قطبی)

فَحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ، صحیح بخاری میں ہے کہ اگلے سال عمرہ قضا میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک قینچی سے تراشے تھے۔ یہ واقعہ عمرہ قضا ہی کا ہے کیونکہ حجۃ الوداع میں تو آپ نے حلق فرمایا ہے (قطبی)

فَعَلِمَ مَا كُرْتَعْلَمُوا، یعنی اللہ کی قدرت میں تو یہ بھی تھا کہ اسی سال تمہیں دخول مسجد حرام اور عمرہ نصیب ہو جاتا مگر اگلے سال تک تاخیر کرنے میں بڑی مصالح تھیں جو اللہ کو معلوم تھیں تم انکو نہ جانتے تھے۔ منجملہ ان مصالح کے ایک یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس سے پہلے خیبر فتح ہو کر مسلمانوں کی قوت اور سامان میں اضافہ ہو جائے اور وہ فراغت و اطمینان کیساتھ عمرہ ادا کریں اسی لئے فرمایا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا۔ دُونِ ذَلِكَ سے مراد دُونِ الشَّوْءِ ہے یعنی اس خواب کے واقع ہونے سے پہلے خیبر کی فتح قریب مسلمانوں کو حاصل ہو جائے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس فتح قریب سے مراد خود صلح حدیبیہ ہے کہ وہ فتح مکہ اور دوسری تمام فتوحات کا مقدمہ تھی اور بعد میں تو سبھی صحابہ نے اسکو اعظم الفتوحات قرار دیا ہی تو اب مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ اس سال تمہارے عزم سفر اور پھر ناکام ہونے اور صلح ہونے میں جو حکمتیں اور مصالح تھیں وہ تمہارے علم میں نہیں تھیں لیکن اللہ تعالیٰ سب سے واقف تھا وہ چاہتا تھا

کہ تم کو اس خواب کے واقعہ سے پہلے صلح حدیبیہ کے ذریعہ ایک فتح قریب نصیب فرمادے اسی فتح قریب کا یہ نتیجہ سب نے دیکھ لیا کہ صحابہ کرام جن کی تعداد سفر حدیبیہ میں ڈیڑھ ہزار سے زائد تھی اسکے بعد دس ہزار تک پہنچ گئی۔ (از قطبی)

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ، سَابِقَةَ آيَاتٍ فِي جُفُوحَاتِ
اور غنائم کے وعدے اور اہل حدیبیہ کے خصوصاً اور تمام صحابہ کے عموماً فضائل اور بشارتیں مذکور
ہوئے ہیں اب خاتمہ سورت میں ان مضامین کی تلخیص و تاکید ہے اور چونکہ یہ سب نعمتیں اور بشارتیں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور تصدیق کی بنا پر ہوئیں اسلئے اس تصدیق و اطاعت کی
مزید تاکید کے لئے نیز منکرین رسالت محمدیہ پر رد کرنے کے لئے اور صلح حدیبیہ کے وقت جو بعض
مسلمانوں کے دلوں میں کچھ شکوک پیدا ہو گئے تھے اُن کے ازالہ کے لئے ان آیات میں آپ کی رسالت
کا اثبات بلکہ تمام دُنیا کے دینوں پر آپ کے دین کو غالب کرنے کی بشارت دی گئی ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ، پورے قرآن میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لینے کے
بجائے عموماً آپ کا ذکر اوصاف و القاب کیساتھ کیا گیا خصوصاً ندا کے موقع پر يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ،
يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ، يَا أَيُّهَا الْمُرْسَلُ وغیرہ بخلاف دوسرے انبیاء کے کہ انکے نام کیساتھ ندا کی گئی، یا
ابراہیم یا موسیٰ یا عیسیٰ۔ پورے قرآن میں صرف چار جگہ آپ کا نام مبارک محمد ذکر فرمایا ہے
جہاں اس نام کے ذکر ہی میں کوئی مصلحت تھی۔ اس مقام پر مصلحت یہ تھی کہ حدیبیہ کے صلحنامے
میں آپ کے نام کے ساتھ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد رسول اللہ لکھا تو کفار قریش نے اس کو مٹا کر
محمد بن عبد اللہ لکھنے پر اصرار کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیم ربانی اس کو منظور کر لینا قبول کیا۔
حق تعالیٰ نے اس مقام پر خصوصیت سے آپ کے نام مبارک کیساتھ رسول اللہ کا لفظ قرآن
میں لاکر اس کو دائمی بنا دیا جو قیامت تک اسی طرح پڑھا لکھا جائے گا۔

وَالَّذِينَ مَعَهُ، یہاں سے آپ کے صحابہ کرام کے فضائل کا بیان ہے۔ اگرچہ اس کے پہلے
مخاطب حضرات صحابہ ہیں جو حدیبیہ اور بیعت رضوان میں شریک تھے لیکن الفاظ کے عموم
میں سبھی صحابہ کرام شامل ہیں کیونکہ صحبت و معیت سب کو حاصل ہے۔

صحابہ کرام کے اوصاف | اس مقام پر حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کے
و فضائل اور خاص علماً | دین کو سب دینوں پر غالب کرنے کا بیان فرما کر صحابہ کرام رضوان اللہ
علیہم اجمعین کے اوصاف و فضائل اور خاص علامات کا ذکر تفصیل کیساتھ فرمایا ہے۔ اس میں
انکے اس سخت امتحان کا انعام بھی ہے جو صلح حدیبیہ کے وقت لیا گیا تھا کہ اُن کے قلبی یقین
اور قلبی جذبات کیخلاف صلح ہو کر بغیر دخول مکہ وغیرہ کے ناکام واپسی کے باوجود اُنکے قدم

مستزلزل نہیں ہوئے اور بے نظیر اطاعتِ رسول اور قوتِ ایمانی کا ثبوت دیا۔ نیز صحابہ کرام کے فضائل اور علامات کی تفصیل بیان فرمانے میں یہ حکمت بھی ہو تو بعید نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی و رسول تو مبعوث ہونے والا نہیں تھا آپ نے اپنے بعد امت کے لئے کتاب اللہ کے ساتھ اپنے اصحاب ہی کو بطور نمونہ کے چھوڑا ہے اور ان کی اقتدار و اتباع کے احکام دیئے ہیں، اسلئے قرآن نے بھی انکے کچھ فضائل اور علامات کا بیان فرما کر مسلمانوں کو ان کے اتباع کی ترغیب و تاکید فرمادی ہے۔ اس مقام پر صحابہ کرام کا سب سے پہلا وصف تو یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ کفار کے مقابلے میں سخت اور آپس میں مہربان ہیں۔ کفار کے مقابلہ میں سخت ہونا ان کا ہر موقع پر ثابت ہوتا رہا ہے کہ نسبی رشتے ناتے سب اسلام پر قربان کر دیئے اور حدیبیہ کے موقع پر خصوصیت سے اسکا اظہار ہوا۔ اور آپس میں مہربان اور ایثار پیشہ ہونا صحابہ کرام کا اس وقت خصوصیت سے ظاہر ہوا جبکہ مہاجرین و انصار میں موافات ہوئی اور انصار نے اپنی سب چیزوں میں مہاجرین کو شریک کرنے کی دعوت دی۔ قرآن نے صحابہ کرام کے اس وصف کو مقدم بیان فرمایا کیونکہ درحقیقت اسکا حاصل یہ ہے کہ ان کی دوستی اور دشمنی، محبت یا عداوت کوئی چیز اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ سب اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کے لئے ہوتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو ایمان کامل کا اعلیٰ مقام ہے صحیح بخاری وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ من احب للہ و ابغض للہ فقد استكمل ایمانہ یعنی جو شخص اپنی محبت اور بغض و عداوت دونوں کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دے اسنے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اسی سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ صحابہ کرام کے کفار کے مقابلہ پر سخت ہونیکا یہ مطلب نہیں کہ وہ کبھی کسی کافر پر رحم نہیں کرتے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس موقع پر اللہ و رسول کا حکم کفار پر سختی کرنے کا ہوتا ہے وہاں ان کو اپنے رشتے ناتے یا دوستی وغیرہ کے علاقے اس کام میں مانع نہیں اور جہاں تک ان کے ساتھ رحم و کرم کے معاملہ کا تعلق ہے وہ تو خود قرآن نے اسکا فیصلہ کر دیا ہے کہ لَا يَنْهٰكُمْ اللّٰهُ (الٰہی) اَنْ تَبْرُوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ، یعنی جو کفار مسلمانوں کے درپے آزار اور مقاتلہ پر نہیں ان کے ساتھ احسان کا سلوک کرنے سے اللہ تعالیٰ منع نہیں کرتا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے بیشمار واقعات ہیں جنہیں ضعیف و مجبور یا ضرورت مند کفار کے ساتھ احسان و کرم کے معاملات کئے گئے ہیں اور انکے معاملہ میں عدل و انصاف کو برقرار رکھنا تو اسلام کا عام حکم ہے۔ عین میدان کارزار میں بھی عدل و انصاف کیخلاف کوئی کارروائی جائز نہیں۔

دوسرا وصف صحابہ کرام کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کا عام حال یہ ہے کہ وہ رکوع و سجدہ اور نماز میں مشغول رہتے ہیں ان کو دیکھنے والے اکثر ان کو اسی کام میں مشغول پاتے ہیں۔ پہلا وصف کمال ایمان کی علامت تھی دوسرا وصف کمال عمل کا بیان ہے کیونکہ اعمال میں سب سے افضل

نماز ہے۔ سُبَّانَا هُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مَنْ أَثَرُ السُّجُودِ، یعنی نماز ان کا ایسا وظیفہ زندگی بن گیا ہے کہ نماز اور سجدہ کے مخصوص آثار ان کے چہروں سے نمایاں ہوتے ہیں۔ مراد ان آثار سے وہ انوار ہیں جو عبادت اور خشوع و خضوع سے ہر تنقی عبادت گزار کے چہرہ پر مشاہدہ کئے جاتے ہیں، پیشانی میں جو نشان سجدہ کا پڑ جاتا ہے وہ مراد نہیں۔ خصوصاً نماز تہجد کا یہ اثر بہت زیادہ واضح ہوتا ہے جیسا کہ ابن ماجہ میں بروایت جابر بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من کثر صلواتہ باللیل حسن وجہہ بالنهار یعنی جو شخص رات میں نماز کی کثرت کرتا ہے دن میں اس کا چہرہ حسین پر نور نظر آتا ہے اور حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ اس سے مراد نمازیوں کے چہروں کا وہ نور ہے جو قیامت میں نمایاں ہوگا۔

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ ۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيلِ ۖ كَنَزْرٍ ۖ خَرَجَ شَطَا ۖ اَصْحَابُ كَرَامٍ
کی جو علامت اوپر بیان فرمائی ہے کہ..... سجدوں اور نمازوں کا نور ان کی پیشانیوں کی علامت ہے اس آیت میں فرمایا کہ ان کی یہی مثال تورات میں بیان کی گئی ہے پھر فرمایا کہ انجیل میں ان کی ایک اور مثال یہ دی گئی ہے کہ وہ ایسے ہیں جیسے کوئی کاشتکار زمین میں بیج اُگائے تو اول وہ ایک ضعیف سی سوئی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے پھر اس میں شاخیں نکلتی ہیں پھر وہ اور قوی ہوتا ہے پھر اس کا مضبوط تنہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب شروع میں بہت کم تھے۔ ایک وقت ایسا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا صرف تین مسلمان تھے مردوں میں صدیق اکبرؓ عورتوں میں حضرت خدیجہؓ، بچوں میں حضرت علیؓ پھر رفتہ رفتہ ان کی قوت بڑھتی رہی یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں شریک ہونے والوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ کے قریب بتلائی گئی ہے۔ اس آیت میں تین احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ فی التوراة پر وقف کیا جائے اور پچھلی مثال یعنی چہروں کا نور، یہ علامت تورات کے حوالہ سے بیان ہوئی آگے مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيلِ پر وقف نہ کریں بلکہ ملا کر لیں تو معنی یہ ہونگے کہ صحابہ کی مثال انجیل میں اُس کھیتی یا درخت کی ہے جو شروع میں نہایت کمزور ہوتا ہے پھر رفتہ رفتہ قوی تیار ہو جاتا ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ فی التوراة پر وقف نہ ہو بلکہ فی الْاِنْجِيلِ پر وقف کیا جائے تو معنی یہ ہونگے کہ سابقہ نشانی چہروں کے نور کی تورات میں بھی ہے انجیل میں بھی اور آگے کَنَزْرٍ کی مثال کو ایک الگ مثال قرار دیا جائے۔ تیسرا احتمال یہ ہے کہ فی التوراة پر کلام ختم ہونے فی الْاِنْجِيلِ پر اور لفظ ذٰلِكَ اگلی مثال کی طرف اشارہ ہو تو معنی یہ ہونگے کہ تورات و انجیل دونوں میں صحابہ کی مثال کَنَزْرٍ یعنی کھیتی کی دی گئی ہے۔ اگر اس زمانہ میں تورات و انجیل اپنی اصلی حالت میں ہوتیں تو ان کو دیکھ کر مراد قرآنی متعین ہو جاتی لیکن انہیں تحریفات کا سلسلہ بے حد و بیشمار رہا ہے اسلئے کوئی یقینی فیصلہ نہیں ہو سکتا، مگر اکثر حضرات مفسرین نے پہلے احتمال کو ترجیح دی ہے جس میں پہلی مثال تورات

میں اور دوسری انجیل میں ہونا معلوم ہے۔ امام نبویؑ نے فرمایا کہ صحابہ کرام کی یہ مثال انجیل میں ہے کہ شروع میں قلیل ہونگے پھر بڑھیں گے اور قوی ہونگے جیسا کہ حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ صحابہ کرام کی یہ مثال انجیل میں لکھی ہوئی ہے کہ ”ایک قوم ایسی نکلتی گی جو کھیتی کی طرح بڑھے گی اور وہ نیک کاموں کا حکم اور بڑے کاموں سے منع کیا کریگی (مظہری) موجودہ زمانہ کی تورات و انجیل میں بھی بیشتر تحریفیات کے باوجود اسکی پیشین گوئی کے حسبِ قبل الفاظ موجود ہیں۔ تورات باب استغفار ۱۲۳-۱ تا ۳ کے یہ الفاظ ہیں۔

”خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا، دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا اور اسکے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت انکے لئے تھی وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے اسکے سارے مقدس تھے ہاتھ میں اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں تیری بتائیں گے۔“

یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ فتح مکہ کی وقت صحابہ کرام کی تعداد دس ہزار تھی جو فاران سے طلوع ہوئی والے اس نورانی پیکر کیساتھ شہر خلیل میں داخل ہوئے تھے۔ اسکے ہاتھ میں آتشیں شریعت ہوگی کے لفظ سے اِنْدَلَامُ عَلَى الْكَفَّارِ کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے لوگوں سے محبت کر چکا کے لفظ سے رَحْمَةً بَيْنَهُمْ کا مضمون سمجھا جاتا ہے اسکی پوری تفصیل مع دوسرے حوالوں کے اظہار الحق جلد سوم باب ششم ص ۲۵۶ میں ہے یہ کتاب عیسائیت کی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے مولانا رحمت الشکر انویؒ نے پادری فنڈر کے مقابلہ پر تحریر فرمائی تھی اس کتاب میں انجیل کی تمثیل کا اس طرح ذکر ہے۔ انجیل متی باب ۱۱ آیت ۳۱ میں یہ الفاظ ہیں۔ اس نے ایک اور تمثیل انکے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانہ کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لیکر اپنے کھیت میں بویا، وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اسکی ڈالیوں پر بسیر کرتے ہیں۔ اور انجیل مرقس ۴: ۲۶ کے یہ الفاظ ہیں جو الفاظ قرآنی کے زیادہ قریب ہیں۔ ”اس نے کہا کہ خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور رات کو سوئے دن کو جاگے اور وہ بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے زمین آپسے آپ پھل لاتی ہے، پہلے پتی پھر بالیں پھر بالوں میں تیار دانے پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آپہنچا (اظہار الحق جلد ۳) باب ششم ص ۳۱ آسمان کی بادشاہی سے مراد نبی آخر الزماں کا ہونا انجیل کے متعدد مقامات سے ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

لِيَغِيْظَهُمُ الْكُفَّارُ، یعنی اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو ان صفات کمال کیساتھ مزین فرمایا اور انکو ضعف کے بعد قوت، قلت کے بعد کثرت بخشی، یہ سب کام اسلئے ہوا تاکہ ان کو دیکھ کر کافروں کو غیظ ہو۔ اور وہ حسد کی آگ میں جلیں۔ حضرت ابو عروہ زہریؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت امام مالکؒ کی مجلس میں حاضر تھے ایک شخص نے بعض صحابہ کرام کی تنقیص کے کچھ کلمات کہے تو امام مالکؒ یہ آیت پوری تلاوت کر کے جب لِيَغِيْظَهُمُ الْكُفَّارُ پہنچے تو فرمایا کہ جس شخص کے دل میں صحابہ کرام میں سے

کسی کیساتھ غیظ ہو تو اس آیت کی وعید اس کو ملے گی (قطبی) حضرت امام مالکؒ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ وہ کافر ہو جاوے گا مگر یہ فرمایا کہ یہ وعید اس کو بھی پہنچے گی۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کافروں جیسا کام کرنے والا ہو جائے گا۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا، مِنْهُمْ كَافِرٌ
 مِنْ اس جگہ باتفاق مفسرین بیان یہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ جو ایمان اور عمل صالح کے جامع ہیں اللہ تعالیٰ نے ان سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ سب صحابہ کرام ایمان اور عمل صالح کے جامع ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان سب سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے اور یہ مِنْ بیاہیہ قرآن میں بکثرت استعمال ہوا ہے جیسے ارشاد ہے فَاجْتَنِبُوا السَّبْإَ
 مِنَ الْاَوْثَانِ تَوَمِّنَ الْاَوْثَانِ بیان ہے لفظ رَجَس کا، اسی طرح یہاں مِنْهُمْ بیان ہے الْاَوْثَانِ
 اَمِنُوا کا۔ اور روافض نے جو اس جگہ حرف مِنْ کو تبعیض کے لئے یہ کہہ کر مطلب نکالا ہے کہ انہیں سے جو بعض لوگ ایمان و عمل صالح پر ہیں اُن سے یہ وعدہ ہے یہ سراسر سیاق کلام اور اوپر کی آیات کے منافی ہے کیونکہ اس آیت کے مفہوم میں وہ صحابہ کرام تو بلاشبہ داخل، اور آیت کے پہلے مصداق ہیں جو سفر حدیبیہ اور بیعت رضوان میں شریک تھے ان سب کے متعلق اوپر کی آیات میں حق تعالیٰ نے اپنی رضا اور خوشنودی کا اعلان فرما دیا ہے لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ
 يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ اور رضائے الہی کا یہ اعلان اس کی ضمانت ہے کہ یہ سب مرتے دم تک ایمان و عمل صالح پر قائم رہیں گے کیونکہ اللہ تو علیم وخبیر ہے اگر کسی کے متعلق اسکو یہ معلوم ہو کہ یہ کسی وقت ایمان سے پھر جائیو والا ہے تو اُس سے اپنی رضا کا اعلان نہیں فرما سکتے۔ ابن عبدالبر نے مقدمہ استیعاب میں اسی آیت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ وَمِنْ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمْ يَسْحَطْ عَلَيْهِ ابَدًا
 یعنی اللہ جس سے راضی ہو جائے پھر اس پر کبھی ناراض نہیں ہوتا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کی بنا پر ارشاد فرمایا کہ بیعت رضوان میں شریک ہونے والوں میں سے کوئی آگ میں نہ جائیگا تو یہ وعدہ جو اصالۃ انہی کے لئے کیا گیا ہے انہیں سے بعض کا مستثنیٰ ہونا قطعاً باطل ہے اسی لئے اُمت کا اسپر اجماع ہے کہ صحابہ کرام سب کے سب عادل و ثقیہ ہیں۔

صحابہ کرام سب اہل جنت ہیں اُن کی قرآن مجید کی بہت سی آیتوں میں اس کی تصریحات ہیں خطائیں مغفور ہیں اُن کی تنقیص گناہ عظیم ہے جنہیں چند آیات تو اسی سورت میں آچکی ہیں لَقَدْ رَضِيَ

اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ اور اَللّٰهُمَّ كَلِمَةَ التَّقْوٰی وَكَانُوا اٰحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا، ان کے علاوہ اور بہت سی آیات میں یہ مضمون مذکور ہے یَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَالشَّاقِقُونَ
 الْاَوْثَانُ مِنَ الْمُهْجِرِينَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا

عَمَّهٖ وَاعَدَ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ اور سورہ حدید میں حق تعالیٰ نے صحابہ کرام کے بارہیں فرمایا ہے وَكَلَّمَ اللَّهُ الْحُسَيْنِ یعنی ان سب کے اللہ نے حسینی کا وعدہ کیا ہے پھر سورہ انبیاء میں حسینی کے متعلق فرمایا إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ یعنی جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے حسینی کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے وہ جہنم کی آگ سے دُور رکھے جائیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ (بخاری) | یعنی تمام زمانوں میں میرا زمانہ بہتر ہے اسکے بعد اُس زمانے کے لوگ بہتر ہیں جو میرے زمانے کے متصل ہیں پھر وہ جو انکے متصل ہیں۔

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کو بُرا نہ کہو کیونکہ (اُن کی قوتِ ایمان کی وجہ اُن کا حال یہ ہے کہ) اگر تم میں سے کوئی شخص اللہ کی راہ میں احد پہاڑ کی برابر سونا خرچ کر دے تو وہ اُنکے خرچ کئے ہوئے کے ایک مُد کی برابر بھی نہیں ہو سکتا اور نہ نصف مُد کی برابر۔ مد عرب کا ایک پیمانہ ہے جو تقریباً ہمارے آدھے سیر کی برابر ہوتا ہے (بخاری) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کو سارے جہان میں سے پسند فرمایا ہے پھر میرے صحابہ میں میرے لئے چار کو پسند فرمایا ہے۔ ابو بکر عمر عثمان علی رضی اللہ عنہم (رواہ البزار بشیخ صحیح) اور ایک حدیث میں ارشاد ہے۔

اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملے میں میرے بعد ان کو طعن تشنیع کا نشانہ مت بناؤ کیونکہ جس شخص نے ان سے محبت کی تو میری محبت کیسا تھا ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کیسا تھا ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو ایذا پہنچائی اُس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے اللہ کو ایذا پہنچائی اور جو اللہ کو ایذا پہنچانے کا قصد کرے تو قریب ہے کہ اللہ اس کو عذاب میں پکڑ لے گا۔

اللَّهُ اللَّهُ فِي أَصْحَابِي لَا تَتَّخِذُوا هُمْ غُرَضًا مِنْ بَعْدِي فَمَنْ أَحْبَبَهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ وَمَنْ ابْغَضَهُمْ فَبِابْغِضِي ابْغَضَهُمْ وَمَنْ أَذَاهُمْ فَقَدْ أَذَانِي وَمَنْ أَذَانِي فَقَدْ أَذَى اللَّهِ وَمَنْ أَذَى اللَّهِ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ (رواہ الترمذی عن عبد اللہ بن المغفل از جمع الفوائد)

آیات و احادیث اسکے متعلق بہت ہیں جن کو احقر نے اپنی کتاب مقام صحابہ میں جمع کر دیا ہے یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔ تمام صحابہ کرام کے عدل و ثقہ ہونے پر پوری اُمت کا اجماع ہے اور صحابہ کرام کے مابین جو اختلافات جنگ و قتال تک پہنچے انکے متعلق بحث و تحقیق اور تنقید و تحقیق یا سکوت کا مسئلہ بھی اس کتاب میں تفصیل کیسا تھا لکھ دیا گیا ہے اور اس میں سے بقدر ضرورت سورہ محمد کی تفسیر میں آچکا ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التَّكْلَانِ

نَمَتِ بِحَمْدِ اللَّهِ وَسُورَةُ الْفَتْحِ لِلتَّاسِعِ وَالْعِشْرِينَ مِنْ شَعْبَانَ سَنَةِ ۱۳۹۲ هـ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَلِلَّهِ الْآخِرَةُ

سُورَةُ الْحُجُرَات

سُورَةُ الْحُجُرَات مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِي عَشْرَةَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعٌ
سُورَةُ حُجُرَات مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی اٹھارہ آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا
اے ایمان والو! آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور ڈرتے رہو

اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ① يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا
اللہ ہے، اللہ سنتا ہے جانتا ہے اے ایمان والو! بلند نہ کرو

أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ
اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر اور اُس سے نہ بولو ترطخ کر جیسے ترطختے ہو

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ②
ایک دوسرے پر کہیں اکارت نہ ہو جائیں تمہارے کام اور تم کو خبر بھی نہ ہو

إِنَّ الَّذِينَ يَغْضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
جو لوگ دبی آواز سے بولتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہی ہیں جن کے

أَمْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ③ إِنَّ
دلوں کو جانچ لیا ہے اللہ نے ادب کے واسطے اُن کے لئے معافی ہے اور ثواب بڑا جو

الَّذِينَ يَنَادُونَكَ مِنَ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ④ وَلَوْ
لوگ پکارتے ہیں تجھ کو دیوار کے پیچھے سے وہ اکثر عقل نہیں رکھتے اور اگر

أَنْتُمْ صَبِرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ⑤
وہ صبر کرتے جب تک تو نکلتا ان کی طرف تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

خلاصہ تفسیر

رابطہ سورت و شان نزول | اس سے پہلی دو سورتوں میں جہاد کے احکام تھے جس سے اصلاح عالم و آفاق مقصود ہے۔ اس سورت میں اصلاح نفس کے احکام و آداب مذکور ہیں، خصوصاً وہ احکام جو آداب معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں اور قصہ ان آیتوں کے نزول کا یہ ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ بنو تمیم کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ بات زیر غور تھی کہ اس قبیلہ پر حاکم کس کو بنایا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قنقاع ابن معبد کی نسبت رائے دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اقرع بن حابس کے متعلق رائے دی، اس معاملہ میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے مابین آپ کی مجلس میں گفتگو ہو گئی اور گفتگو بڑھ کر دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (رداۃ المفہر)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) (کی اجازت) سے پہلے تم (کسی قول یا فعل میں) سبقت نہ کیا کرو (یعنی جب تک قرآن تو یہ سے یا بالتصریح گفتگو کی اجازت نہ ہو گفتگو مت کرو جیسا کہ واقعہ مذکورہ جو سبب نزول ان آیات کا ہوا) اس میں انتظار کرنا چاہیے تھا کہ یا تو آپ خود کچھ فرماتے یا آپ حاضرین مجلس سے پوچھتے بدون انتظار کے از خود گفتگو شروع کر دینا درست نہیں تھا کیونکہ گفتگو کا جو از اذن شرعی پر موقوف تھا خواہ یہ اذن قطعی ہو یعنی صریح طور پر یا ظنی قرآن تو یہ کے ذریعہ غلطی یہ ہوئی انتظار نہیں کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی) اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ (تمہارے سب

اقوال کو) سننے والا (اور تمہارے افعال کو) جاننے والا ہے (اور) اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں بغیر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں کھل کر ایک دوسرے سے بولا کرتے ہو (یعنی نہ بلند آواز سے بولو جبکہ آپ کے سامنے آپس میں کوئی بات کرنا ہو اور نہ برابر کی آواز کی بولو جبکہ خود آپ سے خطاب کرنا ہو) کبھی تمہارے اعمال برباد ہو جاویں اور تم کو خبر بھی نہ ہو (اس کا مطلب یہ ہے کہ آواز کا بلند کرنا جو صورتہ بے باکی اور بے پروائی ہے اور بلند آواز سے اس طرح باتیں کرنا جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف باتیں کرتے ہیں یہ ایک قسم کی گستاخی ہے اپنے تابع اور خادم سے اس طرح کی گفتگو ناگوار اور اذیت دہ ہو سکتی ہے اور اللہ کے رسول کو اذیت پہنچانا تمام اعمال خیر کو برباد کر دینے والا ہے۔ البتہ بعض اوقات جبکہ طبیعت میں زیادہ انبساط ہو یہ مورد ناگوار نہیں ہوتے اس وقت عدم اذیت رسول کی وجہ سے یہ گفتگو جیٹا اعمال کا موجب نہیں ہوگی، لیکن متکلم کو یہ معلوم کرنا کہ اس وقت ہماری ایسی گفتگو ناگوار خاطر اور موجب اذیت نہیں ہوگی آسان نہیں ہو سکتا ہے کہ متکلم تو یہ سمجھ کر کلام کرے کہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت نہیں ہوگی مگر واقع میں اس سے اذیت پہنچ جائے تو گفتگو اسکے اعمال کو جیٹا اور برباد کر دے گی اگرچہ اس کو گمان بھی نہ ہو گا کہ

میری اس گفتگو سے مجھے کتنا بڑا خسارہ ہو گیا، اس لئے آواز بلند کرنے اور جہر بالقول کو مطلقاً ممنوع کر دیا گیا کیونکہ ایسی گفتگو کے بعض افراد اگرچہ موجب ایذار و جبط اعمال نہیں ہونگے مگر اسکی تعین کیے گئے ہونگے اس لئے مطلقاً جہر بالقول کے تمام افراد کو ترک کر دینا چاہیے یہاں تک تو آواز بلند کرنے سے ڈرایا گیا ہو آگے آواز پست کرنے کی ترغیب ہے)

بیشک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کر دیا ہے (یعنی اُن کے قلوب میں تقویٰ کے خلاف کوئی چیز آتی ہی نہیں، مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس خاص معاملہ میں حضرت کمال تقویٰ کے ساتھ متصف ہیں کیونکہ ترمذی کی حدیث مرفوعہ میں کمال تقویٰ کا بیان اس الفاظ میں آیا ہے لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُتَّقِينَ حَتَّى يَدَعَ مَا لَا يَأْسُ بِهِ حَذَرَ الْمَاءِ بِأَسْ، یعنی بندہ کمال تقویٰ کو اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ کچھ ایسی چیزوں کو بھی جنہیں کوئی گناہ نہیں اس احتیاط کی بنا پر چھوڑ دے کہ یہ جائز کام کہیں مجھے کسی ناجائز کام میں مبتلا نہ کر دے۔ مراد وہ مشتبہ امور ہیں جن میں گناہ کا خطرہ اور شبہ ہو۔ جیسا کہ آواز بلند کرنے کی ایک فرد ایسی ہے جس میں گناہ نہیں، یعنی وہ جس میں مخاطب کو ایذا نہ ہو۔ اور ایک فرد وہ ہے جس میں گناہ ہے یعنی جس سے ایذا پہنچے، تو کمال تقویٰ اس میں ہے کہ آدمی مطلقاً آواز بلند کرنے کو چھوڑ دے، آگے ان کے عمل کے افروزی فائدہ کا بیان ہے) اُن لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔ اور اگلی آیتوں کا قصہ یہ ہے کہ وہ ہی بنو تمیم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ باہر تشریف فرما نہ تھے بلکہ ازواج مطہرات کے حجرات میں سے کسی مکان میں تھے۔ یہ لوگ غیر مہذب گادوں والے تھے باہر ہی سے کھڑے ہو کر آپ کا نام لیکر پکارنے لگے کہ یا محمد! اخرج الینا، یعنی اے محمد ہمارے لئے باہر آئیے، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں (کذا فی الدر المنثور بروایۃ ابن سحوق عن ابن عباسؓ) جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں اُن میں اکثروں کو عقل نہیں ہے (کہ عقل ہوتی تو آپ کا ادب کرتے اس طرح نام لیکر باہر سے پکارنے کی جرأت نہ کرتے۔ اور اکثر ہم فرمانے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ بعض پکارنے والے فی نفسہ جری نہ ہوں گے، دوسروں کیساتھ دیکھا دیکھی لگ گئے اس طرح اُن سے بھی یہ غلطی ہو گئی اور یا اگرچہ سب ایک ہی طرح کے ہوں مگر اکثر ہم کا لفظ فرمانے سے کسی کو اشتعال نہیں ہوگا کیونکہ ہر شخص یہ خیال کر سکتا ہے کہ شاید مجھ کو کہنا مقصود نہ ہو۔ وعظ و نصیحت کا یہی طریقہ ہے کہ ایسے کلمات سے احتیاط کیجائے جن سے مخاطب کو اشتعال پیدا ہو) اور اگر یہ لوگ (ذرا) صبر (اور انتظار) کرتے یہاں تک کہ آپ خود باہر آئے پاس آجاتے تو یہ انکے لئے بہتر ہوتا (کیونکہ یہ ادب کی بات تھی) اور (اگر اب بھی توبہ کر لیں تو معاف ہو جائے کیونکہ) اللہ غفور رحیم ہے۔

معارف و مسائل

ان آیات کے نزول کے متعلق روایات حدیث میں بقول قرطبی چھ واقعات منقول ہیں اور قاضی ابوبکر بن عربی نے فرمایا کہ سب واقعات صحیح ہیں کیونکہ وہ سب واقعات مفہوم آیات کے عموم میں داخل ہیں ان میں سے ایک واقعہ وہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں بروایت بخاری ذکر کیا گیا ہے۔

لَا تَقْصِدُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، بَيْنَ الْيَدَيْنِ کے اصل معنی دو ہاتھوں کے درمیان کے ہیں مراد اس سے سامنے کی جہت ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تقدم اور پیشقدمی نہ کرو۔ کس چیز میں پیشقدمی کو منع فرمایا ہے قرآن کریم نے اسکو ذکر نہیں کیا جس میں اشارہ عموم کی طرف ہے کہ کسی قول یا فعل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشقدمی نہ کرو بلکہ انتظار کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جواب دیتے ہیں، ہاں آپ ہی کسی کو جواب کے لئے مامور فرمادیں تو وہ جواب دے سکتا ہے۔ اسی طرح اگر آپ چل رہے ہیں تو کوئی آپ سے آگے نہ بڑھے، کھانے کی مجلس ہے تو آپ سے پہلے کھانا شروع نہ کرے مگر یہ کہ آپ کی تصریح یا قرآن قویہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ آپ خود ہی کسی کو آگے بھیجنا چاہتے ہیں جیسے سفر اور جنگ میں کچھ لوگوں کو آگے چلنے پر مامور کیا جاتا تھا۔

علمائے دین اور دینی مقتداؤں کے | بعض علماء نے فرمایا ہے کہ علماء و مشائخ دین کا بھی یہی حکم ہے ساتھ بھی یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہیے | کیونکہ وہ وارث انبیاء ہیں اور دلیل اسکی یہ واقعہ ہے کہ ایک دن حضرت ابوالدرداءؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے آگے چل رہے ہیں تو آپ نے تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ کیا تم ایسے شخص کے آگے چلتے ہو جو دنیا و آخرت میں تم سے بہتر ہے اور فرمایا کہ دنیا میں آفتاب کا طلوع و غروب کسی ایسے شخص پر نہیں ہوا جو انبیاء کے بعد ابوبکرؓ سے بہتر و افضل ہو (روح البیان از کشف الاسرار) اسلئے علماء نے فرمایا کہ اپنے استاد اور مرشد کیساتھ بھی یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہیے۔

لَا تَوْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ، یہ دوسرا ادب مجلس نبوی کا بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا یا بلند آواز سے اس طرح گفتگو کرنا جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے محابا کیا کرتے ہیں ایک قسم کی بے ادبی گستاخی ہے، چنانچہ اس آیت کے نزول سے صحابہ کرام کا یہ حال ہو گیا کہ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قسم ہے کہ اب مرتے دم تک آپ سے اس طرح بولوں گا جیسے کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہو (دُرُثُوْرُ عَنْ ابِیْہِیْ) اور حضرت عمرؓ اسقدر آہستہ بولنے لگے کہ بعض اوقات دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا (کذا فی الصحاح) اور حضرت ثابت بن قیسؓ رضی اللہ عنہ طوری پر بہت بلند آواز تھے، یہ آیت مسکروہ بہت

ڈرے اور روئے اور اپنی آواز کو گھٹایا (بیان القرآن از ڈاکٹر مشور)

روضہ اقدس کے سامنے بھی بہت بلند آواز سے سلام و کلام کرنا ممنوع ہے

جیسا حیات میں تھا، اسی لئے بعض علماء نے فرمایا کہ آپ کی قبر شریف کے سامنے بھی زیادہ بلند آواز سے سلام و کلام کرنا ادب کے خلاف ہے۔ اسی طرح جس مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھی یا بیان کی جا رہی ہوں اُس میں بھی شور و شغب کرنا بے ادبی ہے کیونکہ آپ کا کلام جو وقت آپ کی زبان مبارک سے ادا ہو رہا ہو اس وقت سب کے لئے خاموش ہو کر اس کا سُنا واجب ضروری تھا اسی طرح بعد وفات جس مجلس میں آپ کا کلام سُنا جاتا ہو وہاں شور و شغب کرنا بے ادبی ہے۔

مسئلہ۔ جس طرح تقدم علی البنی کی ممانعت میں علمائے دین بحیثیت وارث انبیاء ہونیکے داخل ہیں اسی طرح رفع صوت کا بھی یہی حکم ہے کہ اکابر علماء کی مجلس میں اتنی بلند آواز سے نہ بولے جس سے اُن کی آواز دب جائے (قطبی)

أَنْ تَحْبِطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ، لفظ أَنْ تَحْبِطَ مفعول لَفَعْلَا ہے لا ترفعوا کما ہیں حکم کی علت بتلائی گئی ہے۔ بحذف مصدر یعنی خشیۃ ان تَحْبِطَ معنی آیت کے یہ ہوئے کہ اپنی آواز کو بڑی کمی آواز پر بلند نہ کرو بسبب اس خطرہ اور خوف کے کہ کہیں تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو اس جگہ کلیات شرعیہ اور اصول مسئلہ کے اعتبار سے چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ حبط اعمال یعنی اعمال صالحہ کو ضائع کر دینے والی چیز تو باتفاق اہل سنت والجماعت صرف کفر ہے کسی ایک معصیت اور گناہ سے دوسرے اعمال صالحہ ضائع نہیں ہوتے اور یہاں خطاب مؤمنین اور صحابہ کرام کو ہے اور لفظ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کے ساتھ ہے جس سے اس فعل کا کفر نہ ہونا ثابت ہوتا ہے تو حبط اعمال کیسے ہوا۔ دوسرے یہ کہ جس طرح ایمان ایک فعل اختیاری ہے جب تک کوئی شخص اپنے اختیار سے ایمان نہ لائے مؤمن نہیں ہوتا اسی طرح کفر بھی امر اختیاری ہے جب تک کوئی شخص اپنے قصد سے کفر کو اختیار نہ کرے وہ کافر نہیں ہو سکتا۔ اور یہاں آیت کے آخر میں یہ تصریح ہے کہ أَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ، یعنی تمہیں خبر بھی نہ ہو تو حبط اعمال جو خالص کفر کی سزا ہے وہ کیسے جاری ہوئی۔

سیدی حضرت حکیم الامتہ رحمہ نے بیان القرآن میں اسکی توجیہ ایسی بیان فرمائی ہے جس سے یہ سب اشکالات و سوالات ختم ہو جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ مسلمانو تم رسول اللہ کی آواز سے اپنی آواز بلند کرنے اور بے محابا جہر کرنے سے بچو، کیونکہ ایسا کرنے میں خطرہ ہے کہ تمہارے اعمال حبط اور ضائع ہو جائیں، اور وہ خطرہ اس لئے ہے کہ رسول سے مشقہ می یا اُن کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کر کے غالب کرنا ایک ایسا امر ہے جس سے رسول ص کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہونیکا بھی

احتمال ہے جو سبب ہے ایذائے رسول کا۔ اگرچہ صحابہ کرام سے یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ بالقصد کوئی ایسا کام کریں جو آپ کی ایذا کا سبب بنے لیکن بعض اعمال و افعال جیسے تقدّم اور رفع صوت اگرچہ بقصد ایذا نہ ہوں پھر بھی اُن سے ایذا کا احتمال ہے اسی لئے اُن کو مطلقاً ممنوع اور معصیت قرار دیا ہے اور بعض معصیتوں کا خاصہ یہ ہوتا ہے کہ اسکے کرنے والے سے توبہ اور اعمال صالحہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے اور وہ گناہوں میں منہمک ہو کر انجام کار کفر تک پہنچ جاتا ہے جو سبب ہے جبط اعمال کا، کسی اپنے دینی مقتدار استاد یا مرشد کی ایذا رسانی ایسی ہی معصیت ہے جس سے سلب توفیق کا خطرہ ہوتا ہے، اس طرح یہ افعال یعنی تقدّم علی النبی اور رفع الصوت ایسی معصیت ٹھہریں کہ جن سے خطرہ ہے کہ توفیق سلب ہو جائے اور یہ خذلان آخر کار کفر تک پہنچا دے جس سے تمام اعمال صالحہ ضائع ہو جاتے ہیں اور کرنے والے نے چونکہ قصد ایذا کا نہ کیا تھا اس لئے اس کو اس کی خبر بھی نہ ہوگی کہ اس ابتلا کفر اور جبط اعمال کا اصل سبب کیا تھا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی صالح بزرگ کو کسی نے اپنا مرشد بنایا ہو اسکے ساتھ گستاخی و بے ادبی کا بھی یہی حال ہے کہ بعض اوقات وہ سلب توفیق اور خذلان کا سبب بن جاتی ہے جو انجام کار متاع ایمان کو بھی ضائع کر دیتی ہے نعوذ باللہ منہ

إِنَّ الَّذِينَ يَتَذَكَّرُونَكَ مِنْ ذُرَاةِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ، اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک تیسرا ادب سکھایا گیا ہے کہ جب وقت آپ اپنے مکان اور آرام گاہ میں تشریف فرما ہوں اس وقت باہر کھڑے ہو کر آپ کو پکارنا خصوصاً گنوار پن کے ساتھ کہ نام لیکر پکارا جائے یہ بے ادبی ہے عقل والوں کے یہ کام نہیں۔ حجرات، حجرہ کی جمع ہے اصل لغت میں حجرہ ایک چار دیواری سے گھرے ہوئے مکان کو کہتے ہیں جس میں کچھ صحن ہو کچھ مسقف عمارت ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مدینہ طیبہ میں نو تھیں اُن میں سے ہر ایک کے لئے ایک حجرہ الگ الگ تھا جن میں آپ باری باری تشریف فرما ہوتے تھے۔

حجراتِ اہبات المؤمنین | ابن سعد نے بروایت عطاء فراسانی لکھا ہے کہ یہ حجرات کھجور کی شاخوں سے بنے ہوئے تھے اور اُن کے دروازوں پر موٹے سیاہ اون کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ امام بخاری نے ادب المفرد میں اور بیہقی نے داود بن قیس سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان حجرات کی زیارت کی ہے میرا گمان یہ ہے کہ حجرہ کے دروازہ سے مسقف بیت تک چھ سات ہاتھ ہو گا اور بیت (کمرہ) دس ہاتھ اور چھت کی اونچائی سات آٹھ ہاتھ ہوگی۔ یہ حجرات اہبات المؤمنین ولید بن عبد الملک کی حکومت میں اُن کے حکم سے مسجد نبوی میں شامل کر دیئے گئے۔ مدینہ میں اُس روز لوگوں پر گریہ بکا طاری تھی۔

سبب نزول | امام بغوی نے بروایت قتادہ رضا ذکر کیا ہے کہ قبیلہ بنو تمیم کے لوگ جو آپ کی خدمت

میں حاضر ہوئے تھے جن کا ذکر اُپر آیا ہے۔ یہ دو پہر کے وقت مدینہ میں پہنچے جبکہ آپ کسی حجرہ میں آرام فرما رہے تھے۔ یہ لوگ اعرابِ آداب معاشرت سے ناواقف تھے۔ اُنہوں نے حجرات کے باہر ہی سے پکارنا شروع کر دیا، اخرج الینا یا محمد اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اس طرح پکارنے کی ممانعت اور انتظار کرنے کا حکم دیا گیا۔ مسند احمد۔ ترمذی وغیرہ میں بھی یہ روایت مختلف الفاظ سے آئی ہے (مظہری) **تنبیہ** | صحابہ و تابعین نے اپنے علماء و مشائخ کے ساتھ بھی اسی ادب کا استعمال کیا ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جب میں کسی عالم صحابی سے کوئی حدیث دریافت کرنا چاہتا تھا تو اُن کے مکان پر پہنچ کر ان کو آواز یا دروازہ پر دستک دینے سے پرہیز کرتا اور دروازہ کے باہر بیٹھ جاتا تھا کہ جب وہ خود ہی باہر تشریف لائیں گے اس وقت اُن سے دریافت کروں گا، وہ مجھے دیکھ کر فرماتے کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی، آپ نے دروازہ پر دستک دیکر کیوں نہ اطلاع کر دی تو ابن عباس نے فرمایا کہ عالم اپنی قوم میں مثل نبی کے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی کی شان میں یہ ہدایت فرمائی ہے کہ اُن کے باہر آنیکا انتظار کیا جائے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے کبھی کسی عالم کے دروازہ پر جا کر دستک نہیں دی بلکہ اسکا انتظار کیا کہ وہ خود ہی جب باہر تشریف لائیں گے اس وقت ملاقات کروں گا (روح المعانی مسئلہ :- آیت مذکورہ میں حتیٰ تخرج الینہم میں الینہم کی قید پڑھانے سے یہ ثابت ہوا کہ صبراً انتظار اس وقت تک کرنا ہے جب تک کہ آپ لوگوں سے ملاقات و گفتگو کے لئے باہر تشریف لائیں، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا باہر تشریف لانا کسی دوسری ضرورت سے ہوا سو وقت بھی آپ سے اپنے مطلب کی بات کرنا مناسب نہیں بلکہ اسکا انتظار کریں کہ جب آپ اُن کی طرف متوجہ ہوں اس وقت بات کریں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا

اے ایمان والو اگر آئے تمھارے پاس کوئی گناہگار خبر لائے کہ تو تحقیق کر لو کہیں جا نہ پڑو

قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصِيبُوا عْلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ زُلُمًا ۖ

کسی قوم پر نادانی سے پھر کل کو اپنے کئے پر لگو پچھتانے

خلاصہ تفسیر

اے ایمان والو اگر کوئی شریر آدمی تمھارے پاس کوئی خبر لائے (جس میں کسی کی شرکایت ہو) تو (بدون تحقیق کے اس پر عمل نہ کیا کرو بلکہ اگر عمل کرنا مقصود ہو تو) خوب تحقیق کر لیا کرو کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو پھر اپنے کئے پر پچھتا پڑے۔

معارف و مسائل

شان نزول | اس آیت کے نزول کا واقعہ ابن کثیر نے بحوالہ سند احمد یہ نقل کیا ہے کہ قبیلہ بنی المصطلق کے رئیس حارث بن ضرار بن ابی ضرار بن کی صاجرادی حضرت جویریہ بنت حارث امہات المؤمنین میں سے ہیں یہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا، میں نے اسلام کو قبول کیا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اقرار کیا اور عرض کیا کہ اب میں اپنی قوم میں جا کر ان کو بھی اسلام اور ادائے زکوٰۃ کی طرف دعوت دوں گا۔ جو لوگ میری بات مان لیں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے میں ان کی زکوٰۃ جمع کر لوں گا۔ اور آپ فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ تک اپنا کوئی قاصد میرے پاس بھیجیں تاکہ جو رقم زکوٰۃ کی میرے پاس جمع ہو جائے اس کو سپرد کر دوں، پھر جب حارث نے حسب وعدہ ایمان لانے والوں کی زکوٰۃ جمع کر لی اور وہ مہینہ اور تاریخ جو قاصد بھیجنے کے لئے طے ہوئی تھی گزر گئی اور آپ کا کوئی قاصد نہ پہنچا تو حارث کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کے کسی بات پر ناراض ہیں ورنہ یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ وعدے کے مطابق اپنا آدمی نہ بھیجتے۔ حارث نے اس خطرہ کا ذکر اسلام قبول کرنے والوں کے سرداروں سے کیا، اور ارادہ کیا کہ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاویں۔ ادھر واقعہ یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقررہ تاریخ پر ولید بن عقبہؓ کو اپنا قاصد بنا کر زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیج دیا تھا مگر ولید بن عقبہ کو راستہ میں یہ خیال آیا کہ اس قبیلہ کے لوگوں سے میری پرانی دشمنی ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مجھے قتل کر ڈالیں اس خوف کے سبب وہ راستہ ہی سے واپس ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر یہ کہا کہ ان لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور میرے قتل کا ارادہ کیا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آیا اور حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں ایک دستہ مجاہدین کا روانہ کیا، ادھر یہ دستہ مجاہدین کا روانہ ہوا ادھر سے حارث مع اپنے ساتھیوں کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لئے پہنچے، مدینہ کے قریب دونوں کی ملاقات ہوئی۔ حارث نے ان لوگوں سے پوچھا کہ آپ کن لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ حارث نے سبب پوچھا تو ان کو واقعہ ولید بن عقبہ کے بھیجنے کا اور انکی واپسی کا بتلایا گیا اور یہ کہ ولید بن عقبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ بیان دیا ہے کہ بنی المصطلق نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور میرے قتل کا منصوبہ بنایا۔ حارث نے یہ سن کر کہا کہ قسم ہے اُن ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے میں نے ولید بن عقبہ کو دیکھا تک نہیں اور نہ وہ میرے پاس آئے۔ اس کے بعد حارث جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور میرے قاصد کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ حارث نے کہا کہ ہرگز نہیں قسم ہے اُس

ذات کی جسے آپ کو پیغام حق دیکر بھیجا ہے نہ وہ میرے پاس آئے نہ میں نے انکو دیکھا۔ پھر جب مقررہ وقت پر آپ کا قاصد نہ پہنچا تو مجھے خطرہ ہوا کہ شاید مجھ سے کوئی قصور ہوا جس پر حضور ناراض ہوئے اس لئے میں حاضر خدمت ہوا۔ حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر سورۃ حجرات کی آیت نازل ہوئی (ابن کثیر)

اور بعض روایات میں ہے کہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط نے حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچے، اس قبیلہ کے لوگوں کو چونکہ یہ معلوم تھا کہ اس تاریخ پر حضور کا قاصد آویگا یہ تعظیماً بستی سے باہر نکلے کہ ان کا استقبال کریں۔ ولید بن عقبہ کو شبہ ہو گیا کہ یہ شاید پرانی دشمنی کی وجہ سے مجھے قتل کرنے آئے ہیں یہیں سے واپس ہو گئے اور جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گمان کے مطابق یہ عرض کر دیا کہ وہ لوگ زکوٰۃ دینے کے لئے تیار نہیں بلکہ میرے قتل کے درپے ہوئے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا اور یہ ہدایت فرمائی کہ خوب تحقیق کر لیں اسکے بعد کوئی اقدام کریں۔ خالد بن ولید نے بستی سے باہر رات کو پہنچ کر قیام کیا اور تحقیق حال کے لئے چند آدمی بطور جاسوس کے خفیہ بھیج دیئے۔ ان لوگوں نے آکر خبر دی کہ یہ سب لوگ اسلام و ایمان پر قائم، نماز و زکوٰۃ کے پابند ہیں اور کوئی بات خلاف اسلام نہیں پائی گئی، خالد بن ولید نے واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سارا واقعہ بتلایا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (یہ ابن کثیر کی متعدد روایات کا خلاصہ ہے)

اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ کوئی شریر فاسق آدمی اگر کسی شخص یا قوم کی شرکایت کرے ان پر کوئی الزام لگائے تو اسکی خبر یا شہادت پر بغیر مکمل تحقیق کے عمل کرنا جائز نہیں۔

آیت سے متعلق احکام و مسائل | امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ کسی فاسق کی خبر کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا اسوقت تک جائز نہیں جب تک دوسرے ذرائع سے تحقیق کر کے اسکا صدق ثابت نہ ہو جائے، کیونکہ اس آیت میں ایک قرارت تو تشبہتوا کی ہے جس کے معنی ہیں کہ اس پر عمل کرنے اور اقدام میں جلدی نہ کرو بلکہ ثابت قدم رہو جب تک دوسرے ذرائع سے اسکا صدق ثابت نہ ہو جائے۔ اور جب فاسق کی خبر کو قبول کرنا جائز نہ ہوا۔

..... تو شہادت کو قبول کرنا بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا کیونکہ ہر شہادت ایک خبر ہوتی ہے جو حلف و قسم کے ساتھ ہو کہ کجیاتی ہے، اسی لئے جمہور علماء کے نزدیک فاسق کی خبر یا شہادت شرعاً مقبول نہیں۔ البتہ بعض معاملات اور حالات میں فاسق کی خبر اور شہادت کو بھی قبول کر لیا جاتا ہے وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ آیت قرآن میں اس حکم کی ایک خاص علت منصوص ہے یعنی اَنْ تَضَيُّبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ۔ تو جن معاملات میں یہ علت موجود نہیں وہ آیت کے حکم میں داخل نہیں یا مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً یہ کہ کوئی فاسق بلکہ کافر بھی کوئی چیز لائے اور یہ کہے کہ فلاں شخص نے یہ آپ کو دیا یہ بھیجا ہے تو اس کی خبر پر عمل جائز ہے اس کی مزید تفصیل کتب فقہ معین احکام وغیرہ میں ہے

اور احقر نے احکام القرآن عربی حزب دس ہر کی تفصیل لکھ دی ہے اہل علم اس میں دیکھ سکتے ہیں۔

ایک اہم سوال و جواب | اس آیت کا ولید بن عقبہؓ کے متعلق نازل ہونا صحیح روایات سے ثابت ہے متعلقہ عدالت صحابہ اور آیت میں اُن کو فاسق کہا گیا ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ میں کوئی فاسق بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہ اُس مسلمہ اور متفق علیہ ضابطہ کی خلاف ہے کہ الصحابة کلام عدول، یعنی صحابہ کرام سب کے سب ثقہ ہیں ان کی کسی خبر و شہادت پر کوئی گرفت نہیں کیجا سکتی۔ علامہ آلوسی نے رُوح المعانی میں فرمایا کہ اس معاملے میں حق بات وہ ہے جسکی طرف جمہور علماء رگئے ہیں کہ صحابہ کرام معصوم نہیں اُن سے گناہ کبیرہ بھی سرزد ہو سکتا ہے جو ضوق ہے اور اُس گناہ کے وقت اُن کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جس کے وہ مستحق ہیں یعنی شرعی سزا جاری کیجائے گی اور اگر کذب ثابت ہوا تو انکی خبر و شہادت رد کر دی جائے گی لیکن عقیدہ اہل سنت والجماعت کا نصوص قرآن و سنت کی بنا پر یہ ہے کہ صحابی سے گناہ تو ہو سکتا ہے مگر کوئی صحابی ایسا نہیں جو گناہ سے توبہ کر کے پاک ہو۔ قرآن کریم نے علی الاطلاق اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا فیصلہ صادر فرما دیا ہے وَضَى اللّٰهُ مَنَّةً لَّكُمْ وَرَضُوا مَنَّةً الْاٰیۃ، اور رضائے الہی گناہوں کی معافی کے بغیر نہیں ہوتی، جیسا کہ قاضی ابویعلیٰ نے فرمایا کہ رضا اللہ تعالیٰ کی ایک صفت قدیمہ ہے وہ اپنی رضا کا اعلان صرف انہی کے لئے فرماتے ہیں جن کے متعلق وہ جانتے ہیں کہ انکی وفات موجباتِ رضا پر ہوگی (کذا فی الصدام المسلول لابن تیمیہ)

خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کی عظیم الشان جماعت میں سے گئے چھٹے چند آدمیوں کے کبھی کوئی گناہ سرزد بھی ہوا ہے تو اُن کو فوراً توبہ نصیب ہوئی ہے۔ حق تعالیٰ نے اُن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے ایسا بنا دیا تھا کہ شریعت اُن کی طبیعت بن گئی تھی۔ خلافت شرع کوئی کام یا گناہ سرزد ہونا انتہائی شاذ و نادر تھا اُن کے اعمال صالحہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام پر اپنی جانیں قربان کرنا اور ہر کام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو وظیفہ زندگی بنانا اور اسکے لئے ایسے مجاہدات کرنا جن کی نظیر پچھلی اُمّتوں میں نہیں ملتی۔ ان بے شمار اعمالِ صالحہ اور فضائل و کمالات کے مقابلے میں عمر بھر کسی گناہ کا سرزد ہو جانا اس کو خود ہی کالعدم کر دیتا ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت اور ادنیٰ سے گناہ کے وقت اُن کا خوف خشیت اور فوراً توبہ کرنا بلکہ اپنے آپ کو سزا کے لئے خود پیش کر دینا، کہیں اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ دینا وغیرہ روایات حدیث میں معروف و مشہور ہیں اور حکم حدیث گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے کہ جیسے گناہ کیا ہی نہیں۔ تیسرے حسب ارشاد قرآن اعمالِ صالحہ اور حسنات خود بھی گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ خُصُوصاً

جبکہ اُن کے حسنات عام لوگوں کی طرح نہیں بلکہ ان کا حال وہ ہے جو ابو داؤد و ترمذی نے حضرت سعید بن زید سے نقل کیا ہے کہ واللہ لعمشہل رجل متھم مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یغیر فیہ وجہ خیر من عمل احدکم ولو عمر عمر بنو حجاج، یعنی خدا کی قسم ان میں سے کسی شخص کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جہاد میں شریک ہونا جیسے اُن کے چہرہ پر غبار پڑ گیا ہو تمھاری عمر بھر کی طاعت عبادت سے افضل ہے اگرچہ اس کو عمر بنو حجاج علیہ السلام دیدی گئی ہو۔ اسلئے ان سے صدر درگناہ کے وقت اگرچہ سزا وغیرہ میں معاملہ وہی کیا گیا جو اس جرم کے لئے مقرر تھا مگر اسکے باوجود بعد میں کسی کے لئے جائز نہیں کہ ان میں سے کسی کو فاسق قرار دے، اسلئے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کسی صحابی سے کوئی گناہ موجب فسق سرزد بھی ہو اور اس وقت ان کو فاسق کہا بھی گیا تو اس سے یہ جائز نہیں ہو جانا کہ اس فسق کو ان کے لئے مستمر سمجھ کر معاذ اللہ فاسق کہا جائے (کذا فی الروح)

ادرایت مذکورہ میں تو قطعاً یہ ضروری نہیں کہ ولید بن عقبہ کو فاسق کہا گیا ہو سبب نزول خواہ اُن کا معاملہ ہی ہی مگر لفظ فاسق اُن کے لئے استعمال کیا گیا یہ ضرور نہیں، وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ سے پہلے تو ولید بن عقبہ سے کوئی ایسا کام ہوا نہ تھا جس کے سبب ان کو فاسق کہا جائے اور اس واقعہ میں بھی جو انھوں نے نبی مصطفیٰ کے لوگوں کی طرف ایک بات غلط منسوب کی وہ بھی اپنے خیال کے مطابق صحیح سمجھ کر کی اگرچہ واقع میں غلط تھی اس لئے آیت مذکورہ کا مطلب بے تکلف وہ بن سکتا ہے جو خلاصہ تفسیر میں اوپر گزرا ہے کہ اس آیت نے قاعدہ کلیہ فاسق کی خبر کے نامقبول ہونے کے متعلق بیان کیا ہے اور واقعہ مذکورہ پر اس آیت کے نزول سے اسکی مزید تاکید اس طرح ہو گئی کہ ولید بن عقبہ اگرچہ فاسق نہ تھے مگر ان کی خبر قرآنِ ثبوتیہ کے اعتبار سے ناقابل قبول نظر آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض انکی خبر پر کسی اقدام سے گریز کر کے خالد بن ولید کو تحقیقات پر مامور فرما دیا تو جب ایک ثقہ اور صالح آدمی کی خبر میں قرآن کی بنیاد پر شبہ ہو جائیکا معاملہ یہ ہے کہ اس پر قبل از تحقیق عمل نہیں کیا گیا تو فاسق کی خبر کو قبول نہ کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا اور زیادہ واضح ہے۔ عدالت صحابہ کی مکمل بحث احقر نے اپنی کتاب مقام صحابہ میں بیان کر دی جو شائع ہو چکی ہے اور اسکا کچھ حصہ اگلی آیت فی ان طائفتین من المؤمنین الآتین کے تحت میں بھی آجائے گا۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ

اور جان لو کہ تم میں رسول ہے اللہ کا اگر وہ تمھاری بات مان لیا کرے بہت کاموں میں

لَعَنَتْكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَ

تو تم پر شکر پڑے پر اللہ نے محبت ڈال دی تمھارے دل میں ایمان کی اور کھپا دیا اسکو تمھارے دلوں میں اور

كَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّشِدُونَ ۝

نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر

فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

اللہ کے فضل سے اور احسان سے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے حکمتوں والا

خلاصہ تفسیر

اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما) ہیں (جو خدا کی بڑی نعمت ہیں) کما قال اللہ تعالیٰ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ فَكَرِهُوا ۚ وَقَدْ يُنَادُّوا نَذِيرًا ۚ فَأُولَٰئِكَ كَانُوا فِي سَعْيٍ مَّكِينٍ ۚ (مائدہ ۸۴)۔

ہی کیوں نہ ہو اور اس فکر میں مت پڑو کہ امور دنیویہ میں خود حضورؐ ہماری رائے کی موافقت فرمایا کریں کیونکہ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر وہ اُس میں تمہارا کہنا مانا کرتی تمکو بڑی مضرت پہنچے (کیونکہ وہ مصلحت کے خلاف ہو تو ضرور اس کے موافق عمل کرنے میں مضرت ہو بخلاف اسکے کہ آپ کی رائے پر عمل کیا جائے کیونکہ امر دنیوی ہونے کے باوجود اس میں خلاف مصلحت ہونیکا احتمال کوئی نقص مستبعد اور خلاف شان نبوت نہیں لیکن اول تو ایسے امور جن میں ایسا احتمال ہو شاذ و نادر ہوں گے پھر اگر ہوں بھی اور ان میں مصلحت خوت ہو بھی جاوے تو کیتنی بڑی بات ہے کہ اس مصلحت کا نعم البدل یعنی اجر و ثواب اطاعت رسول کا ضرور ہی میسر ہوگا بخلاف اسکے تمہاری رائے پر عمل ہو کہ گواہ و شاذ و نادر ایسے امور بھی نکلیں گے جن میں مصلحت تمہاری رائے کے موافق ہو لیکن متعین تو ہیں نہیں اور پھر بہت ہی کم ہونگے زیادہ احتمال مضرت ہی کا ہے پھر اس مضرت کا کوئی تدارک نہیں اور اس تقریر سے فائدہ کثیر کی قید کا بھی معلوم ہو گیا، بہر حال اگر آپ تم لوگوں کی موافقت کرتے تو تم بڑی مصیبت میں پڑتے (لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو مصیبت سے بچا لیا اس طرح سے کہ) تم کو ایمان (کامل) کی محبت دی اور اس (کی تحصیل) کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر و فسق (یعنی گناہ کبیرہ) اور (مطلق) عصیان (یعنی گناہ صغیرہ) سے تم کو نفرت دیدی (جس سے تم کو ہر وقت رضائے رسول کی جستجو رہتی ہے اور جس سے تم ان احکام کو مان لیتے ہو جو رضائے رسول کے موجبات ہیں چنانچہ جب تم کو یہ معلوم ہو گیا کہ امور دنیویہ میں بھی اطاعت رسول کی واجب ہے اور بدون اطاعت مطلقہ کے ایمان کامل نہیں ہوتا اور ایمان کامل کی تحصیل کی رغبت پہلے سے موجود ہے پس تم نے فوراً اس حکم کو بھی قبول کر لیا اور قبول کر کے ایمان کی اد تکمیل کر لی) ایسے لوگ (جو کہ تکمیل ایمان کے محب ہیں) خدا تعالیٰ کے فضل اور انعام سے راہِ راست پر ہیں اور اللہ تعالیٰ (نے جو یہ احکام فرمائے ہیں تو وہ انکی مصلحتوں کو) جاننے والا (ہے اور چونکہ) حکمت والا ہے (اس لئے ان احکام کو واجب کر دیا ہے)

معارف و مسائل

اس سے پہلی آیت میں واقعہ حضرت ولید بن عقبہ اور قبیلہ بنی المصطلق کا مذکور تھا جس میں ولید بن عقبہ نے بنی المصطلق کے متعلق یہ خبر دی تھی کہ وہ مرتد ہو گئے اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اس پر صحابہ کرام میں بھی اشتعال پیدا ہوا، انکی رائے یہ تھی کہ ان لوگوں پر جہاد کے لئے مجاہدین کو بھیج دیا جائے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کی خبر کو قرآن تو یہ کیخلاف سمجھ کر قبول نہ کیا اور تحقیقات کے لئے حضرت خالد بن ولید کو مامور فرما دیا۔ پچھلی آیت میں قرآن کریم نے اسکو قانون بنا دیا کہ جس شخص کی خبر میں قرآن تو یہ سے کوئی شبہ ہو جاوے تو قبل از تحقیق اس پر عمل جائز نہیں۔ اس آیت میں صحابہ کرام کو ایک اور ہدایت کی گئی ہے کہ اگرچہ بنی المصطلق کے متعلق خبر ارتداد سن کر تمہارا جوش غیرت دینی کے سبب تمہاں گھڑا رہے مگر تمہاری رائے صحیح نہ تھی۔ اللہ کے رسول نے جو صورت اختیار کی وہی بہتر تھی (منظری) مقصد یہ ہے کہ مشورہ طلب امور میں کوئی رائے دیدنیا تو درست ہے لیکن یہ کوشش کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری رائے کی مطابقت ہی عمل کریں یہ درست نہیں کیونکہ امور دنیویہ میں اگرچہ شاذ و نادر رسول کی رائے خلاف مصلحت ہو نیکام مکان ضرور ہے جو شان نبوت کیخلاف نہیں لیکن حق تعالیٰ نے جو فراست اور دانش اپنے رسول کو عنایت فرمائی ہے وہ تمہیں حاصل نہیں ہے اسلئے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری رائے پر چلا کریں تو بہت سے معاملات میں نقصان بمصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ اور کہیں شاذ و نادر تمہاری رائے ہی میں مصلحت ہو اور تم اطاعت رسول کیلئے اپنی رائے کو چھوڑ دو جس سے تمہیں کچھ دنیوی نقصان بھی پہنچ جاوے تو اس میں اتنی مضرت نہیں جتنی تمہاری رائے کے تابع ہو کر چلنے میں ہے کیونکہ اس صورت میں اگر کچھ دنیوی نقصان ہو بھی گیا تو اطاعت رسول کا اجر و ثواب اسکا بہتر بدل موجود ہے اور لفظ **عَنْتُمْ** عنک سے مشتق ہے جس کے معنی گناہ کے بھی آتے ہیں اور کسی مصیبت میں مبتلا ہونیکے بھی یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں (قرطبی)

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ

اور اگر دو فریق مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں ملاپ کرادو پھر اگر چڑھا چلا جائے

أَحَدُهُمَا عَلَى الْآخَرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ

ایک ان میں سے دوسرے پر تو تم سب لڑو اس چڑھائی والے سے یہاں تک کہ پھر آئے اللہ کے حکم

اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ

پر پھر اگر پھر آیا تو ملاپ کرادو ان میں برابر اور انصاف کرو بیشک

اللَّهُ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ④ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا

اللہ کو خوش آتے ہیں انصاف والے مسلمان جو ہیں سو بھائی ہیں سو ملاپ کرادو

يَذِينَ أَخَوِيكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ⑤

اپنے دو بھائیوں میں اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم پر رحم ہو

خلاصہ تفسیر

اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کر دو (یعنی جھگڑے کی بنیاد کو رفع کر کے لڑائی موقوف کرادو) پھر اگر (اصلاح کی کوشش کے بعد بھی) ان میں کایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے (اور لڑائی بند نہ کرے) تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جاوے (حکم خدا سے مراد لڑائی بند کرنا ہے) پھر اگر وہ (زیادتی کرنے والا فرقہ حکم خدا کی طرف) رجوع ہو جاوے (یعنی لڑائی بند کر دے) تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کر دو (یعنی حدود شرعیہ کے موافق اس معاملہ کو طے کر دو و محض لڑائی بند کرنے پر اکتفا نہ کرو اگر صلح مصالحت نہ ہوئی تو پھر بھی لڑائی کا احتمال رہے گا) اور انصاف کا خیال رکھو (یعنی کسی نفسانی غرض کو غالب نہ ہونے دو) بیشک اللہ تعالیٰ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے (اور باہمی اصلاح کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ) مسلمان تو سب (دینی اشتراک جو روحانی اور معنوی رشتہ ہے اس رشتہ سے ایک دوسرے کے) بھائی ہیں اس لئے اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا کرو (تاکہ یہ اسلامی برادری قائم رہے) اور (اصلاح کے وقت) اللہ سے ڈرتے رہا کرو (یعنی حدود شرعیہ کی رعایت رکھا کرو) تاکہ تم پر رحمت کیجاوے۔

معارف و مسائل

ربط | سابقہ آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق اور آداب اور ایسے اعمال سے پرہیز کا بیان تھا جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچے، آگے عام معاشرت کے آداب احکام ہیں جن میں اجتماعی اور انفرادی دونوں طرح کے آداب اور باہمی حقوق کا بیان ہے اور سب میں قدر مشترک ایذا رسانی سے اجتناب ہے۔

سبب نزول | ان آیات کے سبب نزول میں مفسرین نے متعدد واقعات بیان فرمائے ہیں جن میں خود مسلمانوں کے دو گروہوں میں باہم تصادم ہوا اور کوئی بعید نہیں کہ یہ بھی واقعات کا مجموعہ سبب نزول ہوا ہو یا نزول کسی ایک واقعہ میں ہوا، دوسرے واقعات کو اس کے مطابق پا کر انکو بھی سبب

نزول میں شریک کر دیا گیا۔ اس آیت کے اصل مخاطب وہ اولوالامر اور ملوک ہیں جن کو قتال و جہاد کے وسائل حاصل ہیں (کذا قال ابو حیان فی البحر و اختارہ فی روح المعانی) اور بالواسطہ تمام مسلمان اسکے مخاطب ہیں کہ وہ اس معاملے میں اولوالامر کی اعانت کریں۔ اور جہاں کوئی امام دامیر یا بادشاہ و رئیس نہیں وہاں حکم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دونوں کو فہمائش کر کے ترک قتال پر آمادہ کیا جائے، اور دونوں نہ مانیں تو دونوں لڑنے والے فرقوں سے الگ رہے نہ کسی کی مخالفت کرے نہ موافقت، کذا فی بیان القرآن۔

مسائل متعلقہ | مسلمانوں کے دو گروہوں کی باہمی لڑائی کی چند صورتیں ہوتی ہیں، ایک کہ دونوں جماعتیں امام المسلمین کے تحت ولایت ہیں یا دونوں نہیں، یا ایک ہے ایک نہیں۔ پہلی صورت میں عام مسلمانوں پر لازم ہے کہ فہمائش کر کے ان کو باہمی جنگ سے روکیں۔ اگر فہمائش سے باز نہ آئیں تو امام المسلمین پر اصلاح کرنا واجب ہے اگر حکومت اسلامیہ کی مداخلت سے دونوں فریق جنگ سے باز آگئے تو قصاص و دیت کے احکام جاری ہونگے۔ اور باز نہ آئیں تو دونوں فریق کے ساتھ باغیوں کا سامنا کیا جائے اور ایک باز آگیا دوسرا ظلم و تعدی پر جہار ہا تو دوسرا فریق باغی ہے اسکے ساتھ باغیوں کا معاملہ کیا جائے اور جس نے اطاعت قبول کر لی وہ فریق عادل کہلائے گا۔ اور باغیوں کے احکام کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جاسکتی ہے اور مختصر جامع حکم یہ ہے کہ قبل قتال انکے ہتھیار چھین لئے جاویں گے اور ان کو گرفتار کر کے توبہ کرنے کے وقت تک قید رکھیں گے اور عین قتال کی حالت میں اور قتال کے بعد ان کی ذریت کو غلام یا نوٹڈی نہ بناؤ گے اور ان کا مال مال غنیمت نہیں ہوگا البتہ توبہ کرنے تک اموال کو مجبوس رکھا جائیگا توبہ کے بعد واپس دیدیا جائے گا۔ آیات مذکورہ میں جو یہ ارشاد ہوا ہے **فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِتَّيَمُّ بِمَا لَكَ** یعنی اگر بغاوت کرنے والا فرقہ بغاوت اور قتال سے باز آجائے تو صرف جنگ بند کر دینے پر اکتفا نہ کرو بلکہ اسباب جنگ اور باہمی شکایات کے ازالہ کی فکر کرو تاکہ دلوں سے بغض و عداوت نکل جاوے اور ہمیشہ کے لئے بھائی چارے کی فضا قائم ہو جائے۔ اور چونکہ یہ لوگ امام المسلمین کے خلاف بھی جنگ کر چکے ہیں اس لئے ہو سکتا تھا کہ ان کے بارے میں پورا انصاف نہ ہوا سوائے قرآن نے تاکید فرمائی کہ دونوں فریق کے حقوق میں عدل و انصاف کی پابندی کی جائے (یہ سب تفصیل بیان القرآن سے لی گئی ہے اور اس میں ہدایہ کے حوالہ سے ہے)

مسئلہ۔ اگر مسلمانوں کی کوئی بڑی طاقتور جماعت امام المسلمین کی اطاعت سے نکل جائے تو امام المسلمین پر لازم ہے کہ اول ان کی شکایات سُننے ان کو کوئی شبہ یا غلط فہمی پیش آئی ہو تو اسکو دور کرے اور اگر وہ اپنی مخالفت کی ایسی وجوہ پیش کریں جن کی بنا پر کسی امام دامیر کی مخالفت

شرعاً جائز ہے یعنی جن سے خود امام المسلمین کا ظلم و جور ثابت ہو تو عام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس جماعت کی مدد کریں تاکہ امام اپنے ظلم سے باز آجائے بشرطیکہ اس کے ظلم کا ثبوت یقینی بلا کسی اشتباہ ثابت ہو جائے (کتہ اقال ابن الہمام - مظہری) اور اگر کوئی ایسی واضح وجوہ اپنی بغاوت اور عدم اطاعت کی بیان نہ کر سکیں اور امام المسلمین کی خلاف جنگ کے لئے تیار ہو جائیں تو مسلمانوں کو ان سے قتال کرنا حلال ہے اور امام شافعی نے فرمایا کہ جب تک وہ خود قتال شروع نہ کر دیں اس وقت تک مسلمانوں کو ان سے قتال کی ابتدا کرنا جائز نہیں (مظہری) یہ حکم اس وقت ہے جبکہ اس جماعت کا باغی اور ظالم ہونا یا مکمل یقینی اور واضح ہو، اور اگر صورت ایسی ہے کہ دونوں فریق کوئی شرعی حجت رکھتے ہیں اور یہ متعین کرنا مشکل ہے کہ ان میں کون باغی ہے کون عادل وہاں جس شخص کو کسی ایک کے عادل ہونے کا ظن غالب ہو وہ اسکی مدد کر سکتا ہے اور جس کو کسی جانب رجحان نہ ہو وہ دونوں سے الگ رہے جیسا کہ مشابہات صحابہ کرام کے وقت جنگ جمل اور صفین میں پیش آیا۔

مشابہات صحابہ کرام | امام ابو بکر بن العربی نے فرمایا کہ یہ آیت قتال بین المسلمین کی تمام صورتوں رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حاوی اور شامل ہے اس میں وہ صورت بھی داخل ہے جس میں دونوں فریق کسی حجت شرعی کے تحت جنگ کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں صحابہ کرام کے مشابہات اسی قسم میں داخل ہیں۔ قرطبی نے ابن عربی کا یہ قول نقل کر کے اس جگہ مشابہات صحابہ جنگ جمل اور صفین وغیرہ کی اصل حقیقت بیان کی ہے اور مشابہات صحابہ کے بارے میں بعد کے آئینوں کے عمل کے متعلق ہدایات دی ہیں۔ احقر نے یہ سب مضامین احکام القرآن میں زبان عربی اور زبان اردو اپنے رسالہ مقام صحابہ میں تفصیل کیساتھ لکھ دیے ہیں یہاں اسکا خلاصہ جو تفسیر قرطبی ص ۳۲۲ ج ۱۷ کے حوالہ سے اس رسالہ میں دیا گیا ہے نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

”یہ جائز نہیں ہے کہ کسی بھی صحابی کی طرف قطعی اور یقینی طور پر غلطی منسوب کی جائے اس لئے کہ ان سب حضرات نے اپنے اپنے طرز عمل میں اجتہاد سے کام لیا تھا، اور سب کا مقصد اللہ کی خوشنودی تھی، یہ سب حضرات ہمارے پیشوا ہیں اور ہمیں حکم ہے کہ ان کے باہمی اختلافات سے کف لسان کریں اور ہمیشہ ان کا ذکر بہترین طریقے پر کریں کیونکہ صحابہ بڑی حرمت کی چیز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے، اور یہ خبر دی کہ اللہ نے انہیں معاف کر رکھا ہے اور ان سے راضی ہے“ اس کے علاوہ متعدد سندوں سے یہ حدیث ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہؓ کے بارے میں فرمایا،

ان طلحة شہید ہمیشی علی وجه الارض، یعنی طلحہ روئے زمین پر چلنے والے شہید ہیں،

اب اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا جنگ کے لئے نکلنا کھلا گناہ اور عصیان تھا تو اس جنگ میں مقتول ہو کر وہ ہرگز شہادت کا رتبہ حاصل نہ کرتے، اسی طرح حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل تاویل کی غلطی اور ادائے واجب میں کوتاہی قرار دیا جاسکتا تو بھی آپ کو شہادت کا مقام حاصل نہ ہوتا، کیونکہ شہادت تو صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کوئی شخص اطاعت ربانی میں قتل ہوا ہو۔ لہذا ان حضرات کے معاملہ کو اسی عقیدہ پر محمول کرنا ضروری ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا اس بات کی دوسری دلیل وہ صحیح اور معروف و مشہور احادیث ہیں جو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں اور جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”زبیر کا قاتل جہنم میں ہے۔“

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”صفیہ کے بیٹے کے قاتل کو جہنم کی خبر دیدو“ جب یہ بات ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس لڑائی کی وجہ سے عاصی اور گنہگار نہیں ہوئے، اگر ایسا نہ ہوتا تو حضور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو شہید نہ فرماتے اور حضرت زبیر کے قاتل کے بارے میں جہنم کی پیشین گوئی نہ کرتے۔ نیز ان کا شمار عشرۃ مبشرہ میں ہے جن کے جنتی ہونے کی شہادت تقریباً متواتر ہے۔

اسی طرح جو حضرات صحابہؓ ان جنگوں میں کنارہ کش رہے، انھیں بھی تاویل میں خطا کار نہیں کہا جاسکتا، بلکہ ان کا طرز عمل بھی اس لحاظ سے درست تھا کہ اللہ نے ان کو اجتہاد میں اسی رائے پر قائم رکھا جب یہ بات ہے تو اس وجہ سے ان حضرات پر لعن طعن کرنا ان سے برات کا اظہار کرنا اور انھیں فاسق قرار دینا، ان کے فضائل و مجاہدات اور ان عظیم دینی مقامات کو کالعدم کر دینا کسی طرح درست نہیں۔ بعض علماء سے پوچھا گیا کہ اس خون کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی مشاجرات میں بہایا گیا تو انھوں نے جواب میں یہ آیت پڑھ دی کہ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مِمَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ، یہ ایک اُمت تھی جو گزر گئی، اسکے اعمال اسکے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں، اور تم سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔

کسی اور بزرگ سے یہی سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا، ”ایسے خون ہیں کہ اللہ نے میرے ہاتھوں کو ان میں (رنگنے سے) بچایا، اب میں اپنی زبان کو ان سے آلودہ نہیں کروں گا“ مطلب یہی تھا کہ میں کسی ایک فریق کو کسی ایک معاملے میں یقینی طور پر خطا کار ٹھہرانے کی غلطی میں مبتلا نہیں ہونا چاہتا۔

علامہ ابن فورکؒ فرماتے ہیں :-

”ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو مشاجرات ہوئے انکی مثال

ایسی ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے درمیان پیش آنیوالے واقعات کی وہ حضرات آپس کے ان اختلافات کے باوجود ولایت اور نبوت کی حدود سے خارج نہیں ہوئے۔ بالکل یہی معاملہ صحابہؓ کے درمیان پیش آنیوالے واقعات کا بھی ہے۔ اور حضرت محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ،

”جہاں تک اس خوزری کا معاملہ ہے تو اسکے بارے میں ہمارا کچھ کہنا مشکل ہے، کیونکہ اس میں خود صحابہؓ کے درمیان اختلاف تھا۔ اور حضرت حسن بصریؒ سے صحابہؓ کے باہمی قتال کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ،

”ایسی لڑائی تھی جس میں صحابہؓ موجود تھے اور ہم غائب، وہ پورے حالات کو جانتے تھے اور ہم نہیں جانتے، جس معاملہ پر تمام صحابہؓ کا اتفاق ہے ہم اس میں ان کی پیروی کرتے ہیں، اور جس معاملہ میں ان کے درمیان اختلاف ہے اس میں سکوت اختیار کرتے ہیں۔“

حضرت محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ ہم بھی وہی بات کہتے ہیں جو حسن بصریؒ نے فرمائی، ہم جانتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے جن چیزوں میں دخل دیا ان سے وہ ہم سے کہیں بہتر طریقے پر واقف تھے۔ لہذا ہمارا کام یہی ہے کہ جس پر وہ سب حضرات متفق ہوں اس کی پیروی کریں، اور ہمیں ان کا اختلاف ہو اس میں خاموشی اختیار کریں اور اپنی طرف سے کوئی نئی رائے پیدا نہ کریں، ہمیں یقین ہے کہ ان سب نے اجتہاد سے کام لیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہی تھی اس لئے کہ دین کے معاملہ میں وہ سب حضرات شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُوا مِن قَوْمٍ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا

اے ایمان والو! ٹھٹھا نہ کریں ایک لوگ دوسرے سے شاید وہ بہتر ہوں

مِّنْهُمْ وَلَا يَسَاءُ لِمَن يَسَاءُ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا تَلْعَبُوا

اُن سے اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے شاید وہ بہتر ہوں ان سے اور عیب نہ لگاؤ

أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الْإِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ

ایک دوسرے کو اور نام نہ ڈالو جو اپنے کو ایک دوسرے کے بُرا نام ہے گنہگاری

الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝۱۱

ایمان کے اور جو کوئی توبہ نہ کرے تو وہی ہیں بے انصاف

خلاصہ تفسیر

اے ایمان والو! تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیئے کیا عجیب ہے کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ

ان (ہنسنے والوں) سے (خدا کے نزدیک) بہتر ہوں (پھر وہ تحقیر کیسے کرتے ہیں) اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے کیا عجب ہے کہ (جن پر ہنستی ہیں) وہ اُن (ہنسنے والیوں) سے (خدا کے نزدیک) بہتر ہوں (پھر وہ تحقیر کیسے کرتی ہیں) اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے لفظ پکارو (کیونکہ یہ سب باتیں گناہ کی ہیں اور) ایمان لانے کے بعد (مسلمان پر) گناہ کا نام لگنا (ہی) بُرا ہے (یعنی یہ گناہ کر کے تمہاری شان میں یہ کہا جاسکنا کہ فلاں مسلمان جس سے تم مراد ہو گناہ یعنی خدا کی نافرمانی کرتا ہے نفرت کی بات ہے تو اس سے بچو) اور جو (ان حرکتوں سے) باز نہ آویں گے تو وہ ظلم کرنے والے (اور حقوق العباد کو تلف کرنے والے) ہیں (جو سزا ظالموں کو ملے گی وہی اُن کو ملے گی)

معارف و مسائل

سورہ حجرات کے شروع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق اور آداب کا بیان کیا پھر عام مسلمانوں کے باہمی حقوق و آداب معاشرت کا بیان شروع ہوا، سابقہ دو آیتوں میں انکی اجتماعی جماعتی اصلاح کے احکام بیان ہوئے، مذکورہ آیتوں میں اشخاص و افراد کے باہمی حقوق و آداب معاشرت کا ذکر ہے۔ ان میں تین چیزوں کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ اول کسی مسلمان کے ساتھ تمسخر و استہزار کرنا، دوسرے کسی پر طعنہ زنی کرنا، تیسرے کسی کو ایسے لقب سے ذکر کرنا جس سے اسکی توہین ہوتی ہو یا وہ اُس سے بُرا مانتا ہو۔

پہلی چیز سخریہ یا تمسخر ہے۔ قرطبی نے فرمایا کہ کسی شخص کی تحقیر و توہین کے لئے اُس کے کسی عیب کو اس طرح ذکر کرنا جس سے لوگ ہنسنے لگیں اس کو سخریہ یا تمسخر۔ استہزار کہا جاتا ہے اور یہ جیسے زبان سے ہوتا ہے ایسے ہی ہاتھ پاؤں وغیرہ سے اسکی نقل اتارنے یا اشارہ کرنے سے بھی ہوتا ہے اور اس طرح بھی کہ اسکا کلام سُنکر بطور تحقیر کے ہنسی اڑائی جائے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ سخریہ تمسخر کسی شخص کے سامنے اسکا ایسی طرح ذکر کرنا ہے کہ اُس سے لوگ ہنس پڑیں اور یہ سب چیزیں نبضِ قرآنِ حرام ہیں۔

سخریہ کی ممانعت کا قرآنِ کریم نے اتنا اہتمام فرمایا کہ اس میں مردوں کو الگ مخاطب فرمایا عورتوں کو الگ، مردوں کو لفظ قوم سے تعبیر فرمایا، کیونکہ اصل میں یہ لفظ مردوں ہی کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اگرچہ مجازاً و توسعاً عورتوں کو اکثر شامل ہو جاتا ہے اور قرآنِ کریم نے عموماً لفظ قوم مردوں عورتوں دونوں ہی کے لئے استعمال کیا ہے مگر یہاں لفظ قوم خاص مردوں کیلئے استعمال

فرمایا اسکے بالمقابل عورتوں کا ذکر لفظ نساء سے فرمایا اور دونوں میں یہ ہدایت فرمائی کہ جو مرد کسی دوسرے مرد کیساتھ استہزار و تمسخر کرتا ہے اسکو کیا خبر ہے کہ شاید وہ اللہ کے نزدیک استہزار کرنے والے سے بہتر ہو اسی طرح جو عورت کسی دوسری عورت کیساتھ استہزار و تمسخر کا معاملہ کرتی ہے اسکو کیا خبر ہے شاید وہی اللہ کے نزدیک اس سے بہتر ہو۔ قرآن میں مردوں کا مردوں کیساتھ اور عورتوں کا عورتوں کیساتھ استہزار کرنے اور اسکی حرمت کا ذکر فرمایا حالانکہ کوئی مرد کسی عورت کیساتھ یا کوئی عورت کسی مرد کیساتھ استہزار کرے تو وہ بھی اس حرمت میں داخل ہے مگر اسکا ذکر نہ کرنے سے اشارہ اسطرح ہے کہ عورتوں اور مردوں کا اختلاط ہی شرعاً ممنوع اور مذموم ہے جب اختلاط نہیں تو تمسخر کا تحقق ہی نہیں ہوگا۔ حاصل آیت کا یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے بدن یا صورت یا قد و قامت وغیرہ میں کوئی عیب نظر آوے تو کسی کو اسپر ہنسے یا استہزار کرنے کی جرأت نہ کرنا چاہیے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ شاید وہ اپنے صدق و اخلاص وغیرہ کے سبب اللہ کے نزدیک اس سے بہتر اور افضل ہو۔ اس آیت کو سن کر سلف صالحین کا حال یہ ہو گیا تھا کہ عمرو بن شریبیل نے فرمایا کہ میں اگر کسی شخص کو بکری کے تھنوں سے منہ لگا کر دودھ پیتے دیکھوں اور اسپر مجھے ہنسی آجائے تو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میں بھی ایسا ہی نہ ہو جاؤں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں اگر کسی کتے کے ساتھ بھی استہزار کروں تو مجھے ڈر ہوتا ہے کہ میں خود کتا نہ بنا دیا جاؤں (قرطبی) صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی صورتوں اور انکے مال و دولت پر نظر نہیں فرماتا بلکہ ان کے قلوب اور اعمال کو دیکھتا ہے قرطبی نے فرمایا کہ اس حدیث سے ایک ضابطہ اور اصل یہ معلوم ہوئی کہ کسی شخص کے معاملہ میں اسکے ظاہری حال کو دیکھ کر کوئی قطعی حکم لگا دینا درست نہیں، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جس شخص کے ظاہری اعمال و افعال کو ہم بہت اچھا سمجھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ جو اسکے باطنی حالات اور قلبی کیفیات کو جانتا ہے وہ اسکے نزدیک مذموم ہو اور جس شخص کے ظاہری حال اور اعمال بُرے ہیں ہو سکتا ہے کہ اسکے باطنی حالات اور قلبی کیفیات اسکے اعمال بد کا کفارہ بن جائیں اسلئے جس شخص کو بُری حالت یا بُرے اعمال میں مبتلا دیکھو تو اس کی اس حالت کو تو برا سمجھو مگر اس شخص کو حقیر و ذلیل سمجھنے کی اجازت نہیں۔ دوسری چیز جس کی ممانعت اس آیت میں کی گئی ہے وہ کمز ہے۔ مگر کے معنی کسی میں عیب نکالنے اور عیب ظاہر کرنے یا عیب پر طعنہ زنی کرنے کے ہیں آیت میں ارشاد فرمایا لَا تَكْلِمُنَّ وَلَا أَنْفُسَكُمْ، یعنی تم اپنے عیب نہ نکالو۔ یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسے قرآن کریم میں لَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ، جس کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو، دونوں جگہ اپنے آپ کو قتل کرنے یا اپنے عیب نکالنے سے مراد یہ ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرو، ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو۔ اور اس عنوان سے تعبیر کرنے میں حکمت یہ بتلانا ہے کہ کسی دوسرے کو قتل کرنا

ایک حیثیت سے اپنے آپ ہی کو قتل کرنا ہے کیونکہ اکثر تو ایسا واقع ہو ہی جاتا ہے کہ ایک نے دوسرے کو قتل کیا دوسرے کے حمایتی لوگوں نے اس کو قتل کر دیا، اور اگر یہ بھی نہ ہو تو اصل بات یہ ہے کہ مسلمان سب بھائی بھائی ہیں اپنے بھائی کو قتل کرنا گویا خود اپنے آپ کو قتل کرنا اور بے دست و پا بنانا ہی یہی معنی یہاں لَا تَكْفُرُوا أَنْفُسَكُمْ میں ہیں کہ تم جو دوسروں کے عیب نکالو اور طعنہ دو تو یاد رکھو کہ عیب سے تو کوئی انسان عادتہً خالی نہیں ہوتا، تم اس کے عیب نکالو گے تو وہ تمہارے عیب نکالے گا جیسا کہ بعض علماء نے فرمایا کہ وَفِيكَ عِيُوبٌ لِلنَّاسِ عَيْنٍ، یعنی تم میں بھی کچھ عیوب ہیں اور لوگوں کی آنکھیں ہیں جو ان کو دیکھتی ہیں تم کسی کے عیب نکالو گے اور طعنہ زنی کر دگے تو وہ تم پر یہی عمل کریگے اور بالفرض اگر اس نے صبر بھی کیا تو بات وہی ہے کہ اپنے ایک بھائی کی بدنامی اور تذلیل پر غور کریں تو اپنی ہی تذلیل و تحقیر ہے۔

علماء نے فرمایا ہے کہ انسان کی سعادت اور خوش نصیبی اس میں ہے کہ اپنے عیوب پر نظر رکھے اُن کی اصلاح کی فکر میں لگا رہے اور جو ایسا کر گیا اس کو دوسروں کے عیب نکالنے اور بیان کرنے کی فرصت ہی نہ ملے گی۔ ہندوستان کے آخری مسلمان بادشاہ ظفر نے خوب فرمایا ہے ۵

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر رہنے بچھے لوگوں کے عیب نہ رہے پڑی اپنی بُرائیوں پر جو نظر، تو جہان میں کئی بُرائیاں تیسری چیز جس سے آیت میں ممانعت کی گئی ہے وہ کسی دوسرے کو بُرے لقب سے پکارنا ہے، جس سے وہ ناراض ہوتا ہو۔ جیسے کسی کو لنگڑا ٹولا یا اندھا کا نا کہہ کر پکارنا یا اس لفظ سے اس کا ذکر کرنا اسی طرح جو نام کسی شخص کی تحقیر کے لئے استعمال کیا جاتا ہو اُس نام سے اُس کو پکارنا۔ حضرت ابو جہیرہ انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو ہم میں اکثر آدمی ایسے تھے جن کے دو یا تین نام مشہور تھے اور ان میں سے بعض نام ایسے تھے جو لوگوں نے اس کو عار دلانے اور تحقیر و توہین کے لئے مشہور کر دیے تھے۔ آپ کو یہ معلوم نہ تھا بعض اوقات وہی بُرا نام لیکر آپ اس کو خطاب کرتے تو صحابہ عرض کرتے کہ یا رسول اللہ وہ اس نام سے ناراض ہوتا ہے اُس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت میں تنابز بالانقاب سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی گناہ یا بُرا عمل کیا ہو اور پھر اُس سے تنابز ہو گیا ہو اسکے بعد اس کو اُس بُرے عمل کے نام سے پکارنا، مثلاً چور یا زانی یا شرابی وغیرہ۔ جس نے چوری زنا، شراب سے تو بہ کر لی ہو اس کو اس پچھلے عمل سے عار دلانا اور تحقیر کرنا حرام ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ایسے گناہ پر عار دلانے جس سے اُس نے تو بہ کر لی ہے تو اللہ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے کہ اس کو اسی گناہ میں مبتلا کر کے دنیا و آخرت میں رُسوا کرے گا (قرطبی)

بعض القاب کا استثناء | بعض لوگوں کے ایسے نام مشہور ہو جاتے ہیں جو فی نفسہ بُرے ہیں مگر وہ بغیر اُس لفظ کے پہچانا ہی نہیں جاتا تو اس کو اس نام سے ذکر کرنے کی اجازت پر علماء کا اتفاق ہے بشرطیکہ ذکر کرنے والے کا قصد اس سے تحقیر و تذلیل کا نہ ہو جیسے بعض محدثین کے نام کے ساتھ اعرج یا احدب مشہور ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو جس کے ہاتھ نسبتاً زیادہ طویل تھے ذوالیدین کے نام سے تعبیر فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؓ سے دریافت کیا گیا کہ اسانید حدیث میں بعض ناموں کیساتھ کچھ ایسے القاب آتے ہیں مثلاً حمید الطویل۔ سلیمان الاعمش۔ مروان الاسفر وغیرہ، تو کیا ان القاب کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب تمہارا قصد اس کا عیب بیان کرنے کا نہ ہو بلکہ اس کی پہچان پوری کرنے کا ہو تو جائز ہے (قرطبی)

سُنّت یہ ہے کہ لوگوں کو | حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا حق دوسرے اچھے القاب یاد کیا جائے | مومن پر یہ ہے کہ اس کا ایسے نام و لقب ذکر کرے جو اُس کو زیادہ پسند ہو اسی لئے عرب میں کنیت کا رواج عام تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو پسند فرمایا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص خاص صحابہ کو کچھ لقب دیئے ہیں۔ صدیق اکبر کو صدیق اور حضرت عمرؓ کو فاروق اور حضرت حمزہؓ کو اسد اللہ اور خالد بن ولید کو سیف اللہ فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ

اے ایمان والو | بچتے رہو بہت گمانوں سے | مگر بعضی گمان

الظَّنِّ اِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ

گناہ ہے اور بھیدن نہ ٹٹو کسی کا اور بُرا نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو بھلا خوش لگتا ہے

أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا

تم میں کسی کو کہ کھائے گوشت اپنے بھائی کا جو مُردہ ہو سو گھن آتا ہے تم کو اس سے اور ڈرتے

اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ۝۱۳

رہو اللہ سے، بیشک اللہ معاف کرنے والا ہے نہربان

خلاصہ تفسیر

اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچا کرو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں (اس لئے ظن دگمان کی جتنی قسمیں ہیں اُن سب کے اقسام کے احکام کی تحقیق کر لو کہ کونسا گمان جائز ہے کونسا ناجائز، پھر جائز کی حد تک رہو) اور (کسی کے عیب کا) سراغ نہ لگایا کرو اور کوئی کسی

لہ دیکھئے مجمع الزوائد ص ۲۹۶ ج ۲۔ محمود اشرف عثمانی۔

کی غیبت بھی نہ کیا کرے (آگے غیبت کی مذمت ہے کہ) کیا تم میں کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھالے اس کو تو تم (ضرور) بُرا سمجھتے ہو (تو سمجھ لو کہ کسی بھائی کی غیبت بھی اسی کے مشابہ ہے) اور اللہ سے ڈرتے رہو (غیبت چھوڑ دو تو یہ کر لو) بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

معارف و مسائل

یہ آیت بھی باہمی حقوق اور آداب معاشرت کے متعلق احکام پر مشتمل ہے اس میں بھی تین چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ اول ظن جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ دوسرے تجسس یعنی کسی پوشیدہ عیب کا سراغ لگانا۔ تیسرے غیبت یعنی کسی غیر حاضر آدمی کے متعلق کوئی ایسی بات کہنا جس کو اگر وہ سُنتا تو اس کو ناگوار ہوتی۔ پہلی چیز یعنی ظن کے معنی گمان غالب کے ہیں، اسکے متعلق قرآن کریم نے اول توبہ ارشاد فرمایا کہ بہت سے گمانوں سے بچا کرو، پھر اُس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ ہر گمان گناہ نہیں تو یہ ارشاد سننے والوں پر اس کی تحقیق واجب ہو گئی کہ کونسے گمان گناہ ہیں تاکہ اُن سے بچیں اور جب تک کسی گمان کا جائز ہونا معلوم نہ ہو جاوے اسکے پاس نہ جائیں۔ علماء و فقہاء نے اسکی تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔ قرطبی نے فرمایا کہ ظن سے مراد اس جگہ تہمت ہے یعنی کسی شخص پر بغیر کسی قوی دلیل کے کوئی الزام عیب یا گناہ کا لگانا۔ امام ابو بکر جصاص نے احکام القرآن میں ایک جامع تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ ظن کی چار قسمیں ہیں ایک حرام ہے دوسری مأمور بہ اور واجب ہے تیسری مستحب اور مندوب ہے چوتھی مباح اور جائز ہے۔ ظن حرام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی رکھے کہ وہ مجھے عذاب ہی دیجایا مصیبت ہی میں رکھے گا اس طرح کہ اللہ کی مغفرت اور رحمت سے گویا مایوس ہو۔ حضرت جابر رضی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

لَا يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يَحْسِنُ الظَّنَّ بِاللَّهِ | تم میں سے کسی کو اسکے بغیر موت نہ آنی چاہیے کہ اسکا اللہ کے ساتھ اچھا گمان ہو

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد آیا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ انا عند ظن عبدی بنی، یعنی اپنے بند کے کیساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہوں جیسا وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اب اس کو اختیار ہے کہ میرے ساتھ جو چاہے گمان رکھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کیساتھ حسن ظن فرض ہے اور بدگمانی حرام ہے۔ اسی طرح ایسے مسلمان جو ظاہری حالت میں نیک دیکھے جاتے ہیں اُن کے متعلق بلا کسی قوی دلیل کے بدگمانی کرنا حرام ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایتاکم والظن فان الظن اکذب بالحدیث، یعنی گمان سے بچو کیونکہ گمان جھوٹی بات ہے۔ یہاں ظن سے مراد باتفاق کسی مسلمان کے ساتھ بلا کسی قوی دلیل کے بدگمانی کرنا ہے اور جو کام ایسے ہیں کہ ان میں کسی جانب پر عمل کرنا شرعاً ضروری ہے اور اسکے متعلق قرآن و سنت میں کوئی دلیل واضح موجود نہیں، وہاں پر ظن غالب پر عمل کرنا واجب ہے۔ جیسے یاہمی منازعات و مقدمات کے فیصلہ میں ثقہ گواہوں کی گواہی کے مطابق فیصلہ دینا کیونکہ حاکم اور قاضی جسکی عدالت میں مقدمہ دائر ہے اُس پر اسکا فیصلہ دینا واجب ضروری ہے اور اس خاص معاملے کے لئے کوئی نص قرآن و حدیث میں موجود نہیں تو ثقہ آدمیوں کی گواہی پر عمل کرنا اسکے لئے واجب ہے اگرچہ یہ امکان و احتمال وہاں بھی ہے کہ شاید کسی ثقہ آدمی نے اسوقت جھوٹ بولا ہو اس لئے اسکا سچا ہونا صرف ظن غالب ہے اور اسی پر عمل واجب ہے۔ اسی طرح جہاں سمت قبلہ معلوم نہ ہو اور کوئی ایسا آدمی بھی نہ ہو جس سے معلوم کی جاسکے وہاں اپنے ظن غالب پر عمل ضروری ہے اسی طرح کسی شخص پر کسی چیز کا ضمان دینا واجب ہوا تو اس ضائع شدہ چیز کی قیمت میں ظن غالب ہی پر عمل کرنا واجب ہے اور ظن مباح ایسا ہے جیسے نماز کی رکعتوں میں شک ہو جاوے کہ تین پڑھی ہیں یا چار تو اپنے ظن غالب پر عمل کرنا جائز ہے۔ اور اگر وہ ظن غالب کو چھوڑ کر امر یقینی پر عمل کرے یعنی تین رکعت قرار دیکر چوتھی پڑھ لے تو یہ بھی جائز ہے اور ظن مستحب و مندوب یہ ہے کہ ہر مسلمان کیساتھ نیک گمان رکھے کہ اس پر ثواب ملتا ہے (جصاص ملخصاً)

قرطبی نے فرمایا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے تُولَّآ اِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَبَرًا، اس میں حسن ظن بالمؤمنین کی تاکید آئی ہے، اور یہ خوشہو رہی کہ ان من الحزم سوء الظن یعنی احتیاط کی بات یہ ہے کہ ہر شخص سے بدگمانی رکھے اسکا مطلب یہ ہے کہ معاملہ ایسا کرے جیسے بدگمانی کی صورت میں کیا جاتا ہے کہ بدون قوی اعتماد کے اپنی چیز کسی کے حوالہ نہ کرے نہ یہ کہ اس کو چور سمجھے اور اس کی تحقیر کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی شخص کو چور یا غدار سمجھے بغیر اپنے معاملے میں احتیاط برتے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے ۵

مگر دار و آں شوخ در کیسہ در پے کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بُر

دوسری چیز جس سے اس آیت میں منع کیا گیا ہے تجسس یعنی کسی کے عیب کی تلاش اور سراغ لگانا ہے۔ اس میں قرأتیں دو ہیں ایک لَا تَجَسَّسُوا بِالْجِیمِ دوسرے لَا تَجَسَّسُوا بِالْحَارِ اور حدیث صحیحین میں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے یہ دونوں لفظ آئے ہیں ارشاد ہی لَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا اور ان دونوں لفظوں کے معنی متقارب ہیں۔ اخفش نے دونوں میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ تجسس بالجیم کسی ایسے امر کی جستجو اور تلاش کو کہا جاتا ہے جس کو لوگوں نے آپ سے چھپایا ہو اور

تجسس بالحوار مطلق تلاش اور جستجو کے معنی میں آتا ہے۔ سورہ یوسف میں تَحَسَّسُوا مِنْ یُوسُفَاقِ
اٰخِیْرَہِ اسی معنی کے لئے آیا ہے، اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ جو چیز تمہارے سامنے آجائے اسکو پکڑ سکتے ہو
اور کسی مسلمان کا جو عیب ظاہر نہ ہو اُس کی جستجو اور تلاش کرنا جائز نہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور اُن کے عیوب کی جستجو نہ کرو
کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیوب کی تلاش کرتا ہے اللہ تعالیٰ
اُس کے عیب کی تلاش کرتا ہے اور جس کے عیب کی تلاش
اللہ تعالیٰ کرے اُس کو اس کے گھر کے اندر بھی اُسوا کر دیتا ہے

لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ
فَإِنْ مِنْ أَتْبَعِ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعِ اللَّهُ عَوْرَتَهُ
وَمَنْ يَتَّبِعِ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ فِي بَيْتِهِ
(قرطبی)

بیان القرآن میں ہے کہ چھپ کر کسی کی باتیں سُنا یا اپنے کو سُنا ہوا بنا کر باتیں سُنا بھی تجسس
میں داخل ہے البتہ اگر کسی سے مضرت پہنچنے کا احتمال ہو اور اپنی یا دوسرے کسی مسلمان کی حقاً
کی غرض سے مضرت پہنچانے والے کی خفیہ تدبیروں اور ارادوں کا تجسس کرے تو جائز ہے۔ تعمیری
چیز جس سے اس آیت میں منع فرمایا گیا ہے وہ کسی کی غیبت کرنا، یعنی اس کی غیر موجودگی میں
اسکے متعلق کوئی ایسی بات کہنا جس کو وہ سُنتا تو اس کو ایذا ہوتی اگرچہ وہ سچی بات ہی ہو
کیونکہ جو غلط الزام لگائے وہ تہمت ہے جس کی حرمت الگ قرآن کریم سے ثابت ہے اور غیبت
کی تعریف میں اس شخص کی غیر موجودگی کی قید سے یہ نہ سمجھا جائے کہ موجودگی کی حالت میں ایسی
رنج دہ بات کہنا جائز ہے۔ کیونکہ وہ غیبت تو نہیں مگر لُغز میں داخل ہے جس کی حرمت اس سے
پہلی آیت میں آچکی ہے۔

أَيُّحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا، اس آیت نے کسی مسلمان کی آبروریزی
اور توہین و تحقیر کو اس کا گوشت کھانے کی مثل و مشابہ قرار دیا ہے اگر اس کے وہ شخص سامنے ہو تو
ایسا ہے جیسے کسی زندہ انسان کا گوشت نوچ کر کھایا جائے، اس کو قرآن میں بلفظ لُغز تعبیر کر کے
حرام قرار دیا ہے جیسا کہ ابھی گزرا لَا تَكْلِمُنَا أَنْفُسُكُمْ اور آگے آيْگَا وَيْلٌ لِّلْكَلْبِ هُمْزَةٍ لَمْ يَنْقُرْ
اور وہ آدمی غائب ہوا اسکے پیچھے اسکے متعلق ایسی بات کہنا جس سے اُس کی آبروریزی میں خلل آئے
اور اُس کی تحقیر ہو یہ ایسا ہے جیسے کسی مُردہ انسان کا گوشت کھایا جائے کہ جیسے مُردہ کا گوشت
کھانے سے مُردے کو کوئی جسمانی اذیت نہیں ہوتی ایسے ہی اس غائب کو جب تک غیبت
کی خبر نہیں ہوتی اس کو بھی کوئی اذیت نہیں ہوتی، مگر جیسا کسی مُردہ مسلمان کا گوشت کھانا
حرام اور بڑی خست و دنارت کا کام ہے اسی طرح غیبت حرام بھی ہے اور خست و دنارت
بھی کہ پیٹھ پیچھے کسی کو بُرا کہنا کوئی بہادری کا کام نہیں۔

اس آیت میں ظن اور تحسُّس اور غیبت تین چیزوں کی حرمت کا بیان ہے مگر غیبت کی حرمت کا زیادہ اہتمام فرمایا کہ اس کو کسی مُردہ مسلمان کا گوشت کھانے سے تشبیہ و بیکر اُس کی حرمت اور خست و ذلت کو واضح فرمایا، حکمت اس کی یہ ہے کہ کسی کے سامنے اُس کے عیوب ظاہر کرنا بھی اگرچہ ایذا رسانی کی بنا پر حرام ہے مگر اس کی مدافعت وہ آدمی خود بھی کر سکتا ہے اور مدافعت کے خطرہ سے ہر ایک کی ہمت بھی نہیں ہوتی اور وہ عادتاً زیادہ دیر رہ بھی نہیں سکتا بخلاف غیبت کے کہ وہاں کوئی مدافعت کرنے والا نہیں ہر کتر سے کتر آدمی بڑے سے بڑے کی غیبت کر سکتا ہے اور چونکہ کوئی مدافعت نہیں ہوتی اس لئے اس کا سلسلہ بھی عموماً طویل ہوتا ہے اور اس میں ابتلا بھی زیادہ ہے اس لئے غیبت کی حرمت زیادہ مؤکد کی گئی۔ اور عام مسلمانوں پر لازم کیا گیا کہ جو مُسنے وہ اپنے فائب بھائی کی طرف سے بشرط قدرت مدافعت کرے اور مدافعت پر قدرت نہ ہو تو کم از کم اسکے مُسنے سے پرہیز کرے کیونکہ غیبت کا بقصد و اختیار مُسنہ بھی ایسا ہی ہے جیسے خود غیبت کرنا۔

غیبت کے متعلق مسائل | حضرت میمونؓ نے فرمایا کہ ایک روز خواب میں میں نے دیکھا کہ ایک ننگی کا مُردہ جسم ہے اور کوئی کہنے والا ان کو مخاطب کر کے یہ کہہ رہا ہے کہ اس کو کھاؤ۔ میں نے کہا کہ اے خدا کے بندے میں اس کو کیوں کھاؤں تو اُس شخص نے کہا اس لئے کہ تو نے فلاں شخص کے زنگی غلام کی غیبت کی ہے۔ میں نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے تو اسکے متعلق کوئی اچھی بُری بات کی ہی نہیں تو اُس شخص نے کہا کہ ہاں، لیکن تو نے اس کی غیبت سُنی تو ہے اور تو اس پر راضی رہا۔ حضرت میمونؓ کا حال اس خواب کے بعد یہ ہو گیا کہ نہ خود کبھی کسی کی غیبت کرتے اور نہ کسی کو اپنی مجلس میں کسی کی غیبت کرنے دیتے تھے۔

حدیث میں حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ شبِ معراج کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے لیجا یا گیا تو میرا گزرا ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور بدن کا گوشت نوچ رہے ہیں، میں نے جبریل امین سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائی کی غیبت کرتے اور ان کی آبروریزی کرتے تھے (رداۃ البغوی - مظہری) اور حضرت ابوسعیدؓ اور جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، الغیبة اشد من الزنا، یعنی غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یہ کیسے، تو آپ نے فرمایا کہ ایک شخص زنا کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے تو اس کا گناہ معاف ہو جاتا ہے اور غیبت کرنے والے کا گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتا جب تک وہ شخص معاف نہ کرے جس کی غیبت کی گئی ہے (رداۃ الترمذی و ابوداؤد - از مظہری)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ غیبت ایک ایسا گناہ ہے جس میں حق اللہ کی بھی مخالفت ہے

اور حق العبد بھی ضائع ہوتا ہے اسلئے جس کی غیبت کی گئی ہے اُس سے معاف کرنا ضروری ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ غیبت کی خبر جب تک صاحب غیبت کو نہ پہنچے اس وقت تک وہ حق العبد نہیں ہوتی اسلئے اُس سے معافی کی ضرورت نہیں ذقلہ فی الروح عن الحسن بن محبوب عن ابن الصباغ والنووی وابن الصلاح والزرکشی ابن عبد البر عن ابن المبارک) مگر بیان القرآن میں اسکو نقل کر کے فرمایا ہے کہ اس صورت میں گو اس شخص سے معافی مانگنا ضروری نہیں مگر جس شخص کے سامنے یہ غیبت کی تھی اسکے سامنے اپنی تکذیب کرنا یا اپنے گناہوں کا اقرار کرنا ضروری ہے اور اگر وہ شخص مر گیا ہے یا اسکا پتہ نہیں تو اسکا کفارہ حضرت انسؓ کی حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان من کفارۃ الغیبتۃ ان یتغضرن من اغتابہ تقول اللہم اغفر لنا ولہ (رواہ ابیہقی - منہجی) یعنی کفارہ غیبت کا یہ ہے کہ جس کی غیبت کی گئی ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا ئے مغفرت کرے اور یوں کہے کہ یا اللہ ہمارے اور اس کے گناہوں کو معاف فرما۔

مسئلہ - بچے اور مجنون اور کافر ذمی کی غیبت بھی حرام ہے کیونکہ انکی ایذا بھی حرام ہے اور جو کافر عربی ہیں اگرچہ انکی ایذا حرام نہیں مگر اپنا وقت ضائع کرنے کی وجہ سے پھر بھی غیبت مکروہ ہے۔
مسئلہ - غیبت جیسے قول اور کلام سے ہوتی ہے ایسے ہی فعل یا اشارہ سے بھی ہوتی ہے جیسے کسی لنگرے کی چال بنا کر چلنا جس سے اُس کی تحقیر ہو۔

مسئلہ - بعض روایات سے ثابت ہے کہ آیت میں جو غیبت کی عام حرمت کا حکم ہے یہ مخصوص بعض سے یعنی بعض صورتوں میں اس کی اجازت ہوئی ہے مثلاً کسی شخص کی بُرائی کسی ضرورت یا مصلحت سے کرنا پڑے تو وہ غیبت میں داخل نہیں بشرطیکہ وہ ضرورت و مصلحت شرعاً معتبر ہو جیسے کسی ظالم کی شکایت کسی ایسے شخص کے سامنے کرنا جو ظلم کو دفع کر سکے، یا کسی کی اولاد دبیوی کی شکایت اُس کے باپ اور شوہر سے کرنا جو اُن کی اصلاح کر سکے، یا کسی واقعہ کے متعلق فتویٰ حاصل کرنے کے لئے صورت واقعہ کا اظہار یا مسلمانوں کو کسی شخص کے دینی یا دنیوی شر سے بچانے کے لئے کسی کا حال بتلانا، یا کسی معاملے کے متعلق مشورہ لینے کے لئے اسکا حال ذکر کرنا، یا جو شخص سب کے سامنے گھٹم گھٹا گناہ کرتا ہے اور اپنے فسق کو خود ظاہر کرتا پھرتا ہے اس کے اعمال بدکا ذکر بھی غیبت میں داخل نہیں مگر بلا ضرورت اپنے اوقات ضائع کرنے کی بنا پر مکروہ ہے (یہ سب مسائل بیان القرآن میں بحوالہ روح المعانی بیان کئے گئے ہیں) اور ان سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ کسی کی بُرائی اور عیب ذکر کر نیسے مقصود اسکی تحقیر نہ ہو بلکہ کسی ضرورت و مجبوری سے ذکر کیا گیا ہو۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ

اے آدمیو! ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے

لَتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۱۳﴾

تاکہ آپس کی پہچان ہو، تحقیق عزت اللہ کے یہاں اُسی کو بڑی جس کو ادب بڑا، اللہ سب کچھ جانتا ہے خبردار

خلاصہ تفسیر

اے لوگو! تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت (یعنی آدم و حوا) سے پیدا کیا ہے (اسلئے اس میں تو سب انسان برابر ہیں) اور (پھر جس بات میں فرق رکھا ہے کہ) تم کو مختلف قومیں اور (پھر ان قوموں میں) مختلف خاندان بنایا (یہ محض اسلئے) تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو (جس میں بہت سی مصلحتیں ہیں نہ اسلئے کہ ایک دوسرے پر تفاخر کرو کیونکہ) اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو (اور پرہیزگاری ایسی چیز ہے جس کا پورا حال کسی کو معلوم نہیں بلکہ اس کے حال کو محض اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور پورا خبردار ہے) اسلئے کسی نسب اور قومیت پر فخر نہ کرو

معارف و مسائل

اوپر کی آیات میں انسانی اور اسلامی حقوق اور آداب معاشرت کی تعلیم کے سلسلے میں چھ چیزوں کو حرام و ممنوع کیا گیا ہے جو باہمی منافرت اور عداوت کا سبب ہوتی ہیں۔ اس آیت میں ایک جامع تعلیم انسانی مساوات کی ہے کہ کوئی انسان دوسرے کو کمتر یا رذیل نہ سمجھے اور اپنے نسب اور خاندان یا مال دولت وغیرہ کی بنا پر فخر نہ کرے کیونکہ یہ چیزیں درحقیقت تفاخر کی ہیں نہیں، پھر اس تفاخر سے باہمی منافرت اور عداوت کی بنیادیں پڑتی ہیں اس لئے فرمایا کہ تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہونے کی حیثیت سے بھائی بھائی ہیں۔ اور خاندان اور قبائل یا مال و دولت کے اعتبار سے جو فسق اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے وہ تفاخر کے لئے نہیں بلکہ تعارف کے لئے ہے۔

شان نزول | یہ آیت فتح مکہ کے موقع پر اس وقت نازل ہوئی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا تو قریش مکہ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ان میں سے ایک نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میرے والد پہلے ہی وفات پا گئے ان کو یہ روز بد دیکھنا نہیں پڑا، اور حارث بن ہشام نے کہا کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا لے کوٹے کے سوا کوئی آدمی نہیں جڑا کہ جو مسجد حرام میں اذان دے۔ ابوسفیان بولے کہ میں کچھ نہیں کہتا کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ میں کچھ کہوں گا تو آسمانوں کا مالک ان کو خبر کر دیگا، چنانچہ جبریل امین تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تمام گفتگو کی اطلاع دی۔ آپ نے ان لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ تم نے کیا کہا تھا انھوں نے اقرار کر لیا اُسی پر یہ آیت نازل ہوئی جس نے بتلایا کہ فخر و عزت کی چیز درحقیقت ایمان اور تقویٰ ہے جس سے

تم لوگ خالی اور حضرت بلال آراستہ ہیں اسلئے وہ تم سب کے افضل و اشرف ہیں (منظری عن ابی بنی) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ فتح مکہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر طواف فرمایا (تاکہ سب لوگ دیکھ سکیں) طواف سے فارغ ہو کر آپ نے یہ خطبہ دیا۔

شکر ہے اللہ کا جس نے فخر جاہلیت کو اور اس کے بھروسہ کو دور کر دیا، اب تمام انسانوں کی صرف دو قسمیں ہیں ایک نیک اور شقی وہ اللہ کے نزدیک شریف اور محترم ہے۔ دوسرا قاجر شقی وہ اللہ کے نزدیک ذلیل و حقیر ہے اس کے بعد اس آیت کی تلاوت فرمائی جو اوپر مذکور ہے۔

الحمد لله الذي اذهب عنكم عبية الجاهلية
وتكبروها - الناس رجلان بر تقى كريمة
على الله وقاجر شقى هين على الله شرت لا
يايتها الناس اتا خلقنكم آية (ترمذی و بنوی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دنیا کے لوگوں کے نزدیک عزت مال و دولت کا نام ہے اور اللہ کے نزدیک تقویٰ کا۔

شُعُوبًا وَقَبَائِلَ، شعوب، شعب کی جمع ہے بہت بڑی جماعت کو شعب کہتے ہیں جو کسی ایک اصل پر مجتمع ہوں پھر ان میں مختلف قبائل اور خاندان ہوتے ہیں۔ پھر خاندانوں میں بھی بڑے خاندان اور اسکے مختلف حصوں کے عربی زبان میں الگ الگ نام ہیں۔ سب سے بڑا حصہ شعب اور سب سے چھوٹا حصہ عشیرہ کہلاتا ہے۔ اور ابورواق کا قول ہے کہ شعب اور شعوب بھی قوموں کے لئے بولا جاتا ہے جن کے انساب محفوظ نہیں، اور قبائل عرب کے لوگوں کے لئے جن کے انساب محفوظ چلے آتے ہیں اور اسباط بنی اسرائیل کے لئے۔

نسبی اور وطنی یا لسانی امتیاز میں قرآن کریم نے اس آیت میں واضح کر دیا کہ حق تعالیٰ نے اگرچہ حکمت و مصلحت تعارف کی ہے سب انسانوں کو ایک ہی باپ اور ماں سے پیدا کر کے سب کو بھائی بھائی بنا دیا ہے مگر پھر اس کی تقسیم مختلف قوموں قبیلوں میں جو حق تعالیٰ ہی نے فرمائی ہے اُس میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کا تعارف اور شناخت آسان ہو جائے مثلاً ایک نام کے دو شخص ہیں تو خاندان کے تفاوت سے ان میں امتیاز ہو سکتا ہے اور اس سے دور اور قریب کے رشتوں کا علم ہو سکتا ہے اور نسبی قرب بعد کی مقدار پر ان کے حقوق شرعیہ ادا کئے جاتے ہیں۔ عصبائت کا قرب و بعد معلوم ہوتا ہے جس کی ضرورت تقسیم میراث میں پیش آتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نسبی تفاوت کو تعارف کیلئے استعمال کر و تفاخر کے لئے نہیں۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا

کہتے ہیں گنوار کہ ہم ایمان لائے، تو کہہ تم ایمان نہیں لائے پر تم کہو ہم مسلمان ہوئے اور ابھی

يَدْخُلُ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِفَكُمْ

نہیں گھسا ایمان تمہارے دلوں میں اور اگر حکم پر چلو گے اللہ کے اور اس کے رسول کے کاٹ نہ لے گا

مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۳﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ

تمہارے کاموں میں سے کچھ اللہ بخشتا ہے مہربان ہے ایمان والے وہ لوگ ہیں

الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ

جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر شبہ نہ لائے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور

وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿۱۴﴾ قُلْ أَتَعْلَمُونَ

اپنی جان سے وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں سچے تو کہہ کیا تم جانتے ہو

اللَّهُ بِدِينِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ

اللہ کو اپنی دینداری اور اللہ کو تو خبر ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اللہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۵﴾ يَمْشُونَ عَلَيْكَ أَوْ اسْكُمُوهَا قُلْ لَا تَمُوتُوا

ہر چیز کو جانتا ہے تجھ پر احسان رکھتے ہیں کہ سہان ہوئے تو کہہ تجھ پر احسان نہ

عَلَىٰ إِسْلَامِكُمْ ۚ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ

رکھو اپنے اسلام لانے کا بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اُس نے تم کو راہ دی ایمان کی

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۶﴾ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

اگر سچ کہو اللہ جانتا ہے چھپے بھید آسمانوں کے اور زمین کے

وَاللَّهُ بَصِيرٌ ﴿۱۷﴾ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸﴾

اور اللہ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو

خلاصہ تفسیر

یہ (بعضے) گنوار (بنی اسد وغیرہ کے آپ کے پاس آکر جو ایمان لائیکے مدعی ہوتے ہیں،

یہ اس میں کئی گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں ایک تو کذب کہ بلا تصدیق قلب محض زبان سے کہتے ہیں

کہ ہم ایمان لے آئے، آپ فرما دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے (کیونکہ وہ موقوف ہے تصدیق قلبی

پر، اور وہ موجود نہیں جیسا عنقریب آتا ہے وَلَمَّا يُدْخِلِ الْإِيمَانُ) لیکن (ہاں) یوں کہو کہ (ہم مخالفت

چھوڑ کر) مطیع ہو گئے (اور اطاعت بمعنی ترک مخالفت محض ظاہری موافقت سے بھی متحقق ہو جاتی ہے)

اور باقی) ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا (اس لئے ایمان کا دعویٰ مت کرو)

اور (گو اب تک تم ایمان نہیں لائے لیکن اب بھی) اگر تم اللہ و رسول کا (سب باتوں میں) کہنا

مان لو (جس میں یہ بھی داخل ہے کہ دل سے ایمان لے آؤ) تو اللہ تمہارے اعمال میں سے

(جو کہ بعد ایمان کے ہونگے محض اس وقت کے کفر و کذب کی وجہ سے جو کہ اس وقت کے اعتبار سے

گزشتہ ہوگا) ذرا بھی کم نہ کر گیا بلکہ سب کا پورا پورا ثواب دے گا کیونکہ) بیشک اللہ غفور رحیم ہے (اب ہم سے سنو کہ کامل مومن کون ہیں تاکہ اگر تم کو مومن بننا ہے تو ویسے بنو سو) پورے مومن وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر (ایمان پر مستمر بھی رہے یعنی عمر بھر بھی) شک نہیں کیا اور اپنے مال اور جان سے خدا کے راستہ میں (یعنی دین کے لئے) محنت اٹھائی (جس میں جہاد وغیرہ سب آگیا سو) یہ لوگ ہیں سچے (یعنی پورے سچے اور یوں اگر صرف تصدیق ہی ہو تب بھی نفس صدق ہو جائیگا، بخلاف تمہارے کہ ادنیٰ درجہ کا ایمان کہ تصدیق ہے وہ تک حاصل نہیں اور دعویٰ کرتے ہیں ایمان کامل کا، پس ایک امر قبیح تو ان سے یہ صادر ہوا یعنی کذب کما قال تعالیٰ وَ مِنْ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ، اور دوسرا امر قبیح یہ ہے کہ یہ دھوکہ دیتے ہیں کما قال تعالیٰ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ سُو) آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ کیا خدا تعالیٰ کو اپنے دین (قبول کرنے) کی خبر دیتے ہو (یعنی اللہ تعالیٰ تو جانتے ہیں کہ تم نے ایمان قبول نہیں کیا باوجود اسکے جو تم دعویٰ قبول کرنے کا کرتے ہو تو لازم آتا ہے کہ خلاف علم خداوندی خدا تعالیٰ کو ایک بات بتلاتے ہو) حالانکہ (یہ محال ہے کیونکہ) اللہ کو تو سب آسمان اور زمین کی سب چیزوں کی (پوری) خبر ہے اور (علاوہ سموات والارض کے) اللہ (اور بھی) سب چیزوں کو جانتا ہے (تو اس کو کوئی کیا بتلاوے گا اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کو جو تمہارے متعلق علم ہے کہ تم ایمان نہیں لائے وہی صحیح ہے اور تمہارا امر قبیح جس کے یہ مرتکب ہوتے ہیں یہ ہو کہ) یہ لوگ اپنے اسلام لائیکہ آپ پر احسان رکھتے ہیں (جو نہایت درجہ گستاخی ہے کہ دیکھئے ہم نہ لڑے نہ بھڑے مسلمان ہو گئے اور دوسرے لوگ بہت پریشان کر کے مسلمان ہوئے ہیں سو) آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ رکھو (اس لئے کہ قطع نظر گستاخی کے تمہارے اسلام سے میرا کیا نفع ہو گیا اور اسلام نہ لانے سے میرا کیا ضرر ہو گیا اگر تم سچے ہوتے تو تمہاری ہی آخرت کا نفع تھا اور جھوٹے ہونے میں بھی تمہارا ہی دنیا کا نفع ہے کہ قتل و قید سے بچ گئے سو مجھ پر احسان رکھنا محض جہل ہے) بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اُس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی بشرطیکہ تم (اس دعویٰ ایمان میں) سچے ہو (کیونکہ ایمان بڑی نعمت ہے اور بدون تعلیم و توفیق حق تعالیٰ کے نصیب نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ ایسی بڑی نعمت عطا فرمادی، پس دھوکہ اور احسان جتلانے سے باز آؤ اور یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کی سب مخفی باتوں کو جانتا ہے اور (اسی علم محیط کی وجہ سے) تمہارے سب اعمال کو بھی جانتا ہے (اور ان ہی کے موافق تم کو جزا دیگا پھر اسکے سامنے باتیں بنانے سے کیا فائدہ)

معارف و مسائل

سابقہ آیات میں بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت و شرافت کا مدار تقویٰ پر ہے جو ایک باطنی چیز ہے اللہ تعالیٰ ہی اس کو جانتے ہیں کسی شخص کے لئے اپنے تقدس کا دعویٰ جائز نہیں، مذکورہ صدر آیات میں ایک خاص واقعہ کی بنا پر یہ بتلایا گیا ہے کہ ایمان کا اصل مدار قلبی تصدیق پر ہے اس کے بغیر محض زبان سے اپنے کو مؤمن کہنا صحیح نہیں، اس پوری سورت میں اول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق تعظیم و تکریم کا پھر باہمی حقوق اور آداب معاشرت کا ذکر آیا ہے ختم سورت پر یہ بتلایا گیا کہ آخرت میں سب اعمال کی مقبولیت کا مدار ایمان اور تصدیق قلبی اور اللہ و رسول کی اطاعت پر ہے۔

شان نزول | واقعہ اس آیت کے نزول کا امام بغوی رحمہ کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ قبیلہ بنی اسد کے چند آدمی مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک قحط شدید کے زمانے میں حاضر ہوئے، یہ لوگ دل سے تو مؤمن تھے نہیں محض صدقات حاصل کرنے کے لئے اپنے اسلام لانے کا اظہار کیا، اور چونکہ واقع میں مؤمن نہ تھے اسلامی احکام و آداب سے بے خبر اور غافل تھے انھوں نے مدینہ کے راستوں پر غلاطت و نجاست پھیلا دی اور بازاروں میں اشیاء ضرورت کی قیمت بڑھا دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک تو جھوٹا دعویٰ ایمان لایا کہ آپ کو دھوکا دینا چاہا، تیسرے آپ پر احسان جتلیا کہ دوسرے لوگ تو ایک زمانہ تک آپ کے برسرِ پرکار رہے آپ کے خلاف جنگیں لڑیں پھر مسلمان ہوئے ہم بغیر کسی جنگ کے خود آپ کے پاس حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے اسلئے ہماری قدر کرنی چاہیے جو شان رسالت میں ایک طرح کی گستاخی بھی تھی کہ اپنے مسلمان ہو جائیگا احسان آپ پر جتلیا، اور مقصود اسکے سوا کچھ نہ تھا کہ مسلمانوں کے صدقات سے اپنی مفلسی دور کریں۔ اور اگر یہ واقعی اور سچے مسلمان ہی ہو جاتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا احسان تھا خود اپنا ہی نفع تھا اس پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں جن میں ان کے جھوٹے دعوے کی تکذیب اور احسان جتلانے پر مذمت کی گئی ہے۔

وَلَكِنْ قَوْلُهُمْ لَا اسْلَمْنَا، چونکہ ان کے دلوں ایمان نہ تھا جھوٹا دعویٰ صرف ظاہری افعال کی بنا پر کر رہے تھے اسلئے قرآن نے ان کے ایمان کی نفی اور دعوائے ایمان کے غلط ہونے کو بیان کر کے یہ فرمایا کہ تمھارا امنا کہنا تو جھوٹ ہے تم زیادہ سے زیادہ اسلما کہہ سکتے ہو کیونکہ اسلام کے لفظی معنی ظاہری افعال میں اطاعت کرنے کے ہیں اور یہ لوگ اپنے دعوائے ایمان کو سچا ثابت کرنے کے لئے کچھ اعمال مسلمانوں جیسے کرنے لگے تھے اس لئے لفظی اعتبار سے ایک درجہ کی اطاعت ہو گئی اسلئے لغوی معنی کے اعتبار سے اسلما کہنا صحیح ہو سکتا ہے۔

اسلام اور ایمان ایک ہیں یا کچھ فرق ہے؟ | اوپر کی تقریر سے معلوم ہو گیا کہ اس آیت میں اسلام کے لغوی معنی مراد ہیں اصطلاحی معنی مراد ہی نہیں اس لئے اس آیت سے اسلام اور ایمان میں اصطلاحی فرق پر کوئی استدلال نہیں ہو سکتا۔ اور اصطلاحی ایمان اور اصطلاحی اسلام اگرچہ مفہوم و معنی کے اعتبار سے الگ الگ ہیں کہ ایمان اصطلاح شرع میں تصدیق قلبی کا نام ہے یعنی اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول کی رسالت کو سچا ماننا، اور اسلام نام ہے اعمال ظاہرہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے کا لیکن شریعت میں تصدیق قلبی اس وقت تک قابل اعتبار نہیں جب تک اس کا اثر جو ارج کے اعمال و افعال تک نہ پہنچ جائے جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ زبان سے کلمہ اسلام کا اقرار کرے۔ اسی طرح اسلام اگرچہ اعمال ظاہرہ کا نام ہے لیکن شریعت میں وہ اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کہ دل میں تصدیق نہ آجائے ورنہ وہ نفاق ہے۔ اس طرح اسلام و ایمان مبداء اور منتهی کے اعتبار سے تو الگ الگ ہیں کہ ایمان باطن اور قلب سے شروع ہو کر ظاہر اعمال تک پہنچتا ہے اور اسلام افعال ظاہرہ سے شروع ہو کر باطن کی تصدیق تک پہنچتا ہے مگر مصداق کے اعتبار سے ان دونوں میں تلازم ہے کہ ایمان اسلام کے بغیر معتبر نہیں، اور اسلام ایمان کے بغیر شرعاً معتبر نہیں، شریعت میں یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص مسلم ہو تو ہو مؤمن نہ ہو یا مؤمن ہو مسلم نہ ہو مگر یہ کلام اصطلاحی ایمان و اسلام میں ہے لغوی معنی کے اعتبار سے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص مسلم ہو مؤمن نہ ہو جیسے تمام منافقین کا یہی حال تھا کہ ظاہری اطاعت احکام کی بنا پر مسلم کہلاتے تھے مگر دل ایمان نہ ہونے کے سبب مؤمن نہ تھے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم ۛ

تَمَّتْ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَى وَعَوْنِهِ سُورَةُ الْحَجَرَاتِ لِلثَّامِنِ
مِنْ شَعْبَانَ ۱۴۲۹ هـ يَوْمَ الْاِحْدِ وَاللَّهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ

سُورَةُ ق

سُورَةُ ق بِمِائَةِ وَفِي خَمْسٍ وَآيَاتٍ بِعِشْرِينَ وَثَلَاثٌ وَرِغْوَعَايَةٍ

سورۃ ق مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں ۵۴ آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے ،

الْمُزْنِ السَّالِعِ

قَالَ وَالْقُرْآنَ الْمَجِيدَ ۝۱ بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ

ق قسم ہر اس قرآن بڑی شان والے کی ، بلکہ ان کو تعجب ہوا کہ آیا ان کے پاس ڈر سنانے والا انہی میں کا

فَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ۝۲ إِذَا امْتَنَّا وَكُنَّا تُرَايَا ذَٰلِكَ

تو کہنے لگے منکر یہ تعجب کی چیز ہے ، کیا جب ہم مر چکیں اور ہو جائیں مٹی ، یہ

رَجِعَ بَعِيدٌ ۝۳ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ

پھر آنا بہت دور ہو ، ہم کو معلوم ہے جتنا گھٹاتی ہے زمین اُن میں سے اور ہمارے پاس کتاب ہے جس

حَفِظٌ ۝۴ بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي أَمْرٍ مَرِيجٍ ۝۵

میں سب کچھ محفوظ ہے ، کوئی نہیں پر جھٹلاتے ہیں سچے دین کو جب اُن تک پہنچا سورہ پڑھے ہیں ابھی ہوئی بات میں ،

أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا

کیا نہیں دیکھتے آسمان کو اپنے اوپر کیسا ہم نے اس کو بنایا اور رونق دی اور اس میں

مِنْ فُرُوجٍ ۝۶ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رِوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا

نہیں کوئی سوراخ ، اور زمین کو پھیلایا اور ڈالے اس میں بوجھ اور اُگائی

فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٌ ۝ تَبَصَّرَةٌ وَذِكْرِي لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ ۝ وَنَزَّلْنَا

اس میں ہر قسم کی رونق کی چیز، سمجھانے کو اور یاد دلانے کو اس بندہ کیلئے جو رجوع کرے، اور اُتارا ہم نے

مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا فَانْبَتَّ بِهِ جَنَّتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ۝ وَالنَّخْلَ

آسمان سے پانی برکت کا پھر اُگائے ہم نے اس سے باغ اور اناج جس کا کھیت کاٹا جاتا ہے، اور کھجوریں

بَسِغَتْ لَهَا طَلْعُ نَضِيدٍ ۝ رِزْقًا لِلْعِبَادِ ۝ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيِّتًا

لمبی اُن کا خوشہری تہہ برتہہ روزی دینے کو بندوں کے اور زندہ کیا ہم نے اُس سے ایک مڑہ دیں کو

كَذَلِكَ الْخُرُوجُ ۝ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ

یونہی ہوگا نکل کھڑے ہونا، بھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے نوح کی قوم اور کنوئیں والے

وَتَمُودُ ۝ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ۝ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَ

اور تمود اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی اور بن کے رہنے والے اور

قَوْمُ ثَبَعٍ طَغَىٰ كَذَّبَ الرَّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ۝ أَفَعَيَيْنَا بِالْخَلْقِ

تبع کی قوم ان سب نے جھٹلایا رسولوں کو پھر ٹھیک بڑا میرا ڈرانا، اب کیا ہم تھک گئے پہلی

الْأَوَّلِ طَبْلٌ لَّهُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝

باربنا کر کوئی نہیں ان کو دھوکا ہے ایک نئے بنانے میں

خلاصہ تفسیر

ق (اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں) قسم ہے قرآن مجید کی (یعنی جس کو دوسری کتابوں پر فضیلت و شرف ہے کہ ہم نے آپ کو عذاب قیامت سے ڈرانے کے لئے بھیجا ہے مگر ان لوگوں نے نہ مانا، بلکہ ان کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس اپنی رکی جلس) میں سے (یعنی انسانوں میں سے) ایک ڈرانے والا (پیغمبر) آگیا جس نے ان کو قیامت کے دن سے ڈرایا، سو اس پر کافر لوگ کہنے لگے کہ (اول تو خود) یہ (ایک عجیب بات ہے کہ بشر پیغمبر ہو، دوسرے پھر دعویٰ بھی عجیب بات کا کرے کہ دوبارہ زندہ ہوں گے بھلا) جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے تو کیا دوبارہ زندہ ہوں گے یہ دوبارہ زندہ ہونا (امکان سے) بہت ہی بعید ہے (خلاصہ یہ ہے کہ اول تو وہ ہم جیسے انسان ہیں ان کو پیغمبری کا دعویٰ کرنے کا حق نہیں، پھر وہ اپنے دعوے میں ایک محال چیز کا دعویٰ کرتے ہیں، کہ مرنے اور مٹی ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جاویں گے، اس کے جواب میں حق تعالیٰ

مرنے کے بعد زندہ ہونے کا امکان ثابت کر کے اُن کے محال کہنے کو رد فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ دوبارہ زندہ ہونے کو تم جو غیر ممکن کہتے ہو اس کی دوجہ ہو سکتی ہیں یا تو یہ کہ جن چیزوں کے زندہ ہونے کو کہا گیا ہے ان میں زندہ ہونے کی صلاحیت ہی نہ ہو، یہ تو مشاہدہ سے غلط ہے، کیونکہ وہ اس وقت تمھارے سامنے زندہ موجود ہیں، اگر زندگی کی صلاحیت ہی نہ ہوتی تو اس وقت کیسے زندہ ہیں، دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ فاعل یعنی اللہ تعالیٰ کو دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت اس لئے نہ ہو کہ جو اجزاء میت کے مٹی ہو کر منتشر ہو گئے وہ اس کو معلوم نہ ہوں کہ کہاں بکھرے ہیں، تو اس کے جواب میں فرمایا کہ ہمارے علم کی تو یہ شان ہے کہ ہم ان کے ان اجزاء کو جانتے ہیں جن کو مٹی رکھاتی ہے اور کم کرتی ہے اور یہ نہیں کہ آج سے جانتے ہیں بلکہ ہمارا علم تو قدیم ہے، حتیٰ کہ ہم نے قبل وقوع ہی سب اشیاء کے سب حالات اپنے علم قدیم سے ایک کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھ دیئے تھے اور اب تک ہمارے پاس (وہ کتاب یعنی لوح محفوظ) محفوظ (موجود) ہے جس میں ان اجزاء منتشر کا مکان اور وضع اور مقدار اور وصف سب کچھ ہے، سو اگر علم قدیم کسی کی سمجھ میں نہ آوے تو یوں ہی سمجھ لے کہ وہ دفتر جس میں سب کچھ ہے، حق تعالیٰ کے سامنے حاضر ہے مگر یہ لوگ سمجھ بھی بلا وجہ تعجب ہی میں ہیں اور صرف تعجب ہی نہیں، بلکہ سچی بات کو جس میں مسئلہ نبوت اور آخرت کی دو باتیں زندگی بھی ہے) جبکہ وہ اُن کو پہنچتی ہے جھٹلاتے ہیں، غرض یہ کہ وہ ایک متزلزل حالت میں ہیں (کہ کبھی تعجب ہی، کبھی تکذیب ہے، یہ درمیان میں بطور جملہ معترضہ کے تمھارا آگے بیان ہے قدرت کا یعنی کیا ان لوگوں کو ہماری قدرت کا علم نہیں ہے اور کیا انھوں نے اپنے اوپر کی طرف آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا (اوپنچا اور بڑا) بنایا اور (ستاروں سے) اس کو آراستہ کیا اور اس میں (بوجہ مکمل استحکام کے) کوئی رخنہ تک نہیں (جیسا کہ اکثر تعمیرات میں زمانہ کے دراز ہونے کے بعد رخنہ پڑ جایا کرتا ہے، یہ تو آسمان میں ہماری قدرت نمایاں ہے) اور زمین (میں یہ قدرت ظاہر ہے کہ اس کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو جمادیا اور اس میں ہر قسم کی خوش نما چیزیں اُگاتیں جو ذریعہ ہے دانائی اور بینائی کا (یعنی ہماری قدرت کی معرفت کا) ہر رجوع ہونے والے بندے کے لئے (یعنی ایسے شخص کے لئے جو مصنوعات کو اس نظر سے دیکھے کہ ان کو کس نے بنایا ہے) اور (ہماری قدرت اس سے ظاہر ہے کہ) ہم نے آسمان سے برکت والا پانی برسیا پھر اس سے بہت سے باغ اُگائے اور کھیتی کا غلہ اور لمبی لمبی کھجور کے درخت جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے ہوتے ہیں، بندوں کے رزق دینے کے لئے اور (دوسری نباتات مثل گھاس وغیرہ کے جانے کے لئے بھی) ہم نے اس (بارش) کے ذریعہ سے مُردہ زمین کو زندہ کیا (پس) اسی طرح (سمجھ لو کہ مُردوں کا) زمین سے نکلنا ہو گا کیونکہ قدرت ذاتیہ کے اعتبار سے تمام مقدورات برابر ہیں بلکہ جو ذات بڑی چیزوں پر قادر ہے اس کا چھوٹی چیزوں پر قادر ہونا اور زیادہ ظاہر ہے، اسی لئے آسمان و زمین کا یہاں ذکر کیا گیا، کہ ان کی تخلیق ایک مُردہ کو دوبارہ زندہ کرنے سے بہت بڑی بات ہے

کہا قال تعالیٰ (تَخْلُقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ) تو جب ان بڑے بڑے کاموں پر اللہ تعالیٰ کی قدرت ثابت ہو گئی تو مردہ کو زندہ کر دینے پر کیوں نہ ہوگی، تو معلوم ہوا کہ مردوں کو زندہ کرنا محال نہیں، ممکن ہے، اور زندہ کرنے والا فاعل مختار بڑی قدرت والا ہے، پھر اس میں تعجب یا تکذیب کی کیا بات ہے، آگے تکذیب کرنے والوں کو ڈرانے کے لئے پچھلی امتوں کے واقعات بتلا کر وعید کی گئی ہے کہ جس طرح یہ لوگ انکار قیامت سے رسول کی تکذیب کرتے ہیں اسی طرح ان سے پہلے قوم نوح اور اصحاب الرس اور ثمود اور عاد اور فرعون اور قوم لوط اور اصحاب یکہ اور قوم ثیج تکذیب کر چکے ہیں (یعنی) سب نے پیغمبروں کو (یعنی اپنے اپنے پیغمبر کو توحید اور رسالت اور قیامت کے معاملہ میں) جھٹلایا سو میری وعید (ان پر) محقق ہو گئی (کہ ان سب پر عذاب نازل ہوا، اسی طرح ان مکذبین پر عذاب آئے گا، خواہ دنیا میں بھی یا صرف آخرت میں، وعید کے بعد پھر مضمون اوّل کی طرف دوسرے طور پر عود ہے کہ، کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے میں تھک گئے (کہ دوبارہ زندہ نہ کر سکیں، یعنی ایک مانع یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کام بھی ممکن ہو اور کرنے والے کو قدرت بھی پوری ہو، مگر کوئی عارضی مانع پیش آجائے جیسے کرتے والا تھک گیا ہو، اس لئے یہ کام نہیں کر سکا، اس آیت میں اس کی بھی نفی فرمادی کہ اللہ تعالیٰ اس طرح کے عیوب سے پاک ہے وہ کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتا، نہ اس کو مکان ہونے کا کوئی امکان ہے، اس لئے قیامت میں دوبارہ زندہ ہونا دلائل سے ثابت ہو گیا، اور یہ لوگ جو انکار کر رہے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے) بلکہ یہ لوگ ازسرنو پیدا کرنے کی طرف سے (محض بے دلیل) شبہ میں (بڑے ہوئے) ہیں (جو دلائل کے سامنے کسی طرح قابل التفات نہیں)۔

معارف مسائل

سورۃ ق کی خصوصیات | سورۃ ق میں بیشتر مضامین آخرت اور قیامت اور مردوں کے زندہ ہونے اور حساب و کتاب سے متعلق ہیں، اور یہی مناسبت ہے اس کو اس سے پہلی سورۃ حجرات سے کہ اس کے آخر میں انہی مضامین کا ذکر تھا،

سورۃ ق کی ایک خاص اہمیت اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے کہ اُمّ ہشام بنت حارثہ بن النعمانؓ کہتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب میرا مکان تھا، دو سال کے قریب ہمارا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تنور (جس میں روٹی پکتی تھی) ایک ہی تھا، مجھے سورۃ ق پوری اس طرح حفظ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورت ہر جمعہ کو منبر پر خطبہ میں تلاوت فرماتے تھے (رداء مسلم از قرطبی) اور حضرت عمر بن خطابؓ نے ابو داؤد لیسٹنؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نمازوں میں کونسی سورت پڑھا کرتے تھے؟ تو انھوں نے فرمایا: ق وَالْقُرْآنِ الْحَمْدِ، اور اقْرَبَتْ السَّاعَةُ اور حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں بکثرت سورۃ ق تلاوت فرماتے تھے

یہ سورت خاصی بڑی ہے) مگر اس کے باوجود نماز ہلکی رہتی تھی (قرطبی) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکی تلاوت کا خاص اثر تھا کہ بڑی سے بڑی سورت اور طویل سے طویل نماز بھی پڑھنے والوں پر ہلکی رہتی تھی

کیا آسمان نظر آتا ہے؟ **أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ** سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمان نظر آتا ہے، اور مشہور یہ ہے کہ یہ نیلگوں رنگ جو نظر آتا ہے یہ ہوا کا رنگ ہے، مگر اس کی نفی کی بھی کوئی دلیل نہیں، کہ یہی رنگ آسمان کا بھی ہو، اس کے علاوہ آیت میں نظر سے مراد نظر عقلی بمعنی غور و فکر بھی مراد ہو سکتی ہے، (بیان القرآن)

احیاء بعد الموت پر **قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ**، کفار و مشرکین جو قیامت میں بعثت بعد الموت مشہور شبہ کا جواب

یعنی مردوں کے زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں ان کی سبب بڑی دلیل یہ تعجب ہے کہ مرنے کے بعد انسان کے اکثر اجزاء جسم مٹی ہو جاتے ہیں، پھر وہ مٹی منتشر ہو کر دنیا میں پھیل جاتی ہے، پانی اور ہوا اس کے ذرات کہاں سے کہاں پہونچا دیتے ہیں، قیامت میں دوبارہ زندہ کرنے کے لئے ساری دنیا میں بکھرے ہوئے اجزاء کو معلوم رکھنا کہ یہ جڑ، فلاں کا ہے، یہ فلاں کا، اور پھر ہر ایک کے اجزاء کو الگ الگ جمع کر دنیا کس کے بس کی بات ہے؟ قرآن کریم نے اس کا جواب دیا کہ انسان اپنے محدود علم و بصیرت پر اللہ تعالیٰ کے غیر محدود و لامتناہی علم کو قیاس کر کے اس مگر اسی میں پڑتا ہے **(قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ)**، اللہ تعالیٰ کا علم تو اتنا وسیع اور محیط ہے کہ مرنے کے بعد انسان کا ایک ایک جڑ، اس کی نظر میں ہے، وہ جانتا ہے کہ مرنے کے کس کس حصہ کو زمین نے کھا لیا ہے، کیونکہ اس کی کچھ ہڈیاں تو اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہیں کہ ان کو زمین نہیں کھاتی، اور جن کو زمین کھا کر مٹی کر دیتی ہے پھر وہ مٹی دنیا جہان کے جس گوشہ میں پہنچتی ہے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہے، جب وہ چاہے گا سب کو ایک جگہ جمع کر دے گا، اور ذرا غور کرو تو اس وقت ہر انسان کا جسم جن اجزاء سے مرکب چلتا پھرتا نظر آتا ہے اس میں بھی تو ساری دنیا کے مختلف گوشوں کے اجزاء جمع ہیں، کوئی غذا کی صورت سے کوئی دوا کی صورت میں سارے عالم کے مختلف شہروں اور جنگلوں کے اجزاء ہی تو ہیں جن سے یہ موجودہ جسم مرکب ہوا ہے، پھر اس کے لئے کیا دشوار ہے کہ دوبارہ ان اجزاء کو دنیا میں منتشر کرنے کے بعد پھر ایک جگہ جمع کر دے، اور صرف یہی نہیں کہ اب مرنے اور مٹی ہونے کے بعد انسان کے یہ اجزاء اس کے علم میں آئے ہوں، بلکہ انسان کے پیدا کرنے سے پہلے ہی اس کی زندگی کا ہر لمحہ اور اس میں پیدا ہونے والے تغیرات اور پھر مرنے کے بعد اس پر کیا کیا حالات پیش آئیں گے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس پہلے سے لکھا ہوا لوح محفوظ میں موجود ہے،

پھر جو ایسا علیم و بصیر ہے اور جس کی قدرت اتنی کامل اور سب چیزوں پر حاوی ہے اس کے متعلق یہ تعجب کرنا خود قابل تعجب ہے، **مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ** کی یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؓ اور چہور مفسرین سے منقول ہے (بحر محیط)

فی آمر مریج، لفظ مریج کے معنی لغت میں مختلط کے ہیں، جس میں مختلف چیزوں کا اختلاط والقباس ہو

اور ایسی چیز عموماً فاسد ہوتی ہے، اسی لئے حضرت ابو ہریرہؓ نے مریخ کا ترجمہ فاسد سے فرمایا، اور ضحاک اور قتادہ اور حسن بصری وغیرہ نے مختلط اور ملتبس سے فرمایا ہے، مراد یہ ہے کہ یہ کفار و منکرین رسالت اپنی انکساری میں بھی کسی ایک بات پر نہیں جیتے، کبھی آپ کو ساحر و جادوگر بتاتے ہیں، کبھی شاعر کہتے ہیں، کبھی کاہن و نجومی کہتے ہیں، ان کا کلام خود ملتبس اور فاسد ہے، جواب کس کا دیا جائے،

آگے حق تعالیٰ کی قدرت مطلقہ کا ملکہ کا بیان ہے جو آسمان و زمین اور ان کے اندر پیدا ہونے والی بڑی بڑی چیزوں کی تخلیق کے حوالہ سے کیا گیا ہے اس میں آسمان کے متعلق فرمایا وَمَا تَقَامِسُ فُرُوجُ، فُرُوجُ افرج کی جمع ہے جس کے معنی شق کے آتے ہیں، مراد یہ ہے کہ آسمان کا اتنا بڑا عظیم الشان گڑھ حق تعالیٰ نے بنایا ہو اگر انسان کی بنائی ہوئی چیز ہوتی تو اس میں ہزار جوڑ و پیوند اور شقوق کے نشانات پائے جاتے، مگر تم آسمان کو دیکھتے ہو اس میں نہ کوئی پیوند لگا ہوا ہے نہ کسی جگہ سے جڑائی اور سلائی کے نشان نظر آتے ہیں اس سے اس کی نفی نہیں ہوتی کہ آسمان میں اللہ تعالیٰ نے دروازے بنائے ہیں، دروازے کو شق نہیں کہا جاتا، كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ، سابقہ آیات میں کفار کی تکذیب رسالت و آخرت کا ذکر تھا، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچنا ظاہر ہے، اس آیت میں حق تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لئے پچھلے انبیاء اور ان کی امتوں کے حالات بتلائے ہیں کہ ہر پیغمبر کو منکرین و کفار کی طرف سے ایسی ایذا میں پیش آتی ہی ہیں یہ سنتِ انبیاء ہے، اس سے آپ شکستہ خاطر نہ ہوں، قوم نوح علیہ السلام کا قصہ قرآن میں بار بار آیا کہ کہ ساڑھے نو سو برس نوح علیہ السلام ان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے مگر ان کی طرف سے نہ صرف انکار بلکہ طرح طرح کی ایذا میں پہنچتی رہیں،

اصحاب الرس کون لوگ ہیں؟ | اصحاب الرس، لفظ رس عربی زبان میں مختلف معنی کے لئے آتا ہے مشہور معنی یہ ہیں کہ کچے کنویں کو رس کہا جاتا ہے، جو اینٹ پتھر وغیرہ سے بچتہ نہ کیا گیا ہو، اصحاب الرس سے مراد قوم ثمود کے باقی ماندہ لوگ ہیں جو عذاب کے بعد باقی رہے، ضحاک وغیرہ مفسرین نے ان کا قصہ یہ لکھا کہ جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم (ثمود) پر عذاب آیا تو ان میں سے چار ہزار آدمی جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے وہ عذاب سے محفوظ رہے، یہ لوگ اپنے مقام سے منتقل ہو کر حضرت موت میں جا کر مقیم ہو گئے، حضرت صالح علیہ السلام بھی ان کے ساتھ تھے، ایک کنویں پر جا کر یہ لوگ ٹھہر گئے، اور حضرت صالح علیہ السلام کی وفات ہو گئی، اسی لئے اس جگہ کا نام حضرت موت (یعنی موت حاضر ہو گئی) ہے، یہ لوگ یہیں رہ پڑے، پھر ان کی نسل میں بُت پرستی شروع ہو گئی، ان کی اصلاح کے لئے حق تعالیٰ نے ایک نبی کو بھیجا، جس کو انہوں نے قتل کر ڈالا، اُن پر خدا تعالیٰ کا عذاب آیا، ان کا کنواں جس پر ان کی زندگی کا انحصار تھا وہ بیکار ہو گیا، اور عمارتیں ویران ہو گئیں، قرآن کریم نے اسی کا ذکر اس آیت میں فرمایا ہے: وَيَذُرُّ مُعْطَلَةً وَاقْصِرَ مَسِيرِينَ، یعنی چشمِ عبرت والوں کے لئے ان کا بیکار پڑا کنواں اور بچتہ بنے ہوئے محلات ویران پڑے

ہوتے عبرت کے لئے کافی ہیں۔

ثمود؛ حضرت صالح علیہ السلام کی اُمت ہیں، ان کا واقعہ قرآن میں بار بار پہلے گزر چکا ہے۔
عاد؛ قوم عاد اپنے ڈیل ڈول اور قوت و شجاعت میں ضرب المثل تھی، حضرت ہود علیہ السلام ان کی طرف مبعوث ہوئے، اُن کو ستایا اُن کی نافرمانی کی، آخر کار ہوا کے طوفان کا عذاب آیا، اور سب فنا ہوئے۔
فِرْعَوْن؛ بہت ہی معروف و مشہور مصر کے بادشاہ کا نام ہے۔

اِخْوَانُ نُوحٍ؛ حضرت نوح علیہ السلام کی اُمت ہے، جن کا قصہ کئی مرتبہ پہلے گزر چکا ہے۔
اَصْحَابُ الْاَیْکَةِ، ایک گھنے جنگل اور بن کو کہتے ہیں، یہ لوگ ایسے ہی مقام پر آباد تھے، حضرت شعیب علیہ السلام اُن کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے، انھوں نے نافرمانی کی، بالآخر عذاب الہی سے تباہ و برباد ہوئے۔

وَقَوْمُ ثُبَّع، ثُبَّعِیْن کے ایک بادشاہ کا لقب ہے، جس کی ضروری تحقیق جلد ہفتم میں سورۃ دُحَّان کے تحت گزر چکی ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ اقْرَبُ

اور البتہ ہم نے بنایا انسان کو اور ہم جانتے ہیں جو باتیں آتی رہتی ہیں اس کے جی میں اور ہم اس سے

اٰتٰیہٖ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۙ اِذْ یَتَلَقَّى السَّمَلٰقِیْنَ عَنِ الْیَمِیْنِ عَنِ الشِّمَالِ

نزدیک ہیں دھڑکتی رگ سے زیادہ، جب لپکتے جاتے ہیں دو لینے والے داہنے بیٹھا اور بائیں

قَعِیْدٌ ۙ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ۙ وَجَآءَتْ

بیٹھا، نہیں بولتا کچھ بات جو نہیں ہوتا اس کے پاس ایک لہ دیکھنے والا تیار، اور وہ آتی

سَكْرَۃُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۚ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِیْدٌ ۙ وَنَفِخَ فِی الصُّوْرِ

بیہوشی موت کی تحقیق، یہ وہ ہے جس سے تو ٹلتا رہتا تھا، اور پھو مکا گیا صور

ذٰلِكَ یَوْمُ الْوَعْدِ ۙ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآرِقٌ وَنَهَیْدٌ ۙ

یہ ہر دن ڈرانے کا، اور آیا ہر ایک جی اس کے ساتھ ہوا ایک ہانکنے والا اور ایک احوال بتلانے والا

لَقَدْ كُنْتَ فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكُشِفْنَا عَنْكَ غِطَاءً ۙ فَبَصَرُكَ الْیَوْمَ

تو بیخبر رہا اس دن سے اب کھول دی ہم نے تجھ پر سے قیری اندھیری سو تیری نگاہ آج

حَدِيدٌ ۲۲) وَقَالَ قَرِينُهُ هَذَا مَا لَدَىٰ عَيْنِي ۲۳) أَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ

تیز ہے ، اور بولا (فرشتہ) اس کے ساتھ والا یہ جو میرے پاس تھا حاضر ، ڈال دو تم دونوں دوزخ میں ہر

كَفَّارٍ عَيْنِي ۲۴) مَتَّاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ ۲۵) الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ

ناشکر مخالف کو ، نیکی سے روکنے والا حد سے بڑھنے والا مشبہ ڈالنے والا ، جس نے ٹھہرایا اللہ کے ساتھ اور

إِلَهًا آخَرَ فَأَلْقِيهِ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ۲۶) قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا

کو پوجنا سو ڈال دو اس کو سخت عذاب میں ، بولا (شیطان) اس کا ساتھی اے رب ہمارے

أَطَعْتُهُ وَلَٰكِنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۲۷) قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدُنِّي

میں نے اس کو شرارت میں نہیں ڈالا پر یہ تمہارا راہ کو بھولا دور پڑا ہوا ، فرمایا جھگڑا نہ کرو میرے پاس

وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعْدِ ۲۸) مَا يُبَدِّلُ الْقَوْلَ لَدُنِّي وَمَا أَنَا

اور میں پہلے ہی ڈرا چکا تھا تم کو عذاب سے ، بدلتی نہیں بات میرے پاس اور میں ظلم

بِظُلْمٍ لِّلْعَبِيدِ ۲۹)

نہیں کرتا بندوں پر ،

خُلاصۃ تفسیر

راہ پر قیامت میں مردوں کے زندہ ہونے کا امکان ثابت ہو چکا ہے آگے اس کے وقوع کا بیان ہوا اور وقوع موقوف ہو علم کامل اور قدرت کاملہ پر ، اس لئے اوّل اس کو بتلاتے ہیں کہ (۱) اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے (جو اعلیٰ درجہ کی دلیل ہے قدرت پر) اور اس کے جی میں جو خیالات آتے ہیں ہم ان (تک) کو (بھی) جانتے ہیں (تو جو افعال ان کے ہاتھ پاؤں اور زبان سے صادر ہوں ان کو جاننا تو بدرجہ اولیٰ ہے) اور (بلکہ) ہم کو تو اس کے احوال کا ایسا علم ہے کہ اس کو خود بھی اپنے احوال کا ایسا علم نہیں پس باعتبار علم کے (۱) ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ جس کے قطع ہونے سے انسان مرجھاتا ہے ، اور چونکہ لوگوں کی عام عادت میں جانور کی روح نکالنے کے لئے گردن کاٹنے ہی کا طریقہ رائج ہے ، اس لئے یہ تعبیر اختیار کی گئی ، اور یہ گردن کی رگیں و رید اور شریان دونوں کو محمل ہیں ، مگر شریانی مراد لینا زیادہ مناسب ہے ، کیونکہ ان میں روح غالب اور خون مغلوب رہتا ہے ، اور وید میں بالعکس اور یہاں جس کو روح میں زیادہ دخل ہو اس کا مراد لینا مناسب ہے ، اور سورۃ حاقہ میں لَفْظٌ وَتَيْنِ بمعنی

رگِ دل سے تعبیر کرنا اس کا مقصد ہے کیونکہ جو رگیں دل سے نکلتی ہیں وہ شرائین ہیں، اور گو قرآن میں لفظ ورید ہی مگر معنی لغوی اس کے عام ہیں جس میں دل سے نکلنے والی رگیں شرائین بھی داخل ہیں اور جگر سے نکلنے والی رگیں ورید بھی، پس مطلب یہ ہوا کہ ہم باعتبار علم کے اس کی روح اور نفس سے بھی نزدیک تر ہیں، یعنی جیسا علم انسان کو اپنی احوال کا ہے ہم کو اس کا علم خود اس سے بھی زیادہ ہے، چنانچہ انسان کو اپنی بہت سی حالتوں کا تو علم ہی نہیں ہوتا، اور جن کا علم ہوتا ہے ان میں بھی بعض اوقات نسیان یا ان سے ذہول ہو جاتا ہے، اور حق تعالیٰ میں ان احتمالات کی گنجائش ہی نہیں، اور ظاہر ہے کہ جو علم ہر حالت میں ہو اس کا تعلق بہ نسبت اس کے کہ ایک حالت میں ہو زیادہ ہوگا، غرض علم الہی کا جمیع احوال انسانیہ کے ساتھ متعلق ہونا بھی ثابت ہو گیا، آگے اس کی مزید تاکید کے لئے یہ بیان فرمایا کہ انسان کے اعمال و احوال صرف یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں محفوظ ہوں بلکہ ظاہری حجت تمام کرنے کے لئے وہ اعمال فرشتوں کے ذریعہ لکھوا کر بھی محفوظ کئے گئے، ارشاد ہے (جب دو اخذ کرنے والے فرشتے (انسان کے اعمال کو جب وہ اس سے صادر ہوتے ہیں) اخذ کرتے رہتے ہیں جو کہ داہنی اور بائیں طرف بیٹھے رہتے ہیں) اور برابر ہر عمل کو لکھتے رہتے ہیں، لقولہ تعالیٰ اِنَّ رُّسُلَنَا یُکْتُبُوْنَ مَا تَمْکُوْرُوْنَ و قوله تعالیٰ اِنَّا کُنَّا فَسْتَنْسِیْھُمْ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ یہاں تک کہ سب اعمال میں خفیف انسان کی گفتگو اور کلام ہے، مگر اس کی یہ کیفیت ہے کہ وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لکھانے والا تیار (موجود ہوتا) ہے اگر وہ نیکی کا کلام ہو تو داسنے والا اس کو ضبط اور تحریر میں لاتا ہے، اگر بدی کا کلام ہو تو بائیں والا، اور جب زبان سے نکلنے والا ایک ایک کلمہ محفوظ و مکتوب ہو تو دوسرے اعمال کیوں نہ ہوں گے، اور (چونکہ آخرت کی زندگی اور اعمال کی جزاء و سزا سب کا مقدمہ موت ہے، اس لئے انسان کو متنبہ کرنے کے لئے آگے اس کا ذکر ہے، کیونکہ قیامت سے انکار درحقیقت موت سے غفلت ہی کا نتیجہ ہوتا ہے، ارشاد ہے کہ تو ہوشیار ہو جاؤ) موت کی سختی حقیقتاً (قریب) آپہنچی (یعنی ہر شخص کی موت قریب ہی چنانچہ ظاہر ہے) یہ (موت) وہ چیز ہے جس سے تو بدکتا اور بھاگتا تھا (موت سے بھاگنا طبعی طور پر تو ہر نیک و بد میں یکساں ہے، اور کافر ماجر کا موت سے بھاگنا بوجہ حب دنیا کے اور بھی زیادہ واضح ہے، کسی خاص بندہ پر اللہ سے ملنے کے شوق کا غلبہ ہو کر موت کا لذیذ اور مطلوب ہو جانا اس کے منافی نہیں کیونکہ وہ عام عادت انسانی سے مافوق حالت ہے) اور (اس مقدمہ یعنی ذکر موت کے بعد اب وقوع قیامت کا بیان ہے، جو کہ مقصود تھا یعنی قیامت کے دن دوبارہ) صور پھونکا جائے گا جس سے سب بندہ ہو جائیں گے یہی دن ہوگا وعید کا (جس سے لوگوں کو ڈرایا جاتا تھا) اور (آگے قیامت کے ہولناک واقعات اور حالات کا بیان ہے) ہر شخص اس طرح (میدان قیامت میں) آئے گا کہ اس کے ساتھ (دو فرشتے ہوں گے جن میں) ایک (تو میدان قیامت کی طرف) اس کو اپنے ہمراہ لاوے گا اور ایک (اس کے اعمال کا) گواہ ہوگا (حدیث مرفوعہ میں ہے کہ یہ سائق اور شہید وہی دو فرشتے ہیں جو زندگی میں انسان کے دائیں اور

باتیں اس کے اعمال کو لکھتے تھے (رواہ فی الدر) اور اگر یہ حدیث موافق شرائط محدثین کے قوی نہ ہو تو احتمال ہے کہ دو فرشتے اور ہوں جیسا کہ بعض قائل ہوئے ہیں، گو اس صورت میں بھی بوجہ موافقت حدیث کے راجح احتمال اول ہی ہوگا اور جب وہ میدان قیامت میں حاضر ہوں گے تو ان میں جو کافر ہوں گے ان سے خطاب ہوگا کہ (تو اس دن سے بے خبر تھا) یعنی اس کا قائل نہ تھا، سواب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ (غفلت اور انکار کا) ہٹا دیا اور قیامت کا معاملہ کر دیا) سو آج (تو) تیری نگاہ بڑی تیز ہے کہ کوئی امر مانع اور اک نہیں، کاش تو دنیا میں بھی اس مانع غفلت کو رفع کر دیتا تو تیرے دن بھلے ہوتے) اور (اس کے بعد) فرشتہ (کاتب اعمال) جو اس کے ساتھ رہتا تھا (اور اب بھی ایک قول پر سائق یا شاہد بن کر آیا ہے نامہ اعمال حاضر کر کے) عرض کرے گا کہ یہ وہ (روزنامہ) ہے جو میرے پاس تیار ہے (کنز الفتر بذالافتقرین بالملک ابن جریر والقرین الذی یلیہ بالشیطان رواہ فی الدر) چنانچہ اس روزنامہ کے موافق کافروں کے بارے میں دو فرشتوں کو خواہ وہ سائق و شہید مذکور ہوں یا اور دو فرشتے ہوں حکم ہوگا کہ ہر ایسے شخص کو جہنم میں ڈال دو جو کفر کرنے والا ہو اور (حق سے) صبر رکھتا ہو اور نیک کام سے روکتا ہو اور حد (عبدیت) سے باہر ہو جانے والا ہو اور (دین میں) شبہ پیدا کرنے والا ہو، جس نے خدا کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا ہو سو ایسے شخص کو سخت عذاب میں ڈال دو (جب کفار کو معلوم ہوگا کہ اب خسارۂ ابدی میں پڑنے والے ہیں اس وقت اپنے بچاؤ کے واسطے گمراہ کرنے والوں کے ذمہ الزام رکھیں گے کہ ہمارا قصور نہیں ہمیں تو دوسروں نے گمراہ کیا ہے اور چونکہ ان گمراہ کرنے والوں میں شیاطین بھی داخل ہیں، اس لئے فرمایا کہ) وہ شیطان جو اس کے ساتھ رہتا تھا کہے گا کہ اے ہمارے پروردگار میں نے اس کو (جبراً) گمراہ نہیں کیا تھا جیسا کہ اس کے الزام رکھنے سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس کے اپنے اختیار کو بالکل دخل نہ ہو، لیکن (بات یہ ہے کہ) یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں (باختیار خود) تھا (گو اغواء میں نے بھی کیا جس میں کوئی جبر نہ تھا، اس لئے اس کی گمراہی کا اثر مجھ پر نہ ہونا چاہئے) ارشاد ہوگا کہ میرے سامنے جھگڑے کی باتیں مت کرو (کہ بے سود ہیں) اور میں تو پہلے ہی تمھارے پاس وعید بھیج چکا تھا کہ جو کفر کرے گا از خود یا کسی کے اغواء سے اور جو کفر کا حکم کرے گا خواہ اپنی مرضی سے یا کسی کے جبر سے سب کو جہنم کی سزا علی تفاوت المراتب دوں گا سو) میرے ہاں (وہ) بات (وعید مذکور کی) نہیں بدلی جاوے گی (بلکہ تم سب دوزخ میں بھونکے جاؤ گے) اور میں (اس تجویز میں) بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں (بلکہ بندوں نے خود ایسے ناشائستہ کام کئے جس کی سزا آج بھگت رہے ہیں)۔

معارف و مسائل

سابقہ آیات میں منکرین حشر و نشر اور مردوں کے زندہ ہونے کو بعید از عقل و قیاس

کہنے والوں کے شبہات کا ازالہ... اس طرح کیا تھا کہ تم نے حق تعالیٰ کے علم کو اپنے علم و بصیرت پر قیاس کر رکھا ہے اس لئے یہ اشکال ہے کہ مَرُوءے کے اجزاء مٹی ہو کر دنیا میں بکھرنے کے بعد ان کو کس طرح جمع کیا جاسکتا ہے، مگر حق تعالیٰ نے بتلایا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ہمارے علم میں ہے، ہمارے لئے ان سب کو جب چاہیں جمع کر دینا کیا مشکل ہے، آیات مذکورہ میں بھی علم الہی کی وسعت اور ہمہ گیری کا بیان ہے کہ انسان کے اجزاء سے منتشرہ کا علم ہونے سے بھی زیادہ بڑی بات تو یہ ہے کہ ہم ہر انسان کے دل میں آنے والے خیالات کو بھی ہر وقت ہر حال میں جانتے ہیں، اور اس کی وجہ دوسری آیت میں یہ بیان فرماتی کہ ہم انسان سے اتنے قریب ہیں کہ اس کی رگ گردن جس پر اس کی زندگی کا مدار ہے وہ بھی اتنی قریب نہیں، اس لئے ہم اس کے حالات کو خود اس سے بھی زیادہ جانتے ہیں،

اللہ تعالیٰ انسان سے اس کی
شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں
اس کی تحقیق

لَفْظُ وَرِيدٍ عَرَبِيٌّ زَبَانٍ مِّنْ هِرْجَانِدَارِ كِي وَه رَغِيں يٰں جِن سَے خُونِ كَا سِيْلَانِ تَمَامِ بَدَنِ يٰں
ہوتا ہے، طبی اصطلاح میں یہ دو قسم کی رگیں ہیں، ایک وہ جو جگر سے نکلتی ہیں اور خالص خون سارے بدن انسانی
میں پہونچاتی ہیں، طبی اصطلاح میں صرف انہی رگوں کو وَرِيدٌ اور جمع کو اَوْرِدَہ کہا جاتا ہے، دوسری قسم وہ
رگیں جو حیوان کے قلب سے نکلتی ہیں اور خون کی وہ لطیف بھاپ جس کو طبی اصطلاح میں رُوح کہا جاتا ہے،
وہ اسی طرح تمام بدن انسانی میں... پھیلاتی اور پہونچاتی ہیں ان کو شریان اور شرايين کہا جاتا ہے، پہلی
قسم کی رگیں مویٰ اور دوسری باریک ہوتی ہیں،

آیت مذکورہ میں یہ ضروری نہیں کہ وريد کا لفظ طبی اصطلاح کے مطابق اس رگ کے لئے لیا جائے
جو جگر سے نکلتی ہے، بلکہ قلب سے نکلنے والی رگ کو بھی لغت کے اعتبار سے وريد کہا جاسکتا ہے، کیونکہ
اس میں بھی ایک قسم کا خون ہی دوران کرتا ہے، اور اس جگہ چونکہ مقصود آیت کا انسان کے قلبی خیالات
اور احوال سے مطلع ہونا ہے، اس لئے وہ زیادہ انسب ہے، اور ہر حال خواہ وریڈ یا اصطلاح طب جگر سے
نکلنے والی رگ کے معنی میں ہو یا قلب سے نکلنے والی شریان کے معنی میں، بہر دو صورت جاندار کی زندگی اس
پر موقوف ہے، یہ رگیں کاٹ دی جائیں تو جاندار کی رُوح نکل جاتی ہے، تو خلاصہ یہ ہو کہ جس چیز پر انسان
کی زندگی موقوف ہے ہم اس چیز سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں یعنی اس کی ہر چیز کا علم رکھتے ہیں،

اور صوفیائے کرام کے نزدیک قریب مراد اس جگہ صرف قرب علی اور احاطہ علی ہی نہیں بلکہ ایک خاص
قسم کا اتصال ہے، جس کی حقیقت اور کیفیت تو کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی، مگر یہ قرب و اتصال بلا کیف موجود
ضرور ہے، قرآن کریم کی متعدد آیات اور احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَامَّا جَنَّ
وَاقْتَرَبَ، یعنی سجدہ کرو اور ہمارے قریب ہو جاؤ۔ اور ہجرت کے واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا اللہ متعاً ”یعنی اللہ ہمارے ساتھ ہے“ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا اِنْ مَعِيَ رَبِّي ”یعنی میرا رب میرے ساتھ ہے“ اور حدیث میں ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سب سے زیادہ قریب اُس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ سجدہ میں ہو، اسی طرح حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”میرا بندہ میرے ساتھ نفلی عبادات کے ساتھ تقرب حاصل کرتا رہتا ہے“

یہ قرب و تقرب جو عبادات کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے اور انسان کے اپنے کسب و عمل کا نتیجہ ہوتا ہے یہ صرف مومن کے لئے مخصوص ہے، اور ایسے مومنین اولیاء اللہ کہلاتے ہیں، جن کو حق تعالیٰ کے ساتھ یہ تقرب حاصل ہو یہ اتصال و قرب اس قرب کے علاوہ ہے جو حق تعالیٰ کو ہر انسان مومن و کافر کی جان کے ساتھ یکساں ہے، غرض مذکورہ آیات و روایات اس پر شاہد ہیں کہ انسان کو اپنے خالق و مالک کے ساتھ ایک خاص قسم کا اتصال حاصل ہے گو ہم اس کی حقیقت اور کیفیت کا ادراک نہ کر سکیں، مولانا رومی نے اسی کو فرمایا ہے

اتصالے بے مثال دے قیاس ہست رب الناس را با جانِ ناس

یہ قرب و اتصال آنکھ سے نہیں دیکھا جاسکتا بلکہ فراستِ ایمانی سے معلوم کیا جاسکتا ہے،

تفسیر مظہری میں اسی قرب و اتصال کو اس آیت کا مفہوم قرار دیا ہے، اور جمہور مفسرین کا قول پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اتصال سے مراد اتصالِ علی اور احاطہ علی ہے، اور ابن کثیر نے ان دونوں معنی سے الگ ایک تیسری تفسیر یہ اختیار کی ہے کہ آیت میں لفظ مَخْنُوس سے خود حق تعالیٰ کی ذات مراد نہیں، بلکہ اس کے فرشتے مراد ہیں، جو انسان کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں، وہ انسان کی جان سے اتنے باخبر ہوتے ہیں کہ خود انسان بھی اپنی جان سے اتنا باخبر نہیں ہوتا، واللہ اعلم،

ہر انسان کے اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّينَ، تَلَقَّى کے لغوی معنی اخذ کرنے، لے لینے اور حاصل کر لینے کے آتے ہیں، فَتَلَقَّى آدَمَ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ ”یعنی لے لئے اور حاصل کر لئے آدمؑ نے اپنے ربؑ کی چند کلمات“

اس آیت میں مُتَلَقِّیَان سے مراد وہ دو فرشتے ہیں جو ہر انسان کے ساتھ اس کے اعمال لکھنے کے لئے ہر وقت اس کے ساتھ رہتے ہیں، اور اس کے اعمال کو اپنے صحیفوں میں لکھتے رہتے ہیں، عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ

الشِّمَالِ قَعِيدٌ ”یعنی ان میں ایک اس کے دائیں طرف رہتا ہے (جو اس کے اعمالِ صالحہ کو لکھتا ہے)

دوسرا اس کے بائیں جانب (جو اس کی سیئات کو لکھتا ہے) قَعِيدٌ بمعنی القاعد ہے مفرد و جمع دونوں کے لئے لفظ قعید استعمال ہوتا ہے، اگرچہ قعید بمعنی قاعد ہے، جیسے مجلس بمعنی جالس، مگر ایک فرق یہ ہے کہ قاعد اور جالس تو صرف بیٹھنے کی حالت میں بولا جاتا ہے، اور قعید و مجلس عام ہے جو کسی کے ساتھ ہو خواہ بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے یا چلتے پھرتے ہوئے ان کو قعید و مجلس کہیں گے، ان دونوں فرشتوں کا یہی حال ہے کہ وہ ہر وقت ہر حال میں انسان کے ساتھ رہتے ہیں، وہ بیٹھا ہو یا کھڑا، چلتا پھرتا ہو یا سو رہا ہو، صرف ایسی حالت

میں جب کہ یہ پیشاب، پاخانہ یا جماع کی ضرورت سے ستر کھولے ہوتا ہے تو یہ فرشتے ہٹ جاتے ہیں، مگر

اللہ نے ان کو اس کا ملکہ دیدیا ہے کہ اس حالت میں بھی وہ کوئی گناہ نہ کریں تو ان کو معلوم ہو جاتا ہے۔
ابن کثیر نے اخف بن قیس کی روایت سے لکھا ہے کہ ان دو فرشتوں میں سے صاحب یمن نیک اعمال
لکھتا ہے اور وہ صاحب شمال یعنی بائیں جانب کے فرشتے کا بھی نگران و امین ہے، اگر انسان کوئی گناہ کرتا
ہے تو صاحب یمن صاحب شمال سے کہتا ہے کہ ابھی اس کو اپنے صحیفہ میں نہ لکھو اس کو جہلت دو اگر توبہ کر لی
تو رہنے دو ورنہ پھر اعمالنامہ میں درج کرو (رواہ ابن ابی حاتم)

اعمالنامہ لکھنے والے فرشتے حضرت حسن بصریؒ نے آیت مذکورہ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ تلاوت
فرما کر کہا:-

اے ابن آدم! تیرے لئے نامہ اعمال بچھا دیا گیا ہے، اور تجھ پر دو معزز فرشتے مقرر کر دیے
گئے ہیں، ایک تیری داہنی جانب دوسرا بائیں جانب، داہنی جانب والا تیری حسنات کو لکھتا
ہے اور بائیں جانب والا تیری سیئات اور گناہوں کو، اب اس حقیقت کو سامنے رکھ کر جو تیرا
جی چاہے عمل کر اور کم کر یا زیادہ، یہاں تک کہ جب تو مرے گا تو یہ صحیفہ یعنی نامہ اعمال لپیٹ
دیا جائے گا، اور تیری گردن میں ڈال دیا جائے گا، جو تیرے ساتھ قبر میں جائے گا، اور رہے گا،
یہاں تک کہ جب تو قیامت کے روز قبر سے اٹھے گا تو اس وقت حق تعالیٰ فرمائے گا وَكَلَّ
إِنْسَانٍ أَلْمَمَهُ ظَمِرُهُ فِي عُقْبِهِ وَخُورَجَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ كِتَابًا يَتْلُقُهُ مَشُورًا إِفْرًا
كِتَابِكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ أَهْمُومًا عَلَيْكَ حَيًّا، یعنی ہم نے ہر انسان کا اعمالنامہ اس کی گردن میں لگا دیا
ہے اور قیامت کے روز وہ اس کو کھلا ہوا پائے گا، اب اپنا اعمالنامہ خود پڑھ لے تو خود ہی اپنا
ساب لگانے کے لئے کافی ہے۔

پھر حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! اس ذات نے بڑا عدل و انصاف کیا، جس نے خود تجھ کو ہی
تیرے اعمال کا محاسب بنا دیا، (ابن کثیر) یہ ظاہر ہے کہ اعمالنامہ کوئی دنیوی کاغذ تو ہے نہیں جس کے قبر
میں ساتھ جانے اور قیامت تک باقی رہنے پر اشکال ہو ایک معنوی چیز ہے جس کی حقیقت حق تعالیٰ ہی
جانتے ہیں، اس لئے اس کا ہر انسان کے گلے کا ہار بننا اور قیامت تک باقی رہنا کوئی تعجب کی چیز نہیں
انسان کا ہر قول و رفتار دیکھا جاتا ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدُنَّ رَبِّهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (یعنی انسان کوئی کلمہ
زبان سے نہیں نکالتا جس کو یہ نگران فرشتہ محفوظ نہ کر لیتا ہو، حضرت حسن بصریؒ اور قتادہؒ نے فرمایا کہ
یہ فرشتے اس کا ایک ایک لفظ لکھتے ہیں، خواہ اس میں کوئی گناہ یا ثواب ہو یا نہ ہو، حضرت ابن عباسؓ نے
فرمایا کہ صرف وہ کلمات لکھے جاتے ہیں جن پر کوئی ثواب یا عتاب ہو، ابن کثیرؒ نے یہ دونوں قول نقل کرنے
کے بعد فرمایا کہ آیت قرآن کے عموم سے پہلی ہی بات کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، کہ ہر لفظ لکھا جاتا ہے،
پھر علی بن ابی طلحہؒ کی ایک روایت ابن عباسؓ سے ایسی نقل فرمائی جس میں یہ دونوں قول جمع ہو جائیں

اس روایت میں یہ ہے کہ پہلے تو ہر کلمہ لکھا جاتا ہے، خواہ گناہ و ثواب اس میں ہو یا نہ ہو، مگر ہفتہ میں جمعرات کے روز اس پر فرشتے نظر ثانی کر کے صرف وہ رکھ لیتے ہیں جن میں ثواب یا عتاب ہو یعنی خیر یا شر ہو، باقی کو نظر انداز کر دیتے ہیں، قرآن کریم میں **يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ وَعِنْدَكَ أُمُّ الْكِتَابِ** کے مفہوم میں یہ خود اثبات بھی داخل ہے۔

امام حسمد نے حضرت بلال بن حارث مزینی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-

”انسان بعض اوقات کوئی کلمہ خیر بولتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے، مگر یہ اس کو معمولی بات سمجھ کر بولتا ہے، اس کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ اس کا ثواب کہاں تک پہنچا، کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنی رضا سے دائمی قیامت تک کی لکھ دیتے ہیں، اسی طرح انسان کوئی کلمہ اللہ کی ناراضی کا (معمولی سمجھ کر) زبان سے نکال دیتا ہے اس کو گمان نہیں ہوتا کہ اس کا گناہ دو بال کہاں تک پہنچے گا، اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس شخص سے اپنی دائمی ناراضی قیامت تک کے لئے لکھ دیتے ہیں (ابن کثیر)“

حضرت علقمہؓ حضرت بلال بن حارث کی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس حدیث نے مجھے بہت سی باتیں زبان سے نکالنے کو روک دیا ہے (ابن کثیر)

سَكَرَاتِ الْمَوْتِ | وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيصُ، سکرۃ الموت کے معنی موت کی شدت اور غشی جو موت کے وقت پیش آتی ہے، ابوبکر بن الانباریؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت مسروق سے روایت کی ہے کہ جب حضرت صدیق اکبرؓ پر موت کے آثار شروع ہوئے تو صدیقہ عائشہؓ کو بلایا، وہ پہنچیں تو یہ حالت دیکھ کر بے ساختہ ایک شعر زبان سے نکلا :-

إِذَا حَشَرَ حَجَّتْ يَوْمًا وَصَافَ بِهَا الصَّدْرُ

”یعنی جب روح ایک دن مضطرب ہوگی اور سینہ اس تنگ ہو جائیگا“

حضرت صدیق اکبرؓ نے سنا تو فرمایا کہ تم نے فضول یہ شعر پڑھا، یوں کیوں نہ کہا **وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيصُ**، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ حالت پیش آئی تو آپؐ... پانی میں ہاتھ ڈال کر چہرہ مبارک پر ملے اور فرماتے تھے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِنَّ الْمَوْتِ سَكَرَاتٍ**، یعنی کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے فرمایا کہ موت کی بڑی شدتیں ہوتی ہیں۔

بِالْحَقِّ، اس میں حرف بار تعدیہ کے لئے ہے، معنی یہ ہیں کہ لے آئی شدتِ موت امر حق کو یعنی موت

کی شدت نے وہ چیزیں سامنے کر دیں جو حق و ثابت ہیں، اور کسی کو ان سے فرار کی گنجائش نہیں (منہری)، **ذَلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيصُ**، تجھ، حید سے مشتق ہے، جس کے معنی مائل ہونے، جگہ سے ہٹ جانے

اور اقرار کرنے کے ہیں، معنی آیت کے یہ ہیں کہ موت وہ چیز ہے جس سے تو بدکُتا اور بھاگتا تھا، ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب عام انسان کو ہے، موت سے بدکُتا اور بھاگنا طبعی طور پر پوری نوع انسانی میں پایا جاتا ہے، ہر شخص زندگی کو مرغوب اور موت کو آفت و مصیبت سمجھ کر اس سے بچنے کی تدبیریں کرتا ہے، جو شرعاً کوئی گناہ بھی نہیں، لیکن آیت میں بتلانا یہ منظور ہے کہ انسان کی یہ طبعی اور فطری خواہش مکمل طور پر ہرگز پوری نہیں ہو سکتی، ایک دن تو بہر حال موت آنا ہی ہے، خواہ تم اس سے کتنا ہی بھاگنا چاہو، انسان کو میدانِ حشر میں | وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ، اس آیت سے اوپر قیامت قائم ہونے لانے والے دو فرشتے کا ذکر ہے، اس آیت میں میدانِ حشر میں تمام انسانوں کے حاضر ہونے کی ایک خاص کیفیت بیان کی گئی ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک سائق ہوگا، سائق کہتے ہیں اس شخص کو جو جانور کے یا کسی جماعت کے پیچھے رہ کر اس کو کسی خاص جگہ پر پہنچانا چاہتا ہے، اور شہید کے معنی گواہ کے ہیں، سائق کا فرشتہ ہونا تو با اتفاق روایات سے ثابت ہے، شہید کے بارے میں علماء تفسیر کے اقوال مختلف ہیں بعض کے نزدیک وہ بھی ایک فرشتہ ہی ہوگا، اس طرح سائق اور شہید دو فرشتے ہوں گے، ایک کا کام اس کو میدانِ حشر میں پہنچانا ہے، دوسرے کا کام یہ ہے کہ جب اس کے اعمال پیش ہوں تو وہ اُس پر گواہی دیں یہ دو فرشتے وہ بھی ہو سکتے ہیں جو انسان کے دلہنے اور بائیں اعمال کی کتابت کے لئے ہر وقت دنیا میں ساتھ رہتے ہیں، یعنی کرام کا نہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے علاوہ اور دو ہوں۔

اور شہید کے متعلق بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ انسان کا عمل ہوگا، اور بعض نے خود اسی انسان کو شہید فرمایا، ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر آیت سے یہی ہے کہ وہ بھی ایک فرشتہ ہی ہوگا جو اس کے اعمال پر شہادت دے گا، حضرت عثمان غنیؓ نے خطبہ میں یہ آیت تلاوت فرما کر یہی تفسیر فرمائی ہے، اور حضرت مجاہد، قتادہ، ابن زید مفسرین سے بھی یہی منقول ہے، ابن جریر نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

مرنے کے بعد آنکھیں وہ سب کچھ | فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ (یعنی ہم نے تمہاری آنکھوں سے پردہ ہٹا دیا آج تمہاری نگاہ بڑی تیز ہے) اس کا مخاطب کون

ہے، اس میں بھی مفسرین کے اقوال مختلف ہیں، مگر راجح یہی ہے کہ عام انسان مخاطب ہیں، جن میں مومن، کافر، متقی، فاسق، سب داخل ہیں، اسی تفسیر کو ابن جریرؒ ابن کثیرؒ وغیرہ نے اختیار فرمایا ہے، اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ دنیا کی مثال خواب کی سی زندگی کی ہے، اور آخرت کی مثال بیداری کی، جیسے خواب میں آدمی کی آنکھیں بند ہوتی ہیں کچھ نہیں دیکھتا، اسی طرح انسان اُن حقائق کو جن کا تعلق عالمِ آخرت سے ہے دنیا میں آنکھوں سے نہیں دیکھتا، مگر یہ ظاہری آنکھیں بند ہوتے ہی وہ خواب کا عالم ختم ہو کر بیداری کا عالم آتا ہے، جس میں وہ سارے حقائق سامنے آجاتے ہیں اسی لئے بعض علماء نے فرمایا اَلْيَوْمَ نَبَا نِيَا ثُمَّ قَادَا مَا تَوْأَمْتَا (یعنی آج کی دنیا کی زندگی میں سب انسان سو رہے ہیں جب مریں گے اُس وقت جاگیں گے)

قَالَ قَرِينُهُ هَذَا مَا لَدَىٰ عَيْنَيْكَ، یہاں قرین سے مراد وہ فرشتہ ہے جو انسان کے ساتھ اس کے اعمال لکھنے کے لئے رہتا تھا، اور پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ کاتب اعمال دو فرشتے ہوتے ہیں، مگر قیامت میں انسان کی حاضری کے وقت ایک کو سائق دوسرے کو شہید اس سے پہلی آیت میں فرمایا ہے، اس لئے نسب کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کاتب اعمال دو فرشتوں کو میدانِ حشر میں اس کی حاضری کے وقت دو کام سپرد کر دیں گے، ایک کے ذمہ اس کے پیچھے رہ کر اس کو میدانِ حشر میں پہنچانا لگایا گیا، جس کو آیت میں سائق کا نام دیا گیا، دوسرے کے سپرد اس کے نامہ اعمال کر دیئے گئے، جس کو شہید کے نام سے تعبیر کیا گیا، تو میدانِ حشر میں پہنچنے کے بعد نامہ اعمال والا فرشتہ یعنی شہید یہ عرض کرے گا هَذَا مَا لَدَىٰ عَيْنَيْكَ یعنی اس کے اعمال میرے پاس لکھے ہوئے موجود ہیں، اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ یہاں لفظ "قرین" سائق اور شہید دونوں کو شامل ہے،

أَلْقَانِي فِي جَحِيمٍ كُلِّ كَفَّارٍ عَيْنٍ، لفظاً ثانیہ کا صیغہ ہے جو دو شخصوں کے لئے بولا جاتا ہے، اس آیت میں جن دو فرشتوں کو خطاب ہے وہ کون ہیں، ظاہر یہ ہے کہ یہی دو فرشتے جن کو پہلے سائق اور شہید کہا گیا ہے اس کے مخاطب ہیں، بعض حضرات مفسرین نے دوسری توجہات بھی لکھی ہیں، (از ابن کثیر)

قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْعَمْتَهُ، لفظ قرین کے اصلی معنی پاس رہنے والے اور ملے ہوئے کے ہیں، اس معنی کے اعتبار سے پچھلی آیت میں قرین سے مراد وہ فرشتہ یا فرشتے لئے گئے ہیں جو انسان کے اعمال لکھتے ہیں اور انسان کے ساتھ جیسے دو فرشتے قرین بنائے گئے ہیں اسی طرح ایک شیطان بھی ہر انسان کا قرین رہتا ہے، جو اس کو گمراہی اور گناہوں کی طرف بلاتا ہے، اس آیت میں قرین سے یہی شیطان مراد ہے، جب اس شخص کو جہنم میں ڈالنے کا حکم ہو جائے گا تو یہ شیطان اس سے اپنی برائت کا اظہار کرے گا کہ اس کو میں نے گمراہ نہیں کیا، بلکہ یہ خود ہی گمراہ تھا کہ گمراہی کی بات کو قبول کرتا اور نیک بات پر کان نہ دھرتا تھا ظاہر کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں جانے والا اُس وقت یہ عذر کرے گا کہ مجھے تو اس شیطان نے بہکایا تھا، ورنہ میں نیک کام کرتا، اس کے جواب میں شیطان اپنی برائت ظاہر کرے گا، ان دونوں کے جھگڑے کے جواب میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہو گا:

لَا تَخْتَصِمُوا لَدُنِّي وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعْدِ، یعنی میرے سامنے جھگڑا نہ کرو، میں تو پہلے ہی انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ تمہارے فضول عذر کا جواب دے چکا ہوں اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ دلائل واضح کر چکا ہوں، یہ فضول عذر تراشی اور جھگڑا آج نہ چلے گا،

مَا يَبْدُلُ الْقَوْلُ لَدُنِّي وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ، میرے پاس قول بدلا نہیں کرتا جو فیصلہ کر دیا ہے وہ نافذ ہو گا، اور ہم نے کوئی کسی پر ظلم نہیں کیا، عین انصاف کا فیصلہ ہے،

يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأَتْ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ ۝۳۰ وَازِلْفَتِ

جس دن ہم کہیں دوزخ کو تو بھر بھی چکی اور وہ بولے کچھ اور بھی ہے ، اور نزدیک لائی جائے

الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ۝۳۱ هَذَا مَا تُوْعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيفٍ ۝۳۲

پہشت ڈر نیوالوں کے واسطے دور نہیں ، یہ ہے جس کا وعدہ ہوا تھا تم سے ہر ایک جمع رہنے والے یا درکھنے والے کیواسطہ

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ ۝۳۳ ادْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ

جو ڈرا رحمن سے بن دیکھے اور لایا دل رجوع ہونے والا ، چلے جاؤ اس میں سلامت

ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ۝۳۴ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ۝۳۵

یہ دن ہر ہمیشہ رہنے کا ، ان کے واسطے ہر وہاں جو چاہیں اور ہمارے پاس ہے کچھ زیادہ بھی ،

خُلاصۂ تفسیر

دیہاں سے محشر کے بقیہ واقعات کا بیان ہے کہ وہ دن لوگوں کو یاد دلانے (جس دن کہ ہم دوزخ سے رکفار کو اس میں داخل کرنے کے بعد) کہیں گے کہ تو بھر بھی گئی اور وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے (یہ پوچھنا شاید کفار کو اور زیادہ ڈرانے کے لئے ہو کہ جواب سن کر ان کے دل میں دوزخ کی اور بھی زیادہ ہول پیدا ہو جاوے کہ ہم کیسے غضب کے ٹھکانے پر پہنچے ہیں جو سب کو کھا جانا چاہتا ہے ، اور جہنم کی طرف سے ہلّ مِنْ مَزِيدٍ کا جواب بھی غالباً اسی غیظ و غضب کا مظاہرہ ہے جو جہنم کو خدا کے دشمن کفار کے ساتھ ہے جس کا ذکر سورہ ملک میں ان الفاظ سے آیا ہے وَ هِيَ تَقُورُ تَكَادُ تَمَيِّزُ مِنَ الْغَيْظِ ، جہنم نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ میرا پیٹ نہیں بھرا بلکہ مزید کی فرمائش بوجہ غیظ و غضب کے کی ، اس لئے قرآن میں دوسری جگہ جو حق تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے لَا تُلَاقُوا جَهَنَّمَ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (یعنی میں بھر دوں جہنم کو جنات اور انسانوں سے) یہ اس کے منافی نہیں ، اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ سابقہ لَا تُلَاقُوا جَهَنَّمَ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ کے لئے جنات اور انسانوں کو جہنم میں ڈالتے جا دیں گے اور وہ یہی کہتا رہے گا کہ کچھ اور بھی ہو (ابن کثیر) اور جنت کا بیان یہ ہے کہ وہ (جنت متقیوں کے قریب کر دی جاوے گی کہ کچھ دور نہ رہے گی) اور متقیوں سے کہا جاوے گا کہ یہ وہ چیز ہے جس کا تم سے (بایں عنوان) وعدہ کیا جاتا تھا کہ وہ ہر ایسے شخص کے لئے ہے جو (خدا کی طرف دل سے) رجوع ہونے والا (اور رجوع ہو کر اعمال و طاعات کی) پابندی کرے (والا ہو) (غرض یہ کہ) جو خدا سے بے دیکھے ڈرتا ہو گا اور (اللہ کے پاس) رجوع ہونے والا دل لے کر آوے گا (ان کو حکم ہو گا کہ) اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاوے یہ دن ہے ہمیشہ رہنے (کے لئے حکم ہونے) کا اُن کو بہشت

میں سب کچھ ملے گا جو چاہیں گے اور ہمارے پاس ان کی چاہی ہوئی چیزوں سے، اور بھی زیادہ نعمت ہو کہ وہاں تک جنتی کا ذہن بھی نہ پہنچے گا جیسا کہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی نعمتوں کے متعلق فرمایا کہ وہ ایسی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا، اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال آیا، ان نعمتوں میں سے ایک نعمت حق تعالیٰ کا دیدار ہے۔

معارف مسائل

اداب کون لوگ ہیں؟ | **بِكُلِّ آدَابٍ حَفِیْظٍ** یعنی جنت کا وعدہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو اَدَاب اور حَفِیْظ ہو، اَدَاب کے معنی رجوع ہونے والے کے ہیں، مراد وہ شخص ہے جو معاصی سے اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو،

حضرت عبداللہ بن مسعود اور شعبی اور مجاہدؒ نے فرمایا کہ اَدَاب وہ شخص ہے جو خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کرے اور ان سے استغفار کرے، اور حضرت عبید بن عمرؒ نے فرمایا کہ اَدَاب وہ شخص ہے جو اپنی ہر مجلس اور ہر نشست میں اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگے، اور فرمایا کہ ہمیں یہ بتلایا گیا ہے کہ اَدَاب اور حَفِیْظ وہ شخص ہے جو اپنی ہر مجلس سے اُٹھنے کے وقت یہ دعا پڑھے: **سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَغْفِرُكَ وَتَمَّ أَصْبَتُ فِي مَجْلِسِي هَذَا** پاک ہو اللہ اور اسی کی حمد ہے، یا اللہ میں مغفرت مانگتا ہوں اُس بُرائی سے جو میں نے اس مجلس میں کی ہو۔

اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی مجلس سے اُٹھنے کے وقت یہ دعا پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے وہ سب گناہ معاف فرمادیں گے جو اس مجلس میں سرزد ہوئے، دعا یہ ہے:-

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ (یعنی یا اللہ تو پاک ہے اور تیری حمد و ثناء ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تجھ سے مغفرت مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں) اور حَفِیْظ کے معنی حضرت ابن عباسؓ نے یہ بتلائے کہ جو شخص اپنے گناہوں کو یاد رکھے تاکہ ان سے رجوع کر کے تلافی کرے، اور ان سے ایک روایت میں حَفِیْظ کے معنی **هُوَ الْحَافِظُ لِأَمْرِ اللَّهِ** کے بھی منقول ہیں، یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کو یاد رکھے، اور حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شروع دن میں چار رکعتیں (اشراق کی) پڑھ لے وہ اَدَاب اور حَفِیْظ ہے (شرطی)۔

وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ، ابو بکر و راقؓ فرماتے ہیں کہ منیب کی علامت یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ جل شانہ کے ادب کو ہر وقت مستحضر رکھے، اور اس کے سامنے تواضع اور عاجزی سے رہے، اور اپنے نفس کی خواہشات کو چھوڑ دے۔

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا، یعنی اہل جنت کو جنت میں ہر وہ چیز ملے گی جس کی وہ خواہش کریں گے (یعنی اہل جنت جس چیز کی خواہش کریں گے وہ فوراً حاضر تیار ملے گی، دیر و انتظار کی رحمت نہ ہوگی، مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں اگر کسی شخص کو اولاد کی خواہش ہوگی تو حل اور وضع حل، پھر بچے کا بڑھنا یہ سب ایک ساعت میں ہو جائے گا (ابن کثیر) وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ، یعنی ہمارے پاس ایسی نعمتیں بھی ہیں جن کی طرف انسان کا وہم و خیال بھی نہیں جکتا اس لئے وہ اُن کی خواہش بھی نہیں کر سکتا، حضرت انسؓ اور جابرؓ نے فرمایا کہ یہ مزید نعمت حق تعالیٰ کی زیارت بلا کیف ہے جو اہل جنت کو حاصل ہوگی، اس مضمون کی احادیث خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی آیت لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِيَادَةٌ کی تفسیر میں روایت کی گئی ہیں، اور بعض روایات میں یہ کہ اہل جنت کو زیارت حق سبحانہ و تعالیٰ جمعہ کے روز ہوا کرے گی۔ (قرطبی)

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ ط

اور کتنی تباہ کر چکے ہم ان سے پہلے جماعتیں کہ اُن کی قوت زبردست تھی ان پھر لگے گریڈ نے شہروں میں،

هَلْ مِنْ مَّجِيسٍ ۝۳۶ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَیْۤ اٰیٰتٍ لِّیۡمَنِ كَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقٰی

ہمیں ہر بھاگ جانے کو ٹھکانا، اس میں سوچنے کی جگہ ہے اس کو جس کے اندر دل ہے یا لگاتے

السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیدٌ ۝۳۷ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا

کان دل لگا کر، اور ہم نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے

فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ۝۳۸ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لَّغْوٍ ۝۳۹ فَاَصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُولُوْنَ وَ

چھ دن میں، اور ہم کو نہ ہوا کچھ تکان، سو تو ہستارہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اور

سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۝۴۰ وَمِنْ

پاکی بولتا رہ خوبیاں اپنے رب کی پہلے سورج کے نکلنے سے اور پہلے ڈوبنے سے، اور کچھ

الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝۴۱

رات میں بول اس کی پاکی اور پیچھے سجدہ کے،

خلاصہ تفسیر

اور ہم ان (اہل مکہ) سے پہلے بہت سی امتوں کو ان کے کفر کی شامت سے ہلاک کر چکے ہیں،

جو قوت میں ان سے (کہیں) زیادہ تھے اور دنیا کا سامان بڑھانے کے لئے، تمام شہروں کو چھانٹتے پھرتے تھے (یعنی قوت کے ساتھ اسباب معیشت میں بھی بڑی ترقی کی تھی، لیکن جب ہمارا عذاب نازل ہوا تو ان کو) کہیں بھاگنے کی جگہ بھی نہ ملی (یعنی کسی طرح بچ نہ سکے) اس (واقعہ اہلاک) میں اس شخص کیلئے بڑی عبرت ہے، جس کے پاس (فہیم) دل ہو یا (اگر فہیم نہ ہو تو کم از کم یہی ہو کہ) وہ (دل سے) متوجہ ہو کر (بات کی طرف) کان ہی لگا دیتا ہو (اور سننے کے بعد اجمالاً حقانیت کا معتقد ہو کر اس بات کو قبول کر لیتا ہو) اور (اگر قیامت کا انکار اس بنا پر ہے کہ تم اللہ کی قدرت کو اس سے قاصر سمجھتے ہو تو وہ اس لئے باطل ہے کہ ہماری قدرت ایسی ہے کہ) ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اس سب کو چھ دن (کی مقدار کے موافق زمانہ) میں پیدا کیا اور ہم کو مکان نے چھ ایک نہیں (پھر آدمی کا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے، وهذا کقولہ تعالیٰ فی الاحقاف اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ يَخْلُقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْصِ بِخَلْقِهِمْ يَفْعَلْ عَلٰی اَنْ يُّخَيِّئِ الْمَوْتٰی، اور بادیو ان قاطع شہادت جوابوں کے یہ لوگ پھر انکار ہی پر اڑے ہیں) سو ان کی باتوں پر صبر کیجئے (یعنی رنج نہ کیجئے) اور چونکہ بدون اس کے کہ کسی طرف دل کو مشغول کیا جاوے وہ غم کی بات دل سے نہیں نکلتی، اور بار بار یاد آ کر دل کو محزون کرتی ہے، اس لئے ارشاد فرماتے ہیں کہ) اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے (اس میں نماز بھی داخل ہے) آفتاب نکلنے سے پہلے (مثلاً صبح کی نماز) اور (اس کے) چھپنے سے پہلے (مثلاً ظہر و عصر) اور رات میں بھی اس کی تسبیح (و تحمید) کیا کیجئے (اس میں مغرب اور عشاء آگئیں) اور (فرض) نمازوں کے بعد بھی (اس میں نوافل و اوراد آگئے) حاصل یہ ہوا کہ ذکر اللہ میں اور اس کی فکر میں لگے رہئے تاکہ ان کے اقوال کفریہ کی طرف وہ بیان ہی نہ ہو۔

معارف و مسائل

نَقَّبُوا اِنِّی الْیَلَادِ طَهْلٌ مِّنْ مَّحِیْصٍ، نَقَّبُوا، تنقیب سے مشتق ہے، اس کے اصلی معنی سوراخ کرنے اور پھاڑنے کے ہیں، محاورات میں زمین میں دور دراز ملکوں تک پھرنے چلنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (ذکرہ فی القاموس)

اور محیص کے معنی جائے پناہ کے ہیں، معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے پہلے کتنی قوموں اور جماعتوں کو ہلاک کر دیا ہے جو قوت و طاقت میں تم سے کہیں زیادہ تھیں، اور جو مختلف ملکوں اور خطوں میں تجارت وغیرہ کے لئے پھرتی رہیں، مگر دیکھو کہ انجام کار ان کو موت آئی اور ہلاک ہوئیں، کوئی خطہ زمین یا مکان ان کو موت سے پناہ نہ دے سکا،

حصولِ علم کے دو طریقے | لَمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہاں قلب مراد عقل ہے

چونکہ عقل کا مرکز قلب ہی ہے اس لئے اس کو قلب سے تعبیر کر دیا گیا، بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں قلب کے مراد حیات ہے، وہ بھی اسی لئے کہ حیات کا مدار قلب ہے، معنی آیت کے یہ ہوتے کہ اس سورۃ قرآن میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے نصیحت و عبرت کا فائدہ اسی شخص کو پہنچ سکتا ہے جس میں عقل ہو یا زندگی ہو، بے عقل یا مرگ کو کیا فائدہ پہنچے گا،

أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ، القاء سمع کے معنی کسی بات کی طرف کان لگانے کے آتے ہیں، شہید بمعنی حاضر، معنی یہ ہیں کہ آیات مذکورہ کا فائدہ دو شخصوں کو پہنچتا ہے، ایک وہ جو خود عقل رکھتا ہے، اپنی عقل سے ان سب مضامین کی تصدیق کرتا ہے، یا پھر وہ آدمی جو آیات الہیہ کو کان لگا کر سنے اور اس طرح سنے کہ وہ خود حاضر بھی ہو یعنی ایسا نہ ہو کہ کان تو سن رہے ہیں دل حاضر نہیں ہے، تفسیر منظر ہی میں فرمایا کہ پہلی قسم کا ملین امت کی ہے اور دوسری ان کے متبعین اور مریدین مخلصین کی جو ان کے اعتقاد سے دین کی باتیں مان لیتے ہیں،

وَسَيِّعٌ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلِ الْغُرُوبِ، تسبیح سے مشتق ہے، اس کے حقیقی معنی اللہ کی تسبیح کرنا یعنی پاکی بیان کرنا ہے، وہ زبانی تسبیح کو بھی شامل ہے اور عبادتِ نماز کو بھی، اسی لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ تسبیح قبل طلوع الشمس سے مراد نماز فجر ہے، اور تسبیح قبل الغروب سے مراد نماز عصر ہے، حضرت جریر بن عبد اللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک طویل حدیث کے ضمن میں) فرمایا:

”کوشش کرو کہ تم سے طلوع آفتاب اور۔۔۔

غروب آفتاب سے پہلے کی نمازیں چھوڑ نہ پائیں

..... یعنی نماز فجر اور عصر اور اس

پر استدلال کرنے کے لئے آیت مذکورہ تلاوت

فرمائی ”(قرطبی)

إِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تَغْلِبُوا عَلَى صَلَاةٍ

قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا،

يَعْنِي الْعَصْرَ وَالْفَجْرَ ثُمَّ قَرَأَ آجِرٌ

وَسَيِّعٌ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ

وَقَبْلَ الْغُرُوبِ (بخاری و مسلم واللفظ مسلم)

اور آیت کے مفہوم میں وہ عام تسبیحات بھی داخل ہیں جن کے صبح شام پڑھنے کی ترغیب احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہے، صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صبح کے وقت اور شام کے وقت تلوٰتو مرتبہ سبحان اللہ پڑھا کرے قیامت کے روز کوئی آدمی اس سے بہتر عمل لے کر نہیں آئے گا، بجز اس کے کہ وہ بھی یہ تسبیح اُتھی یا اس سے زیادہ پڑھتا ہو، اور صحیح بخاری و مسلم ہی کی ایک روایت حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے یہ بھی ہے کہ جس شخص نے دن میں تلوٰتو مرتبہ سبحان اللہ و بچمہ پڑھا اس کے گناہ معاف کر دیئے جاویں گے، اگرچہ وہ سمندر کی موجوں سے بھی زیادہ ہوں (منظہری)

وَأَذْبَارِ السُّجُودِ، حضرت مجاہدؒ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ سجدے مراد فرض نمازی ہیں، اور

اَدْبَارَ السُّجُودِ، سے مراد وہ تسبیحات پڑھنا ہے جس کی فضیلت ہر نماز کے بعد حدیث مرفوعہ میں آئی ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ، ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر اور ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لا الملک ولہ الحمد وہ علیٰ کل شیء قدیر پڑھ لیا کرے تو اس کی خطائیں معاف کر دی جائیں گی، اگرچہ وہ دریا کی موجوں کے برابر ہوں (رواہ البخاری و مسلم) اور ادبار السجود سے مراد وہ سنتیں بھی ہو سکتی ہیں جو فرض نماز کے بعد احادیث صحیحہ میں آئی ہیں (منہجی)

وَأَسْتَمِعُ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۝ (۴۱) يَوْمَ يَسْمَعُونَ

اور کان رکھ جس دن پکارے پکارنے والا نزدیک کی جگہ سے، جس دن سنیں گے

الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ۝ (۴۲) إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَ

جنگھاڑ بحق، وہ ہے دن نکل پڑنے کا، ہم ہیں جلاتے اور مارتے اور

إِلَيْنَا الْمَصِيرُ ۝ (۴۳) يَوْمَ تَشْقَى الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذَٰلِكَ حَشْرُ

ہم تک ہے سب کو پہنچنا، جس دن زمین پھٹ کر نکل پڑیں وہ سب دوڑتے ہوئے، یہ اکٹھا کرنا

عَلَيْنَا يَسِيرٌ ۝ (۴۴) نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۚ وَقَدْ

ہم کو آسان ہے، ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں اور تو نہیں ہے اُن پر زور کرنے والا

فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ أَنْ مِّنْ يَّخَافُ وَعَيْسٍ ۝ (۴۵)

سو تو سمجھا قرآن سے اس کو جو ڈرے میرے ڈرانے سے

خلاصہ تفسیر

اور (اے مخاطب تو اس اگلی بات کو توجہ سے) سن رکھ کہ جس دن ایک پکارنے والا (فرشتہ یعنی اسرافیل علیہ السلام ہذریعہ نفع صور مردوں کو قبروں سے نکلنے کے لئے) پاس ہی سے پکارے گا (پاس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آواز سب کو بے تکلف پہنچے گی، گویا پاس سے ہی کوئی پکار رہا ہے، اور جیسے اکثر دور کی آواز کسی کو پہنچتی ہے کسی کو نہیں پہنچتی ایسا نہ ہوگا) جس روز اُنہیں چیخے گا بالیقین سب سُن لیں گے، یہ دن ہوگا (قبروں سے) نکلنے کا، ہم ہی (اب بھی) جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف

پھر ٹوٹ کر آنا ہے (اس میں بھی مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قدرت کی طرف اشارہ ہے) جس روز زمین ان (مُردوں) پر سے کھل جاوے گی جبکہ وہ (نکل کر میدانِ قیامت کی طرف) دوڑتے ہوں گے یہ (جمع کر لینا) ہمارے نزدیک ایک آسان جمع کر لینا ہے (غرض مکرر درمکرر قیامت کا امکان اور وقوع سب ثابت ہو چکا، مگر اس پر بھی جو لوگ نہ مانیں تو آپ غم نہ کیجئے کیونکہ) جو کچھ یہ لوگ (قیامت وغیرہ کے بارے میں) کہہ رہے ہیں ہم خوب جانتے ہیں (ہم خود سمجھ لیں گے) اور آپ اُن پر (منجانب اللہ) جبر کرنے والے (کر کے) نہیں (بھیجے گئے) ہیں (بلکہ صرف مُنذر اور مبلغ ہیں) جب یہ بات ہے، تو آپ قرآن کے ذریعہ سے (عام تذکیر سے سب کو اور خاص تذکیر نافع سے صرف) ایسے شخص کو نصیحت کرتے رہتے جو میری وعید سے ڈرتا ہو (اس مفعول کی تفسیر سے اشارہ ہو گیا کہ آپ اگرچہ تذکیر و تبلیغ عام کرتے ہیں جیسا مشاہدہ ہے لیکن پھر بھی مَنْ یَخَافُ ذَیْنِی (یعنی اللہ کی وعید سے ڈرنے والا) کوئی کوئی ہوتا ہے، پس ثابت ہوا کہ یہ آپ کے اختیار میں نہیں جب آپ کے اختیار میں نہیں پھر بے اختیار بات کی فکر کیا)۔

معارف مسائل

یَوْمَ یَسَادُ الْمُتَنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِیبٍ، (یعنی جس دن ایک پکارنے والا فرشتہ پاس ہی سے پکارے گا) ابن عساکر نے زید بن جابر شافعی سے روایت کیا ہے کہ یہ فرشتہ اسرافیل ہوگا جو بیت المقدس کے صخرہ پر کھڑا ہو کر ساری دنیا کے مُردوں کو یہ خطاب کرے گا کہ:

”اے مچلی سڑی ہڈیو! اور ریزہ ریزہ ہو جانے والی کھالو! اور بکھر جانے والے بالو! سن لو!

تم کو اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے کہ حساب کے لئے جمع ہو جاؤ“ (منظہری)

یہ قیامت کے نغمہ ثانیہ کا بیان ہے جس سے دوبارہ عالم کو زندہ کیا جائے گا، اور مکانِ قریب سے مراد یہ ہے کہ اس وقت اُس فرشتے کی آواز پاس اور دُور کے سب لوگوں کو اس طرح پہونچے گی کہ گویا پاس ہی سے پکار رہا ہے، حضرت عکرمہؓ نے فرمایا کہ یہ آواز اس طرح سُنی جائے گی جیسے کوئی ہمارے کان میں آواز دے رہا ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مکانِ قریب سے مراد صخرہٴ بیت المقدس ہے، کیونکہ وہ زمین کا وسط ہے، سب طرف سے اس کی مسافت یکساں ہے (قرطبی)

یَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْ غَیْثِہُمْ سِرّاً عاً (یعنی جب زمین پھٹ کر یہ سب مُردے نکل آویں گے، اور دوڑتے ہوں گے) حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوڑنا ملکِ شام کی طرف ہوگا، جہاں صخرہٴ بیت المقدس پر اسرافیل علیہ السلام ندا کرتے ہوں گے،

جامع ترمذی میں حضرت معاویہ بن حیدرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک سے ملکِ شام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:-

مِنْ هُمْنَا إِلَى هُمْنَا تُحْشَرُونَ
رُكْبَانًا وَمِثَاقًا وَتُجْرُونَ عَلَى
وُجُوهِكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ الْحَدِيثُ
(از قرطبی)

”یہاں سے اُس طرف (یعنی شام کی طرف)۔
تم سب اٹھائے جاؤ گے کچھ لوگ سوار کچھ پیدل
..... اور بعض کو چہروں کے بل ٹکسیدٹ کر
قیامت کے روز اس میدان میں لایا جائے گا۔“

قَدْ كَرَّ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ (یعنی آپ تذکیر و نصیحت فرمائیے قرآن سے اُس شخص کو جو میری
وعید سے ڈرتا ہے) مطلب یہ ہے کہ آپ کی تبلیغ اور وعظ و نصیحت اگرچہ عام ہی ہوگی سہی مخلوق اس کی مخاطب
اور مکلف ہوگی، مگر اس کا اثر قبول وہی کرے گا جو اللہ کے عذاب اور وعید سے ڈرتا ہے،
حضرت قتادہؓ اس آیت کو پڑھ کر یہ دعا مانگتے تھے:

اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ يَخَافُ وَعِيدَكَ | ”یعنی یا اللہ ہمیں ان لوگوں میں داخل فرما دیجئے
وَيَرْجُوا مَوْعِدَكَ يَا بَارِئَ دَرَجَاتٍ | جو آپ کی وعید عذاب سے ڈرتے ہیں اور آپ کے
وعدے کے امیدوار ہیں، اے وعدہ پورے کرنے والے اے رحمت والے“

تَمَّتْ

سُورَةُ قَافٍ بِعَوْنِ اللَّهِ مَبْحَاثُهُ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ مِنْ ثَلَاثِي عَشَرَ
رَبِيعِ الْأَوَّلِ إِلَى سَابِعِ عَشَرَ رَبِيعِ الْأَوَّلِ يَوْمَ الْخَمِيسِ،
وَاللَّهُ أَحْمَدُ وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ فِي تَكْسِيلِ الْبَاقِي وَمَا ذَلِكُ
عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الذَّرِيَّتِ

سُورَةُ الذَّرِيَّتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اِسْتِثْنَاءُ آيَةٍ وَثَلَاثُ رُكُوعَاتٍ،

سورۃ ذاریات مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ساٹھ آیتیں ہیں اور تین رکوع ،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے ،

وَالَّذِیْ تَدْرِیْتَ ذَرْوًا ۱۱ وَالْخِیْلٰتِ وَقَرًا ۱۲ فَالْجَرِیْتَ یَسْرًا ۱۳

قسم ہر آن ہواؤں کی جو بھرتی ہیں اُڑا کر ، پھر اٹھانے والیاں بوجھ کر ، پھر چلنے والیاں نرمی سے ،

فَالْمَقِیْمٰتِ اَمْرًا ۱۴ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۱۵ وَاِنَّ الدِّیْنَ

پھر بانٹنے والیاں حکم سے ، بیشک جو وعدہ کیا ہے تم سے سوچ ہے ، اور بیشک انصاف ہوتا

لَوَاقِعٌ ۱۶ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۱۷ اِنَّا کُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۱۸

ضروری ، قسم ہر آسمان جال دار کی ، تم پڑیے ہو ایک جھگڑے کی بات میں ،

یُؤَفِّکُمْ عَنْهُ مَنْ اُفَکَ ۱۹ قَتَلَ الْخَرَصُوْنَ ۲۰ الَّذِیْنَ کُھِمَ فِیْ

اس سے باز رہی وہی جو پھیرا گیا ، مارے گئے اٹکل دوڑانے والے ، وہ جو غفلت میں ہیں

غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۲۱ یَسْأَلُوْنَ اَیَّانَ یَوْمِ الدِّیْنِ ۲۲ یَوْمَ هُمْ

بھول رہے ، پوچھتے ہیں کب ہے دن انصاف کا ، جس دن وہ آگ

عَلِی النَّارِ یُفْتَنُوْنَ ۲۳ ذُو قُوَّ اِفْتَنَکُمْ هٰذَا الَّذِیْ کُنْتُمْ بِہِ

پر اُلٹے سیدھے پڑیں گے ، چکھو مزہ اپنی شرارت کا ، یہ ہے جس کی تم جلدی

تَسْتَعْجِلُونَ ۝۱۴ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝۱۵ أَخِذِينَ مَا أَنزَلْنَاهُمْ

کرتے تھے، البتہ ڈرنے والے باغوں میں ہیں اور چشموں میں، لیتے ہیں جو دیا ان کو

رَبُّهُمْ ۝۱۶ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُحْسِنِينَ ۝۱۷ كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ

ان کے رب نے وہ تھے اس سے پہلے نیکی والے، وہ تھے رات کو بھڑکا

مَا يَهْجَعُونَ ۝۱۸ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝۱۹ وَفِي أَمْوَالِهِمْ

سوتے، اور صبح کے وقتوں میں معافی مانگتے، اور ان کے مال میں

حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝۱۹ وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۝۲۰

حصہ تھا مانگنے والوں کا اور ہائے ہوئے کا، اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین لانیوالوں کے واسطے

وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝۲۱ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا

اور خود تمہارے اندر سو کیا تم کو سوچتا نہیں، اور آسمان میں ہی روزی تمہاری اور جو

تُوعَدُونَ ۝۲۲ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا

تم سے وعدہ کیا گیا، سو قسم ہے رب آسمان اور زمین کی کہ یہ بات تحقیق ہے جیسے

أَنكُم تَنْطِقُونَ ۝۲۳

کہ تم بولتے ہو،

خلاصہ تفسیر

قسم ہے اُن ہواؤں کی جو غبار وغیرہ کو اڑاتی ہیں، پھر اُن بادلوں کی جو بوجھ دینی بارش کو، اٹھاتے ہیں پھر ان کشتیوں کی جو نرمی سے چلتی ہیں پھر ان فرشتوں کی جو حکم کے موافق اہل ارض میں چیزیں تقسیم کرتے ہیں، مثلاً جہاں جس قدر بارش کا حکم ہوتا ہے جو مادہ ہے رزق کا وہاں بادلوں کے ذریعہ سے اسی قدر پہنچاتے ہیں، اسی طرح حسب حدیث رحم مادر میں بچے کی صورت میں مذکور مٹونٹ پوچھ کر بناتے ہیں، اور سکیڑ اور رب بھی تقسیم کرتے ہیں، آگے ان قسموں کا جواب ہے کہ، تم سے جس رقیامت کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ بالکل سچ ہے اور اعمال کی جزاء (وسزاء) ضرور ہونے والی ہے ان قسموں میں اشارہ ہے استدلال کی طرف یعنی یہ سب تصرفات عجیبہ قدرت الہیہ سے ہونا دلیل ہے عظمت قدرت کی، پھر ایسی عظیم القدرت ذات کو قیامت کا واقع کرنا کیا مشکل ہے، اور تفسیر ان کلمات کی جن کی آیات مذکورہ میں قسم کھائی گئی ہے درمنثور میں حدیث

مرفوع سے اسی طرح نقل کی ہے جو آگے آتی ہے، اور تخصیص ان چیزوں کی شاید اس لئے ہو کہ اس میں اشارہ ہو گیا مخلوق کی اصناف مختلفہ کی طرف چنانچہ ملائکہ سمادیات میں سے ہیں اور ریح و سفن (کشتیاں) ارضیات میں سے اور سحاب کائنات یعنی فضائی مخلوقات میں سے اور ارضیات میں دو چیزیں جن میں ایک آنکھ سے نظر آتی ہے دوسری نظر نہیں آتی، شاید اس لئے آتی ہوں کہ قیامت کے متعلق ایک مضمون پر خود آسمان کی قسم ہے جیسے اوپر سمادیات کی تھی یعنی قسم ہے آسمان کی جس میں فرشتوں کے چلنے کے راستے ہیں (کقولہ تعالیٰ وَلَقَدْ خَلَقْنَا آفَاقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ، آگے جواب قسم ہے) کہ تم (یعنی سب) لوگ قیامت کے بارے میں مختلف گفتگو میں ہو (کوئی تصدیق کرتا ہے، کوئی تکذیب کرتا ہے) و ہذا کقولہ تعالیٰ: عَنِ الشَّيْبَانِ الْعَظِيمِ الَّذِي هُم فِيهِ مُخْتَلِفُونَ الَّذِي فَتَرَهُ قَادَةُ كَمَا فِي الدَّرِّ لِقَوْلِهِ مُصَدِّقٌ بِمِ و مُكَذِّبٌ، اور آسمان کی قسم سے شاید اس طرف اشارہ ہو کہ جنت آسمان میں ہے اور آسمان میں راستہ بھی ہے، مگر جو حق میں اختلاف کرے گا اس کے لئے راہ بند ہو جاوے گی، اور ان اختلاف والوں میں اس (دو قورع قیامت و جزاء کے اعتقاد) سے وہی پھرتا ہے جس کو (باکلیہ خیر و سعادت ہی سے) پھرتا ہوتا ہے (جیسا کہ حدیث میں ہے مَنْ حُرِّمَتْ فَقْدُ حُرْمِ الْخَيْرِ كَلَهُ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَہ) یعنی جو شخص اس سے محروم رہا وہ ہر خیر سے محروم رہا، اور اختلاف والوں کے دوسرے فریق کا یعنی تصدیق کرنے والوں کا حال اسی کے مقابلہ سے معلوم ہو گیا کہ وہ خیر و سعادت سے پھرے ہوئے نہیں، اب آگے ان پھرنے والوں کی مذمت ہے کہ غارت ہو جائیں بے سند باتیں کرنے والے (یعنی جو قیامت کا انکار کرتے ہیں بلا اس کے کہ ان کے پاس کوئی اس کی دلیل ہو) جو کہ جہالت میں بھولے ہوئے ہیں (بھولنے سے مراد اختیاری غفلت ہو اور وہ لوگ بطور استہزاء و استعجال کے) پوچھتے ہیں کہ روز جزاء کب ہوگا (آگے جواب ہے کہ وہ اس دن ہوگا) جس دن (کہ) وہ لوگ آگ پر نپائے جائیں گے (اور کہا جاوے گا کہ) اپنی اس سزا کا مزہ چکھو یہی ہو جس کی تم جلد ہی مجایا کرتے تھے (یہ جواب یَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ اس طرز کا ہے جیسے کسی مجرم کے لئے پیمانی کا حکم ہو جاوے، مگر وہ احمق باوجود قیام برائین کے محض اس وجہ سے کہ اس کو تائید نہیں بتلائی گئی تکذیب ہی کئے جاوے اور کہے جاوے کہ اچھا وہ دن کب آوے گا، چونکہ یہ سوال محض کج روی کی راہ سے ہے اس لئے جواب میں بجائے تائید بتلانے کے یہ کہنا ہدایت مناسب ہوگا کہ وہ دن اس وقت آوے گا جب تم پیمانی پر لٹکا دیئے جاؤ گے، آگے دوسرے فریق یعنی مؤمنین و مصدقین کے ثواب کا ذکر ہے کہ بے شک متقی لوگ بہشتوں اور چشموں میں ہوں گے (اور) اُن کے رب نے اُن کو جو (ثواب) عطا کیا ہوگا وہ اس کو (خوشی خوشی) لے رہے ہوں گے (اور کیوں نہ ہو؟) وہ لوگ اس کے قبل (یعنی دنیا میں) نکو کار تھے (پس حسب وعدہ اِنْ حَسَرَ آفَ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ کے ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا، آگے اُن کی نکو کاری کی قدر تھے تفصیل ہے کہ) وہ لوگ (فرائض و واجبات سے ترقی کر کے نوافل و قطوعات کے ایسے التزام کرنے والے تھے کہ) رات کو بہت کم سوتے تھے (یعنی زیادہ حصہ رات کا عبادت میں صرف کرتے تھے) اور پھر باوجود اس کے

اپنی عبادت پر نظر نہ کرتے تھے بلکہ، اخیر شب میں اپنے کو عبادت میں کوتاہی کرنے والا سمجھ کر استغفار کیا کرتے تھے (یہ تو عبادتِ بدنیہ میں اُن کی حالت تھی) اور (عبادتِ مالیہ کی یہ کیفیت تھی کہ) ان کے مال میں سوالی اور غیر سوالی سب کا حق تھا (یعنی ایسے التزام سے دیتے تھے جیسے اُن کے ذمہ اُن کا کچھ آتا ہو، مراد اس سے غیر زکوٰۃ ہے) (بکذا فی الدر عن ابن عباس و مجاہد و ابراہیم) اور یہ مطلب نہیں ہے کہ جنّات و عیون کا ملنا نوافل پر موقوف ہے، بلکہ یہاں اہل درجاتِ عالیہ کا ذکر فرمایا گیا ہے (اور چونکہ کفار قیامت کی صحت کا انکار کرتے تھے اس لئے آگے اس کی دلیل کی طرف اشارہ ہے کہ) یقین لانے کی کوشش اور طلب کرنے والوں کے لئے قیامت کے ممکن اور واقع ہونے پر زمین (کے کائنات) میں بہت نشانیاں (اور دلیلیں) ہیں اور خود تمھاری ذات میں بھی (یعنی تمھارے ظاہری و باطنی احوال مختلفہ بھی دلائل ہیں قیامت کے ممکن ہونے کے، کیونکہ امورِ آفاقیہ و انفسیہ بالیقین داخل تحت القدرت ہیں اور قدرت ذاتیہ کی نسبت تمام ممکنات کے ساتھ یکساں ہے، اور جب کہ قیامت کے ناممکن ہونے کی کوئی دلیل نہیں تو قیامت بھی ممکنات سے ہے، پس وہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے، اور چونکہ ان دلائل کی دلالت بہت واضح تھی، اس لئے تو بخفا فرماتے ہیں کہ جب ایسے دلائل موجود ہیں، تو کیا تم کو (مطلوب پھر بھی) دکھلائی نہیں دیتا اور رہا تعین وقت وقوع کا جس کے عدم سے استدلال عدم وقوع پر کرتے تھے، سو اُس کی نسبت یہ ہے کہ تمہارا رزق اور جو تم سے (قیامت کے متعلق) وعدہ کیا جاتا ہے (ان سب کا معین وقت) آسمان میں رجوع محفوظ ہے اس میں درج ہے زمین پر اس کا یقینی علم کسی مصلحت سے نازل نہیں کیا گیا چنانچہ وَ یُنَزِّلُ الْمَغِیْثَ میں بھی نہیں بتلایا گیا، اور مشاہدہ بھی ہے کہ یقینی تعین کسی کو نہیں معلوم، لیکن جب باوجود تعین وقت کا علم نہ ہونے کے رزق کا وجود یقینی ہے پھر اس عدم تعین تاریخ سے قیامت کا عدم کیسے لازم آگیا، اور ایسے استدلال کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مَا تَوْعَدُوْنَ کے ساتھ رِزْقُکُمْ بڑھا دیا، آگے اسی پر تفریع فرماتے ہیں کہ جب نفی کی کوئی دلیل نہیں اور اثبات کی دلیل ہے، تو قسم ہے آسمان اور زمین کے پروردگار کی کہ وہ (روزِ جزاء) برحق ہے (اور ایسا یقینی) جیسا تم باتیں کر رہے ہو (کبھی اس میں شک نہیں ہوتا، اسی طرح اس کو یقینی سمجھو)۔

معارف و مسائل

سورۃ ذاریات میں بھی اس سے پہلی سورت کی طرح زیادہ تر مضامین آخرت و قیامت اور اس میں

مردوں کے زندہ ہونے، حساب کتاب اور ثواب و عذاب کے متعلق ہیں،

پہلی چند آیات میں اللہ تعالیٰ نے چند چیزوں کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ قیامت کے متعلق جن چیزوں کا وعدہ

کیا گیا ہے وہ سچا وعدہ ہے، جن چیزوں کی قسم کھائی ہے وہ چار ہیں، اَلَّذِیْنِیْذَرُوْا، اَلْخٰمِلٰتِ وَ قَسْرًا،

الْبَحْرِ لَيْتٌ يُسْرًا، الْمُقْسِمَاتِ أَمْرًا،

ایک حدیث مرفوعہ میں جس کو ابن کثیر نے ضعیف کہا ہے، اور حضرت فاروق اعظم اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے موقوفان چاروں چیزوں کے معنی اور مفہوم یہ بتلایا گیا ہے کہ ذاریات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جن کے ساتھ غبار ہوتا ہے، اور حاملات و قرآ کے لفظی معنی بوجھ اٹھانے والے کے ہیں، اس سے مراد بادل ہیں جو پانی کا بوجھ اٹھائے ہوتے ہیں، اور جاریات یسرا سے مراد کشتیاں ہیں جو پانی میں آسانی کے ساتھ چلتی ہیں، اور مقسمات امرا سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عام مخلوقات میں رزق اور بارش کا پانی اور تکلیف و راحت کی مختلف اقسام تقدیر الہی کے مطابق تقسیم کرتے ہیں، تفسیر ابن کثیر، قرطبی اور درمنثور میں یہ روایات موقوفہ و مرفوعہ مذکور ہیں۔

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُوبِ، اِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ، حُبُوبٌ، حَبِيبٌ کی جمع ہے، کپڑے کی بناوٹ

میں جو دھاریاں ہوجاتی ہیں ان کو حُبُوب کہا جاتا ہے، وہ چونکہ رستہ اور سڑک کے مشابہ ہوتی ہیں اس لئے رستوں کو بھی حُبُوب کہہ دیا جاتا ہے، بہت سے حضرات مفسرین نے اس جگہ یہی معنی مراد لئے ہیں کہ قسم ہر آسمان کی جو رستوں والا ہے، راستوں سے وہ راستے بھی مراد ہو سکتے ہیں جن سے فرشتے آتے جاتے ہیں، اور اس سے مراد ستاروں اور سیاروں کے راستے اور ان کے مدار بھی ہو سکتے ہیں، جو دیکھنے والوں کو آسمان میں نظر آتے ہیں۔

اور چونکہ یہ بناوٹ کی دھاریاں کپڑے کی زینت اور حُسن بھی ہوتی ہیں، اس لئے بعض حضرات مفسرین نے یہاں حُبُوب کے معنی زینت اور حُسن کیلئے ہیں کہ قسم ہے آسمان کی جو حُسن و زینت والا ہے، یہ قسم جس مضمون کے لئے آئی ہے وہ (اِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ) میں مذکور ہے، بظاہر اس کے مخاطب مشرکین مکہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مختلف اور متضاد باتیں کہا کرتے تھے، کبھی مجنون، کبھی جادوگر، کبھی شاعر وغیرہ کے لغو خطابات دیتے تھے، اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس کے مخاطب عام اُمت کے لوگ مسلم و کافر سب ہوں، اور قول مختلف سے مراد یہ ہو کہ بعض تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے اور تصدیق کرتے ہیں بعض انکار و مخالفت سے پیش آتے ہیں (مذکورہ فی المنظر)۔

يُوقَلُّ عَنْهُ مِنْ أُخِلٍّ، اَفْكٌ کے لفظی معنی پھر جانے، منحرف ہو جانے کے ہیں، اور عَنْهُ کی ضمیر میں دو احتمال ہیں، دونوں کے معنی الگ الگ ہیں، ایک احتمال تو یہ ہے کہ ضمیر قرآن اور رسول کی طرف راجع ہو، اور معنی یہ ہوں کہ قرآن اور رسول سے وہی بد نصیب منحرف ہوتا ہے جس کے لئے محرومی مقدر ہو چکی ہے، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ ضمیر قول مختلف کی طرف راجع ہو اور معنی یہ ہوں کہ تمھارے مختلف اور متضاد اقوال کی وجہ سے وہی شخص قرآن و رسول کا منکر ہوتا ہے جو بد نصیب محروم ہی ہو۔

قِيلَ الْخَرْصُونَ، خَرَّاصٌ کے لفظی معنی اندازہ لگانے والے اور ظن و تخمینہ سے بات کرنے والے کے ہیں

مراد اس سے وہ قول مختلف والے کفار و منکرین ہیں جو بغیر کسی دلیل اور وجہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں متضاد باتیں کہتے ہیں، اس لئے یہاں خراسون کا ترجمہ کذابوں سے بھی کر دیا جائے تو بعید نہیں ان کے لئے اس جملے میں بددعا ہے، جو درحقیقت لعنت کے معنی میں ہے (منظری) کفار کے ذکر کے بعد مؤمنین متقین کا ذکر کئی آیتوں میں آیا ہے۔

عبادت میں شب بیداری
اور اس کی تفصیل
گَاثُوا قَلِيلًا مِّنْ نَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ، بھجوں، بھجوع سے مشتق ہے جس کے
معنی رات کو سونے کے آتے ہیں، اس میں مؤمنین متقین کی یہ صفت بیان فرمائی
ہے کہ وہ رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے ہیں، سوتے کم ہیں، جاگتے زیادہ ہیں، اور وقت نماز و عبادت
میں گزارتے ہیں، یہ تفسیر ابن جریر نے اختیار کی ہے، اور حضرت حسن بصریؒ سے یہی منقول ہے کہ متقین
حضرات رات کو جاگنے اور عبادت کرنے کی مشقت اٹھاتے ہیں، اور بہت کم سوتے ہیں، اور حضرت
ابن عباسؓ، قتادہ، مجاہد وغیرہ ائمہ تفسیر نے اس جملے کا مطلب حرت یا کو اس میں نفی کے لئے قرار
دے کر یہ بتلایا گیا ہے کہ رات کو تھوڑا سا حصہ ان پر ایسا بھی آتا ہے جس میں وہ سوتے نہیں، بلکہ عبادت نماز
وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں، اس مفہوم کے اعتبار سے وہ سب لوگ اس کا مصداق ہو جاتے ہیں، جو رات کے
کسی بھی حصہ میں عبادت کر لیں، خواہ شروع میں یا آخر میں یا درمیان میں، اسی لئے حضرت انسؓ اور
ابو العالیہؒ نے اس کا مصداق ان لوگوں کو قرار دیا جو مغرب و عشاء کے درمیان نماز پڑھتے ہیں، اور امام
ابو جعفر باقرؒ نے فرمایا کہ جو لوگ عشاء کی نماز سے پہلے نہ سو دیں وہ بھی اس میں داخل ہیں (ابن کثیر)

حضرت حسن بصریؒ نے احنف بن قیس سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے عمل کا اہل جنت کے
اعمال سے موازنہ کیا تو یہ دیکھا کہ وہ ایک ایسی قوم ہے جو ہم سے بہت بلند و بالا اور ممتاز ہو، وہ ایک ایسی قوم ہے
کہ ہمارے اعمال ان کے درجہ تک نہیں پہنچتے، کیونکہ وہ لوگ راتوں میں سوتے کم ہیں عبادت زیادہ کرتے ہیں، پھر
میں نے اپنے اعمال کا اہل جہنم کے اعمال سے موازنہ کیا تو دیکھا کہ وہ اللہ و رسول کی تکذیب کرنے والے قیامت کا
انکار کرنے والے ہیں (جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں محفوظ رکھا) اس لئے ہمارے اعمال موازنہ کے وقت نہ
اصل اہل جنت کے درجہ کو پہنچتے ہیں اور نہ (بحمد اللہ) اہل جہنم کے ساتھ ملتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ ہمارا درجہ
کے اعتبار سے وہ ہے جن کا قرآن کریم نے ان الفاظ سے ذکر فرمایا ہے: **خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ**
مَسِيئًا، یعنی وہ لوگ جنہوں نے اچھے برے اعمال خلط ملط کر رکھے ہیں، تو ہم میں بہتر آدمی وہ ہے جو کم از کم اس
طبقے کی حدود میں رہے۔

اور عبدالرحمن بن زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ بنی تمیم کے ایک شخص نے میرے والد سے کہا کہ اے ابو اسامہؒ
... ہم اپنے اندر وہ صفت نہیں پاتے جو اللہ تعالیٰ نے متقین کے لئے ذکر فرمائی ہے، یعنی **رَاغَاثُوا قَلِيلًا مِّنْ**
النَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ، کیونکہ ہمارا حال تو یہ ہے کہ **قَلِيلًا مِّنْ النَّيْلِ مَا نَقُومُ**، یعنی رات میں بہت کم جاگتے اور عبادت

کرتے ہیں، میرے والد نے اس کے جواب میں فرمایا:

طوبی لمن رَقَلَ اِذَا فَعَسَ وَاَتَقَى اللّٰهَ
اِذَا اُسْتَيْقِظَ،

(ابن کثیر)

بشارت ہو اس شخص کے لئے جس کو نیند آئے
تو سو جائے مگر جب بیدار ہو تو تقویٰ اختیار کرے
یعنی خلاف شرع کوئی کام نہ کرے،

مطلب یہ ہے کہ مقبولیت عند اللہ صرف رات کو بہت جاگنے میں منحصر نہیں، جو شخص نیند سے مجبور
ہو اور رات میں زیادہ نہ جاگے، مگر بیدار سی میں گناہ و محصیت سے بچے وہ بھی قابل مبارک باد ہے۔

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بروایت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یہ منقول ہے،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوا
الرَّاتِ حَامٍ وَأَفْشُوا السَّلَامَ وَصَلُّوا
بِالْجَلِيلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ قَدْ خَلُّوا الْجَنَّةَ

بِسَلَامٍ (ابن کثیر)

”اے لوگو! تم، لوگوں کو کھانا کھلاؤ، رشتہ داروں
سے صلہ رحمی کرو، اور سلام ہر شخص مسلمان کو کر دو اور
رات کو اس وقت نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں
تو سلامتی کیسے جنت میں داخل ہو جاوے گا۔“

استغفارِ سحری کی

برکت و فضائل

یہ بات کہ سحارِ سحر کی جمع ہے، رات کے آخری چھٹے حصے کو سحر کہا جاتا ہے

اس آخری حصہ شب میں استغفار کرنے کی فضیلت اس آیت میں بھی ہے، اور دوسری آیت.....

وَالْمُسْتَغْفِرِينَ يَلِيكَ سَحَارٍ میں بھی، صحاح حدیث کی سب کتابوں میں یہ حدیث مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ

ہر رات کو آخری تہائی حصہ میں آسمان دنیا پر نزولِ جلال فرماتے ہیں، (جوان کی شان کے مناسب ہے،

اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں) اور اعلان فرماتے ہیں کہ ہے کوئی توبہ کرنے والا جس کی میں توبہ قبول کروں

ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں (ابن کثیر)

یہاں یہ بات قابلِ نظر ہے کہ اس استغفارِ سحری میں اُن متقین کا بیان ہو رہا ہے جن کا حال اس سے پہلی آیت

میں یہ بتلایا گیا ہے کہ رات کو اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں، بہت کم سوتے ہیں، ان حالات میں استغفار کرنے کا

بظاہر کوئی جوڑ معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ طلبِ مغفرت تو گناہ سے کی جاتی ہے، جن لوگوں نے ساری رات عبادت

میں گزار دی وہ آخر میں استغفار کس گناہ سے کرتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ ان حضرات کو چونکہ حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان کو پہچانتے ہیں،

اور اپنی ساری عبادت کو اس کے شایانِ شان نہیں دیکھتے، اس لئے اپنی اس تقصیر و کوتاہی سے استغفار

کرتے ہیں (منظہری)

صدقہ و خیرات کرنیوالوں

کو خاص صدارت

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْضُورِ، سائل سے مراد وہ غریب حاجتمند ہے

جو اپنی حاجت لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیتا ہے، اور لوگ اس کی مدد کرتے ہیں،

اور محروم سے مراد وہ شخص ہے کہ فقیر و مفلس اور حاجت مند ہونے کے باوجود شرافت نفس کے سبب اپنی حاجت کسی پر ظاہر نہیں کرتا، اس لئے لوگوں کی امداد سے محروم رہتا ہے، اس آیت میں مؤمنین متقین کی یہ صفت بتلائی گئی کہ وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے وقت صرف سائلین یعنی اپنی حاجات ظاہر کرنے والوں ہی کو نہیں دیتے بلکہ ایسے لوگوں پر بھی نظر رکھتے اور حالات کی تحقیق سے باخبر رہتے ہیں جو اپنی حاجت کسی سے کہتے نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مقصد آیت کا یہ ہے کہ یہ مؤمنین متقین صرف بدنی عبادت نماز اور شب بیداری پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ مالی عبادت میں بھی ان کا بڑا حصہ رہتا ہے، کہ سائلین کے علاوہ ایسے لوگوں پر بھی نظر رکھتے ہیں جو شرافت کے سبب اپنی حاجت کسی پر ظاہر نہیں کرتے، مگر اس مالی عبادت کا ذکر قرآن کریم نے اس عنوان سے فرمایا (وَفِي آيَاتِهِمْ حَقٌّ) یعنی یہ لوگ جن فقراء و مساکین پر خرچ کرتے ہیں ان پر کوئی احسان نہیں جتلاتے، بلکہ یہ سمجھ کر دیتے ہیں کہ ہمارے اموال خدا داد ہیں اُن کا بھی حق ہے، اور حق دار کا حق اس کو پہنچا دینا کوئی احسان نہیں ہوا کرتا، بلکہ ایک حق اور ذمہ داری سے اپنی سبکدوشی ہوتی ہے۔

آفاق و انفس دونوں میں | وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّمُؤْمِنِينَ، (یعنی زمین میں بہت نشانیاں قدرت کی ہیں، قدرت کی نشانیاں | یقین کرنے والوں کے لئے) پچھلی آیات میں اَدْل کفار و منکرین کا حال اور انجام بد بتلایا گیا ہے، پھر مؤمنین متقین کے حالات و صفات اور ان کے درجات عالیہ کا ذکر فرمایا، اب پھر کفار و منکرین قیامت کے حال کی طرف غور اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیاں ان کے پیش نظر کر کے انکار سے باز آجانے کی ہدایت ہے، تو اس جملہ کا تعلق مذکورہ سابق جملے (انکم لفي قول مختلف) سے ہوا، جس میں قرآن رسول سے انکار کا ذکر ہے۔

اور تفسیر مظہری میں اس کو بھی مؤمنین متقین ہی کی صفات میں داخل کیا ہے، اور مؤمنین سے مراد وہی متقین ہیں، اور اس میں ان کا یہ حال بتلایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات قدرت جو زمین و آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں ان میں غور و فکر اور تدبیر سے کام لیتے ہیں جس کے نتیجہ میں ان کا ایمان و ایقان بڑھتا ہے، جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ان کے بارے میں ارشاد ہے (وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ)۔ اور زمین میں جن آیات قدرت کا ذکر فرمایا ہے وہ بے شمار ہیں، زمین میں نباتات اور اشجار و باغات ہی کو دیکھو ان کے اقسام و انواع ان کے رنگ و بو ایک ایک پتہ کی تخلیق میں کمال حسن پھران میں سے ہر ایک کے خواص و آثار میں اختلاف کی ہزاروں قسمیں، اسی طرح زمین میں ہنریں، کنویں اور پانی کے دوسرے مرکز اور ان سے تیار ہونے والی لاکھوں انواع مخلوقات، زمین کے پہاڑ اور غار، زمین میں پیدا ہونے والے حیوانات اور ان کی اُن گنت اقسام و انواع، ہر ایک کے حالات اور منافع مختلف، زمین میں پیدا ہونے والے انسان کے حالات مختلف قبائل اور مختلف خطوں کے انسانوں میں رنگ اور زبان کا امتیاز، اخلاق و عادات کا اختلاف وغیرہ جن میں آدمی غور کرے تو ایک ایک چیز میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے اتنے مظاہر

پائے گا کہ شمار کرنا بھی مشکل ہے۔

وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ، اس جگہ آیات قدرت کے بیان میں آسمان اور فضائی مخلوقات کا ذکر چھوڑ کر صرف زمین کا ذکر فرمایا ہے جو انسان کے بہت قریب ہے، جس پر انسان بستا اور چلتا پھرتا ہے، اس آیت میں اس سے بھی زیادہ قریب یعنی خود انسان کی ذات کی طرف توجہ دلائی کہ زمین اور زمین کی مخلوقات کو بھی چھوڑ دو خود اپنے وجود اپنے جسم اور اس کے اعضاء و جوارح ہی میں غور کر لو تو ایک ایک عضو کو حکمت حق تعالیٰ کا ایک دفتر پاؤ گے، اور سمجھ لو گے کہ سارے عالم میں جو آیات قدرت حق تعالیٰ کی ہیں انسان کے اپنے چھوٹے سے وجود میں وہ سب گویا سمٹ آتی ہیں، اسی لئے انسان کے وجود کو عالم اصغر کہا جاتا ہے کہ سارے عالم دنیا کی مثالیں انسان کے وجود میں موجود ہیں، انسان اگر اپنی ابتداء پیدائش سے لے کر موت تک کے پیش آنے والے حالات میں ہی غور و تدبیر کرنے لگے تو اس کو حق تعالیٰ گویا اپنے سامنے نظر آنے لگیں۔

کہ کس طرح ایک انسانی نطفہ دنیا کے مختلف خطوں کی غذاؤں اور دنیا میں بکھرے ہوئے اجزاء لطیفہ کا خلاصہ بن کر رحم میں قرار پایا، پھر کس طرح نطفہ سے ایک منجمد خون غلقہ بنا، پھر غلقہ سے مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) بنا، پھر کس طرح اس میں ہڈیاں بنائی گئیں، پھر ان پر گوشت چڑھایا گیا، پھر کس طرح اس بے جان پستے میں جان ڈالی گئی، اور اس کی تخلیق کی تکمیل کر کے اس دنیا میں لایا گیا، پھر کس طرح تدریجی ترقی کر کے ایک بے علم بے شعور بچے سے ایک دانشمند فعال انسان بنایا گیا، اور کس طرح ان کی صورتیں اور شکلیں مختلف بنائی گئیں کہ اربوں پدموں انسانوں میں ایک کا چہرہ دوسرے سے بالکل ممتاز نظر آتا ہے، اس چند انچ کے رقیہ میں ایسے امتیازات رکھنا کس کے بس کی بات ہے، پھر ان کی طبائع اور مزاجوں میں اختلاف اور اس اختلاف کے باوجود ایک وحدت یہ سب اس قدرت کاملہ کی کرشمہ سازی ہے جو بے مثل و بے مثال ہے۔ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔

یہ وہ چیزیں ہیں جن کا ہر انسان کہیں باہر اور دور نہیں خود اپنے ہی وجود میں دن رات مشاہدہ کرتا ہے اس کے باوجود بھی اگر وہ اللہ جل شانہ اور اس کی قدرت کاملہ کا اعتراف نہ کرے تو کوئی اندھا ہی ہو سکتا ہے جس کو کچھ نہ سوجھے، اسی لئے آخر میں فرمایا أَفَلَا تُبْصِرُونَ، ”یعنی کیا تم دیکھتے نہیں“ اشارہ اس طرف ہو کہ اس میں کچھ زیادہ عقل و سمجھ کا بھی کام نہیں، بینائی ہی درست ہو تو اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔

وَفِي السَّمَاءِ دَرَجَاتُكُمْ وَمَا تُوَعَّدُونَ، (یعنی آسمان میں ہے تمہارا رزق اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا جاتا ہے) اس کی بے غبار و بے تکلف تفسیر وہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں اختیار کی گئی، یعنی آسمان میں ہونے سے مراد آسمان میں لوح محفوظ کے اندر لکھا ہونا مراد ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ ہر انسان کا رزق اور جو کچھ اس سے وعدے کئے گئے اور اس کا جو کچھ انجام ہونا ہے وہ سب لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

حدیث میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے مقررہ رزق سے بچے اور بھاگنے کی بھی کوشش کرے تو رزق اس کے پیچھے پیچھے

بھاگے گا، جیسے موت سے انسان بھاگ نہیں سکتا ایسے ہی رزق سے بھی فرار ممکن نہیں (قرطبی)
 اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ رزق سے مراد بارش ہے، اس صورت میں اس کا آسمان میں ہونا بایں صورت
 ہوگا کہ آسمان سے مراد یہاں جسم سموات نہ ہو بلکہ مافوق مراد ہو جس میں فضائے آسمانی بھی داخل ہو تو بارش جو
 بادلوں سے برسی ہے اس کو بھی فی السماء کہا جاسکتا ہے، اور مَا تُوعَدُونَ سے مراد جنت اور اس کی نعمتیں ہیں، واللہ
 بحاء، وتعالیٰ اعلم۔

إِنَّهُ لَحَقُّ مِثْلٍ مَّا آتَاكُمْ تَنْظُرُونَ، (یعنی جس طرح تمہیں اپنے اپنے کلام کرنے میں کوئی مشبہ
 نہیں ہوتا اسی طرح قیامت کا آنا بھی ایسا ہی واضح ہے اور کھلا ہوا ہے، اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش
 نہیں، انسان کے محسوسات جو دیکھنے، سننے، چمکنے، چھونے اور سونچنے سے متعلق ہیں، ان سب میں سے اس
 جگہ نطق یعنی بولنے کو خاص طور سے انتخاب شاید اس لئے کیا کہ مذکورہ سب محسوسات میں کبھی کبھی کسی مرض
 وغیرہ کے سبب سے التباس ہو جاتا ہے، دیکھنے سننے میں فرق ہو جاتا معروف ہے، بیماری میں ذائقہ بعض
 اوقات خراب ہو کر میٹھے کو کڑوا بتلانے لگتا ہے، مگر نطق دگویائی ایسی چیز ہے کہ اس میں کسی دھوکہ اور تلبیس
 کا شائبہ نہیں ہو سکتا (قرطبی)

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ﴿٢٣﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ

کیا پہنچی ہے تجھے کو بات ابراہیم کے مہمانوں کی جو عزت والے تھے، جب اندر پہنچے اس کے پاس

فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُّنْكَرُونَ ﴿٢٤﴾ فَرَاغَ إِلَىٰ أَهْلِهِ

تو بولے سلام وہ بولا سلام، یہ لوگ ہیں اوپر سے، پھر دوڑا اپنے گھر کو

فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ ﴿٢٥﴾ فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿٢٦﴾

تو لے آیا ایک بھڑا گھی میں تلا ہوا، پھر اُن کے سامنے رکھا کہا کیوں تم کھاتے نہیں،

فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ﴿٢٧﴾ قَالُوا لَا تَخَفْ وَبَشِّرُوهُ بِنِعْمَةٍ عَلِيمٍ ﴿٢٨﴾

پھر جی میں گھبرا یا اُن کے ڈر سے بولے تو مت ڈر اور خوش خبری دی اس کو ایک لڑکے ہوشیار کی،

فَأَقْبَلَتْ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ﴿٢٩﴾

پھر سامنے سے آئی اس کی عورت بولتی ہوئی پھر بیٹا اپنا ماتھا اور کہنے لگی کہیں بڑھپیا یا بچھ،

قَالُوا كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿٣٠﴾

وہ بولے یو نہی کہاتیرے رب نے وہ جو ہی، ہی حکمت والا خبردار

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٣١﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ

بولا پھر کیا مطلب ہے تمہارا اے بھیجے ہوئے ، وہ بولے ہم کو بھیجا گیا ہے

قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِينٍ ﴿٣٣﴾ مَسْوَمَةً عِندَ

ایک گنہگار قوم پر ، کہ چھوڑیں ہم اُن پر پتھر مٹی کے ، نشان پڑے ہوئے

رَبِّكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٤﴾ فَأَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٥﴾

تیرے رب کے یہاں حایے نکل چلنے والوں کیلئے ، پھر بچا نکالا ہم نے جو تھا وہاں ایمان والا ،

فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمَسْلُومِينَ ﴿٣٦﴾ وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً

پھر نہ پایا ہم نے اس جگہ سوائے ایک گھر کے مسلمانوں سے ، اور باقی رکھا ہم نے اس میں

لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٣٧﴾ وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ

نشان اُن لوگوں کے لئے جو ڈرتے ہیں عذاب دردناک سے ، اور نشانی ہے موسیٰ (کے حال) میں جب بھیجا

إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾ فَتَوَلَّىٰ بِرُكْنِهِ وَقَالَ سِحْرٌ أَوْ أَجْنُونٌ ﴿٣٩﴾

ہم نے اس کو فرعون کے پاس دیکر کھلی سند ، پھر اس نے منہ موڑ لیا اپنی زور پر اور بولایا جادوگر ہو یا دیوانہ

فَاخَذْنَاهُ وَجُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿٤٠﴾ وَفِي عَادٍ إِذْ

پھر پکڑا ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پھر پھینک دیا ان کو دریا میں اور اس پر گھا الزام ، اور نشانی ہے عاد میں

أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿٤١﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ أَنتَ عَلَيْهِ إِلَّا

جب بھیجی ہم نے ان پر ہوا خیر سے خالی ، نہیں چھوڑتی کسی چیز کو جس پر گزے کہ

جَعَلَتْهُ كَالْأَرْمِيمِ ﴿٤٢﴾ وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٤٣﴾

نہ کر ڈالے اس کو جیسے چورا ، اور نشانی ہے ثمود میں جب کہا ان کو برت لو ایک وقت تک

فَعْتُوا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَاخَذْنَاهُمُ الصَّيْقَةَ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ﴿٤٤﴾ فَمَا

پھر شرارت کرنے لگے اپنے رب کے حکم سے پھر پکڑا ان کو کڑک نے اور وہ دیکھتے تھے ، پھر نہ

اسْتَطَاعُوا مِنْ قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُتَصِرِينَ ﴿٤٥﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّنْ

ہو سکا ان سے کہ اٹھیں اور نہ ہوتے کہ بدلے لیں ، اور ہلاک کیا نوح کی قوم کو

قَبْلَ إِتْمَعْمِ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۴۶﴾

اس سے پہلے تحقیق وہ تھے لوگ نافرمان

خلاصہ تفسیر

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی حکایت آپ تک پہنچی ہے،
 و معزز یا تو اس لئے کہا کہ وہ ملائکہ تھے جن کی شان میں ہے بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ اور یا اس لئے کہا کہ ابراہیم (علیہ السلام)
 نے اپنی عادت کے موافق اُن کا اکرام کیا تھا، اور مہمان کہنا بنا برظاہر ہی حالت کے ہے کہ بشکل انسان آئے تھے
 اور یہ قصہ اس وقت ہوا تھا جبکہ وہ (جہان) ان کے پاس آئے پھر اُن کو سلام کیا، ابراہیم (علیہ السلام)
 نے بھی (جواب میں) کہا سلام (اور کہنے لگے کہ) انجان لوگ (معلوم ہوتے) ہیں (ظاہر تو یہی ہے کہ دل میں سوچا
 قرینہ اس کا یہ ہے کہ آگے جواب فرشتوں کا مذکور نہیں، اور احتمال بعید یہ بھی ہے کہ بطور پوچھنے کے انہی سے کہہ دیا
 ہو کہ آپ لوگوں کو پہچانا نہیں اور انہوں نے جواب نہ دیا ہو، اور ابراہیم (علیہ السلام) نے جواب کا انتظار نہ کیا ہو
 غرض یہ سلام و کلام ہو کر) پھر اپنے گھر کی طرف چلے اور ایک فریبہ بچھا (تلا ہوا لقولہ تعالیٰ یٰعِیْسٰی اٰلَیْسَ
 اور اس کو ان کے پاس (یعنی سامنے) لا کر رکھا (چونکہ وہ فرشتے تھے، کیوں کھاتے اس وقت ابراہیم (علیہ السلام)
 کو شبہ ہوا اور) کہنے لگے کہ آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں (جب پھر بھی نہ کھایا) تو ان سے ملیں خوف زدہ ہو کر
 رکے یہ لوگ کہیں مخالفین اور اعداء میں سے نہ ہوں، کما مرفی سورۃ ہود) انہوں نے کہا کہ تم ڈرو مت (ہم
 آدمی نہیں ہیں فرشتے ہیں) اور (یہ کہہ کر) ان کو ایک فرزند کی بشارت دی جو بڑا عالم (یعنی نبی) ہو گا،
 کیونکہ مخلوق میں سب سے زیادہ علم انبیاء کو ہوتا ہے اور مراد اس سے اسحق (علیہ السلام) ہیں، یہ گفتگو ان سے
 ہو رہی تھی کہ) اتنے میں ان کی بی بی (حضرت سارہ جو کہیں کھڑی سن رہی تھیں لقولہ تعالیٰ وَامْرَاَتُہٗ قَائِمَتٌ
 اولاد کی خبر سن کر) بولتی پکارتی آئیں پھر (جب فرشتوں نے ان کو بھی یہ خبر سنائی لقولہ تعالیٰ فَبَشِّرْنَا بِهَا
 بِاسْحٰقَ) تو تعجب سے) ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں کہ (اول تو میں) بڑھیا (پھر) بانجھ (اس وقت بچہ پیدا
 ہونا بھی عجیب بات ہے) فرشتے کہنے لگے کہ (تعجب مت کرو لقولہ تعالیٰ اَتَعْجَبِیْنَ) تمہارے پروردگار نے
 ایسا ہی فرمایا ہے (اور) کچھ شک نہیں کہ وہ بڑا حکمت والا بڑا جاننے والا ہے (یعنی گوئی نفسہ یہ بات
 تعجب کی ہے مگر تم کہ خاندان نبوت میں رہتی ہو اور علم و فہم سے مشرف ہو، یہ معلوم کر کے کہ خدا کا ارشاد
 ہے تعجب نہ رہنا چاہئے) ابراہیم (علیہ السلام) کو فراست نبوت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علاوہ بشارت
 کے اُن کے آنے سے اور بھی کچھ مقصود ہے تو ان سے کہنے لگے کہ (اچھا تو) یہ بتلاؤ کہ تم کو بڑی مہم کیا
 درپیش ہے، اے فرشتو! فرشتوں نے کہا کہ ہم ایک مجرم قوم (یعنی قوم لوط) کی طرف بھیجے گئے ہیں
 تاکہ ہم ان پر کشر کے پتھر برسائیں جن پر آپ کے رب کے پاس (یعنی عالم غیب میں) خاص نشان بھی ہے

جس کا بیان سورہ ہود میں ہوا ہے اور وہ) حد سے گزرنے والوں کے لئے رہیں، آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب ان بستیوں پر عذاب کا وقت قریب آیا، تو ہم نے جتنے ایمان دار تھے سب کو وہاں سے علیحدہ کر دیا، سو جسز مسلمانوں کے ایک گھر کے اور کوئی گھر (مسلمانوں کا) ہم نے نہیں پایا، (یہ کنایہ ہے کہ وہاں کوئی اور گھر مسلمانوں کا تھا ہی نہیں، کیونکہ جس چیز کا وجود اللہ کے علم میں نہ ہو وہ موجود ہو ہی نہیں سکتی) اور ہم نے اس واقعہ میں (ہمیشہ کے واسطے) ایسے لوگوں کے لئے ایک عبرت رہنے دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں اور آگے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ سنو کہ) موسیٰ (علیہ السلام) کے قصہ میں بھی عبرت ہے جب کہ ہم نے ان کو فرعون کے پاس ایک کھلی ہوئی دلیل (یعنی معجزہ) دے کر بھیجا سو اس نے مع اپنے ارکان سلطنت کے سرتاپی کی اور کہنے لگا کہ یہ ساحر یا مجنون ہیں سو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا (یعنی غرق کر دیا) اور اس نے کام ہی ملامت کا کیا تھا اور آگے عاد کا قصہ سنو کہ) عاد کے قصہ میں بھی عبرت ہے جب کہ ہم نے اُن پر نامبارک آندھی بھیجی جس چیز پر گذرتی تھی (یعنی ان اشیاء میں سے کہ جن کے اہلاک کا حکم تھا جس پر گذرتی تھی) اس کو ایسا کر چھوڑتی تھی جیسے کوئی چیز گھل کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے اور آگے ثمود کا قصہ سنو) ثمود کے قصہ میں بھی عبرت ہے جبکہ ان سے کہا گیا (یعنی صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ) اور تھوڑے دنوں چلین کر لو (یعنی کفر سے باز نہیں آؤ گے تو بعد چندے ہلاک ہو گے) سو (اس ڈرانے پر بھی) ان لوگوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی سو اُن کو عذاب نے آلیا اور وہ (اس عذاب کے آثار کو) دیکھ رہے تھے (یعنی یہ عذاب کھلے طور پر آیا) سو نہ تو کھڑے ہی ہو سکے، (بلکہ اوندھے منہ گر گئے لقولہ تعالیٰ جَاثِمِینَ) اور نہ (ہم سے) بدلہ لے سکے اور ان سے پہلے قوم نوح کا یہ حال ہو چکا تھا (یعنی اس سبب سے کہ) وہ بڑے نافرمان لوگ تھے (ان کو بھی ہلاک کیا تھا)۔

معارف و مسائل

یہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے گذری ہوئی امتوں میں سے چند انبیاء کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

فَقَالُوا سَلَامًا، قَالَ سَلَامٌ، فرشتوں نے سَلَامًا کہا تھا، خلیل اللہ نے جواب میں سَلَامٌ رفع کے ساتھ کہا، کیونکہ مرفوع ہونے کی صورت میں یہ جملہ اسمیہ بنا جس میں دوام و استمرار اور قوت زیادہ ہے، تو جیسا قرآن کریم میں حکم ہے کہ سلام کا جواب سلام کرنے والے کے الفاظ سے بہتر الفاظ میں ہو اس کی تعمیل فرمائی،

قَوْمٌ مُّتَكَوِّرُونَ، مُتَكَرِّرٌ بضم میم و فتح کاف، اوپرے اور اجنبی کو کہا جاتا ہے، چونکہ گناہ کے کام بھی اسلام میں اوپرے اور اجنبی ہوتے ہیں، اس لئے گناہ کو بھی مُتَكَرِّرٌ کہہ دیا جاتا ہے، مراد جملے کی یہ ہے کہ یہ حضرات فرشتے بشکل بشر آتے تھے، ابراہیم علیہ السلام نے اُن کو پہچانا نہیں، اس لئے

اپنے دل میں یہ کہا کہ یہ اجنبی لوگ ہیں جن کو ہم نہیں پہچانتے، اور ممکن ہے کہ خود مہمانوں کے سامنے ہی اس کا ذکر بطور استفہام کے کر دیا ہو، اور مقصد ان کا تعارف دریافت کرنا ہو۔

رَاغَ إِلَىٰ أَهْلِهِ، رَاغَ، رَوَّغَ سے مشتق ہے جس کے معنی کسی جگہ سے بھسک جانے اور خفیہ طور پر چلے جانے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام مہمانوں کے لئے کھانے کا انتظام کرنے کے لئے گھر میں اس طرح گئے کہ مہمانوں کو ان کے اُٹھ جانے کی خبر نہ ہو، ورنہ وہ کھانا اور مہمانی لانے سے انکار کرتے۔

آداب مہمانی | ابن کثیر نے فرمایا کہ اس آیت میں مہمان کے لئے چند آداب میزبانی کی تعلیم ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ پہلے مہمانوں سے پوچھا نہیں کہ میں آپ کے لئے کھانا لاتا ہوں، بلکہ چپکے سے کھسک گئے، اور ان کی مہمانی کے لئے اپنے پاس جو سب اچھی چیز کھانے کی تھی یعنی بچہ اذبح کیا، اس کو بھوتا اور لے آئے اور دوسرے یہ کہ لانے کے بعد مہمانوں کو اس کی تکلیف نہیں دی کہ ان کو کھانے کی طرف بلاتے، بلکہ جہاں وہ بیٹھے تھے وہیں لا کر ان کے سامنے پیش کر دیا (فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ) تیسرے یہ کہ مہمانی پیش کرنے کے وقت انداز گفتگو میں کھانے پر اصرار نہ تھا بلکہ فرمایا آلا تَأْكُلُونَ کیا آپ کھائیں گے نہیں؟ اشارہ اس طرف ہوا کہ اگرچہ آپ کو حاجت کھانے کی نہ ہو، مگر ہماری خاطر سے کچھ کھائیے،

فَأَدْبَسَ مِنْهُمْ، یعنی ابراہیم علیہ السلام ان کے کھانا نہ کھانے کی وجہ سے ان سے خطرہ محسوس کرنے لگے جس کی وجہ یہ تھی اس وقت شرفاء کا تعامل تھا کہ مہمان کچھ نہ کچھ مہمانی قبول کرتا، اور کھاتا تھا، جو مہمانی اتنی بھی قبول نہ کرے اس سے خطرہ ہوتا تھا، کہ یہ شاید کوئی دشمن نہ ہو جو تکلیف پہنچانے آیا ہو، اس وقت کے چوروں ظالموں میں بھی یہ شرافت تھی کہ جس کا کچھ کھا لیا پھر اس کو نقصان نہیں پہنچاتے تھے، اس لئے نہ کھانا سبب خطرہ کا بنتا تھا۔

فَأَقْبَلَتْ امْرَأَتُهُ فِي حَصْرَةٍ، حَصْرَةٍ کے معنی غیر معمولی آواز کے ہیں، صریر قلم سے نکلنے والی آواز کو کہا جاتا ہے، مراد یہ ہے کہ حضرت سارہؑ نے جب سنا کہ فرشتے ابراہیم علیہ السلام کو بچے کی پیدائش کی خوش خبری دے رہے ہیں، اور یہ ظاہر تھا کہ بچہ بیوی سے پیدا ہوتا ہے، بیوی حضرت سارہؑ ہی تھیں، تو سمجھیں کہ یہ خوش خبری ہم دونوں ہی کے لئے ہے، تو غیر اختیاری طور پر ان کے منہ سے کچھ الفاظ حیرت و تعجب کے نکلے، اور کہا عَجُوزٌ عَقِيْمٌ، کہ اول تو میں بڑھاپا، پھر بانجھ یعنی جوانی میں بھی اولاد کے قابل نہیں تھی، اب بڑھاپے میں یہ کیسے ہوگا، جس کے جواب میں فرشتوں نے فرمایا كُنْ لَكَ، یعنی اللہ تعالیٰ کو سب قدرت ہے، یہ کام یونہی ہوگا، چنانچہ جس وقت اس بشارت کے مطابق حضرت اسحق علیہ السلام پیدا پیدا ہوئے تو حضرت سارہؑ کی عمر ننانوے سال اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال کی تھی،

(شرطی)

اس گفتگو میں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ جہان اللہ کے فرشتے ہیں تو پوچھا کہ آپ کس مہم پر تشریف لائے ہیں انھوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کا تذکرہ کیا کہ ان کی قوم پر پتھراؤ کیا جائے گا، اور پتھراؤ بھی کچھ بڑے بڑے پتھروں سے نہیں، بلکہ مٹی سے بنی ہوئی کنکریوں سے ہوگا، **مُسَوَّمَةٌ عِنْدَ رَبِّكَ**، یعنی کنکریاں اللہ کی طرف سے خاص علامت لگی ہوئی ہوں گی، بعض مفسرین نے فرمایا کہ ہر کنکری پر اس شخص کا نام لکھا تھا جس کو ہلاک کرنے کے لئے یہ بھیجی گئی تھی، اور وہ جس طرف بھاگا اس کنکری نے اس کا تعاقب کیا، اور دوسری آیات میں جو اس قوم کا عذاب یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جبریلین نے اس پورے شہر کو اٹھا کر پلٹ دیا تو یہ اس کے منافی نہیں کہ پہلے یہ پتھراؤ کیا گیا ہو اس کے بعد پوری زمین کا تختہ الٹا گیا ہو۔

قوم لوط کے بعد قوم موسیٰ علیہ السلام اور فرعون وغیرہ کا ذکر فرمایا، اس میں فرعون کو جب موسیٰ علیہ السلام نے پیغام حق دیا تو فرعون کا عمل یہ ذکر فرمایا **فَتَوَلَّىٰ بِرْكَعٍ**، یعنی فرعون موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے منج پھیر کر اپنی قوت یعنی اپنی فوج اور امراء و دولت کی طرف متوجہ ہو گیا، رُکُن کے لفظی معنی قوت کے ہیں، حضرت لوط علیہ السلام کے کلام میں **(أَوْ أَوِيَّ إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ)** اسی معنی کے لئے آیا ہے۔ اس کے بعد قوم عاد و ثمود اور آخر میں قوم نوح کا واقعہ بیان فرمایا، یہ واقعات اس سے پہلے کئی مرتبہ گزر چکے ہیں۔

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ﴿۴۷﴾ وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا

اور بنایا ہم نے آسمان ہاتھ کے بل سے اور ہم کو سب مقدور ہیں، اور زمین کو بچھایا ہم نے

فَنِعْمَ الْمُهَيَّدُونَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ

سو کیا خوب بچھانا جانتے ہیں ہم، اور ہر چیز کے بنائے ہم نے جوڑے تاکہ تم

تَذَكَّرُونَ ﴿۴۹﴾ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَأْتِي لَكُمْ مَنَّهٗ ذُنُوبُكُمْ يَسْتَمِيعُ ﴿۵۰﴾

دھیان کرو، سو بھاگو اللہ کی طرف میں تم کو اس کی طرف سے ڈر سنا تا ہوں کھول کر،

وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۵۱﴾

اور مت ٹھیراؤ اللہ کے ساتھ اور کسی کو معبود میں تم کو اس کی طرف سے ڈر سنا تا ہوں کھول کر،

كَذٰلِكَ مَا آتَىٰ الَّذِينَ مِّنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ

اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جو رسول آیا اس کو یہی کہا کہ جادوگر ہے یا

مَجْنُونٌ ۵۲) اَتَاَصْوَابُهُمْ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ۵۳) فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا

دیوانہ ، کیا یہی وصیت کر رہے ہیں ایک دوسرے کو کوئی نہیں پر یہ لوگ شریر ہیں ، سو تو لوٹ آ ان کی طرف سے

أَنْتَ بِمَلَكُومٍ ۵۴) وَذَكَرْ فَإِنَّ الَّذِي كَرِي تَنْفَعُ الْمَرْءَ هِنِينَ ۵۵)

اب تجھ پر نہیں ہر الزام ، اور سمجھتا رہ کہ سمجھنا کام آتا ہے ایمان والوں کو ،

خلاصہ تفسیر

اور ہم نے آسمان کو (اپنی) قدرت سے بنایا اور ہم وسیع قدرت میں اور ہم نے زمین کو فرش (کے

طور پر) بنایا سو ہم (کیسے) اچھے بچھانے والے ہیں (یعنی اس میں کیسے کیسے منافع رکھے ہیں) اور ہم نے ہر چیز

کو دو دو قسم کا بنایا (اس قسم سے مراد مقابل ہے ، سو ظاہر ہے کہ ہر شے میں کوئی نہ کوئی صفت ذاتیہ یا عرضیہ

ایسی معتبر ہوتی ہے جس سے دوسری چیز جس میں اس صفت کی نقیض یا ضد ملحوظ ہو، اس کے مقابل شمار

کی جاتی ہے ، جیسے آسمان و زمین ، جوہر و عرض ، گرمی و سردی ، شیریں و تلخ ، چھوٹی و بڑی ، خوش نما و بد نما ،

سفیدی و سیاہی ، روشنی و تاریکی ، و علیٰ ہذا تا کہ تم (ان مصنوعات سے توحید کو) سمجھو اور اے پیغمبر صلی اللہ

علیہ وسلم ان سے فرما دیجئے کہ جب یہ مصنوعات وحدت صانع پر دلالت کر رہی ہیں (تو تم (کو چاہئے کہ ان سے

استدلال کر کے) اللہ ہی کی (توحید کی) طرف دوڑو (اور اول تو بوجہ دلائل مذکورہ کے خود عقل ہی اعتقاد

توحید کو ضروری بتلاتا ہی ہے ، پھر اوپر سے) میں (بھی) تمھارے (سمجھانے کے) واسطے اللہ کی طرف سے صاف

طور پر ڈرانے والا (ہو کر آیا) ہوں کہ منکر توحید کو عذاب ہوگا ، پس خوف عذاب کے اعتبار سے اعتقاد

توحید اور بھی ضروری ہو گیا) اور (پھر اور زیادہ توضیح سے کہتا ہوں کہ) خدا کے ساتھ کوئی اور معبود قرار

نہ دو (پھر تغیر عنوان کے ساتھ مضمون توحید کی وجہ سے انذار کی پھر تاکید ہے کہ) میں تمھارے (سمجھانے کے)

واسطے اللہ کی طرف سے کھلا ڈرانے والا (ہو کر آیا) ہوں (آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آپ واقع میں

بلاشبہ نذیر مبین ہیں جیسا ابھی مذکور ہوا ، لیکن یہ آپ کے مخالفین ایسے جاہل ہیں کہ نعوذ باللہ آپ کو

کبھی ساحر کبھی مجنون بتلاتے ہیں ، سو آپ صبر کیجئے کیونکہ جس طرح یہ آپ کو کہہ رہے ہیں) اسی طرح جو

(کافر) لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کے پاس کوئی پیغمبر ایسا نہیں آیا جس کو انھوں نے (یعنی

مکمل نے یا بعض نے) ساحر یا مجنون نہ کہا ہو (آگے کفار کے اس قول (سَاحِرٌ أَوْ مُجْنُونٌ) پر متفق ہونے سے

تعجب دلاتے ہیں کہ) کیا اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے چلے آئے تھے (یعنی یہ اجماع تو ایسا

ہو گیا جیسے ایک دوسرے کو کہتے چلے آئے ہوں کہ دیکھو جو رسول آدے تم بھی ہماری طرح کہنا ، آگے ...

حقیقت واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ تو اسی واقعہ نہ ہوئی تھی ، کیونکہ بعض قومیں بعض قوموں سے ملی گئی ہیں

بلکہ (وجہ اس اجماع و اتفاق کی یہ ہوئی کہ) یہ سب کے سب سرکش لوگ ہیں (یعنی سبب اس قول کا سرکشی ہے چونکہ وہ ان سب میں مشترک ہیں اس لئے قول بھی مشترک ہو گیا) سو (جب پہلے لوگ بھی ایسے گذرے ہیں اور سبب اس کا معلوم ہو گیا کہ انہی کا طغیان ہے تو آپ ان کی طرف التفات نہ کیجئے (یعنی ان کی تکذیب کی پردہ اور غم نہ کیجئے) کیونکہ آپ پر کسی طرح کا الزام نہیں (کہ قولہ تعالیٰ وَلَا تَسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ) اور (اطمینان کے ساتھ اپنے منصبی کام میں لگے رہے فقط) سمجھتے رہے کیونکہ سمجھنا (رحمن کی قسمت میں ایمان نہیں ان پر تو تمام حجت ہو گا اور جن کی قسمت میں ایمان ہے ان) ایمان لانے والوں کو (بھی اور جو پہلے مومن ہیں ان کو بھی) نفع دے گا (بہر حال تذکیر میں عام فوائد اور حکمتیں سب اعتبار سے ہیں آپ اس کو کئے جائے اور کسی کے ایمان نہ لانے کا غم نہ کیجئے)

معارف و مسائل

سابقہ آیات میں قیامت و آخرت کا بیان اور اس کو نہ ماننے والوں پر عذاب کا ذکر تھا، ان آیات میں بھی حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان ہے جس سے قیامت اور اس میں مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے پر جو تعجب منکرین کی طرف سے کیا جاتا ہے اس کا ازالہ ہے، نیز توحید کا اثبات اور رسالت پر ایمان کی تاکید ہے، **بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمَوَسِعُونَ**، لفظ آید، قوت و قدرت کے معنی میں آتا ہے، اس جگہ حضرت ابن عباسؓ نے آید کی یہی تفسیر فرمائی ہے۔

قِفْرٌ وَآلِی اللّٰهِ، یعنی دوڑ والہ کی طرف، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: مراد یہ ہے کہ اپنے گناہوں سے بھاگو اللہ کی طرف توبہ کے ذریعہ، ابو بکر درّاق اور جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ نفس و شیطان معاصی کی طرف دعوت دینے والے ہیں، اور بھگانے والے ہیں، تم اُن سے بھاگ کر اللہ کی طرف پناہ لو تو وہ تمہیں ان کے شر سے بچالیں گے (قرطبی)

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِعِبَادٍ ۚ (۵۶) مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ

اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو، میں نہیں چاہتا ان سے

رِزْقٍ ۚ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعَمُوا ۚ (۵۷) إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ

روزینہ اور نہیں چاہتا کہ مجھ کو کھلائیں، اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا زور آور

الْمَتِّينَ ۚ (۵۸) فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُنُوبًا مِّثْلَ ذُنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا

مضبوط، سو اُن گنہگاروں کا بھی ڈول بھر چکا ہو جیسے ڈول بھرا اُن کے ساتھیوں کا اب مجھے

يَسْتَعْجِلُونَ ﴿٥٩﴾ قَوْلُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٦٠﴾

جلدی نہ کریں، سو خرابی ہے منکروں کو ان کے اس دن سے جس کا اُن سے وعدہ ہو چکا ہو

خلاصہ تفسیر

اور میں نے جن اور انسان کو (در اصل) اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں (اور تبعاً و تکمیلًا للعبادة جن و انس کی پیدائش پر دوسرے منافع کا مرتب ہونا اس کے منافی نہیں، اور اسی طرح بعض جن و انس سے عبادت کا صادر نہ ہونا بھی اس مضمون کے منافی نہیں، کیونکہ حاصل اس لِيَعْبُدُونِ کا ارادہ تشریعی ہے یعنی اُن کو عبادت کا حکم دینا نہ کہ ارادہ تکوینیہ یعنی عبادت پر مجبور کرنا، اور تخصیص جن و انس کی اس لئے ہے کہ عبادت سے مراد عبادت بالاختیار و ابتلاء ہے، اور ملائکہ میں اگرچہ عبادت ہے ابتلاء نہیں اور دوسری مخلوقات حیوانات و نباتات وغیرہ میں اختیار نہیں، حاصل ارشاد کا یہ ہے کہ مجھ کو مطلوب شرعی ان کے عبادت کرانا ہے باقی میں اُن سے (مخلوق کی) رزق رسانی کی درخواست نہیں کرتا اور نہ یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھ کو کھلایا کریں اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا ہے (تو ہم کو اس کی ضرورت ہی کیا تھی کہ ہم مخلوقات کی روزی رسانی ان کے متعلق کرتے اور وہ) قوت والا نہایت قوت والا ہے کہ اس میں عجز و ضعف اور کسی قسم کی احتیاج کا عقلی احتمال بھی نہیں تو ان سے کھانا مانگنے کا کوئی امکان ہی نہیں، یہ ترغیب ہو گئی، آگے ترغیب ہے کہ جب عبادت کا وجوب ثابت ہو گیا اور عبادت کا اہم رکن ایمان ہے تو اگر یہ لوگ اب بھی شرک و کفر پر مصر رہیں گے، تو (سُن رکھیں کہ) ان ظالموں کی (سزا کی) بھی باری (علم الہی میں مقرر ہے) جیسے ان کے (گزشتہ) ہم مشرکوں کی باری (مقرر) تھی (یعنی ہر مجرم ظالم کے لئے اللہ کے علم میں خاص خاص وقت مقرر ہے، اس طرح نوبت بہ نوبت ہر مجرم کی باری آتی ہے تو وہ عذاب میں پکڑا جاتا ہے، کبھی دنیا و آخرت دونوں میں اور کبھی صرف آخرت میں) سو مجھ سے (عذاب) جلدی طلب نہ کریں (جیسا کہ اُن کی عادت ہے، کہ وعیدیں سُن کر تکذیب کے طور پر استعجال کرنے لگتے ہیں) غرض جب وہ باری کے دن آویں گے جن میں سب کے اشد یوم موعود یعنی قیامت ہے تو ان کافروں کے لئے اس دن کے آنے سے بڑی خرابی ہوگی جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، (چنانچہ خود سورت بھی اسی وعدے سے شروع ہوتی ہے اِنَّمَا نُعَدُّونَ لَصَادِقٌ وَاِنَّ الَّذِیْنَ لَوَاقِعٌ، اور اس سے سورت کے آغاز و انجام کا حسن ظاہر ہے)۔

معارف و مسائل

جن و انس کی تخلیق کا مقصد | وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ یعنی ہم نے جنات اور

انسان کو عبادت کے سوا کسی کام کے لئے نہیں پیدا کیا، اس میں دوا اشکال ظاہر نظر میں پیدا ہوتے ہیں، اول یہ کہ جس مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے کسی خاص کام کے لئے پیدا کیا ہے، اور اس کا ارادہ یہی ہے کہ یہ مخلوق اس کام کو کرے تو عقلی طور پر یہ ناممکن و محال ہو گا کہ پھر وہ مخلوق اس کام سے انحراف کر سکے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت کے خلاف کوئی کام محال ہے، دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس آیت میں انسان اور جن کی تخلیق کو صرف عبادت میں منحصر کر دیا گیا ہے، حالانکہ ان کی پیدائش میں علاوہ عبادت کے دوسرے فوائد اور حکمتیں بھی موجود ہیں۔ پہلے اشکال کے جواب میں بعض حضرات مفسرین نے اس مضمون کو صرف مؤمنین کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے، یعنی ہم نے مؤمن جنات اور مؤمن انسانوں کو بجز عبادت کے اور کسی کام کے لئے نہیں بنایا اور مؤمنین ظاہر ہے کہ عبادت کے کم و بیش پابند ہوتے ہیں، یہ قول ضحاک اور سفیان وغیرہ کا ہے، اور حضرت ابن عباس کی ایک قرأت آیت مذکورہ میں لفظ مؤمنین مذکور بھی ہے، اور قرأت اس طرح ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ اس قرأت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ مضمون صرف مؤمنین کے حق میں آیا ہے، اور خلاصہ تفسیر میں اس اشکال کو رفع کرنے کے لئے یہ کہا گیا ہے کہ اس آیت میں ارادہ الہیہ سے مراد ارادہ تکوینی نہیں ہے جس کے خلاف کا وقوع محال ہوتا ہے بلکہ ارادہ تشریعی ہے، یعنی یہ کہ ہم نے اُن کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ ہم ان کو عبادت کے لئے مامور کریں، امراہی چونکہ انسانی اختیار کے ساتھ مشروط رکھا گیا ہے، اس کے خلاف کا وقوع محال نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے تو حکم عبادت کا سب کو دیا، مگر ساتھ ہی اختیار بھی دیا ہے اس لئے کسی نے اپنے خداداد اختیار کو صحیح خرچ کیا، عبادت میں لگ گیا، کسی نے اس اختیار کو غلط استعمال کیا، عبادت سے منحرف ہو گیا، یہ قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغویؒ نے نقل کیا ہے، اور زیادہ بہتر اور بے غبار توجیہ وہ ہے جو تفسیر مظہری میں کی گئی ہے کہ مراد آیت کی یہ ہے کہ ہم نے ان کی تخلیق اس انداز پر کی ہے کہ ان میں استعداد اور صلاحیت عبادت کرنے کی ہو، چنانچہ ہر جن و انس کی فطرت میں یہ استعداد قدرتی موجود ہے، پھر کوئی اس استعداد کو صحیح مصرف میں خرچ کر کے کامیاب ہوتا ہے، کوئی اس استعداد کو اپنے معاصی اور شہوات میں ضائع کر دیتا ہے، اور اس مضمون کی مثال وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يَنْصَرِفَانِهِ (یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو اس فطرت سے ہٹا کر کوئی، یہودی بنادیتا ہے کوئی مجوسی، فطرت پر پیدا ہونے سے مراد اکثر علماء کے نزدیک دین اسلام پر پیدا ہونا ہے، تو جس طرح اس حدیث میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ہر انسان میں فطری اور خلقی طور پر اسلام ایمان کی استعداد و صلاحیت رکھی جاتی ہے، پھر کبھی اس کے ماں باپ اس صلاحیت کو ضائع کر کے کفر کے طریقوں پر ڈالتے ہیں، اسی طرح اس آیت میں (إِلَّا لِيَعْبُدُونِ) کا یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ جن و انس کے ہر فرد میں اللہ تعالیٰ نے استعداد اور صلاحیت عبادت کی رکھی ہے، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم،

اور دوسرے اشکال کا جواب خلاصہ تفسیر میں یہ آچکے ہیں کہ کسی مخلوق کو عبادت کے لئے پیدا کرنا اس سے دوسرے منافع اور فوائد کی نفی نہیں کرتا۔

مَا أَرْسَلْنَا مِنْ رِزْقٍ إِلَيْهِ يَنْفَعُ نَفْسًا كَرِيمًا
یعنی میں جنہوں میں سے کسی کو پیدا کر کے ان سے عام انسانوں کی عادت کے مطابق اپنا کوئی نفع نہیں چاہتا، کہ وہ رزق پیدا کریں میرے لئے یا اپنے لئے یا میری دوسری مخلوق کے لئے، اور یا یہ کہ وہ مجھے کما کر کھلائیں، یہ سب کلام انسان کی عام عادت پر کیا گیا ہے، کیونکہ بڑے سے بڑا انسان جو غلام خریدتا اور اس پر خرچ کرتا ہے تو اس کا مقصد ان غلاموں سے اپنے کام لینا اپنی ضروریات اور کاموں میں مدد لینا اور کمائی کر کے آقا کو دینا ہوتا ہے، حق تعالیٰ ان سب چیزوں سے پاک اور بالا و برتر ہیں، اس لئے فرمایا کہ ان کو پیدا کرنے سے میرا اپنا کوئی نفع مقصود نہیں۔

ذُنُوبًا، لفظ ذنوب بفتح الذال اصل میں بڑے ڈول کو کہا جاتا ہے، اور بستی کے عام کنوؤں پر پانی بھرنے کے لئے بغرض سہولت بھرنے والوں کے نمبر اور باری مقرر کر لی جاتی ہے، ہر ایک پانی بھرنے والا اپنی باری میں پانی بھرتا ہے، اس لئے یہاں لفظ ذنوب کے معنی باری اور حصہ کے لئے گئے ہیں، مراد یہ ہے کہ جس طرح پچھلی امتوں کو اپنے وقت میں عمل کرنے کا موقع اور باری دی گئی، جن لوگوں نے اپنی باری میں کام نہیں کیا وہ ہلاک و برباد اور گرفتار عذاب ہوئے، اسی طرح موجودہ مشرکین کی بھی باری اور وقت مقرر ہے، اگر اس وقت تک یہ اپنے کفر سے باز نہ آئے تو خدا کا عذاب ان کو کبھی تو اسی دنیا میں اور نہیں تو آخرت میں ضرور پکڑے گا، اس لئے ان کو فرمادے کہ اپنی جلد بازی سے باز آجاؤ، یعنی یہ کفار جو بطور تکذیب و انکار کے یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم واقعی مجرم ہیں اور مجرمین پر عذاب آنا آپ کے قول سے ثابت ہے تو پھر ہم پر عذاب کیوں نہیں آجاتا؟ ان کا جواب یہ ہے کہ عذاب اپنے مقررہ وقت پر اور اپنی باری پر آتا ہے، تمہاری باری بھی آنے والی ہے جلد بازی نہ کرو۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ

سورۃ ذاریات آج دوشنبہ ۲۱ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ کو پوری ہو گئی !!!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ الطُّورِ

سُورَةُ الطُّورِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَأَرْبَعُونَ آيَةً وَفِيهَا مَكْرُوعَانِ ۖ

سورہ طور مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی انچاس آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے ،

وَالتُّورِ ۱ وَكِتَابٍ مَّسْطُورٍ ۲ فِي رَقٍّ مَّنشُورٍ ۳ وَالْبَيْتِ

قسم ہے طور کی ، اور کتبھی ہوئی کتاب کی ، کشادہ ورق میں ، اور آباد

الْمَعْمُورِ ۴ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ ۵ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ ۶ إِنَّ عَذَابَ

گھر کی ، اور اونچی چھت کی ، اور اُبلتے ہوئے دریا کی ، بیشک عذاب

رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۷ مَّالَهُ مِنْ دَافِعٍ ۸ يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا ۹

تیرے رب کا ہو کر رہوگا ، اس کو کوئی نہیں بٹانے والا ، جس دن لرزے آسمان کھپا کر ،

وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۱۰ فَوَيْلٌ لِلْمُكْذِبِينَ ۱۱ الَّذِينَ هُمْ

اور پھریں پہاڑ چل کر ، سو خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کو جو باتیں بناتے ہیں

فِي خَوْضٍ يَلْعَبُونَ ۱۲ يَوْمَ يَدْعُونا إِلَى نَارِ جَهَنَّمَ دَعَاً ۱۳ هَٰذَا

کھیلتے ہوئے ، جس دن کہ دھکیلے جائیں دوزخ کی طرف دھکیل کر ، یہ ہے وہ

النَّارُ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ۱۴ أَفَسِحْرُ هَٰذَا أَمْ أَنْتُمْ لَا تَبْصُرُونَ ۱۵

آگ جس کو تم جھوٹ جانتے تھے ، اب بھلا یہ جادوہر یا تم کو نہیں سوجھتا ،

اَصْلُوْهَا فَاصْبِرْ وَاَوْلَا تَصْبِرْ وَاَجْ سَوَاءٌ عَلٰیكَ اَنْتَا تُجْزَوْنَ

چلے جاؤ اس کے اندر پھر تم صبر کرو یا نہ صبر کرو تم کو برابر ہے وہی بدلہ پاؤ گے

مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۶ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ جَنَّاتٍ وَنَعِيْمٍ ۝۱۷ فَكِهَيِّنْ بِمَا

جو کچھ تم کرتے تھے، جو ڈرنے والے ہیں وہ باغوں میں ہیں اور نعمت میں، میوے کھاتے ہوئے

اَتَهُمْ رَحْمَتُ رَبِّهِمْ وَوَقَّهُمْ رَحْمَتُ رَبِّهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝۱۸ كُلُّوْا وَاشْرَبُوْا

جو ان کو دیتے ان کے رہنے، اور بچایا ان کو ان کے رب نے دوزخ کے عذاب سے، کھاؤ اور پیو

هٰذَا يَوْمَ كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۹ مُّتَكَبِّرِيْنَ عَلٰی سُرٍّ مَّصْفُوْفَةٍ ۝۲۰ وَزَوْجِهِمْ

رجتا ہوا بدلہ ان کا ان کا جو تم کرتے تھے، تکیہ لگائے بیٹھے تختوں پر برابر بچے ہوئے قطار باندھ کر اور بیاہ دیں

بِخُورٍ عِيْنٍ ۝۲۱ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا

ہم نے ان کو حوریں بڑی آنکھوں والیاں، اور جو لوگ یقین لائے اور ان کی راہ پر چلی ان کی اولاد ایمان سے پہنچا دیا ہم نے

بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا اَلْتَنَّهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۝۲۲

ان تک ان کی اولاد کو اور گھٹایا نہیں ہم نے ان سے ان کا کیا ذرا بھی

كُلُّ اَمْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝۲۳ وَاَمَدَدْنَاهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَلَحِيْمٍ مِّمَّا

ہر آدمی اپنی کمائی میں پھنسا ہے، اور تار لگا دیا ہم نے ان پر میوؤں کا اور گوشت کا جس

يَشْتَهُوْنَ ۝۲۴ يَتَنَزَّلُوْنَ فِيْهَا كَا سَآءَ لَا لَفُوْفٍ فِيْهَا وَلَا تَأْتِيْهِمْ

چیز کو چاہیں، جھپٹتے ہیں وہاں پیالہ نہ بچتا ہے اس شراب میں اور نہ گناہ میں ڈالنا،

وَلَيَطُوْفُنَّ عَلَيْهِمْ غُلٰمَانٌ لَّهُمْ كَا تَهُمْ لَوْ لَوْ مَكْنُوْنٌ ۝۲۵ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ

اور پھرتے ہیں ان کے پاس چھو کرے ان کے گویا وہ موتی ہیں اپنے غلات کے اندر، اور منہ کیا بعضوں نے

عَلٰی بَعْضٍ يَّتَسَاءَلُوْنَ ۝۲۶ قَالُوْا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ۝۲۷

دوسروں کی طرف آپس میں پوچھتے ہوئے، بولے ہم بھی تھے اس پہلے اپنے گھروں میں ڈرتے رہتے،

فَمَنْ اَللّٰهُ عَلَيْنَا وَرَقْنَا عَذَابَ السَّعُوْرِ ۝۲۸ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ

پھر احسان کیا اللہ نے ہم پر اور بچا دیا ہم کو لو کے عذاب سے، ہم پہلے سے پکارتے

نَدْعُوهُ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿۲۸﴾

تھے اس کو بیشک وہی ہر نیک سلوک والا مہربان،

خلاصہ تفسیر

قسم ہے طور پہاڑ کی اور اس کتاب کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں لکھی ہے (مراد اس سے نامہ اعمال ہے جس کی نسبت دوسری آیت میں آیا ہے کَتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا اور جس چیز میں وہ لکھا ہوا ہے اس کو تشبیہاً کاغذ کہہ دیا) اور (قسم ہے) بیت المعمور کی کہ ساتویں آسمان میں عبادت خانہ ہے فرشتوں کا، کمافی الدرر فوعاً) اور (قسم ہے) اونچی چھت کی (مراد آسمان ہے، قال تعالیٰ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا وَقال تعالیٰ إِنَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ، وصرح بهذا التفسير عن علي بسند صحيح كنز العمال عن مستدرك الحاكم) اور (قسم ہے) دریائے شور کی جو دریائی سے (پُر ہے) آگے جواب قسم ہے) کہ بیشک آپ کے رب کا عذاب ضرور ہو کر رہے گا کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا (اور یہ اس روز واقع ہو گا) جس روز آسمان تھر تھرانے لگے گا اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) ہٹ جا دیں گے (مراد قیامت کا دن ہے، اور تھرانا یا تو باعتبار معنی متباد کے ہو یا مراد اس سے انشقاق ہو جو دوسری آیت میں مذکور ہے فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ، روح المعانی میں ابن عباسؓ سے دونوں تفسیریں نقل کی ہیں، اور دونوں میں کوئی تعارض نہیں، آگے پیچھے دونوں کا تحقق ہو سکتا ہے، اور یہاں پہاڑوں کا ہٹنا مذکور ہے، اور دوسری آیتوں میں ریزہ ریزہ ہونا پھر اُڑ جانا مذکور ہے، قوله يَنْشِفُهَا رَبِّي، قوله بَسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَاءً، اور ان قسموں میں اس مقصد کو ذہن کے قریب لانا ہے جس کے لئے قسم کھائی گئی اور وہ یہ کہ قیامت کے وقوع کی اصل وجہ جزاء و سزا ہے، اور مجازاً میں مدارک احکام شرعیہ ہیں، پس طور کی قسم کھانے میں اشارہ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ صاحب کلام و احکام ہے، پھر ان احکام کی مخالفت یا موافقت مبنیٰ ہے مجازاً کا، نامہ اعمال کی قسم کھانے میں اشارہ ہو گیا اس موافقت یا مخالفت کے محفوظ و منضبط ہونے کی طرف مجازاً اس پر بھی موقوف ہے کہ احکام الہیہ کی اطاعت ضروری ہو، بیت المعمور کی قسم میں اشارہ ہو گیا کہ عبادت ایسا ضروری امر ہے کہ فرشتوں کو بھی باوجود اس کے کہ ان کے لئے جزاء و سزا نہیں اس سے نہیں چھوڑا گیا، پھر نتیجہ مجازاً دو چیزیں ہیں، جنت اور دوزخ، سما کی قسم میں اشارہ ہو گیا کہ جنت ایسی ہی رفعت کا مکان ہے، جیسے آسمان، اور بحر مسجور کی قسم میں اشارہ ہو گیا کہ دوزخ بھی ایسی ہی خوفناک چیز ہے، جیسے سمندر، یہ وجہ تخصیص تقسیم اقسام کی ہو سکتی ہے، اور نفس قسم کی توجیہ سورہ حجج کی آیت نَعْمُ مَوَكَّكُ کے ذیل میں اور غایت و غرض کی شروع سورہ صافات میں گذر چکی ہے، آگے اس یوم کے بعض واقعات ارشاد فرماتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہوا کہ مستحقین عذاب

کے لئے عذاب ضرور واقع ہوگا) تو جو لوگ (قیامت کے اور دیگر امور حقہ توحید و رسالت کے) جھٹلائیو الے
 ہیں (اور) جو (تکذیب کے) مشغلہ میں بیہودگی کے ساتھ لگ رہے ہیں (جس سے وہ مستحق عذاب ہو گئے ہیں) اُن کی
 اس روز بڑی کم بختی آدے گی جس روز کہ ان کو آتش دوزخ کی طرف دھکے دے دے کر لاویں گے (کیونکہ خوشی
 سے ایسے جگہ کون آتا ہے، پھر جب اُن کے ڈالنے کا وقت ہوگا تو اس حالت سے پھر کے ڈال دیے جاویں گے
 فَيَوْمَئِذٍ يَأْتُوا صَحْيًا وَلَا قُدْرًا م اور اُن کو دوزخ دکھلا کر زجر اُکھا جاوے گا کہ) یہ وہی دوزخ ہے جس
 کو تم جھٹلایا کرتے تھے (یعنی جن آیتوں میں اس کی خبر تھی ان کو جھٹلاتے تھے اور نیز ان آیات کو سحر کہا
 کرتے تھے، خیر وہ تو تمھارے نزدیک سحر تھا) تو کیا یہ (بھی) سحر ہے (دیکھ کر بتلاؤ) یا یہ کہ تم کو (اب بھی)
 نظر نہیں آتا (جیسا دنیا میں نظر نہ آنے کی وجہ سے منکر ہو گئے تھے اچھا تو اب) اس میں داخل ہو پھر خواہ
 اس کی (سہار کرنا یا سہار نہ کرنا تمھارے حق میں دونوں برابر ہیں نہ یہی ہوگا کہ تمھاری ہائے داویلا سے
 نجات ہو جاوے اور نہ یہی ہوگا کہ تمھاری تسلیم و انقیاد و سکوت پر رحم کر کے نکال دیا جاوے بلکہ ہمیشہ
 اسی میں رہنا ہوگا اور) جیسا تم کرتے تھے ویسا ہی بدلہ تم کو دیا جائے گا (تم کفر کیا کرتے تھے جو رب
 بڑی نافرمانی اور اللہ تعالیٰ کے حقوق اور کمالات غیر متناہیہ کی ناشکری ہے، پس بدلہ میں دوزخ کا
 خلود نصیب ہوگا جو کہ عذاب اشد و غیر متناہی ہے، آگے ان کے اصدا کا بیان ہے یعنی) متقی لوگ بلاشبہ
 (بہشت کے) باغوں اور سامان عیش میں ہوں گے (اور) اُن کو جو چیزیں (عیش و آرام کی) اُن کے
 پروردگار نے دی ہوں گی اس خوشدل ہونگے اور اُن کا پروردگار ان کو عذاب دوزخ سے محفوظ رکھے گا اور جنت میں
 داخل کر کے فرماوے گا کہ) خوب کھاؤ اور پیو مزہ کے ساتھ اپنے (ان نیک) عملوں کے بدلہ میں (جو دنیا
 میں کیا کرتے تھے) نیکہ لگاتے ہوئے تختوں پر جو برابر بچھائے ہوئے ہیں، اور ہم ان کا گوری گوری بڑی
 آنکھوں والیوں سے (یعنی حوروں سے) بیاہ کر دیں گے (یہ حال تو سب اہل ایمان کا ہوا) اور آگے ان
 خاص مؤمنین کا ذکر ہے جن کی اولاد بھی موصوف بالایمان تھی پس ارشاد ہو کہ (جو لوگ ایمان لائے اور
 ان کی اولاد نے بھی ایمان میں اُن کا ساتھ دیا، (یعنی وہ بھی ایمان لائے گوا اعمال میں وہ اپنے آباء کے رتبہ
 کو نہیں پہونچے، جیسا کہ عدم ذکر اعمال اس کا قرینہ ہے، و نیز احادیث میں مصرح ہے کَانُوا اَوْفَاءً
 فِي الْعَهْلِ، وَكَانَتْ مَنَازِلُ اَبَائِهِمْ اَرْفَعَ، وَ لَحِقُوا بِغُرَادِ رَجَائِكَ وَ عَمَلِكَ، رواھا
 فِي الْمُنْتَوَر، تو گو اُن کے عمل میں کمی کا مقتضایہ تھا کہ ان کا درجہ بھی کم ہو، لیکن ان آباء مؤمنین
 کے اکرام اور ان کو خوش کرنے کے لئے) ہم ان کی اولاد کو بھی (درجہ میں) ان کے ساتھ شامل کر دیں گے
 اور اس شامل کرنے کے لئے) ہم ان (اہل جنت متبوعین) کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے،
 یعنی یہ نہ کریں گے کہ ان متبوعین کے بعض اعمال لے کر اُن کی ذریت کو دے کر دونوں کو برابر کر دیں، جیسے
 مثلاً ایک شخص کے پاس چھ سو روپے ہوں اور ایک کے پاس چار سو اور دونوں کو برابر کرنا مقصود ہو تو

اس کی ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ چھ سو روپے والے سے ایک سو روپے لیکر اس چار سو والے کو دیئے جائیں کہ دونوں کے پاس پانچ پانچ سو ہو جائیں اور دوسری صورت جو کریموں کی شان کے لائق ہے یہ ہے کہ چھ سو والے سے کچھ نہ لیا جائے بلکہ اس چار سو والے کو دوسو روپے اپنے پاس سے دیدیں اور دونوں کو برابر کر دیں، پس مطلب یہ ہے کہ وہاں پہلی صورت واقع نہ ہوگی جس کا اثر یہ ہوتا کہ متبوع کو بوجہ کم ہو جانے اعمال کے اس کے درجہ سے کچھ نیچے لاتے، اور تابع کو کچھ اوپر لے جاتے اور دونوں ایک متوسط درجہ میں رہتے یہ نہ ہوگا، بلکہ دوسری صورت واقع ہوگی اور متبوع اپنے درجہ عالیہ میں بدستور رہے گا، اور تابع کو وہاں پہنچا دیا جائے گا اور متبوع اور ذریت میں ایمان کی مشروط اس لئے ہے کہ اگر وہ ذریت مؤمن نہیں تو آباء مؤمنین کے ساتھ الحاق نہیں ہو سکتا، کیونکہ کافروں میں سے ہر شخص اپنے اعمال (کفریہ) میں مجبوس رہی النار اور ماخوذ رہے گا (بقولہ تعالیٰ اَکَلَتْ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنًا اِلَّا اَصْحَابُ الْيَمِيْنِ، فسرد ابن عباس کما فی الدرر یعنی نجات کی کوئی صورت نہیں، لہذا ان کا الحاق آباء مؤمنین کے ساتھ متصور نہیں، اس لئے الحاق میں ایمان ذریت شرط ہے) اور آگے پھر مطلق اہل ایمان و اہل جنت کا بیان ہے کہ ہم ان کو میوے اور گوشت جس قسم کا اُن کو مرغوب ہو روز افزاد دیتے رہیں گے (اور) وہاں آپس میں (بطور خوش طبعی کے) جام شراب میں چھینا چھپٹی بھی کریں گے کہ اس (شراب) میں نہ بک بک لگے گی (کیونکہ نشہ نہ ہوگا) اور نہ کوئی بیہودہ بات (عقل و متانت کے خلاف) ہوگی اور ان کے پاس (فواکہ وغیرہ لانے کے لئے) ایسے لڑکے آئیں جائیں گے (یہ لڑکے کون ہوں گے اس کی تحقیق تفسیر سورۃ واقعہ میں آئے گی) جو خاص انہی (کی خدمت) کے لئے ہوں گے، (اور غایت حسن و جمال سے ایسے ہوں گے کہ) گویا وہ حفاظت سے رکھے ہوئے موتی ہیں (کہ اُن پر ذرا گرد و غبار نہیں ہوتا، اور آب و تاب اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے) اور (ان کو روحانی مسرت بھی ہوگی، چنانچہ اس میں سے ایک کا بیان یہ ہے کہ) وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے (اور اثنائے گفتگو میں) یہ بھی کہیں گے کہ (بھائی) ہم تو اس سے پہلے اپنے گھر (یعنی دنیا میں انجام کار سے) بہت ڈرا کرتے تھے سو خدا نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہم کو عذاب و دوزخ سے بچالیا (اور) ہم اس سے پہلے (یعنی دنیا میں) اس سے دعائیں مانگا کرتے تھے (کہ ہم کو دوزخ سے بچا کر جنت میں لیجاوے) سو اللہ نے دُعا قبول کر لی، واقعی وہ بڑا محسن مہربان ہے (اور اس مضمون سے مسرت ہونا ظاہر ہے، اور چونکہ یہ امر و حیثیت سے نعمت تھا، ایک نفیس عذاب سے بچانا، دوسرے ہم ناکاروں کی نا چیز عرض قبول کر لینا، اس لئے دو عنوانوں سے تعبیر کیا گیا)۔

معارف مسائل

وَالطُّوْرُ، طور کے معنی عبرانی زبان میں پہاڑ کے ہیں جس پر درخت اُگتے ہوں، یہاں طور سے مراد وہ طور سینین ہے جو ارض مدین میں واقع ہے، جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ سے

شرف ہم کلامی نصیب ہوا، بعض روایات حدیث میں ہے کہ دنیا میں چار پہاڑ جنت کے ہیں ان میں سے ایک طور ہے (قرطبی) طور کی قسم کھانے میں اس کی خاص تعظیم و تشریف کی طرف بھی اشارہ ہے اور اس کی طرف بھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے کچھ کلام اور احکام آئے ہیں جن کی پابندی ان پر فرض ہے۔

وَكَيْتَبٍ مَّسْطُورٍ فِي رَقٍّ مَّنْشُورٍ، لفظ رَق در اصل پتلی یا ریک کھال کے لئے بولا جاتا ہے، جو کھنے کے واسطے کاغذ کی جگہ بنائی جاتی تھی، مراد اس سے وہ چیز ہے جس پر لکھا گیا ہو، اس لئے اس کا ترجمہ کاغذ سے کر دیا جاتا ہے، اور کتاب مسطور سے مراد یا تو انسان کا نامہ اعمال ہے جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں لکھا گیا ہے اور بعض مفسرین نے اس سے مراد قرآن کریم قرار دیا ہے (قرطبی)۔

آسمانی کعبہ بیت معمور | وَابْنَيْتِ الْمَعْمُورِ، بیت معمور آسمان میں فرشتوں کا کعبہ ہے، دنیا کے کعبہ کے بالمقابل ہے، صحیحین کی احادیث میں ثابت ہے کہ شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ساتویں آسمان پر پہنچے تو آپ کو بیت معمور کی طرف لے جایا گیا، جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے عبادت کے لئے داخل ہوتے ہیں، پھر کبھی ان کو دوبارہ یہاں پہنچنے کی نوبت نہیں آتی (کیونکہ ہر روز دوسرے نئے فرشتوں کا نمبر ہوتا ہے) ابن کثیر۔

بیت معمور ساتویں آسمان کے رہنے والے فرشتوں کا کعبہ ہے، اسی لئے شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت معمور پر پہنچے تو دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام اس کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں، چونکہ وہ دنیا کے کعبہ کے بانی تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کی جزا میں آسمان کے کعبہ سے بھی ان کا خاص تعلق قائم کر دیا (ابن کثیر)۔

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ، بحر سے مراد سمندر اور مسجور سحر سے مشتق ہے جو کئی معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے، ایک معنی آگ بھڑکانے کے بھی ہیں، بعض حضرات مفسرین نے اس جگہ یہی معنی لئے کہ قسم ہے سمندر کی جو آگ بنا دیا جائے گا، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ قیامت کے روز سارا سمندر آگ بن جائے گا، جیسا کہ دوسری آیت میں ہے (وَإِذَا الْبِحَارُ سُجُوتٌ) یعنی چاروں طرف کے سمندر آگ بن کر میدانِ حشر میں جمع ہونے والے انسانوں کے محیط ہو جائیں گے، یہی معنی حضرت سعید بن مسیبؓ نے حضرت علیؓ سے نقل کئے ہیں، حضرت ابن عباس اور سعید بن مسیبؓ، مجاہدؓ، عبید اللہ بن عمرؓ نے بھی یہی تفسیر کی ہے (ابن کثیر)۔

حضرت علیؓ سے کسی یہودی نے پوچھا کہ جہنم کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا سمندر ہے، یہودی نے بھی جو کتب سابقہ کا عالم تھا اس کی تصدیق کی (قرطبی) اور حضرت قتادہؓ وغیرہ نے مسجور کے معنی مملوک کے کئے ہیں، یعنی پانی سے بھرا ہوا، ابن جریر نے اسی معنی کو اختیار کیا ہے (ابن کثیر) یہی معنی خلاصہ تفسیر میں اوپر بیان ہوئے ہیں۔

إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مِّمَّا أَكُنْتُمْ تَكْفُرُونَ (بیشک آپ کے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا، اس کو کوئی دفع کرنے والا نہیں) یہ جواب قسم ہے، اور طور، صحائف اعمال، بیت المعمور، آسمان، سمندر کی جس مضمون کے لئے قسم کھائی ہے اس کا یہ بیان ہے کہ کفار کے اور اللہ کا عذاب ضرور واقع ہوگا۔

واقعہ فاروق اعظمؓ | حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک روز سورۃ طور پڑھی جب اس آیت پر پہنچے تو ایک آہ سرد بھری جس کے بعد بیس روز تک بیمار رہے، لوگ عیادت کو آتے، مگر یہ کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ بیماری کیلئے (ابن کثیر)

حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ میں مسلمان ہونے سے پہلے ایک مرتبہ مدینہ طیبہ اس لئے آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدر کے قیدیوں کے متعلق گفتگو کروں، میں پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں سورۃ طور پڑھ رہے تھے اور آواز مسجد سے باہر تک پہنچ رہی تھی، جب یہ آیت پڑھی إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مِّمَّا أَكُنْتُمْ تَكْفُرُونَ اچانک میری یہ حالت ہوئی کہ گویا میرا دل خوف سے پھٹ جائے گا، میں نے فوراً اسلام قبول کیا، مجھے اُس وقت یہ محسوس ہو رہا تھا کہ میں اس جگہ سے ہٹ نہیں سکتا، کہ مجھ پر عذاب آجائے گا (قرطبی)

یَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا، لغت میں مضطربانہ حرکت کو مَوْرُ کہا جاتا ہے، آسمان کی اضطرابی حرکت جو قیامت کے روز ہوگی یس کا بیان ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ | بزرگوں کے ساتھ نفسی تعلق آخرت میں بھی نفع دے گا، بشرط ایمان (یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی ایمان میں اُن کے تابع رہی یعنی مومن ہوئی تو ہم ان کی اولاد کو بھی جنت میں انہی کے ساتھ ملحق کر دیں گے)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومنین صالحین کی ذریت و اولاد کو بھی ان کے بزرگ آباء کے درجہ میں پہنچا دیں گے، اگرچہ وہ عمل کے اعتبار سے اس درجہ کے مستحق نہ ہوں تاکہ ان بزرگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں (رواہ الحاكم و البیہقی فی سننہ و البزار و ابونعیم فی الحلیۃ و ابن المنذر و ابن جریر و ابن ابی حاتم، از منطری)

اور طبرانی نے حضرت سعید بن جبیرؓ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے فرمایا اور میرا گمان یہ ہے کہ انھوں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی شخص جنت میں داخل ہوگا تو اپنے ماں باپ اور بیوی اور اولاد کے متعلق پوچھے گا (وہ کہاں ہیں) اس سے کہا جائیگا کہ وہ تمھارے درجہ کو نہیں پہنچے (اس لئے ان کا جنت میں الگ مقام ہے) یہ شخص عرض کرے گا اے میرے پروردگار! میں نے جو کچھ عمل کیا وہ اپنے لئے اور ان سب کے لئے کیا تھا تو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے حکم ہوگا کہ ان کو بھی اسی درجہ جنت میں اُن کے ساتھ رکھا جائے (ابن کثیر)

حافظ ابن کثیر نے روایات مذکورہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ آخرت میں ان روایات سے تو یہ ثابت ہوا کہ آباء صالحین کی برکت سے ان کی اولاد کو فائدہ پہونچے گا اور عمل میں ان کا درجہ کم ہونے کے باوجود اپنے آباء صالحین کے درجے میں پہونچا دیے جائیں گے، اس کا دوسرا رخ کہ اولاد صالحین کی وجہ سے والدین کو نفع پہونچے یہ بھی حدیث سے ثابت ہے، مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کا درجہ جنت میں اس کے عمل کی مناسبت سے بہت اونچا کر دیں گے، تو یہ دریافت کرے گا کہ میرے پروردگار مجھے یہ مقام اور درجہ کہاں سے مل گیا (میرا عمل تو اس قابل نہ تھا) تو جواب یہ دیا جائے گا کہ تمہاری اولاد نے تمہارے لئے استغفار و دعا کی اس کا یہ اثر ہے (رواہ الامام احمد وقال ابن کثیر اسنادہ صحیح ولم یخرجہ دکن لہ شاید فی صحیح مسلم عن ابی ہریرہؓ)

وَمَا آتٰنَّہُمْ مِّنْ عَمَلٍ مِّنْ شَيْءٍ، اَلَّذٰتِ اور ایلات کے لفظی معنی کم کرنے کے ہیں (قرطبی) معنی آیت کے یہ ہیں کہ صالحین کی اولاد کو ان کے درجہ عمل سے بڑھا کر صالحین کے ساتھ ملحق کرنے کے لئے ایسا نہیں کیا گیا کہ صالحین کے عمل میں سے کچھ کم کر کے ان کی اولاد کا عمل پورا کیا جاتا بلکہ اپنے فضل سے انکی برابر کر دیا گیا۔

محل امریٰ بِنَا کَسَبَ دَہِیْنٌ، یعنی ہر انسان اپنے عمل میں مجبوس ہوگا ایسا نہیں ہوگا کہ کسی دوسرے کا گناہ اس کے سر ڈال دیا جائے یعنی جس طرح آیت سابقہ میں اولاد صالحین کو صالحین کی خاطر سے درجہ بڑھا دیا گیا یہ عمل حسنات میں تو ہوگا، سینات میں ایک کے گناہ کا کوئی اثر دوسرے پر نہ پڑے گا (ابن کثیر)

فَذٰکِرْ فَمَا اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّکَ بِکَافٍ ۝۲۹ اَمْ یَقُولُوْنَ

اب تو سمجھا دے کہ تو اپنے رب کے فضل سے نہ جنوں سے خبر لینے والا ہو اور نہ دیوانہ، کیا کہتے ہیں

شَاعِرٌ تَتَرَبَّصُّ بِہٖ رَبِّ السَّمَوْنَ ۝۳۰ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَکُمْ

یہ شاعر ہے ہم منتظر ہیں اس پر گردش زمانہ کے، تو کہہ تم منتظر رہو کہ میں بھی تمہارے

مِّنَ الْمُرْتَبِصِیْنَ ۝۳۱ اَمْ تَأْمُرُہُمْ اَحْلَآ مَہُمْ بِہٰذَا اَمْ ہُمْ قَوْمٌ

ساتھ منتظر ہوں، کیا ان کی عقلیں یہی سکھاتی ہیں ان کو یا یہ لوگ شرارت پر

طَاغُوْنَ ۝۳۲ اَمْ یَقُولُوْنَ تَقْوَلُہٗ ۚ بَلْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۳۳ فَلِیَا تَوَّابٍ ۚ

ہیں، یا کہتے ہیں یہ قرآن خود بنالایا کوئی نہیں پر وہ یقین نہیں کرتے، پھر چاہئے کہ لے آئیں

مِّثْلَہٗ اِنْ کَانُوْا صٰدِقِیْنَ ۝۳۴ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ ہُمْ

کوئی بات اسی طرح کی اگر وہ سچے ہیں، کیا وہ بن گئے ہیں آپ ہی آپ یا وہی ہیں

الْخَالِقُونَ ﴿۳۵﴾ أَمْ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يَوْمِقُونَ ﴿۳۶﴾

بنانے والے ، یا انھوں نے بنایا آسمانوں کو اور زمین کو کوئی نہیں پر وہ یقین نہیں کرتے ،

أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمْ الْمَصْطَرُونَ ﴿۳۷﴾ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ

کیا ان کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کے یا وہی داروغہ ہیں ، کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے

يَسْتَمِعُونَ فِيهِ فَلِيَآتٍ مِّنْهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿۳۸﴾ أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ

جس پر سن آتے ہیں ، تو چاہئے لے آئے جو ستا ہوں ان میں ایک سند کھلی ہوئی ، کیا اس کے یہاں بیٹیاں ہیں

وَلَكُمْ الْبَنُونَ ﴿۳۹﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿۴۰﴾

اور تمھارے لئے بیٹے ، کیا تو مانگتا ہے ان سے کچھ بدلہ سو ان پر تاوان کا بوجھ ہے ،

أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُمُونَ ﴿۴۱﴾ أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا فَالْكَائِنُ

کیا ان کو خیر ہے بھید کی سودہ کھ رکھتے ہیں ، کیا چاہتے ہیں کچھ داؤ کرنا ، سو جو منکر

كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ﴿۴۲﴾ أَمْ لَهُمْ آلٌ غَيْرُ اللَّهِ سُبْحٰنَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۴۳﴾

ہیں نہ ہی آتے ہیں داؤ میں ، کیا ان کا کوئی حاکم ہے اللہ کے سوائے وہ اللہ پاک ہے ان کے شریک بنانے سے

وَأَن يَّرَوُا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتَّىٰ

اور اگر دیکھیں ایک تختہ آسمان سے گرتا ہوا کہیں یہ بادل ہے سگاڑھا ، سو تو چھوڑ دے ان کو یہاں تک کہ

يَلْقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ

دیکھ لیں اپنا دن کو جس میں انہر پڑے گی بجلی کی کڑک ، جس دن کا اندازے لگا ان کو ان کا داؤ ذرا بھی اور نہ ان کو مدد

يُنصَرُونَ ﴿۴۶﴾ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَلِكَ وَلَكِنَّا كَثِيرٌ مِّنْهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۷﴾

پہنچے گی ، اور ان گنہگاروں کے لئے ایک عذاب ہے اس سے ولے پر بہت ان میں کے نہیں جانتے ، اور تو ٹھہرنا نظر

لِحٰكِمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ آيٰتِ فَسْحِهِ وَأَدْبَارِ النُّجُومِ ﴿۴۹﴾

اپنے رب کے حکم کا تو تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور پاکی بیا کر اپنی رب کی خوبیا جنت تو اٹھتا ہوا اور کچھ بات میں دل کی پاکی درمچھ بھیر وقت تاروں کے

خلاصہ تفسیر

رجب آپ پر مضامین واجب التبلیغ کی وحی کی جاتی ہے جیسے اوپر ہی جنت و دوزخ کے مستحقین

کی تفصیل کی گئی ہے) تو آپ (ان مضامین سے لوگوں کو) سمجھاتے رہتے کیونکہ آپ بفضلہ تعالیٰ نہ تو کاہن ہیں اور نہ مجنون ہیں (جیسا مشرکین کا یہ قول سورۃ البصیٰ کی شانِ نزول میں..... منقول ہے قدرِ کک شیطانک رواہ البخاری) جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ کاہن نہیں ہو سکتے، کیونکہ کاہن شیاطین سے خبریں حاصل کرتا ہو اور آپ کا شیطان سے کوئی واسطہ نہیں، اور ایک آیت میں ہے وَلَقَوْلُؤُنَّ اِنَّهُ لَمَجْنُونٌ (الآیۃ اس میں آپ مجنون کی نفی کی گئی ہے، مطلب یہ کہ آپ نبی ہیں اور نبی کا کام ہمیشہ نصیحت کرتے رہنا ہے، گو لوگ کچھ ہی بچیں) ہاں کیا یہ لوگ (علاوہ کاہن اور مجنون کہنے کے آپ کی نسبت) یوں (بھی) کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں (اور) ہم ان کے بارے میں حادثہ موت کا انتظار کر رہے ہیں (جیسا درشتور میں ہے کہ قریش دارالندوہ میں مجتمع ہوئے اور آپ کے بارے میں یہ مشورہ قرار پایا کہ جیسے اور شعراء مر کر ختم ہو گئے آپ بھی ان ہی میں سے ایک ہیں، اسی طرح آپ بھی ہلاک ہو جائیں گے تو اسلام کا قصہ ختم ہو جائے گا) آپ فرما دیجئے کہ (بہتر) تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں (یعنی تم میرا انجام دیکھو میں تمہارا انجام دیکھتا ہوں، اس میں اشارۃً پیشین گوئی ہے کہ میرا انجام فلاح و کامیابی ہے اور تمہارا انجام خسارہ اور ناکامی ہے، اور یہ مقصود نہیں کہ تم مرو گے میں نہ مروں گا، بلکہ ان لوگوں کا جو اس سے مقصود تھا کہ ان کا دین چلے گا نہیں، یہ مر جاویں گے تو دین مٹ جاوے گا، جواب میں اس کا رد مقصود ہے، چنانچہ یوں ہی ہوا اور یہ لوگ جو ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں تو) کیا ان کی عقلیں (جس کے یہ بڑے مدعی ہیں) ان کو ان باتوں کی تعلیم کرتی ہیں یا یہ ہے کہ یہ شریر لوگ ہیں (ان کا مدعی عقل و دانش ہونا ان کے اس قول سے ثابت ہے، لَوْ كَانَ غَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ، احقاف، اور معام کی نقل سے اس کی اور تائید ہوتی ہے کہ عظام قریش لوگوں میں بڑے عقلمند مشہور تھے، پس اس آیت میں ان کی عقل کی حالت دکھلائی گئی ہو کہ کیوں صاحب بس یہی عقل ہے جو ایسی تعلیم دے رہی ہے، اور اگر یہ عقل کی تعلیم نہیں ہے تو نری شرارت اور ضد ہے) ہاں کیا وہ یہ (بھی) کہتے ہیں کہ انھوں نے اس (قرآن) کو خود گھڑ لیا ہے (سو تحقیقی جواب تو اس کا یہ ہے کہ یہ بات نہیں ہے، بلکہ (یہ بات صرف اس وجہ سے کہتے ہیں کہ) یہ لوگ (بوجہ عناد کے اس کی) تصدیق نہیں کرتے (اور قاعدہ ہے کہ جس چیز کی آدمی تصدیق نہیں کرتا ہزار وہ حق ہو مگر اس کی ہمیشہ نفی ہی کیا کرتا ہے، اور دوسرا الزامی جواب یہ ہے کہ اچھا اگر یہ ان کا بنایا ہوا ہے) تو یہ لوگ (بھی عربی اور بڑے فصیح و بلیغ اور قادر الکلام ہیں) اس طرح کا کوئی کلام (بنا کر) لے آئیں اگر یہ (اس دعوے میں) سچے ہیں (یہ سب مضامین رسالت کے متعلق ہیں آگے توحید کے متعلق گفتگو ہے کہ یہ لوگ جو توحید کے منکر ہیں تو) کیا یہ لوگ بدون کسی خالق کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں یا (یہ کہ نہ اپنے خالق ہیں اور نہ بلا خالق مخلوق ہوئے ہیں لیکن) انھوں نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے (اور اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت میں شریک ہیں) اصل یہ کہ جو شخص صفت خالقیت صرف حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونے اور خود اپنے آپ کا بھی محتاج خالق

ہونے کا اعتقاد رکھے تو عقلاً اس پر لازم ہے کہ توحید کا بھی قائل ہو، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک قرار دے اور توحید کا انکار وہ شخص کر سکتا ہے جو صفت خالقیت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص نہ جانے یا اپنی مخلوقیت کا منکر ہو، اور چونکہ یہ لوگ اپنے عدم غور و فکر کی وجہ سے یہ نہیں جانتے تھے کہ خالق جب ایک ہے تو معبود بھی ایک ہی ہونا لازم ہے، اس لئے آگے ان کے اس جہل کی طرف اشارہ ہے کہ واقع میں ایسا نہیں، بلکہ یہ لوگ (بوجہ جہل کے توحید کا) یقین نہیں لاتے (وہ جہل یہی ہے کہ اس میں غور نہیں کرتے کہ خالقیت اور معبودیت میں تلازم ہی یہ گفتگو توحید کے متعلق ہوئی، آگے رسالت کے متعلق ان کے دوسرے مزعوامات کا رد ہے، چنانچہ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اگر نبوت ہی ملنی تھی تو فلاں فلاں رؤسا، مکہ و طائف کو ملتی، حق تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں کہ) کیا ان لوگوں کے پاس سمجھائے رب کی نعمتوں اور رحمتوں کے (جن میں نبوت بھی داخل ہے) خزانے ہیں، (کہ جس کو چاہو نبوت دیدو، بقولہ تعالیٰ اُنْهُمْ یَقْسِمُونَ رَحْمَةً رَبِّکَ) یا یہ لوگ (اس محکمہ نبوت کے) حاکم ہیں، (کہ جسے چاہیں نبوت دلوادیں، یعنی دیئے دلانے کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ مثلاً خزانہ اپنے قبضہ میں ہو، دوسری یہ کہ قبضہ میں نہ ہو مگر قابضان خزانہ اس کے محکوم ہوں کہ اس کے دستخط دیکھ کر دیتے ہوں، یہاں دونوں کی نفی فرمادی، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ جو رسالت محمدیہ کے منکر ہیں اور مکہ و طائف کے رؤسا کو رسالت کا مستحق قرار دیتے ہیں ان کے پاس اس کی کوئی دلیل عقلی تو ہے نہیں بلکہ خود اس کے عکس پر دلائل عقلیہ قائم ہیں، اور اسی لئے محض استہنام انکاری پر اکتفاء فرمایا، اب آگے دلیل نقلی کی نفی فرماتے ہیں، یعنی) کیا ان لوگوں کے پاس کوئی سیڑھی ہے کہ اس پر (چڑھ کر آسمان کی) باتیں سن لیا کرتے ہیں (یعنی دلیل نقلی وحی آسمانی ہے اور اس کے علم کے دو طریقے ہیں، یا تو وحی کسی شخص پر آسمان سے نازل ہو، یا صاحب وحی آسمان پر چڑھے اور دونوں کا منتفی ہونا ان لوگوں سے ظاہر ہے، آگے اس کے متعلق ایک احتمال عقلی کا ابطال فرماتے ہیں کہ اگر فرضاً یہ لوگ یہ دعویٰ کرنے لگیں کہ ہم آسمان پر چڑھ جاتے اور وہاں کی باتیں سنتے ہیں، تو انہیں جو رہاں کی باتیں سن آتا ہو وہ (اس دعویٰ پر) کوئی صاف دلیل پیش کرے جس سے ثابت ہو کہ یہ شخص مشرک بہ وحی ہو، جیسا ہمارے نبیؐ اپنی وحی پر دلائل خارقہ یقینیہ رکھتے ہیں، آگے پھر توحید کے بارے میں ایک خاص مضمون کے متعلق کلام ہے، یعنی منکرین توحید جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دے کر شرک کرتے ہیں تو ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ) کیا خدا کے لئے بیٹیاں ... (تجویز کی جادیں) اور تمھارے لئے بیٹے (تجویز ہوں) یعنی اپنے لئے تو وہ چیز پسند کرتے ہو جس کو اعلیٰ درجہ کا سمجھتے ہو، اور خدا کے لئے وہ چیز تجویز کرتے ہو جس کو ادنیٰ درجہ کی سمجھتے ہو، جس کا بیان سورۃ صافات کے اخیر میں مفصل مدلل گذرا ہے، آگے پھر رسالت کے متعلق کلام ہے کہ ان کو جو باوجود آپؐ کی حقانیت ثابت ہو جانے کے آپؐ کا اتباع اس قدر ناگوار ہو تو کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ (تبلیغ احکام کا) مانگتے ہیں کہ وہ نادان ان کو گراں معلوم ہوتا ہے، (وہذا بقولہ تعالیٰ اَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا) آگے قیامت اور جزاء کے متعلق کلام ہے کہ وہ لوگ جو کہتے ہیں

کہ اول تو قیامت ہوگی نہیں، اور اگر بالفرض ہوگی تو ہم وہاں بھی اچھے رہیں گے، کما فی قولہ تعالیٰ وَ مَا أَظُنُّ النَّاسَ قَائِمًا وَلَئِنْ رُجِعْتُ إِلَى رَبِّیْ لَأَنذَرَنَّ لَهُمْ لَلْعَذَابِ تَوْهَمًا سِیِّئًا تو ہم اس کے متعلق ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے کہ یہ اس کو محفوظ رکھنے کے واسطے لکھ لیا کرتے ہیں یہ احقر کے نزدیک کنایہ ہے یَحْفَظُونَ سے کیونکہ کتابت طریقہ ہے حفظ کا، پس حاصل یہ ہوا کہ جس امر پر اثبات یا نفی کوئی دلیل عقلی قائم نہ ہو وہ غیب محض ہے، اس کا دعویٰ اثبات یا نفی وہ کرے جس کو کسی واسطے سے اس غیب پر مطلع کیا جاوے اور پھر مطلع ہونے کے بعد وہ اس کو محفوظ بھی رکھے، اس لئے کہ اگر معلوم ہونے کے بعد محفوظ نہ ہو تب بھی حکم اور دعویٰ بلا علم ہوگا، پس تم جو قیامت کی نفی اور اپنے لئے حسنی کے قائل ہو تو کیا تم کو غیب پر کسی واسطے سے اطلاع دی گئی ہے جیسا کہ ہمارے نبیؐ کو اثبات قیامت اور تم سے اچھی حالت کی نفی کی خبر غیبی بواسطہ وحی دی گئی ہے اور وہ اس کو محفوظ رکھ کر اوروں کو پہنچا رہے ہیں، آگے رسالت کے متعلق ایک اور کلام ہے وہ یہ کہ کیا یہ لوگ (صاحب رسالت کے ساتھ) کچھ بُرائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں (جس کا بیان دوسری آیت میں ہے وَ اِذْ یَخْلُرُ بَیْکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُشَبِّهُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ) سو یہ کافر خود ہی (اس) بُرائی (کے وبال) میں گرفتار ہوں گے (چنانچہ اس قصد میں ناکام ہوئے اور بدر میں مقتول ہوئے، آگے پھر توحید کے متعلق کلام ہے کہ کیا ان کا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے اللہ تعالیٰ اُن کے شرک سے پاک ہے اور (آگے پھر رسالت کے متعلق ایک کلام ہے وہ یہ کہ یہ لوگ نفی رسالت کے لئے ایک بات یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ ہم تو آپ کو اس وقت رسول جانیں جب ہم پر ایک آسمان کا ٹکڑا گرا دو، کما قال تعالیٰ وَ قَالُوْا اِنَّ نُّوْمِنُ اِلٰی قَوْلِهِ اَوْ تَسْقِطَ السَّمٰوٰتُ کَمَا زُرَّمَتْ عَلَیْنَا کُفْرًا سَوَاسِیًّا اس کا جواب یہ ہے کہ ازل تو دعویٰ پر خواہ وہ دعویٰ رسالت ہو یا اور کچھ ہو مطلق دلیل کا بشرطیکہ صحیح ہو قائم کر دینا کافی ہے جو کہ دعویٰ رسالت ہی کے وقت سے بلا کسی قدر و جرح کے قائم ہے اور کسی خاص دلیل کا قائم ہونا ضروری نہیں اور نہ اس سے دعویٰ نبوت میں قدر لازم آتا ہے، تبرعاً کوئی فرمائشی دلیل قائم کی جائے تو یہ اُس وقت ہے جب اس میں کوئی مصلحت ہو، مثلاً درخواست کنندہ طالب حق ہو، تو یہی سمجھا جائے کہ خیر اسی ذریعہ سے اس کو ہدایت ہو جاوے گی، اور کوئی معتد بہ حکمت ہو، اور یہاں یہ مصلحت بھی نہیں، کیونکہ ان کی یہ فرمائشی حق کے لئے نہیں بلکہ محض تعنت و عناد کی راہ سے ہے، اور وہ ایسے ضدی ہیں کہ) اگر (ان کا یہ فرمائشی معجزہ واقع بھی ہو جاوے اور) وہ آسمان کے ٹکڑے کو دیکھ (بھی) لیں کہ گرتا ہوا آ رہا ہے تو (اس کو بھی) یوں کہہ دیں کہ یہ تو تہمت ہوتا ہوا بادل ہے (کقولہ تعالیٰ وَ نُوْا اَنَّا فَتَحْنَا عَلَیْہِمْ اَبَابَ السَّمٰوٰتِ فَظَلُّوْا فِیْہِ یَعْرِجُوْنَ، پس جب مصلحت بھی نہیں ہے اور دوسری مصلحتوں کی نفی کا بھی ہم کو علم ہے بلکہ ان فرمائشی معجزات کا وقوع خلاف حکمت ہے، پس جب ضرورت نہیں مصلحت نہیں بلکہ خلاف مصلحت ہے، پھر کیوں واقع کیا جائے اور نہ اس کے عدم وقوع سے نبوت کی نفی ہوتی ہے، آگے اُن کے غلو فی الکفر پر جو اوپر کی آیتوں سے اور شدت عناد پر جو کہ آخر کی آیت سے معلوم ہوتا ہے بطور تفسیر کے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے، فرماتے ہیں کہ جب یہ لوگ ایسے طاعی اور باغی اور غالی ہیں، تو ان سے توقع ایمان کر کے بچ میں نہ پڑیے بلکہ ان کو راہی کی حالت پر رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ (واقع) ہو جس میں انکے ہوش اُڑ جاویں گے (مراد قیامت کا دن ہے، اور اس صعق کی تفصیل سورہ زمر کی آخری آیت وَ نَفْخُ الْنُفُخِ کی تفسیر میں گذری ہے، اور معنی احثی کی تحقیق سورہ زخرف کے آخر میں جہاں حثی مُکَلِّفًا آیا ہے گذری ہے، آگے اس دن کا بیان ہے، یعنی جس دن اُن کی تدبیریں جو دنیا میں اسلام کی مخالفت اور اپنی کامیابی کے بارے میں کیا کرتے تھے) ان کے کچھ بھی کام نہ آویں گی اور نہ (کہیں سے) ان کو مدد ملے گی نہ تو مخلوق کی طرف سے کہ اس کا امکان ہی نہیں اور نہ خالق کی طرف سے کہ اس کا وقوع نہیں، یعنی اُس روز انکو حقیقت معلوم ہو جاوے گی، باقی اس سے ادھر ایمان لانے والے نہیں) اور آخرت میں تو یہ مصیبت اُن پر آئے ہی گی لیکن ان ظالموں کے لئے قبل اس (عذاب) کے بھی عذاب ہونے والا ہے (یعنی دنیا میں جیسے قحط اور غزوہ بدر میں قتل ہونا) لیکن ان میں اکثر کو معلوم نہیں (اکثر شاید اس لئے فرمایا ہو کہ بعضوں کے لئے ایمان مقدر تھا اور ان کا عدم علم بوجہ اس کے کہ علم سے مبدل ہونے والا تھا، اس لئے وہ عدم علم نہیں قرار دیا گیا) اور (جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ ہم ان کی سزا کے لئے ایک وقت معین کر چکے ہیں تو) آپ اپنے رب کی (اس) تجویز پر صبر سے بیٹھے رہو اور ان لوگوں کیلئے انتقام الہی کی جلدی نہ کیجئے، جس کو آپ مسلمانوں کی خواہش اور انکی امداد کی حیثیت چاہتے تھے، اور نہ اس خیال سے انتقام میں جلدی کیجئے کہ یہ لوگ مہلت میں آپ کو مئی ضرر پہنچا سکیں گے سو اس کا بھی اندیشہ نہ کیجئے کیوں کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں پھر کاہکی کا ڈر چنانچہ یونہی واقع ہوا، اور اگر انکے کفر کا غم دل پر آدو تو اس کا علاج یہ ہو کہ توجہ الی اللہ رکھا کیجئے، مثلاً یہ کہ) اٹھتے وقت (یعنی مجلس سے یا سونے سے اٹھتے وقت، مثلاً تہجد میں) اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیا کیجئے اور رات (کے کسی حصہ) میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے (مثلاً عشاء کے وقت) اور ستاروں (کے غروب ہونے) سے پیچھے بھی (مثلاً نماز صبح اور مطلق ذکر بھی) اس میں آگیا، اور تخصیص ان اوقات کی بوجہ خاصہ اہتمام کے لئے ہے، حاصل یہ کہ اپنے دل کو ادھر مشغول رکھئے پھر فکر و غم کا غلبہ نہ ہوگا)۔

معارف مسائل

فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا، دشمنوں کی دشمنی اور مخالفت و تکذیب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے آخر سورت میں پہلے تو یہ فرمایا کہ ”آپ ہماری نظروں میں ہیں“ یعنی ہماری حفاظت میں ہیں ہم آپ کو ان کے ہر شر سے بچائیں گے، آپ اُن کی کسی بات کی پروا نہ کریں، جیسا کہ دوسری ایک آیت میں ارشاد ہے (وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ) اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرماویں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں لگ جانے کا حکم فرمایا جو اصل مقصد زندگی بھی ہے، اور ہر مصیبت سے بچنے کا اصلی علاج بھی فرمایا وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ، یعنی اللہ کی حمد کی

تسبیح کیا کریں جبکہ آپ کھڑے ہوں، کھڑے ہونے سے مراد سو کر اٹھنا بھی ہو سکتا ہے، ابن جریر نے اسی کو اختیار کیا ہے، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام احمد نے حضرت عبادہ بن صامت رضی عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص رات کو بیدار ہو اور اس نے یہ کلمات پڑھے تو جو دعاء کرے گا قبول کی جائے گی وہ کلمات یہ ہیں: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، پھر اگر اس نے نماز پڑھنے کا ارادہ کیا اور وضو کر کے نماز پڑھی تو اس کی نماز مقبول کی جائے گی (ابن کثیر)

کفارۃ مجلس | اور حضرت مجاہد اور ابوالاحوص وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ حِينَ تَقُومُ سے مراد یہ ہے کہ جب آدمی اپنی کسی مجلس سے اُٹھے تو یہ کہے کہ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، حضرت عطار بن ابی رباح نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ جب تم اپنی مجلس سے اٹھو تو تسبیح و تحمید کرو، اگر تم نے اس مجلس میں کوئی نیک کام کیا ہے تو اس کی نیکی میں زیادتی اور برکت حاصل ہوگی، اور اگر کوئی غلط کام کیا ہے تو یہ کلمات اس کا کفارہ ہو جائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھو اور اس میں اچھی بُری باتیں ہوں تو اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے اگر وہ یہ کلمات پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی سب خطاؤں کو جو اس مجلس میں ہوتی ہیں معاف فرمادیں گے، وہ کلمات یہ ہیں: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ، رواہ الترمذی وھذا الفظ واللسانی فی الیوم واللیلۃ وقال الترمذی حدیث حسن صحیح (ابن کثیر)

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ، یعنی رات میں تسبیح کیجئے، اس میں نماز مغرب و عشاء بھی داخل ہے اور عام تسبیحات بھی، وَادْبَارَ النُّجُومِ، یعنی ستاروں کے غائب ہونے کے بعد، مراد اس سے نماز فجر اور اس وقت کی تسبیحات ہیں (ابن کثیر)

مترت

سُورَةُ الطُّورِ بِحَمْدِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ عَصَرَ يَوْمِ
الْأَرْبَعَاءِ ثَلَاثًا وَعِشْرِينَ مِنْ دُبُحِّ الْأَوَّلِ سُبْحًا
وَاللَّهُ الْمَسْتَوَّلُ لِأَنَّمَا الْبَاقِي بِعَوْنِهِ وَحُسْنِ تَوْفِيقِهِ

سُورَةُ النَّجْمِ

سُورَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَانِ سِتُونَ آيَةً وَثَلَاثُ رُكُوعَاتٍ ۖ

سورۃ نجم مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی باسٹھ آیتیں ہیں اور تین رکوع ،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بجد مہربان نہایت رحم والا ہے ،

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝۱ مَا خَلَّصَ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝۲ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ

قسم ہوتا ہے کہ جب گرے ، پہکا نہیں تمہارا رفیق اور نہ بے راہ چلا ، اور نہیں بولتا اپنے نفس

الْهَوَىٰ ۝۳ إِنَّ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝۴ عَلَّمَكَ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝۵ ذُو هِرَّةٍ ۝۶

کی خواہش ہے ، یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا ، اس کو سکھلایا سخت قوتوں والے نے ، زور آور نے ،

فَاسْتَوَىٰ ۝۶ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۝۷ ثُمَّ دَنَىٰ قَدْلَىٰ ۝۸ فَكَانَ قَابَ

پھر سیدھا بیٹھا ، اور وہ تھا اونچے کنارہ پر آسمان کے ، پھر نزدیک ہوا اور ٹک آیا ، پھر رہ گیا فرق

قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝۹ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝۱۰ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا

دو کمان کے برابر یا اس سے بھی نزدیک ، پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندہ پر جو بھیجا ، جھوٹ نہیں کہا رسول کے دل نے جو

رَأَىٰ ۝۱۱ أَفَمُرُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۝۱۲ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۝۱۳ عِنْدَ

دیکھا ، اب کیا تم اس سے جھگڑتے ہو اس پر جو اس نے دیکھا ، اور اس کو اس نے دیکھا ہوا اترتے ہوئے ابجبار اور بھی ،

سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۝۱۴ عِنْدَ هَاجِنَةِ الْمَأْوَىٰ ۝۱۵ إِذْ يَغْشَى السُّدْرَةَ

سدرة المنتہی کے پاس ، اس کے پاس ہے بہشت آرام سے رہنے کی ، جب چھا رہا تھا اس پیری پر

مَا يَغْشَىٰ ۝۱۶ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۝۱۷ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ۝۱۸

جو کچھ چھارہا تھا، بہکی نہیں نگاہ اور نہ حد سے بڑھی، بیشک دیکھ اس نے اپنے رب کے بڑے نمونے

خلاصہ تفسیر

قسم ہر ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے (یعنی کوئی بھی ستارہ ہو، اور اس قسم میں مضمون جواب قسم ماضی صراحۃً دماغی کے ساتھ ایک خاص مناسبت ہے، یعنی جس طرح ستارہ طلوع سے غروب تک اس تمام تر مسافت میں اپنی باقاعدہ رفتار سے ادھر ادھر نہیں ہوا اسی طرح آپ اپنی عمر بھر ضلال و غواہیت سے محفوظ ہیں، اور نیز اشارہ ہے اس طرف کہ چلیے نجم سے ہدایت ہوتی ہے، اسی طرح آپ سے بھی بوجہ عدم ضلال و عدم غواہیت کے ہدایت ہوتی ہے، اور چونکہ ستاروں کے وسط سماء میں ہونے کے وقت کسی سمت کا اندازہ نہیں ہوتا، اس لئے اس وقت ستارے سے راستہ کا پتہ نہیں لگتا، اس لئے اس میں قید لگائی غروب کے وقت کی، اور گو قرب من الافق طلوع کے وقت بھی ہوتا ہے، لیکن غروب میں یہ بات زیادہ ہے، کہ اس وقت طالبانِ اہتداء اس کو غنیمت سمجھتے ہیں اس خیال سے کہ اگر استدلال میں ذرا توقف کیا پھر غائب ہو جاوے گا، بخلاف طلوع کے کہ اس میں بے فکری رہتی ہے پس اس میں اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت حاصل کر لینے کو غنیمت سمجھو اور شوق سے دوڑو، آگے جواب قسم ہے کہ) یہ تمھارے (ہمہ وقت) ساتھ کے (اور سامنے) رہو والے (پیغمبر جن کے عام احوال و افعال تم کو معلوم ہیں جن سے بشرط انصاف ان کی راستی اور حقانیت پر استدلال کر سکتے ہو یہ پیغمبر) نہ راہ (حق) سے بھٹکے اور نہ غلط راستے ہوئے (ضلال یہ کہ بالکل راستہ بھول کر کھڑا رہ جاوے اور غواہیت یہ کہ غیر راہ کو راہ سمجھ کر غلط سمت میں چلتا رہے کذا فی الخازن، یعنی تم جو ان کو دعوائے نبوت و دعوت الی الاسلام میں بے راہ سمجھتے ہو یہ بات نہیں ہے، بلکہ آپ نبی برحق ہیں) اور نہ آپ اپنی نفسانی خواہش سے بانیں بناتے ہیں (جیسا تم لوگ کہتے ہو 'فترأہ' بلکہ) ان کا ارشاد نبوی وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے (خواہ الفاظ کی بھی وحی ہو جو قرآن کہلاتا ہے خواہ صرف معانی کی ہو جو سنت کہلاتی ہے اور خواہ وحی جزئی ہو یا کسی قائدِ کلیہ کی وحی ہو جس سے اجتہاد فرماتے ہوں پس اس سے نفی اجتہاد کی نہیں ہوتی اور اصل مقصود مقام نفی پر کفار کے اس خیال کی کہ آپ خدا کی طرف غلط بات کی نسبت فرماتے ہیں، آگے وحی آنے کا واسطہ بتلاتے ہیں کہ) ان کو ایک فرشتہ اس وحی کی منجانب اللہ (تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقتور ہے) (اور وہ اپنی کوشش و محنت سے طاقتور نہیں ہوا بلکہ) پیدا نشی طاقتور ہے (جیسا کہ ایک روایت میں خود جبرئیل علیہ السلام نے اپنی طاقت کا بیان فرمایا کہ میں نے قوم لوط کی بستیوں کو جڑ سے اکھاڑ کر آسمان کے قریب اس کو لے جا کر چھوڑ دیا، (رداء فی تفسیر سورۃ التکویر من الدور المنثور) مطلب یہ کہ یہ کلام کسی شیطان کے ذریعہ سے آپ تک نہیں

ہونچا کہ کاہن ہونے کا احتمال ہو بلکہ فرشتہ کے ذریعہ سے آیا ہے اور شاید شدید القوی کا ذکر فرماتے میں یہ مقصود ہو کہ اس کا احتمال بھی نہ کیا جائے کہ شاید اصل میں فرشتہ ہی لے کر چلا ہو مگر درمیان میں کوئی شیطانی تصرف ہو گیا ہو اس میں اشارہ ہو گیا جواب کی طرف کہ وہ نہایت شدید القوی میں شیطان کی مجال نہیں کہ ان کے پاس پھٹک سکے، پھر ختم وحی کے بعد خود حق تعالیٰ نے اس کے بعینہ ادا کر دینے کا وعدہ فرمایا ہے، اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ۔ آگے اس شبہ کا جواب ہے کہ اس وحی لانے والے کا فرشتہ اور جبریل ہونا اس وقت معلوم ہو سکتا ہے، جب آپ ان کو پہچانتے ہوں اور پوری صحیح پہچان موقوف ہو اصلی صورت میں دیکھنے پر تو کیا آپ نے جبریل علیہ السلام کو اپنی اصلی صورت پر دیکھا ہے اس کی نسبت فرماتے ہیں کہ ہاں یہ بھی ہوا ہے، جس کی کیفیت یہ ہے کہ چند بار تو دوسری صورت میں دیکھا، پھر ایک بار ایسا بھی ہوا کہ وہ فرشتہ (اپنی) اصلی صورت پر (آپ کے روبرو) نمودار ہوا ایسی حالت میں کہ وہ آسمان کے بلند کنارہ پر تھا ایک روایت میں افق شرقی سے اس کی تفسیر آتی ہے، کافی الدر المنثور، اور افق میں دکھلا دینے کی غالباً یہ حکمت ہے کہ وسط سماء میں دیکھنا خالی از مشقت و تکلف نہیں اور اعلیٰ میں غالباً یہ حکمت تھی کہ بالکل نیچے افق پر بھی پوری چیز نظر نہیں آتی، اس لئے ذرا اونچے پر نظر آئے، اور اس دیکھنے کا قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے خواہش کی کہ مجھ کو اپنی اصلی صورت دکھلا دو، انھوں نے جرار کے پاس وحسب روایت ترمذی محلہ جیاد میں وعدہ ٹھہرایا، آپ وہاں تشریف لے گئے تو ان کو افق مشرق میں دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو ہیں اور اس قدر پھیلے ہوئے ہیں کہ افق غربی تک گھیر رکھا ہے، آپ بیہوش ہو کر گر پڑے، اس وقت جبریل علیہ السلام بصورت بشر ہو کر آپ کے پاس تسکین کے لئے اتر آئے جس کا آگے ذکر ہے کذا فی الجلائین، حاصل یہ کہ وہ فرشتہ اول صورت اصل میں افق اعلیٰ پر نمودار ہوا (پھر جب آپ بے ہوش ہو گئے تو) وہ فرشتہ (آپ کے) نزدیک آیا پھر اور نزدیک آیا سو (قرب کی وجہ سے) دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ (غایت قرب کی وجہ سے) اور بھی کم (فاصلہ رہ گیا، مطلب دو کمانوں کا یہ ہو کہ عرب کی عادت تھی کہ جب دو شخص باہم غایت درجہ کا اتفاق و اتحاد کرنا چاہتے تھے تو دونوں اپنی اپنی کمانیں لے کر ان کے چلے یعنی تانت کو باہم متصل کر دیتے، اور اس صفت میں بھی بعض اجزاء کے اعتبار سے کچھ فصل ضروری رہتا ہے، پس اس محاورہ کی وجہ سے یہ کنایہ ہو گیا قرب و اتحاد سے، اور چونکہ یہ محض اتفاق و صورت کی علامت تھی تو اگر روحانی و قلبی اتفاق بھی ہو تو وہاں آؤ اڈنی بھی صادق آسکتا ہے، پس آؤ اڈنی کے بڑھادینے میں اشارہ ہو گیا کہ مجاورت صورت کے علاوہ آپ میں اور جبریل علیہ السلام میں روحانی مناسبت بھی تھی جو مدار اعظم ہر معرفت تامہ اور حفظ صورت کا، غرض یہ کہ ان کی تسکین سے آپ کو تسکین ہوئی اور افاقہ ہوا، پھر (افاقہ کے بعد) اللہ تعالیٰ نے اس فرشتہ کے ذریعہ سے (اپنے بندہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرماتا تھی جس کی تعیین بالتحصیص معلوم نہیں، اور نہ معلوم ہونے کی حاجت اور باوجودیکہ اصل مقصود اس وقت وحی نازل کرنا نہیں بلکہ جبریل کو ان کی اصلی صورت

میں دکھلا کر ان کی پوری معرفت آپ کو عطا کرتی تھی، مگر اس وقت اور بھی وحی نازل فرماتا شاید اس لئے ہو کہ یہ معرفت میں اور زیادہ معین ہو، کیونکہ اس وقت کی وحی کو جس کا منجانب اللہ ہونا جبرئیل علیہ السلام کی اصلی صورت میں ہونے کی وجہ سے قطعی اور یقینی ہے، اور دوسرے اوقات کی وحی جو بواسطہ صورت بشریہ ہو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو ایک شان پر دیکھیں گے تو زیادہ سے زیادہ یقین میں قوت ہوگی کہ دونوں حالتوں میں وحی لانے والا واسطہ یعنی فرشتہ ایک ہی ہے، جیسا کہ کسی شخص کی آواز کے لب لہجہ اور طرزِ کلام سے خوب آگاہ ہوں تو اگر کبھی وہ صورت بدل کر بھی بولتا ہے تو صاف پہچانا جاتا ہے، آگے اس دیکھنے کے متعلق ایک شبہ کا جواب ہے وہ شبہ یہ ہے کہ صورتِ اصلیہ میں دیکھنے کے باوجود یہ بھی تو احتمال ہو سکتا ہے کہ قلب اور اک و احساس میں غلطی ہو جائے جیسا کہ احساسات میں غلطی ہو جانا اکثر مشاہدہ کیا جاتا ہے، مجنون باوجود سلامتِ حس کے بعض اوقات پہچانے ہوئے لوگوں کو دوسرا شخص بتلانے لگتا ہے، پس یہ رویت رویت صحیحہ تھی یا نہیں، آگے اس شبہ کا جواب ہے یعنی وہ رویت صحیحہ تھی کہ اس کے دیکھنے کے وقت قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں غلطی نہیں کی رہا یہ کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ قلب نے غلطی نہیں کی سو بات یہ ہے کہ اگر مطلقاً ایسے احتمالات قابل التفات ہوا کریں تو محسوسات کا کبھی اعتبار نہ رہے، پھر تو ساری دنیا کے معاملات ہی محفل ہو جائیں، ہاں کسی پاس کوئی منشا شبہ کا معتد بہ موجود ہو تو اس پر غور کیا جاتا ہے، اور احتمال خطائے قلبی کا منشا یہ ہو سکتا ہے کہ ادراک کرنے والا محفل لعقل ہو، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح العقل، فطین و ذہین صاحب فراست ہونا مشاہد اور ظاہر تھا، چونکہ باوجود اس اثباتِ بلیغ کے پھر بھی معاندین جدال و خلاف سے باز نہ آتے تھے اسی لئے آگے بطور توجیح و تعجیب کے ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تم نے ایسے شافی کافی بیان سے معرفت و رویت کا ثبوت سن لیا، تو کیا ان (پیغمبر) سے ان کی دیکھی (بجالی) ہوئی چیز میں نزاع کرتے ہو (یعنی جن چیزوں کا علم و ادراک انسان کو ہوتا ہے ان میں محسوسات جیسی چیزیں شک و شبہ سے بالاتر ہوتی ہیں، غضب کی بات ہے کہ تم حسیات میں بھی اختلاف کرتے ہو، پھر یوں تو تمہاری حسیات میں بھی ہزاروں خدشے نکل سکتے ہیں) اور اگر یہ حملِ خدشہ ہو کہ جس چیز کو ایک ہی بار دیکھا ہو تو اس کی پہچان کیسے ہو سکتی ہے، تو جواب یہ ہے کہ اول تو یہ ضروری نہیں کہ ایک بار دیکھنے سے پہچان نہ ہو اور اگر علی سبیل التدریج شناخت کے لئے تکرار مشاہدہ ہی کی ضروری ہے تو انہوں نے (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے) اس فرشتہ کو ایک اور دفعہ بھی (صورتِ اصلیہ میں) دیکھا ہے (پس اب تو وہ تو تم بھی مدفوع ہو گیا، کیونکہ تطابق صورتین سے پوری تعیین ہو گئی کہ ہاں جبرئیل علیہ السلام ہی ہیں، آگے اس دوبارہ دیکھنے کی جگہ بتلاتے ہیں کہ کہاں دیکھا یعنی شبِ معراج میں دیکھا ہے) سدرۃ المنہی کے پاس (سدرہ کہتے ہیں پیری کے درخت کو اور منہی کے معنی ہیں انتہاء کی جگہ، حدیث میں آیا ہے کہ یہ ایک درخت ہے پیری کا، ساتویں آسمان میں عالم بالا سے جو احکام و اوراق وغیرہ آتے ہیں وہ اول سدرۃ المنہی تک پہنچتے ہیں پھر وہاں سے ملائکہ زمین پر لاتے ہیں، اسی طرح

یہاں سے جو اعمال صعود کرتے ہیں وہ بھی سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتے ہیں پھر وہاں سے اوپر اٹھاتے جاتے ہیں، دنیا میں اس کی مثال ڈاکخانہ کی سی ہے کہ آمد و برد آمد خطوط وہاں سے ہوتی ہے، اور عند سدرۃ المنتہیٰ میں تو مکانِ رویت بتلایا تھا، آگے اس مکان کا شرف بتلاتے ہیں کہ اس (سدرۃ المنتہیٰ) کے قریب جنت المادنی ہے (مادنی کے معنی رہنے کی جگہ، چونکہ جنت نیک بندوں کے رہنے کی جگہ ہے اس لئے جنت المادنی کہتے ہیں، حاصل یہ کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ ایک ممتاز موقع ہے، اب بعد تعیین مکانِ رویت کے رویت کا زمانہ بتلاتے ہیں کہ رویت کب ہوئی، پس فرماتے ہیں کہ) جب اس سدرۃ المنتہیٰ کو لپٹ رہی تھیں جو چیزیں لپٹ رہی تھیں (ایک روایت میں ہے کہ سونے کے پروانے تھے، یعنی صورت پروانہ کی سی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ وہ فرشتے تھے، یعنی حقیقت اُن کی یہ تھی، اور ایک روایت میں ہے کہ ملائکہ نے حق تعالیٰ سے اجازت چاہی تھی کہ ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کریں ان کو اجازت ہو گئی، وہ اس سدرۃ پر جمع ہو گئے تھے، اور روایات کھلہاں فی الدر المنثور) اس میں بھی اشارہ ہو سکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معزز و مکرم ہونے کی طرف، اور باقی وہی تقریر ہے جو تفسیر سابق میں بیان کی گئی، اب ایک احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسی حیرت انگیز چیزیں دیکھ کر نگاہ چکرا جاتی ہو پوری طرح ادراک پر قدرت نہیں رہتی، پس اس صورت میں جبرئیل علیہ السلام کی صورت کا کیا ادراک ہوگا، جب یہ ادراک ثانی معتبر نہ ہوا تو پھر اس خدشہ مذکورہ کا جو جواب تقدّر اہل نزولہ آخری سے دیا گیا ہے وہ کافی نہ ہوا اس احتمال کے رفع کے لئے فرماتے ہیں کہ آپ ان عجائب کو دیکھ کر ذرا نہیں چکراؤ اور بالکل متحیر نہیں ہوئے، چنانچہ جن چیزوں کی رویت کا حکم تھا اُن کی طرف نظر کرنے سے آپ کی نگاہ نہ تو ہٹی (بلکہ اُن چیزوں کو خوب دیکھا) اور (جن چیزوں کے دیکھنے کا حکم جب تک نہ ہوا) نہ ان کی طرف دیکھنے کو آپ کی نگاہ (بڑھی) (یعنی قبل اذن نہیں دیکھا، کذا فی المدارک فی الفرق بین زاع و طغی، یہ دلیل ہے آپ کے غایت استقلال کی، کیونکہ عجیب چیزوں میں آکر آدمی یہی دو حرکتیں کیا کرتا ہے جن چیزوں کے دیکھنے کو کہا جاتا ہے ان کو تو دیکھتا نہیں اور جن کے لئے نہیں کہا گیا ان کو تکتا ہے، غرض اس میں انضباط نہیں رہتا، آگے آپ کے استقلال کی قوت بیان کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ) انھوں نے (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے) اپنے پروردگار (کی قدرت) کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے (مگر ہر چیز کے دیکھنے میں آپ کی یہی شان رہی مازاع البصر و ما طغی، وہ عجائبات احادیث معراج میں آئے ہیں، انبیاء علیہم السلام کو دیکھنا ارواح کو دیکھنا جنت وغیرہ کو دیکھنا، پس ثابت ہوا کہ آپ میں غایت استقلال ہے، پس متحیر ہو جانے کا احتمال نہیں پس خدشہ کا جو جواب تقدّر اہل نزولہ آخری میں مذکور تھا وہ سالم رہا، غرض تمام تر تقریر سے رویت معرفت جبرئیل کے متعلق شبہ مندرج ہو کر امر رسالت ثابت اور متحقق ہو گیا جو کہ مقصود مقام تھا)

معارف و مسائل

۱۳

سورۃ نجم کی خصوصیات | سورۃ نجم پہلی سورت ہے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں اعلان فرمایا (رواہ عبد اللہ بن مسعود، قرطبی) اور یہی سب سے پہلی سورت ہے جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ تلاوت کیا، اور اس سجدہ میں ایک عجیب صورت یہ پیش آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت مجمع عام میں تلاوت فرمائی، جس میں مسلمان اور کفار سب شریک تھے، جب آپ نے آیت سجدہ پر سجدہ ادا کیا تو مسلمان تو آپ کے اتباع میں سجدہ کرتے ہی، سب نے حضور کے ساتھ سجدہ کیا، تعجب کی چیز یہ پیش آئی کہ جتنے کفار و مشرکین موجود تھے وہ بھی سب سجدہ میں گر گئے، صرف ایک متکبر شخص جس کے نام میں اختلاف ہے، ایسا رہا جس نے سجدہ نہیں کیا، مگر زمین سے ایک مٹھی مٹی کی اٹھا کر پیشانی سے لگائی، اور کہنے لگا کہ بس یہی کافی ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود راوی حدیث فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو کفر کی حالت میں مرا ہوا دیکھا ہے (رواہ البخاری و مسلم و اصحاب السنن، ابن کثیر لمختصاً)

اس سورت کے شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول برحق ہونے اور آپ پر نازل ہونے والی وحی میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہونے کا بیان ہے۔

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ، لفظ نجم ستارے کے معنی میں آتا ہے، ہر ایک ستارے کو نجم اور جمع نجوم بولی جاتی ہے، اور کبھی یہ لفظ خاص طور سے ثریا ستارے کے لئے بھی بولا جاتا ہے جو چند ستاروں کا مجموعہ ہے، اس آیت میں بھی بعض حضرات نے نجم کی تفسیر ثریا سے کی ہے، قرآن اور حضرت حسن بصریؒ نے پہلی تفسیر یعنی مطلق ستارے کو ترجیح دی ہے (قرطبی) اسی کو اوپر خلاصہ تفسیر میں اختیار کیا گیا ہے۔

إِذَا هَوَىٰ لفظ ہوی، سا قطہ ہونے اور گرنے کے معنی میں آتا ہے، ستارے کا گرنا اس کا غروب ہونا ہے، اس آیت میں حق تعالیٰ نے ستاروں کی قسم کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا حق و صحیح اور شکوک سے بالا تر ہونا بیان فرمایا ہے، سورۃ صافات میں مفصل گزر چکا ہے کہ حق تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ خاص مصالح اور حکمتوں کے لئے اپنی خاص خاص مخلوقات کی قسم کھاتے ہیں، دوسروں کو اس کی اجازت نہیں کہ اللہ کے سوا کسی کی قسم کھائے، یہاں حق تعالیٰ نے ستاروں کی قسم کھائی جس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ستارے اندھیری رات میں سمتیں اور راستے بتانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں اور ان سے سمت مقصود کی طرف ہدایت ہوتی ہے، ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کے راستے کی طرف ہدایت ہوتی ہے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ، یہ جواب قسم ہے یعنی وہ مضمون ہے جس کے لئے قسم کھائی گئی ہو معنی اس کے یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس راستے کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں وہ صراطِ مستقیم

اور منزل مقصود یعنی رضائے الہی کا صحیح راستہ ہے نہ آپ راستہ بھولے ہیں اور نہ غلط راستہ پر چلتے ہیں۔

آنحضرتؐ کو لفظ صاحبکم سے تعبیر کرنے کی حکمت اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک یا لفظ رسول و نبی ذکر کرنے کے بجائے آپؐ کی ذات کو لفظ صاحبکم سے تعبیر کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ محمد مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم کہیں باہر سے نہیں آئے، کوئی اجنبی شخص نہیں ہیں جن کے صدق و کذب میں تمہیں اشتباہ رہے بلکہ وہ تمہارے ہر وقت کے ساتھی ہیں، تمہارے وطن میں پیدا ہوئے ہیں بچپن گزارا، یہیں جوان ہوئے انکی زندگی کا کوئی گوشہ تم سے مخفی نہیں، اور تم نے تجربہ کر لیا ہے کہ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، کسی غلط اور بُرے کام میں تم نے ان کو بچپن میں بھی نہیں دیکھا، ان کے اخلاق و عادات، ان کی امانت و دیانت پر تم سب کو اتنا اعتماد تھا کہ پورے مکہ والے آپؐ کو اتین کہا کرتے تھے، اب دعوائے نبوت کے وقت تم ان کی طرف جھوٹ کی نیست کرنے لگے، جس نے انسانوں کے معاملہ میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو، غضب ہے کہ اس پر یہ الزام لگانے لگے کہ اس نے خدا تعالیٰ کے معاملہ میں جھوٹ بولا ہے، اس لئے آگے فرمایا:

مَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے

باتیں بنا کر اللہ کی طرف منسوب کریں اس کا قطعاً کوئی امکان نہیں، بلکہ آپؐ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کیا ہوا ہوتا ہے، وحی کی بہت سی اقسام احادیث بخاری سے ثابت ہیں، ان میں ایک قسم وہ ہے جس کے معنی اور الفاظ سب حق تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں، جس کا نام قرآن ہے، دوسری وہ کہ صرف معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معنی کو اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں اس کا نام حدیث اور سنت ہے، پھر حدیث میں جو مضمون حق تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے کبھی وہ کسی معاملہ کا صاف اور واضح فیصلہ اور حکم ہوتا ہے، کبھی کوئی قاعدہ کلیہ بتلایا جاتا ہے، جس سے احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے نکالتے اور بیان کرتے ہیں، اس اجتہاد میں اس کا امکان ہوتا ہے کہ کوئی غلطی ہو جائے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ جو احکام وہ اپنے اجتہاد سے بیان فرماتے ہیں ان میں اگر کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے وہ اپنے غلط اجتہاد پر قائم نہیں رہ سکتے، بخلاف دوسرے علماء مجتہدین کے کہ ان کے اجتہاد میں خطا ہو جائے تو وہ اس پر قائم رہ سکتے ہیں اور ان کی یہ خطا بھی عند اللہ صرف معاف ہی نہیں بلکہ دین کے سمجھنے میں جو اپنی پوری توانائی وہ خرچ کرتے ہیں اس پر بھی ان کو ایک ثواب ملتا ہے (مکافی الاحادیث الصحیحہ المعروفہ)

اس تقریر سے آیت مذکورہ پر اس شبہ کا جواب بھی ہو گیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ

فرماتے ہیں وہ سب وحی من اللہ ہوتا ہے، تو اس سے لازم آتا ہے کہ آپؐ اپنی رائے اور اجتہاد سے کچھ نہیں فرماتے، حالانکہ احادیث صحیحہ میں متعدد واقعات ایسے مذکور ہیں کہ شروع میں آپؐ نے کوئی حکم دیا پھر بذریعہ

وحی اس کو بدل لا گیا، جو علامت اس کی ہے کہ یہ حکم اللہ کی طرف سے نہیں تھا، بلکہ آپ کی رائے اور اجتہاد سے تھا، جو آپ پر اچکا ہے کہ بعض اوقات وحی کسی قاعدہ کلیہ کی شکل میں آتی ہے، جس سے احکام کا استخراج کرنے میں پیغمبر کو اپنی رائے سے اجتہاد کرنا پڑتا ہے، چونکہ یہ قاعدہ کلیہ اللہ کی طرف سے آیا ہے اس لئے ان سب احکام کو بھی وحی من اللہ کہا گیا ہے، واللہ اعلم۔

عَلَّمَكَ شَدِيدُ الْقُوَىٰ، یہاں سے سترہویں آیت رَقَدَ ذَايَ مِنْ أَيْتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ تک تمام آیات میں اس کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، یہ اللہ کا کلام ہے، جو آپ کو اس طرح دیا گیا ہے کہ اس میں کسی التباس و تلبیس یا خطاء اور غلطی کا کوئی امکان نہیں رہتا۔

آیات نجم کی تفسیر میں | ان آیات کے بارے میں ائمہ تفسیر سے دو تفسیریں منقول ہیں، ایک کا حاصل یہ ہے کہ ائمہ تفسیر کا اختلاف | ان سب آیات کو واقعہ معراج کا بیان قرار دے کر حق تعالیٰ سے تعلیم بلا واسطہ اور رُوح و قرب حق تعالیٰ کے ذکر پر محمول فرمایا، اور شَدِيدُ الْقُوَىٰ، ذُو مِرَّةٍ، فَاسْتَوَىٰ اور ذَايَ قَدَّیَ سب کو حق تعالیٰ کی صفات و افعال قرار دیا، اور آگے جو رویت و مشاہدہ کا ذکر ہے اس سے بھی حق تعالیٰ کی رویت و زیارت مراد لی، صحابہ کرام میں حضرت انس اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ تفسیر منقول ہے، تفسیر مظہری میں اسی کو اختیار کیا ہے، اور بہت سے حضرات صحابہ و تابعین اور ائمہ تفسیر نے ان آیات کو جبرئیل علیہ السلام کے ان کی اصلی صورت میں دیکھنے کا بیان قرار دیا ہے، اور شَدِيدُ الْقُوَىٰ وغیرہ جبرئیل امین کی صفات بتلاتی ہیں، اس کی بہت سی وجوہ ہیں، تاریخی حیثیت سے بھی سورۃ نجم بالکل ابتدائی سورتوں میں سے ہے، اور حسب تصریح حضرت عبداللہ بن مسعود سب سے پہلی سورت جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں اعلاناً پڑھا ہے یہی سورت ہے، اور ظاہر یہی ہے کہ واقعہ معراج اس سے مؤخر ہے، لیکن اس میں کلام کیا جاسکتا ہے اصل وجہ یہ ہے کہ حدیث مرفوعہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان آیات کی تفسیر روایت جبرئیلؑ سے منقول ہے، جس کے الفاظ مسند احمد میں یہ ہیں:-

عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ كُنْتُ
عِنْدَ عَائِشَةَ فَقُلْتُ أَلَيْسَ اللَّهُ يَقُولُ
رَقَدَ ذَاكَ بِالْأَفْنِ الْمُبِينِ وَقَدَّ
رَاهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ فَقَالَتْ أَنَا أَوَّلُ
هَذِهِ الْأُمَّةِ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهَا فَقَالَ إِنَّمَا
ذَاكَ جِبْرِئِيلُ كَمِيرَاكَ فِي صُورَتِهِ

شعبي حضرت مسروقؓ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ
ایک روز حضرت صدیقہ عائشہؓ کے پاس تھے
روایت باری تعالیٰ کے مسئلہ میں گفتگو تھی مسروقؓ
کہتے ہیں کہ میں نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (وَقَدَّ
رَاهُ بِالْأَفْنِ الْمُبِينِ وَقَدَّ رَاهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ)
حضرت صدیقہؓ نے فرمایا کہ پوری امت میں سب
پہلے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

الَّتِي خُلِقَ عَلَيْهَا إِلَّا مَرَّتَيْنِ رَأَاهُ...
 مِنْهُبَطًا مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ
 سَادًّا عَظِيمَ خَلْقِهِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَ
 الْأَرْضِ، أَخْرَجَاهُ فِي الصَّحِيحِينَ
 مِنْ حَدِيثِ الشَّعْبِيِّ (ابن کثیر)

اس آیت کا مطلب دریافت کیا ہے آپ نے
 فرمایا کہ جس کے دیکھنے کا آیت میں ذکر ہے وہ
 جبریل علیہ السلام ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نے صرف دو مرتبہ ان کی اصلی صورت میں
 دیکھا ہے، آیت میں جس رویت کا ذکر ہے اس کا مطلب
 یہ ہے کہ آپ نے جبریل امین کو آسمان سے زمین کی طرف اترتے ہوئے دیکھا کہ ان کے جُتے نے زمین و آسمان

کے درمیان کی فضا کو بھر دیا تھا۔

صحیح مسلم میں بھی یہ روایت تقریباً اپنی الفاظ سے منقول ہے، اور فتح الباری کتاب التفسیر میں حافظ نے
 ابن مردودہ سے یہی روایت اسی سند کے ساتھ نقل کی ہے، جس میں صدیقہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ یہ ہیں:

أَنَا أَوَّلُ مَنْ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ هَذَا، فَقُلْتُ
 يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ؟
 فَقَالَ لَا إِنَّمَا رَأَيْتُ جِبْرِيْلَ مِنْهُبَطًا
 رَفَعَ الْبَارِي (ص ۴۹۳ ج ۸)

”یعنی صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت کے
 متعلق سب سے پہلے میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے رب
 کو دیکھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ میں نے
 جبریل کو اترتے ہوئے دیکھا ہے۔“

اور صحیح بخاری میں شیبانی سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت زرارہ سے اس آیت کا مطلب پوچھا
 رَفَعَانَ قَابِ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى) انھوں نے جواب دیا کہ ہم سے حضرت
 عبداللہ بن مسعود نے حدیث بیان کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے چھوٹے
 بازو تھے اور ان جبریل نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود سے آیت (مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى)
 کی تفسیر میں یہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین کو دیکھا اس حالت میں کہ وہ رُفوف کے
 لباس میں تھے، اور زمین و آسمان کی درمیانی فضا کو ان کے وجود نے بھر رکھا تھا۔

ابن کثیر کی تحقیق | یہ سب روایات حدیث ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں نقل کر کے فرمایا ہے کہ سورہ نجم کی آیات
 مذکورہ میں رویت اور قرب سے مراد جبریل کی رویت اور قرب ہے، یہ قول صحابہ کرام میں سے حضرت ام المؤمنین
 عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن مسعود، ابوذر غفاری، ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہے، اسی لئے ابن کثیر
 نے آیات مذکورہ کی تفسیر میں فرمایا کہ:-

”ان آیات میں جس رویت اور قرب کا ذکر ہے وہ رویت و قرب جبریل امین کی مراد ہے جبکہ
 ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ ان کی اصلی صورت میں دیکھا تھا، پھر دوسری
 مرتبہ شب معراج میں سدرۃ المنتہی کے قریب دیکھا، اور یہ پہلی رویت نبوت کے بالکل

ابتدائی زمانہ میں ہوئی، جبکہ جبرئیل علیہ السلام پہلی مرتبہ سورۃ اشرا کی ابتدائی آیاتوں کی وحی لے کر آئے، اس کے بعد وحی میں فترت یعنی وقفہ پیش آیا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت غم اور تکلیف تھی بارہا یہ خیالات دل میں آئے کہ پہاڑ سے گر کر جان دیدیں مگر جب کبھی ایسی صورت ہوتی تو جبرئیل امین غائبانہ ہوا سے آواز دیتے کہ اے محمد آپ اللہ کے رسول ہیں برحق ہیں اور میں جبرئیل ہوں، ان کی آواز سے آپ کا دل ٹھیر جاتا، اور سکون ہو جاتا تھا، جب کبھی ایسا خیال آیا اسی وقت جبرئیل نے اس آواز کے ذریعہ تسلی دی، مگر یہ تسلیاں غائبانہ تھیں، یہاں تک کہ ایک روز جبرئیل امین بطحار کے کھلے میدان میں اپنی اصلی صورت میں اس طرح ظاہر ہوئے کہ ان کے چہرہ سباز و ستھے اور پورے افق کو گھیر رکھا تھا، پھر جبرئیل امین آپ کے قریب آئے اور آپ کو وحی الہی پہونچائی، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جبرئیل امین کی عظمت اور اللہ کے نزدیک جلالت قدس کی حقیقت روشن ہوئی، (ابن کثیر)

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابن کثیر نے خود تفسیر مرفوع اور صحابہ کرام کے اقوال کی بناء پر سورۃ نجم کی آیات مذکورہ کی تفسیر یہی قرار دی ہے کہ اس میں رویت اور قرب جبرئیل کا مراد ہے، اور یہ پہلی رویت ہے جو اسی عالم میں مکہ مکرمہ کے افق پر ہوئی، بعض روایات میں اس رویت کی یہ تفصیل آئی ہے کہ جبرئیل امین کو پہلی مرتبہ ان کی اصلی صورت میں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہو گئی، تو پھر جبرئیل امین آدمی کی صورت میں آپ کے قریب آئے اور بہت قریب آ گئے۔

دوسری رویت کا تذکرہ آگے سورۃ نجم ہی کی آیت وَلَقَدْ سَأَلْنَاكَ نُزُلًا مِّنَ السَّمَاءِ میں آیا ہے، جو شب معراج میں ہوئی، مذکور الصدر وجوہ کی بناء پر عامہ مفسرین حضرات نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے، ابن کثیر کا مضمون تو ابھی اوپر گذرا ہے، قرطبی، ابوحیان، امام رازی وغیرہ عموماً اسی تفسیر کو ترجیح دے رہے ہیں، سیدی حضرت حکیم الامت نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے جو ادب خلاصہ تفسیر کے عنوان میں بیان ہو چکا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سورۃ نجم کی ابتدائی آیات میں حق تعالیٰ کی رویت کا ذکر نہیں ہے، بلکہ رویت جبرئیل علیہ السلام مذکور ہے، نووی نے شرح مسلم میں اور حافظ نے فتح الباری میں بھی یہی تفسیر اختیار فرمائی ہے۔

ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ، مرہ کے معنی قوت کے ہیں، یہ بھی جبرئیل امین کی دوسری صفت قوت و طاقت کی زیادتی بیان کرنے کے لئے ہے، تاکہ کسی کو یہ دہم نہ ہو کہ وحی لانے والے فرشتے کے کام میں کوئی شیطان دخیل ہو سکتا ہے، کیونکہ جبرئیل امین اتنے قوی ہیں کہ شیطان ان کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتا، اور فاستویٰ کے معنی برابر ہو گئے، مراد یہ ہے کہ اول جب جبرئیل امین کو دیکھا تو وہ آسمان سے اتر رہے تھے، اترنے کے بعد افق بلند پر مستوی ہو کر بیٹھ گئے، افق کے ساتھ اعلیٰ کی قید میں یہ حکمت ہے کہ افق کا وہ حصہ جو زمین کے ساتھ ملا ہوا نظر آتا ہو وہ عموماً نظروں سے مخفی رہتا ہو اس لئے افق بلند پر جبرئیل امین کو دکھلایا گیا،

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى، دَنَی کے معنی "قرب ہو گیا" اور تَدَلَّى کے لفظی معنی "لٹک گیا" مراد جھک کر قریب ہو جانا ہے، فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی، قَاب، کمان کی لکڑی جہاں دستہ پھڑنے کا ہوتا ہے اور اس کے مقابل کمان کی ڈور رمانت ہوئی ہے، ان دونوں کے درمیان فاصلہ کو قَاب کہا جاتا ہے جس کا اندازہ تقریبی ایک ہاتھ سے کیا جاتا ہے، قَاب قَوْسَيْنِ، یعنی دو کمانوں کی قَاب فرمانے کی وجہ عرب کی ایک خاص عادت ہے کہ دو آدمی اگر آپس میں معاہدہ صلح اور دوستی کا کرنا چاہتے تو جیسی اس کی ایک علامت ہاتھ پر ہاتھ مارنے کی معروف مشہور ہے، اسی طرح دوسری علامت جس سے دوستی کا مظاہرہ کیا جاتا تھا یہ تھی کہ دونوں شخص اپنی اپنی کمانوں کی لکڑی تو اپنی طرف کر لیتے اور کمان کی ڈور دوسری طرف، اس طرح جب دونوں کمانوں کی ڈوریں آپس میں مل جاتیں تو باہمی قرب و مودت کا اعلان سمجھا جاتا تھا، اس قرب کے وقت ان دونوں شخصوں کے درمیان دونوں قوسوں کے قَاب کا فاصلہ رہتا تھا، یعنی تقریباً دو ہاتھ (یا ایک گز) اس کے بعد اَوْ اَدْنٰی کہہ کر یہ بھی بتلادیا کہ یہ قرب و اتصال عام رسمی اتصال کی طرح نہیں تھا بلکہ اس کے بھی زیادہ تھا۔ آیات مذکورہ میں جبرئیلؑ کا بغایت قریب ہو جانا اس لئے بیان فرمایا گیا کہ یہ ثابت ہو جائے کہ جو وحی انھوں نے پہنچائی ہے اس کے سننے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، اور یہ کہ اس قرب و اتصال کی وجہ یہ بھی احتمال نہیں رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل امین کو نہ پہچانیں اور کوئی شیطان مداخلت کر سکے۔

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی، اَوْحٰی کی ضمیر فاعل حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور عَبْدِهٖ کی ضمیر بھی، معنی یہ ہیں کہ جبرئیل امین کو معلم کی حیثیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب بھیج کر حق تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی نازل فرمائی۔

ایک علمی اشکال یہاں جو ظاہری شکل میں ایک علمی اشکال یہ محسوس ہوتا ہے کہ اوپر کی آیات میں ضمیریں جہور مفسرین اور اس کا جواب محمدؐ نے جبرئیل امین کی طرف راجع کی ہیں، فَاَوْحٰی سے لیکر فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی تک سب ضمیریں جبرئیلؑ ہی کی طرف راجع ہیں، اور اگلی آیات میں بھی بقول جہور مفسرین جبرئیل علیہ السلام ہی کا ذکر ہے، تو صرف اس آیت میں اَوْحٰی اور عَبْدِهٖ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع کرنا نظم و نسق عبارت کے خلاف اور انتشار ضمائر کا موجب ہے۔

اس کا جواب استاذ محترم حضرت مولانا سید محمد انور شاہؒ نے یہ دیا ہے کہ نہ یہاں نظم کلام میں کوئی اختلال ہے نہ انتشار ضمائر، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سورۃ نجم کی شروع آیت میں اِنْ هُوَ اِلَّا وَحٰی یُّوْحٰی کا ذکر فرما کر جس مضمون کی ابتداء کی گئی ہے اسی کا نہایت منضبط بیان اس طرح کیا گیا کہ وحی بھیجے والا تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں، مگر اس وحی کو پہنچانے میں ایک واسطہ جبرئیلؑ کا تھا، چند آیات میں اس واسطہ کی توثیق پوری طرح کرنے کے بعد پھر اَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی فرمایا، تو یہ ابتدائی کلام کا نچملہ ہے، اور اس میں انتشار ضمیر اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ اَوْحٰی اور عَبْدِهٖ کی ضمیریں اس کے سوا کوئی احتمال ہی نہیں کہ وہ حق تعالیٰ کی طرف راجع ہو، اس لئے یہ

مرجع پہلے سے متعین ہے، اور ما اوحی یعنی جو کچھ وحی فرمانا تھا اس کو مبہم رکھ کر اس کی عظمت شان کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے، صحیح بخاری باب بدأ الوحی کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت جو وحی کی گئی وہ سورۃ مدثر کی ابتدا کی آیات ہیں، واللہ اعلم۔

اس پورے نظم کلام سے قرآن کریم کی حقانیت اور اس کا ٹھیک کلام حق ہونا ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح حضرات محدثین احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سند اپنے سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مکمل بیان کرتے ہیں، ان آیات میں حق تعالیٰ نے قرآن کی سند اس طرح بیان فرمادی کہ مؤحی یعنی وحی کرنی والا خود حق تعالیٰ ہے، اور معلم و مبلغ جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطہ ہیں جبریل امین ہیں، آیات مذکورہ میں جبریل کی جلالت شان اور شدید القوی ہونا گویا اس واسطہ سند کی تعدیل ہے۔

مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى، فواد کے معنی قلب، اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ آنکھ نے جو کچھ دیکھا اور قلب نے بھی اس کے ادراک میں کوئی غلطی نہیں کی، اسی غلطی اور خطا کو آیت میں لفظ کذب سے تعبیر کیا کہ دیکھی ہوئی چیز کے ادراک میں قلب نے جھوٹ نہیں بولا، یعنی غلطی اور خطا نہیں کی، اور لفظ ما رآی کے معنی جو کچھ دیکھا، قرآن کے الفاظ نے یہ متعین نہیں کیا کہ کیا دیکھا، اس کی تفسیر میں صحابہ و تابعین اور ائمہ تفسیر کے وہی دو قول ہیں جو ادب پر تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں کہ بعض کے نزدیک خود حق تعالیٰ کو دیکھنا مراد ہے (وہو قول ابن عباسؓ) اور بعض کے نزدیک جبریل امین کو ان کی اصلی صورت میں دیکھنا مراد ہے (وہو قول عائشہؓ) وابن مسعود و ابی ہریرہ و ابی ذر الغفاری رضی اللہ عنہم) اس تفسیر کے مطابق لفظ ما رآی اپنے حقیقی معنی کے مطابق آنکھ سے دیکھنے کے لئے بولا گیا اور دیکھنے کے بعد ادراک و فہم جو قلب کا کام ہے وہ قلب کی طرف منسوب ہوا ہے، روایت کو مجازی طور پر روایت قلبیہ کے معنی میں لینے کی ضرورت پیش نہیں آتی (کما فعلہ القرطبی) رہا یہ سوال کہ آیت میں ادراک کی نسبت قلب کی طرف کی ہے، حالانکہ مشہور حکماء کا قول ہے کہ ادراک کا تعلق عقل یا نفس ناطقہ سے ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ادراک و فہم کا اصل مرکز قلب ہے، اس لئے کبھی عقل کو بھی لفظ قلب سے تعبیر کر دیا ہے، جیسے آیت (لَئِنْ كَانَ لَہٗ قَلْبٌ) میں قلب سے مراد عقل لی گئی ہے، کیونکہ قلب مرکز عقل ہے، آیات و ترانیم لَہٗ قُلُوبٌ لَا یَفْقہُونَ بہا وغیرہ اس پر شاہد ہیں۔

وَلَقَدْ رَآہُ نَزْلَہٗ اٰخِرَیْ اِیَّیْہِ سَدْرَہٗ الْمُنْتَهٰی، یہاں بھی رآہ کی ضمیر میں وہاں دو قول ہیں کہ حق تعالیٰ مراد ہیں، یا جبریل امین نَزْلَہٗ اٰخِرَیْ کے معنی دوسری مرتبہ کا نزول ہے، راجح تفسیر کے مطابق یہ نزول بھی جبریل امین کا ہے اور جیسا کہ پہلی روایت کا مقام قرآن کریم نے اسی عالم دنیا میں مکہ مکرمہ کا آفتخ اعلیٰ بتلایا تھا، اسی طرح اس دوسری روایت کا مقام ساتویں آسمان میں سَدْرَہٗ الْمُنْتَهٰی بتلایا، اور یہ ظاہر ہے کہ ساتویں آسمان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لے جانا مشبہ معراج میں ہوا ہے، اس سے اس

دوسری روایت کا وقت بھی فی الجملہ متعین ہو جاتا ہے، سدرہ لغت میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں "اور منہی کے معنی انتہا کی جگہ، ساتویں آسمان پر عرش رحمن کے نیچے یہ بیری کا درخت ہے، مسلم کی روایت میں اس کو چھٹے آسمان پر بتلایا ہے، اور دونوں روایتوں کی تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان پر اور شاخیں ساتویں آسمان پر پھیلی ہوئی ہیں (مفسر طبری) اور عام فرشتوں کی رسائی کی یہ آخری حد ہے، اسی لئے اس کو منہی کہتے ہیں بعض روایات میں ہے اسکام الکبیرہ اول عرش رحمن سے سدرۃ المنہی پر نازل ہوتے ہیں، یہاں سے متعلقہ فرشتوں کے سپرد ہوتے ہیں، اور زمین سے آسمان پر جانے والے اعمال نامے وغیرہ بھی فرشتے یہیں تک پہنچاتے ہیں، وہاں سے حق تعالیٰ کے سامنے پیشی کی اور کوئی صورت ہوتی ہے، مسند احمد میں یہ مضمون حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے (ابن کثیر)

عِنْدَ هَاجَتِ السَّامَوِی، مادی کے معنی ٹھکانا اور آرام کی جگہ، جنت کو مادی اس لئے فرمایا کہ انسان کا اصل ٹھکانا اور مقام یہی ہے، یہیں آدم و حوا علیہما السلام کی تخلیق ہوئی ہے، یہیں سے اُن کو زمین پر اتارا گیا، اور پھر یہیں اہل جنت کا مقام ہوگا۔

جنت و دوزخ | اس آیت نے یہ بھی بتلادیا کہ جنت اس وقت بھی موجود ہے، جیسا کہ جمہور امت کا عقیدہ یہی ہے کہ جنت و دوزخ قیامت کے بعد پیدا نہیں کی جائیں گی، یہ دونوں مقام اس وقت بھی موجود ہیں، اس آیت نے جنت کا محل وقوع بھی بتلادیا کہ وہ ساتویں آسمان کے اوپر، عرش رحمن کے نیچے ہے، گویا ساتواں آسمان جنت کی زمین اور عرش رحمن اس کی چھت ہے، دوزخ کا محل وقوع کسی آیت قرآن یا روایت حدیث میں صراحتہً نہیں بتلایا، سورۃ طور کی آیت وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ سے بعض مفسرین نے یہ مفہوم نکالا ہے کہ دوزخ سمندر کے نیچے زمین کے قعر میں ہے، جس پر اس وقت کوئی بھاری اور سخت غلا چڑھا ہوا ہے، جو قیامت میں پھٹ جائے گا، اور اس کی آگ پھیل کر پورے سمندر کو آگ میں تبدیل کر دیگی۔ زمانہ حال میں یورپ کے بہت سے ماہرین نے جو زمین کو ہر ایک طرف سے دوسری طرف جانے کا راستہ بنانے کی کوشش ساہا سال جاری رکھی، اور بڑی سے بڑی مشینیں اس کام کے لئے ایجاد کیں، مختلف جماعتوں نے اس پر محنت خرچ کی، سب سے زیادہ جو جماعت کامیاب ہوئی وہ مشینوں کے ذریعہ زمین کی گہرائی میں چھ میل تک پہنچ سکی، مگر چھ میل کے بعد سخت پتھر نے ان کو عاجز کر دیا، تو پھر دوسری جگہ سے کھدائی شروع کی، مگر وہی چھ میل کے بعد سخت پتھر سے سابقہ پڑا، متعدد جگہوں میں اس کا تجربہ کرنے کے بعد ان کی تحقیق یہ فترار پائی کہ چھ میل کی گہرائی کے بعد کوئی غلاف جبری پوری زمین پر چڑھا ہوا ہے، جس میں کوئی مشین کام نہیں کر سکتی، زمین کا قطر جو ہزاروں میل کا ہے اس میں سے سائنس کے اس عروج کے زمانہ میں سائنس کی رسائی صرف چھ میل تک ہو سکی، آگے غلاف جبری کا اقرار کر کے اپنی کوشش چھوڑنا پڑی، اس واقعہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ زمین پوری کسی غلاف جبری سے بند کی ہوئی ہے، اگر کسی روایت صحیحہ سے جہنم کا محل

وقوع اس غلاف کے اندر ہونا ثابت ہو جائے تو کچھ بعید نہیں، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم
 اِذْ يَغْشَى السُّدْرَةَ مَا يَغْشَى، یعنی جبکہ دھانپ لیا تھا سدرہ کو ڈھانپنے والی چیز نے، صحیح مسلم میں
 حضرت عبداللہ بن مسعود سے یہ روایت ہے کہ اس وقت سدرۃ المنتہی پر سونے کے بنے ہوئے پردے ہر طرف
 گر رہے تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس روز سدرۃ المنتہی کو خاص طور سے سجایا گیا تھا، جس میں آنے والے
 مہمان حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز تھا۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى، زَاغ سے مشتق ہے، جس کے معنی ٹیڑھا یا بے راہ ہو جانا اور طَغَى
 طَغْيَان سے مشتق ہے، جس کے معنی حد سے تجاوز کر جانے کے ہیں، مراد ان دونوں لفظوں سے یہ بیان کرتا ہے
 کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا اس میں نظر نے کوئی خطا یا غلطی نہیں کی، یہ اس شبہ کا جواب
 ہے کہ بعض اوقات انسان کی نظر بھی خطا کر جاتی ہے، خصوصاً جبکہ وہ کوئی عجیب غیر معمولی واقعہ دیکھ رہا ہو
 اس شبہ کے جواب میں قرآن کریم نے دو لفظ استعمال فرمائے، کیونکہ نظر کی غلطی دو وجہ سے ہو سکتی ہے،
 ایک یہ کہ جس چیز کو دیکھنا چاہتا تھا نظر اُس سے ہٹ کر دوسری طرف چلی گئی، لفظ مَا زَاغ سے اس قسم کی
 غلطی کی نفی کی گئی ہے کہ آپ کی نظر کسی دوسری چیز پر نہیں، بلکہ جس کو دیکھنا تھا ٹھیک اسی پر پڑی، دوسری
 وجہ نظر کی غلطی یہ ہو سکتی ہے کہ نظر پڑی تو اسی چیز پر جس کو دیکھنا مقصود تھا، مگر اس کے ساتھ وہ ادھر ادھر
 کی دوسری چیزوں کو بھی دیکھتی رہی، اس میں بھی بعض اوقات التباس ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے، اس قسم
 کی غلطی کے ازالہ کے لئے وَمَا طَغَى فرمایا۔

جن حضرات نے آیات سابقہ کی تفسیر روایت جبرئیل علیہ السلام سے کی ہے، وہ اس آیت کا بھی یہی
 مفہوم قرار دیتے ہیں کہ جبرئیل امین کے دیکھنے میں آنکھ نے کوئی غلطی نہیں کی، اس کے بیان کی ضرورت اس وجہ
 ہوئی کہ جبرئیل علیہ السلام واسطۂ وحی ہیں، اگر آپ ان کو اچھی طرح نہ دیکھیں اور نہ پہچانیں تو وحی مشبہ سے
 خالی نہیں رہتی۔

اور جن حضرات نے آیات سابقہ کی تفسیر روایت حق سبحانہ سے کی ہے وہ یہاں بھی یہی فرماتے ہیں کہ
 حق تعالیٰ سبحانہ کے دیدار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں نے کوئی غلطی نہیں کی، بلکہ صحیح صحیح دیکھا،
 البتہ اس آیت نے اس بات کو اور مزید واضح کر دیا کہ یہ روایت بحشم سر ہوئی ہے، صرف دل کی روایت
 نہیں تھی۔

آیات مذکورہ کی تفسیر میں | نمونہ اسلاف محدثین حضرت استاذ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہ
 ایک اور تحقیق مفید جو بلاشبہ اس زمانہ میں آیۃ من آیات اللہ اور حجۃ اللہ فی الارض تھے، ان کے علوم
 بلاشبہ حافظ ابن حجر اور ذہبی جیسے ائمہ حدیث کے علوم کا نمونہ تھے، اور مشکلات القرآن پر آپ کی ایک مستقل
 تصنیف نہایت دقیق علوم و معارف کا خزانہ ہے، سورہ نجم کی آیات میں چونکہ صحابہ و تابعین سے لے کر

ائمہ مجتہدین اور محدثین و مفسرین کے مختلف اقوال اور ان میں علمی مشکلات معروف و مشہور ہیں مشکلات القرآن میں آپ نے ان آیات کی تفسیر اس طرح فرمائی کہ بیشتر روایات میں تطبیق ہو جائے۔

پھر احقر کے دوسرے استاذ شیخ الاسلام حضرت مولانا بشیر احمد عثمانیؒ نے جب صحیح مسلم کی شرح فتح الملہم تحریر فرمائی، اور اسراء و معراج کے بیان میں سورہ نجم کی ان آیات کا حوالہ آیا تو مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر ان آیات کی تفسیر خود حضرت انور الاسلام تازہ قدس سرہ کے قلم سے لکھوا کر اس کو اپنی کتاب فتح الملہم کا جز بنایا، اور اپنے فوائد القرآن میں بھی اسی کو اختیار فرمایا، اس طرح یہ تحقیق احقر کے دو بزرگ اساتذہ کی مستفقت تحقیق ہو گئی اس کے دیکھنے سے پہلے چند باتیں پیش نظر رہنا چاہئے جو تقریباً سب علماء و ائمہ کے نزدیک مسلم ہیں، اول یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین کو ان کو اصلی صورت میں دو مرتبہ دیکھا ہے، اور ان دونوں مرتبہ دیکھنے کا ذکر سورہ نجم کی آیات مذکورہ میں موجود ہے، دوسری مرتبہ کس جگہ کس زمانہ میں دیکھا، اس کو تو انہی آیات میں متعین کر کے بتلادیا ہے کہ یہ رویت ساتویں آسمان پر سدرۃ المنتہی کے پاس ہوئی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ ساتویں آسمان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لے جانا صرف لیلۃ المعراج میں ہوا ہے، اس سے اس رویت کی جگہ بھی معلوم ہو گئی، اور وقت بھی، کہ وہ شب معراج میں ہوئی، پہلی رویت کے محل وقوع اور وقت کا تعین ان آیات میں نہیں ہے، مگر صحیح بخاری باب بدر الوحی میں حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث ذیل سے یہ دونوں چیزیں متعین ہو جاتی ہیں۔

قَالَ وَهُوَ يُخَبِّرُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ
فَقَالَ فِي حَدِيثِهِمْ بَيْنَا أَنَا أَمْشِي إِذَا
سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ
بَصَرِي فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحَجَرٍ
جَالِسٌ عَلَى كُرْسِيِّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ
فَرَعَبْتُ مِنْهُ فَرَجَعْتُ
فَقُلْتُ زَمِلُونِي فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى
يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْزِلْ إِلَى قَوْلِهِ
وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ فَحَيَّي الْوَحْيَ وَتَابَعُ

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی میں فترت کے
یعنی وقفہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ (ایک روز)
جبکہ میں چل رہا تھا اچانک آسمان کی طرف سے
ایک آواز سنی، میں نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ وہی
فرشتہ جو حراء میں میرے پاس آیا تھا آسمان و زمین
کے درمیان (معلق) ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے
میں اس سے مرعوب ہو کر گھروٹ آیا اور کہا کہ
مجھے ڈھانپ دو، اس وقت اللہ تعالیٰ نے سورہ
مدثر کی آیات وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ فَاهْجُرْ تک نازل فرمایا
اور اس کے بعد وحی آسمانی مسلسل آنے لگی۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جبرئیل امین کو ان کی اصلی صورت میں دیکھنے کا پہلا واقعہ فترۃ وحی کے زمانہ
میں مکہ معظمہ کے اندر اُس وقت پیش آیا جب کہ آپ شہر مکہ میں کہیں جا رہے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ پہلا واقعہ
معراج سے پہلے زمین مکہ پر اور دوسرا واقعہ ساتویں آسمان پر شب معراج میں پیش آیا ہے۔

دوسری بات یہ بھی سب کے نزدیک مسلم ہے کہ سورہ نجم کی ابتدائی آیات میں کم از کم آیت **وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ** سے **لَقَدْ رَآهُ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ** تک سب آیاتیں واقعہ معراج کے متعلق ہیں۔

امور مذکورہ کے پیش نظر استاذ محترم حجۃ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ نے سورہ نجم کی ابتدائی آیات کی تفسیر اس طرح فرمائی ہے کہ :

قرآن کریم نے اپنے عام اسلوب کے مطابق سورہ نجم کی ابتدائی آیتوں میں دو واقعات کا ذکر فرمایا ہے ایک واقعہ جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں اس وقت دیکھنے کا ہے جب کہ آپ فُرَّتِ دُحیٰ کے زمانے میں مکہ مکرمہ میں کسی جگہ جا رہے تھے، اور یہ واقعہ اسراء و معراج سے پہلے کا ہے۔

دوسرا واقعہ شب معراج کا ہے جس میں جبریل امین کو ان کی اصلی صورت میں دوبارہ دیکھنے سے کہیں زیادہ دوسرے عجائب اور اللہ تعالیٰ کی آیات کبریٰ کا دیکھنا مذکور ہے، ان آیات کبریٰ میں خود حق تعالیٰ سبحانہ کی زیارت و رویت کا شامل ہونا بھی محتمل ہے۔

سورہ نجم کی ابتدائی آیات کا اصل مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کی وحی میں شہادت نکالنے والوں کا جواب ہے کہ بتاروں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ ارشاد امت کو دیتے ہیں، نہ ان میں کسی غیر اختیاری غلطی کا امکان ہے نہ اختیاری غلطی کا، اور یہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں اپنی کسی نفسانی غرض سے نہیں کہتے، بلکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی وحی ہوتی ہے، پھر چونکہ یہ وحی حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطے سے بھیجی جاتی ہے وہ بحیثیت معلم و مبلغ وحی پہنچاتے ہیں اس لئے جبریل امین کی مخصوص صفات اور عظمت شان کا بیان کئی آیتوں میں ذکر فرمایا، اس میں زیادہ تفصیل کی وجہ شاید یہ بھی ہو کہ مشرکین مکہ اسرافیل، میکائیل فرشتوں سے تو واقف تھے جبریل سے واقف نہ تھے، بہر حال جبریل کی صفات بیان کرنے کے بعد پھر اصل مضمون وحی کو بیان فرمایا **فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِي مَا أَوْحَىٰ**، یہاں تک یہ سب گیارہ آیتیں ہیں جن میں وحی و رسالت کی توثیق کے ضمن میں جبریل امین کی صفات کا ذکر ہے، اور غور کیا جائے تو یہ سب صفات جبریل امین پر بے تکلف صادق آتی ہیں، ان کو اگر اللہ تعالیٰ کی صفت قرار دیا جائے جیسا کہ بعض مفسرین نے کیا ہے تو تکلف و تاویل سے خالی نہیں، مثلاً **شَدِيدُ الْقُوَىٰ**، **ذُو مِرَّةٍ**، **أَدْنَىٰ فَعْدَىٰ**، **فَعَمَّانَ فَاتٍ**، **قَابَ قَوْسَيْنِ**، **أَوْ أَدْنَىٰ**، ان کلمات کو تاویل کے ساتھ تو حق تعالیٰ کے لئے کہا جاسکتا ہے مگر بے تاویل و بے تکلف اس کا مصداق جبریل امین ہی ہو سکتے ہیں، اس لئے ان ابتدائی آیات میں جس رویت اور قرب اتصال کا ذکر ہے، وہ سب حضرت جبریل علیہ السلام کی رویت سے متعلق قرار دینا ہی اقرب و اسلم معلوم ہوتا ہے، البتہ اس کے بعد بارہویں آیت **مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ** سے **لَقَدْ رَآهُ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ**

الْكُبْرَىٰ، تک جن میں واقعہ اسراء و معراج کا بیان ہو رہا ہے، اس میں بھی جبریل امین کا دوبارہ بصورت اصلیہ دیکھنا اگرچہ مذکور ہے، مگر دوسری آیات کبریٰ کے ضمن میں ہے جن میں رویت باری تعالیٰ کے شامل

ہونے کا احتمال بھی جو مؤید بالا حدیث الصیحہ و اقوال صحابہ و تابعین ہے اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اس لئے **مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ** کی تفسیر یہ ہے کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ سے دیکھا آپ کے قلب مبارک نے اس کی تصدیق کی کہ صحیح دیکھا، اس تصدیق میں قلب مبارک نے کوئی غلطی نہیں کی، اسی کو **مَا كَذَبَ** کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اس میں جو کچھ دیکھا کے الفاظ عام ہیں، ان میں جبرئیل امین کا دیکھنا بھی شامل ہے اور جو کچھ شب معراج میں آپ نے دیکھا وہ سب شامل ہے، اور اس میں سب سے اہم خود حق تعالیٰ کی رویت و زیارت ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اگلی آیت میں ارشاد ہے **أَفْتَشْمُرُونَ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ**، جس میں مشرکین مکہ کو خطاب ہے کہ آپ نے جو کچھ دیکھا یا آئندہ دیکھیں گے وہ جھکڑا اور اختلاف کرنے یا شک و شبہ میں پڑنے کی چیز نہیں عین حق و حقیقت ہے، اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ **أَفْتَشْمُرُونَ عَلَىٰ مَا قَدْ رَأَىٰ**، بلکہ **عَلَىٰ مَا يَرَىٰ** بصیغہ مستقبل فرمایا، جس میں اگلی رویت جو لیلۃ المعراج میں ہونے والی تھی اس کی طرف اشارہ اور اس کے بعد کی آیت **وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ** میں اس کی تصریح ہے، اور اس آیت میں بھی دونوں رویتوں کا احتمال ہے، یعنی رویت جبرئیل علیہ السلام اور رویت حق تعالیٰ، جبرئیل علیہ السلام کی رویت تو ظاہر ہے، اور حق تعالیٰ کی رویت کی طرف اشارہ اس طرح پایا جاتا ہے کہ رویت کے لئے قرب عادت ضروری ہے، جیسا کہ حدیث میں حق تعالیٰ کا نزول سما، دنیا کی طرف آخر شب میں مذکور ہے، **عِشْرَتِ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ** کا مفہوم یہ ہے کہ جس وقت آپ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس تھے جو مقام قرب ہے حق تعالیٰ کے ساتھ اس وقت دیکھا، اس میں حق تعالیٰ کی زیارت بھی مراد ہونے پر یہ حدیث شاہد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَأَيَّتُ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ فَغَشِيَتْهُ
ضَبَابَةٌ خَرَسَتْ لَهَا سَاجِدًا وَهَذِهِ
الضَبَابَةُ هِيَ الظَّلْمُ مِنَ الْعَمَامِ
الَّتِي يَأْتِي فِيهَا اللَّهُ وَيَتَجَلَّى،

”میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس پہنچا تو مجھے بادل
کی طرح کی کسی چیز نے گھیر لیا، میں اس کے لئے
سجدہ میں گر پڑا، قیامت کے روز محشر میں حقیقتاً
کا ظہور قرآن کریم کی ایک آیت میں اسی طرح

مذکور ہے کہ بادلوں کے سایہ کی طرح کی کوئی چیز ہوگی اس میں حق تعالیٰ نزول اجلال فرمائیں گے۔“

اسی طرح اگلی آیت **مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا خِفَىٰ** کا مفہوم بھی دونوں رویتوں کو شامل ہے، اور اس سے یہ مزید ثابت ہوا کہ یہ رویت حالت بیداری میں آنکھوں سے ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن آیات میں لیلۃ المعراج کا ذکر ہے ان میں رویت کے بارے میں جتنے الفاظ آئے ہیں ان سب میں رویت جبرئیل اور رویت حق سبحانہ دونوں محتمل ہیں، اور بھی حضرات نے ان کی تفسیر رویت حق تعالیٰ سے کی ہے، اس کی گنجائش الفاظ قرآن میں موجود ہے۔

رویت باری کا مسئلہ | تمام صحابہ و تابعین اور جمہور امت اس پر متفق ہیں کہ آخرت میں اہل جنت و

عام مومنین حق تعالیٰ کی زیارت کریں گے، جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں، اس سے اتنا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رویت و زیارت کوئی امر محال یا ناممکن نہیں، البتہ عالم دنیا میں انسانی نگاہ میں اتنی قوت نہیں جو اس کو برداشت کر سکے اس لئے دنیا میں کسی کو رویت و زیارت حق تعالیٰ کی نہیں ہو سکتی، آخرت کے معاملہ میں خود قرآن کریم کا ارشاد ہر
فَكشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ، یعنی آخرت میں انسان کی نگاہ تیز اور قوی کر دی جائیگی اور پردے ہٹا دیے جائیں گے، حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ دنیا میں کوئی انسان اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا کیونکہ اس کی نگاہ فانی ہے، اور اللہ تعالیٰ باقی، پھر جب آخرت میں انسان کو غیر فانی نگاہ عطا کر دی جائے گی تو حق تعالیٰ کی رویت میں کوئی مانع نہ رہے گا، تقریباً یہی مضمون قاضی عیاضؒ سے بھی منقول ہے، اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی تقریباً تصریح ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: **وَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ لَنْ تَرَوْا رَبَّكُمْ حَتَّى تَمُوتُوا** (فتح الباری، ص ۴۹۳ ج ۸) اس سے امکان تو اس کا بھی نکل آیا کہ عالم دنیا میں بھی کسی وقت خصوصی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں وہ قوت بخش دی جائے جس سے وہ حق تعالیٰ کی زیارت کر سکیں لیکن اس عالم سے باہر نکل کر جبکہ شب معراج میں آپؐ کو آسمانوں اور جنت و دوزخ اور اللہ تعالیٰ کی خاص آیات قدرت کا مشاہدہ کرانے ہی کے لئے امتیازی حیثیت سے بلایا گیا، اُس وقت تو حق تعالیٰ کی زیارت اس عام فناء سے بھی مستثنیٰ ہے کہ اس وقت آپؐ اس عالم دنیا میں نہیں ہیں، ثبوت امکان کے بعد مسئلہ یہ رہ جاتا ہے کہ کیا رویت واقع ہوئی یا نہیں؟ اس معاملہ میں روایات حدیث مختلف اور آیات قرآن محتمل ہیں، اسی لئے صحابہ و تابعین اور ائمہ دین میں یہ مسئلہ ہمیشہ زیر اختلاف ہی رہا، ابن کثیر نے ان آیات کی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رویت حق سبحانہ و تعالیٰ کو ثابت فرماتے ہیں، اور سلف صالحین کی ایک جماعت نے ان کا اتباع کیا ہے، اور صحابہ و تابعین کی بہت سی جماعتوں نے اس سے اختلاف کیا ہے، آگے دونوں جماعتوں کے دلائل وغیرہ بیان کئے ہیں۔

اسی طرح حافظؒ نے فتح الباری تفسیر سورہ نجم میں اس اختلاف صحابہ و تابعین کے ذکر کرنے کے بعد بعض اقوال ایسے بھی نقل کئے جن سے ان دونوں مختلف اقوال میں تطبیق ہو سکے، اور فرمایا کہ قرطبی نے مفہم میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ ہم اس معاملہ میں کوئی فیصلہ نہ کریں، بلکہ توقف اور سکوت اختیار کریں، کیونکہ یہ مسئلہ کوئی عملی مسئلہ نہیں جس کے کسی ایک رُخ پر عمل کرنا ناگزیر ہو، بلکہ یہ مسئلہ عقیدہ کا ہے جس میں جب تک قطعی الثبوت دلائل نہ ہوں کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا، اور جب تک کسی امر میں قطعی بات نہ معلوم ہو حکم ثبوت اور توقف کا ہے، (فتح الباری، ص ۴۹۳ ج ۸) احقر کے نزدیک یہی اسلم و احوط ہے، اس لئے اس مسئلہ کے دو طرفہ دلائل و جواہر کو ذکر نہیں کیا، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ۝۱۹ وَمَنْوَةَ الثَّالِثَةَ الْآخِرَىٰ ۝۲۰ أَلَكُم مِّنْ

بھلا تم دیکھو تو لات اور عزیٰ کو ، اور منات تیسرے پچھلے کو ، کیا تم کو تو

الذِّكْرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ۝۲۱ تِلْكَ إِذْ أَوَّسَيْتُهُنَّ بِهِنَّ ۝۲۲ إِنَّ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءُ

لے بیٹے اور اس کو بیٹیاں ، یہ بانٹا تو بہت بھونڈا ، یہ سب نام ہیں جو

سَمَّيْتُمُوهُنَّ أَنْتُمْ وَأَبَاؤُكُمْ مَّا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهِنَّ مِنْ سُلْطٰنٍ إِنْ

رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے اللہ نے نہیں اتاری ان کی کوئی سند محض

يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِّنْ

اٹکل پر چلتے ہیں ، اور جو جیوں کی انگ ہے ، اور پہنچی ہے ان کو ان کے

رَبِّهِمُ الْهُدَىٰ ۝۲۳ أَمْ لِلْإِنسَانِ مَا تَمَنَّىٰ ۝۲۴ فَلِللَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ ۝۲۵

رب سے راہ کی سوجھ ، کہیں آدمی کو ملتا ہو جو کچھ چاہے ، سوائے کے ہاتھ ہر سب بھلائی پچھلی اور پہلی

وَكُم مِّنْ مَّلٰكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِّنْ بَعْدِ

اور بہت فرشتے ہیں آسمانوں میں کچھ کام نہیں آتی ان کی سفارش مگر جب حکم

أَنْ يَّأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَرْضَىٰ ۝۲۶ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ

دے اللہ جس کے واسطے چاہے اور پسند کرے ، جو لوگ یقین نہیں رکھتے آخرت کا

لَيَسْمُنَّ السَّمٰكِيَّۃَ تَسْمِيَةً ۝۲۷ وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِنْ

وہ نام رکھتے ہیں فرشتوں کے زنانے نام ، اور ان کو اس کی کچھ خبر نہیں ، محض

يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۝۲۸

اٹکل پر چلتے ہیں ، اور اٹکل کچھ کام نہ آئے ٹھیک بات میں ،

خُلاصۃ تفسیر

دائے مشترک بعد اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ناطق بالحق و متبع للوحی ہونا ثابت ہو گیا اور آپ اس وحی سے توحید کا حکم فرماتے ہیں ، جو کہ دلائل عقلیہ سے بھی ثابت ہے ، اور تم پھر بھی بتوں کی پرستش کرتے ہو تو تم بھلا تم نے (کبھی ان بتوں کے مثلاً ، لات اور عزیٰ اور ایک تیسرے منات کے حال میں غور بھی

کیا ہو تاکہ تم کو معلوم ہو تاکہ وہ قابل پرستش ہیں یا نہیں، پس کلمہ قار سے یہ فائدہ ہوا کہ آپ کی تنبیہ کے بعد متنبہ ہونا چاہئے تھا، اور توحید کے متعلق ایک اور بات قابل غور ہے کہ تم جو ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دے کر معبود کہتے ہو تو کیا تمھارے لئے تو بیٹے (تجویز) ہوں اور خدا کے لئے بیٹیاں (تجویز ہوں یعنی جن لڑکیوں کو تم عار و تنگ و قابل نفرت سمجھتے ہو وہ خدا کی طرف نسبت کی جاویں) اس حالت میں تو یہ بہت بے ڈھنگی تقسیم ہوتی، (کہ اچھی چیز تمھارے حصے میں اور بُری چیز خدا کے حصے میں، نعوذ باللہ منہ، یہ بناء علی العرت فرمایا ورنہ خدا تعالیٰ کے لئے بیٹا تجویز کرنا بھی بے ڈھنگی بات ہے) یہ (معبودات مذکورہ اصنام و ملائکہ بعقیدہ مذکورہ) نرے نام ہی نام ہیں، (یعنی یہ سمیات خدا ہونے کی حیثیت سے کوئی موجود چیز ہی نہیں بلکہ مثل ان اسماء کے ہیں جن کا کہیں کوئی مصداق نہ ہو) جن کو تم نے اور تمھارے باپ دادوں نے (آپ ہی) ٹھہرا لیا ہے، خدا تعالیٰ نے تو ان کے معبود ہونے کی کوئی دلیل (عقلی یا نقلی) بھیجی نہیں (بلکہ) یہ لوگ (اس اعتقادِ الوہیۃ غیر اللہ میں) صرف بے اصل خیالات پر اور اپنے نفس کی خواہش پر (جو کہ ان بے اصل خیالات سے پیدا ہوتی ہے) چل رہے ہیں (دونوں میں فرق یہ ہوا کہ ہر عمل سے پہلے ایک عقیدہ ہوتا ہے، اور ایک عزم و ارادہ جو عمل کے لئے محرک ہوتا ہے، پس دونوں سے دونوں کی طرف اشارہ ہے) حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے (بواسطہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جو حق گو اور وحی الہی کے پیرو ہیں آپ سے) ہدایت (امر واقعی کی) آچکی ہے (یعنی خود اپنے دعوے پر تو کوئی دلیل نہیں رکھتے، اور اس دعوے کی تفصیل پر رسول کے ذریعہ سے دلیل سنتے ہیں، اور پھر نہیں مانتے، یہ تو گفتگو تھی اللہ کے سوا کسی معبود ہونے کے ابطال میں آگے اس کا بیان ہے کہ تم نے جو بتوں کو اس غرض سے معبود مانا ہے کہ یہ اللہ کے پاس تمھاری شفاعت کریں گے یہ غرض بھی محض دھوکہ اور باطل ہے، سوچو کہ) کیا انسان کو اس کی ہر تمنا مل جاتی ہے (واقعہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ ہر تمنا سو خدا ہی کے اختیار میں ہے، آخرت کی بھی) اور دنیا (کی بھی) پس وہ جس کو چاہیں پورا فرمادیں، اور نصِ قطعی میں یہ بتلا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس تمنا سے باطل کو پورا کرنا نہیں چاہیں گے نہ دنیا میں ان کی دنیوی حاجات میں شفاعت کریں نہ آخرت میں کہ وہاں عذاب سے نجات کی شفاعت کریں اس لئے یقیناً وہ پوری نہ ہوگی) اور رب چاہے بہت تو کیا شفاعت کرتے کہ ان میں خود اہلیت ہی شفاعت کی نہیں، اس دربار میں تو جو لوگ اہل ہیں ان کی بھی بلا اجازت حق کچھ نہیں چلتی چنانچہ بہت سے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں (شاید اس میں اشارہ ہو علوشان کی طرف مگر باوجود اس علوشان کے) انکی سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی (بلکہ خود شفاعت ہی نہیں پائی جاسکتی) مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں اجازت دیدیں اور (اس کے لئے شفاعت کرنے سے) راضی ہوں (یہ رضی اس لئے بڑھایا تاکہ کبھی مخلوق کا اذن بلا رضا بھی کسی دباؤ یا مصلحت سے ہو جاتا ہے، اللہ جل شانہ کے معاملہ میں اس کا بھی دور کا کوئی احتمال نہیں کہ وہ کسی دباؤ سے مجبور ہو کر راضی ہو جاویں، آگے اس کا بیان ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی

اولاد قرار دینا کفر ہے کہ) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ اس کے انکار کی وجہ سے کافر ہیں (وہ فرشتوں کو خدا کی) بیٹی کے نام سے نامزد کرتے ہیں (ان کی تعبیر یا کفر میں آخرت کی تخصیص سے شاید اس طرف اشارہ ہو کہ یہ سب ضلالتیں آخرت کی بے فکری سے پیدا ہوئی ہیں، اور نہ معتقد آخرت کو اپنی نجات کی منزل و فکر رہتی ہے، اور یہاں انہی بمعنی دختر کے ہیں، کمافی قولہ تعالیٰ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُہُمْ بِالْاُنْثٰی، اور جب ملائکہ کو خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانے کے کفر ہونے کی تصریح فرمادی تو بتوں کے شریک ٹھہرانے کا کفر ہونا بدرجہ اولیٰ ثابت ہو گیا اس لئے صرف اسی پر اکتفا کیا گیا، آگے اس کا بیان ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں قرار دینے کا عقیدہ باطل ہی حالانکہ ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں صرف اصل خیالات پر چل رہے ہیں، اور یقیناً بے اصل خیالات امر حق کے اثبات میں ذرا بھی مفید نہیں ہوتے۔

معارف مسائل

سابقہ آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور آپ کی وحی کے محفوظ ہونے کے دلائل کا تفصیلی ذکر تھا، ان آیات میں اس کے بالمقابل مشرکین عرب کے اس فعل کی مذمت ہو کہ انھوں نے بغیر کسی دلیل کے مختلف بتوں کو اپنا معبود و کار ساز بنا رکھا ہے، اور فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں، اور بعض روایات میں ہے کہ ان بتوں کو بھی وہ خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔

مشرکین عرب کے بت جن کی وہ پرستش کرتے تھے بے شمار ہیں، مگر ان میں سے تین زیادہ مشہور ہیں اور ان کی عبادت پر عرب کے بڑے بڑے قبائل لگے ہوئے تھے، لات، عزیٰ، منات، لات قبیلہ ثقیف (اہل طائف) کا بت تھا، عزیٰ قریش کا اور منات بنی ہلال کا، ان بتوں کے مقامات پر مشرکین نے بڑے بڑے شاندار مکانات بنا رکھے تھے، جن کو کعبہ کی حیثیت دیتے تھے، فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو منہدم کرادیا (قرطبی ملخصاً)

قَسَمْتُ ضِیَوْنِی، صنوبر سے مشتق ہے، جس کے معنی ظلم کرنے اور حق تلفی کرنے کے ہیں، اسی لئے ابن عباس نے قَسَمْتُ ضِیَوْنِی کے معنی ظالمانہ تقسیم کے کئے ہیں۔

ظن کے مختلف اقسام | اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنْ اَحَقِّ شَیْءًا، لفظ ظن عربی زبان میں مختلف معانی کے لئے اور ان کے احکام | بولا جاتا ہے، ایک معنی یہ بھی ہے کہ بے بنیاد خیالات کو ظن کہا جاتا ہے، آیت میں یہی مراد ہے، اور یہی مشرکین مکہ کی بت پرستی کا سبب تھا، اس کے ازالہ کے لئے یہ فرمایا گیا ہے، دوسرے معنی ظن کے وہ ہیں جو یقین کے بالمقابل آتے ہیں، یقین کہا جاتا ہے اس علم قطعی مطابق للواقع کو جس میں کسی شبہ کی راہ نہ ہو، جیسے قرآن کریم یا احادیث متواترہ سے حاصل شدہ علم، اس کے مقابل ظن اس علم کو کہا جاتا ہے جو بے بنیاد خیالات تو نہیں دلیل کی بنیاد پر قائم ہے، مگر یہ دلیل اس درجہ قطعی نہیں جس میں کوئی دوہرا

احتمال ہی نہ رہے، جیسے عام روایات حدیث سے ثابت ہونے والے احکام، اسی لئے قسم اول کے مسائل کو قطعاً اور یقیناً کہا جاتا ہے، اور دوسری قسم کو ظنیات، اور یظن شریعت میں معتبر ہے، قرآن و حدیث میں اس کے معتبر ہونے کے شواہد موجود ہیں، اور تمام امت کے نزدیک واجب العمل ہے، آیت مذکورہ میں ظن کو جو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے اس سے مراد ظن بمعنی بے بنیاد بے دلیل خیالات ہیں، اس لئے کوئی اشکال نہیں

فَاعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّى هَٰٓءِ عَنْ ذِكْرِ نَاوَلَمْ يَرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۖ

سو تو وہ بیان نہ کر اس پر جو منہ موڑے ہماری یاد سے اور کچھ نہ چاہے مگر دُنیا کا جینا ،

ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ

بس یہیں تک پہنچی اُن کی سمجھ ، تحقیق تیرا رب ہی خوب جانے اس کو جو بہکا اس کی راہ سے ،

وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَن اهْتَدَىٰ ۖ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لِيَجْزِيَ

اور وہی خوب جانے اس کو جو راہ پر آیا ، اور اللہ کا ہر جو کچھ ہر آسمانوں میں اور زمین میں تاکہ وہ بدلہ دے

الَّذِيْنَ اَسَاءَ وَاٰسَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحَسَنٰی ۖ

برائی والوں کو اُن کے کئے کا اور بدلہ دے بھلائی والوں کو بھلائی سے ،

الَّذِيْنَ يَحْتَبِئُوْنَ كَبِئْرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشِ اِلَّا اللّٰهُمَّ اِنَّ رَبَّكَ

جو کہ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بھیاہی کے کاموں سے مگر کچھ آلودگی ، بیشک تیرے رب

وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۖ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذَا اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذَا

کی بخشش میں بڑی سمائی ہو ، وہ تم کو خوب جانتا ہر جب بنا نکالا تم کو زمین سے اور جب تم

اَنْتُمْ اِجْتَنٰتُمْ فِيْ بُطُوْنٍ اُمّهٰتِكُمْ فَلَا تَزْكُوْا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَن اٰتَقٰ ۖ

بچے تھے ماں کے پیٹ میں سو بہت بیان کرو اپنی خوبیاں وہ خوب جانتا ہر اس کو جو بچ کر چلا

خلاصہ تفسیر

(جب اِنْ يَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ اور جَاءَهُمْ مِّنْ رَبِّهِمْ الْهُدٰی سے مشرکین عرب کا معاند ہونا معلوم ہو گیا کہ باوجود نزول قرآن اور ہدایت کے یہ اپنے گمان اور ہوی پر چلتے ہیں، اور معاند سے قبول حق کی امید نہیں ہوتی) تو آپ ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹالیجے جو ہماری نصیحت کا خیال نہ کرے، اور حیرت

دنوی زندگی کے اس کو کوئی (آخر دی مطلب) مقصود نہ ہو جس کی وجہ عدم ایمان بالآخرۃ ہے جو لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ سے اوپر مفہوم ہوا ہے اور ان لوگوں کے فہم کی رسائی کی حد بس یہی (دنوی زندگی) ہے (جب اُن کی بد فہمی اور بے فکری کی نوبت یہاں تک پہنچی ہے تو اُن کی فکر نہ کیجئے، اُن کا معاملہ اللہ کے حوالے کیجئے بس) تمھارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ ہی اس کو بھی خوب جانتا ہے جو راہِ راست پر ہے (اس سے تو اس کا علم ثابت ہوا) اور (اس سے قدرت ثابت ہو کہ) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے، (جب وہ علم اور قدرت دونوں میں کامل ہے اور اس کے قانون اور احکام پر عمل کرنے کے اعتبار سے لوگوں کی دو قسمیں ہیں گمراہ اور ہدایت پر عمل کرنے والے تو) انجام کار یہ ہے کہ بُرا کام کرنے والوں کو اُن کے (بُرائے) کام کے عوض میں (خاص طور کی) جزا دے گا اور نیک کام کرنے والوں کو ان کے نیک کاموں کے عوض میں (خاص طور کی) جزا دے گا (اس کا مقتضایہ ہے کہ اسی کے حوالہ کیجئے آگے ان لوگوں کا بیان ہے جو نیکو کار محسنین ہیں) وہ لوگ ایسے ہیں کہ کبیرہ گناہوں سے اور (ان میں) بے حیائی کی باتوں سے (بچھڑ گئے) زیادہ) بچتے ہیں مگر ہلکے ہلکے گناہ (کبھی کبھار ہو جائیں تو جس نیکو کاری کا یہاں ذکر ہے اس میں اُن سے خلل نہیں آتا، مطلب استثناء کا یہ ہے کہ الَّذِينَ أَحْسَنُوا یعنی محسنین جن کی اس آیت میں مدح کی گئی ہے اور ان کے محبوب عند اللہ ہونے کا اظہار کیا گیا ہے اس کا مصداق بننے کے لئے کبیرہ گناہوں سے بچنا تو شرط ہے، لیکن صفائے کبھی کبھی صدور اس محبوبیت کے منافی نہیں، البتہ صغیرہ گناہوں میں بھی یہ شرط ہے کہ اُن کی عادت نہ ڈال لے اور ان پر اصرار نہ کرے، کبھی اتفاقی طور پر ہو جائے، ورنہ اصرار اور عادت سے صغیرہ گناہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے، اور استثناء کا یہ مطلب نہیں کہ صغائر کی اجازت ہے اور کبائر سے اجتناب کی شرط کا یہ مطلب ہو کہ محسنین کو ان کے نیک عمل کی اچھی جزا ملنا کبائر سے اجتناب پر موقوف ہے، کیونکہ مرتکب کبائر بھی جو حسنہ کرے گا اس کی جزا پادے گا، لقولہ تعالیٰ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، پس یہ شرط جزا دینے کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس کو محسن اور محبوب عند اللہ کا لقب دینے کے اعتبار سے ہے جس پر عنوان أَحْسَنُوا دلالت کرتا ہو خوب سمجھ لو، اور اوپر جو بدکاروں کو سزا دینے کا بیان آیا اس سے گناہگاروں کو ناامید کرنے کا وہم ہو سکتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا کہ ایمان و توبہ سے ہمت ہار دیں اور محسنین کو جزائے حسنہ دینے کے وعدہ سے ان کے عجب و غرور میں مبتلا ہونے کا ایہام اور خطرہ تھا، آگے ان دونوں ایہاموں کو رد کیا گیا ہے، بلاشبہ آپ کے رب کی مغفرت بڑی وسیع ہے (گناہگاروں کو تدارک گناہ سے ہمت نہ ہارنی چاہئے، وہ اگر چاہے تو بجز کفر و شرک کے اور سینات کو محض فضل سے معاف کر دیتا ہے تو تدارک سے کیوں معاف نہ کرے گا، اور اسی طرح محسنین کو عجب اور فخر نہ کرنا چاہئے، کیونکہ حسنات میں بعض اوقات ایسے مخفی نفاصل جاتے ہیں، جس کے سبب وہ قابل قبول نہیں رہتے اور عامل کو اس طرف التفات نہ ہونے سے اُن کی اطلاع بھی نہیں ہوتی، اور حق تعالیٰ کو تو علم ہوتا ہے جب وہ حسنہ مقبول نہیں تو ان کا کرنے والا محسن اور محبوب نہیں،

پھر عجب و غرور کیسا، اور یہ بات کہ تمہاری کسی حالت کی خود تم کو اطلاع نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کو اطلاع ہو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے بلکہ ابتداء ہی سے اس کا وقوع ہو رہا ہے، چنانچہ (وہ تم کو) (اور تمہارے احوال کو) اُس وقت سے (خوب جانتا ہے، جب تم کو) (یعنی تمہارے جد امجد آدم علیہ السلام کو) (زمین کی خاک) سے پیدا کیا تھا (جن کے ضمن میں بواسطہ تم بھی مٹی سے مخلوق ہوئے) اور جب تم اپنی ماڈں کے پیٹ میں بچے تھے (اور ان دونوں حالتوں میں تم کو خود اپنا کوئی علم نہ تھا اور ہم کو علم تھا، پس اسی طرح اب بھی تمہارا خود اپنے سے ناواقف ہونا اور ہمارا عالم دو اُفت ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں، جب یہ بات ہے) تو تم اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو (کیونکہ) تقویٰ والوں کو وہی خوب جانتا ہے (کہ فلاں متقی ہے فلاں نہیں، گو صورتہً افعال تقویٰ کے دونوں سے صادر ہوتے ہوں)۔

معارف و مسائل

فَاعْرِضْ عَمَّنْ ثَوْنِي ذِكْرِنَا وَ لَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ، یعنی آپ ایسے لوگوں سے اپنا خیال ہٹالیجئے جو ہماری یاد سے رُخ پھیر لیں، اور دنیوی زندگی کے سوا ان کا کوئی مقصد نہ ہو، یہی اُن کا انتہائی علم و ہنر ہے۔

ضروری تنبیہ قرآن کریم نے یہ اُن کفار کا حال بیان کیا ہے جو آخرت و قیامت کے منکر ہیں، افسوس ہو کہ انگریزوں کی تعلیم اور دنیا کی ہواؤں نے آجکل ہم مسلمانوں کا یہی حال بنا دیا کہ ہمارے سارے علوم و فنون اور علمی ترقی کی ساری کوششیں صرف معاشیات کے گرد گھومنے لگیں، معاویات (معاملاتِ آخرت) کا بھول کر بھی دھیان نہیں آتا۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے ہیں، اور آپ کی شفاعت کی امید لگاتے ہوئے ہیں، مگر حالت یہ ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی حالت والوں سے رُخ پھیر لینے کی ہدایت کرتا ہے، نعوذ باللہ منہ

الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْأَشْوَاقِ إِلَّا اللَّهُمَّ، اس آیت میں ہدایت ربانی کی پیروی کرنے والے محسنین (نیک لوگوں) کا ذکر مقامِ مدح میں فرما کر ان کی پہچان یہ بتلائی گئی ہے کہ وہ کبیر گناہوں سے عموماً اور فحش و بے حیائی کے کاموں سے بالخصوص دور رہتے ہیں، اس میں ایک استثناء بلفظ لَمْ فرمایا گیا ہے (جس کی تشریح آگے آتی ہے) اور حاصل استثناء کا وہی ہے جو اوپر خلاصہ تفسیر میں لکھا گیا کہ ان لوگوں کو جو محسن یعنی نیکو کار کا خطاب دیا گیا ہے، لَمْ میں ابتداءً ان کو اس خطاب کے محروم نہیں کرتا۔

لَمْ کی تفسیر میں صحابہ و تابعین سے دو قول منقول ہیں، ایک یہ کہ اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں جن کو سورۃ نساء کی آیت میں سینات سے تعبیر فرمایا ہے، اِنْ جُنِبُوا كَبِيرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ مُكْرَمًا عَنكُمْ سَيَايَكُمْ، یہ قول حضرت ابن عباسؓ و ابو ہریرہؓ سے ابن کثیر نے نقل کیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ گناہ ہیں جو انسان سے اتفاقی طور پر کبھی سرزد ہو گیا، پھر اس سے توبہ کر لی، اور توبہ کے بعد اس کے پاس نہیں گیا، یہ قول

بھی ابن کثیر نے بروایت ابن جریر اور حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے، اور پھر ابن جریر ہی کی دوسری روایات میں یہ قول بواسطہ عطاءؓ حضرت ابن عباسؓ سے اور بروایت حضرت حسن بصریؓ حضرت ابو ہریرہؓ بھی نقل کیا ہے، اس کا بھی حاصل یہ ہے کہ کسی نیک آدمی سے کبھی اتفاقاً گناہ کبیرہ بھی سرزد ہو گیا اور اس نے توبہ کر لی تو یہ شخص بھی صالحین اور متقین کی فہرست سے خارج نہیں ہوگا، سورہ آل عمران کی ایک آیت میں یہی مضمون بالکل واضح اور صریح آیا ہے، وہ یہ ہے کہ متقین کی صفات بیان کرنے کے ذیل میں فرمایا وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا أَفْأَحْشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاَسْتَغْفَرُوا إِلَيْنُ تَوْبَهُمْ وَمَنْ يَغْفِرِ اللَّهُ فَمَا لَهُ إِلَّا أَنْ يَرْحَمَهُ اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّ عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ (یعنی وہ لوگ بھی متقین ہی میں داخل ہیں جن سے کوئی فحش کبیرہ گناہ سرزد ہو گیا یا وہ گناہ کر کے اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے تو فوراً ان کو اللہ کی یاد آئی اور اپنے گناہوں سے مغفرت مانگی اور اللہ کے سوا گناہوں کو معاف بھی کون کر سکتا ہے، اور جو کچھ گناہ ہو گیا تھا اس پر جرح نہیں رہے) اور یہ بھی جہور علماء کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ جس صغیرہ گناہ پر اصرار کیا جائے اور اس کی عادت ڈال لی جائے وہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے، اس لئے خلاصہ تفسیر مذکور میں لمم کی تفسیر ان صغیرہ گناہوں سے کی گئی ہے جس پر اصرار نہ کیا گیا ہو۔

صغیرہ اور کبیرہ گناہ کی تعریف | یہ مضمون پوری تفصیل کے ساتھ سورہ نسا کی آیت إِنَّ تَجْتَنِبُوا كِبَائِهِ مَا تَتَّقُونَ

عَنْهُ کی تفسیر میں معارف القرآن جلد دوم، ص ۳۸۱ سے ۳۸۶ تک لکھ دیا گیا ہے، وہاں ملاحظہ فرمایا جائے۔

هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنْتُمْ أَجْنُفٌ مُّطْوًى اْمَهْلِكُكُمْ، اَجْنَةُ جَنِينٍ کی جمع ہے، بچہ جب تک ماں

کے پیٹ میں ہے اس کو جنین کہا جاتا ہے، اس آیت میں حق تعالیٰ نے انسان کو اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ وہ خود اپنی جان کا بھی اتنا علم نہیں رکھتا، جتنا اس کے خالق سبحانہ کو ہے، کیونکہ ماں کے پیٹ میں جو تخلیق کے مختلف دور اس پر گزرے ہیں اس وقت وہ کوئی علم و شعور ہی نہ رکھتا تھا، مگر اس کا بنانے والا خوب جانتا تھا جس کی بحیثیت تخلیق اس کو بنا رہی تھی، اس میں انسان کو عجز و کم علمی پر متنبہ کر کے یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ جو بھی کوئی اچھا اور نیک کام کرتا ہے وہ اس کا ذاتی کمال نہیں، خدا تعالیٰ کا بخشا ہوا انعام ہی ہے کہ کام کرنے کے لئے اعضاء و جوارح اُس نے بنائے، اُن میں حرکت کی قوت اس نے بخشی، پھر دل میں نیک کام کرنے کا داعیہ اور پھر اس پر عزم و عمل اسی کی توفیق سے ہوا، تو کسی بڑے سے بڑے نیک صالح اور متقی و پرہیزگار انسان کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے عمل پر فخر کرے، اور اس عمل کو اپنا کمال قرار دے کر غرور میں مبتلا ہو جائے، اس کے علاوہ سب چیزوں کا مدار خاتمہ اور انجام پر ہے، ابھی اس کا حال معلوم نہیں کہ خاتمہ کس حال پر ہوتا ہے تو فخر و غرور کرنا کس بات پر، اس ہدایت کو اگلی آیت میں اس طرح بیان فرمایا:۔

فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ، یعنی تم اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہ کرو، کیونکہ اس کو

صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کون کیسا ہے اور کس درجہ کا ہے، کیونکہ مدار فضیلت تقویٰ پر ہے، ظاہری اعمال پر

نہیں، اور تقویٰ بھی وہ معترف ہے جو موت تک قائم رہے۔

حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا کے والدین نے بڑھ رکھا تھا جس کے معنی ہیں نیکو کار، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مذکورہ فلا ترکوا آلتکم تلاوت فرما کر اس نام سے منہج کیا، کیونکہ اس میں اپنے نیک ہونے کا دعویٰ ہے، اور نام بدل کر زینب رکھ دیا، (رواہ مسلم فی صحیحہ، ابن کثیر)

امام احمد نے عبدالرحمن بن ابی بکرؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک دوسرے آدمی کی مدح و تعریف کی، آپؐ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ تمہیں کسی کی مدح و ثناء کرنا ہی ہو تو ان الفاظ سے کر دو کہ میرے علم میں یہ شخص نیک متقی ہے، وَلَا أَذِیُّ عَلَى اللَّهِ أَحَدٌ یعنی میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کے نزدیک بھی وہ ایسا ہی پاک صاف ہے جیسا میں سمجھ رہا ہوں۔

أَفْرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّى ۖ (۳۳) وَأَعْطَى قَلِيلًا وَأَكْدَى ۖ (۳۴) أَعِندَكَ عِلْمُ الْغَيْبِ

بھلا تو نے دیکھا اس کو جس نے منہ پھیر لیا، اور لایا تھوڑا سا اور سخت نکلا، کیا اس کے پاس خبر ہر غیب کی

فَهُوَ يَرَى ۖ (۳۵) أَمْ لَمْ يُنَبِّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَى ۖ (۳۶) وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي

سو وہ دیکھتا ہے، کیا اس کو خبر نہیں پہنچی اس کی جو درقوں میں موسیٰ کے، اور ابراہیم کے جس نے کہ اپنا قول پورا

وَفِي آتِ ۖ (۳۷) أَلَا تَرَىٰ ذَا نِرْدَقٍ رَّأَىٰ ۖ (۳۸) وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا

آتا را، کہ اٹھاتا نہیں کوئی اٹھائیوالا بوجھ کسی دوسرے کا، اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو اُس نے

سَعَى ۖ (۳۹) وَأَنْ سَعْيَكَ سَوْفَ يَرَى ۖ (۴۰) ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوَّلَىٰ ۖ (۴۱)

کمایا، اور یہ کہ اُس کی کمائی اس کو دکھلائی ضرور ہے، پھر اس کو بدلہ ملتا ہے پورا بدلہ،

وَأَنْ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهَىٰ ۖ (۴۲) وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ ۖ (۴۳) وَأَنَّهُ هُوَ

اور یہ کہ تیرے رب تک سب کو پہنچائی، اور یہ کہ وہی ہی ہنساتا اور رلاتا، اور یہ کہ وہی ہی

آمَاتَ وَأَحْيَا ۖ (۴۴) وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۖ (۴۵) مِنْ

ماتا اور چلاتا، اور یہ کہ اس نے بنایا جوڑا نر اور مادہ، ایک بوند

نُطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ ۖ (۴۶) وَأَنْ عَلَيْهِ النَّشْأَةُ الْآخِرَىٰ ۖ (۴۷) وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَ

سے جب ٹپکائی جائے، اور یہ کہ اس کے ذمہ ہی دوسری دفعہ اٹھانا، اور یہ کہ اس نے دولت دی اور

أَقْنَىٰ ۖ (۴۸) وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشَّعْرَىٰ ۖ (۴۹) وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ ۖ (۵۰)

خزانہ، اور یہ کہ وہی ہی رب شعریٰ کا، اور یہ کہ اس نے غارت کیا عار پہلے کو،

وَتَمُودَ إِفْسًا أَبْقَى ۝ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّنْ قَبْلُ إِذْ نَسَبْنَاهُمْ كَانُودًا هُمْ أَظْلَمَ وَا

اور تمود کو پھر کسی کو باقی نہ چھوڑا، اور نوح کی قوم کو پہلے ان سے وہ تو تھے اور بھی ظالم اور

اَظْفَى ۝ وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَى ۝ فَغَشَّاهَا مَا غَشَّى ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ

شریر، اور اُلٹی بستی کو پسند دیا، پھر آپڑا اس پر جو کچھ کہ آپڑا، اب تو کیا کیا نعمتیں پہنچ رہی

تَتَمَارَى ۝ هَذَا الَّذِي رَأَوْا وَلِيَ ۝ أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ۝

کی جھٹلاتے گا، یہ ایک ڈر منانے والا ہو پہلے ڈر منانے والوں میں سے، آپہنچی آنے والی،

لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ۝ أَفَمِنَ هَذَا الْحَدِيثِ يَعْجَبُونَ ۝

کوئی نہیں اس کو اللہ کے سوائے کھول کر دکھانے والا، کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوتا ہے،

وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ۝ وَأَنْتُمْ سَاهُونَ ۝ فَاسْجُدْ وَاعْبُدْ ۝

اور ہنستے ہو اور روتے نہیں، اور تم کھلاڑیاں کرتے ہو، سو سجدہ کرو اللہ کے آگے اور بندگی

شان نزول

در مشور میں بروایت ابن جریر یہ نقل کیا ہے کہ کوئی شخص اسلام لے آیا تھا، اس کے کسی ساتھی نے اس کو ملامت کی کہ تو نے اپنے باپ و دادا کے دین کو کیوں چھوڑ دیا؟ اس نے کہا کہ میں اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہوں وہ بولا کہ تو مجھے کچھ دیدے تو میں آخرت کا تیرا عذاب اپنے سر پر رکھ لوں گا، تو عذاب سے بچ جائے گا، چنانچہ اس نے کچھ دیدیا، اس نے اور مانگا تو کچھ کشاکشی کے بعد کچھ اور بھی دیدیا، اور بقیہ کی دستاویز مع گواہوں کے لکھ دی، روح المعانی میں اس شخص کا نام ولید بن مغیرہ لکھا ہے، جس کا اسلام کی طرف میلان ہو گیا تھا، اس کے دوست نے ملامت کی، اور عذاب کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔

خلاصہ تفسیر

(آپ نے نیکوں کی صفات تو سن لیں) تو بھلا آپ نے ایسے شخص کو بھی دیکھا جس نے (دین حق سے) روگردانی کی (یعنی اسلام سے ہٹ گیا)، اور تھوڑا مال دیا اور (پھر) بند کر دیا (یعنی جس شخص سے مال دینے کا وعدہ اپنے مطلب کے واسطے کیا تھا، وہ بھی پورا نہ دیا، اور اسی سے مفہوم ہوا کہ ایسا شخص دوسروں کی نفع رسانی کے لئے کیا خرچ کرے گا جب اپنے ہی مطلب کے لئے پورا خرچ نہ کر سکا، جس کا حاصل اس کا خلیل ہوتا ہے) کیا اس شخص کے پاس (کسی صحیح ذریعہ سے) علم غیب ہے کہ اس کو دیکھ رہا ہے (جس کے ذریعہ سے معلوم ہو گیا کہ فلاں شخص میری طرف سے میرے گناہوں کا عذاب اپنے سر لے کر مجھے عذاب سے بچا دے گا)

کیا اس کو اس مضمون کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ (علیہ السلام) کے صحیفوں میں ہے (اور حسب روایت درمنثور در تفسیر سورۃ اعلیٰ موسیٰ علیہ السلام کے یہ دس صحیفے علاوہ توریت کے ہیں) اور نیز ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں ہے (سیاتی فی سورۃ الاعلیٰ) جنہوں نے احکام کی پوری بجا آوری کی (اور وہ مضمون) یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر (ایسے طور سے) نہیں لے سکتا کہ گناہ کرنے والا بری ہو جائے، پھر یہ شخص کیسے سمجھ گیا کہ میرا سا گناہ یہ شخص اپنے سر رکھ لے گا) اور یہ (مضمون ہے) کہ انسان کو (ایمان کے بارے میں) صرف اپنی ہی کمائی ملے گی (یعنی کسی دوسرے کا ایمان اس کے کام نہ آوے گا، پس اگر اس ملامت کرنے والے شخص کے پاس ایمان ہوتا تب بھی اس شخص کے کام نہ آتا، چہ جائے کہ وہاں بھی ایمان نہ آ رہے) اور یہ (مضمون ہے) کہ انسان کی سچی بہت جلد دیکھی جائے گی پھر اس کو پورا بدلہ دیا جائے گا (باد جو اس کے یہ شخص اپنی فلاح کی سعی سے کیسے غافل ہو گیا) اور یہ (مضمون ہے) کہ (سب کو) آپ کے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہو (پھر وہ شخص کیسے نڈر ہو گیا) اور یہ (مضمون ہے) کہ وہی ہنسنا اور رلاتا ہے اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے اور یہ کہ وہی دونوں قسم یعنی نرا اور مادہ کو لطف سے بناتا ہے جب (وہ رحم میں) ڈالا جاتا ہے (یعنی مالک تمام تصرفات کا خدا ہی ہے، دوسرا نہیں، پھر وہ شخص کیسے سمجھ گیا کہ قیامت کے روز یہ تصرف کہ مجھ کو عذاب سے بچالے کسی دوسرے کے قبضہ میں ہو جائے گا) اور یہ (مضمون ہے) کہ دوبارہ پیدا کرنا (حسب) اس کے ذمہ ہے (یعنی ایسا ضروری ہونے والا ہے جیسے کسی کے ذمہ ہو تو اس شخص کے نڈر ہونے کی وجہ یہ بھی نہ ہونا چاہئے کہ قیامت نہ آوے گی) اور یہ (مضمون ہے) کہ وہی غنی کرتا ہے (یعنی سرمایہ دیتا ہے) اور سرمایہ (دے کر محفوظ اور) باقی رکھتا ہے اور یہ کہ وہی مالک ہر ستارۃ شمری کا بھی (جس کی عبادت جاہلیت میں بعض لوگ کرتے تھے، یعنی ان تصرفات و اشیاء کا مالک بھی وہی ہے جیسے پہلے تصرفات کا مالک وہی ہو اور اوپر کے تصرفات خود انسان کے وجود میں ہیں اور بعد کے تصرفات متعلقات انسان میں ہیں، چنانچہ مال اور ستارہ دونوں خارج ہیں اور شاید ان دو کے ذکر میں اشارہ ہو کہ جس کو تم اپنا مددگار سمجھتے ہو اس کے رب بھی ہم ہی ہیں، پھر دوسرے کو قیامت میں اس شخص کے گمان کے موافق کیا تصرف پہنچ سکتا ہے) اور یہ (مضمون ہے) کہ اس نے قدیم قوم عاد کو (اس کے کفر کی وجہ سے) ہلاک کیا اور ثمود کو بھی کہ (ان میں سے) کسی کو باقی نہ چھوڑا اور ان سے پہلے قوم نوح (علیہ السلام) کو (ہلاک کیا) بیشک وہ سب سے بڑھ کر ظالم اور شریر تھے (کہ ساڑھے نو سو برس کی دعوت میں بھی راہ پر نہ آئے) اور قوم لوط (علیہ السلام کی) لٹی ہوئی بستیوں کو بھی پھینک مارا تھا، پھر ان بستیوں کو گھیر لیا جس چیز نے کہ گھیر لیا (یعنی اوپر سے پتھر برسا شروع ہوئے، پس یہ شخص اگر ان قصوں میں غور کرتا تو عذاب کفر سے ڈرتا، اور بے فکر نہ ہوتا، آگے ان سب مضامین پر تفریع فرماتے ہیں کہ اے انسان جب ایسے ایسے مضامین سے تجھ کو آگاہ کیا جاتا ہے جو بوجہ ہدایت ہونے کے ہر مضمون بجائے خود ایک نعمت ربانی ہے) سو تو اپنے رب کی کون کونسی نعمت میں شک

روانگار کرتا رہے گا اور ان مضامین کی تصدیق کر کے منتفع نہ ہوگا یہ (پیغمبر) بھی پہلے پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں (ان کو مان لو کیونکہ) وہ جلدی آنے والی چیز قریب آپہنچی ہے (مراد قیامت ہے اور جب وہ آوے گی تو) کوئی غیر اللہ اس کا ہٹانے والا نہیں (پس کسی کے بھروسہ بے فکری کی گنجائش ہی نہیں) سو کیا (ایسی خوف کی باتیں سن کر بھی) تم لوگ اس کلام (الہی) سے تعجب کرتے اور (استہزاء) ہنستے ہو اور (خوف عذاب سے) روتے نہیں ہو اور تم (اطاعت سے) تکبر کرتے ہو سو اس بکرو غفلت سے باز آؤ اور حسب تعلیم ان پیغمبر کے (اللہ کی اطاعت کرو اور اس کی بلا شرکت) عبادت کرو (تاکہ تم کو نجات ہو)

معارف و مسائل

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي يُتَوَلَّىٰ، تَوَلَّىٰ کے لفظی معنی منہ پھیر لینے کے ہیں، مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت

سے منہ پھیرے،

أَتَحْطَىٰ قَلِيلًا وَّ أَكْثَرًا، اکڑی، اکڑیہ سے مشتق ہے، اکڑیہ اس سخت پتھر کو کہا جاتا ہے جو کوئی کنواں یا بنیاد کھودتے ہوئے زمین میں نکل آوے، اور کھدائی کے لئے رکاوٹ بن جاوے، اس لئے اکڑی کے معنی یہ ہوئے کہ پہلے کچھ دیا پھر دینے سے رک گیا، آیت کے شان نزول میں جو ایک واقعہ اور بیان ہو چکا ہے اس کے مطابق تو معنی ظاہر ہیں، اور اس سے قطع نظر کی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ وہ شخص جس نے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کیا پھر چھوڑ دیا، یا شروع میں کچھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف مائل ہوا، کچھ کرنے لگا پھر چھوڑ بیٹھا، اس لفظ کی یہ تفسیر حضرت مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، قتادہ وغیرہ سے منقول ہے (ابن کثیر)

أَعِنْدَكَ عِلْمٌ الْغَيْبِ قُلُوبِي، شان نزول میں جو قصہ بیان ہوا ہے اس کے مطابق تو آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے اسلام کو اس لئے چھوڑ دیا کہ اس کے کسی ساتھی نے اس سے کہہ دیا تھا کہ آخرت کا تیرا عذاب میں اپنے سر لے کر تجھ کو بچا دوں گا، اس احمق نے اس کا یقین کیسے کر لیا، کیا اس کو علم غیب حاصل ہے؟ جس سے وہ دیکھ رہا ہے کہ بے شک کفر کی صورت میں وہ جس عذاب کا مستحق ہوگا وہ عذاب یہ ساتھی اپنے سر لے لے گا اور مجھے بچا دے گا، جو ظاہر ہے کہ سراسر دھوکہ ہے نہ اس کو علم غیب ہے نہ کوئی دوسرا آدمی کسی کا عذاب آخرت اپنے سر لے کر اس کو بچا سکتا ہے، اور اگر اس قصہ سے قطع نظر کی جائے تو معنی آیت کے یہ ہونگے کہ وہ شخص جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا کرتا رک گیا ہے اور خرچ کرنا چھوڑ دیا ہے تو اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اس کو یہ خیال ہوا ہوگا کہ موجودہ مال خرچ کر دوں گا تو پھر کہاں سے آئے گا، اس خیال کی تردید میں فرمایا کہ کیا اس کو غیب کا علم ہے جس کے ذریعہ گویا وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ یہ مال ختم ہو جائے گا اور اس کے بجائے اور مال اس کو نہ مل سکے گا، یہ غلط ہے، کیونکہ نہ اس کو غیب کا علم ہے اور نہ یہ بات صحیح ہے، کیونکہ قرآن کریم میں حقیقتاً کا ارشاد ہے (مَا أَتَقَعْتُمْ شَيْءًا فَهُمْ يَخِيفُونَهُ وَهُمْ يَخِيفُونَ) یعنی تم جو کچھ خرچ کرتے ہو

اللہ تعالیٰ اس کا بدل تمہیں دیدیتے ہیں اور وہ سب بہتر رزق دینے والے ہیں) انسان غور کرے تو قرآن کا یہ ارشاد صرف مال اور پیسہ کے معاملہ میں نہیں، بلکہ ہر قوت و توانائی جو وہ دنیا میں خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدن میں اس کا بدل مایہ تخلل پیدا کرتے رہتے ہیں، ورنہ انسان کے بدن کا ایک ایک عضو اگر فساد کا بھی بنا ہوتا تو ساٹھ ستر سال کام لینے سے کبھی کا گھس گھسا کر برابر ہو جاتا، جس طرح اللہ تعالیٰ انسان کے تمام اعضاء میں جو کچھ محنت سے تحلیل ہو جاتا ہے خود کار مشین کی طرح اس کا بدل اندر سے پیدا کر دیتے ہیں، اسی طرح مال کا بھی معاملہ یہی ہے کہ انسان خرچ کرتا رہتا ہے اس کا بدل آتا رہتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو فرمایا: **أَتَفْعَلُ يَا بَلَالُ وَلَا تَخْشَىٰ مِنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ أَفَلَا تَلَا**، یعنی بلال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو اور عرش والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا خطرہ نہ رکھو کہ وہ تمہیں مفلس کر دے گا (ابن کثیر)

آمَ لَمْ يَنْبَأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ وَابْرَاهِيمَ الَّذِينَ ذُكِرُوا، اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک خاص صفت ذی بیان فرمائی گئی، وفاء کے معنی کسی وعدے یا معاہدے کو پورا کر دینے کے آتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خاص صفت ایفائے عہد کی کچھ تفصیل
مراد یہ ہو کہ ابراہیم علیہ السلام نے جو اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے اور اس کا پیغام مخلوق کو پہنچا دیں گے، انھوں نے اس معاہدہ کو ہر حیثیت سے پورا کر دکھایا، جس میں ان کو بہت سخت آزمائشوں سے بھی گزرنا پڑا، ذی کی یہی تفسیر ابن جریر، ابن کثیر وغیرہ نے اختیار کی ہے۔

بعض روایات حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاص خاص اعمال کو لفظ ذی کا سبب بتایا گیا ہے وہ اس کے منافی نہیں، کیونکہ اصل وفاء عہد عام ہے، تمام احکام الہیہ کی تعمیل و اطاعت جس نے اپنے اعمال بھی داخل ہیں، اور فرائض رسالت و نبوت کے ذریعہ عام خلق اللہ کی اصلاح بھی، انھیں اعمال میں یہ عمل بھی ہیں جن کا ذکر ان روایات حدیث میں ہے۔

مثلاً ابن ابی حاتم نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی **وَابْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ** اور پھر ان سے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ ذی کا مطلب کیا ہے؟ ابوامامہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ۔

وَفَّىٰ عَمَلٍ يَوْمَهُ بِأَرْبَعٍ رَكَعَاتٍ فِي

یعنی انھوں نے اپنے دن کے اعمال کی تکمیل اس

طرح کر دی کہ شروع دن میں چار رکعت (نماز

اشراق کی) پڑھ لیں

أَوَّلِ النَّهَارِ (ابن کثیر)

(ابن کثیر)

اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو ترمذی نے حضرت ابوذرؓ سے روایت کی ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

إِنَّ أَدَمَ أَرَكَمَ لِي أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ مِّنْ

أَوَّلِ النَّهَارِ أَكْفَلَ الْخَوَّةَ (ابن کثیر)

(ابن کثیر)

”یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے آدم کے بیٹے !

تو شروع دن میں میرے لئے چار رکعتیں پڑھ لیا کر

تو میں آخر دن تک تیرے سب کاموں کی کفالت کروں گا۔“

اور ابن ابی حاتم ہی نے ایک روایت حضرت معاذ بن انس سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں بتلاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اَلَّذِي وَفَّىٰ كَاخْطَابِ كَيْوَلَدِيَا، پھر فرمایا کہ وجہ یہ ہے کہ وہ روزانہ صبح شام ہونے کے وقت یہ پڑھا کرتے تھے (قَسَّبَحَنَّ اللّٰهَ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعِشْيَا وَحِينَ تُظَاهِرُونَ) ابن کثیر

صحفِ موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام | انبیائے سابقین میں سے جب کسی کا قول یا کوئی تعلیم قرآن میں ذکر کی جاتی ہے کی خاص ہدایات و تعلیمات | تو اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اس اُمت کے لئے بھی وہ واجب العمل ہے

جب تک اس کے خلاف کوئی نص شرعی نہ ہو، آگے اٹھارہ آیتوں میں اُن خاص تعلیمات کا ذکر ہے جو حضرت موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام کے صحیفوں میں تھیں، ان میں عملی احکام جن کا تعلق سابقہ آیات کے ساتھ ہے وہ صرف دو ہیں، باقی تعلیمات عبرت و نصیحت اور حق تعالیٰ کی آیات قدرت سے متعلق ہیں، وہ دو یہ ہیں :-

أَلَا تَزِدُّوا نَارَهُ زُفْرًا وَنَارُهَا أُخْرَىٰ أَوْ قَوْلًا نَّيْسٌ إِلَّا نَسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ، وَزُرْكَ مَعْنَىٰ دِرَاصِلِ بوجھ کے ہیں اور پہلی آیت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا اپنے سوا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا بوجھ سے مراد گناہ کا بوجھ اور اس کا عذاب ہی، مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص کا عذاب دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا، نہ کسی کو اس کا اختیار ہوگا کہ وہ دوسرے کا عذاب اپنے سر لے لے، قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں اس کا بیان اس طرح آیا ہے (وَأَن تَدْعُ مُمْسِكًا إِلَىٰ جَنْبِلَهَا لَا يَحْمِلُ مِنْهُ شَيْءٌ) یعنی اگر کوئی گناہوں کے بوجھ سے لدا ہوا شخص لوگوں سے درخواست کرے گا کہ میرا کچھ بوجھ تم اٹھاؤ تو کسی کی مجال نہیں ہوگی کہ اس کے بوجھ کا کوئی حصہ اٹھائے۔

ایک کے گناہ میں دوسرا | اس آیت میں اُس شخص کے خیال کی بھی تردید ہوگئی جس کا ذکر شان نزول میں آیا ہے کہ نہیں پکڑا جائے گا | وہ مسلمان ہو گیا تھا یا ہونے والا تھا، اس کے ساتھی نے ملامت کی، اور اس کی ضمانت لی کہ قیامت میں تجھ پر کوئی عذاب ہوا تو وہ میں اپنے سر پر لے کر تجھے بچا دوں گا، اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایسے معاملہ کا اللہ کے یہاں کوئی امکان نہیں کہ کسی کے گناہ میں کسی دوسرے کو پکڑ لیا جائے۔

اور ایک حدیث میں یہ آیا ہے کہ جس میت پر اس کے گھر والے ناجائز نوحہ و بکار کرتے ہیں تو ان کے اس فعل سے میت کو عذاب ہوتا ہے (کما ورد فی الصحیحین عن ابن عمرؓ) تو یہ اس شخص کے بلے ہیں جو خود بھی میت پر نوحہ خوانی، گریہ و زاری کا عادی ہو، یا جس نے اپنے وارثوں کو اس کی وصیت کی ہو کہ میرے بعد

نوح و بکاء کا انتظام کیا جائے (منظری) اس صورت میں اس پر عذاب خود اس کے اپنے عمل کا ہوا، دوسروں کے عمل کا نہیں۔

دوسرا حکم ہے (وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى) اس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح کوئی دوسرے کا عذاب اپنے سر نہیں لے سکتا، اسی طرح کسی کو یہ بھی حق نہیں کہ کسی دوسرے کے عمل کے بدلے خود عمل کر لے اور وہ اس عمل سے سبکدوش ہو جائے، مثلاً ایک شخص دوسرے کی طرف سے نماز فرض ادا کر دے یا دوسرے کی طرف سے فرض روزہ رکھ لے اور وہ دوسرا اپنے فرض نماز و روزے سے سبکدوش ہو جائے، یا یہ کہ ایک شخص دوسرے کی طرف سے ایمان قبول کر لے اور اس سے اس کو مؤمن قرار دیا جائے۔

آیت مذکورہ کی اس تفسیر پر کوئی فقہی اشکال اور شبہ عائد نہیں ہوتا، کیونکہ زیادہ سے زیادہ مشبہ حج اور زکوٰۃ کے مسئلہ میں یہ ہو سکتا ہے کہ ضرورت کے وقت شرعاً ایک شخص دوسرے کی طرف سے حج بذل کر سکتا ہے یا دوسرے کی زکوٰۃ اس کی اجازت سے ادا کر سکتا ہے، مگر غور کیا جائے تو یہ اشکال اس لئے صحیح نہیں کہ کسی کو اپنی جگہ حج بذل کے لئے بھیج دینا اور اس کے مصارف خود ادا کرنا، یا کسی شخص کو اپنی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دینے کے لئے مامور کر دینا بھی درحقیقت اسی شخص کے اپنے عمل اور سعی کا جزو ہے، اس لئے لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى کے منافی نہیں۔

ایصالِ ثواب کا مسئلہ جبکہ اوپر یہ معلوم ہو چکا کہ آیت مذکورہ کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کے فرائض ایمان و نماز و روزہ کو ادا کر کے دوسرے کو سبکدوش نہیں کر سکتا، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک شخص کے نفلی عمل کا کوئی فائدہ اور ثواب دوسرے شخص کو نہ پہنچ سکے، ایک شخص کی دعا، اور صدقہ کا ثواب دوسرے شخص کو پہنچنا نصوص شرعیہ سے ثابت اور تمام اُمت کے نزدیک اجماعی مسئلہ ہے۔ (ابن کثیر)

صرف اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے کہ تلاوت قرآن کا ثواب کسی دوسرے کو بخشا اور پہنچا جاسکتا ہے یا نہیں، امام شافعیؒ اس کا انکار کرتے ہیں اور آیت مذکورہ کا مفہوم عام لے کر اس سے استدلال فرماتے ہیں، جمہور ائمہ اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک جس طرح دعا، اور صدقہ کا ثواب دوسرے کو پہنچایا جاسکتا ہے اسی طرح تلاوت قرآن اور ہر نفلی عبادت کا ثواب دوسرے شخص کو بخشا جاسکتا ہے اور وہ اس کو ملے گا، قرطبی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ احادیث کثیرہ اس پر شاہد ہیں کہ مؤمن کو دوسرے شخص کی طرف سے عمل صالح کا ثواب پہنچتا ہے، تفسیر منظری میں اس جگہ ان احادیث کو جمع کر دیا ہے جن سے ایصالِ ثواب کا فائدہ دوسرے کو پہنچنا ثابت ہوتا ہے۔

اوپر صحیفہ موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام کے حوالے سے جو دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں، ایک یہ کہ ایک شخص کے گناہ کا عذاب کسی دوسرے کو نہیں پہنچے گا، اور ایک کے گناہ میں دوسرا کوئی نہ پکڑا جائیگا، دوسرا یہ کہ ہر شخص پر جن اعمال کی شرعی ذمہ داری ہے اس سے سبکدوشی خود اسی کے اپنے عمل سے ہوگی، دوسرے کا عمل اس کو سبکدوش نہ کرے گا۔

یہ دونوں حکم اگرچہ دوسرے انبیاء کی شریعتوں میں بھی تھے مگر حضرت موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام کی خصوصیت شاید اس بناء پر کی گئی کہ اُن کے زمانہ میں یہ جاہلانہ رسم جاری ہو گئی تھی کہ باپ کے بدلے میں بیٹے کو اور بیٹے کے بدلے میں باپ کو یا بھائی بہن وغیرہ کو قتل کر دیا جاتا تھا، ان دونوں بزرگوں کی شریعتوں نے اس رسم جاہلیت کو مٹایا تھا۔

وَأَنْ تَعْبُدَهُ سَوْتٌ یُّرَی، یعنی صرف ہر شخص کی ظاہری سعی کافی نہیں، اللہ تعالیٰ کے دربار میں سعی کی اصل حقیقت بھی دیکھی جائے گی بلکہ وہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے کی ہے یا دوسری اغراض و نیوایس میں شامل ہیں، جیسا کہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، یعنی صرف صورتِ عمل کافی نہیں، عمل میں نیت خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور تعمیل حکم کی ہونا ضروری ہے۔

وَأَنْ إِلَى رَبِّكَ اَلْمُنْتَهٰی، مراد یہ ہے کہ آخر کار سب کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اور اعمال کا حساب دینا ہے۔

بعض حضرات مفسرین نے اس جملہ کا یہ مطلب قرار دیا ہے کہ انسانی غور و فکر کا سلسلہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے، اس کی ذات و صفات کی حقیقت کسی غور و فکر سے حاصل کی جاسکتی ہے اور نہ اس میں غور و فکر کی اجازت، جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور و فکر کر داس کی ذات میں غور و فکر نہ کر دبلکہ اس کو علم الہی کے سپرد کردہ سمجھا لے بس کا نہیں۔

وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكٰی، یعنی نوع انسان میں خوشی اور غم اور اس کے نتیجہ میں ہنسنے اور رونے کا سلسلہ ہر شخص دیکھتا ہے، اور ان دونوں چیزوں کو اُن کے ظاہری طور پر پیش آنے والے اسباب کی طرف منسوب کر کے معاملہ ختم کر دیتا ہے، یہاں غور و فکر کی جگہ ہے، گہری نظر سے جو دیکھے گا کہ کسی کی خوشی یا غم اور ہنسنا یا رونا خود اس کے یا کسی دوسرے کے قصہ میں نہیں، یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، وہ اسباب کو پیدا کرتا ہے وہی اسباب میں تاثر دیتا ہے وہ جب چاہتا ہے تو رونے والوں کو ایک لمحہ میں ہنسنا دیتا ہے، اور ہنسنے والوں کو ایک منٹ میں رونا دیتا ہے، ولنعم ما قیل ۵

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خندان ست ۶ بعد لیب چہ فرمودہ کہ نالان ست

وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنٰی وَآفَقٰی، غنا کے معنی مالدار کی معنی دوسرے کو مالدار بنادینا، اور آفقی، قنیت سے مشتق ہے جس کے معنی محفوظ اور ریزرو سرمایہ کے ہیں، مراد آیت کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کو مالدار اور غنی بناتا ہے وہی جس کو چاہے اتنا سرمایہ دیتا ہے کہ اس کو محفوظ رکھ سکے،

وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشَّعَرٰی، شَعْرٰی بکسر شین، ایک ستارے کا نام ہے جو جوزا کے پہچھے ہے، عرب کی بعض اقوام اس ستارے کی پرستش کرتی تھیں، اس لئے خصوصیت سے اس کا نام لے کر بتلایا کہ اس ستارے کا مالک اور پروردگار بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے، اگرچہ وہ ستارے ہی ستاروں، آسمانوں، زمینوں کا خالق و مالک اور

پر دروگر رہے۔

وَ اِنَّهٗ اَهْلَكَ عَادًا اِلٰٓؤُولٰٓئِیْ وَ ثَمُوْدًا فَمَا اَبْقٰی، قوم عاد دنیا کی قوی اور سخت ترین قوم ہوا ان کے دو طبقے، یکے بعد دیگرے اُدی اور آخری کے نام سے موسوم ہیں، ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا گیا، نافرمانی پر ہوا کے طوفان کا عذاب آیا، پوری قوم ہلاک ہوئی، قوم نوح علیہ السلام کے بعد عذاب سے ہلاک ہونے والی یہ پہلی قوم ہے (منظری) اور ثمود بھی انہی کی نظیر دوسری شاخ ہے، جن کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا، ان کی نافرمانی کرنے والوں پر سخت آواز کا عذاب آیا، جس سے اُن کے کھجے پھٹ کر ہلاک ہو گئے۔

وَ اَلْمَوْءِیَّةَ اَهْلٰوٰی، مَوْتَفَکَ کے لفظی معنی مَوْتِیْلَفَ کے ہیں، یہ چند بستیاں اور شہر متصل تھے حضرت لوط علیہ السلام ان کی طرف مبعوث ہوئے، نافرمانی اور بے حیائی کے اعمال کی سزائیں ان کی بستیاں جبرئیل امین نے اُلٹ دیں۔

فَقَتَّهٖمَا مَآ غَشٰی، یعنی ڈھانپ لیا اُن بستیوں کو جس چیز نے ڈھانپ لیا، مراد وہ پتھر اور ہر جو بستیاں اُلٹنے کے بعد اُن پر کیا گیا، یہاں تک صحیفہ موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام کے حوالہ سے جو تعلیمات بیان کرنی تھیں وہ ختم ہو گئیں۔

فَبَآیَ اِلَّا عَدُوٌّ لِّکَ تَشْتَارٰی، تمارے کے معنی جھگڑا اور مخالفت کرنا ہے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ خطاب ہر انسان کو ہے، کہ سابقہ آیات اور صحیفہ موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام میں آئی ہوئی آیات ربانی میں کوئی ذرا بھی غور و فکر کرے تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی وحی اور تعلیمات کے حق ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی، اور اقوام سابقہ کی ہلاکت و عذاب کے واقعات مسنکر مخالفت سے باز آ جانے کا اچھا موقع ملتا ہے جو حق تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، اس کے باوجود تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت میں جھگڑا اور خلاف کرتے رہو گے۔

هٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ الْمُنْذِرِ اِلٰٓؤُولٰٓئِیْ، ہذا کا اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن کی طرف ہے کہ یہ بھی پچھلے رسولوں اور پچھلی کتابوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نذیر بنا کر بھیجے گئے ہیں جو صراطِ مستقیم اور دینِ دنیا کی فلاح پر مشتمل ہدایات لے کر آئے ہیں اور اس کی مخالفت کرنے والوں کو اللہ کے عذاب ڈراتے ہیں۔

اَزِیْنِ الْاٰیٰتِ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کَاشِفَةٌ، اَزِیْنِ بمعنی قریب آتا ہے، معنی یہ ہیں کہ قریب آنے والی چیز قریب آپہونچی، جس کو خدا تعالیٰ کے سوا کوئی ہٹانے والا نہیں، مراد اس سے قیامت ہے اس کا قریب آپہونچنا پوری دنیا کی عمر کے اعتبار سے ہے کہ انتِ محمدیہ اس کے بالکل آخر میں قیامت کے قریب ہے۔

اَفَیْسَ هٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ وَ تَصْحٰکُوْنَ وَلَا تَحْکُمُوْنَ، ہذا الحدیث سے مراد قرآن کریم ہے معنی آیت کے یہ ہیں کہ قرآن کریم جیسا کلام الہی جو خود ایک معجزہ ہے تمہارے سامنے آچکا کیا اس پر بھی تم

تعجب کرتے ہو اور بطور استہزار کے کہتے ہو، اور اپنی معصیت یا عمل میں کوتاہی پر روتے نہیں۔

وَأَنْتُمْ سَاهُونَ، سواد کے لغوی معنی غفلت و بے فکری کے ہیں، سَاهُونَ بمعنی غافلون ہے، اور

ایک معنی سواد کے گمانے بجانے کے بھی آتے ہیں وہ بھی اس جگہ مراد ہو سکتے ہیں (کما قسره بہ بعض الائمہ)

فَأَسْجُدْ لِلَّهِ وَاعْبُدْ، یعنی پھلی آیات جو غور کرنے والے انسان کو عبرت و موعظت کا سبق دیتی ہیں

اس کا مقتضی یہ ہے کہ تم سب اللہ کے سامنے خشوع و تواضع کے ساتھ ٹھکڑو اور سجدہ کرو اور صرف اسی کی

عبادت کرو۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ سورۃ نجم کی اس آیت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ سب مسلمانوں اور مشرکوں نے اور تمام جن و انس نے سجدہ کیا، اور بخاری و مسلم ہی کی

دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ نجم کی تلاوت

فرمائی، اور اس میں سجدہ تلاوت ادا کیا، اور آپ کے ساتھ سب حاضرین مجلس (مؤمنین و مشرکین) نے سجدہ کیا

بجز ایک قریشی بوڑھے کے جس نے زمین سے ایک مٹھی خاک اٹھا کر پیشانی سے لگائی، اور کہا کہ مجھے یہی کافی ہے،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ پھر میں نے اُس شخص کو حالت کفر میں مقتول پڑا ہوا دیکھا ہے، اس میں اشارہ

اس طرف ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں مسلمانوں کو تو سجدہ کرنا تھا ہی، جو مشرکین

اُس وقت حاضر تھے اللہ تعالیٰ نے اُن پر بھی کچھ ایسی حالت غالب کر دی کہ سب سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے، گو اُس

وقت اُن کا سجدہ بوجہ کفر کے کچھ ثواب نہ رکھتا تھا، مگر وہ بھی اپنا ایک اثر یہ چھوڑ گیا کہ بعد میں ان سب کو اسلام

و ایمان کی توفیق ہو گئی، صرف ایک آدمی کفر پر مارجس نے سجدہ سے گریز کیا تھا۔

اور صحیحین کی ایک حدیث میں جو حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت ہے یہ مذکور ہے کہ انھوں نے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورۃ نجم پوری پڑھی، مگر آپ نے سجدہ نہیں کیا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سجدہ

واجب یا لازم نہیں، کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ آپ اس وقت با وضو نہ ہوں، یا کوئی دوسرا عذر سجدہ کرنے

سے مانع ہو، ایسی حالت میں فوری سجدہ گرنا ضروری نہیں، بعد میں بھی ہو سکتا ہے، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

تَمَّتْ

سُورَةُ النَّجْمِ بِعَوْنِهِ وَحَمْدِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى

تَبْلُغَةُ الْجُمُعَةِ يَوْمَ الرَّابِعِ الثَّانِي سَلَامٌ

فِي اسْبَاحٍ وَاحِدٍ وَيَتْلُوهُ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْقَمَرِ

إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَهُوَ وَلِيُّ التَّوْفِيقِ

سُورَةُ الْقَمَرِ

سُورَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُونَ آيَةً وَبَلَدُهُ رُكُوعَانِ

سورہ قمرکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پچپن آیتیں ہیں اور تین رکوع ،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بحد مہربان نہایت رحم والا ہے ،

إِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ۖ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۚ ۱ وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرَضُوا ۖ

پاس آگئی قیامت اور پھٹ گیا چاند ، اور اگر وہ دیکھیں کوئی نشانی تو ٹلا جائیں اور

يَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۚ ۲ وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۖ وَكُلُّ أُمَّةٍ مُّسْتَقِرَّةٌ ۚ ۳

کہیں یہ جادو ہر پہلے سے چلا آتا ، اور جھٹلایا اور چلے اپنی خوشی پر اور ہر کام ٹھیرا رکھا ہی وقت پر ،

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِیْهِ مُزْدَجَرٌ ۚ ۴ حِکْمَةٌ بِالْغَنَةِ ۖ فَالْتَفَنُوا

اور پہنچ چکے ہیں ان کے پاس احوال جن میں ڈانٹ ہو سکتی ہے ، پوری عقل کی بات ہی پھر ان میں کام نہیں کرتے

النُّذُرُ ۚ ۵ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ یَوْمَ یَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَیْءٍ نَّکِرٍ ۚ ۶ خَشَعًا

ڈر سنانے والے ، سو تو ہٹ آ ان کی طرف سے جس دن پکارے پکارنیوالا ایک ناگوار چیز کی طرف ، آنکھیں

أَبْصَارُهُمْ یَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ ۚ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ۚ ۷

جھکائے نکل پڑیں قبروں سے جیسے ٹیڈی پھیلی ہوئی ،

مُهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ یَقُولُ الْكَافِرُونَ هَذَا یَوْمٌ عَسِرٌ ۚ ۸

دوڑتے جاتے ہیں اس پکارنیوالے کے پاس کہتے جاتے ہیں منکر یہ دن مشکل آیا ،

خلاصہ تفسیر

ان کفار کے لئے زاجر یعنی غلطی پر متنبہ کرنے والا امر تو اعلیٰ درجہ کا متحقق ہے چنانچہ (قیامت نزدیک آ پہونچی جس میں تکذیب پر بڑی مصیبت آدے گی) اور (اس اخبار قرب ساعت کا مصداق بھی واقع ہو گیا چنانچہ) چاند شوق ہو گیا اور اس سے قرب قیامت کی تصدیق اس طرح ہوتی ہے کہ شوق قمر معجزہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جس سے آپ کی نبوت ثابت ہوتی ہے اور نبی کا ہر قول صادق ہے، اس لئے ضروری ہے کہ قیامت کے قریب آنے کی خبر جو آپ نے دی ہے وہ بھی صادق ہے اس سے تحقق زاجر کا متعین ہو گیا) اور (اس کا مقتضایہ تھا کہ) یہ لوگ (اس سے منزع اور متاثر ہوتے لیکن ان کی یہ حالت ہے کہ) اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو ٹال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو ابھی ختم ہو جاتا ہے (یہ کہنا یہ ہے اس کے باطل ہونے سے کہ باطل کا اثر دیر تک قائم نہیں رہا کرتا، جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا يُبَيِّنُ الْحَىُّ الْبَاطِلُ وَمَا يُعَيِّدُ، مطلب یہ کہ قرب قیامت سے نصیحت حاصل کرنا تو نبوت محمدیہ کے اعتقاد پر موقوف ہے، یہ لوگ خود اس کی دلیل ہی کو نظر تامل سے نہیں دیکھتے اور اس کو باطل سمجھتے ہیں تو پھر اس سے اُن پر کیا اثر ہوتا) اور (اس اعراض اور بطلان دعویٰ معجزہ میں خود ان لوگوں نے رباطل پر مصر ہو کر حق کو جھٹلایا اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی (یعنی ان کا اعراض کسی دلیل صحیح کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ سبب اس اعراض کا ہوائے نفسانی کا اتباع اور اذرع عناد تکذیب حق ہے) اور (یہ جو معجزات کو جادو کہتے ہیں جس کا اثر جلد زائل ہو جایا کرتا ہے سو قاعدہ ہے کہ) ہر بات کو (بعد چند سے اپنی اصلی حالت پر آکر) قرار آ جاتا ہے (یعنی حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا، اسباب و آثار سے عام طور پر متعین ہو جاتا ہے) مطلب یہ کہ گو واقع میں تو فی الحال بھی حق متعین اور واضح ہے، مگر کم فہموں کی سمجھ میں اگر اب نہیں آتا تو بعد چند سے تو اُن کو بھی ظاہر ہو سکتا ہے، بشرطیکہ غور سے کام لیں تو چند روز کے بعد تم کو معلوم ہو جاوے گا کہ یہ سحر فانی ہے یا حق باقی ہے) اور (اس زاجر مذکور کے علاوہ) ان لوگوں کے پاس (تو اہم ماضیہ کی بھی) خبریں اتنی پہونچ چکی ہیں کہ ان میں (کافی) عبرت یعنی اعلیٰ درجہ کی دانشمندی (حاصل ہو سکتی) ہے سو (ان کی یہ کیفیت ہے کہ) خوف دلانے والی چیزیں ان کو کچھ فائدہ ہی نہیں دیتیں (اور جب یہ حال ہے) تو آپ ان کی طرف سے کچھ خیال نہ کیجئے (جب وہ وقت قیامت اور عذاب کا جس سے اُن کو ڈرایا جاتا ہے آ جاوے گا تو خود معلوم ہو جاوے گا آگے اس روز کا بیان ہے، یعنی) جس روز ایک بھلانے والا فرشتہ (ان کو) ایک ناگوار چیز کی طرف بلاوے گا ان کی آنکھیں (مائے ذلت اور ہیبت کے) جھکی ہوئی ہوں گی (اور) قبروں سے اس طرح نکل رہے ہوں گے جیسے ٹڈی پھیل جاتی ہے، (اور پھر نکل کر) بھلانے والے کی طرف (یعنی موقف حساب کی طرف) جہاں جمع ہونے کے لئے بلانے والے نے پکارا ہے) دوڑے چلے جا رہے ہوں گے (اور وہاں کی سختیاں دیکھ کر) کافر کہتے ہوں گے کہ یہ دن بڑا سخت ہے۔

معارف و مسائل

۱۵

پچھلی سورت (النجم) اَزْفَتِ لَآ زِفَّةَ الخ پر ختم ہوئی ہے جس میں قیامت کے قریب آجانے کا ذکر ہے اس سورت کو شروع اسی مضمون سے کیا گیا ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ، آگے قرب قیامت کی ایک دلیل معجزہ انشقاق قمر کا ذکر فرمایا گیا ہے، کیونکہ علامات قیامت جن کی بڑی تفصیل ہے ان میں سے ایک بڑی علامت تو خود حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت ہی جیسا کہ حدیث میں آپ کا ارشاد ہے کہ میرا آنا اور قیامت اس طرح ملے ہوئے ہیں جیسے ہاتھ کی دو انگلیاں، اور بھی چند روایات حدیث میں آپ کا قیامت کے قریب ہونا بیان فرمایا گیا ہے، اسی طرح ایک بڑی علامت قیامت کی یہ بھی ہے کہ آپ کے معجزہ کے طور پر چاند کے دو ٹکڑے ہو کر الگ الگ ہو جاویں گے پھر باہم جڑ جاویں گے، نیز معجزہ شق القمر اس حیثیت سے بھی قیامت کی علامت ہے کہ جس طرح اُس وقت چاند کے دو ٹکڑے اللہ کی قدرت سے ہو گئے قیامت میں سالے ہی ستاروں اور ستاروں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا کوئی امر مستبعد نہیں۔

معجزہ شق القمر

کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی نبوت و رسالت کے لئے کوئی نشانی معجزہ کی طلب کی، حق تعالیٰ نے آپ کی حقانیت کے ثبوت کے لئے یہ معجزہ شق القمر ظاہر فرمایا، اس معجزہ کا ثبوت قرآن کریم کی اس آیت میں بھی موجود ہے وَ اَنشَقَّ الْقَمَرُ، اور احادیث صحیحہ جو صحابہ کرام کی ایک جماعت کی روایت سے آئی ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، جابر بن مطعم، ابن عباس، انس بن مالک وغیرہ شامل ہیں، اور حضرت عبداللہ بن مسعود خود اپنا اس وقت میں موجود ہونا اور معجزہ کا مشاہدہ کرنا بھی بیان فرماتے ہیں، امام طحاوی اور ابن کثیر نے واقعہ شق القمر کی روایات کو متواتر قرار دیا ہے، اس لئے اس معجزہ نبوی کا وقوع قطعی دلائل سے ثابت ہے۔

واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے مقام منیٰ میں تشریف رکھتے تھے، مشرکین مکہ نے آپ سے نبوت کی نشانی طلب کی، یہ واقعہ ایک چاندنی رات کا ہے، حق تعالیٰ نے یہ کھلا ہوا معجزہ دکھلادیا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو کر ایک مشرق کی طرف دوسرا مغرب کی طرف چلا گیا، اور دونوں ٹکڑوں کے درمیان میں پہاڑ چل نظر آنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب حاضرین سے فرمایا کہ دیکھو اور شہادت دو، جب سب لوگوں نے صاف طور پر یہ معجزہ دیکھ لیا تو یہ دونوں ٹکڑے پھر آپس میں مل گئے، اس کھلے ہوئے معجزہ کا انکار تو کسی آنکھوں والے سے ممکن نہ ہو سکتا تھا، مگر مشرکین کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سالے جہان پر جادو نہیں کر سکتے، اطراف ملک سے آنے والے لوگوں کا انتظار کروہ کیا کہتے ہیں، بیہقی اور ابوداؤد..... طیالسی کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعود سے ہے کہ بعد میں تمام اطراف سے آنے والے مسافروں سے ان لوگوں نے تحقیق کی تو سب ایسا ہی چاند کے دو ٹکڑے دیکھنے کا اعتراف کیا۔

بعض روایات میں ہے کہ یہ معجزہ شق القمر مکہ مکرمہ میں دو مرتبہ پیش آیا مگر روایات صحیحہ سے ایک ہی مرتبہ کا ثبوت ملتا ہے (بیان القرآن) اس معاملہ سے متعلق چند روایات حدیث یہ ہیں (جو تفسیر ابن کثیر سے لی گئی ہیں)

(۱) صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالکؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ

إِنَّ أَهْلَ مَكَّةَ سَأَلُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُرِيَهُمْ آيَةً فَأَرَاهُمُ الْقَمَرَ شَقِيْنِ حَتَّى رَأَوْا حِرَاءَ بَيْتِهِمْ بِخَارِ وَمُسْلِمٍ

یعنی اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اپنی نبوت کے لئے کوئی نشانی (معجزہ) دکھلائیں تو اللہ تعالیٰ ان کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھلا دیا، یہاں تک انھوں نے جبل حراء کو دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا،

(۲) صحیح بخاری و مسلم اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے:

إِنْشَقَّ الْقَمَرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَقِيْنِ حَتَّى نَظَرُوا إِلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْهَدُ وَأَشْهَدُ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں چاند شق ہوا اور دو ٹکڑے ہو گئے جس کو سب صاف طور سے دیکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ دیکھو اور شہادت دو

اور ابن جریر نے بھی اپنی سند سے اس حدیث کو نقل کیا ہے، اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ کُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتِي فَأَنْشَقَّ الْقَمَرُ فَأَخَذَتْ فِرْقَتُهُ خَلْفَ الْجَبَلِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْهَدُ وَأَشْهَدُ وَأَرَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ فَرَمَاتِهِ يَنْتَبِهُنَّ بَيْنَهُمْ بَيْنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْتُ سَاعَةٍ تَحْتَهُ، أَجَانِكُ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، اور ایک ٹکڑا پہاڑ کے پیچھے چلا گیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گواہی دو، گواہی دو

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی کی روایت سے ابو داؤد و طیالسی نے اور بیہقی نے یہ بھی نقل کیا ہے:

إِنْشَقَّ الْقَمَرُ بِمَكَّةَ حَتَّى صَارَ فِرْقَتَيْنِ فَقَالَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ أَهْلُ مَكَّةَ هَذَا سِحْرٌ سَحَرَكُمْ بِهِ ابْنُ أَبِي كَبْشَةَ أَنْظَرُوا السُّفَارَ فَإِنْ كَانُوا رَأَوْا مَا رَأَيْتُمْ فَقَدْ صَدَقَ وَإِنْ كَانُوا لَمْ يَرَوْا مِثْلَ مَا رَأَيْتُمْ فَهُوَ سِحْرٌ سَحَرَكُمْ بِهِ فَسُئِلَ السُّفَارُ قَالَ وَ قَدْ مَوَّأَ مِنْ كُلِّ جِهَةٍ فَقَالُوا رَأَيْنَا،

”مکہ مکرمہ (کے قیام کے زمانہ) میں چاند شق ہو کر دو ٹکڑے ہو گیا، کفار قریش کہنے لگے کہ یہ جادو ہے ابن ابی کبشہ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم پر جادو کر دیا ہے، اس لئے تم انتظار کرو، باہر سے آنے والے مسافروں کا، اگر انھوں نے بھی یہ دو ٹکڑے چاند کے دیکھے ہیں تو انھوں نے سچ کہا ہے اور اگر باہر کے لوگوں نے ایسا نہیں دیکھا تو پھر یہ بیشک جادو ہی ہوگا، پھر باہر سے

آنے والے مسافروں سے تحقیق کی جو ہر طرف سے آئے تھے، سب نے اعتراف کیا کہ ہم نے بھی یہ دیکھ کر دیکھے ہیں۔

شق القمر کے واقعہ پر اس پر ایک شبہ تو یونانی فلسفہ کے اصول کی بناء پر کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آسمان کچھ شبہات اور جواب اور سیارات میں خرق و التیام (یعنی شق ہونا اور جڑنا) ممکن نہیں، مگر یہ محض ان کا دعویٰ ہے اس پر جتنے دلائل پیش کئے گئے ہیں وہ سب لچر اور بے بنیاد ہیں، ان کا لغو و باطل ہونا متکالیبن اسلام نے بہت واضح کر دیا ہے، اور آج تک کسی عقلی دلیل سے شق قمر کا محال اور ناممکن ہونا ثابت نہیں ہو سکا، ہاں ناواقف عوام ہر مستبعد چیز کو ناممکن کہنے لگتے ہیں، مگر یہ ظاہر ہے کہ معجزہ تو نام ہی اس فعل کا ہے جو عام عادت کے خلاف اور عام لوگوں کی قدرت سے خارج حیرت انگیز و مستبعد ہو، ورنہ معمولی کام جو ہر وقت ہو سکے اُسے کون معجزہ کہے گا؟

دوسرا عامیانا شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ اگر ایسا عظیم الشان واقعہ پیش آیا ہوتا تو پوری دنیا کی تاریخوں میں اس کا ذکر ہوتا، مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ مکہ معظمہ میں رات کے وقت پیش آیا ہے، اُس وقت بہت سے ممالک میں تو دن ہو گا وہاں اس واقعہ کے نمایاں اور ظاہر ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا، اور بعض ممالک میں نصف شب اور آخر شب میں ہو گا، جس وقت عام دنیا سوتی ہے، اور جاگنے والے بھی تو ہر وقت چاند کو نہیں دیکھتے رہتے، زمین پر پھیلی ہوئی چاندنی میں اس کے دیکھ کر دیکھ کر ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا، جس کی وجہ سے کسی کو اس طرف توجہ ہوتی، پھر یہ تھوڑی دیر کا قصہ تھا، روزمرہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی ملک میں چاند گھٹن ہوتا ہے، اور آجکل تو پہلے سے اس کے اعلانات بھی ہو جاتے ہیں، اس کے باوجود ہزاروں لاکھوں آدمی اس سے بالکل بے خبر رہتے ہیں، ان کو کچھ پتہ نہیں چلتا، تو کیا اس کی یہ دلیل بنائی جاسکتی ہے کہ چاند گھٹن ہوا ہی نہیں، اس لئے دنیا کی عام تاریخوں میں مذکور نہ ہونے سے اس واقعہ کی تکذیب نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی مشہور و مستند تاریخ فرشتہ میں اس کا ذکر بھی موجود ہے کہ ہندوستان میں ہمارا جہ مالیکار نے یہ واقعہ بحشم خود دیکھا، اور اپنے روزنامہ میں لکھوایا، اور یہی واقعہ ان کے مسلمان ہونے کا سبب بنا، اور ابراہیم اور اذدطیالسی اور بیہقی کی روایات سے بھی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ خود مشرکین مکہ نے بھی باہر کے لوگوں سے اس کی تحقیق کی تھی اور مختلف اطراف کے آنے والوں نے یہ واقعہ دیکھنے کی تصدیق کی تھی، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

وَ اِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ، مستمر کے مشہور معنی جو فارسی اردو میں بھی معروف ہیں، وہ دیر تک اور دائم رہنے کے ہیں، مگر عربی زبان میں یہ لفظ مَرَّ اور اِسْتَمَرَّ کبھی گزر جانے اور ختم ہو جانے کے معنی میں بھی آتا ہے، ائمہ تفسیر میں سے مجاہد اور قتادہ نے اس جگہ یہی معنی بیان کئے ہیں، اس پر مطلب آیت کا یہ ہو گا کہ یہ جادو کا اثر ہے جو دیر تک نہیں چلا کر تا خود ہی گزر جائے گا اور ختم ہو جائے گا

اور ایک معنی مستمر کے قوی و شدید کے بھی آتے ہیں، ابوالعالیہ اور ضحاک نے اس آیت میں مستمر کی یہی تفسیر کی ہے اور مراد یہ ہوگی کہ یہ بڑا قوی جادو ہے۔

اہل مکہ جب اس مشاہدہ کی تکذیب نہ کر سکے تو اس کو جادو یا سخت جادو کہہ کر اپنے دلوں کو تسلی دینے لگے۔
وَكُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقَرٌّ، استقرار کے لغوی معنی قرار پکڑنے کے ہیں، مفہوم آیت کا یہ ہے کہ ہر کام اور ہر چیز اپنی غایت پر پہنچ کر آخر کار صاف ہو جاتی ہے، کسی جعل سازی سے جو پردہ حقیقت پر ڈالا جاتا ہے وہ انجام کار کھل کر رہتا ہے، اور حق کا حق اور باطل کا باطل ہونا واضح ہو جاتا ہے،

مُهَيِّطِينَ إِلَى النَّارِ، ہطیص کے لفظی معنی سر اٹھانے کے ہیں، معنی آیت کے یہ ہیں کہ بلا نیوالے کی آواز کی سمت میں دیکھتے ہوئے محشر کی طرف دوڑیں گے، اور اس سے پہلی آیت میں جَوْشِعَاءَ أَبْصَارُهُمْ آیا ہے جس کے معنی بن نگاہ اور سر جھکانے کے، ان دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ محشر کے موافق مختلف ہوں گے، کسی موقف میں ایسا بھی ہوگا کہ سب کے سر جھکے ہوئے ہوں گے۔

كَذَبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَلَمَّا بُوْعِدُوا قَالُوا أَجُنُونٌ ذُودُ جِرٍ ⑨

جھٹلا چکی ہے اُن سے پہلے قوم نوح کی قوم پھر جھوٹا کہا ہمارے بندہ کو اور بولے دیوانہ ہو اور جھڑک لیا اس کو

قَدْ عَارَبَهُ إِنِّي مُغْلُوبٌ فَاَنْتَصِرْ ⑩ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرٍ ⑪

پھر بھارا اپنے رب کو کہ میں عاجز ہو گیا ہوں تو بدلہ لے، پھر تم نے کھول دیئے دہانے آسمان کے پانی ٹوٹ کر برسوا لے کر

وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ⑫ وَحَمَلْنَاهُ

اور بہا دیئے زمین سے چشمے پھر مل گیا سب پانی ایک کام پر جو ٹھیر چکا تھا، اور ہم نے اس کو سوار کر دیا

عَلَى ذَاتِ الْوَاحِ وَدُسُرٍ ⑬ تَجَرَّتْ بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِّمَن كَانَ كُفِرٍ ⑭

ایک تختوں اور کیلوں والی ہر، بہتی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے بدلہ لیں کو اس کی طرف جس کی قدر نہ جانی تھی،

وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدِّكَ ⑮ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرٍ ⑯

اور اس کو ہم نے رہنے دیا نشانی کیلئے پھر کوئی ہر سوچنے والا، پھر کیسا تھا میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا،

وَلَقَدْ كَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مُّدِّكَ ⑰

اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر ہر کوئی سوچنے والا،

خلاصہ تفسیر

ان لوگوں سے پہلے قوم نوح نے تکذیب کی یعنی ہمارے بندہ (خاص نوح علیہ السلام) کی تکذیب کی اور

کہا کہ یہ مجنون ہیں اور (محض اس قول یہودہ ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ان سے ایک یہودہ فعل بھی سرزد ہوا یعنی) نوح (علیہ السلام) کو (ان کی طرف سے) دھکی (ر بھی) دی گئی (جس کا ذکر سورۃ شعراء میں ہو لیکن لم یؤمنوا لیسوا من المجرمین) تو نوح (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں (محض) در ماندہ ہوں (ان لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا) سو آپ (ان سے) انتقام لے لیجئے (یعنی ان کو ہلاک کر دیجئے، کقولہ تعالیٰ رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ وَتَارًا) پس ہم نے کثرت سے برسے والے پانی سے آسمان کے دروازے کھول دیئے، اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے پھر (آسمان اور زمین کا پانی اس کام کے (پورا ہونے کے) لئے مل گیا جو (علم الہی میں) تجویز ہو چکا تھا) مراد اس کام سے ہلاکت ہے کفار کی، یعنی دونوں پانی مل کر طوفان بڑھا، جس میں سب غرق ہو گئے، اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کو طوفان سے محفوظ رکھنے کے لئے (تختوں اور میخوں والی کشتی پر جو کہ ہماری نگرانی میں (پانی کی سطح پر) رواں تھی (مع مؤمنین کے) سوار کیا یہ سب کچھ اس شخص کا بدلہ لینے کے لئے کیا جس کی بے قدری کی گئی تھی (مراد نوح علیہ السلام ہیں اور چونکہ رسول اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں تلازم ہے، اس میں کفر باللہ بھی آگیا، پس یہ شبہ نہ رہا کہ یہ غرق کفر باللہ کے سبب نہ ہوا تھا) اور ہم نے اس واقعہ کو عبرت کے واسطے (حکایات اور تذکروں میں) رہنے دیا، سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے (مقصود اس سے ترغیب ہے تذکر کی) پھر (دیکھو) میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا ہوا (یعنی جس چیز سے ڈرانا واقع ہوا تھا وہ کیسا پورا ہو کر رہا تو اس ڈرانا کا حاصل بھی عذاب ہی ہو گیا، غرض عذاب الہی کے دو عنوان ہو گئے، ایک خود عذاب اور دوسرا وعدہ الہی کا پورا ہونا) اور ہم نے قرآن کو (جو کہ مشتمل ہے ایسے قصص مذکورہ پر) نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا (سب کے لئے عموماً بوجہ واضح ہونے بیان کے اور عرب کے لئے خصوصاً بوجہ عربی زبان کے) سو کیا (اس قرآن میں ایسے مضامین نصیحت کے دیکھ کر) کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے (یعنی کفار کہ کو بالخصوص ان قصص سے ڈر جانا چاہئے)۔

معارف و مسائل

مَجْنُونٌ ذَاذُجْرٌ، ذَاذُجْر کے لفظی معنی ہیں ڈانٹ دیا گیا (اس کا عطف لفظ قَاوُومٌ پر ہے اس لئے) مراد یہ ہے کہ ان لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو مجنون بھی کہا اور پھر ان کو ڈانٹ دھمکا کر تبلیغ رسالت سے روکنا بھی چاہا، جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے کہ ان لوگوں نے نوح علیہ السلام کو یہ دھکی دی کہ اگر آپ اپنی تبلیغ و دعوت سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو پتھر اڑ کر کے مار دیں گے۔

عبد بن حمید نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے بعض لوگ جب حضرت نوح کو کہیں پاتے تو بعض اوقات ان کا گلا گھونٹ دیتے تھے یہاں تک کہ وہ بیہوش ہو جاتے، پھر جب افاقہ ہوتا تو اللہ سے یہ دعا کرتے تھے کہ ”یا اللہ میری قوم کو معاف کر دے“ وہ حقیقت سے ناواقف ہیں، ساڑھے نو سو

سال قوم کی ایسی ایذاؤں کا جواب دعاؤں سے دے کر گزارنے کے بعد آخر میں عاجز ہو کر بددعا کی، جس کا ذکر اگلی آیت میں ہے، جس کے نتیجے میں یہ پوری قوم غرق کی گئی۔

فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ لَكُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الَّذِينَ هَارَوْا بِذُنُوبِهِمْ وَالْقَلِيلَ يَلْمِزُكَ لِقَائِهِمْ ذُنُوبُهُمْ وَأَسْفَاهُ لَمْ يُؤْمَرُوا بِالْحَرْبِ فَوَسَّوْا بَيْنَ يَدَيْهِمْ وَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ أُولَٰئِكَ لَئِيْلَ أَعْمَالٍ

اس انداز پر مل گئے جس سے اللہ تعالیٰ کا مقدر کیا ہوا فیصلہ کہ پوری قوم غرق ہو جائے نافذ ہو گیا کہ پہاڑوں کی چوٹیوں تک بھی کسی کو پناہ نہ ملی۔

ذَاتِ الْوَاجِہِ وَدُّسِیَّرِ، الواح لوح کی جمع ہے بمعنی تختی، اور دُسرُ ادسار کی جمع ہے، جن کے معنی میخ اور سمار کے بھی آتے ہیں، اور اس ڈورے یا تار کو بھی کہا جاتا ہے جس سے کشتی کے تختے جوڑے جاتے ہیں۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ، فَهَلْ مِنْ مُدْرِكٍ، لِلذِّكْرِ، ذَكَرَ كَيْفَ مَعْنَى يَادُ كَرْنِ اِدْر حَفْظ كَرْنِ
کے بھی آتے ہیں اور کسی کلام سے نصیحت و عبرت حاصل کرنے کے بھی، یہ دونوں معنی یہاں مراد ہو سکتے ہیں، کہ
حق تعالیٰ نے قرآن کریم کو حفظ کرنے کے لئے آسان کر دیا، یہ بات اس پہلے کسی کتاب کو حاصل نہیں ہوئی کہ
پوری کتاب تو رات یا انجیل یا زبور لوگوں کو بزرباں یا دہو، اور یہ حق تعالیٰ ہی کی تیسیر اور آسانی کا اثر ہے کہ مسلمانوں
کے چھوٹے چھوٹے بچے پورے قرآن کو ایسا حفظ کر لیتے ہیں کہ ایک زیر زبر کا فرق نہیں آتا، چودہ سو برس سے ہر زمانہ
ہر طبقہ ہر خطے میں ہزاروں لاکھوں حافظوں کے سینوں میں یہ اللہ کی کتاب محفوظ ہے۔

اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ قرآن کریم نے اپنے مضامین عبرت و نصیحت کو ایسا آسان کر کے بیان کیا کہ جس طرح بڑے سے بڑا عالم و ماہر فلسفی اور حکیم اس سے فائدہ اٹھاتا ہے، اسی طرح ہر عامی جاہل جس کو علوم سے کوئی مناسبت نہ ہو وہ بھی عبرت و نصیحت کے مضامین قرآنی کو سمجھ کر اس سے متاثر ہوتا ہے۔

حفظ کرنے اور نصیحت حاصل کرنے کیلئے قرآن کو آسان کیا گیا ہے نہ کہ اجہٹا اور استنباط احکام کیلئے۔ اس آیت میں یسّرنا کے ساتھ للذکر کی قید لگا کر یہ بھی بتلادیا گیا ہے کہ قرآن کو حفظ کرنے اور اس کے مضامین سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی حد تک اس کو آسان کر دیا گیا ہے، جس سے ہر عالم و جاہل، چھوٹا اور بڑا یکساں فائدہ اٹھا سکتا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن کریم سے مسائل اور احکام کا استنباط بھی ایسا ہی آسان ہو، وہ اپنی جگہ ایک مستقل اور مشکل فن ہے جس میں عمریں صرف کرنے والے علماء و اسخین کو ہی حصہ ملتا ہے ہر ایک کا وہ میدان نہیں۔

اس سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو قرآن کریم کے اس جملے کا سہارا لے کر قرآن کی مکمل تعلیم اس کے اصول و قواعد سے حاصل کئے بغیر مجتہد بننا اور اپنی رائے احکام و مسائل کا استخراج کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کھلی گمراہی کا راستہ ہے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنَذِيرِ ۝۱۸ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا

جھٹلایا عاد نے پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا، ہم نے بھیجی ان پر ہوا تشد ایک

فِي يَوْمٍ تَحِثُّ مُمْسِرًا ۝۱۹ تَنْزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُنْقَعِرٍ ۝۲۰ فَكَيْفَ

خوست کے دن جو چلے گئے، اکھاڑ مارا لوگوں کو گویا وہ جڑیں ہیں کھجور کی اکھڑی پڑی، پھر کیسا رہا

كَانَ عَذَابِي وَنَذِيرِ ۝۲۱ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلَّذِي كَرِهَ ۝۲۲

میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا، اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا،

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ۝۲۳ فَقَالُوا أَبَشَرًا مِّثْلَنَا وَاحِدًا اتَّبَعَهُ ۝۲۴ إِنَّا إِذَا

جھٹلایا ثمود نے ڈر سنانے والوں کو، پھر کہنے لگے کیا ایک آدمی ہم میں کا اکیلا ہم اس کے کہے پر چلیں گے تو تو ہم

لَفِيَ ضَلَلٍ وَسُعُرٍ ۝۲۵ أَلَفِيَ الَّذِي كَرِهَ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ

غلطی میں پڑی اور سودا میں، کیا اُتری اسی پر نصیحت ہم سب میں سے کوئی نہیں یہ جھوٹا ہے،

أَشِرُّ ۝۲۶ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مِنَ الْكَذَّابِ الْآشِرُ ۝۲۷ إِنَّا مَرْسِلُوا النَّاقَةَ

بڑائی مارتا ہی، اب جان لیں گے کل کو کون ہی جھوٹا بڑائی مارنے والا، ہم بھیجتے ہیں اونٹنی ان کے

فِتْنَةً لَهُمْ فَإِذَا رَقِبَهُمْ وَأَصْطَبِرُوا ۝۲۸ وَنَبِّئُهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ

جانبی کے واسطے سو انتظار کر ان کا اور سہتارہ، اور سنا دے ان کو کہ پانی کا بانٹا ہی ان میں

كُلُّ شَيْءٍ بِمُخْتَصَرٍ ۝۲۹ فَنَادُوا وَاصْبِرْ لَهُمْ فِتْنًا فَعَقَرُوا ۝۳۰ فَكَيْفَ كَانَ

ہر باری پر پہنچنا چاہئے، پھر پکارا انھوں نے اپنے رفیق کو پھر ہاتھ چلایا اور کاٹ ڈالا، پھر کیسا ہوا

عَذَابِي وَنَذِيرِ ۝۳۱ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَالْهَشِيمِ

میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا، ہم نے بھیجی ان پر ایک چنگھاڑ پھر رہ گئے جیسے روندی ہوئی باڑ

الْمُحْتَظِرِ ۝۳۲ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلَّذِي كَرِهَ ۝۳۳

کانٹوں کی، اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا، جھٹلایا لوط

قَوْمٌ لُوطٍ بِالنُّذُرِ ۝۳۴ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ نَجَّيْنَاهُمْ

کی قوم نے ڈر سنا نواں کو، ہم نے بھیجی ان پر آندھی پھر برسا نیوالی سوائے لوط کے گھر کے انکو ہم نے بچا دیا

بِسْحَرٍ ۳۳ نَعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا كَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ شَكَرَ ۳۵ وَلَقَدْ

بچھلی رات سے، فضل سے اپنی طرف کے ہم یوں بدلہ دیتے ہیں اس کو جو حق مانے، اور وہ ڈرا چکا تھا

أَنذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ۳۶ وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَنْ ضَيْفِهِ

ان کو ہماری پکڑ سے پھر لگے مکرانے ڈرانے کو، اور اس سے لینے لگے اس کے ہمانوں کو پس

فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابِنَا وَنَذُرِ ۳۷ وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً

ہم نے مٹا دیں ان کی آنکھیں اب چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا، اور پڑا ان پر صبح کو سویرے

عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۳۸ فَذُوقُوا عَذَابِنَا وَنَذُرِ ۳۹ وَلَقَدْ كَسَرْنَا الْقُرْآنَ

عذاب جو ٹھیک چکا تھا، اب چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا، اور ہم نے آسان کر دیا قرآن

لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مِّمَّا كَرِهُوا ۴۰ وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۴۱

سجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا، اور پیچھے فرعون والوں کے پاس ڈرانے والے،

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ۴۲ فَآخَذْنَاهُمْ أَخْذَ عَزِيزٍ مُّقْتَدِرٍ ۴۳

جھٹلایا انھوں نے ہماری نشانیوں کو سب کو پھر پکڑا ہم نے ان کو پکڑنا زبردست کا قابو میں لے کر،

خلاصہ تفسیر

عاد نے (بھی اپنے پیغمبر کی تکذیب کی سو) اس کا قصہ سنو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا،
(اور وہ قصہ یہ ہے کہ) ہم نے ان پر ایک سخت ہوا بھیجی ایک مسلسل نحوست کے دن میں (یعنی وہ زمانہ ان کے حق
میں ہمیشہ کے لئے اس لئے منحوس رہا کہ اس روز جو عذاب آیا وہ عذاب برزخ سے متصل ہو گیا، پھر عذاب آخرت
اس سے متصل ہو گیا، جو ان سے کبھی منقطع نہ ہو گا اور) وہ ہوا لوگوں کو اس طرح (ان کی جگہ سے) اکھاڑ اکھاڑ کر
پھینکتی تھی کہ گویا وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تھے ہیں (اس تشبیہ میں علاوہ ان کے پھینکے جانے کے اشارہ
ان کے طول قامت کی طرف بھی ہے) سو (دیکھو) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا (ہولناک) ہوا اور ہم نے
قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے، ثمود نے
(بھی) پیغمبروں کی تکذیب کی (کیونکہ ایک پیغمبر کی تکذیب مستلزم ہے سب پیغمبروں کی تکذیب کو) اور
کہنے لگے کیا ہم ایسے شخص کا اتباع کریں گے جو ہماری جنس کا آدمی ہے، اور (حشم و خدم سے) اکیلا ہو
(یعنی یا تو فرشتہ ہوتا تو ہم دین میں اتباع کرتے، یا صاحب خدم و حشم ہوتا تو دنیوی امور میں اتباع کرتے)

جبکہ بشر ہو اور وہ بھی اکیلا، نہ تو اتباع فی الدنیا کو کوئی امر مقتضی ہے نہ اتباع فی الدین کو اور اگر ہم اس حالت میں اتباع کریں، تو اس صورت میں ہم بڑی غلطی اور (بلکہ) جنون میں پڑ جائیں کیا ہم سب میں سے (م منتخب ہو کر) اسی (شخص) پر وحی نازل ہوئی ہے (ہرگز ایسا نہیں) بلکہ یہ بڑا جھوٹا اور شیخی باز ہے (شیخی یعنی تکبر کے مارے ایسی باتیں بڑائی کی کرتا ہے کہ لوگ مجھ کو سردار قرار دے لیں، حق تعالیٰ نے صالح علیہ السلام سے فرمایا کہ تم ان کے بکنے پر بیخ مت کرو) اُن کو عنقریب (مرتے ہی) معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا شیخی باز کون تھا (یعنی یہی لوگ تھے کہ انکار نبوت میں کاذب تھے، اور اتباع نبی سے بوجہ شیخی کے عار کرتے تھے، اور یہ لوگ جو اونٹنی کا معجزہ طلب کرتے تھے تو) ہم (ان کی درخواست کے موافق پتھر میں سے) اونٹنی کو نکالنے والے ہیں، اُن کی آزمائش (ایمان) کے لئے سوان (کی حرکتوں) کو دیکھتے بھالتے رہنا اور صبر سے بیٹھے رہنا اور ان لوگوں کو (جب اونٹنی پیدا ہو تو) یہ ہنسا دینا کہ پانی (کنوئیں کا) بانٹ دیا گیا ہے، (یعنی تمھارے مواشی اور اونٹنی کی باری مقرر ہو گئی ہے) ہر ایک باری پر باری والا حاضر ہوا کرے (یعنی اونٹنی اپنی باری میں پانی پیوے اور مواشی اپنی باری میں، چنانچہ اونٹنی پیدا ہوئی، اور صالح علیہ السلام نے اسی طرح فرمادیا، سو اس باری سے وہ لوگ تنگ آ گئے اور) انھوں نے (اس کے قتل کرنے کی غرض سے) اپنے رفیق (قدار) کو بلایا سو اس نے (اونٹنی پر) وار کیا اور (اس کو) مار ڈالا سو (دیکھو) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا (جس کا بیان آگے آتا ہے وہ یہ کہ) ہم نے ان پر ایک ہی نعرہ (فرشتہ کا) مسلط کیا سو وہ (اس سے) ایسے ہو گئے جیسے کانٹوں کی باڑ لگانے والے (کی باڑ) کا چورا (یعنی کھیت یا مواشی وغیرہ کی حفاظت کے لئے جیسے کانٹوں وغیرہ کی باڑ لگا دیتے ہیں اور چند روز بعد سب چورا چورا ہو جاتا ہے اسی طرح وہ ہلاک و تباہ ہو گئے، عرب کے لوگ اس مشبہ بہ کو یعنی کھیت کے گرد کی باڑ کو شب دروز دیکھتے تھے تو وہ اس تشبیہ کو خوب سمجھتے تھے) اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا سو سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے قوم لوط نے (بھی) پیغمبروں کی تکذیب کی (کیونکہ ایک نبی کی تکذیب مستلزم ہر سب کی تکذیب کو) ہم نے اُن پر پتھروں کا میخہ برسایا بجز متعلقین لوط (علیہ السلام) کے (یعنی بجز مؤمنین کے) کہ ان کو اخیر شب میں (بستی سے باہر کر کے عذاب سے) بچا لیا اپنی جانب سے فضل کر کے جو شکر کرتا ہے (یعنی ایمان لاتا ہے) ہم اس کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (کہ قر سے بچا لیتے ہیں) اور (قبل عذاب آنے کے) لوط (علیہ السلام) نے اُن کو ہماری دار و گیر سے ڈرایا تھا، سو انھوں نے اس ڈرانے میں جھگڑی پیدا کئے (یعنی یقین نہ لائے) اور جب لوط علیہ السلام کے پاس ہمارے فرشتے (بشکل جہان آئے اور ان لوگوں کو حسین لڑکوں کا آنا معلوم ہوا تو یہاں آ کر) ان لوگوں نے لوط (علیہ السلام) سے ان کے جہانوں کو بُری نیت سے لینا چاہا (جس سے لوط علیہ السلام اڈل گھبراتے مگر وہ فرشتے تھے) سو ہم نے (ان فرشتوں کو حکم دے کر) ان کی آنکھیں چھپ کر دیں (یعنی جبرئیل علیہ السلام نے اپنے پران کی آنکھوں پر پھیر دیئے جس سے اندھے بھٹ ہو گئے، کذا فی الدر عن قتادة اور بزبان قال یا حال اُن سے کہا گیا کہ) لو میرے عذاب اور ڈرانے

کامزہ چکھو (پہلے تو یہ واقعہ طس یعنی اندھے کرنے کا پیش آیا) اور (پھر) صبح سویرے ہی ان پر دائمی عذاب آپہونچا اور ارشاد ہوا کہ لو میرے ڈرانے اور عذاب کامزہ چکھو (پہلی جگہ پہلے اندھے ہونے کے عذاب پر کہا گیا تھا یہاں ہلاکت کے عذاب پر ہے، اس لئے کوئی تکرار نہیں) اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے اور (فرعون اور) فرعون والوں کے پاس بھی ڈرانے کی بہت سی چیزیں پہونچیں (مراد موسیٰ علیہ السلام کے ارشادات اور معجزات ہیں کہ ارشادات سے تشرعی طور پر اور معجزات سے تکوینی طور پر ان کو ڈرایا گیا مگر) ان لوگوں نے ہماری تمام (ان) نشانیوں (کو جو ان کے پاس آتی تھیں وہ آیات تسعہ (نو آیتیں) مشہور ہیں) جھٹلایا یعنی ان کے مدلول و مقتضا تو حیدر الہی اور نبوت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا، ورنہ واقعات کے وقوع کی تکذیب تو ہونہیں سکتی، سو ہم نے ان کو زبردست صاحب قدرت کا پکڑنا پکڑا (یعنی جب ہم نے ان کو قہر اور غلبہ سے پکڑا تو اس پکڑ کو کوئی دفع نہیں کر سکا، پس عزیز مقتدر سے مراد اللہ تعالیٰ ہے)۔

معارف و مسائل

بعض لغات کی تشریح | سَعْرَ یہ لفظ آیات مذکورہ میں دو جگہ آیا ہے، اول قوم ثمود کے ذکر میں ان کا اپنا قول ہے اس میں سَعْر کا لفظ جنون کے معنی میں آیا ہے، دوسری جگہ یہی لفظ آگے آنے والی آیات میں حق تعالیٰ کی طرف سے عذاب مجرمین کے ذکر میں آیا ہے رَفِیْ ضَلٰلٍ وَّ سَعْرٍ، یہاں سَعْر کے معنی جہنم کی آگ کے ہیں، حسب تصریح اہل لغت لفظ سَعْر ان دونوں معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفٍہ۔ مراد دت کے معنی کسی کو اپنی نفسانی شہوت پورا کرنے کے لئے بہلانا پھسلانا ہے، مراد یہ ہے کہ قوم لوط علیہ السلام چونکہ اپنی خجاست سے لڑکوں کے ساتھ بد فعلی کے خوگر تھے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے امتحان ہی کے لئے فرشتوں کو حسین امر و لڑکوں کی صورت میں بھیجا تھا، یہ شیاطین ان کو اپنی خواہش کا نشانہ بنانے کے لئے لوط علیہ السلام کے مکان پر چڑھ آئے، لوط علیہ السلام نے دروازہ بند کر لیا تو یہ دروازہ توڑ کر یا اوپر سے پھلانگت اندر آنے لگے، حضرت لوط علیہ السلام پر لیٹان ہوئے تو اس وقت فرشتوں نے اپنا راز ظاہر کیا کہ آپ کچھ فکر نہ کریں، یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے، ہم اللہ کے فرشتے ان کو عذاب دینے ہی کے لئے آئے ہیں۔

سورہ قمر کو قرب قیامت کے ذکر سے شروع کیا گیا، تاکہ کفار و مشرکین جو دنیا کی ہوا و ہوس میں مبتلا اور آخرت سے غافل ہیں وہ ہوش میں آئیں، پہلے قیامت کے عذاب کا بیان کیا گیا، اس کے بعد دنیا میں بھی ان کے انجام بد کو بتلانے کے لئے پانچ مشہور عالم اقوام کے حالات اور انبیاء علیہم السلام کی مخالفت پر ان کے انجام بد اور دنیا میں بھی طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہونا بیان کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے قوم نوح علیہ السلام کا ذکر کیا گیا، کیونکہ یہی سب سے پہلی دنیا کی قوم ہے جو عذاب الہی

میں پکڑی گئی، یہ قصہ سابقہ آیات میں آچکا ہے، مذکورہ آیات میں چار اقوام کا ذکر ہے، عاد، ثمود، قوم لوط، قوم فرعون، ان کے واقعات اور مفصل قصے قرآن کریم کے متعذر مقامات میں بیان ہوئے ہیں، یہاں ان کا اجمالی ذکر ہے۔

یہ پانچوں اقوام دنیا کی قوی ترین اور قابو یافتہ قومیں تھیں، جن کو کسی طاقت سے رام کرنا کسی کے لئے آسان نہ تھا، آیات مذکورہ میں ان پر اللہ کا عذاب آنا دکھلایا گیا، اور ہر ایک قوم کے انجام پر قرآن کریم نے ایک جملہ ارشاد فرمایا (فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَذُنُورِي) یعنی اتنی بڑی قوی اور بھاری تعداد والی قوم پر جب اللہ کا عذاب آیا تو دیکھو کہ وہ کس طرح اس عذاب کے سامنے مکھیوں، مچھروں کی طرح مارے گئے، اور اس کے ساتھ ہی مؤمنین و کفار کی عام نصیحت کے لئے اس جملے کو بار بار دہرایا گیا، وَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلَّذِي تُوْفِّلُ مِنْ مِّدْكِرٍ یعنی اللہ کے اس عذاب عظیم سے بچنے کا راستہ قرآن ہے، اور قرآن کو نصیحت و عبرت حاصل کرنے کی حد تک ہم نے بہت آسان کر دیا ہے، بڑا بد نصیب اور محروم ہے جو اس سے فائدہ نہ اٹھائے، آگے آنے والی آیات میں زمانہ نبوت کے موجودین کو خطاب کر کے یہ بتلایا گیا ہے کہ اس زمانے کے منکرین و کفار دولت و ثروت، تعداد، طاقت و قوت میں عاد و ثمود اور قوم فرعون وغیرہ سے کچھ زیادہ نہیں ہیں، پھر یہ کیسے بے فکر بیٹھے ہیں۔

أَكْفَارُكُمْ خَيْرٌ مِنْ أُولَئِكَ أَمْ لَكُمْ بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ۝۳۳ (۳۳) أَمْ يَقُولُونَ

اب تم میں جو منکر ہیں کیا یہ بہتر ہیں ان سب کے یا تمھارے لو فارغ خطی لکھ دی گئی درقوں میں، کیا کہتے ہیں

نَحْنُ جَمِيعٌ مُنتَصِرُونَ ۝۳۴ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝۳۵ بَلِ السَّاعَةُ

ہم سب کا مجمع ہی بدلہ لینے والا، اب شکست کھائے گا یہ مجمع اور بھاگے گا بیٹھ پھیر کر، بلکہ قیامت ہے

مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَذْهَىٰ وَأَمَرٌ ۝۳۶ إِنَّ السَّجِرَ مَبِينٌ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ۝۳۷

ان کے وعدہ کا وقت اور وہ گھڑی بڑی آفت ہے اور بہت کڑی، جو لوگ گنہگار ہیں غلطی میں پڑے ہیں اور سودا میں،

يَوْمَ يَسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ۝۳۸ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ

جس دن ٹھیسے جائیں گے آگ میں اوندھے منہ، چھوڑ دے آگ کا، ہم نے ہر چیز بنائی

خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ۝۳۹ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ۝۴۰ وَلَقَدْ

پہلے ٹھیرا کر، اور ہمارا کام تو یہی ایک دم کی بات ہے جیسے ایک نگاہ کی، اور ہم

أَهْلَكْنَا أَشْيَاءَكُمْ فَهَلْ مِنْ مَّدَكِرٍ ۝۴۱ وَكُلُّ شَيْءٍ عَفْلًا فِي الزُّبُرِ ۝۴۲

برباد کر چکے ہیں تمھارے ساتھ والوں کو، پھر ہر کوئی سوچنے والا، اور جو چیز انھوں نے کی ہے لکھی گئی درقوں میں

وَكُلُّ صَغِيرٍ كَبِيرٌ مُّسْتَطَرٌّ ۝۵۳ إِنَّ السَّاقِیْنَ فِی جَنَّتِ وَتَهَرَّ ۝۵۴ فِی مَقْعَدِ

اور ہر چھوٹا اور بڑا لکھا جا چکا : جو لوگ دُنیوالے ہیں یا غول میں ہیں اور نہروں میں ، بیٹھے سچی بیٹھک

صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكَ مُقْتَدِرٍ ۝۵۵

میں نزدیک بادشاہ کے جس کا سب پر قبضہ ہے

خلاصہ تفسیر

یہ کفار کے قصے اور کفر کی وجہ سے ان پر عذاب ہونے کے واقعات تو تم نے سُن لئے اب جبکہ تم بھلی سی جرم کفر کے مرتکب ہو تو تمہارے عذاب سے بچنے کی کوئی وجہ نہیں، کیا تم میں جو کافر ہیں ان میں ان (مذکورہ پچھلے) لوگوں سے کچھ فضیلت ہے (جس کی وجہ سے تم باوجود ارتکاب جرم کے سزا یافتہ نہ ہو) یا تمہارے لئے (آسمانی) کتابوں میں کوئی معافی (نامہ لکھ دیا) ہے (گو کوئی خاص فضیلت نہ ہو) یا ان میں کوئی ایسی قوت ہے جو ان کو عذاب سے بچالے جیسا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری ایسی جماعت ہے جو غالب ہی رہیں گے (اور جب کہ ان کے مغلوب ہونے کے دلائل واضح موجود ہیں اور خود بھی اپنی مغلوبیت کا اُن کو یقین ہے تو پھر ایسی بات کہنا اس کو مستلزم ہے کہ ان میں کوئی ایسی قوت ہے جو عذاب کو روک سکتی ہے، یہ تین احتمال ہیں عذاب سے بچنے کے بتاؤ کہ ان میں سے کونسی صورت واقع میں ہے، پہلے دو احتمالوں کا بطلان تو ظاہر و باہر ہے، رہا تیسرا احتمال سو اسبابِ عادیہ کے اعتبار سے کوئی نفع ممکن ہے مگر بدلائل دلائل وقوع اس کا نہ ہوگا، بلکہ اس کے عکس کا وقوع ہوگا، جس سے اُن کا کذب ظاہر ہو جائے گا اور وہ عکس کا وقوع اس طرح ہوگا کہ) عنقریب (ان کی) یہ جماعت شکست کھادے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے (اور یہ پیشینگوئی بدو احزاب وغیرہ میں واقع ہوئی، اور یہی نہیں کہ اس دنیوی عذاب پر بس ہو کر رہ جاوے گا) بلکہ (عذابِ ابر) قیامت (میں ہوگا کہ) ان کا (اصل) وعدہ (وہی) ہے اور قیامت (کو کوئی ہلکی چیز نہ سمجھو بلکہ وہ) بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے (اور یہ موعود اذھی و امر ضرور واقع ہونے والا ہے اور اس کے وقوع کے انکار میں) یہ مجرمین (یعنی کفار) بڑی غلطی اور بے عقلی میں (پڑے ہیں) اور وہ غلطی ان کو عنقریب جب علم الیقین مبتدل بہ عین الیقین ہوگا ظاہر ہو جاوے گی، اور وہ اس طرح ہوگا کہ) جس روز یہ لوگ اپنی مونہوں کے بل جہنم میں گھسیٹے جاویں گے تو ان سے کہا جاوے گا کہ دوزخ (کی آگ) کے لگنے کا مزہ چکھو (اور اگر ان کو اس سے شبہ ہو کہ قیامت ابھی کیوں نہیں واقع ہوتی تو وجہ اس کی یہ ہے کہ) ہم نے ہر چیز کو باعتبار زمان وغیرہ کے ایک خاص انداز سے پیدا کیا ہے (جو ہمارے علم میں ہے) یعنی زمانہ وغیرہ اس کا اپنے علم میں معین و مقدر کیا ہے، اسی طرح قیامت کے وقوع کے لئے بھی ایک وقت معین ہے، پس اس کا عدم وقوع فی الحال بوجہ اس کے وقت نہ آنے کے ہے، یہ دھوکہ نہ کھانا چاہئے کہ قیامت کا وقوع ہی نہ ہوگا) اور (جب اس کا وقت آجائے گا تو اس وقت)

ہمارا حکم (اس وقوع کے متعلق) بس ایسا بھاری ہو جائیگا جیسے آنکھ کا جھپکا نا (غرض وقوع کی نفی تو باطل ٹھہری) اور (اگر تم کو یہ شبہ ہو کہ ہمارا طریقہ اللہ کے نزدیک ناپسند اور مبغوض نہیں ہے تو اگر قیامت کا وقوع بھی ہو تب بھی ہم کو کوئی فکر نہیں تو اس باب میں سن رکھو کہ) ہم تمھارے ہم طریقہ لوگوں کو (اپنے عذاب سے) ہلاک کر چکے ہیں (جو دلیل ہے اس طریقہ کی مبغوض ہونے کی اور وہی تمھارا طریقہ ہے اس لئے مبغوض ہے اور یہ دلیل ہدایت واضح ہے) سو کیا (اس دلیل سے) کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے اور یہ بھی نہیں ہے کہ اُن کے اعمالِ عظیم الٰہی سے تائب رہ جاویں جس کی وجہ سے اللہ کے نزدیک ان کے طریقہ کے مبغوض ہونے کے باوجود سزا سے بچ جانے کا احتمال ہو بلکہ (جو کچھ بھی یہ لوگ کرتے ہیں سب (حق تعالیٰ کو معلوم ہے) اعمالِ ناموں میں (بھی مندرج) ہے اور (یہ نہیں کہ کچھ لکھ لیا گیا ہو کچھ رہ گیا ہو بلکہ) ہر چھوٹی اور بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے (پس وقوعِ عذاب میں کوئی شبہ نہ رہا یہ تو کفار کا حال ہوا اور جو) پرہیزگار لوگ (پس وہ بہشت کے) باغوں میں اور نہروں میں ہوں گے، ایک عمرہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس (یعنی جنت کے ساتھ قرب حق تعالیٰ بھی ہوگا)۔

معارف و مسائل

بعض لغات کی تشریح | زُبُرِ زبور کی جمع ہے، لغت میں ہر لکھی ہوئی کتاب کو زبور کہتے ہیں، اور اس خاص کتاب کا نام بھی زبور ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔

اَذْهَىٰ وَآمَرَ، اَذْهَىٰ کے معنی زیادہ ہیبت ناک اور اَمَرَ مُرْسے مانو ہے، جس کے اصلی معنی کڑوے کے ہیں، اور ہر سخت اور تکلیف دہ چیز کو بھی مُرّ اور اَمَرَ کہہ دیا جاتا ہے، فِي ضَلَالٍ وَّسُعْيٍ، ضلال کے معنی معرّض ہیں مگر اسی، اور سُعْي کے معنی اس جگہ جہنم کی آگ کے ہیں، اَشْيَاءَ عَمَّكَ، اشیاء شیعہ کی جمع ہے، جس کے معنی تبع اور پیروکار کے ہیں، مراد وہ لوگ ہیں جو عمل میں اُن کے تبع یا مثل ہیں، مَقْعَدٍ صِدْقٍ، مقعد کے معنی مجلس اور مقام کے ہیں، اور صدق بمعنی حق ہے، مراد یہ ہے کہ یہ مجلس حق ہوگی جس میں کوئی لغو و بیہودہ بات نہ ہوگی۔

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ، قدر کے لغوی معنی اندازہ کرنے اور کسی چیز کو حکمت و مصلحت کے مطابق اندازے سے بنانے کے ہیں، اس آیت میں یہ لغوی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ حق تعالیٰ جل شانہ نے عالم کی تمام مخلوقات کو اور اس کی ہر نوع و صنف کو ایک حکیمانہ اندازہ سے بڑا چھوٹا اور مختلف ہیئت و صورت میں بنایا ہے، پھر ہر نوع و صنف کے ہر فرد کی تخلیق میں بھی حکیمانہ انداز بڑی حکمت کے ساتھ رکھا ہے، انکلیاں سب یکساں نہیں بنائیں، طول میں فرق رکھا، ہاتھوں پاؤں کے طول و عرض اور اُن کے کھلنے بند ہونے سمٹنے اور پھیلنے کے لئے اسپرنگ لگائے، ایک ایک عضو کے ایک ایک مجزہ کو دیکھو تو قدرت و حکمتِ خداوندی کے عجیب و غریب دروازے کھلتے نظر آنے لگیں۔

اور اصطلاح شرع میں لفظ قدر بمعنی تقدیر الٰہی بھی استعمال ہوتا ہے، اور اکثر ائمہ تفسیر نے بعض

روایات حدیث کی بنا پر اس آیت میں قدر سے تقدیر الہی مراد لی ہے۔

مسند احمد، مسلم، ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ مشرکین قریش ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ تقدیر کے متعلق مخاصمت کرنے لگے، تو اس پر یہ آیت قرآن نازل ہوئی، اس معنی کے اعتبار سے مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ ہم نے تمام عالم کی ایک ایک چیز کو اپنی تقدیر ازل کے مطابق بنایا ہے، یعنی ازل میں پیدا ہونے والی چیز اور اس کی مقدار زمانہ و مکان اور اس کے بڑھنے گھٹنے کا پیمانہ عالم کے پیدا ہونے سے پہلے ہی لکھ دیا گیا تھا جو کچھ عالم میں پیدا ہوتا ہے وہ اسی تقدیر ازل کے مطابق ہوتا ہے۔

تقدیر کا یہ مسئلہ اسلام کا قطعی عقیدہ ہے اس کا منکر کافر اور جو فرقے بتاویل انکار کرتے ہیں وہ فاسق ہیں امام احمد ابوداؤد، طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر امت میں کچھ لوگ مجوسی ہوتے ہیں، اس امت محمدیہ کے مجوسی وہ لوگ ہیں جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں ایسے لوگ بیمار پڑیں تو ان کی بیمار پرسی کو نہ جاؤ اور مرجائیں تو ان کے کفن دفن میں شریک نہ ہو، (از روح المعانی) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

تَسْمِیۃ

بِعَوْنِ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَبِحَمْدِهِ سُوْرَةُ الْقَمَرِ
یَوْمَ الثَّلَاثَاءِ لِیَسْتَبِیْ مِنَ الرَّیْبِ الثَّانِیِ ۱۳۹
وَيَتْلُوْهَا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ؛

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ الرَّحْمَنِ

سُورَةُ الرَّحْمَنِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَسَبْعُونَ آيَةً وَثَلَاثٌ وَكُودَايَاتٌ

سورۃ رحمن مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی اہمتر آیتیں ہیں اور تین رکوع ،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بحد ہر بان نہایت رحم والا ہے ،

الرَّحْمَنِ ۱ ۱ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۲ خَلَقَ الْإِنْسَانَ ۳ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۴

رحمن نے ، سکھایا قرآن ، بنایا آدمی ، پھر سکھایا اس کو بات کرنا ،

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۵ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۶ وَالسَّمَاءُ

سورج اور چاند کے لئے ایک حساب ہے ، اور جھاڑ اور درخت مشغول ہیں سجدہ میں ، اور آسمان کو

رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۷ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۸ وَأَقِيمُوا

اونچا کیا اور رکھی ترازو ، کہ زیادتی نہ کرو ترازو میں ، اور سیدھی ترازو

الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۹ وَالْأَرْضُ وَضَعَهَا

تو اوصاف سے اور مدت گھٹاؤ تول کو ، اور زمین کو بچھایا واسطے

لِلْأَنَامِ ۱۰ فِيهَا قَاكِمَةٌ ۱۱ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ۱۲ وَالْحَبُّ

خلق کے ، اس میں میوہ ہے اور کھجوریں جن کے میوہ پر غلاف ، اور اس میں اناج ہے

ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۱۳ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۱۴ خَلَقَ

جس کے ساتھ بھس ہو اور پھول خوشبودار ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں ، بنایا

الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝۱۳ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ

آدمی کو گھٹکھناتی مٹی سے جیسے ٹھیکرا ، اور بنایا جن کو آگ کی لپٹ

نَارٍ ۝۱۵ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝۱۶ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ

سے ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں ، مالک دو مشرقوں کا اور مالک

الْمَغْرِبَيْنِ ۝۱۷ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝۱۸ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ۝۱۹

دو مغربوں کا ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، چلائے دو دریا مل کر چلنے والے ،

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ ۝۲۰ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝۲۱ يُخْرِجُ مِنْهُمَا

ان دونوں میں ہر ایک پردہ جو ایک دوسرے پر زیادتی نہ کری ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، نکلتا ہے ان دونوں سے

الدُّلُوءُ وَالْمَرْجَانُ ۝۲۲ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝۲۳ وَلَهُ الْجَوَارِ

موتی اور مونگا ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، اور اسی کے ہیں جہاز

الْمُنَشَّئَاتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝۲۴ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝۲۵

اوپر کھڑے دریائیں جیسے پہاڑ ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ،

رابطہ سورت اور جملہ اس سے پہلی سورت القمر میں زیادہ تر مضامین سرکش قوموں پر عذاب الہی آنے کے متعلق تھے
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا کے اس لئے ہر ایک عذاب کے بعد لوگوں کو متنبہ کرنے کے لئے ایک خاص جملہ بار بار استعمال
تکرار کی حکمت فرمایا ہے ، یعنی فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَفُؤْدِي اور اس کے متصل ایمان و اطاعت کی ترغیب
کے لئے دوسرا جملہ وَلَقَدْ يَسْرْنَا الْفُرُاقَ ان بار بار لایا گیا ہے۔

سورۃ الرحمن میں اس کے مقابل بیشتر مضامین حق تعالیٰ کی دنیوی اور آخری نعمتوں کے بیان میں ہیں ، اسی
لئے جب کسی خاص نعمت کا ذکر فرمایا تو ایک جملہ لوگوں کو متنبہ کرنے اور شکر نعمت کی ترغیب دینے کے لئے فرمایا
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ، اور پوری سورت میں یہ جملہ اکتیس مرتبہ لایا گیا ہے ، جو بظاہر تکرار معلوم ہوتا ہے ،
اور کسی لفظ یا جملے کا تکرار بھی تاکید کا فائدہ دیتا ہے ، اس لئے وہ بھی فصاحت و بلاغت کے خلاف نہیں خصوصاً
قرآن کریم کی ان دونوں سورتوں میں جس جملے کا تکرار ہوا ہے وہ تو صورت کے اعتبار سے تکرار ہے ، حقیقت
کے اعتبار سے ہر ایک جملہ ایک نئے مضمون سے متعلق ہونے کی وجہ سے مکرر محض نہیں ہے ، کیونکہ سورۃ قمر میں ہر تکرار
عذاب کے بعد اس کے متعلق (فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي) آیا ہے ، اسی طرح سورۃ الرحمن میں ہر نئی نعمت کے بیان کے
بعد (فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا) کا تکرار کیا گیا ہے جو ایک نئے مضمون کے متعلق ہونے کے سبب تکرار محض نہیں ، غلامی و غلامی

نے اس قسم کے تکرار کا نام تردیدیں بتلایا ہے، وہ فصحاء وبلغاء عرب کے کلام میں مستحسن اور شیریں سمجھا گیا ہے، نثر اور نظم دونوں میں استعمال ہوتا ہے، اور صرف عربی نہیں، فارسی، اردو وغیرہ زبانوں کے مسلم شعراء کے کلام میں بھی اس کی نظائر پائی جاتی ہیں، یہ موقع ان کو جمع کرنے کا نہیں، تفسیر روح المعانی وغیرہ میں اس جگہ متعدد نظائر بھی نقل کئے ہیں

خلاصہ تفسیر

رحمن کی بے شمار نعمتیں ہیں ان میں سے ایک روحانی نعمت یہ ہے کہ اسی نے (اپنے بندوں کو احکام) قرآن کی تعلیم دی (یعنی قرآن نازل کیا کہ اس کے بندے اس کے اوپر ایمان لائیں، اور اس کا علم حاصل کر کے اس پر عمل کریں تاکہ دائمی عیش و راحت کا سا حاصل ہو اور اس کی ایک نعمت جسمانی ہے وہ یہ کہ) اسی نے انسان کو پیدا کیا (پھر) اس کو گویائی سکھلائی (جس پر ہزاروں منافع مرتب ہوتے ہیں منجملہ ان کے قرآن کا دوسرے کی زبان سے پہونچنا اور دوسروں کو پہونچانا ہے، اور ایک نعمت جسمانی آفاقی یہ ہے کہ اس کے حکم سے) سورج اور چاند حساب کے ساتھ (چلتے) ہیں، اور بے تنہ کے درخت اور تنہ دار درخت دونوں (اللہ کے) مطیع ہیں (سورج چاند کا چلنا تو اس لئے نعمت ہے کہ اس پر لیل و نہار سردی گرمی، ماہ و سال کا حساب مرتب ہوتا ہے اور ان کے منافع ظاہری اور درختوں کا سجدہ اس لئے نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں انسان کے لئے بیشمار منافع کی تخلیق فرمائی ہے) اور (ایک نعمت یہ ہے کہ) اسی نے آسمان کو اونچا کیا (جس سے علاوہ دوسرے منافع متعلقہ بالسماء کے بڑی منفعت یہ ہے کہ اس کو دیکھ کر انسان اس کے بنانے والے کی عظمتِ شان پر استدلال کرے، کما قال تعالیٰ یَتَفَكَّرُونَ فی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ الْاُولٰٓئِیَّہِ (ایک نعمت یہ ہے کہ) اسی نے (دنیا میں) ترازو رکھ دی تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو اور (جب یہ ایسی بڑی منفعت کے لئے موضوع ہے کہ یہ آگ ہے حقوق کے بین دین کو پورا کرنے کا، جس سے ہزاروں مفاسد ظاہری و باطنی دور ہو جاتے ہیں، تو تم اس نعمت کا خصوصیت کے ساتھ مشکروں اور اس شکر یہ میں سے یہ بھی ہے کہ) انصاف (اور حق رسانی) کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو گھٹاؤ مت اور (ایک نعمت یہ ہے کہ) اسی نے خلقت کے (فائدہ کے) واسطے زمین کو (اس کی جگہ) رکھ دیا کہ اس میں میوے ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جن (کے پھل) پر غلات (چڑھا) ہوتا ہے اور (اس میں) علم ہے جس میں بھوسہ (بھی) ہوتا ہے اور (اس میں) اور غذا کی چیز (بھی) ہے (جیسے بہت سی ترکاریاں وغیرہ) سوائے جن دنس (باوجود نعمتوں کی اس کثرت و عظمت کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (یعنی منکر ہونا بڑی ہٹ دھرمی اور بددیہیات بلکہ محسوسات کا انکار ہے، اور ایک نعمت یہ ہے کہ) اسی نے انسان کی اصل اول یعنی آدم علیہ السلام کو ایسی مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح (کھن کھن) بجتی تھی پیدا کیا (جس کا جمال لاچند آیت میں اوپر ذکر آیا ہے) اور جنات (کی اصل اول) کو خالص آگ سے (جس میں دھواں نہ تھا) پیدا کیا، (اور پھر دونوں نوع میں تو والد و ناسل کے ذریعہ سے نسل چلی، شرح اس کی سورۃ حجر کے رکوع دوم میں آچکی ہے)

سوائے جن وانس (باوجود نعمتوں کی اس کثرت و عظمت کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (مراد اس کی اوپر گزری ہے اور) وہ دونوں مشرق اور دونوں مغرب کا مالک (حقیقی) ہے (مراد اس سے سورج اور چاند کے طلوع و غروب کا افق ہے اس میں بھی وجہ نعمت ظاہر ہے کہ لیل و نہار کے افتتاح و اختتام کے ساتھ بہت سے اغراض متعلق ہیں) سوائے جن وانس (باوجود نعمتوں کی اس کثرت و عظمت کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور ایک نعمت یہ ہے کہ) اسی نے دو دریاؤں کو (صورۃ) ملایا کہ (ظاہر میں) باہم ملے ہوئے ہیں (اور حقیقتہً) ان دونوں کے درمیان میں ایک حجاب (قدرتی) ہے کہ (اس کی وجہ سے) دونوں (اپنے اپنے موقع سے) بڑھ نہیں سکے (جس کی شرح سورۃ فرقان کے ختم سے ڈیڑھ رکوع قبل گزری ہے اور آب شور و آب شیریں کے منافع بھی ظاہر ہیں) اور دونوں کے ملنے میں نعمت استدلال بھی ہے) سوائے جن وانس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور بحرین کے متعلق ایک یہ نعمت ہے کہ) ان دونوں سے موتی اور مونگا برآمد ہوتا ہے (موتی ہونگے کے منافع اور وجہ نعمت ہونا ظاہر ہے) سوائے جن وانس (باوجود نعمتوں کی اس کثرت و عظمت کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور (ایک نعمت یہ ہے کہ) اسی کے (اختیار اور ملک میں) ہیں جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اچھے کھڑے (نظر آتے) ہیں (ان کی منفعت بھی ظاہر بلکہ اظہر ہے) سوائے جن وانس (باوجود نعمتوں کی اس کثرت و عظمت کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے

معارف و مسائل

سورۃ رحمن کے کئی یاد دہانی ہونے میں اختلاف ہے، امام قرطبی نے چند روایات حدیث کی وجہ سے کئی ہونے کو ترجیح دی ہے، ترمذی میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کے سامنے سورۃ رحمن پوری تلاوت فرمائی، یہ لوگ سکر خاموش رہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے لیلۃ الجن میں جنات کے سامنے یہ سورت تلاوت کی تو اثر قبول کرنے کے اعتبار سے وہ تم سے بہتر رہی، کیونکہ جب میں قرآن کے اس جملے پر پہنچتا تھا (قَبِیْ اٰیِّ الْاَعْوَدِ رَبِّکُمْ اَنْکَرْتُمْ) تو جنات سب کے سب بول اٹھتے تھے (لَا یَسْمَعُ مِنْ تَعْمِیْکَ رَبَّنَا نَکَرْتُ بِفَلَکَ الْحَمْدُ) ”یعنی اے ہمارے پروردگار! ہم آپ کی کسی بھی نعمت کی تکذیب و ناشکری نہ کریں گے، آپ ہی کے لئے حمد ہے“ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ سورت کئی ہے، کیونکہ لیلۃ الجن وہ رات جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو تبلیغ و تعلیم فرمائی مکہ مکرمہ میں ہوتی ہے۔

اسی طرح کی اور بھی چند روایات قرطبی نے نقل کی ہیں جن سے اس سورت کا منگی ہونا معلوم ہوتا ہے اس سورت کو لفظ رحمن سے شروع کیا گیا اس میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ کفار مکہ اللہ تعالیٰ کے

ناموں میں سے رحمن سے واقف نہ تھے، اسی لئے کہتے تھے وَمَا الرَّحْمَنُ کہ رحمن کیا چیز ہے، ان لوگوں کو واقف کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے یہاں رحمن کا انتخاب کیا گیا۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ آگے جو کام رحمن کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی تعلیم قرآن، اس میں یہ بھی بتلادیا گیا کہ اس تعلیم قرآن کا مقصد ہی اور سبب داعی صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، ورنہ اس کے ذمہ کوئی کام واجب و ضروری نہیں جس کا اس سے سوال کیا جاسکے، ورنہ وہ کسی کا محتاج ہے۔

آگے پوری سورت میں حق تعالیٰ کی دنیوی اور دینی نعمتوں کا ذکر مسلسل ہوا ہے، عَلَّمَ الْقُرْآنَ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں جو سب سے بڑی نعمت ہے اس کے ذکر سے ابتداء کی گئی، اور سب سے بڑی نعمت قرآن ہے کیونکہ قرآن کریم انسان کے معاش اور معاد، دین اور دنیا دونوں کی خیرات و برکات کا جامع ہے، جنہوں نے قرآن کو لیا اور اس کا حق ادا کیا، جیسے صحابہ کرام حق تعالیٰ نے ان کو آخرت کے درجات اور نعمتوں سے تو سرفراز فرمایا ہی ہے دنیا میں بھی وہ درجہ اور مقام عطا فرمایا جو بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی حاصل نہیں۔

قاعدے کے مطابق لفظ علم کے دو مفعول ہوتے ہیں، ایک وہ علم جو سکھایا جائے، دوسرے وہ شخص جس کو سکھایا جائے، یہاں آیت میں وہ چیز تو بتلادی گئی جو سکھائی گئی ہے، یعنی قرآن، دوسرا مفعول یعنی قرآن جس کو سکھایا گیا اس کا ذکر نہیں کیا، بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ بلا واسطہ حق تعالیٰ نے جن کو تعلیم دی، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی مراد ہیں پھر آپ کے واسطے سے ساری مخلوقات اس میں داخل ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تنزیل قرآن کا مقصد ساری ہی خلق خدا کو راہ ہدایت دکھانا اور سب ہی کو اخلاق و اعمال صالحہ کا سکھانا ہے، اس لئے کسی خاص مفعول کی تخصیص نہیں کی گئی، دوسرا مفعول ذکر نہ کرنے سے اشارہ اسی عموم کی طرف ہے۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَ الْبَيَانَ، انسان کی تخلیق خود حق تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے، اور ترتیب طبعی کے اعتبار سے وہی سب سے مقدم ہے، یہاں تک کہ تعلیم قرآن جس کو پہلے ذکر کیا گیا ہے وہ بھی ظاہر ہے کہ تخلیق کے بعد ہی ہو سکتی ہے، مگر قرآن حکیم نے نعمت تعلیم قرآن کو مقدم اور تخلیق انسان کو مؤخر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ تخلیق انسان کا اصل مقصد ہی تعلیم قرآن اور اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا ہے، جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے، وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ یعنی میں نے جن و انس کو صرف اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کیا کریں، اور ظاہر ہے کہ عبادت بغیر تعلیم اکہی کے نہیں ہو سکتی، اسی کا ذریعہ قرآن ہے، اس لئے اس حیثیت میں تعلیم قرآن تخلیق انسان سے مقدم ہو گئی۔

تخلیق انسان کے بعد جو نعمتیں انسان کو عطا ہوئیں وہ بے شمار ہیں، ان میں خاص طور پر تعلیم بیان کو یہاں ذکر فرمانے کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جن نعمتوں کا تعلق انسان کے نشوونما اور وجود و بقا سے ہے

مثلاً کھانا پینا، سردی گرمی سے بچنے کے سامان، رہنے بسنے کا انتظام وغیرہ ان نعمتوں میں تو ہر جان دار انسان اور حیوان شریک ہے، وہ نعمتیں جو انسان کے ساتھ مخصوص ہیں ان میں سے پہلے تو تعلیم قرآن کا ذکر فرمایا اس کے بعد تعلیم بیان کا، کیونکہ تعلیم قرآن کا افادہ و استفادہ بیان پر موقوف ہے۔

اور بیان میں ربانی بیان بھی داخل ہے، تحریر و خط اور افہام و تفہیم کے جتنے ذرائع حق تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں وہ بیان کے مفہوم میں شامل ہیں، اور پھر مختلف خطوں، مختلف قوموں کی مختلف زبانیں اور ان کے محاورات سب اسی تعلیم بیان کے اجزاء ہیں جو علم اَدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا کی علی تفسیر ہے، فَتَبَرَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ يُحْسِبَانِ، انسان کے لئے حق تعالیٰ نے جو نعمتیں زمین و آسمان میں پیدا فرمائی ہیں اس آیت میں علویات میں سے شمس و قمر کا ذکر خصوصیت سے شاید اس لئے کیا ہے کہ عالم دنیا کا سارا نظام ان دونوں سیاروں کی حرکات اور ان کی شعاعوں سے وابستہ ہے، اور لفظ حُسْبَانِ بضم الحاء بعض حضرات نے فرمایا کہ حساب کے معنی میں مصدر ہے، جیسے غفران، سبحان، قرآن، اور بعض نے فرمایا کہ حساب کی جمع ہے، اور مراد آیت کی یہ ہے کہ شمس و قمر کی حرکات جن پر انسانی زندگی کے تمام کاروبار موقوف ہیں، رات دن کا اختلاف، موسموں کی تبدیلی، سال اور مہینوں کی تعیین، ان کی تمام حرکات اور دوروں کا نظام محکم ایک خاص حساب اور اندازے کے مطابق چل رہا ہے، اور اگر حُسْبَانِ کو حساب کی جمع قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ ان میں سے ہر ایک کے دورہ کا آگے آگے حساب ہے، مختلف قسم کے حسابوں پر یہ نظام شمسی اور قمری چل رہا ہے، اور حساب بھی ایسا محکم و مضبوط کہ لاکھوں سال سے اس میں ایک منٹ، ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آیا۔

یہ زمانہ سنس کی معراج کا زمانہ کہا جاتا ہے اور اس کی حیرت انگیز نئی نئی ایجادوں نے عقلاء کو حیران کر رکھا ہے، لیکن انسانی مصنوعات اور ربانی تخلیقات کا کھلا ہوا فرق ہر دیکھنے والا دیکھتا ہے کہ انسانی مصنوعات میں بگاڑ اور سنوار کا سلسلہ ایک لازمی امر ہے، مشین کوئی کتنی ہی مضبوط و مستحکم ہو کچھ عرصہ کے بعد اس کو مرمت کی اور کم از کم گریں وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے، اور اس وقت تک کے لئے وہ مشین معطل رہتی ہے، حق تعالیٰ کی جاری کی ہوئی یہ عظیم الشان مخلوقات نہ کبھی مرمت کی محتاج ہے نہ کبھی ان کی رقعات میں کوئی فرق آتا ہے۔

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ، نجم اس درخت کو کہا جاتا ہے جس کی بیل پھیلتی ہے سنا نہیں ہوتا، اور شجر تنہ دار درخت کو کہتے ہیں، یعنی ہر قسم کے درخت خواہ بیل والے ہوں یا تنے اور شاخوں والے سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں، سجدہ کرنا چونکہ انتہائی تعظیم اور اطاعت کی علامت ہے، اس سے مراد یہاں یہ ہے کہ ہر ایک درخت، پودے اور بیل اور اس کے پتوں اور پھولوں اور حق تعالیٰ نے جن خاص خاص کاموں اور انسان کے فوائد کے لئے بنایا ہے، اور گویا ہر ایک کی ایک ڈیوٹی مقرر کر دی ہے، کہ وہ قلائد کام کیا کرے، ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی ڈیوٹی پر لگا ہوا ہے اور حکم ربانی کے تابع، اس میں رکھے

ہوتے فوائد اور خواص سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے، اسی تکوینی اور جبری اطاعت حق کو اس آیت میں سجدہ سے تعبیر کیا گیا ہے (روح، منہری)

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ، رفع اور وضع دو متقابل لفظ ہیں، رفع کے معنی اونچا اور بلند کرنے کے ہیں، اور وضع کے معنی نیچے رکھنے اور پست کرنے کے آتے ہیں، اس آیت میں اول آسمان کو بلند کرنے اور رفعت دینے کا ذکر ہے، جس میں ظاہری بلندی بھی داخل ہے، اور معنوی یعنی درجہ اور رتبہ کی بلندی بھی کہ آسمان کا درجہ زمین کی نسبت بالا و برتر ہے، آسمان کا مقابل زمین سمجھی جاتی ہے، اور پورے قرآن میں اسی تقابل کیسے آسمان زمین کا ذکر کیا گیا ہے اس آیت میں رفع سماء کا ذکر کر نیسے بعد وضع میزان کا ذکر کیا گیا ہے جو آسمان کے تقابل میں نہیں آتا، غور کر نیسے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی درحقیقت آسمان کے تقابل میں زمین کو لایا گیا ہے، جیسا کہ تین آیتوں کے بعد (وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ) آیا ہے، تو دراصل تقابل رفع سماء اور وضع ارض ہی کا ہے، مگر ان دونوں کے درمیان ایک تیسری چیز یعنی وضع میزان کا ذکر کسی خاص حکمت سے کیا گیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکمت اس میں یہ ہے کہ وضع میزان اور پھر اس کے بعد میزان کے صحیح استعمال کا حکم جو بعد کی تین آیتوں میں آیا ہے اُن سب کا خلاصہ عدل و انصاف کا قائم کرنا ہے اور کسی کی حق تلفی اور ظلم و جور سے بچانا ہے، یہاں رفع سماء اور وضع ارض کے درمیان آیات میزان کے ذکر میں اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ آسمان و زمین کی تخلیق کی اصلی غایت و مقصود بھی عالم میں عدل و انصاف کا قیام ہے، اور زمین میں امن و امان بھی عدل و انصاف ہی کے ساتھ قائم وہ سکتا ہے، ورنہ فساد ہی فساد ہوگا، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم،

لفظ میزان کی تفسیر اس آیت میں حضرت قتادہ، مجاہد، سدی وغیرہ نے عدل سے کی ہے، کیونکہ میزان کا اصل مقصد عدل ہی ہے، اور بعض حضرات مفسرین نے یہاں میزان کو اپنے معرُوف معنی میں لیا ہے اور حاصل اس کا بھی وہی ہے کہ حقوق میں عدل و انصاف سے کام لیا جائے، اور میزان کے معنی میں ہر آلہ داخل ہے جس سے کسی چیز کی مقدار معین کی جائے، خواہ وہ دوپٹے والی ترازو ہو یا کوئی جدید آلہ پیمائش

أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ، پہلی آیت میں جو میزان پیدا کرنے کا ذکر تھا اس جملے میں اس کے مقصد کو واضح کیا گیا ہے، تَطْغَوْا، طغیان سے مشتق ہے، جس کے معنی بے انصافی اور ظلم کے ہیں، مراد یہ ہے کہ میزان کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے بنایا کہ تم وزن میں کمی بیشی کر کے ظلم و جور میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔

وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ، قسط کے لفظی معنی انصاف کے ہیں، مراد ظاہر ہے کہ وزن کو ٹھیک ٹھیک قائم کرو انصاف کے ساتھ۔

وَلَا تَخْسِرُوا الْمِيزَانَ، خسر کے معنی وزن میں کمی کرنے کے ہیں، جو بات پہلے جملے أَقِيمُوا الْوَزْنَ میں مثبت انداز سے بیان کی گئی ہے، یہ اُسی کا منفی پہلو ہے کہ وزن میں کم تولنا حرام ہے۔

وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ، اَنَام بالفتح بروزن سحاب، ہر جاندار کو کہا جاتا ہے جو زمین

پر رہتا چلتا ہے، (قاموس) بیضاوی نے ہر ذی روح اس کا ترجمہ کیا ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں انام سے مراد انسان اور جنات ہیں، کیونکہ کل ذی روح ارواح میں سے یہی دونوں احکام شرعیہ کے مکلف اور مامور ہیں، اور اس سورت میں بار بار انہی دونوں کو خطاب بھی کیا گیا ہے، جیسا کہ قیامی الآلہ رَبِّکُمَا تَکْذِبُنِ میں یہی دونوں جن و انس مخاطب ہیں۔

فِيهَا فَاكِهَةٌ، فَاکَہ ہر ایسے میوے اور پھل کو کہا جاتا ہے جو عادتاً غذا کے بعد تفریحاً کھایا جاتا ہے۔
وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ، اکمام، کم بالکسر کی جمع ہے جس کے معنی اس غلاف کے ہیں جو کھجور وغیرہ کے پھلوں پر ابتداء میں چڑھا ہوتا ہے۔

وَالْعَصْفُ ذُو الْوُحُوشِ، لفظ حب، بفتح حاء و تشدید باء، دانے یعنی غلے کو کہا جاتا ہے، جیسے گندم، چنا، جاول، ماش، مسور وغیرہ اور عَصْف اُس بھوسے کو کہتے ہیں جس کے اندر پیک کیا ہوا دانہ بقدرت خداوندی و حکمت بالغہ پیدا کیا جاتا ہے، عصف یعنی بھوسے کے غلاف میں پیک ہو کر خراب ہواؤں اور مکھی پچھر وغیرہ سے پاک و صاف رہتا ہے، دانے کی پیدائش کے ساتھ ذُو الْعَصْفِ کا لفظ بڑھا کر غافل انسان کو اس طرف بھی متوجہ کیا گیا ہے کہ یہ روٹی دال وغیرہ جو وہ دن میں کئی کئی مرتبہ کھاتا ہے اس کا ایک ایک دانہ مالک و خالق نے کیسی کیسی صنعت عجیبہ کے ساتھ مٹی اور پانی سے پیدا کیا، اور پھر کس طرح اس کو حشرات الارض سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک ایک دانہ پر غلاف چڑھایا، جب وہ تمھارا لقمہ تر بنا، اس کے ساتھ شاید عَصْف کو ذکر کرنے سے ایک دوسری نعمت کی طرف بھی اشارہ ہو کہ یہ عصف (بھوسہ) تمھارے مویشی کی غذا بنتا ہے، جن کا تم دودھ پیتے ہو، اور سواہی و بار برداری کی خدمت اُن سے لیتے ہو۔

وَالرَّيْحَانُ، ریحان کے مشہور معنی خوشبو کے ہیں، اور ابن زید نے یہی معنی آیت میں مراد لئے ہیں کہ اس نے زمین سے پیدا ہونے والے درختوں سے طرح طرح کی خوشبوئیں اور خوشبودار پھول پیدا فرمائے، اور کبھی لفظ ریحان بمعنی معطر اور رزق بھی استعمال کیا جاتا ہے، خَرَجْتُ أَطْلُبُ رَيْحَانَ اللَّهِ، ”یعنی میں نکلا اللہ کا رزق تلاش کرنے کے لئے“ حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت میں ریحان کی تفسیر رزق ہی سے کی ہے۔

قِيَامِي الْآلِیَّ رَبِّکُمَا تَکْذِبُنِ، لفظ آلا جمع ہے نعمتوں کے معنی میں، اور مخاطب اس کا انسان اور جن ہیں، جس کا قرینہ سورہ رحمن کی متعدد آیات میں جنات کا ذکر ہے۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ، انسان سے مراد اس جگہ باتفاق آدم علیہ السلام ہیں، جن کی تخلیق مٹی سے کی گئی ہے، صَلْصَالُ پانی میں ملی ہوئی مٹی جبکہ وہ خشک ہو جائے، اور فَخَّارُ وہ پانی میں ملائی ہوئی مٹی جس کو آگ پر پکالیا جائے۔

وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ، جان، تشدید فون، جنس جنات کو کہا جاتا ہے، اور مارج آگ سے اُٹھنے والا شعلہ ہے، جنات کی تخلیق کا بڑا عنصر آگ کا شعلہ ہے، جیسا کہ انسان کی تخلیق میں بڑا جز مٹی ہے۔

رَبِّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبِّ الْمَغْرِبَيْنِ، سردی اور گرمی میں آفتاب کا مطلع بدلتا ہے، اس لئے سردی کے زمانے میں مشرق یعنی آفتاب کے نکلنے کی جگہ اور ہوتی ہے اور گرمی کے زمانے میں دوسری، اپنی دونوں جگہوں کو آیت میں مشرقین سے تعبیر فرمایا ہے، اسی طرح اس کے بالمقابل مغربین فرمایا، کہ سردی میں مغرب آفتاب کی جگہ اور ہوتی ہے اور گرمی میں دوسری۔

مَرْجَ الْبَحْرَيْنِ، مرج کے لغوی معنی آزاد رہنے کے ہیں، اور بحریں سے دو دریا.... شیریں اور نمکین مراد ہیں، زمین پر حق تعالیٰ نے دونوں قسم کے دریا پیدا فرمائے ہیں، اور بعض جگہ یہ دونوں مل جاتے ہیں، جس کی نظائر دنیا کے ہر خطے میں پائی جاتی ہیں، مگر جہاں دو دریا شیریں اور نمکین مل کر بہتے ہیں وہاں کافی دور تک دونوں کا پانی الگ الگ ممتاز رہتا ہے، ایک طرف میٹھا دوسری طرف کھارا، اور بعض جگہ یہ صورت اور نیچے بھی ہوتی ہے، جہاں دریائے شور کسی شیریں دریا کے اوپر چڑھ آتا ہے وہاں بھی نیچے کا پانی اپنی جگہ شیریں ہوتا ہے، اور اوپر کا نمکین اور کھاری، پانی باوجود رقیق اور لطیف ہونے کے ایک مست تک ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتا، الگ الگ اپنے ذائقہ کے ساتھ چلتا ہے، اسی قدر حق تعالیٰ کے بیان کے لئے فرمایا مَرْجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَلِّغْنَا بَرْدًا وَلَا يَبْغِيَانِ، یعنی دونوں دریا ملتے ہیں، مگر ان کے درمیان قدرت خداوندی کا ایک پردہ حائل رہتا ہے جو دور تک آپس میں ان کو ملنے نہیں دیتا،

يَخْرُجُ مِنْهُمَا الْكَوْكَبُورُ وَالْمَرْجَانُ، کو کو کے معنی موتی اور مرجان کے معنی مونگا، یہ بھی قیمتی جواہرات سے ہے، اس میں درخت کے مشابہ شاخیں ہوتی ہیں، یہ دونوں چیزیں دریا سے نکلتی ہیں مگر معروف یہ ہے کہ موتی اور جواہرات دریا سے شور سے نکلتے ہیں، شیریں دریا سے نہیں، اس آیت میں دونوں سے نکلتا بیان فرمایا ہے، اس کی توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ موتی دونوں ہی دریاؤں میں پیدا ہوتے مگر شیریں دریا سب جاری ہوتے ہیں ان سے موتی کا نکالنا آسان نہیں، شیریں دریا سب جا کر دریائے شور میں گر جاتے ہیں، ان سے موتی نکالے جاتے ہیں، اس لئے موتیوں کا منبع دریا سے شور کو کہا جاتا ہے، وَكَانَ الْخَوَارِجُ الْمُنَشَّاتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ، خواری، جاریہ کی جمع ہے، اس کے ایک معنی کشتی کے بھی آتے ہیں وہی یہاں مراد ہیں، مُنَشَّاتُ، نشاء سے مشتق ہے جس کے معنی ابھرنے اور بلند ہونے کے ہیں، مراد کشتیوں کے بادبان ہیں جو جھنڈوں کی طرح اونچے اور بلند ہتائے جاتے ہیں، اس میں کشتی کی صنعت اور اس کے پانی کے اوپر چلنے کی حکمت کا بیان ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا قَانٍ ۖ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝۲۶

جو کوئی جو زمین پر فنا ہو نہیوالا ہے، اور باقی رہے گا منہ تیرے رب کا بزرگی اور عظمت والا،

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٢٨﴾ يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلُّ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، اس سے مانگتے ہیں جو کوئی ہیں آسمانوں میں اور زمین میں ہر

يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٣٠﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ آيَةً

روز اس کو ایک دھند ہے ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، ہم جلد فارغ ہونے والے ہیں تمہاری

الثَّقَلَيْنِ ﴿٣١﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٣٢﴾ يَسْعَى الْجِبْنَ وَالْأَنْسَارِ

طرف لے دو بھاری قافلو ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، اے گروہ چٹوں کے اور انسانوں کے اگر

اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا

تم سے ہو سکے کہ نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے تو نکل بھاگو ،

لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿٣٣﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٣٤﴾ يُرْسَلُ

نہیں نکل سکے کے بدون سند کے ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، چھوڑے جائیں

عَلَيْكُمَا سُوَاهٌ مِّنْ نَّارِهِ وَنَحَّاسٌ فَلَا تَنْتَصِرِينَ ﴿٣٥﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا

تم پر شعلے آگ کے صاف اور دھواں ملے ہوئے پھر تم بدلہ نہیں لے سکتے ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی

تُكَذِّبِينَ ﴿٣٦﴾ فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾ فَبِأَيِّ

جھٹلاؤ گے ، پھر جب پھٹ جائے آسمان تو ہو جائے گلابی جلیے نرمی ، پھر کیا کیا

الْآلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٣٨﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌ ﴿٣٩﴾

نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، پھر اس دن پوچھ نہیں اس کے گناہ کی کسی آدمی سے اور نہ جن سے ،

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٤٠﴾ يَعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُونَ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، پہچانے پڑیں گے گنہگار اپنے چہرے سے پھر پکڑا جائے گا

بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿٤١﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٤٢﴾ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي

پیشانی کے بال سے اور پاؤں سے ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، یہ دوزخ ہے جس کو جھوٹ

يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٤٣﴾ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ إِنِ فَابِئِ

بتاتے تھے گنہگار ، پھر یہی گے بیچ اس کے اور کھولتے پانی کے ، پھر کیا کیا

الْآءِ رَبِّكُمْ أَتُكِنُّ بِنِ ۴۵

نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے،

خلاصہ تفسیر

(جتنی نعمتیں تم لوگوں نے مٹی میں تم کو توحید و طاعت سے اُن کا مشکرا داکرنا چاہئے، اور کفر و معصیت سے ناشکری نہ کرنا چاہئے، کیونکہ اس عالم کے فنا کے بعد ایک دوسرا عالم آنے والا ہے، جہاں ایمان و کفر پر جزا و سزا واقع ہوگی، جس کا بیان آیات آئندہ کے ضمن میں ہے، پس ارشاد ہے کہ) جتنے (جن و انس) روئے زمین پر موجود ہیں سب فنا ہو جائیں گے، اور (صرف) آپ کے پروردگار کی ذات جو کہ عظمت (والی) اور (باوجود عظمت کے) احسان والی ہے باقی رہ جاوے گی (چونکہ مقصود تنبیہ کرنا ثقلین یعنی جن و انس کو ہے، اور وہ سب زمین پر ہیں، اس لئے فنا میں اہل ارض کا ذکر کیا گیا، اس تخصیص ذکر سے دوسری چیزوں کی فنا کی نفی لازم نہیں آتی، اور اس جگہ اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں عظمت و احسان اس لئے ذکر کی گئیں کہ ایک صفت ذاتی و دوسری اضافی ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ اکثر اہل عظمت دوسروں کے حال پر توجہ نہیں کیا کرتے، مگر حق تعالیٰ باوجود اس عظمت کے وہ اپنے بندوں پر رحمت و فضل فرماتے ہیں، اور چونکہ یہ فناء عالم اور اس کے بعد جزا و سزا کی خبر دنیا انسان کو دولت ایمان بخت ہے، اس لئے یہ مجموعہ بھی ایک بڑی نعمت ہی، اس لئے فرمایا، سوائے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمت نعم کے) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کی منکر ہو جاؤ گے (آگے ایک خاص طور پر اس کی عظمت و اکرام کے متعلق مضمون ہے یعنی وہ ایسا باعظمت ہے کہ) اسی سے (اپنی اپنی حاجتیں) سب آسمان و زمین والے مانگتے ہیں (زمین والوں کی حاجتیں تو ظاہر ہیں اور آسمان والے گو کھانے پینے کے محتاج نہ ہوں، لیکن رحمت و عنایت کے تو سب محتاج ہیں، آگے اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کو ایک دوسرے عنوان سے بیان کیا گیا ہے) وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے (یہ مطلب نہیں کہ صرف افعال اس کے لوازم ذات سے ہے، ورنہ قدیم ہونا حادث کا لازم آئے گا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جتنے تصرفات عالم میں واقع ہو رہے ہیں وہ اسی کے تصرفات ہیں، جن میں اس کے انعامات و احسانات بھی داخل ہیں، جیسے ایجاد و بقاء جو رحمت عامہ ہے، اور اعطاء رزق و اولاد جو سب دنیوی رحمتیں ہیں، اور ہدایت و اعطاء علم و توفیق عمل جو دینی رحمتیں ہیں پس باوجود عظمت کے ایسا اکرام و احسان فرمانا یہ بھی ایک نعمت عظیمہ ہے) سوائے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمت نعم کے) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کی منکر ہو جاؤ گے (یہ مضمون جلال و اکرام کا بقاء خالق کے متعلق فرما کر آگے پھر فناء خلق کے متعلق ارشاد ہے کہ تم لوگ یہ نہ سمجھنا کہ پھر وہ فنا مستمر رہے گی اور عذاب و ثواب نہ ہوگا، بلکہ ہم تم کو دوبارہ زندہ کریں گے اور جزا و سزا دیں گے اسی کو اس طرح فرماتے ہیں کہ) اے جن و انس ہم عنقریب تمھارے (حساب و کتاب کے) لئے خالی ہوئے جاتے

ہیں (یعنی حساب و کتاب لینے والے ہیں) مجازاً و مبالغہً اس کو خالی ہونے سے تعبیر فرمادیا، اور مبالغہ اس طرح ہے کہ انسان جب سب کاموں سے خالی ہو کر کسی طرف متوجہ ہوتا ہے تو پوری توجہ سمجھی جاتی ہے، انسانی فہم کے مطابق یہ عنوان اختیار کیا گیا، ورنہ حق تعالیٰ کی اصل شان یہ ہے کہ اس کو ایک مشغولیت کسی دوسری مشغولیت سے مانع نہیں ہوتی، اور اس کی جس طرف جس وقت توجہ ہوتی ہے تام اور کامل ہی ہوتی ہے، وہاں ناقص توجہ کا احتمال ہی نہیں، اور مثل سابق آگے ارشاد ہے کہ یہ حساب کتاب کی خبر دینا بھی ایک نعمت عظمیٰ ہے (سوائے جن و انس) (باوجود اس کثرت و عظمت نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (آگے تاکید وقوع حساب کے لئے یہ بتلاتے ہیں کہ اس وقت یہ بھی احتمال نہیں کہ کوئی کہیں بچ کر نکل جائے چنانچہ ارشاد ہے کہ) اے گروہ جن اور انسانوں کے اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمان اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو (ہم بھی دیکھیں) نکلو (مگر) بدون زور کے نہیں نکل سکتے (اور زور ہے نہیں، پس نکلنے کا وقوع بھی ممکن نہیں اور یہی حالت بعینہ قیامت میں ہوگی بلکہ وہاں تو یہاں سے بھی زیادہ عجز ہوگا غرض بھاگ نکلنے کا احتمال نہ رہا اور یہ بات بتلا دینا بھی موجب ہدایت و نعمت عظمیٰ ہے) سوائے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمت نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (آگے بوقت عذاب انسان کے عجز کا ذکر فرماتے ہیں) جیسا اوپر حساب کے وقت اس کے عاجز ہونے کا ذکر تھا، یعنی اے جن و انس کے مجرمو (تم دونوں پر قیامت کے روز) آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا پھر تم (اس کو) ہٹانہ سکو گے (یہ شعلہ اور دھواں غالباً وہ ہے جس کا ذکر سورۃ والمرسلات میں ہے اِنطَلِقُوا اِلٰی ظِلِّ ذٰلِیْ ثَلَاثِ شُعَبٍ اِلٰی قَوْلِ اِنَّمَا تُرْمٰی بِشَرٍّ فَاَنْظِلْ هُوَ دُخَانٌ وَالْمُشْرُوهُ السَّوَاطِیْ، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ، اور اس کا بتلانا بھی توجہ ذریعہ ہدایت ہونے کے ایک نعمت عظمیٰ ہے) سوائے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمت نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے غرض (جب ہمارا حساب لینا اور تمہارا حساب و عقاب کے وقت عاجز ہونا معلوم ہو گیا تو اس سے قیامت کے روز حساب و عقاب کا وقوع ثابت ہو گیا، جس کا بیان یہ ہے کہ) جب (قیامت آوے گی جس میں) آسمان پھٹ جاوے گا اور ایسا سُرخ ہو جاوے گا جیسے سُرخ نری (یعنی چمڑا، شاید یہ رنگ اس لئے ہو کہ علامت غضب کی ہے، کہ غضب میں چہرہ سُرخ ہو جاتا ہے، اور یہ آسمان کا پھٹنا وہ ہے جو شروع پارہ وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یُرْجَوْنَ مِنْ اٰیَہِ، فِی قَوْلِہٖ تَعَالٰی ذٰلِیْمٌ تَشْفِقُ الْخَلْقَ اور یہ خبر دینا بھی نعمت ہے) سوائے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمت نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (یہ تو حساب کا وقوع اور اس کا وقت بتلانا گیا آگے کیفیت حساب و طریق فیصلہ ارشاد فرماتے ہیں یعنی جس روز یہ واقعات ارسال شواظ و نحاس و انشاق سماء وغیرہ ہوں گے) تو اس روز اللہ تعالیٰ کے معلوم کرنے کے لئے کسی انسان اور جن سے اس کے جرم کے متعلق نہ پوچھا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کتب معلوم ہے یعنی حساب اس غرض سے نہ ہوگا بلکہ خود ان کو معلوم کرانے اور جتانے کے لئے سوال اور حساب ہوگا بقول تعالیٰ فَوَرَبِّکَ لَنَسْئَلَنَہُنَّ اور یہ خبر دینا بھی ایک نعمت ہے) سوائے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمت نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (یہ تو حساب کی کیفیت ہوتی کہ بطور تحقیق نہ ہوگا بلکہ بطور تویح ہوگا، آگے یہ بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تو تعین جبرائیم محرمین کی معلوم ہے، اس لئے تحقیق کی ضرورت نہ ہوگی

لیکن فرشتوں کو مجرمین کی تعیین کیسے ہوگی، پس ارشاد فرماتے ہیں کہ (مجرم لوگ اپنے حلیہ سے) کہ چہرہ کی سیاہی اور آنکھوں کا نیلگوں ہونا ہے، اقول تعالیٰ تَسْوَدُّ وُجُوہُکُمْ وَتَحْضَرُ اَلْجُجُرُیْنِ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا، پہچانے جاویں گے سو (ان کے) سر کے بال اور پاؤں پکڑتے جاویں گے (اور ان کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جاوے گا، یعنی کسی کا سر کسی کی ٹانگ حسب اعمال یا کبھی سر کبھی ٹانگ بغرض اجتماع انواع عذاب و نکال اور یہ خبر دینا بھی ایک نعمت ہے) سوائے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (آگے مزید عذاب بتلاتے ہیں) یہ ہے وہ جہنم جس کو مجرم لوگ (یعنی تم) جھٹلاتے تھے وہ لوگ دوزخ کے اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان چکر لگاتے ہوں گے (یعنی کبھی آگ کا عذاب ہو گا کبھی کھولتے ہوئے پانی کا جس کی تحقیق سورۃ مؤمن رکوع ہشتم میں گزر چکی ہے اور یہ خبر دینا بھی نعمت ہے) سوائے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

معارف و مسائل

کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَاَنٍ وَ یَبْعٰی وَجْہَ رَبِّکَ ذُو الْجَلَالِ ذَالِ الْکِرَامِ، عَلَیْہَا کی ضمیر اَرْض کی طرف راجع ہے، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے (وَالْاَرْضُ وَ مَا عَلَیْہَا لَدُنَّآ) اس کے علاوہ زمین اُن عام اشیاء میں سے ہے جس کی طرف ضمیر راجع کرنے کے لئے پہلے مرجع کا ذکر لازم نہیں ہے، معنی اس کے یہ ہوتے کہ جو جنات اور انسان زمین پر ہیں سب فنا ہونے والے ہیں، اس میں جن و انس کے ذکر کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ اس سورۃ میں مخاطب یہی دونوں ہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آسمان اور آسمان والی مخلوقات فانی نہیں ہیں کیونکہ دوسری آیت میں حق تعالیٰ نے عام لفظوں میں پوری مخلوقات کا فانی ہونا بھی واضح فرما دیا ہے کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْہَہُ۔

وَجْہَ رَبِّکَ، وَجْہ سے مراد جہور مفسرین کے نزدیک ذات حق سبحانہ و تعالیٰ ہے، اور رَبِّکَ میں ضمیر خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے، یہ حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص اعزاز و اکرام ہے کہ آپ کو خاص مقام مدح میں کہیں تو عَبَّادہ کا خطاب ہوا ہے، اور کہیں رَبِّ الارباب نے اپنی ذات کی نسبت حضور کی طرف کر کے رَبِّکَ سے خطاب فرمایا ہے۔

مشہور تفسیر کے مطابق معنی آیت کے یہ ہو گئے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہو جن میں جن و انس بھی داخل ہیں سب کے سب فانی ہیں، باقی رہنے والی ایک ہی ذات حق جل و علا شانہ کی ہے۔

فانی ہونے سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سب چیزیں اس وقت بھی اپنی ذات میں فانی ہیں، ان میں دوام و بقا کی صلاحیت نہیں، اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ قیامت کے روز یہ سب چیزیں فنا ہو جائیں گی۔

اور بعض حضرات مفسرین نے وَجْہَ رَبِّکَ کی تفسیر جہت اور سمت سے کی ہے، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہو جائیں گے کہ کُلُّ موجودات میں بقاء صرف اس چیز کو ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب میں ہو، اس میں

اس کی ذات و صفات بھی داخل ہیں، اور مخلوقات کے اعمال و احوال میں جس چیز کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ بھی شامل ہے، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ انسان اور جن اور فرشتے جو کام اللہ کے لئے کرتے ہیں وہ کام بھی باقی ہو وہ فنا نہیں ہوگا، (کذا فی المنطری والطرطی والروح) اور اس مفہوم کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے مَا عِنْدَ كُمْ نَقِذٌ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ یعنی جو کچھ تمہارے پاس ہے مال و دولت ہو یا قوت و طاقت یا راحت و کلفت یا کسی کی محبت و عداوت یہ سب چیزیں فنا ہونیوالی ہیں، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے والا ہے اللہ کے پاس انسان کے اعمال و احوال میں سے وہ چیز ہے جس کا تعلق حق تعالیٰ سے ہے کہ اس کو فنا نہیں والا ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، یعنی وہ رب صاحب عظمت و جلال بھی ہے اور صاحب اکرام بھی، صاحب اکرام ہونے کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ درحقیقت ہر اکرام و اعزاز کا مستحق تہنا وہی ہے، اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ خود صاحب عظمت و جلال ہونے کے باوجود عام دنیا کے بادشاہوں اور عظمت والوں کی طرح نہیں کہ ان کو دوسروں کی اور عسریہوں کی طرف التفات و توجہ نہ ہو، بلکہ وہ عظمت و جلال کے ساتھ اپنی مخلوقات کا بھی اکرام کرتا ہے، کہ ان کو عطا وجود کے بعد طرح طرح کی بے شمار نعمتوں سے نوازتا ہے، اور ان کی درخواستیں اور دعائیں سنتا ہے، اگلی آیت اسی دوسرے معنی کی شہادت دیتی ہے، اور یہ لفظ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ حَقّاً کی اُن خاص صفات میں سے ہے کہ ان کو ذکر کر کے انسان جو دعاء مانگتا ہے قبول ہوتی ہے، ترمذی، نسائی اور مسند احمد میں ربیعہ ابن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْظُلُوْا بِسَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، اَلْظُلُوْا، الظاظ سے مشتق ہے، جس کے معنی لازم پھرنے کے ہیں، مراد حدیث کی یہ ہے کہ اپنی دعاؤں میں یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ کو یاد رکھو اور اس کے ساتھ دعاء کیا کرو کیونکہ وہ اقرب الی القبول ہے (منطری)

يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِنْ كُلِّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَاۡنٍ، یعنی زمین و آسمان کی ساری مخلوقات حق تعالیٰ کی محتاج ہیں، اور اسی سے اپنی حاجات مانگتی ہیں، زمین والے اپنے مناسب حاجات رزق اور صحت و عافیت اور آرام و راحت پھر آخرت کی مغفرت و رحمت اور جنت مانگتے ہیں، آسمان والے اگرچہ کھاتے پیتے نہیں، مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کے ہر وقت محتاج ہیں، وہ بھی رحمت و مغفرت وغیرہ اپنی حاجات کے طلبگار رہتے ہیں، آگے کُلُّ يَوْمٍ اسی یَسْأَلُ کا ظرف ہے، یعنی ان کے یہ سوالات اور درخواستیں حق تعالیٰ سے ہر روز رہتی ہیں اور یوم اور روز سے مراد بھی عرفی دن نہیں، بلکہ مطلقاً وقت مراد ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ساری مخلوقات مختلف خطوں، مختلف زبانوں میں اس سے اپنی اپنی حاجات ہر وقت مانگتی رہتی ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ پوری مخلوقات ارضی و سمائی اور ان کے ایک ایک فرد کی بے شمار حاجتیں اور وہ بھی ہر گھڑی ہر آن سوائے اس عظمت و جلال والے

قادِ مطلق کے کون سن سکتا ہے اور کون ان کو پورا کر سکتا ہے، اسی لئے کُلّ یَوْم کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہُوئی شان یعنی ہر وقت ہر لحظہ حق تعالیٰ کی ایک خاص شان ہوتی ہے وہ کسی کو زندہ کرتا ہے، کسی کو موت دیتا ہے، کسی کو عزت دیتا ہے کسی کو ذلت دیتا ہے، کسی تندرست کو بیمار اور کسی بیمار کو تندرست کرتا ہے، کسی مصیبت زدہ کو نصیب سے نجات دیتا ہے کسی غم زدہ کو رونے والے کو ہنسنا دیتا ہے، کسی سائل کو اس کی مانگی ہوئی چیز عطا کر دیتا ہے، کسی کا گناہ معاف کر کے جنت میں داخل ہونے کا سحق بنا دیتا ہے، کسی قوم کو بلند و صاحبِ اقتدار بنا دیتا ہے کسی قوم کو پست و ذلیل کر دیتا ہے، غرض ہر آن ہر لمحہ حق تعالیٰ جل شانہ کی ایک خاص شان ہوتی ہے۔

سَنَفَرُكُمْ لَكُمْ آيَةُ الثَّقَلَيْنِ، ثَقْلَانِ، ثِقْلٌ كَاتِبُهُمَا جِسْمٌ فِي مَعْنَى دُرِّ زَنْ اور بوجھ کے ہیں، ثَقْلَانِ دو بوجھ، مراد اس سے انسان اور جنات ہیں، لفظ ثَقُلَ عربی زبان میں ہر ایسی چیز کے لئے بولا جاتا ہے جس کا وزن اور قدر و قیمت معروف ہو، اسی لئے حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، إِنِّي تَارِكٌ فَيْكُمْ الثَّقَلَيْنِ الخ یعنی میں اپنے بعد دو وزن دار قابل قدر چیزیں چھوڑتا ہوں جو تمھاری ہدایت و اصلاح کا کام دیتی رہیں گی، ان دونوں چیزوں کا بیان بعض روایات میں کِتَابُ اللَّهِ وَعَمْرَتُنِ آیا ہے، بعض میں کِتَابُ اللَّهِ وَسُنَّتِي اور حاصل دونوں کا ایک ہی ہے، کیونکہ عترت سے مراد اپنی اولاد ہے جس میں نبی اور روحانی دونوں قسم کی اولاد شامل ہے، اس لئے مراد سب صحابہ کرام ہوئے، اور معنی حدیث کے یہ ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دو چیزیں مسلمانوں کی ہدایت و اصلاح کا ذریعہ ہوں گی، ایک اللہ کی کتاب دوسرے آپ کے صحابہ کرام اور معاملات و احکام میں ان کا تعامل، اور جس روایت میں عترت کی جگہ سنت آیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات جو صحابہ کرام کے واسطے سے مسلمانوں کو پہنچی ہیں۔

بہر حال اس حدیث میں ثقلین سے مراد دو وزن دار قابلِ قدر چیزیں ہیں، آیت مذکورہ میں جنّ و انس کی دونوں نوعوں کو ثقلین اسی مفہوم کے اعتبار سے کہا گیا ہے کہ زمین پر بسنے والے سب ذمی روح چیزوں میں جنّ و انس سب سے زیادہ وزن دار اور قابلِ قدر ہیں، اور سَفَرُغ، فَرَاغ سے مشتق ہے، جس کے معنی کسی شغل سے فارغ اور خالی ہونے کے ہیں، فَرَاغ کا مقابل لغت میں شغل ہے، اور لفظ فَرَاغ دو چیزوں کی خبر دیتا ہے اول یہ کہ کسی شغل میں مشغول تھا، دوسرے یہ کہ اب اس شغل کو ختم کر کے فارغ ہو گیا، یہ دونوں باتیں مخلوقات میں تو معروف و مشہور ہیں، انسان کبھی ایک شغل میں لگا ہوا ہوتا ہے پھر اس سے فارغ ہو جاتا ہے، مگر حق تعالیٰ جلّ شانہ ان دونوں سے بری ہیں، نہ اُن کو ایک شغل دوسرے شغل سے مانع ہوتا ہے نہ وہ کبھی اس طرح فارغ ہوتے ہیں، جس طرح انسان فارغ ہوا کرتا ہے۔

اس لئے آیت مذکور میں سَنَفَرُوح کا لفظ ایک تشبیہ و استعارہ کے طور پر لایا گیا ہے جو عام انسانوں میں رائج ہے کہ کسی کام کی اہمیت بتلانے کے لئے کہا جاتا ہے، کہ ہم اس کام کے لئے فارغ ہو گئے یعنی اب پوری توجہ اسی کام پر ہے، اور جو آدمی کسی کام پر اپنی پوری توجہ خرچ کرتا ہے اس کے لئے محاورہ یہی

کہا جاتا ہے کہ اس کو تو اس کے سوا کوئی کام نہیں۔

اس سے پہلی آیت میں جو یہ مذکور تھا کہ آسمان و زمین کی ساری مخلوقات اور ان کا ایک ایک فرد حق تعالیٰ سے اپنی حاجات مانگتا رہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر حال میں اُن کی درخواست پورا کرنے کے لحاظ سے ایک خاص شان میں ہوتے ہیں، آیت تنفرغ کُھم الخ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ قیامت کے روز درخواستوں اور ان کے قبول اور اُن پر عمل کا سب سلسلہ بند ہو جائے گا اُس وقت کام صرف ایک رہ جائیگا اور شیون مختلفہ میں سے صرف ایک شان ہوگی، یعنی حساب و کتاب اور عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ (روح)

يَمْعَشَ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِنَّ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ، پچھلی آیت میں جنّ و انس کو بلفظ ثقلین مخاطب کر کے بتلایا گیا تھا کہ قیامت کے روز ایک ہی کام ہوگا کہ سب جنّ و انس کے اعمال کا جائزہ لیا جائے گا، اور اس کے ذرّہ ذرّہ پر جزاء و سزا ہوگی، اس آیت میں یہ بتلانا منظور ہے کہ روز جزاء کی حاضری اور حساب اعمال سے کوئی شخص راہ ضرار اختیار نہیں کر سکتا، کسی کی مجال نہیں جو موت سے یا روز قیامت کے حساب سے کہیں بھاگ کر بچ سکے، اس آیت میں ثقلین کے بجائے يَمْعَشَ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ کے صریح نام ذکر فرمائے اور جنّ کو انس پر مقدم کیا، شاید اس میں اشارہ اس طرف ہو کہ آسمان و زمین کے اقطار سے پار نکل جانا بڑی قوت و قدرت چاہتا ہے، جنّات کو حق تعالیٰ نے ایسے امور کی قوت انسان سے زیادہ بخشی ہے، اس لئے جنّ کے ذکر کو مقدم کیا گیا، مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے جنّات اور انسانو! اگر تمہیں یہ گمان ہو کہ ہم کہیں بھاگ جائیں گے، اور اس طرح ملک الموت کے تصرف سے بچ جائیں یا میدانِ حشر سے بھاگ کر نکل جائیں گے اور حساب کتاب سے بچ جائیں گے، تو لو اپنی قوت آزمادیکھو، اگر تمہیں اس پر قدرت ہے کہ آسمان و زمین کے دائروں سے باہر نکل جاؤ تو نکل کر دکھلاؤ، یہ کوئی آسان کام نہیں، اس کے لئے تو بہت بڑی قوت و قدرت درکار ہے، جو جنّ و انس کی دونوں قوموں کو حاصل نہیں، اس کا حاصل ان کا اقطارِ سما و ارض سے باہر نکلنے کا امکان و احتمال بتلانا نہیں، بلکہ بطور فرض محال ان کا عاجز ہونا دکھلانا ہے۔

آیت میں مراد اگر موت سے فرار ہے تو یہی دنیا اس کا مصداق ہے، کہ کسی کے امکان میں نہیں کہ زمین سے آسمانوں تک کی حدود کو پھلانگ کر باہر نکل جائے، اور موت سے بچ جائے، ان حدود کو پار کرنے کا ذکر بھی انسانی خیال کے مطابق کیا گیا ہے، ورنہ بالفرض کوئی آسمانوں کی حدود سے باہر نکل جائے تو اللہ تعالیٰ کے احاطہ قدرت سے بھی باہر نہیں، اور اگر مراد محشر کے حساب و کتاب اور جواب دہی سے فرار کا ناممکن ہونا بتلانا ہے، تو اس کی عملی صورت قرآن کریم کی دوسری آیات اور روایات حدیث میں یہ ہے کہ قیامت کے روز آسمان شق ہو کر سب فرشتے زمین کے کناروں پر آجائیں گے، اور ہر طرف سے محاصرہ ہوگا، جنّ و انس قیامت کی ہولناک چیزوں کو دیکھ کر مختلف سمتوں میں بھاگیں گے، ہر سمت میں

فرشتوں کا محاصرہ دیکھ کر پھر اپنی جگہ لوٹ آئیں گے (روح)

فضائی سفر جو آجکل مصنوعی سیاروں اور راکٹوں سے ہو رہا ہے اس زمانہ میں جو زمین کی کشش سے باہر نکلنے اور خلا میں سیارات پر پہنچنے کے تجربات ہو رہے ہیں وہ سب ظاہر ہے کہ آسمان کے حدود سے باہر نہیں، بلکہ سطح آسمان سے مہرے نیچے ہو رہے ہیں، اقطار السموات سے باہر نکل جانے کا اس سے کوئی تعلق نہیں، یہ تو اقطار السموات کے قریب بھی نہیں پہنچ سکے یا ہر نکلنا تو کجا، اس لئے اس آیت کے مفہوم سے ان خلائی سفروں اور سیارات پر پہنچنے کے واقعات کا کوئی تعلق نہیں، بعض سادہ لوح لوگ اس آیت ہی کو خلائی سفروں کے امکان و حجاز کے لئے پیش کرنے لگے، جو معانی قرآن سے بالکل ناواقفیت کی دلیل ہے۔

یُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شَوْاظُ مِّنْ نَّارٍ وَنُحَاسٍ فَلَا تَدْخِیٰرَ لِّہٖمَا ۚ

تفسیر نے فرمایا کہ شواظ بضم شین آگ کے اُس شعلے کو کہا جاتا ہے جس میں دھواں نہ ہو، اور نحاس اس دھوئیں کو کہا جاتا ہے جس میں آگ کی روشنی نہ ہو، اس آیت میں بھی جن دھواں کو خطاب کر کے ان پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑنے کا بیان ہے، اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حساب کتاب کے بعد جو مجرمین کو جہنم میں ڈالا جائے گا اس میں یہ دو طرح کے عذاب ہوں گے، کہیں آگ ہی آگ اور شعلہ ہی شعلہ دھوئیں کا نام نہیں، اور کہیں دھواں ہی دھواں جس میں آگ کی کوئی روشنی نہیں، اور بعض مفسرین نے اس آیت کو پچھلی آیت کا تکملہ قرار دے کر یہ معنی کئے ہیں کہ اے جن دھواں آسمانوں کے حدود سے نکل جانا تمھارے بس کی بات نہیں، اگر تم ایسا ارادہ کر بھی لو تو جس طرف بھاگ کر جاؤ گے آگ کے شعلے اور دھوئیں تمہیں گھیر لیں گے (ابن کثیر)۔

فَلَا تَدْخِیٰرَ لِّہٖمَا، انتصار سے مشتق ہے، جس کے معنی کسی کی مدد کر کے مصیبت سے نکالنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عذاب الہی سے بچنے کے لئے تم سب جن دھواں میں سے کوئی کسی کی مدد نہ کر سکو گا کہ اس کے ذریعہ عذاب سے چھوٹ جائے۔

فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ، یعنی اس دن کسی انسان یا جن سے اُس کا گناہ نہ پوچھا جائے گا، اس کا ایک مفہوم تو وہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں لیا گیا ہے کہ ان لوگوں سے قیامت میں یہ نہ پوچھا جائے گا کہ تم نے فلاں جرم کیا ہے یا نہیں، وہ تو فرشتوں کے لکھے ہوئے اعمال ناموں میں محفوظ اور اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں اس سے پہلے سے موجود ہے، بلکہ سوال یہ ہو گا کہ فلاں جرم تم نے کیوں کیا، یہ تفسیر ابن عباسؓ کی ہے، اور مجاہدؓ نے فرمایا کہ فرشتے جو مجرمین کے عذاب پر مامور ہیں اُن کو مجرمین سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی کہ تم نے یہ جرم کیا ہے یا نہیں، بلکہ ہر جرم کی ایک خاص نشانی مجرمین کے چہروں سے ظاہر ہوگی، فرشتے وہ نشانی دیکھ کر ان کو جہنم میں دھکیل دیں گے، اگلی آیت میں یہی مضمون آیا ہے (يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ) ان دونوں تفسیروں کا حاصل یہ ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ محشر میں حساب کتاب کے بعد مجرمین کے جہنم میں ڈالنے کا فیصلہ ہو چکے گا، تو اب ان سے اُن کے گناہوں کے بارے میں

کوئی گفتگو نہ ہوگی وہ علامت سے پہچان کر جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔

اور حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ یہ اُس وقت کا حال ہے جب ایک مرتبہ ان سے اُن کے جرائم کی پرسیس ہو چکے گی، اور وہ انکار کر دیں گے، قیسیں اٹھالیں گے، تو ان کے مونہوں اور زبانوں پر مہر کر دی جائے گی، ہاتھوں پاؤں کی گواہی لی جائے گی، یہ تینوں تفسیریں ابن کثیر نے نقل کی ہیں، تینوں متقارب ہیں کوئی اختلاف نہیں۔

يُوعَرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالْأُصْحَىٰ وَالْأَقْدَامِ، سیماء کے معنی علامت کے ہیں، حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس روز بحرین جن کو جہنم میں ڈالنے کا فیصلہ ہوگا اُن کی علامت یہ ہوگی کہ چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلگوں ہوں گی، رنج و غم سے چہرے فق ہوں گے، فرشتے اسی علامت کے ذریعہ اُن کو پکڑیں گے، اُصْحَىٰ، ناصیۃ کی جمع ہے، پیشانی کے بالوں کو کہا جاتا ہے، اُصْحَىٰ اور اَقْدَام سے پکڑنے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کسی کو سر کے بال پکڑ کر گھسیٹا جائے گا، کسی کو ٹانگیں پکڑ کر یا کبھی اس طرح کبھی اُس طرح، گھسیٹا جائے گا، اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ پیشانی کے بالوں اور ٹانگوں کو ایک جگہ جکڑ دیا جائے گا رکز اقالہ الضحاک، روح، واللہ اعلم

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتُ ۖ ﴿۴۶﴾ فَيَأْتِي الْأَعْرَافَ رِبَّكُمَا تُكْزِبُ ۖ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَا

اور جو کوئی ڈرا کھڑے ہونے سے اپنی رب کے آگے اس کیلئے ہیں دو باع، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے، جن میں

أَقْنَانِ ۖ ﴿۴۸﴾ فَيَأْتِي الْأَعْرَافَ رِبَّكُمَا تُكْزِبُ ۖ ﴿۴۹﴾ فِيهِمَا عَيْنَانِ تَجْرِي ۖ ﴿۵۰﴾ فَيَأْتِي

بہت سی شاخیں، پھر کیا کیا نعمتیں اپنی رب کی جھٹلاؤ گے، ان دونوں میں دو چشمے بہتے ہیں، پھر کیا کیا

الْأَعْرَافَ رِبَّكُمَا تُكْزِبُ ۖ ﴿۵۱﴾ فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ ۖ ﴿۵۲﴾ فَيَأْتِي الْأَعْرَافَ

نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے، ان دونوں میں ہر میوہ قسم قسم کا ہوگا، پھر کیا کیا نعمتیں

رِبَّكُمَا تُكْزِبُ ۖ ﴿۵۳﴾ مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ فُرُشٍ بَطَآئِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ ۖ ﴿۵۴﴾

اپنی رب کی جھٹلاؤ گے، تکیہ لگاتے بیٹھے بچھونوں پر جن کے استر تافتے کے،

وَجَنَّاتُ الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ۖ ﴿۵۵﴾ فَيَأْتِي الْأَعْرَافَ رِبَّكُمَا تُكْزِبُ ۖ ﴿۵۶﴾ فِيْهِنَّ

اور میوہ ان باغوں کا جھک رہا، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے، اُن میں

قُصُورٌ الطَّرَفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌ ۖ ﴿۵۷﴾ فَيَأْتِي

عورتیں ہیں نیچی نگاہ والیاں نہیں قربت کی ان سے کسی آدمی نے ان سے پہلے اور نہ کسی جن نے، پھر کیا کیا

الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝۵۸ كَا تَخُنُّ الْيَاقُوتَ وَالْمَرْجَانَ ۝۵۹ فَبِأَيِّ آلَاءِ

نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، وہ کیسی جلیے کہ لعل اور موتی ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے

رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝۵۹ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ۝۶۰ فَبِأَيِّ آلَاءِ

رب کی جھٹلاؤ گے ، اور کیا بدلہ ہونیکی کا مگر نیکی ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے

رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝۶۱ وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّاتٍ ۝۶۲ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝۶۳

رب کی جھٹلاؤ گے ، اور ان دو کے سوائے اور دو باغ ہیں ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ،

مُدُّ هَامِثٍ ۝۶۴ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝۶۵ فِيهِمَا عَيْنَانِ نَضَّاخَتَيْنِ ۝۶۶

گہری سبز جلیے سیاہ ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، ان میں دو چشمے ہیں اُبلتے ہوئے ،

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝۶۶ فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ۝۶۷ فَبِأَيِّ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، ان میں میوے ہیں اور کھجوریں اور انار ، پھر کیا کیا

الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝۶۷ فِيهِنَّ خَيْرٌ حَسَنٌ ۝۶۸ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا

نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ، اُن سب باغوں میں اچھی عورتیں ہیں خوبصورت ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی

تُكَذِّبِينَ ۝۶۸ حُورٌ مَّقْصُودَاتٌ فِي الْخِيَامِ ۝۶۹ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝۷۰

جھٹلاؤ گے ، حوریں ہیں رُکی رہنے والیاں نیموں میں ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ،

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌ ۝۷۱ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝۷۲

نہیں ہاتھ لگایا اُن کو کسی آدمی نے ان سے پہلے اور نہ کسی جن نے ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ،

مَتَّكِعِينَ عَلَى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَعَبْقَرِيٍّ حَسَانٍ ۝۷۳ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا

تکیہ لگاتے بیٹھے سبز مسندوں پر اور قیمتی بچھونے نفیس پر ، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی

تُكَذِّبِينَ ۝۷۴ تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝۷۵

جھٹلاؤ گے ، بڑی برکت ہے نام کو تیرے رب کے جو بڑائی والا اور عظمت والا ہے ،

خلاصہ تفسیر

ان آیتوں میں دو باغوں کا ذکر اولین خائف سے شروع ہوا ہے اور دو باغوں کا ذکر دُور ہما

سے پہلے دو باغ خواص مستربین کے ہیں اور پچھلے دو باغ عامہ مؤمنین کے لئے، دلائل اس تعین و تقسیم کے آگے لکھ دیئے جاویں گے، یہاں صرف تفسیر لکھی جاتی ہے، پچھلی آیات میں مجرمین کی سزاؤں کا ذکر تھا، یہاں سے مؤمنین صاحبین کی جزا کا ذکر شروع ہوتا ہے (اور اہل جنت کا حال یہ ہے کہ ان میں دو قسم ہیں، خواص اور عوام پس) جو شخص (خواص میں سے ہو اور) اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے (ہر وقت) ڈرتا رہتا ہو (اور ڈر کر شہوتا و معاصی سے مجتنب رہتا ہو، اور یہ شان خواص ہی کی ہے، کیونکہ عوام پر تو گاہ گاہ خوف طاری ہو جاتا ہے، اور کبھی ان سے معاصی بھی سرزد ہو جاتے ہیں گو توبہ کر لیں، غرض جو شخص ایسا متقی ہو) اس کے لئے (جنت میں) دو باغ ہوں گے (یعنی ہر متقی کے لئے دو باغ اور غالباً اس تعدد میں حکمت ان کے تکریم اور تنعم کا اظہار ہوگا جس طرح دنیا میں اہل تنعم کے پاس اکثر چیزیں منقولات و غیر منقولات میں سے متعدد ہوتی ہیں) سوائے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور وہ) دونوں باغ کثیر شاخوں والے ہوں گے (اس میں سایہ کی گنجائی اور ثمرات کی کثرت کی طرف اشارہ ہے) سوائے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور) ان دونوں باغوں میں دو چٹے ہوں گے کہ (دور تک) بہتے چلے جاویں گے سوائے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور) ان دونوں باغوں میں ہر میوہ کی دو قسمیں ہوں گی (کہ اس میں زیادہ تلذذ ہے، کبھی ایک قسم کا مزہ لے لیا کبھی دوسری قسم کا) سوائے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور) وہ لوگ نیچے لگائے ایسے فرشوں پر بیٹھے ہوں گے جن کے استر دیز ریشم کے ہوں گے (اور قاعدہ ہے کہ اوپر کا کپڑا بہ نسبت استر کے زیادہ نفیس ہوتا ہے، پس جب استر استبرق ہوگا تو اوپر کا کیسا کچھ ہوگا) اور ان دونوں باغوں کا پھل بہت نزدیک ہوگا کہ کھڑے بیٹھے، لیٹے ہر طرح بلا مشقت ہاتھ آ سکتا ہے) سوائے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور) ان (باغوں کے مکانات اور محلات) میں نیچی نگاہ والیاں (یعنی حوریں) ہوں گی کہ ان (جنتی) لوگوں سے پہلے ان پر نہ تو کسی آدمی نے تصرف کیا ہوگا اور نہ کسی جن نے (یعنی بالکل محفوظ و غیر مستعمل ہوں گی) سوائے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور رنگت اس قدر صاف و شفاف ہوگی کہ) گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں (اور ممکن ہے کہ تشبیہ سرخی میں بھی ہو اور تعدد مشابہ کا غالباً اہتمام کیلئے ہے) سوائے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (آگے مضمین مذکور کی تقریر و تاکید پر کہ) بھلا غایت اطاعت کا بدلہ بجز غایت عنایت کے کچھ اور بھی ہو سکتا ہے، (انہوں نے غایت اطاعت کی، اس لئے صلہ میں غایت عنایت کے مورد ہوئے) سوائے جن و انس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (یہ تو خواص کے باغوں

کی صفت مذکور ہوئی) اور آگے عامہ مؤمنین کے باغوں کا ذکر ہے یعنی ان (مذکورہ) دونوں باغوں سے کم درجہ میں دو باغ اور ہیں (جو عامہ مؤمنین کے لئے ہیں اور ہر ایک کو دو دو ملیں گے) سوائے جن وانس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور آگے ان باغوں کی صفت ہے کہ) وہ دونوں باغ ہرے سبز ہوں گے سوائے جن وانس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے، ان دونوں باغوں میں دو چشے ہوں گے کہ جوش مارتے ہوں گے سوائے جن وانس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (جوش مارنا بوجہ اس کے کہ چشمہ کے لازم میں سے ہے اور پر کے چشموں میں بھی یہ صفت مشترک ہے اور وہاں شجرین بھی ہے، اور یہاں نہیں پس یہ قرینہ ہے اس کا کہ یہ چشمے صفت جریان میں پہلے دو چشموں سے کم ہیں، اور یہ باغ ان باغوں سے کم ہیں اور) ان دونوں باغوں میں میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے سوائے جن وانس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (یہاں مطلقاً فاکہ اور اور پھر تفصیل میں نخل و رمان پر اکتفا فرمانا اور وہاں لفظ نخل سے ہر قسم کے فواکہ کی تصریح اور پھر لفظ زو جان سے ان کے متعدد ہونے کا ذکر جس سے فواکہ کی کثرت معلوم ہوتی ہے، یہ سب قرائن اس کے ہیں کہ جنتین اولین ان اُخرین سے افضل و اعلیٰ ہیں اور) ان (باغوں کے مکانات) میں خوب سیرت خوب صورت عورتیں ہوں گی (یعنی حوریں) سوائے جن وانس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے، وہ عورتیں گوری رنگت والی ہوں گی (اور) خیموں میں محفوظ ہوں گی سوائے جن وانس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور) ان (جنتی) لوگوں سے پہلے اُن پر نہ تو کسی آدمی نے تصرف کیا ہوگا اور نہ کسی جن نے (یعنی غیر مستعمل ہوں گی) سوائے جن وانس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (وہاں یا قوت و مرجان سے تشبیہ دینا جو کہ مفید مبالغہ ہے اور یہاں صرف حسان پر اکتفا فرمانا نیز قرینہ ہے کہ پہلے دو باغ دوسرے دو باغوں سے افضل ہیں، اور یہاں کے سب صفات وہاں صراحتاً یا اشارۃً مذکور ہیں مثلاً خوش سیرت ہونا، قصرت الطرُف سے مفہوم ہوتا ہے، حور ہونا قرینہ مقام سے معلوم ہوتا ہے مَقَصِّرَات سے زیادہ عصمت و عفت پر لفظ قَصْرُ الطَّرْفِ دلالت کرتا ہے، کہ جو ایسی ہوں گی وہ ضرور ہی گھر میں رہیں گی اور) وہ لوگ سبز مشجر اور عجیب خوب صورت کپڑوں (کے فرشتوں) پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے، سوائے جن وانس (باوجود اس کثرت و عظمتِ نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دو باغوں کے فرش بہ نسبت پہلے دو باغوں کے کم درجہ کے ہوں گے، کیونکہ وہاں تصریح ہے ریشمی ہونے کی، پھر دوسرے ہونے کی، اور یہاں نہیں ہے آگے خاتمہ میں حق تعالیٰ کی ثناء و صفت ہے جس میں ان تمام مضامین کی جو سورہ رحمن میں مفصل بیان

ہوئے ہیں تاہم تاکید ہے کہ بڑا بابرکت نام ہے آپ کے رب کا جو عظمت والا اور احسان والا ہے (نام سے مراد صفات ہیں جو کہ ذات کے غیر نہیں، پس حاصل جملہ کائنات ہوئی کمال ذات و صفات کے ساتھ، اور شاید لفظ اسم بڑھانے سے مقصود مبالغہ ہو کہ مسمیٰ تو کیسا کامل اور بابرکت ہوگا اس کا تو اسم بھی مبارک اور کامل ہے۔

معارف و مسائل

جن طرح سابقہ آیات میں مجرمین کی سخت سزاؤں کا ذکر تھا ان آیات میں ان کے بالمقابل مؤمنین صالحین کی عمدہ جزاؤں اور نعمتوں کا بیان ہے جن میں اہل جنت کے پہلے دو باغوں کا ذکر اور ان میں جو نعمتیں ہیں ان کا بیان ہے، اس کے بعد دوسرے دو باغوں کا اور ان میں ہتیا کی ہوئی نعمتوں کا ذکر ہے۔

پہلے دو باغ جن حضرات کے لئے مخصوص ہیں ان کو تو متعین کر کے بتلادیا ہے (لَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ) یعنی ان دو باغوں کے مستحق وہ لوگ ہیں جو ہر وقت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامت کے روز کی پیشی اور حساب کتاب سے ڈرتے رہتے ہیں جس کے نتیجہ میں وہ کسی گناہ کے پاس نہیں جاتے، ظاہر ہے کہ ایسے لوگ سابقین اور مفسرین خاص ہی ہو سکتے ہیں۔

دوسرے دو باغوں کے مستحق کون ہوں گے اس کی تصریح آیات مذکورہ میں نہیں کی گئی، مگر یہ بتلادیا گیا ہے کہ یہ دونوں باغ پہلے دو باغوں کی نسبت کم درجہ کے ہونگے (وَمَنْ دُونََهُمَا جَنَّاتٌ) یعنی پہلے دو باغوں سے کمتر اور دو باغ ہیں، اس سے بقرینہ مقام معلوم ہو گیا کہ ان دو باغوں کے مستحق عام مؤمنین ہوں گے جو مفسرین خاص سے درجہ میں کم ہیں۔

پہلے اور دوسرے دو باغوں کی تفسیر میں حضرات مفسرین نے اور بھی توجہات بیان فرمائی ہیں، یہاں جو تفسیر اختیار کی گئی ہے کہ پہلے دو باغ سابقین اولین اور مفسرین خاص کے لئے ہیں، اور دوسرے دو باغ عامہ مؤمنین کے لئے، اور یہ کہ یہ دوسرے دو باغ پہلے دو باغوں سے درجہ میں کم ہیں، روایات حدیث سے یہی تفسیر رائج معلوم ہوتی ہے جیسا کہ بیان لہذا قرآن میں بحوالہ درمنثور یہ حدیث مرفوعہ نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت لَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ اور مَنْ دُونََهُمَا جَنَّاتٌ کی تفسیر میں فرمایا جَنَّاتٍ مَنْ ذَهَبٍ لِّلْمُقَرَّبِينَ وَجَنَّاتٍ مَنْ وَرَقٍ لِّلْأَعْيُنِ یعنی دو باغ سونے کے بنے ہوئے ہیں مفسرین کے لئے اور دو باغ چاندی کے اصحاب الیمین یعنی عام مؤمنین صالحین کے لئے، نیز درمنثور میں حضرت براہ بن عازبؓ سے موقوفاً یہ روایت کیا ہے اَلْعَيْنَانِ الَّتِي تَجْرِيَانِ خَيْرٌ مِنَ النَّصَاحَتَيْنِ، یعنی پہلے دو باغوں کے دو چشمے جن کے پائے میں شجر بیان فرمایا ہے وہ بہتر ہیں دوسرے دو باغوں کے چشموں سے جن کے متعلق نَصَاحَتَانِ فرمایا ہے، کیونکہ نَصَاحَتَانِ کے معنی ہیں اُبلنے والے دو چشمے، تو یہ صفت ہر چشمہ میں ہوتی ہوگی جن کو شجر بیان کے عنوان سے بیان کیا ہے، ان میں اُبلنے کے علاوہ دور تک سطح زمین

پر جاری رہنے کی صفت مزید ہے۔

یہ اجمالی بیان تھا ان چار چیزوں کا جو اہل جنت کو ملیں گے، اب الفاظ آیات کے ساتھ ان کے معانی کو دیکھو
وَلَمِنْ خِفَافٍ مَّقَامٍ رَّيِّبٍ، مقام رب سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک قیامت کے روز حق تعالیٰ کے سامنے
حساب کے لئے پیشی ہے، اور اس سے خوف کے معنی یہ ہیں کہ جلوت و خلوت میں اور ظاہر و باطن کے تمام احوال میں
اس کو یہ مراقبہ دائمی رہتا ہو کہ مجھے ایک روز حق تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا اور اعمال کا حساب دینا ہے اور ظاہر ہو
جس کو ایسا مراقبہ ہمیشہ رہتا ہو وہ گناہ کے پاس نہیں جائے گا۔

اور قرطبی وغیرہ بعض حضرات مفسرین نے مقام رب کی یہ تفسیر بھی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہر قول و
فعل اور خفیہ و علانیہ عمل پر نگران اور قائم ہے، ہماری ہر حرکت اس کے سامنے ہے، حاصل اس کا بھی وہی ہوگا
کہ حق تعالیٰ کا یہ مراقبہ اس کو گناہوں سے بچا دے گا۔

ذَوَاتَا أَفْنَانٍ، یہ پہلے دو باغوں کی صفت ہو کہ بہت شاخوں والے ہوں گے، جن کا یہ اثر لازمی ہے کہ
ان کا سایہ بھی گھٹنا ہوگا اور پھل بھی زیادہ ہوگا، دوسرے دو باغ جن کا ذکر آگے آتا ہے اُن میں یہ صفت مذکور نہیں،
جس سے اس معاملہ میں ان کی کمی کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔

فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَيْنِ، پہلے دو باغوں کی صفت میں مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ کے الفاظ سے تمام انواع
فواکہ کا ہونا بیان فرمایا ہے، اس کے بالمقابل دوسرے باغوں میں مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ کے بجائے صرف فَاكِهَةٍ کے الفاظ
ہیں، اور زَوْجَانِ کے معنی یہ ہیں کہ ہر میوے کی دو درقسیم ہوں گی، یہ دو قسمیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خشک و
تر کی ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک تو عام معروف و مشہور..... اور دوسرے کی ہو اور دوسری غیر معمولی
انداز کی (مظہری)

لَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ ثَمَرٍ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ، لفظ طمٹ کسی معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے، حیض کے
خون کو طمٹ کہتے ہیں، اور حائضہ عورت کو طامٹ کہا جاتا ہے، اور کنواری لڑکی سے مباشرت کو بھی طمٹ
کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس جگہ یہی معنی مراد ہیں، اور اس میں جو اس کی نفی کی گئی ہے کہ جن اہل جنت کے
لئے یہ حوریں مستتر ہیں، ان سے پہلے ان کو کسی انسان یا جن نے مس نہیں کیا ہوگا، اس کا مفہوم وہ بھی ہو سکتا ہو
جو خلاصہ تفسیر میں بیان ہوا ہے کہ جو حوریں انسانوں کے لئے مستتر ہیں ان کو کسی انسان نے اور جو مؤمنین
جنات کے لئے مقرر ہیں اُن کو کسی جن نے ان سے پہلے مس نہیں کیا ہوگا، اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جیسے
دنیا میں انسانی عورتوں پر کبھی جنات بھی مسلط ہو جاتے ہیں وہاں اس کا بھی کوئی امکان نہیں ہوگا۔

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ، مقربین خاص کے دو باغوں کی کچھ تفصیل ذکر کرنے کے
بعد یہ ارشاد فرمایا کہ احسان عمل کا بدلہ احسان جزاء ہی ہو سکتا ہے اس کے سوا کوئی احتمال نہیں، ان حضرات
نے احسان عمل یعنی ہمیشہ نیک عمل کرنے کی پابندی کی تو حق تعالیٰ کی طرف سے ان کو عمدہ جزاء ہی کا بدلہ

دیا جانا چاہئے تھا جو اُن کو دیا گیا۔

مُدَّهَا مَتْنٌ، گہری سبزی کی وجہ سے جو سیاہی جھلکنے لگتی ہے اس کو ادہام کہا جاتا ہے، مراد یہی ہے کہ ان دونوں باغوں کی سرسبزی ان کے سیاہی مائل ہونے کا سبب ہوگی، یہ صفت اگرچہ پہلے دو باغوں میں ذکر نہیں کی گئی ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُن میں یہ صفت نہ ہو، بلکہ ذَوَاتُا اَفْنَانٍ جو وہاں کی صفت بتلاتی ہے، اس میں مُدَّهَا مَتْنٌ کی صفت بھی شامل ہے۔

فِيْهِمْ نَخِيْلٌ مِّنْ حِجَّانٍ، نَخِيْلَات سے مراد سیرت ذکر دار کی خوبی اور حِجَّان سے مراد شکل و صورت کی خوبی ہے، اور یہ امر بھی دونوں باغوں کی حوروں میں مشترک ہوگا جس کی طرف اشارہ سابقہ آیات میں موجود ہے۔ مَتِّكَيْنَ عَلٰی رَءْسٍ فِیْ حُصْنٍ وَّعَبْقَرٰی حِجَّانٍ، قاموس میں ہے کہ رُفْرُفٌ سبز رنگ کا ریشمی کپڑا، اسی جس کے فرش اور تکیے اور دوسرا زینت کا سامان بنایا جاتا ہے، اور صحاح میں ہے کہ اس پر نقش و نگار درختوں اور پھولوں کے ہوتے ہیں، جس کو اردو میں شجر کہا جاتا ہے، عَبْقَرٰی ہر عمدہ خوب صورت کپڑے کو کہا جاتا ہے، حِجَّان سے اسی کا وصف خوب صورتی بیان کیا گیا ہے۔

تَبٰرَكَ اَسْمُ رَبِّكَ ذٰی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ، سورۃ الرحمن میں بیشتر حق تعالیٰ کی نعمتوں اور افسان پر احسانات کا ذکر ہے، اس کے خاتمہ پر خلاصہ کے طور پر یہ جملہ ارشاد ہوا کہ اُس ذات پاک کا تو کہنا کیا ہو اس کا نام بھی بڑا بابرکت ہے، اس کے نام ہی سے یہ ساری نعمتیں قائم ہیں، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ الرَّحْمٰنِ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَحَمْدِهِ
الْحَادِیْ عَشَرَ مِنَ الرَّبِّیْعِ الثَّانِیِ،
سُورَةُ یَوْمِ السَّبْتِ

سُورَةُ الْوَاقِعَةِ

سُورَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ وَتِسْعُونَ آيَةً وَثَلَاثُ رُكُوعَاتٍ

سورہ واقعہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھیانوے آیتیں ہیں اور تین رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے ،

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝۱ لَيْسَ لَوْفَعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝۲ خَافِضَةٌ رَافِعَةٌ ۝۳

جب ہو پڑے ہو پڑنے والی ، نہیں ہے اس کے ہو پڑنے میں کچھ جھوٹ ، پست کرنیوالی ہو بلند کرنیوالی

إِذَا رَجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ۝۴ وَبَسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝۵ فَكَانَتْ هَبَاءً

جب لرزے زمین کپکپا کر ، اور ریزہ ریزہ ہوں پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر ، پھر ہو جائیں غبار

مُنْبَثًّا ۝۶ وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۝۷ فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝۸ مَا أَصْحَابُ

اُڑتا ہوا ، اور تم ہو جاؤ تین قسم پر ، پھر داہنے والے ، کیا خوب ہیں

الْمَيْمَنَةِ ۝۸ وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ ۝۹ مَا أَصْحَابُ الشِّمَالِ ۝۹ وَالسَّابِقُونَ

داہنے والے ، اور بائیں والے کیا بُرے ہیں بائیں والے ، اور اگلاڑی والے

السَّابِقُونَ ۝۱۰ أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۝۱۱ فِي جَنَّتِ النَّعِيمِ ۝۱۲ ثَلَاثَةٌ مِّنَ

تو اگلاڑی والے ، وہ لوگ ہیں مقرب ، باغوں میں نعمت کے ، انہوہ ہے

الْأَوَّلِينَ ۝۱۳ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝۱۴ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّوْضُونَةٍ ۝۱۵

پہلوں میں سے ، اور تھوڑے ہیں پچھلوں میں سے ، بیٹھے ہیں جڑاؤ تختوں پر ،

مُتَكِعِينَ عَلَيْهَا مُتَّقِلِينَ ۝۱۶ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۝۱۷

بچہ لگائے ان پر ایک دوسرے کے سامنے ، لئے پھرتے ہیں ان کے پاس لڑکے سدا رہنے والے ،

بَاكُوَابٍ وَأَبَارِيقَ ۝۱۸ وَكَاسٍ مِّنْ مَّعِينٍ ۝۱۹ لَا يَصُدُّ عَنْهَا وَلَا

آبجولے اور کوزے اور پیالہ نتھری شراب کا ، جس سے نہ سر دکھے اور نہ

يَنْزِفُونَ ۝۱۹ وَفَاكِهَةٍ مِّثْيَتٍ خَيْرُون ۝۲۰ وَلَحِيمٍ طَيْرٍ مِّثْيَتَهُون ۝۲۱

بکواس لگے ، اور میوہ جو نسا پسند کر لیں ، اور گوشت اڑتے جانوروں کا جس قسم کو جی چاہے ،

وَحُورٌ عِينٌ ۝۲۲ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ۝۲۳ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۲۴

اور عورتیں گوری بڑی آنکھوں والیاں ، جیسے موتی کے دانے اپنے غلاف کے اندر ، بدلہ ان کاموں کا جو کرتے تھے ،

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۝۲۵ إِلَّا قِيلَ سَلَامًا سَلَامًا ۝۲۶ وَأَصْحَابُ

نہیں سنیں گے وہاں بکواس اور نہ گناہ کی بات ، مگر ایک بولنا سلام سلام ، اور دانے

الْيَمِينِ ۝۲۷ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ۝۲۸ فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ۝۲۹ وَطَلْحٍ مَّنضُودٍ ۝۳۰

والے کیا کہنے دانے والوں کے ، رہتے ہیں بیری کے درختوں میں جن میں کاٹا نہیں اور کیلے تہہ پر تہہ ،

وَطَلْحٍ مَّنْضُودٍ ۝۳۰ وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ ۝۳۱ وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ۝۳۲ لَا مَقْطُوعَةٍ

اور سایہ لمبا ، اور پانی بہتا ہوا ، اور میوہ بہت ، نہ اُس میں سے ٹوٹا

وَلَا مَمْنُوعَةٍ ۝۳۳ وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ ۝۳۴ إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً ۝۳۵

اور نہ روکا ہوا ، اور بچھونے اوجھے ، ہم نے اٹھایا ان عورتوں کو ایک اچھے اٹھان پر

فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ۝۳۶ عُرُبًا أَتْرَابًا ۝۳۷ لِأَصْحَابِ الْيَمِينِ ۝۳۸ ثَلَاثَةٌ مِّنْ

پھر کیا ان کو کنواریاں ، پیار دلانے والیاں ہم عمر ، واسطے دانے والوں کے ، انبوہ ہے پہلوں

الْأَوَّلِينَ ۝۳۹ وَثَلَاثَةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝۴۰ وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ ۝۴۱

میں سے ، اور انبوہ ہے پچھلوں میں سے ، اور بائیں والے کیسے

أَصْحَابُ الشِّمَالِ ۝۴۲ فِي سَمُومٍ وَحَمِيمٍ ۝۴۳ وَظِلٍّ مِّنْ يَّحْسُومٍ ۝۴۴

بائیں والے ، تیز بھاپ میں اور جلتے پانی میں ، اور سایہ میں دھوپ کے ،

لَا بَارِدٍ وَلَا كَرِيمٍ ﴿۴۲﴾ اَتَّخِذُوا قَبْلَ ذَلِكَ مَثَرَفِينَ ﴿۴۳﴾ وَكَانُوا

نہ ٹھنڈا اور نہ عورت کا، وہ لوگ تھے اس سے پہلے خوش حال، اور ضد

يَصِرُونَ عَلَى الْجَنَّةِ الْعَظِيمِ ﴿۴۴﴾ وَكَانُوا يَقُولُونَ هَٰ أَيْنَ امْتَنَّا

کرتے تھے اس بڑے گناہ پر، اور کہا کرتے تھے کیا جب ہم مر گئے

وَكُنَّا تَرَابًا وَعِظَامًا اِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿۴۵﴾ اَوَاٰؤُنَا الْاَلَا وَلَوْ نَ ﴿۴۶﴾

اور ہو چکے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم پھر اٹھائے جائیں گے، اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی،

قُلْ اِنْ اِلَّا وَّلَیْنٌ وَالْاٰخِرِیْنَ ﴿۴۷﴾ لَمَجْمُوعُونَ هَٰ اِلٰی مِیْقَاتٍ یَّوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿۴۸﴾

تو کہہ دے کہ اگلے اور پچھلے، سب اکٹھے ہونیوالے ہیں، ایک دن مقرر کے وقت پر،

ثُمَّ اِنَّا نَكْمُرُ اَیْمًا الصَّالُّونَ الْمُكِنُّونَ ﴿۴۹﴾ لَا یَكُونُ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُوْمٍ ﴿۵۰﴾

پھر تم جو ہوائے بہکے ہوؤ جھٹلانے والو، البتہ کھاؤ گے ایک درخت سینڈ کے سے،

فَسَالِوْنَ مِنْهَا الْبَطُّونَ ﴿۵۱﴾ فَشَرِبُوْنَ عَلَیْهِ مِنَ الْحَمِیْمِ ﴿۵۲﴾

پھر بھرو گے اس سے پیٹ، پھر پیو گے اس پر ایک جلتا پانی،

فَشَرِبُوْنَ شَرِبَ الْیٰمِیْمِ ﴿۵۳﴾ هٰذَا نَزَّلْنَاهُمْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۵۴﴾

پھر پیو گے جیسے نہیں اُونٹ تونے ہوئے، یہ ہماری ہوائ کی انصاف کے دن،

خلاصہ تفسیر

جب قیامت آوے گی جس کے واقع ہونے میں کوئی خلاف نہیں (بلکہ اس کا واقع ہونا بالکل صحیح اور حق ہے)

تو وہ (بعض کو) پست کر دے گی (اور بعض کو) بلند کر دے گی (یعنی کفار کی ذلت کا اور مؤمنین کی رفعت کا)

روز ظہور ہوگا جبکہ زمین کو سخت زلزلہ آوے گا، اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر وہ پر آگندہ غبار (کی طرح)

ہو جائیں گے اور تم سب آدمی جو اس وقت موجود ہو یا پہلے گزر چکے ہیں یا آئندہ آنے والے ہیں (تین قسم ہو جاؤ گے

جن کی تفصیل آگے آتی ہے، خواص مؤمنین اور عوام مؤمنین اور کفار کہ سورہ رحمن میں بھی یہی تین قسمیں

مذکور ہیں اور آئندہ آیات میں خواص کو مستتر بن اور سابقین کہا ہے اور عوام مؤمنین کو اصحاب الیمین اور

کفار کو اصحاب الشمال اور ان آیات اِذَا وَقَعَتِ سُرَّةُ الْبُیِّنَاتِ میں بعض واقعات فقہ اولیٰ یعنی پہلے صور

کے وقت کے بیان فرمائے ہیں جیسے رُجَّت، جیسا شروع سورۃ حجر میں آیا ہے اور بُسَّت، اور بعض واقعات نفخہ ثانیہ یعنی دوسرے صدر کے وقت کے جیسے خَافِضَةٌ رَافِعَةٌ اور کُنْتُمْ أَرْوَاجًا اور بعض مشترک جیسے إِذَا رَفَعْتَ اور لَيْسَ بِوَقْعَتِهَا، چونکہ نفخہ اولیٰ سے نفخہ ثانیہ تک کا تمام وقت ایک وقت کے حکم میں ہے اس لئے ہر جزء وقت کو ہر واقعہ کا وقت کہا جاسکتا ہے، آگے ان تینوں قسموں میں تقسیم بیان کرنے کے بعد تینوں کے احکام الگ الگ ذکر کئے ہیں، اول اجمالاً پھر تفصیلاً کہ تین قسمیں جو مذکور ہیں، سو ان میں ایک قسم یعنی جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں (مراد اس سے جن کے نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے، اور گویہ مفہوم مقربین میں بھی مشترک ہے، لیکن اسی صفت پر اکتفا کرنے سے اس طرت اشارہ پایا جاتا ہے کہ ان میں اصحاب الیمین سے زائد کوئی اور صفت قرب خاص کی نہیں پائی جاتی، اس طرح مراد اس سے عوام مؤمنین ہو گئے، اور اس میں اجمالاً ان کی حالت کا اچھا ہونا بتلادیا، آگے فی سِدْرٍ مَحْضُودٍ الخ سے اس اجمال کی تفصیل کی گئی ہو، اور (دوسری قسم یعنی جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کیسے بُرے ہیں (مراد اس سے جن کے نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیئے جاویں گے یعنی کفار اور اس میں اجمالاً ان کی حالت کا بُرا ہونا بتلادیا آگے فی سَمُومٍ الخ سے اس اجمال کی تفصیل کی گئی ہے) اور (تیسری قسم یعنی جو اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ قوا اعلیٰ درجہ کے ہی ہیں۔ (اور وہ (خدا تعالیٰ کے ساتھ) خاص قرب رکھنے والے ہیں، (اس میں تمام اعلیٰ درجہ کے بندے داخل ہیں، انبیاء اور اولیاء و صدیقین اور کامل متقی اور اس میں اجمالاً ان کی حالت کا عالی ہونا بتلادیا، آگے فی جَنَّاتٍ نَّعِيمٍ الخ سے اس اجمال کی تفصیل کی جاتی ہے یعنی) یہ (مقرب) لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے (جس کی مزید تفصیل علی السُرُرِ سے آتی ہے اور درمیان میں ان معتبرین خاص میں بہت سی جماعتوں کا شامل ہونا بتلاتے ہیں کہ ان (مقربین) کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور پھوڑے پھیلے لوگوں میں سے ہوں گے (انگلوں سے مراد متقدمین میں آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبل تک اور پھیلوں سے مراد حضور کے وقت سے لے کر قیامت تک، کذا فی الدرر جابر مرفوعاً، اور متقدمین میں کثرت سابقین اور متاخرین میں قلت سابقین کی وجہ یہ ہے کہ خواص ہر زمانہ میں کم ہوتے ہیں، اور متقدمین یعنی آدم علیہ السلام سے زمانہ خاتم الانبیاء تک کا زمانہ بہت طویل ہے، بہ نسبت امت محمدیہ کے جو قرب قیامت میں پیدا ہوتی ہے، تو باقتضائے عادت زمانہ اس طویل زمانہ کے خواص بہ نسبت امت محمدیہ کے مختصر زمانے کے خواص کے زیادہ ہونگے کیونکہ اس طویل زمانہ میں لاکھ دو لاکھ قوائیہ ہی ہیں، اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی اور نبی نہیں، اس لئے خواص معتبرین کا ہر گروہ متقدمین کا ہوگا، اور متاخرین یعنی امت محمدیہ میں اس کے کم ہوگا، آگے مقربین خواص کے لئے جو نعمتیں مقرر ہیں ان کی تفصیل یہ ہے کہ وہ (مقرب) لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آٹھ سائے میں بیٹھے ہوں گے، (در نشر میں حضرت ابن عباس رضی لفظ موصوفہ کی یہی تفسیر نقل کی ہے اور) ان کے پاس ایسے لڑکے ہوں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، یہ

چیزیں لے کر آمد و رفت کیا کریں گے آبخورے اور آفتابے اور ایسا جام شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جاوے گا، (اس کی تحقیق سورۃ صافات میں گزر چکی ہے) نہ اس سے ان کو درد سر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا (یہ بھی سورۃ صافات میں گزر چکا ہے) اور میوے جن کو وہ پسند کریں اور پرندوں کا گوشت جو ان کو مرغوب ہو اور ان کے لئے گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی (مراد حوریں ہیں جن کی رنگت ایسی صاف شفاف ہوگی) جیسے (حفاظت سے) پوشیدہ رکھا ہوا ہوتی، یہ ان کے اعمال کے صلہ میں ملے گا (اور) وہاں نہ بک بک سنیں گے اور نہ وہ کوئی اور بیہودہ بات (سنیں گے، یعنی شراب پی کر یا ویسے بھی ایسی چیزیں نہ پانی جاویں گے جن سے عیش مکدر ہوتی ہے) بس (ہر طرف سے) سلام ہی سلام کی آواز آوے گی (کہ قولہ تعالیٰ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ وَقَوْلُهُ تَحِيَّاتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ جو کہ دلیل اکرام و اعزاز کی ہے، غرض روحانی و جسمانی ہر طرح کی لذت و مسرت اعلیٰ درجہ کی ہوگی، یہ جزاء لہن کا بیان کیا گیا) اور (آگے) اصحاب الیمین کی جزاء کی تفصیل ہے (یعنی) جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں (اس اجمال کا اعادہ تفصیل کے قبل اس لئے کیا گیا کہ اُس اجمال کو فصل ہو گیا تھا آگے ان کے اچھے ہونے کا بیان ہے کہ) وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی اور تہہ بہ تہہ کیلے ہوں گے، اور لمبا لمبا سایہ ہوگا، اور چلتا ہوا پانی ہوگا اور کثرت سے میوے ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے (جیسے دنیا کے میوے کہ فصل تمام ہونے سے تمام ہو جاتے ہیں) اور ان کی روک ٹوک ہوگی (جیسے دنیا میں بارغ والے اس کی روک تھام کرتے ہیں) اور اونچے اونچے فرش (کیونکہ جن درجوں میں وہ بچھے ہیں وہ درجے بلند ہوں گے) اور چونکہ مقام خوش عیشی کا ہے اور خوش عیشی بدون عورتوں کے کامل نہیں ہوتی، اس طور پر ان اسیاب عیش کے ذکر ہی سے عورتوں کا ہونا معلوم ہو گیا، لہذا آگے بہشتی عورتوں کی طرف اَنَّا مُنْهَلْنَ کی ضمیر راجع کر کے ان کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ ہم نے (وہاں کی) اُن عورتوں کو (جن میں جنت کی حوریں بھی شامل ہیں اور دنیا کی عورتیں بھی، جیسا کہ صرح المعانی میں ترمذی کے حوالہ سے یہ حدیث مرفوعہ نقل کی ہے کہ اس آیت میں جن عورتوں کی تخلیق جدید کا ذکر ہے اُن سے مراد وہ عورتیں ہیں جو دنیا میں بوڑھی یا بد شکل تھیں اُن کے متعلق فرمایا کہ ہم نے ان عورتوں کو) خاص طور پر بنایا (جو جن کی تفصیل آگے ہے) یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں (یعنی بعد مقاربت کے پھر کنواری ہو جاویں گی، جیسا کہ درمنثور میں حضرت ابوسعید خدری کی مرفوعہ حدیث سے ثابت ہے اور) محبوبہ ہیں (یعنی حرکات و سائل و ناز و انداز و حسن و جمال سب چیزیں اُن کی دلکش ہیں اور اہل جنت کی) ہم عمر ہیں (اس کی تحقیق سورۃ صافات میں گزر چکی ہے) یہ سب چیزیں دلہنے والوں کے لئے ہیں (آگے یہ بتلاتے ہیں کہ دلہنے والے بھی مختلف قسم کے لوگ ہوں گے یعنی) ان (اصحاب الیمین) کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا (بلکہ متاخرین میں اصحاب الیمین بہ نسبت متقدمین کے تعداد میں زیادہ ہوں گے، چنانچہ احادیث میں تصریح ہے کہ اس امت کے مؤمنین کا مجموعہ پچھلی تمام امتوں کے مؤمنین کے

مجموعہ سے زیادہ ہوگا، اور اس کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ اصحاب الیمین اس امت میں زیادہ ہوں کیونکہ خواص معتربین کی اکثریت تو متقدمین میں خود آیت بالا سے ثابت ہو چکی ہے، اور جب اصحاب الیمین مرتبہ میں معتربین سے کم ہیں تو ان کی جزا بھی کم ہوگی سو اس کی توجیہ یہ ہے کہ معتربین کی جزا میں وہ سامان عیش زیادہ مذکور ہے جو اہل شہر کو زیادہ مرغوب ہے، اور اصحاب الیمین کی جزا میں وہ سامان عیش زیادہ مذکور ہے جو دیہات و قصبات والوں کو مرغوب ہے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان دونوں میں ایسا تفاوت ہوگا جیسا اہل شہر و اہل قریہ میں ہوا کرتا ہے، کذا فی الروح، اور آگے کفار کا اور ان کے عقاب و عذاب کا ذکر ہے، یعنی جو باتیں والے ہیں وہ باتیں والے کیسے بُرے ہیں (اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ) وہ لوگ آگ میں ہوں گے اور کھولتے ہوئے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ فرحت بخش ہوگا (یعنی سایہ سے ایک جسمانی نفع ہوتا ہے راحت و برودت اور ایک روحانی نفع ہوتا ہے لذت و فرحت، وہاں دونوں نہ ہونگے) یہ وہی دھواں ہے جس کا ذکر اوپر سورۃ رحمن میں بلفظ نحاس آیا ہے، آگے اس عذاب کی وجہ ارشاد ہے کہ، وہ لوگ اس کے قبل (یعنی دنیا میں) بڑی خوش حالی میں رہتے تھے اور (اس خوش حالی کے غرہ میں) بڑے بھاری گناہ (یعنی شرک و کفر) پر اصرار کیا کرتے تھے (مطلب یہ کہ ایمان نہیں لائے تھے) اور آگے ان کے کفر کا بیان ہے جس کو زیادہ دخل ہے طلب حق نہ ہونے میں یعنی وہ یوں کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں (ہو کر) رہ گئے تو کیا اس کے بعد ہم دوبارہ زندہ کئے جاویں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی (زندہ ہوں گے) چونکہ منکرین قیامت میں بعض کفار پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی تھے اس لئے اس کے متعلق ارشاد ہے کہ) آپ کہہ دیجئے کہ سب اگلے اور پچھلے جمع کئے جا دیں گے ایک معین تایخ کے وقت پر پھیر جمع ہونے کے بعد تم کو اے گمراہو جھٹلانے والو! درخت زقوم سے کھانا ہوگا پھر اس سے پیٹ بھرنا ہوگا، پھر اس پر کھولتا ہو پانی پینا ہوگا پھر پینا بھی پیا سے اونٹوں کا سار (غرض) ان لوگوں کی قیامت کے روز یہ مہمانی ہوگی۔

معارف و مسائل

سورۃ واقعہ کی خصوصی فضیلت	ابن کثیر نے بحوالہ ابن عساکر ابو ظبیہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ
مرضی وفات میں عبداللہ بن مسعودؓ	بن مسعودؓ کے مرض وفات میں حضرت عثمان غنیؓ عیادت کے لئے تشریف
کی سبق آموز ہدایات	لے گئے، حضرت عثمانؓ نے پوچھا مَا تَشْتَكِي (تمہیں کیا تکلیف ہے) تو فرمایا،
	ذُنُوبِي (یعنی اپنے گناہوں کی تکلیف ہے) پھر پوچھا مَا تَشْتَكِي (یعنی آپ کیا چاہتے ہیں) تو فرمایا،
	رَحْمَةُ رَبِّي (یعنی اپنے رب کی رحمت چاہتا ہوں) پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں آپ کے لئے کسی طبیب
	(معالج) کو بلاتا ہوں تو فرمایا اَلطَّبِيبُ اَمْرٌ حَنِئِي (یعنی مجھے طبیب ہی نے بیمار کیا ہے) پھر حضرت عثمانؓ

نے فرمایا کہ میں آپ کے لئے بیت المال سے کوئی عطیہ بھیج دوں تو فرمایا لَا حَاجَةَ لِي فِيهَا، (مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں) حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ عطیہ لے لیجئے وہ آپ کے بعد آپ کی لڑکیوں کے کام آئے گا تو فرمایا کہ کیا آپ کو میری لڑکیوں کے بارے میں یہ فکر ہے کہ وہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جائیں گی، مگر مجھے یہ فکر اس لئے نہیں کہ میں نے اپنی لڑکیوں کو تاکید کر رکھی ہے کہ ہر رات سورۃ واقعہ پڑھا کریں، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:

جو شخص ہر رات میں سورۃ واقعہ پڑھا کرے وہ کبھی فاقہ میں مبتلا نہیں ہوگا۔

مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْوَاقِعَةِ كُلَّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ أَبَدًا (ابن کثیر)

ابن کثیر نے یہ روایت بسند ابن عساکر نقل کرنے کے بعد اس کی تائید دوسری سندوں اور دوسری کتابوں سے بھی پیش کی ہے۔

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ، ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ واقعہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، کیونکہ اس کے وقوع میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں،

لَيْسَ يَوْعِقُهَا كَاذِبَةٌ، کاذبہ مصدر ہے جیسے عَافِيَةٌ اور عَاقِبَةٌ اور معنی یہ ہیں کہ اس کے وقوع میں کوئی کذب نہیں ہو سکتا، بعض حضرات نے کاذبہ کو بمعنی تکذیب قرار دیا ہے، معنی ظاہر ہیں کہ اس کی تکذیب نہیں ہو سکتی۔

خَافِضَةٌ رَافِعَةٌ، یعنی واقعہ قیامت بہت سی بلند رتبہ قوموں اور افراد کو پست و ذلیل کر دے گا اور بہت سی پست و حقیر قوموں اور افراد کو سر بلند کر دے گا، حضرت ابن عباسؓ سے اس جملہ کی یہی تفسیر منقول ہے، اور مقصد اس کا ہولناک ہونا اور اس میں عجیب قسم کے انقلابات پیش آنے کا بیان ہے، جیسا کہ سلطنتوں اور حکومتوں کے انقلاب کے وقت مشاہدہ ہوا کرتا ہے، کہ اوپر والے نیچے اور نیچے والے اوپر ہو جاتے ہیں، فقیر مالدار ہو جاتے ہیں مالدار فقیر ہو جاتے ہیں (روح)

میدانِ حشر میں حاضرین کی تین قسمیں | وَ كُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً، ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ قیامت کے روز تمام لوگ تین

ہوں گے جو آدم علیہ السلام کی داہنی جانب سے پیدا ہوئے، اور ان کے اعمال نامے ان کے داہنے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے، اور ان کو عرش کی داہنی جانب میں جمع کر دیا جائے گا، یہ سب لوگ جنتی ہیں۔

دوسری قوم عرش کے بائیں جانب میں جمع ہوگی جو آدم علیہ السلام کے بائیں جانب سے پیدا ہوئی اور جن کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھوں میں دیئے گئے، ان سب کو بائیں جانب میں جمع کر دیا جائے گا، اور یہ سب لوگ جہنمی ہیں، (نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ صَنِيعِهِمْ)

اور تیسری قسم طائفہ سابقین کا ہوگا جو رب عرش کے سامنے خصوصی امتیاز اور قرب کے مقام میں

ہوگا، جن میں انبیاء و رسل، صدیقین، شہداء اور اولیاء اللہ شامل ہوں گے، ان کی تعداد بہ نسبت اصحاب الیمین کے کم ہوگی۔

آخر سورۃ میں ان تینوں کا ذکر پھر اس سلسلے میں آئے گا کہ انسانوں کی موت کے وقت سے ہی آثار اس کے محسوس ہو جائیں گے کہ یہ ان تینوں گروہوں میں سے کس گروہ میں شامل ہونے والا ہے۔

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ، امام احمد نے حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے سوال کیا کہ تم جانتے ہو کہ قیامت کے روز ظل اللہ کی طرف سبقت کرنے والے کون لوگ ہوں گے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اللہ ورسولہ أعلم آپؐ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو حق کی طرف دعوت دی جائے تو اس کو قبول کریں اور جب ان سے حق مانگا جائے تو ادا کر دیں، اور لوگوں کے معاملات میں وہ فیصلہ کریں جو اپنے حق میں کرتے ہیں۔

مجاہدؒ نے فرمایا کہ سابقین سے مراد انبیاء ہیں، ابن سیرینؒ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے دونوں قبلوں یعنی بیت المقدس اور بیت اللہ کی طرف نماز پڑھی ہے وہ سابقین ہیں، اور حضرت حسنؒ و قتادہؒ نے فرمایا کہ ہر امت میں سابقین ہوں گے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ مسجد کی طرف سب سے پہلے جانے والے سابقین ہوں گے۔

ابن کثیرؒ نے ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ سب اقوال اپنی اپنی جگہ صحیح و درست ہیں، ان میں کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ سابقین وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں نیک کاموں کی طرف مسابقت کی ہوگی تو جو آدمی اس دنیا میں اعمال صالحہ کے اندر دوسروں سے آگے بڑھا رہا وہ آخرت میں بھی سابقین میں سے ہوگا، کیونکہ آخرت کی جزا و عمل کے مناسب دی جائے گی۔

ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْآوَلِينَ وَثَلَاثَةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ، لفظ ثلثہ بضم ثاء جماعت کو کہتے ہیں اور زحشری نے کہا کہ بڑی جماعت کو ثلثہ کہا جاتا ہے۔ (روح)

اولین و آخرین سے کیا مراد ہے | یہاں اولین و آخرین کی تقسیم کا دو جگہ ذکر آیا ہے، اول سابقین مفسرین کے سلسلے میں، دوسرا اصحاب الیمین یعنی عامۃ مؤمنین کے سلسلے میں، پہلی جگہ یعنی سابقین میں تو یہ فرق کیا گیا کہ یہ سابقین معتربین اولین میں سے ثلثہ یعنی بڑی جماعت ہوگی، اور آخرین میں سے کم ہوں گے، جیسا کہ آیت مذکورہ میں ہے، اور دوسری جگہ اصحاب الیمین کے بیان میں اولین و آخرین دونوں میں لفظ ثلثہ وارد ہوا ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ اصحاب الیمین اولین میں سے بڑی جماعت ہوگی، اسی طرح آخرین میں سے بھی بڑی جماعت ہوگی، (ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْآوَلِينَ وَثَلَاثَةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ)

اب قابل غور یہ امر ہے کہ اولین سے مراد کون ہیں اور آخرین سے کون، اس میں حضرات مفسرین کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ آدم علیہ السلام سے لے کر قرب زمانہ خاتم الانبیاء تک کی تمام مخلوقات اولین میں داخل ہیں، اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر قیامت تک آنے والی مخلوق آخرین میں داخل ہے

یہ تفسیر مجاہد اور حسن بصری سے ابن ابی حاتم نے سند کے ساتھ نقل کی ہے، اور ابن جریر نے بھی اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے، بیان القرآن کے خلاصہ تفسیر میں بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے، جو اوپر بیان ہو چکا ہے، اور اس کی دلیل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے، یہ حدیث ابن عساکر نے اپنی سند کے ساتھ اس طرح نقل کی ہے کہ جب پہلی آیت جو سابقین مقربین کے سلسلے میں آئی ہر نازل ہوئی ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ، تو حضرت عمر بن خطابؓ نے تعجب کے ساتھ عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ کیا پچھلی امتوں میں سابقین زیادہ ہوں گے، اور ہم میں کم ہوں گے؟ اس کے بعد سال بھر تک اگلی آیت نازل نہیں ہوئی، جب ایک سال کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَثَلَاثَةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

إِسْمُكُمْ يَا عُمَرُ مَا قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ ثَلَاثَةً
مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَثَلَاثَةً مِّنَ الْآخِرِينَ
الْأَوَّلُ مِنْ آدَمَ إِلَى ثَلَاثَةٍ وَأُمِّي
ثَلَاثَةٌ الْحَدِيثُ (ابن کثیر)

اے عمر! سنو! جو اللہ نے نازل فرمایا کہ اولین
میں سے بھی ثلث یعنی بڑی جماعت ہوگی اور آخرین
میں سے بھی ثلث یعنی بڑی جماعت ہوگی، اور یاد رکھو کہ
آدم علیہ السلام سے مجھ تک ایک ثلث ہے اور میری
امت دوسرا ثلث،

اور اس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو امام حسمد اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب آیت ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ نازل ہوئی تو صحابہ کرام پر شاق ہوا کہ ہم بہ نسبت اُمم سابقہ کے کم رہیں گے، اُس وقت دوسری آیت نازل ہوئی ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَثَلَاثَةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ تم یعنی امت محمدیہ جنت میں ساری مخلوق کے مقابلہ میں چوتھائی، ہتھائی، بلکہ نصف اہل جنت ہوں گے، اور باقی نصف میں بھی کچھ تمھارا حصہ ہوگا، (ابن کثیر) جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مجموعی طور پر اہل جنت میں اکثریت امت محمدیہ کی ہو جائے گی، مگر ان دونوں حدیثوں سے استدلال میں ایک اشکال یہ ہے کہ قلیل مِّنَ الْآخِرِينَ تو سابقین مقربین کے متعلق آیا ہے اور دوسری آیت میں جو ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ آیا ہے وہ سابقین مقربین کے متعلق نہیں بلکہ اصحاب الیمین کے متعلق ہے۔

اس کا جواب روح المعانی میں یہ دیا ہے کہ صحابہ کرام اور حضرت عمرؓ کو جو پہلی آیت سے رنج و غم ہوا، اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ انھوں نے یہ خیال کیا ہوگا کہ جو نسبت سابقین میں، وہی شاید اصحاب الیمین اور عام اہل جنت میں ہوگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کھل اہل جنت میں ہماری تعداد بہت کم رہے گی، جب اصحاب الیمین کی تشریح میں اولین و آخرین دونوں میں لفظ ثَلَاثٌ نازل ہوا تو اس شبہ کا ازالہ ہو گیا کہ مجموعی اعتبار سے اہل جنت میں امت محمدیہ کی اکثریت رہے گی، اگرچہ سابقین اولین میں ان کی تعداد مجموعہ اُمم سابقہ کے مقابلہ میں کم رہے خصوصاً اس وجہ سے کہ مجموعہ اُمم سابقہ میں ایک بھاری تعداد انبیاء علیہم السلام کی ہے، ان کے مقابلہ میں امت محمدیہ

کے لوگ کم رہیں تو کوئی غم کی چیز نہیں۔

لیکن ابن کثیر، ابوحیان، الشریطی، روح المعانی، مظہری وغیرہ سب تفسیروں میں دوسری تفسیر کو ترجیح دی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ اولین و آخرین دونوں طبقے اسی امت کے مراد ہیں، اولین اس امت کے قرونِ اولیٰ یعنی صحابہ و تابعین وغیرہ ہیں جن کو حدیث میں خیر القرون فرمایا ہے اور آخرین قرونِ اولیٰ کے بعد والے حضرات ہیں۔

ابن کثیر نے حضرت جابرؓ کی مرفوع حدیث جو پہلی تفسیر کی تائید میں اوپر لکھی گئی ہے، اس کی سند کے متعلق کہا ہے وَلَیْکِنْ فِی اسْتَدَاہِ نَظَرٌ دُوسری تفسیر کے لئے استدلال میں، وہ آیات قرآنی پیش کی ہیں جن میں امتِ محمدیہ کا خیر الامم ہونا مذکور ہے، جیسے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّیَّةٍ وغیرہ اور فرمایا کہ یہ بات بہت مستبعد ہے کہ سابقین معتربین کی تعداد خیر الامم میں دوسری امتوں کی نسبت سے کم ہو، اس لئے راجح یہ ہے کہ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ سے مراد اسی امت کے قرونِ اولیٰ ہیں، اور قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ سے مراد بعد کے لوگ ہیں کہ ان میں سابقین و معتربین کی تعداد کم ہوگی۔

اس قول کی تائید میں ابن کثیر نے حضرت حسن بصریؒ کا قول بردایت ابن ابی حاتم یہ پیش کیا ہے کہ حضرت حسنؒ نے یہ آیت اَلْاَوَّلِیْنَ اَلْاَوَّلِیْنَ تِلَاوَت کر کے فرمایا کہ سابقین تو ہم سے پہلے گذر چکے، لیکن یا اللہ ہمیں اصحاب الیمین میں داخل فرمادیجئے، اور حضرت حسنؒ سے دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ کی تفسیر میں فرمایا ثَلَاثَةٌ مِّنْ نَّفْسِ اَمْرِ الْاُمَّةِ، یعنی اولین سے مراد اسی امت کے سابقین ہیں۔

اسی طرح محمد بن میرؒ نے فرمایا کہ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَ قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ کے متعلق علماء یہ کہتے اور توقع کرتے تھے کہ یہ اولین و آخرین سب اسی امت میں سے ہوں (ابن کثیر) اور روح المعانی میں اس دوسری تفسیر کی تائید میں ایک حدیث مرفوعہ بسند حسن حضرت ابوبکرؓ کی روایت سے یہ نقل کی ہے:-

”سند نے اپنی مسند میں اور ابن المنذر، طبرانی اور ابن مردودہ نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ دونوں جماعتیں اسی امتِ محمدیہ میں سے ہوں گی۔“

اٰخِرُیْنَ مُسَدَّدٌ فِیْ مُسْنَدِہٖ وَاِبْنُ الْمُنْذِرِ
وَالطَّبْرَانِیُّ وَابْنُ مَرْدُوہِ بِسَنَدٍ
حَسَنِ عَنْ اَبِیْ بَكْرَہٖ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ قَوْلِہٖ سُبْحَانَہٗ
ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ
قَالَ هُمَا جَمِیْعًا مِّنْ ہٰذِہِ الْاُمَّةِ

اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی سند ضعیف کے ساتھ حدیث مرفوعہ بہت سے حضرات محدثین نے

نقل کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں **هَمَّا جَمِيعًا مِّنْ أُمَّتِي**، یعنی یہ دونوں اولین و آخرین میری ہی امت میں سے ہوں گے۔

اس تفسیر کے مطابق شروع آیت میں **كُنْتُمْ** آؤ جاؤ کا مخاطب امت محمدیہ ہی ہوگی، اور یہ تینوں قسمیں امت محمدیہ ہی کی ہوں گی (روح المعانی)

تفسیر منطری میں پہلی تفسیر کو اس لئے بہت بعید قرار دیا ہے کہ آیات قرآن کی واضح دلالت اس پر ہے کہ امت محمدیہ تمام اہم سابقہ سے افضل ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ کسی امت کی فضیلت اس کے اندر اعلیٰ طبقہ کی زیادہ تعداد ہی سے ہوتی ہے، اس لئے یہ بات بعید ہے کہ افضل الامم کے اندر سابقین مفسرین کی تعداد کم ہو، آیات قرآن **كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ** اور **لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ** و **لَيَكُونَنَّ الرُّسُلُ عَلَيْكُمْ شُهَدَاءًا** سے امت محمدیہ کی افضلیت سب امتوں پر ثابت ہے، اور ترمذی، ابن ماجہ و دارمی نے حضرت بہز بن حکیم سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

”تم ستر سابقہ امتوں کا تمہ ہو گے جن میں تم سب
آخرین اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب زیادہ
اکرم و افضل ہوا گے“

أَنْتُمْ سِتُّمِثْرُونَ سَبْعِينَ أُمَّةً أَنْتُمْ
أَخْيَرُهَا وَأَكْرَمُهَا عَلَى اللَّهِ تَعَالَى

ادرام بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ اہل جنت کے چوتھائی تم لوگ ہو جاؤ گے، ہم نے عرض کیا کہ بے شک ہم اس پر راضی ہیں تو آپ نے فرمایا:

”قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری
جان ہے مجھے یہ امید ہو کہ تم (یعنی امت محمدیہ)
اہل جنت کے نصف ہو گے“

وَالَّذِي نَفْسِي بَيْنَ يَدَيْهِ إِنَّي لَأَرَى جُودَ
أَنْ تَكُونُوا نِصْفَ أَهْلِ الْجَنَّةِ
(از منطری)

اور ترمذی، حاکم و بیہقی نے حضرت بریدہ سے روایت کیا ہے، اور ترمذی نے اس کی سند کو حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے، الفاظ حدیث کے یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

”اہل جنت محل ایک سو بیس صفوں میں ہوں گے
جن میں سے اسی صفیں اس امت کی ہوں گی
باقی چالیس صفوں میں ساری امتیں شریک
ہوں گی“

أَهْلُ الْجَنَّةِ مِائَةٌ وَعِشْرُونَ صَفًّا
تَمَانُونَ مِنْهَا مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَ
أَرْبَعُونَ مِنَ سَائِرِ الْأُمَمِ
(منطری)

مذکورہ صدر روایات میں اس امت کے اہل جنت کی نسبت دوسری امتوں کے اہل جنت سے

کہیں چوتھائی کہیں نصف اور اس آخری روایت میں دوہرائی مذکور ہے، اس میں کوئی تعارض اس لئے نہیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازہ بیان کیا گیا ہے اس اندازہ میں مختلف اوقات میں زیادتی ہوتی رہی واللہ اعلم

عَلَى سُرٍّ رَمُوزٍ مَوْنَةٍ، مَوْضُونَةٍ حضرت ابن عباسؓ سے ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی وغیرہ نے یہ نقل کیا ہے کہ وہ کپڑا جس پر سونے کے تاروں سے کام بنایا گیا ہو۔

وَلَدَانِ مَخْلُودَيْنِ سے مراد یہ ہے کہ یہ لڑکے ہمیشہ اسی حالت میں لڑکے ہی رہیں گے، ان میں کوئی تغیر عمر وغیرہ کا نہ ہوگا، اُن جنت کے غلمان کے متعلق راجح تحقیق یہ ہے کہ حوروں کی طرح یہ بھی جنت ہی میں پیدا ہوئے ہوں گے، اور یہ سب اہل جنت کے خادم ہوں گے، روایات حدیث سے ثابت ہے کہ ایک ایک جنتی کے پاس ہزاروں خادم ہوں گے (منظری)

بِأَنْحَوَافٍ وَأَبَارِيقٍ وَكَأْسٍ مِّنْ مَّعِينٍ، اَنْحَوَافٍ، کوب کی جمع ہے، پانی وغیرہ پینے کے لیے برتن کو کہتے ہیں، جیسے ہمارے عرف میں گلاس ہوتے ہیں، اور اَبَارِيقٍ ابریق کی جمع ہے، ٹونٹی دار لوٹے کو کہتے ہیں، کَاس خاص شراب کے پیالے کو کہا جاتا ہے، مَعِين سے مراد یہ ہے کہ یہ شراب ایک چشمہ جاریہ سے لائی گئی ہوگی۔

لَا يَصْدَعُونَ، صَدَاع سے مشتق ہے جس کے معنی دردِ سر کے ہیں، دنیا میں شراب زیادہ پینے سے سر میں درد اور جھکڑ جیسے ہوتے ہیں، جنت کی یہ شراب اس سے پاک ہوگی۔

لَا يَذْفُونَ، زَف کے اصلی معنی کنویں کا تمام پانی سیلچ لینے کے ہیں، یہاں مراد عقل سے خالی ہو جانا ہے۔

وَلَحْمٍ طَيْرٍ هَمَّايشَتَهُونَ، یعنی پرندوں کا گوشت جیسی ان کی خواہش ہو، حدیث میں ہے کہ اہل جنت جس وقت کسی پرندے کے گوشت کی طرف رغبت کریں گے تو اس کا گوشت جس طرح کھانے کی رغبت دل میں آوے گی کہ کباب ہو یا دوسری طرح کا پکا ہوا، اسی طرح کافور یا تیار ہو کر اس کے سامنے آجائے گا (منظری)

وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ، اصحابِ یمنین دراصل مؤمنین متقین اور اولیاء اللہ میں گناہگار مسلمان بھی اُن کے ساتھ مل جائیں گے، بعض تو محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے بعض کسی نبی ولی کی شفاعت سے مغفرت اور معافی ہو جانے کے بعد اور بعض کو عذاب ہوگا، مگر اپنے گناہ کا عذاب بھگتنے کے بعد یہ بھی گناہ سے پاک صاف ہو کر اصحابِ الیمین کے گروہ میں شامل ہو جائیں گے، کیونکہ گناہگار مؤمن کے لئے جہنم کی آگ درحقیقت عذاب نہیں بلکہ کھوٹ سے پاک صاف کرنے کی ایک تدبیر ہے۔ (منظری)

فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ وَطَلْحٍ مَّنْضُودٍ وَقُلَيْطٍ مِّمْدُودٍ وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ، جنت کی نعمتیں بیشمار اور بے مثال و بے قیاس ہیں، ان میں سے جو نعمتیں مسترآن کریم ذکر کرتا ہے وہ مخاطبین کے انداز فکر اور اُن کی محبوب و پسندیدہ چیزوں کا ذکر کرتا ہے، عرب کے لوگ جن تفریحات اور جن پھلوں کے خوگر تھے، یہاں ان میں سے چند کا ذکر کیا گیا ہے، فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ، سدر بیری کے درخت کو کہتے ہیں، مخضود وہ بیری جس کے کانٹے قطع کر دیئے گئے ہوں، اور پھل کے بوجھ سے شاخ جھکی ہوئی ہو، اور یہ جنت کے ہر دنیا کے بیروں کی طرح نہیں ہوں گے، بلکہ یہ بیر مشکوں کے برابر بڑے اور ذائقہ میں بھی دنیا کے پیر سے اس کی کوئی نسبت نہیں، وَطَلْحٍ مَّنْضُودٍ، طلح، کیلے کا درخت ... منضود، جس کے پھل تہہ بر تہہ ہوں، جیسے کیلے کے چرخوں میں ہوتے ہیں، وَقُلَيْطٍ مِّمْدُودٍ، دراز سایہ، صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جنت کے بعض درختوں کا سایہ اتنا دراز ہوگا کہ گھوڑے سوار آدمی اس کو سو سال میں بھی قطع نہ کر سکے گا، وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ جاری پانی جو سطح زمین پر بہتا ہو۔

وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ، کثیرۃ کے معنی میں یہ بھی داخل ہیں کہ پھلوں کی تعداد بہت ہوگی اور یہ بھی کہ ان کے اقسام و اجناس بے شمار ہوں گے، وَلَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ، مقطوعہ سے مراد جو فصل ختم ہونے پر ختم ہو جائے جیسے دنیا کے عام پھلوں کا یہی حال ہے کوئی گرمی میں ہوتا ہے، موسم ختم ہونے پر ختم ہو جاتا ہے، کوئی سروی یا برسات میں ہوتا ہے، اور موسم کے ختم پر اس کا نام و نشان نہیں رہتا، جنت کا ہر پھل دائمی ہر وقت ہر موسم میں موجود رہے گا، مَمْنُوعَةٍ سے مراد بھی یہ ہے کہ دنیا میں جس طرح درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کے نگراں اُن کو توڑنے سے منع کرتے ہیں جنت کے پھل اس سے بھی آزاد ہوں گے، اُن کو توڑنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔

وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ، فُرُش، فراش کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں بسترہ یا فرش، فرش کی بلندی اوّل تو اس لئے ہے کہ یہ مقام خود ہی بلند ہے، دوسرے خود یہ فرش زمین پر نہیں بلکہ تختوں اور چارپائیوں کے اوپر ہوں گے، تیسرے خود فرش بھی دبیز ہوگا، اور بعض مفسرین نے اس جگہ فراش سے مراد عورت کو قرار دیا ہے، کیونکہ عورت کو بھی لفظ فراش سے تعبیر کیا جاتا ہے، حدیث میں ہے أَلَوْ كُنَّا لِلْفِرَاشِ، اس میں فراش سے بیوی مراد ہے، اور اگلی آیتوں میں جو جنتی عورتوں کی صفات مذکور ہیں وہ بھی اس معنی کا تفسیر ہیں (مظہری) اس صورت میں لفظ مرفوعہ رفعت ... درجہ کے اعتبار سے ہوگا بمعنی بلند پایہ۔

إِنَّا أَنشَأْنَهُنَّ إِنْسَاءً، انشاء کے معنی پیدا کرنے کے ہیں، هِنَّ کی ضمیر جنت کی عورتوں کی طرف راجع ہے، اگرچہ سابقہ قریبی آیات میں اُن کا ذکر نہیں ہے، مگر ذرا فاصلہ سے سابقوں کے بیان میں ان کا ذکر آچکا ہے، اس لئے ضمیر ان کی طرف راجع ہو سکتی ہے، اور اگر آیت مذکورہ میں فراش سے مراد جنت کی عورتیں ہیں، تو ضمیر ان کی طرف ہونا ظاہر ہے، نیز فرش و بستر وغیرہ عیش کی چیزوں کے ذکر

میں خود ایک دلالت عورت کی طرف پائی جاتی ہے، اس لئے بھی ضمیر اس طرف راجع ہو سکتی ہے۔

معنی آیت کے یہ ہیں کہ ہم نے جنت کی عورتوں کی پیدائش و تخلیق ایک خاص انداز سے کی ہے یہ خاص انداز

..... جو ان جنت کے لئے تو اس طرح ہے کہ وہ جنت ہی میں بغیر ولادت کے پیدا کی گئی ہیں

اور دنیا کی عورتیں جو جنت میں جائیں گی ان کی خاص تخلیق سے مطلب یہ ہوگا کہ جو دنیا میں بد شکل، سیاہ رنگ

یا بوڑھی تھی اب اس کو حسین شکل و صورت میں جو ان رعنا کر دیا جائے گا، جیسا کہ ترمذی اور سیہقی میں حضرت

انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ) کی تفسیر میں فرمایا کہ جو عورتیں دنیا

میں بوڑھی چنڈھی، سفید بال، بد شکل تھیں انھیں یہ نئی تخلیق حسین نوجوان بنا دے گی، اور سیہقی نے حضرت

صدیقہ عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے

میرے پاس ایک بوڑھی بیٹھی ہوئی تھی، آپؐ نے دریافت فرمایا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میری رشتہ

کی ایک خالہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مزاح کے فرمایا لَا تَدْخُلِي الْجَنَّةَ بِحُجُوزٍ۔

یعنی جنت میں کوئی بڑھیا نہ جائے گی، یہ بیچاری سخت غمگین ہوئی، بعض روایات میں ہے کہ رونے لگی،

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تسلی دی، اور اپنی بات کی حقیقت یہ بیان فرمائی کہ جس وقت

یہ جنت میں جائے گی تو بوڑھی نہ ہوگی بلکہ جوان ہو کر داخل ہوگی، اور یہی آیت تلاوت فرمائی (مظہری)

أَبْكَارًا، بَخْرًا، بَحْسَرًا، کی جمع ہے، کنواری لڑکی کو کہا جاتا ہے، مراد یہ ہے کہ جنت کی عورتوں

کی تخلیق اس شان کی ہوگی کہ وہ ہر صحبت و مباشرت کے بعد پھر کنواری جیسی ہو جائیں گی۔

عُورًا، بضم عین و راء، عروہ کی جمع ہے، اُس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے شوہر کی عاشق اور اس

کی من پسند محبوبہ ہو۔

أَشْرَابًا، تَرَبَّ بَحْسَرًا کی جمع ہے، جس کے معنی ہمعمر کے ہیں، جو مٹی میں ساتھ کھیلا ہو، جنت میں

مرد و عورت سب ہمعمر کر دیئے جائیں گے، بعض روایات حدیث میں ہے کہ سب کی عمر تینتیس سال

ہوگی (مظہری)

ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَثَلَاثَةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ، ثَلَاثَةٌ کے معنی بڑی جماعت اور اولین و آخرین کی

تفسیر میں حضرات مفسرین کے دو قول اور سابقوں کے بیان میں مذکور ہو چکے ہیں، اگر اولین سے مراد

حضرت آدم علیہ السلام سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک کے حضرات اور آخرین سے

آپؐ کی اُمت تا قیامت ہے، جیسا کہ بعض مفسرین نے فرمایا تو اس آیت کا حاصل یہ ہوگا کہ اصحاب المین

یعنی مؤمنین متقین کی تعداد پچھلی اُمتوں کے مجموعہ میں ایک بڑی جماعت ہوگی، اور تہنا اُمت محمدیہ

میں ایک بڑی جماعت ہوگی، اس صورت میں اول تو اُمت محمدیہ کی فضیلت کے لئے یہ بھی کچھ کم

نہیں کہ پچھلے لاکھوں انبیاء علیہم السلام کی اُمتوں کی برابر یہ اُمت ہو جائے جس کا زمانہ بہت مختصر

ہے اس کے علاوہ لفظ اُمت میں اس کی بھی گنجائش ہے کہ یہ نسل آخرین تعدادِ اولین سے بڑھ جائے گا۔

اور اگر دوسری تفسیر مراد لی جائے کہ اولین و آخرین دونوں اسی امت کے مراد ہیں، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے بغوی نے اور حضرت ابو بکرؓ سے مسندِ اطبرانی و ابن مردودہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ہما بین اُمتی یعنی یہ اولین و آخرین میری اُمت ہی کے دو طبقے ہیں، اس معنی کے لحاظ سے ثابت ہو گیا ہے کہ سابقین اولین صحابہ و تابعین وغیرہ جیسے حضرات سے بھی یہ اُمت آخر تک باکھل محروم نہ ہوگی اگرچہ آخری دور میں ایسے لوگ کم ہوں گے، اور مؤمنین متیقن و اولیاء اللہ تو اس پوری اُمت کے اول و آخر میں بھاری تعداد میں رہیں گے، اور اُمت محمدیہ کا کوئی ذکر کوئی طبقہ اصحاب الیمین سے خالی نہ رہے گا اس کی شہادت اس حدیث سے بھی ملتی ہے جو صحیح بخاری و مسلم میں حضرت معاذؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اور ہزاروں مخالفین کے نرغے میں بھی وہ اپنا رشد و ہدایت کا کام کرتی رہے گی، اس کو کسی کی مخالفت نقصان نہ پہنچا سکے گی، یہاں تک کہ قیامت قائم ہونے تک یہ جماعت اپنے کام میں لگی رہے گی۔

نَحْنُ خَلَقْنَاكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُونَ ﴿۵۸﴾ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ ﴿۵۹﴾

ہم نے تم کو بنایا پھر کیوں نہیں سچ مانتے، بھلا دیکھو تو جو پانی تم ٹپکاتے ہو، اب تم اس کو

تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدْ رَبَّابْنَكُمْ السَّمَوَاتِ وَمَا

بناتے ہو یا ہم ہیں بنانے والے، ہم ٹھیراچکے تم میں مرنا اور ہم

نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿۶۰﴾ عَلَىٰ أَنْ نُبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا لَا

عاجز نہیں اس بات سے کہ بدلے میں لے آئیں تمہاری طرح کے لوگ اور اٹھا کھڑا کریں تم کو وہاں

تَعْلَمُونَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۶۲﴾

جہاں تم نہیں جانتے، اور تم جان چکے ہو پہلا اٹھان پھر کیوں نہیں یاد کرتے،

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرَثُونَ ﴿۶۳﴾ أَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ﴿۶۴﴾

بھلا دیکھو تو جو تم بولتے ہو، کیا تم اس کو کرتے ہو کھیتی یا ہم ہیں کھیتی کر دینے والے

لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطًا مَّا أَفْطَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿۶۵﴾ إِنَّا لَمُبْعَثُونَ ﴿۶۶﴾

اگر ہم چاہیں تو کبر ڈالیں اس کو روندنا ہو اگھاس پھر تم سارے دن رہو بائیں بٹلتے، ہم تو قرض دار رہ گئے،

بَلْ نَحْنُ مُحَرِّمُونَ ۖ ۶۷ ۝ أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ۖ ۶۸ ۝ أَنْتُمْ

بلکہ ہم بے نصیب ہو گئے ، بھلا دیکھو تو پانی کو جو تم پیتے ہو ، کیا تم نے

أَنْزَلْنَاهُ مِنَ الْمُنْزِلِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ۖ ۶۹ ۝ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ

اتارا اس کو بادل سے یا ہم ہیں اُتارنے والے ، اگر ہم چاہیں کر دیں اس کو

أَجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ۖ ۷۰ ۝ أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ۖ ۷۱ ۝ أَنْتُمْ

کھارا پھر کیوں نہیں احسان مانتے ، بھلا دیکھو تو آگ جس کو تم سلگاتے ہو ، کیا تم نے

أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُونَ ۖ ۷۲ ۝ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً

پیدا کیا اس کا درخت یا ہم ہیں پیدا کرنے والے ، ہم نے ہی تو بنایا وہ درخت یاد دلانے

وَمَتَاعًا لِلْمُقَرَّبِينَ ۖ ۷۳ ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۖ ۷۴ ۝

کو اور برتنے کو جگہ والوں کے ، سو بول پاکی اپنے رب کے ناکہ جو سب سے بڑا

خلاصہ تفسیر

ہم نے تم کو اول بار پیدا کیا ہے (جس کو تم بھی تسلیم کرتے ہو) تو پھر تم ربا اعتبار اس کے نعمت ہونے کے توحید کی اور باعتبار اس کے دلیل قدرت علی الاعادہ ہونے کے قیامت کی تصدیق کیوں نہیں کرتے ، آگے اس تخلیق کی پھر اس کے اسباب بقا کی تفصیل و تذکرہ ہے یعنی اچھا پھر یہ بتلاؤ تم جو روبرو قیامت کے رحم میں مہنی پہنچاتے ہو اس کو تم آدمی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں (اور ظاہر ہے کہ ہم ہی بناتے ہیں اور ہم ہی نے تمہارے درمیان میں موت کو (معیّن وقت پر) ٹھہرا رکھا ہے) (مطلب یہ کہ بنانا اور اس بنائے ہوئے کو ایک وقت خاص تک باقی رکھنا یہ سب ہمارا ہی کام ہے ، آگے یہ بتلاتے ہیں کہ جیسا انسان کی ذات کا پیدا کرنا اور باقی رکھنا ہمارا فعل ہے ، اسی طرح تمہاری موجودہ صورت کو باقی رکھنا بھی ہمارا ہی فعل ہے) اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری جگہ تو تم جیسے اور (آدمی) پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت بنا دیں جن کو تم جانتے بھی نہیں (یعنی مثلاً آدمی سے جانور کی صورت میں مسخ کر دیں جس کا گمان بھی نہیں) اور (آگے تنبیہ ہے اس کی دلیل پر یعنی تم کو اول پیدائش کا علم حاصل ہے کہ وہ ہماری قدرت سے ہے) پھر تم کیوں نہیں سمجھتے کہ سمجھ کر اس نعمت کا شکر ادا کرو اور توحید کا اقرار کرو اور قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے پر بھی استدلال کرو ، آگے ایک دوسری تنبیہ ہے یعنی اچھا پھر یہ بتلاؤ تم جو کچھ (تخم وغیرہ) بوتے ہو اس کو تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں (یعنی زمین میں بیج ڈالنے میں تو تم کو کچھ دخل ہے بھی ، لیکن اس کو زمین سے نکالنا یہ کس کا فعل ہے ، آگے یہ

بتلاتے ہیں کہ زمین سے درخت اُگنا جیسا ہمارا کام ہے آگے اس درخت سے تمہارا فائدہ اٹھانا بھی ہماری قدرت و حکمت پر موقوف ہے، جیسا اوپر بھی فرمایا تھا یعنی اگر ہم چاہیں تو اس (پیداوار) کو چورا چورا کر دیں، (یعنی دانہ کچھ نہ پڑے، پتی خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائے) پھر تم متعجب ہو کر یہ جاؤ کہ (اب کے تو) ہم پر تاوان ہی پڑ گیا (یعنی سرمایہ میں نقصان آگیا، اور نقصان کیا) بلکہ بالکل ہی محروم رہ گئے (یعنی سارا ہی سرمایہ گیا گذرا) آگے تیسری تنبیہ (یعنی) اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیئے ہو اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برسائے والے ہیں (پھر اس پانی کو پینے کے قابل بنانا ہماری دوسری نعمت ہو کہ) اگر ہم چاہیں اس کو کڑوا کر ڈالیں، تو تم شکر کیوں نہیں کرتے (اور بڑا شکر عقیدہ توحید و ترک کفر ہے، آگے چوتھی تنبیہ (یعنی) اچھا پھر یہ بتلاؤ جس آگ کو تم سلگاتے ہو اس کے درخت کو جس میں سے یہ آگ بھڑتی ہے جس کا بیان آخر سورۃ لیس میں آچکا ہے، اور اسی طرح جن ذرائع سے یہ آگ پیدا ہوتی ہے ان ذرائع کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں ہم نے اس کو ذاتش دوزخ کی یا اپنی قدرت عجیبہ کی) یاد دہانی کی چیز اور مسافروں کے لئے فائدہ کی چیز بنایا ہے، (یاد دہانی ایک دینی فائدہ ہے، اور دوسرا دنیوی فائدہ آگ سے کھانا پکانے کا ہے اور تخصیص مسافر کی حصر کے لئے نہیں بلکہ سفر میں آگ کیاب ہونے کے سبب ایک شے عجیب ہوتی ہے، اور متاعاً میں اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ آگ سے فائدہ اٹھانا بھی ہماری قدرت سے ہے) سو جس کی ایسی قدرت ہے اپنے (اُس) عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح (و تحمید) کیجئے، کہ کمال ذات و صفات منقضى استحقاق حمد و ثناء ہیں، اور نام کی تسبیح وغیرہ کی تحقیق آیت آخر سورۃ رحمن میں گذر چکی ہے)۔

معارف و مسائل

شروع سورت سے یہاں تک محشر میں انسانوں کی تین قسمیں اور تینوں قسموں کے احکام اور جزاء و سزا کا بیان تھا، مذکورہ صدر آیات میں اُن گمراہ لوگوں کو تنبیہ ہے جو سرے سے قیامت قائم ہونے اور دوبارہ زندہ ہونے ہی کے قائل نہیں، یا اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں، انسان کی اُس غفلت اور جہالت کا پردہ چاک کرنا ہے جس نے اس کو بھول میں ڈال رکھا ہے، توضیح اس کی یہ ہے کہ اس عالم کائنات میں جو کچھ موجود ہے یا وجود میں آرہا ہے یا آئندہ آنے والا ہے اس کی تخلیق پھر اس کو باقی رکھنا اور پھر اس کو انسان کے مختلف کاموں میں لگا دینا یہ سب درحقیقت حق تعالیٰ جل شانہ کی قدرت و حکمت کے کرشمے ہیں، اگر اسباب کے پردے درمیان میں نہ ہوں اور انسان ان سب چیزوں کی تخلیق بلا واسطہ اسباب کے مشاہدہ کر لے تو ایمان لانے پر مجبور ہو جائے، مگر حق تعالیٰ نے دنیا کو دارالامتحان بنایا ہے، اس لئے یہاں جو کچھ وجود و ظہور میں آتا ہے وہ سب اس کے پردوں میں آتا ہے۔

اور حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے ان اسباب اور مقدمات میں ایک ایسا رابطہ

مستحکم قائم فرمادیا ہے کہ جہاں کہیں سبب موجود ہو جاتا ہے تو مسبب ساتھ ساتھ وجود میں آجاتا ہے، جس کو دیکھنے والا لازم و ملزوم سمجھتا ہے، اور ظاہر بن نظر اس اسی سلسلہ اسباب میں اُلجھ کر رہ جاتی ہیں، اور تخلیق کائنات کو اپنی اسباب کی طرف منسوب کرنے لگتی ہیں، اصل قدرت اور حقیقی قوت فاعلہ جو ان اسباب و مسببات کو گردش دینے والی ہے اس کی طرف التفات نہیں رہتا۔

آیات مذکورہ میں حق تعالیٰ نے اول خود انسان کی تخلیق کی حقیقت کو واضح فرمایا، پھر انسانی ضروریات کی تخلیق کی حقیقت سے پردہ اٹھایا، خود انسان کو مخاطب کر کے سوالات کئے، ان سوالات کے ذریعہ اصل جواب کی طرف رہنمائی فرمائی، کیونکہ سوالات میں اُن اسباب کی کمزوری اور ان کا علتِ تخلیق نہ ہونا واضح فرمادیا۔

آیات مذکورہ میں پہلی آیت نَحْنُ خَلَقْنَاکُمْ ایک دعویٰ ہے، اور اگلی آیات اس کے دلائل ہیں، سب سے پہلے خود انسان کی تخلیق پر ایک سوال کیا گیا، کیونکہ غافل انسان چونکہ روزمرہ اس کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے کہ مرد و عورت کے اختلاط سے حمل قرار پاتا ہے اور پھر وہ رحم مادر میں بڑھتا اور تیار ہوتا رہتا ہے، اور تو مہینے کے بعد ایک مکمل انسان کی صورت میں پیدا ہو جاتا ہے، اس روزمرہ کے مشاہدہ سے غفلت شعرا انسان کی نظر بس یہیں تک رہ جاتی ہے کہ مرد و عورت کے باہمی اختلاط ہی کو تخلیق انسانی کی علتِ حقیقی سمجھنے لگتا ہے، اس لئے سوال یہ کیا گیا اَفَرَعِیْشُمْ مَّا تُمْسُونَ ؕ اَنۡتُمْ تَخْلُقُوْنَہٗ ؕ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ؕ، یعنی اے انسان! ذرا غور تو کر کہ بچے کی پیدائش میں تیرا دخل اس کے سوا کیا ہے کہ تو نے ایک قطرہ منی ایک خاص محل میں پہونچا دیا، اس کے بعد کیا تجھے کچھ خبر ہے کہ اس لطفہ پر کیا کیا دور گزے، کیا کیا تغیرات آئے، کس کس طرح اس میں ہڈیاں اور گوشت پوست پیدا ہوئے، اور کس کس طرح اس عالم صغر کے وجود میں کیسی کیسی نازک نشینیں غذا حاصل کرنے، خون بنانے اور روح حیوانی پیدا کرنے کی پھر دیکھنے، بولنے، سننے، چکھنے اور سوچنے سمجھنے کی قوت اس کے وجود میں نصب فرمائیں کہ ایک انسان کا وجود ایک متحرک فیکٹری بن گیا، نہ باپ کو خبر ہے نہ ماں کو جس کے پیٹ میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے، آخر اگر عقل دنیا میں کوئی چیز ہے تو وہ یہ کیوں نہیں سمجھتی کہ عجیب و غریب محنتوں پر مشتمل انسانی وجود کیا خود بخود بغیر کسی کے بنائے بن گیا، اور اگر کوئی بنانے والا ہے تو وہ کون ہے؟ ماں باپ کو تو خبر بھی نہیں کہ کیا بنا کس طرح بنا؟ ان کو تو وضع حمل تک یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ حمل لڑکا، لڑکی یا لڑکی، پھر آخر وہ کونسی قدرت ہے جس نے پیٹ کی پھر رحم کی پھر بچے کے اوپر پیک کی ہوئی جھلی کی تین اندھیریوں میں یہ حسین و جمیل، سمیع و بصیر، سوچنے سمجھنے والا وجود تیار کر دیا، یہاں جو تبارک اللہ احسن الخالقین بول آٹھنے پر مجبور نہ ہو جائے وہ عقل کا اندھا ہی ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد کی آیات میں یہ بھی بتلادیا کہ اے انسانو! تم پیدا ہو جانے اور چلتا پھرتا فعال آدمی بن جانے کے بعد بھی اپنے وجود و بقا اور تمام کاروبار میں ہمارے ہی محتاج ہو۔ ہم نے تمہاری موت کا بھی

ابھی سے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، اور اس وقت مقرر سے پہلے پہلے جو عمر تمہیں ملی اس میں تم اپنے آپ کو خود مختار پاتے ہو، یہ بھی تمہارا مغالطہ ہی ہے، ہمیں اس پر بھی قدرت ہے کہ ابھی ابھی تمہیں فنا کر کے تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم پیدا کر دیں، اور یہ بھی قدرت ہو کہ تمہیں فنا کرنے کے بجائے کسی دوسری صورت حیوانی یا جماداتی میں تمہیں تبدیل کر دیں، یہ مضمون ان آیات کا ہے نَحْنُ قَادِرٌ عَلَىٰ بَيْنِكُمُ السَّمُوتِ وَمَا فَحْنُ بِمَسْبُوقَيْنِ، عَلَآ أَنْ تُبَدِّلَ أُمَّتَ لَكُمْ وَنُفْسِكُمْ فِيمَا لَا تَعْلَمُونَ ہ موت کے مقرر اور وقت معین پر آنے میں اس طرح بھی اشارہ ہو کہ تم اپنی بقاء میں آزاد و خود مختار نہیں، بلکہ تمہاری بقاء ایک معین وقت تک ہی، تمہیں حق تعالیٰ نے ایک خاص وقت و قدرت اور عقل و حکمت کا حامل بنایا ہے، اس کے کام لے کر تم بہت کچھ کر سکتے ہو، مَنْحَنُ بِمَسْبُوقَيْنِ کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے ارادے پر سبقت کرنے والا اور ہماری مشیت پر غالب آنے والا کوئی نہیں، ہم اس وقت بھی جو چاہیں کر سکتے ہیں، کہ أَنْ تُبَدِّلَ أُمَّتَ لَكُمْ، یعنی تمہاری جگہ تمہارے مثل کوئی اور قوم لے آئیں، وَنُفْسِكُمْ فِيمَا لَا تَعْلَمُونَ، اور تمہاری وہ شکل بنادیں جس کو تم جانتے بھی نہیں، اس کی یہ شکل بھی ہو سکتی ہے کہ مگر مٹی ہو جاؤ، یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کسی جانور کی شکل میں تبدیل ہو جاؤ، جیسے پھلی امتوں پر صورتیں مسخ ہو کر بندر اور خنزیر بن جانے کا عذاب آچکا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں پتھروں اور جمادات کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے۔

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ، تخلیق انسانی کے معاملے میں انسان کی غفلت اور اسباب طبعیہ کے پردہ میں الجھ کر اصل خالق و مالک سے بے خبر ہونے کا پردہ چاک کرنے کے بعد اس کی غذا جو اس کی زندگی کا مدار ہے اس کی حقیقت اسی انداز سے ظاہر فرمائی کہ سوال کیا کہ تم جو کچھ زمین میں بیج بوتے ہو ذرا غور تو کرو کہ اس بیج میں سے درخت پیدا کرتے ہیں تمہارے عمل کا کیا اور کتنا داخل ہے، غور کر دو گے تو جواب اس کے سوانہ ملے گا کہ کاشتکار کا داخل اس میں اس سے زیادہ نہیں کہ اُس نے زمین کو ہل چلا کر پھر کھا دیا اور کرم کر دیا، کہ جو ضعیف کو نیل اس دانہ سے پیدا ہو کر اوپر آنا چاہے اس کی راہ میں زمین کی سختی و رکاوٹ نہ بنے بیج بونے والے انسان کی ساری کوشش اسی ایک نقطہ کے گرد وائر ہے، اور جب درخت نمودار ہو جائے تو اس کی حفاظت پر یہ کوشش لگ جاتی ہے، لیکن ایک دانہ کے اندر سے درخت نکال لانا نہ اس کے بس کا ہے، نہ یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں نے یہ درخت بنایا ہے، تو پھر وہی سوال آتا ہے کہ منوں مٹی کے ڈھیر میں پڑے ہوئے دانے کے اندر سے یہ خوب صورت اور ہزاروں فوائد پر مشتمل درخت کس نے بنایا؟ تو جواب اس کے سوا کیا ہے کہ وہی مالک و خالق کائنات کی قدرت کاملہ اور صنعت عجیبہ اس کی بنانے والی ہے۔

اس کے بعد اسی طرح پانی جس کو پی کر انسان زندہ رہتا ہے، آگ جس پر اپنا کھانا پکاتا ہے اور اپنی صنعتوں کو اس سے چلاتا ہے ان سب کی تخلیق پر ایسے ہی سوال و جواب کا ذکر فرمایا، اور آخر میں سب کا

خلاصہ یہ بیان فرمایا۔

نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذَكُّرًا وَرَمَاءً لِّلْمُفْسِدِينَ، مَفْزُؤُنَ، اقوار سے مشتق ہے اور وہ قوار بمعنی صحراء سے مشتق ہے، مَفْزُؤِ کے معنی ہوئے صحراء میں اترنے والا، مراد اس سے مسافر ہے جو جنگل میں کہیں پھڑکراپنے کھانے کے انتظام میں لگا ہو، اور مراد آیت کی یہ ہے کہ یہ سب تخلیقات ہماری ہی قدرت و حکمت کا نتیجہ ہیں۔
فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ، اس کا لازمی اور عقلی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ انسان حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور توحید پر ایمان لائے اور اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح پڑھا کرے، کہ یہی اس کی نعمتوں کا شکر ہے۔

فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ۝۵۵ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۝۵۶

سو میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے ڈوبنے کی، اور یہ قسم ہے اگر سمجھو تو بڑی قسم،

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝۵۷ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝۵۸ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝۵۹

بیشک یہ قرآن ہی عزت والا، لکھا ہوا ہے ایک پوشیدہ کتاب میں، اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں

تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝۶۰ أَفَبِهَذَا الْحَدِيثِ أَنْتُمْ مُدْهِنُونَ ۝۶۱

اتارا ہوا ہے پروردگار عالم کی طرف سے، اب کیا اس بات میں تم مستی کرتے ہو،

وَتَجْعَلُونَ رِشْقَكُمْ أَنْتُمْ تُكذِّبُونَ ۝۶۲ فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ

اور اپنا حصہ تم یہی لیتے ہو کہ اس کو جھٹلاتے ہو، پھر کیوں نہیں جس وقت جان پہنچے

الْحُلُقُومَ ۝۶۳ وَأَنْتُمْ حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ ۝۶۴ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ

حلق کو، اور تم اس وقت دیکھ رہے ہو، اور ہم اس کے پاس ہیں

مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ ۝۶۵ فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ۝۶۶

تم سے زیادہ برتر نہیں دیکھتے، پھر کیوں نہیں اگر تم نہیں ہو کسی کے حکم میں

تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝۶۷ فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝۶۸

تو کیوں نہیں پھیر لیتے اس روح کو اگر ہو تم سچے، سو جو اگر وہ (مردہ) ہوا مقرب لوگوں میں،

فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ ۝۶۹ وَجَنَّتْ نَعِيمٌ ۝۷۰ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ

تو راحت ہے اور روزی ہے اور باغِ نعمت کا، اور جو اگر وہ ہوا داہنے والوں

الْيَمِينِ ۹۰ فَسَلِّمْ لَكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ۹۱ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ

میں ، تو سلامتی پہنچے تجھ کو داہنے والوں سے ، اور جو اگر وہ ہوا جھٹلانے

السَّكَنِ بَيْنَ الضَّالِّينَ ۹۲ فَزُلْ مِنْ حَمِيمٍ ۹۳ وَتَصْلِيَةٌ بِحَمِيمٍ ۹۴

دالوں بیکھے دالوں میں سے تو ہمانی ہے جلتا پانی ، اور ڈالنا آگ میں ،

إِنَّ هَذَا الْهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ ۹۵ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۹۶

بیشک یہ بات یہی ہو لائق یقین کے ، سو بول پاکی اپنے رب کے نام سے جو سب سے بڑا

خُلاصۂ تفسیر

دور دلائل عقلیہ سے بحث یعنی مرکز زندہ ہونے کا امکان ثابت ہونے کے بعد قرآن سے جو اس کا وقوع ثابت ہے اور تم اس قرآن کو نہیں مانتے ، سو میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی اور اگر تم غور کرو تو یہ ایک بڑی قسم ہے اور قسم اس بات کی کھاتا ہوں کہ یہ قرآن جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا ہے بوجہ منزل من اللہ ہونے کے ، ایک مکرم قرآن ہے جو ایک محفوظ کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں (پہلے سے) درج ہے (اور وہ لوح محفوظ ایسی ہے) کہ ہر اس کو پاک فرشتوں کے رکہ گناہوں سے پاکلیہ پاک ہیں (کوئی شیطان وغیرہ) ہاتھ نہیں لگانے پاتا (اس کے مضامین پر مطلع ہونا تو دور کی بات ہے ، پس وہاں سے یہاں خاص طور پر آنا فرشتے ہی کے ذریعہ سے ہے ، اور یہی نبوت ہے ، اور شیاطین اس کو لایہ نہیں سکتے ، کہ احتمال کہانت وغیرہ سے نبوت میں شبہ ہو ، بقولہ تعالیٰ نَزَّلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ، وقولہ تعالیٰ وَمَا نَزَّلْنَا بِهِ الشَّيْطَانُ ، اس سے ثابت ہوا کہ یہ رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے ، (جو کہ) اشارةً کریم کا مدلول تھا ، یہاں ستاروں کے چھپنے کی قسم اپنے مفہوم و مقصد کے اعتبار سے ایسی ہے جیسے شروع سورۃ البخیم میں ہے جس کا دہاں بیان ہو چکا ہے جس میں ستاروں کا باعتبار غروب کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موصوف بالنبوة اور منار الہدیٰ ہونے کا نظیر ہونا بھی بیان ہوا ہے جو کہ مقصد و مقام ہے ، اور قسمیں جتنی قرآن میں ہیں بوجہ دلالت علی المطلوب کے سب ہی عظیم ہیں ، لیکن کہیں کہیں مطلوب کے خاص اہتمام اور اس پر زیادہ متنبہ کرنے کے لئے عظیم ہونے کی تصریح بھی فرمادی ہے ، جیسا کہ اس جگہ اور سورۃ الفجر میں حاصل مقام کا اجمالاً وہ ہے جو تفصیلاً اخیر رکوع میں سورۃ شعراء کے ارشاد ہوا ہے (سو جب اس کا منزل من اللہ ہونا ثابت ہے تو) کیا تم لوگ اس کلام کو سرسری بات سمجھتے ہو (یعنی اس کو واجب التصدیق نہیں جانتے) اور (اس مدعاہنت سے بڑھ کر یہ کہ) تکذیب کو اپنی غذا بنا رہی ہو

(اور اس لئے توحید و وقوع قیامت کا بھی انکار کرتے ہو) سو (اگر یہ انکار حق ہے تو) جس وقت (مرنے کے قریب کسی شخص کی) رُوح حلق تک پہنچتی ہے اور تم اُس وقت (بیٹھے حسرت آلودہ نگاہ سے) تنہا کر کے ہو اور ہم (اس وقت) اُس (مرنے والے) شخص کے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں (یعنی تم سے بھی زیادہ اس شخص کے حال سے واقف ہوتے ہیں، کیونکہ تم صرف ظاہری حالت دیکھتے ہو اور ہم اس کی باطنی حالت پر بھی مطلع ہوتے ہیں) لیکن (ہمارے اس قربِ علی کو بوجہ اپنے جہل و کفر کے) تم سمجھتے نہیں ہو تو (فی الواقع) اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں ہے (جیسا تمہارا خیال ہے) تو تم اس رُوح کو (بدن کی نظر) پھر کیوں نہیں ٹوٹا لاتے ہو (جس کی اس وقت تم کو تمنا بھی ہو ا کرتی ہے) اگر (اس انکارِ قیامت و حساب میں) تم بچے ہو (مطلب یہ کہ مسترآن صادق ہے اور وقوعِ بعث کا ناطق ہے) پس مقتضی وقوعِ محقق ہوا اور مانع کوئی امر نہیں پس وقوع ثابت ہو گیا اور اس پر بھی تمہارا انکار اور نفی کئے چلا جانا بدلائلِ حال اس کو مستلزم ہے کہ گویا تم رُوح کو اپنے بس میں سمجھتے ہو کہ گویا قیامت میں خداداد بارہ رُوح ڈالنا چاہے جیسا کہ مقتضی قرآن کا ہے مگر ہم نہ ڈالنے دیں گے اور کعبہ نہ ہونے دیں گے، جب ہی تو ایسے زور سے نفی کرتے ہو، در نہ جو اپنے کو عاجز جانے وہ دلائل وقوع کے بعد ایسے زور کی بات کیوں کہے، سو اگر تم اپنے بس میں سمجھتے ہو تو ذرا اپنا زور اسی وقت دکھلا دو جبکہ کسی قریب الموت انسان کے بقاءِ حیات کے متنی بھی ہوتے ہو، اور دیکھ کر جسم بھی آتا ہے دل گیر بھی ہوتے ہو اور وہ زور دکھلاتا یہ کہ اس رُوح کو نکلنے نہ دو بدن میں لوٹا دو جب اس پر بس نہیں کہ رُوح کو بدن سے نکلنے نہ دو تو اس کو دوبارہ پیدا کرنے سے روکنے پر کیسے تمہارا بس چلے گا، پس ایسے لاطائل دعوے کیوں کرتے ہو، اور چونکہ مقام ہے نفی قدرت کا، اور نفی علم مستلزم ہے نفی تعلق قدرت کو، اس لئے نَحْنُ أَقْرَبُ جملہ معترضہ میں اُن کے علم تام کی نفی فرمادی، اور چونکہ یہ دلیل کافی ان کے لئے شافی نہ ہوئی، اس لئے لَا تَبْصُرُونَ میں توبیخ بھی فرمادی، اور چونکہ اس تقدیر سے اثباتِ قدرت بھی ہو اس لئے بعث کے ساتھ یہ توحید کی بھی دلیل ہے، آگے کیفیت مجازاۃ کی ارشاد ہے، یعنی یہ تو ثابت ہو چکا کہ قیامت اپنے وقت پر ضروری آوے گی (پھر جب قیامت واقع ہوگی تو جو شخص مقربین میں سے ہوگا (جن کا ذکر اوپر آیا ہے وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ) اس کے لئے قوراحت ہے اور (فراغت کی) غذا میں ہیں، اور آرام کی جنت ہے اور جو شخص داہنے والوں میں سے ہوگا (جن کا ذکر اوپر آیا ہے وَاصْحَابُ الْيَمِينِ) تو اس سے کہا جاوے گا کہ تیرے لئے (ہر آفت اور خطرہ سے) امن و امان ہے کہ تو داہنے والوں میں سے ہے، اور یہ کہنا خواہ ابتداء ہو اگر فضل یا توبہ کے سبب اول ہی مغفرت ہو جاوے یا انتہاء ہو اگر بعد سزا کے مغفرت ہو اور یہاں رُوح و رَحْمَان کا ذکر نہ فرمانا نفی کے لئے نہیں بلکہ اشارہ اس طرف ہو کہ یہ سابقین سے ان امور میں کم ہوگا، اور جو شخص جھٹلانے والوں (اور) گمراہوں میں سے ہوگا تو کھولتے ہوئے پانی سے اس کی دعوت ہوگی اور دوزخ میں داخل ہونا ہوگا، بیشک یہ (جو کچھ مذکور ہوا) تحقیقی یقینی بات ہے سو (جس کے یہ تصرفات ہیں) اپنے (اس) عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح و تحمید کیجئے (وَقَدِّمُوا نَفًّا)۔

معارف و مسائل

سابقہ آیات میں عقلی دلائل سے قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے کا ثبوت حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس دنیاوی تخلیق کے ذریعہ دیا گیا تھا، آگے نقلی دلیل اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے قسم کے ساتھ دی گئی ہے،

فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ، لفظ لا قسم کے شروع میں ایک عام محاورہ ہے، جیسے لاواللہ، اور جاہلیت کی قسموں میں لا وایک مشہور ہے، بعض حضرات نے اس حرف لا کو زائد قرار دیا ہے، اور بعض نے اس کی توجیہ یہ کی کہ اس موقع میں حرف لا مخاطب کے گمان کی نفی کے لئے ہوتا ہے، یعنی کَیْسَ کَمَا تَقُولُ، یعنی جیسا تم کہتے اور سمجھتے ہو وہ بات نہیں، بلکہ حقیقت وہ ہے جو آگے قسم کھا کر بتلائی جاتی ہے۔

مَوَاقِعِ، موقع کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں ستاروں کے غروب ہونے کی جگہ یا وقت، اس آیت میں ستاروں کی قسم کو غروب کے وقت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے، جیسے سورہ نجم میں بھی وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ مِنْ بَیْنِ يَدَیْهِ غُرُوبُ الْكَوْكَبِ، اس قید کی حکمت یہ ہے کہ غروب کے وقت ہر ستارے کے عمل کا اس افق سے انقطاع نظر آتا ہے اور اس کے آثار کی فنا کا مشاہدہ ہوتا ہے، جس سے ان کا حادث اور قدرت الہیہ کا محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے۔

إِنَّهُ لَقَوْلُكَ أَنْ كَسَرَ يَحْمَدُ فِي كِتَابٍ مُمْكِنُونَ لَا يَمْسُهُ إِلَّا الْمَطَهَّرُونَ، سابقہ آیات میں مواقع النجوم کی قسم کھا کر جو مضمون جواب قسم کا بیان کرنا ہے، وہ ان آیات میں مذکور ہے، جس کا حاصل قرآن کریم کا مکرم و محفوظ ہونا اور مشرکین کے اس خیال کی تردید ہے کہ یہ کسی انسان کا بنایا ہوا یا معاذ اللہ شیطان کا القار کیا ہوا کلام ہے۔

كِتَابٍ مُمْكِنُونَ کے لفظی معنی چھپی ہوئی مستور کتاب، مراد اس سے لوح محفوظ ہے، لَا يَمْسُهُ إِلَّا الْمَطَهَّرُونَ، یہاں دو مسئلے غور طلب اور ائمہ تفسیر میں مختلف فیہ ہیں، اول یہ کہ نحوی ترکیب کے اعتبار سے اس جملے میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ جس کتاب کی ایک صفت ممکنون آئی یہ جملہ اُسی کتاب کی دوسری صفت ہے، اور ضمیر لا یمسہ کی اسی کتاب کی طرف راجع ہے، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہوتے ہیں کتاب ممکنون یعنی لوح محفوظ کو سوائے پاک لوگوں کے اور کوئی نہیں چھو سکتا، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس صورت میں مَطَهَّرُونَ کی مراد صرف فرشتے ہی ہو سکتے ہیں، جن کی رسائی لوح محفوظ تک ہو سکے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس صورت میں لفظ مَسَّ اپنے حقیقی معنی ہاتھ سے چھونے کے مفہوم میں نہیں لیا جاسکتا، بلکہ مَسَّ کرنے اور چھونے کے مجازی اور لازمی معنی مراد لینے ہوں گے، یعنی لوح محفوظ میں لکھے ہوئے مضامین پر مطلع ہونا، کیونکہ لوح محفوظ کو ہاتھ سے چھونا کسی مخلوق فرشتے وغیرہ کا کام نہیں (قرطبی) بیان لہذا قرآن کے مذکور الصدر خلاصہ تفسیر میں یہی ترکیب اور مفہوم اختیار کر کے تفسیر کی گئی ہے۔

دوسرا احتمال اس جملے کی ترکیب نحوی میں یہ ہے کہ اس کو قرآن کی صفت بنایا جائے جو اَوَّلُ الْقُرْآنِ

کَرِیم میں مذکور ہی اس صورت میں لَا یَمْسُہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہوگی، اور اس سے مراد وہ صحیفہ ہوگا جس میں قرآن لکھا ہوا ہو، اور لفظ مَسَّ اپنے حقیقی معنی ہاتھ سے چھونے کے مفہوم میں رہے گا، مجاز کی ضرورت نہ ہوگی، اسی لئے قرطبی وغیرہ مفسرین نے اس کو ترجیح دی ہے، اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ آیت لَا یَمْسُہَا إِلَّا الْمَلٰٓئِکَةُ کی تفسیر میں جو کچھ میں نے منسلک ہے اُن سب میں بہتر قول ہے کہ اس کا وہی مفہوم ہے جو سورۃ عبس کی آیت کا ہے یعنی فِی مَصْحَفٍ مُّکَرَّمٍ مَّتَّزَّجٍ مَّطَهَّرَةٍ بِأَیْدِی سَفَرَةٍ کَرَامٍ بَرَّةٍ قرطبی در روح المعانی اور اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ جملہ کتاب مکھون کی صفت نہیں بلکہ قرآن کی صفت ہے، اور قرآن سے مراد وہ صحیفے ہیں جو وحی لانیوالے فرشتوں کے ہاتھ میں دیئے جاتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ غور طلب اور مختلف فیہ اس آیت میں یہ ہے کہ مُطَهَّرُونَ سے کون مراد ہیں، صحابہ و تابعین اور مفسرین کی ایک بڑی جماعت کے نزدیک مُطَهَّرُونَ سے مراد فرشتے ہیں جو معاصی اور رذائل سے پاک و معصوم ہیں یہ قول حضرت انسؓ اور سعید بن جبیرؓ سے منقول ہے (قرطبی) حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے (ابن کثیر) امام مالکؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے (قرطبی)

اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ قرآن سے مراد وہ مصحف ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے، اور مُطَهَّرُونَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو نجاست ظاہری اور معنوی یعنی حدث اصغر و اکبر سے پاک ہوں، حدث اصغر کے معنی بے وضو ہونے کے ہیں، اس کا ازالہ وضو کرنے سے ہو جاتا ہے، اور حدث اکبر جنابت اور حیض و نفاس کو کہا جاتا ہے جس سے پاکی کے لئے غسل ضروری ہے، یہ تفسیر حضرت عطاءؒ، طاؤسؒ، سالمؒ اور حضرت محمد باقر رحمہم اللہ سے منقول ہے (روح) اس صورت میں جملہ لَا یَمْسُہ اگرچہ جملہ خبریہ ہے مگر اس خبر کو بحکم انشاء یعنی نئی و مانعت کے معنی میں قرار دیا جائے گا، اور مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ مصحف قرآن کو چھونا بغیر طہارت کے جائز نہیں اور طہارت کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ ظاہری نجاست سے بھی اس کا ہاتھ پاک ہو، اور بے وضو بھی نہ ہو، اور حدث اکبر یعنی جنابت بھی نہ ہو، قرطبی نے اسی تفسیر کو اظہر فرمایا ہے، تفسیر منطہری میں اسی کی ترجیح پر زور دیا ہے حضرت فاروق اعظمؓ کے اسلام لانے کے واقعہ میں جو مذکور ہے کہ انھوں نے اپنی بہن کو قرآن پڑھتے ہوئے پایا تو اوراق قرآن کو دیکھنا چاہا، ان کی بہن نے یہی آیت پڑھ کر اوراق قرآن اُن کے ہاتھ میں دینے سے انکار کیا، کہ اس کو پاک لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھو سکتا، فاروق اعظمؓ نے مجبور ہو کر غسل کیا، پھر یہ اوراق پڑھے، اس واقعہ سے بھی اسی آخری تفسیر کی ترجیح ہوتی ہے، اور روایات حدیث جن میں غیر ظاہر کو قرآن کے چھونے سے منع کیا گیا ہے، ان روایات کو بھی بعض حضرات نے اس آخری تفسیر کی ترجیح کے لئے پیش کیا ہے۔

مگر چونکہ اس مسئلے میں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ وغیرہ کا اختلاف ہے جو اوپر آچکا ہے، اس لئے بہت حضرات نے بے وضو قرآن کو ہاتھ لگانے کی مانعت کے مسئلے میں آیت مذکورہ سے استدلال چھوڑ کر

صرف روایات حدیث کو پیش کیا ہے (روح المعانی) وہ احادیث یہ ہیں :-

امام مالکؒ نے موطاء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مکتوب گرامی نقل کیا ہے جو آپؐ نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو لکھا تھا، جس میں ایک جملہ یہ بھی ہے لَا یَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ (ابن کثیر) یعنی قرآن کو وہ شخص نہ چھوئے جو طاہر نہ ہو۔

اور روح المعانی میں یہ روایت مسند عبد الرزاق، ابن ابی داؤد اور ابن المنذر سے بھی نقل کی ہے اور طبرانی داہن مردویہ نے حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا یَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ (روح المعانی) یعنی قرآن کو ہاتھ نہ لگائے بجز اس شخص کے جو پاک ہو۔

مسئلہ : روایات مذکورہ کی بناء پر جمہور امت اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کو ہاتھ لگانے کے لئے طہارت شرط ہے اس کے خلاف گناہ ہے، ظاہری نجاست سے ہاتھ کا پاک ہونا، با وضو ہونا حالت جنابت میں نہ ہونا سب اس میں داخل ہے، حضرت علی مرتضیٰؓ، ابن مسعودؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، سعید ابن زیدؓ، عطاء اور زہری، شافعی، حاکم، حماد، امام مالکؒ، شافعی، ابو حنیفہؒ سب کا یہی مسلک ہے، اور جو اختلاف اقوال نقل کیا گیا ہے وہ صرف اس بات میں ہے کہ یہ مسئلہ جو احادیث مذکورہ سے ثابت اور جمہور امت کے نزدیک مسلم ہے، کیا یہ بات قرآن کی آیت مذکورہ سے بھی ثابت ہے یا نہیں، بعض حضرات نے اس آیت کا مفہوم اور احادیث مذکورہ کا مفہوم ایک قرار دیا، اور اس آیت اور احادیث مذکورہ کے مجموعہ سے اس مسئلہ کو ثابت کیا، دوسرے حضرات نے آیت کو استدلال میں پیش کرنے سے بوجہ اختلاف صحابہ احتیاط کی، لیکن احادیث مذکورہ کی بناء پر مسلک سب نے یہی اختیار کیا کہ بے وضو بے طہارت قرآن کو ہاتھ لگانا جائز نہیں، اس لئے خلاف مسئلے میں نہیں، بلکہ اس کی دلیل میں ہوا ہے۔

مسئلہ : قرآن مجید کا غلاف جو جلد کے ساتھ سلا ہوا ہو وہ بھی بحکم قرآن ہے، اس کو بھی بغیر وضو و بغیر طہارت کے ہاتھ لگانا یا اتفاق ائمہ اربعہ ناجائز ہے، البتہ قرآن مجید کا جزدان جو علیحدہ کپڑے کا ہوتا ہے اگر اس میں قرآن بند ہے تو اس جزدان کے ساتھ قرآن کریم کو ہاتھ لگانا بلا وضو ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے، مگر امام مالکؒ و شافعیؒ کے نزدیک یہ بھی ناجائز ہے (منہجی)

مسئلہ : جو کپڑا آدمی نے پہنا ہوا ہے اس کی آستین یا دامن سے قرآن مجید کو بلا وضو چھونا بھی جائز نہیں، البتہ علیحدہ رد مال یا چادر سے چھوا جاسکتا ہے (منہجی)

مسئلہ : علمائے نے فرمایا کہ اسی آیت سے بدرجہ اولیٰ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جنابت یا حیض و نفاس کی حالت میں قرآن کی تلاوت بھی جائز نہیں، جب تک غسل نہ کرے، کیونکہ مصحف میں لکھے ہوئے حروف و نقوش کی جب یہ تعظیم واجب ہے تو اصل حروف جو زبان سے ادا ہوتے ہیں ان کی تعظیم اس سے زیادہ اہم اور واجب ہونا چاہئے، اس کو مقتضی تو یہ تھا کہ بے وضو آدمی کو بھی تلاوت قرآن جائز نہ ہو، مگر حضرت

ابن عباسؓ کی حدیث جو بخاری و مسلم میں ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث جو مسند احمد میں ہے اس سے بغیر وضو کے تلاوت قرآن فرمانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اس لئے فقہائے بڑے بلا وضو تلاوت کی اجازت دی ہے (تفسیر منطری)

آفَهِذَا الْحَيِّثِ أَنْتُمْ مُدْهِوُونَ، مُدْهِوُونَ، اِذْهَانَ سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی تیل کی مالش کرنے کے ہیں اور تیل مالش سے اعضاء نرم ہو جاتے ہیں اس لئے نرم کرنے اور ناجائز مواقع میں نرمی برتنے کے معنی اور نفاق کے مفہوم میں استعمال ہونے لگا، آیت مذکورہ میں یہ لفظ آیات الہیہ کی تصدیق میں نفاق یا تکذیب کے معنی میں استعمال ہے،

فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ وَأَنْتُمْ حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ ۝ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ ۝
وَلَكِنْ لَا تَبْصُرُونَ ۝ فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مِنْ يَتَّبِعِينَ تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝
سابقہ آیات میں پہلے عقلی دلائل سے پھر حق تعالیٰ کی طرف سے ستاروں کی قسم کھا کر اور ان کے مقہور و مغلوب ہونے کی کیفیت کی طرف اشارہ کر کے دو باتیں ثابت کی گئی ہیں، اول یہ کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس میں کسی شیطان و جن وغیرہ کا کوئی تصرف نہیں ہو سکتا، جو کچھ اس میں ہے وہ حق ہے، دوسرا مسئلہ جو قرآن کے مسائل میں خاص اہمیت رکھتا ہے، وہ قیامت آنا اور سب مردوں کا زندہ ہو کر رب العزت کے سامنے حساب کے لئے پیش ہونا ہے، اور اس کے آخر میں کفار و مشرکین کا ان سب دلائل واضحہ کے خلاف قرآن کی حقانیت اور قیامت میں مردوں کے زندہ ہونے سے انکار کا ذکر کیا گیا تھا۔

قیامت اور مرنے کے بعد زندہ ہونے سے انکار گویا ان کی طرف سے اس کا دعویٰ ہے کہ ان کی جان اور روح خود ان کے قبضہ میں ہے اور ان کی اپنی زندگی میں ان کو بھی کچھ دخل ہے، ان کے اس خیال باطل کی تردید کے لئے آیات مذکورہ میں ایک قریب الموت انسان کی مثال دے کر بتلایا کہ جب اس کی روح حلق میں پہنچتی ہے اور تم یعنی مرنے والے کے عزیز و قریب، دوست و احباب سب اس کے حال کو دیکھ رہے ہوتے ہیں اور بقاضائے محبت و تعلق یہ بھی چاہتے ہیں کہ اس کی روح نہ نکلے، یہ زندہ رہے، مگر اس وقت سب کو اپنی بیچارگی اور عاجزی کا احساس و اقرار ہوتا ہے، کہ کوئی اس مرنے والے کی جان نہیں بچا سکتا اس کے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اس وقت اپنے علم و قدرت کے لحاظ سے ہم تمہاری نسبت اُس مرنے والے سے زیادہ قریب ہوتے ہیں، قریب ہونے سے مراد اس کے اندر دنی اور ظاہری حالات سے واقفیت اور اس پر پوری قدرت ہے، اور فرمایا کہ مگر تم ہمارے اس قرب کو اور مرنے والے کے زیر تصرف ہونے کو آنکھوں سے نہیں دیکھتے، غلام یہ ہے کہ تم سب مل کر اس کی زندگی اور روح کی حفاظت چاہتے ہو مگر تمہاری بات نہیں چلتی، ہم اپنے علم و قدرت کے اعتبار سے اس کے زیادہ قریب ہیں، وہ ہمارے زیر تصرف اور مشیت و حکم کے تابع ہے، جس لمحہ میں اس کی روح نکالنا ہم طے کر چکے ہیں، اس کو کوئی روک نہیں سکتا، اس مثال کو سامنے کر کے ارشاد

ہوتا ہے کہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ مرنے کے بعد تمہیں زندہ نہیں کیا جاسکتا، اور تم اتنے قوی اور بہادر ہو کہ خدا تعالیٰ کی گرفت سے باہر ہو تو ذرا اپنی قوت و قدرت کا امتحان یہیں کر دیکھو کہ اس مرنے والے کی روح کو نکلنے سے بچاؤ یا نکلنے کے بعد اس میں ٹوٹاؤ، اور جب تم سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا تو پھر اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی گرفت سے باہر سمجھنا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے سے انکار کرنا کس قدر بے عقلی کی علامت ہے۔

فَأَمَّا أَنْ كَانَتْ مِنْ أَلْمُتَّقِينَ، سابقہ آیات میں مختلف دلائل اور مختلف عنوانات سے یہ واضح کر دیا گیا کہ دنیا کی موجودہ زندگی کا ایک روز ختم ہو جانا اور مرنے کے وقت سب عزیزوں، دوستوں، جلیبوں کا عاجز ہو جانا روزِ مشاہدہ میں آتا ہے اسی طرح اس کو بھی یقینی سمجھو کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اپنے اعمال کا حساب بھی دینا ہے، اور حساب کے بعد جزاء و سزا بھی یقینی ہے، اور جزاء و سزا میں ہر مخلوق کا تین گروہوں میں تقسیم ہو جانا اور ہر ایک کی جزاء الگ الگ ہونا جو شروعِ سورت میں بیان ہو چکا ہے، اس کا اجمال پھر یہاں ذکر کر دیا گیا کہ مرنے کے بعد اگر یہ شخص معتربین یعنی سابقین کے گروہ میں سے ہے تو راحت ہی راحت آرام ہی آرام ہے، اور اگر سابقین معتربین میں نہیں مگر اصحاب الیمین یعنی عام المؤمنین صالحین میں سے ہے تو بھی جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہوگا، اور اگر تمیرے گروہ یعنی اصحابِ شمال کفار و مشرکین میں سے ہو تو جہنم کی آگ اور کھولتے ہوئے پانی سے اس کو سابقہ پڑے گا، آخر میں فرمایا:-

إِنَّ لَهُنَّ أَلْهُوَ حَوْثَ الْيَقِينِ، یعنی یہ جزاء و سزا جس کا ذکر اوپر ہوا ہے حق اور بالکل یقینی امر ہے، اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں،

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ، ختمِ سورۃ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ آپ اپنے رب کے نام کی تسبیح پڑھتے رہئے، یعنی اس کی پاکی تمام اُن چیزوں سے جو اس کے لائقِ شان ہیں بیان کرتے رہئے، اس میں نماز کی تسبیحات بھی داخل ہیں اور خارج نماز کی تسبیحات بھی، اور خود نماز کو بھی بعض اوقات تسبیح سے تعبیر کر دیا جاتا ہے تو یہ حکم نماز کے اہتمام کا بھی ہو گیا، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

تَمَّتْ

سُورَةُ الْوَاقِعَةِ بِحَمْدِ اللَّهِ وَعَوْنِهِ
لَيْلَةُ الثَّلَاثَاءِ عِشْرِينَ مِنْ رَبِيعِ الثَّانِي
سَنَةِ ١٣٩١ وَبِشَوَّاعِ اللَّهِ تَعَالَى سُورَةُ الْحَرِّ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الْحَدِيدِ

سُورَةُ الْحَدِيدِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً وَارْبَعٌ رُكُوعَاتٌ

سورۃ حدید مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی انیس آیتیں ہیں اور چار رکوع،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بحد مہربان نہایت رحم والا ہے ،

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ① لَهُ

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہی آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا ، اسی کے لئے

مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ②

ہی راج آسمانوں کا اور زمین کا ، چلاتا ہے اور مارتا ہے اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے ،

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ③

وہی ہر سب پہلا اور سب پچھلا اور باہر اور اندر اور وہ سب کچھ جانتا ہے ،

هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ

وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں پھر قائم ہوا

عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ

تخت پر جانتا ہے جو اندر جاتا ہے زمین کے اور جو اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ اترتا ہے

مِّنَ السَّمَاءِ وَمَا يَخْرُجُ فِيهَا وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا

آسمان سے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو ، اور اللہ جو تم

تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿۴﴾ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ

کرتے ہو اس کو دیکھتا ہے، اسی کے لئے ہی راج آسمانوں کا اور زمین کا اور اللہ ہی تک پہنچتے ہیں

الْأُمُورِ ﴿۵﴾ يُوَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَهُوَ

سب کام، داخل کرتا ہی رات کو دن میں اور داخل کرتا ہی دن کو رات میں اور اس کو

عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۶﴾

خبر ہے جیوں کی بات کی،

خلاصہ تفسیر

اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ آسمانوں اور زمین میں (مخلوقات) ہیں (زبانِ قہار سے یا زبانِ حال سے) اور وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے اسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی وہی حیات دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے وہی (سب مخلوق سے) پہلے ہے اور وہی (سب کے فنا، ذاتی یا صفاتی سے) پیچھے (بھی رہے گا، یعنی اس پر نہ پہلے کبھی عدم طاری ہوا اور نہ آئندہ کسی درجہ میں اس پر عدم طاری ہونے کا امکان ہے، اس لئے سب سے آخر میں وہی ہے) اور وہی (مطلق وجود کے اعتبار سے از روئے دلائل نہایت) ظاہر ہے اور وہی (کنہ ذات کے اعتبار سے نہایت) مخفی ہے (یعنی کوئی اس کی ذات کا اور اک نہیں کر سکتا) اور (گودہ خود تو ایسا ہے کہ مخلوق کو ایک حیثیت سے معلوم ہے اور ایک حیثیت سے غیر معلوم لیکن مخلوق سب میں کل الوجوہ اس کو معلوم ہے اور) وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے (اور) وہ ایسا (قادر) ہے کہ اس نے آسمان اور زمین کو چھ روز کی مقدار زمانہ میں پیدا کیا پھر عرش پر (جو کہ مشابہ ہی تخت سلطنت کے اس طرح) قائم (اور جلوہ فرما) ہوا (جو اس کی شان کے لائق ہے اور) وہ سب کچھ جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے (مثلاً بارش) اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے (مثلاً نباتات) اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے (مثلاً ملائکہ) کہ نزول و عروج کرتے ہیں اور مثلاً احکام جن کا نزول ہوتا ہے اور اعمال عباد جن کا صعود ہوتا ہے) اور (جس طرح ان چیزوں کا اس کو علم ہے اسی طرح سمجھائے تمام احوال کا بھی اس کو علم ہے چنانچہ) وہ (علم و اطلاع کے اعتبار سے) سمجھائے ساتھ رہتا ہے خواہ تم لوگ کہیں بھی ہو (یعنی تم کسی جگہ اس سے مخفی نہیں رہ سکتے) اور وہ سمجھائے سب اعمال کو بھی دیکھتا ہے اسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی اور اللہ ہی کی طرف سب امور (جو ہر یہ و عرضیہ) لوٹ جاویں گے (یعنی قیامت میں پیش ہو جاویں گے، اسی میں توحید کے ساتھ ضمناً قیامت کا بھی اثبات ہو گیا) وہی رات (کے اجزاء) کو دن میں داخل کرتا ہے (جس سے دن بڑا ہو جاتا ہے) اور وہی دن (کے

اجزاء اور کورات میں داخل کرتا ہے (جس سے رات بڑی سوجاتی ہے) اور اس قدرت کے ساتھ اس کا علم ایسا ہے کہ وہ دل کی باتوں تک کو جانتا ہے۔

معارف و مسائل

سورہ حدید کی بعض خصوصیات | پانچ سورتوں کو حدیث میں مُسْتَحَات سے تعبیر کیا گیا ہے، جن کے شروع میں بَسْمِ اللہ آیا ہے، ان میں سے پہلی یہ سورت حدید ہے، دوسری حشر، تیسری صَفّ، چوتھی حجۃ، پانچویں تغابن، ابوداؤد، ترمذی، نسائی میں حضرت عریاض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے سے پہلے یہ مسجات پڑھا کرتے تھے، اور آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان میں ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیتوں سے افضل ہے، ابن کثیر نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ وہ افضل آیت سورہ حدید کی یہ آیت ہے: (هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ)۔

ان پانچ سورتوں میں سے تین یعنی حدید، حشر، صَفّ میں تو لفظ بَسْمِ اللہ بصیغہ ماضی آیا ہے، اور آخری دو یعنی حجۃ اور تغابن میں بَسْمِ اللہ بصیغہ مضارع، اس میں اشارہ اس طرف ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور ذکر ہر زمانے ہر وقت ماضی مستقبل اور حال میں جاری رہتا چاہیے (منظری)۔

دساوس شیطانہ کا علاج | حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر کبھی تمھارے دل میں اللہ تعالیٰ اور دین حق کے معاملے میں شیطان کوئی وسوسہ ڈالے تو یہ آیت آہستہ سے پڑھ لیا کرو: (هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ) (ابن کثیر)۔

اس آیت کی تفسیر اور اَوَّلُ وَاٰخِرُ، ظاہر و باطن کے معنی میں حضرات مفسرین کے اقوال و نقل سے زیادہ منقول ہیں، جن میں کوئی تعارض نہیں، سبھی کی گنجائش ہے، لفظ اَوَّلُ کے معنی تو تقریباً متعین ہیں، یعنی وجود کے اعتبار سے تمام موجودات و کائنات سے مقدم اور پہلا ہے، کیونکہ ساری موجودات اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اس لئے وہ سب سے اَوَّلُ ہے، اور آخر کے معنی بعض حضرات نے یہ کہے ہیں کہ تمام موجودات کے فنا ہونے کے بعد بھی وہ باقی رہے گا، جیسا کہ آیت (كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ) میں اس کی تصریح ہے، اور فنا سے مراد عام ہے خواہ فنا عدم کا وقوع ہو جائے، جیسا قیامت کے روز عام مخلوقات فنا ہو جاوے گی، یا فنا کا وقوع نہ ہو، مگر اس کی فنا عدم ممکن ہو اور وہ اپنی ذات میں عدم کے خطرہ سے خالی نہ ہو، اس کو موجود ہونے کے وقت بھی فانی کہہ سکتے ہیں، اس کی مثال جنت و دوزخ اور ان میں داخل ہونے والے اچھے بُرے انسان ہیں کہ ان کا وجود فنا نہیں ہوگا مگر باوجود وقوعاً فنا ہونے کے امکان و احتمال فنا سے پھر بھی خالی نہیں، صرف حق تعالیٰ کی ذات ہے جس پر کسی حیثیت اور کسی مفہوم سے نہ پہلے کبھی عدم طاری ہوا اور نہ آئندہ کبھی اس کا امکان ہے، اس لئے اس کو سب کے آخر کہہ سکتے ہیں۔

اور امام غزالیؒ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کو آخر باعتبار معرفت کے کہا گیا ہے کہ سب آخر معرفت اس کی ہے انسان علم و معرفت میں ترقی کرتا رہتا ہے، مگر یہ سب درجات جو اس کو حاصل ہوئے راستہ کی مختلف منزلیں ہیں اس کی انتہا اور آخری حد حق تعالیٰ کی معرفت ہے (اذ روح المعانی)

اور ظاہر سے مراد وہ ذات جو اپنے ظہور میں ساری چیزوں سے فائق اور برتر ہو، اور ظہور چونکہ وجود کی فرع ہے، تو جب حق تعالیٰ کا وجود سب موجودات پر فائق اور مقدم ہے اس کا ظہور بھی سب پر فائق ہے کہ اس سے زیادہ اس عالم میں کوئی چیز ظاہر نہیں کہ اس کی حکمت و قدرت کے مظاہر دنیا کے ہر فرد میں نمایاں ہیں اور باطن اپنی ذات کی کُنہ اور حقیقت کے اعتبار سے ہے، کہ اس کی حقیقت تک کسی عقل و خیال کی رسائی نہیں ہو سکتی ہے

اے برتر از قیاس و گمان و خیال و وہم

اے بروں از جملہ قال و قیل من

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ، یعنی اللہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو، اس معیت کی حقیقت

اور کیفیت کسی مخلوق کے احاطہ علم میں نہیں آ سکتی، مگر اس کا وجود یقینی ہے، اس کے بغیر انسان کا نہ وجود قائم رہ سکتا ہے نہ کوئی کام اس سے ہو سکتا ہے، اس کی مشیت و قدرت ہی سے سب کچھ ہوتا ہے، جو ہر حال اور ہر جگہ میں انسان کے ساتھ ہے، واللہ اعلم

أٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلِفِيْنَ فِيْهِ فَاَلَا تَنْ

یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو اس میں سے جو تمہارے ہاتھ میں دیا ہو اپنا نائب کر کر، سو جو

أٰمِنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفِقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

لوگ تم میں یقین لاتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں ان کو بڑا ثواب ہو، اور تم کو کیا ہوا کہ یقین نہیں لاتے اللہ پر

وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِيُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

اور رسول بلاتا ہے تم کو کہ یقین لاؤ اپنے رب پر اور نے چکا ہے تم سے عہد پکا اگر ہو تم

مُؤْمِنِيْنَ ۝۸ هُوَ الَّذِيْ يُنْزِلُ عَلٰی عَبْدٍ اٰیٰتٍ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ

ماننے والے، وہی ہے جو اتارتا ہے اپنے بند پر آیتیں صاف کہ نکال لاتے تم کو

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۹ وَمَا لَكُمْ اَلَّا

اندھیروں سے اُجلے میں اور اللہ تم پر نرمی کرے والا ہو مہربان، اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خرچ

تَسْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا يَسْتَوِي

نہیں کرتے اللہ کی راہ میں اور اللہ ہی کو بیچ رہتی ہر شے آسمانوں اور زمین میں برابر نہیں

مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتِلًا اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنْ

تم میں جس نے کہ خرچ کیا فتح (مکہ) سے پہلے اور لڑائی کی، ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے ان سے

الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدِ وَقَاتِلُوْا وَلَا وَعَدَ اللّٰهُ اَلْحَسَنٰی وَاللّٰهُ بِمَا

جو کہ خرچ کریں اس کے بعد اور لڑائی کریں اور سب سے وعدہ کیا ہے اللہ نے خیر کا اور اللہ کو

تَعْمَلُوْنَ خَيْرٌ ۙ ﴿١٠﴾ مِّنْ ذٰلِ الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهُ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضِعُّهُ

خیر ہی جو کچھ تم کرتے ہو، کون ہے ایسا کہ قرض دے اللہ کو اچھی طرح پھر وہ اس کو دونا کر دے

لَهُ وَلَهُ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿١١﴾

اس کی واسطے اور اس کو ملے ثواب عزت کا

خُلَاصَةُ تَفْسِيْر

تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ایمان لا کر جس مال میں تم کو اس نے دوسروں کا قائم مقام بنایا ہے اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرو (اس عنوان استخلاص میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ مال تم سے پہلے اور کسی کے پاس تھا اور اسی طرح تمہارے بعد کسی اور کے ہاتھ میں چلا جاوے گا، پس جب یہ سدا رہنے والی چیز نہیں تو اس کو اس طرح جوڑ جوڑ کر رکھنا کہ ضروری مصرت میں بھی خرچ نہ کیا جائے حماقت کے سوا کیا ہے) سو (اس حکم کے موافق) جو لوگ تم میں سے ایمان لے آویں اور ایمان لا کر اللہ کی راہ میں) خرچ کریں ان کو بڑا ثواب ہوگا اور (جو لوگ ایمان لاویں ان سے ہم پوچھتے ہیں کہ) تمہارے لئے اس کا کون سبب ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے (اسی میں ایمان بالرسول بھی آگیا) حالانکہ (دواعی قویہ ایمان لانے کے موجود ہیں وہ یہ کہ) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم جن کی رسالت دلائل سے ثابت ہے) تم کو اس بات کی طرف بلا رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر (اسی کی دی ہوئی تعلیم کے مطابق) ایمان لاؤ (ایک داعی تو یہ ہوا) اور (دوسرا داعی یہ کہ) خود خدا نے تم سے (ایمان لانے کا میثاق آتست بربکم میں) عہد لیا تھا (جس کا اجمالی اثر تمہاری فطرت میں بھی موجود ہے) اور اللہ کے رسول جو معجزات اور دلائل لیکر آئے انھوں نے بھی اس کی یاد دہانی کی سو) اگر تم کو ایمان لانا ہو (تو یہ دواعی کافی ہیں ورنہ پھر ایمان لانے کے لئے کس داعی کا انتظار ہو) کقولہ تعالیٰ فَبَايَ حَدِيْثٍۭا۟ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰیٰتِهِۦ يُؤْمِنُوْنَ، آگے اس مضمون وَالرَّسُوْلُ

کی اور شرح ہے کہ وہ ایسا (رحیم) ہے کہ اپنے بندہ (خاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر صاف صاف آیتیں بھیجتا ہے (جو حسن عبارت اور اعجاز خاص کی وجہ سے مقصود پر واضح دلالت کرتی ہے) تاکہ وہ (بندہ خاص) تم کو (کفر و جہل کی) تاریکیوں سے (ایمان اور علم حقائق کی) روشنی کی طرف لاوے (کقولہ تعالیٰ لِيُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ) اور بے شک اللہ تمھارے حال پر بڑا شفیق مہربان ہے (کہ اس نے ایسا اندامیروں سے نکالنے والا تمھاری طرف بھیجا) اور (اس مضمون میں تو ایمان نہ لانے پر سوال تھا، اب اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے پر سوال ہے کہ ہم پوچھتے ہیں کہ) تمھارے لئے اس کا کون سبب ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ (اس کا بھی ایک قوی داعی ہے وہ یہ کہ) سب آسمان و زمین اخیر میں اللہ ہی کا رہ جاوے گا (جب سب مالک مر جاویں گے اور وہی رہ جاوے گا پس جب سب مال ایک روز چھوڑنا ہے تو خوشی سے کیوں نہ دیا جاوے کہ ثواب بھی ہو، اور آسمان کا ذکر کرنا باوجودیکہ کوئی مخلوق اس کی مالک نہیں شاید اس نکتہ کے لئے ہو کہ جیسے آسمان بلا شرکت اس کی ملک ہو اسی طرح زمین بھی حقیقت کے اعتبار سے تو فی الحال بھی اسی کی ملک ہے اور آخر کار ظاہری طور پر بھی اسی کی ملک رہ جاوے گی، یہ مضمون لفظ مستخلفین کی شرح کے طور پر ہو گیا آگے خرچ کرنے والوں کے درجات کا تفصیل بتلاتے ہیں کہ گو خرچ کرنا بوجہ مامور ہونے کے ہر ایک کے لئے جو ایمان لا کر خرچ کرے موجب اجر ہے، لیکن پھر بھی تفاوت ہے وہ یہ کہ جو لوگ فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کر چکے اور (فی سبیل اللہ) لڑ چکے (اور جو کہ بعد فتح مکہ کے لڑے اور خرچ کیا دونوں برابر نہیں بلکہ) وہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنہوں نے (فتح مکہ کے) بعد میں خرچ کیا اور لڑے اور (یوں) اللہ تعالیٰ نے بھلائی (یعنی ثواب) کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمھارے سب اعمال کی پوری خبر ہے (اس لئے ثواب دونوں وقت کے عمل پر دیں گے، اس لئے جن لوگوں کو موقع فتح مکہ کے قبل خرچ کا نہیں ملا ہم ان کو بھی ترغیباً کہتے ہیں کہ) کوئی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح (یعنی خلوص کے ساتھ) قرض کے طور پر دے پھر خدا تعالیٰ اس (دیئے ہوئے ثواب) کو اس شخص کے لئے بڑھاتا چلا جاوے اور (مضا عفت کے ساتھ) اس کے لئے اجر پسندیدہ (تجویز کیا گیا) ہے (مضا عفت سے تو مقدار بڑھانے کو بیان کیا گیا اور لفظ کریم سے اس جزاء کی کیفیت بہتر ہونے کی طرف اشارہ ہے)۔

معارف و مسائل

وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقُكُمْ اس سے میثاق ازل بھی مراد ہو سکتا ہے، جب کہ حق تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا ہونے سے پہلے ہی وجود میں آنے والی تمام ارواح کو جمع کر کے ان سے ربوبیت یعنی اللہ تعالیٰ کے رب العالمین ہونے کا اقرار اور عہد لیا تھا جس کا ذکر قرآن میں (أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ) کے الفاظ سے آیا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میثاق سے وہ عہد و میثاق مراد ہو جو پچھلے انبیاء اور ان کی امتوں سے

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کے متعلق لیا گیا ہے، جس کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے (ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذِكْرِكُمْ إِيَّائِي قَالُوا آقَرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا أَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝)

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ، یعنی اگر تم مؤمن ہو، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کلام اُن کفار سے ہو رہا ہے جن کے مؤمن نہ ہونے پر تنبیہ اس سے پہلے آچکی ہے، وَ مَا كُنْتُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِاللَّهِ، پھر ان کو یہ کہنا کیسے درست ہو گا کہ اگر تم مؤمن ہو؟

جواب یہ ہے کہ کفار و مشرکین بھی اللہ تعالیٰ پر تو ایمان کے مدعی تھے، بتوں کے بارے میں یہ کہتے تھے کہ ہم ان کی پرستش اس لئے کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری سفارش کریں گے مَا تَعْبُدُونَ إِلَّا لِيُقَرِّبَ بُرْهَانًا إِلَى اللَّهِ زُفْعًا، تو مطلب آیت کا یہ ہوا کہ تم جو اللہ پر ایمان رکھنے کے مدعی ہو اگر تمہارا یہ دعویٰ سچا ہے تو پھر ایمان باللہ کی صحیح اور معتبر صورت اختیار کرو جو اس کے بغیر نہیں ہو سکتی کہ اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ اس کے رسول پر بھی ایمان لاؤ۔

وَاللَّهُ يَتَرَاتُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، میراث اصل میں اُس ملکیت کو کہا جاتا ہے جو پچھلے مالک کے انتقال کے بعد اس کے بعد زندہ رہنے والے وارثوں کو ملا کرتی ہے، اور یہ ملک جبری ہوتی ہو مرنے والا چاہے یا نہ چاہے، جو وارث ہوتا ہے ملکیت اس کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، یہاں حق تعالیٰ کی ملکیت آسمان و زمین کو میراث کے لفظ سے تعبیر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ تم چاہو یا نہ چاہو جس جس چیز کے مالک آج تم سمجھے جاتے ہو وہ سب بالآخر حق تعالیٰ کی ملکیت خاصہ میں منتقل ہو جائے گی، مراد یہ ہے کہ اگرچہ حقیقی مالک تمام اشیاء عالم کا پہلے بھی حق تعالیٰ ہی تھا مگر اس نے اپنے فضل سے کچھ اشیاء کی ملکیت تمہارے نام کر دی تھی، اور اب وہ ظاہری ملکیت بھی تمہاری باقی نہیں رہے گی، بلکہ حقیقتہً اور ظاہر ہر طرح اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہو جائے گی، اس لئے اس وقت جبکہ تمہیں ظاہری ملکیت حاصل ہے اگر تم اللہ کے نام پر خرچ کرو گے تو اس کا بدل تمہیں آخرت میں مل جائے گا، اس طرح گویا اللہ کی راہ میں خرچ کی ہوئی چیز کی ملکیت تمہارے لئے دائمی ہو جائے گی۔

ترمذی میں حضرت عائشہ رضی عنہا سے روایت ہے کہ ایک روز ہم نے ایک بکری ذبح کی جس کا اگر حصہ تقسیم کر دیا، صرف ایک دست گھر کے لئے رکھ لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت کیا کہ اس بکری کے گوشت میں سے تقسیم کے بعد کیا باقی رہا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ایک دست رہ گیا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ یہ ساری بکری باقی رہی صرف یہ دست باقی نہیں رہا، جس کو تم باقی سمجھ رہی ہو، کیونکہ ساری بکری اللہ کی راہ میں خرچ کر دی گئی، وہ اللہ کے یہاں تمہارے لئے باقی رہے گی اور یہ دست جو اپنے

کھانے کے لئے رکھا ہے، اس کا آخرت میں کوئی معاوضہ نہیں اس لئے یہ یہیں فنا ہو جائے گا، (مظہری)،
گذشتہ آیات میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تاکید بیان فرمانے کے بعد اگلی آیت میں یہ بتلایا گیا کہ
کہ اللہ کی راہ میں جو کچھ جس وقت بھی خرچ کیا جائے ثواب تو ہر ایک پر ہر ایک حال میں ملے گا، لیکن ثواب کے
درجات میں ایمان و اخلاص اور مسابقت کے اعتبار سے فرق ہوگا، اس کے لئے فرمایا:

لَا يَسْتَوِي مَن مِّنْكُمْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتِلٌ، یعنی مسلمانوں میں فی سبیل اللہ مال
خرچ کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لے آئے، اور مؤمن ہو کر اللہ کی
راہ میں مال خرچ کیا، دوسرے وہ جو فتح مکہ کے بعد جہاد میں شریک ہوئے اور فی سبیل اللہ خرچ میں بھی
یہ دونوں قسمیں اللہ کے نزدیک برابر نہیں، بلکہ درجاتِ ثواب کے اعتبار سے ان میں تفاضل ہے، فتح
مکہ سے پہلے ایمان لانے والے اور جہاد کرنے والے اور خرچ کرنے والے درجہ ثواب کے اعتبار سے
بڑھے ہوئے ہیں، دوسری قسم سے یعنی جن لوگوں نے فتح مکہ کے بعد اسلامی خدمات میں شرکت کی،
فتح مکہ کو صحابہ کرامؓ آیات مذکورہ میں حق تعالیٰ نے صحابہ کرام کے دو طبقے قرار دیے ہیں، ایک وہ
کے درجات متعین کرنے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہو کر اسلامی خدمات میں حصہ لیا، دوسرے
کے لئے حد فاصل قرار وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ کے بعد یہ کام کیا ہے، پہلے لوگوں کا مقام بہ نسبت
دینے کی حکمت دوسرے لوگوں کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلند ہونے کا اعلان اس آیت میں
فرمایا گیا ہے۔

فتح مکہ میں ان دونوں طبقوں میں حد فاصل قرار دینے کی ایک بڑی حکمت تو یہ ہے کہ فتح مکہ مکر
سے پہلے پہلے سیاسی حالات اور اسباب ظاہرہ کے اعتبار سے مسلمانوں کی بقا و فناء اور اسلام کے
آگے بڑھنے پھیلنے یا بہت سی تحریکات کی طرح مردہ ہو جانے کے احتمالات ظاہر ہیں نظروں میں جیسا
انماز سے گردش کرتے رہتے تھے، دنیا کے ہوشیار لوگ کسی ایسی جماعت یا تحریک میں شرکت نہیں
کیا کرتے جس کے شکست کھا جانے یا ختم ہو جانے کا خطرہ سامنے ہو، انجام کا انتظار کرتے رہتے
ہیں، جب کامیابی کے امکانات روشن ہو جائیں تو شریک ہو جاتے ہیں، اور بعض لوگ اگرچہ اس
کو حق و صحیح سمجھتے ہوں لیکن مخالفین کی ایذاؤں کے خوف اور اپنے ضعف کے سبب شرکت کرنے
کی ہمت نہیں کرتے، لیکن باعزم و ہمت لوگ جو کسی نظریہ اور عقیدہ کو صحیح اور حق سمجھ کر قبول کرتے
ہیں وہ فتح و شکست اور جماعت کی قلت و کثرت پر نظر کے بغیر اس کے قبول کی طرف دوڑتے ہیں،
فتح مکہ سے پہلے جو لوگ ایمان لائے ان کے سامنے مسلمانوں کی قلت اور ضعف اور اس کی وجہ
سے مشرکین کی ایذاؤں کا سلسلہ تھا، خصوصاً ابتداء اسلام کے وقت کہ اسلام و ایمان کا اظہار کرنا
اپنی جان کی بازی لگانے اور اپنے گھر بار کو ہلاکت کے لئے پیش کر دینے کے مرادف تھا، یہ ظاہر ہے

کہ ان حالات میں جنہوں نے اسلام قبول کر کے اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور دین کی خدمت میں اپنے جان و مال کو لگایا ان کی قوتِ ایمان اور اخلاصِ عمل کو دوسرے لوگ نہیں پہنچ سکتے۔

رفتہ رفتہ حالات بدلتے گئے مسلمانوں کو قوت حاصل ہوتی گئی، یہاں تک کہ مکہ مکرمہ فتح ہو کر پورے عرب پر اسلام کی حکومت قائم ہو گئی، اس وقت جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے **يَذْكُرُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا**، یعنی لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج ہو کر داخل ہوں گے اس کا ظہور ہوا کیونکہ بہت سے لوگ اسلام کی حقانیت پر تو یقین رکھتے تھے، مگر اپنے ضعف اور مخالفتِ اسلام کی قوت و شوکت اور ان کی ایذاؤں کے خوف سے اسلام و ایمان کا اظہار کرتے ہوئے جھجکتے تھے، اب ان کی راہ سے یہ رکاوٹ دور ہو گئی، تو فوج در فوج ہو کر اسلام میں داخل ہو گئے، قرآن کریم کی اس آیت نے ان کا بھی اکرام و احترام کیا ہے، اور ان کے لئے بھی مغفرت و رحمت کا وعدہ دیا ہے، لیکن یہ بتلادیا کہ ان کا درجہ اور مقام ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتا، جنہوں نے اپنی ہمت و ادوارِ عزمی اور قوتِ ایمان کے سبب مخالفتوں اور ایذاؤں کے خوف و خطر سے بالاتر ہو کر اسلام کا اعلان کیا، اور آٹے وقت میں اسلام کے کام آئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عزم و ہمت اور قوتِ ایمان کے درجات متعین کرنے کے لئے فتح مکہ سے پہلے اور بعد کے حالات ایک حد فاصل کی حیثیت رکھتے ہیں، اسی لئے آیت مذکورہ میں فرمایا کہ یہ دونوں طبقے برابر نہیں ہو سکتے۔

تمام صحابہ کرام کے لئے مغفرت و رحمت کی بشارت اور صحابہ کا باقی امت سے امتیاز

آیات مذکورہ میں اگرچہ صحابہ کرام میں باہمی درجات کا تفاضل ذکر کیا گیا ہے لیکن آخر میں فرمایا **وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى**، یعنی باوجود باہمی فرق مراتب کے اللہ تعالیٰ نے حُسنی یعنی جنت و مغفرت کا وعدہ سب ہی کے لئے کر لیا ہے یہ وعدہ صحابہ کرام کے ان دونوں طبقوں کے لئے ہے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے

یا بعد میں اللہ کی راہ میں خرچ کیا، اور مخالفین اسلام کا مقابلہ کیا، اس میں تفسیرِ صحابہ کرام کی پوری جماعت شامل ہو جاتی ہے، کیونکہ ایسے افراد تو شان و نادر ہی ہو سکتے ہیں جنہوں نے مسلمان ہو جانے کے باوجود اللہ کے لئے کچھ خرچ بھی نہ کیا ہو اور مخالفین اسلام کے مقابلہ و مقاتلہ میں بھی شریک نہ ہوئے ہوں، اس لئے قرآن کریم کا یہ اعلانِ مغفرت و رحمت پوری جماعتِ صحابہ کرام کے لئے عام اور شامل ہے۔

ابن حزمؒ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ قرآن کی دوسری آیت سورۃ انبیاء کو ملاؤ جس میں فرمایا ہے

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا وَهُمْ

فَیَمَّا أَشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خِلْدُونَ ۚ یعنی جن لوگوں کے لئے ہم نے حُسنیٰ کو مہتر کر دیا ہے وہ جہنم سے ایسے دور رہیں گے کہ اس کی تکلیف وہ آوازیں بھی اُن کے کانوں تک نہ پہنچیں گی، اور اپنی دلخواہ نعمتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

آیات زیر بحث میں کَلَّا وَعَدَا اللّٰهُ الْحُسْنٰی مذکور ہے اور اس آیت میں جن کے لئے حُسنیٰ کا وعدہ ہوا ان کے لئے جہنم کی آگ سے بہت دور رہنے کا اعلان ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم نے اس کی ضمانت دیدی کہ حضرات صحابہ سابقین و آخرین میں سے کسی سے بھی اگر عمر بھر میں کوئی گناہ سرزد ہو بھی گیا تو وہ اس پر قائم نہ رہے گا توبہ کر لے گا یا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و نصرت اور دین کی خدمات عظیمہ اور ان کی بے شمار حسنات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے گا، اور ان کی موت اس سے پہلے نہ ہوگی کہ ان کا گناہ معاف ہو کر وہ صاف و بیباق ہو جائیں، یا دنیا کے مصائب و آفات اور زیادہ سے زیادہ برزخ میں کوئی تکلیف ان کے سینات کا کفارہ ہو جائے۔

اور جن احادیث میں بعض صحابہ کرام پر مرنے کے بعد عذاب کا ذکر آیا ہے وہ عذابِ آخرت و عذابِ جہنم کا نہیں برزخ یعنی قبر کا عذاب ہے، یہ کوئی بعید نہیں ہے کہ صحابہ کرام میں سے اگر کسی سے کوئی گناہ سرزد ہوا اور اتفاقاً توبہ کر کے اس سے پاک ہو جانے کا بھی موقع نہیں ہوا تو ان کو برزخ عذاب کے ذریعہ پاک کر دیا جائے گا، تاکہ آخرت کا عذاب اُن پر نہ رہے۔

صحابہ کرامؓ کا مقام قرآن وحدیث خلاصہ یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام عام اُمت کی طرح نہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمت کے درمیان اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ایک واسطہ ہیں، اُن کے بغیر اُمت کو قرآن پہنچنے کا کوئی راستہ ہے اور نہ معانیِ قرآن اور تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا، اس لئے اسلام میں اُن کا ایک خاص مقام ان کے مقامات کتب تاریخ کی رطب و یابس روایات سے نہیں پہچانے جاتے، بلکہ قرآن و سنت کے ذریعہ پہچانے جاتے ہیں۔

ان میں سے اگر کسی سے کوئی لغزش اور غلطی بھی ہوتی ہے تو اکثر وہ اجتہادی خطا ہوتی ہے جس پر کوئی گناہ نہیں، بلکہ حسب تصریح احادیث صحیحہ ایک اجر ہی ملتا ہے، اور اگر.... فی الواقع کوئی گناہ ہی ہو گیا تو اول وہ اُن کے عمر بھر کے اعمالِ حسنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی نصرت و خدمت کے مقابلہ میں صفر کی حیثیت رکھتا ہے، پھر اُن میں خشیت اور خوفِ خدا کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے گناہ سے بھی لرز جاتے اور فوراً توبہ کرتے، اور اپنے نفس پر اس کی سزا جاری کرنے کے لئے کوشش کرتے تھے، کوئی اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ دیتا، اور جب تک توبہ قبول ہو جانے کا یقین نہ ہو جائے بندھا کھڑا رہتا تھا، اور پھر ان میں سے ہر ایک کی حسنات اتنی ہیں کہ وہ خود گناہوں کا کفارہ

ہو جاتی ہیں، اُن سب پر مزید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی خطاؤں کی مغفرت کا عام اعلان اس آیت میں اور دوسری آیات میں فرمادیا، اور صرف مغفرت ہی نہیں بلکہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ وَرْضَوْا عَنْہُ فرما کر اپنی رضا کی بھی سند دیدی، اس لئے اُن کے آپس میں جو اختلافات اور مشاجرات پیش آئے اُن کی وجہ سے اُن میں سے کسی کو بُرا کہنایا اُس پر طعن و تشنیع کرنا قطعاً حرام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق موجب لعنت اور اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ نعوذ باللہ منہ

آجکل تاریخ کی جھوٹی سچی، قوی ضعیف روایات کی بناء پر جو بعض لوگوں نے بعض حضرات صحابہ کو مورد طعن و الزام بنایا ہے، اول تو اس کی بنیاد جو تاریخی روایات پر ہے وہ بنیاد ہی متزلزل ہے، اور اگر کسی درجہ میں اُن روایات کو قابل التفات مان بھی لیا جائے تو قرآن و حدیث کے کھلے ہوئے ارشادات کے خلاف اُن کی کوئی حیثیت نہیں رہتی، وہ سب مغفور ہیں۔

صحابہ کرام کے بارے میں پوری امت کا اجماعی عقیدہ واجب ہے، اور ان کے آپس میں جو اختلافات اور مشاجرات پیش آئے اُن کے معاملے میں سکوت کرنا، کسی کو مورد الزام نہ بنانا لازم ہے، عقائد اسلام کی تمام کتابوں میں اس اجماعی عقیدہ کی تصریحات موجود ہیں، امام احمد کا رسالہ جو بروایت اصطرخی معروف ہے اس کے بعض الفاظ یہ ہیں:-

لَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ أَنْ يَذْكُرَ شَيْئًا مِنْ
مَسَادِيهِمْ وَلَا يَطْعُنَ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ
بِعَيْبٍ وَلَا نَقْصٍ فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ
وَجَبَّ تَأْدِيبُهُ، (شرح العقيدة الواسطية

معروف بہ الدرۃ المفیۃ، ص ۳۸۹)

اور ابن تیمیہ نے الصارم المسلول میں صحابہ کرام کے متعلق فضائل و خصوصیات کی بہت سی آیات

اور روایات حدیث لکھنے کے بعد لکھا ہے:-

وَهَذَا أَمْرٌ لَا نَعْلَمُ فِيهِ خِلَافًا بَيْنَ
أَهْلِ الْفِقْهِ وَالْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَالْتَّابِعِينَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ وَسَائِرِ
أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فَإِنَّهُمْ
مُجْتَبِعُونَ عَلَى أَنَّ الْوَأَجِبَ الشَّاعِرُ

جہاں تک ہمارے علم میں ہے ہم اس معاملہ میں
علماء فقہاء، صحابہ و تابعین اور تمام اہل سنت
والجماعہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پاتے
کیونکہ سب کا اس پر اجماع ہے کہ امت پر
واجب یہ ہے کہ سب صحابہ کرام کی مدح و
ثناء کرے اور ان کے لئے استغفار کرے

عَلَيْهِمْ وَالْإِسْتِغْفَارُ لَهُمْ وَالْتِرَاحُ
عَلَيْهِمْ وَالْتِرَاحُ عَنِ عَنَمِهِمْ وَاعْتِقَادُ
مَحَبَّتِهِمْ وَمَوَآلَاهُمْ وَعَقُوبَةُ
مَنْ آسَأَ فِيهِمْ الْقَوْلُ

اور ان کو اللہ کی رحمت و رضا کے ساتھ ذکر
کریے، اُن کی محبت اور دوستی پر ایمان رکھے،
اور جو اُن کے معاملہ میں بے ادبی کرے اس
کو سزا دے۔

اور ابن تیمیہ نے شرح عقیدہ واسطیہ میں تمام اُمت محمدیہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ بیان
کرتے ہوئے مشاجرات صحابہ کے متعلق لکھا ہے :-

وَيُسْكُونُ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَ الصَّحَابَةِ
وَيَقُولُونَ هَذِهِ الْأُمُورُ الْمَرْدِيَّةُ
فِي مَسَائِدِهِمْ مِنْهَا مَا هُوَ كَذِبٌ وَ
مِنْهَا مَا زِيدَ فِيهَا وَنُقِصَ وَغَيْرُ
وَجْهَةٍ وَالصَّحِيحُ مِنْهُ هُمْ فِيهِ
مَعْدُودُونَ أَمَّا مُجْتَهِدُونَ مُصِيبُونَ
وَأَمَّا مُجْتَهِدُونَ مُخْطِئُونَ، وَهُمْ
مَعَ ذَلِكَ لَا يَعْتَقِدُونَ أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ
مِنَ الصَّحَابَةِ مَعْصُومٌ مِنْ كَبَائِرِ
الْإِسْمِ وَصَغَائِرِهَا بَلْ يَجُوزُ عَلَيْهِمُ
الذُّكُوبُ فِي الْجُمْلَةِ وَلَهُمْ مِنَ
الْفَضَائِلِ وَالسَّوَابِقِ مَا يُوجِبُ
مَغْفِرَةَ مَا يَصُدُّ مِنْهُمْ حَتَّى أَكْثَرُ
يُغْفَرُ لَهُمْ مِنَ السَّيِّئَاتِ مَا لَا
يُحْفَرُ لِمَنْ أَبْعَدَ هُمْ

اہل السنۃ والجماعۃ سکوت اختیار کرتے ہیں اُن
اختلافی معاملات سے جو صحابہ کرام کے درمیان
پیش آئے اور کہتے ہیں کہ جو روایات اُن میں سے
کسی پر عیب لگانے والی ہیں اُن کی حقیقت یہ ہے کہ
بعض تو بالکل جھوٹ ہیں، اور بعض میں کثرت
کر کے ان کی اصل حقیقت بگاڑ دی گئی ہے
اور جو کچھ صحیح ہے وہ اس میں معذور ہیں کیونکہ
راہنوں نے جو کچھ کیا اللہ کے لئے کیا اجتہاد
سے کیا، اس اجتہاد میں یا وہ صحیح بات پر تھے
(تو دوسرے ثواب کے مستحق تھے) یا خطا پر
تھے (تو معذور اور ایک ثواب کے مستحق تھے)
ان تمام باتوں کے ساتھ وہ اس کے معتقد
نہیں کہ ہر صحابی چھوٹے بڑے گناہوں کے معصوم
ہے بلکہ ان سے گناہ کا صدور ممکن ہے، مگر ان کے
فضائل اور اسلام کی عظیم الشان خدمات ایسی

ہیں جو اُن سب کی مغفرت کی مقتضی ہیں یہاں تک کہ ان کی مغفرت و معافی اتنی وسیع ہوگی جو اُمت
میں دوسروں کے لئے نہ ہوگی۔

مقام صحابہ اور اُن کے درجات و فضائل پر مفصل بحث سورۃ فتح کی آیات (وَالَّذِينَ مَعَهُ الْخِزْيَانَةُ) کے
تحت گذر چکی ہے، اور احقر نے اس بحث پر ایک مفصل رسالہ (مقام صحابہ) کے نام سے لکھ دیا ہے جو جداگانہ
شائع ہو چکا ہے جس میں عدالت صحابہ، مشاجرات صحابہ اور ان کے بارے میں تاریخی روایات کی حیثیت اور
درجہ کی مکمل تحقیق ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَ

جس دن تو دیکھے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو دوڑتی ہوئی چلتی ہوئی روشنی انکے آگے اور

بِأَيْسَرٍ يُهْمُ بُشْرًا لَّكُمْ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

ان کے واسطے خوش خبری ہو تم کو آج کے دن باغ ہیں کہ نیچے بہتی ہیں جن کے نہریں سدا رہو

فِيهَا ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٢﴾ يَوْمَ يَقُولُ الْمُنِفِقُونَ وَالْمُنِفِقَاتُ

ان میں، یہ جو ہر بھی ہر بڑی مراد ملنی، جس دن کہیں گے دغا باز مرد اور عورتیں

لِلَّذِينَ آمَنُوا الْاَنْظُرُوا نَأْتِيَنَّا قَتَبَسٌ مِنْ نُورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ

ایمان والوں کو راہ دیکھو ہماری اُمم بھی روشنی لے لیں تمھارے نور سے کوئی کہے گا لوٹ جاؤ پیچھے،

قَالَتِيسُوا نُورًا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُورٍ لَهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ

پھر وہ صوفیوں اور روشنی پھر کھڑی کر دی جائے ان کے پیچ میں ایک دیوار جس میں ہوگا دروازہ اسکے اندر رحمت ہوگی

وَزَاطِهُرُهُ مِنْ قَبْلِ الْعَذَابِ ﴿١٣﴾ يَنَادُ وَنَفْسُ الْمَرْكَنُ مَعَكُمْ قَالُوا

اور باہر کی طرف عذاب، یہ اُن کو پکاریں گے کیا ہم نہ تھے تمھارے ساتھ کہیں گے

بَلَىٰ وَلَئِنْ كُنْتُمْ فَتَنَّا أَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ

کیوں نہیں لیکن تم نے بھلا دیا اپنے آپ کو اور راد دیکھتے رہے اور دھوکے میں پڑے اور بہک گئے،

الْأَمْثَانِ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَغُرَّتْكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ ﴿١٤﴾ قَالُوا لَا

اپنے خیالوں پر یہاں تک کہ آ پہنچا حکم اللہ کا اور تم کو بہکا دیا اللہ کے نام سے اس دغا باز نے، سو آج تم سے

يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مَا أَوْكَمَ النَّارُ هِيَ

قبول نہ ہوگا فدیہ دینا اور نہ منکروں سے تم سب کا گھر دوزخ ہے وہی ہے

مَوْلَاكُمْ وَيُسَّ الْمَصِيرُ ﴿١٥﴾ أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ

رفیق تمھاری اور بڑی جگہ جا پہنچے، کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کو کہ گڑ بڑائیں ان کے

قُلُوبُهُمْ لِيَذْكُرُوا اللَّهَ وَمَا نُزِّلَ مِنَ الْحَقِّ لَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ

دل اللہ کی یاد سے اور جو اُترا ہے سچا دین اور نہ ہوں اُن جیسے جن کو

أَوْ تَوَالِیْكَتَبَ مِنْ قَبْلِ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ

کتاب ملی تھی اس سے پہلے پھر دراز گزری اُن پر مدت پھر سخت ہو گئے ان کے دل اور بہت

مَنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿۱۶﴾ اَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ یَحِی الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا

اُن میں تافسیر مان ہیں، جان رکھو کہ اللہ زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد ہم نے کھول کر

لَكُمْ الْآیَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۷﴾ إِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُصَلِّیْنَ قِت

سنا دیتے تم کو پتے اگر تم کو سمجھ ہے، تحقیق جو لوگ خیرات کرنے والے ہیں مرد اور عورتیں

وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا یُضَعِّفْ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِیْنَ

اور قرض دیتے ہیں اللہ کو اچھی طرح اُن کو ملتا ہے دونا اور ان کو ثواب ہر عزت کا، اور جو لوگ

أَمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَئِكَ هُمُ الصِّدِّیْقُونَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ

یقین لائے اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر وہی ہیں سچے ایمان والے اور لوگوں کا احوال بتلانے والے

رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآیَاتِنَا

اپنے رب کے پاس ان کے واسطے ہے اُن کا ثواب اور انکی روشنی، اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلایا ہماری باتوں

أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِیْمِ ﴿۱۹﴾

کو وہ ہیں دوزخ کے لوگ،

خُلاصۂ تفسیر

(وہ دن بھی یاد کرنے کے قابل ہے) جس دن آپ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو دیکھیں گے

کہ ان کا نور اُن کے آگے اور اُن کے داہنی طرف دوڑتا ہوگا یہ نور پل صراط پر سے گزرنے کے لئے ان کے ہمراہ

ہوگا، اور ایک ردایت میں ہے کہ بائیں طرف بھی ہوگا، کذا فی الدر المنثور، تو تخصیص داہنی طرف کی شاید

اس لئے ہو کہ اس طرف نور زیادہ قوی ہو، اور نکتہ اس تخصیص میں شاید یہ ہو کہ یہ علامت ہو ان کے نئے اعمال

داہنے ہاتھ میں دیئے جانے کا، اور سامنے نور ہونا تو ایسے موقع پر عادت عامہ ہے اور ان سے کہا جاوے گا کہ

آج تم کو بشارت ہے ایسے باغوں کی جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے،

(اور) یہ بڑی کامیابی ہے (ظاہر یہ ہے کہ یہ بات بھی اسی وقت کہی جاوے گی، اور اس وقت بطور خبر دینے

کے کہی جا رہی ہے، اور بشارت کہنے والے غالباً فرشتے ہیں، لقولہ تعالیٰ تَنْزِلُ عَلَیْهِمُ السَّلَاطِیْنُ لَا

تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا إِنَّا نَحْنُ الْغَالِبُونَ یا حق تعالیٰ خود اس خطاب سے مشرف فرما دیں اور یہ وہ دن ہوگا جس روز منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے (پل صراط پر) کہیں گے کہ (ذرا) ہمارا انتظار کر لو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں یہ اس وقت ہوگا جبکہ مسلمان اپنے اعمال و ایمان کی برکت سے بہت آگے بڑھ جاویں گے اور منافقین جو کہ پل صراط پر مسلمانوں کے ساتھ چڑھائے جاویں گے پیچھے اندھیرے میں رہ جاویں گے، خواہ اُن کے پاس پہلے ہی سے نور نہ ہو، یا جیسا کہ درمنثور کی ایک روایت میں ہے کہ ان کے پاس بھی قدرے نور ہو اور پھر وہ کل ہو جاوے، اور حکمت عطا ہو نور میں یہ ہو کہ دنیا میں ظاہری اعمال کے اعتبار سے وہ مسلمانوں کے ساتھ رہا کرتے تھے مگر باعتبار اعتقاد کے دل سے جدا تھے، اس لئے اُن کو اَوَّلًا اُن اعمال ظاہری کے وجہ سے نور مل جاوے مگر پھر دل میں ایمان و تصدیق نہ ہونے کے سبب وہ نور مفقود ہو جاوے، و نیز ان کے خداع اور دھوکہ کی جزا بھی یہی ہو کہ اَوَّل ان کو نور مل گیا پھر خلافت گمان مفقود ہو گیا، غرض وہ مسلمانوں سے ٹھہرنے کو کہیں گے، اُن کو جواب دیا جاوے گا یہ جواب دینے والے خواہ فرشتے ہوں یا مؤمنین ہوں کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر (وہاں سے) روشنی تلاش کر دو (حسب روایت درمنثور اس پیچھے سے مراد وہ جگہ ہے جہاں ظلمت شدیدہ کے بعد پل صراط پر چڑھنے کے وقت نور تقسیم ہوا تھا، یعنی نور تقسیم ہونے کی جگہ وہ ہے وہاں جا کر لو، چنانچہ وہ اُدھر جاویں گے جب وہاں بھی کچھ نہ ملے گا، پھر اُدھر ہی آ دیں گے) پھر (مسلمانوں کے پاس نہ پہنچ سکیں گے بلکہ) اُن (فریقین) کے درمیان میں ایک دیوار قائم کر دی جاوے گی جس میں ایک دروازہ (بھی) ہوگا (جس کی کیفیت یہ ہے کہ) اس کے اندر دنی جانب میں رحمت ہوگی اور بیرونی جانب کی طرف عذاب ہوگا (حسب روایت درمنثور یہ دیوار اعراف ہے، اور اندرونی جانب سے مؤمنین کی طرف والی جانب اور بیرونی جانب سے مراد کافروں کی طرف والی جانب اور رحمت سے مراد جنت اور عذاب سے مراد دوزخ ہے، اور شاید یہ دروازہ بات چیت کے لئے ہو یا اسی دروازہ میں سے جنت کا راستہ ہو اور زیادہ تحقیق اعراف کی سورۃ اعراف کے رکوع پنجم میں گزری ہے، غرض جب اُن میں اور مسلمانوں میں دیوار حائل ہو جاوے گی اور یہ خود تاریکی میں رہ جاویں گے تو اس وقت یہ (منافق) ان (مسلمانوں) کو پکاریں گے کہ کیا (دنیا میں) ہم تمہارے ساتھ نہ تھے (یعنی اعمال و طاعات میں تمہارے شریک رہا کرتے تھے، تو آج بھی رفا کرنا چاہتے) وہ (مسلمان) کہیں گے کہ (ہاں) تھے تو ہسی لیکن (ایسا ہونا کس کام کا کیونکہ محض ظاہر میں ساتھ تھے اور باطنی حالت تمہاری یہ تھی کہ) تم نے اپنے کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا اور (وہ گمراہی یہ تھی کہ تم پیغمبر اور مسلمانوں سے عداوت رکھتے تھے، اور اُن پر حوادث واقع ہونے کے) تم منتظر (اور متمنی) رہا کرتے تھے اور (اسلام کے حق ہونے میں) تم شک رکھتے تھے اور تم کو تمہاری بیہودہ تمناؤں نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا، یہاں تک کہ تم پر خدا کا حکم آپہنچا (مراد بیہودہ تمناؤں سے یہ ہے کہ اسلام مٹ جاوے گا اور یہ کہ ہمارا مذہب حق ہے اور موجب نجات ہے، اور مراد حکم خدا سے موت ہے، یعنی عمر بھر اُن ہی کفریات پر مصر رہو تو بے بھی نہ کی) اور تم کو دھوکہ دینے والے (یعنی شیطان) نے اللہ کے ساتھ دھوکہ میں ڈال رکھا تھا،

ردہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہم پر مواخذہ نہ کرے گا، حاصل مجموعہ کا یہ ہے کہ ان کفریات کی وجہ سے تمہاری معیت ظاہریہ
 نجات کے لئے کافی نہیں، غرض آج نہ تم سے کوئی معاوضہ لیا جاوے گا اور نہ کافروں سے (یعنی اول تو معاوضہ
 دینے کے واسطے تمہارے پاس کوئی چیز ہے نہیں، لیکن بالفرض اگر ہوتی بھی تب بھی مقبول نہ ہوتی، کیونکہ یہ اراجزا
 ہے دارالعمل نہیں اور) تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے وہی تمہاری رہمشہ کے لئے، رفیق ہے اور وہ واقعی، بُرا
 ٹھکانا ہے (یہ قول فَاَلْيَوْمَ الْآخِرُ یا تو مؤمنین کا ہو یا حق تعالیٰ کا، اس تمام تر بیان سے ثابت ہو گیا کہ جس ایمان
 میں طاعات ضروریہ کی کمی ہو وہ گو کا عدم نہیں، لیکن کامل بھی نہیں، اس لئے اگلی آیات میں اس کی تکمیل کے
 لئے بصورت عتاب کے مسلمانوں کو حکم فرماتے ہیں کہ) کیا ایمان والوں میں سے جو لوگ طاعات ضروریہ میں کمی
 کرتے ہیں جیسے گناہگار مسلمانوں کی حالت ہوتی ہے تو کیا ان کے لئے (اب بھی) اس بات کا دقت نہیں آیا کہ ان کے
 دل خدا کی نصیحت کے اور جو دین حق (منجانب اللہ) نازل ہوا ہے (کہ وہی نصیحت خداوندی ہے) اس کے سامنے
 جھٹک جاویں (یعنی دل سے عزم پابندی طاعات ضروریہ و ترک معاصی کا کر لیں اور اس کو خشوع بمعنی سکون
 اس لئے کہا کہ دل کا حالت مطلوبہ پر رہنا سکون ہے اور معصیت کی طرف جانا مشابہ حرکت کے ہے) اور
 (خشوع بالمعنی المذكور میں دیر کرنے سے جس کا حاصل توبہ میں دیر کرنا ہے وہ) ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں
 جن کو ان کے قبل کتاب (آسمانی) ملی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ) کہ انہوں نے بھی برخلاف مقتضائے اپنی کتابوں
 کے شہوات و معاصی میں اہتمام شروع کیا (پھر اسی حالت میں) اُن پر ایک زمانہ دراز گزر گیا (اور توبہ نہ کی)
 پھر (اس توبہ نہ کرنے سے) ان کے دل (خوب ہی) سخت ہو گئے (کہ ندامت و ملامت اضطرابی بھی نہ ہوتی
 تھی) اور اس کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ اسی قسادت کی بدولت، بہت سے آدمی اُن میں گئے (آج) کافر ہیں
 (کیونکہ معصیت پر اصرار اور اس کو اچھا سمجھنا اور نبی برحق کی عداوت اکثر سبب کفر بن جاتا ہے، مطلب یہ
 کہ مسلمان کو جلدی توبہ کر لینا چاہئے، کیونکہ بعض اوقات پھر توبہ کی توفیق نہیں رہتی، اور بعض اوقات
 کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے، آگے فرماتے ہیں کہ اگر تم لوگوں کے دلوں میں معاصی سے کوئی خرابی کم و بیش
 پیدا ہو گئی ہو تو اس کو اس وہم کی بنا پر توبہ سے مانع نہ سمجھو کہ اب توبہ سے کیا اصلاح ہوگی بلکہ) یہ بات
 جان لو کہ اللہ تعالیٰ (کی ایسی شان ہے کہ وہ) زمین کو اس کے خشک ہوئے پیچھے زندہ کر دیتا ہے (بس اسی
 طرح توبہ کرنے پر اپنی رحمت سے قلب مردہ کو زندہ اور درست کر دیتا ہے، پس مایوس نہ ہونا چاہئے کیونکہ)
 ہم نے تم سے (اس کے) نظائر بیان کر دیئے ہیں تاکہ تم سمجھو (نمونہ سے مراد جیسا مدارک میں ہے احیاء ارض
 ہے اور شاید جمع لانا بوجہ تکرار وقوع کے ہو، آگے فضیلت اتفاق مذکورہ بالا کی ارشاد ہے یعنی) بلاشبہ صدقہ
 دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور یہ (صدقہ دینے والے) اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے
 رہے ہیں وہ صدقہ (باعتبار ثواب کے) ان کے لئے پڑھا دیا جائے گا اور (مضاعفہ کے ساتھ) اُن کے
 لئے اجر پستیدہ (تجزیہ کیا گیا) ہے (تفسیر اس کی ابھی گذر چکی ہے) اور آگے فضیلت ایمان مذکورہ بالا

کی ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر پورا ایمان رکھتے ہیں (یعنی جن میں ایمان اور تصدیق اور پابندی طاعت مکمل درجہ میں ہو) ایسے ہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں (جس کا بیان سورۃ نساء کے رکوع ہنم میں آچکا ہے، یعنی یہ مراتب کمال ایمان کامل ہی کی بدولت نصیب ہوتے ہیں، اور شہید کا حاصل باذل نفس فی اللہ ہے، یعنی جو اپنی جان کو اللہ کی راہ میں پیش کرے گو قتل نہ ہو، کیونکہ وہ اختیار کا حاج ہے، اُن کے لئے (جنت میں) ان کا اجر (خاص) اور (صراط پر) اُن کا نور (خاص) ہوگا اور (آگے کفایت کا ذکر فرماتے ہیں کہ) جو لوگ کافر ہوتے اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا یہی لوگ دوزخی ہیں۔

معارف و مسائل

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ،

یعنی وہ دن یاد رکھنے کے قابل ہے جس دن آپ مومن مرد اور مومن عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور داہنی طرف ہوگا الخ

اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے، اور یہ نور عطا ہونے کا معاملہ پل صراط پر چلنے سے کچھ پہلے پیش

آئے گا، اس کی تفصیل ایک حدیث میں ہے جو حضرت ابو امامہ باہلی سے مروی ہے، ابن کثیر نے اس کو بحوالہ ابن ابی حاتم نقل کیا ہے، حدیث طویل ہے جس میں ابو امامہؓ کا دمشق میں ایک جنازہ میں شریک ہونا اور فارغ ہونے کے بعد لوگوں کو موت اور آخرت کی یاد دلانے کے لئے موت اور قبر پھر حشر کے کچھ حالات بیان فرمانا مذکور ہوا اس کے چند جملوں کا ترجمہ یہ ہے کہ:-

”پھر تم قبروں سے میدان حشر کی طرف منتقل کئے جاؤ گے، جس میں مختلف مراحل اور موافقت ہوں گے، ایک مرحلہ ایسا آئے گا کہ حکم خداوندی کچھ چہرے سفید اور روشن کر دیئے جاویں گے اور کچھ چہرے کالے سیاہ کر دیئے جاویں گے، پھر ایک مرحلہ ایسا آئے گا کہ میدان حشر میں جمع ہونے والے سب لوگوں پر جن میں مومن و کافر سب ہوں گے، ایک شدید ظلمت اور اندھیری طاری ہو جائے گی، کسی کو کچھ نظر نہ آئے گا، اس کے بعد نور تقسیم کیا جائے گا ہر مومن کو نور عطا کیا جائے گا (ابن ابی حاتم ہی کی دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ مومن میں یہ نور بقدر اُن کے اعمال کے تقسیم ہوگا، کسی کا نور مثل پہاڑ کے کسی کا بھور کے درخت کے مثل، کسی کا قامت انسانی کے برابر ہوگا، سب کم نور اس شخص کا ہوگا جس کے صرف انگوٹھے میں نور ہوگا اور وہ بھی کبھی روشن ہو جائے گا کبھی بجھ جائے گا، ابن کثیر)

پھر حضرت ابو امامہ باہلیؓ نے فرمایا کہ منافقین اور کفار کو کوئی نور نہ دیا جائے گا، اور فرمایا کہ اسی واقعہ کو قرآن کریم نے ایک مثال کے عنوان سے اس آیت میں بیان فرمایا ہے:

رَأَوْ كُظُمَاتٍ فِي بَحْرِ لُجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ
ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكُنْ يَرَاهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ
لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ (نور نہیں ہوگا کہ جہاں کہیں نور ہو اس کے پاس والے بھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں) بلکہ
جس طرح کوئی اندھا آدمی دوسرے بصیر آدمی کے نورِ بصر سے نہیں دیکھ سکتا اسی طرح مومنین
کے اس نور سے کوئی کافر یا فاسق فائدہ نہیں اٹھا سکے گا (ابن کثیر)

حضرت ابو امامہ باہلیؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس موقف میں ظلمت شدیدہ کے بعد حق تعالیٰ کی
طرت سے مومن مردوں اور مومن عورتوں میں نور تقسیم ہوگا اسی وقت سے کافر اور منافق اس نور سے
محروم رہیں گے، اُن کو کسی قسم کا نور ملے ہی گا نہیں۔

مگر طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے ایک مرفوع روایت یہ نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ:

”پہلے صراط کے پاس اللہ تعالیٰ ہر مومن کو نور عطا فرما دیں گے اور ہر منافق کو بھی مگر جس وقت

یہ پہلے صراط پر پہنچ جائیں گے تو منافقین کا نور سلب کر لیا جائے گا (ابن کثیر)

اس سے معلوم ہوا کہ منافقین کو بھی ابتداء میں نور دیا جائے گا، مگر پہلے صراط پر پہنچ کر یہ نور سلب

ہو جائے گا، بہر حال خواہ ابتداء ہی سے اُن کو نور نہ ملا ہو یا مل کر بجھ گیا ہو، اس وقت وہ مومنین سے درخواست

کریں گے کہ ذرا ٹھہر دہم بھی تمہارے نور سے کچھ فائدہ اٹھالیں کیونکہ ہم دنیا میں بھی نماز، زکوٰۃ، حج، جہاد

سب چیزوں میں تمہارے شریک رہا کرتے تھے، تو ان کو اس درخواست کا جواب نامنظوری کی شکل میں

دیا جائے گا، جس کا بیان آگے آتا ہے، اور منافقین کے مناسب حال تو یہی ہے کہ پہلے ان کو بھی مسلمانوں کی

طرح نور ملے پھر اس کو سلب کر لیا جائے جس طرح وہ دنیا میں خدا و رسول کو دھوکا دینے کی ہی کوشش میں

لگے رہے تھے، ان کے ساتھ قیامت میں معاملہ بھی ایسا ہی کیا جائے گا جیسے کسی کو دھوکا دینے کے لئے

کچھ روشنی دکھلا کر بھگادی جائے، جیسا کہ اُن کے بارے میں قرآن کریم کا یہ ارشاد ہے یُخَذُّ عُنَى اللَّهِ

وَهُوَ خَادِعُهُمْ، یعنی منافقین اللہ کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ ان کو دھوکا دینے والا

ہے۔ انا بغویٰ نے فرمایا کہ اس دھوکے سے یہی مراد ہے کہ پہلے نور دیا جائے گا مگر عین اُس وقت جب

نور کی ضرورت ہوگی سلب کر لیا جائے گا، اور یہی وہ وقت ہوگا جبکہ مومنین کو بھی یہ اندیشہ لگ جائے گا

کہ کہیں ہمارا نور بھی سلب نہ ہو جائے، اس لئے وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ ہمارے نور کو آخر تک

پورا کر دیجئے، جس کا ذکر اس آیت میں ہے رِیَاضٌ لَا يَخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ

يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا آتِنَا الْاٰیَةَ (منظہری)

مسلم احمد اور دارقطنی میں حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی مرفوع حدیث میں بھی آیا ہے کہ شروع میں مؤمن و منافق دونوں کو نور دیا جائے گا پھر مل صراط پر پہنچ کر منافقین کا نور سلب ہو جائے گا۔

اور تفسیر منہری میں ان دونوں روایتوں کی تطبیق اس طرح بیان کی ہے کہ اصل منافقین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے اُن کو تو شروع ہی سے کفار کی طرح کوئی نور نہ ملے گا، مگر وہ منافقین جو اس اُمت میں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوں گے، جن کو منافقین کا نام تو اس لئے نہیں دیا جاسکے گا کہ وحی کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا اور کسی کے بارے میں بغیر وحی قطعی کے یہ حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ وہ دل سے مؤمن نہیں، صرف زبان کا اقرار ہے، اس لئے اُمت میں کسی کو یہ حق نہیں کہ کسی کو منافق کہے، لیکن اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے کہ کس کے دل میں ایمان ہے کس کے دل میں نہیں تو ان میں سے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علم میں منافق ہیں گویا ہر میں ان کی منافقت نہیں کھلی ان کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا کہ شروع میں اُن کو بھی نور دیا جائے گا بعد میں سلب کر لیا جائے۔

اس قسم کے منافقین اُمت کے وہ لوگ ہیں جو قرآن و حدیث میں تحریف کر کے ان کے معانی کو بگاڑتے اور اپنے مطلب کے موافق بناتے ہیں۔ نعوذ باللہ منہ

میدانِ حشر میں نور اور اس جگہ تفسیر منہری میں قرآن و حدیث سے محشر کی ظلمت و نور کے اسباب بھی بیان کر دیے ہیں جو علمی تحقیقات سے زیادہ اہم ہیں وہ نقل کرتا ہوں (لعل اللہ تعالیٰ یرزقنا فوراً)

(۱) ابوداؤد و ترمذی نے حضرت بریدہؓ اور ابن ماجہ نے حضرت انسؓ سے یہ مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”خوش خبری سنا دو ان لوگوں کو جو اندھیری راتوں میں مسجد کی طرف جاتے ہیں قیامت کے روز مکمل نور کی“ اور اسی مضمون کی روایات حضرت سہل بن سعدؓ زید بن حارثہؓ ابن عباسؓ ابن عمرؓ حارثہ ابن وہبؓ ابوامامہؓ ابوالدرداءؓ ابوسعیدؓ ابوموسیٰؓ ابوہریرہؓ عائشہ صدیقہؓ وغیرہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی منقول ہیں (منہری)

(۲) مسند احمد اور طبرانی میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رَمَنْ حَافِظًا عَلَى الصَّلَاةِ كَانَتْ لَهُ نُورًا وَبُرْهَانًا وَنَجَاةٌ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَهُ نُورٌ وَلَا بُرْهَانٌ وَلَا نَجَاةٌ وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَعَ قَارُونَ وَهَامَانَ وَفِرْعَوْنَ جو شخص پانچوں نمازوں کی محافظت کرے گا (یعنی ان کے اوقات اور آداب کو پابندی کے ساتھ بجالائے گا) اس کے لئے یہ نماز قیامت کے روز نور اور برہان اور نجات بن جائے گی، اور جو اس پر محافظت نہ کرے گا نہ اُس کے لئے نور ہوگا نہ برہان اور نہ نجات اور وہ قارون اور ہامان اور فرعون کے ساتھ ہوگا، اور طبرانی نے حضرت ابوسعیدؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو سورہ کہت پڑھے گا قیامت کے روز اس کے لئے اتنا نور ہوگا جو اس کی جگہ سے مکہ مکرمہ تک پھیلے گا، اور ایک

روایت میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے روز سورۃ کہف پڑھے گا قیامت کے روز اس کے قدموں سے آسمان کی بلندی تک نور چمکے گا۔

(۴) امام احمد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن کی ایک آیت بھی تلاوت کرے گا وہ آیت اس کے لئے قیامت کے روز نور ہوگی۔

(۵) دیلمی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ مجھ پر درود بھیجا پل صراط پر نور کا سبب ہے گا۔

(۶) طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامتؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے احکام بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حج و عمرہ کے احرام سے فارغ ہونے کے لئے جو سر منڈایا جاتا ہے اس میں جو بال زمین پر گرنا ہے وہ قیامت کے روز نور ہوگا۔

(۷) مسند بزار میں حضرت ابن مسعودؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ منیٰ میں حمرات کی رمی کرنا قیامت کے روز نور ہوگا۔

(۸) طبرانی نے بسند جید حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جس شخص کے بال حالت اسلام میں سفید ہو جائیں وہ اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔

(۹) بزار نے بسند جید حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد میں ایک تبر بھی پھینکے گا اس کے لئے قیامت میں نور ہوگا۔

(۱۰) بیہقی نے شعب الایمان میں بسند منقطع حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ بازار میں اللہ کا ذکر کرنے والے کو اس کے ہر بال کے مقابلے میں قیامت کے روز ایک نور ملے گا۔

(۱۱) طبرانی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت تکلیف کو دور کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے پل صراط پر نور کے دو شعبے بنا دیگا جس سے ایک جہان روشن ہو جائے گا جس کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔

(۱۲) بخاری و مسلم نے حضرت ابن عمرؓ سے اور مسلم نے حضرت جابرؓ سے اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے اور طبرانی نے ابن زیادؓ سے روایت کیا ہے کہ ان سب نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (إِيَّاكُمْ وَالظُّلْمَ فَإِنَّهُ هُوَ الظُّلْمُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ) یعنی تم ظلم سے بہت بچو، کیونکہ ظلم ہی قیامت کے روز ظلمات اور اندھیری ہوگی۔

نور باللہ من الظلمات ونسأله النور اتام یوم القیامۃ

یَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنَافِقُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا انْظُرُوا نَفْسِنَا مِنْ نَارِكُمْ

یعنی اس روز جب منافق مرد اور منافق عورتیں مؤمنین سے کہیں گے کہ ذرا ہمارا انتظار کرو ہم بھی تمہارے نور سے فائدہ اٹھالیں۔

قِيلَ ادْجِعُوا زُرَّاءَكُمْ فَاَلْتَمِسُاْ نُورًا، اُن سے کہا جائے گا کہ پیچھے نہ ٹو جہاں یہ نور تقسیم ہوا تھا
 دیں نور تلاش کرو، یہ بات یا تو مؤمنین اُن کے جواب میں کہیں گے یا فرشتے جواب دیں گے رکما روی عن
 ابن عباس وقادة قولین

فَصُبَّ بِبَيْتِهِمْ بِسُورَتِهِ بَابٌ بَابُهَا طَنْدُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهَا مِنْ قَبْلِهَا لَعْنَةُ اَبٍ يَعْنِي
 مؤمنین یا فرشتوں کا جواب سن کر منافقین اُسی جگہ کی طرف ٹوٹیں گے جہاں نور تقسیم ہوا تھا، وہاں کچھ نہ
 پاویں گے تو پھر اُس طرف آویں گے، اُس وقت یہ مؤمنین تک پہنچنے نہ پاویں گے بلکہ ان کے اور مؤمنین کے
 درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس کے پُری طرف جہاں مؤمنین ہوں گے رحمت ہوگی اور اس طرف
 جہاں منافقین ہوں گے عذاب ہوگا۔

رُوحُ الْمَعَانِي فِي اِيْنِ زَيْدٍ كَقَوْلِ نَقْلِ كَيْفَ هِيَ كَيْفَ يَهِيَ دِيْوَارِ اَعْرَافٍ هُوَ كَيْفَ هُوَ مُؤْمِنِينَ وَكُفَّارِ كَيْفَ
 حَالِ كَرْدِي جَائِے كِي، اور بعض دوسرے مفسرین نے دیوار اعراف کے علاوہ کوئی دوسری دیوار قرار دی
 اور اس دیوار میں جو دروازہ رکھا جائے گا یا تو اس لئے کہ اس کے رستہ سے مؤمنین و کفار میں باہم گفتگو
 ہو سکے، یا مؤمنین کو اسی دروازے سے گزارنے کے بعد بند کر دیا جائے گا۔

فَاَدَّلَ :۔ اس نور کے معاملے میں کفار کا کہیں ذکر نہیں آیا، کیوں کہ ان میں نور کا کوئی احتمال
 ہی نہ تھا، منافقین کے نور کے بارے میں دو روایتیں آئیں کہ اول یہی ہے ان کو نور نہ ملے گا، یا ملنے کے
 بعد پل صراط پر جانے کے وقت بجھا دیا جائے گا، اور ان کے اور مؤمنین کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی
 جائے گی، اس مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پل صراط کے ذریعہ جہنم کو پار کرنا یہ صرف مؤمنین کے لئے ہوگا
 کفار و مشرکین پل صراط پر نہیں چڑھیں گے، وہ جہنم کے دروازوں کے راستے جہنم میں ڈال دیئے
 جاویں گے، اور مؤمنین پل صراط کے راستے سے گزریں گے، پھر گناہگار مؤمن جن کے لئے ان کے اعمال
 کی سزا چند روز جہنم میں رہنا ہے، وہ اس پل سے گر کر جہنم میں پہنچیں گے، باقی مؤمنین صحیح سالم گذر کر
 جنت میں داخل ہوں گے، وصرح بہ الشاہ عبدالقادر الدہلوی و یویدہ مافی الدرر بہتنا واللہ اعلم

اَلْمَرْيَانِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنْ الْحَقِّ،
 یعنی کیا اب بھی وقت نہیں آیا ایمان والوں کے لئے کہ ان کے قلوب اللہ کے ذکر کے لئے جھک جائیں
 اور نرم ہو جائیں، اور اس قرآن کے لئے جو اُن پر نازل کیا گیا۔

خشوع قلب سے مراد دل کا نرم ہونا اور وعظ و نصیحت کو قبول کرنا اور اس کی اطاعت کرنا
 (ابن کثیر) قرآن کے لئے خشوع یہ ہے کہ اس کے احکام و امر و نواہی کی مکمل اطاعت کے لئے تیار
 ہو جائے، اور اس پر عمل کرنے میں کسی سستی اور کمزوری کو راہ نہ دے (روح المعانی)
 یہ عتاب و تنبیہ مؤمنین کو ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

بعض مؤمنین کے قلوب میں عمل کے اعتبار سے کچھ سستی معلوم کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن کثیر) اہم اعمشؒ نے فرمایا کہ مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد صحابہ کرام کو کچھ معاشی سہولتیں اور آرام ملا تو بعض حضرات میں عمل کی جدوجہد جو ان کی عادت تھی اس میں کچھ کمی اور سستی پائی گئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی (روح المعانی) حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ آیت عتاب نازل قرآن سے تیرہ سال بعد نازل ہوئی (رواہ عنہ ابن ابی حاتم) اور صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ ہمارے اسلام لانے کے چار سال بعد اس آیت کے ذریعہ ہم پر عتاب و تنبیہ نازل کی گئی۔ واللہ اعلم بہر حال حاصل اس عتاب و تنبیہ کا مؤمنین کو مکمل خشوع اور عمل صالح کے لئے مستعد رہنے کی تعلیم ہے، اور خشوع قلب ہی پر تمام اعمال کا مدار ہے۔

حضرت شداد بن اوسؓ کی روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو چیز لوگوں سے اٹھالی جائے گی وہ خشوع ہے (ابن کثیر)

کیا ہر مؤمن صدیق و شہید ہو؟ [وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ وَالشَّهِيدُونَ] اس آیت سے معلوم ہوا کہ صدیق و شہید ہر مؤمن کو کہا جاسکتا ہے، اور حضرت قتادہؓ اور عمرو بن مہمون نے اس آیت کی بناء پر فرمایا کہ ہر وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے وہ صدیق و شہید ہو، ابن جریر نے حضرت براہ بن عازبؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **مُؤْمِنُوا أُمَّتِي شُهَدَاءُ** یعنی میری امت کے سب مؤمن شہید ہیں، اور اس کی دلیل میں آپ نے آیت مذکورہ تلاوت فرمائی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز ان کے پاس کچھ حضرات صحابہ جمع تھے، انہوں نے فرمایا **كُلُّكُمْ صِدِّيقٌ وَ شَهِيدٌ** یعنی تم میں سے ہر ایک صدیق بھی ہے شہید بھی، لوگوں نے تعجب سے کہا کہ ابو ہریرہؓ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟... تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میری بات کا یقین نہیں آتا تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو: **وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ وَالشَّهِيدُونَ**

لیکن قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے بظاہر یہ مستفاد ہوتا ہے کہ صدیق و شہید ہر مؤمن نہیں، بلکہ مؤمنین میں سے ایک اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کو صدیق و شہید کہا جاتا ہے، آیت یہ ہے: **وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ وَالشَّهِيدُونَ** کیونکہ اس آیت میں انبیاء کے ساتھ عام مؤمنین میں سے بعض طبقے خصوصیت سے ذکر کئے گئے ہیں، صدیقین، شہداء اور صالحین، اور ظاہر اس سے یہ ہے کہ ان تینوں کے مفہوم اور مصداق میں فرق ہے، ورنہ تینوں کو الگ الگ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی، اسی لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ صدیقین و شہداء تو دراصل مؤمنین

کے مخصوص اعلیٰ طبقات لوگ ہیں، جو بڑی صفات عالیہ کے حامل ہیں، یہاں سب تو مومنین کو صدیق و شہید فرماتے کا حاصل یہ ہے کہ ہر مومن بھی ایک حیثیت سے صدیقین و شہداء کے حکم میں ہے، اور ان کے زمرہ میں لاحق سمجھا جائے گا۔

اور روح المعانی میں ہے کہ مناسب یہ ہے کہ اس آیت میں الَّذِينَ اٰمَنُوا سے مراد وہ مومن لئے جاویں جو ایمان کامل رکھتے ہیں اور طاعات کے پابند ہیں، ورنہ وہ مومن جو شہوات اور غفلت میں مہمک ہو اس کو صدیق و شہید نہیں کہا جاسکتا۔

اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللّٰعَانُوْنَ لَا يَكُوْنُوْنَ شَهِدًا، یعنی لوگوں پر لعنت کرنے والے شہداء میں شامل نہ ہوں گے، اور حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک مرتبہ لوگوں سے فرمایا کہ ”تمہیں کیا ہو گیا کہ تم دیکھتے ہو کہ کوئی آدمی لوگوں کی عزت و اکبر کو مجروح کرتا ہے اور تم اس کو نہ روکتے ہو نہ کوئی برا مانتے ہو، ان حضرات نے عرض کیا کہ ہم اس کی بدزبانی سے ڈرتے ہیں کہ ہم کچھ بولیں گے تو وہ ہماری بھی عزت و اکبر پر حملہ کرے گا، حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا اگر یہ بات ہے تو تم لوگ شہداء نہیں ہو سکتے، ابن اثیر نے یہ روایت نقل کر کے اس کا مطلب یہ بتلایا کہ ایسی مداخلت کرنے والے اُن شہداء میں شامل نہیں ہوں گے جو قیامت کے روز انبیاء سابقین کی امتوں کے مقابلہ میں شہادت دیں گے، (روح المعانی)

تفسیر مظہری میں ہے کہ اس آیت میں الَّذِينَ اٰمَنُوا سے مراد صرف وہ حضرات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایمان لائے اور آپ کی صحبت سے مشرف ہوئے۔

اور آیت میں لفظ هُمْ الصِّدِّیْقُوْنَ جو کلمہ حصر ہے یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ صدیقیت صحابہ کرام میں منحصر ہے، حضرت مجتہد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ صحابہ کرام سب کے سب کمالات نبوت کے حامل تھے، جس شخص نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کے ساتھ دیکھ لیا، وہ کمالات نبوت میں مستغرق ہو گیا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

اعْلَمُوا اَنَّهَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ فِيْهَا مَتَاعٌ وَتَقَاخَرُ بَيْنَكُمْ

جان رکھو کہ دنیا کی زندگی کافی یہی ہے کھیل اور تماشہ اور بناؤ اور بڑائیاں کرنی آپس میں

وَتَكَاثُرُ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ط كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ

اور بہنائیت و صونت دہنی مال کی اور اولاد کی جیسے حالت ایک میٹھ کی جو خوش لگا کسانوں کو

نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرْدُهُ مُصْفًى اِثْمٌ يَّكُوْنُ حُطَامًا وَفِي الْاٰخِرَةِ

اس کا سبزہ پھر زور پیر آتا ہے پھر تو دیکھ زرد ہو گیا پھر ہو جاتا ہر روز نڈا ہوا گھاس اور آخرت میں

عَنْ أَبِي شَرِيدٍ ۖ وَمَغْفِرَةً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ط وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا

سخت عذاب ہے اور معافی بھی ہے اللہ سے اور رضامندی اور دنیا کی زندگی تو یہی

إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۚ سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا

ہے مال دغا کا ، دوڑو اپنے رب کی معافی کی طرف کو اور بہشت کو جس کا پھیلاؤ ہے

كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لِذَٰلِكَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللهِ وَرُسُلِهِ ط ذَٰلِكَ

جیسے پھیلاؤ آسمان اور زمین کا تیار رکھی ہو واسطے اُن کے جو یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر یہ

فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ط وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۚ

فضل اللہ کا ہے جس کو چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے ،

خلاصہ تفسیر

تم خوب جان لو کہ (آخرت کے مقابلہ میں) دنیوی حیات (ہرگز قابل اشتغال چیز نہیں کیونکہ) محض

لہو و لعب اور (ایک ظاہری) زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا (قوت و جمال اور دنیوی ہنر و کمال

میں) اور اموال اور اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتلانا ہے (یعنی مقاصد دنیا کے یہ ہیں کہ بچپن

میں لہو و لعب کا غلبہ رہتا ہے اور جوانی میں زینت و تفاخر کا اور بڑھاپے میں مال و دولت آل و اولاد کو گنونا

اور یہ سب مقاصد فانی اور خواب و خیال محض ہیں جس کی مثال ایسی ہے) جیسے مینھ (برستا) ہے کہ اس کی

پیداوار (کھیتی) کاشتکاروں کو ابھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ (کھیتی) خشک ہو جاتی ہے سو اس کو تو زبردستی

ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے (اسی طرح دنیا چند روزہ بہار ہے پھر زوال و انحلال، یہ تو دنیا کی حالت

ہوتی) اور آخرت (کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں) (دو چیزیں ہیں ایک تو کفار کے لئے) عذاب شدید ہے اور

(دوسری اہل ایمان کے لئے) خدا کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے (اور یہ دونوں باقی ہیں) پس

آخرت تو باقی ہے) اور دنیوی زندگی فانی محض (فانی ہے) جیسے فرض کرو کہ ایک دھوکہ کا اسباب ہو (دور

تفسیرہ فی آل عمران قریباً من الآخر) پس جب متاع دنیا فانی اور دولت آخرت باقی ہے جو ایمان کی

بدولت نصیب ہوتی ہے تو تم کو چاہئے کہ تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف دوڑو اور (نیز) ایسی جنت کی طرف

جس کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کی برابر ہے (یعنی اس سے کم کی نفی ہے) زیادہ کی نفی نہیں،

اور وہ اُن لوگوں کے واسطے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں (اور یہ

مغفرت و رضوان) اللہ کا فضل ہے وہ اپنا فضل جس کو چاہے عنایت کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے،

اس میں اشارہ ہے کہ اپنے اعمال پر کوئی منہ نہ دے، اور اپنے اعمال پر تحقیق جنت کا مدعی نہ ہو، یہ محض فضل ہے جس کا مدار ہماری مشیت پر ہے، مگر ہم نے اپنی رحمت سے ان عملوں کے کرنے والوں کے ساتھ مشیت متعلق کر لی، اگر ہم چاہتے تو مشیت نہ کرتے کہ اَلْقُدْرَةُ تَتَعَلَّقُ بِالْإِقْدَانِ

معارف و مسائل

سابقہ آیات میں اہل جنت کے اور اہل جہنم کے حال کا بیان تھا، جو آخرت میں پیش آئے گا اور دائمی ہوگا، اور آخرت کی نعمتوں سے محروم اور عذاب میں گرفتار ہونے کا بڑا سبب انسان کیلئے دنیا کی فانی لذتیں اور ان میں مہمک ہو کر آخرت سے غفلت ہونا ہے، اس لئے ان آیات میں دنیا، فانی کا ناقابل اعتماد ہونا بیان کیا گیا ہے۔

پہلے ابتداء عمر سے آخر تک جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے، اور جس میں دنیا دار مہمک و مشغول اور اس پر خوش رہتے ہیں اُس کا بیان ترتیب کے ساتھ یہ ہے کہ دنیا کی زندگی کا خلاصہ یہ ترتیب چند چیزیں اور چند حالات ہیں، پہلے لعب پھر کھل پھر زینت پھر تفاخر، پھر مال و اولاد کی کثرت پر ناز و فخر۔

لعب وہ کھیل ہے جس میں فائدہ مطلق پیش نظر نہ ہو، جیسے بہت چھوٹے بچوں کی حرکتیں، اور لہو وہ کھیل ہے جس کا اصل مقصد تو تفریح اور دل بہلانا اور وقت گزاری کا مشغلہ ہوتا ہے، یعنی طور پر کوئی ورزش یا دوسرا فائدہ بھی اس میں حاصل ہو جاتا ہے جیسے بڑے بچوں کے کھیل، گیند شناسی یا نشانہ بازی وغیرہ، حدیث میں نشانہ بازی اور شیرنے کی مشق کو اچھا کھیل فرمایا ہے، زینت بدن اور لباس وغیرہ کی معرفت ہے، ہر انسان اس دور سے گذرتا ہے کہ عمر کا بالکل ابتدائی حصہ تو خالص کھیل یعنی لعب میں گذرتا ہے، اس کے بعد لہو شروع ہوتا ہے، اس کے بعد اس کو اپنے تن بدن اور لباس کی زینت کی فکر ہونے لگتی ہے اس کے بعد محصوروں ہم عمروں سے آگے بڑھنے اور ان پر فخر جتلانے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔

اور انسان پر جتنے دور اس ترتیب سے آتے ہیں غور کرو تو ہر دور میں وہ اپنے اسی حال پر قانع اور اسی کو سبک بہتر جانتا ہے، جب ایک دور سے دوسرے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو سابقہ دور کی کمزوری اور لغویت سامنے آجاتی ہے، بچے ابتدائی دور میں جن کھیلوں کو اپنا سرمایہ زندگی اور سب سے بڑی دولت جانتے ہیں، کوئی اُن سے چھین لے تو ان کو ایسا ہی صدمہ ہوتا ہے جیسا کہ کسی بڑے آدمی کا مال اسباب اور کوٹھی بنگلہ چھین لیا جائے، لیکن اس دور سے آگے بڑھنے کے بعد اس کو حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ جن چیزوں کو ہم نے اُس وقت مقصود زندگی بنایا، ہوا تھا وہ کچھ نہ تھیں، سب خرافات تھیں، بچپن میں لعب، پھر لہو میں مشغولیت رہی جوانی میں زینت اور تفاخر کا مشغلہ ایک مقصد بن رہا، بڑھاپا آیا، اب مشغلہ تکاثر فی الاموال والا اولاد کا ہو گیا، کہ اپنے مال و دولت کے اعداد و شمار اور اولاد

و نسل کی زیادتی پر خوش ہوتا رہے، ان کو گنتا گنتا رہے، مگر جیسے جوانی کے زمانے میں بچپن کی حرکتیں لغو معلوم ہونے لگی تھیں بڑھاپے میں پہونچ کر جوانی کی حرکتیں لغو و ناقابل التفات نظر آنے لگیں، اب بڑے میاں کی آخری منزل بڑھاپا ہے، اس میں مال کی بہتات، اولاد کی کثرت و قوت اور ان کے جاہ و منصب پر فخر سرمایہ زندگی اور مقصود اعظم بنا ہوا ہے، قرآن کریم کہتا ہے کہ یہ حال بھی گزر جانے والا ہے اور فانی ہے، اگلا دور ہرزخ پھر قیامت کا ہے اس کی فکر کرو کہ وہ ہی اصل ہے، قرآن کریم نے اس ترتیب کے ساتھ ان سب مشاغل و مقاصد و نیویہ کا زوال پذیر ناقص، ناقابل اعتماد ہونا بیان فرمادیا، اور آگے اس کو ایک کھیتی کی مثال سے واضح فرمایا:-

كَمْ تِلْكَ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكَفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيمُ فَقَارُهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا، غَيْث کے معنی بارش کے ہیں، اور لفظ کفار جو مومنین کے مقابلہ میں آتا ہے اگر یہ معنی تو معروف و مشہور ہی ہیں، اس کے ایک دوسرے لغوی معنی کا اشتکار کے بھی آتے ہیں، اس آیت میں بعض حضرات نے یہی معنی مراد لئے ہیں، اور مطلب آیت کا یہ قرار دیا ہے کہ جس طرح بارش سے کھیتی اور طرح طرح کی نباتات اُگتی ہیں، اور جب ہری بھری ہوتی ہیں تو کاشتکار ان سے خوش ہوتا ہے، اور بعض دوسرے حضرات مفسرین نے لفظ کفار کو اس جگہ بھی معروف معنی میں لیا ہے کہ کافر لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں اس پر جو یہ اشکال ہے کہ کھیتی ہری بھری دیکھ کر خوش ہونا تو کافر کے ساتھ مخصوص نہیں، مسلمان بھی اس سے خوش ہوتا ہے، اس کا جواب حضرات مفسرین نے یہ دیا ہے کہ مومن کی خوشی اور کافر کی خوشی میں بڑا فرق ہے، مومن خوش ہوتا ہے تو اس کی فکر کا صحیح حق تعالیٰ کی طرف پھر جاتا ہے، وہ یقین کرتا ہے کہ یہ سب کچھ اس کی قدرت و حکمت اور رحمت کا نتیجہ ہے، وہ اس چیز کو زندگی کا مقصود نہیں بناتا، پھر اس خوشی کے ساتھ اس کو آخرت کی فکر بھی ہر وقت لگی رہتی ہے، اس لئے جو مومن ایمان کے تقاضہ کو پورا کرتا ہے دنیا کی بڑی سے بڑی دولت بھی وہ ایسا خوش اور مگن اور مست نہیں ہوتا جیسا کافر ہوتا ہے، اس لئے یہاں خوشی کا اظہار کفار کی طرف منسوب ہے۔

آگے اس مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کھیتی اور دوسری نباتات پھول پھلوریاں جب ہری بھری ہوتی ہیں تو سب دیکھنے والے خصوصاً کفار بڑے خوش اور مگن نظر آتے ہیں، مگر آخر کار پھر وہ خشک ہونا شروع ہوتی ہے، پہلے زر و پیلی پڑ جاتی ہے پھر بالکل خشک ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہے، یہی مثال انسان کی ہے کہ شروع میں تروتازہ حسین خوب صورت ہوتا ہے، بچپن سے جوانی تک کے مراحل اسی حال میں طے کرتا ہے، مگر آخر کار بڑھاپا آ جاتا ہے جو آہستہ آہستہ بدن کی تازگی اور حسن و جمال سب ختم کر دیتا ہے، اور بالآخر مر کر مٹی ہو جاتا ہے، دنیا کی بے ثباتی اور زوال پذیر ہونے کا بیان فرمانے کے بعد پھر اصل مقصود آخرت کی فکر کی طرف توجہ دلانے کے لئے آخرت کے حال کا ذکر فرمایا۔

وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ مُّشَدِّدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ، یعنی آخرت میں انسان ان دو

حالات میں سے کسی ایک میں ضرور پہونچے گا، ایک حال کفار کا ہے اُن کے لئے عذاب شدید ہے، دوسرا

حال مؤمنین کا ہے ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور رحمت ہے۔

یہاں عذاب کا ذکر پہلے کیا گیا کیونکہ دنیا میں مست و مغرور ہونا جو پہلی آیات میں مذکور ہے اس کا نتیجہ بھی عذاب شدید ہے، اور عذاب شدید کے مقابلہ میں دو چیزیں ارشاد فرمائیں، مغفرت اور رضوان، جس میں اشارہ ہے کہ گناہوں اور خطاؤں کی معافی ایک نعمت ہے جس کے نتیجہ میں آدمی عذاب سے بچ جاتا ہے مگر یہاں صرف اتنا ہی نہیں بلکہ عذاب سے بچ کر پھر جنت کی دائمی نعمتوں سے بھی سرفراز ہوتا ہے، جس کا سبب رضوان یعنی حق تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔

اس کے بعد دنیا کی حقیقت کو ان مختصر الفاظ میں بیان فرمایا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعٌ الْخٰرِئِ یعنی ان سب باتوں کو دیکھنے سمجھنے کے بعد ایک عاقل و بصیر انسان کے لئے اس کے سوا کوئی نتیجہ دنیا کے بارے میں نہیں رہ سکتا، کہ وہ ایک دھوکہ کا سرمایہ ہے اصلی سرمایہ نہیں جو اڑے وقت میں کام آئے، پھر آخرت کے عذاب و ثواب اور دنیا کی بے ثباتی بیان فرمانے کا لازمی اثر یہ ہونا چاہیے کہ انسان دنیا کی لذتوں میں مہلک نہ ہو آخرت کی نعمتوں کی فکر زیادہ کرے اس کا بیان اگلی آیات میں اس طرح آیا:-

سَابِقُوا آلٰی مَخِیْفَةٍ مِّنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ، یعنی مسابقت کرو

اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کا عرض آسمان و زمین کے عرض کی برابر ہے۔

مسابقت کرنے سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ عمر اور صحت و قدرت کا کچھ بھروسہ نہیں، نیک اعمال میں سستی اور ٹال مٹول نہ کرو ایسا نہ ہو کہ پھر کوئی بیماری یا عذر آ کر تمہیں اس کام کے قابل نہ چھوڑے، یا موت ہی آجائے تو حاصل مسابقت کا یہ ہے کہ عجز و ضعف اور موت سے مسابقت کرو کہ ان کے آنے سے پہلے پہلے ایسے اعمال کا ذخیرہ کر لو جو جنت تک پہنچانے کا ذریعہ بن سکیں۔

اور مسابقت کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ نیک اعمال میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو، جیسا کہ حضرت علیؓ نے اپنی نصائح میں فرمایا کہ: تم مسجد میں سب سے پہلے جانے والے اور سب سے آخر میں نکلنے والے بنو، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ جہاد کی صفوں میں سے پہلی صف میں رہنے کے لئے بڑھو، حضرت انسؓ نے فرمایا کہ جماعت نماز میں پہلی تکبیر میں حاضر رہنے کی کوشش کرو (روح)

جنت کی تعریف میں فرمایا کہ اس کا عرض آسمان و زمین کے برابر ہوگا، سورۃ آل عمران میں بھی اسی مضمون کی آیت پہلے آچکی ہے، اس میں لفظ سموات جمع کے ساتھ آیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ آسمان سے مراد ساتوں آسمان ہیں اور معنی یہ ہیں کہ ساتوں آسمانوں اور زمین کی وسعت کو ایک جگہ جمع کر لو تو وہ جنت کا عرض ہو، یعنی چوڑائی، اور یہ ظاہر ہے کہ طول ہر چیز کا اس کے عرض سے زائد ہوتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ جنت کی وسعت ساتوں آسمانوں اور زمین کی وسعت سے بڑھی ہوئی ہے، اور لفظ عرض کبھی مطلق وسعت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اس میں طول کا مقابلہ مقصود نہیں ہوتا، دونوں صورتوں میں جنت کی

عظیم الشان وسعت کا بیان ہو گیا،

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ، اس سے پہلی آیت میں جنت اور اس کی نعمتوں کے لئے مسابقت اور کوشش کا حکم تھا، اس سے کسی کو یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ جنت اور اس کی لازوال نعمتیں ہمارے عمل کا ثمرہ اور ہمارا عمل اس کے لئے کافی ہے، اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے اعمال حصول جنت کے لئے علت کافیہ نہیں ہیں، جن پر عطا جنت کا مرتب ہونا لازمی ہی ہو، انسان کے عمر بھر کے اعمال تو ان نعمتوں کا بدلہ بھی نہیں ہو سکتے جو دنیا میں اس کو مل چکی ہیں، ہمارے یہ اعمال جنت کی لازوال نعمتوں کی قیمت نہیں بن سکتے، جنت میں جو بھی داخل ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان ہی سے داخل ہو گا، جیسے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کسی کو صرف اس کا عمل نجات نہیں دلا سکتا، صحابہؓ نے عرض کیا کہ کیا آپ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں میں بھی اپنے عمل سے جنت حاصل نہیں کر سکتا بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت ہو جائے (منظری)

مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّنْ

کوئی آفت نہیں پڑتی ملک میں اور نہ تمہاری جانوں میں جو لکھی نہ ہو ایک کتاب میں پہلے اس سے کہ

قَبْلِ أَنْ نَّبْرَأَ أَهَاطَ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۚ ۲۲ لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ

پیدا کریں ہم اس کو دنیا میں، بیشک یہ اللہ پر آسان ہے، تاکہ تم غم نہ کھایا کرو اس پر جو ہاتھ نہ آیا اور

وَلَا تَقْرَحُوا بِمَا آثَمْتُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۚ ۲۳ ۝ الَّذِينَ

نہ شیخی کیا کرو اس پر جو تم کو اس نے دیا، اور اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اترائیو الا بڑائی ماریو والا، وہ جو کہ

يَبْخُلُونَ بِأَمْوَالِهِمْ النَّاسَ بِالْخِلِّ ط وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۚ ۲۴

آپ نہ دیں اور رکھ لائیں لوگوں کو بھی نہ دینا، اور جو کوئی منہ موڑے تو اللہ آپ ہی ہے پڑا سب خوب ہوئے ساتھ موصوف

خُلاصۃ تفسیر

کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ (سب) ایک کتاب میں (یعنی

روح محفوظ میں) لکھی ہیں قبل اس کے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں (یعنی تمام مصیبتیں خارجی ہوں یا داخلی،

وہ سب مقدر ہیں اور) یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے (کہ واقع ہونے سے پہلے لکھ دیا، کیونکہ اس کو علم غیب

حاصل ہے اور ہم نے یہ بات اس واسطے بتلا دی ہے تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے (تندرستی یا اولاد یا مال) تم اس پر (اتنا) بچ نہ کرو (جو حق تعالیٰ کی مرضی کے طلب کرنے اور آخرت کے امور میں مشغول ہونے میں رکاوٹ ہو جاوے اور طبعی تکلیف کا مضائقہ نہیں) اور تاکہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہو (اسکی نسبت بھی یہی سمجھ کر خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت و فضل سے عطا فرمایا جو بڑھ کر دیا تھا اور اسی نے تم کو دی ہے اس پر اتراد نہیں کیونکہ اتراد تو وہ جس کا استحقاق ذاتی ہو اور جب دوسری کی مشیت حکم سے ایک چیز ملی ہو اس پر اتراد کیا جاتی ہے) اور آگے اس ترانے پر عید کہ (اللہ تعالیٰ کسی ترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا راختیال لفظ اکثر اندرونی فضائل پر ترانے کے لئے اور فخر اکثر خارجی اشیاء مال و مرتبہ وغیرہ پر ترانے کے لئے مستعمل ہوتا ہے) آگے بخل کی مذمت ہے کہ جو ایسے ہیں کہ (دنیا کی محبت کی وجہ سے) خود بھی (خدا کے نزدیک پسندیدہ حقوق میں صرف کرنے سے) بخل کرتے ہیں (گو اپنی خواہشات و گناہوں میں کتنا ہی اسراف کریں) اور (اس گناہ کے مرتکب بھی ہوتے ہیں کہ) دوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم کرتے ہیں (الَّذِينَ الْخُلَاسَ جَوَ تَرْكِبِیْنِ مِیْنِ بَدَلِ هَیْ یَهْ مَقْصُودِیْنِ) کہ وعید ان افعال کے مجموعہ کے ساتھ متعلق ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ ہر بڑی خصالت پر وعید ہے، بلکہ اشارہ اس طرف ہے کہ دنیا کی محبت ایسی ہے جس سے اکثر بڑی صفات جمع ہو ہی جاتی ہیں، اختیال اور افتخار بھی اور بخل بھی وغیر ذالک) اور (یہی دنیا کی محبت کبھی حق سے روگردانی کرنے تک پہنچا دیتی ہے جس کے حق میں یہ وعید ہے کہ) جو شخص (دین حق سے جس کی ایک فرع انفاق فی سبیل اللہ بھی ہے) اعراض کرے گا تو اللہ تعالیٰ (کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ وہ سب کی عبادت اور اموال سے) بے نیاز ہیں (اور اپنی ذات و صفات میں کامل اور) منراوار حمد ہیں۔

معارف و مسائل

دنیا کی دو چیزیں انسان کو اللہ کی یاد اور آخرت کی فکر سے غافل کرنے والی ہیں، ایک راحت و عیش جس میں مبتلا ہو کر انسان اللہ کو بھلا بیٹھتا ہے اس سے بچنے کی ہدایت سابقہ آیات میں آچکی ہے دوسری چیز مصیبت و غم ہے، اس میں مبتلا ہو کر بھی بعض اوقات انسان مایوس اور خدا تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے، آیات مذکورہ میں اس کا بیان ہے۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِیْبَةٍ فِی الْأَمْوَالِ وَلَا فِی الْأَنْفُسِ إِلَّا فِی كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا

یعنی جو کوئی مصیبت تم کو زمین میں یا اپنی جانوں میں پہنچتی ہے وہ سب ہم نے کتاب یعنی لوح محفوظ میں مخلوقات کو پیدا کرنے سے بھی پہلے لکھ دیا تھا، زمین کی مصیبت سے مراد قحط، زلزلہ، کھیت اور غم میں نقصان، تجارت میں گھاٹا، مال و دولت کا ضائع ہو جانا، دوست احباب کی موت سب داخل ہیں اور اپنی جانوں کی مصیبت میں ہر طرح کے امراض اور زخم اور چوٹ وغیرہ شامل ہیں۔

يَكِيدَ لَا تَأْسُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ۚ شَرُّ مَا

میں جو کچھ مصیبت یا راحت، خوشی یا غم انسان کو پیش آتا ہے وہ سب حق تعالیٰ نے لوح محفوظ میں انسان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی لکھ رکھا ہے، اس کی اطلاع تمہیں اس لئے دی گئی تاکہ تم دنیا کے اچھے بُرے حالات پر زیادہ دھیان نہ دو، نہ یہاں کی تکلیف و مصیبت یا نقصان و فقدان کچھ زیادہ حسرت و افسوس کرنے کی چیز ہے اور نہ یہاں کی راحت و عیش یا مال و متاع اتنا زیادہ خوش اور مست ہونے کی چیز ہے جس میں مشغول ہو کر اللہ کی یاد اور آخرت سے غافل ہو جاؤ۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ ہر انسان طبعی طور پر بعض چیزوں سے خوش ہوتا ہے بعض سے غمگین، لیکن ہونا یہ چاہئے کہ جس کو کوئی مصیبت پیش آئے وہ اس پر صبر کر کے آخرت کا اجر و ثواب کمائے، اور جو کوئی راحت و خوشی پیش آئے وہ اس پر شکر گزار ہو کر اجر و ثواب حاصل کرے (رواہ الحکم و صحیحہ از روح) اگلی آیت میں راحت و آرام یا مال و دولت پر اترانے والے اور فخر کرنے والوں کی مذمت بیان فرمائی، وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ مَثَلًا فَخُورٍ، یعنی اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اترانے والے، فخر کرنے والے کو، اور یہ ظاہر ہے جس کو پسند نہیں کرتا اس سے بغض و نفرت رکھتا ہے، مطلب یہ ہے کہ دنیا کی نعمتوں پر اترانے اور فخر کرنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہیں، مگر عنوانِ تعبیر میں پسند نہ کرنا ذکر کر کے شاید اس طرٹ اشارہ ہے کہ عقلمند عاقبت اندیش انسان کا فرض یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنے ہر کام میں اس کی فکر کرے کہ وہ اللہ کے نزدیک پسند ہی یا نہیں، اس لئے یہاں ناپسند ہونے کا ذکر فرمایا گیا۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ

ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دیکر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو

لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ

تاکہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر اور ہم نے اتارا لوہا اس میں سخت لڑائی ہے اور لوگوں

مَنْفَعٌ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ

کے کام چلتے ہیں اور تاکہ معلوم کرے اللہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے بیشک

اللَّهُ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝۲۵

اللہ زور آور ہے زبردست

خلاصہ تفسیر

ہم نے (اسی اصلاحِ آخرت کے لئے) اپنے پیغمبروں کو کھٹے کھٹے احکام دیے کر بھیجا اور ہم نے انکے

ساتھ کتاب کو اور اس کتاب میں بالخصوص، انصاف کرنے کے حکم کو (جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے) نازل کیا تاکہ لوگ (حقوق اللہ اور حقوق العباد میں) اعتدال پر قائم رہیں (اس میں ساری شریعت آگئی جو معتدل یعنی بین الافراط والتفريط ہے) اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں شدید ہیبت ہے، تاکہ اس کے ذریعہ سے عالم کا انتظام رہے کہ ڈر سے بہت سی بے انتظامیاں بند ہو جاتی ہیں، اور اس کے علاوہ) لوگوں کے اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں (چنانچہ اکثر آلات لوہے سے بنتے ہیں) اور (اس لئے لوہا پیدا کیا) تاکہ اللہ تعالیٰ (ظاہری طور پر) جان لے کہ بے (اس کے خدا کو) دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی (یعنی دین کی) کون مدد کرتا ہے (کیونکہ جہاد میں بھی کام آتا ہے تو یہ بھی آخری نفع ہوا اور جہاد کا حکم اس لئے نہیں کہ اللہ اس کا محتاج ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ (خود) قوی زبردست ہے) بلکہ تمھارے ثواب کے لئے ہے۔

معارف و مسائل

آسمانی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام کے بھیجنے کا اصل مقصد لوگوں کو عدل و انصاف پر قائم کرنا ہے، اس سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واضح احکام ہوں، جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں یہی ترجمہ لیا گیا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے معجزات اور نبوت و رسالت پر واضح دلائل مراد ہوں (کما فسترہ بہ ابن کثیر و ابن حبان) اور بیئت کے بعد اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ میں کتاب نازل کرنے کا علیحدہ ذکر بظاہر اسی تفسیر کا مؤید ہے کہ بیئت سے مراد معجزات و دلائل ہوں اور احکام کی تفصیل کے لئے کتاب نازل کرنے کا ذکر فرمایا گیا کتاب کے ساتھ ایک دوسری چیز میزان نازل کرنے کا بھی ذکر ہے، میزان اصل میں اس آلہ کو کہا جاتا ہے، جس سے کسی چیز کا وزن کیا جائے، جس کی عام صورت ترازو ہے، اور مروجہ ترازو کے علاوہ مختلف چیزوں کے وزن تولنے کے لئے جو دوسرے مختلف قسم کے آلات ایجاد ہوتے رہتے ہیں، وہ بھی میزان کے مفہوم میں داخل ہیں، جیسے آجکل روشنی، ہوا وغیرہ کے ناپنے والے آلات ہیں۔

اس آیت میں کتاب کی طرح میزان کے لئے بھی نازل کرنے کا ذکر فرمایا ہے، کتاب کا آسان نازل ہونا اور فرشتوں کے ذریعہ پیغمبر تک پہنچنا تو معلوم و معروف ہے، میزان کے نازل کرنے کا کیا مطلب اس کے متعلق تفسیر روح المعانی منظری وغیرہ میں ہے کہ انزال میزان سے مراد ان احکام کا نزول ہے جو ترازو استعمال کرنے اور انصاف کرنے کے متعلق نازل ہوئے، اور قرطبی نے فرمایا کہ دراصل انزال تو کتاب ہی کا ہوا ہے، ترازو کے وضع کرنے اور ایجاد کرنے کو اس کے ساتھ لگا دیا گیا ہے،

جیسا کہ عرب کے کلام میں اس کی نظائر موجود ہیں تو گویا مفہوم کلام کا یہ ہے کہ **أَنْزَلْنَا أَنْزِلًا** و **وَضَعْنَا الْمِيزَانَ** یعنی ہم نے اناری کتاب اور ایجاد کی ترازو، اس کی تائید سورۃ رحمن کی آیت **وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ** سے بھی ہوتی ہے کہ اس میں میزان کے ساتھ لفظ **وَضَعَ** استعمال فرمایا ہے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام پر حقیقی معنی میں آسمان سے ترازو نازل کی گئی تھی اور حکم دیا گیا تھا کہ اس سے وزن کر کے حقوق پورے کرنا چاہئیں، واللہ اعلم کتاب اور میزان کے بعد ایک تیسری چیز کے نازل کرنے کا ذکر ہے، یعنی حدید (لوہا) اس کے نازل کرنے کا مطلب بھی اس کو پیدا کرنا ہے، جیسا کہ قرآن کریم کی ایک آیت میں چوپایہ جانوروں کے متعلق بھی لفظ انزال استعمال فرمایا ہے، حالانکہ وہ کہیں آسمان سے نازل نہیں ہوتے، زمین پر پیدا ہوتے ہیں، آیت یہ ہے **وَأَنْزَلْنَا لَكُمْ مِنْ الْأَنْعَامِ حَمِيمِيَّةً أَزْوَاجًا**، یہاں بالفاق **أَنْزَلْنَا** سے مراد خلقنا ہے، یعنی تخلیق کو انزال کے لفظ سے تعبیر کر دیا ہے، جس میں اشارہ اس طرف پایا جاتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب اس اعتبار سے منزل من السماء ہے کہ اس کے پیدا ہونے سے بھی بہت پہلے وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا۔ (روح)

حدید یعنی لوہے کو نازل کرنے کی دو حکمتیں آیت میں بیان فرماتی ہیں، اول یہ کہ مخالفین پر اس کا رعب پڑتا ہے، اور سرکشوں کو اس کے ذریعہ احکام الہیہ اور عدل و انصاف کے احکام کا پابند بنایا جاسکتا ہے، دوسرے یہ کہ اس میں لوگوں کے لئے بہت منافع حق تعالیٰ نے رکھے ہیں، کہ جس قدر صنعتیں اور ایجادات و مصنوعات دنیا میں ہوتی یا آئندہ ہو رہی ہیں اُن سب میں لوہے کی ضرورت ہے، لوہے کے بغیر کوئی صنعت نہیں چل سکتی۔

فائدہ ۸ :- یہاں یہ بات بھی غور طلب ہو کہ اس آیت میں اصل مقصد پیغمبروں اور کتابوں کے بھیجے اور میزان عدل ایجاد کرنے اور اس کے استعمال کرنے کا یہ بیان کیا ہے، کہ **يَقْوَمُ النَّاسُ بِالْقِسْطِ**، یعنی لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں، اس کے بعد ایک تیسری چیز یعنی لوہے کے نازل کرنے یعنی ایجاد کرنے کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے، یہ بھی درحقیقت اُسی عدل و انصاف کی تکمیل کیلئے ہے جو پیغمبر اور کتاب کے نازل کرنے سے مقصود ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابیں عدل و انصاف قائم کرنے کے واضح دلائل دیتے ہیں، اور نہ کرنے کی صورت میں عذابِ آخرت سے ڈراتے ہیں، میزان ان حدود کو بتلاتی ہے جن سے انصاف کیا جاتا ہے، مگر سرکش معاند جو نہ کسی دلیل سے مانتا ہے نہ ترازو کی تقسیم کے مطابق عمل کرنے کو تیار ہے، اگر اس کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ دنیا میں عدل و انصاف قائم نہ ہونے دے گا، اس کو پابند کرنا لوہے اور تلواریں کا کام ہے جو حکومت

سیاست کرنے والے آخر میں بدرجہ مجبوری استعمال کرتے ہیں۔

فائدہ ثانیہ : یہاں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ قرآن کریم نے دنیا میں عدل و انصاف کرنے کے لئے دو چیزوں کو تو اصل قرار دیا، ایک کتاب، دوسرے میزان، کتاب کے حقوق کی ادائیگی اور اس میں کمی بیشی کی ممانعت کے احکام معلوم ہوتے ہیں، اور میزان سے وہ حصے متعین ہوتے ہیں جو دوسروں کے حقوق ہیں، انہی دونوں چیزوں کے نازل کرنے کا مقصد لِقَیُّوْمَ النَّاسِ بِالْقِسْطِ قرار دیا ہے، حدید کا ذکر اس کے بعد آخر میں فرمایا جس میں اشارہ ہے کہ اقامتِ عدل و انصاف کیلئے لوہے کا استعمال بدرجہ مجبوری ہے، وہ اصل ذریعہ اقامتِ عدل و انصاف کا نہیں ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ خلقِ خدا کی اصل اصلاح اور ان کا عدل و انصاف پر قائم کرنا درحقیقت ذہنوں کی تربیت اور تعلیم سے ہوتا ہے، حکومت کا زور و زبردستی دراصل اس کام کے لئے نہیں، بلکہ راستہ سے رکاوٹ دور کرنے کے لئے بدرجہ مجبوری ہے، اصل چیز ذہنوں کی تربیت اور تعلیم و تلقین ہے۔

وَلْيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ، یہاں وَلْيَعْلَمَ حروفِ عطف کے ساتھ آیا ہے، روح المعانی میں ہے کہ یہ عطف ایک محذوف جملہ پر ہے، یعنی لِيَنْفَعَهُمْ اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم نے لوہا اس لئے پیدا کیا کہ مخالفوں پر اس کا رعب پڑے، اور اس لئے کہ لوگ اس سے صنعت و حرفت میں فائدہ اٹھائیں، اور اس لئے کہ قانونی اور ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ یہ جان لیں کہ کون لوگ لوہے کے آلاتِ حرب کے ذریعہ اللہ اور اس کے رسولوں کے مددگار بنتے ہیں، اور دین کے لئے جہاد کرتے ہیں، قانونی اور ظاہری طور پر اس لئے کہا گیا ہے کہ ذاتی طور پر توحیٰ تعالیٰ کو سب کچھ پہلے ہی سے معلوم ہے، مگر انسان جب عمل کر لیتا ہے تو وہ نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے، قانونی طور پر اس کا اسی سے ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا الْمُسَبُّوۃَ

اور ہم نے بھیجا نوح کو اور ابراہیم کو اور ٹھہرا دی دونوں کی اولاد میں پیغمبری اور

الْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ

کتاب پھر کوئی ان میں راہ پر ہے اور بہت ان میں نامردان ہیں، پھر پیچھے بھیجے اُن کے

اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ

قدموں پر اپنے رسول اور پیچھے بھیجا ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو اور اس کو ہم نے دی انجیل

وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً ط وَرَهْبَانِيَّةَ

اور رکھ دی اس کے ساتھ چلنے والوں کے دل میں نرمی اور ہرمانی اور ایک ترک کرنا دنیا کا

إِنِ ابْتَدَعُوا مَا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا

جو انھوں نے نئی بات نکالی تھی ہم نے نہیں لکھا تھا یہ اُن پر کر کیا چاہتے تھے کہ اللہ کی رضا مندی پھر نہ نیا ہا اس کو

حَقَّ رِعَايَتُهَا فَإِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرُهُمْ جَوْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ

جیسا چاہتے تھے نیا ہوتا، پھر دیا ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان دار تھے اُن کا بدلہ اور بہت اُن میں

فَاسِقُونَ ﴿۲۷﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ

نافرمان ہیں، اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور یقین لاؤ اس کے رسول پر جسے گا تم کو

كَفَلَيْنَ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَتَشَوَّنَ بِهِ وَيَغْفِرَ لَكُمْ

دو کھتے اپنی رحمت سے اور رکھ دے گا تم میں روشنی جس کو لے پھر و اور تم کو معاف کرے گا

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۸﴾ لَعَلَّآ يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَلَّا يَقْدِرُونَ

اور اللہ معاف کرنا والا ہی ہر بیان، تاکہ نہ جانیں کتاب والے کہ پا نہیں سکتے کوئی

عَلَى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللَّهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنَ شَاءَ

چیز اللہ کے فضل میں سے اور یہ کہ بزرگی اللہ کے ہاتھ ہی دیتا ہے جس کو چاہے،

وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۲۹﴾

اور اللہ کا فضل بڑا ہے،،،،

خلاصہ تفسیر

اور ہم نے (مخلوق کی اسی اصلاح آخرت کے لئے) نوح (علیہ السلام) اور ابراہیم (علیہ السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی (یعنی اُن کی اولاد میں بھی بعض پیغمبر اور ان میں سے بعض صاحب کتاب بنائے) سو (جن جن لوگوں کے پاس یہ پیغمبر آئے) اُن لوگوں میں بعض تو ہدایت یافتہ ہوئے اور بہت سے ان میں نافرمان تھے (اور یہ مذکور پیغمبر تو صاحب شریعت مستقل تھے، ان میں بعض صاحب کتاب بھی تھے جیسے موسیٰ علیہ السلام، جو حضرت نوح علیہ السلام اور ابراہیم کی اولاد میں تھے، اور بعض اگرچہ صاحب کتاب نہیں تھے جیسے ہود اور صالح علیہما السلام) کہ ان کا صاحب کتاب ہونا منقول نہیں مگر شریعت ان کی مستقل تھی، بہر حال بہت سے نبی تو صاحب شریعت مستقل بھیجے، پھر اُن کے بعد اور رسولوں کو (جو کہ صاحب شریعت مستقل نہ تھے) کے بعد

بھیجتے رہے (جیسے موسیٰ علیہ السلام کے بعد تورات کے احکام کی تعمیل کرانے کے لئے بہت سے پیغمبر آئے) اور ان کے بعد (پھر ایک صاحب شریعت مستقلہ کو یعنی) عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو انجیل دی اور ان کی اُمت میں دو قسم کے لوگ ہوئے ایک ان کا اتباع کرنے والے یعنی اُن پر ایمان لانے والے اور دوسرے انکار کرنے والے) اور جن لوگوں نے ان کا اتباع کیا تھا (یعنی قسم اول) ہم نے ان کے دلوں میں شفقت اور رحم (ایک دوسرے کے ساتھ جو کہ اخلاق حمیدہ میں سے ہے) پیدا کر دیا (کقولہ تعالیٰ فی الصّحافۃ رُحْمًا رَبَّنَا) اور شاید بوجہ اس کے کہ ان کی شریعت میں جہاد نہ تھا، اس کے مقابل کی صفت اَشْرَافًا عَلَی الْکُفَّارِ ذکر نہیں فرمائی، غرض غالب اُن پر شفقت و رحمت تھی) اور (ہماری طرف سے تو ان لوگوں کو صرف احکام میں اتباع کرنے کا حکم ہوا تھا، لیکن ان متبعین میں بعض وہ ہوئے کہ) انھوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا رہبانیت کا حاصل نکاح اور جائز لذتوں اور اختلاط کا چھوڑنا ہے اور اس کے ایجاد کا سبب یہ ہوا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب لوگوں نے احکامِ اہم کو چھوڑنا شروع کیا تو بعض اہل حق بھی تھے جو اظہارِ حق کرتے رہتے تھے، یہ بات خواہشِ نفسانی والوں کو مشکل معلوم ہوئی اور انھوں نے اپنے بادشاہوں سے درخواست کی کہ ان لوگوں کو مجبور کیا جاوے کہ ہماری ہم مشرب بن کر رہیں جب اُن کو مجبور کیا گیا تو انھوں نے درخواست کی کہ ہم کو اجازت دی جاوے کہ ہم ان لوگوں سے کوئی تعلق و غرض نہ رکھیں اور آزادانہ زندگی بسر کریں خواہ گوشہ میں بیٹھ کر یا سفر و سیاحت میں عمر گزار کر، چنانچہ اسی پر وہ چھوڑ دیئے گئے (کذا فی الدر المنثور) اس مقام پر یہی ذکر ہے کہ انھوں نے رہبانیت کو ایجاد کر لیا، ہم نے ان پر اس کو واجب نہ کیا تھا لیکن انھوں نے حق تعالیٰ کی رضا کے واسطے (اپنے دین کو محفوظ رکھنے کے لئے) اس کو اختیار کر لیا تھا سو (پھر اُن راہبوں میں زیادہ وہ ہوئے کہ) انھوں نے اس (رہبانیت) کی پوری رعایت نہ کی (یعنی جس غرض سے اس کو اختیار کیا تھا اور وہ غرض اللہ کی رضا جوئی تھی اس کا اہتمام نہیں کیا یعنی اصل احکام کی بجا آوری نہ کی، گو صورتہ رہبان اور احکام کی بجا آوری کا اظہار کرتے رہے، اس طرح رہبانوں میں دو قسم کے لوگ ہو گئے، احکام کی رعایت کرنے والے، اور رعایت نہ کرنے والے، اور ان میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر تھے اُن کے حق میں رعایت احکام کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لادیں، اس لئے عہدِ مبارک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں احکام کی رعایت و اہتمام کرنے والے وہ لوگ ہوئے جو آپ پر ایمان لائے، اور جنھوں نے آپ پر ایمان سے گریز کیا وہ احکام کی رعایت نہ کرنے والوں میں شامل ہوئے) سو ان میں سے جو (حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر) ایمان لائے ہم نے ان کو ان کا اجر (وعدہ کیا ہوا) دیا (مگر ایسے کم تھے) اور زیادہ اُن میں نافرمان ہیں (کہ آپ پر ایمان نہیں لائے اور چونکہ اکثریت نافرمانوں کی تھی اس لئے) سب ہی کی طرف رعایت نہ کرنا منسوب کر دیا گیا کہ فَمَا رَعَوْهَا فرمایا، معلوم ہوا کہ یہ نفی رعایت اکثر کے

اعتبار سے ہے اور قلیل جو ایمان لائے تھے ان کا بیان آخر آیت میں قَاتِلَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ
أَجْرَهُمْ میں بیان فرمایا۔

یہاں تک عیسائیوں میں سے ایمان لانے والوں اور نہ لانے والوں کی دو قسموں کا ذکر تھا۔ آگے
ایمان والوں کا حکم ہے کہ اے (عیسیٰ علیہ السلام پر) ایمان رکھنے والو تم اللہ سے ڈرو اور (اس ڈر کے
مقتضیٰ پر عمل کرو یعنی) اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت سے
(ثواب کے) دے دھتے گا (جیسے سورۃ قصص میں اُولَئِكَ يُؤْتُونَ اَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ الایہ ہے) اور تم کو
ایسا نور عنایت کرے گا کہ تم اس کو لئے ہوئے چلتے پھرتے ہو گے (یعنی ایسا ایمان دے گا جو ہر وقت
ساتھی رہے گا یہاں سے پہلے صراط تک) اور تم کو بخش دے گا کیونکہ اسلام سے زماۃ کفر کے سب گناہ
معاف ہو جاتے ہیں) اور اللہ غفور رحیم ہے (اور یہ دو امتیں تم کو اس لئے عنایت کرے گا) تاکہ (جو وقت
ان عطا یا کا ظہور ہو یعنی قیامت کے روز اس وقت) اہل کتاب کو (یعنی جو ایمان نہیں لائے ان کو) یہ
بات معلوم ہو جاوے کہ ان لوگوں کو اللہ کے فضل کے کسی جزو پر بھی (بغیر ایمان لائے) دسترس نہیں
اور یہ (بھی معلوم ہو جاوے) کہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے دیدے (چنانچہ اسکی مشیت
اس کے فضل کے ساتھ مسلمانوں سے متعلق ہوئی تو انہی کو عنایت فرمادیا) اور اللہ بڑے فضل والا ہے
(مطلب یہ کہ ان کا غرور اور زعم ٹوٹ جاوے کہ وہ حالت موجودہ میں بھی اپنے کو فضل کا مورد اور
مغفرت کا محل سمجھتے ہیں)۔

معارف و مسائل

سابقہ آیات میں اس عالم کی ہدایت اور اس میں قسط یعنی عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے
انبیاء و رسول اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کرنے کا عمومی ذکر تھا، مذکورہ صدر آیات میں ان
میں سے خاص خاص انبیاء و رسل کا ذکر ہے، پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا کہ وہ آدم ثانی ہیں، اور بعد
طوفان نوح کے دنیا میں باقی رہنے والی سب مخلوق ان کی نسل سے ہے، دوسرے حضرت ابراہیم خلیل اللہ
علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو ابوالانبیاء اور قدوة المخلوق ہیں اُن دونوں کے ذکر کے ساتھ یہ اعلان فرمادیا کہ
آئندہ جتنے انبیاء اور آسمانی کتابیں دنیا میں آئیں گی وہ سب انہی دو قوں کی ذریت میں ہوں گی، یعنی
حضرت نوح علیہ السلام کی وہ شاخ اس فضیلت کے لئے مخصوص کر دی گئی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام
ہیں، یہی وجہ ہے کہ بعد میں جتنے انبیاء مبعوث ہوئے اور جتنی کتابیں نازل ہوئیں وہ سب حضرت ابراہیم
علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔

ان کے خصوصی ذکر کے بعد پورے سلسلہ انبیاء کو ایک مختصر جملے میں بیان فرمایا ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ

اِثَارِہِمْ سَلٰمًا) آخر میں خصوصیت کے ساتھ آخر انبیاء بنی اسرائیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کر کے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی شریعت کا ذکر فرمایا گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے اُن کے حواریں کی خاص صفت یہ بتلائی گئی (وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً) یعنی جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا انجیل کا اتباع کیا ہم نے اُن کے دلوں میں رافت اور رحمت پیدا کر دی، یعنی یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے پر مہربان و رحیم ہیں، یا پوری خلق خدا کے ساتھ ان کو شفقت و رحمت کا تعلق ہے، رافت و رحمت کے دونوں لفظ ایک دوسرے کے ہم معنی اور مراد سمجھے جاتے ہیں، یہاں مقابلہ کی وجہ سے بعض حضرات نے فرمایا کہ رافت شدت رحمت کو کہا جاتا ہے گویا عام رحمت سے اس میں زیادہ مبالغہ ہے، اور بعض نے فرمایا کہ کسی شخص پر رحمت و شفقت کے دو لفظ عادتاً ہوتے ہیں، ایک یہ کہ وہ اگر کسی تکلیف و مصیبت میں مبتلا ہے تو اس کی تکلیف کو دور کر دیا جائے اس کو رافت کہا جاتا ہے، دوسرے یہ کہ اس کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ دیدی جائے، یہ رحمت ہے، غرض رافت کا تعلق دفع مضرت کے ساتھ ہے، اور رحمت کا جلب منفعت کے ساتھ، اور چونکہ دفع مضرت ہر اعتبار سے مقدم سمجھی جاتی ہے، اس لئے عموماً جب یہ دونوں لفظ ایک جا بولے جاتے ہیں تو رافت کو رحمت پر مقدم بولا جاتا ہے۔

یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب جن کو حواریں کہا جاتا ہے اُن کی خصوصی صفت رافت و رحمت بیان فرمائی گئی ہے، جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی چند صفات سورۃ فتح میں بیان فرمائی ہیں، جن میں ایک صفت رَحْمًا بِرَبِّہُمْ بھی ہے، مگر وہاں اس صفت سے پہلے صحابہ کرام کی خاص صفت اَبْرَآءُ عَلٰی الْکُفَّارِ بھی بیان فرمائی ہے اور فرق کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں کفار سے جہاد و قتال کے احکام نہ تھے، اس لئے کفار کے مقابلہ میں شدت ظاہر کرنے کا وہاں کوئی محل نہ تھا واللہ اعلم

رہبانیت کا مفہوم | وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا، رہبانیت، رہبان کی طرف منسوب ہے، راہب اور رہبان اور ضروری تشریح کے معنی ہیں ڈرنے والا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب بنی اسرائیل میں فسق و

فجور عام ہو گیا، خصوصاً ملوک اور رؤسائے احکام انجیل سے کھلی بغاوت شروع کر دی، ان میں جو کچھ علما و صلحاء تھے انھوں نے اس بد عملی سے روکا تو انکو قتل کر دیا گیا، جو کچھ بچ رہے انھوں نے دیکھا کہ اب منع کرنے اور مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں، اگر ہم ان لوگوں میں مل جل کر رہے تو ہمارا دین بھی برباد ہو گا، اس لئے ان لوگوں نے اپنے اوپر یہ بات لازم کر لی کہ اب دنیا کی سب جائز لذتیں اور آرام بھی چھوڑ دیں، نکاح نہ کریں، کھانے پینے کے سامان جمع کرنے کی فکر نہ کریں، رہنے سہنے کے لئے مکان اور گھر کا اہتمام نہ کریں، لوگوں سے دور کسی جنگل پہاڑ میں بسر کریں، یا پھر خانہ بدوشوں کی طرح زندگی سیاحت

میں گزار دیں، تاکہ دین کے احکام پر آزادی سے پورا پورا عمل کر سکیں، ان کا یہ عمل چونکہ خدا کے خوف سے تھا، اس لئے ایسے لوگوں کو راہب یا رہبان کہا جانے لگا، ان کی طرف نسبت کر کے ان کے طریقہ کو رہبانیت سے تعبیر کرنے لگے۔

ان کا یہ طریقہ چونکہ حالات سے مجبور ہو کر اپنے دین کی حفاظت کے لئے تھا اس لئے اصلۃً کوئی مذموم چیز نہ تھی، البتہ ایک چیز کو اللہ کے لئے اپنے اوپر لازم کر لینے کے بعد اس میں کوتاہی اور غلا و زرعی بڑا گناہ ہے، جیسے نذر اور منّت کا حکم ہے، کہ وہ اصل سے تو کسی پر لازم و واجب نہیں ہوتی، خود کوئی شخص اپنے اوپر کسی چیز کو نذر کر کے حرام یا واجب کر لیتا ہے تو پھر شرعاً اس کی پابندی واجب غلا و زرعی گناہ ہو جاتی ہے، مگر ان میں سے بعض لوگوں نے رہبانیت کا نام رکھ کر دنیا طلبی اور عیش و عشرت کا ذریعہ بنا لیا، کیونکہ عام آدمی ایسے لوگوں کے معتقد ہوتے، تحفے تحائف اور نذرانے آنے لگے، لوگوں کا ان کی طرف رجوع ہوا تو فواجش کی نوبت آنے لگی۔

قرآن کریم نے آیت مذکورہ میں ان کی اسی بات پر نکیر فرمائی، کہ خود ہی تو اپنے اوپر ترک لذات کو لازم کیا تھا، جو منجانب اللہ ان پر لازم نہ کیا گیا تھا، اور جب لازم کر لیا تو پھر اس کی پابندی ان کو کرنا چاہئے تھی، لیکن اسکی خلاف ورزی کی۔

ان لوگوں کا یہ طریقہ اصل سے مذموم نہ تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث اس پر شاہد ہے ابن کثیر نے بروایت ابن ابی حاتم و ابن جریر ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے، جن میں سے صرف تین فرقوں کو عذابِ نجات ملی، جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ظالم و جاہر بادشاہوں اور دولت و قوت والے فاسق و فاجر لوگوں کو ان کے فسق و فجور سے روکا، اُن کے مقابلہ میں حق کا کلمہ بلند کیا، اور دین عیسیٰ علیہ السلام کی طرف دعوت دی، اُن میں سے پہلے فرقہ نے قوت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا، مگر ان کے مقابلہ میں مغلوب ہو کر قتل کر دیئے گئے، تو پھر ان کی جگہ ایک دوسری جماعت کھڑی ہوئی، جن کو مقابلہ کی اتنی بھی قوت و طاقت نہیں تھی، مگر کلمہ حق پہونچانے کے لئے اپنی جانوں کی پروا کئے بغیر ان کو حق کی طرف بلایا، ان سب کو بھی قتل کر دیا گیا، بعض کو آروں سے چیرا گیا، بعض کو زندہ آگ میں جلایا گیا، مگر انہوں نے اللہ کی رضا کے لئے ان سب مصائب پر صبر کیا، یہ بھی نجات پا گئے، پھر ایک تیسری جماعت ان کی جگہ کھڑی ہوئی جن میں نہ مقابلہ کی قوت تھی نہ اُن کے ساتھ رہ کر خود اپنے دین پر عمل کرنے کی صورت بنتی تھی، اس لئے ان لوگوں نے جنگلوں اور پہاڑوں کا راستہ لیا، اور راہب بن گئے، یہی وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر کیا ہے، وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل میں سے اصل رہبانیت اختیار کرنے والے جنہوں نے رہبانیت کے لوازم کی رعایت کی اور مصائب پر صبر کیا وہ بھی نجات یافتہ لوگوں میں سے ہیں۔

آیت مذکورہ کی اس تفسیر کا حاصل یہ ہوا کہ جس طرح کی رہبانیت ابتداءً اختیار کرنے والوں نے اختیار کی تھی وہ اپنی ذات سے مذموم اور بُری چیز نہ تھی، البتہ وہ کوئی حکم شرعی بھی نہیں تھا، ان لوگوں نے اپنی مرضی و خوشی سے اس کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا، بُرائی اور مذمت کا پہلو یہاں سے شروع ہوا کہ اس التزام کے بعد بعض لوگوں نے اس کو نبھایا نہیں، اور چونکہ تعداد ایسے ہی لوگوں کی زیادہ ہو گئی تھی، اس لئے لَّا کَثْرَ مَحْکَمُ الْکُلِّ، یعنی اکثریت کے عمل کو کل کی طرف منسوب کر دینا عرف عام ہے، اس قاعدہ کے موافق قرآن نے عام بنی اسرائیل کی طرف یہ منسوب کیا کہ انہوں نے جس رہبانیت کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا اس کو نبھایا نہیں، اور اس کی شرائط کی رعایت نہیں کی، اسی کو فرمایا رَفَعُوا رُءُوسَهُمْ حَتَّىٰ رِعَايَتُهَا

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس رہبانیت کے متعلق جو قرآن نے فرمایا اِثْبُدْ عَوْنَهَا یعنی اس کو انہوں نے ایجاد کر لیا، اس میں لفظ ابتداء جو بدعت سے مشتق ہے وہ اس جگہ اپنے لغوی معنی یعنی اختراع و ایجاد کے لئے بولا گیا ہے، شریعت کی اصطلاحی بدعت مراد نہیں ہے جس کے بارے میں حدیث میں ارشاد ہے کُلُّ بَدْعٍ ضَلَالَةٌ یعنی ہر بدعت گمراہی ہے۔

قرآن کریم کے نسق و نظم میں غور کریں تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے سب سے پہلے تو اس جملے پر نظر ڈالئے وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَافِقَةً ذُرِّيَّةً وَرَهْبَانِيَّةً، جس میں حق تعالیٰ نے اپنی نعمت کے اظہار کے سلسلے میں فرمایا کہ ہم نے ان کے دلوں میں رافت، رحمت، رہبانیت پیدا کر دی، نسق کلام بتلاتا ہے کہ جس طرح رافت و رحمت مذموم نہیں اسی طرح ان کی اختیار کردہ رہبانیت بھی اپنی ذات سے کوئی مذموم چیز نہ تھی ورنہ مقام امتنان میں رافت و رحمت کے ساتھ رہبانیت کا ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی، اسی لئے جن حضرات نے مطلقاً رہبانیت کو مذموم و ممنوع قرار دیا ان کو اس جگہ رہبانیت کے عطف میں غیر ضروری تاویل کرنا پڑی، کہ اس کو رافت و رحمت پر عطف نہیں مانا بلکہ ایک مستقل جملہ یہاں محذوف قرار دیا یعنی اِثْبُدْ عَوْنَهَا (القرطبی) لیکن مذکورہ تفسیر پر اس تاویل کی کوئی ضرورت نہیں رہتی، آگے بھی قرآن کریم نے ان کے اس ابتداء پر کوئی نکیر اور رد نہیں فرمایا، بلکہ نکیر اس پر کی گئی کہ انہوں نے اس اختیار کردہ رہبانیت کو نبھایا نہیں، اس کے حقوق و شرائط کی رعایت نہیں کی، یہ بھی جب ہی ہو سکتا ہے کہ ابتداء کو لغوی معنی میں لیا جائے، شرعی اور اصطلاحی معنی ہوتے تو قرآن خود اس پر بھی نکیر کرتا، کیونکہ بدعت اصطلاحی خود ایک گمراہی ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مذکورہ حدیث سے اور بھی یہ بات واضح ہو گئی کہ ترہیب اختیار کرنے والی جماعت، کو نجات یافتہ جماعتوں میں شمار فرمایا، اگر یہ بدعت اصطلاحی کے مجرم ہوتے تو

نجات یافتہ میں شمار نہ ہوتے بلکہ گمراہوں میں شمار کئے جاتے۔

کیا رہبانیت مطلقاً مذموم و ناجائز | صحیح بات یہ ہے کہ لفظ رہبانیت کا عام اطلاق ترک لذات و ترک مباحات کے لئے ہوتا ہے، اس کے چند درجے ہیں، ایک یہ کہ کسی مباح و حلال چیز کو اعتقاداً یا عملاً حرام قرار دے، یہ تو دین کی تحریف و تغیر ہے، اس معنی کے اعتبار سے رہبانیت قطعاً حرام ہے، اور آیت قرآن (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ) اور اس کی امثال میں اسی کی ممانعت و حرمت کا بیان ہے، اس آیت کا عنوان لَا تَحْرِمُوا خود یہ بتلا رہا ہے کہ اس کی ممانعت اس لئے ہے کہ یہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو اعتقاداً یا عملاً حرام قرار دے رہا ہو جو احکام الہیہ میں تبدیل و تحریف کے مرادف ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ مباح کے کرنے کو اعتقاداً یا عملاً حرام قرار نہیں دیتا، مگر کسی دنیوی یا دینی ضرورت کی وجہ سے اس کو چھوڑنے کی پابندی کرتا ہے، دنیوی ضرورت جیسے کسی بیماری کے خطرہ سے کسی مباح چیز سے پرہیز کرے، اور دینی ضرورت یہ کہ یہ محسوس کرے کہ میں نے اس مباح کو اختیار کیا تو انجام کار میں کسی گناہ میں مبتلا ہو جاؤں گا، جیسے جھوٹ، غیبت وغیرہ سے بچنے کے لئے کوئی آدمی لوگوں سے اختلاط ہی چھوڑ دے، یا کسی نفسانی رذیلہ کے علاج کے لئے چند روز بعض مباحات کو ترک کر دے اور اس ترک کی پابندی بطور علاج و دوا کے اس وقت تک کرے، جب تک یہ رذیلہ دور نہ ہو جائے، جیسے صوفیائے کرام مبتدی کو کم کھانے کم سونے، کم خستلاط کی تاکید کرتے ہیں کہ یہ ایک مجاہدہ ہوتا ہے نفس کو اعتدال پر لانے کا جب نفس پر قابو ہو جاتا ہے، کہ ناجائز تک پہنچنے کا خطرہ نہ رہے تو یہ پرہیز چھوڑ دیا جاتا ہے، یہ درحقیقت رہبانیت نہیں، تقویٰ ہے جو مطلوب فی الدین اور اسلاف کرام صحابہ و تابعین اور ائمہ دین سے ثابت ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ کسی مباح کو حرام تو قرار نہیں دیتا مگر اس کا استعمال جس طرح سنت سے ثابت ہو اس طرح کے استعمال کو بھی چھوڑنا ثواب اور افضل جان کر اس سے پرہیز کرتا ہے، یہ ایک قسم کا غلو ہے، جس سے احادیث کثیرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، اور جس حدیث میں لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْأِسْلَامِ آیا ہے، یعنی اسلام میں رہبانیت نہیں، اس سے مراد ایسا ہی ترک مباحات ہے کہ ان کے ترک کو افضل و ثواب سمجھے، بنی اسرائیل میں جو رہبانیت اول شروع ہوئی وہ اگر حفاظت دین کی ضرورت سے تھی تو دوسری قسم یعنی تقویٰ میں داخل ہے، لیکن اہل کتاب میں غلو فی الدین کی آفت بہت تھی، وہ اس غلو میں پہلے درجہ میں تحریم حلال تک پہنچے تو حرام کے مرتکب ہوئے اور تیسرے درجہ تک پہنچے تو بھی ایک مذموم فعل کے مجرم بنے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ

اس آیت میں **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** سے مراد اہل کتاب ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتے، قرآن کریم کی عام عادت یہ ہے کہ **الَّذِينَ آمَنُوا** کا لفظ صرف مسلمانوں کے لئے بولا جاتا ہے، یہود و نصاریٰ کیلئے اہل کتاب کا لفظ آتا ہے، کیونکہ صرف حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر ان کا ایمان کافی اور معتبر نہیں جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائیں، اس لئے وہ **الَّذِينَ آمَنُوا** کہلانے کے مستحق نہیں، مگر یہاں اس عام عادت کے خلاف یہ لفظ نصاریٰ کے لئے بولا گیا، شاید اس میں حکمت یہ ہو کہ آگے ان کو حکم کیا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر صحیح ایمان لانے کا تقاضا یہ ہے کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لاؤ، اور جب وہ ایسا کر لیں تو **الَّذِينَ آمَنُوا** کے خطاب کے مستحق ہو گئے۔

آگے اس تکمیل ایمان پر ان سے یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ ان کو دو ہر اجر و ثواب ملے گا، ایک پہلے نبی حضرت موسیٰ یا عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لانے اور ان کی شریعت پر عمل کرنے کا اور دوسرا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا اور آپ کی شریعت پر عمل کرنے کا، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اگرچہ یہود و نصاریٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے کے وقت تک کافر تھے اور کافر کی کوئی عبادت مقبول نہیں ہوتی، اس کا مقصد یہ تھا کہ پچھلی شریعت پر جو عمل کیا وہ سب اکارت ہو گیا، مگر اس آیت نے یہ بتلا دیا کہ اہل کتاب کافر جب مسلمان ہو جائے تو زمانہ کفر کے کئے ہوئے نیک اعمال بھی پھر اس کے بحال کر دیئے جاتے ہیں، اس لئے دو ہر اجر ہو جاتا ہے۔

يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ، اس میں **لَا زَادَہُ** ہے، معنی **يَعْلَمُ أَهْلُ الْكِتَابِ** کے ہیں، اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ مذکورہ صدر احکام اس لئے بیان کئے گئے تاکہ اہل کتاب سمجھ لیں کہ وہ اپنی موجودہ حالت میں کہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تو ایمان ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں، اس حالت میں وہ اللہ کے کسی فضل کے مستحق نہیں جب تک حضرت خاتم الانبیاء پر ایمان نہ لے آئیں، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

تَمَّتْ سُورَةُ الْحَدِيدِ

بحمد اللہ تعالیٰ وعونہ للسادس والعشرين من الربيع الثاني
يوم الاثنين بعد العشاء وتیلوہ انشاء اللہ سورة المحبادة !!!

سُورَةُ الْمَجَادِلَةِ

سُورَةُ الْمَجَادِلَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَانِ وَعِشْرُونَ آيَةً وَثَلَاثُ رُكُوعَاتٍ

سورۃ مجادلہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی بائیس آیتیں ہیں اور تین رکوع ،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بجد ہر بان نہایت رحم والا ہے ،

قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى

میں لی اللہ نے بات اس عورت کی جو جھگڑتی تھی تجھ سے اپنے خاوند کے حق میں اور جھینکتی تھی

اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ① الَّذِينَ

اللہ کے آگے ، اور اللہ سنتا تھا سوال و جواب تم دونوں کا بیشک اللہ سنتا ہی دیکھتا ہے ، جو لوگ

يُظْهِرُونَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَائِهِمْ مَّا هُنَّ أُمَّهَاتُهُمْ ۚ إِنَّ أُمَّهَاتِهِمْ

ماں کہہ بیٹھیں تم میں سے اپنی عورتوں کو وہ نہیں ہو جاتیں ان کی مائیں ، اُن کی مائیں تو وہی ہیں

إِلَّا إِلَىٰ وَلَدٍ نَّهَضُوا ۚ وَإِنَّ لَهُمْ لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا وَإِنَّ

جنھوں نے اُن کو جنا ، اور وہ بولتے ہیں ایک ناپسند بات اور جھوٹی ، اور اللہ

اللَّهُ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ② وَالَّذِينَ يُظْهِرُونَ مِنْ نِّسَائِهِمْ ثُمَّ

معاف کرنیوالا بخشنے والا ہے ، اور جو لوگ ماں کہہ بیٹھیں اپنی عورتوں کو پھر کرنا

يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۚ مِّنْ قَبْلِ أَن يَتَّخِذُوا ذَلِكُمْ

چاہیں وہی کام جس کو کہا ہی تو آزاد کرنا چاہئے ایک بردہ پہلے اس کے آپس میں ہاتھ لگائیں اس سے

تَوْعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝۲ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ

تم کو نصیحت ہوگی اور اللہ خبر رکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو، پھر جو کوئی نہ پائے تو روزے میں

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتِمَّ اسَابُهَا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ

دو مہینے کے لگاتار پہلے اس سے کہ آپس میں چھوئیں، پھر جو کوئی یہ نہ کر سکے تو کھانا دینا ہو

سِتِّينَ مِسْكِينًا ۚ ذَٰلِكَ لَتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ

ساتھ محتاجوں کا، یہ (حکم) اس واسطے کہ تابع رہو جو اللہ کے اور اس کے رسول کے اور مہینے میں اللہ کی

وَاللَّكْفِيرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۳ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

اور منکروں کی واسطے عذاب ہی دردناک، جو لوگ کہ مخالفت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی وہ

كُتِبُوا لَكُمْ كُتِبَتِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَ

خوار ہوئے ہیں جیسے کہ خوار ہوئے وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے، اور ہم نے تمہاری ہیں آیتیں بہت صاف، اور

لِلَّكْفِيرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝۴ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُم بِمَا

منکروں کے واسطے عذاب ہی ذلت کا، جس دن کہ اٹھائے گا اللہ ان سب کو پھر جملائے گا انکو

عَمَلُوا أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝۵

ان کے کئے کام، اللہ نے وہ سب گن رکھے ہیں اور وہ بھول گئے اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز

سبب نزول | اس سورت کی ابتدائی آیات کے نزول کا سبب ایک خاص واقعہ ہے کہ حضرت اوس

بن القمامتؓ نے ایک مرتبہ اپنی بیوی خولہ کو یہ کہہ دیا کہ اَنْتِ عَلَيَّ كَظْمٌ اُمِّيؓ تو میرے

حق میں ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت یعنی حرام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت

میں یہ لفظ ابدی اور دائمی حرمت کے لئے بولے جاتے تھے، جو طلاق مغلطہ سے بھی زیادہ سخت ہے، حضرت

خولہؓ یہ واقعہ پیش آنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے

حاضر ہوئیں، اس وقت تک اس خاص مسئلے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی

تھی، اس لئے آپؐ نے قول مشہور کے موافق ان سے فرمایا مَا آذَانِي إِلَّا قَدْ حُرِّمَتْ عَلَيَّ يَعْنِي مِيرِي رَأَيْ

میں تو تم اپنے شوہر پر حرام ہو گئیں، وہ یہ سنکر واویلا کرنے لگیں کہ میری جوانی سب اس شوہر کی خدمت میں

ختم ہو گئی، اب بڑھاپے میں انھوں نے مجھ سے یہ معاملہ کیا، میں کہاں جاؤں؟ میرا اور میرے بچوں کا گزارہ

کیسے ہوگا؟ اور ایک روایت میں ہے کہ خولہؓ نے یہ عرض کیا کہ مَا ذَكَرَ طَلَاقًا، یعنی میرے شوہر نے طلاق کا

تو نا بھی نہیں لیا تو پھر طلاق کیسے ہو گئی، اور ایک روایت میں ہے کہ خولہؓ نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْكُوْا اِلَیْكَ، اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے خولہؓ سے یہ فرمایا مَا اَمْرُکَ فِیْ شَانِکَ بِشَیْءٍ حَتّٰی الْاُنَّ، یعنی ابھی تک تمھارے مسئلے کے متعلق مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا ان سب روایات میں کوئی تضاد و تعارض نہیں، بسبھی اقوال صحیح ہو سکتے ہیں، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، کذا فی الدر المنثور و ابن کثیر اس لئے اس سورت کی ابتدائی آیات میں اس خاص مسئلے کا جس کا نام ظہار ہے حکم شرعی بیان فرمایا گیا، جس میں حق تعالیٰ نے حضرت خولہؓ کی فریاد سنی اور ان کے لئے آسانی فرمادی، ان کی وجہ سے حق تعالیٰ نے قرآن میں یہ مستقل احکام نازل فرمادیئے، اسی لئے حضرات صحابہ ان کا بڑا احترام کرتے تھے، ایک روز فاروق اعظمؓ ایک مجمع کے ساتھ چلے جا رہے تھے، یہ عورت خولہؓ سامنے آ کر کھڑی ہو گئیں، کچھ کہنا چاہتی تھیں حضرت عمرؓ نے راستہ میں ٹھہر کر ان کی بات سنی، بعض لوگوں نے کہا کہ آپؐ نے اس بڑھیا کی خاطر اتنے بڑے مجمع کو روک رکھا تو آپؐ نے فرمایا کہ خبر ہے یہ کون ہے؟ یہ وہ عورت ہے جس کی بات اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سنی، میں کون تھا کہ ان کی بات کو مال دیتا، واللہ اگر یہ خود ہی رخصت نہ ہو جاتی تو میں رات تک ان کے ساتھ یہیں کھڑا رہتا (ابن کثیر)

خُلاصۃ تفسیر

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سُن لی جو آپؐ سے اپنے شوہر کے معاملے میں جھگڑتی تھی (مثلاً یہ کہتی تھی مَا ذَکَرْتَ طَلَاقًا، یعنی اُس نے طلاق کا صیغہ تو ذکر نہیں کیا پھر حرمت کیسے ہو گئی) اور (اپنے رنج و غم کی) اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی تھی (مثلاً یہ کہا تھا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْكُوْا اِلَیْکَ، اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سُن رہا تھا) اور (اللہ تعالیٰ تو) سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے (تو اس کی بات کو کیسے نہ سنتا، اور قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ سے خدا تعالیٰ کا مقصود اپنے لئے سمع ثابت کرنا نہیں بلکہ عورت کی تکلیف کو ختم کرنا اور اس کی عاجزی کو قبول کرنا ہے) تم میں جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں (مثلاً یوں کہہ دیتے ہیں اَنْتِ عَلٰی کَظْہَرِ اُمِّیْ) وہ (بیبیاں) ان کی مائیں نہیں ہیں، اُن کی مائیں تو بس وہی ہیں جنھوں نے اُن کو جنما ہے (اس لئے یہ الفاظ کہنے سے یہ عورتیں ان کی مائیں نہیں ہو گئیں تاکہ ہمیشہ کی حرمت مثل ماں کے ثابت ہو جائے، اور کوئی دوسرا سبب بھی دائمی حرمت کا کسی دلیل سے متحقق نہیں، مثلاً تحریم نسب، رضاع یا مصاہرۃ وغیرہ) پس دائمی حرمت کی نفی ہو گئی، اور وہ لوگ (جو کہ بیبیوں کو ماں کہتے ہیں) بلاشبہ ایک نامعقول اور جھوٹ بات کہتے ہیں (اس لئے گناہ ضرور ہوگا) اور (اگر اس گناہ کا تدارک کر دیا جاوے تو وہ گناہ معاف بھی ہو جائے گا کیونکہ) یَقِیْنًا اللہ تعالیٰ معاف کر دینے والے بخش دینے والے ہیں اور (آگے اس تدارک کا بعض صورتوں کے اعتبار

سے بیان ہے کہ جو لوگ اپنی بیبیوں سے خیار کرتے ہیں، پھر اپنی کہی ہوئی بات کے مقتضا کی (جو تحریم زوجہ سے) تلافی کرنا چاہتے ہیں (یعنی بیبیوں سے نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں) تو ان کے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ دونوں (میاں بی بی) باہم اختلاط کریں (صحبت سے یا اسباب صحبت سے) اس (کفارہ کا حکم کرنے) سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے (کفارہ سے علاوہ تکفیر سیئات کے یہ بھی نفع ہے کہ اس سے آئندہ کو تمہیں تنبیہ ہو جاوے گی) اور اللہ تعالیٰ کو تمھارے سب اعمال کی پوری خبر ہے (کہ کفارہ کے متعلق پوری بجا آوری احکام کی کرتے ہو یا نہیں) پس کفارہ میں دو حکمتیں ہو گئیں، ایک گناہ کی معافی جس کی طرف اشارہ ہے *لَعَفْوٌ عَفْوٌ رَّئِیْسٌ*، دوسری زجر و تنبیہ جس کا *تَوْعِظُونَ* میں بیان ہے، اور یہ دوسری حکمت بھی کفارہ کی تینوں قسموں میں ہے، لیکن غلام یا لونڈی آزاد کرنا چونکہ کفارہ کے اقسام میں ذکر مقدم ہے اس لئے اس کو اس کے ساتھ ذکر کر دیا گیا (پھر جس کو (غلام، لونڈی) میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ پے پے (یعنی لگاتار) دو مہینے کے روزے ہیں قبل اس کے کہ دونوں (میاں بی بی) باہم اختلاط کریں پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکیں تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، آگے اس حکم کا مثل دیگر احکام کے واجب التصدیق ہونا اس لئے بیان فرماتے ہیں کہ اس حکم کا مقصد قدیم رسم اور جاہلیت کے حکم کو توڑنا ہے، اس لئے اہتمام مناسب ہوا پس ارشاد ہوا کہ یہ حکم اس لئے (بیان کیا گیا) ہے تاکہ (اس حکم سے متعلق مصلحتوں کے حاصل کرنے کے علاوہ) اللہ اور رسول پر ایمان (بھی) لے آؤ (یعنی ان حکام میں ان کی تصدیق بھی کرو کہ ایمان سے متعلق مصالح بھی حاصل ہوں) اور (آگے مزید تاکید کے لئے ارشاد ہے کہ) یہ اللہ کی حدیں (باندھی ہوئی) ہیں (یعنی خداوندی ضابطے ہیں) اور کافروں کے لئے (جو کہ ان احکام کی تصدیق نہیں کرتے بالخصوص) سخت دردناک عذاب ہوگا (اور مطلق عذاب عمل میں خلل ڈالنے والے کو بھی ہو سکتا ہے، اور کچھ اسی حکم کی تخصیص نہیں بلکہ) جو لوگ اللہ اور رسول کی مخالفت کرتے ہیں (خواہ کسی حکم میں کریں جیسے کفارہ) وہ دنیا میں بھی (ایسے ذلیل ہوں گے جیسے ان سے پہلے لوگ ذلیل ہوئے) (چنانچہ کئی غزوات میں اُس کا وقوع ہوا) اور (مزید ایسے نہ ہو کیونکہ) ہم نے کھلے کھلے احکام (جن کی صحت اعجاز آیات سے ثابت ہے) نازل کئے ہیں (تو ان کا انکار لامحالہ موجب سزا ہوگا اور یہ سزا تو دنیا میں ہوگی) اور کافروں کو (آخرت میں بھی) ذلت کا عذاب ہوگا (اور آگے اس عذاب کا وقت بتلاتے ہیں کہ یہ اس روز ہوگا) جس روز ان سب کو اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کرے گا پھر ان سب کا کیا ہوا ان کو بتلا دیگا (کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے وہ محفوظ کر رکھا ہے اور یہ لوگ اس کو بھول گئے ہیں (خواہ حقیقہً یا باعتبار بے فکری و بے التفاتی کے) اور اللہ ہر چیز پر مطلع ہے (خواہ ان کے اعمال ہوں یا اور کچھ)۔

معارف و مسائل

قَدْ سَمِعَ اللَّهُ الْآيَةَ، ان آیات کا سبب نزول جو اوپر بیان ہو چکا ہے اس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ عورت جس کا ذکر اس آیت میں ہے وہ حضرت اوس ابن الصامت کی بیوی خولہ بنت ثعلبہ ہیں، جن کے شوہر نے ان سے ظہار کر لیا تھا، اور یہ اس کی شکایت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

حق تعالیٰ نے اس کو یہ عزت بخشی کہ اس کے جواب میں قرآن کی یہ آیات نازل ہوئیں اور ان میں صرف ظہار کا حکم شرعی اور اس کی تکلیف دور کرنے کا انتظام ہی نہیں فرمایا، بلکہ اس کی دلداری کے لئے مشروع کلام میں فرمادیا کہ ہم اس عورت کی باتیں سن رہے تھے، جو اپنے شوہر کے معاملہ میں آپ سے مجادلہ کر رہی تھی، مجادلہ سے مراد وہ جھگڑا جس سے مراد ایک مرتبہ جواب دیدینے کے باوجود اپنی تکلیف کو بار بار بیان کر کے آپ کو متوجہ کرنا ہے، اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُن کو یہ جواب دیا کہ تمھارے معاملہ میں مجھ پر کوئی حکم اللہ کا نازل نہیں ہوا تو اس پر غم زدہ کی زبان سے یہ نکلا کہ یوں تو آپ پر ہر چیز کے حکم نازل ہوتے رہتے ہیں میرے بارے میں کیا ہوا کہ وحی بھی رک گئی؟ (فترطی) اور اللہ تعالیٰ سے فریاد شروع کی وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت صدیقہ عائشہؓ فرماتی ہیں پاک ہر وہ ذات جس کا سماع تمام آوازوں کو محیط ہے، ہر ایک کی آواز سنتا ہے میں اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھی، جب خولہ بنت ثعلبہؓ اپنے شوہر کی شکایت بیان کر رہی تھیں، مگر اتنے قریب ہونے کے باوجود ان کی بعض باتیں نہ سن سکی تھی، مگر حق تعالیٰ نے اُن سب کو سنا اور فرمایا قَدْ سَمِعَ اللَّهُ (بخاری، ابن کثیر)

الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْكُمْ مِنْ هَٰؤُلَاءِ يُمْسِكُ بِعُرْفِهِمْ، يُظَاهِرُونَ، ظہار بکسر ظاء سے مشتق ہے جو بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی ایک خاص صورت کے لئے بولا جاتا ہے اور زمانہ اسلام سے پہلے رائج و معروف ہے، وہ صورت یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو یہ کہہ دے اَنْتِ عَلَيَّ كَظَرٍ اُمِّي، یعنی تو مجھ پر ایسی حرام ہے جیسے میری ماں کی پشت، اس موقع پر پشت کا ذکر شاید بطور کنایہ کے ہے، کہ اصل مراد تو بطن تھا ذکر پشت کا کر دیا رکما ذکرہ (فترطی)

ظہار کی تعریف | اصطلاح شرع میں ظہار کی تعریف یہ ہے کہ اپنی بیوی کو اپنی محرماتِ ابدیہ، ماں بہن اور حکم شرعی بیٹی وغیرہ کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کو دیکھنا اس کے لئے جائز نہیں، ماں کی پشت بھی اس کی ایک مثال ہے، زمانہ جاہلیت میں یہ لفظ دائمی حرمت کے لئے بولا جاتا تھا، اور طلاق کے لفظ سے بھی زیادہ شدید سمجھا جاتا تھا، کیونکہ طلاق کے بعد تو رجعت یا نکاح جدید ہو کر

پھر بیوی بن سکتی ہے مگر ظہار کی صورت میں رسم جاہلیت کے مطابق اُن کے آپس میں میاں بیوی ہو کر رہنے کی قطعی کوئی صورت نہ تھی۔

آیات مذکورہ کے ذریعہ شریعت اسلامیہ نے اس رسم کی اصلاح دو طرح فرمائی، اول تو خود اس رسم ظہار کو ناجائز و گناہ قرار دیا، کہ جس کو بیوی سے علیحدگی اختیار کرنا ہے اس کا طریقہ طلاق ہے اس کو اختیار کرے، ظہار کو اس کام کے لئے استعمال نہ کرے کیونکہ یہ ایک لغو اور جھوٹا کلام ہے کہ بیوی کو ماں کہہ دیا، قرآن کریم نے فرمایا مَا مَثَلُ الْمُتَشَبِّهِمْ إِلَّا النَّسْءُ وَكَذَّبْنَاهُمْ، یعنی اُن کے اس بیہودہ کلام کی وجہ سے بیوی ماں نہیں بن جاتی، ماں تو وہی ہے جس کے بطن سے پیدا ہوا ہے، پھر فرمایا وَابْنُ مَرْثَمٍ لِّقَوْلِهِمْ مِّنَ الْكُفْرِ وَكَذَّبْنَاهُمْ، یعنی اُن کا یہ قول جھوٹ بھی ہے کہ خلافت واقع بیوی کو ماں کہہ رہا ہے اور منکر یعنی گناہ بھی ہے۔

دوسری اصلاح یہ فرمائی کہ اگر کوئی نادانقت جاہل یا احکام دین سے غافل آدمی ایسا کر ہی بیٹھے تو اس لفظ سے حرمت ابدی شریعت اسلام میں نہیں ہوتی، لیکن اس کو کھلی چھٹی بھی نہیں دیجاتی کہ ایسا لفظ کہنے کے بعد پھر بیوی سے پہلے کی طرح اختلاط و انتفاع کرتا رہے، بلکہ اس پر ایک حیرانہ کفارہ کا لگایا گیا، کہ اگر پھر یہ اپنی بیوی سے رجوع ہونا چاہتا ہے اور سابق کی طرح بیوی سے انتفاع چاہتا ہے تو کفارہ ادا کر کے اپنے اس گناہ کی تلافی کرے، بغیر کفارہ ادا کئے بیوی حلال نہ ہوگی، اگلی آیت میں وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَاءِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَكَانُوا عِندَنَا مِنكُم مَّا كَانُوهُمْ، یعنی جو لوگ اپنی بیوی سے رجوع کرتے ہیں وہ اپنے قول سے اور حضرت ابن عباسؓ سے يَعُودُونَ کی تفسیر بلفظ يَتَذَمُّونَ بھی منقول ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قول کہنے کے بعد وہ اپنے قول پر نادم ہو جائیں اور پھر بیوی سے اختلاط کرنا چاہیں (منظری)

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفارہ کا وجوب بیوی کے ساتھ اختلاط حلال ہونے کی غرض سے ہے اس کے بغیر حلال نہیں، خود ظہار اس کفارہ کی علت نہیں، بلکہ ظہار کرنا ایک گناہ ہے جس کا کفارہ توبہ و استغفار ہے، جس کی طرف آیت کے آخر میں وَإِنَّ اللَّهَ تَعَفُّوْهُم مِّنْهُم سے اشارہ کر دیا گیا ہے، اس لئے اگر کوئی شخص ظہار کر بیٹھے اور اب بیوی سے اختلاط نہیں رکھنا چاہتا تو کوئی کفارہ لازم نہیں، البتہ بیوی کی حق تلفی ناجائز ہے، اگر وہ مطالبہ کرے تو کفارہ ادا کر کے اختلاط کرنا یا پھر طلاق دے کر آزاد کرنا واجب ہے، اگر یہ شخص خود نہ کرے تو بیوی حاکم اسلام کی طرف مراجعت کر کے شوہر کو اس پر مجبور کر سکتی ہے، یہ سب مسائل کتب فقہ میں مفصل لکھے گئے ہیں۔

فَتَحْوِيْرُ قَبِيْلَةٍ الْاَيَةِ، یعنی کفارہ ظہار کا یہ ہو کہ ایک غلام یا لونڈی آزاد کرے، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو دو مہینے کے لگاتار مسلسل روزے رکھے، اور کسی بیماری یا صنعت کے

سبب اتنے روزوں پر بھی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا بکھلائے، یعنی دونوں وقت پیٹ بھرانی کھانا ساٹھ مسکینوں کو کھلاوے، اور کھانا کھلانے کے قائم مقام یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو فی کس ایک فطرہ کی مقدار گندم یا اس کی قیمت دیدے، فطرہ کی مقدار ہمارے موجودہ وزن کے اعتبار سے پودوں گندم ہیں اس کی قیمت بھی دی جاسکتی ہے۔

ظہار سے متعلق احکام اور اس کے کفارہ کے مفصل مسائل کتب فقہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ کی وادلا اور فریاد پر جب آیات مذکورہ اور کفارہ ظہار کے احکام نازل ہوئے اور شوہر سے دائمی مفارقت و حرمت سے بچنے کا راستہ نکل آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شوہر کو بلایا، دیکھا کہ ضعیف البصر بوڑھا آدمی ہے، آپ نے اس کو نازل شدہ آیات اور کفارہ کا حکم سنایا کہ ایک غلام یا لونڈی آزاد کر دے، اس نے کہا کہ یہ میری قدرت میں نہیں کہ غلام خرید کر آزاد کر دوں آپ نے فرمایا کہ پھر دو مہینے کے مسلسل روزے رکھو، اس نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو برحق بنایا، میری حالت یہ ہے کہ اگر اُن میں دو تین مرتبہ کھانا نہ کھاؤں تو میری نگاہ بالکل ہی جاتی رہتی ہے، آپ نے فرمایا کہ پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا بکھلاؤ، اس نے عرض کیا کہ یہ بھی میری قدرت میں نہیں جس نے اس کے کہ آپ ہی کچھ مدد کریں، آپ نے اس کو کچھ غلہ عطا فرمایا، پھر کچھ دوسرے لوگوں نے جمع کر دیا اس طرح ساٹھ مسکینوں کو فطرے کی مقدار دے کر کفارہ ادا ہو گیا (ابن کثیر)

ذَٰلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝
اس آیت میں یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فرمایا اور مراد ایمان سے شرائع و احکام پر عمل کرنا ہے، اور پھر فرمایا کہ یہ کفار وغیرہ کے احکام اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، ان سے تجاوز کرنا حرام ہے، اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اسلام نے نکاح، طلاق، ظہار اور دوسرے سب معاملات میں جاہلیت کی رسوم کو مٹا کر ان کی جگہ معتدل اور صحیح طریقوں کی تعلیم دی ہے، تم اس پر قائم رہو اور جو لوگ ان حدود شرعیہ کے منکر اور کافر ہیں ان کو دردناک سزا ملے گی، اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَادِّثُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کَیْثًا کَمَا کُیْتُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سابقہ آیت میں حدود اللہ اور شریعت اسلام کے احکام کی پابندی کی تاکید کی تھی، اس میں ان لوگوں پر وعید ہے جو حدود اللہ کے مخالف اور منکر ہیں، اس وعید میں اُن کے لئے دنیا میں بھی انجام کار ذلت و خواری اور ان کے کفریہ عزائم کی ناکامی کا بیان ہوا در آخرت میں عذاب الیم کا۔

اَحْصٰهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۝ میں اس پر تنبیہ ہو کہ غافل انسان دنیا میں گناہ اور فسق و فجور کے کام کرتا رہتا ہے جو اس کو یاد بھی نہیں رہتے اور بھولنے کا سبب دراصل یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کام کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اس لئے ذہن میں بھی نہیں رہتا، وہ سب اللہ تعالیٰ کے پاس لکھے ہوئے ہیں، یہ تو کر کے بھول گئے، مگر اللہ تعالیٰ کو سب یاد ہیں سب پر محاسبہ اور عذاب ہو گا۔

الْمُتَرَانِ اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِنْ

تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ ہر آسمانوں میں اور جو کچھ ہر زمین میں، کہیں نہیں ہوتا

نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا

مشورہ تین کا جہاں وہ نہیں ہوتا ان میں چوتھا اور نہ پانچ کا جہاں وہ نہیں ہوتا ان میں چھٹا اور نہ

أَدْنَى مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ آيِنٌ مَا كَانُوا بِهِ يَنْبِئُهُمْ

اس سے کم اور نہ زیادہ جہاں وہ نہیں ہوتا ان کے ساتھ جہاں کہیں ہوں، پھر جتلا دے گا ان کو

يَسْمَعُ عَمَلَكُمْ أَيَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ⑤ الْم تَرَامِي

جو کچھ انھوں نے کیا قیامت کے دن، بیشک اللہ کو معلوم ہے ہر چیز، تو نے نہ دیکھا اُن

الَّذِينَ نَهَوْا عَنِ النَّجْوَى ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نَهَوْا عَنْهُ وَيَتَنَبَّهُونَ

لوگوں کو جن کو منع ہوئی کانا پھوسی پھر بھی وہی کرتے ہیں جو منع ہو چکا ہے اور کانیں بائیں کرتے ہیں

بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ

گناہ کی اور زیادتی کی اور رسول کی نافرمانی کی اور جب آئیں تیری پاس تجھ کو وہ دعا دیں

بِمَا لَمْ يُحْيِكَ بِهِ اللَّهُ لَا يَقُولُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ

جو دعا نہیں دی تجھ کو اللہ نے اور کہتے ہیں اپنے دل میں کیوں نہیں عذاب کرتا ہم کو اللہ اس پر

بِمَا نَقُولُ حَسْبُكُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ⑥ يَا أَيُّهَا

جو ہم کہتے ہیں کافی ہے ان کو دوزخ داخل ہوں گے اس میں سو بڑی جگہ پہنچے، اے ایمان

الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَ

والوجہ متم بات کرو کان میں تو مت کرو بات گناہ کی اور زیادتی کی اور

مَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي

رسول کی نافرمانی کی اور بات کرو احسان کی اور پرہیزگاری کی اور ڈرتے رہو اللہ سے جس

إِلَيْهِ تَحْشَرُونَ ⑦ إِنَّمَا النَّجْوَى مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزِنَ الَّذِينَ

کے پاس تم کو جمع ہونا ہے، یہ جو ہے کانا پھوسی سو شیطان کا کام ہے تاکہ دنگیر کرے

اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَارٍّ هِمَّ شَيْءٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

ایمان والوں کو اور وہ اُن کا کچھ نہ بگاڑے گا بدون اللہ کے حکم کے اور اللہ پر چاہئے کہ

اَلْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفْسَحُوْا فِى

بھروسہ کریں ایمان والے ، اے ایمان والو جب کوئی تم کو کہے کہ کھل کر بیٹھو مجلسوں

اَلْمَجٰلِسِ فَاَفْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ اَنْشُرُوْا فَاَنْشُرُوْا

میں تو کھل جاؤ اللہ کشادگی دے تم کو ، اور جب کوئی کہے کہ اُٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کھڑے ہو

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۖ وَالَّذِيْنَ اٰوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ط

اللہ بلند کرے گا اُن کے لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں تم میں سے اور علم اُن کے درجے ا

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۱ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَاجَيْتُمُ

اور اللہ کو خبر دے جو کچھ تم کرتے ہو ، اے ایمان والو جب تم کان میں بات کہنا چاہو

الرَّسُوْلَ فَقَدْ مَّوَّابَيْنَ يَدَيَّ نَجْوَاكُمْ صَدَقَتْ ذٰلِكَ خَيْرٌ

رسول سے تو آگے بھیجوا اپنی بات کہنے سے پہلے خیرات ، یہ بہتر ہے تمہارے

لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنْ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲ ؕ اَسْفَقْتُمْ

حق میں اور بہت ستھرا ، پھر اگر نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ، کیا تم ڈر گئے

اَنْ تَقُوْلَ مَّوَّابَيْنَ يَدَيَّ نَجْوَاكُمْ صَدَقْتُ ۚ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَاَقَابَ

کہ آگے بھیجا کر دکان کی بات سے پہلے خیراتیں سو جب تم نے نہ کیا اور اللہ نے

اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَاطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ ط

معاف کر دیا تم کو تو اب تم قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور حکم پر چلو اللہ اور اس کے رسول کے

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۳

اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو ،

شان نزول | اسباب نزول ان آیات کے چند واقعات ہیں ، اول یہود اور مسلمانوں میں صلح تھی ،

لیکن یہود جب کسی مسلمان کو دیکھتے تو اس کے خیالات پریشان کرنے کے لئے آپس میں سرگوشی

کرنے لگے، وہ مسلمان سمجھتا کہ میرے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو اس سے منع فرمایا مگر وہ باز نہ آئے، اس پر آیت اَلَّذِیْنَ یُہُوْا عَنِ النَّجْوٰی النِّزَالِ ہوئی۔

دوم: اسی طرح منافقین بھی باہم سرگوشی کیا کرتے اس پر آیت اِذَا تَنَاجَوْا فَلَا تَنَاجَوْا الْیَہُوْدَ اور آیت اِنَّمَا النَّجْوٰی النِّزَالِ ہوئی، سوم: یہود آپ کے حضور میں آتے تو براہ شراعت بجائے اَلْسَلَامُ عَلَیْکُمْ کہتے کہ اَلْسَلَامُ عَلَیْکُمْ کہتے، سام: یعنی موت کے ہیں، چہارم منافقین بھی اسی طرح کہتے ان دونوں دانتوں پر وَاِذَا جَاہِزٌکَ خِیَوْتُکَ النِّزَالِ ہوا، اور ابن کثیر نے امام احمد کی روایت سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہود اس طرح سلام کر کے خفیہ کہتے لَوْلَا یَحْبِبُّنَا اللّٰهُ بِمَا نَفْعِلُ، یعنی اگر ہم نے یہ گناہ کیا ہے تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا، پنجم ایک بار آپ صفہ مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور مجلس میں مجمع زیادہ تھا، چند صحابہ جو غزوہ بدر کے شرکار میں سے تھے آئے تو ان کو کہیں جگہ نہ ملی، اور نہ اہل مجلس نے ایسا کیا کہ مل کر بیٹھ جاتے جس سے جگہ کھل جاتی، آپ نے جب دیکھا تو بعض آدمیوں کو مجلس سے اٹھنے کے لئے فرما دیا، منافقین نے طعن کیا کہ یہ کونسی انصاف کی بات ہے، اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو اپنے بھائی کے لئے جگہ کھول دے، سو لوگوں نے جگہ کھول دی، اس پر آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفْشَعُوْا النِّزَالِ ہوئی، رواہ ابن کثیر عن ابی حاتم، مجموعہ اجزاء روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اول آپ نے جگہ کھولنے کے لئے فرمایا ہوگا، بعضوں نے تو جگہ کھول دی، جو کافی نہ ہوئی ہوگی، اور بعضوں نے جگہ نہیں کھولی، آپ نے تادیباً جیسے مدارس کے طلبہ میں ہوتا ہے ان کو اٹھ جانے کے لئے فرمایا جو کہ منافقین کو ناگوار ہوا۔

ہشتم بعض اغنیاء حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر بڑی دیر تک آپ سے سرگوشی کیا کرتے اور فقرار کو استفادہ کا وقت کم ملتا، آپ کو ان لوگوں کا دیر تک بیٹھنا اور دیر تک سرگوشی کرنا ناگوار گذرتا اس پر آیت اِذَا تَنَاجَوْا الرَّسُوْلَ النِّزَالِ ہوئی، فتح البیان میں زید بن اسلم سے بلا سند نقل کیا ہے کہ یہود و منافقین بلا ضرورت آپ سے سرگوشیاں کرتے، مسلمانوں کو اس خیال سے کہ شاید کسی نقصان دہ بات کی سرگوشی ہو ناگوار گذرتا، اس پر ان کو منع کیا گیا، جس کا ذکر آیت یُہُوْا عَنِ النَّجْوٰی میں ہے، مگر جب وہ باز نہ آئے تو یہ حکم نازل ہوا اِذَا تَنَاجَوْا الرَّسُوْلَ النِّزَالِ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل باطل اس سرگوشی سے رک گئے، کیونکہ حب مال کی وجہ سے صدقہ ان کو گوارا نہ تھا۔

ہفتم: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دینے کا حکم ہوا تو بہت سے آدمی ضروری بات کرنے سے بھی رک گئے، اس پر آیت تَوَاسَّوْا نَزَلَ ہوئی، حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صدقہ دینے کے حکم میں پہلے سے بھی فَاِنْ لَّمْ تَحِبُّوْا میں ناداروں کو رخصت دیدی گئی تھی، لیکن بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ نہ تو بالکل نادار ہوتے ہیں اور نہ پورے صاحب ثروت ہوتے ہیں گو صاحب نصاب ہوں، غالباً ایسے لوگوں کو تنگی پیش آتی ہوگی کہ کم و سہی

کی وجہ سے تو خرچ کرنا شاق ہوا اور اپنی ناداری میں بھی مشغول ہوا، اس لئے نہ صدقہ دے سکے اور نہ اپنے کو محلِ رخصت سمجھا، اور سرگوشی کرنا کوئی عبادت نہ تھی کہ اس کا چھوڑنا ملامت کا سبب ہو سکے، اس لئے اس سے رک گئے، (الروایات کھلتا فی الدر المنثور) ان اسباب نزول سے فہم تفسیر میں اعانت و سہولت ہوگی (از بیان لغت قرآن)

خلاصہ تفسیر

کیا آپ نے اس پر نظر نہیں فرمائی (مطلب اوروں کو سنانا ہی جو ممنوع کی ہوئی سرگوشی سے باز نہ آتے تھے) کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے (اور اسی میں ان کی تنہا جی یعنی سرگوشی بھی داخل ہے پس) کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں ہوتی جس میں جو تھا وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) نہ ہو اور نہ پانچ کی (سرگوشی) ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو اور نہ اس (عدد) سے کم (میں) ہوتی ہے جیسے دو یا چار آدمیوں میں) اور نہ اس سے زیادہ (میں) ہوتی ہے (جیسے چھ سات یا زیادہ آدمیوں میں) مگر وہ (ہر حالت میں) اُن لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے، (خواہ) وہ لوگ کہیں بھی ہوں، پھر ان (سب) کو قیامت کے روز اُن کے کئے ہوئے کام بتلا دے گا، بے شک اللہ تعالیٰ کو ہر بات کی پوری خبر ہے، اس آیت کا مضمون بعنوان کلی اکملے مضامین جزئیہ کی تمہید ہے یعنی یہ ایذا مسلمین کے لئے باطل سرگوشی کرنے والے خدا سے ڈرتے نہیں کہ خدا کو سب خبر ہے اور ان کو سزا دے گا، آگے وہ جزئی مضامین ہیں، یعنی کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں فرمائی جن کو سرگوشی سے منع کر دیا گیا تھا (مگر) پھر (بھی) وہ وہی کام کرتے ہیں جس سے اُن کو منع کر دیا گیا تھا اور گناہ اور ظلم اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں (یعنی ایسی سرگوشی کرتے ہیں جس میں بوجہ منہی عنہ ہونے کے خود بھی گناہ ہے اور مسلمانوں کو غمگین کرنے کی وجہ سے عداوت یعنی ظلم بھی ہے، اور بوجہ اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منع فرما چکے تھے رسول کی نافرمانی بھی ہر جیسا واقعہ اول اور دوم میں بیان ہوا) اور وہ لوگ (ایسے ہیں کہ) جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو ایسے لفظ سے سلام کرتے ہیں جس سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں فرمایا (یعنی اللہ تعالیٰ کے الفاظ تو یہ ہیں **سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ**، **سَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ**، **صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا**، اور وہ کہتے ہیں **السَّامُ عَلَيْكَ**) اور اپنے جی میں (یا اپنے آپس میں) کہتے ہیں کہ (اگر یہ پیغمبر ہیں تو، اللہ تعالیٰ ہم کو ہمارے اس کہنے پر (جس میں سر اسر آپ کی بے ادبی ہے) سزا فوراً کیوں نہیں دیتا (جیسا واقعہ سوم و چہارم میں گذرا، آگے ان کے اس فعل کی وعید اور اس قول کا جواب ہی کہ جلدی عذاب بعض حکمتوں کے سبب نہ آنے سے مطلقاً عذاب نہ دینا لازم نہیں آتا) اُن (کی سزا)

کے لئے جہنم کافی ہے اس میں یہ لوگ (ضرور) داخل ہوں گے سو وہ بُرا ٹھکانا ہے (آگے ایمان والوں کو خطاب ہے جس سے منافقین کے ساتھ مشابہت کرنے سے ان کو بھی ممانعت کی گئی ہے اور منافقین کو بھی سنانا منظور ہے کہ تم تو مدعی ایمان کے ہو تو مقتضائے ایمان پر عمل کرو پس ارشاد ہے کہ) اور ایمان والو جب تم (کسی ضرورت سے) سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں مت کرو (تفسیر ان الفاظ کی ابھی گزری ہے) اور نفع رسانی اور پرہیزگاری کی باتوں کی سرگوشیاں کرو (بقعدہ) ان کا مقابل ہے، اس سے مراد وہ نفع ہے جو دوسروں تک پہنچے، اور تقویٰ، اتم اور محصیت الرسول یعنی رسول کی نافرمانی کا مقابل ہے) اور اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے، ایسی سرگوشی محض شیطان کی طرف سے (یعنی اس کے بہکانے سے) ہے تاکہ مسلمانوں کو بربخ میں ڈالے (جیسا واقعہ اول میں بیان ہوا) اور آگے اُن مسلمانوں کی تسلی ہے کہ رنجیدہ نہ ہوا کریں، کیونکہ وہ (شیطان) بدون خدا کے ارادہ کے ان (مسلمانوں) کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتا (مطلب یہ کہ اگر بالفرض وہ شیطان کے بہکانے سے تمھارے خلاف ہی کوئی تدبیر کر رہے ہیں تب بھی وہ ضرر بغیر مشیت ازلیہ کے تم کو نہیں پہنچ سکتا پھر کیوں فکر میں پڑتے ہو) اور مسلمانوں کو (ہر امر میں) اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے (آگے واقعہ پنجم کے متعلق حکم ہے، یعنی مجلس میں کچھ لوگ بعد میں آجائیں تو اُن کے لئے جگہ کھولنے کا حکم ہے کہ) اے ایمان والو! جب تم سے کہا جاوے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں یا اولی الامر یا واجب الطاعت لوگوں میں سے کوئی کہے کہ مجلس میں جگہ کھول دو جس میں آنے والے کو بھی جگہ مل جاوے) تو تم جگہ کھولی دیا کرو (اور آنے والے کو جگہ دیدیا کرو) اللہ تعالیٰ تم کو (رجت میں) کھلی جگہ دے گا اور جب (کسی ضرورت سے) یہ کہا جاوے کہ (مجلس سے) اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو اگر وہ (خواہ اٹھنے کے لئے اس غرض سے کہا جاوے کہ آنے والے کے لئے جگہ کھل جاوے اور خواہ اس وجہ سے کہا جاوے کہ صدر مجلس کو اُس وقت کسی مصلحت، مشورہ خاص یا کسی ضرورت آرام یا عبادت وغیرہ سے تنہائی کی ضرورت ہو جو بغیر تنہائی کے مطلقاً حاصل نہ ہو سکیں یا کامل نہ ہو سکیں، پس صدر مجلس کے کھڑے ہونے کے حکم سے اٹھ جانا چاہئے، اور یہ حکم غیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی عام ہے، کذا فی الروح، پس صاحب مجلس کو ضرورت کے وقت اس کی اجازت ہے کہ کسی شخص کو اٹھ جانے کے لئے کہہ دے، البتہ آنے والے کو نہ چاہئے کہ کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھ جائے، جیسا کہ حدیث میں ہے، (رواہ الشیخان) غرض حکم یہ دیا گیا کہ صدر مجلس کے کہنے سے اٹھ جایا کرو) اللہ تعالیٰ اس حکم کی اطاعت سے) تم میں ایمان والوں کے اور (ایمان والوں میں) اُن لوگوں کے (اور زیادہ) جن کو علم (دین) عطا ہوا ہے (آخر دی) درجے بلند کر دے گا (یعنی اس حکم کو بجالانے والوں کی تین قسمیں ہیں ایک کفار جو کسی مصلحت دنیویہ سے مان لیں جیسے منافقین وہ تو لفظ منکم کی بناء پر اس وعدہ سے خارج ہیں

دوسرے اہل ایمان جو صاحب علم نہ ہوں ان کے لئے محض رفع درجات ہے، تیسرے وہ اہل ایمان جو اہل علم بھی ہوں، چونکہ بوجہ علم و معرفت ان کے عمل کا منشاء زیادہ خشیت و زیادہ خلوص ہے، جس سے عمل کا ثواب بڑھ جاتا ہے ان کے لئے مزید رفع درجات ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو تمھارے سب اعمال کی پوری خبر ہے (کہ کس کا عمل ایمان کے ساتھ ہے اور کس کا بغیر ایمان کے، پھر اس میں کس کے عمل میں کم خلوص ہو اور کس کے عمل میں زیادہ خلوص ہے، اس لئے ہر ایک کی جزاء و ثمرہ میں تفاوت رکھا، آگے واقعہ ہفتم کے متعلق حکم ہے جو واقعہ اول و دوم سے مربوط ہے یعنی) اے ایمان والو جب تم رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سرگوشی (کرنے کا ارادہ) کیا کرو تو اپنی اس سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات (مساکین کو) دیدیا کرو (جس کی مقدار آیت میں منصوص نہیں، اور روایات حدیث میں مختلف مقداریں آتی ہیں، ظاہراً مقدار غیر معین معلوم ہوتی ہے، لیکن معتد بہ ہونا ضروری ہے) یہ تمھارے لئے (ثواب حاصل کرنے کے واسطے) بہتر ہے اور (گناہوں سے) پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے (کیونکہ طاعت سے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے، یہ مصلحت مالدار مومنین کے اعتبار سے ہے، اور فقراء مومنین کے اعتبار سے یہ ہے کہ ان کو نفع مالی پہنچے گا، جیسے لفظ صدقہ سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ صدقہ کے مصارف فقراء ہی ہیں، اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اعتبار سے یہ ہے کہ اس میں آپ کی شان کی بلندی ہے، اور منافقین کی سرگوشی سے آپ کو جو تکلیف ہوتی تھی اس سے نجات اور آرام ہے، کیونکہ ان کو ضرورت تو تناجی یعنی سرگوشی کی تھی نہیں، اور بے ضرورت محض اس لئے مال خرچ کرنا ان کو از حد شاق تھا، اور غالباً اس صدقہ میں حکم یہ ہوگا کہ سب کے سامنے صدقہ کریں تاکہ نہ کرنے والا دھوکہ نہ دے سکے، آگے فرماتے ہیں کہ یہ حکم تو مقدور کی حالت میں ہے) پھر اگر تم کو (صدقہ دینے کا) مقدور نہ ہو اور ضرورت پڑے سرگوشی کی) تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے (اس صورت میں اس نے تم کو معاف کر دیا ہے، اس سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم صدقہ کا واجب تھا، مگر ناداری کی صورت مستثنیٰ تھی، آگے واقعہ ہفتم کے متعلق جو کہ واقعہ ہفتم سے مربوط ہے ارشاد ہے کہ) کیا تم (یعنی تم میں کے بعض جن کا بیان واقعہ ہفتم کے ذیل میں ہوا ہے) اپنی سرگوشی کے قبل خیرات دینے سے ڈر گئے سو (خیر) جب تم (اس کو) نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے تمھارے حال پر عنایت فرمائی (کہ بالکل اس کو منسوخ کر کے معاف فرما دیا جس کی حکمت ظاہر ہے کہ جس مصلحت کے واسطے یہ حکم واجب ہوا تھا وہ مصلحت حاصل ہو گئی کیونکہ مصلحت سد باب تھی جو بعد نسخ بھی باقی رہی کہ لوگ احتیاط کرنے لگے، غرض ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ فرما دیا) تو تم (دوسری عبادت کے پابند رہو یعنی) نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ و رسول کا کہنا مانا کرو (مطلب یہ ہے کہ اس کے نسخ کے بعد تمھارے قرب قبولِ نجات کے لئے احکام باقیہ پر استقامت و ہمیشگی ہی کافی ہے) اور اللہ کو تمھارے سب اعمال کی (اور ان کی حالت ظاہری و باطنی کی) پوری خبر ہے

معارف و مسائل

آیات مذکورہ اگرچہ خاص واقعات کی بناء پر نازل ہوئی ہیں جن کا ذکر اور پریشان نزول میں آچکا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ سبب نزول کچھ بھی ہو ہدایات قرآنی عام ہوتی ہیں، ان میں عقائد و عبادات اور معاملات معاشرت کے متعلق تمام احکام ہوتے ہیں، ان آیات میں بھی باہمی سرگوشی اور مشورے کے متعلق چند ایسی ہی ہدایات ہیں۔

خفیہ مشوروں کے متعلق ایک ہدایت

خفیہ مشورہ عموماً مخصوص رازدار دوستوں میں ہوتا ہے، جن پر یہ اطمینان کیا جاتا ہے کہ اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کریں گے، اس لئے ایسے موقع پر ایسے منصوبے بھی بنائے جاتے جن میں کسی پر ظلم کرنا ہے، کسی کو قتل کرنا ہے، کسی کی املاک پر قبضہ کر لینا ہے، وغیرہ، حق تعالیٰ نے ان آیات میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا علم ساری کائنات پر حاوی ہے تم کہیں کیسا ہی چھپ کر مشورہ کرو اللہ تعالیٰ اپنے علم اور سمجھ و بصیرت کے اعتبار سے تمہارے پاس موجود ہوتا ہے، اور تمہاری ہر بات کو دیکھتا سنتا اور جانتا ہے، اگر اس میں کوئی گناہ کر دے تو سزا سے نہ بچو گے، اس میں بتلانا تو یہ ہے کہ تم کتنے ہی کم یا زیادہ آدمی مشورہ اور سرگوشی میں شریک ہو حق تعالیٰ ان میں موجود ہوتا ہے، مثال کے طور پر رد وعدہ بتلا دیئے گئے، تین اور پانچ، یعنی اگر تم تین آدمی مشورہ کر رہے ہو تو سمجھو کہ چوتھا اللہ تعالیٰ وہاں موجود ہے، اور پانچ آدمی مشورہ کر رہے ہو تو سمجھو کہ چھٹا حق تعالیٰ موجود ہے، تین اور پانچ کے عدد کی تخصیص میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ جماعت کے لئے اللہ کے نزدیک طاق عدد پسند ہو (منا یکون من تجوی ثلاثہ الایہ) کا یہی حاصل ہے۔

سرگوشی اور مشورے کے متعلق ایک ہدایت

اَلَمْ تَرَ اِلٰی الَّذِیْنَ مَنَّوْا عَلَی النَّجْوٰی، واقعہ شان نزول میں بتلایا گیا ہے کہ جس زمانے میں یہود سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ صلح ہو گیا تھا اس وقت وہ کھل کر تو مسلمانوں کے خلاف کوئی کام نہ کر سکتے تھے، مگر اسلام اور مسلمانوں سے دل میں بھرا ہوا بغض نکالنے کا ایک طریقہ اختیار کیا تھا کہ جب صحابہ کرام میں سے کسی کو اپنے قریب آتے دیکھتے تو باہم سرگوشی اور خفیہ مشورہ کی شکل بنا لیتے، اور آنے والے مسلمانوں کی طرف کچھ اشارے کرتے جس سے ان کو یہ خیال پیدا ہوتا کہ ہمارے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں اور اس سے پریشانی اور بے چارہ ہو جاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایسی سرگوشی سے منع فرمایا، تَبَوُّوا النَّجْوٰی میں اسی ممانعت کا بیان ہے۔ اس ممانعت سے یہ حکم مسلمانوں کے لئے بھی نکل آیا کہ وہ بھی آپس میں کوئی سرگوشی اور مشورہ اس طرح نہ کریں جس سے دوسرے کسی مسلمان کو ایذا پہنچے۔

بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: اِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَوْنَ حَتَّى يَخْتَلِفُوا بِالْأَنَاسِ فَإِنَّ ذَلِكَ يَحْزَنُهُ، یعنی جس جگہ تم تین آدمی جمع ہو تو دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر باہم سرگوشی اور خفیہ باتیں نہ کیا کرو جب تک دوسرے آدمی نہ آجائیں، کیونکہ اس سے اس کی دشمنی ہوگی (غیرت اور اجنبیت کا احساس ہوگا اور ممکن ہو کہ ایسے شبہات پیدا ہو جائیں کہ شاید یہ دونوں کوئی بات میرے خلاف کر رہے ہیں جو مجھ سے چھپاتے ہیں) (از منطری)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْأَلْسِنَةِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْأَلْسِنَةِ وَالْقَوَى، سابقہ آیات میں کفار کو ناجائز سرگوشی پر تنبیہ کی گئی تھی، اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت ہے، کہ اپنی سرگوشیوں اور مشوروں میں اس کا دھیان رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے سب حالات اور گفتگو کا علم ہے اور اس استحضار کے ساتھ یہ کوشش کریں کہ ان کے مشورے اور سرگوشی میں کوئی بات فی نفسہ گناہ کی یا دوسروں پر ظلم کرنے کی یا کسی خلاف شرع کام کی نہ ہو، بلکہ جب بھی آپس میں مشورہ کرو نیک کاموں کے لئے کرو۔

کفار کی شرارت پر بھی نرمی اور | سابقہ آیات کے ضمن میں یہودیوں اور منافقوں کی ایک شرارت یہ بھی ذکر کی گئی ہے کہ وہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے

شریفانہ مدافعت کی ہدایت

تو بجائے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کے اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ کہتے تھے، سَام کے معنی موت کے ہیں، اور لفظوں میں زیادہ فرق نہ ہونے کے سبب مسلمانوں کو اس طرف التفات نہ ہوتا تھا، ایک روز ایسا ہی ہوا، صدیقہ عائشہؓ بھی سن رہی تھیں جب انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ کہا تو صدیقہ عائشہؓ نے جواب دیا اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ وَتَعَسَّكُمْ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْكُمْ یعنی ہلاکت تم پر ہو اور خدا کی لعنت و غضب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقہؓ کو ایسا کہنے سے روکا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فحش کلام کو پسند نہیں فرماتے، آپ کو سختی و درشتی سے بچنا اور نرمی اختیار کرنا چاہئے، صدیقہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ نے نہیں سنا کہ ان لوگوں نے آپ کو کیا کہا ہے، آپ نے فرمایا کہ ہاں سن بھی لیا اور اس کا معتدل بدلہ بھی لے لیا، کہ میں نے جواب میں کہہ دیا عَلَيْكُمْ یعنی ہلاکت تم پر ہو، اور یہ ظاہر ہے کہ انکی دعا قبول ہوگی نہیں، میری دعا قبول ہوگی، اس لئے ان کی شرارت کا بدلہ ہو گیا (رواہ البخاری از منطری)

بعض آداب مجلس | يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فَاذْجَبُوا أَلْيَةً، یہ حکم عام مجالس کا ہے جہاں مسلمانوں کا اجتماع ہو کہ جب مجلس میں کچھ لوگ بعد میں آجائیں تو مسلمان ان کیلئے جگہ دینے کی کوشش کریں اور سٹ کر بیٹھ جائیں، ایسا کرنے پر اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کیلئے اللہ تعالیٰ وسعت پیدا فرما دیں گے، یہ وسعت آخرت میں تو ظاہر ہی ہے کچھ بعید نہیں کہ دنیوی عیشت میں بھی یہ وسعت حاصل ہو۔

اس آیت میں دوسرا حکم آداب مجلس کے متعلق یہ ہے کہ اِذَا قِيلَ اَنْشُرُوا فَاَنْشُرُوا یعنی جب (تم میں سے کسی سے) کہا جائے کہ مجلس سے اٹھ جاؤ تو اُسے اٹھ جانا چاہئے۔ اس آیت میں لفظ قیل مجہول استعمال فرمایا ہے اس کا ذکر نہیں کہ یہ کہنے والا کون ہو، مگر احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آنے والے شخص کو اپنے لئے جگہ کرنے کے واسطے کسی کو اس کی جگہ سے اٹھانا جائز نہیں۔

صحیحین اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا يَقِيْمُ السَّجْدَ الْجُلُ مِنْ مَجْلِسِهِ فَيَجْلِسُ فِيْهِ وَلٰكِنْ تَفْسَحُوْا وَتَوَسَّعُوْا یعنی کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھے، بلکہ مجلس میں کشادگی پیدا کر کے آنے والے کو جگہ دیدیا کر دو (ابن کثیر)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو اس کی جگہ سے اٹھ جانے کے لئے کہنا آنے والے شخص کے لئے تو جائز نہیں اس لئے ظاہر یہ ہے کہ اس کا کہنے والا میر مجلس یا مجلس کا انتظام کرنے والے افراد ہو سکتے ہیں، تو مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اگر میر مجلس یا اس کی طرف سے مقرر کردہ منتظمین کسی کو اس کی جگہ سے اٹھ جانے کیلئے کہیں تو ادب مجلس یہ ہے کہ اُن سے مزاحمت نہ کرے، اپنی جگہ سے اٹھ جائے، کیونکہ بعض اوقات خود صاحب مجلس کسی ضرورت سے خلوت اختیار کرنا چاہتا ہے، یا کچھ مخصوص لوگوں سے کوئی راز کی بات کرنا چاہتا ہے، یا بعد میں آنے والے حضرات کے لئے اس کے سوا کوئی انتظام نہیں یا تاکہ بعض بے تکلف لوگوں کو مجلس سے اٹھا دے جن کے متعلق معلوم ہو کہ ان کا کوئی نقصان مجلس سے اٹھنے میں نہیں ہوگا، یہ دوسرے وقت میں استفادہ کر سکیں گے۔

البتہ صاحب مجلس یا منتظمین مجلس کے لئے یہ لازم ہے کہ طریقہ ایسا اختیار کریں کہ اٹھنے والا اپنی خفت محسوس نہ کرے، اس کو ایذا نہ پہنچے۔

اور جس واقعہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صفہ مسجد میں تشریف رکھتے تھے، یہ جگہ حاضرین سے پُر ہو چکی تھی، بعد میں بعض اکابر صحابہ جو شرکاء بدر ہونے کے سبب قابل احترام زیادہ تھے وہ پہنچے، اور جگہ نہ ہونے کے سبب کھڑے رہے، اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو عام حکم یہ دیا کہ ذرا کھسک کر مجلس میں کشادگی پیدا کرو اور اُن کو جگہ دیدو، اور بعض حضرات صحابہ کو اٹھ جانے کے لئے بھی فرمایا، جن کو مجلس سے اٹھایا ان میں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ ہر وقت کے حاضر باش لوگ ہوں جن کے اس وقت کی مجلس سے اٹھ جانے میں کوئی بڑا نقصان نہیں تھا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے جب مجلس میں وسعت کرنے اور سمٹ کر بیٹھنے کا حکم دیا تو کچھ لوگوں نے اس پر عمل نہیں کیا، اُن کو تادیباً مجلس سے اٹھ جانے کا حکم دیا ہو۔

بہر حال اس آیت اور احادیث واردہ سے آداب مجلس کے متعلق ایک تو یہ بات معلوم ہوئی

کہ اہل مجلس کو چاہئے کہ بعد میں آنے والوں کو جگہ دینے کی کوشش کریں، اور دوسری بات آنے والوں کے لئے یہ ثابت ہوتی کہ وہ کسی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائیں، تیسری بات صاحب مجلس کے لئے یہ ثابت ہوتی کہ وہ ضرورت سمجھے تو بعض لوگوں کو مجلس سے اٹھا دینے کی بھی اس کو گنجائش ہے، اور بعض دوسری روایات حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنے والوں کے لئے ادب یہ ہے کہ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں میں گھسنے کے بجائے کسی کنا لے پر بیٹھ جائے جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں تین آنے والے شخصوں کا ذکر ہے ان میں ایک وہ بھی ہے جو مجلس میں جگہ نہ پانے کی وجہ سے ایک گوشہ میں بیٹھ گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پھر تعریف و ثناء فرمائی۔

مسئلہ: مجلس کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دو شخصوں کے درمیان بغیر ان کی اجازت کے داخل نہ ہو، کہ بعض اوقات دونوں کے یک جا بیٹھنے میں ان کی کوئی خاص مصلحت ہوتی ہے، حضرت اسامہ بن زید لیشی ث کی روایت ابو داؤد و ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَا يَجْلِسُ لِرَجُلٍ اَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَ اِثْنَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا یعنی کسی شخص کے لئے حلال نہیں کہ دو شخص جو ملے بیٹھے ہیں ان کے درمیان تفریق پیدا کرے جب تک کہ ان سے ہی اجازت نہ ملے (ابن کثیر)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَجَاسَعْتُمْ اَلرَّسُولَ اَلْاَيَةُ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم و اصلاح خلق کے کام میں تو شب و روز مشغول رہتے ہی تھے، مجالس عامہ میں سب حاضرین مجلس آپ کے ارشادات سے فائدہ اٹھاتے تھے، اس سلسلے میں ایک صورت یہ بھی تھی کہ بعض لوگ آپ سے علیحدگی میں خفیہ بات کرنا چاہتے اور آپ وقت دیدیتے تھے، یہ ظاہر ہے کہ ایک ایک شخص کو الگ وقت دینا بڑا وقت بھی چاہتا ہے اور محنت بھی، اس میں کچھ منافقین کی شرارت بھی شامل ہو گئی کہ مخلص مسلمانوں کو ایذا پہنچانے کے لئے آپ سے علیحدگی اور سرگوشی کا وقت مانگتے اور اس میں مجلس کو طویل کر دیتے تھے بعض ناواقف مسلمان بھی بات لمبی کر کے مجلس طویل کر دیتے تھے، حق تعالیٰ نے آپ سے یہ بوجھ ہٹا کر دے کے لئے ابتداء یہ حکم نازل فرمایا کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدگی میں خفیہ بات کرنا چاہے وہ پہلے کچھ صدقہ کر دے، اس صدقہ کی کوئی مقدار قرآن میں منقول نہیں، مگر جب یہ آیت نازل ہوئی تو سب پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس پر عمل فرمایا، اور ایک دینار صدقہ کر کے آپ سے علیحدگی میں بات کرنے کا وقت لیا۔

اس آیت پر صرف حضرت علیؓ نے عمل کیا تھا پھر منسوخ ہو گئی اور کسی کو عمل کی نوبت نہیں آئی، اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اس حکم سے چونکہ بہت صحابہ کرام کو تنگی پیش آئی اس لئے بہت جلد ہی منسوخ کر دیا گیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن میں ایک آیت ایسی ہے جس پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا، نہ مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا، اور نہ میرے بعد کوئی کرے گا، پہلے نہ کرنا

تو ظاہر ہے بعد میں نہ کرنا اس لئے کہ نسخ ہو گئی وہ آیت یہی تقدیم صدقہ کی ہو (ابن کثیر)
یہ حکم اگرچہ نسخ ہو گیا مگر جس مصلحت کے لئے جاری کیا گیا تھا وہ اس طرح حاصل ہو گئی کہ مسلمان تو
اپنی دلی نجات کے تقاضہ سے ایسی مجلس طویل کرنے سے بچ گئے اور منافقین اس لئے کہ عام مسلمانوں کے طرز کے
خلافت ہم نے ایسا کیا تو ہم پہچان لئے جاویں گے اور لفاق کھل جاوے گا، واللہ اعلم

الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ مِنْكُمْ

کیا تو نے نہ دیکھا اُن لوگوں کو جو دوست ہوئے ہیں اس قوم کے جن پر غصہ ہوا، اللہ نہ وہ تم میں ہیں

وَلَا مِنْهُمْ ۖ وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ

اور نہ اُن میں ہیں، اور قسمیں کھاتے ہیں جھوٹ بات پر اور ان کو خبر ہے، تیار رکھا ہے اللہ نے اُن کیلئے

عَذَابًا شَدِيدًا ۖ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۴﴾ اِتَّخَذُوا آيَاتِهِمْ

سخت عذاب بیشک وہ بُرے کام ہیں جو وہ کرتے ہیں، بنا رکھا ہے اپنی قسموں کو

جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۱۵﴾ لَنْ تَغْنِيَ

دُھال پھر روکتے ہیں اللہ کی راہ سے تو ان کو زلت کا عذاب ہے، کام نہ آئیں گے

عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

ان کو اُن کے مال اور نہ اُن کی اولاد اللہ کے ہاتھ سے کچھ بھی، وہ لوگ ہیں دوزخ

النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۶﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ

کے وہ اسی میں پڑے رہیں گے، جس دن جمع کرے گا اللہ ان سب کو پھر قسمیں کھائیں گے اُس کے

كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۖ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ

آگے جیسے کھاتے ہیں تمہارے آگے، اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ کچھ بھلی راہ پر ہیں، سنتا ہی وہی ہیں اصل

الَّذِينَ بُوِّنَ ﴿۱۷﴾ اِسْتَعُوذُ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ط

جھوٹے، قابو کر لیا ہے اُن پر شیطان نے پھر بھلا دی اُن کو اللہ کی یاد،

أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۖ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۱۸﴾

وہ لوگ ہیں گروہ شیطان کا، سنتا ہی جو گروہ شیطان کا وہی خراب ہوتے ہیں،

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ②۰

جو لوگ خلاف کرتے ہیں اللہ کا اور اس کے رسول کا وہ لوگ ہیں سب سے بے قدر لوگوں میں ،

كُتِبَ اللَّهُ لَا غَلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ②۱ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ②۲ لَا تَجِدُ

اللہ لکھ چکا کہ میں غالب ہوں گا اور میرے رسول بیشک اللہ زور آور ہو زبردست ، تو نہ پائے گا کسی

قَوْمًا يُوَفُّونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

قوم کو جو یقین رکھتے ہوں اللہ پر اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہو کر اللہ کے اور اس کے

وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ

رسول کے خواہ وہ اپنے باپ ہوں یا اپنے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے گھرانے کے ، اُن کے دلوں میں

كُتِبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانُ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِنْهُ ②۳ وَيَدْخُلُهُمُ

اللہ نے لکھ دیا ہے ایمان اور اُن کی مدد کی ہو اپنے غیب کے فیض سے اور داخل کر دیا اُن کو

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ

باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں اُن میں اللہ ان سے راضی اور

وَرَضُوا عَنْهُ ②۴ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ②۵ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ

وہ اس سے راضی وہ لوگ ہیں گردہ اللہ کا سننا ہی جو گردہ ہے اللہ کا وہی

الْمُقْلِحُونَ ②۶

مراد کو پہنچنے ،

خلاصہ تفسیر

کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں فرمائی جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ نے غضب کیا ہے (پہلے لوگوں سے مراد منافقین ہیں اور دوسرے لوگوں سے مراد یہود و جمیع کفار مجاہدین ، اور منافقین چونکہ یہودی تھے اس لئے اُن کی دوستی یہود سے اور اسی طرح اور کفار سے بھی مشہور اور معلوم ہے) یہ منافق لوگ نہ تو پورے پورے تم میں ہیں اور نہ (پورے پورے) ان ہی میں (بلکہ ظاہر میں تو تم سے ملے ہوئے ہیں ، اور باطناً و عقیدۃ کفار کے ساتھ ہیں) اور جھوٹی بات پر قسمیں کھا جاتے ہیں (وہ جھوٹی بات یہی ہے کہ ہم

مسلمانوں میں شامل ہیں کقولہ تعالیٰ ذَٰلِیْقُوْنَ بِاٰیٰتِہِمْ یٰمُتَّکُمْ وَ مَاہُمْ بِتٰسِکُمْ اور وہ (خود بھی) جانتے ہیں (کہ ہم جھوٹے ہیں، آگے اُن کے لئے وعید ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے (کیونکہ) بیشک وہ بُرے بُرے کام کیا کرتے تھے (چنانچہ کفر و نفاق سے بدتر کونسا کام ہو گا؟ اور اپنی بُرے کاموں میں سے ایک بُرا کام یہ ہے کہ) انھوں نے اپنی (ان جھوٹی) قسموں کو (اپنے بچاؤ کے لئے) ڈھال بنا رکھا ہے (تاکہ مسلمان ہم کو مسلمان سمجھ کر ہماری جان و مال سے تعرض نہ کریں) پھر (اوروں کو بھی) خدا کی راہ (یعنی دین) سے روکتے رہتے ہیں (یعنی بہکاتے رہتے ہیں) سو (اس وجہ سے) اُن کے لئے ذلت کا عذاب ہونے والا ہے (یعنی وہ عذاب جیسا شدید ہو گا ایسا ہی ذلیل کرنے والا بھی ہو گا، اور جب وہ عذاب ہونے لگے گا تو) اُن کے اموال اور اولاد اللہ کے عذاب سے اُن کو ذرا نہ بچا سکیں گے (اور) یہ لوگ دوزخی ہیں (اس میں تعین فرمادی اُس عذاب شدید و مہین کی کہ وہ دوزخ ہے اور) وہ لوگ اس (دوزخ) میں ہمیشہ رہنے والے ہیں (آگے وقت عذاب کا بتلاتے ہیں کہ وہ عذاب اُس روز ہو گا جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو (مع دیگر مخلوقات کے) دوبارہ زندہ کرے گا سو یہ اس کے روبرو بھی (جھوٹی) قسمیں کھا جاویں گے جس طرح تمھارے سامنے قسمیں کھا جاتے ہیں (جیسا مشرکین کی جھوٹی قسم قیامت کے دن اس آیت میں مذکور ہے وَ اللّٰہُ رَبُّنَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ) اور یوں خیال کریں گے کہ ہم کسی اچھی حالت میں ہیں (کہ اس جھوٹی قسم کی بدولت بچ جاویں گے) خوب سن لو یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں (کہ خدا کے سامنے بھی جھوٹ بولنے سے نہ چوکے اور ان کی جو حرکات اور مذکور ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ) اُن پر شیطان نے پورا تسلط کر لیا ہے (کہ اس کے کہنے پر عمل کر رہے ہیں) سو اُس نے اُن کو خدا کی یاد بھلا دی (یعنی اس کے احکام کو چھوٹ بیٹھے واقعی) یہ لوگ شیطان کا گروہ ہے، خوب سن لو کہ شیطان کا گروہ ضرور برباد ہونے والا ہے (آخرت میں تو ضرور ادرگاہے دنیا میں بھی، اور ان کی یہ حالت کیوں نہ ہو کہ یہ اللہ اور رسول کے مخالف ہیں، اور قاعدہ کلیہ ہو کہ) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں یہ لوگ (اللہ کے نزدیک) سخت ذلیل لوگوں میں ہیں (جب اللہ کے نزدیک ذلیل ہیں تو آثار مذکورہ کا ترتیب کیا مستبعد ہی، اور جس طرح خدا تعالیٰ نے ان کے لئے ذلت تجویز فرما رکھی ہے اسی طرح مطیعین کے لئے عزت، کیونکہ وہ لوگ اللہ اور رسولوں کے متبع ہیں اور) اللہ تعالیٰ نے یہ بات (اپنے حکم ازلی میں) لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے (جو کہ حقیقت ہی عزت کی، مقصود یہاں غلبہ بیان کرنا ہے انبیاء کا، اپنا ذکر تشریف انبیاء کے لئے فرما دیا پس جب رُسل ذی عزت ہیں تو ان کے متبعین بھی، اور معنی غلبہ کے سورۃ مائدہ کی آیت اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ هُمْ الْغٰلِبُوْنَ اور سورۃ مؤمن کی آیت لَنْ نَّضْرَہُ وَاَرْسِلْنَا الْخٰلِکَ ذِیْلٌ میں گزر چکے ہیں، بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا غلبہ والا ہے (اس لئے وہ جس کو چاہے غالب کر دے، آگے دوستی کفار میں منافقین کے حال کے خلاف اہل ایمان کا حال بیان فرماتے ہیں کہ) جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر دپورا پورا ایمان رکھتے

ہیں آپ اُن کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور رسول کے برخلاف ہیں گو وہ اپنے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہوں لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان کے قلوب کو اپنے فیض سے قوت دی ہے رفیع سے مراد نور ہے، یعنی مقتضائے ہدایت پر ظاہراً عمل و باطناً سکون قلب و ہُوَ الْمَذْكُورُ فِی قَوْلِ تَعَالٰی ہُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ نُّوْرٍ، چونکہ یہ نور سببِ ہر زیادتِ حیات معنویہ کا اس لئے اس کو روح سے تعبیر فرمایا، یہ دولت تو ان کو دنیا میں ملی، کقولہ تعالیٰ اُولٰٓئِكَ عَلٰی ہُدًی مِّنْ رَّبِّہُمْ، اور آخرت میں اُن کو یہ نعمت ملے گی کہ اُن کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہونگے یہ لوگ اللہ کا گروہ ہے خوب سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے (کقولہ تعالیٰ اُولٰٓئِكَ ہُمْ الْمُفْلِحُونَ، بعد قولہ اُولٰٓئِكَ عَلٰی ہُدًی مِّنْ رَّبِّہُمْ)

معارف و مسائل

اَلَمْ تَرَ اِلٰی الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ، ان آیات میں حق تعالیٰ نے ان لوگوں کی بد حالی اور انجام کار عذاب شدید کا ذکر فرمایا ہے جو اللہ کے دشمنوں کافروں سے دوستی رکھیں، کفار خواہ مشرکین ہوں یا یہود و نصاریٰ یا دو سکر اقسام کے کفار کسی مسلمان کے لئے دلی دوستی کسی سے جائز نہیں، اور وہ عقلاً ہو بھی نہیں سکتی، کیونکہ مؤمن کا اصل سرمایہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہو، کفار اللہ تعالیٰ کے مخالف اور دشمن ہیں، اور جس شخص کے دل میں کسی شخص کی سچی محبت اور دوستی ہو اس سے یہ ممکن ہی نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کے دشمن سے بھی محبت اور دوستی رکھے، اسی لئے قرآن کریم کی بہت سی آیات میں موالاتِ کفار کی شدید حرمت و ممانعت کے احکام آئے ہیں، اور جو مسلمان کسی کافر سے دلی دوستی رکھے تو اس کو کفار ہی کے زمرہ میں شامل سمجھے جانے کی وعید آتی ہے، لیکن یہ سب احکام دلی اور قلبی دوستی کے متعلق ہیں۔

کفار کے ساتھ حسن سلوک، ہمدردی، خیر خواہی، اُن پر احسان، حسن اخلاق سے پیش آنا یا تجارتی اور اقتصادی معاملات اُن سے کرنا، دوستی کے مفہوم میں داخل نہیں، یہ سب امور کفار کے ساتھ بھی جائز ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا کھلا ہوا تعامل اس پر شاہد ہے، البتہ ان سب چیزوں میں اس کی رعایت ضروری ہے کہ ان کے ساتھ ایسے معاملات رکھنا اپنے دین کے لئے مضر نہ ہو اپنے ایمان اور عمل میں مستی پیدا نہ کرے اور دوسرے مسلمانوں کے لئے بھی مضر نہ ہو۔

اس مسئلہ میں موالات اور مواسات اور معاملات کے فرق کی پوری تفصیل سورۃ آل عمران

آیت لَا یَتَّخِذُ الْمُؤْمِنُونَ الْکَافِرِیْنَ اَوْلِیَاءَ کے تحت معارف القرآن جلد دوم صفحہ ۴۴ تا ۴۹ میں

گزر چکی ہے وہاں مطالعہ کر لیا جائے۔

وَيَحْلِفُونَ عَلَىٰ أَكْثَرِ بَابٍ، بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی اور عبداللہ بن نبیل منافق کے بارے میں نازل ہوئی، جس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ تشریف رکھتے تھے تو فرمایا کہ اب تمھارے پاس ایک ایسا شخص آنے والا ہے جس کا قلب قلب جبار ہے اور جو شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے، اس کے بعد ہی عبداللہ بن نبیل منافق داخل ہوا جو نیلگوں چشم، گندم گوں، پست قد، خفیف الحجہ تھا، آپ نے اس سے فرمایا کہ تم اور تمھارے ساتھی مجھے کیوں گالیاں دیتے ہو؟ اس نے حلف کر کے کہا کہ میں نے ایسا نہیں کیا، پھر اپنے ساتھیوں کو بھی بلالیا انھوں نے بھی یہ جھوٹا حلف کر لیا، حق تعالیٰ نے اس آیت میں اُن کے جھوٹ کی خبر دیدی (قرطبی)

مسلمان کی دلی دوستی لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءًا لَهُمْ، کسی کافر سے نہیں ہو سکتی الا یہ، پہلی آیات میں کفار و مشرکین سے دوستی کرنے والوں پر غضب الہی اور عذاب شدید کا ذکر تھا، اس آیت میں تو متین مخلصین کا حال اُن کے مقابل بیان فرمایا کہ وہ کسی ایسے شخص سے دوستی اور دلی تعلق نہیں رکھتے جو اللہ کا مخالف یعنی کافر ہے، اگرچہ وہ ان کا باپ یا اولاد یا بھائی یا اور قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو۔

صحابہ کرام بھی کا حال یہ تھا، اس جگہ مفسرین نے بہت سے صحابہ کرام کے واقعات ایسے بیان کئے ہیں جن میں باپ بیٹے، بھائی وغیرہ سے جب کوئی بات اسلام یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سنی تو سارے تعلقات کو بچھڑا کر ان کو سزا دی بعض کو قتل کیا۔

عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے عبداللہ کے سامنے اس کے منافق باپ نے حضور کی شان میں گستاخانہ کلمہ بولا تو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ میں اپنے باپ کو قتل کر دوں، آپ نے منع فرمادیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے اُن کے باپ ابو قحافہ نے حضور کی شان میں کچھ کلمہ گستاخانہ کہہ دیا تو اُرجم اُنت صلیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اتنا غصہ آیا کہ زور سے طمانچہ رسید کیا جس سے ابو قحافہ گر پڑے، آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ آئندہ ایسا نہ کرنا، حضرت ابو عبیدہ بن جراح کے والد جراح غزوہ اُحد میں کفار کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آئے تو میدان جہاد میں وہ بار بار حضرت ابو عبیدہ کے سامنے آتے وہ ان کے دپے تھے، یہ سامنے سے ٹل جاتے، جب انھوں نے مسلسل یہ صورت اختیار کی تو ابو عبیدہ نے اُن کو قتل کر دیا، یہ اور ان کے امثال بہت سے واقعات صحابہ کرام کے پیش آئے، ان پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں (قرطبی)

مسئلہ: بہت سے حضرات فقہاء نے یہی حکم فساد و فحار اور دین سے عملاً منحرف مسلمانوں کا قرار دیا ہے کہ اُن کے ساتھ دلی دوستی کسی مسلمان کی نہیں ہو سکتی، کام کاج کی ضرورتوں میں اشتراک

یا مصاحبت بقدر ضرورت الگ چیز ہے، دل میں دوستی کسی فاسق و فاجر کی اسی وقت ہوگی جبکہ فسق و فجور کے جرائم خود اس کے اندر موجود ہوں گے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں فرمایا کرتے تھے **اللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ لِّفَاجِرٍ عَلَيَّ يَدًا**، یعنی یا اللہ مجھ پر کسی فاجر آدمی کا احسان نہ آنے دیجئے، کیونکہ شریف نفس انسان اپنے محسن کی محبت پر طبعاً مجبور ہوتا ہے اس لئے فساق و فجار کا احسان قبول کرنا جو ذریعہ ان کی محبت کا بنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی پناہ مانگی (قرطبی)

وَآيَةٌ لَهُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ، یہاں رُوح کی تفسیر بعض حضرات نے نور سے کی ہے جو بجانب اللہ مومن کو ملتا ہے اور وہی اس کے عمل صالح کا اور قلب کے سکون و اطمینان کا ذریعہ ہوتا ہے، اور یہ سکون و اطمینان ہی بڑی قوت ہے، اور بعض حضرات نے رُوح کی تفسیر قرآن اور دلائل قرآن سے کی ہے وہی مومن کی اصل طاقت و قوت ہے، (قرطبی) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

تَمَّتْ

سُورَةُ الْمُجَادَلَةِ بِحَمْدِهِ وَعَوْنِهِ لِيُخْرِجَ
جَمَادَى الْأُولَى سَلَامٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ
وَبِذَلِكَ الْحَمْدُ وَيَتْلُوهُ إِشَاءَ اللَّهِ تَعَالَى
تَفْسِيرُ سُورَةِ الْحَشْرِ

سُورَةُ الْحَشْرِ

سُورَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ أَرْبَعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً وَثَلَاثٌ وَرُكُوعَاتٌ

سورۃ حشر مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی چوبیس آیتیں ہیں اور تین رکوع ،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے ،

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ

اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست

الْحَكِيمُ ① هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ

حکمت والا ، وہی ہے جس نے نکال دیا ان کو جو منکر ہیں کتاب والوں میں

مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا وَظَنُّوا

ان کے گھروں سے پہلے ہی اجتماع پر لشکر کے ، تم نہ اُٹھ کر تھے کہ نکلیں گے وہ اور وہ خیال

أَنَّهُمْ مَا نَعْتَهُمْ حَصُونُ اللَّهِ مِنَ اللَّهِ فَأَنظَرْنَاهُمْ إِلَى اللَّهِ مِنْ حَيْثُ

رکھتے تھے کہ ان کو بچالیں گے ان کے قلعے اللہ کے ہاتھ سے پھر پہنچا اُن پر اللہ جہاں سے ان کو

لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَدْ فِي قُلُوبِهِمُ الرَّعْبُ يَخْرَبُونَ بِمُؤْمِنِهِمْ

خیال نہ تھا ، اور ڈال دی اُن کے دلوں میں دھماک اُجاڑنے لگے اپنے گھر

بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ ②

اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں ، سو عبرت پکڑو اے آنکھ والو ،

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وَلَوْلَا اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ لَعَذَّبْتُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي

اور اگر نہ ہوتی یہ بات کہ لکھ دیا تھا اللہ نے اُن پر جلا وطن ہونا تو اُن کو عذاب دیتا دنیا میں اور آخرت

الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَ

میں اُن کے لئے ہے آگ کا عذاب ، یہ اس لئے کہ وہ مخالف ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور

مَنْ يُشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَانِ اللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ مَا قَطَعْتُمْ مِمِّنْ

جو کوئی مخالف ہو اللہ سے تو اللہ کا عذاب سخت ہے ، جو کاٹ ڈالا تم نے کھجور کا

لَيِّنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ اَصْوِلِهَا فَاِذِنِ اللّٰهُ وَلِيْخَرِيْ لِّلْفٰسِقِيْنَ ۝

درخت یا رہنہ دیا کھڑا اپنی جڑ پر سو اللہ کے حکم سے اور تاکہ رسوا کرے منافقوں کو

رابطہ سورت اور

شان نزول

پہلی سورت میں یہود کی دوستی جو منافقین نے اختیار کر رکھی تھی اس کی مذمت کا بیان

تھا، اس سورت میں یہود پر دنیا میں جلا وطنی کی سزا اور آخرت کا عذاب مذکور ہے

اور قصہ اُن یہود کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ میں تشریف

لائے تو یہود سے معاہدہ صلح کا ہو چکا تھا، اور ان یہودیوں کے مختلف قبائل میں ایک قبیلہ بنو نضیر کا تھا وہ

بھی معاہدہ صلح میں داخل تھا، اور یہ لوگ مدینہ طیبہ سے دو میل پر رہتے تھے، ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا

کہ عمر بن اُمیہ صرمی کے ہاتھ سے دو قتل ہو گئے تھے جس کا خوں بہا سب کو مل کر ادا کرنا تھا، آپ نے اپنے

مسلمانوں سے اس کے لئے چندہ حاصل کیا، پھر یہ ارادہ ہوا کہ یہود بھی اذروئے صلح نامہ مسلمانوں کے ساتھ یہاں

خونبہا کی رستم میں ان کو بھی شریک کیا جائے، اس کام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنو نضیر

کے پاس تشریف لے گئے، انھوں نے یہ سازش کی کہ آپ کو قتل کر دینے کا موقع ہمارے ہاتھ آگیا، اس لئے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جگہ بٹھلا دیا، اور کہا کہ ہم خونبہا کی رستم جمع کرنے کا انتظام کرتے ہیں،

اور خفیہ مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ جس دیوار کے نیچے آپ تشریف فرما ہیں کوئی شخص اوپر چڑھ کر کوئی بڑا

بھاری پتھر آپ کے اوپر چھوڑ دے کہ آپ کا کام تمام ہو جائے، آپ کو فوراً بذریعہ وحی اُن کی یہ سازش

معلوم ہو گئی، آپ وہاں سے اٹھ کر واپس تشریف لائے اور ان سے کہلا بھیجا کہ تم نے عہد شکنی کر کے صلح

توڑ دی اس لئے اب تمہیں دس روز کی ہلت دی جاتی ہے اس میں تم جہاں چاہو چلے جاؤ، اس مدت کے بعد

جو شخص یہاں نظر آوے گا اس کی گردن مار دی جاوے گی، انھوں نے چلے جانے کا ارادہ کیا تو عبد اللہ

ابن ابی منافق نے ان کو روکا، کہ کہیں نہ جاؤ، میرے پاس دو ہزار آدمیوں کی جمعیت ہے جو اپنی جان

دیدیں گے، تم پر آج نہ آنے دیں گے، اور رُوح المعانی میں ابن اسحق کی روایت سے اس میں عبد اللہ

کے ساتھ ولیم بن مالک اور مؤید اور راعش کا شریک ہونا بھی لکھا ہے، یہ لوگ اُن کے کہنے میں آگئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلا بھیجا کہ ہم کہیں نہیں جائیں گے، آپ سے جو کچھ ہو سکے کر لیجئے، آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس قبیلہ پر حملہ آور ہوئے، اور یہ لوگ قلعہ بند ہو گئے، اور منافقین منہ چھپا کر بیٹھ گئے، آپ نے ان کا محاصرہ کر لیا، اور ان کے درخت جلا دیئے، کچھ کٹوا دیئے، آخر تنگ آ کر انہوں نے جلا وطن ہونا منظور کر لیا، آپ نے اس حال میں بھی ان کے ساتھ یہ رعایت کی کہ حکم دیدیا کہ جتنا سامان تم ساتھ لے جا سکتے ہو لیجاؤ، بجز ہتھیار کے وہ ضبط کر لئے جاویں گے، یہ لوگ بکھل کر کچھ شام میں چلے گئے، کچھ خیبر میں، اور حرص دنیا کی وجہ سے اپنے گھروں کی کڑیاں، تختے، کواڑ تک اکھاڑ کر لے گئے، اور یہ قصہ غزوہ اُحُد کے بعد ربیع الاول سنہ ۳ھ میں پیش آیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو دوسرے یہودیوں کے ساتھ شام کی طرف نکال دیا، یہ دونوں جلا وطنی حشر اول اور حشر ثانی کہلاتی ہیں، کذافی زاد المعاد

خلاصہ تفسیر

اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ آسمانوں اور زمین میں مخلوقات (ایں اور وہ زبردست) اور حکمت والا ہے چنانچہ اس کی علوشان اور قدرت اور حکمت کا ایک اثر یہ ہے کہ وہی جو جس نے (ان) کفار اہل کتاب (یعنی بنی نصیر) کو اُن کے گھروں سے پہلی بار اکٹھا کر کے نکال دیا، (یعنی بقول ہر اس کے قبل اُن پر یہ مصیبت واقع نہ ہوئی تھی) یہ مصیبت اُن پر پہلی بار ہی آئی ہے جو اُن کی حرکات شنیعہ کا ثمرہ ہے اور اس میں ایک لطیف اشارہ ہے ایک پیشین گوئی کی طرف کہ اُن کے لئے پھر بھی ایسا اتفاق ہوگا، چنانچہ دوبارہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام یہود کو جزیرہ عرب سے نکال دیا، کذافی الخازن اور اشارہ کو لطیف اس لئے کہا گیا کہ لفظ اول ہمیشہ مقتضی نہیں ہوتا کہ اس کا کوئی ثانی بھی ہو، چنانچہ بولتے ہیں فلاں عورت کے پہلی ہی بار بچہ پیدا ہوا ہے، ان کا گھروں سے نکال دینا مسلمانوں کی طاقت اور غلبہ کا اثر تھا، آگے اس کی تقریر ہے کہ اے مسلمانوں ان کا سامان و شوکت دیکھ کر تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ دیکھی اپنی گھروں سے نکلیں گے اور (خود) انہوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ان کے قلعے ان کو اللہ کے انتقام سے بچالیں گے (یعنی اپنے قلعوں کے استحکام پر ایسے مطمئن تھے کہ اُن کے دل میں انتقام غیبی کا خطرہ بھی نہ آتا تھا، پس اُن کی حالت مشابہ اس شخص کے تھی جس کا یہ گمان ہو کہ ان کے قلعے اللہ کی گرفت سے بچالیں گے، اور اگر خاص قبیلہ بنو نصیر کے قلعے متحدہ نہ ہوں تو حصوٰں ہم جمع کی ضمیر مطلق یہود کی طرف ہوگی، اور انہم کی ضمیر بھی، اور صرف ظن و اکی ضمیر بنی نصیر کی طرف ہو جاوے گی، یعنی بنی نصیر کا یہ خیال تھا کہ سب یہود کو ان کے قلعے حوادث سے بچالیں گے، ان سب یہود میں یہ بھی آگئے، کہ اپنے قلعہ کو اپنا محافظ سمجھتے تھے) سو اُن پر خدا کا عقاب ایسی جگہ سے پہنچا کہ ان کو خیال (اور گمان) بھی نہ تھا،

مراد اس جگہ سے یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں نکالے گئے جن کی بے سرو سامانی پر نظر کر کے اس کا احتمال بھی نہ تھا کہ یہ بے سامان ان باسامیوں پر غالب آجائیں گے، اور ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا رعب ڈال دیا کہ اس رعب کی وجہ سے نیکلے کا قصہ کیا اور اس وقت یہ حالت تھی کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے بھی اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی اُجاڑ رہے تھے (یعنی خود بھی کڑی سختی لے جانے کے واسطے اپنے مکانات کو منہدم کرتے تھے اور مسلمان بھی ان کے قلب کو صدمہ پہونچانے کے واسطے منہدم کرتے تھے، اور مسلمانوں کے منہدم کرنے کو بھی ان کی طرف منسوب اس لئے کیا کہ سبب اس انہدام کا وہی لوگ تھے، کیونکہ انھوں نے عہد شکنی کی اور وہ فعل یہود کا ہے پس اسناد سبب کی طرف ہو گئی، اور مسلمانوں کا ہاتھ بمنزلہ آلہ کے ہو گیا) سوائے دانش مند و (اس حالت کو دیکھ کر) عبرت حاصل کرو کہ انجامِ خدا و رسول کی مخالفت کا بعض اوقات دنیا میں بھی نہایت بُرا ہوتا ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ ان کی قسمت میں جلا وطن ہونا نہ لکھ چکتا تو ان کو دنیا ہی میں (قتل کی) سزا دیتا (جس طرح ان کے بعد بنی قریظہ کے ساتھ معاملہ کیا گیا) اور (گو دنیا میں عذابِ قتل سے بچ گئے لیکن) ان کے لئے آخرت میں دوزخ کا عذاب (تیار) ہے (اور) یہ سزائے جلا وطنی دنیا میں اور سزائے نار آخرت میں) اس سبب سے ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرتا ہے (اور وہی مخالفت رسول کی بھی ہے) تو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے (یہ مخالفت دو طرح کی ہوئی، ایک نفعِ عہد سے جس سے کہ سزائے جلا وطنی ہوئی اور دوسرے عدم ایمان سے جو سبب عذابِ آخرت کا ہے، آگے یہود کے ایک طعن کا جواب ہے جو درختوں کے کاٹنے اور جلانے کے باب میں کیا تھا کہ ایسا کرنا تو فساد ہے اور فساد مذموم ہے، کذا فی الدرر نیز بعض مسلمانوں نے باوجود اجازت کے یہ سمجھ کر کہ ترک جائز جائز ہے اور آخر میں یہ درخت مسلمانوں ہی کے ہو جائیں گے تو ان کا رہنا ہی بہتر ہے، نہیں کاٹے، اور بعض نے یہ سمجھ کر کہ یہود کا دل دیکھے گا کاٹ دیئے، کذا فی الدرر، جواب کے ساتھ ان دونوں فعل کی بھی تصویب ہے پس ارشاد ہے کہ جو کچھ دونوں کے درخت تم نے کاٹ ڈالے (اسی طرح جو جلادینے) یا ان کو ان کی جڑوں پر (بجھا لیا) کھڑا رہنے دیا سو (دونوں باتیں) خدا ہی کے حکم (اور رضا) کے موافق ہیں اور تاکہ کافروں کو ذلیل کرے (یعنی دونوں فعل میں مصلحت ہے، چنانچہ ترک میں بھی مسلمانوں کی ایک کامیابی اور کفار کو غیظ میں ڈالنا ہے کہ یہ مسلمان اس کو برتیں گے، اور قطع کرنے اور جلادینے میں بھی مسلمانوں کی دوسری کامیابی یعنی ظہور آثارِ غلبہ اور کفار کو غیظ میں ڈالنا ہے کہ مسلمان ہماری چیزوں میں کیسے تصرفات کر رہے ہیں، پس دونوں امر جائز ہیں، اور حکمت پر مبنی ہونے کے سبب ان میں کوئی قباحت نہیں۔

معارف و مسائل

سورۃ حشر پوری یہود کے قبیلۃ بنو نضیر کے متعلق نازل ہوئی ہے (قالہ ابن اسحق) اور حضرت ابن عباسؓ اس سورت کا نام ہی سورۃ بنی نضیر کہا کرتے اور قبیلۃ بنو نضیر کی تاریخ،

تھے (ابن کثیر) بنو نضیر یہود کا ایک قبیلہ ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہے، ان کے آباء و اجداد تورات کے عالم تھے، جس میں حضرت خاتم الانبیاء علیہ السلام کی خیر اور آپ کا علیہ اور علامات مذکور تھے، اور یہ کہ ان کی، بھرت یثرب (مدینہ) کی طرف ہوگی، یہ خاندان اس طرح میں کہ خاتم الانبیاءؐ کے ساتھ رہیں شام سے مدینہ طیبہ منتقل ہوا تھا، ان کے موجودہ لوگوں میں بھی کچھ تورات کے عالم تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد علامات دیکھ کر پہچان بھی لیا تھا کہ یہ ہی خاتم الانبیاءؐ ہیں، لیکن ان کا خیال تھا کہ وہ آخری نبی ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ان کے خاندان میں ہوں گے، اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل کے بچاتے بنی اسمعیل میں مبعوث ہوئے تو ان جس نے ان لوگوں کو ایمان لانے سے روک دیا، مگر دل میں ان کے اکثر لوگ آپ کے آخر الانبیاء ہونے کو جانتے پہچانتے تھے، اور غزوۃ بدر میں مسلمانوں کی حیرت انگیز فتح اور مشرکین کی شکست دیکھ کر ان کا یہ یقین کچھ اور بڑھا بھی تھا، اس کا اقرار ان کی زبانوں سے سنا بھی گیا، مگر اس ظاہری فتح و شکست کو حق و باطل کے پہچاننے کا معیار بنا لینا ہی ایک بودی اور کمزور بنیاد تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ غزوۃ اُحُد میں جب ابتداءً مسلمانوں کو شکست ہوئی، کچھ حضرات صحابہ شہید ہوئے تو ان کا یقین ممتزلزل ہو گیا، اور اس کے بعد سے انھوں نے مشرکین مکہ کے ساتھ ساز باز شروع کر دی۔

اس سے پہلے یہ واقعہ ہو چکا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ پہنچ کر حکیمانہ سیاست کے مقتضی پر سب سے پہلا کام یہ کیا تھا کہ مدینہ طیبہ میں اور شہر کے آس پاس کچھ یہود کے قبائل آباد تھے، ان سے معاہدہ صلح اس پر کر لیا تھا کہ یہ لوگ نہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں گے اور نہ کسی جنگ کرنے والے کی امداد کریں گے، اگر ان پر کوئی حملہ آدرہوا تو مسلمان ان کی امداد کریں گے، صلحنامہ میں اور بھی بہت سی دفعات تفصیل جن کی تفصیل سیرت ابن ہشام وغیرہ میں مذکور ہے، اسی طرح یہود کے تمام قبائل کی جن میں بنو نضیر بھی داخل تھے، مدینہ طیبہ سے دو میل کے فاصلہ پر ان کی بستی اور مضبوط قلع اور باغات تھے۔

غزوۃ اُحُد تک تو یہ لوگ بظاہر اس صلحنامہ کے پابند نظر آئے، مگر اُحُد کے بعد انھوں نے غداری کی اور خفیہ خیانت شروع کر دی، اس غدروہ خیانت کی ابتداء اس سے ہوئی کہ بنو نضیر کا ایک سردار کعب بن اشرف غزوۃ اُحُد کے بعد اپنے یہودیوں کے چالیس آدمیوں کے ایک قافلہ کے ساتھ

مکہ معظمہ پہنچا اور یہاں کے کفار قریش جو غزوہ بدر کی شکست کا بدلہ لینے کی نیت سے غزوہ احد پر گئے تھے، اور اس میں بالآخر شکست کھا کر واپس ہو چکے تھے اُن سے ملاقات کی، اور ان دونوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کا ایک معاہدہ ہونا قرار پایا، جس کی تکمیل اس طرح کی گئی کہ کعب بن اشرف اپنے چالیس یہودیوں کے ساتھ اور ان کے بالمقابل ابوسفیان اپنے چالیس قریشیوں کے ساتھ حرم بیت اللہ میں داخل ہوئے، اور بیت اللہ کا پردہ پھوٹ کر یہ معاہدہ کیا کہ ہم ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں گے۔

کعب بن اشرف اس معاہدہ کے بعد مدینہ طیبہ واپس آیا تو جبریل امین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سارا واقعہ اور معاہدہ کی تفصیل بتلا دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف کے قتل کا حکم جاری فرمادیا، چنانچہ محمد بن مسلمہ صحابیؓ نے اس کو قتل کر دیا۔

اس کے بعد بنو نضیر کی مختلف خیانتیں اور سازشیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتی رہیں، جن میں ایک وہ واقعہ ہے جو اوپر شان نزول کے عنوان سے لکھا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی اور اگر فوری طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ وحی اس سازش پر مطلع نہ ہوتے تو یہ لوگ اپنی سازش قتل میں کامیاب ہو جاتے، کیونکہ جس مکان کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انھوں نے بٹھایا تھا اس کی چھت پر چڑھ کر ایک بڑا بھاری پتھر آپ کے سر مبارک پر چھوڑ دینے کا منصوبہ تقریباً مکمل ہو چکا تھا، جو شخص اس منصوبہ کو عملی صورت دینے والا تھا اس کا نام عمر بن جحاش تھا، حق تعالیٰ جل شانہ نے آپ کی حفاظت فرمائی اور یہ منصوبہ فیل ہو گیا۔

ایک عبرت | یہ بھی عجیب معاملہ ہے کہ بعد کے واقعہ میں سارے ہی بنو نضیر جلا وطن ہو کر مدینہ سے نکل گئے، مگر ان میں سے صرف دو آدمی مسلمان ہو کر محفوظ و مامون رہے، ان دو میں ایک یہی عمر بن جحاش تھے دوسرے اُن کے چچا یا مین بن عمرو بن کعب تھے (ابن کثیر)

عمر بن امیہ ضمری کا واقعہ | شان نزول کے واقعہ میں جو یہ ذکر آیا ہے کہ عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ سے دو قتل ہو گئے تھے ان کا خوں بہا جمع کرنے کی کوشش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اسی خون بہا کے سلسلے میں بنو نضیر کا چندہ حاصل کرنے کے لئے آپ ان کی بستی میں تشریف لے گئے تھے، اس کا واقعہ ابن کثیر نے یہ بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف کفار کی سازشیں اور مظالم کی داستان تو بہت طویل ہے، ان میں سے ایک واقعہ تبرموند کا تاریخ اسلام میں معروف و مشہور ہے، کہ بعض منافقین کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بستی میں تبلیغ اسلام کے لئے صحابہ کرام کی ایک جماعت بھیجنے کی درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کرام کے ساتھ کئے، بعد میں حقیقت یہ کھلی کہ ان لوگوں نے یہ محض سازش کی تھی، ان سب کو گھیر کر قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور وہ اس

میں کامیاب ہو گئے، ان میں سے صرف عمرو بن امیہ ضمری کسی طرح نکل کر بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے، جو بزرگ ابھی کفار کی یہ غداری اور خیانت اور اپنے اہلتر بھائیوں کا بیدردی سے قتل دیکھ کر آ رہے تھے ان کا جذبہ کفار کے مقابلہ میں کیا ہو گا ہر شخص خود اندازہ کر سکتا ہے، اتفاق یہ ہوا کہ مدینہ طیبہ واپس آنے کے وقت راستہ میں ان کو دو کافروں سے سابقہ پڑا، انھوں نے دونوں کو قتل کر دیا، بعد میں معلوم ہوا کہ دونوں آدمی قبیلہ بنی عامر کے تھے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ صلح تھا۔

مسلمانوں کے معاہدات آجکل کے سیاسی لوگوں کے معاہدات تو ہوتے نہیں کہ پہلے ہی خلافت وزی اور عہد شکنی کی راہیں تلاش کر لی جاتی ہیں، یہاں تو جو کچھ زبان یا قلم سے نکلتا تھا دین و مذہب اور خدایتا کے حکم کی حیثیت رکھتا تھا، اور اس کی پابندی لازمی تھی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس غلطی کا علم ہوا تو آپ نے اصول شرعیہ کے مطابق ان دونوں مقتولوں کی دیت (خونہیا) ادا کرنے کا فیصلہ فرمایا اور اس کے لئے مسلمانوں سے چندہ کیا، اس میں بنو نضیر کے پاس بھی چندہ کے سلسلے میں جانا ہوا (ابن کثیر) بنو نضیر کو جلا وطن کرنے کے وقت آج کے بڑے حکمران اور بڑی حکومتیں جو انسانی حقوق کے تحفظ پر بڑے اسلام اور مسلمانوں کی رواداری بڑے لیکچر دیتے ہیں اور اس کے لئے ادالے قائم کرتے ہیں اور دنیا میں تحفظ موجودہ اہل سنت کے لئے سبق آموز معاملہ حقوق انسانیت کے چودھری کہلاتے ہیں ذرا اس واقعہ پر نظر ڈالیں کہ بنو نضیر کی مسلسل سازشیں، خیانتیں، قتل رسول م کے منصوبے جو آپ کے سامنے آتے رہے اگر آجکل کے کسی حکمران اور کسی سربراہ مملکت کے سامنے آئے ہوتے تو ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کرتا، آجکل تو زندہ لوگوں پر پیٹرول چھڑک کر میدان صاف کر دینا کسی بڑے اقتدار و حکومت کا بھی محتاج نہیں، کچھ غنڈے شریعہ جمع ہو جاتے ہیں اور یہ سب کچھ کر ڈالتے ہیں، شاہانہ غیظ و غضب کے کرشمے کچھ اس سے آگے ہی ہوتے ہیں۔

مگر یہ حکومت خدا کی اور اس کے رسول م کی ہے جب خیانتیں اور غداریاں انتہا کو پہنچ گئیں تو اس وقت بھی ان کے قتل عام کا ارادہ نہیں فرمایا، ان کے مال و اسباب چھین لینے کا کوئی تصور نہیں تھا، بلکہ (۱) اپنا سب سامان لے کر صرف ہشتر خالی کر دینے کا فیصلہ کیا (۲) اور اس کے لئے بھی دس روز کی ہجرت دی کہ آسانی سے اپنا سامان ساتھ لے کر اطمینان سے کسی دوسرے مقام پر منتقل ہو جائیں جب اس کی بھی خلاف ورزی کی تو قومی اقدام کی ضرورت پیش آئی، (۳) اس لئے کچھ درخت تو جلائے گئے، کچھ کاٹے گئے کہ ان پر اثر پڑے، مگر قلعہ کو آگ لگا دینے کا یا ان کے قتل عام کا حکم اس وقت بھی نہیں دیا گیا۔

(۴) پھر جب مجبور ہو کر ان لوگوں نے شہر خالی کر دینا منظور کر لیا تو اس فوجی اقدام کے باوجود

ان کو یہ اختیار دیا گیا کہ ایک اونٹ پر جس قدر سامان ایک آدمی لے جاسکتا ہے لے جائے، اُسی کا

نتیجہ تھا کہ انھوں نے اپنے مکانوں کی کڑیاں، تختے، دروازے، کواڑ تک اتار کر لاد لئے۔

(۵) اس ساز و سامان کے ساتھ منتقل ہونے والوں کو کسی مسلمان نے ترچھی نظر سے نہیں دیکھا، امن و

عافیت اور پورے اطمینان کے ساتھ سامان لیکر رخصت ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ معاملات اس وقت کے ہیں جبکہ آپ کو اپنے دشمن سے انتقام

پورا پورے لینے کی مکمل قدرت و طاقت حاصل تھی، ان غدار، خائن، سازشی دشمنوں کے ساتھ اُس وقت آپ کا یہ معاملہ اسی کی نظیر ہے جو فتح مکہ کے بعد اپنے قدیمی دشمنوں کے ساتھ آپ نے فرمایا۔

لَا تَزِلُ الْاَحْشَرِ، بنو نضیر کی اس جلا وطنی کو قرآن کریم نے اَدْل حشر فرمایا، حشر کے معنی اُٹھ جانے

کھڑے ہو جانے کے ہیں، اول حشر کہنے کی ایک وجہ خلاصہ تفسیر میں بیان ہو چکی ہے کہ یہ لوگ زمانہ قدیم میں

ایک جگہ آباد تھے، نقل مکانی اور جلا وطنی کا یہ واقعہ اُن کو پہلی بار پیش آیا، اور دوسری وجہ یہ بھی ہے

کہ اسلام کا اصل حکم آگے یہ آنے والا تھا کہ جزیرۃ العرب کو غیر مسلموں سے خالی کرایا جائے، تاکہ وہ

اسلام کا ایک مستحکم قلعہ بن سکے، اس کے نتیجے میں ایک دوسرا حشر آئندہ بشکل جلا وطنی ہونے والا تھا، جو عملاً

حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں ہوا کہ ان میں سے جو لوگ منتقل ہو کر خیبر میں آباد ہو گئے تھے انکو

جزیرۃ العرب کے باہر چلے جانے کا حکم دیا گیا، اس لحاظ سے بنو نضیر کی یہ جلا وطنی پہلا حشر اور دوسری جلا وطنی

بعد عمری دوسرا حشر ہوا۔

فَاَتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا، اس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہو کہ آگیا ان کے پاس اللہ

تعالیٰ اس انداز سے کہ ان کو اس کا گمان بھی نہ تھا، اللہ کے آنے سے مراد اس کے حکم اور حکم بردار فرشتوں

کا آنا ہے۔

يُخْرِبُوْنَ بَنُو قَلْتُمْ بِاَيِّ يَّحِيْمُ وَاَيُّدِي الْمَوْتِ مَنِ، اُن کا اپنے مکانات کا اپنے ہاتھوں

خراب کرنا تو اس طرح ہوا کہ اپنے دروازے، کواڑ ساتھ لے جانے کے لئے اکھاڑے، اور مسلمانوں کے

ہاتھوں اس طرح کہ جب یہ قلعہ بند تھے تو قلعہ سے باہر مسلمانوں نے اُن پر اثر ڈالنے کے لئے درختوں اور مکانوں

کو ویران کیا۔

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمْوهَا قَائِمَةً عَلٰٓى اَصْوِلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيْ خُرِي

الْفَسِقِيْنَ، لفظ لیئۃ کھجور کے ہر درخت یا عجمہ کے علاوہ باقی درختوں کے لئے بولا جاتا ہے، بنو نضیر

کے باغات کھجور کے تھے، جب قلعہ بند ہو گئے تو بعض صحابہ کرام نے ان لوگوں کو غیظ دلانے اور اُن پر

رعب ڈالنے کے لئے اُن کی کھجوروں کے چند درختوں کو کاٹ کر یا جلا کر ختم کر دیا، اور بعض دوسرے

صحابہ کرام نے خیال کیا کہ انشاء اللہ فتح ہماری ہوگی، اور یہ درخت اور باغات مسلمانوں کے ہاتھ آئیں گے

تو کیوں ان کو ضائع کیا جائے وہ ان کے کاٹنے جلانے سے باز رہے، یہ ایک رائے کا اختلاف تھا، بعد

ہیں جب آپس میں گفتگو ہوئی تو جن حضرات نے کچھ درخت کاٹے یا جلانے سے تھے اُن کو یہ فکر ہوئی کہ شاید ہم گناہگار ہو گئے کہ جو مال مسلمانوں کو ملنے والا تھا اُس کو نقصان پہونچایا، اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی جس نے دونوں فریق کے عمل کو جائز و درست فرمایا، اور دونوں کو باذن اللہ میں داخل کر کے حکم الہی کی تعمیل قرار دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | اس آیت میں ان درختوں کے کاٹنے جلانے یا اُن کو باقی چھوڑنے کے دونوں مختلف عملوں کو باذن اللہ فرمایا ہے، حالانکہ قرآن کی کسی آیت میں دونوں میں سے کوئی بھی حکم مذکور نہیں، ظاہر تو یہ ہے کہ دونوں حضرات نے جو عمل کیا، وہ اپنے اجتہاد سے کیا، زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لی ہو مگر قرآن نے اس اجازت کو جو کہ ایک حدیث تھی اذن اللہ قرار دے کر واضح کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی طرف سے تشریع احکام کا اختیار دیا گیا ہے، اور جو حکم آپ جاری فرمادیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم میں داخل ہے، اس کی تعمیل قرآنی آیات کی تعمیل کی طرح فرض ہے۔

اجتہاد میں اختلاف کی دونوں جانبوں | دوسرا اہم اصول اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جو لوگ اجتہاد شرعی کی میں کسی کو گناہ نہیں کہہ سکتے، صلاحیت رکھتے ہیں، اگر ان کا اجتہاد کسی مسئلے میں مختلف ہو جائے، ایک فریق جائز قرار دے اور دوسرا ناجائز، تو عند اللہ یہ دونوں حکم درست اور جائز ہوتے ہیں، ان میں سے کسی کو گناہ و معصیت نہیں کہہ سکتے، اور اسی لئے اس پر بھی عن المنکر کا قانون جاری نہیں ہوتا، کیونکہ ان میں سے کوئی جانب بھی منکر شرعی نہیں، اور وَلْيُحْزِرِ الْفَاسِقِينَ میں درختوں کے کاٹنے یا جلانے والوں کے عمل کی توجیہ بیان کی گئی ہے کہ وہ بھی فساد میں داخل نہیں بلکہ کفار کو ذلیل کرنے کے قصد سے موجب ثواب ہے۔ مسئلہ: بحالت جنگ کفار کے گھروں کو منہدم کرنا یا جلانا اسی طرح درختوں اکھیتوں کو برباد کرنا جائز ہے یا نہیں اس میں ائمہ فقہاء کے مختلف اقوال ہیں، امام اعظم ابو حنیفہ ؒ سے بحالت جنگ ان سب کاموں کا جائز ہونا منقول ہے، مگر شیخ ابن ہمام ؒ نے فرمایا کہ یہ جواز اس وقت میں ہے جبکہ اس کے بغیر کفار پر غلبہ پانا مشکل ہو، یا اس صورت میں جبکہ مسلمانوں کی فتح کا گمان غالب نہ ہو، تو یہ سب کام اس لئے جائز ہیں کہ ان سے کفار کی طاقت و شوکت کو توڑنا مقصود ہے، یا عدم فتح کی صورت میں اُن کے مال کو ضائع کرنا بھی ان کی قوت کو کمزور کر دینے کے لئے اس میں داخل ہے (مظہری)

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَ

اور جو مال کہ لوٹا دیا اللہ نے اپنے رسول پر ان سے سونم نے نہیں دوڑائے اس پر گھوڑے اور

لَا رِكَابَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ

شَیْءٍ قَدِيرٌ ۝۱۰۱۵۹ لیکن اللہ غلبہ دیتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہے اور اللہ سب کچھ

کرسکتا ہے ۱۰۱۵۹ مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَ

لِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۝۱۰۱۶

اور رسول کے اور قربات والے کے اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافروں کے ۱۰۱۶

كِي لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا أَشْكُمُ الرَّسُولُ

تاکہ نہ آئے لینے دینے میں دولت مندوں کے تم میں سے اور جو تم کو رسول

فَخَذُوا حَقَّهُ وَمَا تَحْلِكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۝۱۰۱۷ وَاتَّقُوا اللَّهَ طَائِفًا مِّنْ

سولے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو، اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ کا

شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝۱۰۱۸ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ

عذاب سخت ہے، واسطے ان مفلسوں وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے آئے

دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالُهُمْ يُبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَنُصْرًا

یہ اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے ڈھونڈتے آئے ہیں اللہ کا فضل اور اسکی رضامندی اور مدد

اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَأُولَئِكَ هُمُ الصَّدِيقُونَ ۝۱۰۱۹ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ

کرنے کو اللہ کی اور اس کے رسول کی، وہ لوگ وہی ہیں سچے، اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں

وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ مُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي

اور ایمان میں ان سے پہلے سے وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو وطن چھوڑ کر آئے انکے پاس اور نہیں پاتے اپنے

صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ

دل میں تنگی اس چیز سے جو ان (مہاجرین) کو دی جاے اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور

كَانَ يَحِبُّهُمْ خَصَاصَةً ۝۱۰۲۰ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ

اگرچہ ہوا پڑا و پر فاقہ، اور جو بچا یا گیا اپنے جی کے لالچ سے تو وہی لوگ ہیں

مُحْسِنُونَ ۝۱۰۲۱

۱۰۲۱

۱۰۲۱

۱۰۲۱

۱۰۲۱

۱۰۲۱

الْمُفْلِحُونَ ۙ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا

مراد پانے والے ، اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد کہتے ہوئے اے رب بخش ہم کو

وَلَا تُخَوِّنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًا

اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بیزاری

لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۙ

ایمان والوں کا اور رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان ،

خلاصہ تفسیر

اد پر جو بیان ہوا وہ تو بنی نصیر کی جانوں کے ساتھ معاملہ تھا اور ان کے اموال کے ساتھ جو معاملہ ہوا اس کا بیان یہ ہے کہ جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوادیا سو اس میں تم کو کوئی مشقت نہیں پڑی، چنانچہ تم نے اس پر (یعنی اس کے حاصل کرنے پر) نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ (مطلب یہ کہ نہ سفر کی مشقت ہوئی، کیونکہ مدینہ سے دوسیل پر ہے، اور نہ قتال کی اور برائے نام جو مقابلہ کیا گیا وہ غیر معتد بہ تھا کذا فی الروح، اس لئے اس مال میں تمہارا استحقاق تقسیم و تملیک کا نہیں، جس طرح مال غنیمت میں ہوتا ہے) لیکن اللہ تعالیٰ (کی عادت ہے کہ) اپنے رسولوں کو (اپنے دشمنوں میں سے) جس پر چاہے (خاص طور پر) مسلط فرما دیتا ہے (یعنی محض رعب سے مغلوب کر دیتا ہے، جس میں کسی کو کچھ مشقت اٹھانی نہیں پڑتی، چنانچہ ان رسولوں میں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اموال بنی نصیر پر اسی طرح مسلط فرما دیا، اس لئے اس میں تمہارا کوئی حق نہیں ہے بلکہ اس میں مالکانہ تصرف کرنے کا مکمل اختیار آپ کو ہی ہے) اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہو رہی ہے جس طرح چاہے دشمنوں کو مغلوب کر دے اور جس طرح چاہے اپنے رسول کو اختیار اور تصرف دے، اور جیسا اموال بنی نصیر کا یہ حکم ہے اسی طرح جو کچھ اللہ تعالیٰ (اسی طور پر) اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے (کافر) لوگوں سے دلوادے (جیسا بارغ ذک اور ایک جزو خیر کا اسی طرح ہاتھ آیا) سو اس میں بھی تمہارا کوئی استحقاق ملکیت کا نہیں بلکہ (وہ بھی) اللہ کا حق ہے (یعنی وہ جس طرح چاہے اس میں حکم دے جیسا کہ اور سب چیزوں میں اس کا اسی طرح کا حق ہے اور تخصیص حصر کے لئے نہیں) اور رسول کا (حق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس مال میں لگانے تصرفات اپنی صوابدید سے کرنے کا اختیار دیدیا ہے) اور آپ کے (قرابت داروں کا) حق ہے (اور تمہارے) حق ہے) اور غریبوں کا (حق ہے) اور مسافروں کا (حق ہے) یعنی یہ سب حسب صوابدید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اس مال کے مصرف میں بھی انحصار نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جس کو اپنی رائے سے دینا چاہیں وہ بھی اس میں شامل ہے، اور مذکورہ اقسام کا خاص طور پر ذکر شاید اس لئے کیا گیا کہ اُن کے بارے میں یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ جب شرکاء جہاد کا اس مال میں مستحق نہیں تو یہ اقسام جو شریک جہاد بھی نہیں ان کا بھی حق نہیں ہوگا، مگر آیت میں اُن کا ذکر خاص اوصاف یتیم، غریب، مساکین وغیرہ کے ساتھ کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ لوگ اپنے ان اوصاف کی وجہ سے اس مال کے مصرف باختیار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہو سکتے ہیں جہاد کی شرکت سے اس کا تعلق نہیں، پھر ان اوصاف میں ایک وصف ذی القربى یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کا بھی ہے، ان کو اس مال میں سے اس لئے دیا جاتا تھا کہ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار تھے، ہر مشکل کے وقت کام آتے تھے، یہ حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد منقطع ہو گیا، جیسا کہ سورۂ انفال میں اس کا بیان آچکا ہے اور یہ حکم مذکور اس لئے مقرر کر دیا تاکہ وہ (مال فنی) تمھارے مالداروں کے قبضہ میں نہ آجائے جیسا جاہلیت میں سب غنائم و محاصل جنگ اصحاب اقتدار کھا جاتے تھے، اور فقراء بالکل محروم رہ جاتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے رسول کی رائے پر رکھا اور مصارف بھی بتلا دیئے کہ آپ باوجود مالک ہونے کے پھر بھی اہل حاجت و مواقع مصلحت عامہ میں صرف فرمادیں گے (اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر ہونے میں حکمت ہو تو) رسول تم کو جو کچھ دیدیا کریں وہ لیلیا کرو اور جس چیز کے لینے سے تم کو روک دیں تم رُک جایا کرو (اور بجموع الفاظ یہی حکم ہے تمام افعال و احکام میں بھی) اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ تعالیٰ (مخالفت کرنے پر) سخت سزا دینے والا ہے (اور یوں توفیق میں مطلقاً سب مساکین کا حق ہے لیکن) ان حاجت مند مہاجرین کا (بالخصوص) حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے (جبراً و ظلماً) جدا کر دیئے گئے (یعنی کفار نے ان کو اس قدر تنگ کیا کہ گھر بار چھوڑ کر ہجرت پر مجبور ہوئے اور اس ہجرت سے) وہ اللہ تعالیٰ کے فضل (یعنی جنت) اور رضامندی کے طالب ہیں (کسی دنیوی غرض سے ہجرت نہیں کی) اور وہ (لوگ) اللہ اور اس کے رسول (کے دین) کی مدد کرتے ہیں (اور) یہی لوگ (ایمان کے) سچے ہیں اور (نیز) ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو دارالاسلام (یعنی مدینہ) میں اور ایمان میں ان (مہاجرین) کے (آنے کے) قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں (مراد اس سے انصاری حضرات ہیں، اور مدینہ میں اُن کا پہلے قرار پکڑنا تو ظاہر ہے کہ وہ یہیں کے باشندے تھے، اور ایمان میں پہلے قرار پکڑنے کا یہ مطلب نہیں کہ سب انصار کا ایمان سب مہاجرین سے مقدم ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ مہاجرین کے مدینہ میں آنے سے پہلے ہی یہ حضرات مشرف باسلام ہو چکے تھے، خواہ اصل ایمان ان کا بعض مہاجرین کے ایمان سے مؤخر ہی ہوا جو اُن کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو (مال غنیمت وغیرہ میں سے) جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ (انصار) بوجہ محبت کے) اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور (بلکہ اس سے بھی بڑھ کر محبت کرتے ہیں کہ

اطعام وغیرہ میں ان کو) اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو (یعنی خود بسا اوقات فاقہ سے بیٹھ رہتے ہیں اور مہاجرین کو کھلا دیتے ہیں) اور (واقعی) جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے (جیسے یہ لوگ ہیں کہ حرص اور اس کے مقتضایہ عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پاک رکھا) ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور ان لوگوں کا (بھی اس مال فنی میں حق ہے) جو دارالاسلام میں یا ہجرت میں یا دنیا میں (ان مہاجرین و انصار مذکورین) کے بعد آئے (یا آؤں گے) جو دعاء کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو (بھی) جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں (خواہ نفس ایمان یا ایمان کامل کہ موقوف ہجرت پر تھا) اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجو (یہ دعا ہمتقدین کے علاوہ معاصرین کو بھی شامل ہے) اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق رحیم ہیں۔

معارف و مسائل

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ الْآيَةُ، لفظ آفَاء فنی سے مشتق ہے جس کے معنی لوٹنے کے ہیں، اسی لئے دوپہر کے بعد جو چیزوں کا سایہ مشرق کی طرف لوٹتا ہے اس کو بھی فنی کہا جاتا ہے، اموال غنیمت جو کفار سے حاصل ہوتے ہیں ان سب کی اصل حقیقت یہ ہو کہ ان کے باغی ہو جانے کی وجہ سے ان کے اموال بحق سرکار ضبط ہو جاتے ہیں اور ان کی ملکیت سے نکل کر پھر مالک حقیقی حق تعالیٰ کی طرف لوٹ جاتے ہیں، اس لئے ان کے حاصل ہونے کو آفاء کے لفظ سے تعبیر کیا گیا، اس کا تقاضا یہ تھا کہ کفار سے حاصل ہونے والے تمام قسم کے اموال کو فنی ہی کہا جاتا، مگر جو مال جہاد و قتال کے ذریعہ حاصل ہوا اس میں انسانی عمل اور جدوجہد کو بھی ایک قسم کا دخل ہے، اس لئے اس کو تو لفظ غنیمت سے تعبیر فرمایا گیا، وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ، لیکن جس کے حصول میں جہاد و قتال کی بھی کوئی ضرورت نہ پڑی اس کو لفظ فنی سے تعبیر فرمایا گیا، اس آیت کا حاصل یہ ہوا کہ جو مال بغیر جہاد و قتال کے حاصل ہوا ہے وہ مجاہدین و غنائین میں مال غنیمت کے قانون کے مطابق تقسیم نہیں ہوگا، بلکہ اس میں کئی اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہوگا جس کو جتنا چاہیں عطا فرما دیں یا اپنے لئے رکھیں، البتہ یہ پابندی لگادی گئی کہ چند اقسام مستحقین کی متعین کر دی گئیں کہ اس مال کی تقسیم انھیں اقسام میں دائر رہتی چاہئے، اس کا بیان اگلی آیت میں اس طرح فرمایا مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى، اس میں اہل قری سے مراد بنو نضیر اور ان جیسے دوسرے قبائل بنو قریظہ وغیرہ ہیں جن کے اموال بغیر قتال کے حاصل ہوئے، آگے مصارف و مستحقین کی پانچ قسمیں بتلائی گئیں ہیں جن کا بیان آگے آتا ہے۔

آیات مذکورہ میں فنی کے احکام، اس کے مستحقین اور ان میں تقسیم کا طریقہ کار بیان فرمایا۔

سورۃ انفال کے شروع میں مال غنیمت اور فتنی کا فرق واضح طور پر بیان ہو چکا ہے کہ غنیمت اس مال کو کہا جاتا ہے جو کفار سے جہاد و قتال کے نتیجہ میں مسلمانوں کے ہاتھ آتا ہے، اور فتنی وہ مال ہے جو بغیر جہاد و قتال کے ان سے حاصل ہو، خواہ اس طرح کہ وہ اپنا مال چھوڑ کر بھاگ گئے یا رضامندی سے بصورتِ جزیہ و خراج یا تجارتی ڈیوٹی وغیرہ کے ذریعہ ان سے حاصل ہوتا ہے۔

اس کی کچھ تفصیل شروع سورۃ انفال میں معارف القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۳ میں اور مزید تفصیل ہی سورۃ انفال کی آیت ۴۱ کے تحت معارف القرآن جلد چہارم صفحہ ۲۳۶ میں بھی جا چکی ہے۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ سورۃ انفال کی آیت ۴۱ میں جو الفاظ خمس غنیمت کے متعلق آئے ہیں تقریباً وہی الفاظ یہاں مالِ فتنی کے بارے میں ہیں، سورۃ انفال میں ہے: **وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِإِیِّ الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ**، ان دونوں آیتوں میں مال کے حقداروں میں چھ نام ذکر کئے گئے، اللہ، رسول، ذوی القربی، یتیم، مسکین، مسافر، یہ ظاہر ہے کہ اللہ جل شانہ تو دنیا و آخرت اور تمام مخلوقات کا مالک حقیقی ہے، اس کا نام مبارک و حصّوں کے بیان میں محض تبرکاً اس فائدہ کے لئے ہے کہ اس سے اس مال کی شرافت و فضیلت اور حلال و طیب ہونے کی طرف اشارہ ہو جائے، حسن بصری، قتادہ، عطاء، ابراہیم، شعبی اور عام مفسرین کا یہی قول ہے (منظری)۔

اللہ جل شانہ کا نام ذکر کرنے سے اس مال کی فضیلت و شرافت کی طرف اشارہ کس طرح ہوا اس کا تفصیلی بیان سورۃ انفال کی تفسیر میں ہو چکا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے لئے مالِ صدقہ جو مسلمانوں سے حاصل ہوتا ہے، وہ بھی حلال نہیں فرمایا، مالِ غنیمت اور فتنی جو کافروں سے حاصل ہوا اس پر یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کیسے حلال ہوا؟ اس شبہ کا ازالہ اللہ جل شانہ کا نام اس جگہ ذکر کر کے اس طرح کیا گیا کہ درحقیقت ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، اس نے اپنے فضل سے ایک خاص قانون کے تحت انسانوں کو حق ملکیت دیا ہے، لیکن جو انسان باغی ہو جائیں ان کو صحیح رستہ پر لانے کے لئے اول تو انبیاء علیہم السلام اور آسمانی ہدایات بھی گئیں جو ان سے بھی متاثر نہیں ہوئے ان کو یہ حق دیا گیا کہ کم از کم اسلامی قانون کی اطاعت قبول کر لیں اور مقررہ جزیہ و خراج اپنے مال میں سے حکومت کو ادا کیا کریں، جن لوگوں نے اس سے بھی بغاوت کی ان کے مقابلہ میں جہاد و قتال کا حکم ہو گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی جان اور مال قابلِ احترام نہیں، ان کے اموال بحق حکومتِ الہیہ ضبط ہو گئے، اور بذریعہ جہاد و قتال جو مال ان سے حاصل ہوا وہ کسی انسان کی ذاتی ملکیت نہیں رہا، بلکہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی ملک میں واپس ہو گیا، اور لفظ فتنی میں اس مفہوم کی طرف اشارہ بھی ہے کہ اس کے اصلی معنی ٹوٹنے ہی کے ہیں، اس مال کو فتنے اس لئے کہا گیا کہ یہ اصل مالک حقیقی اللہ تعالیٰ کی ملکیت کی طرف لوٹ گیا۔

اب اس میں کسی انسانی ملکیت کا کوئی دخل نہیں، اس کے بعد جن مستحقین کو اس میں کوئی حصہ دیا جائے گا یہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا، اس لئے ایسا ہی حلال طیب ہوگا جیسے پانی اور خود اُگنے والی گھاس جو براہ راست حق تعالیٰ کا عطیہ انسان کے لئے ہے اور حلال طیب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام اس جگہ ذکر کرنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ یہ سارا مال دراصل اللہ کا ہے، اس کی طرف سے مستحقین کو دیا جاتا ہے، یہ کسی کا صدقہ و خیرات نہیں۔

اب مستحقین اور مصارف کُل پانچ رہ گئے، رسول، ذوی القربی، یتیم، مسکین، مشافر، یہی پانچ مصارف مال غنیمت کے خمس کے ہیں، جس کا بیان سورۃ انفال میں آیا ہے، اور یہی مصارف مال فتنے کے ہیں اور دونوں کا حکم یہ ہے کہ یہ سب اموال درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کے مکمل اختیار میں ہوتے ہیں وہ چاہیں تو ان سب اموال کو عام مسلمانوں کے مفاد کے لئے روک لیں، اور بیت المال میں جمع کر دیں، کسی کو کچھ نہ دیں اور چاہیں تقسیم کر دیں، البتہ تقسیم کئے جاویں تو ان پانچ اقسام میں دائر رہیں (قرطبی)

خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کرام کے تعامل سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو مال فتنی آپ کے اختیار میں تھا، آپ کی صواب دید کے مطابق صرف کیا جاتا تھا، آپ کے بعد آپ کے خلفاء کے اختیار اور صواب دید پر رہا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حصہ اس مال میں رکھا گیا تھا وہ آپ کی وفات کے بعد ختم ہو گیا ذوی القربی کو اس مال میں سے دینے کی دو وجہ تھیں، ایک نصرت رسول یعنی اسلامی کاموں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنا، اس لحاظ سے اغنیاء ذوی ہستربی کو بھی اس میں سے حصہ دیا جاتا تھا۔

دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوی القربی پر مال صدقہ حرام کر دیا گیا ہے، تو ان کے فقراء و مساکین کو صدقہ کے بدلہ میں مال فتنی سے حصہ دیا جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نصرت و امداد کا سلسلہ ختم ہو گیا، تو یہ وجہ باقی نہ رہی، اس لئے اغنیاء ذوی القربی کا حصہ بھی حصہ رسول کی طرح ختم ہو گیا، البتہ فقراء ذوی ہستربی کا حصہ بحیثیت فقراء و احتیاج کے اس مال میں باقی رہا، اور وہ اس مال میں دوسرے فقراء و مساکین کے مقابلہ میں مقدم رکھے جاویں گے (کنزانی اہدایہ) اس کی پوری تفصیل سورۃ انفال میں آچکی ہے۔

کَلَّا يَكُونُ لَكُمْ دَوْلَةٌ بَيْنَ يَدَيْكُمْ غَنِيَاءَ مِنْكُمْ، دَوْلَةٌ، بضم وال اس مال کو کہا جاتا ہے جس کا آپس میں لین دین کیا جائے (قرطبی) (معنی آیت کے یہ ہیں کہ مال فتنے کے مستحقین اس لئے متعین کر دیئے) تاکہ یہ مال تمھارے مالداروں اور توانگروں میں گردش کرنے والی دولت نہ بن جائے، اس میں اشارہ اس رسم جاہلیت کو مٹانے کی طرف ہے جس میں اس طرح کے تمام اموال پر زمین خود قابض و مالک ہو جاتا تھا،

غریبوں، مسکینوں کے حق کا اس میں کوئی حصہ نہ رہتا تھا۔

اکتاز دولت پر اسلامی حق تعالیٰ رب العالمین ہے، اس کی مخلوق ہونے کی حیثیت سے انسانی ضروریات قوانین کی ضرب کاری، میں تمام انسانوں کا یکساں حق ہے، اس میں مؤمن و کافر کا بھی فرق نہیں کیا گیا، خاندانی اور طبقاتی امیرو غریب کا کیا امتیاز ہوتا، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تقسیم دولت کا بہت بڑا حصہ جو انسان کی فطری اور اصلی ضروریات پر مشتمل ہے اس کی تقسیم خود اپنے دست قدرت میں رکھ کر اس طرح فرمائی ہے کہ اس سے ہر طبقہ ہر خطہ ہر کمزور و قوی یکساں فائدہ اٹھا سکے، ایسی اشیاء کو اللہ جل شانہ نے اپنی حکمت بالغہ سے عام انسانی دستبرد اور قبضہ و تسلط سے مافوق بنا دیا ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ اس پر ذاتی قبضہ جمائے، ہوا، فضا، آفتاب، مہتاب اور سیاروں کی روشنی، فضا میں پیدا ہونے والے بارش ان کی بارش، یہ چیزیں ایسی ہیں کہ اُن کے بغیر انسان بھڑی ویر بھی زندہ نہیں رہ سکتا، ان سب کو قدرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے ایسا وقت عام بنا دیا کہ کوئی بڑی سے بڑی حکومت و طاقت اس پر قبضہ نہیں جمائے، یہ چیزیں اللہ کی مخلوق کو ہر جگہ یکساں ملتی ہیں۔

اشیاء ضرورت کی دوسری قسط زمین سے نکلنے والا پانی اور کھانے کی چیزیں ہیں، یہ اگرچہ اتنی عام نہیں مگر اسلامی قانون میں پہاڑوں اور غیر آباد جنگلوں اور قدرتی چشموں کو وقف عام چھوڑ کر ایک خاص قانون کے تحت خاص خاص انسانوں کو زمین کے بعض حصوں پر جائز حق ملکیت بھی دیا جاتا ہے اور ناجائز قبضہ و تسلط جانے والے بھی زمین پر قبضہ جمالیتے ہیں، لیکن قدرتی طور پر زمین کے فوائد کوئی بڑا سرمایہ دار بھی بغیر غریبوں، کسانوں، مزدوروں کو ساتھ لئے حاصل نہیں کر سکتا، اس لئے ایک گونہ قبضہ کے باوجود وہ اس میں دوسرے کمزور غریبوں کو حصہ دینے پر مجبور ہے۔

تیسری قسط سونا چاندی، روپیہ پیسہ ہے، جو اصلی اور فطری ضروریات میں داخل نہیں، مگر حق تعالیٰ نے اس کو تمام ضروریات کی تحصیل کا ذریعہ بنا دیا ہے، اور یہ معاہدہ سے نکالنے کے بعد خاص قانون کے تحت نکالنے والوں کی ملکیت ہو جاتا ہے، اور اُن سے اُن کی ملکیت مختلف طریقوں پر دوسروں کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے، اور اگر اس کی گردش پورے انسانوں میں خاطر خواہ ہوتی رہے تو کوئی انسان بھوکا نہ لگا نہیں رہ سکتا، مگر ہوتا یہ ہے کہ مال سے صرف خود ہی فائدہ اٹھائے، دوسروں تک اس کا فائدہ نہ پہنچے، اس بخل و حرص نے دنیا میں اکتنا بڑا دولت اور سرمایہ پرستی کے پرانے اور نئے بہت سے طریقے ایجاد کرائے، جن کے ذریعہ اس دولت کی گردش صرف سرمایہ داروں اور بڑے لوگوں کے ہاتھوں تک محدود ہو کر رہی، عام غریب مساکین محروم کر دیے گئے، جس کے رد عمل نے دنیا میں کمیونزم اور سوشلزم جیسے نامعقول طریقے ایجاد کئے۔

اسلامی قانون نے ایک طرف تو شخصی ملکیت کا اتنا احترام کیا کہ ایک شخص کے مال کو اس کی جان

کی برابر اور جان کو بیت اللہ کی حرمت کے برابر قرار دیا اس پر کسی کے ناجائز تصرف کو شدت سے روکا، دوسری طرف جو ہاتھ ناجائز طور پر اس کی طرف بڑھا وہ ہاتھ کاٹ دیا گیا، تیسری طرف ایسے تمام دروازے بند کر دیئے کہ قدرتی وسائل سے حاصل ہونے والی چیزوں پر کوئی خاص شخص یا جماعت قبضہ کر کے بیٹھ جاتے اور عوام کو محروم کر دے۔

کسب و اكتساب کے مروجہ طریقوں میں سود، سٹہ، جوا ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے ذریعہ دولت سمٹ کر چند افراد و اشخاص میں دائر ہو کر رہ جاتی ہے، ان سب کو سخت حرام قرار دے کر تمام معاملات تجارت اور کرایہ داری وغیرہ میں ان کی جرم کاٹ دی، اور جو دولت کسی شخص کے پاس جائز طریقوں سے جمع ہوتی اس میں بھی غریبوں، فقیروں کے حقوق، زکوٰۃ، عشر، صدقۃ الفطر، کفارات وغیرہ مقررہ فرائض کی صورت میں اور اس سے زائد رضا کارانہ صورت میں قائم فرما دیئے، اور ان سب اخراجات کے بعد بھی جو کچھ انسان کے مرنے کے وقت تک باقی رہ گیا اس کو ایک خاص حکیمانہ اصول کے مطابق تقسیم کر دیا کہ اس کا حق دار اسی مرنے والے کے رشتہ داروں کو اقرب فالاقرب کے اصول پر بنادیا اس کو عام فقراء میں تقسیم کرنے کا قانون اس لئے نہ بنایا کہ ایسا ہوتا تو مرنے والا اپنے مرنے سے پہلے ہی اس کو جاوے جا خرچ کر کے قاشغ ہونے کی خواہش طبعی طور پر رکھتا، اپنے ہی خویش و عزیز کو ملتا دیکھ کر یہ داعیہ اس کے دل میں پرورش نہ پائے گا۔

یہ طریقہ تو کسب و اكتساب کے عام مروجہ طریقوں میں استنارہ دولت سے بچانے کا اختیار کیا، دوسرا طریقہ دولت حاصل ہونے کا جنگ و جہاد ہے، اس سے حاصل ہونے والے اموال میں وہ تقسیم شرعی جاری فرمادی جس کا ذکر کچھ سورۃ انفال میں گذرا ہے، اور کچھ اس سورت میں بیان ہوا ہے، کیسے بے بصیرت ہیں وہ لوگ جو اسلام کے اس منصفانہ، عادلانہ اور حکیمانہ نظام کو چھوڑ کر نئے نئے ازموں کو اختیار کر کے امن عالم کو برباد کر گئیں

مَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ

مال فتنے کی تقسیم کے سلسلے میں آئی ہے، اور اس سلسلے کے مناسب اس کا مفہوم یہ ہے کہ مال فتنے میں اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مستحقین کے طبقات بیان کر دیئے ہیں مگر ان میں کس کو اور کتنا دیں اس کی تعیین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صواب دید پر رکھی ہے، اس لئے مسلمانوں کو اس آیت میں ہدایت دی گئی کہ جس کو جتنا آپ عطا فرمادیں اس کو راضی ہو کر لے لیں اور جو نہ دیں اس کی فکر میں نہ پڑیں، آگے اس کو اتَّقُوا اللہ کے حکم سے متوکل کر دیا، کہ اگر اس معاملے میں کچھ غلط چیلے پہلے بنا کر زائد وصول کر بھی لیا تو اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہو رہے اس کی سزا دے گا۔

حکم رسول مثل حکم قرآن کے لیکن الفاظ آیت عام ہیں، صرف اموال کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ احکام بھی واجب لتعمیل ہے، اس میں داخل ہیں، اس لئے عام انداز میں آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو کوئی حکم یا مال یا اور کوئی چیز آپ کسی کو عطا فرمادیں وہ اس کو لے لینا چاہئے، اور اس کے مطابق عمل کے لئے تیار ہو جائے اور جس چیز سے روک دیں اس سے رُکنا چاہئے۔

بہت سے صحابہ کرام نے اسی عام مفہوم کو اختیار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کو اس آیت کی بناء پر شران ہی کا حکم اور واجب تعمیل قرار دیا ہے، قرطبی نے فرمایا کہ اس آیت میں آئی کے بالمقتابل نہیں کا لفظ آیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آئی کے معنی یہاں امر کے ہیں جو نئی کا صحیح مقابل ہے، (اھ) اور شران کریم نے نہیں کے مقابل میں امر کے لفظ کو چھوڑ کر آئی کا لفظ استعمال شاید اس لئے فرمایا تاکہ جس مضمون کے سیاق میں یہ آیت آئی ہے یعنی مال فتنے کی تقسیم اس پر بھی آیت کا مضمون شامل رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص کو احرام کی حالت میں سلعے ہوئے کپڑے پہنے دیکھا تو حکم دیا کہ یہ کپڑے اتار دو اس شخص نے کہا کہ آپ اس کے متعلق مجھے قرآن کی کوئی آیت بتا سکتے ہیں؟ جس میں سلعے ہوئے کپڑوں کی ممانعت ہو، حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہاں وہ آیت میں بتاتا ہوں، پھر یہی آیت مَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذْهُ سُنَادی، امام شافعیؒ نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا کہ میں تمھارے ہر سوال کا جواب قرآن سے دے سکتا ہوں، پوچھو جو کچھ پوچھنا ہے، ایک شخص نے عرض کیا کہ ایک محرم نے زبور (تنتیا) مار ڈالا تو اس کا کیا حکم ہے؟ امام شافعیؒ نے یہی آیت مَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ تِلَاوَت کر کے حدیث سے اس کا حکم بیان فرما دیا (قرطبی)

لِلْفُقَرَاءِ الْمُدْحَجِرِينَ، ان چند آیات میں آخر رکوع تک فقراء مہاجرین و انصار اور ان کے بعد آنے والی عام اُمت کے افراد کا بیان ہے، ترکیب نحوی کے اعتبار سے لِلْفُقَرَاءِ کو لِذِي الْقُرْبَىٰ کا بدل قرار دیا گیا جو اس سے پہلی آیت میں مذکور ہے (منظری) اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ بچھلی آیت میں جو عام یتیموں، مساکین اور مسافرین کو ان کے فتنہ و احتیاج کی بناء پر مال فتنے کے مستحقین میں شمار کیا گیا ہے، ان آیات میں اس کی مزید تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ اگرچہ فقراء اس مال میں تمام ہی فقراء و مساکین ہیں لیکن پھر ان میں یہ حضرات اور سب لوگوں سے مقدم ہیں جن کی دینی خدمات اور ذاتی اوصاف و کمالات دینیہ معروف ہیں۔

اموال صدقات میں صلحاء اور اس سے معلوم ہوا کہ اموال صدقات خصوصاً مال فتنے اگرچہ عام فقراء مسلمین کی حاجت دینی خدا انجام دینے والے رفع کرنے کے لئے ہیں، لیکن ان میں بھی نیک صالح و نیکار خصوصاً دینی خدمات انجام دینے والے طلباء، علماء، اوروں سے مقدم رکھے جاویں، اسی لئے اسلامی

حکومتوں میں تعلیم و تبلیغ اور اصلاح حلق میں مشغول علماء اور مفتیوں، قاضیوں کو ان کے گزارہ کے اخراجات مال فتنے ہی سے دینے کا رواج تھا، کیونکہ ان آیات میں صحابہ کرام میں بھی اول و درجے قائم کئے گئے، ایک مہاجرین جنھوں نے سب پہلے اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی قربانیاں پیش کیں اور اسلام کے لئے بڑے مصائب جھیلے، بالآخر مال و جائیداد، وطن اور تمام خویش و اقرباء کو خیر باد کہہ کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی، دوسرے انصار مدینہ میں، جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ آنے والے مہاجرین حضرات کو بلا کر دنیا کو اپنا مخالف بنایا اور ان حضرات کی ایسی میزبانی کی کہ جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی، ان دونوں طبقوں کے بعد تیسرا درجہ ان مسلمانوں کا قرار دیا جو حضرات صحابہ کے بعد

مشرک باسلام ہوئے اور ان کے نقش قدم پر چلے جس میں قیامت تک آنے والے مسلمان سب شریک ہیں، اگر ان تینوں طبقات کے کچھ فضائل و کمالات اور دینی خدمات کا بیان ہے۔

فضائل مہاجرین

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝

اس میں مہاجرین کا پہلا وصف یہ بیان فرمایا کہ ان کو ان کے وطن اور مال و جائداد سے نکال دیا گیا، یعنی کفار مکہ نے صرف اس جرم میں کہ یہ لوگ مسلمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی و مددگار ہو گئے تھے ان پر طرح طرح کے مظالم کئے یہاں تک کہ وہ اپنا وطن اور مال و جائداد چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے، بعض لوگ بھوک سے مجبور ہو کر پیٹ کو پتھر باندھ لیتے تھے، اور بعض لوگ سردی کا سامان نہ ہونے کے سبب زمین میں گر پڑے تھے اور اس میں سردی سے بچتے تھے (منظری، قرطبی)

ایک اہم مسئلہ، مسلمانوں کے اموال پر کفار کے قبضہ کا حکم

اس آیت میں حضرات مہاجرین کو فقراء فرمایا ہے، اور فقیر وہ شخص ہوتا ہے جس کی ملک میں کچھ نہ ہو یا کم از کم بقدر نصاب کوئی چیز نہ ہو، حالانکہ حضرات مہاجرین میں سے اکثر مکہ مکرمہ میں اصحاب اموال و جائداد تھے، اگر ہجرت کے بعد بھی وہ اموال ان کی ملکیت ہوتے تو ان کو فقراء کہنا درست نہ ہوتا، قرآن کریم نے ان کو فقراء فرمایا کہ اس طرف اشارہ کر دیا کہ ہجرت کے بعد ان کی جائداد اور مال جو مکہ میں چھوڑ آئے اور کفار نے ان پر قبضہ کر لیا وہ ان کی ملک سے نکل گئے۔

اسی لئے امام اعظم ابو حنیفہؒ و امام مالکؒ نے فرمایا کہ اگر مسلمان کسی جگہ ہجرت کر کے چلے آویں اور ان کے مال و جائداد پر کفار قابض ہو جائیں، یا خدا نخواستہ کسی دارالاسلام پر وہ غالب آکر مسلمانوں کے اموال و جائداد چھین لیں تو یہ اموال و جائداد کفار کے مکمل قبضہ مکانہ کے بعد انہی کی ملک ہو جاتے ہیں، ان کے تصرفات بیع و شراء ان اموال مسلمین میں نافذ ہوتے ہیں، روایات حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے تفسیر منظری میں اس جگہ وہ سب روایات نقل کی ہیں۔

دوسری صفت مہاجرین کی اس آیت میں یہ ذکر فرمائی ہے يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا، یعنی ان کے اسلام میں داخل ہونے اور پھر ہجرت کر کے مال و وطن کو چھوڑنے کی کوئی دنیاوی غرض نہ تھی، بلکہ صرف اللہ کا فضل و رضا مطلوب تھی جس سے ان کا کمال اخلاص معلوم ہوا، لفظ فضل عموماً دنیوی نعمت کے لئے اور رِضْوَانِ آخرت کی نعمت کے لئے بولا جاتا ہے، اس لئے مفہوم یہ ہوا کہ ان حضرات نے اپنے تمام سابقہ اسباب عیش مکان، جائداد وغیرہ کو تو چھوڑ دیا، اب دنیاوی ضروریات بھی اور آخرت کی نعمتیں بھی صرف اسلام کے سایہ میں مطلوب تھیں اور دنیا کی ضروریات زندگی بھی اللہ و رسولؐ کی رضا کے تحت حاصل کرنا مقصود تھا۔

تیسرا وصف حضرات مہاجرین کا یہ بیان فرمایا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، یعنی یہ سب کام

انہوں نے اس لئے اختیار کئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کریں، اللہ کی مدد سے مراد اس کے دین کی مدد ہے، جس میں انہوں نے حیرت انگیز قربانیاں پیش کیں۔

چوتھا وصف اُن کا اُولَئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ، یعنی یہی لوگ قول و عمل کے سچے ہیں، کلمہ اسلام پڑھ کر جو عہد اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے باندھا تھا اس میں بالکل پورے اترے، اس آیت نے تمام صحابہ مہاجرین کے صادق ہونے کا عام اعلان کر دیا، جو شخص ان میں سے کسی کو جھوٹا قرار دے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ اس آیت کا منکر ہے، معاذ اللہ، روافض جو ان حضرات کو منافق کہتے ہیں یہ اس آیت کی کھلی تکذیب ہے، ان حضرات مہاجرین کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ مقام تھا کہ اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے ان فقراء مہاجرین کا وسیلہ دے کر دعا فرماتے تھے رکسار واہ (البغوی، مظہری)۔

فضائل انصار

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ الْاٰثِمَةُ، تَبَوَّءُ کے معنی ٹھکانے بنانے کے ہیں اور دار سے مراد دارِ ہجرت یا دارِ ایمان یعنی مدینہ طیبہ ہے، مدینہ طیبہ کی ایک خاص فضیلت اسی لئے حضرت امام مالکؒ ایک حیثیت سے مدینہ طیبہ کو باقی دنیا کے سب شہروں سے افضل قرار دیتے تھے، فرماتے تھے کہ دنیا کے تمام شہر اور ملک جہاں جہاں اسلام پہنچا اور پھیلا ہے سب جہاد کے ذریعہ فتح ہوئے ہیں یہاں تک کہ مکہ مکرمہ بھی، بجز مدینہ طیبہ کے یہ صرف ایمان کے فتح ہوا ہے (قرطبی)۔ اس آیت میں تَبَوَّءُ کے تحت میں دار کے ساتھ ایمان کا بھی ذکر فرمایا ہے، حالانکہ ٹھکانا پکڑنے کا تعلق کسی مقام اور جگہ سے ہوتا ہے، ایمان کوئی ایسی چیز نہیں جس میں ٹھکانا پکڑا جائے، اس لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں ایک لفظ محذوف ہے، یعنی اَخْلَصُوا یا تَمَكَّنُوا، مطلب یہ ہوگا کہ یہی وہ حضرات ہیں جنہوں نے دارِ ہجرت میں ٹھکانا بنایا اور ایمان میں مخلص اور مضبوط ہوئے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں استعارہ کے طور پر ایمان کو ایک محفوظ مکان سے تشبیہ دے کر اس میں پناہ گزین ہو جانے کو بیان فرمایا ہو، اور لفظ مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی مہاجرین سے پہلے کا مطلب یہ ہے کہ ان انصار مدینہ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ جو شہر اللہ کے نزدیک دارِ ہجرت اور دارِ ایمان بننے والا تھا، اس میں ان لوگوں کا قیام و قرار مہاجرین سے پہلے ہو چکا تھا، اور مہاجرین کے یہاں منتقل ہونے سے پہلے ہی یہ حضرات ایمان قبول کر کے اس میں بچتے ہو چکے تھے۔

دوسری صفت حضرات انصار کی اس آیت میں بیان کی گئی ہے یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ، یعنی یہ حضرات ان لوگوں سے محبت رکھتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے شہر میں چلے آئے ہیں جو عام دنیا کے انسانوں کے مزاج کے خلاف ہے، ایسے اُجڑے ہوئے خستہ حال لوگوں کو اپنی بستی میں جگہ دینا کون پسند کرتا ہے، ہر جگہ ملکی اور غیر ملکی کے سوالات کھڑے ہوتے ہیں، مگر ان حضرات انصار نے

صرف یہی نہیں کیا کہ ان کو اپنی بستی میں جگہ دی، بلکہ اپنے مکانوں میں آیا دیکھا اور اپنے اموال میں حصہ دار بنایا، اور اس طرح عزت و احترام کے ساتھ ان کا استقبال کیا کہ ایک ایک مہاجر کو اپنے پاس جگہ دینے کے لئے کئی کئی انصاری حضرات نے درخواست کی یہاں تک کہ قرعہ اندازی کرنا پڑی، قرعہ کے ذریعہ جو مہاجر جس انصاری کے حصہ میں آیا اس کو سپرد کیا گیا (منظری)

تیسرا وصف حضرات انصار کا یہ بیان فرمایا دَلَّ لَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا اس جملے کا تعلق اُس خاص واقعہ سے ہے جو بنو نضیر کے جلا وطن ہونے اور اُن کے باغات و مکانات پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے کے وقت پیش آیا۔

اموال بنو نضیر کی صورت یہ تھی کہ جب اس آیت میں اموال فتنے کی تقسیم مہاجرین و انصار وغیرہ میں کرنے کا تقسیم کا واقعہ اختیار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدیا گیا، یہ وہ وقت تھا کہ مہاجرین کے پاس نہ اپنا کوئی مکان تھا نہ جائداد، وہ حضرات انصار کے مکانوں میں رہتے اور انہی کی جائدادوں میں محنت مزدوری کر کے گزارہ کرتے تھے، جب بنو نضیر اور بنو قینقاع کے اموال بطور فتنے کے مسلمانوں کو حاصل ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ کے سردار ثابت بن قیس بن شماسؓ کو بلا کر فرمایا کہ اپنی قوم انصاری کو میرے پاس بلا دو، انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ انصار کے اپنے قبیلہ خزرج کو یا سب انصار کو؟ آپ نے فرمایا سب ہی کو بلانا ہے، یہ حضرات سب جمع ہو گئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا، جس میں حمد و صلوة کے بعد انصار مدینہ کی اس بات پر مدح و ثناء فرمائی کہ انہوں نے جو سلوک اپنی مہاجر بھائیوں کے ساتھ کیا وہ بڑے عزم و ہمت کا کام تھا، اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنو نضیر کے اموال آپ لوگوں کو دیدیئے ہیں، اگر آپ چاہیں تو میں ان اموال کو مہاجرین و انصار سب میں تقسیم کر دوں اور مہاجرین بدستور سابق آپ کے مکانوں میں رہائش پذیر رہیں، اور آپ چاہیں تو ایسا کیا جائے کہ یہ بے گھر دے زر لوگ ہیں، یہ اموال صرف ان میں تقسیم کر دیئے جائیں، اور یہ لوگ آپ کے گھروں کو چھوڑ کر الگ اپنے اپنے گھر بسالیں۔

یہ سن کر انصار مدینہ کے دو بڑے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ اور سعد بن معاذؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہماری رائے یہ ہے کہ یہ سب اموال بھی صرف مہاجر بھائیوں میں تقسیم فرما دیجئے اور وہ پھر بھی ہمارے مکانوں میں بدستور مقیم رہیں، اُن کی بات سن کر تمام حاضرین انصار بول اٹھے کہ ہم اس فیصلے پر راضی اور خوش ہیں، اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انصار اور انصار بنو نضیر کو دعا دی، اور ان اموال کو صرف مہاجرین میں تقسیم فرمادیا، انصار میں سے صرف دو حضرات کو جو بہت حاجتمند تھے اس میں سے حصہ عطا فرمایا، یعنی ہہل بن حنیفؓ اور ابو دجانہؓ، اور سعد بن معاذؓ کو ایک تلوار عطا فرمائی جو ابن ابی الحقیق کی ایک ممتاز تلوار تھی (منظری بحوالہ بسیل الرشاد محمد بن یوسف الصالحی)

آیت مذکورہ میں جو یہ ارشاد فرمایا لَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا، اس میں حاجت سے مراد ہر ضرورت کی چیز ہے، اور مِمَّا أُوتُوا کی ضمیر ہاجرین کی طرف راجع ہے، معنی آیت کے یہ ہیں کہ اس تقسیم میں جو کچھ ہاجرین کو دیدیا گیا، انصارِ مدینہ نے خوشی سے اس کو اس طرح قبول کیا کہ گویا ان کو ان چیزوں کی کوئی حاجت ہی نہیں، اُن کو دینے سے بُرا ماننا یا شکایت کرنا اس کا تو دور دور کوئی امکان ہی نہ تھا، اس کے بالمقابل جب بحرین فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ یہ پورا مال صرف انصار میں تقسیم کر دیا جائے مگر انصار نے اس کو قبول نہ کیا، بلکہ عرض کیا ہم اُس وقت تک نہ لیں گے جب تک ہمارے ہاجر بھائیوں کو بھی اس میں سے حصہ نہ دیا جائے (رواہ البخاری عن انس بن مالک، از ابن کثیر)

چوتھا وصف: انصارِ مدینہ رضی اللہ عنہم کا اس آیت میں یہ ذکر فرمایا ہے: - وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ خَصَاصَةٌ کے معنی فقر و فاقہ کے ہیں، اور ایثار کے معنی دوسروں کی خواہش اور حاجت کو اپنی خواہش و حاجت پر مقدم رکھنے کے ہیں، معنی آیت کے یہ ہیں کہ حضرات انصار اپنے اوپر دوسروں کو یعنی ہاجرین کو ترجیح دیتے تھے کہ اپنی حاجت و ضرورت کو پورا کرنے سے پہلے ان کی حاجت کو پورا کرتے تھے، اگرچہ یہ خود حاجت مند اور فقر و فاقہ میں ہوں۔

حضرات صحابہ خصوصاً انصارؓ اگرچہ تفسیر آیات کے لئے بیان واقعات کی ضرورت نہیں، مگر یہ واقعات ہر انسان کے ایشار کے چند واقعات اعلیٰ انسانیت کا سبق دینے والے اور زندگی میں انقلاب لانے والے ہیں، اس لئے حضرات مفسرین نے اس موقع پر ان کو تفصیل سے لکھا ہے، خصوصاً قرطبیؒ نے اسی سے چند واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔

ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری کے گھرات کو کوئی مہمان آگیا، اُن کے پاس صرف اتنا کھانا تھا کہ یہ خود اور اُن کے بچے کھا سکیں، انھوں نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ بچوں کو تو کسی طرح سُلا دو اور گھر کا چراغ گل کر دو، پھر مہمان کے سامنے کھانا رکھ کر برابر بیٹھ جاؤ، کہ مہمان سمجھے کہ ہم بھی کھا رہے ہیں، مگر ہم نہ کھائیں تاکہ مہمان با فراغت کھانا کھا سکے، اس پر یہ آیت مذکورہ یُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ نازل ہوئی (قال الترمذی هذا حسن صحیح)

اور ترمذی ہی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک دوسرا واقعہ یہ منقول ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں بھوک سے پریشان ہوں، آپؐ نے ازواجِ مطہرات میں سے ایک کے پاس اطلاع بھیجی تو ان کا جواب آیا کہ ہمارے پاس تو اس وقت بجز پانی کے کچھ نہیں، دوسری کے پاس پیغام بھیجا وہاں سے بھی یہی جواب آیا، پھر تیسری چوتھی یہاں تک کہ تمام اہل بیت المؤمنین کے پاس بھیجا اور سب ایک ہی جواب آیا کہ پانی کے سوا ہمارے پاس کچھ نہیں، اب اپنے حاضرین مجلس خطا فرمایا کہ کون ہے جو آج رات اس شخص کی ہمانی کرے ایک انصاری عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں کرونگا وہ انکو سنا لینگے اور جا کر گھر میں پوچھا کہ کھانیکے کو کچھ ہو تو بیوی بتلایا کہ صرف اتنا ہے

کہ ہمارے بچے کھالیں، انصاری بزرگ نے بچوں کو سلا دینے کے لئے فرمایا اور فرمایا کہ ہمان کے سامنے کھانا رکھنے اور خود ساتھ بیٹھ جانے کے بعد اٹھ کر چراغ گھل کر دینا کہ ہمارے نہ کھانے کا ہمان کو احساس نہ ہو، ہمان نے کھانا کھالیا، جب یہ صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس معاملہ کو جو تم نے گزشتہ رات اپنے ہمان کے ساتھ کیا بہت پسند فرمایا۔

اور ہمدوی نے ایک ایسا ہی واقعہ ایک انصاری بزرگ کا حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے ساتھ رات کو چراغ گھل کر کے کھانا کھلانے کا ذکر کیا ہے، اور تمام واقعات کے ساتھ روایت میں یہ بھی ہے کہ آیت مذکورہ اس واقعہ میں نازل ہوئی ہے۔

اور قشیری نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام میں سے ایک بزرگ کو کسی شخص نے ایک بکری کا سر بطور ہدیہ پیش کیا، اس بزرگ نے خیال کیا کہ ہمارا فلاح بھائی اور اس کے اہل و عیال ہم سے زیادہ ضرورت مند ہیں، یہ سر ان کے پاس بھیج دیا، اس دوسرے بزرگ کے پاس پہنچا تو اسی طرح انھوں نے تیسرے کے پاس اور تیسرے نے چوتھے کے پاس بھیج دیا، یہاں تک کہ سات گھروں میں پھرنے کے بعد پھر پہلے بزرگ کے پاس واپس آگیا، اس واقعہ پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں، یہی واقعہ ثعلبی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

مؤطا امام مالک میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مسکین نے اُن سے سوال کیا، ان کے گھر میں صرف ایک روٹی تھی اور ان کا اس روز روزہ تھا، آپ نے اپنی خادمہ سے فرمایا کہ یہ روٹی اس کو دیدو خادمہ نے کہا کہ اگر یہ دیدی گئی تو شام کو آپ کے افطار کرنے کے لئے کوئی چیز نہ رہے گی، حضرت صدیقہ نے فرمایا کہ پھر بھی دیدو، یہ خادمہ کہتی ہیں کہ جب شام ہوئی تو ایک ایسے شخص نے جس کی طرف سے ہدیہ دینے کی کوئی رسم نہ تھی ایک سالم بکری بھجی ہوئی اور اس کے اوپر آٹے میدے کا خول چڑھا ہوا پختہ جو عرب میں سب بہترین کھانا سمجھا جاتا ہے، اُن کے پاس بطور ہدیہ بھیج دیا، حضرت صدیقہ نے خادمہ کو بلایا کہ آؤ یہ کھاؤ یہ تمہاری اُس روٹی سے بہتر ہے۔

اور نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ بیمار تھے، اور انگور کو جی چاہا ان کے لئے ایک درہم میں ایک خوشہ انگور کا خرید کر لایا گیا، اتفاق سے ایک مسکین آگیا اور سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ یہ خوشہ اس کو دیدو، حاضرین میں سے ایک شخص خفیہ طور پر اس کے پیچھے گیا اور خوشہ اس مسکین سے خرید کر پھر ابن عمر رضی اللہ عنہ کو پیش کر دیا، مگر یہ سائل پھر آیا اور سوال کیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے پھر اس کو دیدیا، پھر کوئی صاحب خفیہ طور پر گئے اور اس مسکین کو ایک درہم دے کر خوشہ خرید لائے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا، وہ سائل پھر آنا چاہتا تھا لوگوں نے منع کر دیا، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی کہ یہ وہی خوشہ ہی جو انھوں نے صدقہ میں دیدیا تھا، تو ہرگز نہ کھاتے، مگر ان کو یہ

خیال ہو کہ لانے والا بازار سے لایا ہے اس لئے استعمال فرمایا۔

اور ابن مبارک نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظمؓ نے چار سو دینار ایک تھیلی میں بھر کر تھیلی غلام کے سپرد کی کہ ابو عبیدہ بن جراحؓ کے پاس لجاؤ کہ ہدیہ ہی قبول کر کے اپنی ضرورت میں صرف کریں، اور غلام کو ہدایت کر دی کہ ہدیہ دینے کے بعد کچھ دیر گھر میں ٹھہر جانا اور یہ دیکھنا کہ ابو عبیدہ اس رقم کو کیا کرتے ہیں، غلام نے حسب ہدایت یہ تھیلی حضرت ابو عبیدہؓ کی خدمت میں پیش کر دی اور ڈرا ٹھہر گیا، ابو عبیدہؓ نے تھیلی لے کر کہا کہ اللہ تعالیٰ اُن کو یعنی عمر بن خطابؓ کو اس کا صلہ دے اور اُن پر رحمت فرمائے، اور اُسی وقت اپنی کنیز کو کہا کہ لو یہ سات فلاں شخص کو پانچ فلاں کو دے آؤ، یہاں تک کہ پورے چار سو دینار اسی وقت تقسیم کر دیئے۔

غلام نے واپس آ کر واقعہ بیان کر دیا، حضرت عمر بن خطابؓ نے اُسی طرح چار سو دینار کی ایک دوسری تھیلی نیا رکھ کر ہدایت کی کہ معاذ بن جبلؓ کو دے آؤ، اور وہاں بھی دیکھو وہ کیا کرتے ہیں یہ غلام لے گیا، انھوں نے تھیلی لے کر حضرت عمرؓ کے حق میں دعا دی رَحِمَہُ اللہُ وَوَصَلِہُ اَیُّہُ اللہُ اُن پر رحمت فرمائے اور اُن کو صلہ دے، اور یہ بھی تھیلی لے کر فوراً تقسیم کرنے کے لئے بیٹھ گئے، اور اس کے بہت سے حصے کر کے مختلف گھروں میں بھیجتے رہے، حضرت معاذؓ کی بیوی یہ سب ماجرا دیکھ رہی تھیں، آخر میں بولیں کہ ہم بھی تو سجدہ مسکین ہی ہیں، ہمیں بھی کچھ ملنا چاہئے، اس وقت تھیلی میں صرف دو دینار رہ گئے تھے وہ انکو دیدیئے، غلام یہ دیکھنے کے بعد لوٹا اور حضرت عمرؓ سے بیان کیا، تو آپ نے فرمایا کہ یہ سب بھائی بھائی ہیں سب کا مزاج ایک ہی ہے۔

اور حذیفہ عدویؓ فرماتے ہیں کہ میں جنگ یرموک میں اپنے چچا زاد بھائی کی تلاش شہداء کی لاشوں میں کرنے کے لئے نکلا، اور کچھ پانی ساتھ لیا، کہ اگر ان میں کچھ جان ہوئی تو پانی پلا دوں گا، ان کے پاس پہنچا تو کچھ رقی زندگی کی باقی تھی، میں نے کہا کہ کیا آپ کو بانی پلا دوں، اشارہ سے کہا کہ ہاں، مگر فوراً ہی قریب سے ایک دوسرے شہید کی آواز آہ کی آئی تو میرے بھائی نے کہا کہ یہ پانی اُن کو دیدو، ان کے پاس پہنچا اور پانی دینا چاہا تو تیسرے آدمی کی آواز ان کے کان میں آئی، اس نے بھی اس تیسرے کو دینے کے لئے کہہ دیا، اسی طرح یکے بعد دیگرے سات شہیدوں کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا، جب ساتویں شہید کے پاس پہنچا تو وہ دم توڑ چکے تھے، یہاں سے اپنے بھائی کے پاس پہنچا تو وہ بھی ختم ہو چکے تھے۔

یہ چند واقعات ہیں جن میں کچھ انصار کے کچھ ہاجرین کے ہیں، اکثر کے بارے میں کہا گیا ہو کہ آیت ایشار اس واقعہ میں نازل ہوئی، مگر ان میں کوئی تضاد و اختلاف نہیں، کیونکہ جس طرح کے واقعہ میں ایک آیت نازل ہو چکی ہے اگر اسی طرح کا کوئی دوسرا واقعہ پیش آجائے تو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اس میں یہ آیت نازل ہوئی اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سبھی واقعات نزول آیت کا سبب یا مصداق ہیں۔

ایک شبہ کا جواب

حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات ایثار جو اد پر بیان ہوئے ہیں اُن پر ایک شبہ روایات حدیث سے یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنا پورا مال صدقہ کر ڈالنے سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بیضہ کے برابر سونے کا ٹکڑا بغرض صدقہ پیش کیا، تو آپ نے اس کو اسی کی طرف پھینک کر ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بعض لوگ اپنا سارا مال صدقہ کرنے کو لے آتے ہیں پھر محتاج ہو کر لوگوں سے بھیک مانگتے ہیں۔

جواب اس شبہ کا اپنی روایات سے یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں، ہر حال حکم الگ ہی، پورا مال صدقہ کر ڈالنے کی ممانعت اُن لوگوں کے لئے ہے جو اجد میں فقر و فاقہ پر صبر نہ کر سکیں، اپنی صدقہ کئے ہوئے پر چپٹائیں، یا پھر لوگوں سے بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائیں، اور وہ لوگ جنکے عزم و ہمت اور ثبات و استقلال کا یہ حال ہو کہ سب کچھ خرچ کر ڈالنے کے بعد فقر و فاقہ پر انھیں کوئی پریشانی نہ ہو، بلکہ ہمت کے ساتھ اس پر صبر کر سکتے ہوں اُن کے لئے سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالنا جائز ہے، جیسا کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک چہار میں چندہ میں اپنا سارا مال پیش کر دیا تھا، اسی کے نظائر یہ واقعات ہیں جو اس جگہ مذکور ہیں، ایسے حضرات نے اپنے اہل و عیال کو بھی اسی صبر و استقلال کا نوگر بنا رکھا تھا، اس لئے اس میں ان کی بھی کوئی حق تلفی نہ تھی، اگر مال خود اہل و عیال کے قبضہ میں ہوتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتے، (قرطبی باضافہ اشیاء) حضرات ہاجرین کی طرف دنیا میں کوئی اجتماعی کام یک طرفہ رواداری و ایثار سے قائم نہیں رہتا جب تک ایثار انصار کی مکافات دونوں طرف سے اسی طرح کا معاملہ نہ ہو، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا اس کی ترغیب دی کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دے کر باہمی محبت بڑھایا کریں، اسی طرح جن کو ہدیہ دیا گیا ہے ان کو یہ بھی تعلیم دی کہ تم بھی ہدیہ دینے والے کے احسان کی مکافات کرو، اگر مالی وسعت اللہ تعالیٰ عطا فرمادے تو مال سے دینے دعا ہی سے اس کی مکافات کرو، بے حسی کے ساتھ کسی کے احسانات کا بار سر پر لیتے رہنا شرافت اور خلق کے خلافت ہے۔

حضرات ہاجرین کے معاملہ میں حضرات انصار نے بڑے ایثار سے کام لیا، اپنے مکانوں دکانوں کار و بار، زمین اور زراعت میں ان کو شریک کر لیا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان ہاجرین کو وسعت عطا فرمائی تو انھوں نے بھی حضرات انصار کے احسانات کی مکافات میں کمی نہیں کی۔

قرطبی نے بحوالہ صحیحین حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ جب ہاجرین مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آئے تو ان کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا، اور انصار مدینہ زمین جائیداد والے تھے، انصار نے ان حضرات کو ہر چیز نصفاً نصف تقسیم کر دی، اپنے باغات کے آدھے پھل سالانہ اُن کو دینے لگے، اور حضرت انسؓ کی والدہ اُم سلیمؓ نے اپنے چند درخت کھجور کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدیے تھے، جو آنحضرتؐ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسامہ بن زید کی والدہ اُم ایمن کو عطا فرمادیتے۔

امام زہری کہتے ہیں کہ مجھے حضرت انس بن مالکؓ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خیبر کے جہاد سے کامیابی کے ساتھ فارغ ہو کر مدینہ طیبہ واپس آئے (اس غزوہ میں مسلمانوں کو اموال غنیمت کافی مقدار میں ہاتھ آئے) تو سب مہاجرین نے حضرات انصار کے سب عطایا کا حساب کر کے ان کو واپس کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری والدہ کے درخت اُم ایمن سے لے کر ان کو واپس کر دیتے، اور اس کی جگہ اُم ایمن کو اپنے باغ میں سے درخت عطا فرمائے۔

وَمَنْ يُؤْتِ شَيْئًا نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ حضرت انصار کے ایثار اور اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کر دینے کا ذکر کرنے کے بعد عام ضابطہ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچ گئے تو اللہ کے نزدیک وہ ہی فلاح و کامیابی پانے والے ہیں، لفظ شیح اور بخل تقریباً ہم معنی ہیں، لفظ شیح میں کچھ مبالغہ ہے کہ بہت شدید بخل کو کہا جاتا ہے، بخل و شیح اگر حقوق واجبہ میں کیا جائے خواہ وہ اللہ کے حقوق ہوں، جیسے زکوٰۃ، صدقہ الفطر، عشر، قربانی وغیرہ کہ ان کی ادائیگی میں بوجہ بخل کے کوتاہی کرے، یا انسانوں کے حقوق واجبہ ہوں جیسے اہل و عیال کا نفقہ یا اپنے حاجتمند والدین اور عزیزوں کا نفقہ واجبہ جو بخل ان حقوق واجبہ کی ادائیگی سے مانع ہو وہ قطعاً حرام ہے، اور جو امور مستحبہ اور فضائل انفاق سے مانع ہو وہ مکروہ و مذموم ہو اور جو محض رسمی چیزوں میں خرچ سے مانع ہو وہ شرعاً بخل نہیں۔

بخل و شیح اور دوسروں پر حسد ایسی مذموم خصلتیں ہیں کہ قرآن و حدیث میں ان کی بڑی مذمت آتی ہے، اور جو ان سے بچ جائے اس کے لئے بڑی بشارت ہے حضرات انصار کی جو صفات اور بیانات ہوئی ہیں ان میں ان کا بخل و حسد سے بری ہونا واضح ہے۔

کیسہ اور حسد سے پاک ہونا | ابن کثیر نے بحوالہ امام احمد حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے :-

جنتی ہونے کی علامت ہے | ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے آپؐ نے فرمایا

کہ ابھی تمہارے سامنے ایک شخص آنے والا ہے جو اہل جنت میں سے ہے، چنانچہ ایک صاحب انصار میں سے آئے جن کی ڈاڑھی سے تازہ وضو کے قطرات ٹپک رہے تھے، اور باتیں ہاتھ میں اپنے نعلین لئے ہوئے تھے، دو سکر دن بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور یہی شخص اسی حالت کے ساتھ سامنے آیا، تیسرے روز پھر یہی واقعہ پیش آیا اور یہی شخص اپنی مذکورہ حالت میں داخل ہوا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے اٹھ گئے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اس شخص کے پیچھے لگے (تاکہ اس کے اہل جنت ہونے کا راز معلوم کریں) اور ان کے کہا کہ میں نے کسی جھگڑے میں قسم کھالی ہے کہ میں تین روز تک اپنے گھر نہ جاؤں گا، اگر آپ مناسب سمجھیں تو تین روز مجھے اپنے یہاں رہنے کی جگہ دیدیں، انھوں نے منظور فرمایا،

عبداللہ بن عمروؓ نے یہ تین راتیں اُن کے ساتھ گزاریں، تو دیکھا کہ رات کو تہجد کے لئے نہیں اُٹھتے البتہ جب سونے کے لئے بستر پر جاتے تو کچھ اللہ کا ذکر کرتے تھے پھر صبح کی نماز کے لئے اُٹھ جاتے تھے، البتہ اس پورے عرصہ میں میں نے ان کی زبان سے بجز کلمہ خیر کے کوئی کلمہ نہیں سنا، جب تین راتیں گزر گئیں اور قریب تھا کہ میرے دل میں ان کے عمل کی حقارت آجائے تو میں نے اُن پر اپنا راز کھول دیا، کہ ہمارے گھر کوئی جھگڑا نہیں تھا، لیکن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین روز تک یہ سنتا رہا کہ تمھارے پاس ایک ایسا شخص آنے والا ہے جو اہل جنت میں سے ہے اور اس کے بعد تینوں دن آپ ہی آئے، اس لئے میں نے چاہا کہ میں آپ کے ساتھ رہ کر دیکھوں کہ آپ کا وہ کیا عمل ہے جس کے سبب یہ فضیلت آپ کو حاصل ہوئی، مگر عجیب بات ہوئی کہ میں نے آپ کو کوئی بڑا عمل کرتے نہیں دیکھا، تو وہ کیا چیز ہے جس نے آپ کو اس درجہ پر پہنچایا، انھوں نے کہا میرے پاس تو بجز اس کے کوئی عمل نہیں جو آپ نے دیکھا ہے، میں یہ مستنکر واپس آنے لگا تو مجھے بلا کر کہا کہ ہاں ایک بات ہو کہ میں اپنے دل میں کسی مسلمان کی طرف سے کینہ اور برائی نہیں پاتا، اور کسی پر حسد نہیں کرتا جس کو اللہ نے کوئی خیر کی چیز عطا فرمائی اور عبداللہ بن عمروؓ نے کہا کہ بس یہی وہ صفت ہے جس نے آپ کو یہ بلند مقام عطا کیا ہے۔

ابن کثیر نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ اس کو نسائی نے بھی عمل الیوم واللیلہ میں نقل کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح علی شرط الشیخین ہے۔

مہاجرین و انصار کے بعد | وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ الْأَتِیَّةُ، اس آیت کے مفہوم میں صحابہ کرام عام امت کے مسلمان | مہاجرین و انصار کے بعد پیدا ہونے والے قیامت تک کے مسلمان شامل ہیں، اور اس آیت نے ان سب کو مال فنی میں حقدار قرار دیا ہے، یہی سبب تھا کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے دنیا کے بڑے ممالک عراق، شام، مصر وغیرہ فتح کئے، تو اُن کی زمینوں کو غنائین میں تقسیم نہیں فرمایا بلکہ ان کو اگلی آنے والی نسلوں کے لئے وقف عام رکھا، کہ ان کی آمدنی اسلامی بیت المال میں آتی رہے اور اس سے قیامت تک آنے والے مسلمان فائدہ اٹھا سکیں، بعض صحابہ کرام نے جو اُن سے مفتوحہ زمینوں کی تقسیم کا سوال کیا تو انھوں نے اسی آیت کا حوالہ دے کر فرمایا، کہ اگر میرے سامنے آئندہ آنے والی نسلوں کا معاملہ نہ ہوتا تو میں جو ملک فتح کرتا اس کی سب زمینوں کو بھی غنائین میں تقسیم کر دیتا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمینوں کو تقسیم فرمادیا تھا، اگر یہ ساری زمینیں موجود مسلمانوں میں تقسیم ہو گئیں تو آنے والے مسلمانوں کے لئے کیا باقی رہے گا (رواہ مالک، قرطبی)

امت کے حق پر ہونے کی پہچان | اس مقام میں حق تعالیٰ نے پوری امت محمدیہ کے تین طبقے کئے، مہاجرین، صحابہ کرام کی حجت و عظمت ہو | انصار اور باقی تمام امت، مہاجرین و انصار کے خاص اوصاف اور

فضائل بھی اس جگہ ذکر فرمائے، مگر باقی اُمت کے فضائل و کمالات اور اوصاف میں سے صرف ایک چیز یہ بتلائی کہ وہ صحابہ کرام کی سبقتِ ایمانی اور ایمان کے ہم تک پہنچانے کا ذریعہ ہونے کو پہچانیں اور سب کے لئے دُعائے مغفرت کریں اور اپنے لئے یہ دعا کریں کہ ہمارے دلوں میں کسی مسلمان سے کینہ و نفرت نہ رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے بعد والے جتنے مسلمان ہیں اُن کا ایمان و اسلام قبول ہونے اور نجات پانے کے لئے یہ شرط ہو کہ وہ صحابہ کرام کی عظمت و محبت اپنے دلوں میں رکھتے ہوں اور اُن کے لئے دعا کرتے ہوں، جس میں یہ شرط نہیں پائی جاتی وہ مسلمان کہلانے کے قابل نہیں، اسی لئے حضرت مصعب بن سعدؓ نے فرمایا کہ اُمت کے تمام مسلمان تین درجوں میں ہیں، جن میں سے دو درجے تو گزر چکے یعنی مہاجرین و انصار، اب صرف ایک درجہ باقی رہ گیا، یعنی وہ جو صحابہ کرام سے محبت رکھے، اُن کی عظمت پہچانے، اب اگر تمہیں اُمت میں کوئی جگہ حاصل کرنی ہے تو اسی تیسرے درجہ میں اخل ہو جاؤ۔ حضرت حسینؓ سے کسی نے حضرت عثمان غنیؓ کے بارے میں سوال کیا جبکہ ان کی شہادت کا واقعہ پیش آچکا تھا، تو انھوں نے سوال کرنے والے سے پوچھا کہ تم مہاجرین میں سے ہو؟ اس نے انکار کیا، پھر پوچھا کہ انصار میں سے ہو؟ اس نے اس کا بھی انکار کیا تو فرمایا بس اب تیسری آیت اَلَّذِیْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِہُمْ کی رہ گئی، اگر تم عثمان غنیؓ کی شان میں شک و شبہ پیدا کرنا چاہتے ہو تو اس درجہ سے بھی نکل جاؤ گے۔

قرطبی نے فرمایا کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام کی محبت ہم پر واجب ہے، حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ جو شخص کسی صحابی کو بُرا کہے یا اس کے متعلق بُرائی کا اعتقاد رکھے اس کا مسلمانوں کے مالِ فتنے میں کوئی حصہ نہیں، پھر اسی آیت سے استدلال فرمایا، اور چونکہ مالِ فتنے میں حصہ ہر مسلمان کا ہے تو جس کا اس میں حصہ نہ رہا اس کا اسلام و ایمان ہی مشکوک ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کو اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استغفار اور دعا کرنے کا حکم دیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ان کے آپس میں جنگِ مجدال کے فتنے بھی پیدا ہوں گے، (اس لئے کسی مسلمان کو مشاجراتِ صحابہ کی وجہ سے ان میں سے کسی سے بدگمان ہونا جائز نہیں)۔

حضرت صدیقِ عاشقؓ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ یہ اُمت اُس وقت تک ہلاک نہیں ہوگی جب تک اس کے پچھلے لوگ انگلوں پر لعنت و ملامت نہ کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ کسی صحابی کو بُرا کہتا ہے تو اس سے کہو کہ جو تم میں سے زیادہ بُرا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت، یہ ظاہر ہے کہ زیادہ بُرے صحابہ تو ہو نہیں سکتے۔ یہی ہوگا جو اُن کی بُرائی کر رہا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام میں سے کسی کو بُرا کہنا سبب لعنت ہے۔

اور عوام بن حوشب نے فرمایا کہ میں نے اس اُمت کے پہلے لوگوں کو اس بات پر مستقیم اور مضبوط پایا کہ وہ لوگوں کو یہ تلقین کرتے تھے کہ صحابہ کرام کے فضائل اور محاسن بیان کیا کرو تا کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا ہو، اور وہ مشاجرات اور اختلافات جو ان کے درمیان پیش آئے ہیں ان کا ذکر نہ کیا کرو جس سے ان کی جرات بڑھے (اور وہ بے ادب ہو جائیں) (یہ سب روایات تفسیر قرطبی سے لی گئی ہیں)۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ

کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو دغا بازی ہیں کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو جو کہ کافر ہیں

أَهْلِ الْكِتَابِ لَيْنٌ أَخْرَجْتُمْ مَعَكُمْ وَلَا نَطِيعُ فِیْكُمْ أَحَدًا

اہل کتاب میں سے اگر تم کو کوئی نکال دیا تو ہم بھی نکلیں گے تمہارے ساتھ اور کہا نہ مانیں گے کسی کا تمہارا معاملہ

أَبَدًا وَإِنْ قُوَّیْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝۱۱

میں کبھی اور اگر تم سے لڑائی ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں،

لَیْنٌ أَخْرَجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَیْنٌ قُوَّیْتُمْ لَا يَنْصُرُوكُمْ

اگر وہ نکالے جائیں یہ نہ نکلیں گے ان کے ساتھ، اور اگر ان سے لڑائی ہوئی یہ نہ مدد کریں گے ان کی،

وَلَیْنٌ نَّصُرُوكُمْ لَیْوَلُّنَّ الْآدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ۝۱۲ لَا تَنْصُرُوكُمْ

اور اگر مدد کریں گے تو بھاگیں گے پیٹھ پھیر کر، پھر کہیں مدد نہ پائیں گے، البتہ تمہارا

أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ذَٰلِكُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۝۱۳

ڈر زیادہ ہے ان کے دلوں میں اللہ کے ڈر سے یہ اس لئے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے،

لَا يَمْلِكُونَ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرَى مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ حُجُرٍ

لڑ نہ سکیں گے تم سے سب مل کر مگر بستیوں کے کوٹ میں یا دیواروں کی ادٹ میں

بِأَسْمِهِمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ تَحْسِبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ذَٰلِكُمْ

ان کی لڑائی آپس میں سخت ہے، تو سمجھے وہ اکٹھے ہیں اور ان کے دل جدا جدا ہو رہے ہیں، یہ

بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ۝۱۴ كَذَلِكِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاتُ

اس لئے کہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے، جیسے قصبہ ان لوگوں کا جو ہرچے ہیں ان کے پہلے قریب ہی چھٹی انھوں نے

وَبِأَلْأَمْرِ هَيْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۵ كَسَلِ الشَّيْطَانُ إِذْ قَالَ

سزا اپنے کام کی اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے، جیسے قصہ شیطان کا جب کہ

لِلْإِنْسَانِ أَكْفَرُ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ

انسان کو تو منکر ہو پھر جب وہ منکر ہو گیا کہ میں الگ ہوں تجھ سے میں ڈرتا ہوں اللہ سے

رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝۱۶ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدِينَ

جورب سائے جہان کا، پھر انجام دونوں کا یہی کہ وہ دونوں ہیں آگ میں ہمیشہ رہیں اسی

فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ۝۱۷

میں اور یہی ہے سزا گنہگاروں کی،

خلاصہ تفسیر

کیا آپ نے ان منافقین (یعنی عبداللہ بن ابی وغیرہ) کی حالت نہیں دیکھی کہ اپنے (ہم مذہب) بھائیوں سے کہ کفار اہل کتاب ہیں (یعنی بنی نصیر سے) کہتے ہیں (یعنی کہتے تھے، کیونکہ یہ سورت واقعہ جلا وطنی بنی نصیر کے بعد نازل ہوئی ہے، کما فی الروح مستدلاً بالحديث والتسیر) کہ واللہ (ہم ہر حال میں تمھارے ساتھ ہیں، پس) اگر تم (اپنے وطن سے جبراً) نکالے گئے تو ہم (بھی) تمھارے ساتھ (اپنے وطن سے) نکل جا دیں گے اور تمھارے معاملہ میں ہم کبھی کسی کا کہنا نہ مانیں گے (یعنی ہم کو خواہ کوئی کیسا ہی سمجھا دے کہ خروج و قتال میں جو آئندہ مذکور ہو تمھارا ساتھ نہ دیں لیکن ہم نہ مانیں گے، پس جملہ لَا نَطِيعُ سِیَاق و سِیَاقِ دونوں کے متعلق ہے) اور اگر تم سے کسی کی لڑائی ہوئی تو ہم تمھاری مدد کریں گے اور اللہ گواہ ہے کہ وہ باکھل جھوٹے ہیں (یہ تو ان کے کاذب ہونے کا اجمالاً بیان ہوا آگے تفصیلاً فرماتے ہیں کہ) واللہ اگر اہل کتاب نکالے گئے تو یہ (منافقین) اُن کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ اُن کی مدد نہ کریں گے اور اگر (بفرض محال) ان کی مدد بھی کی (اور لڑائی میں شریک ہوئے) تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر (ان کے بھاگ جانے کے بعد) ان (اہل کتاب) کی کوئی مدد نہ ہوگی (یعنی جو ناصر تھے وہ تو بھاگ گئے اور دوسرا بھی کوئی ناصر نہ ہوگا، پس لا محالہ مغلوب و مقہور ہوں گے، غرض منافقین کی جو غرض ہے کہ اپنے ان بھائیوں پر کوئی آفت نہ آئے دیں، اس میں ہر طرح ناکامی رہی گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب آخر میں بنی نصیر نکالے گئے تو منافقین ان کے ساتھ بھٹکے نہیں اور جب اولیٰ میں ان کا محاصرہ کیا گیا جس میں احتمال قتال کا تھا تو اس میں انھوں نے نصرت نہیں کی، اور بعد وقوع واقعہ کے اس طرح فرمانا لَتَن يَخْرُجُوا الْيَوْمَ جُوعًا وَآئِمَّةً واقع ہونے پر

ولایت کرتا ہے یا تو واقعہ ماضیہ کو مستحضر و موجود فرض کرنے پر مبنی ہے تاکہ اُن کا خلف وعدہ اور ان کا مخدول ہونا خوب پیش نظر ہو جاوے اور یا آئندہ جو احتمالِ موہوم تھا ساتھ دینے کا اس کی نفی کر دی، آگے اس ساتھ نہ دے گا سبب قریاتے میں کہ، بیشک ہم لوگوں کا خوف ان (منافقین) کے دلوں میں اللہ سے بھی پیدا ہے (یعنی دعویٰ ایمان جو یہ اپنا ڈرنا اللہ تعالیٰ سے بیان کرتے ہیں وہ تو خلافت واقع ہے ورنہ کفر کو کیوں نہ چھوڑ دیتے، اور تمہارا واقعی خوف ہی پس اس خوف کی وجہ سے یہ لوگ ان بنی نضیر کا ساتھ نہیں دے سکتے اور) یہ (ان کا تم سے ڈرنا اور خدا سے نہ ڈرنا) اس سبب ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ (بوجہ کفر کے خدا تعالیٰ کی عظمت کو) سمجھتے نہیں، (اور یہ یہود عام ہیں بنی نضیر و غیر بنی نضیر اور منافقین الگ الگ تو تمہارے مقابلہ کا کیا حوصلہ کرتے) یہ لوگ (تو) سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے مگر حفاظت والی بستیوں میں یا دیوار (قلعہ و شہرِ پناہ) کی آڑ میں (حفاظت سے مراد عام ہے، خندق سے ہو یا قلعہ وغیرہ سے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کبھی ایسا واقعہ پیش آیا ہو کہ منافقین نے مسلمانوں کا مقابلہ کسی قلعہ اور محفوظ مقام سے کیا ہو، کیونکہ مقصود یہ ہے کہ اگر کبھی یہود یا منافقین اکیلے اکیلے یا جمع ہو کر تمہارے مقابلہ میں آئے بھی تو ان کا مقابلہ محفوظ قلعوں میں یا شہرِ پناہ کی دیوار کے پیچھے سے ہوگا، چنانچہ یہود بنی نضیر و اہل خیر اسی طرح مقابلہ میں پیش آئے اور منافقین نہ اُن کے ساتھ ہوئے اور نہ اُن کا کبھی اتنا حوصلہ ہوا کہ کھل کر مسلمانوں کے مقابلہ پر آئیں، اس میں مسلمانوں کی تشبیح یعنی ہمت افزائی بھی ہے کہ ان سے اندیشہ نہ رکھیں، اور ان کے بعض قبائل جیسے اوس و خزرج کے واقعات جنگ و کچھ کر یہ اندیشہ نہ کیا جاوے کہ شاید اسی طرح اہل اسلام کے مقابلہ میں کسی وقت یہ بھی آسکیں، بات یہ ہو کہ، ان کی لڑائی آپس (ہی) میں بڑی تیز ہے (مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ہیں اور اسی طرح یہ احتمال نہ کیا جاوے کہ گو بمقابلہ اہل اسلام کے تنہا یہ ضعیف ہوں مگر بہت سے ضعفاء مل کر قوی ہو جاتے ہیں شاید اس طرح یہ سب جمع ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں، یہ احتمال اس لئے قابل التفات نہیں کہ) اے مخاطب تو ان کو (ظاہر میں) متفق خیال کرتا ہے، حالانکہ ان کے قلوب غیر متفق ہیں (یعنی گو عداوت اہل حق ان سب میں ایک وجہ اشتراک کی ہے، مگر خود بھی تو ان میں اختلافِ عقائد کی وجہ سے افتراق اور عداوت ہے جیسا سورۃ مائدہ میں گذر چکا ہے وَ اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ الْبَیِّنَةَ اور ان کے باہم مجتمع ہونے کے احتمال کی نفی بھی زیادۃ تاکید و تقویت مقصود کے لئے ہے ورنہ حق تعالیٰ کی مشیت ان کی مغلوبی و مقہوری کے ساتھ ہو چکی ہے، تو اگر اتفاق ہو بھی جاتا تو کیا کام آتا، آگے اس نا اتفاقی کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ) یہ (تشتتِ قلوب) اس وجہ سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو (دین کی) عقل نہیں رکھتے، (اس لئے ہر ایک اپنے اپنے خیال کا تابع ہے، اور جب نظریات اور اغراض مختلف ہوں تو اس کے لئے اختلافِ قلوب لازم ہے، اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ بے دینوں میں بسا اوقات اتفاق دیکھا جاتا ہے، بات یہ ہے کہ یہاں مقصود قاعدہ کلیہ بیان کرنا نہیں، بلکہ اُن میں جو نا اتفاقی تھی اس کا سبب بیان

کرنا مقصود ہے کہ ان کے لئے یہی امر سبب ہو گیا تھا، چنانچہ ظاہر ہے آگے بالخصوص بنی نصیر اور ان منافقین کی جھوٹوں نے وعدہ نصرت کر کے دھوکہ میں ڈالا، اور عین وقت پر دغا دہی ان کی حالت کا بیان ہے کہ ان کے مجموعہ کی دو مثالیں ہیں، ایک مثال خاص بنی نصیر کی اور دوسری منافقین کی، بنی نصیر کی مثال تو ان لوگوں کی سی مثال ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے ہوئے ہیں جو دنیا میں بھی اپنے کردار کا مزہ چکھ چکے ہیں، اور آخرت میں بھی ان کے لئے دردناک عذاب (ہونے والا) ہے (مراد ان سے یہود بنی قینقار ہیں، جن کا قصہ یہ ہوا کہ واقعہ بدر کے بعد انھوں نے آپ سے سلسلہ ہجری میں عہد شکنی کر کے جنگ کی، پھر مغلوب و مہزور ہوئے، اور قلعہ سے آپ کے فیصلہ پر باہر نکلے، اور سب کی مشکیں باندھ لی گئیں، پھر عبداللہ بن ابی کے اصرار و الحاح کی وجہ سے ان کی اس شرط پر جان بخشی کی گئی کہ مدینہ سے چلے جائیں، چنانچہ وہ آذرمعات شام کو نکل گئے اور ان کے اموال مال غنیمت کی طرح تقسیم کئے گئے، کذا فی زاد المعاد، اور ان منافقین کی مثال، شیطان کی سی مثال ہے کہ (اول تو) انسان سے کہتا ہے کہ تو کافر ہو جا پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے (اور کفر کے وبال میں گرفتار ہوتا ہے خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں)، تو اس وقت صاف جواب دیتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ میرا بچھ سے کوئی واسطہ نہیں میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں (دنیا میں ایسی تبری کا قصہ تو سورۃ انفال آیت وَادْزِیْنٰ لَہُمْ الشَّیْطٰنَ اَعْمٰلَہُمْ الخ میں گزر چکا ہے اور آخرت میں تبری مفضلین کی ضالیں سے آیات متعددہ میں مذکور ہے) سو آخری انجام دونوں کا یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں گئے جہاں ہمیشہ رہیں گے، (ایک ضلال کی وجہ سے دوسرا ضلال کی وجہ سے) اور ظالموں کی یہی سزا ہے (پس جس طرح اس شیطان نے اس انسان کو اول بہکایا پھر وقت پر ساتھ نہ دیا اور دونوں خسار میں پڑے، اسی طرح ان منافقین نے اول بنی نصیر کو بڑی راستے دی، کہ تم نکلو نہیں، پھر عین وقت پر ان کو دھوکہ دیا، اور دونوں بلا میں پھنسے، بنی نصیر تو جلا وطنی کی مصیبت میں اور منافقین ناکام میابی کی ذلت میں مبتلا ہوئے۔

معارف و مسائل

کَمَثَلِ الْذِّیْنِ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِیْبًا الخ یہ بنو نصیر کی مثال کا بیان ہے اور الذِّیْنِ مِنْ قَبْلِهِمْ کی تفسیر میں حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ کفار اہل بدر مراد ہیں اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا بنو قینقار (قبیلہ یہود) مراد ہیں، اور دونوں کا انجام بدر اور مقتول و مغلوب اور ذلیل و خوار ہونا اس وقت واضح ہو چکا تھا، کیونکہ بنو نصیر کی جلا وطنی کا واقعہ غزوہ بدر واحد کے بعد واقع ہوا ہے، اور بنو قینقار کا واقعہ بھی بدر کے بعد پیش آچکا تھا، بدر میں مشرکین عرب کے سر سردار مارے گئے، اور باقی بڑی ذلت و خواری کے ساتھ واپس ہوئے، اور بقول ابن عباسؓ یہ مراد ہیں تو مطلب آیت کا واضح ہے کہ ان کے بارے میں جو آیت میں فرمایا: ذَاقُوا وَبَالَ اَمْرِہُمْ، یعنی انھوں نے اپنے سر قوت کا بدلہ چکھ لیا،

یہ آخرت سے پہلے دنیا ہی میں آنکھوں کے سامنے آگیا، اسی طرح اگر اَلَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے مراد یہودی کا قبیلہ بنو قینقار ہو تو ان کا واقعہ بھی ایسا ہی عبرتناک ہے۔

بنو قینقار کی جلا وطنی | واقعہ یہ تھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مدینہ کے آس پاس جتنے قبائل یہود کے تھے سب کے ساتھ ایک معاہدہ صلح کا ہو گیا تھا، جس کی شرائط میں یہ دخل تھا کہ ان میں سے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے کسی مخالفت کی امداد نہ کرے گا، ان معاہدہ کرنے والوں میں قبیلہ بنو قینقار بھی شامل تھا، مگر اس نے چند مہینوں کے بعد ہی عذر و عہد شکنی شروع کر دی اور غزوہ بدر کے موقع پر مشرکین کے ساتھ حفیہ سازش و امداد کے کچھ واقعات سامنے آئے، اُس وقت یہ آیت قرآن نازل ہوئی (وَإِنَّمَا تَخَافْنَ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةٍ فَإِنِ يَأْتِيَنَّكُمْ عَلَىٰ مَوَآءٍ) یعنی اگر (معاہدہ اور صلح کے بعد) کسی قوم کی خیانت کا خطرہ لاحق ہو تو آپ ان کا معاہدہ صلح ختم کر سکتے ہیں۔ بنو قینقار اس معاہدہ کو اپنی غداری سے خود توڑ چکے تھے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف جہاد کا اعلان فرمایا اور علم جہاد حضرت حمزہؓ کو عطا فرمایا اور مدینہ طیبہ کے شہر پر حضرت ابولہبؓ کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی تشریف لے گئے، یہ لوگ مسلمانوں کا لشکر دیکھ کر اپنے قلعہ میں بند ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا، پندرہ روز تک تو یہ لوگ محصور ہو کر صبر کرتے رہے، بالآخر اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، اور یہ سمجھ گئے کہ مقابلہ سے کام نہ چلے گا اور قلعہ کا دروازہ کھول دیا، اور کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی ہیں جو آپ ہمارے بارے میں نافذ کریں۔

آپؐ کا فیصلہ ان کے مردوں کے قتل کا ہونے والا تھا، کہ عبد اللہ بن ابی منافق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے حد اصرار و الحاح کیا کہ اُن کی جاں بخشی کر دی جائے، بالآخر آپؐ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ لوگ بستی خالی کر کے جلا وطن ہو جائیں، اور ان کے اموال مسلمانوں کا مال غنیمت ہونگے، اس قرار داد کے مطابق یہ لوگ مدینہ چھوڑ کر ملک شام کے علاقہ اذُرُغَات میں چلے گئے، اور اُن کے اموال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کے قانون کے مطابق اس طرح تقسیم فرمایا کہ ایک خمس بیت المال کا رکھ کر باقی چار خمس غنیمت میں تقسیم کر دیئے۔

غزوہ بدر کے بعد پہلا خمس تھا جو بیت المال میں داخل ہوا، یہ واقعہ بروز شنبہ ۵ ارشوال ۳؎ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے بیس ماہ بعد پیش آیا۔

کَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلنَّاسِ اكْفُرُوا الآية یہ دوسری مثال اُن منافقین کی ہے جنہوں نے بنو نضیر کو جلا وطنی کا حکم نہ ماننے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر جنگ کرنے کے لئے اُبھارا اور اُن کی مدد کرنے کا وعدہ کیا، مگر جب مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کیا تو کوئی منافق امداد کو نہ پہونچا، ان کی مثال قرآن کریم نے شیطان کے ایک واقعہ سے دی ہے کہ شیطان نے انسان کو کفر پر آمادہ کیا اور

اور اس سے طرح طرح کے وعدے کئے، مگر جب وہ کفر میں مبتلا ہو گیا تو سب مکر گیا۔

شیطان کے ایسے واقعات خدا جانے کتنے ہوتے ہوں گے، اُن میں سے ایک واقعہ تو خود قرآن کریم میں مندرج ہے جس کا بیان سورۃ انفال کی ان آیات میں آیا ہے: **وَإِذْ زَيْنَ لَهْمُ الشَّيْطَانِ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ إِنَّي جَارٌّ لَكُمْ فَلَمَّا تَرَ آيَاتِ الْفَتْحِ نَكَصَ عَلَى عَقْبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِحْتُ عَنْكُمْ الْآيَةِ** یہ واقعہ غزوہ بدر کا ہے، جس میں شیطان نے بطور وسوسہ کے یا بشکل انسانی سامنے آکر مشرکین مکہ کو مسلمانوں کے مقابلہ پر ابھارا اور اپنی مدد کا یقین دلایا، مگر جب مسلمانوں سے مقابلہ ہوا تو مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا، اس واقعہ کی پوری تشریح معارف القرآن جلد چہارم صفحہ ۲۵۶ سے صفحہ ۲۵۸ تک تفصیل کے ساتھ آچکی ہے۔

اگر آیت مذکورہ میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے تو یہ ارشاد کہ شیطان انسان سے کفر کرنے کو کہتا ہے، اور جب وہ کر لیتا ہے تو اس سے بڑی ہو کر الگ ہو جاتا ہے، اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں بظاہر شیطان نے ان کو کفر کرنے کے لئے نہیں کہا، کافر تو وہ پہلے ہی سے تھے، شیطان نے تو ان کو مقابلہ پر جمع کرنے کے لئے کہا تھا، جواب ظاہر ہے کہ کفر پر جمع رہنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر قتال کرنے کو کہنا بھی اسی حکم میں ہے کہ ان کو کفر کرنے کے لئے کہا جاتے۔

اور تفسیر مظہری و قرطبی وابن کثیر وغیرہ میں اس جگہ شیطان کی اس مثال کے واقعات بنی اسرائیل کے متعدد راہبوں اور عبادت گزاروں کو شیطان کے بہکا کر کفر تک پہنچا دینے کے متعلق نقل کئے ہیں، مثلاً بنی اسرائیل کا ایک راہب عبادت گزار جو اپنے صومعہ میں ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتا، اور روزی اس طرح رکھتا تھا کہ دس دن میں صرف ایک مرتبہ افطار کرتا تھا، سنٹر سال اس کے اسی حال میں گزرے، شیطان نے اس کے پیچھے پڑا، اور اپنے سب زیادہ متکار ہو کر شیطان کو اس کے پاس بصورت راہب عبادت گزار بنا کر بھیجا جس نے اس کے پاس جا کر اس راہب بھی زیادہ عبادت گزار کی کا ثبوت دیا، یہاں تک کہ راہب کو اس پر اعتماد ہو گیا۔

بالآخر یہ مصنوعی راہب شیطان اس بات میں کامیاب ہو گیا کہ اس راہب کو کچھ دعائیں ایسی سکھائیں جس سے بیماروں کو شفا ہو جائے، پھر اس نے بہت سے لوگوں کو اپنے اثر سے بیمار کر کے ان کو خود ہی اس راہب کا پتہ دیا، جب یہ راہب اُن پر دعا پڑھتا تو یہ شیطان اپنا اثر اس سے ہٹا دیتا، وہ شفا یاب ہو جاتا تھا، اور عرصہ دراز تک یہ سلسلہ جاری رکھنے کے بعد اس نے ایک اسرائیلی سردار کی حسین لڑکی پر اپنا یہ عمل کیا اور اس کو بھی راہب کے پاس جانے کا مشورہ دیا، یہاں تک کہ اس کو راہب کے صومعہ تک پہنچانے میں کامیاب ہو گیا اور رفتہ رفتہ اس کو اس لڑکی کے ساتھ زنا میں مبتلا کرنے میں کامیاب ہوا، جس کے نتیجے میں اس کو حمل ہو گیا، تو سوائی سے بچنے کے لئے اس کو قتل کرنے کا مشورہ دیا، قتل کرنے کے بعد شیطان ہی نے صیغہ

واقعہ قتل وغیرہ بتلا کر راہب کے خلاف کھڑا کر دیا یہاں تک کہ لوگوں نے اس کا صومعہ ڈھا دیا اور اس کو قتل کر کے سولی دینے کا فیصلہ کیا، اس وقت شیطان اس کے پاس پھر پہنچا کہ اب تو تیری جان بچنے کی کوئی صورت نہیں، ہاں اگر تو مجھے سجدہ کر لے تو میں تجھے بچا سکتا ہوں، راہب سب کچھ گناہ پہلے کر چکا تھا، کفر کا راستہ ہموار ہو چکا تھا اس نے سجدہ بھی کر لیا، اس وقت شیطان نے صاف کہہ دیا کہ تو میرے قبضہ میں نہ آتا تھا میں نے یہ سب مکر تیرے بتلاتے کفر کرنے کے لئے کئے تھے، اب میں تیری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

یہ واقعہ تفسیر قرطبی اور منہری میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدْ مَتَّ لِعِذِّ وَاتَّقُوا اللَّهَ

اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور چاہئے کہ دیکھ لے ہر ایک جی کیا بھیجا ہر کھل کے واسطے اور ڈرتے رہو اللہ سے

إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ

بیشک اللہ کو خبر ہی جو تم کرتے ہو، اور مت ہو ان جیسے جنہوں نے بھلا دیا اللہ کو پھر اللہ نے بھلا دی

أَنْفُسَهُمْ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۱۹﴾ لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ

ان کو ان کے جی وہ لوگ وہی ہیں نافرمان، برابر نہیں دوزخ والے اور

وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۲۰﴾ لَوْ أَنزَلْنَا

بہشت والے، بہشت والے جو ہیں وہی ہیں مراد پانے والے، اگر ہم اتارتے

هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۖ

یہ قرآن ایک پہاڑ پر تو تو دیکھ لیتا کہ وہ دب جاتا پھٹ جاتا اللہ کے ڈر سے،

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لَضَرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۱﴾ هُوَ اللَّهُ الَّذِي

اور یہ مثالیں ہم سناتے ہیں لوگوں کو تاکہ وہ غور کریں، وہ اللہ ہے جس کے سوا

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَلِيمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۖ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿۲۲﴾

بندگی نہیں کسی کی، جانتا ہر جو پوشیدہ اور جو ظاہر ہے، وہ ہے بڑا مہربان رحم والا،

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ الْمَلِكُ الْقَدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ

وہ اللہ جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی، وہ بادشاہ ہی پاک ذات سب علیوں سے سالم ایمان دین والا

الْمُهَيَّمِينَ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ (۲۴)

بناہ میں لینے والا زبردست و باؤ والا صاحب عظمت پاک ہو اللہ اُن کے شریک بتلانے سے

هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ يُسَبِّحُ لَهُ

وہ اللہ ہی بنانے والا نکال کھڑا کر نیوالا صورت کھینچنے والا اسی کے ہیں سب نام خالصہ پاکی بول رہا ہو اس کی

مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۲۵)

جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا

خلاصہ تفسیر

اے ایمان والو! تم نے نافرمانوں کا انجام سن لیا سو تم اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کمال (قیامت) کے واسطے اُس نے کیا (ذخیرہ) بھیجا ہے یعنی اعمالِ صالحہ میں کوشش کرو جو کہ ذخیرہ آخرت میں اور جس طرح تحصیلِ طاعات و اعمالِ صالحہ میں تقویٰ کا حکم ہے، اسی طرح سیناتِ معصی سے بچنے کے بارے میں تم کو حکم ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے (پس معاصی کے ارتکاب سے اندیشہ عقوبت ہے، پس پہلا اتَّقُوا اللَّهَ طاعات کے متعلق ہے جس کا قرینہ قَدْ مَتَّ لِعَدِهِ ہے، اور دوسرا معاصی کے متعلق ہے، جس کا قرینہ خَيْرٌ لِّمَا تَعْمَلُونَ ہے) اور آگے ان احکام کی مزید تاکید کے لئے ارشاد ہے کہ تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے اللہ کے احکام سے بے پروائی کی (یعنی عمل بالاحکام کو ترک کر دیا، اس طرح کہ اوامر کے خلاف کیا اور نواہی کا ارتکاب کیا) سو اثر اس کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اُن کی جان سے ان کو بے پرواہ بنا دیا یعنی اُن کی ایسی عقل ماری گئی کہ خود اپنے نفع حقیقی کو نہ سمجھا اور نہ حاصل کیا یہی لوگ نافرمان ہیں (اور نافرمانی کی سزا بھگتیں گے اور اوپر جن دو قسم کے لوگوں کا ذکر ہوا، یعنی ایک وہ جو اہل تقویٰ ہوتے اور دوسرے وہ جو تارکِ احکام ہوئے ان میں ایک اہل جنت ہیں دوسرے اہل نار اور) اہل نار اور اہل جنت باہم برابر نہیں (بلکہ) جو اہل جنت ہیں وہ لوگ کامیاب ہیں اور اہل نار ناکام ہیں جیسا اوپر اُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ سے معلوم ہوا پس تم کو اصحابِ الجنت میں سے ہونا چاہیے، اہل نار میں سے نہ ہونا چاہیے اور یہ چند نصائح جس قرآن کے ذریعہ سے تم کو سنائے جاتے ہیں وہ ایسا ہے کہ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے (اور اس میں سمجھنے کا مادہ رکھ دیتے اور شہوات کا مادہ نہ رکھتے) تو اے مخاطب! تو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دَب جاتا اور پھٹ جاتا (یعنی قرآن فی نفسہ ایسا مؤثر اور قوی الاثر ہے، مگر انسان میں بوجہ غلبہ شہوات کے قابلیتِ فاعل ہو گئی جس کے سبب تاثر نہیں ہوتا، پس اُن کو چاہئے کہ تحصیلِ طاعات اور ترکِ معاصی سے اپنی شہوت

کو مغلوب کرے تاکہ مواظظ قرآنہ سے اس کو تاثر ہو اور احکام پر استقامت و استقامت اور ذکر و فکر نصیب ہو جس کا اور حکم ہوا ہے اور ان مضامین عجیبہ کو ہم لوگوں کے (نفع کے) لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں اور منتفع ہوں، اسی لئے یہ مضمون کو آنزلنا الخ یہاں بیان کیا گیا، آگے حق تعالیٰ کے صفات کمال بیان کئے جاتے ہیں جس سے حق تعالیٰ کی عظمت قلب پر نقش ہو کر احکام بجالانے میں مددگار ثابت ہو، پس ارشاد ہر کہ وہ ایسا معبود ہر کہ اس کے سوا کوئی اور معبود (بننے کے لائق) نہیں وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا وہی براہر بان رحم والا ہے (اور چونکہ توحید نہایت مہتم بالشان چیز ہے، اس لئے اس کی تائید کے لئے مکرر فرمایا کہ) وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود (بننے کے لائق) نہیں وہ بادشاہ ہر (سب عیبوں سے) پاک ہے، سالم ہے (یعنی نہ ماضی میں اُس میں کوئی عیب ہوا جو حاصل ہر قدوسی کا اور نہ آئندہ اس کا احتمال ہے جو حاصل ہے سلام کا (کذا فی الکبیر) اپنے بندوں کو خوف کی چیزوں سے) امن دینے والا ہے (اپنے بندوں کی خوف کی چیزوں سے) نگہبانی کرنے والا ہے (یعنی آفت بھی نہیں آنے دیتا اور آتی ہوئی کو بھی دور کر دیتا ہے) زبردست ہر خرابی کا درست کر دینے والا ہے، بڑی عظمت والا ہے، اللہ تعالیٰ (جس کی یہ شان ہے کہ) لوگوں کے شرک سے پاک ہے وہ معبود (برحق) ہے پیدا کرنے والا ہر ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے (یعنی ہر چیز کو حکمت کے موافق بناتا ہے) صورت (شکل) بنانے والا ہے، اس کے اچھے اچھے نام ہیں (جو اچھی اچھی صفتوں پر دلالت کرتے ہیں) سب چیزیں اس کی تسبیح (و تقدیس) کرتی ہیں (حالاً یا قالاً) جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور وہی زبردست حکمت والا ہے (پس ایسے با عظمت کے احکام کی بجا آوری ضرور اور نہایت ضرور ہے)۔

معارف و مسائل

سورۃ حشر میں شروع سے کفار اہل کتاب اور مشرکین و منافقین کے حالات و معاملات اور ان پر دنیا و آخرت کے خیال کا بیان فرمانے کے بعد اب آخر سورت تک مومنین کو متنبہ کرنا اور اعمال صالحہ کی پابندی کرنے کی ہدایت ہے۔

مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت میں ایک بلیغ انداز سے آخرت کی فکر اور اس کے لئے تیاری کا حکم ہے جس میں پہلے فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَاسْتَمِيعُوا لَهُمْ** یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور تم میں سے ہر نفس کو اس پر غور کرنا چاہئے کہ اس نے آخرت کے لئے کیا سامان بھیجا ہے۔

یہاں چند باتیں غور طلب ہیں: ۱۔ اولیٰ: یہ کہ اس آیت میں قیامت کو لفظ غد سے تعبیر کیا جس کے معنی ہیں آنے والی کل، اس میں تین چیزوں کی طرف اشارہ ہے، اول پوری دنیا کا بمقابلہ آخرت نہایت

قلیل و مختصر ہوتا ہے کہ ساری دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایک دن کی مثل ہے، اور حساب کے اعتبار سے تو یہ نسبت ہونا بھی مشکل ہے، کیونکہ آخرت دائمی ہے جس کی کوئی انتہا اور انقطاع نہیں، انسانی دنیا کی عمر تو چند ہزار سال ہی بتلائی جاتی ہے، اگر زمین و آسمان کی تخلیق سے حساب لگائیں تو چند لاکھ سال ہو جائیں گے، مگر پھر ایک محدود مدت ہے، غیر محدود اور غیر مستناہی سے اس کو کوئی بھی نسبت نہیں ہوتی۔

بعض روایات حدیث میں ہے **اَلْاٰلُہٗ نَبِیَّا یَوْمٌ وَّلَنَا فِیْہِ صَوْمٌ**، ساری دنیا ایک دن ہے اور اس دن میں ہمارا روزہ ہے، اور غور کرو تو تخلیق انسانی سے شروع کرو یا تخلیق زمین و آسمان سے یہ دو قول چیزیں ایک فرد انسانی کے لئے قابل اہتمام نہیں، بلکہ ہر فرد کی دنیا تو اس کی عمر کے ایام و سال ہیں، اور وہ آخرت کے مقابلہ میں کتنی حقیر مدت ہے، اس کا ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے۔

دوسرا اشارہ اس میں قیامت کے یقینی ہونے کی طرف ہے، جیسے آج کے بعد کل کا آنا امر یقینی ہے کسی کو اس میں شبہ نہیں ہوتا، اسی طرح دنیا کے بعد قیامت و آخرت کا آنا یقینی ہے۔
تیسرا اشارہ اس طرف ہے کہ قیامت بہت قریب ہی، جیسے آج کے بعد کل کچھ دور نہیں، بہت قریب سمجھی جاتی ہے، اسی طرح دنیا کے بعد قیامت بھی قریب ہے۔

اور قیامت ایک تو پورے عالم کی ہے جب زمین و آسمان سب فنا ہو جائیں گے، وہ بھی اگرچہ ہزاروں لاکھوں سال کے بعد ہو مگر بمقابلہ مدت آخرت کے بالکل قریب ہی ہے، دوسری قیامت ہر انسان کی اپنی ہے جو اس کی موت کے وقت آجاتی ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے **مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ**، یعنی جو شخص مر گیا اس کی قیامت تو ابھی قائم ہو گئی، کیونکہ قبر ہی سے عالم آخرت کے آثار شروع ہو جاتے ہیں اور عذاب و ثواب کے نمونے سامنے آجاتے ہیں، کیونکہ عالم قبر جسکو عالم برزخ بھی کہا جاتا ہے اس کی مثال دنیا کی انتظارگاہ (دیننگ روم) کی سی ہے جو فرسٹ کلاس سے لے کر تھرڈ کلاس تک کے لوگوں کے لئے مختلف قسم کے ہوتے ہیں، اور محرموں کا دیننگ روم حوالات یا جیل خانہ ہوتا ہے، اسی انتظارگاہ ہی سے ہر شخص اپنا درجہ اور حیثیت متعین کر سکتا ہے، اس لئے مرنے کے ساتھ ہی ہر انسان کی اپنی قیامت آجاتی ہے، اور انسان کا مرنا اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا معمہ بنایا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا فلسفی اور سائنس دان اس کا یقینی وقت متعین نہیں کر سکتا، بلکہ ہر وقت ہر آن انسان اس خطرہ سے باہر نہیں ہوتا، کہ شاید اگلا گھنٹہ زندگی کی حالت میں نہ آئے، خصوصاً اس برق رفتار زمانہ میں تو ہارٹ فیل ہونے کے واقعات نے اس کو روز بروز کی بات بنا دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں قیامت کو لفظ غد سے تعبیر کر کے بے فکرے انسان کو متنبہ کر دیا کہ قیامت کو کچھ دور نہ سمجھو وہ آنے والی کل کی طرح قریب ہے، اور ممکن یہ بھی ہے کہ کل سے پہلے ہی آجائے۔

دوسری غور طلب بات اس آیت میں یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس میں انسان کو اس پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی کہ قیامت جس کا آنا یقینی بھی ہے اور قریب بھی اس کے لئے تم نے کیا سامان بھیجا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا اصل وطن اور مقام آخرت ہے، دنیا میں اس کا مقام ایک مسافر کی طرح ہے، وطن کے دائمی قیام و قرار کے لئے یہیں سے کچھ سامان بھیجنا ضروری ہے، اور انسان کے اس سفر کا اصل مقصد یہ ہے کہ یہاں رہ کر کچھ کمائے اور جمع کرے پھر اس کو اپنے وطن آخرت کی طرف بھیج دے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہاں سے دنیا کا سامان مال و دولت کوئی وہاں ساتھ نہیں لے جاسکتا تو بھیجنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف مال منتقل کرنے کا جو طریقہ دنیا میں رائج ہے کہ یہاں کی حکومت کے بینک میں جمع کر کے دوسرے ملک کی کرنسی حاصل کر لے جو وہاں چلتی ہے، یہی صورت آخرت کے معاملہ میں ہے کہ جو کچھ یہاں اللہ کی راہ میں اور اللہ کے احکام کی تعمیل میں حشر کیا جاتا ہے وہ آسمانی حکومت کے بینک (اسٹیٹ بینک) میں جمع ہو جاتا ہے، وہاں کی کرنسی ثواب کی صورت میں اس کے لئے لکھ دی جاتی ہے، اور وہاں پہنچ کر بغیر کسی دعوے اور مطالبہ کے اس کے حوالہ کر دی جاتی ہے۔

اور لفظ قَدْ مَتَّ بظہر عام ہے نیک اعمال اور بد اعمال دونوں کے لئے جس نے نیک اعمال آگے بھیجے ہیں اس کو ثواب کی صورت میں آخرت کے نفوذ (کرنسی) مل جائے گی، اور جس نے بُرے اعمال آگے بھیجے ہیں وہاں اس پر ضرر و جرم عائد ہوگی، اس کے بعد لفظ اتَّقُوا اللہَ کا اعادہ کیا گیا، یہ تاکید سے لئے بھی ہو سکتا ہے اور وہ مراد بھی ہو سکتی ہے جو اوپر خلاصہ تفسیر میں بیان ہوئی ہے کہ پہلے اتَّقُوا اللہَ سے واجبات و فرائض کی ادائیگی کا اہتمام سکھایا گیا ہے، اور دوسرے اتَّقُوا اللہَ سے گناہوں سے بچنے کا اہتمام بتلایا گیا ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے اتَّقُوا اللہَ سے اعمال و احکام خداوندی کی تعمیل کر کے آخرت کے لئے کچھ سامان بھیجنے کا حکم ہو، اور دوسرے اتَّقُوا اللہَ سے اس طرف ہدایت ہو کہ دیکھو جو سامان وہاں بھیجتے ہو اس کو دیکھ لو کہ وہ کوئی کھوٹا خراب سامان نہ ہو جو وہاں کام نہ آئے، کھوٹا سامان وہاں کے لئے وہ ہے کہ جس کی صورت تو عمل صالح کی ہو مگر اس میں اخلاص اللہ کی رضا کے لئے نہ ہو بلکہ نام و نمود یا اور کوئی غرض نفسانی شامل ہو، یا وہ عمل جو صورت میں تو عبادت ہے مگر دین میں اس کا کوئی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے بدعت و گمراہی ہے، تو اس دوسرے اتَّقُوا اللہَ کا خلاصہ یہ ہوا کہ آخرت کے لئے محض سامان کی صورت بنادینا کافی نہیں، دیکھ کر بھیجو کہ کھوٹا سامان نہ ہو جو وہاں نہ لیا جائے۔

فَأَنسَلْهُمْ أَنفُسَهُمْ، یعنی ان لوگوں نے اللہ کو بھول اور سیان میں کیا ڈال اور حقیقت خود اپنے آپ کو اس بھول میں ڈال دیا کہ اپنے نفع نقصان کی خبر نہ رہی۔
وَأَنزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ، یہ ایک تمثیل ہے کہ اگر قرآن پہاڑوں جیسی سخت اور

ثقیل چیز پر اُتارا گیا ہوتا اور جس طرح انسان کو فہم و شعور دیا گیا ہے اُن کو بھی دیدیا جاتا تو پہاڑ بھی اس قرآن کی عظمت کے سامنے جھک جاتے بلکہ ریزہ ریزہ ہو جاتے، مگر انسان اپنی خواہش پرستی اور خود غرضی میں مبتلا ہو کر اپنے فطری شعور کو کھو بیٹھا، وہ قرآن سے متاثر نہیں ہوتا، گویا یہ ایک فرضی مثال ہو کہ پہاڑوں میں شعور ہوتا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ پہاڑوں اور درختوں اور دنیا کی تمام چیزوں میں شعور و ادراک ہونا عقل و نقل سے ثابت ہے، اس لئے یہ کوئی فرضی مثال نہیں حقیقت ہو (منظری) واللہ اعلم

انسان کو آخرت کی فکر اور قرآن کی عظمت بتلانے کے بعد آخر میں حق تعالیٰ کی چند صفات کمال کا ذکر کر کے سورت کو ختم کیا گیا۔

عَلِيمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، یعنی اللہ تعالیٰ ہر چھپی اور کھلی چیز اور غائب و حاضر کا پوری طرح جاننے والا ہے، اَلْقُدُّوسُ، بضم قاف وہ ذات جو ہر عیب سے پاک اور ہر ایسی چیز سے بری ہو جو اس کے شبایانِ شان نہیں، اَلْمُعِزُّ، یہ لفظ جب انسان کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی ایمان لائے اور اللہ و رسول کے کلام کی تصدیق کرنے والے کے آتے ہیں، اور جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی امن دینے والے کے ہوتے ہیں، (کما قالہ ابن عباسؓ) یعنی وہ اللہ و رسول پر ایمان لانے والوں کو ہر طرح کے عذابِ مصیبت سے امن اور سلامتی دینے والا ہے۔

اَلْمُهَيِّمُ، اس کے معنی ہیں نگرانی کرنے والا (کذا قال ابن عباس و مجاہد و قتادہ) قاموس میں ہے کہ یَمْنَنَ یَمْنِنُ کے معنی دیکھ بھال اور نگرانی کرنے کے آتے ہیں (منظری)

اَلْعَزِيزُ بمعنی قوی، اَلْجَبَّارُ، صاحبِ جبروت و عظمت، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ جبر سے مشتق ہو، جس کے معنی ٹوٹی ہڈی وغیرہ کو جوڑنے کے آتے ہیں، اسی لئے جبرہ اُس پٹی کو کہا جاتا ہے جو ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے کے بعد اس پر باندھی جاتی ہے، تو معنی اس لفظ کے یہ ہوں گے کہ وہ ہر ٹوٹی ہوئی شکستہ و ناکارہ چیز کی اصلاح کر کے درست کر دینے والا ہے (منظری)

اَلْكَبِيرُ کبیر سے اور وہ کبیر سے مشتق ہے، جس کے معنی بڑائی کے ہیں اور ہر بڑائی.... درحقیقت اللہ جل شانہ کے لئے مخصوص ہے، جو کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں، اور جو محتاج ہو وہ بڑا نہیں ہو سکتا، اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کے لئے یہ لفظ عیب اور گناہ ہے، کیوں کہ حقیقت میں بڑائی حاصل نہ ہونے کے باوجود بڑائی کا دعویٰ جھوٹا ہے اور وہ ذات جو حقیقت میں سب بڑی اور بے نیاز ہے اس کی خاص صفت میں شرکت کا دعویٰ ہے، اس لئے متکبر کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے صفتِ کمال ہے اور غیر اللہ کے لئے جھوٹا دعویٰ۔

اَلْمُصَوِّرُ کے معنی صورت بنانے والا، مراد یہ ہے کہ تمام مخلوقات کو حق تعالیٰ نے خاص خاص شکل و صورت عطا فرمائی ہے جس کی وجہ سے وہ دوسری چیزوں سے ممتاز ہوئی اور پہچانی جاتی ہے

دنیا کی عام مخلوقات آسمانی اور زمینی خاص خاص صورتوں ہی سے پہچانی جاتی ہیں، پھر ان میں انواع و اقسام کی تقسیم اور ہر نوع و صنف کی جداگانہ ممتاز شکل و صورت اور ایک ہی نوع انسانی میں مرد و عورت کی شکل و صورت کا امتیاز پھر سب مردوں سب عورتوں کی شکلوں میں باہم ایسے امتیازات کہ اربوں کھربوں انسان دنیا میں پیدا ہوئے ایک کی صورت بالکل دوسرے نہیں ملتی کہ بالکل امتیاز نہ ہو سکے، یہ کمال قدرت صرف ایک ہی ذات حق جل شانہ کا ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں جس طرح غیر اللہ کے لئے تکبر جائز نہیں کہ کبریا صرف اللہ جل شانہ کی صفت ہی، اسی طرح تصویر سازی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت میں شرکت کا عملی و دعویٰ ہے۔

لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی یعنی اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں، قرآن کریم میں ان کی تعداد متعین نہیں فرماتی، صحیح احادیث میں تناوئے تعداد بتلائی ہے، ترمذی کی ایک حدیث میں یہ سب ایک جاند کو رہیں اور بہت سے علماء نے اسماء حسنیٰ پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، احقر کا بھی ایک مختصر رسالہ اسماء حسنیٰ کے نام سے مناجات مقبول کے شروع میں طبع ہوا ہے۔

يَسْبِغُ لَكَ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، یہ تسبیح زبان حال سے ہونا تو ظاہر ہی ہے کہ ساری مخلوقات اور ان کے اندر رکھی ہوئی عجیب و غریب صفتیں اور صورتیں زبان حال سے اپنے بنانے والے کی حمد و ثناء میں مشغول ہیں، اور ہو سکتا ہے کہ حقیقی تسبیح مراد ہو کیونکہ تحقیق یہی ہے کہ تمام اشیاء کو عالم میں اپنی اپنی حیثیت کا عقل و شعور ہے، اور عقل و شعور کا سب پہلا مقتضی اپنے بنانے والے کو پہچانا اور اس کا شکر گزار ہونا ہے، اس لئے ہر چیز حقیقۃً تسبیح کرتی ہو تو اس میں کوئی بعد نہیں، اگرچہ ہم ان کی تسبیح کو کانوں سے نہ سن سکیں اسی لئے قرآن کریم نے ایک جگہ فرمایا ہے وَ لٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ، یعنی تم ان کی تسبیح کو سنتے سمجھتے نہیں۔

سورۃ حشر کی آخری آیات | ترمذی میں حضرت معقل بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کے فوائد و برکات فرمایا کہ جو صبح کے وقت تین مرتبہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّيِّعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، اور اس کے بعد ایک مرتبہ سورۃ حشر کی آخری تین آیتیں هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، سے آخر سورت تک پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے مقرر فرما دیتے ہیں جو شام تک اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں، اگر اس دن میں وہ مر گیا تو شہادت کی موت حاصل ہوگی، اور جس نے شام کو یہی کلمات تین مرتبہ پڑھ لئے تو یہی درجہ اس کو حاصل ہوگا (منظری)

تَمَّتْ

بِعَوْنِ اللّٰهِ تَعَالٰی سُبْحٰنَهُ وَحَمْدُهُ سُوْرَةُ الْحَشْرِ

بِعَاشِيْرِ جُمَادٰی الْاُولٰی سَنَةِ ۱۳۹۱ هـ خِصَابُ اَيُّوْمِ الْاَحَدِ وَيَلُوْهَا اِنْشَاءُ اللّٰهِ تَعَالٰی سُوْرَةُ الْمُسْتَجِيْبَةِ

سُورَةُ الْمُنْتَحِنَةِ

سورۃ الممتحنہ مدنیۃ وہی ثلاث عشرۃ آیتہ فیہا رکوعان

سورۃ ممتحنہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی تیرہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بجدہربان نہایت رحم والا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ

اے ایمان والو نہ بھڑو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست تم ان کو

تَلْقَوْنَ إِلَيْهِمْ بِالسُّودَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ

پیغام بھیجتے ہو دوستی سے اور وہ منکر ہوئے ہیں اس سے جو تمہارے پاس آیا سچا دین

يُخْرِجُونَ الرِّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تَبْلُغُوا إِلَى اللَّهِ رَبِّكُمْ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ

نکلنے ہیں رسول کو اور تم کو اس بات پر کہ تم ماننے ہو اللہ کو جو رب ہو تمہارا، اگر تم نکلے ہو

خُرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي فَأْتِسِرُّونَ إِلَيْهِمْ

لڑنے کو میری راہ میں اور طلب کرنے کو میری رضا مندی تم انکو چھپا کر بھیجتے ہو دوستی کے

بِالسُّودَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ

پیغام، اور مجھ کو خوب معلوم ہے جو چھپایا تم نے اور جو ظاہر کیا تم نے اور جو کوئی کرے تم

مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ① إِنَّ يَتَّقُوا كُمْ يَكُونُوا لَكُمْ

میں یہ کام تو وہ بھول گیا سیدھی راہ اگر تم ان کے ہاتھ آجاؤ ہو جائیں تمہارے

أَعْدَاءٌ وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَهُمْ بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ

دشمن اور چلائیں تم پر اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں بُرائی کے ساتھ اور چاہیں کہ کسی

تَكْفُرُونَ ۲۰ لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

طرح تم بھی منکر ہو جاؤ، ہرگز کام نہ آئیں گے تمہارے کنبے والے اور نہ تمہاری اولاد قیامت کے دن

يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۲۱ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ

وہ فیصلہ کر گیا تم میں اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے، تم کو چال چلنی چاہئے

أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا الْقَوْمِ هُمُ الْبَاطِلُونَ

اچھی ابراہیم کی اور جو اس کے ساتھ تھے، جب انھوں نے کہا اپنی قوم کو ہم

بِرٍّ وَأَمْنًا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا

اگ ہیں تم سے اور ان سے کہ جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے ہم منکر ہوئے تم سے اور کھل

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ

پڑی ہم میں اور تم میں دشمنی اور بیر ہمیشہ کو یہاں تک کہ تم یقین لاؤ اللہ

وَحَدَّثَكَ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَا تُغْفِرَ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ

اکیلے پر مگر ایک کہنا ابراہیم کا اپنے باپ کو کہ میں مانگوں گا معافی تیرے لئے اور مالک نہیں میں

لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنْتَبْنَا وَ

تیرے نفع کا اللہ کے ہاتھ سے کسی چیز کا، اے رب ہمارے ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع ہوؤ

إِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۲۲ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَآوَاغِرُ

اور تیری طرف ہر سب کو پھر آنا، اے رب ہمارے امت جانچ ہم پر کافروں کو اور ہم کو معاف کر

لَنَارِ بَنَاءٍ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۲۳ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ

اے رب ہمارے تو ہی ہے زبردست حکمت والا، البتہ تم کو بھلی چال چلنی چاہئے

أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَكَانَ يُؤْتِي

ان کی جو کوئی امید رکھتا ہو اللہ کی اور پچھلے دن کی، اور جو کوئی مٹہ پھیرے

فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝ ۶۱

تو اللہ وہی ہے بے پروا سب تعریفوں والا

خلاصہ تفسیر

اے ایمان والو تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو یعنی گودل سے دوستی نہ ہو مگر ایسا دوستانہ برتاؤ بھی مت کرو) حالانکہ تمہارے پاس جو دین حق آچکا ہے وہ اس کے مستکر ہیں جس سے اُن کا دشمن خدا تعالیٰ ہونا معلوم ہوا جو آیت میں بلفظ عَدُوٌّ مَعْنٰی بیان کیا گیا) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور تم کو اس بنا پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لے آئے شہر بدر کر چکے ہیں یہ بیان ہے عَدُوٌّ کُمْ کا، یعنی وہ صرف اللہ کے دشمن نہیں تمہارے بھی دشمن ہیں، غرض ایسے لوگوں سے دوستی مت کرو) اگر تم میرا راستہ میں جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضا مندی ڈھونڈنے کی غرض سے (اپنے گھروں سے) نکلے ہو کفار کی دوستی جس کا حاصل کفار کی رضا مندی کی فکر ہے، اور یہ حق تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کے مناسب اعمال کے منافی ہے، تم اُن سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو (یعنی اول تو دوستی ہی بُری چیز ہے، پھر خفیہ پیغام بھیجنا جو خصوصی ربط و تعلق کی علامت ہے یہ اور زیادہ بُرا ہے) حالانکہ مجھ کو سب چیزوں کا خوب علم ہے تم جو کچھ چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کر کے کرتے ہو (یعنی مثل دوسرے موانع مذکورہ کے یہ امر بھی ان کی دوستی سے مانع ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کی خبر ہے) اور آگے اس پر وعید ہے کہ جو شخص تم میں سے ایسا کرے گا وہ راہِ راست سے بہک گیا، اور انجام گمراہوں کا معلوم ہی ہے آگے اُن کی دشمنی کا بیان ہے کہ وہ تمہارے ایسے سخت دشمن ہیں کہ اگر ان کو تم پر دسترس ہو جاوے تو (فوراً) اظہارِ عداوت کرنے لگیں اور وہ اظہارِ عداوت یہ کہ تم پر بُرائی (اور ضرر رسانی) کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں (یہ تو دنیوی نقصان ہی) اور دینی اضرار یہ کہ وہ اس بات کے متمنی ہیں کہ تم کافر رہو (ہو جاؤ) پس ایسے لوگ کب قابلِ دوستی ہیں اور اگر تم کو دوستی کے بارے میں اپنے اہل و عیال کا خیال ہو تو خوب سمجھ لو کہ تمہارے رشتہ دار اور اولاد قیامت کے دن تمہارے (کچھ) کام نہ آویں گے خدا (ہی) تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ تمہارے سب اعمال کو خوب دیکھتا ہے (پس ہر عمل کا فیصلہ ٹھیک ٹھیک کرے گا، پس اگر تمہارے اعمال موجب سزا ہوں گے تو اس سزا سے اولاد و ارحام بچا نہ سکیں گے، پھر اُن کی رعایت میں خدا کے حکم کے خلاف کرنا بہت مذموم امر ہے، اور اس سے اموال کا قابلِ رعایت نہ ہونا اور زیادہ ظاہر ہے، آگے حکم مذکور پر تخریص کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ارشاد ہو کہ تمہارے لئے

ابراہیم (علیہ السلام) میں اور ان لوگوں میں جو کہ (ایمان و اطاعت میں) ان کے شریک حال تھے ایک عمدہ نمونہ ہے۔
 یعنی اس بارہ میں کفار سے ایسا برتاؤ رکھنا چاہئے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے متبعین نے کیا۔
 جبکہ ان سب نے (اوقات مختلفہ میں) اپنی قوم (کے لوگوں) سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا
 معبود سمجھتے ہو ان سے بیزاریں (اوقات مختلفہ اس لئے کہا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے جس وقت اول
 یہ بات اپنی قوم سے کہی تھی اس وقت وہ بالکل تنہا تھے، پھر جو جو آپ کے ساتھ ہوتے گئے کفار سے قطع تعلق
 قولا و فعلا کرتے گئے آگے اس بیزاری کا بیان ہے کہ) ہم تمھارے (یعنی کفار اور ان کے معبودین کے) منکر
 ہیں (یعنی تمھارے عقائد اور معبودات کی عبادت کے منکر ہیں، یہ تو تہمتی باعتبار عقیدہ کے ہوئی) اور تہمتی
 باعتبار معاملہ اور برتاؤ کے یہ ہو کہ) ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض (زیادہ) ظاہر ہو گیا (کیونکہ
 بناء عداوت کی اختلاف عقائد ہے) اور اب اس کا زیادہ اعلان ہو گیا تو عداوت کا بھی زیادہ اظہار ہو گیا،
 عداوت اور بغض متقارب ہیں اور دونوں کا جمع کرنا تاکید کے لئے ہے اور یہ عداوت ہم کو تم سے ہمیشہ رہو گی)
 جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ (غرض ابراہیم علیہ السلام اور ان کے متبعین نے کفار سے صاف قطع
 تعلق کر دیا، لیکن ابراہیم (علیہ السلام) کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی (جس سے بظاہر ان کے
 ساتھ محبت و دوستی کا احتمال تھا) کہ میں تمھارے لئے استغفار ضرور کروں گا اور تمھارے لئے (استغفار سے زیادہ)
 مجھ کو خدا کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں (کہ دعا کو قبول کرالوں یا باوجود ایمان نہ لانے کے تم کو
 عذاب سے بچالوں، مطلب یہ ہے کہ اتنی بات تو ابراہیم علیہ السلام نے کہی تھی جس کا مطلب تم میں سے
 بعض لوگ مطلق استغفار سمجھ گئے حالانکہ یہاں استغفار کے دوسرے معنی ہیں، یعنی اُن کے لئے یہ دعا کرنا
 کہ وہ ایمان لا کر مغفرت کے مستحق بن جائیں جس کی سب کو اجازت ہے اور واقع میں وہ قطع تعلق کے خلاف
 بھی نہیں مگر ظاہری صورت تعلق اور ظاہری معنی استغفار کے اعتبار سے صورت اس کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے،
 یہ گفتگو تو ابراہیم کی اپنی قوم سے ہوئی، آگے اُن کی دعا کا مضمون ہے، یعنی کفار سے قطع تعلق کر کے انھوں
 نے اس یا اے میں حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ) اے ہمارے پروردگار ہم (کفار سے اعلان برائت و عداوت
 کے معاملے میں) آپ پر توکل کرتے ہیں اور (آپ ہی ہماری تمام جہات و مشکلات کی کفالت اور دشمنوں کی
 ایذاؤں سے حفاظت فرماویں گے، دین پر ایمان لائیں) آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور (اعتقاد رکھتے ہیں)
 آپ ہی کی طرف (سب کو) لوٹنا ہے (پس اس اعتقاد کی وجہ سے ہم نے جو کچھ کفار سے اعلان برائت کیا اور
 محض خلوص سے کیا ہے، اس میں کوئی دنیوی غرض نہیں، اور اس سے مقصود تفاخر بھی نہیں بلکہ عرض
 حال بغرض سوال ہے اور) اے ہمارے پروردگار ہم کو کافروں کا تحقّہ مشق نہ بنا، (یعنی ہم پر اس تہمتی
 سے یہ کافر ظلم نہ کرنے پاویں) اور اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ معاف کر دیجئے بے شک آپ زبردست
 حکمت والے ہیں (اور ہر طرح کی آپ کو قدرت حاصل ہے) بے شک ان لوگوں میں (یعنی ابراہیم علیہ السلام

اور ان کے تابعین میں) تمھارے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ کے سامنے جانے کا اور قیامت کے دن رکے آنے کا اعتقاد رکھتا ہو یعنی یہ اعتقاد مقتضی ہے اس بارہ میں اتباع ابراہیمی کو اور آگے دوسرے طرز پر وعید ہے جیسے اس سے پہلے **وَمَنْ يَفْعَلْ مِنْ يَفْعَالِهِ** میں وعید آچکی ہے یعنی جو شخص (اس حکم سے) روگردانی کرے گا سو اسی کا ضرر ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ (تو) بالکل بے نیاز اور (بوجہ جامع الکملات ہونے کے) سزاوار

حکم ہے۔

معارف مسائل

اس سورت کا ابتدائی حصہ کفار و مشرکین سے موالات اور دوستانہ تعلقات رکھنے کی حرمت و نعت میں آیا ہے اور اس کے نزول کا ایک خاص واقعہ ہے :-

شان نزول | تفسیر قرطبی میں قشیری اور ثعلبی کے حوالہ سے مذکور ہے کہ غزوہ بدر کے بعد فتح مکہ سے پہلے مکہ مکرمہ کی ایک مغنیہ عورت جس کا نام سارہ تھا، پہلے مدینہ طیبہ آئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا تم ہجرت کر کے آئی ہو تو کہا کہ نہیں، آپ نے پوچھا کہ کیا پھر تم مسلمان ہو کر آئی ہو؟ اس نے اس کا بھی انکار کیا، آپ نے فرمایا کہ پھر یہاں کس غرض سے آئی ہو؟ اس نے کہا کہ آپ لوگ مکہ مکرمہ کے اعلیٰ خاندان کے لوگ تھے، آپ ہی میں میرا گزارہ تھا، اب مکہ کے بڑے سردار تو غزوہ بدر میں مارے گئے اور آپ لوگ یہاں چلے آئے ہیں، میرا گزارہ مشکل ہو گیا، میں سخت حاجت و ضرورت میں مبتلا ہو کر آپ سے مدد لینے کے لئے یہاں آئی ہوں، آپ نے فرمایا کہ تم تو مکہ مکرمہ کی پیشہ در مغنیہ ہو وہ مکہ کے نوجوان کیا ہوئے (جو تجھ پر روپیہ پیسے کی بارش کیا کرتے تھے) اس نے کہا کہ واقعہ بدر کے بعد (انکی تقریبات اور جشن طرب ختم ہو چکے ہیں) اس وقت سے کسی نے مجھے نہیں بلایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبدالمطلب کو اس کی امداد کرنے کی ترغیب دی، انھوں نے اس کو نقد اور پوشاک وغیرہ دے کر رخصت کیا۔

اور یہ وہ زمانہ تھا جب صلح حدیبیہ کے معاہدہ کو کفار قریش نے توڑ ڈالا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر کے اس کی خفیہ تیاری شروع کر رکھی تھی، اور یہ دعاء بھی کی تھی کہ ہمارا راز اہل مکہ پر قبل از وقت فاش نہ ہو، ارادہ ہاجرین اولین میں ایک صحابی حاطب بن ابی بلتعہؓ تھے جو اصل سے یمن کے باشندے تھے، مکہ مکرمہ میں آکر مقیم ہو گئے تھے وہاں ان کا کوئی کنبہ قبیلہ نہ تھا وہیں مسلمان ہو گئے، پھر ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے، ان کے اہل و عیال بھی مکہ ہی میں تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بہت سے صحابہ کرام کی ہجرت کے بعد مشرکین مکہ اُن مسلمانوں کو جو مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے ستاتے اور پریشان کرتے تھے، جنہاں ہاجرین کے خویش و عزیز مکہ میں موجود تھے، ان کو تو

کسی درجہ میں تحفظ حاصل تھا، عاطب کو یہ فکر تھی کہ میرے اہل و عیال کو دشمنوں کی ایذاؤں سے بچانے والا وہاں کوئی نہیں، انھوں نے اپنے اہل و عیال کے تحفظ کا موقع غنیمت جانا کہ اہل مکہ پر کچھ احسان کر دیا جائے تو وہ ان کے بچوں پر ظلم نہ کریں گے۔

ان کو اپنی جگہ یہ یقین تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو توحق تعالیٰ فتح ہی عطا فرمائیں گے، آپ کو یا اسلام کو یہ راز فاش کر دینے سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، اگر میں نے ان کو کوئی خط لکھ کر اس کی اطلاع کر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تم لوگوں پر حملہ کرنے کا ہے تو میرے بچوں کی حفاظت ہو جائیگی یہ غلطی ان سے ہو گئی کہ ایک خفیہ خط اہل مکہ کے نام لکھ کر اس جانے والی عورت سارے کے سپرد کر دیا (قرطبی منطری) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس معاملہ کی اطلاع دیدی اور یہ بھی آپ کو معلوم ہو گیا کہ وہ عورت اس وقت روضہ خاخ کے مقام تک پہنچ چکی ہے۔

صحیحین بخاری و مسلم میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور ابو مرثد اور زبیر بن عوام کو حکم دیا کہ گھوڑوں پر سوار ہو کر اس عورت کا تعاقب کرو وہ تمہیں روضہ خاخ میں ملے گی، اور اس کے ساتھ عاطب بن ابی بلتعہ کا خط بنام مشرکین مکہ ہے اس کو پکڑ کر وہ خط واپس لے لو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حسب الحکم تیزی کے ساتھ تعاقب کیا، اور ٹھیک اسی جگہ جہاں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی اس عورت کو اونٹ پر سوار جاتے ہوئے پکڑ لیا، اور ہم نے کہا کہ وہ خط نکالو جو تمہارے پاس ہے، اس نے کہا کہ میرے پاس کوئی کسی کا خط نہیں۔ ہم نے اس کے اونٹ کو بٹھا دیا اس کی تلاشی لی مگر خط ہمیں ہاتھ نہ آیا، لیکن ہم نے دل میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر غلط نہیں ہو سکتی، ضرور اس نے خط کو کہیں چھپایا ہے، تو اب ہم نے اس کو کہا کہ یا تو خط نکال دو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتروائیں گے۔

جب اُس نے دیکھا کہ اب ان کے ہاتھ سے نجات نہیں تو اپنے ازار میں سے یہ خط نکالا، ہم یہ خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے، حضرت عمر بن خطابؓ نے واقعہ سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں سے خیانت کی کہ ہمارا راز کفار کو لکھ دیا، مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن مار دوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاطب بن ابی بلتعہ سے پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے اس حرکت پر آمادہ کیا؟ عاطب بن ابی بلتعہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ایمان میں اب بھی ذرا فرق نہیں ہے، بات یہ ہے کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں اہل مکہ پر کچھ احسان کر دوں تاکہ وہ میرے اہل و عیال کو کچھ نہ کہیں، میرے سوا دوسرے حضرات جہاں جبرین میں کوئی ایسا نہیں جس کا کنبہ قبیلہ وہاں موجود نہ ہو جو ان کے اہل و عیال کی حفاظت کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطبؓ کا بیان سُن کر فرمایا کہ اس نے سچ کہا، اس کے معاملہ میں خیر کے سوا کچھ نہ کہو، حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنی غیرتِ ایمانی سے، پھر اپنی بات دھرائی اور اُن کے قتل کی اجازت مانگی، آپؐ نے فرمایا کہ کیا یہ اہل بدر یعنی غزوہ بدر کے شرکار، میں سے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے سب شرکار غزوہ بدر کی مغفرت کا ادران کے لئے وعدہ جنت کا اعلان فرمادیا ہے، یہ سُن کر حضرت فاروق اعظمؓ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ ہی حقیقت کا علم رکھتے ہیں یہ بخاری کی روایت کتاب المغازی غزوہ بدر میں ہے، از ابن کثیرؒ اور بعض روایات میں حاطبؓ کا یہ قول بھی ہے کہ میں نے یہ کام اسلام اور مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے لئے ہرگز نہیں کیا، کیونکہ میرا یقین تھا کہ آپؐ کو فتح ہی ہوگی، اہل مکہ کو خبر بھی ہوگئی تو آپؐ کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

اس واقعہ کی بناء پر سورہ ممتحنہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں اس واقعہ پر سرزنش اور تنبیہ اور مسلمانوں کو کفار کے ساتھ کسی قسم کے دوستانہ تعلق رکھنے کو حرام قرار دیا گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ يَعْنِي اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ کہ تم اُن کو دوستی کے پیغام دو، اس میں اسی واقعہ مذکورہ کی طرف اشارہ ہے کہ اس طرح کا خط کفار کو لکھنا ان کو دوستی کا پیغام دینا ہے، اور آیت میں لفظ کفار کو چھوڑ کر عَدُوِّي اور عَدُوَّكُمْ کا عنوان اختیار کرنے میں اَدَل تو اس حکم کی علت اور دلیل کی طرف اشارہ ہو گیا کہ اپنے اور خدا کے دشمنوں سے دوستی کی توقع رکھنا سخت دھوکہ ہے اس سے بچو، دوسرے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ کافر جب تک کافر ہے وہ کسی مسلمان کا جب تک کہ وہ مسلمان ہے دوست نہیں ہو سکتا، وہ خدا کا دشمن ہے تو مسلمان جو خدا کی محبت کا دعویٰ دار ہو اس سے اس کی دوستی کیسے ہو سکتی ہے۔

وَقَدْ كَفَرَ وَايْتَابَ اجَاءَ كُفْرًا مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرِّسُولَ وَايْتَابَ كُفْرًا اَنْ تَوَعَّدُوْا بِاللّٰهِ وَبِتَكْفُرٍ، حق سے مراد قرآن یا اسلام ہے، اس آیت میں ان کا کفر جو اصل سبب ہے عداوت کا اس کا بیان کرنے کے بعد ان کی ظاہری عداوت کو بھی بتلایا کہ انھوں نے تم کو اور تمھارے رسولؐ کو ان کے وطن عزیز سے نکالا اور اس نکالنے کی وجہ کوئی دنیاوی سبب نہ تھا بلکہ صرف تمھارا ایمان اس کا سبب تھا، تو یہ بات کھل گئی کہ جب تک تم مؤمن ہو وہ تمھارے دوست نہیں ہو سکتے، اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جیسا حاطبؓ نے خیال کیا تھا کہ اُن پر کچھ احسان کر دوں گا تو وہ میرے اہل و عیال کی حفاظت کریں گے، یہ خیال غلط ہے، کیونکہ وہ تمھارے دشمن ایمان کی وجہ سے ہیں، جب تک خدا نخواستہ تمھارا ایمان سلب نہ ہو جاوے ان سے کسی دوستی و تعلق کی توقع رکھنا دھوکہ ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ حَوَّجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِيْ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِيْ، اس میں بھی اشارہ اس طرف ہے کہ اگر تمھاری ہجرت واقعی اللہ کے لئے اور اس کی رضا جوئی کے لئے تھی تو کسی کافر دشمن خدا سے اس کی

کیسے توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ تمھاری کوئی رعایت کرے۔

لَيْسَ ذُنُوبُ الْكَافِرِينَ بِالْمُؤَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَمْتُمْ، اس میں یہ بھی بتلادیا کہ جو لوگ کفار سے خفیہ دوستی رکھیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی یہ حرکت پوشیدہ رہ جائے گی، اللہ تعالیٰ کو ان کے چھپے اور کھلے ہر حال اور عمل کی خبر ہے، جیسا کہ واقعہ مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی خبردار کر کے سازش کو پکڑوا دیا۔

إِنْ يَتَّقُوا كُفْرَكُمْ يَكُونُوا الْكُفْرَ أَعْدَاءً وَيَسْطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتُهُمْ يَسْتَوِعُونَ ان لوگوں سے یہ امید رکھنا کہ وہ موقع پانے کے باوجود تمھارے ساتھ کوئی رولاری برتیں گے اس کا کوئی امکان نہیں، ان کو جب بھی تم پر غلبہ حاصل ہوگا تو ان کے ہاتھ اور زبان تمھاری بُرائی اور خرابی کے سوا کسی چیز کی طرف نہ اٹھیں گے۔

وَذُوَاؤُكَ تَكْفُرُونَ، اس میں اشارہ ہے کہ جب تم ان سے دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ گے تو ان کی دوستی صرف تمھارے ایمان کی قیمت پر ہوگی، جب تک تم کفر میں مبتلا نہ ہو جاؤ، وہ کبھی تم سے راضی نہ ہوں گے۔ لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ، یعنی قیامت کے روز تمھارے رشتے ناتے اور تمھاری اولاد تمھارے کام نہ آئیں گے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز یہ سب تعلقات ختم کر دیں گے، اولاد ماں باپ سے اور ماں باپ اولاد سے بھل گئے پھریں گے، اس میں حضرت حاطبؓ کے عذر کی تردید ہے کہ جس اولاد کی محبت میں مبتلا ہو کر یہ کام کیا تھا سمجھ لو کہ قیامت کے دن وہ اولاد تمھارے کچھ کام نہ آئے گی، اور اللہ تعالیٰ سے کوئی راز اور خفیہ چیز چھپنے والی نہیں۔

اگلی آیات میں کفار سے ترک موالات کی تاکید و تاکید کے لئے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ اُن کا تو سارا خاندان مشرکین کا تھا، انھوں نے سب بیزاری اور برائت کا ہی نہیں بلکہ عداوت کا اعلان کر دیا، اور بتلادیا کہ جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ گے اور اپنے شرک سے باز نہ آؤ گے ہم اے تمھارے درمیان بغض و عداوت کی دیوار حائل رہے گی، قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ رَآهُ حَتَّى تَوَعَّدَ مِنَّا بِاللهِ وَحْدَهُ کا یہی مطلب ہے۔

ایک شبہ کا جواب | اوپر کی آیت میں مسلمانوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اُسوۂ حسنہ اور سنت پر چلنے کی تاکید فرمائی گئی ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنے والد مشرک کے لئے استغفار کرنا ثابت ہے، جس کا ذکر سورۃ توبہ وغیرہ میں آیا ہے تو اتباع سنت ابراہیمی کے حکم سے کسی کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ اپنے مشرک والدین یا عزیزوں کے لئے دعا و مغفرت کرنا بھی اس میں داخل ہے، یہ جائز ہونا چاہیے، اس لئے اس اُسوۂ ابراہیمی کے اتباع سے اس کو مستثنیٰ کر کے فرمادیا کہ اور سب چیزوں میں اُسوۂ ابراہیمی کا اتباع لازم ہے، مگر ان کے اس فعل کی اقتدار

مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ مشرک والدین اور عزیزوں کے لئے دعائے مغفرت کرنے لگیں، آیتِ الا قول اَبْرٰهٖمَ لَا بَیَّیۡہٗ لَا سَتَعْفُیۡنَیۡ لَدٰکَ، کا یہی مطلب ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عذر سورۃ توبہ میں آچکا ہے کہ انھوں نے باپ کے لئے استغفار کا وعدہ ممانعت سے پہلے کر لیا تھا، یا اس گمان پر کر لیا تھا کہ اس کے دل میں ایمان آ گیا ہے، جب معلوم ہوا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو اس سے بھی برائت و بیزاری کا اعلان کر دیا، فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَکَ اَنۡہٗ عَدُوٌّ لِلّٰہِ تَبَيَّنَ اِلَیۡہِ مَا تَطۡلُبُ۔

اور بعض حضرات مفسرین نے الا قول اَبْرٰهٖمَ کے استثناء کو استثناء منقطع قرار دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کے لئے استغفار اس اُسوۃ ابراہیمی کے منافی نہیں کیونکہ انھوں نے اس بنا پر استغفار کر لیا تھا، کہ انھوں نے گمان کیا تھا کہ وہ مسلمان ہو گیا، پھر جب حقیقت معلوم ہو گئی تو استغفار چھوڑ دیا اور برائت و بیزاری کا اعلان فرما دیا، اور ایسا کرنا اب بھی جائز ہے، کہ جس شخص کو کسی کافر کے متعلق گمان غالب یہ ہو جائے کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے، اس کے استغفار کرنے میں کئی مضائقہ نہیں (قرطبی) خلاصہ تفسیر مذکور میں بھی اسی صورت کو اختیار کر کے تفسیر کی گئی ہے واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

عَسٰی اللّٰہُ اَنْ یَّجْعَلَ بَیۡنَکُمْ وَبَیۡنَ الَّذِیۡنَ عَادٰیۡتُہُم مِّنۡہُمْ مَّوَدَّۃً

امید ہے کہ اللہ تم میں اور جو دشمن ہیں تمھارے ان میں دوستی

وَاللّٰہُ قَدِ یُرِیۡطُ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝۹ لَا یُنہٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ

اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان لوگوں سے

لَمۡ یَقَاتِلُوۡکُمْ فِی الدِّیۡنِ وَلَمۡ یُخْرِجُوۡکُم مِّنۡ دِیَارِکُمۡ اَنْ تَبَرُّوۡہُمۡ

جو لڑے نہیں تم سے دین پر اور نہ نکالا نہیں تم کو تمھارے گھروں سے کہ ان سے کرو بھلائی اور

وَتَقْسِطُوۡا اِلَیۡہِمۡ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ السَّقِیۡطِیۡنَ ۝۱۰ اِنۡسَا یُنہٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ

انصاف کا سلوک بیشک اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو، اللہ تو منع کرتا ہے تم کو ان سے

الَّذِیۡنَ قَاتَلُوۡکُمْ فِی الدِّیۡنِ وَاَخْرَجُوۡکُم مِّنۡ دِیَارِکُمۡ وَظَآہِرُہُمۡ وَاَعۡلٰی

جو لڑے تم سے دین پر اور نہ نکالا تم کو تمھارے گھروں سے اور شریک ہوئے تمھارے

اِخۡرَاجِکُمۡ اَنْ تَوَلَّوۡہُمۡ ۚ وَ مَنۡ یَّوَلَّہُمۡ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظَّٰلِمُوۡنَ ۝۹

نکالنے میں کہ ان سے کرو دوستی اور جو کوئی ان سے دوستی کری سورہ لوگ وہی ہیں گنہگار،

خلاصہ تفسیر

اور چونکہ ان کی عداوت سن کر مسلمانوں کو فکر ہو سکتی تھی کچھ قطع قرابات سے طبعاً رنج ہو سکتا تھا، اس لئے بطور بشارت کے آگے پیشینگوئی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے امید ہے (یعنی اور ہر سے وعدہ ہے) کہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمہاری عداوت ہے دوستی کر دے (گو بعض ہی سے ہی، یعنی ان کو مسلمان کر دے جس سے عداوت تبدیل بہ صداقت ہو جائے) اور (اس کو کچھ بعید نہ سمجھو کیونکہ) اللہ کو بڑی قدرت ہے (چنانچہ فتح مکہ کے روز بہت آدمی خوشی سے مسلمان ہو گئے، مطلب یہ کہ اول تو اگر قطع تعلق ہمیشہ کے لئے ہوتا تب بھی بوجہ مامور بہ ہونے کے واجب العمل تھا، پھر خاص کر جبکہ تھوڑی سی مدت کے لئے کرنا پڑا اور پھر مشارکت فی الایمان سے دوستی اور تعلق بدستور عود کر آئے تو کوئی فکر کی بات نہیں) اور (اب تک جو کسی سے اس حکم کے خلاف خطا ہو گئی ہے جس سے اب وہ تائب ہو چکا ہے تو) اللہ تعالیٰ (اس کے لئے) عفو رحیم ہے (اور یہاں تک تو دوستانہ تعلقات کی نسبت حکم فرمایا تھا کہ ان کا قطع واجب ہی آگے محسنانہ تعلقات کے حکم کی تفصیل فرماتے ہیں وہ یہ کہ) اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا (مراد وہ کافر ہیں جو ذمی یا مصالح ہوں، یعنی محسنانہ برتاؤ ان سے جائز ہے، باقی رہا عدل و انصاف کا منصفانہ برتاؤ تو اس میں ذمی یا مصالح کی شرط نہیں بلکہ وہ تو ہر کافر بلکہ جانور کے ساتھ بھی واجب ہے، اس آیت میں عدل و انصاف سے مراد محسنانہ برتاؤ کرنا ہے، اس لئے مصالحین کے ساتھ مخصوص کیا گیا) اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں (البتہ) صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی (یعنی بر و احسان) کرے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں (خواہ بالفعل یا بالعزم) اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور (اگر نکالا نہ بھی ہو لیکن) تمہارے نکالنے میں (نکالنے والوں کی) مدد کی ہو (یعنی ان کے ساتھ شریک ہوں) خواہ ان کے عمل میں شرکت کی ہو یا عزم و ارادہ اس کا رکھتے ہوں اس میں وہ سب کافر آگئے جن سے مسلمانوں کا کوئی معاہدہ صلح کا یا عقد ذمہ نہیں تھا، ان کے ساتھ بر و احسان کا معاملہ جائز نہیں بلکہ ان سے جنگ اور مقابلہ مطلوب ہے) اور جو شخص ایسوں سے دوستی (کا برتاؤ یعنی بر و احسان کا برتاؤ) کرے گا سو وہ لوگ گنہگار ہوں گے۔

معارف و مسائل

سابقہ آیات میں کفار سے دوستانہ تعلق رکھنے کی سخت ممانعت و حرمت کا بیان آیا ہے اگرچہ وہ کفار رشتہ و قرابت میں کتنے ہی قریب ہوں، صحابہ کرام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کے

معاملہ میں نہ ذاتی خواہش کی پرواہ کرتے تھے نہ کسی خویش و عزیز کی، اس پر عمل کیا گیا، جس کے نتیجہ میں گھر گھر یہ صورت پیش آئی کہ باپ مسلمان بیٹا کافر یا اس کے برعکس ہے تو دوستانہ تعلق قطع کر دیا گیا، ظاہر ہے انسانی فطرت اور طبیعت پر یہ عمل آسان نہ تھا، اس لئے آیات مذکورہ میں حق تعالیٰ نے ان کی اس مشکل کو عنقریب آسان کر دینے کی خبر سنائی۔

بعض روایات حدیث میں ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ جب اللہ کی رضا جوئی کے لئے اپنی کسی محبوب چیز کو چھوڑتا ہے تو بعض اوقات اللہ تعالیٰ اسی چیز کو حلال کر کے اس تک پہنچا دیتے ہیں، اور بعض اوقات اس سے بہتر چیز عطا فرما دیتے ہیں۔

ان آیات میں حق تعالیٰ نے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ آج جو لوگ کفر پر ہیں اور اس کی وجہ سے وہ تمھارے دشمن ہیں تم ان کے دشمن ہو قریب ہو کہ اللہ تعالیٰ اس عداوت کو دوستی سے تبدیل فرمائے، مطلب یہ ہے کہ اُن کو ایمان کی توفیق عطا فرما کر تمھارے تعلقات باہمی کو پھر از سر نو ہموار کر دے، اس پیشینگوئی کا ظہور فتح مکہ کے وقت اس طرح ہوا کہ بجز اُن کفار کے جو قتل کئے گئے اور سب مسلمان ہو گئے (منظری) قرآن کریم میں اس کا بیان یَا خُلُوْا فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَوْ اَجَا..... میں کیا گیا ہے، کہ یہ لوگ فوج فوج بڑی تعدادوں میں اللہ کے دین اسلام میں داخل ہو جائیں گے، اور ایسا ہی ہوا۔

صحیح بخاری میں حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اُن کی والدہ بحالت کفر مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ پہنچیں (مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ غزوہ حدیبیہ کے بعد قریش مکہ سے معاہدہ صلح ہو گیا تھا اور ان کی والدہ کا نام قُتیلہ ہے، یہ اپنی بیٹی اسماءؓ کے لئے کچھ تحفے بھیجے لے کر مدینہ پہنچیں تو حضرت اسماءؓ نے ان کے تحفے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور اپنے گھر میں آنے کی بھی اجازت اس وقت تک نہ دی جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت نہ کر لیا، غرض حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری والدہ مجھ سے ملنے کے لئے آئی ہیں اور وہ کافر ہیں میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی والدہ کی صلہ رحمی کرو یعنی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرؤ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، لَا یُحِبُّکُمْ اللّٰہُ عَنِ الدِّیْنِ لَمْ یُؤْمِرُوْا بِکُمْ فِی الدِّیْنِ۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت اسماءؓ کی والدہ قُتیلہ کو صدیق اکبرؓ نے زمانہ جاہلیت میں طلاق دیدی تھی، حضرت اسماءؓ اس کے بطن سے تھیں اور ان کی بہن اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا صدیق اکبرؓ کی دوسری بیوی اُمّ رومان کے بطن سے تھیں، یہ مسلمان ہو گئی تھیں۔ (ابن کثیر و منظری)

اس آیت میں ایسے کفار جنھوں نے مسلمانوں سے مقاتلہ نہیں کیا، اور ان کے گھروں سے نکالنے میں بھی کوئی حصہ نہیں لیا ان کے ساتھ احسان کے معاملہ اور اچھے سلوک اور عدل و انصاف کرنے کی

ہدایت دی گئی ہے، عدل و انصاف تو ہر کافر کے ساتھ ضروری ہے، جس میں کافر ذمی اور مصالح اور کافر حربی و دشمن سب برابر ہیں، بلکہ اسلام میں تو عدل و انصاف جانوروں کے ساتھ بھی واجب ہے کہ ان کی قتل سے زیادہ باران پر نہ ڈالے اور ان کے چالے اور آرام کی نگہداشت رکھے، اس آیت میں اصل مقصود پُر و احسان کرنے کی ہدایت ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے ثابت ہوا کہ نفلی صدقات ذمی اور مصالح کافر کو بھی دیئے جاسکتے ہیں صرف کافر حربی کو دینا ممنوع ہے۔

اِنَّمَا يَهْتَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ (إِلَى) اَنْ تَوَدُّهُمْ، اس آیت میں اُن کفار کا بیان ہے جو مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ و قتال کر رہے ہوں، اور مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالنے میں کوئی حصہ لے رہے ہوں، اُن کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ موالات اور دوستی سے منع فرماتا ہے، اس میں پُر و احسان کا معاملہ کرنے کی ممانعت نہیں، بلکہ صرف قلبی دوستی اور دوستانہ تعلقات کی ممانعت ہے، اور یہ ممانعت کچھ ان میں برسرِ پیکار دشمنوں کے ساتھ نہیں بلکہ اہل ذمہ اور اہل صلح کافروں کے ساتھ بھی قلبی موالات اور دوستی جائز نہیں، اس سے تفسیر منطری میں یہ مسئلہ نکالا ہے کہ حربی یعنی برسرِ جنگ کفار کے ساتھ عدل و انصاف تو اسلام میں ضروری ہے ہی، اور ممانعت صرف موالات یعنی دوستی کی کی گئی، پُر و احسان کی ممانعت نہیں کی گئی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محسانہ سلوک برسرِ پیکار دشمنوں کے ساتھ بھی جائز ہے، البتہ دوسری نصوص کی بنا پر یہ شرط ہے کہ ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے سے مسلمانوں کو کسی نقصان و ضرر کا خطرہ نہ ہو، جہاں یہ خطرہ ہو وہاں پُر و احسان اُن پر جائز نہیں، ہاں عدل و انصاف ہر حال میں ہر شخص کیلئے ضروری اور واجب واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَاِمْتَحِنُوهُنَّ

اے ایمان والو جب آئیں تمہارے پاس ایمان والی عورتیں وطن چھوڑ کر تو ان کو جانچ لو

اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ

اللہ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو پھر اگر جانو کہ وہ ایمان پر ہیں تو مت پھیرو اُن کو

إِلَى الْكُفَّارِ لَأَهْنُ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهَا ط وَاللَّهُ هُمْ

کافروں کی طرف نہ یہ عورتیں حلال ہیں اُن کافروں کو اور نہ وہ کافر حلال ہیں ان عورتوں کو، اور دید اُن کافروں

مَا أَنْفَقُوا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ

کو جو ان کا خرچ ہوا ہو اور گناہ نہیں تم کو کہ نکاح کرو ان عورتوں سے جب اُن کو دو

اجْرُكُنَّ وَلَا تَمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَافِرِوَسْأَلُوا مَا أَنْفَقْتُمْ وَلَيْسَ لَكُمْ بِهِ

انکے ہزار اور نہ رکھو اپنی قبضہ میں ناموس کافر تو انکے اور تم مانگ لو جو تم نے خرچ کیا اور وہ کافر مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا یہ

حُكْمُ اللَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ⑩ وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ

اللہ کا فیصلہ ہر قسم میں فیصلہ کرنا ہی اور اللہ سب کچھ جانتے والا ہے اور اگر جاتی رہیں تمہارا ہاتھ سے

مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعاقِبْتُمْ فَانُوا الَّذِينَ زَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ

کچھ عورتیں کافروں کی طرف پھر تم ہاتھ مارو تو دیدو ان کو جن کی عورتیں جاتی رہی ہیں جتنا

مِثْلَ مَا أَنْفَقُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ⑪ يَا أَيُّهَا

انہوں نے خرچ کیا تھا اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم کو یقین ہے اے نبی

الرَّسُولُ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ بِيَاْعُنِكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يُنْفِقْنَ بِاللهِ شَيْئًا

جب آئیں تیرے پاس مسلمان عورتیں بیعت کرنے کو اس بات پر کہ شریک نہ ٹھہرائیں اللہ کا کسی کو

وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْمَانٍ

اور چوری نہ کریں اور بدکاری نہ کریں اور اپنی اولاد کو نہ مار ڈالیں اور طوفان نہ لائیں

يَفْتَرِينَ بَيْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ

باندھ کر اپنے ہاتھوں اور پاؤں میں اور تیری نافرمانی نہ کریں کسی بھلے کام میں

فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ⑫ يَا أَيُّهَا

تو ان کو بیعت کرے اور معافی مانگ ان کے واسطے اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اے

الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَكْسِبُوا مِنْ

ایمان والو مت دوستی کر دو ان لوگوں سے کہ غصہ ہوا ہے اللہ ان پر وہ آس توڑ چکے ہیں پچھلے

الْآخِرَةِ كَمَا يَلِيسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ⑬

گھر سے جیسے آس توڑی مسکروں نے قبر والوں سے ؛ ؛ ؛

خلاصہ تفسیر

سبب نزول کا واقعہ | یہ آیتیں بھی ایک خاص موقع کے متعلق ہیں اور وہ موقع صلح حدیبیہ کا ہی

جس کا بیان آغاز سورۃ فتح میں ہوا ہے، منجملہ ان شرطوں کے جو صلح نامہ میں لکھی گئی تھیں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو شخص مسلمانوں میں سے کافروں کی طرف چلا جاوے وہ واپس نہ دیا جاوے، اور جو شخص کافروں میں سے مسلمانوں کی طرف چلا جاوے وہ واپس دیدیا جاوے، چنانچہ بعض مسلمان مرد آئے اور واپس کر دیئے گئے پھر بعض عورتیں مسلمان ہو کر آئیں، ان کے اقارب نے ان کی واپسی کی درخواست کی، اس پر یہ آیتیں حدیبیہ میں نازل ہوئیں جس میں عورتوں کے واپس کرنے کی ممانعت کی گئی، پس عموم مضمون صلح نامہ کا اس سے مخصوص اور منسوخ ہو گیا، اور ایسی عورتوں کے باب میں کچھ خاص احکام مقرر کئے گئے، اور ان کے ساتھ کچھ احکام ایسی عورتوں کے باب میں مقرر ہوئے جو پہلے مسلمانوں کے نکاح میں تھیں مگر اسلام نہ لائیں اور مکہ ہی میں رہ گئیں اور چونکہ مداران احکام کا ان عورتوں کا مسلمان ہونا ہے، اس لئے طریق امتحان بھی بتلایا گیا، پس ب خطاب عام ارشاد فرماتے ہیں کہ) اے ایمان والو جب تمھارے پاس مسلمان عورتیں (دارالحرب) ہجرت کر کے آویں، (خواہ مدینہ میں کہ دارالاسلام ہے خواہ حدیبیہ میں کہ معسر اسلام حکم دارالاسلام میں ہے کذا فی کتاب الحدود من الہدایۃ) تو تم ان (کے مسلمان ہونے) کا امتحان کر لیا کرو (جس کا طریقہ آگے خطاب خاص یا بیہا البتہ میں آتا ہے اور اس امتحان میں ظاہری امتحان پر اکتفا کیا کرو کیونکہ) ان کے (حقیقی) ایمان کو (تو) اللہ ہی خوب جانتا ہے (تم کو تحقیق ہو ہی نہیں سکتا، پس اگر ان کو (اس امتحان کی رو سے) مسلمان سمجھو تو ان کو کفار کی طرف واپس مت کرو (کیونکہ) نہ تو وہ عورتیں ان کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافران عورتوں کے لئے حلال ہیں (کیونکہ مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد سے مطلقاً نہیں رہتا، اور اس صورت میں) ان کافروں نے جو کچھ (مہر کے بابت ان عورتوں پر) خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کرو اور تم کو ان عورتوں سے نکاح کرنے میں کچھ گناہ نہ ہو گا جبکہ تم ان کے مہر ان کو دیدو اور (اے مسلمانوں) تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھو (یعنی جو تمھاری بیبیاں دارالحرب میں کفر کی حالت میں رہ گئیں ان کا نکاح تم سے زائل ہو گیا، ان کے تعلقات کا کوئی اثر باقی مت سمجھو) اور (اس صورت میں) جو کچھ تم نے (ان عورتوں کے مہر میں) خرچ کیا ہو (ان کافروں سے) مانگ لو اور (اسی طرح) جو کچھ ان کافروں نے (مہر کے بابت) خرچ کیا ہو وہ (تم سے) مانگ لیں (جیسا اور ارشاد ہوا ہے) اَوْ هُمْ مَّا اَنْفَقُوْا شَیْءٌ تَکْرِیْرٌ مَّعْنُوْنٌ بِاَخْلَافِ عَمُوْاْنِ اس لئے ہو کہ تمھارے ذمہ جو دوسروں کا حق ہو اس کو زیادہ مت کہو (یہ جو کچھ کہا گیا) اللہ کا حکم ہے (اس کا اتباع کرو) وہ تمھارے درمیان (ایسا ہی مناسب) فیصلہ کرتا ہے اور اللہ بڑا علم اور حکمت والا ہے (علم و حکمت کے مناسب احکام مقرر فرماتا ہے) اور اگر تمھاری بیبیوں میں سے کوئی بی بی کافروں میں رہ جانے سے (بالکل ہی) تمھارے ہاتھ نہ آئے (یعنی وہ نہ ملے اور نہ اس کا بدلہ مہر ملے اور) پھر (کافروں کو مہر دینے کی) تمھاری نوبت آوے (یعنی تمھارے ذمہ کسی کافر کا حق مہر واجب الادا ہو) تو رسم وہ مہر ان کافروں کو نہ دو، بلکہ جن (مسلمانوں) کی بیبیاں ہاتھ سے نکل گئیں (جن کا ابھی ذکر ہوا فاکلم میں) جتنا (مہر) انھوں نے

ران پیسوں پر خرچ کیا تھا اس کے برابر (اس رقم واجب الاداء میں سے) تم ان کو دیدو اور اللہ سے کہ جس پر تم ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو (احکام واجبہ میں خلل مت ڈالو آگے خطاب خاص میں طریق امتحان ایمان کا فرماتے ہیں کہ) اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس راس غرض سے آویں کہ آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ کوئی بہتان کی اولاد دلائیں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان نطفہ شوہر سے جنی ہوئی اولاد ہونے کا دعویٰ کرے (جیسا جاہلیت میں بعض عورتوں کا دستور تھا کہ کسی غیر کا بچہ اٹھالائیں اور کہہ دیا کہ میرے خاوند کا ہے، اور یا کسی سے بدکاری کی اور اس نطفہ حرام کو اپنے خاوند کا بتلادیا کہ اس میں علاوہ گناہ زنا کے اپنے شوہر کے ساتھ غیر کے بچے کا الحاق بھی ہے، جس پر حدیث میں بھی وعید آئی ہے، رواہ ابو داؤد والنسائی) اور مشروع باتوں میں وہ آپ کے خلاف نہ کریں گی (اس میں سب احکام شرعیہ آگئے، پس وہ عورتیں اگر ان شرطوں کو قبول کر لیں جن کا اعتقاد شرط ایمان ہے اور التزام عمل شرط کمال ایمان ہے) تو آپ ان کو بیعت کر لیا کیجئے اور ان کے لئے اللہ سے (پچھلے گناہوں کی) مغفرت طلب کیا کیجئے، بیشک اللہ غفور رحیم ہے (مطلب یہ کہ جب ان احکام کے حق اور واجب العمل سمجھنے کا اظہار کریں تو ان کو مسلمان سمجھتے، اور ہر چند کہ خود اسلام ہی سے پچھلے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے، مگر یہاں استغفار کا حکم یا تو مکمل طور پر آثار مغفرت حاصل کرنے کے لئے ہے، اور یا حاصل اس کا دعاء ہی، قبول ایمان کی جس پر مغفرت مرتب ہوتی ہے) اے ایمان والو! ان لوگوں سے (بھی) دوستی مت کرو جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا ہے (مراد اس سے یہودی ہیں، لقولہ تعالیٰ فی المائدۃ، مَنْ آتَمَّهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَیْہِ الْاٰیۃ) کہ وہ آخرت کے (خیر و ثواب) سے ایسے ناامید ہو گئے ہیں جیسا کفار جو قبروں میں (مدفون) ہیں (خیر و ثواب آخرت سے) ناامید ہیں (جو کا فر مرجاتا ہے بوجہ اس کے کہ اس کو معاینہ آخرت کا ہو جاتا ہے، حقیقت امر یہ یقین کے ساتھ مطلع ہو جاتا ہے کہ اب میری بخشش ہرگز نہ ہوگی، چونکہ حسب آیت یَعْرِفُوْنَہٗ اَلَمْ یَعْرِفُوْنَ اَنْبِیَآءَہُمْ اَیُّہُمْ اَیُّہُمْ آپ کی نبوت کو اور اسی طرح مخالف نبی کے کافر اور غیر ناجی ہونے کو خوب جانتے ہیں، گو عار و حسد کی وجہ سے اتباع نہ کرتے تھے، اس لئے ان کو دل سے یقین تھا کہ ہم ناجی نہیں ہیں، گویا شیخی کے مارے ظاہر اس کے خلاف کرتے ہوں، پس حاصل یہ ہوا کہ جن کی گمراہی ایسی مسلم ہے کہ وہ خود بھی دل سے اس کو تسلیم کرتے ہیں ایسے گمراہوں سے تعلق رکھنا کیا ضرور! اور یہ نہ سمجھا جاوے کہ جو گمراہ اشد درجہ گمانہ ہو اس سے دوستی جائز ہے، جو ازدوستی سے تو مطلق کفر مانع ہے، مگر اس صفت سے وہ عدم جواز اور شدید ہو جاوے گا، اور شاید تخصیص یہود کی اس جگہ اس لئے ہو کہ مدینہ میں یہود زیادہ تھے اور دوسرے وہ لوگ شریک و مفسد بھی بہت تھے) ۛ

معارف و مسائل

معاہدہ صلح حدیبیہ کی بعض شرائط کی تحقیق، | سورۃ فتح میں حدیبیہ کا واقعہ تفصیل سے آچکا ہے، جس میں بالآخر قریش مکہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک معاہدہ صلح و سن سال کے لئے لکھا گیا اس معاہدہ کی بعض شرائط ایسی تھیں جن میں دَب کر صلح کرنے اور مسلمانوں کی بظاہر مغلوبیت محسوس ہوتی تھی، اسی لئے صحابہ کرام میں اس پر غم و غصہ کا اظہار ہوا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باشاراتِ ربانی یہ محسوس فرما رہے تھے کہ اس وقت کی چند روزہ مغلوبیت بالآخر ہمیشہ کے لئے فتحِ مبین کا پیش خیمہ بننے والی ہے، اس لئے قبول فرمالیا، اور پھر سب صحابہ کرام بھی مطمئن ہو گئے۔

اس صلح نامہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی آدمی مدینہ جائے گا تو آپ اس کو واپس کر دیں گے، اگرچہ وہ مسلمان ہی ہو، اور اگر مدینہ طیبہ سے کوئی مکہ مکرمہ چلا جائے گا تو قریش مکہ اس کو واپس نہ کریں گے، اس معاہدہ کے الفاظ عام تھے جس میں بظاہر مرد و عورت دونوں داخل تھے، یعنی کوئی مسلمان مرد یا عورت جو بھی مکہ مکرمہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائے اس کو آپ واپس کر دیں گے۔ جس وقت یہ معاہدہ مکمل ہو چکا اور ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ حدیبیہ میں تشریف فرما تھے کئی ایسے واقعات پیش آئے جو مسلمانوں کے لئے بہت صبر آزما تھے، جن میں ایک واقعہ ابو جندل کا ہے، جن کو قریش مکہ نے قید میں ڈالا ہوا تھا، وہ کسی طرح ان کی قید سے چھوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے، صحابہ کرام میں اُن کو دیکھ کر سخت تشویش پھیلی کہ معاہدہ کی رو سے اُن کو واپس کیا جانا چاہیے، اور ہم اپنے مظلوم بھائی کو پھر ظالموں کے ہاتھ میں دیدیں یہ کیسے ہو گا؟

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاہدہ تحریر فرما چکے تھے اور اصولِ شریعت کی حفاظت اور اُن پر پختگی کو ایک فرد کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے تھے، اور اس کے ساتھ آپ کی چشمِ بصیرت عفریب ان سب مظلوموں کی فاتحانہ نجات کا بھی گویا مشاہدہ کر رہی تھی، طبعی رنج و تکلیف تو ابو جندل کی واپسی میں آپ کو بھی یقیناً ہوگی، مگر آپ نے معاہدہ کی پابندی کی بناء پر اُن کو سمجھا بھجا کر رخصت کر دیا۔

اسی کے ساتھ ایک دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ سعیدہ بنت الحارث الاسلمیہ جو مسلمان تھیں مگر صیغی بن انصب کے نکاح میں تھیں جو کافر تھا، بعض روایات میں اس کا نام مسافر المخزومی بتلایا گیا ہے اس وقت تک مسلمانوں اور کفار میں رشتہ مناکحت طرفین سے حرام نہیں ہوا تھا، یہ مسلمان عورت مکہ سے بھاگ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئیں ساتھ ہی ان کا شوہر حاضر ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ میری عورت مجھے واپس کی جائے، کیونکہ آپ نے یہ شرط قبول کر لی ہے اور ابھی تک اس معاہدہ کی مہر بھی خشک نہیں ہوئی۔

اس واقعہ پر یہ آیات مذکورہ نازل ہوئیں جن میں دراصل مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان عقد نکاح کو حرام قرار دیا گیا ہے، اور اس کے نتیجے میں یہ بھی کہ جو عورت مسلمان خواہ اس کا مسلمان ہونا پہلے سے معلوم ہو جیسے سعیدہ مذکورہ تھیں، یا بوقت ہجرت اس کا مسلمان ہونا صحیح طور سے ثابت ہو جائے، وہ اگر ہجرت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ جائے اس کو کفار کے قبضہ میں واپس نہ دیا جائے، کیونکہ وہ اپنی کافر شوہر کے لئے حلال نہیں رہی (تفسیر قرطبی میں یہ واقعہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے نقل کیا ہے)

غرض ان آیات کے نزول نے یہ واضح کر دیا کہ صلحنامہ کی یہ شرط کہ جو بھی مسلمان آپ کے پاس پہنچے آپ واپس کریں گے اپنے لفظی عموم کے ساتھ جس میں مرد و عورت دونوں داخل ہیں صحیح نہیں، یہ شرط صرف مردوں کے حق میں قبول کی جاسکتی ہے، عورتوں کے معاملہ میں یہ شرط قابل قبول نہیں، ان کے بارے میں صرف اتنا کیا جاسکتا ہے کہ جو عورت مسلمان ہو کر ہجرت کرے اس کے کافر شوہر نے جو کچھ اس پر مہر کی صورت میں خرچ کیا ہے وہ خرچ اس کو واپس کیا جائے گا، ان آیات کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کے مفہوم کو واضح فرمادیا، اور اس کے مطابق سعیدہ مذکورہ کو واپس نہیں کیا۔

بعض روایات میں ہے کہ ام کلثوم بنت عقبہؓ بنی معیط مکہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئیں، ان کے خاندان کے لوگوں نے واپسی کا مطالبہ عموم شرط کی وجہ سے کیا اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور بعض روایات میں ہے کہ ام کلثوم عمرو بن عاص کے نکاح میں تھیں جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، یہ اور ان کے ساتھ ان کے دو بھائی مکہ سے بھاگ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے اور ساتھ ہی عمرو بن عاص شوہر ام کلثوم وغیرہ نے آکر ان کی واپسی کا مطالبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، آپ نے شرط کے مطابق ان کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید کو تو واپس کر دیا، مگر ام کلثوم کو واپس نہیں فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ یہ شرط مردوں کے لئے تھی عورتیں اس میں شامل نہیں، اس پر یہ آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے لئے نازل ہوئیں۔

اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچنے والی دوسری عورتوں کے بھی کچھ واقعات روایات میں مذکور ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ ان میں کوئی تضاد نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ متعدد واقعات سب ہی پیش آئے ہوں۔

شرط مذکور سے عورتوں کا استثناء نقص عہد نہیں | مذکور الصدر روایت قرطبی سے تو معلوم ہوا کہ معاہدہ کی شرط بلکہ ایک شرط کی حیثیت قبول و تردید ہے، کے الفاظ اگرچہ عام تھے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ عورتوں کے لئے عام اور شامل نہیں تھے، اس لئے آپ نے اس کی وضاحت دیں حد تک کے مقام پر فرمادی اور اسی کی تصدیق پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تو اس شرط کو عموم کے ساتھ قبول فرمایا تھا

جس میں عورتیں بھی شامل تھیں، ان آیات کے نزول نے اس کے عموم کو منسوخ قرار دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ پر اسی وقت یہ واضح کر دیا کہ عورتیں اس شرط میں داخل نہ ہونگی، چنانچہ عورتوں کو آپ نے واپس نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ صورت نہ نقض عہد کی تھی جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی امکان ہی نہ تھا، اور نہ یہ نبذ عہد کی صورت تھی یعنی معاہدہ کو ختم کر دینے کی، بلکہ ایک شرط کی وضاحت کا معاملہ تھا، خواہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد پہلے ہی سے یہ ہو یا نزول آیت کے بعد آپ نے اس عموم کو صرف مردوں تک محدود کرنے کے لئے فرما دیا ہو، بہر حال ہوا یہ ہے کہ اس توضیح کے بعد بھی معاہدہ صلح کو طرفین نے قبول کیا اور اس پر ایک مدت تک طرفین سے عمل ہوتا رہا، اس صلح کے نتیجہ میں راستے مأمون ہوئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک و نیل کے نام خطوط بھیجے، اور اسی کے نتیجہ میں ابوسفیان کا قافلہ بے فکری کے ساتھ ملک شام تک پہنچا، جہاں ہر قتل نے ان کو اپنے دربار میں بلا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و واقعات کی تحقیق کی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس شرط صلح کے عام الفاظ میں، عورتوں کا شامل نہ ہونا خواہ پہلے ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں تھا یا نزول آیت کے بعد آپ نے عورتوں کو اس عموم سے خارج کیا، بہر صورت کفار قریش اور مسلمانوں کے درمیان یہ معاہدہ اس وضاحت کے بعد بھی مکمل ہی سمجھا گیا، اور ایک عرصہ تک اس پر عمل ہوتا رہا، اس لئے اس شرط کی وضاحت کو نقض عہد یا نبذ عہد میں داخل نہیں کیا جاسکتا، واللہ اعلم، آگے آیات کا مفہوم ان کے الفاظ کے تحت دیکھئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ
بِإِيمَانِهِنَّ، مراد آیت کی یہ ہے کہ عورتوں کو شرط صلح سے مستثنیٰ ہونگی وجہ اُن کا مسلمان اور مؤمن ہونا ہے مکہ سے مدینہ آنے والی عورتوں میں احتمال اس کا بھی تھا کہ ان میں سے کوئی اسلام و ایمان کی خاطر نہیں، بلکہ اپنے شوہر سے ناراضی کے سبب یا مدینہ کے کسی شخص سے محبت کے سبب یا کسی دوسری دنیوی غرض سے ہجرت کر کے آگئی ہو وہ عند اللہ اس شرط سے مستثنیٰ نہیں، بلکہ اس کو واپس کرنا شرط صلح کے تحت ضروری ہے، اس لئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کے ایمان کا امتحان لو، اس کے ساتھ ہی یہ جملہ فرمایا کہ اللہ اعلم بِإِيمَانِهِنَّ، اس میں اشارہ کر دیا کہ حقیقی اور اصل ایمان کا تعلق تو انسان کے دل سے ہے، جس پر اللہ کے سوا کسی کو اطلاع نہیں، البتہ آدمی کے زبانی اقرار اور قرائن سے ایمان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، پس مسلمان اسی کے مامور و مکلف ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی سے روایت ہے کہ اُن کے امتحان کا طریقہ یہ تھا کہ ہاجر عورت سے حلف لیا جاتا تھا کہ وہ اپنے شوہر سے بغض و نفرت کی وجہ سے نہیں آئی، اور نہ مدینہ کے کسی آدمی کی محبت کی وجہ سے اور نہ کسی دوسری دنیوی غرض سے بلکہ اس کا آنا خالص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کی محبت و رضا جوئی کے لئے ہے، جب وہ یہ حلف کر لیتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مدینہ میں رہنے کی اجازت دیتے، اور اس کا ہر وغیرہ جو اس نے اپنے کافر شوہر سے وصول کیا تھا وہ اس کے شوہر کو واپس دیدیتی تھے۔ (فشرطی)

اور حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ترمذی میں روایت ہے جس کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے، آپ نے فرمایا کہ اُن کے امتحان کی صورت وہ بیعت تھی جس کا ذکر اگلی آیات میں تفصیل سے آیا ہے اِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعُكَ الْاَيَةَ، گویا آنے والی ہاجر عورتوں کے امتحان ایمان کا طریقہ ہی یہ تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اُن چیزوں کا عہد کریں جو اس بیعت کے بیان میں آگے آئی ہیں، اور یہ بھی کچھ بعد نہیں کہ ابتدائی طور پر پہلے وہ کلمات اُن سے کہلوائے جاتے ہوں جو بروایت ابن عباسؓ اور پر ذکر کئے گئے ہیں اور اس کی تکمیل اس بیعت سے ہوتی ہو جس کا آگے ذکر ہے۔ واللہ اعلم

فَاِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُوَدَّعَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ، یعنی جب بطر زندقہ کو ران ہا جرات کے ایمان کا امتحان لے کر تم ان کو مومن قرار دیدو تو پھر ان کو کفار کی طرف واپس کرنا جائز نہیں۔
لَا هُنَّ حِلٌّ لَكُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهَا، یعنی نہ یہ عورتیں کافر مردوں پر حلال ہیں اور نہ کافر مرد اُن کے لئے حلال ہو سکتے ہیں کہ ان سے دوبارہ نکاح کر سکیں۔

مسئلہ :- اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ جو عورت کسی کافر کے نکاح میں تھی اور پھر وہ مسلمان ہو گئی تو کافر سے اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو گیا، یہ اس کے لئے اور وہ اس کے لئے حرام ہو گئے، اور یہی وجہ عورتوں کو شرطِ صلح میں واپس سے مستثنیٰ کرتے کی ہے کہ اب وہ اس کے شوہر کا فر کیلئے حلال نہیں رہی۔
وَالَّذِينَ هُمْ مِمَّا آتَفَقُوا، یعنی ہا جسر مومنہ کے کافر شوہر نے اس کے نکاح میں جو ہر وغیرہ اس کو دیا ہے وہ سب اس کے شوہر کو واپس دیا جائے، کیونکہ شرطِ صلح سے مستثنیٰ صرف عورتوں کی واپسی تھی، جو بوجہ اُن کے حرام ہو جانے کے نہیں ہو سکتی، مگر جو مال انھوں نے ان کو دیا ہے وہ حسب شرط واپس کر دینا چاہئے اس مال کی واپسی کا خطاب ہا جر عورتوں کو نہیں کیا گیا کہ تم واپس کرو بلکہ عام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ واپس کریں، کیونکہ بہت ممکن بلکہ غالب یہ ہو کہ جو مال ان کے شوہر نے اُن کو دیا تھا وہ ختم ہو چکا ہو، اب اُن سے واپس دلانے کی صورت ہی نہیں ہو سکتی، اس لئے یہ فریضہ عام مسلمانوں پر ڈال دیا گیا کہ معاہدہ صلح کو پورا کرنے کے لئے اس کی طرف سے کافر شوہروں کا مال واپس کر دیں، اگر بیت المال سے دیا جاسکتا ہے تو وہاں سے ورنہ عام مسلمانوں کے چندے سے (من لہرطی)

وَاِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعُكَ الْاَيَةَ اِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ اُجُورَهُنَّ، پچھلی آیت میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ ہجرت کر کے آنے والی مسلمان عورت کا نکاح اس کے کافر شوہر سے فسخ ہو چکا ہے اور یہ اس پر حرام ہو چکی ہے، اس آیت میں اسی حکم کا تکملہ یہ ہو کہ اب مسلمان مرد سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے، اگرچہ سابق

شوہر کا فرزندہ بھی ہے اور اس نے طلاق بھی نہیں دی، مگر شرعی حکم سے نکاح فسخ ہو چکا ہے، اس کو دوسری مرد سے اس کا نکاح حلال ہو گیا۔

کافر مرد کی بیوی مسلمان ہو جائے تو نکاح فسخ ہو جانا آیت مذکورہ سے معلوم ہو چکا، لیکن دوسرے کسی مسلمان مرد سے اس کا نکاح کس وقت جائز ہو گا، اس کے متعلق امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ جس کافر مرد کی عورت مسلمان ہو جائے تو حاکم اسلام اس کے شوہر کو بلا کر کہے کہ اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو نکاح برقرار رہے گا، ورنہ نکاح فسخ ہو جائے گا، اگر وہ اس پر بھی اسلام لانے سے انکار کرے تو اب ان دونوں میں فرقت کی تکمیل ہو گئی، اس وقت وہ کسی مسلمان مرد کا نکاح کر سکتی ہے، مگر یہ ظاہر ہے کہ حاکم اسلام کا شوہر کو حاضر کرنا وہیں ہو سکتا ہے جہاں حکومت اسلام کی ہو، دارالکفر یا دارالحرب میں ایسا واقعہ پیش آئے تو شوہر سے اسلام کے لئے کہنے اور اس کے انکار کی صورت نہیں ہوگی جس سے دونوں میں تفریق کا فیصلہ کیا جاسکے، اس لئے اس صورت میں زوجین کے درمیان تفریق کی تکمیل اُس وقت ہوگی جب یہ عورت ہجرت کر کے دارالاسلام میں آجائے یا مسلمانوں کے لشکر میں آجائے، دارالاسلام میں آنے کی صورت مذکور واقعات میں مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد ہو سکتی ہے، اور لشکر اسلام حدیبیہ میں بھی موجود تھا، اس میں پہنچنے سے بھی اس کا تحقق ہو جاتا ہے، جس کو فقہاء کی اصطلاح میں اختلاف دارین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی جب کافر مرد اور اس کی بیوی مسلمان کے درمیان دارین کا فاصلہ ہو جائے، یعنی ایک دارالکفر میں اور دوسرا دارالاسلام میں تو یہ تفریق مکمل ہو کر عورت دوسرے سے نکاح کیلئے آزاد ہو جاتی ہے (ہدایہ وغیرہ) اور اس آیت میں جو اِذَا اٰتٰیْتُمُوْہُنَّ اَمْوَالَہُنَّ کو بطور شرط کے فرمایا کہ تم ان سے نکاح کر سکتے ہو۔

بشرطیکہ اُن کے ہر دید و ایہ در حقیقت نکاح کی شرط نہیں، کیونکہ باتفاق امت نکاح کا انعقاد ادائیہر پر موقوف اور مشروط نہیں ہے، البتہ نکاح پر ہر کی ادائیگی واجب و لازم ضرور ہے، یہاں اس کو بطور شرط کے شاید اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ ابھی ایک ہر تو اس کے کافر شوہر کو واپس کرایا جا چکا ہے، ایسا نہ کہ اب اس سے نکاح کرنے والے مسلمان یہ سمجھ بیٹھیں کہ ہر تو دیا جا چکا، اور جدید ہر کی ضرورت نہیں اس لئے فرمادیا کہ اس ہر کا تعلق پچھلے نکاح سے تھا، یہ دوسرا نکاح ہو گا تو اس کا جدید ہر لازم ہے۔

وَلَا تُنْسِكُوا الْعِصَمَ الْكُرَافِیْنَ، عِصْمَ کی جمع ہے، جس کے اصلی معنی حفاظت اور استحکام کے ہیں، مراد اس سے وہ عقد نکاح وغیرہ ہیں جن کی حفاظت کی جاتی ہے۔

گوافر جمع کافرہ کی ہے، اور مراد اس سے مشرکہ عورت ہے، کیونکہ کافرہ کتابیہ سے نکاح کی اجازت قرآن کریم میں منصوص ہے، مراد آیت کی یہ ہے کہ اب تک جو مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان منکحت کی اجازت تھی وہ ختم کر دی گئی، اب کسی مسلمان کا نکاح مشرکہ عورت سے جائز نہیں، اور جو نکاح پہلے ہو چکے ہیں وہ بھی ختم ہو چکے، اب کسی مشرکہ عورت کو اپنے نکاح میں روکنا حلال نہیں۔

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو جن صحابہ کرام کے نکاح میں کوئی مشرک عورت تھی اس کو چھوڑ دیا حضرت فاروق اعظمؓ کے نکاح میں دو مشرک عورتیں اُس وقت تک تھیں جو بوقت ہجرت مکہ مکرمہ میں رہ گئی تھیں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ آیت نازل ہونے کے بعد دونوں کو طلاق دیدی ردواہ البغوی بسند الزہری کذا فی المنہری) اور طلاق سے مراد اس جگہ چھوڑ دینا اور قطع تعلق کر لینا ہے، اصطلاحی طلاق کی یہاں ضرورت ہی نہیں، کیونکہ اس آیت کے ذریعہ نکاح ٹوٹ چکا ہے۔

وَاسْتَأْذِنُوا مِمَّا أَنْفَقْتُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ عَلَيْهِمْ أَنْ يَنْفِقُوا، یعنی جب معاملہ یہ ٹھہرا کہ جو عورت مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آجائے تو وہ واپس مکہ نہ بھیجی جائے گی، البتہ اس کے شوہر نے جو ہر وغیرہ اس کو دیا ہو وہ اس کے شوہر کو واپس دیا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی مسلمان عورت خدا نخواستہ مرتد ہو کر مکہ معظمہ چلی جائے یا پہلے ہی سے کافر ہو مگر مسلمان شوہر کے قبضہ سے نکل جائے (خلاصہ تفسیر میں اسی صورت کو شاید اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ ایسا کوئی واقعہ پیش ہی نہیں آیا کہ کوئی مسلمان عورت مرتد ہو کر مکہ چلی گئی ہو، اور پھر وہیں کافر ہو کر رہ گئی ہو، ہاں ایسے واقعات پیش آئے کہ جو پہلے ہی سے کافر تھیں وہ اپنے مسلمان شوہر کے قبضہ سے نکل کر مکہ ہی میں رہیں) کفار مکہ اس کو واپس نہیں کریں گے، مگر اس کے مسلمان شوہر نے جو ہر وغیرہ اس کو دیا ہے اس کی واپسی کفار مکہ کے ذمہ ہوگی، اس لئے ان معاملات کا تصفیہ باہمی حساب نہیں سے کر لیا جائے، طرفین سے جو کچھ ہر وغیرہ میں خرچ کیا گیا ہے وہ دریافت کر کے اس کے مطابق لین دین کر لیا جائے اس حکم پر مسلمانوں نے تو بطیب خاطر عمل کیا کہ احکامِ قرآن کی پابندی اُن کے نزدیک فرض ہے اس لئے جتنی عورتیں ہجرت کر کے آئیں سب کے ہر وغیرہ ان کے کافر شوہروں کو واپس بھیج دیئے، مگر کفار مکہ کا قرآن پر ایمان نہیں تھا، انھوں نے عمل نہ کیا، اس پر اگلی آیت نازل ہوئی، (ذکرہ البغوی عن الزہری منہری) وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمُ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَلَّامٌ لِّلْآيَةِ، عَاقِبَتُهُمْ، معاقبہ سے مشتق ہے جس کے ایک معنی انتقام اور بدلہ لینے کے بھی ہیں، یہاں یہ معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں (کما روی عن قتادہ و مجاہد، قرطبی) اس صورت میں مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ مسلمانوں کی کچھ عورتیں اگر کفار کے قبضہ میں آجائیں تو شرط صلح کے ماتحت اوروں پر لازم تھا کہ اُن کے مسلمان شوہروں کو ان کا دیا ہوا ہر وغیرہ واپس کریں جیسا کہ مسلمانوں کی طرف سے مہاجرات کے کافر شوہروں کو ان کا ہر واپس کیا گیا، لیکن جب کفار نے ایسا نہ کیا اور مسلمان عورتوں کے ہر ان کو ادا نہ کئے تو ان کے اس عمل کا اگر تم انتقام اور بدلہ لیں اس طرح کہ کفار مکہ کو جو رقم مہاجرات کے ہر کی ادا کرنا تھی تم بھی وہ اپنے حق کے مطابق روک لو تو اس کا حکم یہ ہے کہ فَاتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَا أَنْفَقُوا، یعنی تم اس رقم میں سے جو مہاجرات کے ہر کی روک لی گئی ہے، ان مسلمان شوہروں کے خرچ کئے ہوئے ہر وغیرہ ادا کرو جن کی عورتیں کفار مکہ کے قبضہ میں آ گئی ہیں۔ دوسرے معنی عَاقِبَتُهُمْ، عَقَبَتُهُمْ کے جنگ میں مالی غنیمت حاصل کرنے کے بھی ہیں، اور اس

آیت میں لفظ عاقبتہم کی یہ تینوں تراتیں بھی مختلف قرار سے منقول ہیں، اور حضرت قتادہ و مجاہد سے ان تینوں لفظوں کے معنی غنیمت کے بھی منقول ہیں، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ جن مسلمان شوہروں کی عورتیں کفار کے قبضہ میں چلی گئیں اور شرط صلح کے مطابق کفار نے اُن کے ہر مسلمان شوہروں کو ادا نہیں کیا پھر مسلمانوں کو مال غنیمت حاصل ہوا تو ان شوہروں کا حق مال غنیمت اُن کو ادا کر دیا جائے (قرطبی)

کیا مسلمانوں کی کچھ عورتیں مرتد ہو کر مکہ چلی گئی تھیں ؟
اس آیت میں جس معاملے کا حکم بیان کیا گیا ہے اس کا واقعہ بعض حضرات کے نزدیک صرف ایک ہی پیش آیا تھا کہ حضرت عیاض بن غنم قریشی کی بیوی ام الحکم بنت ابی سفیان مرتد ہو کر مکہ چلی گئی تھی، اور پھر یہ بھی اسلام کی طرف لوٹ آئی۔

اور حضرت ابن عباسؓ نے مکہ چھ عورتوں کا اسلام سے انحراف اور کفار کے ساتھ مل جانا ذکر فرمایا اسی جن میں سے ایک تو یہی ام الحکم بنت ابی سفیان تھیں اور باقی پانچ عورتیں وہ تھیں جو ہجرت کے وقت ہی مکہ مکرمہ میں رک گئیں اور پہلے ہی سے کافر تھیں، جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی جس نے مسلم و کافر کے نکاح کو توڑ دیا، اس وقت بھی وہ مسلمان ہونے کے لئے تیار نہ ہوئیں، اس کے نتیجہ میں یہ بھی اُن عورتوں میں شمار کی گئیں، جن کا ہر اُن کے مسلمان شوہروں کو کفار مکہ کی طرف سے واپس ملنا چاہئے تھا، جب انھوں نے نہیں دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت سے اُن کا حق ادا کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مدینہ سے مکہ چلے جانے اور مرتد ہونے کا تو صرف ایک ہی واقعہ تھا، باقی پانچ عورتیں پہلے ہی سے کفر پر تھیں، اور کفر پر قائم رہنے کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے نکاح سے اس آیت کی بناء پر نکل گئیں، اس لئے اُن کو بھی اس ضمن میں شمار کیا گیا اسی اور ایک عورت جس کا مرتد ہو کر مکہ چلے جانا مذکور ہوا ہے یہ بھی بعد میں پھر مسلمان ہو گئیں (قرطبی) اور بغوی نے روایت ابن عباسؓ نقل کیا ہے کہ باقی پانچ عورتیں جو اس میں شمار کی گئی ہیں وہ بھی بعد میں مسلمان ہو گئیں۔ (مظہری)

عورتوں کی بیعت | يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمَوْتُ مِنْ بَنَاتٍ يَعْنَلُكَ الْأَيَّةُ، اس آیت میں مسلمان عورتوں سے ایک تفصیلی بیعت لینے کا ذکر ہے جس میں ایمان و عقائد کے ساتھ احکام شرعیہ کی پابندی کا بھی معاہدہ ہے، سابق آیات جن کے سیاق میں یہ آیت بیعت آئی ہے وہ اگرچہ اُن مہاجرات کے ایمان کا امتحان کرنے کے سلسلے میں ہے، اور یہ بیعت اُن کے امتحان ایمان کی تکمیل ہے، لیکن الفاظ آیت عام ہیں، نو مسلم مہاجرات کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ سب مسلمان عورتوں کے لئے عام ہیں، اور واقعہ بھی اسی طرح پیش آیا، کہ بیعت مذکور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے والی صرف نو مسلم مہاجرات ہی نہیں دوسری قدیم عورتیں بھی شریک تھیں، جیسا کہ صحیح بخاری میں اُم عطیہؓ سے اور بسند لغوی امیرہ بنت رقیہؓ سے منقول ہے، حضرت امیرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے چند دوسری عورتوں کی معیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو آپؐ نے جن احکام شرعیہ کی پابندی کا معاہدہ اس بیعت میں لیا

اس کے ساتھ یہ کلمات بھی تلقین فرمائے کہ فِيمَا اسْتَطَعْتُمْ وَاَطَقْتُمْ، یعنی ہم اُن چیزوں کی پابندی کا عہد اسی حد تک کرتے ہیں جہاں تک ہماری استطاعت و طاقت میں ہے، ایمہ نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و شفقت ہم پر خود ہماری ذات سے بھی زائد تھی کہ ہم نے تو بلا کسی قید و شرط کے عہد کرنا چاہا تھا آپ نے اس شرط کی تلقین فرمادی، تاکہ کسی اضطراری حالت میں خلافت و رزی ہو جائے تو عہد شکنی میں داخل نہ ہو (منظری)

اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس بیعت نسا کے متعلق فرمایا کہ عورتوں کی یہ بیعت صرف گفتگو اور کلام کے ذریعہ ہوتی، مردوں کی بیعت میں جو ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا دستور ہے، عورتوں کی بیعت میں ایسا نہیں کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک نے کبھی کسی غیر محرم کے ہاتھ کو نہیں چھوا (منظری)

اور روایات حدیث سے ثابت ہو کہ یہ بیعت نسا صرف اس واقعہ حدیبیہ کے بعد ہی نہیں بلکہ بار بار ہوتی رہی، یہاں تک کہ فتح مکہ کے روز بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کی بیعت سے فارغ ہونے کے بعد کوہ صفا پر عورتوں سے بیعت لی، اور پہاڑ کے دامن میں حضرت عمر بن خطابؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو دہرا کر نیچے جمع ہونے والی عورتوں کو پہونچا رہے تھے جو اس بیعت میں شریک تھیں۔

اس وقت بیعت ہونے والی عورتوں میں ابوسفیان کی بیوی ہند بھی داخل تھیں، جو شروع میں حیار کے سبب اپنے آپ کو چھپانا چاہتی تھیں، پھر بیعت میں کچھ احکام کی تفصیل آئی تو بولنے اور دریافت کرنے پر مجبور ہو گئیں، کئی سوالات کئے، یہ واقعہ تفصیل سے تفسیر منظری میں مذکور ہے۔

مردوں کی بیعت میں اجمال | مردوں سے جو بیعت لی گئی وہ عموماً اسلام اور جہاد پر لی گئی ہے، عملی احکام کی اور عورتوں کی بیعت میں تفصیل | تفصیل اس میں نہیں ہے، بخلاف عورتوں کی بیعت کے کہ اس میں وہ تفصیل ہو جو آگے آرہی ہے، وجہ فرق کی یہ ہے کہ مردوں سے ایمان و اطاعت کی بیعت لینے میں یہ سب احکام داخل تھے، اس لئے تفصیل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، اور عورتیں عموماً عقل و فہم میں مردوں سے کم ہوتی ہیں اس لئے ان کی بیعت میں تفصیل مناسب سمجھی گئی، یہ اس بیعت کی ابتداء ہے جو عورتوں سے شروع ہوئی مگر آگے یہ عورتوں کے ساتھ مخصوص نہیں رہی، مردوں سے بھی انہی چیزوں کی بیعت لینا روایات حدیث میں ثابت ہے، (کماروی عن عبادة بن الصامت) (قرطبی) اس کے علاوہ جن احکام کی پابندی کا عہد عورتوں سے لیا گیا عموماً عورتیں ان میں بے راہی اختیار کرنے کی عادی ہوتی ہیں، اس لئے بھی خصوصیت سے ان کی بیعت میں مندرجہ ذیل تفصیل آئی: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ عَلٰی اَنْ لَا يُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْْئًا، الا یہ اس میں پہلی بات تو وہی ایمان کی اور شرک سے بچنے کی ہے، جو عام مردانہ بیعتوں میں بھی آتی ہے، دوسری بات چوری نہ کرنا ہے، بہت سی

عورتیں اپنے شوہر کے مال میں چوری کرنے کی عادی ہوتی ہیں، اس لئے ذکر کیا گیا، تیسری بات زنا سے پرہیز کرنا ہے جس میں عورتیں پختہ ہو جاویں تو مردوں کو بھی نجات آسان ہو جائے، چوتھی بات یہ ہے کہ اپنی بچوں کو قتل نہ کریں۔ زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر کے ہلاک کر دینے کا رواج تھا، اس کو روکا گیا، پانچویں بات یہ ہے کہ افتراء اور بہتان نہ باندھیں، اس بہتان کی ممانعت کے ساتھ یہ الفاظ بھی ہیں رَبَّنَا آتِنَا یَھِیَّتَ ذَا رَحْمٰتِہِمْ (یعنی اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان بہتان نہ باندھیں، ان کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ قیامت کے روز انسان کے ہاتھ پاؤں ہی اس کے اعمال پر شہادت دیں گے، مطلب یہ ہوا کہ ایسے گناہ کے ارتکاب کے وقت یہ خیال رہنا چاہئے کہ میں چار گواہوں کے درمیان یہ کام کر رہا ہوں جو میرے خلاف گواہی دیں گے۔ یہاں لفظ بہتان عام ہے اپنے شوہر پر ہو یا کسی دوسرے پر، کیونکہ افتراء و بہتان ہر شخص پر یہاں تک کہ کافر پر بھی حرام ہے، خصوصاً اپنے شوہر پر بہتان اور بھی اس شد گناہ ہے، اور شوہر پر بہتان لگانے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ عورت کسی اور شخص کا بچہ لے کر اس کو اپنے شوہر کا بچہ ظاہر کر دے اور اس کے نسب میں داخل کر دے، اور یہ بھی کہ معاذ اللہ بدکاری کرے اور حمل رہ جائے جس کے نتیجہ میں یہ بچہ شوہر کے نسب میں داخل سمجھا جائے۔

چھٹی بات ایک عام ضابطہ ہے کہ وَلَا یُعْصِیَنَّکَ فِی مَعْرُوْفٍ، یعنی وہ کسی نیک کام میں آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں گی، یہاں "معروف" یعنی نیک کام کی قید لگانا جب کہ یہ یقینی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم معروف اور نیک کے ہوا ہو ہی نہیں سکتا، یا تو اس لئے ہے کہ عام مسلمان پوری طرح سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، یہاں تک کہ رسول کی اطاعت بھی اس شرط کے ساتھ مشروط کر دی گئی۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں معاملہ عورتوں کا ہے، ان سے عام اطاعت کہ ان کے کسی حکم کے خلاف نہ کریں گی، کسی کے دل میں اس سے شیطان مگر اسی کے دوسرے پیدا کر سکتا ہے اس کا راستہ روکنے کے لئے یہ قید لگا دی، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

تمت

سورۃ الممتحنۃ بعون اللہ تعالیٰ و حمدہ

عشرین خلت من جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ

یوم النصار و تیلوہ النصار اللہ سورۃ الصف

سُورَةُ الصَّفِّ

سُورَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ أَرْبَعٌ عَشْرَةَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعَانِ

سورۃ صفت مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی چودہ آیتیں ہیں اور دو رکوع ،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بھد مہربان نہایت رحم والا ہے ،

سَبِّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور جو کچھ ہو زمین میں اور وہی ہے زبردست

الْحَكِيمُ ① يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ②

حکمت والا ، اے ایمان والو کیوں کہتے ہو مٹنے سے جو نہیں کرتے ،

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ③ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو اللہ چاہتا ہے اُن

الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُورٌ ④

لوگوں کو جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں قطار باندھ کر گویا وہ دیوار ہیں سیدہ پلائی ہوئی ،

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ لِمَ تَقُولُونَ وَقَدْ تَعْلَمُونَ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اور قوم میری کیوں ستاتے ہو مجھ کو اور تم کو معلوم ہے

أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ ⑤

کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں تمہارے پاس ، پھر جب پھر گئے تو پھیر دیئے اللہ نے اُن کے دل

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵ وَاِذْ قَالَ عِيسٰى ابْنُ مَرْيَمَ

اور اللہ راہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو ، اور جب کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے

يٰۤاِبْنِيْ اَسْرَآئِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ

ایہ بنی اسرائیل میں بھیجا ہوا آیا ہوں اللہ کا تمھارے پاس یقین کرنیوالا اس پر جو مجھ سے آگے ہے

مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّآتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اَسْمٰى اَحْمَدُ

توریت اور خوش خبری سننے والا ایک رسول کی جو آئے گا میرے بعد اس کا نام ہے احمد

فَلَمَّا جَاۤءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْٓا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۶ وَمَنْ اَظْلَمُ

پھر جب آیا ان کے پاس کھلی نشانیاں لیکر کہنے لگے یہ جادو ہے صریح ، اور اس سے زیادہ بے انصاف

مَنْ اِفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكُذِبَ وَهُوَ يُدْعٰى اِلَى الْاِسْلَامِ وَاللّٰهُ

کون جو باندھے اللہ پر جھوٹ اور اس کو بھلاتے ہیں مسلمان ہونے کو اور اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۷ يٰرَيِّدُوْنَ لِيُطْفِئُوْٓا نُوْرَ اللّٰهِ

راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو ، چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کی روشنی اپنے

بَاۡفُوْا هِمُّمٌ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهِ وَاَوْكَرَ الْكَافِرُوْنَ ۝۸ هُوَ الَّذِيْ

منہ سے اور اللہ کو پوری کرنی ہی اپنی روشنی اور بڑے بُرا مانیں منکر ، وہی ہے جس نے

اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنٍ الْحَقِّ لِيُظْهِرَ كَ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَاَوْ

بھیجا اپنا رسول راہ کی سوجھ بوجھ دے کر اور سچا دین کہ اس کو اوپر کرے سب دینوں سے اور

كَرَ الْاُمُّوْرُ ۝۹

پڑے بُرا مانیں شرک کرنے والے

خلاصہ تفسیر

سب چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں (قَالَ لَا يَٰحَالًا) جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں

اور وہی زبردست حکمت والا ہے پس جو ایسا باعظمت و نشان ہو اس کی اطاعت ہر حکم میں ضروری

ہے، جن میں سے ایک حکم جہاد کا ہے، جو اس سورت میں مذکور ہے، جس کے نزول کا سبب یہ ہے کہ

بھی تھے یہ قول آیا ہے کہ واقعی آپ ہی ہیں جن کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی، اور خازن ہی میں ترمذی سے عبد اللہ بن سلام کا قول جو کہ علماء یہودیوں سے تھے آیا ہے کہ توراۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت لکھی ہے اور یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام آپ کے ساتھ مدقون ہوں گے، اور چونکہ عیسیٰ علیہ السلام توراۃ کے مبلغ تھے، اس لئے توراۃ میں اس بشارت کا ہونا نیز عیسیٰ علیہ السلام سے منقول کہا جاوے گا، اور مولانا رحمت اللہ صاحب نے اظہار الحق میں خود توراۃ کے موجودہ نسخوں سے متعدد بشارتیں نقل کی ہیں جلد دوم صفحہ ۱۶۳ مطبوعہ قسطنطنیہ اور ان مضامین کا اناجیل موجودہ میں نہ ہونا اس لئے مضر نہیں کہ حسب تحقیق علماء محققین اناجیل کے نسخے محفوظ نہیں رہے، مگر تاہم جو کچھ موجود ہیں ان میں بھی اس قسم کا مضمون موجود ہے، چنانچہ یوحنا کی انجیل مترجمہ عربی مطبوعہ لندن ۱۸۳۲ء و ۱۸۳۳ء کے چودھویں باب میں ہے کہ تمھاری لئے میرا جانا ہی بہتر ہے، کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمھارے پاس نہ آوے، پس اگر میں جاؤں تو اس کو تمھارے پاس بھیج دوں گا، فارقلیط ترجمہ احمد کا ہے، اہل کتاب کی عادت ہے کہ وہ ناموں کا بھی ترجمہ کر دیتے ہیں، عیسیٰ علیہ السلام نے عبرانی میں احمد فرمایا تھا، جب یونانی میں ترجمہ ہوا تو پیرکلوٹوس لکھ دیا جس کے معنی ہیں احمد یعنی بہت سراہا گیا، بہت حمد کرنے والا، پھر جب یونانی سے عبرانی میں ترجمہ کیا تو اس کو فارقلیط کر دیا، اور بعض عبرانی نسخوں میں اب تک نام مبارک احمد موجود ہے، دیکھو پادری پارکھرست کی یہ عبارت دیباہ حمدہ خل کو شیم از حمایت الاسلام مطبوعہ بریلی ۱۸۷۳ء ص ۸۱ ۸۲ ترجمہ اپالوجی گاؤفری ہیٹنگنس مطبوعہ لندن ۱۸۷۹ء، اور اس فارقلیط کی نسبت اس انجیل یوحنا میں یہ الفاظ ہیں: ”وہ تمھیں سب چیزیں سکھائے گا“ ”اس جہان کا سردار آتا ہے“ ”وہ آکر دنیا کو گناہ پرادر راستی اور عدالت (کے خلاف) پر سزا دے گا“ یہ ہیں وہ الفاظ جو نبی مستقل ہونے پر دال ہیں، اور پوری بحث اس مقام کی تفسیر حقائق میں ہو اس کا ایک شتمہ نقل کیا گیا ہے، غرض عیسیٰ علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا، پھر جب یہ تمام مضامین ارشاد فرما کر اپنی نبوت کے اثبات کے لئے، وہ عیسیٰ علیہ السلام، ان لوگوں کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو وہ لوگ ان دلائل یعنی معجزات کی نسبت کہنے لگے کہ یہ صریح جادو ہی، (اور جادو بتا کر نبوت کی تکذیب کی، کما فی المائدۃ وَ اِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَآئِيلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ الْخ) اسی طرح بعد عیسیٰ علیہ السلام کے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور رسالت میں کفار موجودین نے آپ کی تکذیب کی اور مخالفت کی اور یہ ظلم عظیم ہو، پس اس ظلم کا تعدیہ مٹانے کے لئے قتال کا حکم دینا مصلحت ہوا (اور واقعی) اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے، حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہو اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیا کرتا (اللہ پر جھوٹ باندھنا یہ ہے کہ نبوت کی تکذیب کی، اثبات المنفی اور نفی المثبت یعنی جو چیز اللہ کی طرف سے نہ ہو اس کو اللہ کی طرف منسوب کرنا اور جو اللہ کی طرف سے واقع میں ہے اس کی نفی کرنا، دونوں افتراء علی اللہ ہیں، اور وہ یویدعی اس لئے بڑھایا کہ اس سے زیادہ تقبیح ہو گئی، یعنی

خود تو متنبہ کرنے سے بھی متنبہ نہ ہوا اور واللہ لایہدی عنی اس لئے بڑھایا کہ اُن کی حالت موجودہ اصلاح سے بعید ہو گئی اس لئے سزائے قتال ہی تجویز کیا جانا مصلحت ہوا، چنانچہ جس کو اب بھی اسلام کی خبر نہ پہنچی ہو، اول اس کو دعوت اسلام کرنا چاہئے جب اس سے انکار کرے جو کہ ظاہرِ علامتِ نالیدی کی ہے تب جہاد مشروع ہے آگے ترغیبِ جہاد کیلئے وعدۂ نصرت و غلبہ حق اور مغلوبیت باطل ارشاد ہے کہ یہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے تور یعنی دین اسلام کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں (یعنی تدبیرِ عملی کے ساتھ منہ سے بھی رد و اعتراض کی باتیں اس غرض سے کرتے ہیں کہ دین حق کو فروغ نہ ہو، اور بعض اوقات قوی شہادت مؤثر ہو جاتے ہیں، یا یہ تمثیل ہے کہ ان کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی منہ سے تور آہی کو بجھانا چاہتا ہو یعنی ایسے طریقے سے بجھاوے جس میں کام رہے) حالانکہ اللہ اپنے تور (مذکور) کو کمال تک پہنچا کر رہے گا گو کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں (چنانچہ) وہ اللہ ایسا ہے جس نے (اسی اتمامِ تور کے لئے) اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہدایت (کا سامان یعنی قرآن) اور سجادین (یعنی اسلام) دے کر (دنیا میں) بھیجا ہے تاکہ اس (دین) کو (کہ وہ تور مذکور ہے) تمام (بقیہ) دینوں پر غالب کر دے (کہ یہی اتمام ہے) گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں، (وقدم تفسیر الاتمام والنظور فی سورۃ البراءۃ فی مثل ہذہ الآیۃ)

معارف و مسائل

شانِ نزول | ترمذی نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت کیا ہے، اور ہاکم نے اس کو روایت کر کے سند کو صحیح قرار دیا ہے، کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے آپس میں یہ مذاکرہ کیا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب زیادہ محبوب عمل کونسا ہے تو ہم اس پر عمل کریں، بغوی نے اس میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ ان حضرات میں سے بعض نے کچھ ایسے الفاظ بھی کہے کہ اگر ہمیں احب الاعمال عند اللہ معلوم ہو جائے تو ہم اپنی جان و مال سب اُس کے لئے قربان کر دیں (منظری)

ابن کثیر نے بحوالہ مسند احمد روایت کیا ہے کہ ان چند حضرات نے آپس میں جمع ہو کر یہ مذاکرہ کیا، اور چاہا کہ کوئی صاحبِ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا سوال کریں مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی ابھی یہ لوگ اسی حالت پر تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب لوگوں کو نام بنام اپنے پاس بلایا (جس سے معلوم ہوا کہ آپ کو بذریعہ وحی ان کا اجتماع اور ان کی گفتگو معلوم ہو گئی تھی) جب یہ سب لوگ حاضر خدمت ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری سورۃ صفت پڑھ کر سنائی جو اسی وقت آپ پر نازل ہوئی تھی۔

اس سورۃ نے یہ بھی بتلادیا کہ احب الاعمال جس کی تلاش میں یہ حضرات تھے وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے اور ساتھ ہی ان حضرات نے جو ایسے کلمات کہے تھے کہ اگر ہمیں معلوم ہو جائے تو ہم اس پر عمل

کرنے میں ایسی ایسی جانبازی دکھائیں وغیرہ جن میں ایک قسم کا دعویٰ ہے کہ ہم ایسا کر سکتے ہیں، اس پر ان حضرات کو تنبیہ کی گئی کہ کسی مومن کے لئے ایسے دعوے کرنا درست نہیں، اُسے کیا معلوم ہے کہ وقت پر وہ اپنے ارادے کو پورا کر بھی سکے گا یا نہیں، اس کے اسباب کا جمع ہونا اور موانع کا زائل ہونا اس کے اختیار میں نہیں، پھر خود اس کے دست و بازو اور اعضاء و جوارح بلکہ قلبی عزم و ارادہ ان میں سے کوئی چیز بھی بالکلیم اس کے قبضہ میں نہیں اسی لئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قرآن کریم میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ جو کام آپ کو آئندہ کل میں کرنا ہو اگر اس کو بیان کرنا ہے تو انشاء اللہ کی قید کے ساتھ بیان کرو کہ اگر اللہ نے چاہا تو میں کل فلاں کام کر دوں گا وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ عَبْدًا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ صحابہ کرام کی نیت و قصد خواہ دعوے کا نہ ہو مگر صورت دعویٰ کی تھی وہ اللہ کے نزدیک پسند نہیں کہ کوئی شخص کسی کام کے کرنے کا دعویٰ کرے بجز اس کے کہ اس کو اللہ کی مشیت کے حوالہ کرے، اور انشاء اللہ ساتھ کہے، اس تنبیہ کیلئے یہ آیات نازل ہوئیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ہ مَا لَا تَفْعَلُونَ کے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ جو کام تمہیں کرنا نہیں ہے اس کا دعویٰ کیوں کرتے ہو، جس سے ایسے کام کے دعوے کی مانعت تو واضح ہو ہی گئی، جس کو کرنے کا عزم و ارادہ ہی انسان کے دل میں ہو کیونکہ یہ تو محض ایک جھوٹا دعویٰ ہے نام و نمود وغیرہ کے لئے ہو سکتا ہے، مگر ظاہر ہے کہ شان نزول کے واقعہ میں جن صحابہ نے مذاکرہ کیا وہ ایسے نہ تھے کہ دل میں کچھ کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو اور دعویٰ کریں، اس لئے اس کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ اگرچہ دل میں عزم و ارادہ کام کرنے کا ہو پھر بھی اپنے نفس پر بھروسہ کر کے دعویٰ کرنا کہ ہم فلاں کام کریں گے شان عبدیت کے خلاف ہے، اول تو اس کے کہنے ہی کی کیا ضرورت ہے جب موقع ملے کر گزرنا چاہتے، اور کسی مصلحت سے کہنا بھی پڑے تو اس کو انشاء اللہ کے ساتھ مقید کر دے تو پھر وہ دعویٰ نہیں رہے گا۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ ایسے کام کا دعویٰ کرنا جس کے کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو اور اس کو کرنا ہی نہ ہو یہ تو گناہ کبیرہ اور اللہ کی سخت ناراضی کا سبب ہے، کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ کا مصداق یہی ہے، اور جہاں یہ صورت نہ ہو بلکہ ارادہ کرنے کا ہو وہاں بھی اپنی قوت و قدرت پر بھروسہ کر کے دعویٰ کرنا ممنوع و مکروہ ہے۔

دعویٰ اور دعوت میں فرق | مذکورہ تفسیر سے یہ معلوم ہو گیا کہ ان آیات کا تعلق دعوے سے ہے کہ جو کام آدمی کو کرنا نہیں ہے اس کا دعویٰ کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب ہے، رہا معاملہ دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت کا کہ جو کام آدمی خود نہیں کرتا اُس کی نصیحت دوسروں کو کرے، اور اس کی طرف دوسرے مسلمانوں کو دعوت دے، وہ اس آیت کے مفہوم میں تو شامل نہیں، اس کے احکام دوسری آیات اور احادیث میں مذکور ہیں، مثلاً قرآن کریم نے فرمایا اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ یعنی

تم لوگوں کو تو نیک کام کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو کہ خود اس نیک پر عمل نہیں کرتے۔
اس آیت نے امر بالمعروف اور وعظ و نصیحت کرنے والوں کو اس بات پر شرمندہ کیا ہے کہ لوگوں کو ایک
نیک کام کی دعوت دو اور خود اس پر عمل نہ کرو اور مقصد یہ ہے کہ جب دوسروں کو نصیحت کرتے ہو تو خود
اپنے آپ کو نصیحت کرنا اس سے مقدم ہے جس کام کی طرف لوگوں کو بلاتے ہو خود بھی اس پر عمل کرو۔

لیکن یہ نہیں فرمایا کہ جب خود نہیں کرتے تو دوسروں کو کہنا بھی چھوڑ دو، اس سے معلوم ہوا کہ جس نیک
کام کے خود کرنے کی ہمت و توفیق نہیں ہے اس کی طرف دوسروں کو بلانے اور نصیحت کرنے کا سلسلہ
نہ چھوڑے، امید ہو کہ اس وعظ و نصیحت کی برکت سے کسی وقت اُس کو بھی عمل کی توفیق ہو جاوے، جیسا کہ
بکثرت تجربہ و مشاہدہ میں آیا ہے، البتہ اگر وہ عمل واجب یا سنت مذکورہ کے درجہ میں ہو تو آیات مذکورہ پر
تفکر کر کے اپنے نفس میں نادم و شرمندہ ہونے کا سلسلہ جاری رکھنا بھی واجب ہے، اور اگر مستحبات
کے متعلق ہے تو یہ سلسلہ نہایت بھی مستحب ہے۔

اکل آیات میں اُس اصل معاملہ کا ذکر ہے جو اس سورت کے نزول کا سبب بنا، یعنی اس کا بیان کہ

اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسا عمل زیادہ محبوب ہے، اس کے متعلق ارشاد فرمایا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ
يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ حَقًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوعٌ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب وہ صفت
قتال ہے جو اللہ کے دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے قائم ہو اور مجاہدین کے عزم و ہمت
کی وجہ سے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہو کہ اُن کے قدموں میں کوئی تزلزل نہ آنے پائے۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے جہاد فی سبیل اللہ اور اللہ کی راہ میں دشمنوں
کی ایذا میں سہنے کا ذکر ہے، اور اس کے بعد پھر مسلمانوں کو جہاد کی تلقین کی گئی، حضرت موسیٰ اور عیسیٰ
علیہما السلام کے واقعات جن کا ذکر اس جگہ آیا ہے ان میں بھی بہت سے علمی و عملی فوائد اور ہدایات ہیں،
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ انھوں نے جب بنی اسرائیل کو اپنی نبوت کے ماننے اور احکامات
بکرنے کی دعوت دی تو دو چیزوں کو خصوصیت سے ذکر فرمایا ایک یہ کہ وہ کوئی انوکھے رسول نہیں انوکھی
باتیں لے کر نہیں آئے بلکہ وہ باتیں ہیں جو پہلے انبیاء علیہم السلام کہتے آئے ہیں، اور پہلی آسمانی
کتابوں میں مذکور ہیں، اور بعد میں بھی جو آخری پیغمبر آنے والے ہیں وہ بھی اسی قسم کی ہدایات لیکر آئیں گے۔
یہاں پہلی کتابوں میں سے تورات کا خصوصیت سے ذکر غالباً اس لئے کیا کہ بنی اسرائیل پر نازل ہونے
والی قریبی کتاب وہی تھی اور نہ تصدیق انبیاء تو سب پچھلی کتابوں کو شامل اور عام ہے، نیز اس میں اشارہ
اس طرف بھی ہے کہ شریعت عیسوی اگرچہ مستقل شریعت ہو مگر اس کے اکثر احکام شریعت موسوی اور
تورات کے احکام ہی کے مطابق ہیں، صرف چند احکام ہیں جو بدلے گئے ہیں، یہ تو پچھلے انبیاء اور کتابوں
کی تصدیق کا مضمون تھا، دوسری چیز یہ کہ بعد میں آنے والے رسول کی خوش خبری سنائی، اس میں بھی

اس طرف اشارہ ہے کہ اُن کی ہدایات بھی اسی کے مطابق ہوں گی، اس لئے اس پر ایمان لانا عین تقاضا ذرا عقل و دیانت ہے۔

ساتھ ہی جس آنے والے رسول کی خوش خبری عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو سنائی، اس کا نام پتہ بھی انجیل میں بتلادیا گیا، اس میں بنی اسرائیل کو اس کی ہدایت ہو کہ جب وہ رسول تشریف لائیں، تو تمہارا فرض ہوگا کہ اُن پر ایمان لاؤ، اور ان کی اطاعت کرو، مَبَشِّرَ آبِی سُوْلٍ یَّآئِیْ مِنْ اَبْحَدِیْ اَسْمَیْ اَحْمَدُ، میں اسی کا بیان ہے، اس میں آنے والے رسول کا نام احمد بتلایا گیا ہے، ہمارے نبی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد بھی تھا اور احمد بھی اور بھی متعدد نام تھے، مگر انجیل میں آپ کا نام احمد بتلانے میں شاید یہ مصلحت ہو کہ محمد نام رکھنے کا عرب میں قدیم سے دستور تھا، اس لئے اس نام کے دوسرے آدمی بھی عرب میں تھے، بخلاف احمد کے، یہ نام عرب میں معروف نہیں تھا، وہ آپ کی ذات ہی کے ساتھ مخصوص تھا۔

انجیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت میں تحریف ہوتی ہے، اور حقیقت تو یہ ہے کہ ان دونوں کتابوں میں تحریف اتنی ہوئی ہو

کہ اصل کلام کا پہچاننا بھی آسان نہیں رہا، موجودہ تحریف شدہ انجیل کی بنا پر آجکل کے عیسائی قرآن کی اس خبر کو تسلیم نہیں کرتے کہ انجیل میں کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد لیکر خوش خبری دی گئی ہو، اس کا مختصر جواب وہ کافی ہے جو اوپر خلاصہ تفسیر میں آچکا ہے۔

اور مفصل جواب کے لئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب اظہار الحق کا مطالعہ کیا جائے جو مذہب عیسائیت کی حقیقت اور انجیل میں تحریفات اور باوجود تحریفات کے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں موجود ہونے کے متعلق بے نظیر کتاب ہے، خود بڑے عیسائیوں کے مقولے چھپے ہوئے ہیں کہ اگر دنیا میں یہ کتاب شائع ہوتی رہی تو عیسائیت کا کبھی فروغ نہیں ہو سکتا۔

یہ کتاب عربی زبان میں لکھی گئی تھی پھر ترکی، انگریزی میں اس کے ترجمے چھپے، مگر اس کے شواہد موجود ہیں کہ عیسائی مشن نے اس کتاب کو گم کر دینے میں اپنی پوری کوشش صرف کی ہے، اس کا اردو ترجمہ اب تک نہیں ہوا تھا، حال میں اس کا اردو ترجمہ دارالعلوم کراچی کے مدرس مولانا اکبر علی صاحب نے اور تحقیقات جدیدہ مفیدہ موجودہ زمانے کی مطبوعہ انجیلوں سے مولانا محمد تقی صاحب استاذ دارالعلوم نے لکھی ہیں جو تین جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، اس کی تیسری جلد میں صفحہ ۱۸۲ سے صفحہ ۳۶۲ تک اپنی بشارتوں کی تفصیل موجودہ انجیلوں کے حوالہ سے اور شبہات کے جوابات مذکور ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَهْلَ آدُلُكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ⑩

اے ایمان والو! میں بتاؤں تم کو ایسی سوداگری جو بچائے تم کو ایک عذاب دردناک سے،

تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَ

ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور لڑو اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور اپنی

أَنْفُسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ⑪ يَغْفِرُ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ

جان سے، یہ بہتر ہے تمھارے حق میں اگر تم سمجھ رکھتے ہو، بخشنے گا وہ تمھارے گناہ

وَيُدْخِلُكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتٍ

اور داخل کرے گا تم کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں اور مستھیرے گھروں میں بنے کے

عَدْنٍ ذَلِكُمُ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ⑫ وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ

باغوں کے اندر یہ ہر بڑی مراد ملنی، اور ایک اور چیز ہے جو تم چاہتے ہو اللہ کی طرف اور فتح

قَرِيبٌ وَبَشِيرٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ⑬ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ

جلدی اور خوش سندانے ایمان والوں کو، اے ایمان والو! تم ہو جاؤ مددگار اللہ کے

كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِّلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ

جیسے کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اپنے یاروں کو کون ہر کہ مدد کرے میری اللہ کی راہ میں، بولے یار

نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ فَأَمَنَّا طَائِفَةٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَتِ

ہم ہیں مددگار اللہ کے پھر ایمان لایا ایک فرقہ بنی اسرائیل سے اور منکر ہوا ایک

طَائِفَةٌ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ⑭

فرقہ پھر قوت دی ہم نے اُن کو جو ایمان لائے تھے اُن کے دشمنوں پر پھر ہو رہے غالب،

خُلاصۂ تفسیر

آگے اول جہاد کا ثمرہ آخرت پھر ثمرہ دنیویہ کا وعدہ کر کے ترغیب دیتے ہیں، اے ایمان والو کیا میں تم کو

ایسی سوداگری بتاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچالے (وہ یہ ہے کہ) تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر

ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو، یہ تمھارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو

رجب ایسا کرو گے تو) اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کرے گا اور تم کو (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں (داخل کرے گا) جو ہمیشہ پہنے کے باغوں میں (بنے) ہونگے یہ بڑی کامیابی ہے اور (اس ثمرہ حقیقیہ آخریہ کے علاوہ) ایک اور ثمرہ (دنویہ) بھی ہے کہ تم اس کو بھی خاص طور پر پسند کرتے ہو (یعنی) اللہ کی طرف سے مدد اور جلدی فتح یابی ہے۔ اس کا خاص طور پر محبوب ہونا اس لئے ہے کہ انسان طبعاً ثمرہ عاجلہ بھی چاہتا ہے اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (ان تمام امور کی) مؤمنین کو بشارت دیدیجئے چنانچہ فتح و نصرت کی پیشینگوئی کا ظہور اسلامی فتوحات سے ظاہر ہی آگے اصحاب عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ یاد دلا کر نصرت دین کی ترغیب دیتے ہیں کہ اے ایمان والو تم اللہ کے (دین کے) مددگار ہو جاؤ اس طریقہ سے جو تمہارے لئے مشروع ہے یعنی جہاد جیسا کہ (حواریین اپنی شریعت کے طریقہ کے موافق ناصردین ہوتے تھے جبکہ لوگ کثرت سے عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن اور مخالف تھے اور جبکہ) عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) نے (ان) حواریین سے فرمایا کہ اللہ کے واسطے میرا کون مددگار ہوتا ہے، وہ حواری بولے ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں چنانچہ ان حواریین نے دین کی یہ مدد کی کہ اس کی اشاعت میں کوشش کی (سو (اس کوشش کے بعد) بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ ایمان لائے اور کچھ لوگ منکر رہے، پھر ان میں باہم اختلاف مذہبی سے عداوت اور خانہ جنگیاں ہوئیں یا مذہبی گفتگو ہوتی) سو ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں تائید کی سو وہ غالب ہو گئے اسی طرح تم دین محمدی کے لئے کوشش اور جہاد کرو، اور اگر ابتداءً ان خانہ جنگیوں کی کفار کی طرف سے ہو تو اس سے دین عیسوی میں جہاد کا ہونا لازم نہیں آتا)

معارف و مسائل

تَوَّابُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ
اس آیت میں ایمان اور مجاہدہ بالمال والنفس کو تجارت فرمایا ہے، کیونکہ جس طرح تجارت میں کچھ مال خرچ کرنے اور محنت کرنے کے صلہ میں منافع حاصل ہوتے ہیں ایمان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے کے بدلے میں اللہ کی رضا اور آخرت کی دائمی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں، جس کا ذکر آگے آیت میں ہے کہ جس نے یہ تجارت اختیار کی اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کرے گا، اور جنت میں اس کو پاکیزہ و بہترین مسکن و مکانات عطا فرمادے گا، جن میں ہر طرح کے آرام و عیش کے سامان ہونگے جیسا کہ حدیث میں مساکن طیبہ کی تفسیر میں اس کا بیان آیا ہے، آگے آخرت کی نعمتوں کے ساتھ کچھ دنیا کی نعمتوں کا بھی وعدہ فرماتے ہیں:-

وَالْآخِرَىٰ تَجِبُوهَا نَصْرًا مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحًا قَرِيبًا لِّفَظِ الْآخِرَىٰ نِعْمَتُكَ صِفَتُكَ هِيَ مَعْنَىٰ يٰ

یہ ہیں کہ آخرت کی نعمتیں اور جنت کے مکانات تو ملیں گے ہی جیسا کہ وعدہ کیا گیا ہے، ایک نعمت نقد دنیا میں بھی ملنے والی ہے وہ ہے اللہ کی مدد اور اس کے ذریعہ فتح قریب یعنی دشمنوں کے ممالک کا فتح ہونا، یہاں قریب اگر بمقابلہ آخرت کے لیا جائے تو بعد میں آنے والی اسلامی فتوحات عرب و عجم کی سب اس میں داخل ہیں اور قریب عرفی مراد لیا جائے تو اس کا پہلا مصداق فتح خیبر ہے، اور اس کے بعد فتح مکہ مکرمہ ہے، اور اس فتح قریب کے متعلق تَجْوُزُہَا فرمایا یعنی یہ نقد نعمت تمہاری پسندیدہ اور محبوب ہے، کیونکہ انسان فطری طور پر عجلت پسند واقع ہوا ہے، قرآن کریم میں ہے وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا، یعنی ہے انسان جلد باز، اس کا یہ مفہوم نہیں کہ آخرت کی نعمتیں ان کو محبوب نہ تھیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آخرت کی نعمتوں کی طلب و محبت تو ظاہر ہی ہے، مگر طبعی طور پر کچھ نقد نعمت دنیا میں بھی تمہیں مطلوب محبوب ہے، وہ بھی عطا کی جائے گی۔

تَمَّا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِحَوَارِيَّتِهِ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ، حواریین، حواری کی جمع ہے جس کے معنی مخلص دوست کے ہیں جو ہر عیب پاک و صاف ہو (روح ازاد ہوا) اسی لئے جو لوگ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ان کو حواری کہا جاتا ہے، اور وہ بارہ آدمی تھے جیسا کہ سورۃ آل عمران میں گذر چکا ہے۔ اس آیت میں زمانہ عیسیٰ علیہ السلام کے ایک واقعہ کا ذکر کر کے مسلمانوں کو اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کے لئے تیار ہو جائیں، جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام جب دشمنوں سے تنگ آئے تو لوگوں سے کہا مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ، یعنی اللہ کے دین کی اشاعت میں کون میرا مددگار ہوتا ہے جس پر بارہ آدمیوں نے وفاداری کا عہد کیا اور پھر دین عیسوی کی اشاعت میں خدمات انجام دیں، تو مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ اللہ کے دین کے انصار و مددگار بنیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس حکم کی تعمیل ایسی کی کہ پچھلی امتوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور دین کی خاطر سب عرب و عجم سے دشمنی خریدی، ان کی ایذائیں سہیں، اپنی جان و مال اور اولاد کو اس پر قربان کیا، اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے اپنی فتح و نصرت سے نوازا، اور سب دشمنوں پر ان کو غالب فرمایا ان کے ممالک ان کے ہاتھ آئے اور دنیا کی فرمانروائی بھی ان کو نصیب ہوئی۔

فَأَمْنَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَآئِيلَ وَكَفَرَتْ طَآئِفَةٌ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ

عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَٰهِرِينَ۔

عیسائیوں کے تین فرقے | بغوی نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان میں اٹھالیا تو عیسائیوں میں تین فرقے ہو گئے، ایک فرقہ نے کہا کہ وہ خود خدا ہی تھے آسمان میں چلے گئے، دوسرے فرقہ نے کہا کہ وہ خدا تو نہیں بلکہ خدا کے بیٹے

تھے اللہ نے ان کو اٹھالیا اور دشمنوں پر فوقیت دیدی، تیسرے فرقہ نے وہ بات کہی جو صحیح اور حق ہے، کہ وہ نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے، اللہ تعالیٰ نے ان دشمنوں سے حقائق اور رفعت درجہ کے لئے اٹھالیا، یہ لوگ صحیح مومن تھے، تینوں فرقوں کے ساتھ کچھ عوام لگ گئے اور باہمی نزاع بڑھتے بڑھتے باہم قتال کی نوبت آگئی، اتفاق سے دونوں کافر فرقے مومنین پر غالب آگئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، جنھوں نے اس مومن فرقہ کی تائید کی اس طرح انجام کار وہ مومن فرقہ بحیثیت حجت و دلیل کے غالب آگیا (منظری)

اس تفسیر کے مطابق اَلَّذِیْنَ آمَنُوا سے ... مومنین اُمت عیسیٰ علیہ السلام ہی مراد ہوں گے جو حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و حمایت سے مظفر و منصور ہوں گے (منظری) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ رفیع عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائیوں میں دو فرقے ہو گئے، ایک عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا قرار دے کر مشرک ہو گیا، دوسرا صحیح دین پر قائم رہا جو انکو اللہ کا بندہ اور رسول کہہ کر قاتل تھا، پھر ان مشرکین و مومنین میں باہم جنگ ہوئی، تو اللہ تعالیٰ نے مومنین اُمت عیسیٰ علیہ السلام کو اس اُمت کے کافروں پر غالب کر دیا، مگر مشہور یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب میں جہاد و قتال کا حکم نہیں تھا، اس لئے مومنین کا قتال کرنا بعید معلوم ہوتا ہے (روح المعانی) مگر اوپر خلاصہ تفسیر میں اس کے جواب میں اشارہ کر دیا گیا ہے کہ اس کا امکان ہے کہ جنگ کی ابتداء کفار نصاریٰ کی طرف سے ہوئی ہو اور مومنین مدافعت پر مجبور ہو گئے ہوں، تو یہ جہاد و قتال کے حکم میں نہیں آتا، واللہ اعلم۔

تَنْبِیْہٌ

سُورَةُ الصَّفِّ بِحَمْدِ اللَّهِ وَعَوْنِهِ
لِلْحَادِي وَالْعِشْرَيْنِ مِنْ جُمَادَى الْأُولَى
سَلَامٌ يَوْمَ الْخَمِيسِ قَبْلُوهَا أَنْشَاءُ اللَّهُ
سُورَةَ الْجُمُعَةِ.

سُورَةُ الْجُمُعَةِ

سُورَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ إِحْدَى عَشْرَةَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعَانِ

سورۃ جمعہ مدینہ میں نازل ہوئی اس کی گیارہ آیتیں ہیں اور دو رکوع ،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے ،

يَسْبِيحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ

اللہ کی پاک بولتا ہے جو کچھ کہ ہر آسمانوں میں اور جو کچھ کہ ہر زمین میں بادشاہ پاک ذات

الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ① هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ

زبردست حکمتوں والا ، وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں سے

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ

پڑھ کر سنا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوا رہا ہے اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور عقلمندی

وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ② وَالْآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا

اور اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے تھے صریح بھول میں ، اور اٹھایا ان رسول کو ایک دوسرے لوگوں کی واسطے بھی

يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ③ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ

انہی میں جو ابھی نہیں ملے انہیں اور وہی ہے زبردست حکمت والا یہ بڑا ہی اللہ کی ہے دیتا ہے جس کو

مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ④ مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَةَ

چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے ، مثال ان لوگوں کی جن پر لادی توریث

ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۚ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ

پھر نہ اٹھائی انھوں نے جیسے مثال گدھے کی کہ پیچھے پرے چلتا ہر کتابیں، بُری مثال ہو ان لوگوں کی جنھوں نے

كَذَّبُوْا بِآيَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

جھٹلایا اللہ کی باتوں کو اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو، تو کہہ اے یہودی

هَادُوْا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنْتُمْ اَوْلِيَاءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمُوْا السَّمَوَاتِ

ہونے والو اگر تم کو دعویٰ ہے کہ تم دوست ہو اللہ کے سب لوگوں کے سوائے تو مناؤ اپنے مرنے کو

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۶ وَلَا يَتَمَنَّوْنَ اَبَدًا اِيْمًا قَدْ مَتَّ اَيُّهُمْ يَحْسَبُ

اگر تم سچے ہو، اور وہ کبھی نہ منائیں گے اپنا مرنے کا ان کاموں کی وجہ سے جنکو آگے بھیج چکے ہیں اُنکے ہاتھ

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۷ قُلْ اِنَّ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضَ وَمَنْ فِيْهِنَّ

اور اللہ کو خوب معلوم ہیں سب گنہگار، تو کہہ موت وہ جس سے تم بھاگتے ہو سو وہ تم سے ضرور

مَلِيْقِكُمْ ثُمَّ تَرَدُّوْنَ اِلٰى عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا

ملنے والی ہے پھر تم پھرے جاؤ گے اس چھپے اور کھلے جاننے والے کے پاس پھر جتلاؤ گے گا تم کو

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸

جو تم کرتے تھے،

خلاصہ تفسیر

سب چیزیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں (قالایا حالاً) اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں،

جو کہ بادشاہ ہے (علیوں سے) پاک ہو زبردست ہو حکمت والا ہے وہی ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ

لوگوں میں انہی (کی قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنا

ہیں اور ان کو رِئَاقِ باطلہ اور اخلاقِ ذمیہ سے پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی (کی باتیں

جس میں سب علیم ضروریہ دینیہ آگئے) سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ (آپ کی بعثت کے) پہلے سے کھلی گمراہی میں

تھے (یعنی شرک و کفر میں اور مراد اکثر ہیں کیونکہ جاہلیت میں بھی بعض موجد تھے، مگر تاہم بحیل ہدایت کے

وہ بھی مداح تھے) اور (علاوہ ان موجودین کے) دوسروں کے لئے بھی (آپ کو مبعوث فرمایا) جو (اسلام

لا کر) اُن میں سے ہونے والے ہیں لیکن ہنوز ان میں شامل نہیں ہوئے (خواہ بوجہ اس کے کہ موجود ہیں مگر

اسلام نہیں لاتے یا بوجہ اس کے کہ ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے اس میں تمام اُمت قیامت تک عربی و عجمی سب آگئے اور ان کو منہمک اس لئے فرمایا، کیونکہ مسلمان سب رشتہ اسلام میں منسلک اور متحد ہیں کذا فی الخازن) اور وہ زبردست حکمت والا ہے کہ اپنی قدرت اور حکمت سے ایسا ہی بھیجا اور پہلی آیت میں فی نفسہ ان صفات کا اثبات مقصود تھا پس تکرار نہ رہا اور یہ در رسول کے ذریعہ سے ضلال سے نکل کر کتاب و حکمت و ہدایت کی طرف آنا، خدا کا فضل ہے وہ فضل جسکو چاہتا ہے دیدیتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے، اگر سب کو بھی عنایت کرے تو وسعت ہی، مگر وہ اپنی حکمت سے جس کو چاہے تخصیص فرماتا ہے، اور جسکو چاہے بے بہرہ رکھتا ہے، جیسا کہ اوپر امتین کے ایمان لانے سے اور آئندہ کی آیت میں علماء یہود کے ایمان نہ لانے سے یہ امر ظاہر ہے، آگے بعض مکتذبین رسالت کی تبلیغ ہے کہ جن لوگوں کو توراۃ پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انھوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی حالت اُس گدھے کی سی حالت ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے مگر ان کتب کے نفع سے محروم ہے، اسی طرح اصل مقصود اور نفع علم کا عمل ہے، جب یہ نہ ہوا اور صرف تحصیل و حفظ علم میں تعصب ہوا تو بالکل ایسی ہی مثال ہو گئی اور گدھے کی تخصیص اس لئے کہ وہ جانوروں میں بیوقوف مشہور ہے تو اس میں زیادہ تنفیر ہو گئی غرض، ان لوگوں کی بُری حالت ہے، جنھوں نے خدا کی آیات کو جھٹلایا (جیسے یہ یہودی ہیں) اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو (توفیق) ہدایت (کی) نہیں دیا کرتا کیونکہ جان کر عناد کرتے ہیں اور اگر ہدایت ہوگی تو بعد ترک عناد کے ہوگی اور تورات پر عمل کرنے کے لوازم میں سے ہے ایمان لانا آنحضرتؐ پر جیسا کہ اس میں حکم ہے، پس ایمان نہ لانا مستلزم ہے ترک عمل بالتوراۃ کو اور اگر یہ لوگ یہ کہیں کہ ہم بادیہ و اس حالت کے بھی اللہ کے مقبول ہیں تو آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ اے یہودیو! اگر تمھارا یہ دعویٰ ہے کہ تم بلا شرکت غیرے اللہ کے مقبول (محبوب) ہو تو تم اس کی تصدیق کے لئے ذرا، موت کی تمنا کر کے (دکھلا) دو اگر تم (اس دعویٰ میں) سچے ہو اور (ہم تم سے) یہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ (خاص مدعی) کبھی اس (موت) کی تمنا نہ کریں گے بوجہ (خوفِ سزا) ان اعمال (کفریہ) کے جو اپنے ہاتھوں سے ملتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں (کے حال) کی رجب تا یخ مقدمہ کی آدے گی، فرد قرار و اجر سنا کر سزا کا حکم کر دیا جائے گا اور اس وعدہ سزا کی تاکید کیلئے آپ (ان سے) یہ بھی کہہ دیجئے کہ جس موت سے تم بھگتے ہو (اور اس کی تمنا بادیہ و دعویٰ دلالت کے اس لئے نہیں کرتے ہو کہ سزا بھگتتا ہوگی) وہ (موت ایک روز) تم کو آ پھرے گی پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے (خدا) کے پاس لے جائے جاؤ گے پھر وہ تم کو تمھارے سب کئے ہوئے کام بتلا دے گا (اور سزا دے گا)۔

معارف و مسائل

يُسَبِّحُ بِحَمْدِ اللَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ، قرآن کریم کی جو سورتیں بِسْمِ اللَّهِ سے شروع

ہوتی ہیں اُن کو مسجات کہا جاتا ہے، اُن سب میں تمام زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے سب کیلئے اللہ تعالیٰ کی تسبیح خوانی ثابت کی گئی ہے، یہ تسبیح حالی یعنی بزبان حال تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کا ذرہ ذرہ اپنے صانع حکیم کی حکمت و قدرت پر گواہی دیتا ہے یہی اس کی تسبیح ہے، اور صحیح بات یہ ہے کہ ہر چیز اپنے اپنے طرز میں حقیقی تسبیح کرتی ہے، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ شعور و ادراک اللہ تعالیٰ نے ہر شجر و حجر اور ہر چیز میں اس کے حوصلے کے مطابق رکھا ہے اس عقل و شعور کا لازمی تقاضا تسبیح ہے، مگر ان چیزوں کی تسبیح کو لوگ سنتے نہیں، اسی لئے قرآن کریم میں فرمایا وَلَٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ، اکثر سورتوں کے شروع میں تسبیح بصیغہ ماضی آیا ہے، صرف سورہ جمعہ اور سورہ تغابن میں بلفظ مضارع کیج لایا گیا ہے، بغیر عنوان میں ایک بلاغت و لطافت بھی اس کا سبب ہو گئی ہے، وہ یہ کہ صیغہ ماضی قطعیت اور یقین پر دلالت کرتا ہے اس لئے اکثر وہی استعمال فرمایا اور صیغہ مضارع کی دلالت استمرار و دوام پر ہے، دو جگہ اس فائدہ کے لئے صیغہ مضارع استعمال فرمایا۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ، اُمّیین، اُمّی کی جمع ہے، ناخواندہ شخص کو کہا جاتا ہے، عرب کے لوگ اس لقب سے معروف ہیں، کیونکہ ان میں نوشت و خواندکار و اُج نہیں تھا بہت کم آدمی لکھے پڑھے ہوتے تھے، اس آیت میں حق تعالیٰ کی عظیم قدرت کے اظہار کے لئے خاص طور پر عربوں کے لئے یہ لقب اختیار فرمایا، اور یہ بھی کہ جو رسول بھیجا گیا وہ بھی اہنی میں سے ہے یعنی اُمّی ہے، اس لئے یہ معاملہ بڑا حیرت انگیز ہے کہ قوم ساری اُمّی اور جو رسول بھیجا گیا وہ بھی اُمّی، اور جو فراتس اس رسول کے پیرو گئے جن کا ذکر اگلی آیت میں آ رہا ہے وہ سب علمی تعلیمی اصلاحی ایسے ہیں کہ نہ کوئی اُمّی ان کو سکھاتا ہے اور نہ اُمّی قوم اُن کو سکھنے کے قابل ہے۔

یہ صرف حق تعالیٰ جل شانہ کی قدرت کاملہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز ہی ہو سکتا ہے کہ آپ نے جب تعلیم و اصلاح کا کام شروع فرمایا تو اہنی اُمّیتین میں وہ علماء اور حکماء پیدا ہو گئے جن کے علم و حکمت، عقل و دانش اور ہر کام کی عمدہ صلاحیت نے سارے جہان سے اپنا لوہا منوالیا،

بَعَثْنَا نَبِيًّا مِنْهُمْ مَقْصِد | يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین وصف نعمائے اہمّیہ کے ضمن میں بتلائے گئے ہیں، ایک تلاوت آیات قرآن، یعنی قرآن پڑھ کر اُمت کو سنانا، دوسرے اُن کو ظاہری اور باطنی ہر طرح کی گندگی اور نجاست سے پاک کرنا جس میں بدن اور لباس وغیرہ کی ظاہری پاکی بھی داخل ہے، اور عقائد و اعمال اور اخلاق و عادات کی پاکیزگی بھی، تیسرے تعلیم کتاب و حکمت۔

یہ تینوں چیزیں اُمت کے لئے حق تعالیٰ کے انعامات بھی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد بھی۔

يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ، تلاوت کے اصل معنی اتباع و پیروی کے ہیں، اصطلاح میں یہ لفظ کلام اللہ کے پڑھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور آیات سے آیات قرآن کریم مراد ہیں، لفظ عَلَيْهِمْ سے یہ بتلایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک منصب اور مقصد بعثت یہ ہے کہ آیات قرآن لوگوں کو پڑھ کر سنا دیں۔ آیت مذکورہ میں بعثت نبوی کا دوسرا مقصد يُزَكِّيهِمْ بتلایا ہے، یہ تزکیہ سے مشتق ہے جس کے معنی پاک کرنے کے ہیں، بیشتر معنوی اور باطنی پاکی کے لئے بولا جاتا ہے، یعنی کفر و شرک اور بُرے اخلاق و عادات سے پاک ہونا اور کبھی مطلقاً ظاہری اور باطنی پاکی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، یہاں بظاہر یہی عام معنی مراد ہیں۔

تیسرا مقصد يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، کتاب سے مراد قرآن کریم اور حکمت سے مراد وہ تعلیمات و ہدایات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً یا عملاً ثابت ہیں، اسی لئے بہت حضرات مفسرین نے یہاں حکمت کی تفسیر سنت سے فرمائی ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بظاہر ترتیب کا تقاضا یہ تھا کہ تلاوت کے بعد ایک سوال و جواب | تعلیم کا ذکر کیا جاتا اس کے بعد تزکیہ کا، کیونکہ ان تینوں وظائف کی ترتیب طبعی یہی ہے کہ پہلے تلاوت یعنی تعلیم الفاظ پھر تعلیم معانی، اور ان دونوں کے نتیجے میں اعمال و اخلاق کی درستی جو تزکیہ کا مفہوم ہے، مگر قرآن کریم میں یہ آیت کئی جگہ آئی ہے، اکثر جگہوں میں ترتیب بدل کر تلاوت اور تعلیم کے درمیان تزکیہ کا ذکر فرمایا ہے۔

روح المعانی میں اس کی یہ کیفیت بتلائی ہے کہ اگر ترتیب طبعی کے مطابق رکھا جاتا تو یہ تینوں چیزیں مل کر ایک ہی چیز ہوتی جیسے معالجات کے نسخوں میں کئی دوائیں مل کر مجموعہ ایک ہی دوا کہلاتی ہے، اور یہاں اسی حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ یہ تینوں چیزیں الگ الگ مستفیل نعمت خداوندی ہیں اور تینوں کو الگ الگ رسائل و رسالت قرار دیا گیا ہے، اس ترتیب کے بدلنے سے اس طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔

اس آیت کی مکمل تفسیر و تشریح بہت سے اہم مسائل و فوائد پر مشتمل سورۃ بقرہ میں گذر چکی ہے اس کو دیکھ لیا جائے، معارف القرآن جلد اول صفحہ ۲۷۲ سے ۲۸۴ تک یہ مضامین آئے ہیں۔

وَاٰخِرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ، آخرین کے لفظی معنی دوسرے لوگ۔ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ کے معنی جو ابھی تک ان لوگوں یعنی اُمّیین کے ساتھ نہیں ملے، مراد ان سے وہ تمام مسلمان ہیں جو قیامت تک اسلام میں داخل ہوتے رہیں گے، دیکھا رہی عن ابن زید و مجاہد غیرہا، اس میں اشارہ ہے کہ قیامت تک آنے والے مسلمان سب کے سب مؤمنین اولین یعنی صحابہ کرام ہی کے ساتھ ملحق سمجھے جائیں گے، یہ بعد کے مسلمانوں کیلئے بڑی بشارت ہے (روح)

لفظ آخرین کے عطف میں دو قول ہیں، بعض حضرات نے اس کو اُمّیتین پر عطف قرار دیا ہے، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ بھیجا اللہ نے اپنا رسول اُمّیتین میں اور ان لوگوں میں جو ابھی اُن سے نہیں ملے، اس پر جو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اُمّیتین یعنی موجودین میں رسول بھیجنا تو ظاہر ہے، جو لوگ ابھی آئے ہی نہیں ان میں بھیجنے کا کیا مطلب ہوگا، اس کا جواب بیان القرآن میں یہ دیا ہے کہ ان میں بھیجنے سے مراد ان کیلئے بھیجنا ہے، کیونکہ لفظ فی عربی زبان میں اس معنی کے لئے بھی آتا ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ آخرین کا عطف علیہم کی ضمیر منصوب پر ہے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم دیتے ہیں اُمّیتین کو بھی اور ان لوگوں کو بھی جو ابھی اُن کے ساتھ ملے نہیں۔ (اختارہ فی المنہری)

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ سورۃ جمعہ آپ پر نازل ہوئی، (اور آپ نے ہمیں سنائی) جب آپ نے یہ آیت پڑھی وَآخِرُیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوا بِهِمْ، تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ کون لوگ ہیں جن کا ذکر آخرین کے لفظ سے کیا گیا ہے، آپ نے اس وقت سکوت فرمایا، مگر سرسوال کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک حضرت سلمان فارسیؓ پر رکھ دیا (جو اُس وقت مجلس میں موجود تھے) اور فرمایا کہ اگر ایمان ثریا ستارہ کی بلندی پر بھی ہوگا تو ان کی قوم کے کچھ لوگ وہاں سے بھی ایمان کو لے آئیں گے (منہری)

اس روایت میں بھی اہل فارس کی تخصیص کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ اتنا ثابت ہوا کہ یہ بھی آخرین کے مجموعہ میں داخل ہیں، اس حدیث میں اہل عجم کی بڑی فضیلت ہے (منہری)

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ كَفَرُوا سَوَاءٌ أَلَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْإِیمَارِ یَحْمِلُ أَثْقَالًا، اسفار، سفر بکسر سین کی جمع ہے، بڑی کتاب کو کہا جاتا ہے، سابقہ آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت اُمّیتین میں ہونا اور آپ کی بعثت کے تین مقاصد کا ذکر جن الفاظ میں آیا ہے، پچھلی آسمانی کتاب توراۃ میں بھی آپ کا ذکر تقریباً اپنی الفاظ و صفات کے ساتھ آیا ہے، جس کا مقتضی یہ تھا کہ یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی آپ پر ایمان لے آتے، مگر ان کو دنیا کے جاہ و مال نے توراۃ کے احکام سے اندھا کر دیا اور باوجود توراۃ کا علم ہونے کے عمل کے اعتبار سے ایسے ہو گئے جیسے بالکل جاہل ناواقف ہوں، اُن لوگوں کی مذمت مذکورہ آیت میں اس طرح کی گئی کہ یہ لوگ جن پر تورات لاد دی گئی تھی، یعنی اُن کو بے مانگے اللہ کی یہ نعمت دیدی گئی تھی، مگر انھوں نے اس کے اٹھانے کا حق ادا نہ کیا یعنی تورات کے احکام کی پروا نہ کی، ان کی مثال ایسی ہے جیسے گدھے کی پشت پر علوم و فنون کی بڑی بڑی کتابیں لاد دی جاتی ہیں، یہ گدھے اُن کا بوجھ تو

اٹھاتا ہے مگر ان کے مضامین کی نہ اس کو کچھ خبر ہے نہ اُن سے کوئی فائدہ اس کو پہونچتا ہے، یہود کا بھی یہی حال ہے کہ دنیا سازی کے لئے تو رات تو لئے پھرتے ہیں اور لوگوں میں اس کے ذریعہ جاہ اور اپنا مقام بھی پیدا کرنا چاہتے ہیں مگر اس کی ہدایات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے۔
عالم بے عمل کی مثال | حضرات مغسّین نے فرمایا کہ جو مثال یہود کی دی گئی ہے، یہی مثال اُس عالم دین کی ہے جو اپنے علم پر عمل نہ کرے ۵

نہ محقق بود نہ دانش مند چار پائے برد کتابے چند

قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِن زَعَمْتُمْ أَن تَكُونُوا أَوْلِيَاءَ لِلَّهِ مِن دُونِ النَّاسِ فَتَمَتُّوا
الْمَوْتَ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ یہود اپنے کفر و شرک اور ساری بد اخلاقیوں کے باوجود یہ دعویٰ بھی
رکھتے تھے تَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ یعنی ہم تو اللہ کی اولاد اور محبوب ہیں، اور اپنے سوا کسی کو جنت کا
مستحق نہ کہتے تھے بلکہ یوں کہا کرتے تھے لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا، گویا وہ آخرت کے عذاب
سے اپنے آپ کو بالکل محفوظ و مامون سمجھتے اور جنت کی نعمتوں کو اپنی ذاتی جاگیر سمجھتے تھے، اور یہ ظاہر ہے
کہ جس شخص کا یہ ایمان ہو کہ آخرت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے ہزاروں درجے افضل و بہتر ہیں اور
دنیا میں ہر وقت یہ بھی دیکھتا رہتا ہے کہ یہاں کی زندگی ریخ و غم اور تکلیفوں سے اور محنتوں سے خالی
نہیں اور بیماریاں بھی آتی ہی رہتی ہیں، اور اس کو یہ بھی یقین ہو کہ موت آتے ہی مجھے وہ عظیم اور
دامنی نعمتیں ضرور مل ہی جائیں گی، تو اس کا مقتضایہ یہ ہے کہ اگر اس میں ذرا بھی عقل و فہم ہے تو اس کے
دل میں موت کی تمنا پیدا ہو اور وہ دل سے چاہے کہ موت جلد آجائے تاکہ دنیا کی مکدر اور ریخ و غم سے بھری
ہونی زندگی سے نکل کر خالص راحت اور آرام کی دائمی زندگی میں پہونچ جائے۔

اس لئے آیت مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی گئی کہ آپ یہود سے فرمائیں
کہ اگر تمھارا یہ دعویٰ کہ ساری مخلوق میں تم ہی اللہ کے محبوب اور لاڈلے ہو اور تمہیں یہ خطرہ بالکل
نہیں کہ آخرت میں تمہیں کوئی عذاب ہو سکتا ہے تو پھر عقل کا تقاضا یہ ہے کہ تم موت کی تمنا کرو
اور اس کے مشتاق رہو۔

پھر قرآن نے خود ان کی تکذیب کر دی اور فرمایا وَلَا يَسْتَوُونَ أَبَدًا بِمَا قَدَّمْتِ آيِدِيكَ يَكْفُرُ
یعنی یہ لوگ ہرگز موت کی تمنا نہ کریں گے بوجہ اس کے کہ اُن کے ہاتھوں نے (آخرت کے لئے کفر و شرک
اور اعمالِ بد) آگے بھیج رکھے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ آخرت میں ہمارے لئے عذاب جہنم کے سوا کچھ
نہیں، اور یہ دعویٰ اللہ کے مقبول و محبوب ہونے کے بالکل جھوٹ ہیں جن کا جھوٹ ہونا خود اُن پر بھی واضح
ہے، مگر دنیا کے کچھ فوائد حاصل کرنے کے لئے ایسے دعوے کرتے ہیں، اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر ہم نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر موت کی تمنا ظاہر کر دی تو وہ ضرور قبول ہو جائے گی اور ہم

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ

پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو زمین میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا

وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَإِذَا سَأَلَ عَنْ تِجَارَةٍ أَوْ

اور یاد کرو اللہ کو بہت سا تاکہ تمہارا بھلا ہو ، اور جب دیکھیں سودا بچنا یا کچھ

لَهُمْ أَنْفَضُوا إِلَيْهَا وَتَرَكَوكَ قَائِمًا ۖ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنْ

تمہارا متفرق ہو جائیں اس کی طرف اور تجھ کو چھوڑ جائیں کھڑا تو کہہ جو اللہ کے پاس ہی سو بہتر ہے

اللَّهُمَّ مِنَ التِّجَارَةِ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝

تمہارے سے اور سودا گری سے اور اللہ بہتر ہے روزی دینے والا

خُلاصۂ تفسیر

اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لئے اذان کہی جا یا کرے تو تم اللہ کی یاد دہانی نماز و خطبہ کی طرف (فوراً) چل پڑا کرو اور خرید و فروخت (اور اسی طرح دوسرے مشاغل مانعہ عن السعی) کافی رد و المختار (چھوڑ دیا کرو) اور تخصیص بیع کی بوجہ زیادہ اہتمام کے ہے کہ اس کے ترک کو قوت نفع سمجھا جاتا ہے (یہ چل پڑنا مشاغل بیع وغیرہ کو چھوڑ کر) تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے ، اگر تم کو کچھ سمجھ ہو (کیونکہ اس کا نفع باقی ہے اور بیع وغیرہ کا نفع فانی) پھر جب نماز (جمعہ کی) پوری ہو چکے (اور اگر ابتداء میں خطبہ مؤخر تھا تو نماز پورا ہونے سے مراد اس کا مع متعلقات کے پورا ہونا ہے) جس کا حاصل نماز اور خطبہ کا پورا ہو چکا ہے (تو اس وقت تم کو اجازت ہے کہ) تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو (یعنی اُس وقت دنیا کے کاموں کے لئے چلنے پھرنے کی اجازت ہے) اور (اس میں بھی) اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو (یعنی اشغال دنیویہ میں ایسے منہمک مت ہو جاؤ کہ احکام و عبادات ضروریہ سے غافل ہو جاؤ) تاکہ تم کو فلاح ہو اور (بعض لوگوں کا حال یہ کہ) وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑنے کے لئے بکھر جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ جو چیز (از قسم ثواب و قرب) خدا کے پاس ہے وہ ایسے مشغلہ اور تجارت سے بدرجہا بہتر ہے اور اگر اس سے افزونی رزق کی طمع ہو تو سمجھ لو کہ اللہ سب سے اچھا روزی پہنچانے والا ہے (اس کی طاعات ضروریہ میں مشغول رہنے پر رزق مقدر دیتا ہے) پھر کیوں اس کے احکام کو ترک کیا جاوے؟

معارف و مسائل

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ

وَذُرُوا الْبَيْعَ، یوم الجمعہ، اس دن کو یوم جمعہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے اجتماع کا دن ہے، اور آسمان و زمین اور تمام کائنات کی تخلیق جو حق تعالیٰ نے چھ دن میں فرمائی ہے ان چھ میں سے آخری دن جمعہ ہے، جس میں تخلیق کی تکمیل ہوئی، اسی دن میں آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے، اسی روز میں اُن کو جنت میں داخل کیا گیا، پھر اسی دن میں اُن کو زمین کی طرف اتارا گیا، اسی دن میں قیام قائم ہوگی، اور اسی دن میں ایک گھڑمی ایسی آتی ہے کہ اس میں انسان جو بھی دُعا کرے قبول ہوتی ہے یہ سب باتیں احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں (ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے اجتماع اور عید کا ہر ہفتہ میں یہ دن جمعہ کا رکھا تھا، مگر پچھلی اُمتوں کو اس کی توفیق نہ ہوئی، یہود نے یوم السبت (سینچر کے دن) کو اپنا یوم اجتماع بنا لیا، نصاریٰ نے اتوار کو، اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو اس کی توفیق بخشی، کہ انھوں نے یوم جمعہ کا انتخاب کیا، (کمار واہ البخاری و مسلم عن ابی ہریرۃؓ، ابن کثیر) زمانہ جاہلیت میں اس دن کو یوم عروبہ کہا جاتا تھا، سب سے پہلے عرب میں کعب بن لوی نے اس کا نام جمعہ رکھا، اور قریش اُس دن جمع ہوتے، اور کعب بن لوی خطبہ دیتے تھے، یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانسو ساٹھ سال پہلے کا ہے۔

کعب بن لوی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں، اُن کو حق تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت میں بھی بہت پرستی سے بچایا، اور توحید کی توفیق عطا فرماتی تھی، انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خوش خبری بھی لوگوں کو سنائی تھی، قریش میں ان کی عظمت کا عالم یہ تھا کہ ان کی وفات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانسو ساٹھ سال پہلے ہوئی، اسی سے اپنی تاریخ شمار کرنے لگے، عرب کی تاریخ ابتداء میں ہنار کعبہ سے لی جاتی تھی کعب بن لوی کی وفات کے بعد اس سے تاریخ جاری ہو گئی، پھر جب واقعہ فیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے سال میں پیش آیا تو اس واقعہ سے عرب کی تاریخ کا سلسلہ جاری ہو گیا، خلاصہ یہ ہے کہ جمعہ کا اہتمام عرب میں قبل از اسلام بھی کعب بن لوی کے زمانہ میں ہو چکا تھا، اور اس دن کا نام جمعہ رکھنا بھی انہی کی طرف منسوب ہے (مظہری)

بعض روایات میں ہے کہ انصار مدینہ نے قبل از ہجرت فرضیت جمعہ نازل ہونے سے پہلے اپنے اجتہاد سے جمعہ کے روز جمع ہونے اور عبادت کرنے کا اہتمام کر رکھا تھا، (کمار واہ عبد الرزاق باسناد صحیح عن محمد بن سیرین) (از مظہری)

نُودِي لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ نداءِ صلوٰۃ سے مراد اذان ہے، اور مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ بمعنی فی یوم الجمعہ ہے، فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ سعی کے معنی دوڑنے کے بھی آتے ہیں اور کسی کام کو اہتمام کے ساتھ کرنے کے بھی، اس جگہ یہی دوسرے معنی مراد ہیں، کیونکہ نماز کے لئے دوڑتے ہوئے آنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب نماز کے لئے آؤ تو سکینت اور وقار کے ساتھ آؤ، آیت کے معنی یہ ہیں کہ جب جمعہ کے دن جمعہ کی اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو، یعنی نماز و خطبہ کے لئے مسجد کی طرف چلنے کا اہتمام کرو، جیسا دوڑنے والا کسی دوسرے کام کی طرف توجہ نہیں دیتا، اذان کے بعد تم بھی کسی اور کام کی طرف بجز نماز و خطبہ کے توجہ نہ دو (ابن کثیر) ذِکْرُ اللَّهِ سے مراد نماز جمعہ بھی ہو سکتی ہے اور خطبہ جمعہ جو نماز جمعہ کے شرائط و فرائض میں داخل ہے وہ بھی اس لئے مجموعہ دونوں کا مراد لیا جائے یہ بہتر ہے (منظری وغیرہ)

وَذَرُوا الْبَيْعَ، یعنی چھوڑ دو بیع (فروخت کرنے کو) صرف بیع کہنے پر اکتفاء کیا گیا اور مراد بیع و شراء (یعنی خرید و فروخت) دونوں ہیں، وجہ اکتفاء کی یہ ہے کہ ایک کے چھوٹنے سے دوسرا خود بخود چھوٹ جائے گا، جب کوئی فروخت کرنے والا فروخت نہ کرے گا تو خرید والے کے لئے خرید نے کا راستہ ہی نہ رہے گا۔

اس میں اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ اذان جمعہ کے بعد جو خرید و فروخت کو اس آیت نے حرام کر دیا ہے اس پر عمل کرنا تو بیچنے والوں اور خریداروں سب پر فرض ہے، مگر اس کا عملی انتظام اس طرح کیا جائے کہ دکانیں بند کر دی جائیں تو خریداری خود بخود بند ہو جائے گی، اس میں حکمت یہ ہے کہ گاہکوں اور خریداروں کی تو کوئی حد و شمار نہیں ہوتی اُن سب کے روکنے کا انتظام آسان نہیں، فروخت کرنے والے دکاندار متعین اور محدود ہوتے ہیں ان کو فروخت سے روک دیا جائے تو باقی سب خرید سے خود رک جائیں گے، اس لئے ذَرُوا الْبَيْعَ میں صرف بیع چھوڑ دینے کے حکم پر اکتفاء کیا گیا۔

فَانْظُرُوا: اذان جمعہ کے بعد سارے ہی مشاغل کا ممنوع کرنا مقصود تھا جن میں تراعت تجارت، مزدوری سبھی داخل ہیں، مگر قرآن کریم نے صرف بیع کا ذکر فرمایا، اس سے اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ جمعہ کی نماز کے مخاطب شہروں اور قصبوں والے ہیں، چھوٹے دیہات اور جنگلوں میں جمعہ نہیں ہوگا، اس لئے شہروں اور قصبوں میں جو مشاغل عام لوگوں کو پیش آتے ہیں ان کی ممانعت فرمائی گئی وہ بیع و شراء کے ہوتے ہیں، بخلاف گھاؤں والوں کے کہ ان کے مشاغل کاشت اور زمین سے متعلق ہوتے ہیں، اور باتفاق فقہاء اُمت یہاں بیع سے مراد فقط فروخت کرنا نہیں بلکہ ہر وہ کام جو جمعہ کی طرف جانے کے اہتمام میں محفل ہو وہ سب بیع کے مفہوم میں داخل ہے اس لئے

اذان جمعہ کے بعد کھانا پینا، سونا، کسی سے بات کرنا، یہاں تک کہ کتاب کا مطالعہ کرنا وغیرہ سب ممنوع ہیں، صرف جمعہ کی تیاری کے متعلق جو کام ہوں وہ کئے جاسکتے ہیں۔

اذان جمعہ شروع میں صرف ایک ہی تھی جو خطبہ کے وقت امام کے سامنے کہی جاتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پھر صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسی طرح رہا، حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی، اور اطرافِ مدینہ میں پھیل گئی، امام کے سامنے والی خطبہ کی اذان دو رنگ بن گئی، تو عثمان غنیؓ نے ایک اور اذان مسجد سے باہر اپنے مکان زور پر شروع کرادی، جس کی آواز پورے مدینہ میں پہونچنے لگی، صحابہ کرام میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا، اس لئے یہ اذان اول باجماع صحابہ مشروع ہو گئی اور اذان جمعہ کے وقت بیع و شراہ وغیرہ تمام مشاغل حرام ہو جانے کا حکم جو پہلے اذان خطبہ کے بعد ہوتا تھا اب پہلی اذان کے بعد سے شروع ہو گیا، کیونکہ اتفاقاً قرآن (تُؤَدُّی لِلصَّلَاةِ مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ) اس پر بھی صادق ہیں، یہ تمام باتیں حدیث و تفسیر اور فقہ کی عام کتابوں میں بلا اختلاف مذکور ہیں۔

اس پر پوری اہمیت کا اجماع و اتفاق ہے کہ جمعہ کے روز ظہر کے بجائے نماز جمعہ فرض ہے اور اس پر بھی اجماع و اتفاق ہے کہ نماز جمعہ عام پانچ نمازوں کی طرح نہیں اس کے لئے کچھ مزید شرائط ہیں، پانچوں نمازیں تنہا بلا جماعت کے بھی پڑھی جاسکتی ہیں، دو آدمی کی بھی جماعت سے اور جمعہ بغیر جماعت کے ادا نہیں ہوتا، اور جماعت کی تعداد میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں اسی طرح نماز پنجگانہ ہر جگہ دریا، پہاڑ، جنگل میں ادا ہو جاتی ہے، مگر جمعہ جنگل، صحرائیں کسی کے نزدیک ادا نہیں ہوتا، عورتوں، مریموں، مسافروں پر جمعہ فرض نہیں، وہ جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز پڑھیں، جمعہ کس قسم کی بستی والوں پر فرض ہے اس میں ائمہ فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، امام شافعیؒ کے نزدیک جس بستی میں چالیس مرد و احرار، عاقل، بالغ بستے ہوں اس میں جمعہ ہو سکتا ہے اس سے کم میں نہیں، امام مالکؒ کے نزدیک ایسی بستی کا ہونا ضروری ہے جس کے مکانات متصل ہوں اور اس میں بازار بھی ہو، امام عظیم ابو حنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ شہر قصبہ یا بڑا گاؤں ہو جس میں گلی کوچے اور بازار ہوں اور کوئی قاضی حاکم فیصلہ معاملات کے لئے ہو، مسئلہ اور اس کے دلائل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، حضرات علمائے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھ کر سب کچھ واضح کر دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اور فَاتَمَرُوا باتفاق جمہور امت عام مخصوص البعض ہے، علی الاطلاق ہر مسلمان پر جمعہ فرض نہیں، بلکہ کچھ قیود و شرائط سب کے نزدیک ہیں، اختلاف صرف شرائط کی تعیین میں ہے، البتہ جہاں فرض ہو ان کے لئے اس فرض کی بڑی اہمیت و تاکید ہے

ان لوگوں میں بلا عذر شرعی کوئی جمعہ چھوڑ دے تو احادیث صحیحہ میں اُس پر سخت وعیدیں آئی ہیں، اور نماز جمعہ اس کے شرائط و آداب کے ساتھ ادا کرنے والوں کے مخصوص فضائل و برکات کا وعدہ ہے۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ، سابقہ آیات میں اذان جمعہ کے بعد بیع و شراء وغیرہ کے تمام دنیوی امور کو ممنوع کر دیا گیا تھا، اس آیت میں اس کی اجازت دیدی گئی کہ نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد تجارتی کاروبار اور اپنا اپنا رزق حاصل کرنے کا اہتمام سب کر سکتے ہیں۔

جمعہ کے بعد تجارت | حضرت عواک بن مالک رضی اللہ عنہ جب نماز جمعہ سے فارغ ہو کر باہر آتے تو دروازہ مسجد پر کھڑے ہو کر یہ دعا کرتے تھے؛

و کسب میں برکت

یعنی یا اللہ میں نے تیرے حکم کی اطاعت کی اور تیرا فرض ادا کیا اور جیسا کہ تو نے حکم دیا ہر نماز پڑھ کر میں باہر جاتا ہوں تو اپنے فضل سے مجھے رزق عطا فرما اور تو تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي آجَبْتُ دَعْوَتَكَ وَصَلَّيْتُ
فَرِيضَتَكَ وَأَنْتَ تَشْرُتُ كَمَا أَمَرْتَنِي
فَارْزُقْنِي مِنْ فَضْلِكَ وَأَنْتَ خَيْرُ
الْكَارِزِقِينَ (رواہ ابن ابی حاتم)

از ابن کشیر

اور بعض سلف صالحین سے منقول ہے کہ جو شخص نماز جمعہ کے بعد تجارتی کاروبار کرتا ہو اللہ تعالیٰ اس کے لئے شہرت بہ برکات نازل فرماتے ہیں، (ابن کثیر)

وَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ، یعنی نماز جمعہ سے فارغ ہو کر کسب معاش تجارت وغیرہ میں لگو، مگر کفار کی طرح خدا سے غافل ہو کر نہ لگو، عین خرید و فروخت اور مزدوری کے وقت بھی اللہ کی یاد جاری رکھو۔

وَإِذَا زَادَاجَارَةٌ أَوْ لَهْوًا أَوْ نَفْسًا أَوْ يَهَاؤَ تَرْكُوا مَا عَنِ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ
الْأَهْوَاءِ مِنَ التَّجَارَةِ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ، اس آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو جمعہ کا خطبہ چھوڑ کر تجارتی کام کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، امام ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ نماز جمعہ کے بعد دیا کرتے تھے جیسا کہ عیدین میں اب بھی یہی معمول ہے، ایک جمعہ کے روز یہ واقعہ پیش آیا کہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، کہ اچانک ایک تجارتی قافلہ مدینہ طیبہ کے بازار میں پہنچا، اور ڈھول باجہ وغیرہ سے اس کا اعلان ہونے لگا، اس وقت نماز جمعہ سے فراغت ہو چکی تھی، خطبہ ہو رہا تھا، بہت سے حضرات صحابہ بازار چلے گئے اور آپ کے ساتھ چھوڑے سے حضرات رہ گئے، جن کی تعداد بارہ بتلائی گئی ہے (یہ روایت ابو داؤد نے مراسیل میں بیان فرمائی ہے)، بعض روایات حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت

پر فرمایا کہ اگر تم سب کے سب چلے جاتے تو مدینہ کی ساری دادی عذاب کی آگ سے بھر جاتی (رواہ ابو یعلیٰ ابن کثیر) امام تفسیر مقاتل کا بیان ہے کہ یہ تجارتی قافلہ وحیہ بن خلف بھی کا تھا، جو ملک شام سے آیا تھا، اور تجارت مدینہ میں اس کا قافلہ عموماً تمام ضروریات لے کر آیا کرتا تھا، اور جب مدینہ کے لوگوں کو اس کی آمد کی خبر ملتی تھی تو سب مرد و عورت اس کی طرف دوڑتے تھے، یہ وحیہ بن خلف اس وقت تک مسلمان نہ تھے بعد میں داخل اسلام ہوئے۔

اور حسن بصریؒ اور ابو مالکؒ نے فرمایا کہ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مدینہ میں اشیاء ضرورت کی کمی اور سخت گرانی تھی (تفسیر منطہری) یہ اسباب تھے کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بڑی جماعت تجارتی قافلہ کی آواز پر مسجد سے نکل گئی، اول تو نماز فرض ادا ہو چکی تھی، خطبہ کے متعلق یہ معلوم نہ تھا کہ جمعہ میں وہ بھی فرض کا جزو ہے، دوسرے اشیاء کی گرانی، تیسرے تجارتی قافلہ پر لوگوں کا ٹوٹ پڑنا، جس سے ہر ایک کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ دیر کروں گا تو اپنی ضروریات نہ پاسکوں گا۔

بہر حال ان اسباب کے تحت صحابہ کرام سے یہ اعتراض ہوئی جس پر حدیث مذکور میں وعید کے الفاظ آئے کہ سب کے سب چلے جاتے تو اللہ کا عذاب آجاتا، اسی پر عار دلانے اور تنبیہ کرنے کے لئے آیت مذکورہ نازل ہوئی، اذاً رَاَوْا تِجَارَةً، اور اسی کے سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے معاملے میں اپنا طرز بدل دیا کہ نماز جمعہ سے پہلے خطبہ دینے کا معمول بنالیا، اور یہی اب سنت ہے (ابن کثیر) آیت مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اُن لوگوں کو بتلا دیں کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس تجارت اور ڈھول ڈھماکہ سے بہتر ہے جس میں آخرت کا ثواب تو مراد ہے ہی یہ بھی بعید نہیں کہ نماز و خطبہ کی خاطر تجارت و کسب معاش کو چھوڑنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں بھی خاص برکات نازل ہوں، جیسا کہ اوپر سلف صالحین سے بروایت ابن کثیر نقل کیا گیا ہے :

تَمَّتْ

الْحَمْدُ لِلَّهِ سُورَةُ الْجُمُعَةِ
يَوْمَ الْخَمِيسِ ۲۸ جُمَادَى الْأُولَى ۱۳۹۱

سُورَةُ الْمُنَافِقِينَ

سُورَةُ الْمُنَافِقِينَ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ إِحْدَى عَشْرَةَ آيَةً وَفِيهَا اِسْمُ رُكُوعَاتٍ

سورۃ منافقون مدنیہ میں نازل ہوئی اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ

جب آئیں تیرے پاس منافق کہیں ہم قائل ہیں تو رسول ہے اللہ کا ، اور اللہ

يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ①

جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے ، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں ،

اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّهُمْ سَاءَ

انہوں نے رکھا ہوا اپنی قسموں کو ڈھال بنا کر پھر دیتے ہیں اللہ کی راہ سے یہ لوگ بُرے کام

مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ② ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَى

ہیں جو کر رہے ہیں ، یہ اس لئے کہ وہ ایمان لائے پھر منکر ہو گئے پھر ہر گز گئی

قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ③ وَإِذَا رَأَوْهُ تَعْجَبُوا أَسَاحِمْهُمْ

ان کے دل پر سو وہ اب کچھ نہیں سمجھتے ، اور جب تو دیکھے اُن کو تو اچھے لگیں تجھ کو اُن کے دِل

وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ ط كَأَنَّهُمْ خَشَبٌ مُسْنَدٌ ط يَحْسَبُونَ

اور اگر بات کہیں سنے تو اُن کی بات کیسے ہیں جیسے کہ ٹکڑی لگادی دیوار سے ، جو کوئی چنیں جائیں

كُلِّ صِيْحَةٍ عَلَيْهِمْ طَهُمُ الْعَدُوِّ وَفَاحِذْهُمْ قَاتِلْهُمْ اللَّهُ اَنَّى يُوَفُّوْنَ ۝۳

ہم ہی پر بلا آئی وہی ہیں دشمن ان سے بچتا رہ گروں مائے اُن کی اللہ کہاں سے پھرے جاتے ہیں

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا أَسْفَافًا وَسَهُمُ

اور جب کہے اُن کو آؤ معاف کرانے تم کو رسول اللہ کا شکلاتے ہیں اپنے سر

وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ۝۵ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ

اور تو دیکھے کہ وہ روکتے ہیں اور وہ غرور کرتے ہیں برابر ہے اُن پر تو معافی چاہے

لَهُمْ أَمْ لَمْ تُسْتَغْفِرْ لَهُمْ طَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي

اُن کی یا نہ معافی چاہے ہرگز نہ معاف کرے گا اُن کو اللہ بیشک اللہ راہ نہیں دیتا

الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝۶ هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا أَعْلَىٰ مِنْ عِنْدِ

نافرمان لوگوں کو وہی ہیں جو کہتے ہیں خرچ مت کرو ان پر جو پاس رہتے ہیں

رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يُنْفِقُوا ۖ وَبِذِهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

رسول اللہ کے یہاں تک کہ متفرق ہو جائیں اور اللہ کے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے

وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِينَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۷ يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِيْنَةِ

لیکن منافق نہیں سمجھتے کہتے ہیں البتہ اگر ہم پھر گئے مدینہ کو تو

لَيُخْرِجَنَّكَ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۖ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ

بکمال دیگیا جس کا زور ہے وہاں سے کمزور لوگوں کو اور زور تو اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا اور ایمان والوں کا

وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝۸

لیکن منافق نہیں جانتے

خلاصہ تفسیر

جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (دل سے) گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک

اللہ کے رسول ہیں، اور یہ تو اللہ کو معلوم ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اس میں تو اُن کے قول کی تکذیب

نہیں کی جاتی، اور (باوجود اس کے) اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین (اس کہنے میں) جھوٹے ہیں،

کہ ہم دل سے گواہی دیتے ہیں، کیونکہ وہ گواہی محض زبانی ہے اعتقادِ قلب سے نہیں، ان لوگوں نے اپنی قسموں کو (اپنی جان و مال کو بچانے کے لئے) ڈھال بنا رکھا ہے (کیونکہ اظہارِ کفر کرتے تو ان کی حالت بھی مثل دوسرے کفار کے ہو جاتی کہ چھا دیا جاتا اور قتل و غارت ہوتا) پھر اس لازمی خرابی کے ساتھ متعدی خرابی بھی ہے کہ یہ لوگ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں بے شک ان کے یہ اعمال بہت ہی بُرے ہیں (اور ہمارا) یہ (کہنا کہ ان کے اعمال بہت بُرے ہیں) اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ (اول ظاہر میں) ایمان لے آئے پھر (اپنے شیاطین کے پاس جا کر کلماتِ کفریہ اِنَّمَا مَعَكُمْ اِتْمَانُحْنُ مُسْتَهْزِؤُنْ کہہ کر) کافر ہو گئے (مطلب یہ کہ اُن پر بُرے اعمال کا حکم کرنا اُن کے نفاق کے سبب سے ہے کہ وہ بدترین عمل کفر ہے) سو (اس نفاق کی وجہ سے) اُن کے دلوں پر مہر کر دی گئی، تو یہ (حق بات کو) نہیں سمجھتے اور (ظاہر میں یہ ایسے چمکنے چڑی ہیں کہ) جب آپ اُن کو دیکھیں (تو شان و شوکت ظاہری کی وجہ سے) اُن کے قد و قامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور باتوں میں ایسے ہیں کہ اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی بات (غایت فصاحت و شیرینی کی وجہ سے) سُن لیں (لیکن چونکہ اندر خاک بھی نہیں ہے اس لئے قد و قامت ظاہری کے ساتھ باطنی کمالات خالی ہونے کے سبب ان کی ایسی مثال ہے کہ) گویا یہ لکڑیاں ہیں جو (دیوار کے) ہمالے سے لگائے ہوئی (کھڑی) ہیں (کہ جثہ میں تو لمبی چوڑی موٹی موٹی مگر بے جان محض اور عام عادت یہ ہے کہ اکثر جو لکڑی فی الحال کام میں نہیں لگتی وہ اس طرح رکھ دی جاتی ہے، ایسی لکڑی بے نفع محض بھی ہے، اسی طرح یہ لوگ ظاہری دیکھنے میں تو شاندار ہیں لیکن اندر سے محض بیکار اور چونکہ بوجہ عدم اخلاص و عدم ایمان کے ہر وقت ان کو اندیشہ رہتا ہے کہ کبھی مسلمانوں کو ہمالے کی اطلاع کسی قرینہ سے یا بذریعہ وحی کے نہ ہو جائے اور مثل دیگر کفار کے ہم پر بھی خبا و وغیرہ نہ ہونے لگے اس خیال سے ایسے خائف رہتے ہیں کہ) ہر غل پکار کو (کو کسی وجہ سے ہو) اپنے ہی اوپر (پڑنے والی) خیال کرنے لگتے ہیں (یعنی جب کوئی شور و غل ہوتا ہے یہی سمجھتے ہیں کہ کہیں ہمالے اوپر بھی اقتدار پڑنے والی نہ ہو حقیقت میں) یہی لوگ (تمہارے پوسے) دشمن ہیں آپ ان سے ہوشیار رہتے (یعنی اُن کی کسی بات پر اعتماد نہ کیجئے) خدا اُن کو غارت کریں کہاں (دینِ حق سے) پھرے چلے جاتے ہیں (یعنی روزانہ دور ہی ہوتے جاتے ہیں) اور (ان کے تکبر اور شرارت کی یہ کیفیت ہو کہ) جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس) آؤ تمہارے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) استغفار کریں تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور آپ اُن کو دیکھیں گے کہ وہ (اس خیر خواہ اور استغفار رسول سے) تکبر کرتے ہوئے بے رُخی کرتے ہیں (جب اُن کے کفر کی یہ حالت ہے تو) اُن کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ آپ اُن کے لئے استغفار کریں یا اُن کے لئے استغفار نہ کریں اللہ تعالیٰ اُن کو ہرگز نہ بخشے گا (مطلب یہ کہ اگر وہ آپ کے پاس آتے بھی اور آپ ان کی ظاہری حالت کے اعتبار سے استغفار بھی فرماتے تب بھی اُن کو کچھ نفع نہ ہوتا، یہ تو ماضی کے اعتبار سے اُن کی حالت ہوئی، اور

آئندہ کے لئے یہ ہو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو (توفیق) ہدایت (کی) نہیں دیتا یہ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس (جمع) ہیں اُن پر کچھ خرچ مت کرو یہاں تک کہ یہ آپ ہی منتشر ہو جاویں گے اور ران کا یہ کہنا جہل محض ہی کیونکہ اللہ ہی کے ہیں سب خزانے آسمانوں اور زمین کے ولین منافق سمجھتے نہیں ہیں کہ رزق کا مدار اہل شہر کے نفقات کو سمجھتے ہیں اور یہ (لوگ) یوں کہتے ہیں کہ اگر ہم اب مدینہ میں ٹوٹ کر جاویں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو باہر نکال دیا جائے یعنی ہم اُن مسافر پر دیسیوں کو نکال باہر کر دیں گے، اور اس قول میں جو اپنے کو عزت والا اور مسلمانوں کو ذلت والا کہتے ہیں یہ جہل محض ہے، بلکہ اللہ ہی کی ہے عزت (بالذات) اور اس کے رسول کی (بواسطہ) تعلق باللہ کے اور مسلمانوں کی (بواسطہ) تعلق مع اللہ... والرسول کے، ولین منافق جانتے نہیں (بلکہ مدار امور فانیہ کو سمجھتے ہیں)۔

معارف و مسائل

سورۃ منافقون کے نزول کا مقصد واقعہ یہ واقعہ محمد بن اسحق کی روایت کے مطابق شعبان ۳۳ھ میں اور قتادہ و عروہ کی روایت کے مطابق شعبان ۳۳ھ ہجری میں غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر پیش آیا ہے (منہری) جو محمد بن اسحق اور اکثر علماء مغازی و سیر کی روایت کے مطابق یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ بنی المصطلق کے رئیس حارث بن ضرار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہے ہیں، یہ حارث بن ضرار جویرئہ کے والد ہیں جو بعد میں مسلمان ہو کر ازواجِ مطہرات میں داخل ہوئیں، اور خود حارث بن ضرار بھی بعد میں مسلمان ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کی جنگی تیاری کی خبر ملی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے نکلے، اس جہاد کے لئے نکلنے والے مسلمانوں کے ساتھ بہت سے منافق بھی اس طبع میں نکلے کہ ہمیں بھی مالِ غنیمت میں حصہ ملے گا، کیونکہ یہ لوگ باوجود دل میں کافروں و مشکروں ہونے کے یہ یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد آپ کے ساتھ ہے اور آپ ہی غالب اور فاتح ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بنی المصطلق کے مقام پر پہنچے تو حارث بن ضرار کے لشکر سے سامنا اس پانی کے چشمہ یا کنوئیں پر ہوا جو مریض کے نام سے معروف تھا، اسی لئے اس غزوہ کو غزوہ مریض بھی کہا جاتا ہے، جانبین سے جنگ کی صفیں مرتب ہو کر تیردوں کے ساتھ مقابلہ ہوا، جس میں بنی المصطلق کے بہت سے آدمی مارے گئے باقی بھاگنے لگے، حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح عطا فرمائی، ان کے کچھ اموال غنیمت اور کچھ مرد و عورت قید ہو کر مسلمانوں کے ہاتھ آئے، اس جہاد کا قصہ

تو ختم ہوا۔

دینی یا دنیوی قومیت کی بنیاد پر
تعاون نہ کرنا صرف وجاہلیت کا نعرہ

مگر اس کے بعد ابھی مسلمانوں کا لشکر اسی مُرِ یسّٰح کے پانی پر جمع تھا، کہ ایک ناگوار واقعہ یہ پیش آگیا کہ ایک ہاجر اور ایک انصاری میں اسی پانی پر باہم جھگڑا ہو گیا اور نوبت باہم قتل و قتال کی آگئی، ہاجر نے اپنی مدد کے لئے ہاجرین کو پکارا اور انصاری نے انصاریوں کی مدد کے لئے کچھ افراد پہنچ گئے، اور قریب تھا کہ مسلمانوں کے باہم ایک فتنہ کھڑا ہو جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو فوراً موقع پر تشریف لے گئے، اور سخت ناراضی کے ساتھ فرمایا ”مَتَابَانِ دَعَايَا الْجَاهِلِيَّةِ“ (یعنی یہ جاہلیت کا نعرہ کیسا ہے) کہ دینی اور دنیوی قومیت کو بنیاد بنا کر امداد و دفاع کا معاملہ ہونے لگا، اور فرمایا ”دَعَايَاهَا فَاِنَّهَا مُنْتَنَةٌ“ (اس نعرہ کو چھوڑ دو یہ بدبودار نعرہ ہے) اور فرمایا کہ ہر مسلمان کو اپنے ہر مسلمان بھائی کی مدد کرنا چاہئے خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم مظلوم کی مدد کرنا تو ظاہر ہے کہ اس کو ظلم سے بچائے اور ظالم کی مدد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکے، کیونکہ اس کی حقیقی مدد یہی ہے، مراد یہ تھی کہ ہر معاملہ میں یہ دیکھنا چاہئے کہ مظلوم کون ہے، ظالم کون، پھر ہر مسلمان کا خواہ وہ ہاجر ہو یا انصاری اور کسی قبیلہ و خاندان کا ہو یہ فرض ہو جاتا ہے کہ مظلوم کو ظلم سے چھڑائے، اور ظالم کا ہاتھ روکے، خواہ وہ اپنا حقیقی بھائی اور باپ ہی کیوں نہ ہو، یہ دنیوی اور دینی قومیت جاہلانہ اور بدبودار نعرہ ہے جس سے گذرگی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنتے ہی جھگڑا ختم ہو گیا، اس معاملہ میں زیادتی ججاء ہاجر کی ثابت ہوئی، اس کے بالمقابل سنان بن وبرہ جہنی انصاری کو زخم آگیا تھا، حضرت عباد بن صامتؓ کے سمجھانے سے سنان بن وبرہ نے اپنا حق معاف کر دیا، اور جھگڑنے والے ظالم و مظلوم پھر بھائی بھائی بن گئے۔

منافقین کی ایک جماعت جو مال غنیمت کی طمع میں مسلمانوں کے ساتھ لگی ہوئی تھی، ان کا سردار عبداللہ بن ابی تھا جو دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے دشمنی رکھتا تھا، مگر دنیوی فوائد کی خاطر اپنے کو مسلمان کہتا تھا، اس کو جب ہاجرین و انصار کے باہم تصادم کی خبر ملی تو اس نے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کا موقع غنیمت پایا اور اپنی مجلس میں جس میں منافقین جمع تھے اور مؤمنین میں سے صرف زید بن ارقمؓ موجود تھے..... اس نے انصار کو ہاجرین کے خلاف بھڑکایا اور کہنے لگا کہ تم نے ان کو اپنے وطن میں بلا کر اپنے سروں پر مسلط کیا، اپنے اموال و جان وادان کو تقسیم کر کے دیدیئے یہ تمھاری روٹیوں پر پلے ہوئے اب تمھارے ہی مقابلہ پر آئے ہیں، اگر تم نے اب بھی اپنے انجام کو نہ سمجھا تو آگے یہ تمھارا جینا مشکل کر دیں گے، اس لئے تمہیں چاہئے کہ آئندہ مال سے ان کی مدد نہ کرو تو خود ہی ادھر ادھر بھاگ جائیں گے، اور اب تمہیں چاہئے کہ جب مدینہ پہنچ جاؤ تو تم میں سے جو عز و اللہ

ہے وہ ذلیل کو نکال باہر کرے۔

اس کی مراد عزت والے سے خود اپنی جماعت اور انصار تھے، اور ذلیل سے مراد معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین صحابہ تھے، حضرت زید بن ارقمؓ نے جب اس کا یہ کلام سنا تو فوراً بولے کہ واللہ تو ہی ذلیل و خوار اور مبغوض ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے دی ہوئی عزت اور مسلمانوں کی دلی محبت سے کامیاب ہیں۔

عبداللہ بن ابی جحشؓ اپنے نفاق پر پردہ ڈالنا چاہتا تھا اسی لئے الفاظ صاف نہ بولے تھے، اس وقت زید بن ارقمؓ کے اظہار غضب کے اس کو ہوش آیا کہ میرا کفر ظاہر ہو جائے گا، تو حضرت زیدؓ سے عذر کیا کہ میں نے تو یہ بات ہنسی میں کہی تھی، میرا مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کچھ کرنا نہیں تھا۔

حضرت زید بن ارقمؓ اس مجلس سے اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ابن ابی کایہ سارا واقعہ کہہ سنایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ خبر بہت شاق ہوئی، چہرہ مبارک پر تغیر کے آثار نظر آنے لگے زید بن ارقمؓ کم عمر صحابی تھے، آپ نے ان سے کہا کہ لڑکے تم جھوٹ تو نہیں بول رہے ہو؟ زید بن ارقمؓ نے قسم کھا کر کہا کہ نہیں میں نے اپنے کانوں سے اس کے یہ کلمات سنے ہیں، آپ نے پھر فرمایا کہ تمہیں کچھ شبہ تو نہیں ہو گیا، زید بن ارقمؓ نے پھر وہی جواب دیا، اور پھر ابن ابی کایہ کی یہ بات مسلمانوں کے پورے شکر میں پھیل گئی، اور آپس میں اس بات کے سوا کوئی بات ہی نہ رہی، اور ہر حضرات انصار سب زید بن ارقمؓ کو ملامت کرنے لگے، کہ تم نے قوم کے سردار پر ہمت لگائی، اور قطع رحمی کی، زید بن ارقمؓ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی قسم پورے قبیلہ خزرج میں مجھے ابن ابی کایہ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں مگر جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یہ کلمات کہے تو میں اسے برداشت نہیں کر سکا، اور اگر میرا باپ بھی ایسی بات کہتا تو میں اس کو بھی ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتا۔

دوسری طرف حضرت عمر بن خطابؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں، اور بعض روایات میں ہے کہ فاروق اعظمؓ نے یہ عرض کیا کہ آپ عباد بن بشر کو حکم دیدیجئے کہ اس کا سر قلم کر کے آپ کے سامنے پیش کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر اس کا کیا ہو گا کہ لوگوں میں یہ شہرت دی جائیگی کہ میں اپنے اصحاب کو قتل کر دیتا ہوں، اس لئے آپ نے ابن ابی کایہ کے قتل سے روک دیا، حضرت فاروق اعظمؓ کے اس کلام کی خبر عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے کو پہنچی، ان کا نام بھی عبداللہ تھا، اور یہ بچے مسلمان تھے، یہ فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگر آپ کا ارادہ میرے باپ کو ان کی اس گفتگو کے نتیجے میں قتل کرنے کا ہے تو آپ مجھے حکم دیدیجئے میں اپنے باپ کا سر کاٹ کر آپ کی خدمت میں اس سے پہلے کہ آپ اپنی مجلس سے اٹھیں پیش کر دوں گا، اور عرض کیا کہ پورا قبیلہ خزرج اس کا گواہ ہے

کہ ان میں کوئی بھی مجھ سے زیادہ اپنے والدین کی خدمت و اطاعت کرنے والا نہیں ہے، مگر اللہ و رسول کے خلاف ان کی بھی کوئی چیز برداشت نہیں ہو سکتی، اور مجھے خطرہ ہو کہ اگر آپ نے کسی اور کو میرے باپ کے قتل کا حکم دیا اور اس نے قتل کر دیا تو ایسا نہ ہو کہ جب میں اپنے باپ کے قاتل کو چلتا پھرتا دیکھوں تو مجھ پر غیرت نسی غالب آجائے اور میں اسے قتل کر بیٹھوں، جو میرے لئے عذاب کا سبب بنے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ میرا ارادہ اس کے قتل کا ہے نہ میں نے کسی کو اس کا حکم دیا ہے۔

اس واقعہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام عادت کے خلاف بے وقت سفر کرنے کا اعلان عام فرمادیا اور خود ناقہ قصولی پر سوار ہو گئے، جب عام حضرات صحابہ روانہ ہو گئے تو آپ نے عبد اللہ ابن ابی کو بتلایا اور دریافت کیا کہ کیا تم نے ایسا کہا ہے؟ یہ قسمیں کھا گیا، کہ میں نے ہرگز ایسا نہیں کہا یہ لڑکا زید بن ارقم، جھوٹا ہے، عبد اللہ بن ابی کی اپنی قوم میں عزت تھی سب نے یہ قرار دیا کہ شاید زید بن ارقم کو کچھ مغالطہ لگ گیا ہے، ابن ابی نے ایسا نہیں کہا۔

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی کی قسم اور عذر کو قبول کر لیا، اور لوگوں میں زید بن ارقم پر غصہ اور ان کی ملامت اور تیز ہو گئی، اور یہ اس مہم سوانی کے سبب لوگوں سے چھپے رہنے لگے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے لشکر اسلام کے ساتھ پورے دن پھر پوری رات سفر کیا، اور اگلے روز صبح کو بھی برابر سفر کرتے رہے، یہاں تک کہ دھوپ تیز ہونے لگی، اس وقت آپ نے قافلہ کو ایک جگہ ٹھہرایا، پورے ایک دن ایک رات کے مسلسل سفر سے تھکے ہوئے صحابہ کرام جب اس منزل پر اترے تو فوراً سب بخواب ہو گئے۔

راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عام سفر کرنے کی عادت کے خلاف فوری طور پر بے وقت سفر شروع کرنے اور پھر سفر کو اتنا طویل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ابن ابی کے واقعہ کا چرچا جو تمام مسلمانوں میں پھیل گیا تھا مسلمانوں کو سفر کے ایسے شغل میں لگا دے کہ یہ چرچا ختم ہو جائے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر شروع کیا، اسی دوران میں جب تک ابن ابی کے بارے میں قرآن کی آیات نازل نہ ہوتی تھیں تو عبادہ بن صامتؓ نے اس کو نصیحت کی کہ تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے جرم کا اعتراف کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرے لئے استغفار فرمادیں گے، تیری نجات ہو جائے گی، ابن ابی نے ان کی نصیحت سن کر اپنا سر اس طرف سے پھیر لیا، حضرت عبادہ نے اسی وقت فرمایا کہ ضرور تیرے اس اعراض کے بارے میں قرآن ... نازل ہوگا۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے اور زید بن ارقم بار بار آپ کے قریب آتے تھے کیونکہ ان کو اپنی جگہ یقین تھا کہ اس شخص منافق نے مجھے پوری قوم میں جھوٹا قرار دے کر رسوا کیا، ضرور میری تصدیق اور اس شخص کی نکیر میں قرآن نازل ہوگا، اچانک زید بن ارقم نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو وحی کے وقت ہوتی تھی کہ سانس پھولنے لگا اور پیشانی مبارک پر پسینہ بہنے لگا اور آپ کی سواری ناقہ بوجھ سے دبنے لگی، تو ان کو امید ہوئی کہ اب کوئی وحی اس بالے میں نازل ہوگی، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت رفع ہوئی، میری سواری چونکہ آپ کے قریب تھی آپ نے اپنی سواری ہی پر سے میرا کان پکڑا اور فرمایا: **يَا عَلَّامُ صَدَقَ اللَّهُ حِينَ يَشْكُ وَنَزَلَتْ سُورَةُ الشُّفَعَاتِ فِي ابْنِ أَبِي مَرْثَدَةَ إِلَى الْخِيَرَةِ** یعنی اے لوط کے اللہ نے تیری بات کی تصدیق کر دی اور پوری سورۃ منافقون اسی واقعہ ابن ابی کے متعلق نازل ہوئی،

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سورۃ منافقون دوران سفر ہی میں نازل ہو گئی تھی مگر بغوی کی روایت میں ہر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ پہنچ گئے اور زید بن ارقمؓ رسوائی کے خوف سے گھر میں چھپ کر بیٹھ رہے اُس وقت یہ سورت نازل ہوئی، واللہ اعلم۔

ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے قریب وادی عقیق میں پہنچے تو عبد اللہ بن ابی منافق کے مؤمن صاحبزادے عبد اللہ آگے بڑھے اور تمام سواروں میں تلاش کرتے ہوئے اپنے باپ ابن ابی کی سواری کے قریب پہنچ کر باپ کی اوٹنی کو بٹھا دیا، اور اس کے گھٹنے پر پاؤں رکھ کر باپ سے خطاب کیا کہ خدا کی قسم: تم مدینہ میں داخل نہیں ہو سکو گے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں داخل ہونے کی اجازت نہ دیں، اور جب تک تم یہ بات واضح نہ کرو کہ تم نے جو بات کہی ہے کہ عزت والا ذات والے کو نکال دے گا، اس میں عزت والا کون ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا تم؟ عبد اللہ بن عبد اللہ ابن ابی اپنے باپ کا راستہ رد کے ہوئے کھڑے تھے، اور پاس سے گزرنے والے لوگ عبد اللہ کو ملامت کر رہے تھے کہ باپ کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے، آخر میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری اُن کے قریب آئی تو معاملہ کے متعلق دریافت کیا، لوگوں نے بتلایا کہ عبد اللہ مؤمن نے اپنے باپ کا راستہ اس لئے روکا ہوا ہے کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے یہ مدینہ میں داخل نہ ہو سکے گا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ابن ابی منافق بیٹے سے مجبور ہو کر یہ کہہ رہا ہے کہ میں تو بچوں اور عورتوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر صاحبزادے سے کہا کہ انکار آجھوڑ دو، مدینہ میں جانے دو، تب بیٹے نے رستہ چھوڑا۔

سورۃ منافقون کے نزول کا قصہ تو اتنا ہی تھا جو اوپر لکھا گیا، قصہ کے شروع میں یہ بھی اجمالاً ذکر ہوا ہے کہ غزوہ بنی المصطلق کا اصل ذمہ دار اُمّ المؤمنین حضرت جویریہؓ کا والد حارث بن ضرار ہوا تھا، بعد میں حضرت جویریہؓ کو اللہ تعالیٰ نے شرف اسلام کے ساتھ اہمات المؤمنین میں داخل ہونے کا شرف عطا فرمایا اور باپ بھی مسلمان ہو گیا۔

اس کا واقعہ مستراحرا ابو داؤد وغیرہ میں یہ منقول ہے کہ جب بنو المصطلق کو شکست ہوئی تو مال غنیمت کے ساتھ ان کے کچھ قیدی بھی ہاتھ آئے، اسلامی قانون کے مطابق سب قیدی اور مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیئے گئے، قیدیوں میں حارث بن ہزار کی بیٹی جویریہ بھی تھیں، یہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آگئیں، انھوں نے جویریہ کو بصورت کتابت آزاد کرنے کا ارادہ فرمایا، جسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ غلام یا کنیز پر کچھ رقم مقرر کر دی جائے اور اس کو محنت مزدوری یا تجارت کی اجازت دیدی جائے وہ مقرر رقم کما کر مالک کو ادا کر دے تو آزاد ہو جائے۔

جویریہ پر جو رقم مقرر کی تھی وہ بڑی رقم تھی جس کی ادائیگی ان کے لئے آسان نہ تھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور درخواست کی کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ ایک ہے اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں، پھر اپنا واقعہ سنایا کہ ثابت بن قیس جن کے حصہ میں میں آئی ہوں انھوں نے مجھے مکاتب بنادیا ہے، مگر دستم کتابت کی ادائیگی میرے بس میں نہیں، آپ اس میں میری کچھ مدد فرمادیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور ساتھ ہی ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لینے کا ارادہ ظاہر فرمایا، جویریہ کے لئے یہ بہت بڑی نعمت تھی وہ کیسے قبول نہ کرتیں، بخوشی خاطر قبول کیا، اور یہ ازواج مطہرات میں داخل ہو گئیں، اُمّ المؤمنین حضرت جویریہ کا بیان ہے کہ غزوہ بنی المصطلق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے تین دن پہلے میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ یثرب کی طرف سے چاند چلا اور میری گود میں آکر گر گیا، اس وقت تو میں نے یہ خواب کسی سے ذکر نہ کیا تھا اب اس کی تعبیر آنکھوں سے دیکھ لی۔

یہ سردار قوم کی بیٹی تھیں، ان کے ازواج مطہرات میں داخل ہونے سے پورے قبیلہ پر بھی اچھے اثرات مرتب ہوئے اور ایک فائدہ ان تمام عورتوں کو پہونچا جو ان کے ساتھ گرفتار ہوئی تھیں، اور ان کی رشتہ دار تھیں، کیونکہ ان کا اُمّ المؤمنین ہو جانا معلوم کرنے کے بعد جس جس مسلمان کے پاس ان کی رشتہ دار کوئی کنیز بھی سب نے ان کو آزاد کر دیا کہ ان کی عزیز کسی عورت کو کنیز بنا کر اپنے پاس رکھنا ادب کے خلاف سمجھا، اس طرح نئو کنیزیں ان کے ساتھ آزاد ہو گئیں اور پھر ان کے والد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔

واقعہ مذکورہ میں اہم | سورۃ منافقون کے نزول کا واقعہ اس کی تفسیر کے سمجھنے میں تو معین ہے ہی، اس کے ہدایات و فوائد | ضمن میں بہت اہم ہدایات و مسائل، اخلاق، سیاست اور معاشرت کے متعلق آگئے ہیں، اس لئے احقر نے اس واقعہ کی پوری تفصیل یہاں نقل کی ہے، وہ ہدایات یہ ہیں:-

اسلامی سیاست کا سنگ بنیاد
خالص اسلامی برادری قائم کرنا ہے
جس میں رنگ و نسل اور زبان اور
ملکی و غیر ملکی کے سب امتیازات
بالکل ختم کر دیئے جیادیں۔

غزوہ بنی المصطلق میں پیش آنے والا ایک انصاری اور ایک مہاجر کا جھگڑا
اور دونوں طرف سے انصار و مہاجرین کو اپنی اپنی مدد کے لئے بکھارنا، یہ وہ
جاہلیت کا بت تھا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توڑ دیا تھا، اور
کہیں کا رہنے والا ہو کسی رنگ و زبان اور کسی نسل و قوم کا ہو سب کو آپس میں
بھائی بھائی بنا دیا، انصار و مہاجرین میں باقاعدہ پھر مداخلت کرا کر ان کی
مشترک اسلامی برادری بنادی تھی، مگر شیطان کا یہ پُرانا جال ہے جس میں لوگوں کو پھنسا کر باہمی جھگڑوں
کے وقت قوم و وطن اور زبان و رنگ وغیرہ کو تعاون و تناصر کی بنیاد بنادیتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا
ہے کہ تعاون و تناصر کا اسلامی معیار حق و انصاف سب کے ذہنوں سے اوجھل ہو جاتا ہے، صرف برادری
اور قومیت کی بنیاد پر ایک دوسرے کی مدد کرنے کا اصول بن جاتا ہے، اس طرح وہ مسلمانوں کو مسلمانوں سے
بھڑا دیتا ہے، اس واقعہ میں بھی کچھ ایسی ہی صورت بن رہی تھی، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً
موقع پر پہنچ کر اس فتنہ کو ختم کر دیا اور بتلایا کہ یہ جاہلیت و کفر کا بدبودار نعرہ ہے، اس سے بچو، اور پھر
سب کو قرآنی اصول تعاون پر قائم کر دیا جس میں ارشاد ہے تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا
عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، یعنی مسلمانوں کے لئے کسی کی مدد کرنے یا مدد حاصل کرنے کا معیار یہ ہونا چاہیے
کہ جو شخص عدل و انصاف اور نیکی پر ہے اس کی مدد کرو، اگرچہ وہ نسب و خاندان اور زبان و وطن میں
تم سے الگ ہو اور جو شخص کسی گناہ اور ظلم پر ہو اس کی ہرگز مدد نہ کرو اگرچہ وہ تمہارا باپ اور بھائی ہی ہو،
یہی وہ معقول اور منصفانہ بنیاد ہے جس کو اسلام نے قائم فرمایا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ہر قدم پر اس کی خود رعایت فرمائی، اور سب کو اس کے تابع رہنے کی تلقین فرمائی، اور اپنے آخری خطبہ
حجۃ الوداع میں اعلان فرمایا کہ جاہلیت کی سب رسمیں میرے قدموں کے نیچے مسئل دی گئی ہیں، اب عربی
عجمی، کالے گورے ملکی غیر ملکی کے امتیازات کے بت ٹوٹ چکے ہیں، باہمی تعاون و تناصر کی اسلامی بنیاد
صرف حق و انصاف ہے، سب کو اس کے تابع چلنا ہے۔

اس واقعہ نے ہمیں یہ بھی سبق دیا ہے کہ دشمنان اسلام آج سے نہیں بلکہ ہمیشہ سے مسلمانوں کا شیرازہ
منتشر کرنے کے لئے یہی برادری اور وطنی قومیت کا حربہ استعمال کرتے ہیں، جب تک جس وقت موقع ملتا
ہو اسی سے کام لے کر مسلمانوں میں تفرقہ ڈالتے ہیں۔

افسوس ہے کہ زمانہ دراز سے پھر مسلمان اپنے اس سبق کو بھول گئے، اور انہوں نے مسلمانوں کی
اسلامی وحدت کے ٹکڑے کرنے میں پھر وہی شیطانی جال پھیلا دیا، اور دین و اصول دین سے غفلت کی
بناء پر عام دنیا کے مسلمان اس جال میں پھنس کر باہمی خانہ جنگیوں کے شکار ہو گئے، اور کفر و الحاد کے
مقابلہ کے لئے اُن کی متحدہ قوت پاش پاش ہو گئی، صرف عربی و عجمی ہی نہیں عربوں میں مصری شامی

حجازی، یعنی ایک دوسرے سے متحر نہ رہی، ہندوستان اور پاکستان میں پنجابی، بنگالی، سندھی، ہندی، پٹھان اور بلوچی باہم آویزش کے شکار ہو گئے، فانی اللہ المشتکی، دشمنان اسلام ہماری آویزش سے کھیل رہے ہیں اس کے نتیجے میں وہ ہر میدان میں ہم پر غالب آتے جاتے ہیں اور ہم ہر جگہ شکست خوردہ غلامانہ ذہنیت میں مبتلا اپنی کی پناہ لینے پر مجبور نظر آتے ہیں کاش! آج بھی مسلمان اپنے قرآنی اصول اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر غور کریں، غیروں کے ہمارے جینے کے بجائے خود اسلامی برادری کو مضبوط بنالیں، رنگے نسل اور زبان و وطن کے بتوں کو پھر ایک دفعہ توڑ ڈالیں تو آج بھی خدا تعالیٰ کی نصرت و امداد کا مشاہدہ کھلی آنکھوں ہونے لگے۔

صحابہ کرام کی اسلامی اصول پر اس واقعہ نے یہ بھی بتلایا کہ اگرچہ وقتی طور پر شیطان نے کچھ لوگوں کو بینظیر ثابت قدمی اور مقام بلند نعرۂ جاہلیت میں مبتلا کر دیا تھا، مگر درحقیقت سب کے دلوں میں ایمان رچا بسا ہوا تھا، ذرا سی تنبیہ پر سب ان خیالات سے تائب ہو گئے، اور ان کے دلوں پر اللہ اور رسول کی محبت و عظمت کا ایسا غلبہ تھا جس میں کوئی رشتہ ناظم برادری اور قومیت حائل نہ ہوتی، اس کی شہادت خود اسی واقعہ میں اول زید بن ارقم کے بیان سے واضح ہوتی کہ وہ خود بھی قبیلہ خزرج کے آدمی ہیں اور ابن ابی اس قبیلہ کا سردار تھا، اور زید بن ارقم بھی اس کی عزت و عظمت کے قائل تھے لیکن جس وقت اس کی زبان سے مؤمنین ہاجرین اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف الفاظ سنے تو برداشت نہ کر سکے، اُسی مجلس میں ابن ابی کو منہ توڑ جواب دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شکایت پیش کر دی، اگر آجکل کی برادری پرستی ہوتی تو اپنی برادری کے سردار کی یہ بات وہ کبھی حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچاتے۔

اس واقعہ میں خود ابن ابی کے صاحبزادے عبد اللہ کے واقعہ نے اس کو کس قدر روشن کر دیا، کہ ان کی محبت و عظمت کا اصل تعلق صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے تھا، جب اپنے باپ سے ان کے خلاف بات سنی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر خود اپنے باپ کا سر قلم کرنے کی پیشکش کر دی اور اجازت طلب کی، آپ نے اس سے روک دیا، تو مدینہ کے قریب پہنچ کر باپ کی سواری کو بٹھا دیا، اور مدینہ جانے کا راستہ روک کر باپ کو مجبور کیا کہ وہ یہ اقرار کرے کہ عزت و ارض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ خود ذلیل و خوار ہے، پھر آپ کی اجازت ملنے سے پہلے باپ کا راستہ نہیں کھولا، جس کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پر آتا ہے:

تو نخل خوش ثمر کیستی کہ سر و دامن ہمہ ز خویش بریدند و با تو پیوستند

اس کے علاوہ بدر و احد اور احزاب کی جنگوں نے تو بذریعہ تلوار اس قوم پرستی اور وطن پرستی کے بُت کے ٹکڑے اڑائے ہیں، جس نے ثابت کر دیا کہ مسلمان کسی قوم و وطن اور کسی رنگ و زبان کا ہو

وہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، اور جو اللہ و رسول کو نہ مانے وہ اگرچہ حقیقی بھائی اور باپ ہی کیوں نہ ہو وہ دشمن ہے۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد خداے یک تن بیگانہ کا شنا با شد
مسلمانوں کے مصالح عامہ کی رعایت اس واقعہ نے ہمیں ایک سبق یہ دیا کہ جو کام فی نفسہ جائز و درست ہو مگر اور ان کو غلط فہمی بچانے کا اہتمام اس کے کرنے سے کوئی یہ خطرہ ہو کہ کسی مسلمان کو خود غلط فہمی پیدا ہوگی، یا دشمنوں کو غلط فہمی پھیلانے کا موقع ملے گا تو یہ کام نہ کیا جائے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رئیس المنافقین ابن ابی کانفاق کھل جانے کے بعد بھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس مشورہ کو قبول نہیں فرمایا کہ اس کو قتل کیا جائے، کیونکہ اس میں خطرہ یہ تھا کہ دشمنوں کو عام لوگوں میں یہ غلط فہمی پھیلانے کا موقع مل جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو بھی قتل کر دیتے ہیں۔

مگر دوسری روایات سے یہ ثابت ہے کہ غلط فہمی کے خطرہ سے ایسے کاموں کو چھوڑا جاسکتا ہے جو مقام شرعیہ میں سے نہ ہوں گو مستحب اور کار ثواب ہوں، کسی مقصد شرعی کو ایسے خطرہ سے ترک نہیں کیا جاسکتا بلکہ خطرہ کے ازالہ کی فکر کی جائے گی اور اس کام کو کیا جائے گا۔

سورت کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر اور پر لکھا جا چکا ہے، اب اس کے خاص خاص جملوں کی مزید توضیح دیکھئے۔ **وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ** الذیۃ، عبد اللہ بن ابی رئیس المنافقین جس کے معاملہ میں یہ سورت نازل ہوئی ہے جس میں اس کی قسموں کا جھوٹا ہونا واضح کر دیا گیا تو لوگوں نے اس کو ازراہ خیر خواہی یہ کہا کہ تجھے معلوم ہے کہ تیرے باپے میں قرآن میں کیا نازل ہوا ہے، اب بھی قتل نہیں کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جا، (اور اعتراف جرم کر لے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرے لئے استغفار فرمادیں گے، اس نے جواب میں کہا کہ تم لوگوں نے مجھے کہا کہ ایمان لے آؤ میں نے ایمان اختیار کر لیا، پھر تم نے مجھے اپنے مال میں سے زکوٰۃ دینے کو کہا وہ دینے لگا، اب اس کے سوا کیا رہ گیا ہے کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا کروں، اس پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں، جن میں واضح کر دیا گیا کہ جب اُس کے دل میں ایمان ہی نہیں تو اس کے لئے کسی کا استغفار نافع نہیں ہو سکتا۔

ابن ابی اس واقعہ کے بعد مدینہ طیبہ پہنچ کر چند روز ہی زندہ رہا، پھر جلد ہی مر گیا (منظری)
هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُفِقُوا عَلٰیٰ مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتّٰی يَنْفَضُوْا یہ وہی قول ہے جو جہجہا ہا جبر اور سان انصاری کے جھگڑے کے وقت ابن ابی نے کہا تھا، جس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیدیا کہ یہ بیوقوف یوں سمجھ رہے ہیں کہ ہاجرین ہماری داد و پیش کے محتاج ہیں ہم ہی ان کو دیتے ہیں حالانکہ تمام آسمان و زمین کے خزانے تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں وہ چاہیں تو ہاجرین کو تمہاری کسی امداد کے بغیر سب کچھ دے سکتے ہیں، اس کا ایسا سمجھنا چونکہ بے عقلی اور بیوقوفی کی دلیل ہے اس لئے قرآن حکیم نے اس جگہ

لَا يَفْقَهُونَ كَالْفُطُورِ فَمَا كَرِهَ اللَّهُ لَهَا أَنْ تَكُونَ مِثْلَ الْأَنْثَىٰ الْمُنْكَرَةِ لَوْلَا تَعْقِلُونَ

ابن ابی کاقول ہے جس میں اگرچہ الفاظ صاف نہیں بولے مگر مطلب ظاہر تھا کہ اس نے اپنے آپ کو اور انصاریہ کو عزت والا اور ان کے مقابل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین صحابہ کو معاذ اللہ ذلیل قرار دیا اور انصاریہ کو اس پر بھڑکانا چاہا کہ ان کمزور اور ذلیل لوگوں کو مدینہ سے نکال باہر کریں حتیٰ تعالیٰ نے اس کے جواب میں اس کی بات کو اسی پر اُلٹ دیا کہ اگر عزت والوں نے ذلت والوں کو نکالا تو اس کا خمیازہ تمہیں کو بھگتنا پڑے گا، کیونکہ عزت تو اللہ اور اللہ کے رسول اور مؤمنین کا حق ہے، مگر تم اپنی جہالت کی بناء پر اس سے بے خبر ہو، یہاں قرآن کریم نے لَا يَعْلَمُونَ کالْفُطُورِ استعمال فرمایا اور اس سے پہلے لَا يَفْقَهُونَ فرمایا تھا، وجہ فرق کی یہ ہے کہ کوئی انسان اپنے آپ کو دوسرے انسان کا رازق سمجھ بیٹھے تو یہ سراسر عقل کے خلاف ہے، اس کا یہ سمجھنا بیوقوفی اور بے عقلی کی علامت ہے، اور عزت و ذلت دنیا میں کبھی کسی کو کبھی کسی کو ملتی رہتی ہے، اس لئے اس میں مغالطہ ہو تو یہ واقعات سے بے خبری اور نادان افقی کی دلیل ہے، اس لئے یہاں لَا يَعْلَمُونَ فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ

اے ایمان والو! غافل نہ کرو دیں تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد

اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَسِرُونَ ۙ ۙ وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا

سے اور جو کوئی یہ کام کرے تو وہی لوگ ہیں ٹوٹے میں ، اور خرچ کر دیکھ ہمارا

رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي

دیا ہوا اس سے پہلے کہ آپہنچے تم میں کسی کو موت تب کہے اے رب کیوں نہ ڈھیل دی تو نے مجھ کو ایک

إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصْدَقَ وَأَكْنَ مِنَ الصَّالِحِينَ ۙ ۙ وَلَنْ يُؤَخَّرَ

تھوڑی سی مدت کہ میں خیرات کرتا اور ہو جاتا نیک لوگوں میں ، اور ہرگز نہ ڈھیل دیگا اللہ

اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۙ ۙ

کسی جی کو جب آپہنچا اس کا وعدہ اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو ،

خلاصہ تفسیر

اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد (مراد اس سے مجموعہ دنیا ہے) اللہ کی یاد (اور اطاعت)

سے مراد اس سے مجبور دین ہو، غافل نہ کرنے پاویں یعنی دنیا میں ایسے مہمک مت ہو جانا کہ دین میں خلل پڑنے لگے، اور جو ایسا کرے گا ایسے لوگ ناکام رہنے والے ہیں کیونکہ نفع دنیوی تو ختم ہو جاوے گا اور آخرت کا ضرر اور خسارہ ممتد یاد اتم رہ جائے گا، اور (مجلہ طاعات کے ایک طاعت مالہ کا حکم کیا جاتا ہے کہ لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ کے عام مضمون میں سے ایک فرد خاص ہے یعنی) ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے (حقوق واجبہ کو) اس سے پہلے پہلے خرچ کر لو کہ تم میں سے کسی کی موت آکھڑی ہو پھر وہ (بطور تمنا و حسرت) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اور تھوڑے دنوں مہلت کیوں نہ دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا (اور اس کی یہ تمنا و حسرت اس لئے غیر مفید ہے کہ) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جبکہ اس کی میعاد (عمر کی ختم ہونے پر) آجاتی ہے ہرگز مہلت نہیں دیتا اور اللہ کو تمھارے سب کاموں کی پوری خبر ہے (وہی ہی جزاء کے مستحق ہو گئے)۔

معارف و مسائل

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ - اس سورت کے پہلے رکوع میں منافقین کی جھوٹی قسموں اور اُن کی سازشوں کا ذکر تھا، اور سب کا خلاصہ دنیا کی محبت سے مغلوب ہونا تھا، اسی وجہ سے ظاہر میں اسلام کا دعویٰ کرتے تھے کہ مسلمانوں کی زد سے بھی بچیں اور اموال غنیمت وغیرہ کا حصہ بھی ملے، اسی وجہ سے اُن کی یہ سازش تھی کہ ہاجرین صحابہ پر خرچ کرنا بند کر دو، اس دوسرے رکوع میں خطا پلے، اسی وجہ سے اُن کو اس سے ڈرایا گیا ہے کہ دنیا کی محبت میں ایسے مدہوش نہ ہو جائیں جیسے مومنین مخلصین کو ہے، جس میں اُن کو اس سے ڈرایا گیا ہے کہ دنیا کی محبت میں ایسے مدہوش نہ ہو جائیں جیسے منافقین ہو گئے، دنیا کی سب سے بڑی دو چیزیں ہیں جو انسان کو اللہ سے غافل کرتی ہیں، مال اور اولاد، اس لئے ان دونوں کا نام لیا گیا، ورنہ مراد اس سے پوری متاع دنیا ہے اور حاصل ارشاد کا یہ ہے کہ مال و اولاد سے محبت ایک درجہ میں مذموم نہیں، ان کے ساتھ ایک درجہ تک اشتغال صرف جائز نہیں بلکہ واجب بھی ہو جاتا ہے، مگر اس کی یہ حد فاصل ہر وقت سامنے رہنا چاہئے کہ یہ چیزیں انسان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں، یہاں ذکر سے مراد بعض مفسرین نے پانچ وقت کی نماز بعض نے حج اور زکوٰۃ، بعض نے قرآن قرار دیا ہے، حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ذکر سے مراد یہاں تمام طاعات عبادات ہیں، اور یہی قول سب کا جامع ہے (قرطبی)

خلاصہ یہ ہے کہ اس دنیاوی معیشت کے سامان میں اس قدر مشغول رہنے کی تو اجازت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر یعنی طاعت سے انسان کو غافل نہ کر دے کہ اُن کی محبت میں مبتلا ہو کر فرائض و واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے لگے یا حرام اور مکروہات میں مبتلا ہو جائے، اور جو ایسا کرے اُن کے بارے میں ہُوَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ یعنی یہی لوگ ہیں خسارہ میں پڑنے والے، کیونکہ انھوں نے آخرت کی عظیم اور

ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتوں کے بدلے میں دنیا کی حقیر اور فانی نعمتوں کو اختیار کر لیا اس سے بڑا خسارہ کیا ہوگا۔

وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ، اس آیت میں موت کے آجانے سے مراد موت کے آثار کا مشاہدہ ہے، اور مراد یہ ہے کہ موت کے آثار سامنے آنے سے پہلے صحت و قوت کی حالت میں اپنے اموال اللہ کی راہ میں خرچ کر کے آخرت کے درجات حاصل کر لو، ورنہ موت کے بعد یہ مال وغیرہ تمھارے کچھ کام نہ آئے گا، اور معلوم ہو چکا ہے کہ ذکر سے مراد تمام طاعات اور احکام شرعی کی پابندی ہے جس میں ضرورت کے مواقع پر مال خرچ کرنا بھی داخل ہے پھر یہاں صرف انفاق مال کو جدا کر کے بیان کر نیکی دو وجہ ہو سکتی ہیں اول یہ کہ اللہ اور اس کے احکام کی تعمیل سے انسان کو غفلت میں ڈالنے والی سبک بڑی چیز مال ہی ہے، اس لئے جن چیزوں میں مال خرچ کرنا ہوتا ہے، جیسے زکوٰۃ، عشر حج وغیرہ ان کو مستقلاً بیان کر دیا، دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ موت کے آثار کا مشاہدہ ہونیکے وقت یہ تو نہ کسی کے بس میں ہے نہ کسی کو اس کا تصور ہو سکتا ہے کہ اس وقت قضاء شدہ نمازیں ادا کروں یا قوت شدہ حج فرض ادا کروں یا رمضان کے فوت شدہ روزے رکھوں مگر مال سامنے ہوتا ہے اور یہ یقین ہو ہی جاتا ہے کہ اب یہ مال میرے ہاتھ چلا، تو اس وقت بھی تمنا ہو سکتی ہے کہ جلد سے جلد مال کو خرچ کر کے مالی عبادات کی کوتاہی سے نجات حاصل کر لیں نیز یہ کہ صدقہ تمام دوسری بلاؤں اور عذاب کے ٹلا دینے میں بھی مؤثر ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کونسا صدقہ سب سے زیادہ اجر و ثواب لکھتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے وقت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا جب کہ انسان تندرست ہو اور اپنی آئندہ ضروریات کے پیش نظر یہ خوف بھی ہو کہ مال خرچ کر ڈالا تو کہیں میں خود محتاج نہ ہو جاؤں، اور فرمایا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو اس وقت تک نہ ٹلاؤ جب تک کہ روح تمھارے حلق میں آجائے اور مرنے لگو تو اس وقت کہو کہ اتنا مال فلاں کو دیدا تنافلاں کام میں خرچ کر دو۔

فَيَقُولُ رَبِّ لَا أُخِّرْ تَنِيَّ إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ، حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ زکوٰۃ واجب تھی اور ادا نہیں کی یا حج فرض تھا اور ادا نہیں کیا وہ موت سامنے آجانے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس کی تمنا کرے گا کہ میں پھر دنیا کی طرف لوٹ جاؤں، یعنی وہ مرنے کے وقت یہ بھی تمنا کرے گا کہ کچھ خیرات کروں اور فرائض سے سبکدوش ہو جاؤں، اَمَكُنُّ مِنَ الصَّالِحِينَ، یعنی وہ مرنے کے وقت یہ بھی تمنا کرے گا کہ کچھ مہلت مل جائے تو ایسے اعمال کروں جن کی وجہ صالحین میں داخل ہو جاؤں یعنی جو فرائض و واجبات چھوٹے ہیں انکو قضا کروں جن محرمات و مکروہات میں مبتلا ہوں ان کو توبہ استغفار کر کے مباح ہو جاؤں، مگر حق تعالیٰ نے اگلی آیت میں بتلادیا کہ موت کے آجانے کے بعد کسی کو مہلت نہیں دی جاتی یہ تمنا میں لغو و فضول ہیں۔

تَمَّتْ

بحمد اللہ تعالیٰ سورۃ المنافقون قبل صلوٰۃ الجمعۃ الثالث عشر

من جمادی الثانیۃ ۱۳۹۱ھ

سُورَةُ التَّغَابُنِ

سُورَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِي عَشْرَةَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعَانِ

سورة تغابن مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی اٹھارہ آیتیں ہیں اور دو رکوع ،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑھد مہربان نہایت رحم والا ہے ،

يَسْبِيحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ

پاک بول رہا ہے اللہ کی جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں ، اسی کا راجہ ہے اور اسی کی تعریف ہے

وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ① هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ

اور وہی ہر چیز کر سکتا ہے ، وہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر کوئی تم میں منکر ہے اور

مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ② وَاللَّهُ يَمَّا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ③ خَلَقَ السَّمُوتِ

کوئی تم میں ایمان دار اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے ، بنایا آسمانوں کو اور

الْأَرْضِ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ ④ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ⑤ يَعْلَمُ مَا فِي

زمین کو تدبیر سے اور صورت پہنچی تمہاری پھر اچھی بنائی تمہاری صورت اور اس کی طرف سب کو پھر جاتا ہے ، جانتا ہے جو کچھ

السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسْرُونَ وَمَا تَعْلَنُونَ ⑥ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

ہر آسمانوں میں اور زمین میں اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو کھول کر کرتے ہو اور اللہ کو معلوم ہے

بِذَاتِ الصُّدُورِ ⑦ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُوءُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ

جیوں کی بات ، کیا پہنچی نہیں تم کو خیر ان لوگوں کی جو منکر ہو چکے ہیں پہلے

فَذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ⑤ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ

پھر انھوں نے چکھی سزا اپنے کام کی اور اُن کو عذاب دردناک ہوا، یہ اس لئے کہ لاتے تھے اُن کے پاس

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالُوا أَبَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَتَنَازَفُوا فَكْفَرُوا وَلَوْ أَنَّهُمْ اسْتَعْنَوْا

اُن کے رسول نشانیاں پھر کہتے کیا آدمی ہم کو راہ بچھائیں گے پھر منکر ہوئے اور منہ موڑ لیا اور اللہ نے

اللَّهُ ط وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ⑥ زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّا لَنُيَعِثُّوا قُلُ

بے پروائی کی اور اللہ بے پرواہ ہے سب تعریفوں والا، دعویٰ کرتے ہیں منکر کہ ہرگز اُنکو کوئی نہ اٹھائے گا، تو کہہ کیوں

بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّيُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ط وَذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ⑦

نہیں قسم ہر میرے رب کی تم کو بیشک اٹھانا ہی پھر تم کو جیلانا ہی جو کچھ تم نے کیا، اور یہ اللہ پر آسان ہے،

فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنزَلْنَا ط وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اتارا، اور اللہ کو تمہارے سب کام

خَبِيرٌ ⑧ يَوْمَ يُجْمَعُ كُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذَٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ط وَمَنْ

کی خبر ہے، جس دن تم کو اکٹھا کریگا جمع ہونے کے دن وہ دن ہے ہارجیت کا، اور جو کوئی

يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ

یقین لاتے اللہ پر اور کرے کام بھلا اتار دیگا اس پر سے اس کی برائیاں اور داخل کریگا اسکو باغوں

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ط ذَٰلِكَ الْفَوْزُ

میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہدیاں رہا کریں اُن میں ہمیشہ، یہی ہے بڑی مراد

الْعَظِيمُ ⑨ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

ملنی، اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلائیں انہوں نے ہماری آیتیں وہ لوگ ہیں دوزخ والے

النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا ط وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ⑩

رہا کریں اسی میں، اور بُری جگہ جا پہنچے،

خلاصہ تفسیر

سب چیزیں جو کچھ کہ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ کہ زمین میں ہیں اللہ کی پاکی (قالا یا حالاً) بیان

کرتی ہیں اسی کی سلطنت ہو اور وہی تعریف کے لائق ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے، (یہ تمہید اگلے بیان کی ہے کہ وہ ایسے صفات کمال کے ساتھ متصف ہو تو اس کی اطاعت واجب اور معصیت قبیح ہے) وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا جو مقتضی اس کا تھا کہ سب ایمان لاتے، سو رہا وجود اس کے بھی، تم میں بعضے کافر ہیں اور بعضے مومن ہیں، اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال (ایمانیہ و کفریہ) کو دیکھ رہا ہے (بس ہر ایک کے مناسب جزا دے گا) اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر (یعنی پُر حکمت و پُر منفعت) پیدا کیا اور تمہارا نقشہ بنایا سو عمرہ نقشہ بنایا (کیونکہ اعضاء انسانی کے برابر کسی حیوان کے اعضاء میں تناسب نہیں) اور ایکے پاس (سبکو) تو تھا ہی (اور) وہ سب چیزوں کو جانتا ہی جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور سب چیزوں کو جانتا ہی جو تم پوشیدہ کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ دلوں تک کی باتوں کو جاننے والا ہے، اور یہ تمام امور مقتضی اس کو ہیں کہ تم اس کی اطاعت کیا کرو اور علاوہ اُن مقتضیات کے، کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی (کہ وہ خبر پہنچنا بھی مقتضی وجوب اطاعت کو ہے) جنہوں نے (تم سے) پہلے کفر کیا، پھر انہوں نے اپنے (ان) اعمال کا وبال (دنیا میں بھی) چکھا اور اس کے علاوہ آخرت میں بھی، ان کے لئے عذاب دردناک ہوئے والا ہے یہ (ربال عاجل و عذاب آجل) اس سبب سے ہے کہ ان لوگوں کے پاس اُن کے پیغمبر دلائل واضح لے کر آئے تو ان لوگوں نے (ان رسولوں کی نسبت) کہا کہ کیا آدمی ہم کو ہدایت کریں گے (یعنی بشر کہیں پیغمبر یا ہادی ہو سکتا ہے) غرض انہوں نے کفر کیا اور اعراض کیا اور خدا نے (بھی ان کی کچھ) پرواہ نہ کی (بلکہ مقہور کر دیا) اور اللہ (سب) بے نیاز (اور) ستودہ صفات ہے (اس کو نہ کسی معصیت سے ضرر اور نہ کسی طاعت سے نفع، خود مطیع و عاصی ہی کا نفع اور ضرر ہے اور) یہ کافر (مضمون عذاب آخرت کا سن کر جیسا کہ لہم عذاب الیم میں مذکور ہے) یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ہرگز دوبارہ زندہ نہ کئے جاویں گے (جس کے بعد عذاب الیم کا وقوع بتلایا جاتا ہے) آپ کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں؟ واللہ ضرور دوبارہ زندہ کئے جاوے گا پھر جو کچھ تم نے کیا ہے تم سب کو جتلا دیا جاوے گا (اور اس پر سزا دی جاوے گی) اور یہ (لجث جزاء) اللہ کو (بوجہ کمال قدرت) بالکل آسان ہے سو (جب یہ مقتضیات ایمان کے مجتمع ہیں تو تم کو چاہئے کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر (یعنی قرآن پر) جو کہ ہم نے نازل کیا ہے ایمان لاؤ اور اللہ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے (اور اس دن کو یاد کرو) جس دن کہ تم سب کو اس جمع ہونے کے دن میں جمع کرے گا یہی دن ہے سود و زریاں (کے ظاہر ہونے) کا (یعنی مسلمانوں کا نفع اور کافروں کا نقصان اُس روز عملاً ظاہر ہو جاوے گا) اور (بیان اس کا یہ ہے کہ) جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو گا اور نیک کام کرتا ہو گا اللہ اس کے گناہ دور کر دے گا اور اس کو (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جنہیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہیں گے (اور) یہ بڑی کامیابی ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا ہو گا اور ہماری آیتوں کو جتلا یا ہو گا یہ لوگ دوزخی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے ۛ

معارف و مسائل

خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ، یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا پھر تم میں بعض کافر ہو گئے بعض مؤمن رہے، اس میں لفظ فَمِنْكُمْ کا حرف فَا جو تعقیب (یعنی ایک چیز کا دوسرے کے بعد ہونے) پر دلالت کرتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اول تخلیق و آفرینش میں کوئی کافر نہیں تھا، یہ کافر مؤمن کی تقسیم بعد میں اس کسب و اختیار کے تابع ہوئی جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو بخشا ہے، اور اسی کسب و اختیار کی وجہ سے اس پر گناہ و ثواب عائد ہوتا ہے، ایک حدیث سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے رُكُلٌ مَوْئِدٌ يُؤَكِّدُ عَلَى الْفِطْرَةِ قَابِئًا يَهُودَانِيَةً وَيَنْصَرِيَانِيَةً (یعنی ہر پیدا ہونے والا انسان فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے جس کا تقاضا مؤمن ہونا ہے، مگر پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی وغیرہ بنا دیتے ہیں) (قرطبی)

دوقومی نظریے

قرآن حکیم نے اس جگہ انسان کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے، کافر مؤمن جس سے معلوم ہوا کہ اولاد آدم علیہ السلام سب ایک برادری ہے، اور دنیا کے پورے انسان اس برادری کے افراد ہیں، اس برادری کو قطع کرنے اور ایک الگ گروہ بنانے والی چیز صرف کفر ہے جو شخص کافر ہو گیا، اس نے انسانی برادری کا رشتہ توڑ دیا، اس طرح پوری دنیا میں انسانوں میں تخریب اور گروہ بندی صرف ایمان و کفر کی بنیاد پر ہو سکتی ہے، رنگ اور زبان، نسب و خاندان، وطن اور ملک میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو انسانی برادری کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے، ایک باپ کی اولاد اگر مختلف شہروں میں بسنے لگے یا مختلف زبانیں بولنے لگے یا ان کے رنگ میں تفاوت ہو تو وہ الگ الگ گروہ نہیں ہو جاتے، اختلاف رنگ و زبان اور وطن و ملک کے باوجود یہ سب آپس میں بھائی ہی ہوتے ہیں، کوئی سمجھدار انسان ان کو مختلف گروہ نہیں قرار دے سکتا۔

زمانہ جاہلیت میں نسب اور قبائل کی تفریق کو قومیت اور گروہ بندی کی بنیاد بنادیا گیا، اسی طرح ملک و وطن کی بنیاد پر کچھ گروہ بندی ہونے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب گروہوں کو توڑا، اور مسلمان خواہ کسی ملک اور کسی خطہ کا ہو کسی رنگ اور خاندان کا ہو کوئی زبان بولتا ہو، ان سب کو ایک برادری قرار دیا، بِنَصْرِ قُرْآنٍ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ (مؤمنین سب کے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں) اسی طرح کفار کسی ملک و قوم کے ہوں وہ اسلام کی نظر میں ملت واحدہ ہیں یعنی ایک قوم ہیں۔

قرآن کریم کی مذکورہ آیت بھی اس پر شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کل بنی آدم کو صرف کافر مؤمن دو گروہوں میں تقسیم فرمایا، اختلاف رنگ و زبان کو قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانی

اور انسان کے لئے بہت سے معاشی فوائد پر مشتمل ہونے کی بناء پر ایک عظیم نعمت تو قرار دیا ہے مگر اس کو بنی آدم میں گروہ بندی کا ذریعہ بنانے کی اجازت نہیں دی۔

اور ایمان و کفر کی بناء پر دو قوموں کی تقسیم یہ ایک امر اختیاری پر مبنی ہے، کیونکہ ایمان بھی اختیاری امر ہے، اور کفر بھی، اگر کوئی شخص ایک قومیت چھوڑ کر دوسری میں شامل ہونا چاہے، تو بڑی آسانی سے اپنی عقائد بدل کر دوسرے میں شامل ہو سکتا ہے، بخلاف نسب و خاندان، رنگ اور زبان اور ملک و وطن کے کہ کسی انسان کے اختیار میں نہیں کہ اپنا نسب بدل دے یا رنگ بدل دے، زبان اور وطن اگرچہ بدلے جاسکتے ہیں مگر زبان و وطن کی بنیاد پر بننے والی قومیں دوسروں کو عادتاً اپنے اندر جذب کرنے پر کبھی آمادہ نہیں ہوتیں خواہ ان کی ہی زبان بولنے لگے اور ان کے وطن میں آباد ہو جائے۔

یہی وہ اسلامی برادری اور ایمانی اخوت تھی جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں مشرق و مغرب، جنوب و شمال، کالے گورے، عرب عجم کے بے شمار افراد کو ایک لڑی میں پرو دیا تھا، جس کی قوت و طاقت کا مقابلہ دنیا کی قومیں نہ کر سکیں، تو انھوں نے پھر ان بتوں کو زندہ کیا، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام نے پاش پاش کر دیا تھا، مسلمانوں کی عظیم ترین ملت واحدہ کو ملک و وطن اور زبان اور رنگ اور نسب اور خاندان کے مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر کے ان کو باہم ٹکرا دیا، اس طرح دشمنان اسلام کی یلغار کے لئے میدان صاف ہو گیا، جس کا نتیجہ آنکھیں آج دیکھ رہی ہیں، کہ مشرق و مغرب کے مسلمان جو ایک قوم ایک دل تھے اب چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منحصر ہو کر ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہیں، اور ان کے مقابلہ پر کفر کی طاغوتی قوتیں باہمی اختلاف رکھنے کے باوجود مسلمانوں کے مقابلہ میں ملت واحدہ ہی معلوم ہوتی ہیں۔

وَصَوَّرَ كُلُّهُمْ فَأَحْسَنَ صُورَهُمْ (اس نے تمھاری صورت بنائی پھر تمھاری صورتوں کو بہتر بنایا)

صورت گرمی و حقیقت خالق کائنات کی مخصوص صفت ہے، اسی لئے اسماہِ الہیہ میں اللہ تعالیٰ کا نام مصور آیا ہے، اور غور کرو کہ کائنات میں کتنی اجناس مختلف ہیں اور ہر جنس میں کتنی انواع مختلفہ، ہر نوع میں اصناف مختلفہ اور ہر صنف میں لاکھوں کروڑوں افراد مختلفہ پائے جاتے ہیں، ایک کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی، ایک نوع انسانی میں ملکوں اور خطوں کے اختلاف سے نسلوں اور قوموں کے اختلاف کے شکل و صورت میں کھبے ہوئے امتیازات، پھر ان میں ہر فرد کی شکل و صورت کا دوسرے سب سے ممتاز ہونا ایک ایسی حیرت انگیز صنعت و صورت گرمی ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، انسانی چہرہ جو چھوٹا مربع انچ سے زیادہ نہیں، اربوں پدموں انسانوں میں ایک ہی طرح کا چہرہ ہونے کے باوجود ایک کی صورت بالکل دوسرے سے نہیں ملتی کہ پہچاننا دشوار ہو جائے، آیت مذکورہ میں ایک نعمت صورت گرمی ہو اس کا ذکر فرمایا اس کے بعد فرمایا فَأَحْسَنَ صُورَهُمْ، یعنی شکل انسانی کو ہم نے تمام کائنات و مخلوقات

کی صورتوں سے زیادہ حسین اور بہتر بنایا ہے کوئی انسان اپنی جماعت میں کتنا ہی بد شکل بد صورت سمجھا جاتا ہو مگر باقی تمام حیوانات وغیرہ کے اشکال کے اعتبار سے وہ بھی حسین ہے، فبارک اللہ احسن الخالقین۔

فَقَالُوا آآبَشَرٌّ يَحْيٰى وَنَحْنَا، لفظ بشر اگرچہ مفرد ہے مگر معنی میں جمع کے ہے، اس لئے یہ ہڈوں جمع کا لفظ اس کے لئے استعمال فرمایا گیا، بشریت کو نبوت و رسالت کے منافی سمجھنا بھی کفار کا خیال باطل تھا جس پر قرآن میں جا بجا رد کیا گیا ہے، افسوس ہے کہ اب مسلمانوں میں بھی بعض لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے منکر پاتے جاتے ہیں، انھیں سوچنا چاہئے کہ وہ کدھر جا رہے ہیں، بشر ہونا نہ نبوت کے منافی ہے نہ رسالت کے بلند مقام کے منافی ہے، اور نہ رسول کے نور ہونے کے منافی ہے، وہ نور بھی ہیں بشر بھی ان کے نور کو چراغ اور آفتاب و ماہتاب کے نور پر قیاس کرنا غلطی ہے۔

قَالِمُؤَاپِلِلٰہِ وَرَسُوْلِهٖ وَالتَّوْرٰلَّذِیْ اَنْزَلْنَا رَتُو اِیْمَانٍ لَا وَاَللّٰہِ پِرَا وِرَاسِیْہِ رَسُوْلٍ پِرَا اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے، نور سے مراد اس جگہ قرآن ہے، کیونکہ نور کی حقیقت یہ ہے کہ وہ خود بھی ظاہر اور روشن ہو اور دوسری چیزوں کو بھی ظاہر و روشن کر دے، قرآن کا اپنے اعجاز کی وجہ سے خود روشن اور ظاہر ہونا کھلی بات ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے اور ناراض ہونے کے اسباب اور احکام و شرائع اور تمام حقائق عالم آخرت جن کے جاننے کی انسان کو ضرورت ہو وہ روشن ہو جاتے ہیں۔

قیامت کو یوم تغابن | یَوْمَ یَجْمَعُکُمْ لَیْوْمَ الْجَمْعِ ذٰلِکَ یَوْمَ التَّغَابِنِ جس روز تم کو اللہ تعالیٰ جمع کرے گا کہنے کی وجہ سے جمع کرنے کے دن میں، یہ دن ہوگا تغابن کا یعنی خسارہ کا، یوم الجمع اور یوم التغابن

دونوں قیامت کے نام ہیں، یوم الجمع ہونا اس دن کا تو ظاہر ہے کہ تمام مخلوق اولین و آخرین کو اس روز حسا کتاب اور جزاء و سزا کے لئے جمع کیا جائے گا، اور یوم التغابن اس لئے کہ تغابن غبن سے مشتق ہے جس کے معنی خسارے اور نقصان کے ہیں، مالی نقصان اور خسارہ کو بھی غبن کہا جاتا ہے، اور رائے اور عقل کے نقصان کو بھی، امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں فرمایا کہ مالی خسارے کے لئے یہ لفظ بصیغہ مجہول غِبْنٌ فَلَانٌ فَمَوْ مَغْبُوْنٌ استعمال کیا جاتا ہے، اور عقل و رائے کے نقصان کے لئے باب سَمَحٌ سے غِبْنٌ استعمال کیا جاتا ہے، لفظ تغابن اصل کے اعتبار سے دو طرفہ کام کے لئے بولا جاتا ہے، کہ ایک آدمی دوسرے کو اور دوسرا اس کو نقصان پہنچائے، یا اس کے نقصان و خسارہ کو ظاہر کرے، یہاں مراد ایک طرفہ اظہار غبن ہے، جیسا کہ یک طرفہ استعمال بھی اس لفظ کا معروف و مشہور ہے، قیامت کو یوم تغابن کہنے کی وجہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لئے آخرت میں دو گھر پیدا کئے ہیں، ایک جہنم میں دوسرا جنت میں، اہل جنت کو جنت میں داخل کرنے سے پہلے اُن کا وہ مقام بھی دکھلایا جائے گا، جو ایمان اور عمل نہ ہونے کی صورت میں اس کے لئے مقرر تھا تا کہ اس کو دیکھنے کے بعد جنت کے مقام کی اور زیادہ قنوت اس کے دل میں پیدا ہو، اور اللہ تعالیٰ کا مزید شکر گزار ہو، اسی طرح اہل جہنم کو جہنم میں داخل کرنے سے

پہلے اُن کا جنت کا وہ مقام دکھلایا جائے گا جو ایمان اور عمل صالح کی صورت میں اُن کے لئے مقرر تھا تاکہ اُن کو اور زیادہ حسرت ہو، ان روایات میں یہ بھی ہے کہ پھر جنت میں جو مقامات اہل جہنم کے تھے وہ بھی اہل جنت کو مل جائیں گے، اور جہنم میں جو مقامات اہل جنت کے تھے وہ بھی اہل جہنم کے حصہ میں آجائیں گے، یہ روایات حدیث صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں مختلف الفاظ سے مفصل آئی ہیں، اس وقت جبکہ کفار فجار اور اشقیاء کے جنتی مقامات بھی اہل جنت کے قبضہ میں آئیں گے، تو ان کو اپنے غبن اور خسارے کا احساس ہوگا کہ کیا چھوڑا اور کیا پایا۔

صحیح مسلم اور ترمذی وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو سے سوال فرمایا کہ تم جانتے ہو مفلس کون شخص ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ جس شخص کے پاس مال متاع نہ ہو، اس کو مفلس سمجھتے ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت میں اپنے اعمال صالحہ نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کا ذخیرہ لے کر آئے گا مگر اس کا حال یہ ہوگا کہ دنیا میں کسی کو گالی دی، کسی پر بہتان باندھا، کسی کو مارا یا قتل کیا، کسی کا مال ناحق لے لیا، تو یہ سب جمع ہوں گے اور اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے، کوئی اس کی نماز لے جائے گا، کوئی روزہ، کوئی زکوٰۃ اور دوسری حسنات، اور جب حسنات ختم ہو جائیں گی تو مظلوموں کے گناہ اس ظالم پر ڈال کر بدلہ چکایا جائے گا، جس کا انجام یہ ہوگا کہ یہ جہنم میں ڈال دیا جائیگا اور صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ کسی کا کوئی حق ہو اس کو چاہئے کہ دنیا ہی میں اس کو ادا یا معاف کر اگر سبکدوش ہو جائے، ورنہ قیامت کے دن درہم و دینار تو ہوں گے نہیں جس کا مطالبہ ہوگا اس کو اس شخص کے اعمال صالحہ دے کر بدلہ چکایا جائے گا، اعمال صالحہ ختم ہو جائیں گے تو بقدر اس کے حق کے مظلوم کا گناہ اس پر ڈال دیا جائے گا (منظہری)

حضرت ابن عباسؓ اور دوسرے ائمہ تفسیر نے قیامت کو یوم التغابن کہنے کی یہی وجہ بیان کی ہے، اور بہت سے ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اُس دن غبن اور خسارے کا احساس صرف کفار فجار اور اشقیاء ہی کو نہیں بلکہ صالحین مومنین کو بھی اس طرح ہوگا کہ کاش ہم عمل اور زیادہ کرتے تاکہ جنت کے مزید درجات حاصل کرتے، اس روز ہر شخص کو اپنی عمر کے اوقات پر حسرت ہوگی، جو فضول ضائع کئے، جیسا کہ حدیث میں ہے:-

”جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا اور پوری مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کیا تو یہ مجلس قیامت کے روز اس کے لئے حسرت بنے گی“

مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرِ اللَّهَ فِيهِ
كَانَ عَلَيْهِ مَرَّةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ،

قرطبی میں ہے کہ ہر مومن بھی اس روز احسان عمل میں اپنی کوتاہی پر اپنے غبن و خسارہ کا احساس کریگا قیامت کا نام یوم تغابن رکھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ سورۃ مریم میں اس کا نام یوم الحسرة آیا ہے۔

وَأَنْذَرَهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ، روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر یہ لکھی ہو کہ اس روز ظالم اور بد عمل لوگ اپنی تفصیرات پر حسرت کریں گے، اور مؤمنین صالحین نے بھی جو احسانِ عمل میں کوتاہی کی ہے اس پر ان کو حسرت ہوگی، اس طرح قیامت کے روز سبھی اپنی اپنی کوتاہی پر نادم اور عمل کی کمی پر غبن و خسارہ کا احساس کریں گے، اس لئے اس کو یوم التغابن کہا گیا۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ اللَّهُ قَلْبَهُ

نہیں پہنچتی کوئی تکلیف بدون حکم اللہ کے اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر وہ راہ بتلائے اس کے دل کو

وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝۱۱ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ

اور اللہ کو ہر چیز معلوم ہے، اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منہ موڑو

فَأِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝۱۲ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَعَلَى اللَّهِ

تو ہمارے رسول کا تو یہی کام ہی پہنچا دینا کھول کر، اللہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اور اللہ پر

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝۱۳ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنِّ مِنْ آذَانِكُمْ وَ

چاہتے بھروسہ کریں ایمان والے، اے ایمان والو تمہاری بعض جو روئیں اور

أَوْلَادِكُمْ وَعَدُوَّكُمْ فَأَحْذَرُوا مِنْهُمْ فَإِنْ تَعَفَّوْا وَتَصَفَّحُوا وَتَغْفِرُوا

اولاد دشمن ہیں تمہارے سو ان سے بچتے رہو اور اگر معاف کرو اور درگزر کرو اور بخشو

فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۱۴ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللَّهُ

تو اللہ ہی بخشنے والا مہربان، تمہاری مال اور تمہاری اولاد یہی ہیں جا پھٹنے کو اور اللہ

عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝۱۵ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَأَسْمِعُوا وَأَطِيعُوا وَ

جو ہو اس کے پاس ہی ثواب بڑا، سو ڈرو اللہ سے جہاں تک ہو سکے اور سنو اور مانو اور

الْفَقْرَ أَحْيَرًا إِلَّا نَفْسَكُمْ وَمَنْ يُوْنِ شَخْ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

خرچ کرو اپنے بھلے کو اور جس کو بچا دیا اپنے جی کے لالچ سے سو وہ لوگ وہی

الْمُفْلِحُونَ ۝۱۶ إِنْ تَقَرُّضُوا مِنَ اللَّهِ قَرْضًا حَسَنًا لَّيُضْعِفَهُ لَكُمْ وَلْيَغْفِرَ لَكُمْ

میراد کو پہنچے، اگر قرض دو اللہ کو ابھی طرح پر قرض دینا وہ دونا کر دے تم کو اور تم کو بخشنے

وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝۱۷ عَلِيْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱۸

اور اللہ قدر دان، سچا، جانتے والا پوشیدہ اور ظاہر کا زبردست حکمت والا،

خلاصہ تفسیر

رجس طرح کفر آخرت کی فلاح سے کلیتہً مانع ہے، اسی طرح اموال و اولاد اور بیوی وغیرہ میں مشغول ہو کر خدائے تعالیٰ کے احکام میں کوتاہی کرنا بھی ایک درجہ میں فلاح آخرت سے مانع ہو اس لئے مصیبت میں تو یہ سمجھنا چاہئے کہ کوئی مصیبت بدون خدا کے حکم کے نہیں آتی (اور یہ سمجھ کر صبر و رضا اختیار کرنا چاہیے) اور جو شخص اللہ پر (پورا) ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو (صبر و رضا کی) راہ دکھا دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے کہ کس نے صبر و رضا اختیار کیا اور کس نے نہیں کیا، اور ہر ایک کو حسب حکمت جزاء و سزا دیتا ہے) اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر امر میں جس میں مصائب بھی داخل ہیں، اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور اگر تم رطاعت سے اعراض کرو گے تو یاد رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے (جس کو وہ بحسن و جورہ کر چکے ہیں، اس لئے ان کا تو کوئی ضرر نہیں تمہارا ہی ضرر ہوگا، اور چونکہ اللہ کو ضرر ہونے کا احتمال ہی نہیں، اس لئے اس کو یہاں بیان نہیں کیا اور تم لوگوں کو اور خدایں اہل مصیبت کو یوں سمجھنا چاہئے کہ) اللہ کے سوا کوئی معبود (بشنے کے قابل) نہیں اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر (مصابا وغیرہ میں) توکل رکھنا چاہئے۔ اے ایمان والو! (جیسا مصیبت میں تم کو صبر و رضا کا حکم کیا گیا ہے اسی طرح نعمت کے بارے میں تم کو ہنرمند نہ ہونے کا حکم کیا جاتا ہے پس نعمت کے بارے میں یوں سمجھنا چاہئے کہ تمہاری بعض بیبیاں اور اولاد تمہارے (دین کے) دشمن ہیں (جبکہ وہ اپنے نفع دنیوی کے واسطے تم کو ایسی بات کا حکم کریں جو تمہارے لئے مضر آخرت ہو) سو تم ان سے (یعنی ایسوں سے) ہوشیار رہو) اور ان کے ایسے امر پر عمل مت کرو) اور اگر (تم کو ایسی فرمائشوں پر غصہ آئے اور تم ان پر تشدد کرنے لگو اور وہ اس وقت معذرت اور توبہ کریں اور تم (اس وقت ان کی وہ خطا) معاف کر دو) (یعنی سزا نہ دو) اور درگزر کر جاؤ (یعنی زیادہ ملامت نہ کرو) اور بخشد (یعنی اس کو دل سے اور زبان سے بھلا دو) تو اللہ تعالیٰ (تمہارے گناہوں کا) بخشش والا، (اور تمہارے حال پر) رحم کرنے والا ہے (اس میں ترغیب ہے عفو کی اور بعض اوقات واجب ہے، جبکہ عقوبت سے احتمال غالب ہے باقی کا ہو، اور بعض اوقات مستحب ہے، آگے اولاد کے ساتھ اموال کے متعلق بھی اسی قسم کا مضمون ہے کہ تمہارے اموال اور اولاد میں تمہارے لئے ایک آزمائش کی چیز ہے (کہ دیکھیں کون ان میں پڑ کر خدا کے احکام کو بھول جاتا ہے اور کون یاد رکھتا ہے) اور (جو شخص ان میں پڑ کر اللہ کو یاد رکھے گا تو) اللہ کے پاس (اس کے لئے) بڑا اجر ہے تو ان سب باتوں کو سن کر) جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام) سنو اور مانو اور (بالتفصیل مواقع حکم میں) خرچ (بھی) کیا کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا (غالباً اس کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہ نفس پر زیادہ شاق ہے) اور جو

شخص نفسانی حرص سے محفوظ رہا ایسے ہی لوگ (آخرت میں) فلاح پانے والے ہیں (آگے اس کے بہتر اور اور موجب فلاح ہونے کا بیان ہے کہ) اگر تم اللہ کو اچھی طرح (خلوص کے ساتھ) فرض دو گے تو وہ اس کو تمہارے لئے بڑھاتا چلا جائے گا اور تمہارے گناہ بخش رہے گا، اور اللہ بڑا قادر دان ہے (کہ عمل صالح کو قبول فرماتا ہے اور) بڑا بردبار ہے (کہ عمل معصیت پر فی الفور مواخذہ نہیں فرماتا اور) پوشیدہ اور ظاہر (اعمال) کا جاننے والا ہے (اور) زبردست ہے (اور) حکمت والا ہے (شکوہ سے حکیم) تاکہ تمام مضامین سورت کے لئے بمنزلہ علت کے ہیں کہ سب مضامین اُن پر مرتب و متفرع ہو سکے ہیں)

معارف و مسائل

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ اللَّهُ قَلْبَهُ "یعنی کسی کو کوئی مصیبت اللہ کے اذن کے بغیر نہیں پہنچتی اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو ہدایت فرمادیتا ہے" مطلب یہ ہے کہ یہ امر تو اپنی جگہ ایک یقینی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن و مشیت کے بغیر کہیں کوئی ذرہ بھی نہیں ہل سکتا، اللہ کے اذن کے بغیر نہ کوئی کسی کو نقصان و تکلیف پہنچا سکتا ہے نہ نفع اور راحت، مگر جس شخص کا اللہ پر اور اس کی تقدیر پر ایمان نہیں ہوتا مصیبت کے وقت اُس کے لئے قرار و سکون کا کوئی سامان نہیں ہوتا، وہ ازالہ مصیبت کے لئے ہاتھ پیر مارتا رہتا ہے، بخلاف مومن کے جس کا تقدیر الہی پر ایمان ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو اس پر مطمئن کر دیتا ہے کہ جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ کے اذن و مشیت سے ہوا جو کچھ مصیبت مجھے پہنچی وہ پہنچی ہی تھی اس کو کوئی ظلم نہیں سکتا، اور جس مصیبت سے نجات ہوئی وہ نجات ہونا ہی تھی، کسی کی مجال نہیں جو اس مصیبت کو مجھ پر ڈال دے، اس ایمان و اعتقاد کے نتیجہ میں اس کو آخرت کے ثواب کا وعدہ بھی سامنے ہوتا ہے جس سے دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت آسان ہو جاتی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنِّ مِنْ آذِنِكُمْ وَأُولَاؤُكُمْ عَدُوٌّ أَتَّكُمْ فَأَحْذَرُوا هُمُ

"یعنی اے مسلمانو! تمہاری بعض بیبیاں اور اولاد تمہارے دشمن ہیں، اُن کے شر سے بچتے رہو" ترمذی و حاکم وغیرہ نے بسند صحیح حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو ہجرت مدینہ کے بعد مکہ مکرمہ میں داخل اسلام ہوئے، اور ارادہ کیا کہ ہجرت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائیں، مگر ان کے اہل و عیال نے ان کو نہ چھوڑا کہ ہجرت کر کے چلے جائیں۔ (روح)

(اور یہ زمانہ وہ تھا کہ مکہ سے ہجرت کرنا ہر مسلمان پر فرض تھا) قرآن کریم کی آیت مذکورہ میں ایسی بیوی اور اولاد کو انسان کا دشمن قرار دیا، اور ان کے شر سے بچتے رہنے کی تاکید فرمائی، کیونکہ

اس سے بڑا دشمن انسان کا کون ہو سکتا ہے جو اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب اور جہنم کی آگ میں مبتلا کر دے۔ اور حضرت عطار بن ابی رباح کی روایت یہ ہے کہ یہ آیت عوف بن مالک اشجعی کے بارے میں نازل ہوئی، جن کا واقعہ یہ تھا کہ یہ مدینہ میں موجود تھے، اور جب کسی غزوہ و جہاد کا موقع آتا تو جہاد کے لئے جانے کا ارادہ کرتے تھے مگر ان کے بیوی بچے فریاد کرنے لگتے کہ ہمیں کس پر چھوڑ کر جاتے ہو؟ یہ ان کی فریاد سے متاثر ہو کر رُک جاتے تھے (روح، ابن کثیر)

ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں، دونوں ہی آیت کا سبب نزول ہو سکے ہیں، کیوں کہ اللہ کا فرض خواہ ہجرت ہو یا جہاد جو بیوی اور اولاد فرض کی ادائیگی میں مانع ہوں وہ اس کی دشمن ہیں۔ وَإِنْ تَعَفُّواْ وَلَوْ تَصْفَحُواْ وَتَغْفِرُواْ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ سابقہ آیت میں جن کے بیوی بچوں کو دشمن قرار دیا ہے ان کو جب اپنی غلطی پر توبہ ہو تو ارادہ کیا کہ آئندہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ سختی اور تشدد کا معاملہ کریں گے، اس پر آیت کے اس حصہ میں یہ ارشاد نازل ہوا کہ اگرچہ ان بیوی بچوں نے تمہارے لئے دشمن کا سا کام کیا کہ تمہیں اداسے فرض سے مانع ہوئے، مگر اس کے باوجود ان کے ساتھ تشدد اور بے رحمی کا معاملہ نہ کرو بلکہ عفو و درگزر اور معافی کا برتاؤ کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، کیونکہ اللہ جل شانہ کی عادت بھی مغفرت و رحمت کی ہے۔

گناہگار بیوی بچوں سے مسئلہ؛ علماء نے اس آیت سے استدلال کیا کہ اہل و عیال سے کوئی کام خلافت بیزاری اور بغض نہیں چاہئے شرع بھی ہو جائے تو ان سے بیزار ہو جانا اور ان سے بغض رکھنا ان کے لئے بددعا کرنا مناسب نہیں (روح)

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ فتنہ کے معنی ابتلا اور امتحان کے ہیں، مراد آیت کی یہ ہے کہ مال و اولاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انسان کی آزمائش کرتا ہے کہ ان کی محبت میں مبتلا ہو کر احکام و فرائض سے غفلت کرتا ہے، یا محبت کو اپنی حد میں رکھ کر اپنے فرائض سے غافل نہیں ہوتا، مال و اولاد انسان کے حقیقت یہ ہے کہ مال و اولاد کی محبت انسان کے لئے بڑا فتنہ اور آزمائش ہیں، انسان لئے بڑا فتنہ ہیں، اکثر گناہوں میں خصوصاً حرام کمائی میں انہی کی محبت کی وجہ سے مبتلا ہوتا ہے،

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز بعض اشخاص کو لایا جائے گا اُس کو دیکھ کر لوگ کہیں گے:- أَكَلَ عِيَالَهُ حَسَنَاتِهِ یعنی اُس کی نیکیوں کو اس کے عیال نے کھا لیا (روح) ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کے بارے میں فرمایا مَبْخَلَةٌ مَّجْبَنَةٌ یعنی یہ مَجْل اور مَجْن یعنی نامردی اور کمزوری کے اسباب ہیں کہ ان کی محبت کی وجہ سے آدمی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے رکتا ہے، انہی کی محبت کی وجہ سے جہاد میں شرکت سے رہ جاتا ہے، بعض سلف صالحین کا قول ہے الْعِيَالُ سَوْسُ الطَّاعَاتِ یعنی عیال انسان کی نیکیوں کے لئے گھٹن ہے "جیسا گھٹن غلہ کو کھا جاتا ہے یہ اس کی نیکیوں کو

کھا جاتے ہیں۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ۖ "یعنی تقویٰ اختیار کرو مقدور بھر" جب آیت اتَّقُوا اللَّهَ حَوْزِ
تَقَاتِهِ نازل ہوئی جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سے ایسا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اللہ کا حق ہے، تو صحابہ کرامؓ
پر بہت بھاری اور شاق ہوا، کہ اللہ کے حق کے مطابق تقویٰ کس کے بس میں ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی
جس نے بتلادیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی طاقت اور مقدور سے زیادہ تکلیف نہیں دی، تقویٰ
بھی اپنی طاقت کے مطابق واجب ہے، مقصد یہ ہے کہ حصول تقویٰ میں اپنی پوری توانائی اور
کوشش کر لے تو اس سے اللہ کا حق ادا ہو جائے گا (روح ملخصاً)

قَبَسَتْ سُوْرَةُ التَّغَابُنِ فِي لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الطَّلَاقِ

سُورَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَا عَشْرَةَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعٌ وَحَدٌّ
سورة طلاق مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ

اے نبی جب تم طلاق دو عورتوں کو تو ان کو طلاق دو ان کی عدت پر اور گنتے رہو عدت کو

وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تَخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ

اور ڈرو اللہ سے جو رب ہے تمہارا رب نکالو ان کو ان کے گھروں سے اور وہ بھی نہ نکلیں مگر جو

يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ

کریں صریح بے حیائی اور یہ حدیں ہیں باندھی ہوئی اللہ کی اور جو کوئی بڑھے اللہ کی حدوں سے

فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا ۝۱

تو اس نے بُرا کیا اپنا اُس کو خبر نہیں شاید اللہ پیدا کر دے اس طلاق کے بعد نئی صورت پھر جب

بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا

پہنچیں اپنے وعدہ کو تو رکھ لو ان کو دستور کے موافق یا چھوڑ دو ان کو دستور کے موافق اور گواہ کرو

ذَوِي عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ذَلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ

دو معتبر اپنے میں کے اور سیدھی ادا کرو گواہی اللہ کے واسطے یہ بات جو ہے اس سے سمجھ جائیگا جو کوئی یقین رکھتا

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝۲ وَيَرْزُقْهُ مِنْ

ہوگا اللہ پر اور پچھلے دن پر اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے وہ کر دے اسکا گزارہ اور روزی دے اس کو

حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۝۳ إِنَّ اللَّهَ بِأَمْرِهِ

جہاں سے اسکو خیال بھی نہ ہو اور جو کوئی بھروسہ رکھے اللہ پر تو وہ اسکو کافی ہے، تحقیق اللہ ہر کار لیتا ہے اپنا کام

قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝۴ وَاللَّهُ يَكْسِنُ مِنَ الْمَحِيضِ مَنْ

اللہ نے رکھا ہے ہر چیز کا اندازہ اور جو عورتیں نا اُمید ہو گئیں حیض سے

نِسَاءً يَكُمُ إِنْ أَرْتَبْتُمْ قَعْدًا ثُمَّ تَبَيَّنَ لَكُمْ أَنَّهُنَّ حَائِضُونَ ۝۵ وَأُولَٰئِكَ

ہماری عورتوں میں اگر تم کو شک ہو گیا تو ان کی عدت ہے تین مہینے اور ایسے ہی جن کو حیض نہیں آیا اور جن کے

الْأَحْمَالُ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۝۶ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ

پیٹ میں بچہ ہے ان کی عدت یہ کہ جن میں پیٹ کا بچہ اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے کر دے وہ اس کے تمام میں

أَمْرُهُ يُسْرًا ۝ ذَلِكُمْ أَمْرُ اللَّهِ أَنْزَلَهُ إِلَيْكُمْ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَكْفُرْ عَنْهُ

آسانی یہ حکم ہے اللہ کا جو اتارا تمہاری طرف اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے اتار دے اُس پر سے

سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ۝ أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ دُجْدِكُمْ

اسکی برائیاں اور بڑا دے اُس کو ثواب اُن کو گھر دو رہنے کے واسطے جہاں تم آپ رہو اپنے مقدور کے موافق

وَلَا تَضَارُّوهُنَّ لِنُضْيِقُوا عَلَيْهِنَّ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتٍ حَمِلٌ فَلَا تُفْقُوا

اور ایذا دینا نہ چاہو اُن کو تاکہ تنگ پکڑو اُن کو اور اگر رکھتی ہوں بیٹ میں بچہ تو اُن پر

عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَانْزِعْنَ عَنْ أَجُورِهِنَّ

خارج کرو جب تک جنین بیٹ کا بچہ پھر اگر وہ دودھ پلائیں تمہاری خاطر تو دواؤ اُن کو اُن کا بدلہ

وَأْتِمِرُوا بِأَيْدِيكُمْ مَعْرُوفٍ وَإِنْ تَعَاَسَرْتُمْ فَاِئْتِمِرُوا لَكُمْ لِيُنْفِقُوا

اور سکھاؤ آپس میں نیکی اور اگر ضد کرو آپس میں تو دودھ پلائے گی اسی خاطر اور کوئی عورت چاہیے

ذَوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قَدَّرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ

خارج کرے وسعت والا اپنی وسعت کی موافق اور جسکو نبی علی ملتی ہے اسی روزی تو خرچ کرے جیسا کہ دیا ہے اسکو اللہ نے

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَّا أَتَاهَا سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ۝

اللہ کسی پر تکلیف نہیں رکھتا مگر اُسی قدر جو اُس کو دیا اب کر دے گا اللہ سختی کے پیچھے کچھ آسانی

تفسیر

خلاصہ اے پیغمبر (آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) جب تم لوگ (ایسی) عورتوں کو طلاق دینے لگو (جن کے ساتھ

خلوت ہو چکی ہے کیونکہ عدت کا حکم ایسی عورتوں سے متعلق ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ

مِنْ قَبْلِ أَنْ تَنْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ) تو ان کو (زمانہ) عدت (یعنی حیض) سے پہلے (یعنی

طہر میں) طلاق دو (اور یہ احادیث صحاح سے ثابت ہے کہ اس طہر میں صحبت نہ ہو جس میں طلاق دینا ہے)

اور (طلاق دینے کے بعد) تم عدت کو یاد رکھو (یعنی مرد و عورت سب یاد رکھیں) لیکن خطاب میں تخصیص

صیغہ مذکر کی اشارہ اس طرف ہے کہ عورتوں میں غفلت غالب ہوتی ہے تو مردوں کو بھی اسکا اہتمام رکھنا

چاہیے، کما فی المدارک) اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے (یعنی ان ابویاب میں جو اسکے احکام ہیں ان

کے خلاف نہ کرو۔ مثلاً یہ کہ تین طلاق دفعۃً مت دو اور یہ کہ حالت حیض میں طلاق مت دو جیسا کہ احادیث

صحیحہ میں آیا ہے، اور یہ کہ عدت میں) ان عورتوں کو ان کے (رہنے کے) گھروں سے مت نکالو (کیونکہ سکنتی

یعنی حق سکونت مطلقہ کا مثل منکوحہ کے واجب ہے) اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں (کیونکہ یہ سکنتی محض شوہر

کا حق نہیں ہے جو اس کی رضائے سے ماقط ہو جاوے بلکہ حق الشرع ہے) مگر ہاں کوئی کھلی بیجائی کریں

تو اور بات ہے (یعنی مثلاً مرتکب بدکاری یا سرکہ کی ہوں تو سزا کے لئے نکالی جاؤں یا بقول بعض علماء

زبان داری اور ہمہ وقت کا تکرار رکھتی ہوں تو ان کو نکال دینا جائز ہے) اور یہ سب خدا کے مقرر

کئے ہوئے احکام ہیں اور جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز کر گیا (مثلاً اس عورت کو گھر سے نکال دیا) اس نے اپنے اوپر ظلم کیا (یعنی گناہگار ہوا) آگے طلاق دینے والے کو ترغیب دیتے ہیں کہ طلاق میں طلاقِ رجعی بہتر ہے پس ارشاد ہے کہ اے طلاق دینے والے (تجھ کو خبر نہیں شاید اللہ تعالیٰ بعد اس (طلاق دینے) کے کوئی نئی بات (تیرے دل میں) پیدا کر دے) مثلاً طلاق پر ندامت ہو تو طلاقِ رجعی میں اسکا تدارک آسانی سے ہو سکے گا) پھر جب وہ (مطلقہ) عورتیں (جبکہ ان کو طلاقِ رجعی دی ہو بقرینہ قاسمہ) اپنی عدت گزرنے کے قریب پہنچ جاویں (اور عدت ختم نہیں ہوئی) تو (تم کو دو اختیار ہیں یا تو) ان کو قاعدہ کمبوائف (رجعت کر کے) نکاح میں رہنے دو یا قاعدہ کے موافق ان کو رہائی دو (یعنی انقضائے عدت تک رجعت نہ کرو مطلب یہ کہ تیسری بات مست کرو کہ رکھنا بھی مقصود نہ ہو مگر تطویل عدت کے ذریعہ عورت کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے رجعت کر لو) اور (جو کچھ بھی کرو مرافقت یا مفارقت اُس پر) آپس میں سے دو مستتر شخصوں کو گواہ کر لو (یہ مستحب ہے کذا فی الہدایہ والنہایہ رجعت میں تو اس لئے کہ بعد انقضائے عدت کبھی عورت اختلاف نہ کرنے لگے اور مفارقت میں اس لئے کہ کبھی اپنا نفس شرارت نہ کرنے لگے کہ جھوٹا دعویٰ کر دے کہ میں رجعت کر چکا تھا) اور (اے گواہ اگر گواہی کی حاجت پڑے تو) تم ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے (بلا رد و رعایت) گواہی دو۔ اس مضمون سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور یوم قیامت پر یقین رکھتا ہو (مطلب یہ کہ ایماندار ہی نصائح سے منتفع ہوتے ہیں اور یوں تو نصائح سب کے لئے عام ہیں) اور (اوپر جو تقویٰ کا کم ہر احکام کے بعد اس کی متعدد فضیلتیں ارشاد فرماتے ہیں، اول فضیلت یہ کہ) جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے لئے (مضرتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور (منافع عطا فرماتا ہے چنانچہ ایک بڑی منفعت سے رزق، سو) اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اسکا گمان بھی نہیں ہوتا، اور (ایک شعبہ اس تقویٰ کا توکل ہے اس کی یہ خاصیت ہے کہ) جو شخص اللہ پر توکل کر گیا تو اللہ تعالیٰ اس (کی اصلاح مہمات) کے لئے کافی ہے (یعنی اپنی کفایت کا اثر خاص اصلاح مہمات میں ظاہر فرماتا ہے ورنہ اسکی کفایت تو تمام عالم کے لئے عام ہے اور یہ اصلاح مہمات بھی عام ہے حَسْبُا ہو یا باطناً ہو کیونکہ) اللہ تعالیٰ اپنا کام (جس طرح چاہتا ہے) پورا کر کے رہتا ہے (اور اسی طرح اصلاح مہمات کا وقت بھی اُسی کے ارادہ پر ہے کیونکہ) اللہ تعالیٰ ہر شے کا ایک انداز (اپنے علم میں) مقرر کر رکھا ہے (اور اسی کے موافق اس کو واقع کرنا قرین حکمت ہوتا ہے آگے پھر عود ہے احکام کی طرف یعنی اوپر تو عدت کا اجمالاً ذکر تھا) اور (تفصیل اسکی آگے ہے وہ یہ کہ) تمھاری (مطلقہ) بیبیوں میں سے جو عورتیں (بوجہ زیادت عمر کے) حیض آنے سے ناامید ہو چکی ہیں اگر تم کو (ان کی عدت کے تعین میں) شبہ ہو (جیسا کہ واقع میں شبہ ہوا تھا اور پوچھا تھا) تو انکی عدت تین مہینے ہیں اور اسی طرح جن عورتوں کو (اب تک بوجہ کم عمری کے) حیض نہیں آیا (ان کی عدت بھی تین مہینے ہیں) اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کے اس حمل کا پیدا ہو جانا ہے (خواہ کامل ہو یا ناقص بشرطیکہ کوئی

عضو بن گیا ہو گو ایک انگلی ہی ہے) اور (چونکہ تقویٰ خود بھی مہتمم بالشان ہے اور احکام مذکورہ میں جو کہ متعلق بمعاملات دنیا ہیں عام طبائع میں خیال ہو سکتا ہے کہ ان دنیوی معاملات کو دین سے کیا تعلق ہم جس طرح چاہیں کر لیں اس لئے آگے پھر تقویٰ کا مضمون ہے یعنی) جو شخص اللہ سے ڈرے لگا اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں آسانی کر دے گا (آخرت کی یا دنیا کی ظاہر آیا باطناً، آگے پھر تاکید امتثال احکام کے لئے ارشاد ہے کہ) یہ (جو کچھ مذکور ہوا) اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور جو شخص (ان معاملات میں اور دوسرے امور میں بھی) اللہ تعالیٰ سے ڈرے لگا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ ڈور کر دے گا (جو سب سے بڑی مضرت سے نجات ہے) اور اس کو بڑا اجر دے گا (جو سب سے بڑی منفعت کا حصول ہے، آگے پھر مطلقات کے احکام کا بیان ہے یعنی عدت میں علاوہ عدم تطویل عدت اور حق سُکنی کے ان کے کچھ اور حقوق بھی ہیں وہ یہ کہ) تم ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو (یعنی عدت میں سُکنی بھی مطلقہ کا واجب ہے البتہ طلاق بائن میں ایک مکان میں خلوت کے ساتھ دونوں کا رہنا جائز نہیں بلکہ پردہ حائل ہونا ضرور ہے) اور ان کو تنگ کرنے کے لئے (سُکنی کے بارے میں) تکلیف مت پہنچاؤ (مثلاً کوئی ایسی بات کرنے لگو جس سے وہ پریشان ہو کر نکل جائیں) اور اگر وہ (مطلقہ) عورتیں حمل والیاں ہوں تو حمل پیدا ہونے تک ان کو (کھانے پینے کا) خرچ دو (بخلاف غیر حمل والیوں کے کہ ان کے نفقہ کی حد تین حیض یا تین ماہ ہیں۔ اور یہ احکام تو عدت کے متعلق تھے) پھر اگر (عدت کے بعد) وہ (مطلقہ) عورتیں (جبکہ پہلے سے بچہ والیاں ہوں یا بچہ ہی پیدا ہونے سے ان کی عدت ختم ہوئی ہو) تمہارے لئے (بچہ کو اُبرت پر) دودھ پلا دیں تو تم ان کو (مقررہ) اُبرت دو اور (اُبرت کے بارے میں) باہم مناسب طور پر مشورہ کر لیا کرو (یعنی نہ تو عورت اس قدر زیادہ مانگے کہ مرد کو دوسری آٹا ڈھونڈھنی پڑے اور نہ مرد اس قدر کم دینا چاہے کہ عورت کا کام نہ چل سکے بلکہ حتی الامکان دونوں اس کا خیال رکھیں کہ ماں ہی دودھ پلا دے کہ بچہ کی اس میں زیادہ مصلحت ہے) اور اگر تم باہم کشمکش کرو گے تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی (مقصود اس خبر سے امر ہے یعنی اور کسی آٹا کو تلاش کر لیا جاوے نہ ماں کو مجبور کیا جاوے نہ باپ کو اور صورت خبر میں یہ نکتہ ہے کہ مرد کو کم اُبرت تجویز کرنے پر عتاب ہے کہ آخر کوئی عورت پلا دے گی اور وہ بھی غالباً بہت کم نہ لے گی پھر یہ کمی ماں ہی کے لئے کیوں تجویز کی جاوے اور عورت کو زیادہ اُبرت مانگنے پر عتاب ہے کہ تو نہ پلا دے گی اور کوئی میسر ہو جاوے گی کیا دنیا میں ایک تو ہی ہے جو اس قدر گراں بنتی ہے آگے بچہ کے نفقہ کے بارے میں ارشاد ہے کہ) وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق (بچہ پر) خرچ کرنا چاہیے اور جس کی آمدنی کم ہو تو اس کو چاہیے کہ اللہ نے اس کو قننا دیا ہے اس میں سے خرچ کرے (یعنی امیر آدمی اپنی حیثیت کے موافق خرچ اٹھاوے اور غریب آدمی اپنی حیثیت کے موافق کیونکہ) خدا تعالیٰ کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اس کو دیا ہے (اور نگہ ست آدمی خرچ کرنا ہوا اس سے نہ ڈرے کہ خرچ کرنے سے بالکل ہی کچھ نہ رہے گا جیسا بعض آدمی اس خوف سے اولاد کو قتل کر ڈالتے ہیں

پس ارشاد ہے کہ (خدا تعالیٰ تنگی کے بعد جلدی فراغت بھی دیدیگا) گو بقدر ضرورت و حاجت روائی سہی، و ہذا
 کَقَوْلِهِ تَعَالَى وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ

معارف و مسائل

نکاح و طلاق کی شرعی حیثیت | معارف القرآن جلد اول صفحہ ۵ میں سورۃ بقرہ کی تفسیر میں اسی عنوان مذکور کے
 اور ان کا حکیمانہ نظام | تحت میں پوری تفصیل لکھی جا چکی ہے اس کو ملاحظہ فرمائیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ
 نکاح و طلاق کا معاملہ ہر مذہب ملت میں عام معاملات، بیع و شرار اور اجارہ کی طرح نہیں کہ طرفین کی رضامندی
 سے جس طرح چاہیں کر لیں بلکہ ہر مذہب و ملت کے لوگ ہمیشہ سے اس پر متفق ہیں کہ ان معاملات کو ایک خاص
 مذہبی تقدس حاصل ہے اُسی کی ہدایات کے تحت یہ کام سرانجام پانے چاہئیں۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ
 تو بہر حال ایک آسمانی دین اور آسمانی کتاب سے نسبت رکھتے ہیں اُن میں سیکڑوں تحریفات کے باوجود اتنی
 قدر مشترک اب بھی باقی ہے کہ ان معاملات میں کچھ مذہبی حدود و قیود کے پابند ہیں۔ کفار و مشرکین جو کوئی آسمانی
 کتاب اور مذہب نہیں رکھتے مگر کسی نہ کسی صورت میں خدا تعالیٰ کے قائل ہیں جیسے ہندو، آریہ، سکھ، مجوس،
 آتش پرست، نجوم پرست لوگ وہ بھی نکاح و طلاق کے معاملات کو عام معاملات، بیع و شرار یا اجارہ کی طرح
 نہیں سمجھتے اُن کے یہاں بھی کچھ مذہبی رسوم ہیں جن کی پابندی ان معاملات میں لازم سمجھتے ہیں اور انہیں اصول
 و رسوم پر تمام مذاہب فرق کے عالمی قوانین چلتے ہیں۔

صرف دہریہ اور لامذہب منکر خدا لوگوں کا ایک فرقہ ہے جو خدا و مذہب ہی سے بیزار ہے وہ ان چیزوں
 کو بھی اجارہ کی طرح یا ہی رضامندی سے طے ہو جانے والا ایک معاملہ قرار دیتے ہیں جس کا مقصد اپنے شہوانی
 جذبات کی تسکین سے آگے کچھ نہیں۔ افسوس ہے کہ آج کل دنیا میں یہی نظریہ عام ہوتا جاتا ہے جسے انسانوں
 کو جنگل کے جانوروں کی صف میں گھرا کر دیا ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَالِیْہِ الْمَشِیْکُ۔

شریعت اسلام ایک مکمل اور پاکیزہ نظام حیات کا نام ہے۔ اس میں نکاح کو صرف ایک معاملہ اور
 معاہدہ نہیں بلکہ ایک گونہ عبادت کی حیثیت بخشی ہے جس میں خالق کائنات کی طرف سے انسانی فطرت
 میں رکھے ہوئے شہوانی جذبات کی تسکین کا بہترین اور پاکیزہ سامان بھی ہے اور مرد و عورت کے ازدواجی
 تعلقات سے جو عمرانی مسائل بقائے نسل اور تربیت اولاد کے متعلق ہیں ان کا بھی معتدلانہ اور حکیمانہ بہترین
 نظام موجود ہے۔

اور چونکہ معاملہ ازدواج کی درستی پر عام نسل انسانی کی درستی موقوف ہے اس لئے قرآن کریم میں ان عالمی
 مسائل کو تمام دوسرے معاملات سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ قرآن کریم کو بغور پڑھنے والا یہ عجیب مشاہدہ
 کریگا کہ دنیا کے عام معاشی مسائل میں سب سے اہم تجارت شرکت اجارہ وغیرہ ہیں۔ قرآن حکیم نے

ان کے تو صرف اصول بتلانے پر اکتفا فرمایا ہے ان کے فروعی مسائل قرآن میں شاذ و نادر ہیں۔ بخلاف نیکاح و طلاق کے کہ انہیں صرف اصول بتلانے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ ان کے بیشتر فروع اور جزئیات کو بھی براہ راست حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں نازل فرمایا ہے۔

یہ مسائل قرآن کی اکثر سورتوں میں متفرق اور سورۃ نساء میں کچھ زیادہ تفصیل سے آئے ہیں یہ سورت جو سورۃ طلاق کے نام سے موسوم ہے اس میں خصوصیت سے طلاق اور عدت وغیرہ کے احکام کا ذکر ہے اسی لئے بعض روایات حدیث میں اسکو سورۃ نساء صغریٰ بھی کہا گیا ہے یعنی چھوٹی سورۃ نساء (قرطبی بحوالہ بخاری) اسلامی اصول کا رخ یہ ہے کہ جن مرد و عورت میں اسلامی اصول کے مطابق ازدواجی تعلق قائم ہو وہ پائیدار اور عمر بھر کا رشتہ ہو جس سے ان دونوں کا دنیا و دین بھی درست ہو اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد کے اعمال و اخلاق بھی درست ہوں۔ اسی لئے نیکاح کے معاملے میں شروع سے آخر تک ہر قدم پر اسلام کی ہدایات یہ ہیں کہ اس تعلق کو ٹہنیوں اور رنجشوں سے پاک صاف رکھنے کی اور اگر کبھی پیدا ہو جائے تو ان کے ازالہ کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود بعض اوقات طرفین کی زندگی کی فلاح اسی میں منحصر ہو جاتی ہے کہ یہ تعلق ختم کر دیا جائے جن مذاہب میں طلاق کا اصول نہیں ہے انہیں ایسے اوقات میں سخت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے اور بعض اوقات انتہائی بُرے نتائج سامنے آتے ہیں اس لئے اسلام نے قوانین نیکاح کی طرح طلاق کے بھی اصول و قواعد مقرر فرمائے مگر ساتھ ہی یہ ہدایات بھی دیدیں کہ طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت مبغوض و مکروہ کام ہے جہاں تک ممکن ہو اس سے پرہیز کرنا چاہیے، حدیث میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ کے نزدیک طلاق ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تزوج و نکاح و طلاق و طلاق یھتدئ منہ عرش الرحمن، یعنی نیکاح کرو اور طلاق نہ دو کیونکہ طلاق سے عرشِ رحمن ہل جاتا ہے اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کو طلاق نہ دو بغیر کسی بدکاری کے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان مردوں کو پسند نہیں کرتا جو صرف ذائقہ چکھنے والے ہیں اور ان عورتوں کو پسند نہیں کرتا جو صرف ذائقہ چکھنے والی ہیں (قرطبی بروایت شعبی) اور دارقطنی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے زمین پر جو کچھ پیدا فرمایا ہے ان سب میں اللہ کے نزدیک محبوب غلاموں کو آزاد کرنا ہے، اور عتبی چیزیں زمین پر پیدا کی ہیں ان سب میں مبغوض و مکروہ طلاق ہے (از قرطبی)

بہر حال اسلام نے اگرچہ طلاق کی حوصلہ افزائی نہیں کی بلکہ تا بمقدور اس سے روکا ہے لیکن بعض ضرورت کے مواقع میں اجازت دی تو اس کے لئے کچھ اصول و قواعد بنا کر اجازت دی۔ جبکا حاصل یہ ہو کہ اس رشتہ ازدواج کو ختم ہی کرنا ضروری ہو جائے تو وہ بھی خوبصورتی اور حسن معاملہ کیساتھ انجام پائے

محض غصہ نکالنے اور استقامی جذبات کا کھیل بنانے کی صورت نہ بننے پائے۔ اس سورت میں احکام طلاق کو اس طرح شروع کیا گیا کہ اَوَّلُ رَسُوْلٍ اَللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو **یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ** کے عنوان سے خطاب کیا گیا جو امام قرطبی کے بیان کے مطابق ان مواقع میں استعمال ہوتا ہے جہاں حکم تمام امت کیلئے عام ہو اور جس جگہ کوئی حکم رسول کی ذات سے متعلق ہوتا ہے تو وہاں **یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ** سے خطاب کیا جاتا ہے۔

اس جگہ **یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ** کا تقاضا یہ تھا کہ آگے بھی بصیغہ مفرد احکام کا بیان ہو تا مگر یہاں اسکے خلاف بصیغہ جمع خطاب فرمایا **اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ** جو اگرچہ بلا واسطہ خطاب نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو ہے اور بصیغہ جمع خطاب کرنے میں آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی تعظیم و تکریم بھی ہے ساتھ ہی اس طرف اشارہ بھی کہ یہ حکم آپ کے لئے مخصوص نہیں تمام امت اس میں شریک ہے۔

اور بعض حضرات نے اس جگہ جملہ محذوف قرار دیکر آیت کی تفسیر یہ کی ہے **یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ** یعنی اسے نبی آپ مسلمانوں کو بتلا دیں کہ جب وہ طلاق دیا کریں تو آگے بیان کئے ہوئے قانون کی پابندی کریں۔ اور خلاصہ تفسیر میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ آگے بعض احکام طلاق کا بیان ہے۔

پھلا حکم **فَطَلِّقُوْهُنَّ اِعْدَّتْ**، عدت کے لفظی معنی عدد شمار کرنے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں اس مدت کو کہا جاتا ہے جس میں عورت ایک شوہر کے نکاح سے نکلنے کے بعد دوسرے نکاح سے ممنوع ہوتی ہے اس مدت انتظار کو عدت کہا جاتا ہے۔ اور کسی شوہر کے نکاح سے نکلنے کی صورتیں دو ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ شوہر کا انتقال ہو جائے، اس کی عدت کو عدتِ وفات کہا جاتا ہے جو غیر حاملہ کے لئے چار ماہ دس دن مقرر ہے۔ دوسری صورت نکاح سے نکلنے کی طلاق ہے۔ عدتِ طلاق غیر حاملہ عورت کیلئے امام اعظم ابوحنیفہ اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک تین حیض پورے ہیں اور امام شافعی اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک تین طہر عدت طلاق ہے بہر حال اس کے لئے کچھ ایام یا مہینے مقرر نہیں جتنے مہینوں میں تین حیض یا تین طہر پورے ہو جاویں وہ ہی عدتِ طلاق ہوگی۔ اور جن عورتوں کو ابھی کم عمری کی وجہ سے حیض نہیں آیا یا زیادہ عمر ہو جانے کے سبب حیض منقطع ہو چکا ہے اُن کا حکم آگے مستقل آ رہا ہے اور اسی طرح حمل والی عورتوں کا حکم بھی آگے آ رہا ہے اس میں عدتِ وفات اور عدتِ طلاق دونوں یکساں ہیں۔ **فَطَلِّقُوْهُنَّ اِعْدَّتْ**، اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس کو **فَطَلِّقُوْهُنَّ اِعْدَّتْ** تلاوت فرمایا اور حضرت ابن عمرؓ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں بھی ایک روایت میں **اِعْدَّتْ** اور دوسری ایک روایت میں **فِیْ قَبْلِ اِعْدَّتْ** منقول ہے (ردح)

اور صحیحین بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی عورت کو بحالتِ حیض طلاق دیدی تھی۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اس کا ذکر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے کیا تو آپ سخت

ناراض ہوئے پھر فرمایا،

لیراجعہا ثم یسکھا حتی تطهر ثم تحيض فتطهر
فان بدالہ فلیطلقہا طاهرًا قبل ان یمتہا
فتلک العدۃ التی امرہا اللہ تعالیٰ ان
یطلق بہا النساء

(بخاری و مسلم از مظہری)

ان کو چاہیے کہ بحالت حیض دی ہوئی طلاق سے رجوع کر لیں
پھر اپنی زوجیت میں رکھیں یہاں تک کہ حیض سے طہارت
ہو جائے اور پھر اس کے بعد حیض آئے اُس حیض سے طہارت
ہو جائے اس وقت اگر طلاق دینا ہی ہے تو اس طہر میں مباشرت
وصحبت کئے بغیر طلاق دیدیں۔ یہی وہ عدت ہے جسکا اللہ تعالیٰ
نے آیت (مذکورہ) میں حکم دیا ہے۔

اس حدیث سے چند باتیں ثابت ہوئیں۔ اول یہ کہ حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے دوسرے یہ کہ اگر
کسی نے ایسا کر لیا تو اس طلاق سے رجعت کر لینا واجب ہے (بشرطیکہ طلاق قابل رجعت ہو جیسا کہ ابن عمرؓ کے
واقعہ میں تھی) تیسرے یہ کہ جس طہر میں طلاق دینا ہے اس میں عورت سے مباشرت وصحبت نہ ہو۔ چوتھے یہ کہ آیت
قرآن فَطَلِّقُوهُنَّ اِذَا تَبَيَّنَ کی یہی تفسیر ہے۔

آیت مذکورہ کی دونوں قرار توں سے پھر ایک روایت حدیث سے آیت مذکورہ کا یہ مفہوم متعین ہو گیا کہ
جب کسی عورت کو طلاق دینا ہو تو عدت شروع ہونے سے قبل طلاق دی جائے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک
چونکہ عدت حیض سے شروع ہوتی ہے تو معنی آیت کے یہ قرار دیے کہ جس طہر میں طلاق دینے کا ارادہ ہو وہیں
عورت سے مباشرت نہ کرے اور آخر طہر میں حیض شروع ہونے سے پہلے طلاق دیدے۔ اور امام شافعیؒ
وغیرہ کے نزدیک چونکہ عدت طہر ہی سے شروع ہوتی اسلئے اِذَا تَبَيَّنَ کا مفہوم یہ قرار دیا کہ بالکل شروع
طہر میں طلاق دیدی جائے اور یہ بحث کہ عدت تین حیض ہیں یا تین طہر اسکا بیان سورہ بقرہ کی آیت تَلَّوْا
تَرْجُوع کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

بہر حال طلاق کے متعلق پہلا حکم اس آیت سے باجماع اُمت یہ ثابت ہوا کہ حالت حیض میں طلاق دینا
بھی حرام ہے اور ایسے طہر میں جس میں عورت کے ساتھ مباشرت وصحبت کر لی ہو اس میں بھی طلاق دینا حرام ہے
اور وجہ حرمت کی دونوں میں یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں عورت کی عدت طویل ہو جائے گی جو اُس کے
لئے باعث تکلیف ہے کیونکہ جس حیض میں طلاق دی یہ حیض تو عدت میں شمار نہیں ہوگا بلکہ حیض کے ایام
پورے ہوں اور مذہب ابو حنیفہؒ کے مطابق اسکے بعد کا طہر بھی خالی گزرے پھر جب دوسرا حیض آئے تو
اس وقت عدت شروع ہوگی جس میں بڑی تطویل ہے اور مذہب شافعیؒ کے مطابق بھی کم از کم حیض کے بقیہ
ایام جو عدت سے پہلے گزریں گے وہ زیادہ ہو جائیں گے۔ طلاق کا یہ پہلا حکم ہی اس اہم ہدایت پر مشتمل ہے
کہ طلاق کوئی غصہ نکالنے یا انتقام کی چیز نہیں بلکہ بدرجہ مجبوری طرفین کی راحت کا انتظام ہے اسلئے طلاق
دینے کے وقت ہی سے اسکا خیال رکھنا ضروری ہے کہ عورت کو طول عدت کی بلا وجہ تکلیف نہ پہنچے۔

اور یہ حکم صرف ان عورتوں کے لئے ہیں جن پر عدت گزارنا حیض یا طہر سے لازم ہے اور جن عورتوں پر عدت واجب ہی نہیں مثلاً وہ عورت جس سے خلوت ہی ابھی تک نہیں ہوئی اُس پر سرے سے عدت ہی لازم نہیں اسکو حالت حیض میں بھی طلاق دیدی جائے تو جائز ہے اسی طرح وہ عورت جس کو کم عمری یا زیادتی عمر کے سبب حیض نہیں آتا اسلئے اُس کی عدت میں حیض و طہر کا کوئی اعتبار ہی نہیں بلکہ ان کی عدت مہینوں کے حساب سے تین ماہ ہے انکو کسی بھی حالت میں طلاق دیدی جائے یا صحیت و مباشرت کے بعد طلاق دیدی جائے سب جائز ہے جیسا کہ آئندہ آیات میں آ رہا ہے (از منظر ہی مع بعض تشریحات)

دُوْ مَسَلِّحُكُمْ وَآخِصُوا الْعِدَّةَ ہے۔ احصار کے معنے شمار کرنے کے ہیں۔ معنے آیت کے یہ ہیں کہ عدت کے ایام کو اہتمام کے ساتھ یاد رکھنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ بھول میں پڑ کر اختتام عدت سے پہلے ہی ختم سمجھ لے۔ اور یہ ذمہ داری ایام عدت کو محفوظ رکھنے کی مرد و عورت دونوں پر عائد ہے مگر یہاں صیغہ مذکر استعمال کیا گیا کیونکہ عام طور پر جو احکام مرد و عورت میں مشترک ہیں ان میں عموماً خطاب بصیغہ مذکر ہی آتا ہے عورتیں تبعاً اس میں داخل سمجھی جاتی ہیں اور اس خاص مسئلہ میں وہ حکمت بھی ہو سکتی ہے جو خلاصہ تفسیر میں لکھی گئی ہے کہ عورتوں میں غفلت کا احتمال زیادہ ہے اسلئے براہ راست ذمہ داری مردوں پر ڈالی گئی

تَبَيَّنَ لَكُمْ لَكُمْ تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بَيْوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ (نہ نکالو ان کو ان کے گھروں سے) اس میں لفظ **بِیُوتِهِنَّ** میں (مکانات) کو ان عورتوں کے بیوت فرما کر اس طرف اشارہ کیا کہ جب تک ان کا حق سکونی (سکونت) مرد کے ذمہ ہے اس گھر میں اسکا حق ہے اس میں سکونت کو بحال رکھنا کوئی احسان نہیں بلکہ ادائی واجب ہے بیوی کے حقوق میں سے ایک حق سکونی بھی ہے۔ اس آیت نے بتلادیا کہ یہ حق صرف طلاق دیدینے سے ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ایام عدت تک عورت کو اسی جگہ رہنے کا استحقاق ہے۔ اور ان کا گھر سے نکال دینا قبل تمام عدت کے ظلم و حرام ہے اسی طرح خود ان کے لئے باختیار خود ان گھروں سے نکل جانا بھی حرام ہے اگرچہ شوہر بھی اس کی اجازت دیدے کیونکہ ایام عدت اسی مکان میں گزارنا شوہر ہی کا حق نہیں بلکہ حق الشہی ہے جو منجانب الشرعہ پر لازم ہے (مذاہب و مذہب الحنفیہ ۷)

اِنَّ اَنْ يَّاتِيَنَّ بِهَا حَشَّةٌ مُّبَيَّنَةٌ، یعنی معتدہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نکالنا حرام ہے مگر اس میں سے یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ عورت کسی کھلی بے حیائی میں مبتلا ہو جائے۔ اس کھلی بے حیائی سے کیا مراد ہے اس میں ائمہ تفسیر کے تین قول منقول ہیں۔

اول یہ کہ بے حیائی سے مراد خود ہی گھر سے نکل جانا ہے تو اس صورت میں یہ استثناء صرف صورت استثناء ہے جس سے خروج من البیت کی اجازت دینا مقصود نہیں بلکہ اس کی ممانعت کو اور زیادہ مؤکد کرنا ہے اسکی مثال ایسی ہے جیسے یہ کہا جائے کہ فلاں کام کسی کو نہیں کرنا چاہیے بجز اس کے کہ وہ آدمیت ہی سے نکل جائے، یا کہ اپنی ماں کو گالی نہ دو بجز اسکے کہ تم ماں کے بالکل ہی نافرمان ہو جاؤ

تو یہ ظاہر ہے کہ پہلی مثال میں اس صورت استثناء سے اس فعل کا جواز بتلانا منظور نہیں اور دوسری مثال میں ماں کی نافرمانی کا جواز ثابت کرنا نہیں بلکہ بلیغ انداز میں اس کی اور بھی زیادہ ممانعت و شناعیت کا بیان ہے تو خلاصہ مضمون آیت اس صورت میں یہ ہوا کہ مطلقہ عورتیں اپنے شوہروں کے گھروں سے نہ نکلیں مگر یہ کہ وہ بے حیائی ہی پر اتر آئیں اور نکل بھاگیں تو اسکا مطلب نکل بھاگنے کا جواز نہیں بلکہ اور زیادہ مذمت اور ممانعت کا اثبات ہے۔ فاحشہ مبینہ کی یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، ابن النبی نخعی وغیرہ سے منقول ہے اور امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے (روح المعانی)

دوسرا قول یہ ہے کہ فاحشہ مبینہ سے مراد زنا اور بدکاری ہے اس صورت میں استثناء اپنے معنی میں ہے کہ اگر مطلقہ عورت نے زنا کیا اور جرم اُس پر ثابت ہو گیا تو اس کو حد شرعی جاری کرنے کیلئے لامحالہ بیت عدت سے نکالا جائیگا۔ یہ تفسیر حضرت قتادہ، حسن بصری، شعبی، زید بن اسلم اور ضحاکؒ وغیرہ سے منقول ہے امام ابو یوسفؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ فاحشہ مبینہ سے مراد زبان درازی اور لڑائی جھگڑا ہے تو معنی آیت کے یہ ہونگے کہ مطلقہ عورتوں کو انکے گھروں سے نکالنا جائز نہیں بجز اس صورت کے کہ عورت بد زبان جھگڑالو ہو اپنے شوہر اور اسکے متعلقین سے بد زبانی کے ساتھ پیش آئے تو ایسی صورت میں اس کو مکان عدت سے نکالا جاسکتا ہے۔ فاحشہ مبینہ کی یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے بروایت متعددہ منقول ہے اور آیت مذکور میں حضرت ابی بن کعب اور عبداللہ بن مسعود کی قرأت اس طرح ہے (الان یفحش) اس لفظ کے ظاہری معنی فحش کلام اور بد زبانی کے ہیں۔ اس قرأت سے بھی آخری تفسیر کی تائید ہوتی ہے (روح) اس صورت میں بھی استثناء اپنی حقیقت پر رہے گا کہ بد زبانی اور جھگڑا کرنے کی صورت میں مطلقہ کو مکان عدت سے نکالا جاسکتا ہے۔

یہاں تک طلاق کے متعلق چار احکام کا بیان آیا ہے اور آگے مزید احکام بیان ہونگے مگر ان کے درمیان میں احکام مذکورہ کی پابندی کی تاکید اور اُس کی مخالفت سے بچنے کے لئے چند وعظ و نصیحت کے جملے بیان ہوتے ہیں یہ قرآن حکیم کا خاص اسلوب ہے کہ ہر حکم کے بعد خدا تعالیٰ کے خوف اور آخرت کی فکر یاد دلا کر اسکی خلاف ورزی کو روکا گیا ہے کہ کیونکہ میاں بیوی کا رشتہ اور باہمی حقوق کی پوری ادائیگی کا انتظام کسی قانون کے ذریعہ نہیں ہو سکتا اس کے لئے خوف خدا و آخرت ہی روکنے والی چیز ہے۔

وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهُ يَخْذُكَ
بَعْدَ ذَلِكَ أَهْرًا، حُدُودُ اللَّهِ سے مراد شریعت کے مقرر کردہ قوانین ہیں۔ وَمَنْ يَتَعَدَّ یعنی جو شخص
حدود اللہ میں تعدی کرے یعنی ان حدود احکام کی خلاف ورزی کرے فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ تو اُس نے
اپنی جان پر ظلم کیا، یعنی اللہ کا یا شریعت اسلام کا کچھ نہیں بگاڑا اپنا ہی نقصان کیا ہے اور

یہ نقصان عام ہے دینی بھی اور دنیاوی بھی، دینی نقصان تو اس خلاف شرع کرنے کا گناہ اور اس کا وبال آخرت ہے اور دنیاوی نقصان یہ ہے کہ جو شخص شرعی ہدایات کے بغیر طلاق دے بیٹھتا ہے وہ اکثر تین طلاقیں تک پہنچ جاتا ہے جس کے بعد آپس میں رجوع یا نکاح جدید بھی نہیں ہو سکتا اور آدمی اکثر طلاق دینے کے بعد پچھتا رہا ہے اور مصیبت جھیلتا ہے خصوصاً جبکہ صاحب اولاد بھی ہو، اس لئے یہ مصیبت دنیا ہی میں اپنی جان پر پڑی اور بہت سے لوگ جو بیوی کو تکلیف دینے اور نقصان پہنچانے کی نیت سے ظالمانہ طلاق دیتے ہیں گو اس کی تکلیف عورت کو بھی کچھ پہنچ جائے لیکن اس کے لئے ظلم پر ظلم اور دوا ہر ادبالات ہو جائے گا ایک اللہ کی مقرر کردہ حدود کو توڑنے کا دوسرے عورت پر ظلم کرنے کا جس کی حقیقت یہ ہے کہ ۷

پنداشت ستمگر جفا بر ما کرد ۱۰ برگردن وے بماند و بر ما بگذشت

لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا، یعنی تم نہیں جانتے شاید اللہ تعالیٰ اس غیظ و غضب کے بعد کوئی دوسری حالت پیدا فرمادیں کہ بیوی سے جو راحتی تھیں اور اولاد کی پرورش اور گھر کے انتظام کی سہولتیں تھیں ان کا خیال کر کے تم پھر اپنی طلاق پر پچھتاؤ اور دوبارہ اس کو نکاح میں رکھنے کا ارادہ کرو تو دوبارہ نکاح میں رہنے کی صورت بھی ہو سکتی ہے جبکہ تم طلاق کے وقت حدود شرعیہ کی رعایت کرو کہ بلا وجہ طلاق کو بائن نہ کرو بلکہ رجعی رہنے دو جس میں رجعت کرنے کا شوہر کو اختیار ہوتا ہے رجعت کر لینے سے پہلے نکاح بدستور قائم رہ جاتا ہے اور یہ کہ تین طلاق تک نوبت نہ پہنچا دو جس کے بعد رجعت کا حق نہیں رہتا اور دونوں کی رضا مندی کے باوجود آپس میں دوبارہ نکاح بھی شرعاً حلال نہیں ہوتا۔

فَإِذَا بَلَغَتِ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ وَارِفُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ، أَجَلَهُنَّ میں لفظ اجل بمعنی عدت ہے اور بلوغ اجل سے مراد عدت کا اختتام کے قریب ہونا ہے۔ طلاق کے متعلق پانچواں حکم اس آیت میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ جب اطلقہ بیوی کی عدت ختم کے قریب پہنچے تو اب نکاح سے بخل جانے کا وقت آگیا اس وقت تک وقتی تاثرات اور غم و غصہ کی کیفیت بھی ختم ہو جانی چاہیے اس وقت پھر سنجیدگی کے ساتھ غور کر لو کہ نکاح رکھنا بہتر ہے یا اسکا بالکل منقطع کر دینا اگر نکاح میں رکھنے کی رائے ہو جائے تو اس کو روک لو جس کی مسنون صورت اگلی آیت کے اشارہ اور حدیث کے ارشاد کے مطابق یہ ہے کہ زبان سے کہہ دو کہ میں نے اپنی طلاق سے رجوع کر لیا اور اس پر دو گواہ بھی بنالو۔

اور اگر اب بھی یہی رائے قائم ہو کہ نکاح ختم کرنا ہے تو پھر اسکو خوبصورتی کے ساتھ آزاد کر دو۔ یعنی عدت ختم ہو جانے دو عدت پوری ہوتے ہی وہ آزاد خود مختار ہو جائے گی۔

چھٹا حکم اختتام عدت کے وقت بیوی کو روکنا اور نکاح میں رکھنا طے ہو یا آزاد کر دینا، وہ نہیں قرآن کریم نے معروف کی قید لگا دی ہے۔ معروف کے لفظی معنی پہچانا ہوا طریقہ اور مراد اس سے یہ ہے کہ جو طریقہ شریعت و سنت سے ثابت اور اسلام اور مسلمانوں میں عام طور پر معروف ہے وہ اختیار کر دہ ہے کہ اگر نکاح میں رکھنا اور رجعت کرنا طے کر دو تو آگے اس کو زبانی یا علی ایذار نہ پہنچاؤ اور اُس پر احسان جلاؤ اور اس کی جو عملی یا اخلاقی کمزوری طلاق کا سبب بن رہی تھی آگے خود بھی اُس پر صبر کر نہ کیا عزم کر لو تاکہ پھر وہ تلخی پیدا نہ ہو، اور اگر آزاد کرنا طے ہو تو اس میں معروف و مسنون طریقہ یہ ہے کہ اس کو ذلیل و خوار کر کے یا بڑبھلا کہہ کر گھر سے نہ نکالو بلکہ حسن اخلاق کے ساتھ رخصت کر دو۔ اور جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیات سے ثابت ہے چلتے وقت اس کو کوئی جوڑا کپڑے کا دیکر رخصت کرنا کم از کم مستحب ضرور ہے، بعض صورتوں میں واجب بھی ہے جس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

ساتواں حکم آیت مذکورہ میں روکنے یا آزاد کرنے کے دو اختیار دینے سے نیز اس سے پہلی آیت میں لَعَلَّ اللّٰهُ يَجْعَلَ لَكُمْ مِنْكُمْ ذَلِكُمْ اَمْرًا سے ضمنی طور پر یہ مستفاد ہوا کہ منشاء ربانی یہ ہے کہ طلاق دینے کی مجبوری ہی پیش آجائے تو طلاق ایسی دی جائے جس میں رجعت کرنے کا حق باقی رہے جس کی مسنون صورت یہ ہے کہ صاف لفظوں میں صرف ایک طلاق دیدے اور اُس کے ساتھ اظہار غیظ و غضب کے لئے ایسا کوئی لفظ نہ بولے جو رشتہ نکاح کو بالکل منقطع کر دینے پر دلالت کرتا ہو مثلاً کہہ دے کہ میرے گھر سے بھل جاؤ۔ یا کہہ دے تمہیں بہت سخت طلاق دیتا ہوں یا کہہ دے کہ اب میرا تم سے کوئی تعلق نکاح کا باقی نہیں ایسے الفاظ اگر طلاق صریح کے ساتھ بھی کہہ دیے جا دیں یا خود یہی الفاظ بہ نیت طلاق کہہ دیے جا دیں تو اس سے رجعت کا حق باطل ہو جاتا ہے۔ یہ اصطلاح شرع میں طلاق بائن ہو جاتی ہے جس سے نکاح فوراً ٹوٹ جاتا، اور رجعت کا حق باقی نہیں رہتا۔ اور اس سے زیادہ شدید ہے کہ طلاق کو تین کے عدد تک پہنچا دے کہ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ شوہر کا صرف حق رجعت ہی سلب نہیں ہو جائے گا بلکہ آئندہ اگر مرد و عورت دونوں راضی ہو کر باہم نکاح بھی کرنا چاہیں تو نکاح جدید بھی نہ ہو سکے گا جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت میں ہے فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهَا مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ ذَوْجًا غَيْرًا

تین طلاق بیک وقت دینا حرام ہے | آجکل دین سے بے پرواہی اس کے احکام سے غفلت بڑی طرح عام مگر کسی نے ایسا کیا تو تینوں طلاق واقع ہو جاتی ہے جاہلوں کا تو کہنا کیا ہے لکھے پڑھے عرائض نویس ہو جائیں گی اسپر اُمت کا اجماع ہے | بھی تین طلاق سے کم کو گویا طلاق ہی نہیں سمجھتے اور رات دن اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ تین طلاقیں دینے والے بعد میں پچھتاتے ہیں اور اس فکر میں رہتے ہیں کہ کسی طرح بیوی ہاتھ سے نہ جائے۔ حدیث صحیح میں تین طلاق بیک وقت دینے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت غضبناک ہونا امام نسائی نے بروایت محمود بن لبید رحمہ نقل کیا ہے اسی لئے بیک وقت

تین طلاق دینا باجماع اُمت حرام و ناجائز ہے۔ اور اگر کوئی شخص تین طہر میں الگ الگ تین طلاقوں تک پہنچ جائے تو اسکے ناپسندیدہ ہونے پر بھی اُمت کا اجماع اور خود قرآن کی آیات کے اشارہ سے ثابت ہو صرف اس میں اختلاف ہے کہ یہ صورت بھی حرام و ناجائز اور طلاق بدعی میں داخل ہے یا ایسا نہیں، امام مالکؒ کے نزدیک حرام ہے امام اعظم ابو حنیفہ و شافعی حرام تو نہیں کہتے یعنی اس صورت کو طلاق بدعی میں شمار نہیں کرتے بلکہ طلاق سنت میں داخل سمجھتے ہیں مگر ناپسندیدہ فعل ان کے نزدیک بھی ہے تفصیل اسکی سورہ بقرہ کی تفسیر معارف القرآن جلد اول ص ۵۵ میں مذکور ہے۔

مگر جس طرح تین طلاق بیک وقت دینے کے حرام ہونے پر پوری اُمت کا اجماع ہے اسی طرح اسپر بھی اجماع ہے کہ حرام ہونے کے باوجود کوئی شخص ایسا کر گزرے تو تینوں طلاق واقع ہو کر آئندہ آپس میں نکاح جدید بھی حلال نہیں ہوگا۔ پوری اُمت میں کچھ اہل حدیث اور اہل تشیع کے سوا تمام مذاہب اربعہ اسپر متفق ہیں کہ تین طلاق بیک وقت بھی دیدی گئیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی کیونکہ کسی فعل کے حرام ہونے سے اُس کے آثار کا وقوع متاثر نہیں ہو کرتا جیسے کوئی کسی کو بے گناہ قتل کرے تو یہ فعل حرام ہونے کے باوجود مقتول تو بہر حال مر ہی جائیگا۔ اسی طرح تین طلاق بیک وقت حرام ہونے کے باوجود تینوں کا وقوع لازمی امر ہے۔ اور صرف مذاہب اربعہ کا ہی نہیں بلکہ اسپر صحابہ کرام کا بھی اجماع حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں منقول و معروف ہے اسکا بھی مکمل بیان معارف القرآن جلد اول ص ۵۵ تا ص ۵۶ میں تفصیل کے ساتھ آچکا ہے اس کو دیکھ لیا جاوے۔

وَأَشْهِدُوا ذَوَىٰ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ یعنی گواہ بناؤ اپنے مسلمانوں میں سے دو معتبر آدمیوں کو اور قائم کرو شہادت کو ٹھیک ٹھیک۔

آٹھواں حکم اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اختتام عدت کے وقت خواہ رجعت کر کے بیوی کو رد کرنا طے کیا جائے یا عدت پوری کر کے آزاد کرنا طے کیا جائے دونوں صورتوں میں اپنے اس فعل رجعت یا ترک رجعت پر دو معتبر گواہ بناو۔ یہ حکم اکثرائمہ کے نزدیک استحبائی ہے رجعت اس پر موقوف نہیں۔ اور گواہ بنانے کی حکمت رجعت کرنے کی صورت میں تو یہ ہے کہ کہیں کل کو عورت رجعت سے انکار کر کے اسکے نکاح سے بخل جانے کا دعوائے نہ کرنے لگے اور ترک رجعت اور انقطاع نکاح کی صورت میں اسلئے کہ کل کو خود اپنا نفس ہی کہیں شرارت یا بیوی کی محبت سے مغلوب ہو کر یہ دعویٰ نہ کرنے لگے کہ عدت گزرنے سے پہلے رجعت کر لی تھی۔ ان دو گواہوں کے لئے ذَوَىٰ عَدْلٍ فرما کر بتلادیا کہ شرعی اور اصطلاحی معنی میں عدل یعنی ثقہ و معتبر ہونا گواہوں کا ضروری ہے ورنہ ان کی شہادت پر قاضی کوئی فیصلہ نہیں دیگا۔ اور اَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ میں عام مسلمانوں کو خطاب ہے کہ اگر تم کسی ایسے واقعہ رجعت یا انقطاع نکاح کے گواہ ہو اور قاضی کی عدالت میں گواہی دینے کی نوبت آوے تو کسی رو رعایت یا مخالفت و عداوت کی وجہ سے سچی گواہی دینے میں

ذرا بھی فرق نہ کرو۔

ذَلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، یعنی اس مذکورہ مضمون سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو ایمان رکھتا ہو اللہ پر اور آخری دن یعنی قیامت پر۔ اس میں آخرت کا خصوصیت سے ذکر اس لئے کیا گیا کہ زوجین کے باہمی حقوق کی ادائیگی بغیر تقویٰ اور فکر آخرت کے کسی سے نہیں کرائی جاسکتی۔

ہرم و سزا کے قوانین میں قرآن حکیم کا دنیا کی حکومتوں میں قواعد و قوانین کی تدوین اور جرائم کی سزا و تعزیر عجیب و غریب حکیمانہ اور مرتبہ اصول کا پُرانا دستور ہے ہر قوم و ملک میں قوانین اور تعزیرات کی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن کریم بھی اللہ کے قانون کی کتاب ہے مگر اس کا طرز تمام دنیا کی کتب قوانین سے نرالا اور عجیب ہے کہ ہر قانون کے آگے پیچھے خوفِ خدا اور فکر آخرت کو سامنے کر دیا جاتا ہے۔

تاکہ ہر انسان قانون کی پابندی کسی پولیس اور نگراں کے خوف سے نہیں بلکہ اللہ کے خوف سے کرے کوئی دیکھے یا نہ دیکھے، خلوت ہو یا جلوت ہر صورت میں پابندی قانون کو ضروری سمجھے۔ صرف یہی سبب ہے کہ قرآن پر صحیح ایمان رکھنے والوں میں کسی سخت سے سخت قانون کی تنفیذ بھی زیادہ دشوار نہیں ہوتی اس کے لئے اسلامی حکومت کو پولیس اور اس پر اسپیشل پولیس اور اسپرٹیفیڈ پولیس کا جال پھیلانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

قرآن کریم کا یہ مرتبہ اصول تمام ہی قوانین میں عام ہے۔ خصوصیت سے میاں بیوی کے تعلقات اور باہمی حقوق کے قوانین میں اس کا سب سے زیادہ اہتمام کیا گیا ہے کیونکہ یہ تعلقات ہی ایسے ہیں کہ ان میں نہ ہر کام پر کوئی شہادت مہیا ہو سکتی ہے نہ عدالتی تحقیق زوجین کے حقوق باہمی کی کمی کو تاہی کا صحیح اندازہ

لگا سکتی ہے ان کا تمام تر مدار خود زوجین ہی کے قلوب اور ان کے اعمال و افعال پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نکاح کے خطبہ مسنونہ میں قرآن کریم کی جو تین آیتیں پڑھنا سنت سے ثابت ہے یہ تینوں آیتیں تقویٰ کے حکم سے شروع اور اسی پر ختم ہوتی ہیں جن میں یہ اشارہ ہے کہ نکاح کرنے والوں کو ابھی سے یہ سمجھ لینا ہے کہ کوئی دیکھے یا نہ دیکھے مگر حق تعالیٰ ہمارے کھلے اور چھپے سب اعمال سے بلکہ دلوں کے پوشیدہ خیالات تک سے واقف ہے

ہم نے آپس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی برتی، ایک سے دوسرے کو تکلیف پہنچی تو عالم السرائر کے سامنے جوابدہی کرنا ہوگی، اسی طرح سورہ طلاق میں جبکہ طلاق کے چند احکام بیان فرمائے گئے تو پہلے ہی حکم کے بعد وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ فرما کر تقویٰ کی ہدایت فرمائی پھر چار احکام کا ذکر کرنے کے بعد یہ وعظ و نصیحت کی کہ جو شخص

ان کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ کسی اور پر نہیں بلکہ اپنی ذات ہی پر ظلم کرتا ہے اس کا وبال اسی کو تباہ کر دینگا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ پھر اور چار ضمنی احکام و قوانین ذکر کرنے کے بعد دوبارہ اس ہدایت کو دہرایا گیا ذَلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، آگے ایک آیت میں تقویٰ کے فضائل

اور اس کی دینی و دنیوی برکات کا بیان فرمایا پھر اسی آیت کے آخر میں اللہ پر توکل اور بھروسہ رکھنے کی برکات ارشاد فرمائی گئیں اسکے بعد پھر چند احکام عدت کے بیان فرمائے اور اسکے بعد پھر دو آیتوں

میں تقویٰ کے مزید برکات و ثمرات کا بیان آیا اور اسکے بعد پھر کچھ نکاح و طلاق کے متعلقات بیوی کے نفقہ اور اولاد کے دودھ پلانے وغیرہ کے احکام بتلائے گئے۔ طلاق و عدت اور عورتوں کے نفقہ اور دودھ پلانے وغیرہ کے احکام میں بار بار کہیں ذکر آخرت کہیں تقویٰ کی فضیلت و برکت اور کہیں توکل کے برکات اور کچھ احکام بیان کر کے پھر تقویٰ کے مکرر سکھانے و فضائل کا بیان بظاہر بے جوڑ معلوم ہوتا ہے مگر قرآن کریم کے اس مرتبہ ان اصول کی حکمت سمجھ لینے کے بعد اسکا جوڑ اور گہرا ربط بھی واضح ہو گیا۔ اب آیات مذکورہ کی تفسیر و تشریح دیکھئے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ، یعنی جو شخص اللہ سے ڈریگا تو اللہ تعالیٰ اسکے لئے ہر مشکل و مصیبت سے نجات کا راستہ نکال دیں گے اور اسکو بے گمان رزق عطا فرما دیں گے لفظ تقویٰ کے صلی اور تقویٰ معنی بچنے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں گناہوں سے بچنے کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت و نسبت ہوتی ہے تو ترجمہ اللہ سے ڈرنے کا کر دیا جاتا ہے اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی نافرمانی اور معصیت سے بچے اور ڈرے۔

اس آیت میں تقویٰ کی دو برکتیں بیان فرمائی ہیں۔ اول یہ کہ تقویٰ اختیار کرنے والے کیلئے اللہ تعالیٰ بچنے کا راستہ نکال دیتے ہیں۔ کس چیز سے بچنا، اسمیں صحیح بات یہ ہے کہ یہ عام ہے دنیا کی سب مشکلات و مصائب کے لئے بھی اور آخرت کی سب مشکلات و مصائب کے لئے بھی اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ متقی یعنی گناہوں سے بچنے والے آدمی کے لئے دنیا و آخرت کی ہر مشکل و مصیبت سے نجات کا راستہ نکال دیتے ہیں، اور دوسری برکت یہ ہے کہ اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتے ہیں جہاں کا اسکو خیال و گمان بھی نہیں ہوتا۔ صحیح بات یہی ہے کہ رزق سے بھی اس جگہ مراد ہر ضرورت کی چیز ہے خواہ دنیا کی ہو یا آخرت کی، مومن متقی کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ اس آیت میں یہ ہے کہ اس کی ہر مشکل کو بھی آسان کر دیتا ہے اور اس کی ضروریات کا بھی تکفل کرتا ہے اور ایسے راستوں سے اسکی ضروریات مہیا کر دیتا ہے جسکا اس کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا (کذا فی الروح)

مناسبت مقام کی وجہ سے بعض حضرات مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہ فرمایا ہے کہ طلاق دینے والے شوہر اور مطلقہ بیوی دونوں یا ان میں جو بھی تقویٰ اختیار کرنے والا ہو گا اللہ تعالیٰ اسکو طلاق اور انقطاع نکاح کے بعد پیش آنے والی ہر مشکل و تکلیف سے نجات عطا فرمائیں گے اور مرد کو اسکے مناسب بیوی اور عورت کو اسکے مناسب شوہر عطا فرمائیں گے اور ظاہر ہے کہ آیت کا اصل مفہوم جو تمام مشکلات اور ہر قسم رزق کے لئے عام اور شامل ہے اس میں زوجین کی یہ مشکلات و ضروریات بھی شامل ہیں (کذا فی روح المعانی)

آیت مذکورہ کا شان نزول | حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے لڑکے سالم کو دشمن گرفتار

کمر کے لئے گئے، اس کی ماں سخت پریشان ہے مجھے کیا کرنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو اور لڑکے کی والدہ کو حکم دیتا ہوں کہ تم کثرت کے ساتھ لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا کر دو۔ ان دونوں نے حکم کی تعمیل کی، کثرت سے یہ کلمہ پڑھنے لگے اسکا یہ اثر ہوا کہ جن دشمنوں نے لڑکے کو قید کر رکھا تھا وہ کسی روز ذرا غافل ہوئے لڑکا کسی طرح اُن کی قید سے بچل گیا اور اُن کی کچھ بکریاں ہنکار ساتھ لیکر اپنے والد کے پاس پہنچ گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ اُن کا ایک اونٹ ان کو مل گیا اس پر سوار ہوئے اور دوسرے اونٹوں کو ساتھ لگایا سب کو لیکر والد کے پاس پہنچ گئے، اُن کے والد یہ خبر لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ یہ سوال بھی کیا کہ یہ اونٹ بکریاں جو میرا لڑکا ساتھ لے آیا ہے یہ ہمارے لئے جائز و حلال ہیں یا نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَمَنْ يَتَّبِعِ اللَّهَ الْآيَةَ -

اور بعض روایات میں ہے کہ عوف بن مالک شجعی اور ان کی بیوی کو جب لڑکے کی مفارقت نے زیادہ بے چین کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا، اور اس میں کچھ بعد نہیں کہ تقویٰ کا بھی حکم دیا ہوا اور بکثرت لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنے کا بھی (یہ سب روایات روح المعانی میں ابن مردودہ سے من طریق الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس رضی نقل کی گئی ہیں) اس شان نزول سے بھی یہ معلوم ہوا کہ اگرچہ اس مقام پر یہ آیت طلاق سے تعلق رکھنے والے مرد و عورت کے متعلق آئی ہے مگر مفہوم اسکا عام ہے سب کے لئے شامل ہے۔

مسئلہ۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کوئی مسلمان کفار کی قید میں میں آجائے اور وہ ان کا کچھ مال لیکر واپس آجائے تو یہ مال بحکم مال غنیمت حلال ہے اور مال غنیمت کے عام قاعدہ کے مطابق اس کا پانچواں حصہ بیت المال کو دینا بھی اس کے ذمہ نہیں جیسا کہ واقعہ حدیث میں اس مال میں سے خمس نہیں لیا گیا۔ حضرت فقہار نے فرمایا کہ کوئی مسلمان چھپ کر بغیر امان و اجازت لئے ہوئے دار الحرب میں چلا جائے اور وہاں سے کفار کا کچھ مال چھین کر یا کسی طرح لے آئے اور دارالاسلام میں پہنچ جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ لیکن جو شخص کفار سے امان اور اجازت لیکر اُن کے ملک میں جائے جیسا آجکل وزیر الینے کا دستور ہے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ ان کا کوئی مال بغیر اُن کی رضامندی کے لے آئے۔ اسی طرح جو شخص قید ہو کر اُن کے ملک میں چلا جائے پھر کفار میں سے کوئی آدمی اس کے پاس کوئی امانت رکھ دے تو اس امانت کا لے آنا بھی حلال نہیں، پہلی صورت میں تو اس لئے کہ امان لے کر جانے سے ایک معاہدہ اُن کے درمیان ہو گیا اب بغیر ان کی رضامندی کے اُن کے جان و مال میں کوئی تصرف کرنا عہد شکنی میں داخل ہے اور دوسری صورت میں بھی امانت رکھنے والے سے عملی معاہدہ ہوتا ہے کہ جب وہ مانگے گا امانت اس کو دیدی جائے گی، اب امانت واپس نہ کرنا

بدعہدی اور عہد شکنی ہے جو شرعاً حرام ہے (منظہری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت سے پہلے بہت سے کفار اپنی امانتیں رکھ دیتے تھے۔ ہجرت کے وقت آپ کے قبضہ میں ایسی کچھ امانتیں تھیں ان کو آپ اپنے ساتھ نہیں لائے بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اسی کام کے لئے اپنے پیچھے چھوڑا کہ وہ جس جس کی امانت ہے اس کو سپرد کر دیں۔

مصابب سے نجات اور | حدیث مذکور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عوف بن مالک کو مصیبت مقاصد کے حصول کا مجرب نسخہ سے نجات اور حصول مقصد کے لئے یہ تلقین فرمائی کہ کثرت کیساتھ لا حول

ولا قوۃ الا باللہ پڑھا کریں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ نے فرمایا کہ دینی اور دنیاوی ہر قسم کے مصائب اور مضرتوں سے بچنے اور منافع و مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اس کلمہ کی کثرت بہت مجرب عمل ہے اور اس کثرت کی مقدار حضرت مجدد رحمہ نے یہ بتلای ہے کہ روزانہ پانسو مرتبہ یہ کلمہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا کرے اور سو سو مرتبہ درود شریف اس کے اول و آخر میں پڑھ کر اپنے مقصد کے لئے دعا کیا کرے (تفسیر منظہری) اور امام احمد رحمہ اور حاکم بیہقی، ابونعیم وغیرہ نے حضرت ابوذر رحمہ سے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کی اسناد کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز اس آیت وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا الْآیۃ کی تلاوت بار بار فرماتے رہے یہاں تک کہ مجھے نیند آنے لگی پھر فرمایا کہ اے ابوذر اگر سب آدمی صرف اس آیت کو اختیار کر لیں تو سب کے لئے کافی ہے (روح المعانی) کافی ہونے کی مراد ظاہر ہے کہ تمام دینی اور دنیوی مقاصد میں کامیابی کے لئے کافی ہے۔

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ اِنَّ اللَّهَ يَالِغُ اَمْرِہٖۤ اَقْرَبُۢ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَیْءٍ مِّرَآةً
یعنی جو شخص اللہ پر توکل اور بھروسہ کرے جیسا کہ اللہ اس کی مہمت کے لئے کافی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے کام کو جس طرح چاہے پورا کر کے ہوتا ہے اُس نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے اسی کے مطابق سب کام ہوتے ہیں۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عمر بن خطاب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
لو انکم توکلتم علی اللہ حق توکلکم لرسولکم
اگر تم اللہ پر توکل کرتے جیسا کہ اس کا حق ہے تو بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں
کما بوزق الطیر تغدوا و اخصا صا و تروح بطاناً
اس طرح رزق دیتا جیسا پرندے جانوروں کو دیتا ہے کہ صبح کو اپنے گھونسلوں سے بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے ہوئے واپس ہوتے ہیں

اور صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رحمہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت میں سے ستر ہزار آدمی بے حساب جنت میں داخل ہوں گے، ان کے اوصاف میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ اللہ پر توکل کرنے والے ہوں گے (منظہری)

توکل کے معنی یہ نہیں کہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے اسباب آلات کو چھوڑ دے بلکہ مراد یہ ہے کہ اسباب اختیار کر کے ضرورت اختیار کرے مگر بھروسہ اسباب پر کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ پر کرے کہ جب تک اُس کی مشیت و

ارادہ نہ ہو جائے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ مذکورہ آیت میں تقویٰ اور توکل کے فضائل و برکات بیان کرنے کے بعد مزید چند احکام طلاق و عدت کے بیان فرمائے ہیں، وَالَّتِي يَدِينُ مِنَ الْمَحِيضِ مِنَ نِسَاءِكُمْ اِنْ اُرْتَبَتْ قَعْدًا ثُمَّ تَلَدَتْ اَشْهُرًا وَالَّتِي لَمْ يَحْضَنْ وَاُولَاتِ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ، اس آیت میں مطلقہ عورتوں کی عدت کی مزید تفصیل ہے جس میں تین قسم کی عورتوں کی عدت کا عام قاعدہ عدت سے جداگانہ حکم مذکور ہے۔

عدت طلاق کے متعلق نوان حکم | عدت طلاق عام حالات میں تین حیض پورے ہیں جس کا بیان سورہ بقرہ میں ہو چکا ہے لیکن وہ عورتیں جن کو عمر کی زیادتی یا کسی بیماری وغیرہ کے سبب حیض آنا بند ہو چکا ہو اسی طرح وہ عورتیں جن کو کم عمری کے سبب ابھی تک حیض آنا شروع نہ ہوا ہو ان کی عدت آیت مذکورہ میں تین حیض کے بجائے تین مہینے مقرر فرمادی اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل قرار دی ہے خواہ وہ کتنے ہی دنوں میں ہو۔

اِنْ اُرْتَبْتُمْ، یعنی اگر تمہیں شک ہو، مراد شک سے یہ ہے کہ اصل عدت حیض سے شمار ہوتی ہو اور ان عورتوں کا حیض تو بند ہے تو پھر عدت کی شمار کیسے ہوگی یہ تردد مراد ہے۔

آگے پھر تقویٰ کی فضیلت و برکت کا بیان ہے وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَّهُ مِنْ اَمْرِهُ يُسْرًا یعنی جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے کام میں آسانی کر دیتا ہے یعنی دنیا و آخرت کے کام اس کیلئے آسان ہو جاتے ہیں اس کے بعد پھر طلاق و عدت کے احکام مذکورہ کی پابندی کی تاکید ہے ذَلِكْ اَمْرُ اللَّهِ اَنزَلْنَاهُ اِلَيْكُمْ (یہ حکم ہے اللہ کا جو تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس کے بعد پھر تقویٰ کی ایک اور فضیلت کا بیان ہے وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَكْفِرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا، یعنی جو شخص اللہ سے ڈرے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کے گناہوں کا کفارہ کر دیں گے اور اس کا اجر بڑھا دیں گے۔

تقویٰ کی پانچ برکات | آیات مذکورہ میں جو تقویٰ کے فضائل و برکات کا بیان آیا اس کا خلاصہ پانچ چیزیں ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ متقی کے لئے دنیا و آخرت کے مصائب و مشکلات سے نجات کا راستہ نکال دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اُس کے لئے رزق کے ایسے دروازے کھول دیتے ہیں جن کی طرف اس کا دھیان بھی نہیں جاتا، تیسرے یہ کہ اُس کے سب کاموں میں آسانی پیدا فرما دیتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ اسکے گناہوں کا کفارہ کر دیتے ہیں۔ پانچویں یہ کہ اس کا اجر بڑھا دیتے ہیں اور ایک دوسری جگہ تقویٰ کی یہ برکت بھی بتلائی گئی ہے کہ اس کی وجہ سے اس کو حق و باطل کی پہچان آسان ہو جاتی ہے اِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا کا یہی مطلب ہے۔ آگے پھر مطلقہ عورتوں کی عدت اور ان کے نفقہ کا بیان اور عام عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید ہے اَسْكُنُوا هُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وَجْدِكُمْ وَلَا تَضَارُّوهُنَّ لِيُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ اس آیت کا تعلق اُس پہلے حکم سے ہے جو اوپر آچکا ہے کہ مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو۔ اس آیت میں اس کا

ایجابی پہلو ذکر کیا گیا کہ اُن کو عدت پوری ہونے تک اپنی وسعت و قدرت کی مطابق رہنے کا مکان دو جہاں تم خود رہتے ہو اسی مکان کے کسی حصہ میں رکھو۔ اگر مطلقہ بطلاق رجعی ہے جب تو باہم کسی پردہ کی بھی ضرورت نہیں، ہاں اگر طلاق بائن دی ہے یا تین طلاق دیدی ہیں تو اب رشتہ نکاح ٹوٹ چکا ہے اسکو سابق شوہر سے پردہ کرنا چاہیے اس لئے پردہ کیساتھ اسی مکان میں رہنے کا انتظام کیا جائے۔

دسواں حکم مطلقہ عورتوں کو **لَا تَضْرِبُوا عَلَیْہِمْ حَتّٰی یَضَعُوْا عَلَیْہِمْ** اسکا مطلب یہ ہے کہ ایام عدت میں جبکہ مطلقہ عورت ایام عدت میں پریشان نہ کر دے تمھارے ساتھ رہے تو طعن تشنیع کر کے یا اس کی ضروریات میں تنگی کر کے اس کو پریشان نہ کر دے کہ وہ نکلنے پر مجبور ہو جائے۔

وَ اِنْ کُنَّ اُولٰٓئِکَ حَمِلًا یعنی اگر مطلقہ عورتیں حمل والیاں ہوں تو اُن پر اسوقت تک خرچ کرتے رہو جب تک کہ ان کا حمل پیدا نہ ہو جائے۔

گیارہواں حکم **مطلقات کا نفقہ عدت** | اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ مطلقہ عورتیں اگر حاملہ ہوں تو اُن کا نفقہ اسوقت تک شوہر پر لازم ہے جب تک کہ حمل پیدا ہو..... اسی لئے مطلقہ حاملہ کے متعلق پوری اُمت کا اجماع ہے کہ اسکا نفقہ اس کی عدت جو وضع حمل ہے پوری ہونے تک شوہر پر واجب ہے۔ باقی جو مطلقہ حاملہ نہیں اگر اس کو طلاق رجعی دی گئی ہے تو اسکا نفقہ عدت بھی شوہر پر باجماع اُمت واجب ہے باقی وہ مطلقہ جس کو طلاق بائن یا تین طلاق دی گئی ہیں یا جس نے خلع وغیرہ کے ذریعہ اپنا نکاح فسخ کرایا ہو اسکے متعلق امام شافعیؒ، احمدؒ اور بعض دوسرے ائمہ کا قول یہ ہے کہ اُن کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اسکا نفقہ بھی شوہر پر لازم ہے اُن کے نزدیک جس طرح حق سکنی تمام مطلقات کے لئے واجب ہے اسی طرح نفقہ بھی ہر قسم کی مطلقات کے لئے واجب ہے اور دلیل یہی آیت ہے جس میں عام مطلقات کے لئے حق سکنی دینے کو لازم کیا گیا ہے یعنی **اَسْکِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ** **مِنْ وُجْدِکُمْ** کیونکہ اسی آیت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی کی قرارت یہ ہے **اَسْکِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ وَ اَنْفَقُوْا عَلَیْہِمْ مِنْ وُجْدِکُمْ** اور ایک قرارت دوسری قرارت کے لئے مفسر ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ کی مشہور قرارت جس میں لفظ **انفقوا** مذکور نہیں اس میں بھی یہ لفظ محذوف ہے اور اس نے جس طرح تمام مطلقات کا حق سکنی شوہروں پر لازم کیا ہے اسی طرح حق نفقہ بھی ایام عدت تک واجب کر دیا ہے اور اس کی تائید حضرت فاروق اعظمؓ اور دوسرے متعدد صحابہ کرام کے اس قول سے ہوتی کہ انھوں نے فاطمہ بنت قیسؓ کی جن کو اُن کے شوہر نے تین طلاق دیدی تھی اُن کی اس روایت کو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نفقہ ان کے شوہر پر لازم نہیں کیا یہ کہہ کر رد فرمایا کہ ہم انکی اس روایت کی بنا پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو نہیں چھوڑ سکتے جس میں تمام مطلقات کا نفقہ عدت شوہروں پر واجب کیا گیا ہے (رواہ مسلم)

اس میں کتاب اللہ کے حوالہ سے بظاہر یہی آیت مراد ہے اور فاروق اعظم کے نزدیک مفہوم آیت میں نفقہ بھی داخل ہے اور سنت سے مراد وہ حدیث ہے جو خود عمر بن خطابؓ سے طحاوی، دارقطنی اور طبرانی نے روایت کی ہے عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپؐ نے مطلقہ تلتا کے لئے بھی نفقہ اور سکنی واجب کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حمل والی عورتوں کا نفقہ عدت تو صراحۃً اس آیت نے واجب قرار دیا ہے اسی لئے اُس پر اجماع اُمت ہے۔ اسی طرح مطلقہ رجعیہ کا چونکہ ابھی تک نکاح ٹوٹا نہیں ہے اسکا نفقہ بھی باتفاق واجب ہے مطلقہ بائنہ یا ثلثہ وغیرہ کے معاملہ میں فقہار اُمت کا اختلاف ہے امام اعظم رحمہ کے نزدیک اسکا بھی نفقہ واجب ہے اس کی مکمل تفصیل اسی آیت کی تفسیر میں تفسیر مظہری میں دیکھی جاسکتی ہے۔

وَإِنْ أَرْضَعْنَكُمْ فَاتُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ، یعنی مطلقہ عورتیں اگر حاملہ ہوں اور پھر حمل سے بچہ پیدا ہو گیا تو اُن کی عدت تو وضع حمل کی وجہ سے پوری ہو گئی اس لئے ان کا نفقہ تو شوہر پر لازم نہیں رہا مگر جو بچہ پیدا ہوا ہے اگر یہ مطلقہ ماں اس کو دودھ پلائے تو دودھ پلانیکا معاوضہ لینا اور دینا جائز ہے۔

بَارَهُوَ أَنْ تُحْكَمَ، رضاعت یعنی بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت۔ جب تک عورت شوہر کے نکاح میں ہے اُس وقت تک بچوں کو دودھ پلانا خود ماں کے ذمہ بحکم قرآن واجب ہے وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ اور جو کام کسی کے ذمہ خود واجب ہو اُس پر معاوضہ لینا رشوت کے حکم میں ہے جسکا لینا بھی ناجائز ہے اور دینا بھی۔ اور آیام عدت بھی اس معاملے میں بحکم نکاح ہیں کیونکہ عورت کا نفقہ جس طرح بحالت نکاح شوہر پر لازم ہے عدت میں بھی واجب ہے، البتہ جب وضع حمل کے ذریعہ عدت ختم ہو گئی اور عورت آزاد ہو گئی اسکا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں رہا، اب اگر یہ اس بچے کو دودھ پلائے تو آیت مذکورہ نے اسکا معاوضہ لینے اور دینے کو جائز قرار دے دیا۔

تَبَرَهُوَ أَنْ تُحْكَمَ وَاتَّبَعُوا بِكُمْ بِمَعْرُوفٍ، اِتِّمَام کے لفظی معنی باہم مشورہ اور ایک دوسرے کی بات قبول کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دودھ پلانے کی اجرت میں زوجین کو اسکی ہدایت دی گئی ہے کہ باہمی نزاع کی نوبت نہ آنے دیں۔ مطلقہ بیوی عام اجرت سے زیادہ نہ مانگے، شوہر عام اجرت کے مطابق دینے سے انکار نہ کرے ایک دوسرے کیساتھ رواداری کا معاملہ کریں۔

چَوْدَهُوَ أَنْ تُحْكَمَ وَإِنْ تَعَاَسَرْتُمْ فَمَنْ رَضِيَ لَهَا، اخروی، یعنی اگر دودھ پلانے کا معاملہ باہمی مشورہ سے طے نہ ہو پائے یا مطلقہ عورت اگر اپنے بچہ کو معاوضہ لیکر بھی دودھ پلانے سے انکار کر دے تو اُس کو قضا ر مجبور نہیں کیا جائیگا بلکہ یہ سمجھا جائے گا کہ ماں کی شفقت بچے پر سب سے زیادہ ہونیکے باوجود جب انکار کر رہی ہے تو کوئی واقعی عذر ہوگا لیکن اگر فی الواقع اس کو عذر نہیں محض غصہ ناراضی کی وجہ سے انکار کرتی ہے تو عند اللہ وہ گنہگار ہوگی مگر قاضی کی عدالت اسکو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کرے گی۔

اسی طرح اگر شوہر کو دودھ پلانے کی اجرت دینے کی وجہ افلاس کے قدرت نہیں اور کوئی دوسری عورت بلا معاوضہ یا اس معاوضہ سے کم پر دودھ پلانے کو تیار ہو جو معاوضہ مطلقہ ماں مانگتی ہے تو شوہر کو مجبور نہیں کیا جائیگا کہ وہ ماں کا مطالبہ منظور کر کے اسی سے دودھ پلوائے بلکہ دونوں صورتوں میں دوسری عورت سے اس کو دودھ پلوایا جاسکتا ہے۔ ہاں اگر دوسری دودھ پلانے والی عورت بھی اتنا ہی معاوضہ طلب کرے جتنا ماں کر رہی ہے تو شوہر کے لئے باتفاق فقہاء جائز نہیں کہ ماں کو چھوڑ کر دوسری عورت سے اسی معاوضہ پر دودھ پلوائے۔

مسئلہ۔ اگر دوسری عورت سے دودھ پلوانا طے ہو جائے تو یہ ضروری ہے کہ دودھ پلانے والی عورت اس کی ماں کے پاس رکھ کر دودھ پلائے۔ ماں سے الگ کر کے دودھ پلوانا جائز نہیں کیونکہ حضانت یعنی تربیت اور اپنی نگرانی میں رکھنا از روئے احادیث صحیحہ ماں کا حق ہے اس سے یہ حق سلب کرنا جائز نہیں (تفسیر مظہری)

پندار ہوائی حکم، بیوی کے نفقہ کی مقدار میں شوہر کی حالت کا اعتبار ہوگا قُلْ لِّیْفَقْ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قَدَّرَ عَلَیْهِ رِزْقًا فَلِّیْفَقْ مِمَّا آتٰهُ اللّٰهُ، یعنی فرج کرے وسعت والا آدمی اپنی وسعت کے مطابق اور جس شخص پر رزق تنگ ہو وہ اپنی آمدنی کے مطابق فرج کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیوی کے نفقہ میں بیوی کی حالت کا اعتبار نہیں کیا جائیگا بلکہ شوہر کی حالت کے مطابق نفقہ دینا واجب ہوگا۔ اگر شوہر مالدار ہے تو امیرانہ نفقہ دینا واجب ہے اگرچہ بیوی مالدار نہ ہو بلکہ تنگ دست فقیر ہو، اور اگر شوہر غریب ہے تو غریبانہ نفقہ اس کے مقدور کے مطابق واجب ہوگا اگرچہ بیوی مالدار ہو۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ کا یہی مذہب ہے۔ بعض دوسرے فقہاء کے اقوال اس کے خلاف بھی ہیں (تفسیر مظہری)

لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَا آتٰہَا سَیَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ یُسْرًا، یہ اُسی سابقہ جملہ کی مزید تشریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اسکی وسعت و قدرت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتا اس لئے تا دار متفلس شوہر پر یہی حیثیت کا نفقہ واجب ہوگا جو حیثیت اس کی اس وقت ہے۔ آگے بیوی کو غریبانہ نفقہ پر قناعت اور اس پر صبر کی تلقین کے لئے فرمایا سَیَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ یُسْرًا، یعنی کسی کو یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ موجودہ حالت میں تنگی ہے تو یہ تنگی ہمیشہ رہے گی بلکہ تنگی اور فراخی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ تنگی کے بعد فراخی بھی دے سکتا ہے۔

فائدہ | اس آیت میں ایسے شوہروں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراخی ملنے کی طرف اشارہ ہے جو مقدور بھرنفقات واجبہ پورا کر سکی کوشش میں رہیں۔ بیوی کو تنگ رکھنے کی عادت نہ ہو۔ (روح المعانی) واللہ اعلم

وَكَآیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ عَدَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّہَا وَرُسُلِہَا فَحَاسِبُنَّہَا حِسَابًا شَدِیْدًا

اور کتنی بستیوں کے نیکل چکیں حکم سے اپنے رب کے اور اس کے رسولوں کے پھر ہم نے حسابیں پکڑاں ان کو سخت حساب میں

وَعَدَّ بِنَّہَا عَذَابًا نُّكْرًا ۸ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِہَا وَكَانَ عَاقِبَةُ

اور آفت ڈالی ان پر بہن دیکھی آفت پھر چکی انھوں نے سزا اپنے کام کی اور آخر کو ان کے کام

أَمْرَهَا خُسْرًا ⑨ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي

الْأَلْبَابِ ۖ الَّذِينَ آمَنُوا ۖ قَدْ أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۖ ⑩ رَسُولًا يَتْلُو

عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ

جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ قَدْ أَحْسَنَ

اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ۖ ⑪ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ

يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۚ

وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۖ ⑫

اور اللہ کے علم میں سماء کی ہر چیز ہے اور زمین بھی اتنی ہی

خلاصہ تفسیر

اور بہت سی بستیاں تھیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم (ماننے) سے اور اسکے رسولوں سے سرتابی کی سوہم
نے اُن (کے اعمال) کا سخت حساب کیا (مطلب یہ کہ ان کے اعمال کفریہ ہیں سے کسی عمل کو معاف نہیں کیا بلکہ
سب پر سزا تجویز کی، یہاں حساب سے پرسش کے طور پر حساب مراد نہیں) اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سزا دی (کہ
عذاب کے ذریعہ ہلاک کئے گئے) غرض انھوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا اور ان کا انجام کار خسارہ ہی ہوا (یہ
تو دنیا میں ہوا اور آخرت میں) اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے ایک سخت عذاب تیار کر رکھا ہے (اور جب انجام نافرمانی
کا یہ ہے) تو اسے سمجھا دو جو کہ ایمان لائے ہو تم خدا سے ڈرو (کہ ایمان بھی اس کو مقصدی ہے اور ڈرنا یہ کہ اطاعت
کرو، اور اسی اطاعت کا طریقہ بتلانے کے لئے) خدا نے تمہارے پاس ایک نصیحت نامہ بھیجا (اور وہ نصیحت نامہ
دیکھ) ایک ایسا رسول (بھیجا) جو تم کو اللہ کے صاف صاف احکام پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں تاکہ ایسے لوگوں
کو کہ جو ایمان لاویں اور اچھے عمل کریں (کفر و جہل کی) تاریکیوں سے (ایمان اور علم و عمل کے) نور کی طرف

لے آویں (مطلب یہ کہ جو نصیحت اس رسول کے ذریعہ سے پہنچے اس پر عمل کرنا بھی اطاعت ہے) اور (آگے اطاعت یعنی ایمان و عمل صالح پر وعدہ ہے کہ) جو شخص اللہ پر ایمان لا دیکھا اور اچھے عمل کر لیا خدا اسکو (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہیں گے بیشک اللہ نے (ان کو بہت) اچھی روزی دی (آگے اللہ کا واجب اطاعت ہونا بیان کیا جاتا ہے یعنی) اللہ ایسا ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور ان ہی کی طرح زمین بھی (سات پیدا کی جیسا تہذیب و غصیرہ کی حدیث میں ہے کہ ایک زمین کے نیچے دوسری زمین ہے اس کے نیچے تیسری زمین اسی طرح سات زمینیں ہیں اور) ان سب (آسمانوں اور زمینوں) میں (اللہ تعالیٰ کے) احکام (تشریعی یا تکوینی یا دونوں) نازل ہوتے رہتے ہیں (اور یہ اس لئے بتلادیا گیا) تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اور اللہ ہر چیز کو (اپنے) احاطہ علمی میں لئے ہوئے ہے (اس لئے اللہ تعالیٰ کا واجب اطاعت ہونا ظاہر ہے)

معارف و مسائل

فَحَاسِبُنَهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَابُهَا عَذَابًا مُّكْرًا، آیت میں ان قوموں کے حساب و عذاب کا جو ذکر ہے وہ آخرت میں ہو ہیوالا ہے مگر یہاں اسکو بلفظ ماضی حاسبنا اور عذابنا سے تعبیر کر دینا یا تو اُس کے یقینی ہونے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے کہ گویا یہ کام ہو چکا (لکھنا فی الروح) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حساب سے مراد اس جگہ سوالات اور پریش نہ ہو بلکہ اُس کی سزا کی تعیین ہو جیسا کہ خلاصہ تفسیر مذکور میں لیا گیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ حساب شدید اگرچہ آخرت میں ہو گا مگر صحائف اعمال میں اس کی کتابت تو ہو چکی ہو اور ہو رہی ہے اسکو حساب کروئے سے تعبیر کیا گیا اور عذاب سے مراد دنیا کا عذاب ہو جو بہت سی پہلی قوموں پر نازل ہوا ہے اس صورت میں آئیوالا جملہ اَعْدَاءُ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ صرف یہ آخرت کے عذاب سے متعلق ہے گا قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۱۰ زُورًا، اس آیت کی آسان توجیہ یہ ہے کہ یہاں لفظ اَرْسَلُ محذوف مانا جائے تو معنی یہ ہونگے کہ نازل کیا ذکر یعنی قرآن کو اور بھیجا رسول کو خلاصہ تفسیر میں سی کو اختیار کر کے تفسیر کی گئی ہے حضرات مفسرین نے دوسری توجیہات بھی لکھی ہیں مثلاً یہ کہ ذکر سے مراد خود رسول ہوں کہ ذکر اللہ کی کثرت کے سبب اُن کا وجود گویا خود ذکر اللہ بن گیا وغیر ذلک (روح)

سات زمینیں کہاں کہاں | اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَ مِنْ اَلْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ، اس آیت سے کس صورت میں ہیں۔ اتنی بات تو واضح طور پر ثابت ہے کہ جس طرح آسمان سات ہیں اسی ہی زمینیں بھی سات ہیں۔ پھر یہ سات زمینیں کہاں کہاں اور کس وضع و صورت میں ہیں، اور پر نیچے طبقات کی صورت میں تہہ برتہ ہیں یا ہر ایک زمین کا مقام الگ الگ ہے اگر اور پر نیچے طبقات ہیں تو کیا جس طرح سات آسمانوں میں ہر دو آسمان کے درمیان بڑا فاصلہ ہے اور ہر آسمان میں الگ الگ فرشتے آباد ہیں اسی طرح

ایک زمین اور دوسری زمین کے درمیان بھی فاصلہ اور ہوا فضا وغیرہ ہیں اور اُس میں کوئی مخلوق آباد یا یہ طبقات زمین ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں۔ قرآن مجید اس سے ساکت ہے اور روایات حدیث جو اس بارے میں آئی ہیں انہیں اکثر احادیث میں ائمہ حدیث کا اختلاف ہے بعض نے ان کو صحیح و ثابت قرار دیا ہے بعض نے موضوع و منکھڑت تک کہہ دیا ہے اور عقلاً یہ سب صورتیں ممکن ہیں۔ اور ہماری کوئی دینی یا دنیوی ضرورت اس کی تحقیق پر موقوف نہیں نہ ہم سے قبر میں یا حشر میں اسکا سوال ہوگا کہ ہم ان سات زمینوں کی وضع و صورت اور محل وقوع اور اُس میں بسنے والی مخلوقات کی تحقیق کریں، اس لئے اسلم صورت یہ ہے کہ بس اس پر ایمان لائیں اور یقین کریں کہ زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات ہی ہیں، اور سب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا ہے۔ اتنی ہی بات قرآن نے بیان کی ہے جس کو قرآن نے بیان کرنا ضروری نہیں سمجھا ہم بھی اُس کی فکر و تحقیق میں کیوں پڑیں۔ حضرت اسلف صالحین کا ایسی صورتوں میں یہی طرز عمل رہا ہے۔ اُنہوں نے فرمایا ہے اَبْهَوَا مَا اِلَیْہِہِ اللّٰہُ، یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مبہم چھوڑا ہے تم بھی اُسے مبہم رہنے دو جبکہ اسیں بمقارے لئے کوئی عملی حکم نہیں، اور ہماری کوئی دینی یا دنیوی ضرورت اُس سے متعلق نہیں۔ خصوصاً یہ تفسیر عوام کے لئے لکھی گئی ہے ایسے خالص علمی اختلافی مباحث اسیں نہیں لئے گئے جن کی عوام کو ضرورت نہیں ہے۔

يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ، یعنی اللہ کا حکم ان ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے درمیان نازل ہوتا رہتا ہے اور حکم الہی کی دو قسم ہیں۔ ایک تشریعی جو اللہ کے مکلف بندوں کے لئے بذریعہ وحی بواسطہ انبیاء بھیجا جاتا ہے جیسے زمین میں انسان اور جن کے لئے آسمانوں سے فرشتے یہ تشریعی احکام انبیاء تک لیکر آتے ہیں جن میں عقائد، عبادات، اخلاق، معاملات، معاشرت کے قوانین ہوتے ہیں اُن کی پابندی پر ثواب اور خلافت و رزق پر عذاب ہوتا ہے۔ دوسری قسم حکم کی حکم تکوینی ہے۔ یعنی تقدیر الہی کی تنفیذ سے متعلق احکام جس میں کائنات کی تخلیق اور اُس کی تدریجی ترقی اور اُس میں کمی بیشی اور موت و حیات داخل ہیں یہ احکام تمام مخلوقات الہیہ پر حاوی ہیں۔ اسلئے اگر ہر دو زمینوں کے درمیان فضا اور فاصلہ اور اسیں کسی مخلوق کا آباد ہونا ثابت ہو جائے خواہ مخلوق مکلف احکام شرعیہ کی نہ ہو تو اُس پر بھی یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ صادق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا امر کوینی اُس پر بھی حاوی ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

تَمَّتْ سُورَةُ الطَّلَاقِ بِعَوْنِ اللّٰهِ وَحَمْدِهِ فِي اٰخِرِ يَوْمٍ مِّنْ
جُمَادِی الثَّانِیَةِ ۱۹۱۱ یَوْمَ الْاَحَدِ وَاللّٰهُ الْمَوْفِقُ وَالْمُعِیْنُ

سُورَةُ التَّحْرِيمِ

سُورَةُ التَّحْرِيمِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثَتَا عَشْرَةَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعَانِ
سورة تحریم مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی بارہ آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مشروع اللہ کے نام سے جو بید مہربان نہایت رحم والا ہے

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ

اے نبی تو کیوں حرام کرتا ہے جو حلال کیا اللہ نے تجھ پر چاہتا ہے تو رضامندی اپنی عورتوں کی

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ① قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ وَاللَّهُ

اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان مقرر کر دیا ہے اللہ نے تمہارے لئے کھول ڈالنا تمہاری قسموں کا اور اللہ

مَوْلَاكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ② وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ

مالک ہے تمہارا اور وہی ہے سب کچھ جانتا حکمت والا اور جب چھپا کر کہی نبی نے اپنی کسی عورت سے

حَدِيثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ ۖ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَ بَعْضَهُ ۖ وَأَعْرَضَ

ایک بات پھر جب اُس نے خبر کر دی اسکی اُو اللہ نے بتلا دی نبی کو وہ بات تو بتلائی نبی نے اسیں سے کچھ اور بتلا دی

عَنْ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ ۖ قَالَتْ مَنْ أَنبَأَكَ هَذَا ۚ قَالَ نَبَّأَنِي

کچھ پھر جب وہ بتلائی عورت کو بولی تجھ کو کس نے بتلا دی یہ کہا مجھ کو بتایا

الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ③ إِنَّ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ۚ وَ

اُس خبر والے واقف نے اگر تم دونوں توبہ کرتی ہو تو جھک پڑے ہیں دل تمہارے اور

إِنْ تَظْهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ ۚ

اگر تم دونوں چرٹھائی کرو گی اس پر تو اللہ ہے اس کا رفیق اور جبریل اور نیک بخت ایمان والے

وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ ④ عَسَى رَبُّهُ ۚ إِنْ طَلَّقَكُنِ أَنْ يُبْدِلَهُ

اور فرشتے اسکے پیچھے مددگار ہیں اگر نبی چھوڑ دے تم سب کو ابھی اس کا رب بدلے میں دیدے

اَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُمْ مُسْلِمَاتٍ مُّؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَيَبَّتْ عِيْدَاتُ

اس کو عورتیں تم سے بہتر حکم بردار یقین رکھنے والیاں نمازیں کھڑی ہوئی والیاں توبہ کرنی والیاں بندگی بجالا

سَلَحَاتٍ تَيَبَّتْ عِيْدَاتُ ۵

والیاں روزہ رکھنے والیاں بیابیاں اور کنواریاں

خلاصہ تفسیر

اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے آپ (قسم کھا کر) اس کو (اپنے اوپر) کیوں حرام فرماتے ہیں (پھر وہ بھی) اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے (یعنی گو کسی مباح کا ترک کر دینا جائز ہے اور اس ترک کا ثبوت بالقسم کرنا بھی کسی مصلحت سے جائز ہے لیکن تاہم خلافتِ اولیٰ خصوصاً جبکہ اسکا داعی بھی ضعیف ہو۔ یعنی بیبیوں کی رضا جوئی ایسے امر میں جس میں ان کا راضی کرنا ضروری نہ تھا) اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے (کہ گناہ تک کو معاف کر دیتا ہے اور آپ سے تو کوئی گناہ بھی نہیں ہوا اسلئے یہ عتاب نہیں بلکہ شفقت و رافت آپ سے کہا جاتا ہے کہ آپ نے ایک جائز نفع کو ترک کر کے کبھی تکلیف اٹھائی اور چونکہ آپ نے قسم کھالی تھی اسلئے عام خطاب سے قسم کا کفارہ دینے کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے تمھاری قسموں کا کھولنا (یعنی قسم توڑنے کے بعد اسکے کفارہ کا طریقہ) مقرر فرمادیا ہے اور اللہ تمھارا کارساز ہے اور وہ بڑا جاننے والا بڑی حکمت والا ہے (اسلئے وہ اپنے علم و حکمت سے تمھاری مصلحتوں اور ضرورتوں کو جان کر تمھاری بہت سی دشواریوں کو آسان کر دینے کے طریقے مقرر فرمادیتا ہے چنانچہ کفارہ کے ذریعہ قسم کی پابندی کی کلفت کا علاج کر دیا) اور (آگے بیبیوں کو سنا تے ہیں کہ وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جبکہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی کسی بی بی سے چپکے سے ایک بات فرمائی (وہ بات یہی تھی کہ میں پھر شہد نہ پیوں گا مگر کسی سے کہنا نہیں) پھر جب اس بی بی نے وہ بات (دوسری بی بی کو) بتلا دی اور پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے (بذریعہ وحی) اس کی خبر کر دی تو پیغمبر نے (اس ناطق ہر کر دینے والی بی بی کو) تھوڑی سی بات تو بتلا دی (کہ تو نے ہماری یہ بات دوسری سے کہ دی) اور تھوڑی بات کو مال گئے (یعنی آپ کا کرم اس غایت تک ہے کہ اپنے حکم کے خلاف کرنے پر جو بی بی کی شکایت کرنے بیٹھے تو شکایت کے وقت بھی اس کہی ہوئی بات کے پورے اجزاء کا اعادہ نہیں فرمایا کہ تو نے میری یہ بات کہ دی اور یہ بھی کہ دی بلکہ کچھ اجزاء کا ذکر کیا اور کچھ اجزاء کا نہیں کیا تاکہ جو بی بی مخاطب ہے اسکو گمان ہو کہ ان کو اتنی ہی بات کہنے کی خبر ہوئی ہے زائد کی نہیں ہوئی تو شرمندگی کم ہو دھڑا اسھل الاحوال فی تفسیر ہذین البعضین) سو جب پیغمبر نے اس بی بی کو وہ بات بتلائی تو وہ کہنے لگی کہ آپ کو اس کی کس نے خبر کر دی، آپ نے فرمایا کہ مجھ کو بڑے جاننے والے بڑے خبر رکھنے والے (یعنی خدا) نے خبر کر دی

(یہ بیبیوں کو شاید اس لئے سنایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورے راز پر مطلع ہونا سنکر آپ کے کریمانہ معاملہ سے اپنی کارروائی پر زیادہ شرمندہ ہوں اور توبہ کریں چنانچہ آگے خود بیبیوں کو توبہ وغیرہ کا خطاب ہے کہ) اے (پیغمبر کی) دونوں بیبیو اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کر لو تو (بہتر ہے کیونکہ مقتضی توبہ کا موجود ہے وہ یہ کہ) تمہارے دل (اس طرف) مائل ہو رہے ہیں (کہ دوسری بیبیوں سے ہٹا کر آپ کو اپنا ہی بنا لیں اور گو یہ امر باعتبار اسکے کہ صل مقتضی اسکا حُب رسول ہے قبیح نہیں ہے لیکن چونکہ اس میں دوسروں کے حقوق کا اتلاف اور دل شکنی لازم آتی ہے اور مستلزم قبیح قبیح ہوتا ہے اس اعتبار سے قبیح و موجب التوبہ ہے) اور اگر (اسی طرح) پیغمبر کے مقابلے میں تم دونوں کارروائیاں کرتی رہیں تو (یاد رکھو کہ) پیغمبر کا رفیق اللہ ہے اور جبریل ہیں اور نیک مسلمان ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے (آپ کے) مددگار ہیں (مطلب یہ کہ تمہارا ان سازشوں سے آپ کا کوئی ضرر نہیں ہے بلکہ تمہارا ہی ضرر ہے کیونکہ جس شخص کے حامی ایسے ہوں اسکے خلاف مزاج کارروائیاں کرنے کا انجام ظاہر ہے کہ بُرا ہی بُرا ہے اور چونکہ بعض اسباب نزول ہیں حضرت عائشہ و حفصہ کے علاوہ اور بیبیاں بھی شریک تھیں جیسے حضرت سودہ و صفیہ، اسلئے آگے صیغہ جمع سے خطاب فرماتے ہیں کہ تم یہ دوسو سہ دل میں نہ لانا کہ آخر تو مرد کو بیبیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم سے بہتر عورتیں کہاں ہیں اس لئے چار دنا چار ہماری سب باتیں سہی جا دیں گی سو یہ سمجھ لو کہ) اگر پیغمبر تم عورتوں کو طلاق دیدیں تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیبیاں دیدیگا جو سلام والیاں ایمان والیاں فرمانبرداری کرنے والیاں توبہ کرنے والیاں عبادت کرنے والیاں روزہ رکھنے والیاں ہونگی کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں (بعض مصالح سے بیوہ بھی مرغوب ہوتی ہے جیسے تجربہ سلیقہ ہم عمری وغیرہ اس لئے اس کو بھی اوصاف رغبت میں شمار فرمایا)

معارف و مسائل

آیات تحریم کا واقعہ نزول | صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی وغیرہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول شریف تھا کہ عصر کے بعد کھڑے کھڑے سب بیبیوں کے پاس (خبر گیری کے لئے) تشریف لاتے تھے۔ ایک روز حضرت زینب رضی کے پاس معمول سے زیادہ ٹھیرے اور شہد پیا تو مجھ کو رشک آیا اور میں نے حفصہ سے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس تشریف لا دیں وہ یوں کہے کہ آپ نے مغفیر نوش فرمایا ہے۔ مغفیر ایک خاص قسم کا گوند ہے جس میں کچھ بدبو ہوتی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تو شہد پیا ہے۔ ان بی بی نے کہا کہ شاید کوئی مکھی مغفیر کے درخت پر بیٹھی ہو اور اس کا رس چوسا ہو (اسی وجہ سے شہد میں بھی بدبو آنے لگی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدبو کی چیزوں سے بہت پرہیز فرماتے تھے اسلئے آپ نے قسم کھالی کہ پھر میں شہد نہ پیوں گا اور اس خیال سے کہ حضرت زینب کا جی

اور کفارہ ادا فرمایا جیسا کہ درمنثور کی روایت میں ہے کہ آپ نے ایک غلام کفارہ قسم میں آزاد کیا (از بیان القرآن)
 قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ، یعنی اللہ تعالیٰ نے ایسی صورتوں میں جہاں قسم کا توڑنا ضروری
 یا مستحسن ہو تمہاری قسموں سے حلال ہونے یعنی قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دینے کا راستہ نکال دیا ہے جیسا ذکر
 دوسری آیات میں مفصل ہے۔

وَرَأَى النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا، یعنی جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی
 بی بی سے ایک راز کی بات کہی۔ وہ راز کی بات صحیح اور اکثر روایات کی رو سے یہی تھی کہ آپ نے حضرت
 زینب رض کے پاس جو شہد پیا اور دوسری ازواج کو بھاری معلوم ہوا آپ نے ان کو راضی کرنے کے لئے شہد
 پینے کی قسم کھالی مگر یہ فرمایا کہ اسکی کو خبر نہ ہوتا کہ زینب کو راز نہ پہنچے مگر اس بی بی نے یہ راز دوسری پر
 ظاہر کر دیا جسکا ذکر اگلی آیت میں ہے۔ اس راز کی بات کے متعلق دوسری روایات میں اور بھی چند پیسٹرین
 منقول ہیں مگر اکثر اور صحیح روایات میں یہی ہے جو لکھا گیا۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَفَ عَنْ بَعْضٍ، یعنی جب اس بی بی نے وہ
 راز کی بات دوسری بی بی سے کہہ ڈالی اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر کر دی کہ اس
 نے آپکا راز فاش کر دیا تو آپ نے اس بی بی سے افشاء راز کا شکوہ تو کیا مگر پوری بات نہیں کھولی یہ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم اور حسن خلق تھا کہ پوری بات کھولنے سے ان کو زیادہ خجالت اور شرمندگی ہوگی۔ جس
 بی بی سے راز کی بات کہی گئی تھی وہ کون تھیں اور جس پر راز ظاہر کیا وہ کون، قرآن کریم نے اسکو بیان نہیں
 کیا، اکثر روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ راز کی بات حضرت حفصہ سے کہی گئی تھی انھوں نے حضرت
 عائشہ سے ذکر کر دیا، جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں حضرت ابن عباسؓ سے اسکا بیان آگے آئے گا۔

بعض روایات حدیث میں ہے کہ حضرت حفصہ کے راز فاش کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 اُن کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا مگر اللہ نے جبریل امین کو بھیجا کہ ان کی طلاق سے روک دیا اور فرمایا کہ بہت
 نماز گزار بکثرت روزے رکھنے والی ہیں اور اُن کا نام جنت میں آپ کی بیبیوں میں لکھا ہوا ہے (منظہری)

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا، ازواج مطہرات میں سے جن دو کا اجمالی ذکر آد پر آیا ہے
 کہ انھوں نے باہم مشورہ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شہد پینے پر ایسا طرز اختیار کیا جس سے آپ نے شہد
 پینے سے قسم کھالی اور پھر آپ نے اس کے اخفاء کے لئے فرمایا تھا وہ اخفاء نہیں کیا بلکہ ایک نے دوسری پر بات
 کھول دی۔ یہ دو کون ہیں ان کے متعلق صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ کی ایک طویل روایت ہے
 جس میں انھوں نے فرمایا کہ عرصہ تک میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ میں ان دو عورتوں کے متعلق عمر بن خطابؓ
 سے دریافت کروں جن کے متعلق قرآن میں آیا ہے إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ، یہاں تک ایک موقع آیا کہ عمر بن خطابؓ
 حج کے لئے نکلے اور میں بھی شریک سفر ہو گیا۔ دوران سفر میں ایک روز عمر بن خطابؓ رض قضاء حاجت

کے لئے جنگل کی طرف تشریف لے گئے اور واپس آئے تو میں نے وضو کے لئے پانی کا انتظام کر رکھا تھا میں نے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالا۔ اور وضو کرتے ہوئے میں نے سوال کیا کہ یہ دو عورتیں جن کے متعلق قرآن میں اِنْ تَوْبَا کیا ہے کون ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ سے تعجب ہے کہ آپ کو خبر نہیں یہ دونوں عورتیں حفصہ اور عائشہ ہیں۔ اسکے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک طویل قصہ اس واقعہ سے متعلق ذکر فرمایا جس میں اس واقعہ کے پیش آنے سے پہلے کے کچھ حالات بھی بیان فرمائے جن کی پوری تفصیل تفسیر مظہری میں ہے۔ آیت مذکورہ میں ان دونوں ازواج مطہرات کو مستقل خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ اگر تم توبہ کرو جیسا کہ اس واقعہ کا تقاضا ہے کہ تمہارے دل حق سے مائل ہو گئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کی رضا جوئی ہر مومن کا فرض ہے مگر تم دونوں نے باہم مشورہ کر کے ایسی صورت اختیار کی جس سے آپ کو تکلیف پہنچی یہ ایسا گناہ ہے کہ اس سے توبہ کرنا ضروری ہے اور آگے فرمایا۔

وَ اِنْ تَنْظُرُوْا عَلَیْہِ فَاِنَّ اللّٰہَ هُوَ مُوَلِّدُہٗ وَ جَبْرِیْلُ الْاٰیۃِ ، اسی میں یہ بتلادیا کہ اگر تم نے توبہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی نہ کیا تو یہ نہ سمجھو کہ آپ کو کوئی نقصان پہنچے گا کیونکہ آپ کا تو اللہ موالی اور کفیل ہے اور جبریل امین اور سب نیک مسلمان اور اُن کے بعد سب فرشتے، جس کی رفاقت و اعانت پر سب لگے ہوں اس کو کوئی کیا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ نقصان و ضرر جو کچھ ہے تمہارا ہی ہے آگے انھیں کے متعلق فرمایا۔

عَسٰی رَبُّہٗ اِنْ طَلَّقَکُمْ اَنْ یُّبَدِّلَ لَہٗ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْکُمْ الْاٰیۃِ ، اسی میں عورتوں کے اس خیال کا جواب ہے کہ اگر ہمیں طلاق دیدی تو ہم جیسی دوسری عورتیں شاید آپ کو نہ ملیں۔ حاصل ارشاد کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کیا چیز باہر ہے اگر وہ تمہیں طلاق دیدیں تو وہ تم جیسی ہی نہیں بلکہ تم سے بہتر عورتیں عطا فرمادے گا، اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ ان سے بہتر عورتیں اس وقت موجود تھیں ہو سکتا ہے کہ اس وقت نہ ہوں اور جب ضرورت پڑے اللہ تعالیٰ دوسری عورتوں کو ان سے بہتر بنا دیں۔ ان آیات میں جیسا کہ خاص ازواج مطہرات کے اعمال و اخلاق کی اصلاح اور ان کی تادیب تربیت کا بیان تھا آگے عام مومنین کو اس کا حکم دیا گیا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَاٰہِلِیْکُمْ نَارًا وَّ قُوْدُہَا

اے ایمان والو بچاؤ اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے جسکی پھٹیاں ہیں

النَّاسُ وَاَلْحِجَارَةُ عَلَیْہَا مَلٰٓئِکَةٌ غِلَظٌ شِدَادٌ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ

آدمی اور پتھر اُس پر مقرر ہیں فرشتے تند خو زبردست نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی

مَا اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝ ۶ ۙ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا

جو بات فرمائے اُن کو اور وہی کام کرتے ہیں جو اُن کو حکم ہو اے منکر ہونے والو مت

تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ إِنَّمَا تُجْرُونَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

بہانے بتلاؤ آج کے دن وہی بدلہ پاؤ گے جو تم کرتے تھے

خلاصہ تفسیر

اے ایمان والو (جب رسول کی بیبیوں کو بھی عمل صالح اور اطاعت سے چارہ نہیں جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس پر مأمور ہیں کہ اپنی ازواج کو نصیحت کر کے عمل صالح پر آمادہ کریں تو باقی سب اُمت پر بھی یہ فریضہ اور زیادہ مؤکد ہو گیا کہ اپنے اہل و عیال کی اصلاح اعمال و اخلاق میں غفلت نہ برتیں اسلئے حکم دیا گیا کہ) تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) اُس آگ سے بچاؤ جسکا ایندھن (سوختہ) آدمی اور پتھر ہیں (اپنے کو بچانا خود اطاعت احکام کرنا اور گھر والوں کو بچانا اُن کو احکام الہیہ کا سکھانا اور اُن پر عمل کرانے کے لئے زبان سے ہاتھ سے بقدر امکان کوشش کرنا ہے۔ آگے اُس آگ کی دوسری حالت کا بیان ہے کہ) جس پر تند خو (اور مضبوط رقی) فرشتے (متعین) ہیں (کہ نہ وہ کسی پر رحم کریں نہ کوئی اُن کا مقابلہ کر کے بچ سکے) جو خدا کی (ذرا) نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو اُن کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے اُس کو (فوراً) بجالاتے ہیں (غرض اس دوزخ پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو کافروں کو دوزخ میں داخل کر کے چھوڑیں گے اور اسوقت کافروں سے کہا جائیگا کہ) اے کافر تم آج عذر (معدرت) مت کرو۔ (کہ بے سود ہے) بس تم کو تو اُسی کی سزا مل رہی ہے جو کچھ تم (دُنیا میں) کیا کرتے تھے۔

معارف و مسائل

قَوْلُ آ أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ الْآیۃ، اس آیت میں عام مسلمانوں کو حکم ہے کہ جہنم کی آگ سے اپنے آپ کو بھی بچائیں اور اپنے اہل و عیال کو بھی پھر نار جہنم کی ہولناک شدت کا ذکر فرمایا اور آخر میں یہ بھی فرمایا کہ جو اس جہنم کا مستحق ہوگا وہ کسی زور طاقت جتھہ یا خوشامد یا رشوت کے ذریعہ اُن فرشتوں کی گرفت سے نہیں بچ سکے گا جو جہنم پر مسلط ہیں جنکا نام زبانہ ہے۔

لفظ أَهْلِيكُمْ میں اہل و عیال سب داخل ہیں جنہیں بیوی، اولاد، غلام، باندیاں سب داخل ہیں اور بعید نہیں کہ ہمہ وقتی نوکر چاکر بھی غلام باندیوں کے حکم میں ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر بن خطابؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کی فکر تو سمجھ میں آگئی (کہ ہم گناہوں سے بچیں اور احکام الہیہ کی پابندی کریں) مگر اہل و عیال کو ہم کس طرح جہنم سے بچائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسکا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

تم کو جن کاموں سے منع فرمایا ہے اُن کاموں سے ان سب کو منع کرو اور جن کاموں کے کرنا تم کو حکم دیا ہے تم اُن کے کرنا اہل و عیال کو بھی حکم کرو تو یہ عمل انکو جہنم کی آگ سے بچا سکے گا (روح المعانی) بیوی اور اولاد کی تعلیم و تربیت حضرت فقہاء نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر شخص پر فرض ہے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنی بیوی اور اولاد کو فرائض شرعیہ اور حلال و حرام کے احکام کی تعلیم دے اور اُس پر عمل کرانے کے لئے کوشش کرے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس شخص پر اپنی رحمت نازل کرے جو کہتا ہے کہ اے میرے بیوی بچو، تمہاری نماز، تمہارا روزہ، تمہاری زکوٰۃ، تمہارا مسکین، تمہارا یتیم، تمہارے پڑوسی، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اس کے ساتھ جنت میں جمع فرمائیں گے۔ تمہاری نماز، تمہارا روزہ وغیرہ فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کا خیال رکھو اس میں غفلت نہ ہونے پائے اور مسکینکم یتیمکم وغیرہ فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے جو حقوق تمہارے ذمہ ہیں اُن کو خوشی اور پابندی سے ادا کرو اور بعض بزرگوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب میں وہ شخص ہوگا جس کے اہل و عیال دین سے جاہل غافل ہوں (روح) عام مومنین کی نصیحت کے بعد کفار کو خطاب ہے کہ اب تمہارا کیا ہوا تمہارے سامنے آ رہا ہے اب کوئی عذر کسی کا قبول نہیں کیا جاسکتا یَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ کا یہی مطلب ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً تَصَوحًا عَلَىٰ رَبِّكُمْ إِنَّ

اے ایمان والو توبہ کرو اللہ کی طرف صاف دل کی توبہ امید ہے تمہارا رب اُتار دے

يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ

کہ اللہ ذلیل نہ کرے گی انبی کو اور ان لوگوں کو جو یقین لائے ہیں اس کے ساتھ ان کی روشنی دوڑتی ہے اُن کے

أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتِمِّمْ لَنَا نُورَنَا وَاعْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۹ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ

آگے اور ان کے داہنے کہتے ہیں اے رب ہمارے پوری کر دے ہم کو ہماری روشنی اور معاف کر ہم کو

الْمُنَافِقِينَ وَاعْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝۱۰

دغا بازوں سے اور سختی کر ان پر اور ان کا گھر دوزخ ہے اور بُری جگہ جا پہنچے

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَاتٍ نَوَّحٍ وَامْرَأَاتٍ لَوْطٍ ۝۱۱

اللہ نے بتلایا ایک مثل مشرکوں کے واسطے عورت نوح کی اور عورت لوط کی

كَانَتْ تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحِينَ فَخَانَتْهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا

گھر میں تھیں دونوں دو نیک بندوں کے ہمارے نیک بندوں میں سے پھر انھوں نے ان سے پجوری کی پھر وہ کام نہ آئے

مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّٰخِلِينَ ۱۰ وَضَرَبَ اللَّهُ

اُن کے اللہ کے ہاتھ سے کچھ بھی اور حکم ہوا کہ جلی جاؤ دوزخ میں جاؤ والوں کے ساتھ اور اللہ نے بتلای

مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ

ایک مثل ایمان والوں کے لئے عورت فرعون کی جب بولی اے رب بتا میرے واسطے اپنے پاس

بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَبَنِيَ لِي مِنَ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَتَجْنِي مِنَ الْقَوْمِ

ایک گھر بہشت میں اور بچا نکال مجھ کو فرعون سے اور اس کے کام سے اور بچا نکال مجھ کو ظالم

الظَّالِمِينَ ۱۱ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَتُ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا

لوگوں سے اور مریم بیٹی عمران کی جس نے رد کے رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو پھر ہم نے پھونکا

فِيهِ مِنْ رُوحِنَا وَصَدَّقَ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكَتَبَ وَكَانَتْ مِنَ الْقَتِيلِينَ ۱۲

دی اس میں ایک اپنی طرف سے جان اور سچا جانا اپنے رب کی باتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور وہ تھی بندگی کرنے والوں میں

خلاصہ تفسیر

(ان آیات میں دوزخ سے بچنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے اور وہی اہل و عیال کو بتلا کر جہنم کی آگ سے بچانے

کا طریقہ ہے وہ یہ ہے) اے ایمان والو تم اللہ کے سامنے سچی توبہ کرو (یعنی دل میں گناہ پر کامل ندامت ہو اور

آئندہ اُسکے نہ کرنے کا پختہ قصد ہو) اس میں تمام احکام دین فرائض واجبات بھی داخل ہو گئے کہ اُن کا چھوڑنا

گناہ ہے اور تمام محرمات و مکروہات بھی آگئے کہ اُن کا کرنا گناہ ہے) اُمید (یعنی وعدہ) ہے کہ تمہارا رب

(اس توبہ کی بدولت) تمہارے گناہ معاف کر دیگا اور تم کو (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کر دیگا جسکے

نیچے نہریں جاری ہونگی (اور یہ اُس روز ہوگا) جس دن کہ اللہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور جو مسلمان (ایمان

اور دین کی رو سے) اُن کے ساتھ ہیں اُن کو رسوا نہ کر دیگا ان کا نور ان کے داہنے اور ان کے سامنے دوڑتا ہوگا

(جیسا کہ سورہ حدید میں گزر چکا ہے اور وہ) یوں دعا کرتے ہوئے کہ اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارے اس نور کو اخیر

تک رکھئے (یعنی راستہ میں گل نہ ہو جاوے) اور ہماری مغفرت فرما دیجئے آپ ہر شے پر قادر ہیں (اور اس دعا

کی وجہ یہ ہوگی کہ قیامت میں ہر مومن کو کچھ نہ کچھ نور عطا ہوگا جسوقت پل صراط کے پاس پہنچکر منافقین کا نور

بُجھ جا دیگا جسکا ذکر سورہ حدید میں آچکا ہے اسوقت مومنین یہ دعا کریں گے کہ منافقین کی طرح ہمیں ہمارا

نور بھی سلب نہ ہو جائے (کذا فی الدر المنثور عن ابن عباس) اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار (سے بذریعہ تلوار)

اور منافقین سے (بذریعہ زبان و بیان حجت) جہاد کیجئے اور اُن پر سختی کیجئے (دنیا میں تو یہ اس سزا کے مستحق ہوئے)

اور (آخرت میں) اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے (آگے اس کا بیان ہے کہ آخرت میں ہر شخص کو اپنا ہی ایمان کام آئے گا۔ کافر کو کسی اُس کے خویش و عزیز کا ایمان عذاب سے نہ بچائے گا، اسی طرح مومن کے خویش و عزیز کافر ہوں تو مومن کو اس کا کوئی نقصان نہیں پہنچے گا) اللہ تعالیٰ کافروں (کی عبرت) کے لئے نوح کی بی بی اور لوط کی بی بی کا حال بیان فرماتا ہے، وہ دونوں ہمارے خاص بندوں میں دونیک بندوں کے نکاح میں تھیں سو اُن عورتوں نے اُن دونوں بندوں کا حق ضائع کیا (یعنی بوجہ اُن کے نبی ہونے کے اُن کا حق یہ بھی تھا کہ اُن پر ایمان لائیں اور دینی احکام میں اُن کی اطاعت کرتیں جو انھوں نے نہیں کی) تو وہ دونوں نیک بندے اللہ کے مقابلے میں اُن کے ذرا کام نہ آ سکے اور ان دونوں عورتوں کو (بوجہ کافر ہو جانے کے) حکم ہو گیا کہ تم دونوں بھی دوسرے جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ (یہاں تک کافروں کی عبرت کے لئے واقعہ بیان کیا گیا تھا، آگے مسلمانوں کے اطمینان کے لئے فرمایا) اللہ تعالیٰ مسلمانوں (کی تسلی) کے لئے فرعون کی بی بی (حضرت آسیہ) کا حال بیان کرتا ہے جبکہ اُن بی بی نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار میرے واسطے جنت میں اپنے قریب میں مکان بنائیے اور مجھ کو فرعون (کے شر) سے اور اسکے عمل (کفر کے ضرر اور اثر) سے محفوظ رکھئے اور مجھ کو تمام ظالم (یعنی کافر) لوگوں (کے ظاہری اور باطنی ضرر) سے محفوظ رکھئے اور نیز مسلمانوں کی تسلی کے لئے اللہ تعالیٰ عمران کی بیٹی حضرت مریم کا حال بیان کرتا ہے جنھوں نے اپنے ناموس کو (حرام اور حلال دونوں) محفوظ رکھا، سو ہم نے اُن کے چاک گریبان میں (بواسطہ جبریل علیہ السلام) اپنی روح پھونک دی اور انھوں نے اپنے پروردگار کے پیغاموں کی (جو ملائکہ کے ذریعے پہنچے تھے) اور اُس کی کتابوں کی (جن میں تورات و انجیل بھی ہیں) تصدیق کی (یہ بیان ہے اُن کے عقائد کا) اور وہ اطاعت والوں میں سے تھیں (یہ بیان ہے اُن کے اعمال کا)

معارف و مسائل

تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا، توبہ کے لفظی معنی لوٹنے اور رجوع ہونے کے ہیں، مراد گناہوں سے لوٹنا ہے۔ اور اصطلاح قرآن و سنت میں توبہ اس کا نام ہے کہ آدمی اپنے پچھلے گناہ پر نادم ہو اور آئندہ اُس کے پاس نہ جانے کا پختہ عزم کرے۔ اور نصوح کو اگر مصدر نصوح اور نصیحت سے لیا جائے تو اُس کے معنی خالص کرنے کے ہیں، اور مصدر نصاحت سے مشتق قرار دیں تو اس کے معنی کپڑے کو سینے اور جوڑ لگانے کے ہیں۔ پہلے معنی کے اعتبار سے نصوح کے معنی یہ ہونگے کہ وہ ریا اور نمود سے خالص ہو۔ محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوفِ عذاب سے گناہ پر نادم ہو کر اسکو چھوڑ دے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے نصوح اس مطلب کے لئے ہوگا کہ اعمالِ صالحہ کا لباس جو گناہ کی وجہ سے پھٹ گیا ہے تو یہ اسکے خرق یعنی پھٹن کو جوڑنے والی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ آدمی اپنے گزشتہ عمل پر نادم ہو اور پھر اس کی طرف نہ لوٹنے کا پختہ ارادہ اور عزم رکھتا ہو۔ اور کلیبی نے فرمایا کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ زبان سے

استغفار کرے اور دل میں نادم ہو اور اپنے بدن اور اعضاء کو آئندہ اُس گناہ سے روکے۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سوال کیا گیا کہ توبہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جس میں چھ چیزیں جمع ہوں۔
(۱) اپنے گزشتہ برے عمل پر ندامت (۲) جو فرائض واجبات اللہ تعالیٰ کے چھوٹے ہیں اُن کی قضا (۳) کسی کا مال وغیرہ ظلماً لیا تھا تو اُس کی واپسی (۴) کسی کو ہاتھ یا زبان سے ستایا اور تکلیف پہنچائی تھی تو اُس سے معافی (۵) آئندہ اُس گناہ کے پاس نہ جانے کا پختہ عزم و ارادہ (۶) اور یہ کہ جس طرح اُس نے اپنے نفس کو اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھا ہے اب وہ اطاعت کرتے ہوئے دیکھ لے (منظہری)
حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو شرائط توبہ بیان فرمائی ہیں وہ سبھی کے نزدیک مسلم ہیں۔ بعض نے مختصر بعض نے مفصل بیان کر دیا ہے۔

عَلَى رَيْبِكُمْ أَنْ يَكْفِّرَ عَنْكُمْ الْآيَةُ لَفْظِ عَسَى كَاتِرٌ جَمْعٌ مُتَّحِدٌ ہے اور یہاں مراد اُس سے وعدہ ہے مگر اس وعدہ کو بلفظ اُمید تعبیر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ توبہ ہو یا انسان کے دوسرے اعمال صالحہ ان میں سے کوئی بھی جنت و مغفرت کی قیمت نہیں اور نہ اللہ کے ذمہ از روئے انصاف یہ لازم آتا ہے جو عمل صالح کرے اس کو ضرور جنت ہی میں داخل کرے کیونکہ اعمال صالحہ کا ایک بدلہ تو ہر انسان کو دنیوی زندگی میں عطا ہونے والی نعمتوں سے مل چکا ہے۔ اس کے بدلے میں از روئے قانون و قاعدہ جنت ملنا ضروری نہیں وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام ہی پر موقوف ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ تم میں کسی کو صرف اسکا عمل نجات نہیں دلا سکتا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کو بھی، آپ نے فرمایا ہاں مجھے بھی جب تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت کا معاملہ نہ فرماویں (بخاری و مسلم) از منظہری

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اٰمْرٰتٌ نُّوْحٍ الْآیَةُ آخر سورت میں حق تعالیٰ نے چار عورتوں کی مثالیں بیان فرمائی ہیں، پہلی دو عورتیں دو پیغمبروں کی بیویاں ہیں جنہوں نے دین کے معاملے میں اپنے شوہروں کی مخالفت کی، کفار و مشرکین کی امداد و موافقت خفیہ کرتی رہیں اس کے نتیجہ میں جہنم میں گئیں، اللہ کے مقبول و برگزیدہ پیغمبروں کی زوجیت بھی ان کو عذاب سے نہ بچا سکی، انہیں ایک حضرت نوح علیہ السلام کی بی بی ہے جن کا نام وانلہ بیان کیا گیا ہے اور دوسری حضرت لوط علیہ السلام کی بی بی جس کا نام والہہ کہا گیا ہے (قرطبی) ان کے ناموں میں اور بھی مختلف اقوال ہیں۔ تیسری وہ عورت ہے جو سب سے بڑے کافر خدایٰ کے مدعی فرعون کی بیوی تھی مگر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی، اُس کو اللہ تعالیٰ نے یہ درجہ دیا کہ دنیا ہی میں اس کو جنت کا مقام دکھلا دیا، شوہر کی فرعونیت اس کی راہ میں کچھ حائل نہیں ہو سکی چوتھی حضرت مریم ہیں جو کسی کی بی بی نہیں مگر ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ درجہ دیا کہ ان کو نبوت کے کمالات عطا فرمائے، اگرچہ جمہور اُمت کے نزدیک نبی نہیں۔

ان سب مثالوں سے یہ واضح کر دیا کہ ایک مومن کا ایمان اس کے کسی کافر عزیز کے کام نہیں آ سکتا اور

ایک کافر کا کفر اُس کے کسی مؤمن عزیز کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، اس لئے انبیاء و اولیاء کی بیویاں اس پر بے فکر نہ ہوں کہ ہمیں ہمارے شوہروں کی وجہ سے نجات ہو ہی جائے گی اور کسی کافر فاجر کی بیوی یہ فکر نہ کرے کہ اس کا کفر میرے لئے کسی مضرت کا سبب بن جائیگا بلکہ ہر ایک مرد و عورت کو اپنے ایمان و عمل کی فکر خود کرنا چاہئے

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِی الْجَنَّةِ
یہ مثال فرعون کی بیوی حضرت آسیہ بنت مزاحم کی ہے جس وقت موسیٰ علیہ السلام جادو گروں کے مقابلے میں کامیاب ہوئے اور جادو گر مسلمان ہو گئے تو اس بی بی نے اپنے ایمان کا اظہار کر دیا، فرعون نے ان کو سخت سزا دینا تجویز کیا، بعض روایات میں ہے کہ ان کو چومینہ کر کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا یعنی چاڑوں ہاتھوں پیروں میں میخیں گاڑ دیں کہ حرکت نہ کر سکیں۔ اس حالت میں انھوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی جو اس آیت میں مذکور ہے اور بعض روایات میں ہے کہ یہ تجویز کیا کہ اوپر سے بہت بھاری پتھر ان کے سر پر ڈال دیا جائے، ابھی ڈالنے نہیں پائے تھے کہ انھوں نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض کر لی، پتھر جسم بے جان پر گرا۔ اور دعا میں یہ فرمایا کہ میرے رب جنت میں اپنے پاس گھر بنادے اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں ان کو جنت کا گھر دکھلا دیا (منظہری)

وَصَدَقَتْ بِكَلِمَتٍ كَذَّاهَا وَكُتِبَ لَهَا ثَوَابٌ مِّمَّنْ سَلَفَہَا
پر اترتے ہیں۔ اور کتب سے مراد معروف آسمانی کتابیں انجیل۔ زبور۔ تورات ہیں و کانت من القیتین
قانت کی جمع ہے جس کے معنی عابدہ کے ہیں جو اپنی عبادت و طاعت پر مداومت کرتا ہے۔ یہ حضرت مریم کی صفت ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردوں میں سے بہت لوگ کامل و مکمل ہوئے ہیں مگر عورتوں میں سے صرف آسیہ فرعون کی بیوی اور مریم بنت عمران کامل ہوئیں (بخاری و مسلم۔ از منظہری) ظاہر یہ ہے کہ مراد کمالات نبوت ہیں کہ باوجود عورت ہونے کے انکو حاصل ہوئے (منظہری) واللہ اعلم

تَمَّتْ سُورَةُ التَّحْرِيمِ بِعَوْنِ اللَّهِ رَحِمَهُ فِي غُرَّةِ رَجَبِ ۱۳۹۱ يَوْمَ الثَّلَاثَةِ

سُورَةُ الْمَلِكِ

سُورَةُ الْمَلِكِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثُونَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعَانِ
سورہ ملک مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی تیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو مہربان نہایت رحم والا ہے

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ①

بڑی برکت ہے اس کی جس کے ہاتھ میں ہے راج اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے جس نے بنایا

الْمَوْتُ وَالْحَيَاةُ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ ②

مرنا اور جینا تاکہ تم کو جانچے کون تم میں اچھا کرتا ہے کام اور وہ زبردست ہے بخشنے والا

الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا مَا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِنْ تَفَوُّتٍ

جس نے بنائے سات آسمان تہ پر تہ کیا دیکھتا ہے تو رحمن کے بنانے میں کچھ فرق

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَى مِنْ فُطُورٍ ③ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ

پھر دوبارہ نگاہ کر کہیں نظر آتی ہے تجھ کو دراڑ پھر لوٹا کر نگاہ کر دو دوبار لوٹ آئے گی

إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ ④ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحٍ

تیرے پاس تیری نگاہ زد ہو کر تھک کر اور ہم نے رونق دی سب سے درلے آسمان کو چراغوں سے

وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ ⑤

اور ان سے کر رکھی ہے پھینک مار شیطانوں کے واسطے اور رکھا ہے ان کے واسطے عذاب دہکتی آگ کا

لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَإِنَّهُمْ عَذَابُ الْجَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ⑥ إِذَا أَقْبُوا

جو لوگ منکر ہوئے اپنے رب سے ان کے واسطے ہے عذاب دوزخ کا اور بڑی جگہ جا پہنچے جب اس میں ڈالے

فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ⑦ تَكَادُ تَمَيِّزُ مِنَ الْغَيْظِ كُلًّا أُلْقِيَ

جائیں گے جس سے اسکا دھاڑنا اور وہ اچھل رہی ہوگی ایسا لگتا ہے کہ پھٹ پڑیگی جوش سے جسوقت پڑے اس میں

فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ ۝

ایک گروہ جو چھپیں ان سے دوزخ کے داروغہ کیا نہ پہنچا تھا تمہارے پاس کوئی ڈرناٹا والا وہ بولیں کیوں نہیں ہمارے پاس پہنچا تھا دوزخ

فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ۝

پھر ہم نے جھٹلایا اور کہا نہیں اتاری اللہ نے کوئی چیز تم تو پرٹے ہوئے ہو بڑے بہکاوے میں

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝ فَاعْتَرَفُوا

اور کہیں گے اگر ہم ہوتے سنے یا سمجھتے تو نہ ہوتے دوزخ والوں میں سو قائل ہو گئے

بِذُنُوبِهِمْ فَسُحْقًا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ

اپنے گناہ کے اب دفع ہو جائیں دوزخ والے جو لوگ ڈرتے ہیں اپنے رب سے غیب میں دیکھتے

لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ

ان کے لئے معافی ہے اور ثواب بڑا اور تم چھپا کر کہو اپنی بات یا کھول کر وہ خوب جانتا ہے

بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝ هُوَ

جیوں کے بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا اور وہی ہے بھید جاننے والا خبردار وہی ہے

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذُلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ

جس نے کیا تمہارے آگے زمین کو پست اب چلو پھرو اس کے کناروں پر اور کھاؤ کچھ اس کی

رِزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ۝ أَمْ أَنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ

دی ہوئی روزی اور اسی کی طرف جی اٹھنا ہے کیا تم نڈر ہو گئے اس سے جو آسمان میں ہے اس سے کہ دھندلا دے تم کو

الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ۝ أَمْ أَنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ

زمین میں پھر بھی وہ لرزے لگے یا نڈر ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے اس بات سے کہ برسا دے تم پر

حَاصِبًا ۚ فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرٌ ۝ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

مینہ پتھروں کا، سوجان لوگے کیا ہے میرا ڈرانا اور جھٹلایا کرتے ہیں جو ان سے پہلے تھے

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَفًى وَيَقْبِضْنَ ۚ

پھر کیا ہوا سیرا انکار اور کیا نہیں دیکھتے ہو اڑتے جانوروں کو اپنے اوپر پکڑ کھولے ہوئے اور پر چھپکتے ہوئے

مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَنُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ۝ أَمْ مَنْ هَذَا الَّذِي

ان کو کوئی نہیں تمام رہا رحمن کے سوائے اس کی نگاہ میں ہے ہر چیز بھلا وہ کون ہے جو

هُوَ جُنْدُكُمْ يُنْصِرُكُمْ مَنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِنَّ الْكُفْرَ وَنَ إِلَّا فِي غُرُورٍ ۝

فوج ہے تمہاری مدد کرے تمہاری رحمن کے سوائے منکر پرٹے ہیں بڑے بہکائے میں

أَمَّنْ هَذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ ۚ بَلْ لَجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ ۝۲۱

بھلا وہ کون ہے جو روزی دے تم کو اگر وہ رکھ چھوڑے اپنی روزی کوئی نہیں پرارٹ رہے ہیں شرارت اور بد کنی پر

أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَى وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّنْ يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝۲۲

بھلا ایک جو چلے آؤدھا اپنے منہ کے بل وہ سیدھی راہ پائے یا وہ شخص جو چلے سیدھا ایک سیدھی راہ پر

قُلْ هُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا

تو کہہ دہی ہے جس نے تم کو بنا کھڑا کیا اور بنادینے تمہارے واسطے کان اور آنکھیں اور دل تم بہت

مَا تَشْكُرُونَ ۝۲۳ قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَالْيَعْرُ ثُحْشَرُونَ ۝۲۴

تھوڑا حق مانتے ہو تو کہہ دہی ہے جس نے بکھیر دیا تم کو زمین میں اور اسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝۲۵ قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ

اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو تو کہہ خبر تو ہے اللہ ہی کے

اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝۲۶ فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سَيِّئَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ

پاس اور میرا کام تو یہی ڈرنا دینا ہے کھول کر پھر جب دیکھیں گے کہ وہ پاس آگیا تو بگڑ جائیں گے منہ مسکروں

كَفَرُوا وَقِيلَ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَدَّعُونَ ۝۲۷ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِي

کے اور کہے گا یہی ہے جس کو تم مانگتے تھے تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر ہلاک کر دے مجھ کو

اللَّهُ وَمَنْ مَّعِيَ أَوْ رَحْمَتَا ۖ فَمَنْ يُجِزُّ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝۲۸

اللہ اور میرے ساتھ والوں کو یا پھر رحم کرے پھر وہ کون ہے جو بچائے مکروں کو عذاب دردناک سے

قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ أَمَّنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۖ فَسْتَعْمِلُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ

تو کہہ دہی رحمن ہے ہم نے اس کو مانا اور اسی پر بھروسہ کیا سو اب تم جان لو گے کون بڑا ہے صریح

مُبِينٌ ۝۲۹ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مَّعِينٍ ۝۳۰

بہرکائے ہیں تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر ہو جائے صبح کو پانی تمہارا خشک پھر کون ہے جو لائے تمہارے پاس پانی نتھرا

خلاصہ تفسیر

وہ (خدا) بڑا عالیشان ہے جس کے قبضہ میں تمام سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے (حسن عمل میں موت کا تو دخل یہ ہے کہ موت کی فکر سے انسان دنیا فانی اور قیامت کے اعتقاد سے آفرت کو باقی سمجھ کر وہاں کے ثواب حاصل کرنے اور وہاں کے عذاب سے بچنے کے لئے مستعد ہو سکتا ہے اور حیات کا دخل یہ ہے کہ اگر حیات نہ ہو تو عمل کس وقت کرے، پس حسن عمل کے لئے موت بمنزلہ شرط کے اور حیات بمنزلہ ظرف کے ہے

اور چونکہ موت عدم محض نہیں ہے اس لئے اس پر مخلوقیت کا حکم صحیح ہے) اور وہ زبردست (اور) بخشش والا ہے (کہ اعمال غیر حسنہ پر عتاب اور اعمال حسنہ پر مغفرت و ثواب مرتب فرماتا ہے) جس نے سات آسمان اور پر تھے پیدا کئے (جیسے حدیث صحیح میں ہے کہ ایک آسمان سے اوپر بقا صلہ دراز دوسرا آسمان ہے پھر اسی طرح اس سے اوپر تیسرا و علیٰ ہذا۔ آگے آسمان کا استحکام بیان فرماتے ہیں کہ اسے دیکھنے والے) تو خدا کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا سو (اب کی بار) پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے (یعنی بلا تامل تو بہت بار دیکھا ہو گا اب کی بار تامل سے نگاہ کر) پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ (آفرکان) نگاہ ذیل اور در ماندہ ہو کر تیری طرف ٹوٹ آدے گی (اور کوئی رخنہ فطرہ آویگا یعنی وہ جس چیز کو جیسا چاہے بنا سکتا ہے چنانچہ آسمان کو مضمیو طابنا چاہا کہ باوجود زمان و راز گزر جانے کے اب تک اس میں کوئی خلل نہیں آیا۔ و ہذا کقولہ تعالیٰ وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ، اسی طرح کسی شے کو ضعیف اور جلد متاثر ہونے والی بنا دیا غرض اس کو ہر طرح کی قدرت ہے) اور (ہماری قدرت کی دلیل یہ ہے کہ) ہم نے قریب کے آسمان کو چراغوں (یعنی ستاروں) سے آراستہ کر رکھا ہے اور ہم نے ان (ستاروں) کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بھی بنایا ہے (جس کی حقیقت سورہ حجر میں گزری ہے) اور ہم نے ان (شیاطین) کے لئے (شہاب کی مار کے علاوہ جو کہ دنیا میں ہوتا ہے آخرت میں بوجہ ان کے کفر کے) دوزخ کا عذاب (بھی) تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ اپنے رب (کی توحید) کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بُری جگہ ہے جب یہ لوگ اسیں ڈالے جا دیں گے تو اسکی ایک بڑی زور کی آواز سنیں گے اور وہ اس طرح جوش مارتی ہوگی جیسے معلوم ہوتا ہے کہ (ابھی) غصہ کے مارے پھٹ پڑے گی (یا تو اللہ تعالیٰ اسیں ادراک اور غصہ پیدا کر دیکھا کہ مبغوضین حق پر اس کو بھی غیظ آوے گا اور یا مقصود تمثیل ہے یعنی جیسے کوئی غصہ سے جوش میں آتا ہے اسی طرح وہ شدت اشتعال سے جوش میں آوے گی اور) جب اسیں کوئی گروہ (کافروں کا) ڈالا جاوے گا تو اس کے محافظان لوگوں سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) نہیں آیا تھا (جس نے تم کو اس عذاب سے ڈرایا ہو جس کا مقتضایہ تھا کہ اس سے ڈرتے اور بچنے کا سامان کرتے۔ یہ سوال بطور توبیخ ہے یعنی پیغمبر تو آئے تھے اور یہ سوال ہر نئے جانے والے گروہ سے ہو گا کیونکہ دوزخ میں حسب تفادیت مراتب کفر سب فرقے کفار کے یکے بعد دیگرے جا دیں گے) وہ کافر (بطور اعتراف کے) کہیں گے کہ واقعی ہمارے پاس ڈرانے والا (پیغمبر) آیا تھا سو (ہماری شامت تھی کہ) ہم نے اس کو جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ خدا تعالیٰ نے (از قبیل احکام و کتب) کچھ نازل نہیں کیا (اور) تم بُری غلطی میں پڑے ہو۔ اور (وہ کافر فرشتوں سے یہ بھی) کہیں گے کہ ہم اگر سنتے یا سمجھتے (یعنی پیغمبروں کے کہنے کو قبول کرتے اور مانتے) تو ہم اہل دوزخ میں (شامل) نہ ہوتے غرض اپنے جرم کا اقرار کریں گے سوائے دوزخ پر لعنت ہے۔ بیشک جو لوگ اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں (اور ایمان و اطاعت اختیار کرتے ہیں) ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم (مقرر) ہے۔ اور تم لوگ خواہ چھپا کر بات کہو یا پکار کر کہو (اسکو سب خبر ہے کیونکہ)

وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب آگاہ ہے (اور بھلا) کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے اور وہ باریک بین ہے۔
 (اور) پورا باخبر ہے (حاصل استدلال کا یہ ہے کہ وہ ہر شے کا خالق مختار ہے پس تمہارے احوال و اقوال کا بھی خالق ہو
 اور کسی چیز کی تخلیق بغیر علم کے نہیں ہو سکتی اس لئے اللہ کو ہر چیز کا علم ضروری ہوا اور تخصیص اقوال کی مقصود نہیں
 بلکہ حکم عام ہے افعال بھی اس میں داخل ہیں تخصیص ذکر یہ شاید اس بنا پر ہو کہ اقوال کثیر الوقوع ہیں غرض اس کو
 سب علم ہے وہ ہر ایک کو مناسب جزا دیگا) وہ ایسا (مستعم) ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا،
 (کہ تم اس میں ہر طرح کے تصرفات کر سکتے ہو) سو تم اس کے رستوں میں چلو (پھرو) اور خدا کی روزی میں سے (جو زمین
 میں پیدا کی ہے) کھاؤ (پیو) اور (کھاپی کر اس کو یاد رکھنا کہ) اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے (پس یہ
 اس کو مقصود ہے کہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو جو ایمان و طاعت ہے) کیا تم لوگ اس سے بیخوف ہو گئے ہو
 جو کہ آسمان میں (بھی اپنا حکم اور تصرف رکھتا) ہے کہ وہ تم کو (مثل قارون کے) زمین میں دھنسا دے پھر
 وہ زمین تھر تھرا (کراٹ پٹ ہو) نے لگے (جس سے تم اور نیچے اتر جاؤ اور زمین کے اجزاء تمہارے اوپر آکر
 بل جا دیں) یا تم لوگ اس سے بیخوف ہو گئے ہو جو کہ آسمان میں (بھی اپنا حکم اور تصرف رکھتا) ہے کہ وہ تم پر
 (مثل عاد کے) ایک ہوائے تند بھیج دے (جس سے تم ہلاک ہو جاؤ یعنی مقصود تمہارے کفر کا یہی ہے) سو (اگر
 کسی مصلحت سے عذاب عاجل تم پر سے ٹل رہا ہے تو کیا ہوا) عنقریب (مرتے ہی) تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میرا
 ڈرانا (عذاب سے) کیسا (واقع اور صحیح) تھا اور (اگر بدون عذاب عاجل کے کفر کا مبعوض ہونا ان کی سمجھ میں
 نہ آئے تو اس کا نمونہ بھی موجود ہے چنانچہ) ان سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں انہوں نے (دین حق کو) جھٹلایا
 تھا سو (دیکھ لو ان پر) میرا عذاب کیسا (واقع) ہوا (جس سے صاف معلوم ہوا کہ کفر مبعوض ہے پس اگر
 کسی مصلحت سے یہاں عذاب ٹل گیا تو دوسرے عالم میں حسب وعید واقع ہوگا اور اوپر خالق سبحن سموات الخ
 میں وہ دلائل تو حید بیان ہوئے جو آسمان کے متعلق ہیں پھر هو الذی جعل لکم الارض الخ میں زمین کے متعلق
 چیزوں کا بیان ہوا، آگے جو یعنی فضاء آسمانی کے متعلقہ دلائل کا بیان ہے) کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں
 کی طرف نظر نہیں کی کہ پر پھیلائے ہوئے (اڑتے پھرتے) ہیں اور (کبھی اسی حالت میں) پر سمیٹ لیتے ہیں (اور
 دونوں حالتوں میں باوجود تھیل اور وزنی ہونے کے زمین اور آسمان کی درمیانی فضاء میں پھرتے رہتے ہیں زمین
 پر نہیں گرجاتے اور) بجز (خدائے) رحمان کے ان کو کوئی تھاے ہوئے نہیں ہے بیشک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے
 (اور جس طرح چاہے اس میں تصرف کر رہا ہے) ہاں (خدا کے تصرفات تو سن لئے اب بتلاؤ کہ) رحمن کے سوا
 وہ کون ہے کہ وہ تمہارا شکر بن کر (آفات سے) تمہاری حفاظت کر سکے (اور) کافر (جو اپنے معبودوں کی نسبت
 ایسا خیال رکھتے ہیں) تو (وہ) نرے دھوکہ میں ہیں (اور) ہاں (یہ بھی بتلاؤ کہ) وہ کون ہے جو تم کو روزی
 پہنچا دے اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی بند کر لے (مگر یہ لوگ اس سے بھی متاثر نہیں ہوتے) بلکہ یہ لوگ کمرشی
 اور نفرت (عن الحق) پر جم رہے ہیں (خلاصہ یہ کہ تمہارے معبودات باطلہ بت وغیرہ نہ کسی مضرت کے

دفع پر قادر ہیں وہوالمراد بقولہ تعالیٰ یَنْصُرُکُمْ اور نہ ایصالِ منافع پر قادر ہیں وہوالمراد بقولہ تعالیٰ یُزِفُکُمْ، پھر ان کی عبادت محض بے وقوفی ہے، یعنی جس کافر کا حال اوپر سنا ہے إِنَّ الْكَافِرَ لَدَالٍ فِي غُرُورِهِ بَلْ لَجُوا فِي غُرُورِهِ (سو (اس کو سنکر سوچو کہ) کیا جو شخص (بوجہ ناہمواری راہ کے ٹھوکریں کھاتا ہو اور) منہ کے بل گرتا ہو اچل رہا ہو وہ منزلِ مقصود پر زیادہ پہنچنے والا ہو گا یا وہ شخص (زیادہ منزل مقصود پر پہنچنے والا ہو گا) جو سیدھا ایک ہموار سڑک پر چلا جا رہا ہو (یہی حال ہے مومن و کافر کا کہ مومن کے چلنے کا رستہ بھی دینِ مستقیم اور وہ چلتا بھی ہے سیدھا ہو کر افراطِ تفریط سے بچ کر اور کافر کے چلنے کا رستہ بھی زینج و ضلالت کا ہے۔ اور چلنے میں بھی ہر وقت مہالک و مخادف میں گرتا جاتا ہے پس ایسی حالت میں کیا منزل پر پہنچے گا اور اوپر دلائلِ قیامتِ متعلق آفاق کے تھے آگے متعلق انفس کے ارشاد ہیرا۔ آپ (ان سے) کہئے کہ وہی (ایسا قادرِ متعم) ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے (مگر) تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو (اور) آپ (یہ بھی) کہئے کہ وہی ہے جس نے تم کو روئے زمین پر پھیلا یا اور تم اسی کے پاس (قیامت کے روز) اکٹھے کئے جاؤ گے اور یہ لوگ (جب قیامت کا ذکر سنتے ہیں) کمافی ہذہ السورۃ من قولہ إِلَیْہِ النُّشُورُ وَہُنَّ قَوْلُہِ إِلَیْہِ تُخْشَرُونَ تو کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہو گا اگر تم (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین مومنین) سچے ہو (تو بتلاؤ) آپ (جواب میں) کہہ دیجئے کہ یہ (تعیین کا) علم تو خدا ہی کو ہے اور میں تو محض (علی الاجمال مگر) صاف صاف ڈرانے والا ہوں پھر جب اس (عذابِ قیامت) کو پاس آتا ہو ادیکھیں گے (پاس آتا ہو ادیکھنا یہ کہ اعمال کا محاسبہ ہو گا دوزخ میں جانے کا حکم ہو گا جس سے متیقن ہو جائے گا کہ اب عذابِ سر پر آگیا غرض جب اس کو پاس آتا ہو ادیکھیں گے) تو (مارے غم کے) کافروں کے منہ بگڑ جاویں گے (بقولہ تعالیٰ وَجُوهٌ یَوْمَئِذٍ عَلَیْہَا غَبَرَةٌ تَرْفَعُہَا قَنَازٌ) اور (ان سے) کہا جاوے گا یہی ہے وہ جس کو تم مانگا کرتے تھے کہ عذابِ لاؤ، عذابِ لاؤ۔ اور یہ کفار ان مضامینِ حقہ تو حید و بعث و غیرہ کو سنکر جو ایسی باتیں کرتے ہیں شَاعِرٌ تَوَقَّعَ بِہِ رَبِّہِ الْمُنُونِ۔ اِنْ کَادَ لَیُضِلَّنَا عَنْ اِلٰہِتِنَا اِلَّا اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْہَا، جن کا حاصل انتظار آپ کی ہلاکت کا اور آپ کو نعوذ باللہ منسوب الی الضلال کرنا ہے آگے اسکے جواب کی تعلیم ہے جسمیں عذابِ کفار کی تقریر اور دوسرے مضامین سے اس کی متمیم ہے ارشاد ہوتا ہے کہ) آپ (ان سے) کہئے کہ تم یہ بتلاؤ کہ اگر خدا تعالیٰ مجھ کو اور میرے ساتھ والوں کو (موافق تمہاری تمنا کے) ہلاک کر دے یا (ہماری اُمید اور اپنے وعدہ کے مطابق) ہم پر رحمت فرمادے تو (دونوں حالت میں اپنی خبر لو اور یہ بتلاؤ کہ) کافروں کو عذابِ دردناک سے کون بچائے گا (یعنی ہماری توجہ حالت ہوگی دنیا میں ہوگی اور انجام اس کا ہر حال میں اچھا ہے بقولہ تعالیٰ هَلْ تَرْتَبِئُونَ بِنَا اِلَّا اِحْدٰی الْحُسْنٰی اَمْ مٰکُرًا بِہِ کہو کہ تم پر جو مصیبت عظیمہ آنے والی ہے اس کو کون روکے گا اور ہمارے دنیوی حوادث سے تمہاری وہ مصیبت کیسے ٹل جاوے گی تو اپنی فکر چھوڑ کر ہمارے حوادث کا انتظار ایک فضول حرکت ہے۔ یہ جواب ہے تَوَقَّعَ بِہِ الْمُنُونِ کا اور)

آپ (ان سے یہ بھی کہنے کہ وہ بڑا مہربان ہے ہم اس پر (اس کے حکم کی موافق) ایمان لائے اور ہم اس پر توکل کرتے ہیں) پس ایمان کی برکت سے تو وہ ہم کو عذابِ آخرت سے محفوظ رکھے گا اور توکل کی برکت سے حوادثِ دنیویہ کو دفع یا سہل کر دیگا یہ بھی مذکور ہے (جواب ہے) سو (جب تم پر عذاب الیم آئے والا ہے اور ہم انشاء اللہ تعالیٰ ایمان کی برکت سے اس عذاب سے محفوظ رہنے والے ہیں تو) عنقریب تم کو معلوم ہو جاوے گا (جب اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا اور ہم کو اس سے محفوظ دیکھو گے) کہ صریح گمراہی میں کون ہے (یعنی تم ہو جیسا کہ ہم کہتے ہیں یا ہم ہیں جیسا کہ تم کہتے ہو یہ جواب ہے اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا الْاِلٰهَ كَاغَ تَقْرِیر ہے مضمون بالا فَمَنْ يُّجِزُّ الْكَافِرِينَ الْاِلٰهَ کی یعنی اوپر جو کہا گیا ہے کہ تم کو عذاب الیم سے کوئی نہیں بچا سکتا، ان کو اگر اپنے الہ باطلہ کا گھمنڈ ہو کہ وہ بچالیں گے تو اس زعم کے ابطال و ازالہ کے لئے ان سے) آپ (یہ) کہہ دیجئے کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ اگر تمہارا پانی (جو کنوؤں میں ہے) نیچے کو (اُتر کر) غائب ہی ہو جائے سو وہ کون ہے جو تمہارے پاس سوت کا پانی لے آئے (یعنی کنوؤں کی سوت کو جاری کر دے اور اعماقِ ارض سے اُپر لے آئے اور اگر کسی کو کھود لیئے پر ناز ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس کو اور نیچے غائب کر دے و علیٰ ہذا، پس جب خدا کے مقابلے میں کسی کو اتنی بھی قدرت نہیں کہ معمولی طبعی واقعات میں تصرف کر سکے تو عذابِ آخرت سے بچانے کی کیا قدرت ہوگی)

معارف و مسائل

فضائل سورۃ ملک | اس سورت کو حدیث میں واقعہ اور منجیہ بھی فرمایا ہے۔ واقعہ کے معنی بچانے والی اور منجیہ کے معنی نجات دینے والی، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اھی المانعة المنجیة تبخیه من عذاب القبر، یعنی یہ سورت عذاب کو روکنے والی اور عذاب سے نجات دینے والی ہے۔ یہ اپنے پڑھنے والے کو عذابِ قبر سے بچالے گی (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب از قرطبی) اور حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ سورۃ ملک ہر مومن کے دل میں ہو (ذکرہ الثعلبی) اور حضرت ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں ایک ایسی سورت ہے جس کی آیتیں تو صرف تین ہیں قیامت کے روز یہ ایک شخص کی سفارش کرے گی یہاں تک کہ اس کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دے گی اور وہ سورۃ تبارک ہے (قرطبی۔ از ترمذی)

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لفظ تبارک برکت سے مشتق ہے جس کے لفظی معنی بڑھنے اور زیادہ ہونے کے ہیں یہ لفظ جب اللہ تعالیٰ کی شان میں بولا جاتا ہے تو سب سے بالا و برتر ہونے کے معنی میں آتا ہے جیسے اللہ اکبر، بیدہ الملک۔ اللہ کے ہاتھ میں ہے ملک اللہ جل شانہ کے لئے قرآن کریم میں جا بجا لفظ بیدہ استعمال ہوا ہے اللہ تعالیٰ جسم اور اعضاء سے بالا و برتر ہے۔

حالت میں ہے وہ دائمی اور ابدی ہے اب کسی کو موت نہیں آئے گی، مگر اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ دنیا میں موت کوئی جسم ہو بلکہ جس طرح دنیا کے بہت سے احوال و اعمال قیامت میں مجسم اور متشکل ہو جائیں گے جو بہت سی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اسی طرح موت جو انسان کو پیش آنے والی ایک حالت ہے وہ بھی قیامت میں مجسم ہو کر مینڈھے کی شکل میں ذبح کر دی جائے گی (قرطبی)

اور تفسیر مظہری نہیں فرمایا کہ موت اگرچہ عدمی چیز ہے مگر عدم محض نہیں، بلکہ ایسی چیز کا عدم ہے جس کو وجود میں کسی وقت آنا ہے اور ایسے تمام معدومات کی شکلیں عالم مثال میں قبل از وجودنا سوتی موجود ہوتی ہیں جن کو اعیان ثابۃ کہا جاتا ہے ان اشکال کی وجہ سے ان کو قبل الوجود بھی ایک قسم کا وجود حاصل ہے اور عالم مثال کے موجود ہونے پر بہت سی روایات حدیث سے استدلال فرمایا ہے واللہ اعلم

موت و حیات کے درجات مختلف | تفسیر مظہری میں ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہ نے اپنی قدرت اور حکمت بالغہ سے مخلوقات و ممکنات کو مختلف اقسام میں تقسیم فرمایا کہ ہر ایک کو حیات کی ایک قسم عطا فرمائی ہے۔ سب سے زیادہ کامل و مکمل حیات انسان کو عطا فرمائی جس میں یہ صلاحیت بھی رکھ دی کہ وہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت ایک خاص حد تک حاصل کر سکے اور یہ معرفت ہی بنیاد تکلیف احکام شرعیہ اور وہ بارگاہ امتداد جس کے اٹھانے سے آسمان وزمین اور پہاڑ سب ڈر گئے اور انسان نے اپنی اس خداداد صلاحیت کے سبب اٹھالیا اس حیات کے مقابل وہ موت ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی آیت **أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ** میں ذکر فرمایا ہے کہ کافر کو مردہ اور مؤمن کو زندہ قرار دیا گیا کیونکہ کافر نے اپنی اس معرفت کو ضائع کر دیا جو انسان کی مخصوص حیات تھی، اور بعض اصناف و اقسام مخلوقات میں یہ درجہ حیات کا تو نہیں مگر جس و حرکت موجود ہے اس کے مقابل وہ موت ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی آیت **كُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمَيِّتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ** میں آیا ہے کہ اس جگہ حیات سے مراد جس و حرکت اور موت سے مراد اس کا ختم ہو جانا ہے۔ اور بعض اقسام ممکنات میں یہ جس و حرکت بھی نہیں صرف نمو (بڑھنے کی صلاحیت) ہے جیسے عام درختوں اور نباتات میں اس کے بالمقابل وہ موت ہے جس کا ذکر قرآن کی آیت **يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا** میں آیا ہے۔ حیات کی یہ تین قسمیں انسان، حیوان، نبات میں منحصر ہیں ان کے علاوہ اور کسی چیز میں یہ اقسام حیات نہیں ہیں اسی لئے حق تعالیٰ پتھروں سے بنے ہوئے بتوں کے متعلق فرمایا **أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ** لیکن اس کے باوجود جادو میں بھی ایک خاص حیات موجود ہے جو وجود کیساتھ لازم ہے۔ اسی حیات کا اثر ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے **وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا لَیْسَ بِہٖ بِحَیْءٍ** یعنی کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی حمد کی تسبیح نہ پڑھتی ہو۔ اور آیت میں موت کا ذکر مقدم کرنے کی وجہ بھی اس بیان سے واضح ہو گئی کہ اصل کے اعتبار سے موت ہی مقدم ہے ہر چیز جو وجود میں آئی ہے پہلے موت کے عالم میں تھی بعد میں اس کو حیات عطا ہوئی ہے اس لئے موت کا ذکر مقدم کیا گیا۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آگے جو موت و حیات کی تخلیق کی وجہ انسان کی آزمائش و

ابتلاء کو قرار دیا ہے لَبِئْسَ كُفْرًا اَيْ كُفْرًا اَحْسَنُ عَمَلًا، یہ آزمائش پُرسبت حیات کے موت میں زیادہ ہے کیونکہ جس شخص کو اپنی موت کا استحضار ہو گا وہ اچھے اعمال کی پابندی زیادہ سے زیادہ کریگا۔ اور اگرچہ یہ آزمائش حیات میں بھی ہے کہ زندگی کے قدم قدم پر اس کو اپنا عجز اور اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونیکا استحضار ہوتا رہتا ہے جو حُسنِ عمل کی طرف داعی ہے لیکن موت کی فکر اصلاحِ عمل اور حُسنِ عمل میں سب سے زیادہ مؤثر ہے۔ حضرت عمار بن یاسر کی حدیث مرفوعہ میں ہے کَفَى بِالْمَوْتِ وَاعْظَاوُكْفَى بِالْيَقِيْنِ غَنًى، یعنی موت و غط کے لئے کافی ہے اور یقین غنی کے لئے (رواہ الطبرانی) مراد یہ ہے کہ اپنے دوستوں عزیزوں کی موت کا مشاہدہ سب سے بڑا واعظ ہے جو اس سے متاثر نہیں ہوتا اسکا دوسری چیزوں سے متاثر ہونا مشکل ہے اور جس کو اللہ نے ایمان یقین کی دولت عطا فرمائی اسکی برابر کوئی غنی و بے نیاز نہیں۔ اور ربیع بن انس نے فرمایا کہ موت انسان کو دنیا سے بیزار کرنے اور آخرت کی طرف رغبت دینے کے لئے کافی ہے۔

اَحْسَنُ عَمَلًا، یہاں یہ بات قابلِ نظر ہے کہ انسان کی اس آزمائش میں جو اس کی موت و حیات سے وابستہ ہے حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم میں سے کس کا عمل اچھا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ کس کا عمل زیادہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی عمل کی مقدار کا زیادہ ہونا قابلِ توجہ نہیں بلکہ عمل کا اچھا اور صحیح و مقبول ہونا معتبر ہے اسی لئے قیامت میں انسان کے اعمال کو گنا نہیں جائے گا بلکہ تولا جائیگا، جس میں بعض ایک ہی عمل کا وزن ہزاروں اعمال سے بڑھ جائے گا۔

حُسنِ عمل کیا ہے | حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی یہاں تک اَحْسَنُ عَمَلًا تک پہنچے تو فرمایا کہ (اَحْسَنُ عَمَلًا) وہ شخص ہے جو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے سب سے زیادہ پرہیز کرنے والا ہو اور اللہ کی اطاعت میں ہر وقت مستعد و تیار ہو (قرطبی)

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِنْ فُطُوْرٍ، اس آیت سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا والے آسمان کو آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ نیلیگوں فضا جو دکھائی دیتی ہے یہی آسمان ہو بلکہ ہو سکتا ہے آسمان اس سے بہت اوپر ہو اور یہ نیلیگوں رنگ ہوا اور فضا کا ہو جیسا کہ فلاسفہ کہتے ہیں مگر اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ آسمان انسان کو نظر ہی نہ آئے، ہو سکتا ہے کہ یہ نیلیگوں فضا شفاف ہونیکے سبب اصل آسمان کو جو اس سے بہت اوپر ہے دیکھنے میں مانع نہ ہو۔ اور اگر کسی دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ دنیا میں رہتے ہوئے آسمان کو آنکھ سے نہیں دیکھا جاسکتا تو پھر اس آیت میں رویت سے مراد رویت عقلی یعنی غور و فکر ہوگا (بیان القرآن) میں

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحٍ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِيْنِ، مَصَابِيْحٍ سے مراد ستارے اور نیچے کے آسمان کو ستاروں سے مزین کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ستارے آسمان کے اندر یا اس کے اوپر لگے ہوئے ہوں بلکہ یہ تزیین اس صورت میں بھی صادق ہے جبکہ ستارے آسمان سے بہت نیچے خلا میں ہوں جیسا کہ تحقیق جدید سے اسکا مشاہدہ ہو رہا ہے یہ اُس کے متنافی نہیں، اور ستاروں کو شیاطین کے

دفع کرنے کے لئے ارکارے بنا دینے کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ ستاروں میں سے کوئی مادہ آتشیں انہی طرف چھوڑ دیا جاتا ہو ستارے اپنی جگہ رہتے ہوں، عوام کی نظر میں چونکہ یہ شعلہ ستارہ کی طرح حرکت کرتا ہوا نظر آتا ہے اسلئے اس کو ستارہ ٹوٹنا اور عربی میں انقضا ض الکوکب کہہ دیتے ہیں (قرطبی)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیاطین جو آسمانی خبریں پھرانے کے لئے چڑھتے ہیں وہ کواکب اور ستاروں سے نیچے ہی دفع کر دیئے جاتے ہیں (قرطبی) یہاں تک مختلف مخلوقات میں غور و فکر کے ذریعہ حق تعالیٰ کے کمال علم و قدرت کے دلائل بیان ہوئے آگے منکرین اور کفار کا عذاب اور پھر مومنین اور اطاعت شعار لوگوں کا ثواب بیان ہوا ہے وَلِلّٰہِ یُنِیْ کَفَرًا یُؤْتِیْہِمْ عَذَابٌ جَحِیْمٌ سے سات آیتوں تک یہ مضمون چلا ہے۔ آگے پھر وہی علم و قدرت کا بیان ہے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذُلُوْلًا، ذُلُوْل کے لفظی معنی منقاد و مطیع کے ہیں اس جانور کو ذلول کہا جاتا ہے جو سواری دینے میں شوخی نہ کرے۔ مناکب، منکب کی جمع ہے مونڈھے کو کہتے ہیں۔ کسی بھی جانور کا مونڈھا سواری کی جگہ نہیں ہوتی بلکہ اُس کی کمر یا گردن ہوتی جو جانور سواری ہونے والوں کے لئے اپنے مونڈھے بھی پیش کر دے وہ بہت ہی مطیع و منقاد اور مسخر ہو سکتا ہے اسلئے فرمایا کہ زمین کو تمہارے لئے ہم نے ایسا مسخر و مطیع بنا دیا ہے کہ تم اس کے مونڈھوں پر چڑھتے پھرو۔ زمین کو حق تعالیٰ نے ایک ایسا قوام بخشا ہے کہ نہ تو پانی کی طرح سیال اور بہنے والا ہے نہ ردئی اور کیچڑ کی طرح دبے والا، کیونکہ زمین ایسی ہوتی تو اس پر کسی انسان کا رہنا ٹھہرنا ممکن نہ ہوتا اسی طرح زمین کو لوہے پتھر کی طرح سخت بھی نہیں بنایا اگر ایسا ہوتا تو اس میں درخت اور کھیتی نہ ہوتی جاسکتی اس میں کنویں اور نہریں نہ کھودی جاسکتیں اس کو کھود کر اونچی عمارتوں کی بنیاد نہ رکھی جاسکتی، اس قوام کے ساتھ اس کو ایسا سکون بخشا کہ اُس پر عمارتیں ٹھہر سکیں چلنے پھرنے والوں کو لغزش نہ ہو۔

وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِہٖ وَارْتَقِہٖ وَارْتَقِہٖ الشُّوْرُ، پہلے زمین کے اطراف میں چلنے پھرنے کی ہدایت فرمائی اس کے بعد فرمایا کہ اللہ کا رزق کھاؤ۔ اس میں اشارہ ہو سکتا ہے کہ تجارت کے لئے سفر اور مال کی درآمد برآمد اللہ کے رزق کا دروازہ ہے اَللّٰہِ الشُّوْرُ میں بتلادیا کہ کھانے پینے رہنے سہنے کے فوائد زمین سے حاصل کرنے کی اجازت ہے مگر موت اور آخرت سے بے فکر نہ رہو کہ انجام کار اسی کی طرف ٹوٹ کر جانا ہے۔ زمین پر رہتے ہوئے آخرت کی تیاری میں لگے رہو۔ اس میں تو اس بات سے ڈرایا گیا تھا کہ آخر کار قیامت میں اللہ کی طرف ٹوٹنا ہے، آگے اس پر تنبیہ کی گئی ہے کہ زمین پر رہنے بسنے کے وقت بھی اللہ کا عذاب آسکتا ہے ارشاد فرمایا،

اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمٰوٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا ہِیَ لَمُورٌ، کیا تم اس سے بخوف ہو کہ آسمان والا تمہیں زمین کے اندر خسف کر کے دھنسا دے اور زمین تمہیں نگل جائے یعنی اگرچہ اللہ نے زمین کو ایسا معتدل قوام دیا ہے کہ آدمی بغیر کھودے ہوئے اس کے اندر نہیں اتر سکتا، لیکن وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اس کو ایسا بنادے کہ یہی زمین اپنے اوپر رہنے والوں کو نگل جائے، اس کے بعد دنیا میں بسنے والوں کو ایک اور طرح کے عذاب سے ڈرایا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہارے اوپر یعنی آسمان سے پتھر بھی برسا کر تمہیں ہلاک کیا جاسکتا ہے

اللہ کے منکر اور نافرمان دُنیا میں اس سے بے فکر ہو کر نہ بیٹھیں۔

اَمْ اَمِنْتُمْ مِّنْ فِي السَّمَاۤءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرٌ ۚ یعنی کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ آسمان والا تم پر آسمان سے پتھر برسا دے، اس وقت تمہیں اس ڈرانے کا انجام معلوم ہو گا مگر اس وقت معلوم ہونا بے سود ہو گا، آج جبکہ تم صحیح سالم محفوظ و مایوں ہو اس کی فکر کرو۔ اس کے بعد پچھلی ان قوموں کے واقعات کی طرف اشارہ کیا جن پر دُنیا میں عذاب الہی نازل ہوا ہے مطلب یہ ہے کہ ان کے حال سے عبرت حاصل کرو وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرٌ ۚ کا یہی مطلب ہے اسکے بعد پھر اصل مضمون سورت کی طرف رجوع ہے کہ ممکنات و مخلوقات کے حالات سے حق تعالیٰ کی توحید اور علم و قدرت پر استدلال ہے خود انسان کے نفوس، آسمان، ستارے، زمین وغیرہ کے حالات کا بیان پہلے آچکا ہے آگے ان پرندوں کا ذکر ہے جو فضا و آسمانی میں اڑتے پھرتے ہیں۔

اَوْ لَمْ يَكُوْنِ اِلَى الطَّيْرِ اٰیَةٌ ۚ یعنی کیا وہ پرندوں کو اپنے سروں پر اڑتے ہوئے نہیں دیکھتے جو کبھی اپنے بازوؤں کو پھیلا دیتے ہیں اور کبھی سمیٹ لیتے ہیں۔ ان میں غور کرو کہ یہ وزنی جسم ہیں عام قاعدہ کی رو سے وزنی جسم جب اوپر چھوڑا جائے تو اُسے زمین پر گر جانا چاہیے، ہوا ان وزنی جسموں کو عام طور پر نہیں روک سکتی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان پرندے جانوروں کو ایسی وضع پر بنایا ہے کہ وہ ہوا پر ٹھیر سکیں اور ہوا پر اپنے اجسام کا بوجھ ڈالنے اور اس میں تیرتے ہوئے پھرنے کے لئے حق تعالیٰ نے اس بظاہر بے عقل و شعور جانور کو یہ سلیقہ سکھا دیا ہے کہ وہ اپنے پروں کو پھیلائے اور سمیٹنے کے ذریعہ ہوا کو مستحضر کر لیتا ہے اور ظاہر ہے کہ ہوا میں یہ صلاحیت پیدا کرنا، پرندوں کے پروں کو اس وضع پر بنانا پھر ان کو اپنے پروں کے ذریعہ ہوا پر کنٹرول کرنے کا سلیقہ سکھانا یہ سب حق تعالیٰ ہی کی قدرت کاملہ سے ہے۔

یہاں تک ممکنات و موجودات کی مختلف اصناف کے حالات میں غور و فکر کے ذریعہ حق تعالیٰ کے وجود اور توحید اور بے نظیر علم و قدرت کے دلائل جمع فرمائے گئے جن میں ذرا بھی غور و فکر کر لو گے کہ حق تعالیٰ پر ایمان لانے کے سوا چارہ نہیں رہتا، آگے ختم سورت تک کفار و فجار منکرین اور بد عمل لوگوں کو عذاب الہی سے ڈرایا گیا ہے۔ پہلے اس پر تنبیہ کی گئی کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرنا چاہیں تو دُنیا کی کوئی طاقت اُس کو نہیں روک سکتی، تمہارے لشکر اور سپاہی اُس سے تم کو نہیں بچا سکتے، چنانچہ ارشاد فرمایا،

اٰمَنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ۚ اِنَّ الْكَافِرُوْنَ اِلٰی فِیْ غُرُوْرٍ ۝

اس کے بعد اس سے ڈرایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا جو رزق تم کو آسمان سے پانی برسنے اور زمین سے نباتات اُگانے کے ذریعہ مل رہا ہے، یہ کوئی تمہاری ذاتی جاگیر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا و بخشش ہے وہ اسکو روک بھی سکتا ہے اٰمَنْ هٰذَا الَّذِيْ يُّدْرِكُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقُكُمْ ۚ کا یہی مطلب ہے۔ آگے کفار کے حال پر افسوس ہے جو نہ آیات قدرت میں خود غور کرتے ہیں نہ دوسرے بتانے والوں کی بات سنتے ہیں بَلْ لَّجَّوْا فِیْ عُتُوٍّ

وَنُفُورٍ، یعنی یہ لوگ برابر اپنی سرکشی اور حق سے دُوری میں بڑھتے ہی جاتے ہیں۔ آگے میدانِ قیامت میں کافرو مُؤمن کا جو حال ہونا ہے اسکا ذکر ہے کہ قیامت کے میدان میں کفار اس طرح حاضر کئے جا دیں گے کہ پاؤں پر چلنے کے بجائے سر کے بل چلیں گے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ صحابہ کرام نے سوال کیا کہ کفار چہرے کے بل کیسے چلیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس ذات نے اُن کو پیروں پر چلایا ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ اُن کو چہروں اور سروں کے بل چلا دے۔ اسی کو اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔

أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَى وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّنْ يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۚ یعنی کیا وہ آدمی جو آوندھا اپنے چہرہ کے بل چلے زیادہ ہدایت پانے والا ہے یا وہ جو سیدھا چلنے والا ہے۔ سیدھا چلنے والے سے مراد مومن ہے کہ ہدایت یافتہ وہی ہو سکتا ہے۔ آگے پھر انسانی تخلیق میں حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے چند مظاہر کا بیان ہے۔

قُلْ هُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝ یعنی آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے۔ مگر تم لوگ شکر گزار نہیں ہوتے۔

سمع و بصر اور قلب کی تفصیص | اس میں اعضائے انسانی میں سے اُن تین اعضاء کا ذکر ہے جن پر علم و ادراک اور شعور موقوف ہے۔ فلاسفہ نے علم و ادراک کے پانچ ذریعہ بیان کئے ہیں جن کو حواس خمسہ کہا جاتا ہے۔ یعنی سُننا، دیکھنا، سونگھنا، چکھنا اور چھونا، سونگھنے کے لئے ناک اور چکھنے کے لئے زبان اور چھونے کی قوت سارے بدن میں حق تعالیٰ نے رکھی ہے۔ سُننے کے لئے کان اور دیکھنے کے لئے آنکھ بنائی ہے یہاں حق تعالیٰ نے ان پانچوں چیزوں میں سے صرف دو کا ذکر کیا ہے یعنی کان اور آنکھ، وجہ یہ ہے کہ سونگھتے چکھتے اور چھونے سے بہت کم چیزوں کا علم انسان کو حاصل ہوتا ہے اس کے معلومات کا بڑا مدار سُننے اور دیکھنے پر ہے اور ان میں بھی سُننے کو مقدم کیا گیا غور کرو تو معلوم ہو گا کہ انسان کو اپنی عمر میں جتنی معلومات ہوئی ہیں۔ اُن میں سُنی ہوئی چیزیں بہ نسبت دیکھی ہوئی چیزوں کے بدرجہا زائد ہوتی ہیں اس لئے اس جگہ حواس خمسہ میں سے صرف دو پر اکتفا کیا گیا ہے کہ بیشتر معلومات انسانی انہیں دو راہوں سے حاصل ہوتی ہیں اور تیسری چیز قلب کو بتلایا ہے کہ وہ اصل بنیاد اور مرکزِ علم کل ہے۔ کانوں سے سُنی ہوئی اور آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیزوں کا علم بھی قلب پر موقوف ہے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات اس پر شاہد ہیں کہ قلب کو مرکزِ علم قرار دیا ہے بخلاف فلاسفہ کے کہ وہ دماغ کو اسکا مرکز مانتے ہیں۔

اس کے بعد پھر کفار و منکرین کو تنبیہ اور عذاب کی وعید کا بیان ہے۔ آخر سورت میں پھر ایک جملہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ زمین پر بسنے والو اور اُس کو کھود کر کنوئیں بنانے والو اور اس کے پانی سے اپنے پینے پلانے اور نباتات اُگانے کا کام لینے والو اس بات کو نہ بھولو کہ یہ سب چیزیں کوئی تمہاری

ذاتی جاگیر نہیں صرف حق تعالیٰ کا عطیہ ہے کہ اس نے پانی برسایا اور اس پانی کو برف کی شکل میں بحرِ منجمد بنا کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر لا دیا کہ سڑنے اور خراب ہونے سے محفوظ رہے پھر اس برف کو آہستہ آہستہ پگھلا کر پہاڑوں کی عروق کے ذریعہ زمین کے اندر اتار دیا اور بغیر کسی پائپ لائن کے پوری زمین میں اس کا ایسا جال پھیلا دیا کہ جہاں چاہو زمین کھود کر پانی نکال لو مگر یہ پانی جو اس نے زمین کی اوپر ہی کی سطح پر رکھ دیا ہے جس کو چند فٹ یا گز زمین کھود کر نکالا جاسکتا ہے یہ مالک و خالق کا عطیہ ہے اگر وہ چاہے تو اس پانی کو زمین کے نیچے کی سطح پر اتار دے جہاں تک تمہاری رسائی ممکن نہ ہو۔

قُلْ أَدْعَيْكُمْ إِلَىٰ مَا أَكْفَرُ عَنَّا فَخُصِّنْ يَأْتِيَكُمْ بِهِ مَاءٌ مَّعِينٌ ، یعنی آپ ان لوگوں کو بتلاؤ کہ اس بات پر غور کریں کہ جو پانی کنوؤں کے ذریعہ یا سانی نکال کر پی رہے ہو اگر وہ پانی زمین کی گہرائی میں اتر جائے تو تمہاری کونسی طاقت ہے جو اس جاری پانی کو حاصل کر سکے۔ حدیث میں ہے کہ جب آدمی یہ آیت تلاوت کرے تو اس کو کہنا چاہیے اللہ رب العالمین یعنی اللہ رب العالمین ہی پھر اس کو لا سکتا ہے ہماری کسی کی طاقت نہیں ۛ

تَمَّتْ سُورَةُ الْمُلْكِ بِحَمْدِ اللَّهِ فِي ثَلَاثِ رَحِيْبٍ سِتِّينَ يَوْمٍ اَخْمَاسِيْنَ

سُورَةُ الْقَلَمِ

سُورَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَانِ وَخَمْسُونَ آيَةً وَفِيهَا اَرْكُوعٌ
سُورَةُ قَلَم مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی باون آیتیں ہیں اور اس میں دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ۱ مَا اَنْتَ بِتَعْمِدَ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۲ وَاِنْ لَكَ

نستم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں تو نہیں اپنے رب کے فضل سے دیوانہ اور تیرے واسطے

لَا جَرَّ اَغْيَرُ مَمْنُونٍ ۳ وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلِقَ عَظِیْمٌ ۴ فَسَتَبْصِرُ وَبِیْصِرُونَ ۵

بدلہ ہے بے انتہا اور تو پیدا ہوا ہے بڑے خلق پر سوا ب تو بھی دیکھ لیگا اور وہ بھی دیکھ لیں گے

يَايْتِكُمُ الْمَفْتُونُ ۶ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ

کہ کون ہے تم میں جو بھل رہا ہے بیشک تیرا رب وہی خوب جانتے اس کو جو بہکا اس کی راہ سے اور وہی

اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۷ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِیْنَ ۸ وَدُّوا لَوْ شَدَّهْنُ

خوب جانتا ہے راہ پالنے والوں کو سو تو کہنا مت مان جھٹلانے والوں کا وہ چاہتے ہیں کسی طرح تو ڈھیل

فَیْدُ هِنُونَ ۹ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِیْنٍ ۱۰ هُمْ اَزَّ مَشَآءٍ ۱۱

ہو تو وہ بھی ڈھیلے ہوں اور تو کہنا مت مان کسی قسمیں کھانے والے بے قدر کا طعنے دے چٹلی کھاتا

بِیْمِیْمٍ ۱۱ مِّنَا ۱۲ لِلْخَیْرِ مُعْتَدٍ اِثْبَمٌ ۱۳ عَتَلْتُ اَعْدَاكَ ذٰلِكَ زَنْیْمٌ ۱۴

بچھے، بھلے کام سے روکے حد سے بڑھ بڑا گنہگار اُجڈ ان سب کے پیچھے بدنام

اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِیْنَ ۱۵ اِذَا نَسِیَ عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ

اسوا سطر کہ رکھتا ہے مال اور بیٹے جب سنائے اس کو ہماری باتیں کہے یہ نقلیں ہیں

اِلَّا وَٰلِیْنَ ۱۶ سَنَسِیْمُهُۥ عَلٰی الْخُرُطُوْمِ ۱۷ اِنَّا بَلَوْنَهُمْ كَمَا بَلَوْنَا

پہلوں کی اب داغ دیں گے ہم اس کو سونڈ پر ہم نے اُن کو جانچا ہے جیسے جانچا تھا

أَصْحَابِ الْجَنَّةِ إِذَا أَقْسَمُوا لِيَصْرُمْنَهَا مُصْبِحِينَ ۝۱۸ وَلَا يَسْتَنْوُونَ ۝۱۹

باغ والوں کو جب ان سب نے قسم کھائی کہ اسکا سوہ توڑیں گے صبح ہوتے اور انشا اللہ نہ کہا

فَطَافَ عَلَيْهِمُ طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ۝۱۹ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ۝۲۰

پھر پھیرا گیا اُس پر کوئی پھیرے والا تیرے رب کی طرف سے اور وہ سوتے ہی رہے پھر صبح تک اور باجیسے ٹوٹ چکا

فَتَنَادُوا مُصْبِحِينَ ۝۲۱ أَنِ اغْدُوا عَلٰی حَرْثِكُمْ إِن كُنْتُمْ صٰرِمِينَ ۝۲۲

پھر آپس میں بولے صبح ہوتے کہ سویرے چلو اپنے کھیت پر اگر تم سو توڑنا ہے

فَاَنْطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ ۝۲۳ أَن لَّا يَدْخُلُهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَّسْكِينٌ ۝۲۴

پھر چلے اور آپس میں کہتے تھے جیکے جیکے کہ اندر نہ آنے پائے اس میں آج تمہارے پاس کوئی محتاج

وَّاغْدُوا عَلٰی حَرْثٍ قَدِيرٍ ۝۲۵ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ ۝۲۶ بَلْ

اور سویرے چلے پکٹے ہوئے زور کے ساتھ پھر جب اس کو دیکھا بولے ہم تو راہ بھول آئے نہیں

نَحْنُ مُخْرَوُّمُونَ ۝۲۷ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ لَوْ لَا تَسْبَحُونَ ۝۲۸ قَالُوا

ہماری تو قسمت یہ تو گئی بولا بچلا اُن کا میں نے تم کو نہ کہا تھا کہ کیوں نہیں پاکی بولتے اللہ کی بولے

سُبْحٰنَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِينَ ۝۲۹ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ يَتَلَٰوَمُونَ ۝۳۰ قَالُوا

پاک ذات ہے ہمارے رب کی ہم ہی تقصیر دار تھے پھر سنہ کر کر ایک دوسرے کی طرف لگے اُلاہنا دینے بولے

يٰوَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِينَ ۝۳۱ عَسٰی رَبُّنَا أَن يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا إِنَّا إِلَىٰ

ہائے خرابی ہماری ہم ہی تھے حد سے بڑھنے والے شاید ہمارا رب بدل دے ہم کو اس سے بہتر ہم اپنے رب سے

رَبِّنَا رٰغِبُونَ ۝۳۲ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ مَوْكَالًا ۝۳۳

آرزو رکھتے ہیں یوں آتی ہے آفت اور آخرت کی آفت تو سب سے بڑی ہے اگر ان کو

يَعْلَمُونَ ۝۳۴ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتِ النَّعِيمِ ۝۳۵ أَفَنَجْعَلُ

سمجھ ہوتی البتہ ڈرنے والوں کو ان کے رب کے پاس باغ میں نعمت کے کیا ہم کر دیں گے

الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ۝۳۶ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝۳۷ أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ

حکم برداروں کو برابر گناہگاروں کے کیا ہو گیا تم کو کیسے ٹھہراتے ہو بات کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے

فِيهِ تَدْرُسُونَ ۝۳۸ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ۝۳۹ أَمْ لَكُمْ آيْمَانٌ

جس میں پڑھ لیتے ہو اُس میں ملتا ہے تم کو جو تم پسند کرو کیا تم نے ہم سے متبیں لے لی ہیں

عَلَيْنَا بِالْغَةِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ ۝۴۰ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ۝۴۱ سَلِّمُوا

ٹھیک پہنچنے والی قیامت کے دن تک کہ تم کو ملے گا جو کچھ تم ٹھہراؤ گے بوجھ ان سے

أَيُّكُمْ بِذٰلِكَ زَعِيمٌ ۝۴۲ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِن

کونسا ان میں اسکا ذمہ لیتا ہے کیا ان کے واسطے کوئی شریک ہیں پھر تو چاہیے لے آئیں اپنے اپنے شریکوں کو اگر وہ

كَانُوا صِدْقَيْنِ ۝۳۱ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا

یہ ہیں جس دن کہ کھولی جائے پنڈلی اور وہ بلائے جائیں سجدہ کرنے کو پھر

يَسْتَطِيعُونَ ۝۳۲ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ

نہ کر سکیں جھکی پڑتی ہوں گی ان کی آنکھیں چڑھی آتی ہوگی ان پر ذلت اور پہلے ان کو بلائے رہے

إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَلِيمُونَ ۝۳۳ فَذَرْنِي وَمَنْ يُكْذِبُ هَذَا الْحَدِيثِ

سجدہ کرنے کو اور وہ تھے اچھے خاصے اب چھوڑ دے مجھ کو اور ان کو جو کہ جھٹلائیں اس بات کو

سَتَسْتَدْرِكُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۝۳۴ وَأُمْلَى لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ۝۳۵

اب ہم سیر بھی سیر بھی اُتاریں گے ان کو جہاں سے ان کو پتہ بھی نہیں اور ان کو ڈھیل دیے جاتا ہوں بیشک میرا دَاؤ پکا ہے

أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ۝۳۶ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ

کیا تو مانگتا ہے ان سے کچھ حق سو ان پر تادان کا بوجھ پڑ رہا ہے کیا ان کے پاس خبر ہے غیب کی سو وہ

يَكْتَبُونَ ۝۳۷ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ

لکھ لاتے ہیں اب تو استقلال سے راہ دیکھتا رہ اپنے رب کے حکم کی اور مت ہرجیسا وہ بھلی والا جب پکارا اس نے

وَهُوَ مَكْظُومٌ ۝۳۸ لَوْلَا أَنَّ تَدَارَكُنَا نِعْمَةً مِنْ رَبِّهِمْ كَنِيدٍ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ

اور وہ غصہ میں بھرا تھا اگر نہ سبھاتا اس کو احسان میرے رب کا تو پھینکا گیا ہی تھا چیل میدان میں الزام

مَذْمُومٌ ۝۳۹ فَاجْتَبِهْ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝۴۰ وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ

کہا کر پھر نوازا اس کو اسے رہنے پھر کر دیا اس کو نیکیوں میں اور منکر تو لگ ہی رہے ہیں

كَفَرُوا بِالْإِيزِ لِقَوْلِكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ

کہ پھسلادیں تجھ کو اپنی رنگاہوں سے جب سنتے ہیں قرآن اور کہتے ہیں وہ تو

لَيَجْنُونَ ۝۴۱ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝۴۲

باؤلا ہے اور یہ قرآن تو یہی نصیحت ہے سامعہ جہان والوں کو

خلاصہ تفسیر

ن (اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں) قسم ہے قلم کی (جس سے مقادیر خلق لوح محفوظ پر لکھے گئے) اور (قسم ہے) ان (فرشتوں) کے لکھنے کی (جو کہ کاتب اعمال ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے قلم اور ما یسطرون کی یہی تفسیر فرمائی ہے) (در منثور) آگے جواب قسم ہے (کہ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں) جیسا منکرین نبوت کہتے ہیں (کذا فی الدر عن ابن جریج فی سبب النزول) مطلب یہ کہ آپ نبی برحق ہیں اور یہ قسمیں اس مدعا کے نہایت مناسب ہیں کیونکہ منجملہ مقادیر کے نزول قرآن بھی ہے پس اس آیت میں

اشارہ ہے کہ نبوت آپ کی علم الہی میں پہلے ہی سے محقق و موکد ہے پس ثبوت اس کا متیقن ہوا اور اعمال لکھنے والے فرشتے مصدقین و منکرین کے اعمال کو لکھ رہے ہیں پس انکار نبوت پر سزا ہوگی اس سے ذکر ایمان (انا واجبہ) اور بیشک آپ کے لئے (اس تبلیغ احکام پر) ایسا اجر (ملنے والا) ہے جو (کبھی) ختم ہونے والا نہیں (اس میں بھی تقریر ہے نبوت کی جو مستلزم ہے نفی مطاعن کو اور تقریر نبوت کے ساتھ متضمن ہے تسلی کو بھی کہ آپ چند روز بر داشت کر لیجئے کہ انجام اس کا اجر عظیم ہے) اور بیشک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں (کہ ہر فعل آپ کا موصوف باعتماد اور قرین رضائے ایزد و متعال ہے اور مجنون میں اخلاق کا کمال کہاں ہوتا ہے یہ بھی جواب ہے طعن مذکور کا آگے تسلیہ ہے یعنی یہ جو ایسے مہلات کہتے ہیں) سو (اس کا غم نہ کیجئے کیونکہ) عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں کس کو جنون (حقیقی) تھا (یعنی جنون کی حقیقت ہے زوال عقل اور عقل کی غایت ہے ادراک نفع و ضرر اور ضرر معتد بہ وہ ہے جو ابدی ہو، پس قیامت میں ان کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ عاقل بل حق تھے جنہوں نے اس نفع کو حاصل کیا اور مجنون یہ خود تھے جو اس نفع سے محروم رہ کر ضرر ابدی میں مبتلا ہوئے اور چونکہ آپ کا پروردگار اس شخص کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ راہ (راست) پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے (اس لئے ہر ایک کو اس کے مناسب جزا و سزا دیگا اور اس جزا و سزا کے مناسب ہونے کو یہ منکرین بھی اس وقت سمجھ لیں گے جب حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ عاقل کون تھا مجنون کون، آگے ذم منکرین کا مضمون ہے کہ جب آپ حق پر ہیں اور یہ لوگ باطل پر ہیں) تو آپ ان تکذیب کرنے والوں کا کہنا نہ مانئے (جیسا کہ اب تک نہیں مانا، اور وہ کہنا وہ ہے جو آگے مفہوم ہوتا ہے یعنی) یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آپ (نعوذ باللہ اپنے منصبی کام میں کہ تبلیغ ہے ذرا) ڈھیلے ہو جاویں تو یہ بھی ڈھیلے ہو جائیں (آپ کا ڈھیلا ہونا یہ کہ بت پرستی کی مذمت نہ کریں، اور ان کا ڈھیلا ہونا یہ کہ آپ کی مخالفت نہ کریں۔ سورہ کافرون کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ڈھیلے ہونے کا یہی مطلب بیان فرمایا ہے۔ درمنثور) اور آپ (بالخصوص) کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہو (مراد جھوٹی قسم کھانے والا ہے۔ عادۃ اکثر جھوٹے آدمی قسمیں بہت کھایا کرتے ہیں۔ اور جو اپنی حرکت شنیعہ کی وجہ سے عند اللہ و عند الخلق بے وقعت ہو (دل دکھانے کے لئے) طعنہ دینے والا ہو چغلیاں لگاتا پھرتا ہو، نیک کام سے روکنے والا ہو حد (اعتدال) سے گزرنے والا ہو گناہوں کا (ارتکاب) کرنے والا ہو، سخت مزاج ہو (اور) اس (سب) کے علاوہ بدنام (بھی) ہو (مراد ولد الزنا اور مطلب یہ ہے کہ اور اخلاق و افعال بھی اس کے خبیث ہوں چونکہ غالباً ولد الزنا کے اخلاق و افعال اچھے نہیں ہوتے اس لئے مجازاً اس سے یہ مراد لیا گیا، خلاصہ یہ کہ اول تو مطلقاً مکذبین کا پھر خصوص جبکہ وہ مکذبین ان ذمائم کے ساتھ بھی متصف ہوں جیسا کہ آپ کے مکذبین میں سے بعض بڑے بڑے ایسے ہی تھے اور اس درخواست میں شریک بلکہ اسکے بانی تھے غرض آپ ایسے شخص کا کہنا نہ مانئے اور وہ بھی محض) اس سبب سے کہ وہ مال اور اولاد والا ہو۔ (یعنی دنیا کی دجاہت رکھتا ہو اور ایسے شخص کی اطاعت سے اس لئے منع کیا جاتا ہے کہ اس شخص کی یہ

عادت ہے کہ جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے یہ بے سند باتیں ہیں جو انگلوں سے منقول چلی آتی ہیں (مطلب یہ کہ آیات کی تکذیب کرتا ہے خلاصہ یہ کہ اُن کی اطاعت سے منع کرنے کی اصل علت ان کی تکذیب ہے اور اسی بنا پر اَوَّلُ لَا تُطِيعُ الْمُكَذِّبِينَ فرمایا گیا پھر بطور تخصیص بعد تمیم کے ان مکذبین میں سے ایسے لوگوں کی اطاعت سے ممانعت کی گئی جو علاوہ تکذیب کے اور بُری عادتیں بھی رکھتے ہوں ایسوں کی اطاعت سے ممانعت مطلق مکذبین کی اطاعت کی ممانعت سے اور زیادہ اشد ہوگی لیکن اصل علت وہی تکذیب رہے گی آگے ایسے شخص کی سزا کا بیان ہے کہ ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگا دیں گے۔ (یعنی قیامت میں اس کے چہرے اور ناک پر اس کے کفر کی وجہ سے کوئی علامت ذلت اور پشیمان کی لگا دیں گے جس سے وہ خوب رُسا ہو۔ حدیث مرفوعہ میں ایسا ہی وارد ہے کَفَانِي الدَّرَ الْمَنْشُور۔ آگے اہل مکہ کو ایک قصہ سنا کر ان کو وبال سے ڈرایا گیا ہے) ہم نے (جو ان اہل مکہ کو سامان عیش دے رکھا ہے جس پر یہ مغرور ہو رہے ہیں تو ہم نے) ان کی آزمائش کر رکھی ہے (کہ دیکھیں یہ نعمتوں کے شکر میں ایمان لاتے ہیں یا ناشکری و بیقدری کر کے کفر کرتے ہیں) جیسا (ان سے پہلے نعمتیں دے کر) ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی (یہ باغ بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بقول سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما، کَذَانِي الدَّرَ الْمَنْشُور اور یہ قصہ اہل مکہ میں مشہور معروف تھا اور جن باغ والوں کا یہ قصہ ہے اُن کی باپ کا اپنے وقت میں معمول تھا کہ ایک بڑا حصہ اس باغ کے پھل کا مساکین میں صرف کیا کرتا تھا جب وہ مر گیا تو ان لوگوں نے کہا کہ ہمارا باپ احمق تھا کہ اس قدر آمدنی مسکینوں کو دے دیتا تھا اگر یہ سب آدے کس قدر فراغت ہو چنانچہ ان آیتوں میں ان کا بقیہ قصہ مذکور ہے یعنی یہ واقعہ آئندہ اس وقت ہوا جبکہ ان لوگوں نے (یعنی اکثر یا بعض نے) بقولہ تعالیٰ قَالَ اَوْسَطُھُمْ بِاھم) قسم کھائی کہ اس (باغ) کا پھل ضرور صبح چل کر توڑ لیں گے اور (ایسا وثوق ہوا کہ) انھوں نے انشاء اللہ بھی نہیں کہا سو اس باغ پر آپ کے رب کی طرف سے ایک پھرنے والا (عذاب) پھر گیا (اور وہ ایک آگ تھی۔ کَذَانِي الدَّرَ عَنْ ابْنِ جَرِیج، خواہ خالص آگ ہو یا ہوا میں ملی ہوئی ہو جیسے تُو) اور وہ سورہ ہے تھہ پھر صبح کو وہ باغ ایسا رہ گیا جیسے کٹا ہوا کھیت (کہ خالی زمین رہ جاتی ہے اور بعض جگہ کاٹ کر جلا بھی دیا جاتا ہے مگر ان کو اس کی کچھ خبر نہیں تھی) سو صبح کے وقت (سو کر جو اٹھے تو) ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو اگر تم کو پھل توڑنا ہے (کھیت یا تو مجازاً کہہ دیا ہو یا اسمیں ایسی چیزیں بھی ہوں جو تنہ دار نہیں ہوتیں جیسے انگور وغیرہ یا کہ اس باغ کے متعلق کھیت بھی ہو) پھر وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے چلے کہ آج تم تک کوئی محتاج نہ آنے پڑے اور (برعکس خود) اپنے کو اس کے نہ دینے پر قادر سمجھ کر چلے (کہ سب پھل گھر لے آ دیں گے اور کسی کو نہ دیں گے) کَذَا فِي الدَّرَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ) پھر جب (وہاں پہنچے اور) اس باغ کو (اس حالت میں) دیکھا تو کہنے لگے کہ بیشک ہم رستہ بھول گئے (اور کہیں بھل آئے کیونکہ یہاں تو باغ داغ کچھ بھی نہیں پھر جب موقع و

قیامت تک باقی رہنے والی ہوں (جن کا یہ مضمون ہو) کہ تم کو وہ چیزیں ملیں گی جو تم فیصلہ کر رہے ہو (یعنی ثواب اور جنت) ان سے پوچھئے ان میں اس کا کون ذمہ دار ہے کیا ان کے ٹھہرائے ہوئے کچھ شریک (خدائی) ہیں (کہ انھوں نے ان کو ثواب دینے کا ذمہ لیا ہے) سو ان کو چاہیئے کہ یہ اپنے ان شریکوں کو پیش کریں اگر یہ سچے ہیں (غرض جب یہ مضمون کسی اسمانی کتاب میں نہیں ویسے بلا کتاب دوسرے طرق وحی سے ہمارا وعدہ نہیں جو مثل قسم کے ہوتا ہے پھر ایسی حالت میں کون شخص ان میں سے یا ان کے شرکار میں سے ذمہ داری کر سکتا ہے ہرگز نہیں، پھر دعویٰ کس بنا پر ہے۔ آگے ان لوگوں کی قیامت کی رسوائی کا ذکر ہے وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے) جس دن کہ ساق کی تجلی فرمائی جاوے گی اور سجدہ کی طرف لوگوں کو بلایا جاوے گا (اس کا قصہ حدیث شیعین میں مرفوعاً اس طرح آیا ہے کہ حق تعالیٰ قیامت کے میدان میں اپنی ساق ظاہر فرما دیگا۔ ساق کہتے ہیں پنڈلی کو، اور یہ کوئی خاص صفت ہے جس کو کسی مناسبت سے ساق منسب فرمایا جیسا قرآن میں ہاتھ آیا ہے اور ایسے مفہومات متشابہا کہلاتے ہیں اور اسی حدیث میں ہے کہ اس تجلی کو دیکھ کر تمام مومنین مومنات سجدے میں گر پڑیں گے مگر جو شخص ریلے سجدہ کرتا تھا اس کی کمر تختہ کی طرح رہ جاوے گی سجدہ نہ کر سکے گا۔ اور سجدے کی طرف بلائے جانے سے یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ وہ دارالتکلیف نہیں ہے کیونکہ بلائے جانے سے مراد امر بالسجود نہیں ہے بلکہ اس تجلی میں یہ اثر ہوگا کہ سب بالاضطرار سجدہ کرنا چاہیں گے جن میں مومن اس بات پر قادر ہو جائیں گے اور اہل ریا و نفاق قادر نہ ہونگے اور کفار کا قادر نہ ہونا اس سے بدرجہ اولیٰ مفہوم ہوتا ہے جس کا آگے ذکر ہے یعنی کفار بھی سجدہ کرنا چاہیں گے) سو یہ (کافر) لوگ سجدہ نہ کر سکیں گے (اور) انکی آنکھیں (مارے شرمندگی کے) جھکی ہونگی (اور) ان پر ذلت چھائی ہوگی اور (وجہ اس کی یہ ہے کہ) یہ لوگ (دنیا میں) سجدہ کی طرف بلائے جایا کرتے تھے (اس طرح کہ ایمان لا کر عبادت کریں) اور وہ صحیح سالم تھے (یعنی سجدہ پر قادر بھی تھے چنانچہ ظاہر ہے کہ ایمان و عبادت فعل اختیاری ہے پس دنیا میں امتثال امر نہ کرنے سے آج ان کو یہ رسوائی و ذلت ہوئی اور دوسری آیت میں جو نگاہ کا ادراک اٹھا رہا آیا ہے وہ اس کے معارض نہیں کیونکہ گاہے غلبہ حیرت سے ایسا ہوگا اور گاہے غلبہ ندامت سے ایسا ہوگا، آگے کفار کے اس خیال کا رد ہے کہ عذاب میں دیر ہونے کو اپنے مقبول ہونے کی دلیل سمجھتے تھے اور اس کے ضمن میں آپ کی تسلی بھی ہے، یعنی جب اس کا مستحق عذاب ہونا اور پر کی آیتوں سے معلوم ہو چکا) تو مجھ کو اور جو اس کلام کو جھٹلاتے ہیں ان کو (اس حال موجود پر) رہنے دیجئے (یعنی عذاب میں دیر ہونے سے رنج نہ کیجئے) ہم ان کو بتدیج (جہنم کی طرف) لو جارہے ہیں، اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں اور (دنیا میں ان پر عذاب نہ ڈالنے سے) ان کو مہلت دیتا ہوں بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے (آگے ان کے انکار نبوت پر تعجب ہے) کیا آپ ان سے کچھ معاذضہ مانگتے ہیں کہ وہ اس تاوان سے دبے جاتے ہیں (اس لئے آپ کی اطاعت سے نفرت ہے دُعا کہ قَوْلُ تَعَالٰی اَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا) یا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ یہ (اس کو محفوظ رکھنے کے واسطے) لکھ لیا کرتے ہیں (یعنی کیا ان کو احکام

خداوندی خود کسی طریقے سے معلوم ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ صاحب وحی کے اتباع سے مستغنی ہیں اور ظاہر ہے کہ دونوں امر نہیں ہیں پھر انکار نبوت عجیب ہے آگے آپ کا تسلیہ ہے، جب ان کا استحقاق عذاب اور کفر جو موجب استحقاق معلوم ہو گیا اور یہ کہ ان کی مہلت استدراج یعنی ایک قسم کی ڈھیل ہے اور وقت موعود پر عذاب ہوگا) تو آپ اپنے رب کی (اس) تجویز پر صبر سے بیٹھے رہیے اور (تنگدلی میں) پھلی (کے پیٹ میں جانے) والے (پیغمبر یونس علیہ السلام) کی طرح نہ ہو جائے کہ وہ عذاب نازل نہ ہونے سے تنگدل ہوئے اور کہیں چلے گئے جسکا قصہ کئی جگہ تھوڑا تھوڑا آچکا ہے منمنون مقصود تشبیہ کا تو ختم ہو چکا، آگے بطور متمم قصہ کے ارشاد ہے کہ وہ وقت بھی یاد کیجئے جبکہ یونس (علیہ السلام) نے (اپنے رب سے) دعا کی اور وہ غم سے گھٹ رہے تھے (یہ غم مجموعہ تھا کئی غموں کا ایک قوم کے ایمان نہ لانے کا۔ ایک عذاب کے مل جانے کا۔ ایک بلا اذن صریح حق تعالیٰ کے وہاں سے چلے آنے کا۔ ایک پھلی کے پیٹ میں مجبوس ہونیکا اور وہ دعا یہ ہے لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ جس سے مقصود معافی اور طلب نجات عن مجس ہے چنانچہ اس پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اور پھلی کے پیٹ سے نجات ہوئی اسی کی نسبت ارشاد ہے کہ) اگر خداوندی احسان ان کی دستگیری نہ کرتا تو وہ (جس میدان میں پھلی کے پیٹ سے نکال کر ڈال دیئے گئے تھے اس) میدان میں بد حالی کے ساتھ ڈالے جاتے (دستگیری سے مراد قبول توبہ ہے اور بد حالی سے مراد یہ کہ ان کی اجتہادی غلطی پر منجانب اللہ ان کو ملامت ہوئی حال اسکا اور آیت سورہ صافات کا یہ ہے کہ اگر یہ توبہ واستغفار نہ کرتے تب تو شکم ماہی سے نجات ہی نہ ہوتی کما قال فلولا أَنَّهُ كَانَ الْهِم

اور اگر توبہ واستغفار کرتے مگر اللہ تعالیٰ قبول نہ فرماتا تو اس توبہ واستغفار کی اس قدر دنیوی برکت تو ہوتی کہ شکم ماہی سے نجات ہو جاتی اور میدان میں جس طرح اب ڈالے گئے اسی طرح ڈالے جاتے لیکن اس وقت وہ ڈالا جانا مذموم ہوتا اور اب کا ڈالا جانا مذموم ہونے کی حالت میں نہیں ہوا کیونکہ قبول توبہ کے بعد خطا پر مذمت و ملامت نہیں ہوا کرتی) پھر ان کے رب نے ان کو (اور زیادہ) برگزیدہ کر لیا اور ان کو (زیادہ رتبہ کے) صالحین میں سے کر دیا (شاید اس متمم قصہ سے یہ بھی مقصود ہو کہ اپنے اجتہاد پر عمل کرنا ان کو کیسا مضر ہوا اور توکل کیسا نافع ہوا اسی طرح عذاب کے بارے میں آپ بھی اپنی ائے سے جلدی نہ کیجئے بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل کیجئے کہ انجام بہتر ہوگا) اور (آگے آپ کی شان میں کفار کے مجنون کہنے کا ایک دوسرے انداز میں ابطال ہے شروع سورت میں اور انداز سے اس کو باطل کیا گیا تھا یعنی) یہ کافر جب قرآن سننے ہیں تو (شدت عداوت سے) ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرا دیں گے (یہ ایک محاورہ ہے جیسے بولتے ہیں کہ فلاں شخص اس طرح دیکھتا ہے جیسے کھا جائے گا کما فی روح المعانی نظر الیٰ کاد یصد عنی ادیکاد یا کلنی، مطلب یہ کہ شدت عداوت سے آپ کو بُری بُری نگاہوں سے دیکھتے ہیں) اور (اسی عداوت سے آپ کی نسبت) کہتے ہیں کہ (لعوذ باللہ) یہ مجنون ہیں حالانکہ یہ قرآن (جس کے

ساتھ آپ تکلم فرماتے ہیں) تمام جہان کے واسطے نصیحت ہے (اور منجہون آدمی کے متعلق ایسی اصلاح عوام نہیں ہو سکتی اس میں تو جواب طعن جنون ظاہر ہے اور بیان عداوت سے بھی اس طعن کا ضعیف ہونا ثابت ہو گیا کیونکہ جس قول کا منشاء شدت عداوت ہو وہ قابل التفات نہیں)

معارف و مسائل

سُورَةُ مُلک میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحید اور علم و قدرت کے دلائل مشاہدہ کائنات سے بیان ہوئے ہیں اور کفار و منکرین پر عذاب شدید کا ذکر ہے۔ سورہ نون میں کفار کے اُن مطاعن کا جواب ہے جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا کرتے تھے۔ سب سے پہلا اُن کا طعن یہ تھا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے کامل العقل کامل العلم جامع الفضائل رسول کو معاذ اللہ منجہون کہتے تھے، یا اسوجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی فرشتہ کے ذریعہ نازل ہوتی تھی بوقت وحی اُس کے آثار آپ کے جسم مبارک پر دیکھے جاتے تھے، پھر آپ وحی سے محال شدہ آیات پڑھ کر سناتے تھے یہ معاملہ کفار کے فہم و ادراک سے باہر تھا اسلئے اس کو جنون قرار دیدیا۔ اور یا اسوجہ سے کہ آپ نے اپنی قوم اور پوری دنیا کے عقائد موجودہ کے خلاف یہ دعویٰ کیا کہ عبادت کے قابل اللہ کے سوا کوئی نہیں، جن خود تراشیدہ بتوں کو وہ خدا سمجھتے تھے، اُن کا بے علم و شعور ناقابل نفع و ضرر ہونا بیان کیا، آپ کے اس عقیدہ کا کوئی ساتھی نہ تھا آپ اکیلے یہ دعویٰ کر بغیر کسی ظاہری ساز و سامان کے ساری دنیا کے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے۔ ظاہر ہیں نظروں میں اسکی کامیابی کا کوئی امکان نہیں تھا ایسے دعوے کو لیکر کھڑا ہونا جنون سمجھا گیا اور بغیر کسی سبب کے بھی بعض طعن برائے طعن ہو سکتا ہے کہ منجہون کہتے ہوں، سورہ نون کی ابتدائی آیتوں میں اُن کے اس خیال باطل کی تردید قسم کے ساتھ ہو کر کے بیان فرمائی ہے۔

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمُنْجٍ ۝۵ حرف نون حروف مقطعات سے ہے جو قرآن کریم کی بہت سی سورتوں کے شروع میں لائے گئے ہیں، ان کے معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں، یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو، اُمت کو اُس کی تحقیق میں پڑنے سے روک دیا گیا ہے۔

قلم سے کیا مراد ہے اور قلم کی فضیلت | وَالْقَلَمِ میں واو حرف قسم ہے اور قلم سے مراد عام قلم بھی ہو سکتا ہے جس میں قلم تقدیر اور فرشتوں اور انسانوں کے سب قلم جن سے کچھ لکھا جاتا ہے سب داخل ہیں (کما ہو قول ابی حاتم البستی) اور خاص قلم تقدیر بھی مراد ہو سکتا ہے (کما ہو قول ابن عباس رض) اور اس قلم تقدیر کے متعلق حضرت عبادہ بن الصامت رض کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا کیا اور اُس کو حکم دیا کہ لکھ، قلم نے عرض کیا، کیا لکھوں تو حکم دیا کہ تقدیر الہی کو قلم نے (حکم کے مطابق) ابد تک ہونے والے تمام واقعات اور حالات کو لکھ دیا۔ (رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب) اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رض کی حدیث ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی تقدیر کو آسمان و زمین کی تخلیق سے بیچاس ہزار سال پہلے لکھ دیا تھا۔“

اور حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ قلم اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے جو اُس نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک قلم، قلم تقدیر پیدا فرمایا جس نے تمام کائنات و مخلوقات کی تقدیریں لکھ دیں۔ پھر دوسرا قلم پیدا فرمایا جس سے زمین پر بسنے والے لکھتے ہیں اور لکھیں گے اس دوسرے قلم کا ذکر سورہ اقرار میں آیا ہے عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، واللہ اعلم

آیت میں اگر قلم سے مراد قلم تقدیر لیا جائے جو سب سے پہلی مخلوق ہے تو اُس کی عظمت اور تمام چیزوں پر ایک برتری ظاہر ہے اس لئے اس کی قسم کھانا مناسب ہوا، اور اگر قلم سے مراد عام قلم لیے جاویں تو ہمیں قلم تقدیر اور فرشتوں کے اقلام کے علاوہ انسانوں کے قلم بھی داخل ہیں تو اس کی قسم اس لئے کھائی گئی کہ دنیا میں بڑے بڑے کام سب قلم ہی سے ہوتے ہیں۔ ملکوں کی فتوحات میں تلوار سے زیادہ قلم کا موثر ہونا منقول و معروف ہے ابو حاتم ہستی نے اسی مضمون کو دو شعروں میں فرمایا ہے۔

اذا اقسام الابطال يوما بسيفهم
وعدوه مما يكسب المجد والكرم
جب کہ قسم کھائیں بہادر لوگ کسی دن اپنی تلوار کی
کفی قلم الكتاب عن اوسا فعة
تو کافی ہے لکھنے والوں کا قلم اُن کی عزت و برتری کے لئے

بہر حال اس آیت میں قلم تقدیر یا عام قلم خلافت کی اور پھر نفاذ مایسٹرون میں کچھ ان قلموں سے لکھا گیا یا لکھا جائے گا اُس کی قسم کھا کر حق تعالیٰ نے کفار کے اس طعنہ باطلہ کا رد فرمایا کہ آپ مجنون ہیں ارشاد ہوا مَا أَنتَ بِمُجْنُونٍ رَبِّكَ يَبْخُؤُونَ، یعنی آپ اپنے رب کی نعمت و فضل کی وجہ سے ہرگز مجنون نہیں اس میں بِنِعْمَةِ رَبِّكَ، بڑھا کر دعویٰ کی دلیل بھی دیدی کہ جس شخص پر اللہ تعالیٰ کی نعمت و رحمت مکمل ہو وہ کیسے مجنون ہو سکتا ہے اُس کو مجنون کہنے والا خود مجنون ہے۔

فائدہ علماء نے فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ جس چیز کی قسم کھاتے ہیں وہ مضمون قسم پر ایک شہادت ہوتی ہے یہاں مایسٹرون کے نفاذ سے دنیا کی تاریخ میں جو کچھ لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے اس کو بطور شہادت پیش کیا ہے کہ دنیا کی تاریخ کو دیکھو، ایسے اعلیٰ اخلاق و اعمال والے کہیں مجنون ہوتے ہیں وہ تو دوسروں کی عقل درست کرنے والے ہوتے ہیں۔ آگے مضمون مذکور کی مزید تائید کے لئے فرمایا،

وَإِنْ لَكَ لَا جُرَآئِزَ مُمْتَوِينَ
یہ ہے کہ آپ کے جس کام کو یہ دیوانے جنون کہہ رہے ہیں وہ تو اللہ کے نزدیک سب سے بڑا مقبول عمل ہے اس پر آپ کو اجر عظیم ملنے والا ہے اور اجر بھی ایسا جو دائمی ہے کبھی منقطع نہیں ہوگا کہیں کسی مجنون کے عمل پر بھی مجنون کو اجر

ملاکرتا ہے۔ آگے اسی مضمون کی مزید تائید و تاکید اس جملے سے فرمادی۔

وَرَأٰتَكَ لَعَلَّیْ خَلْقٌ عَظِیْمٌ، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ کاملہ میں غور کر کے بہت

فرمائی گئی ہے کہ دیوانو ذراتو دیکھو کہیں مجنونوں دیوانوں کے ایسے اخلاق و اعمال ہوا کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم | حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خلق عظیم سے مراد دین عظیم ہے کہ اللہ کے

نزدیک اس دین اسلام سے زیادہ کوئی محبوب دین نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کا خلق خود قرآن ہے

یعنی قرآن کریم جن اعلیٰ اعمال و اخلاق کی تعلیم دیتا ہے آپ اُن سب کا عملی نمونہ ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

نے فرمایا کہ خلق عظیم سے مراد آداب القرآن ہیں یعنی وہ آداب جو قرآن نے سکھائے ہیں۔ حاصل سب کا تقریباً

ایک ہی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود میں حق تعالیٰ نے تمام ہی اخلاق فاضلہ بدرجہ کمال جمع

فرمادیئے تھے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعثت لاقم مکارم الاخلاق یعنی مجھے اس کام کے

لئے بھیجا گیا ہے کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں (ابو حیان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اس پوری مدت

میں جو کام میں نے کیا آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ ایسا کیوں کیا اور جو کام نہیں کیا اُس پر کبھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ

کام کیوں نہیں کیا (حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ دس سال کی مدت میں خدمت کرنے والے کے بہت سے کام خلاف

طبع ہوئے ہونگے) (بخاری و مسلم)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کے مکارم اخلاق کا یہ حال تھا کہ مدینہ کی کوئی ٹوٹی باندی بھی آپ کا

ہاتھ پکڑ کر جہاں لیجا نا چاہے لیجا سکتی تھی (رواہ البخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارا بجز

جہاد فی سبیل اللہ کے کہ اس میں کفار کو مارنا قاتل کرنا ثابت ہے ورنہ آپ نے نہ کسی خادم کو نہ کسی عورت کو

کبھی مارا، اُن میں سے کسی سے خطا و لغزش بھی ہوئی تو اسکا انتقام نہیں لیا بجز اسکے کہ اللہ کے حکم کی

خلاف ورزی کی ہو تو اُس پر شرعی سزا جاری فرمائی (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کسی چیز کا سوال نہیں کیا گیا جس کے

جواب میں آپ نے نہیں فرمایا ہو (بخاری و مسلم)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ خوش گو تھے نہ فحش کے پاس جاتے تھے

نہ بازاروں میں شور و غب کرتے تھے بُرائی کا بدلہ کبھی بُرائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ معافی اور درگزر کا معاملہ

فرماتے تھے۔ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میزانِ عمل میں خلقِ حسن

کی برابر کسی عمل کا وزن نہیں ہوگا، اور اللہ تعالیٰ گالی گلوچ کرنے والے بد زبان سے بغض رکھتے ہیں (رواہ

الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان اپنے حسن خلق کی بدولت اس شخص کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو ہمیشہ رات کو عبادت میں جاگتا اور دن بھر روزہ رکھتا ہو (رواہ ابو داؤد)

اور حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ مجھے یمن کا عامل مقرر کر کے بھیجنے کے وقت (آخری وصیت جو آپ نے مجھے اس وقت فرمائی جبکہ میں اپنا ایک پاؤں رکاب میں رکھ چکا تھا وہ یہ تھی یا معاذ اَحْسَنُ خُلُقًا لِلنَّاسِ) (اے معاذ لوگوں سے حسن خلق کا برتاؤ کرو۔ رواہ مالک) یہ سب روایات حدیث تفسیر مظہری سے نقل کیں گے۔

فَسَبُّهُمْ وَبُيُوتُهُمْ ۚ بِأَيِّكُمْ الْمَفْتُونُ (عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ کفار بھی دیکھ لیں گے تم میں کون مجنون ہے) مفتون اس جگہ بمعنی مجنون ہے۔ پچھلی آیات میں آپ کو مجنون کہنے والوں کے طعنہ کو دلائل سے رد کیا گیا تھا اس آیت نے پیش گوئی کے طور پر یہ بتلایا کہ یہ بات یوں ہی ڈھکی چھپی رہنے والی نہیں ہے قریب آنے والے وقت میں سب آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ معاذ اللہ آپ مجنون تھے یا آپ کو مجنون کہنے والے پاگل دیوانے تھے چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ بات کھل کر دنیا کے سامنے آگئی اور انہیں مجنون کہنے والوں میں سے ہزاروں حلقہ بگوش اسلام ہو کر آپ کے اتباع و محبت کو سرمایہ سعادت سمجھنے لگے۔ اور بہت سے اشقیاء جن کو توفیق نہیں ہوئی وہ دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوئے۔

فَلَا تَطْعَمُ الْمُكْذِبِينَ ۚ وَذُؤَالُو تُكُّ هُنَّ فَيَكُفُّهُنَّ ۚ (یعنی آپ ان جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں یہ تو یوں چاہتے ہیں کہ آپ کچھ تبلیغ احکام میں نرم پڑ جائیں اور شرک و بت پرستی سے ان کو روکنا چھوڑ دیں تو یہ بھی نرم پڑ جائیں کہ آپ پطعن تشنیع اور آپ کی ایذا رسانی چھوڑ دیں) (قالہ ابن عباسؓ - قرطبی)

مسئلہ۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار و فجار کے ساتھ یہ سودا کر لینا کہ ہم تمہیں کچھ نہیں کہتے تم ہمیں کچھ نہ کہو، یہ مہانت فی الدین اور مراہ ہے (مظہری) یعنی بلا کسی اضطراب و مجبوری کے ایسا معاہدہ جائز نہیں۔

وَلَا تَطْعَمُ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۚ هُمَا ذَا مَشَاءٍ بِبَيْعِهِمْ ۚ مَتَاعٌ لِلْخَيْرِ مَعْتَدٍ ۚ (یعنی ہر گواہ کو بعد از ذلک دینو) (آپ بات نہ مانیں ہر ایسے شخص کی جو بہت قسمیں کھائی والا ہو ذلیل ہو اور لوگوں پر عیب لگانے والا ہو غیبت کرنے والا ہو چغلی خوری کرنے والا ہو، نیک کاموں سے لوگوں کو روکنے والا ظلم و جور میں حد سے بڑھنے والا ہو بکثرت گناہ کرنے والا اور بہت قسمیں کھانے والا کج خلق بخیل ہو اور ان سب صفاتِ رذیلہ کے ساتھ وہ زہیم بھی ہو۔ زہیم کے معنی وہ شخص جس کا نسب کسی باپ سے ثابت نہ ہو۔ جس شخص کے یہ اوصاف بیان کئے گئے ہیں وہ ایسا ہی غیر ثابت النسب تھا۔

پہلی آیت میں عام کفار کی بات نہ ماننے اور دین کے معاملے میں ان کی وجہ سے کوئی مہانت نہ کرنے کا عام حکم تھا اس آیت میں ایک خاص شریر کافر و لید بن مغیرہ کی صفاتِ رذیلہ بیان کر کے اس سے اعراض کرنے اور اس کی بات نہ ماننے کا خصوصی حکم دیا گیا ہے (کما رواہ ابن جریر عن ابن عباسؓ) آگے بھی کئی آیتوں میں اس شخص کی بد اخلاقی اور سرکشی کا ذکر فرمانے کے بعد فرمایا سَنَسِفُهُ عَلَى الْخُرُطُومِ (یعنی

ہم قیامت کے روز اس کی ناک پر داغ لگا دیں گے جس سے اولین و آخرین میں اُس کی رُسوائی ظاہر ہو جائیگی اس کی ناک کو بغرض تفتیحِ خرطوم سے تعبیر کیا گیا ہے جو ہاتھی یا خنزیر کی ناک کے لئے مخصوص ہے۔

اِنَّا بَلَوْنَهُمْ كَمَا بَلَوْنَا اَصْحَابَ الْجَنَّةِ (یعنی ہم نے آزمائش میں ڈالا ان (اہل مکہ) کو جس طرح آزمائش میں ڈالا تھا باغ والوں کو) سابقہ آیات میں کفار اہل مکہ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن و تشنیع کا جواب تھا۔ ان آیات میں حق تعالیٰ نے پچھلے زمانے کا ایک قصہ ذکر کر کے اہل مکہ کو تنبیہ فرمائی اور عذاب سے ڈرایا۔ اہل مکہ کو آزمائش میں ڈالنے سے یہ مراد بھی ہو سکتی کہ جس طرح آئندہ آنے والے قصہ میں باغ والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمایا انھوں نے ناشکری کی جس کے نتیجے میں عذاب آگیا اور انکی نعمت سلب ہو گئی، حق تعالیٰ نے اہل مکہ پر اپنا سب سے بڑا انعام تو یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اندر پیدا فرمایا، اس کے علاوہ ان کی تجارتوں میں برکت عطا فرمائی اور ان کو خوشحال بنا دیا، یہ اُن کی آزمائش ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے شکر گزار ہوتے ہیں اور اللہ و رسول پر ایمان لاتے ہیں یا اپنے کفر و عناد پر جمے رہتے ہیں۔ دوسری صورت میں ان کو باغ والوں کے قصہ سے عبرت حاصل کرنا چاہیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کفرانِ نعمت سے ان پر بھی ایسا ہی عذاب آجائے۔ یہ تفسیر اس صورت میں بھی صادق ہے جبکہ ان آیات کو بھی مثل اکثر سورت کے مکی قرار دیا جائے لیکن بہت سے حضرات مفسرین نے ان آیات کو مدنی قرار دیا ہے اور جس آزمائش کا یہاں ذکر ہے اُس سے مراد وہ قحط کا عذاب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے ان لوگوں پر مسلط ہوا تھا جس میں وہ بھوک سے مرنے لگے اور مردار جانور اور درختوں کے پتے کھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ یہ واقعہ ہجرت کے بعد کا ہے۔

باغ والوں کا قصہ | یہ باغ بعض سلف جیسے حضرت ابن عباس وغیرہ کے قول پر یمن میں تھا اور حضرت سعید بن جبیرؓ کی ایک روایت یہ ہے کہ صنعاء جو یمن کا مشہور شہر اور دار السلطنت ہے اُس سے چھ میل کے فاصلے پر تھا اور بعض حضرات نے اسکا محل وقوع حبشہ کو بتلایا ہے (ابن کثیر) یہ لوگ اہل کتاب میں سے تھے اور یہ واقعہ رفعِ عیسیٰ علیہ السلام کے کچھ عرصہ بعد کا ہے (قرطبی)

آیت مذکورہ میں ان کو اصحابِ الجنۃ یعنی باغ والوں کے نام سے تعبیر کیا ہے مگر مضمون آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس صرف باغ ہی نہیں بلکہ کاشت کی زمینیں بھی تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ باغ کے ساتھ ہی مزرعہ زمین بھی ہو مگر باغوں کی شہرت کے سبب باغ والے کہلایا گیا۔ واقعہ ان کا بروایت محمد بن مروان حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے اس طرح منقول ہے۔ صنعاء یمن سے دو فرسخ کے فاصلے پر ایک باغ تھا جس کو صروان کہا جاتا تھا۔ یہ باغ ایک صالح اور نیک بندے نے لگایا تھا، اسکا عمل یہ تھا کہ جب کھیتی کاٹتا تو جو درخت درختی سے باقی رہ جاتے تھے انکو فقرار و مساکین کیلئے چھوڑ دیتا تھا یہ لوگ اس سے غلہ حاصل کر کے اپنا گزارہ کرتے تھے۔

اسی طرح جب کھیتی کو گاہ کرغلہ نکالتا تو جو دانہ بھوسے کیساتھ اڑ کر الگ ہو جاتا، اُس دانے کو بھی فقرا و مسکین کیلئے چھوڑ دیتا تھا، اسی طرح جب باغ کے درختوں سے پھل توڑتا تو توڑنے کے وقت جو پھل نیچے گر جاتا وہ بھی فقرا کیلئے چھوڑ دیتا تھا (یہی وجہ تھی کہ جب اس کی کھیتی کٹنے یا پھل توڑنے کا وقت آتا تو بہت سے فقرا و مسکین جمع ہو جاتے تھے) اس مرد صالح کا انتقال ہو گیا اس کے تین بیٹے باغ اور زمین کے وارث ہوئے، انھوں نے آپس میں گفتگو کی کہ اب ہمارا عیال بڑھ گیا ہے اور پیداوار اُن کی ضرورت سے کم ہے اس لئے اب ان فقرا کے لئے اتنا غلہ اور پھل چھوڑ دینا ہمارے بس کی بات نہیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ان لڑکوں نے آزاد نو جوانوں کی طرح یہ کہا کہ ہمارا باپ تو بے وقوف تھا اتنی بڑی مقدار غلہ اور پھل کی لوگوں کو لٹا دیتا تھا۔ ہمیں یہ طریقہ بند کرنا چاہیے، آگے ان کا قصہ خود قرآن کریم کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

اِذَا قَسَمُوا لِيَصْرَمُوهَا مُصْبِحِينَ ۝ وَلَا يَسْتَنْوُونَ ۝ یعنی انھوں نے آپس میں حلف قوم کر کے یہ عہد کیا کہ اب کی مرتبہ ہم صبح سویرے ہی جا کر کھیتی کاٹ لیں گے تاکہ مساکین فقرا کو خبر نہ ہو اور وہ ساتھ نہ لگ لیں، اور اپنے اس منصوبے پر اُن کو اتنا یقین تھا کہ انشاء اللہ کہنے کی بھی توفیق نہ ہوگی جیسا کہ سنت ہے کہ کل جو کام کرنا ہے جب اسکا ذکر کرے تو یوں کہے کہ ہم انشاء اللہ کل یہ کام کریں گے۔

لَا يَسْتَنْوُونَ کے معنی استنارہ نہ کرنے کے ہیں اور مراد اس استنارہ سے انشاء اللہ کہنا ہے اور بعض حضرات مفسرین نے استنارہ سے مراد یہ لیا ہے کہ ہم پورا پورا غلہ اور پھل لے آویں گے فقرا کا حصہ مستثنیٰ نہ کریں گے (منظہری)، خَطَافٌ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ (پھر پھر گیا اس کھیت اور باغ پر ایک پھرنے والا آپکے رب کی طرف سے۔ پھرنے والے سے مراد کوئی بلا، اور آفت ہے جس سے کھیتی اور باغ تباہ ہو جائے۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ ایک آگ تھی جس نے سب کھڑی کھیتی کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا وَهُمْ نَائِمُونَ، یعنی یہ واقعہ نزول عذاب کا رات کو اس وقت ہوا جبکہ یہ لوگ محو خواب تھے فَاصْبَحْتَ كَالصَّيْفِ، صُرْمٌ كَمَعْنَى پھل وغیرہ کاٹنے کے ہیں۔ صریم بمعنی مصروم و مقطوع ہے مطلب یہ ہے کہ آگ نے اس کھیتی کو ایسا بنا دیا کہ جیسے کھیتی کاٹ لینے کے بعد صاف زمین رہ جاتی ہے۔ اور صریم کے معنی رات کے بھی آتے ہیں، اس معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ جب رات ایک سیاہ ہوتی ہے یہ کھیتی بھی خاک سیاہ ہو گئی (منظہری)

فَتَنَادُوا مُصْبِحِينَ، یعنی صبح اندھیرے سے آپس میں ایک دوسرے کو آواز دیکر جگانے لگے کہ اگر کھیتی کاٹنا ہے تو سویرے چلو۔ وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ، یعنی گھر سے نکلنے کے وقت آپس میں آہستہ بات کرتے تھے کہ کسی فقیر مسکین کو خبر نہ ہو جائے جو ساتھ لگے۔

وَعَدُوا عَلَىٰ حَرِّ قَدِيرٍ، حَرِّ کے معنی منع کرنے اور غیظ و غضب دکھانے کے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے خیال میں یہ سمجھ کر چلے کہ ہمیں اس پر قدرت ہے کہ ہم کسی فقیر و مسکین کو کچھ نہ دیں کوئی آ بھی جائے تو اُس کو دفع کر دیں۔

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوا اِنَّا لَصَادِقُونَ، مگر جب اس جگہ کھیت باغ کچھ نہ پایا تو اول تو یہ کہنے لگے کہ ہم جگہ کو بھول کر ہیں اور آگئے، یہاں تو نہ باغ ہے نہ کھیت، مگر پھر قریبی مقامات اور نشانات پر غور کیا تو معلوم ہوا جگہ تو یہی ہے اور کھیت جگہ ختم ہو چکا ہے تو کہنے لگے بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ، یعنی ہم اس نعمت سے محروم کر دیئے گئے قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ كُوْرًا تَسِيْحُوْنَ، ان میں سے جو درمیانہ آدمی تھا یعنی باپ کی طرح نیک صالح اللہ کی راہ میں خرچ پر خوش ہونے والا تھا دوسرے بھائیوں کی طرح بخیل سخت دل نہ تھا اس نے کہا کہ کیا میں نے تمہیں پہلے ہی نہیں کہا تھا کہ تم اللہ کے نام کی تسبیح کیوں نہیں کرتے، تسبیح کے لفظی معنی پاکی بیان کرنے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ فقراء مساکین سے اپنا مال بچالینے کی تدبیر کا منشار یہ ہے کہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تم کو اس کے بجائے اور نہ دیکھا حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے وہ خرچ کرنے والوں کو اپنے پاس سے اور زیادہ دیتا ہے (منظری)

قَالُوا مُبِطِحِينَ رَبَّنَا اِنَّا كُنَّا ظَالِمِيْنَ، اس بھائی کی بات اس وقت تو کسی نے نہ سنی مگر اب سب نے اقرار کیا کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے ہر نقص و کمی سے اور ہم ظالم ٹھہرے کہ ہم نے فقرار کے حصہ کو بھی کھا لینا چاہا۔ **تنبیہ** | یہ درمیانہ آدمی جس نے صحیح بات کہی تھی اگرچہ دوسروں سے بہتر تھا مگر پھر بہر حال انہیں کیسا تھ ہو لیا اور انہیں کی غلط رائے پر عمل کے لئے تیار ہو گیا تھا اس لئے حشر اسکا بھی انہیں جیسا ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو آدمی کسی گناہ سے لوگوں کو روکے مگر وہ نہ رکے، پھر خود بھی ان کے ساتھ لگا ہے اور گناہ میں شریک ہے تو یہ بھی انہیں کے حکم میں ہوتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ نہیں رُکے تو خود اپنے آپ کو اس گناہ سے بجائے فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَذَّذُوْنَ، یعنی ان لوگوں نے اپنے جُرم کا تو اعتراف کر لیا، لیکن اب الزام ایک دوسرے پر ڈالنے لگے کہ تو نے ہی اول ایسی غلط رائے دی تھی جس کے نتیجہ میں یہ عذاب آیا۔ حالانکہ یہ جُرم انہیں سے کسی کا تنہا نہیں تھا بلکہ سب یا اکثر اس میں شریک تھے۔

تنبیہ | آجکل اس معاملے میں ابتلا عام ہے کہ بہت سی جماعتوں کے مجموعی عمل کی وجہ سے کوئی ناکامی یا مصیبت پیش آجائے تو اس وقت ایک دوسرا عذاب ان پر یہ ہوتا ہے کہ اس کا الزام ایک دوسرے پر ڈالنے میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔

قَالُوا ابْوَيْكُنَا اِنَّا كُنَّا ظَالِمِيْنَ، یعنی ابتداءً ایک دوسرے پر الزام ڈالنے کے بعد جب غور کیا تو پھر سب نے اقرار کر لیا کہ ہم سب ہی سرکش گناہگار ہیں یہ اعتراف ندامت کے ساتھ ان کی توبہ کے قائم مقام تھا اسی بنا پر ان کو اللہ سے یہ امید ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس باغ سے بہتر باغ عطا فرمادیں گے۔

امام بغوی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی سے نقل کیا ہے کہ ابن مسعود رضی نے فرمایا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جب ان سب لوگوں نے سچے دل سے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بہتر باغ عطا فرمادیا جس کے انگوروں کے خوشے اتنے بڑے تھے کہ ایک خوشہ ایک نچر پر لا داجاتا تھا (منظری)

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ، اہل مکہ کے عذاب قحط کا اجمالی اور باغ والوں کے کھیت جل جانے کا ایسی ذکر فرمائیے بعد عام ضابطہ ارشاد فرمایا کہ جب اللہ کا عذاب آتا ہے تو اسی طرح آیا کرتا ہے، اور دنیا میں عذاب آجانے سے بھی ان کے آخرت کے عذاب کا کفارہ نہیں ہوتا بلکہ آخرت کا عذاب اسکے علاوہ اور اس سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔

اگلی آیات میں اول نیک متقی بندوں کی جزا کا ذکر ہے اور اس کے بعد شرکین مکہ کے ایک اور باطل دعوے کا رد ہے وہ یہ کہ کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ اول تو قیامت آنے والی نہیں اور دوبارہ زندہ ہو کر حساب کتاب کا قصہ سبافسانہ ہے اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی گیا تو ہمیں وہاں بھی ایسی ہی نعمتیں اور مال و دولت ملے گا جیسا دنیا میں ملا ہوا ہے، اسکا جواب کئی آیتوں میں دیا گیا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نیک بندوں اور مجرمین کو برابر کر دیں گے یہ کیسا عجیب و غریب فیصلہ ہے جس پر نہ کوئی سند نہ دلیل نہ کسی آسمانی کتاب سے اسکا ثبوت نہ اللہ کی طرف سے کوئی وعدہ و عہد کہ وہاں بھی تمہیں نعمت دیں گا۔

قیامت کی ایک عقلی دلیل | ان آیات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ قیامت آنا اور حساب کتاب ہونا اور نیک و بد کی جزا و سزا یہ سب عقلاً ضروری ہے کیونکہ اسکا تو دنیا میں ہر شخص مشاہدہ کرتا ہے اور کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ دنیا میں جو عموماً فساق فجار بدکار ظالم چورا اور ڈاکو ہیں نفع میں رہتے اور مزے اڑاتے ہیں، ایک چورا اور ڈاکو ایک رات میں بعض اوقات اتنا کمالیتا ہے کہ شریف نیک آدمی عمر بھر میں بھی نہ کما سکے۔ پھر وہ نہ خوفِ خدا و آخرت کو جانتا ہے نہ کسی شرم و حیا کا پابند ہے اپنے نفس کی خواہشات کو جس طرح چاہے پورا کرتا ہے۔ اور نیک شریف آدمی اول تو خدا سے ڈرتا ہے وہ بھی نہ ہو تو برادری کی شرم و حیا سے مغلوب ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کے کارخانے میں تو بدکار بد معاش کامیاب اور نیک شریف آدمی ناکام نظر آتا ہے اب اگر آگے بھی کوئی ایسا وقت نہ آئے جس میں حق و ناحق کا صحیح انصاف ہو نیک کو اچھا بدلہ ملے بد کو سزا ملے تو پھر اول تو کسی بُرائی کو بُرائی اور گناہ کو گناہ کہنا لغو و بے معنی ہو جاتا ہے کہ وہ ایک انسان کو بلا وجہ اسکی خواہشات رد کرنا ہے دوسرے پھر عدل و انصاف کے کوئی معنی باقی نہیں رہتے جو لوگ خدا کے وجود کے قائل ہیں وہ اسکا کیا جواب دیں گے کہ خدا تعالیٰ کا انصاف کہاں گیا۔

رہا یہ شبہ کہ دنیا میں بسا اوقات مجرم پکڑا جاتا ہے اُس کی رسوائی ہوتی ہے سزا پاتا ہے شریف آدمی کا امتیاز اس سے یہیں واضح ہو جاتا ہے اور عدل و انصاف حکومتوں کے قوانین سے قائم ہو جاتا ہے۔ یہ اس لئے غلط ہے کہ اول تو ہر جگہ اور ہر حال میں حکومت کی نگرانی ہو ہی نہیں سکتی، جہاں ہو جاوے وہاں عدالتی ثبوت ہر جگہ بہم پہنچنا آسان نہیں جس کے ذریعہ مجرم سزا پاسکے اور جہاں ثبوت بھی بہم پہنچ جائے تو زور و زور اور رشوت و سفارش اور دیاؤ کے کتنے چور دروازے ہیں جن سے مجرم نکل بھاگتا ہے۔ اور اس زمانے کی حکومتی اور عدالتی جرم و سزا کا جائزہ لیا جائے تو اس وقت تو سزا صرف وہ بے وقوف بے عقل یا بے سہارا آدمی پاتا ہے جو ہوشیاری سے کوئی چور دروازہ نہ نکال سکے اور جس کے پاس نہ رشوت کے لئے پیسے ہوں نہ کوئی بُرا آدمی

اسکا بدگوار ہو یا پھر وہ اپنی بے وقوفی سے ان چیزوں کو استعمال نہ کر سکے۔ باقی سب مجرم آزاد پھرتے ہیں۔
 قرآن کریم کے اس لفظ نے آفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ، اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ
 عقلاً یہ ہونا ضروری ہے کہ کوئی ایسا وقت آئے جہاں سب کا حساب ہو اور جہاں مجرموں کیلئے کوئی چور دروازہ
 نہ ہو اور جہاں انصاف ہی انصاف ہو اور نیک و بد کا کھل کر امتیاز واضح ہو اور اگر یہ نہیں ہے تو دنیا میں
 کوئی بُرا کام بُرا نہیں اور کوئی مجرم مجرم نہیں اور پھر خدائی عدل و انصاف کے کوئی معنی نہیں رہتے۔
 اور جب قیامت آنا اور اعمال کی جزا و سزا ہونا یقینی ہو گیا تو آگے کچھ احوال قیامت اور مجرمین
 کی سزا کا ذکر کیا گیا ہے جس میں قیامت کے دن کشف ساق کا اعجاز بیان ہوا ہے اس کی حقیقت
 خلاصہ تفسیر میں آپ جی ہے۔

فَذَرْنِي وَ مَنْ يَمْكُنُ بِهِ هَذَا الْحَدِيثُ، یعنی آپ اس قیامت کی بات جھٹلانے والوں کو اور مجھے
 چھوڑ دیں پھر دیکھیں کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ یہاں چھوڑ دینا ایک محاورہ کے طور پر فرمایا گیا ہے مراد اس سے
 اللہ پر بھروسہ اور توکل کرنا ہے اور حاصل اس کلام کا یہ ہے کہ کفار کی طرف سے یہ مطالبہ بھی بار بار پیش
 ہوا کرتا تھا کہ اگر ہم واقعی اللہ کے نزدیک مجرم ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب دینے پر قادر ہے تو پھر
 ہمیں عذاب ابھی کیوں نہیں دے ڈالتا ان کے ایسے دل آزار مطالبوں کی وجہ سے کبھی کبھی خود رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں بھی یہ خیال پیدا ہوتا ہوگا اور ممکن ہے کسی وقت دعا بھی کی ہو کہ ان
 لوگوں پر اسی وقت عذاب آجائے تو باقی ماندہ لوگوں کی اصلاح کی توقع ہے اس پر یہ فرمایا گیا کہ اپنی حکمت
 کو ہم ہی خوب جانتے ہیں ایک حد تک ان کو مہلت دیتے ہیں فوراً عذاب نہیں بھیجتے اس میں بھی آزمائش
 بھی ہوتی ہے اور ایمان لانے کی مہلت بھی۔ آخر میں حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ کا ذکر فرما کر آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت فرمائی گئی کہ جس طرح یونس علیہ السلام نے لوگوں کے مطالبے سے تنگ آکر عذاب کی دعا
 کر دی اور عذاب کے آثار سامنے بھی آگئے اور یونس علیہ السلام اس جائے عذاب سے دوسری جگہ منتقل بھی ہو گئے
 مگر پھر پوری قوم نے الحاح و زاری اور خلاص کیساتھ توبہ کر لی اللہ تعالیٰ نے ان کو معافی دیدی اور عذاب
 ہٹا لیا تو اب یونس علیہ السلام نے یہ شرمندگی محسوس کی کہ میں ان لوگوں میں جھوٹا قرار پاؤں گا اس بدنامی کے
 خوف سے اللہ تعالیٰ کے اذن صریح کے بغیر اپنے اجتہاد سے یہ راہ اختیار کر لی کہ اب ان لوگوں میں واپس جائیں،
 اس پر حق تعالیٰ نے ان کی تنبیہ کے لئے دریا کے سفر پھر پھیلی کے نکل جانے کا معاملہ فرمایا اور پھر یونس علیہ السلام
 کے متنبہ ہو کر استغفار و معافی کی طرف متوجہ ہونے پر دوبارہ ان پر اپنے سابقہ انعامات کے دروازے
 کھول دیئے۔ یہ واقعہ سورہ یونس اور دوسری سورتوں میں گزر چکا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ یاد
 دلا کر اسکی نصیحت فرمائی کہ آپ ان لوگوں کے ایسے مطالبہ سے غلو نہ ہوں اور ان پر جلدی عذاب نازل کرنے کے
 خواہشمند نہ ہوں اپنی حکمتوں اور عالم کی مصلحتوں کو ہم ہی جانتے ہیں ہم پر توکل کریں۔

وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ، یہاں حضرت یونس علیہ السلام کو صاحبِ حُوت اسی مناسبت سے کہا گیا کہ وہ کچھ عرصہ مچھلی کے پیٹ میں رہے۔

وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا الْيَزْلِقُونَكَ يَا بَصِيرَهُمُ الْآيَةُ لِيُزْلِقُونَكَ اِزْلَاقٌ مِّنْ شَيْءٍ هِيَ جَسَدٌ كَالْعِزَّةِ وَكَانَ فِيهَا كَلَامٌ كَلَامٌ سَفِيحٌ هِيَ اَوَّلُ مَا يَكُونُ لِكُلِّ نَفْسٍ مِّنْهُمْ لَمَّا هُمْ فِيْهَا يَكْفُرُوْنَ اِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا الْيَزْلِقُونَكَ اِزْلَاقٌ مِّنْ شَيْءٍ هِيَ جَسَدٌ كَالْعِزَّةِ وَكَانَ فِيهَا كَلَامٌ كَلَامٌ سَفِيحٌ هِيَ اَوَّلُ مَا يَكُونُ لِكُلِّ نَفْسٍ مِّنْهُمْ لَمَّا هُمْ فِيْهَا يَكْفُرُوْنَ

معنی لغزش دینے اور گرا دینے کے ہیں (راغب) مطلب یہ ہے کہ کفار مکہ آپ کو غضبناک اور ترچھی بنگا ہوں سے دیکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ کو اپنی جگہ اور مقام سے لغزش دیدیں جبکہ وہ اللہ کا کلام سُفٹے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو مجنون ہے وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ، حالانکہ یہ کلام تو تمام جہان والوں کے لئے ذکر و نصیحت اور اُن کی صلاح و فلاح کا ضامن ہے ایسے کلام والا کہیں مجنون کہا جاسکتا ہے۔ کفار کے جس طعنہ کا اس سورۃ کے شروع میں جواب دیا گیا تھا ختم سورہ پر اُسی کا ایک دوسرے انذار سے جواب دیدیا گیا۔

اور امام نبوی وغیرہ مفسرین نے ان آیات کا ایک خاص واقعہ نقل کیا ہے کہ انسان کی نظر بد لگ جانا اور اُس سے کسی انسان کو نقصان اور بیماری بلکہ ہلاکت تک پہنچ جانا، جیسا کہ حقیقت ہے اور احادیث صحیحہ میں اسکا حق ہونا وارد ہے عرب میں بھی معروف و مشہور تھا اور مکہ میں ایک شخص نظر لگانے میں بڑا مشہور تھا اونٹوں بجانوروں کو نظر لگا دیتا تو وہ فوراً مر جاتے تھے۔ کفار مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت تو تھی ہی اور ہر طرح کی کوشش آپ کو قتل کرنے اور ایذا پہنچانے کی کیا کرتے تھے ان کو یہ سوجھی کہ اس شخص سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر لگواؤ، اور اُس کو بلا لائے اس نے نظر بد لگانے کی اپنی پوری کوشش کر لی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی یہ آیات اسی سلسلے میں نازل ہوئیں اور لِيُزْلِقُونَكَ يَا بَصِيرَهُمُ میں اسی بنگاہ بد لگانے کو بیان فرمایا گیا ہے۔

فائدہ | حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ جس شخص کو نظر بد کسی انسان کی لگ گئی ہو اُس پر یہ آیات پڑھ کر دم کر دینا اسکے اثر کو زائل کر دیتا ہے یہ آیات وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا اِزْلَاقٌ مِّنْ شَيْءٍ هِيَ جَسَدٌ كَالْعِزَّةِ وَكَانَ فِيهَا كَلَامٌ كَلَامٌ سَفِيحٌ سے آخر سورت تک ہیں (مظہری)

تَمَّتْ سُورَةُ الْقَمَامِ بِحَمْدِ اللَّهِ يَوْمَ الْاِحْلَاءِ لَسْتُ مُضَيِّنٌ مِنْ رَحْبِ سَمَاءٍ

سُورَةُ الْحَاقَّةِ

سُورَةُ الْحَاقَّةِ فَكَيْفَ تَقْرَأُ اِنَّكَ لَمِّنَ الْخَاشِعِينَ اِيْمًا وَجَنَّةً رَّوْعًا
سورہ حاقہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی بابت آیتیں ہیں اور اس میں دو رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الْحَاقَّةُ ۱ مَا الْحَاقَّةُ ۲ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحَاقَّةُ ۳ كَذَّبَتْ ثَمُودُ

وہ ثابت ہو چکنے والی، کیا ہے وہ ثابت ہو چکنے والی اور تو نے کیا سوچا کیا ہے وہ ثابت ہو چکنے والی جھٹلایا ثمود اور

عَادٌ بِالْقَارِعَةِ ۴ فَأَمَّا ثَمُودُ فَأَهْلِكُوا ۵ وَأَمَّا عَادُ فَأَهْلِكُوا

عاد نے اس کوٹ ڈالنے والی کو سو وہ جو ثمود تھے سو غارت کر دیئے گئے اُجھال کر اور وہ جو عاد تھے سو برباد ہوئے

بِزَيْجٍ صَرَصَرَاتٍ ۶ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَنِيَةً أَيَّامٍ حُسُومًا

ٹھنڈی سناٹے کی ہوا سے بھل جائے ہاتھوں سے مقرر کر دیا اس کو ان پر سات رات اور آٹھ دن تک لگا تار

فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى ۷ كَأَنَّهُمْ أَجْحَارُ نَخْلِ خَادِيَةٍ ۸ فَهَلْ

پھر تو دیکھے کہ وہ لوگ اسیں بچھڑ گئے گویا وہ ڈھنڈ ہیں کھجور کے کھوکھلے پھر تو

تَرَى لَهُم مِّنْ بَاقِيَةٍ ۹ وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكِ

دیکھتا ہے کوئی انہیں کا بچا اور آیا فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور اُلٹ جانے والی بستیاں

بِالنَّخِاطَةِ ۱۰ قَعَصُوا رَسُولَ رَبِّهِمْ فَاخَذَهُمْ أَخْذَةً رَّابِيَةً ۱۱ إِنَّا

خطائیں کرتے ہوئے پھر حکم نہ مانا اپنے رب کے رسول کا پھر پکڑا ان کو پکڑنا سخت ہم نے

لَمَّا طَغَا الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۱۲ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكُرَةً وَتَعِيَهَا

جس وقت پانی اُبل اُبلایا تم کو چلتی کشتی میں تاکہ رکھیں اس کو تمہاری یادگاری کے واسطے اور سیت کر رکھے

أُذُنٌ وَإِعْيَةٍ ۱۳ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ۱۴ وَحُمِلَتِ

اسکو کان سیت کر رکھنے والا پھر جب پھونکا جائے صور میں ایک بار پھونکنا اور اٹھائی جائے

الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ۝۱۳ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝۱۴

زمین اور پہاڑ پھر کوٹ دیئے جائیں ایک بار پھر اس دن ہو پڑے وہ ہو پڑنے والی

وَأَنْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ۝۱۵ وَالْمَلِكُ عَلَى أَرْجَائِبِهَامَا وَيَحْمِلُ

اور پھٹ جائے آسمان پھر وہ اس دن بکھر رہا ہے اور فرشتے ہونگے اس کے کناروں پر اور اٹھائیں گے

عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَنِيَةٌ ۝۱۶ يَوْمَئِذٍ تُعَرِّضُونَ آثَافَكُمْ مِثْلَ

تخت تیرے رب کا اپنے اوپر اس دن آٹھ شخص اس دن سامنے کئے جاؤ گے پھپی نہ رہے گی تمہاری کوئی

خَافِيَةٍ ۝۱۷ فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۝۱۸ فَيَقُولُ هَآؤُمَا اقْرَءُوا

پھپی بات سو جس کو ملا اس کا لکھا داہنے ہاتھ میں وہ کہتا ہے لیجیو پڑھیو میرا

كِتَابِي ۝۱۹ إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلْكٌ حَسَابِي ۝۲۰ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۝۲۱

لکھا میں نے خیال رکھا اس بات کا کہ مجھ کو ملے گا میرا حساب سو وہ ہیں من مانتے گزران میں

فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝۲۲ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ۝۲۳ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ

اونچے باغ میں جس کے میوے نیچے پڑے ہیں کھاؤ اور پیو ریح کر بدلہ اسکا جو آگے

فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝۲۴ وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ ۝۲۵ فَيَقُولُ لِيَعْنِي لَمْ

بھیج چکے ہو ختم پہلے دنوں میں اور جس کو ملا اس کا لکھا بائیں ہاتھ میں وہ کہتا ہے کیا اب بچا ہوتا جو

أُوْتِيَ كِتَابِي ۝۲۶ وَلَمْ أَذْرَ مَا حَسَابِي ۝۲۷ يَلِيْتُهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۝۲۸ مَا

مجھ کو نہ ملتا میرا لکھا اور مجھ کو خبر نہ ہوتی کہ کیا ہے حساب میرا کسی طرح وہی موت ختم کر جاتی کچھ

أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِي ۝۲۹ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِي ۝۳۰ خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ۝۳۱ ثُمَّ

کام نہ آیا مجھ کو میرا مال باد ہوئی مجھ سے حکومت میری اس کو پکڑو پھر طوق ڈالو پھسر

الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ۝۳۲ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ۝۳۳

آگ کے ڈھیر میں اسکو ڈالو پھر ایک زنجیر میں جس کا طول ستر گز ہے اس کو جکڑ دو

إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ۝۳۴ وَلَا يَحْضُرُ عَلَى طَعَامِ الْمُسْكِينِ ۝۳۵

وہ تھا کہ یقین نہ لاتا تھا اللہ پر جو سب سے بڑا اور تاکید نہ کرتا تھا فقیر کے کھانے پر

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَهُنَا حَمِيمٌ ۝۳۶ وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينَ ۝۳۷ لَا يَأْكُلُهُ

سو کوئی نہیں آج اسکا یہاں دوستدار اور نہ کچھ ملے کھانا مگر زخموں کا دھوون کوئی نہ کھائے اسکو

إِلَّا الْخِطُؤُونَ ۝۳۸ فَلَا أَقْسَمُ مَا تَبْصُرُونَ ۝۳۹ وَمَا لَا تَبْصُرُونَ ۝۴۰

مگر وہی گناہگار سو قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جو دیکھتے ہو اور جو چیزیں کہ تم نہیں دیکھتے یہ

لَقَوْلِ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝۴۱ وَمَا هُوَ يَقُولُ شَاعِرٌ قَلِيلًا مَّا تَوَمَّنُونَ ۝۴۲

کہا ہے ایک پیغام لانے والے سردار کا اور نہیں ہے یہ کہا کسی شاعر کا تم تھوڑا یقین کرتے ہو اور

لَا يَقُولُ كَآهِنٌ قَلِيلًا مَّا تَدَّكَّرُونَ ۝ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَلَوْ

نہیں ہے کہا پر یوں والے کا تم بہت کم دھیان کرتے ہو یہ اُتارا ہوا ہے جہان کے رب کا اور اگر

تَقُولَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَّا خِزْيٌ لَّنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ

یہ بنا لاتا ہم پر کوئی بات تو ہم پکڑ لیتے اس کا داہنا ہاتھ پھر

لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۝ وَإِنَّ

کاٹ ڈالتے اس کی گردن پھر تم میں کوئی ایسا نہیں جو اس سے بچالے اور یہ

لَتَذْكُرَةَ لِلْمُتَّقِينَ ۝ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِينَ ۝ وَإِنَّ

نصیحت ہے ڈرنے والوں کو اور ہم کو معلوم ہے کہ تم میں بعضے جھٹلاتے ہیں اور وہ

لَحْزَرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ وَإِنَّ لَحَقَّ الْيَقِينَ ۝ فَسِيتَرُ بِأَسُورِكَ الْعَظِيمِ ۝

جو ہے بچتا وہ ہے منکروں پر اور وہ جو ہے یقین کرے قابل ہے اب بول پائی اپنے رب کے نام کی جو ہے سب سے بڑا

خلاصہ تفسیر

وہ ہونے والی چیز کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز (مقصود اس سے قیامت کی عظمت اور ہولناکیوں کا بیان ہے یہ استقہاتات تہویل کے لئے ہیں) ثمود اور عاد نے اس کھڑکھڑانے والی چیز (یعنی قیامت) کی تکذیب کی سو ثمود تو ایک زدر کی آواز سے ہلاک کر دیئے گئے اور عاد جو تھے سو وہ ایک تیز و تند ہوا سے ہلاک کئے گئے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان پر سات رات اور آٹھ دن متواتر مسلط کر دیا تھا سو (اے مخاطب اگر) تو (اس وقت وہاں موجود ہوتا تو) اس قوم کو اس طرح گرا ہوا دیکھتا کہ گویا وہ گری ہوئی کھجوروں کے تنے (بڑے) ہیں (کیونکہ وہ بہت دراز قد تھے) سو کیا تجھ کو ان میں کا کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے (یعنی کوئی نہیں بچا، بقولہ تعالیٰ هَلْ يَخْتِشِمُ مِثْلَهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكَّةً) اور (اسی طرح) فرعون نے اور اس سے پہلے لوگوں نے (جن میں قوم نوح و عاد و ثمود سب آگئے) اور (قوم لوط کی) ملی ہوئی بستیوں نے بڑے بڑے قصور کئے (یعنی کفر و شرک اس پر ان کے پاس رسول بھیجے گئے) سو انھوں نے اپنے رب کے رسول کا (جو ان کی طرف بھیجا گیا تھا) کہنا نہ مانا (اور کفر و شرک سے باز نہ آئے جس میں تکذیب قیامت بھی داخل ہے) تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سخت پکڑا (جن میں سے عاد و ثمود کا قصہ تو ابھی آچکا ہے اور قوم لوط اور قوم فرعون کی عقوبت بہت سی آیتوں میں پہلے آچکی ہے اور قوم نوح کی عقوبت آگے بعض من امتنا مذکور ہے یعنی) ہم نے جبکہ (نوح علیہ السلام کے وقت میں) پانی کو طغیانی ہوئی تم کو (یعنی تمہارے بزرگوں کو جو مومن تھے اور ان کی نجات تمہارے وجود کا سبب ہوئی) کشتی میں سوار کیا (اور باقیوں کو غرق کر دیا) تاکہ ہم اس معاملہ کو تمہارے لئے ایک یادگار (اور عبرت) بنا دیں اور یاد رکھنے والے کا ان اسکو یاد رکھیں،

دکان کو یاد رکھنے والا مجازاً کہہ دیا۔ حاصل یہ کہ اس کو یاد رکھ کر سزا کے اسباب سے بچیں۔ یہ قصے تو مکذبین قیامت کے ہوئے، آگے قیامت کے ہول و خوف کا بیان ہے یعنی، پھر حرب صورتیں یکبارگی پھونک مار دی جاوے گی (مراد نفخہ اولیٰ ہے) اور (اس وقت) زمین اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) اٹھائے جاویں گے (یعنی اپنی چیز سے ہٹا دیے جاویں گے) پھر دونوں ایک ہی دفعہ میں ریزہ ریزہ کر دیے جاویں گے تو اس روز وہ ہونے والی چیز ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جاوے گا اور وہ (آسمان) اس روز بالکل بودا ہوگا (چنانچہ پھٹ جانا دلیل ضعف ہے یعنی جیسا اس وقت وہ مضبوط ہے اور اس میں کہیں فطور و شقوق نہیں) اس روز اس میں یہ بات نہ رہے گی بلکہ ضعف و انشقاق ہو جاوے گا اور فرشتے (جو آسمان میں پھیلے ہوئے ہیں جس وقت وہ پھٹنا شروع ہوگا) اس کے کناروں پر آ جاویں گے (اس سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ آسمان بیچ میں سے پھٹ کر چاروں طرف سمٹنا شروع ہوگا اس لئے فرشتے بھی بیچ میں سے کناروں پر آ رہیں گے۔ پھر آیت صَبَّحُوا فِي السَّمٰوٰتِ وَمِنْ فِي الْاَرْضِ کے مطابق ان فرشتوں پر بھی موت مسلط ہو جاوے گی (کذا فی الکبیر احسن الوجہین) اور یہ سب واقعات تو نفخہ اولیٰ کے وقت کے ہیں) اور (آگے نفخہ ثانیہ کے وقت کے واقعات ہیں کہ) آپ کے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہونگے (حدیث میں ہے کہ اب عرش کو چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں قیامت کو آٹھ فرشتے اٹھاویں گے (کذا فی الدار فروعاً))

غرض آٹھ فرشتے عرش کو اٹھا کر میدان قیامت میں لا دیں گے اور حساب شروع ہوگا جس کا آگے بیان ہے یعنی جس روز تم (خدا کے روبرو حساب کے واسطے) پیش کئے جاؤ گے (اور تمہاری کوئی بات (اللہ تعالیٰ سے) پوشیدہ نہ ہوگی پھر (نامہ اعمال اڑا کر ہاتھ میں دیے جا دیں گے تو) جس شخص کا نامہ اعمال اسکے دانے ہاتھ میں دیا جاوے گا وہ تو (خوشی کے مارے آس پاس والوں سے) کہے گا کہ میرا نامہ اعمال پڑھ لو میرا (تو پہلے ہی سے) اعتقاد تھا کہ مجھ کو میرا حساب پیش آنے والا ہے (یعنی میں قیامت اور حساب کا معتقد تھا، مطلب یہ کہ میں ایمان اور تصدیق رکھتا تھا خدا تعالیٰ نے اس کی برکت سے آج مجھ کو نوازا) غرض وہ شخص پسندیدہ عیش یعنی بہشت بریں میں ہوگا جس کے میوے (اس قدر) مجھکے ہونگے (کہ جس حالت میں چاہیں گے لے سکیں گے اور حکم ہوگا کہ) کھاؤ اور بیو مزے کے ساتھ ان اعمال کے صلہ میں جو تم نے بامید صلہ گزارا (یعنی زمانہ قیام دنیا) میں کئے ہیں اور جس کا نامہ اعمال اسکے بائیں ہاتھ میں دیا جاوے گا سو وہ (نہایت حسرت سے) کہیگا کیا اچھا ہوتا کہ مجھ کو میرا نامہ اعمال ہی نہ ملتا اور مجھ کو یہ ہی خبر نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے کیا اچھا ہوتا کہ (پہلی) موت ہی خاتمہ کر چکی (اور دوبارہ زندہ نہ ہونے جس پر یہ حساب کتاب مرتب ہوا افسوس) میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، میرا جاہ (بھی) مجھ سے گیا گزرا (یعنی مال و جاہ سب بے سود ٹھیرے ایسے شخص کے لئے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اس شخص کو پکڑو اور اس کے گلے میں طوق پہنا دو پھر دوزخ میں اس کو داخل کرو، پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کی چابکس شترگز ہے اس کو جکڑ دو (اس گز کی مقدار خدا کو معلوم ہے

کیونکہ یہ گز وہاں کا ہوگا۔ آگے اس عذاب کی وجہ بتلاتے ہیں کہ (یہ شخص خدا سے بزرگ پر ایمان نہ رکھتا تھا) یعنی جس طرح ایمان لانا حسب تعلیم انبیاء ضروری تھا وہ ایمان نہ رکھتا تھا) اور (خود تو کسی کو کیا دیتا اور دلوں کو بھی) غریب آدمی کے کھلانے کی ترغیب نہ دیتا تھا۔ (حاصل یہ کہ خدا کی عظمت اور مخلوق کی شفقت جو اصل عبادات متعلقہ حقوق اللہ و حقوق العباد ہیں یہ دونوں کا تارک اور منکر تھا اس لئے مستحق عذاب ہوا) سو آج اس شخص کا نہ کوئی دوست دار ہے اور نہ اس کو کوئی کھانے کی چیز نصیب ہے بحر زخموں کے دھوون کے۔ (یعنی بحر ایک ایسی چیز کے جو گراہت و صورت میں مثل غسلین کے ہوگا جس سے زخم دھوئے گئے ہوں۔ اور یہ حصر اضافی ہے اور مقصود اس سے نفی ہے مرغوب کھانوں کی ورنہ زقوم کی غذا ہونا خود آیات سے ثابت ہے غرض ان کا طعام غسلین ہوگا) جس کو بحر بڑے گناہگاروں کے کوئی نہ کھا دیکھا (آگے قرآن کی حقانیت ارشاد فرمائی جاتی ہے جس میں قیامت میں جزا و سزا ہونے کا بیان ہے اس کی تکذیب موجب تعذیب مذکور ہے) پھر (بعد بیان مضمون مجازاۃ کے) میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی بھی جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی بھی جن کو تم نہیں دیکھتے (کیونکہ بعض مخلوقات بالفعل یا بالقوۃ آنکھوں سے دیکھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور بعض مخلوقات بالفعل یا بالقوۃ یہ صلاحیت نہیں رکھتیں) اس قسم کو مقصود سے ایک خاص مناسبت ہے کہ قرآن مجید کا لانیوالا نظر نہ آتا تھا اور جن پر قرآن آتا تھا وہ نظر آتے تھے مراد یہ ہے کہ تمام مخلوق کی قسم ہے کہ یہ قرآن (اللہ کا) کلام ہے ایک معزز فرشتہ کالایا ہوا (پس جس پر یہ کلام نازل ہوا وہ ضرور رسول ہے) اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے (جیسا کہ کفار آپ کو شاعر کہتے تھے مگر) تم بہت کم ایمان لاتے ہو (یہاں قلت سے مراد عدم ہے) اور یہ نہ کسی کا ہن کا کلام ہے (جیسا بعض کفار آپ کو کہتے تھے مگر) تم بہت کم سمجھتے ہو (یہاں بھی قلت سے مراد عدم ہے غرض یہ نہ شعر ہے نہ کہانت ہے بلکہ) رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا (کلام) ہے اور (آگے اس کی حقانیت کی ایک دلیل عقلی ارشاد ہوتی ہے کہ) اگر یہ (پیغمبر) ہمارے ذمہ کچھ (جھوٹی) باتیں لگا دیتے (یعنی جو کلام ہمارا نہ ہوتا اسکو ہمارا کلام کہتے اور جھوٹا دعویٰ نبوت کا کرتے) تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے پھر ہم ان کی رگِ دل کاٹ ڈالتے پھر تم میں کوئی ان کا اس سزا سے بچانے والا بھی نہ ہوتا (رگِ دل کاٹنے سے آدمی مرجاتا ہے مراد اس سے قتل ہے) اور بلاشبہ یہ قرآن متقیوں کے لئے نصیحت ہے (یعنی فی نفسہ حق ہونا اسکی صفت کمالیہ ذاتیہ ہے اور موجب نصیحت ہونا اسکی صفت کمالیہ اضافیہ ہے) اور (آگے مکذبین کی وعید ہے کہ ہم کو معلوم ہے کہ تم میں سے بعض تکذیب کرنے والے بھی ہیں) (پس ہم ان کو اس کی سزا دیں گے) اور (اس اعتبار سے) یہ قرآن کافروں کے حق میں موجب حسرت ہے (کیونکہ ان کے لئے بوجہ تکذیب کے سبب عذاب ہو گیا) اور یہ قرآن تحقیقی یقینی بات ہے سو (جس کا یہ کلام ہے) اپنے (اس) عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح (و تہلیل) کیجئے۔

معارف و مسائل

اس سورت میں قیامت کے ہولناک واقعات اور پھر وہاں کفار و تجار کی سزا اور مومنین و متقین کا جزا کا ذکر ہے قیامت کے نام قرآن کریم میں بہت سے آئے ہیں۔ اس سورت میں قیامت کو حاقہ کے لفظ سے، پھر قارعہ کے، پھر واقعہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور یہ سب قیامت کے نام ہیں۔

لفظ حاقہ کے معنی حق اور ثابت کے بھی آتے ہیں اور دوسری چیزوں کو حق ثابت کرنے والی چیز کو بھی حاقہ کہتے ہیں۔ قیامت پر یہ لفظ دونوں معنی کے اعتبار سے صادق آتا ہے کیونکہ قیامت خود بھی حق ہے اور اس کا وقوع ثابت اور یقینی ہے اور قیامت مومنین کے لئے جنت اور کفار کے لئے جہنم ثابت اور مقرر کرنے والی بھی ہے۔ یہاں قیامت کے اس نام کے ساتھ سوال کو مکرر کر کے اسکے مافوق القیاس اور حیرت انگیز ہولناک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

قارعہ کے لفظی معنی کھڑکھڑانے والی چیز کے ہیں۔ قیامت کے لئے یہ لفظ اس لئے بولا گیا کہ وہ سب لوگوں کو مضطرب اور بے چین کرنے والی اور تمام آسمان و زمین کے اجسام کو منتشر کرنے والی ہے۔

طاغیہ طغیان سے مشتق ہے جس کے معنی حد سے نکل جانے کے ہیں۔ مراد ایسی سخت آواز ہے جو تمام دنیا کی آوازوں کی حد سے باہر ہے اور زیادہ ہے جس کو انسان کا قلب دماغ برداشت نہ کر سکے۔ قوم ثمود کی نافرمانی جب حد سے بڑھ گئی تو ان پر اللہ کا عذاب اسی سخت آواز کی صورت میں آیا تھا جس میں تمام دنیا کی بجلیوں کی کرک اور دنیا بھر کی سب سخت آوازوں کا مجموعہ تھا جس سے ان کے دل پھٹ گئے۔

رِجِّ صُرَصِر، اس سخت ہوا کو کہا جاتا ہے جو بہت زیادہ سرد بھی ہو۔
سَبْعَ لَيَالٍ وَفَلْنِیۡۃً اَیَّامٍ، بعض روایات میں ہے کہ بدھ کی صبح سے یہ آندھی کا عذاب شروع ہو کر دوسرے بدھ کی شام تک رہا اس طرح دن تو آٹھ ہو گئے اور راتیں سات آئیں۔
مُحْسَرًا، حاسم کی جمع ہے جس کے معنی قطع کرنے اور استیصال کرنے یعنی بالکل فنا کر دینے والے کے ہیں
مُتَوَفِّکَیۡۡمَ کے معنی باہم محتاط اور ملے جلے کے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بستیوں کو متوفکات یا تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سب آپس میں ملی ہوئی بستیاں تھیں اور یا اسلئے کہ عذاب آنیکے وقت جب ان کا تختہ الٹا گیا تو سب گدھ مٹ ہو گئیں۔

فَاِذَا نَفَخَ فِی الصُّوۡرِ نَفْخَۃً وَّاٰحِدَۃً، ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ہے کہ صور کوئی سینگ (کی شکل کی کوئی چیز) ہے جس میں قیامت کے روز پھونکا جائے گا۔

نَفْخَۃً وَّاٰحِدَۃً سے مراد یہ ہے کہ یکبارگی اچانک یہ صور کی آواز ہوگی اور ایک آواز مسلسل رہے گی

یہاں تک کہ اس آواز سے سب مرجائیں گے۔ قرآن و سنت کی نصوص سے قیامت میں صور کے دو نفخے ہونا ثابت ہیں پہلے نفخہ کو نفخہ صعق کہا جاتا ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں فَصْعِقَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ مَعْنٰی اس نفخے سے تمام آسمان والے فرشتے اور زمین پر بسنے والے جن و انس اور تمام جانور ہیوش ہو جائیں گے (پھر اسی بیہوشی میں سب کو موت آجائے گی) دوسرے نفخہ کو نفخہ بعث کہا جاتا ہے بعث کے معنی اٹھنے کے ہیں اس نفخے کے ذریعہ سب مردے پھر زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے جبکہ ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے تَحْرُفُفُفْ فِيهِ أُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّبْظُرُونَ، یعنی پھر صور دوبارہ پھونکا جائے گا جس سے اچانک سب کے سب مردے زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے اور دیکھنے لگیں گے۔

بعض روایات میں جو ان دونوں نفخوں سے پہلے ایک تیسرے نفخے کا ذکر ہے جس کا نام نفخہ فزع بتلایا گیا ہے۔ مجموعہ روایات و نصوص میں غور کر نیسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلا نفخہ ہی ہے اسی کو ابتدا میں نفخہ فزع کہا گیا ہے اور انتہا میں وہی نفخہ صعق ہو جائے گا (مظہری)

وَيَجْعَلُ عَرْشَ رَبِّكَ قَوْفَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَلَاثِيَّةً، یعنی قیامت کے روز عرشِ رحمن کو اٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہونگے۔ بعض روایات حدیث میں ہے کہ قیامت سے پہلے تو یہ کام چار فرشتوں کے سپرد ہے قیامت کے روز ان کے ساتھ اور چار بڑھادیئے جا دیں گے۔

رہا یہ معاملہ کہ عرشِ رحمن کیا چیز ہے اُس کی حقیقت اور حقیقی شکل و صورت کیا ہے اور فرشتوں کا اُس کو اٹھانا کس صورت سے ہے یہ سب چیزیں وہ ہیں کہ نہ عقل انسانی انکا احاطہ کر سکتی ہے نہ ان مباحث میں ان کو غور و فکر کرنے اور سوالات کرنے کی اجازت ہے۔ سلف صالحین صحابہ و تابعین کا مسلک اس جیسے تمام معاملات میں یہ ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے کہ اس سے جو کچھ اللہ جل شانہ کی مراد ہے وہ حق ہے اور اس کی حقیقت و کیفیت نامعلوم ہے۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنْكُمْ خَافِيَةٌ، یعنی اُس روز سب اپنے رب کے سامنے پیش ہونگے، کوئی چھپنے والا چھپ نہ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ کے علم و بصر سے تو آج بھی کوئی نہیں چھپ سکتا اُس روز کی خصوصیت شاید یہ ہو کہ میدانِ حشر میں تمام زمین ایک سطح مستوی ہو جائے گی نہ کوئی غار رہیگا نہ پہاڑ نہ کوئی تعمیر مکان نہ کسی درخت وغیرہ کی آڑ، یہی چیزیں ہیں جن کے پیچھے دُنیا میں چھپنے والے چھپا کرتے ہیں وہاں ان میں سے کوئی چیز نہ ہوگی، کسی کو چھپنے کا امکان ہی نہ رہے گا۔

هَآؤُمْ اَفْرَءٌ وَّاَكْتَلِيَّةٌ لِّفْظِ هَآؤُمْ خَذُوْهُم مِّنْ جَمْعٍ لِّمَنْ يُّؤَلَّوْا جَاءَ۔ مطلب یہ ہے کہ جس کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں آئے گا وہ خوشی کے مارے اُس پاس کے لوگوں سے کہنے لگے گا کہ لو یہ میرا اعمال نامہ پڑھو۔

هَآؤُمْ اَفْرَءٌ وَّاَكْتَلِيَّةٌ، سلطان کے لفظی معنی غلبہ تسلط کے ہیں، اسی لئے حکومت کو سلطنت اور

حاکم کو سلطان کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو مجھے دوسرے لوگوں پر بڑائی اور غلبہ حاصل تھا میں سب میں بڑا مانا جاتا تھا آج وہ بڑائی اور غلبہ بھی کچھ کام نہ آیا اور سلطان بمعنی حجت بھی لیا جاسکتا ہے تو معنی یہ ہونگے کہ افسوس آج میرے ہاتھ میں کوئی حجت و سند نہیں جس کے ذریعہ عذاب سے نجات حاصل ہو سکے۔

حُكِّدَتْ فَعَلُوهُ، یہ حکم فرشتوں کو ہو گا کہ اس مجرم کو پکڑو اور اس کے گلے میں طوق ڈالو لیکن الفاظ آیت میں اسکا ذکر نہیں کہ کون پکڑے اور طوق ڈالے، اسی لئے بعض روایات میں ہے کہ یہ حکم صادر ہو گا تو ہر درود یوار اور ہر چیز مطیع و فرمانبردار نوکروں کی طرح ہے اس کے پکڑنے کو دوڑے گی۔

ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ، یعنی پھر اس کو ایک زنجیر میں پرودہ کی مقدار ستر گز ہے۔ زنجیر میں پرودے کا وہ مفہوم بھی مجازاً لیا جاسکتا ہے جو خلاصہ تفسیر میں لکھا گیا ہے کہ زنجیر میں جکڑ دو لیکن اسکے حقیقی معنی یہ ہیں کہ زنجیر انکے بدن کے اندر ڈال کر دوسری طرف نکال لو جیسے موتی یا تسبیح کے دانے پر دئے جاتے ہیں بعض روایات حدیث سے اسی حقیقی معنی کی تائید بھی ہوتی ہے (از منظر ہری)

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ لَهُمْ لَهْمًا حَمِيمًا وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غَسْلَيْنِ، حمیم مخلص اور گہرے دوست کو کہا جاتا ہے اور غسلین بکسر غین وہ پانی ہے جس میں جہنمیوں کے زخموں کی پیپ و غیرہ دھوی جاوے گی۔ مطلب آیات کا یہ ہے کہ آج اسکا کوئی دوست عزیز اس کی حمایت نہ کر سکے گا اور اس کو عذاب سے نہ بچا سکے گا اور اسکے کھانے کے لئے سوائے اُس گندے پانی کے جس میں اہل جہنم کی پیپ اور پس پڑی ہوگی اور کچھ نہ ہوگا۔ اور کچھ نہ ہونے کا مفہوم اور پخلاہ تفسیر میں یہ بتلایا گیا ہے کہ مرغوب کھانوں میں سے کچھ نہ ہوگا۔ غسلین کی طرح کی کوئی اور کردہ بد ذائقہ چیز کی نفی نہیں اس لئے دوسری آیت میں جو اہل جہنم کا زقوم کھانا آیا ہے وہ اس کے منافی نہیں۔

فَلَا أَقْصِرُ عَنْ مُرْءٍ وَرَأٍ ۖ وَمَا لَاقِبُ صِدْقٍ، یعنی قسم ہے اُن تمام چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو یا دیکھ سکتے ہو۔ اور جن کو تم نہ دیکھتے ہو نہ دیکھ سکتے ہو، اس میں تمام مخلوقات آگئیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ نہ دیکھنے کی چیزوں سے مراد حق تعالیٰ کی ذات و صفات ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ دیکھنے کی چیزوں سے مراد دنیا کی چیزیں ہیں اور نہ دیکھنے کی چیزوں سے مراد آفرت کی اشیاء (منظر ہری) والٹر سبحانہ و تعالیٰ اعلم

وَكَوْنُ تَقْوَالٍ عَلَيْنَا اِنَّ، تَقْوَال کے معنی بات گھڑنے کے ہیں۔ اور وَتَيْنِ قلب سے نکلنے والی وہ رگ ہے جس سے رُوح جسم انسانی میں پھیلتی ہے اسکے قطع کر دینے سے موت فوراً واقع ہو جاتی ہے۔

سابقہ آیات میں کفار مکہ کے اس بیہودہ خیال کا رد کیا گیا تھا، کوئی آپ کو شاعر اور آپ کے کلام کو شعر کہتا تھا، کوئی آپ کو کاہن اور کلام کو کہانت کہتا تھا۔ کاہن وہ شخص ہوتا ہے جو کچھ شیاطین سے خبریں پا کر کچھ نجوم کے اثرات سے معلوم کر کے آنے والے واقعات میں اُنکل بچو باتیں کیا کرتا تھا۔ غرض آپ کو شاعر یا کاہن کہنے والوں کے الزام کا حاصل یہ تھا کہ آپ جو کلام سناتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

خود اپنے خیالات سے یا کاہنوں کی طرح شیاطین سے کچھ کلمات جمع کر لئے ہیں اُن کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مذکورہ آیات میں حق تعالیٰ نے اُن کے اس خیال باطل کو ایک دوسری صورت سے بڑی شدت کے ساتھ اس طرح رد کیا ہے کہ دیوانو، اگر یہ رسول معاذ اللہ ہماری طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے اور ہم پر افتراء پردازی کرتے تو کیا ہم یوں ہی دیکھتے رہتے اور ان کو ڈھیل دیدیتے کہ خلق خدا کو گمراہ کریں۔ یہ بات کوئی عقل والا باور نہیں کر سکتا اس لئے اس آیت میں بطور فرض محال کے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ رسول کوئی قول بھی اپنی طرف سے گھڑ کر ہماری طرف منسوب کرتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ کر ان کی رگ جان کاٹ ڈالتے اور پھر ہماری سزا سے اُن کو کوئی بھی نہ بچا سکتا یہاں یہ شدت کے الفاظ ان جاہلوں کو سنانے کے لئے فرض محال کے طور پر استعمال فرمائے ہیں۔ داہنا ہاتھ پکڑنے کی تخصیص غالباً اس لئے ہے کہ جب کسی مجرم کو قتل کیا جاتا ہے تو قتل کرنے والا اسکے بالمقابل کھڑا ہوتا ہے قتل کرنے والے کے بائیں ہاتھ کے مقابل مقتول کا داہنا ہاتھ ہوتا ہے اُس کو یہ قتل کرنے والا اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ کر داہنے ہاتھ سے اس پر حملہ کرتا ہے۔

تنبیہ | اس آیت میں ایک خاص واقعہ کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ اگر خدا نخواستہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے تو آپ کے ساتھ یہ معاملہ کیا جاتا، اس میں کوئی عام ضابطہ بیان نہیں کیا گیا کہ جو شخص بھی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے ہمیشہ اسکو ہلاک ہی کر دیا جائیگا یہی وجہ ہے کہ دنیا میں بہت سے لوگوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اُن پر کوئی ایسا عذاب نہیں آیا۔

قَسِبَ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ، اس سے پہلی آیتوں میں یہ بتلایا گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے جو کچھ ہے وہ اللہ کا کلام ہے اور وہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے مذکورہ اور نصیحت ہے مگر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ان سب قطعی اور یقینی امور کو جانتے ہوئے تم میں بہت سے آدمی اس کی تکذیب بھی کرتے رہیں گے جس کا نتیجہ آخرت میں اُن کی حسرت و یاس اور عذاب دائمی ہوگا اور آخر میں فرمایا **وَاللَّهُ لَخَبِيرٌ** **الْيَقِينِ**، یعنی یہ بات بالکل حق اور یقینی ہے اس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں۔ سب کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا **قَسِبَ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ** جس میں اشارہ ہے کہ آپ ان معاند کفار کی باتوں پر دھیان نہ دیں اور ان سے منموم نہ ہوں بلکہ اپنے رب عظیم کی تسبیح و تقدیس کو اپنا مشغلہ بنالیں کہ یہی ان سب غموں سے نجات کا ذریعہ ہے اور یہ ایسا ہے جیسا دوسری جگہ قرآن کریم میں فرمایا ہے **وَلَقَدْ تَعَلَّمُوا آثَانَ يٰصٰدِقُ صَدْرًا لِّمٰی يَقُولُوْنَ قَسِبَ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السّٰجِدِیْنَ** یعنی ہم جانتے ہیں کہ آپ ان کفار کی بیہودہ گفتگو سے دل تنگ ہوتے ہیں اسکا علاج یہ ہے کہ آپ اپنے رب کی حمد میں مشغول ہو جائیں اور سجدہ گزاروں میں شامل ہو جائیں اُن کی باتوں کی طرف التفات نہ کریں

ابوداؤد میں حضرت عقبہ ابن عامر جہنی کی روایت ہے کہ جب یہ آیت **قَسِبَ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ** نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو اپنے رکوع میں رکھو اور جب آیت **سَبِّحْ اسْمَ**

رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس کو اپنے سجدہ میں رکھو۔ اسی لئے باجماع اُمت رکوع اور سجدے میں یہ دونوں تسبیحات پڑھی جاتی ہیں۔ جمہور کے نزدیک ان کا پڑھنا اور تین مرتبہ تکرار کرنا سنت ہے بعض حضرات نے واجب بھی کہا ہے۔

تَمَّتْ سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَىٰ

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ وَكَبِيْرَةٌ وَهِيَ اَرْبَعٌ وَاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ
سورة معارج مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چوالیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ۝۱ لِّلْكَافِرِيْنَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ۝۲ مِّنَ اللَّهِ

مانگا ایک مانگنے والے نے عذاب پڑنے والا منکروں کے واسطے کوئی نہیں اس کو ہٹانے والا آنے اللہ کی طرف سے

ذِي الْمَعَارِجِ ۝۳ تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ

جو چڑھتے درجوں والا ہے چڑھیں گے اس کی طرف فرشتے اور رُوح اس دن میں جس کا

خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝۴ فَاَصْبُرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۝۵ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيْدًا ۝۶

پچاس ہزار برس ہے سو تو صبر کر بھلی طرح کا صبر کرنا وہ دیکھتے ہیں اس کو دور

وَكُرَاهٍ قَرِيْبًا ۝۷ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَاوُ كَالْمُهْلِ ۝۸ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ

اور ہم دیکھتے ہیں اس کو نزدیک جس دن ہوگا آسمان جیسے تانبا پگھلا ہوا اور ہونگے پہاڑ جیسے اون

كَالْعِهْنِ ۝۹ وَلَا يَسْأَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝۱۰ يَّبْصُرُوْنَهُمْ يَوْدُ الْمَجْرِمِ ۝۱۱

رنگی ہوئی اور نہ پوچھے گا دوستدار دوستدار کو سب نظر آجائیں گے ان کو چاہے گا گناہگار کسی طرح

يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابٍ يَوْمَئِذٍ اَبِيْنِيْهِ ۝۱۱ وَصَاحِبَتُهُ وَاَخِيْهِ ۝۱۲ وَ

بھڑوالی میں دے کر اس دن کے عذاب سے اپنے بیٹے کو اور اپنی ساتھ والی کو اور اپنے بھائی کو اور

فَصِيْلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيْهِ ۝۱۳ وَ مَنۢ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝۱۴ كَلَّا

اپنے گھرنے کو جس میں رہتا تھا اور جتنے زمین پر ہیں سب کو پھر اپنے آپ کو بچائے ہرگز نہیں

إِنَّهَا لَظَّةٌ ۝۱۵ نَزَاعَةً لِّلشَّوٰی ۝۱۶ تَدْعُوْا مِّنْ أَدْبَرَ وَتَوَلٰی ۝۱۷ وَجَمَعَ

وہ تپتی ہوئی آگ ہے کھینچ لینے والی کلیجہ پیکارتی ہے اس کو جس نے پیٹھ پھیر لی اور پھر کر چلا گیا اور جوڑا اور

فَادْعٰی ۝۱۸ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝۱۹ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝۲۰

سینت کر رکھا بیشک آدمی بنا ہے جی کا کچا جب پہنچے اس کو بُرائی تو بے صبرا

وَ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝۲۱ اِلَّا الْمَصْلٰیْنَ ۝۲۲ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی

اور جب پہنچے اُس کو بھلائی تو بے توفیقاً مگر وہ نمازی جو اپنی

صَلٰتِهِمْ دَاعِیْمُوْنَ ۝۲۳ وَالَّذِیْنَ فِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝۲۴ لِّلسَّائِلِ

نماز پر قائم ہیں اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے مانگنے والے

وَالْمَحْرُوْمِ ۝۲۵ وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ۝۲۶ وَالَّذِیْنَ هُمْ

اور ہارے ہوئے کا اور جو یقین کرتے ہیں افساف کے دن پر اور جو لوگ کہ

مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝۲۷ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَیْرُ مَأْمُوْنٍ ۝۲۸

اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں بیشک اُن کے رب کے عذاب سے کسی کو نہر نہ ہونا چاہیے

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝۲۹ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ

اور جو اپنی شہوت کی جگہ کو بچاتے ہیں مگر اپنی جوڑوں سے یا اپنے ہاتھ کے

اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۝۳۰ فَمَنْ اُبْتَغٰی وَّرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ

مال سے سو اُن پر نہیں کچھ اماننا پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوائے سو وہی ہیں

هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝۳۱ وَالَّذِیْنَ هُمْ لَا مَنِتِّمٌ وَعٰہِدٌ هِمَّ رَّعُوْنَ ۝۳۲

عد سے بڑھنے والے اور جو لوگ کہ اپنی امانتوں اور اپنے قول کو نباتے ہیں

وَالَّذِیْنَ هُمْ بِشَہَادَتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۝۳۳ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلٰتِهِمْ

اور جو اپنی گواہیوں پر سیدھے ہیں اور جو اپنی نماز سے

یَحَافِظُوْنَ ۝۳۴ اُولٰٓئِكَ فِیْ جَنَّتٍ مُّكْرَمُوْنَ ۝۳۵ فَمَالِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا

خبردار ہیں وہی لوگ ہیں باغوں میں عزت سے پھر کیا ہوا ہے مشکوں کو

قَبْلَكَ مُهْطِعِیْنَ ۝۳۶ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِّیْنَ ۝۳۷ اَیْطَمَعُ

تیری طرف دوڑتے ہوئے آتے ہیں داہنے سے اور بائیں سے غول کے غول کیا طمع رکھتا ہے

کُلُّ اَمْرِیْ مِنْهُمْ اَنْ یَّدْخَلَ جَنَّتَ نَعِیْمٍ ۝۳۸ کَلَّا اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا

ہر ایک شخص اُن میں کہ داخل ہو جائے نعمت کے باغ میں ہرگز نہیں ہم نے ان کو بنایا ہے جس سے وہ بھی

یَعْلَمُوْنَ ۝۳۹ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشْرِیْقِ وَالْمَغْرِبِ اِنَّا لَقَدِرُوْنَ ۝۴۰

جانتے ہیں سو میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی تحقیق ہم کر سکتے ہیں

عَلَىٰ أَنْ تُبَدِّلَ خَيْرًا مِنْهُمْ ۚ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿۴۱﴾ فَنَرَهُمْ

کہ بدل کر لے آئیں اُن سے بہتر اور ہمارے قابو سے بچل نہ جائیں گے سو چھوڑ دے انکو

يَخْضِبُونَ وَيُلْعَبُونَ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ ﴿۴۲﴾ يَوْمَ

کہ باتیں بنائیں اور کھیلا کریں یہاں تک کہ بچائیں اپنے اُس دن سے جسکا اُن سے وعدہ ہے جس دن

يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاجًا كَانَتْهُمْ إِلَىٰ نَصَبٍ مُّوَفِّضُونَ ﴿۴۳﴾

بچل پڑیں گے قبروں سے دوڑتے ہوئے جیسے کسی نشانی پر دوڑتے جاتے ہیں

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهُفُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي

جھکی ہوں گی اُن کی آنکھیں چڑھی آتی ہوگی اُن پر ذلت یہ ہے وہ دن جس کا

كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿۴۴﴾

اُن سے وعدہ تھا

خلاصہ تفسیر

ایک مانگنے والا (براہ انکار) وہ عذاب مانگتا ہے جو کہ کافروں پر واقع ہونے والا ہے (اور) جسکا کوئی دفع کرنے والا نہیں (اور) جو اللہ کی طرف سے واقع ہوگا جو کہ سیڑھیوں کا (یعنی آسمانوں کا) مالک ہے (جن سیڑھیوں سے) فرشتے اور (اہل ایمان کی) رُوحوں اس کے پاس چڑھ کر جاتی ہیں (اس کے پاس سے مراد یہ ہے کہ عالم بالا میں جو موقع انکے عروج کا منتہا مقرر کیا گیا ہے وہاں جاتی ہیں اور چونکہ اس عروج کا رستہ آسمان ہیں اس لئے ان کو معارج (یعنی سیڑھیاں) فرمادیا اور وہ عذاب) ایسے دن میں (واقع) ہوگا جس کی مقدار (دنیا کے) پچاس ہزار سال (کی برابر) ہے (مراد قیامت کا دن ہے جو کچھ حقیقی مقدار سے کچھ اُس کے اشتداد سے کفا کو اس قدر طویل محسوس ہوگا اور چونکہ کفر و سرکشی کے مراتب کے اعتبار سے اس کی شدت اور درازی مختلف ہوگی کسی کے لئے بہت زیادہ، کسی کے لئے کچھ کم، اس لئے ایک آیت میں کالف سنۃ آیا ہے اور کافسروں کی تخصیص اس لئے کی کہ حدیث میں ہے کہ مومن کو وہ دن اس قدر ہلکا معلوم ہوگا جیسے ایک فرض پڑھنے کا وقت (کنزانی الدروع عن ابی سعید فرغوا بروایت احمد والبیہقی وغیرہما) سو (جب عذاب کا آنا ثابت ہو تو) آپ (ان کی مخالفت پر) صبر کیجئے اور صبر بھی ایسا جس میں شکایت کا نام نہ ہو (یعنی انکے کفر و خلاف سے ایسے تنگ نہ ہو جسے کہ شکایت حکایت زبان پر آجاوے بلکہ یہ سمجھ کر تحمل کیجئے کہ ان کو سزا ہونے والی ہے اور اس یوم سزا کا جو ان کو انکار ہے سو) یہ لوگ اس دن کو (قیامت پر ایمان نہ ہونے کے سبب اس کے وقوع کو) بعید دیکھ رہے ہیں اور ہم (کو اس کا وقوع یقینی معلوم ہے اس لئے) اس کو (وقوع سے) قریب دیکھ رہے ہیں (اور وہ عذاب اس روز واقع ہوگا) جس دن (کہ) آسمان لرنگ میں) تیل کی تلچھٹ کی طرح

ہو جاوے گا) اور ایک آیت میں کَالَّذِیْہَا نَہے جس کی تفسیر ادم احمر یعنی سرخ چمڑے کی گئی ہے تو جمع دونوں میں یہ ہے کہ سرخی کی شدت سے بھی سیاہی کے مشابہ رنگ پیدا ہو جاتا ہے پس احمر اور اسود دونوں کہنا صحیح ہے۔ یا اول ایک رنگ ہو پھر دوسرا بدل جاوے کہنا نقل ابن کثیر فی السجۃ عن الحسن تملون الواجۃ، اور اگر اس کی تفسیر بھی مثل بعض کے دُرْدِی زیت سے کی جاوے یعنی روغن زیتون کی تلچٹ، تو دونوں کا مفہوم متحد ہو جاوے گا، غرض آسمان سیاہ ہو جاوے گا اور پھٹ بھی جاوے گا) اور پہاڑ رنگین اون کی طرح (جو کہ دھنکی ہوتی ہے بقولہ تعالیٰ کَالِیَعْقَنِ الْمُنْفُوشِ) ہو جاویں گے (یعنی اڑتے پھریں گے اور رنگین سے تشبیہ اسلئے دی گئی کہ پہاڑ بھی مختلف رنگوں کے ہوتے ہیں کہنا ہوا المذکور فی قولہ تعالیٰ وَ مِنْ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَیضٌ وَ جُدَدٌ سَوْدٌ وَ جُدَدٌ حُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُہَا وَ غَرَابِیِبٌ سَوْدٌ) اور (اُس روز) کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا (بقولہ تعالیٰ لَا تَسْأَلُوْنَ) باوجودیکہ ایک دوسرے کو دکھا بھی دیے جاویں گے (یعنی ایک دوسرے کو دیکھیں گے مگر کوئی کسی کی ہمدردی نہ کرے گا اور سورہ صافات میں جو باہم سوال کر نیکا ذکر ہے وہ بطور اختلاف کے ہے بطور ہمدردی کے نہیں اسلئے وہ اس آیت کے منافی نہیں، اس روز) مجرم (یعنی کافر) اس بات کی تمنا کرے گا کہ اس روز کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنے بیٹوں کو اور بیوی کو اور بھائی کو اور کنبہ کو جن میں وہ رہتا تھا اور تمام اہل زمین کو اپنے خدیہ میں دیدے پھر یہ (خدیہ میں دیدینا) اس کو (عذاب سے) بچالے (یعنی اس روز ایسی نفسا نفسی ہوگی کہ ہر شخص کو اپنی فکر پڑ جاوے گی، اور کل تکس جن پر جان دیتا تھا آج ان کو اپنے فائدے کے لئے عذاب کے سپرد کر دینے کو تیار ہوگا اگر اس کے قابو کی بات ہو لیکن) یہ ہرگز نہ ہوگا (یعنی نجات عن العذاب مطلقاً نہ ہوگی بلکہ) وہ آگ ایسی شعلہ زن ہے جو کھال تک اُتار دیگی (اور) وہ اس شخص کو (خود) یلاوے گی، جس نے (دُنیا میں حق سے) پیٹھ پھیری ہوگی اور (طاعت سے) بے رخی کی ہوگی اور (دوسروں کا حق مار مار کر یا براہِ حرص مال) جمع کیا ہوگا پھر اسکو اٹھا اٹھا رکھا ہوگا (مطلب یہ کہ حقوق اللہ و حقوق العباد ضائع کئے ہوں گے، یا اشارہ ہے فسادِ عقائد و فسادِ اخلاق کی طرف اور بلانا معنی حقیقی پر محمول ہو سکتا ہے خلاصہ یہ کہ ایسے صفات موجب استحقاق نار ہیں اور اس مجرم میں یہ صفات پائے جاتے ہیں پھر نجات عن العذاب کب متصور ہے اور جمع فاعلی سے کفار کا مکلف بالفروع ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ ان ردائل کی وجہ سے کفار کو اصل عذاب نہیں ہوگا بلکہ اشتداد عذاب ہوگا اور نفس عذاب کفر پر ہوگا، بخلاف گناہگار مومنین کے کہ ان کو معاصی پر نفس عذاب بھی ہو سکتا ہے واللہ اعلم۔)

(آگے دوسرے ردائل کا ذکر ہے جو عذاب کا سبب ہوتے ہیں ان سے اہل ایمان کا استثناء اور پھر استثناء کا نتیجہ بیان ہے یعنی) انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے (مراد انسان سے استثناء کو شامل کرنے کے بعد انسان کافر ہے اور پیدا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اول پیدائش کے وقت سے ہی وہ ایسا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُس کی جبلت میں ایسا مادہ رکھا گیا ہے کہ وہ اپنے وقت پر پہنچ کر یعنی بلوغ کے بعد ان ردائل صفت

کا عادی ہو جائے گا، پس کم ہمتی سے مراد طبیعت کم ہمتی نہیں ہے بلکہ کم ہمتی کے آثار ذمیلہ اختیار یہ مراد ہیں جن کو آگے بیان فرماتے ہیں یعنی) جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو (حد جواز سے زیادہ) جوع فزع کرنے لگتا ہے اور جب اس کو فایغ البالی ہوتی ہے تو (حقوق ضروریہ سے) بخل کرنے لگتا ہے (یہ تتمہ ہو گیا موجب عذاب کا جو منج ادب سے شروع ہوئے ہیں) مگر وہ نمازی (یعنی مومن ان موجبات عذاب سے مستثنیٰ ہیں) جو اپنی نماز پر برابر توجہ رکھتے ہیں (یعنی نمازیں ظاہراً باطناً دوسری طرف توجہ نہیں کرتے جس کو قد افلح المؤمنون میں خاشعون سے تعبیر فرمایا ہے کذا نقل ابن کثیر عن عقبۃ بن عامر بقولہ الذائق الساکن وعند فی الدار المنشور اذا صلوا لم یلتفتوا عن یمین وکلا شمال) اور جن کے مالوں میں سوا کی اور بے سوا کی سب کا حق ہے (اس کے متعلق مضمون سورۃ زاریات میں گزر چکا) اور جو قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں (اور) واقعی ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں (یہ جملہ معترضہ کے طور پر ہے) اور جو اپنی شرمگاہوں کو (حرام سے) محفوظ رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی (شرعی) لونڈیوں سے (حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ ان پر (اسمیں) کوئی الزام نہیں ہاں جو اس کے علاوہ (اور جگہ شہوت رانی کا) طلبگار ہو ایسے لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں اور جو اپنی (سپردگی میں لی ہوئی) امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں۔ اور جو اپنی گواہیوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں (ان میں کی بیشی نہیں کرتے) اور جو اپنی (فرض) نماز کی پابندی کرتے ہیں (پس) ایسے لوگ بہشتوں میں عزت سے داخل ہونگے (ان آیات کی تفسیر سورۃ مؤمنون میں دیکھ لی جائے آگے کفار کی حالت کا عجیب ہونا اور وقوع قیامت کا مستبعد ہونا بیان فرماتے ہیں یعنی موجبات سعادت و شقاوت تو اوپر بدالات واضح معلوم ہو چکے) تو (معلوم باللیل ہونے کے بعد پھر) کافروں کو کیا ہوا کہ (ان مضامین کی تکذیب کے لئے) آپ کی طرف کو داہنے اور بائیں سے جھمٹیں بن بن کر دوڑے آ رہے ہیں (یعنی چاہئے تھا کہ ان مضامین کی تصدیق کرتے لیکن یہ لوگ متفق ہو ہو کر آپ کے پاس اس غرض سے آتے ہیں کہ ان مضامین کی تکذیب اور ان کے ساتھ استہزاء کریں جیسا کہ کفار عرب نبوت کی خبریں سن سن کر اسی غرض سے آتے تھے اور اسلام کو باطل سمجھنے کے ساتھ اپنے کو حق پر سمجھتے تھے اور حق ہو گیا ثمرہ جنت میں جانا ہے اس بنا پر وہ اپنے کو مستحق جنت بھی سمجھتے تھے کہ قولہ تعالیٰ وَلَیِّنْ رَّجَعْتُ اِلٰی رَبِّیْ اِنِّیْ عِنْدَکَ لَدَّحَسْبٰہُ اس لئے اس کے متعلق بطور انکار فرماتے ہیں کہ) کیا ان میں ہر شخص اس کی ہوس رکھتا ہے کہ وہ آسمان کی جنت میں داخل کر لیا جاوے گا یہ ہرگز نہ ہوگا (کیونکہ موجبات جہنم کے ہوتے ہوئے جنت کیسے ملجاوے گی اور یہ لوگ ان مضامین کی تکذیب میں نفس قیامت کی بھی تکذیب کرتے اور اسکو محال سمجھتے تھے آگے اسکے متعلق ارشاد ہے کہ ان کا استبعاد محض بے وقوفی ہے کیونکہ) سمنے ان کو ایسی چیز سے پیدا کیا ہے جس کی ان کو بھی خبر ہے (پس جب ان کو معلوم ہے کہ نطفہ سے آدمی کو بنایا ہے اور ظاہر ہے کہ نطفہ سے کہ جسمیں کبھی حیات نہیں آئی آدمی بننے تک جتنا بعد ہے اتنا بعد اجزا میت سے دوسری بار آدمی بننے تک نہیں ہے کیونکہ ان اجزا میں

ایک بار حیات پہلے آچکی ہے اس کو محال سمجھنا ان کی بے وقوفی ہے) پھر (دوسرے طور پر دفع استبعاد وقوع قیامت کے لئے) میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی (معنی اس کے سورة صفات کے شروع میں گزرے ہیں آگے جواب قسم ہے) کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ (دنیا ہی میں) ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ آئیں (یعنی پیدا کر دیں) اور ہم (اس سے) عاجز نہیں ہیں (پس جب نئی مخلوق اور وہ بھی ایسی جس میں صفات کمال زیادہ ہوں جنہیں زیادہ اشیاء پیدا کرنا پڑیں ہم کو پیدا کرنا آسان ہے تو تم کو دوبارہ پیدا کرنا کون مشکل کام ہے۔ پہلا استدلال خود ان مستکبرین کی حالت کے اعتبار سے ہے اور دوسرا استدلال ان کے امثال و نظائر کے امکان مخلوقیت سے۔ اور جب باوجود ضووح حق مع الدلائل کے اپنے انکار و عناد سے باز نہیں آتے) تو آپ ان کو اسی شغل و تفریح میں رہنے دیجئے، یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ واقع ہو جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے جس دن یہ قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑیں گے جیسے کسی پریش گاہ کی طرف دوڑے جاتے ہیں (اور) ان کی آنکھیں (مارے شرمندگی کے) نیچے کو جھکی ہوئی (اور) ان پر ذلت چھائی ہوگی، یہ ہے ان کا وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا (جو کہ اب واقع ہو گیا)

معارف و مسائل

سَأَلْ سَائِلٌ، سوال کبھی کسی چیز کی تحقیق کے لئے ہوتا ہے اس کے ساتھ عربی زبان میں صلہ حرف عن کا استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی سوال بمعنی درخواست اور کسی چیز کی طلب کے ہوتا ہے یہاں ایسا ہی ہے اسی لئے اس کے صلہ میں بجائے عن کے حرف بار آیا۔ بعد اب معنی یہ ہیں کہ ایک مانگنے والے نے عذاب مانگا۔ نسائی میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ مانگنے والا نصر بن حارث تھا جس نے قرآن اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب میں اس جرات سے کام لیا کہ کہنے لگا اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَامْطِرْ عَلَيْنَا جَحَاشًا مِنَ السَّمَاءِ اَوْ اُنْزِلْ عَلَيْنَا مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ، یعنی یہ دعا کی کہ یا اللہ اگر یہ قرآن ہی حق ہے اور آپ کی طرف سے، تو ہم پر آسمان سے پتھر برسائے یا کوئی دوسرا عذاب الیم بھیجے۔ (منظری) اللہ تعالیٰ نے اس کو غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں عذاب دیا (منظری بروایت ابن ابی حاتم) اس شخص نے اللہ تعالیٰ کا جو عذاب اپنے منہ مانگا تھا آگے اس کی کچھ حقیقت کا بیان ہے کہ یہ عذاب کافروں پر ضرور واقع ہو کر رہے گا (خواہ دنیا میں یا آخرت میں یا دونوں میں) اس عذاب کو دفع کرنا کسی کے بس میں نہیں۔ یہ عذاب اللہ کی طرف سے ہے جو درجات عالیہ والا ہے۔ یہ آخری جملہ پہلے جملے کی دلیل بھی ہے کہ جو عذاب اللہ بالا و برتر کی طرف سے ہوا اس کو دفع کرنا اور ٹالنا کسی کے لئے کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

معارج، معرج کی جمع ہے عروج سے مشتق ہے جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں اور معرج و معراج اس سیر بھی کو کہا جاتا ہے جس میں نیچے سے اوپر چڑھنے کے لئے بہت سے درجات ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفت اس آیت میں ذی معارج اس معنی سے ہو کہ اللہ تعالیٰ درجات عالیہ الہیہ (کذا قال سعید بن جبیر) اور یہ درجہ عالیہ اوپر نیچے سات آسمان ہیں۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ ذی المعارج کے معنی ہیں۔ ذی السموات یعنی مالک السموات۔

تَعْرِجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ، یعنی یہ درجات جو تہرتہ اوپر نیچے ہیں ان درجات کے اندر چڑھتے ہیں فرشتے اور رُوح الامین یعنی جبرئیل امین۔ جبرئیل علیہ السلام بھی اگرچہ فرشتوں کے زمرہ میں شامل ہیں لیکن انکے خصوصی اعزاز کے لئے ان کا الگ نام ذکر فرمایا گیا ہے۔

فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، یہ جملہ ایک فعل محذوف سے متعلق ہے یعنی یَقَعُ مطلب یہ ہے کہ یہ عذاب جبکا اوپر ذکر آیا ہے کہ کافروں پر ضرور واقع ہو کر رہے گا۔ اسکا وقوع اُس روز ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس دن کے متعلق سوال کیا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی کہ یہ دن کتنا دراز ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ یہ دن مومن پر اتنا ہلکا ہوگا کہ ایک نماز فرض ادا کرنے کے وقت سے بھی کم ہوگا (رواہ احمد والبیہقی وابن حبان والبیہقی بسند حسن۔ مظہری) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے کہ

يَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كَقَدَرِ مَا بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ | یعنی یہ روز مومنین کے لئے اتنا ہوگا جتنا وقت ظہر و عصر کے درمیان
الخروج الحاکم والبیہقی مرفوعاً وموقوفاً (مظہری) | ہوتا ہے یہ روایت حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً بھی منقول ہے موقوفاً بھی
ان روایات حدیث سے معلوم ہوا کہ اس دن کا یہ طول کہ پچاس ہزار سال کا ہوگا ایک اضافی امر ہے کفار کے لئے
اتنا دراز اور مومنین کے لئے اتنا مختصر ہوگا۔

روز قیامت کی درازی ایک ہزار سال پچاس کی تحقیق | اس آیت میں روز قیامت کی مقدار پچاس ہزار سال بتلائی ہے۔ اور سورہ تنزیل السجدہ کی آیت میں ایک ہزار سال آئے ہیں آیت یہ ہے يَكُونُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ السَّاعَةُ إِلَى السَّاعَةِ وَالْيَوْمُ يَكُونُ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ فَمَا تَعُدُّونَ، یعنی تدبیر کرتے ہیں امر الہی کی آسمان سے زمین تک پھر چڑھتے ہیں اس کی طرف ایک ایسے دن میں جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے عام شمار کے اعتبار سے۔ بظاہر ان دونوں آیتوں کے مضمون میں تعارض اور تضاد ہے اسکا جواب مذکورہ روایات حدیث سے ہو گیا کہ اس دن کا طول مختلف گروہوں کے اعتبار سے مختلف ہوگا، تمام کفار کے لئے پچاس ہزار سال کا اور مومنین صالحین کے لئے ایک نازک وقت ان کے درمیان طوائف کفار ہیں ممکن ہے کہ بعض کے لئے صرف ایک ہزار سال کی برابر ہو۔ اور وقت کا دراز اور مختصر ہونا شدت دے چینی اور آرام و عیش میں مختلف ہونا مشہور و معروف ہے کہ بے چینی اور شدت تکلیف کا ایک گھنٹہ بعض اوقات انسان کو ایک دن بلکہ ایک ہفتہ عشرہ سے زیادہ محسوس ہوتا ہے اور آرام و عیش کا بڑے سے بڑا وقت مختصر معلوم ہوتا ہے۔

اور آیت تنزیل السجدہ جس میں ایک ہزار سال کا دن بیان کیا گیا ہے اس کی ایک توجیہ تفسیر مظہری میں یہ بیان کی ہے کہ اس آیت میں جس دن کا ذکر ہے وہ دنیا ہی کے دنوں میں کا ایک دن ہے اسیں جبرئیل علیہ السلام اور فرشتوں کا آسمان سے زمین پر آنا پھر زمین سے آسمان واپس جانا اتنی بڑی مسافت کو طے کرتا ہے کہ انسان

طے کرتا تو اس کو ایک ہزار سال لگتے، کیونکہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے آسمان سے زمین تک پانسو سال کی مسافت ہے تو پانسو سال اوپر سے نیچے آنے کے اور پانسو واپس جانیکے یہ کل ایک ہزار سال انسانی چال کے اعتبار سے ہیں کہ بالغرض انسان اس مسافت کو قطع کرتا تو آنے اور جانیں ایک ہزار سال لگ جاتے۔ اگرچہ فرشتے اس مسافت کو بہت ہی مختصر وقت میں طے کر لیتے ہیں۔ تو سورۃ سجدہ کی آیت میں دنیا ہی کے دنوں میں سے ایک دن کا بیان ہوا اور سورۃ معارج میں قیامت کے دن کا بیان ہے جو ایام دنیا سے بہت بڑا ہوگا اور اس کی درازی اور کوتاہی مختلف لوگوں پر اپنے حالات کے اعتبار سے مختلف محسوس ہوگی۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

اِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيْكَاهُ وَ تَرَاهُ قَرِيْبًا، یہاں قریب و بعید باعتبار مسافت یا زمانے کے نہیں بلکہ بعید از امکان یا بعید از وقوع مراد ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ یہ لوگ تو قیامت کے وقوع بلکہ امکان کو بھی بعید سمجھ رہے ہیں اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسکا وقوع یقینی ہے۔

وَلَا يَسْأَلُ حِمِيْهُ حِمِيْمًاۙ يُّبَشِّرُوْنَهُمْ، حِمیم کے معنی گہرے اور مخلص دوست کے ہیں قیامت کی شدت کا بیان ہے کہ اُس روز کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا، نہ دکرنا تو دکرنا، آگے یہ بھی بتلادیا کہ یہ نہ پوچھنا اس لئے نہیں کہ وہ دوست سامنے نہیں ہوگا بلکہ قدرت اللہیہ ان سب کو ایک دوسرے کے سامنے بھی کر دے گی، مگر ہر شخص نفسی نفسی کے عالم میں ہوگا کوئی کسی دوسرے کی تکلیف و راحت کی طرف التفات نہ کر سکے گا۔

كَلَّاۙ اِنَّهَا لَظٰهٖ نَزَاعًاۙ لِّلشَّوٰی، انہا کی ضمیر نار کی طرف راجع ہے اور نطی کے معنی خالص شعلہ بغیر آمیزش کے اور شوی شواۃ کی جمع ہے جس کے معنی سر کی کھال کے بھی ہیں اور ہاتھوں پاؤں کی کھال کے بھی، یعنی جہنم کی آگ ایک سخت بھڑکنے والا شعلہ ہوگا جو دماغ کی یا ہاتھوں پاؤں کی کھال اُتار دیگا۔

تَذَعُوْا مِنْ اَدْبُرٍ وَّ تَوَلّٰیۙ وَ جَهَنَّمَ فَاُكُوْسٰی، خود دبلائے گی یہ آگ اُس شخص کو جس نے حق سے بڑھ چڑھی اور رُخ پھیرا اور مال جمع کیا پھر اس کو روک کر رکھا۔ مراد جمع کرنے سے وہ ہے کہ خلاف شرع ناجائز طریقوں سے جمع کرے اور روکنے سے مراد یہ ہے کہ مال پر عائد ہونے والے فرائض و واجبات ادا نہ کرے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا، ہلوع کے لفظی معنی مریض بے صبر کم ہمت آدمی کے ہیں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آیت میں ہلوع سے مراد وہ شخص ہے جو مال حرام کی حرص میں مبتلا ہو اور حضرت سعید بن جبیرؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد بخیل آدمی ہے اور مقاتلؓ نے فرمایا کہ تنگدل بے صبر آدمی مراد ہے اور یہ سب معانی متقارب ہیں۔ ہلوع کے مفہوم میں سب داخل ہیں اس ہلوع کی تشریح خود قرآن کے الفاظ میں آرہی ہے یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب اس کو پیدا ہی اس حال میں کیا ہے اور یہ عیب اُس کی تخلیق میں رکھے ہیں تو پھر اسکا کیا قصور ہوا وہ مجرم کیوں قرار دیا گیا۔ وجہ یہ ہے کہ مراد اس سے انسانی فطرت اور جبلت میں رکھی ہوئی استعداد اور مادہ ہے سو اس میں حق تعالیٰ نے ہر خیر و صلاح کا مادہ اور استعداد بھی رکھی ہے اور شر و فساد

کی بھی۔ اور اس کو عقل و ہوش بھی عطا فرمایا اور اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ ہر ایک کام کا انجام بھی بتلادیا تو اپنے اختیار سے مادہ شر و فساد کی پرورش کی اپنے اختیاری اعمال کو اس رُخ پر ڈال دیا تو وہ مجرم ان اختیاری اعمال کی وجہ سے قرار پایا جو مادہ اُس کی پیدائش میں ودیعت رکھا گیا تھا اسکی وجہ سے اسکو مجرم نہیں قرار دیا گیا جیسا کہ آگے شروع کے معنی کی تشریح خود قرآن کریم نے کی ہے انہیں صرف افعال اختیار یہ کا ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہیں۔

اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرٌ مَنُوعًا، یعنی اس انسان کی کم ہمتی اور بے صبری کا عالم یہ کہ جب اس کو کوئی تکلیف و مصیبت پیش آجاتی ہے تو صبر سے کام نہیں لیتا اور جب کوئی راحت و آرام اور مال و دولت ملجاتا ہے تو اس میں بخل کرتا ہے۔ یہاں بے صبری اور جزع سے مراد وہ ہے جو حدود شرع سے باہر ہوں اسی طرح بخل سے مراد فرائض و واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی ہے (کما مر) آگے عام انسانوں کی اس خصلت مذکورہ سے مومنین صالحین کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اور ان کے اعمال و اخلاق صالحہ کا ذکر کیا گیا ہے جو اِلَّا الْمُصَلِّينَ سے شروع ہو کر عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ تک بیان کئے گئے ہیں۔ یہاں استثناء بلفظ مصلّین کیا گیا ہے یعنی نمازی اور مراد اس سے مومنین ہیں اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ نماز مومن کی پہلی اور سب سے بڑی علامت ہے مومنین کہلانے کے مستحق وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو نمازی ہیں۔ آگے ان مصلّین کی یہ صفت بتلائی ہے اَلَّذِينَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ، مراد اس سے یہ ہے کہ وہ نمازی جو پوری نماز میں اپنی نماز کی طرف متوجہ رہیں اور ہر ادرہ التفات نہ کریں۔ امام بغوی نے اپنی سند کیساتھ ابوالخیر سے روایت کیا ہے کہ ہم نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے اس آیت عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ کا مطلب پوچھا کہ کیا اس کی مراد یہ ہے جو ہمیشہ ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ نہیں یہ مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ جو اول سے آخر نماز تک اپنی نماز کی طرف متوجہ رہے، دل نہ بائیں آگے پیچھے التفات نہ کرے اسکا حاصل مفہوم وہی ہوا جو سورہ مومنوں میں اَلَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ کا ہے تو اس جملہ میں نماز کے خشوع کا ذکر ہوا اور آگے جو جملہ وَالَّذِينَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ يَخْشِعُونَ آرہا ہے اُس میں نماز اور آداب نماز پر مداومت کا ذکر ہے اسلئے مضمون میں تکرار نہ ہوا۔ آگے مومنین صالحین کی جو صفات بیان کی گئی ہیں یہ سب تقریباً وہی ہیں جو سورہ مومنوں میں بیان ہوئی ہیں اور اسی سورت میں ان کے معانی کی پوری تفسیر مکمل لکھی جا چکی ہے اُس کو دیکھ لیا جاوے۔

مقادیر زکوٰۃ منجانب اللہ مقرر ہیں اُن | وَالَّذِينَ فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ، اس آیت سے معلوم ہوا کہ مقادیر میں کمی بیشی کا کسی کو اختیار نہیں | زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین اور معلوم ہیں جن کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث صحیحہ میں منقول ہے۔ اسلئے مقادیر زکوٰۃ خواہ نصاب زکوٰۃ سے متعلق ہوں یا مقدار و احباب سے دونوں اللہ تعالیٰ طرف سے مقرر کردہ طے شدہ ہیں یہ زمانے اور حالات کے بدلنے سے نہیں بدل سکتیں۔

فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُونَ، اس سے پہلی آیت میں نفسانی خواہش اور شہوت کا جائز مصرف منکوحہ بیوی یا شرعی نوٹدی بتلایا گیا تھا اس آیت میں ان دو صورتوں کے سوا شہوت رانی کی

ہر صورت کو ممنوع و ناجائز قرار دیا ہے اس میں نکاح کی وہ صورتیں بھی داخل ہیں جو شرعاً حلال نہیں جیسے ان عورتوں سے نکاح جن سے شرعاً نکاح حرام ہے اسی طرح مُتَعہ جو شرعاً نکاح نہیں۔

اپنے ہاتھ سے شہوت پوری کرنا حرام ہے اور اکثر فقہاء رحمہم اللہ نے استمناء بالید یعنی اپنے ہاتھ سے شہوت پوری کر لینے کو بھی اس کے عموم میں داخل قرار دیکر حرام قرار دیا ہے۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطار سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا مکروہ ہے۔ میں نے سنا ہے محشر میں کچھ ایسے لوگ آئیں گے جن کے ہاتھ حاملہ ہونگے میرا گمان یہ ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے ہاتھ سے شہوت پوری کرتے ہیں۔ اور حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی قوم پر عذاب نازل فرمایا جو اپنے ہاتھوں سے اپنی شرمگاہوں سے نکھیلے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ملعون من ذکھ یدہ یعنی جو اپنے ہاتھ سے نکاح کرے وہ ملعون ہے۔ سند اس کی ضعیف ہے (منظری)

تمام حقوق اللہ اور سب حقوق العباد وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْثَلِهِمْ وَعَهْدُهُمْ رُغْوَنَ، اس آیت میں امانات جمع امانت میں داخل ہیں۔ کا صیغہ استعمال فرمایا ہے جیسے دوسری جگہ بھی إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا

الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا فرمایا ہے دونوں جگہ بلفظ جمع لائیں اس طرف اشارہ ہے کہ امانت صرف وہ مال ہی نہیں جو کسی نے آپ کے پاس رکھ دیا ہو بلکہ تمام حقوق واجبہ جن کا ادا کرنا آپ کے ذمہ فرض ہے وہ سب امانات ہیں انہیں کوتاہی کرنا خیانت ہے اس میں تمام حقوق اللہ نماز روزہ حج زکوٰۃ بھی داخل ہیں اور تمام حقوق العباد جو منجانب کسی پر واجب ہیں یا اس نے خود کسی معاہدے اور معاملے کے ذریعہ اپنے پر لازم کر لئے ہیں وہ سب امانت کی فہرست میں داخل اور ان کی ادائیگی فرض، اس میں کوتاہی خیانت ہے۔ (از منظری لمخصاً)

وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَتِهِمْ كَافِرُونَ، یہاں بھی نفع شہادات کو بلفظ جمع لانے میں اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ شہادت کی بہت سی قسمیں ہیں اور ہر قسم شہادت کو قائم رکھنا واجب ہے۔ اس میں شہادت ایمان تو حیدر رسالت بھی داخل ہے۔ ہلال رمضان اور حدود شرعیہ کی شہادت بھی اور لوگوں کے باہمی معاملات جو کسی کے سامنے ہوئے ہوں ان کی شہادت بھی، کہ ان شہادتوں کا چھپانا اور ان میں کمی بیشی کرنا حرام ہے انکو صحیح صحیح قائم کرنا اس آیت کی رو سے فرض ہے (از منظری) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

نَبَتْ بِحَمْدِ اللَّهِ يَوْمَ الثَّلَاثَةِ ۸ رَجَب ۹۱ھ

سُورَةُ نُوحٍ

سُورَةُ نُوحٍ مَكِّيَّةٌ فَكَيْتٌ وَهِيَ ثَمَنُكَ وَعِشْرُونَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعٌ
سُورَةُ نُوحٍ مَكَّةَ فِيهَا ثَمَنُكَ وَعِشْرُونَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعٌ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بحد مہربان نہایت رحم والا ہے

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمُ

ہم نے بھیجا نوح کو اُس کی قوم کی طرف کہ ڈرا اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ پہنچے اُن پر

عَذَابٌ أَلِيمٌ ① قَالَ يَقَوْمِ إِنِّي كُنْتُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ② أَنْ أَعْبُدُوا اللَّهَ

عذاب دردناک ① بولا اے قوم میری میں تم کو ڈر سنا رہا ہوں کھول کر کہ بندگی کرو اللہ کی

وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُوا ③ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُخْرِجَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ

اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو ③ تاکہ بخشے وہ تم کو کچھ گناہ تمہارے اور ڈھیل دے تم کو ایک مقرر وعدہ

مُسَمًّى ④ إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ⑤

تک وہ جو وعدہ کیا ہے اللہ نے جب آپہنچے گا اُس کو ڈھیل نہ ہوگی اگر تم کو سمجھ ہے

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ⑥ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي

بولا اے رب میں بلاتا رہا اپنی قوم کو رات اور دن ⑥ پھر میرے بلانے سے اور زیادہ

إِلَّا فِرَارًا ⑦ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي

بھاگنے لگے اور میں نے جب کبھی اُن کو بلایا تاکہ تو اُن کو بخشے ڈالنے لگے انگلیاں اپنے

أَذَانِهِمْ وَاسْتَعْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصْرُوا وَاسْتَكْبَرُوا وَاسْتَكْبَرُوا ⑧ ثُمَّ

کانوں میں اور پسینے لگے اپنے اوپر کپڑے اور ضد کی اور غرور کیا بڑا غرور پھر

إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جَهَارًا ⑨ ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ⑩

میں نے اُن کو بلایا برلا ⑨ پھر میں نے ان کو کھول کر کہا اور چھپ کر کہا چپکے سے

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝۱۰ يُرْسِلُ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ

تو میں نے کہا گناہ بخشو اور اپنے رب سے بیشک وہ ہے بخشنے والا ۱۰ چھوڑ دے گا آسمان کی تم پر

قَدَرًا رَارًا ۝۱۱ وَيُمِدُّكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلُ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلُ

دھاریں ۱۱ اور بڑھا دیگا تم کو مال اور بیٹوں سے اور بنادے گا تمہارے واسطے باغات اور بنادے گا

لَكُمْ أَنْهَارًا ۝۱۲ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ۝۱۳ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ۝۱۴

تمہارے لئے نہریں کیا ہوا ہے تم کو کیوں نہیں امید رکھتے اللہ سے بڑائی کی اور اسی نے بنایا تم کو طرح طرح سے

أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَوَاتٍ طِبَاقًا ۝۱۵ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا

کیا تم نے نہیں دیکھا کیسے بنائے اللہ نے سات آسمان تہ پر تہ اور رکھا چاند کو ان میں آجالا

وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا ۝۱۶ وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ۝۱۷ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ

اور رکھا سورج کو چراغ جلتا ہوا اور اللہ نے اُگایا تم کو زمین سے جاکر پھر مکرر ڈالے گا تم کو

فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ۝۱۸ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ بِسَاطًا ۝۱۹ لَتَسْلُكُوا

اس میں اور نکالے گا تم کو باہر اور اللہ نے بنادیا تمہارے لئے زمین کو پچھونا تاکہ چلو

مِنْهَا سَبِيلًا فَجَا جَاءَ ۝۲۰ قَالَ نُوحٌ رَبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَنْ لَمْ

اس میں کشادہ رہتے کہا نوح نے اے رب میرے انھوں نے میرا کہا نہ مانا اور مانا ایسے کا جس کو

يَزِدُّهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ۝۲۱ وَمَكَرُوا مَكْرًا كَبِيرًا ۝۲۲ وَقَالُوا لَا

انکے مال اور اولاد سے اور زیادہ ہو ٹوٹا اور داؤ کیا ہے بڑا داؤ اور بولے ہرگز

تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَ

نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو اور نہ چھوڑو وڈ کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور یعوق اور

نَسْرًا ۝۲۳ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۝۲۴ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ۝۲۵

نسر کو اور بہکا دیا بہتوں کو اور تو نہ زیادہ کرنا بے انصافوں کو مگر بھٹکانا کچھ وہ

خَطِئْتُمْ أَغْرَقُوا فَأَدْخِلُوا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا ۝۲۵

اپنے گناہوں سے ڈباے گئے پھر ڈالے گئے آگ میں پھر نہ پائے اپنے واسطے انھوں نے اللہ کے سوائے کوئی مددگار

وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝۲۶ إِنَّكَ

اور کہا نوح نے اے رب نہ چھوڑو زمین پر منکروں کا ایک گھر بسنے والا مقرر

إِنْ تَذَرْنِي يَضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝۲۷ رَبِّ اغْفِرْ لِي

اگر تو چھوڑ دے گا ان کو بہکائیں گے تیرے بندوں کو اور جو جنیں گے سو ڈھیٹھ حق کا منکر اے رب معاف کر

وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ط

مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو آئے میرے گھر میں ایماندار اور سب ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو

وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ۝۲۸

اور گنہگاروں پر بڑھتا رکھ یہی برباد ہونا

خلاصہ تفسیر

ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے پاس (پیغمبر بنا کر) بھیجا تھا کہ تم اپنی قوم کو (دبا ل کفر سے) ڈراؤ قبل اسکے کہ ان پر دردناک عذاب آوے (یعنی ان سے کہو کہ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب الیم آویگا، خواہ دُنیوی یعنی طوفان یا آخری یعنی دوزخ غرض) انھوں نے (اپنی قوم سے) کہا کہ اسے میری قوم میں تمھارے لئے صاف صاف ڈرانے والا ہوں (اور کہتا ہوں) کہ تم اللہ کی عبادت (یعنی توحید اختیار) کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا موقوفہ تمھارے گناہ معاف کر دیجئے (مَنْ ذُو ذُنُوبٍ كَثِيرٍ مِّنْ دُونِ ذَٰلِكَ يَلْمِزُكَ) سورہ احقاف میں گزر چکی) اور تم کو وقت مقرر (یعنی وقت موت) تک (بلا عقوبت) تہمت دیجئے (یعنی ایمان نہ لانے پر جس عذاب کا مرنے سے پہلے وعدہ کیا جاتا ہے اگر ایمان لے آئے تو وہ عذاب نہ آویگا اور باقی موت کے لئے جو) اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت (ہے) جب (وہ) آجاء و یگا تو طے گا نہیں۔ (یعنی موت تو آنا ہر حال میں ضروری ہے ایمان میں بھی اور کفر میں بھی لیکن دونوں حالتوں میں اتنا فرق ہے کہ ایک حالت میں علاوہ عذاب آخرت کے دنیا میں بھی عذاب ہوگا اور ایک حالت میں مثل دنیا و آخرت دونوں کے عذابوں سے محفوظ رہو گے) کیا خوب ہوتا اگر تم (ان باتوں کو) سمجھتے (جب مدتہائے دراز تک ان نصائح کا کچھ اثر قوم پر نہ ہوا تو) نوح (علیہ السلام) نے (حق تعالیٰ سے) دعا (اور التجا) کی کہ اے میرے پروردگار میں نے اپنی قوم کو رات کو بھی اور دن کو بھی (دین حق کی طرف) بلایا، سو میرے بلانے پر (دین سے) اور زیادہ بھاگتے رہے اور (وہ بھاگتا یہ ہوا کہ) میں نے جب کبھی اُن کو (دین حق کی طرف) بلایا تاکہ (انکے ایمان کے سبب) آپ اُن کو بخش دیں تو ان لوگوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں (تاکہ حق بات سنیں بھی نہیں، اور یہ نفرت کی انتہا ہے) اور (نیز انتہائی بغض سے انھوں نے) اپنے کپڑے (اپنے اوپر) لپیٹ لئے (تاکہ حق بات کہنے والے کو دیکھیں بھی نہیں، اور کہنے والا بھی اُن کو نہ دیکھے) اور (انھوں نے اپنے کفر و انکار پر) اصرار کیا اور (میری اطاعت سے) غایت درجہ کاتبہر کیا (مگر باوجود اس تنفیذ و بکھر کے) پھر (بھی میں ان کو مختلف طریقوں سے نصیحت کرتا رہا چنانچہ) میں نے ان کو (دین حق کی طرف) با واز بلند بلایا (مراد اس سے خطاب و وعظ عام ہے جس میں عادۃ آواز بلند ہوتی ہے) پھر میں نے ان کو (خطاب خاص کے طور پر) علانیہ بھی سمجھایا اور انکو بالکل خفیہ بھی سمجھایا (یعنی جتنے طریقے نفع کے ہو سکتے تھے سب ہی طرح سمجھایا، غرض اوقات میں بھی عموم کیا گیا، کما قال لیلًا و نہارًا اور کیفیات میں بھی کما قال دَعَوْهُمْ جَهَادًا الخ) اور (اس سمجھانے میں)

میں نے (ان سے یہ) کہا کہ تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشو اور (یعنی ایمان لے آؤ تاکہ گناہ بخشے جائیں) بیشک وہ بخشنے والا ہے (اگر تم ایمان لے آؤ گے تو علاوہ اخروی نعمت کے) کہ (مغفرت ہے دنیوی نعمتیں بھی تم کو عطا کرے گا، چنانچہ) کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ لگا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بہا دے گا (ان نعمتوں کے ذکر سے شاید یہ فائدہ ہو کہ اکثر طبائع میں نقد اور جلد حاصل ہونے والی چیزوں کی طلب زیادہ ہے۔ درنشتور میں قتادہ کا قول ہے کہ وہ لوگ دنیا کے زیادہ مرے تھے اسلئے یہ فرمایا اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ بسا اوقات یہ امور دنیویہ ایمان و استغفار پر مرتب نہیں ہوتے، بات یہ ہے کہ یا تو یہ وعدہ خاص انہی لوگوں کے لئے ہو گا اور اگر عام ہو تو قاعدہ ہے کہ موعود سے افضل کوئی چیز ملنا بھی ایفاء وعدہ ہی ہوتا ہے بلکہ وعدہ سے زیادہ، پس ایمان کامل پر روحانی مسرت و قناعت و رضا بالقضا ضرور عطا ہوتا ہے جو ان اشیاء سے بھی افضل و اکمل ہے بلکہ ساری متاع دنیا اور سب اشیاء مذکورہ کا اصلی مقصد بھی تو دل کا سکون و آرام ہی ہے۔ آگے نوح علیہ السلام کا تتمہ کلام ہے یعنی میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ) تم کو کیا ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کے مقتدر نہیں ہو حالانکہ (مقتضیات اعتقاد عظمت کے موجود ہیں کہ) اس نے تم کو طرح طرح سے بنایا (کہ عناصر اربعہ سے تمہاری غذا، پھر غذا سے لطفہ اور لطفہ کے بعد علقہ و مضغہ وغیرہ کی مختلف صورتوں سے گزر کر مکمل انسان بنا، یہ دلیل تو خود انسان کی ذات سے متعلق تھی، آگے دلیل آفاقی فرماتے ہیں کہ) کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے اور ان میں چاند کو نور (کی چیز) بنایا اور سورج کو (مثلاً) چراغ (روشن کئے) بنایا (اور چاند کو سب آسمانوں میں نہیں ہے مگر فیہن باعتبار مجموعہ کے فرمادیا، اور اس کے متعلق کچھ سورہ فرقان میں گزر چکا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین سے ایک خاص طور پر پیدا کیا (یا تو اس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے اور یا اس طرح کہ انسان لطفہ سے بنا اور لطفہ غذا سے اور غذا عناصر سے بنی اور عناصر میں غالب اجزاء مٹی کے ہیں) پھر تم کو (بعد مرگ) زمین ہی میں لیجاوے گا اور (قیامت میں پھر اسی زمین سے) تم کو باہر لے آوے گا اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو (مثلاً) فرش (کے) بنایا تاکہ تم اس کے کھلے رستوں میں چلو (یہ تاملتروہ کلام ہے جس کی حکایت نوح علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے بطور فریاد کی اور یہ سب حکایت عرض کر کے) نوح (علیہ السلام) نے (یہ) کہا کہ اے میرے پروردگار ان لوگوں نے میرا کہنا نہیں مانا اور ایسے شخصوں کی پیروی کی کہ جن کے مال اور اولاد نے ان کو نقصان ہی زیادہ پہنچایا (مراد ان شخصوں سے رؤسا ہیں جن کا عوام اتباع کیا کرتے ہیں اور مال اور اولاد کا ان رؤسا کو نقصان پہنچانا بایں معنی ہے کہ مال و اولاد سرکشی کا سبب بن گئے) اور (انہوں نے جن کا اتباع کیا ہے وہ ایسے ہیں) جنہوں نے (حق کے مٹانے میں) بڑی بڑی تدبیریں کیں اور جنہوں نے (اپنے تابعین سے یہ) کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ (بالخصوص) وڈ کو

اور سوار کو اور لغوث کو اور یعوق کو اور نسر کو چھوڑنا (خصوصیت ان کے ذکر کی اس لئے ہے کہ یہ بہت زیادہ مشہور تھے) اور ان (رہیں) لوگوں نے بہتوں کو (بہکا بہکا کر) گمراہ کر دیا (وہ مکر کبار ہی گمراہ کرنا ہی) اور (چونکہ مجھ کو آپ کے ارشاد لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ سے معلوم ہو گیا کہ یہ اب ایمان نہ لادیں گے اس لئے یہ بھی دُعا کرتا ہوں کہ) ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھاد یجئے (تاکہ یہ لوگ مستحقِ ہلاکت ہو جائیں، اس سے معلوم ہوا کہ مقصود دعا کرنا زیادہ ضلال کی نہیں بلکہ استحقاقِ ہلاکت کی ہے اور تحقیق اس دُعا کی سورہ یونس میں قصہ موسیٰ علیہ السلام میں گزری ہے۔ غرض انجام ان لوگوں کا یہ ہوا کہ) اپنے ان ہی گناہوں کے سبب وہ غرق کئے گئے پھر (بعد غرق برزخی یا اُخروی) دوزخ میں داخل کئے گئے اور خدا کے سوا ان کو کچھ حمایتی بھی میسر نہ ہوئے اور نوح (علیہ السلام) نے (یہ بھی) کہا کہ اے میرے پروردگار! کافروں میں سے زمین پر ایک باشندہ بھی مت چھوڑ (بلکہ سب کو ہلاک کر دے اور عمومِ ہلاکت و عمومِ بعثت کی بحث سورہ صافات میں گزری ہے آگے اس دعا کی علت ہے کیونکہ) اگر آپ انکو دئے زمین پر رہنے دیں گے تو (حسب ارشاد لَنْ يُؤْمِنَ اِلَّا) یہ لوگ آپ کے بندوں کو گمراہ کریں گے اور (آگے بھی) ان کے محض فاجر اور کافر ہی اولاد پیدا ہوگی (اور کافروں کے لئے بد دُعا کرنے کے بعد مومنین کے لئے دُعا فرمائی کہ) اے میرے رب مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو مومن ہونے کی حالت میں میرے گھر میں داخل ہیں ان کو (یعنی اہل و عیال باستثناء زوجہ و کنعائے) اور تمام مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بخش دیجئے اور (چونکہ مقصود مقام میں بد دُعا ہے کافروں کے لئے اور مومنین کے لئے دُعا محض مقابلے کی مناسبت سے ہو گئی تھی اسلئے پھر مضمون بد دعا کی طرف عود ہے جس میں (لَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا کے مقصود کی تفسیر ہے یعنی) ان ظالموں کی ہلاکت اور بڑھاد یجئے (یعنی ان کی نجات کی کوئی صورت نہ رہے ہلاک ہی ہو جاویں، اور یہی مقصود تھا اس دُعا سے کہ ان کی گمراہی بڑھادی جائے اور ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام کے والدین مومن تھے اور اگر اس کے خلاف ثابت ہو جائے تو والدین سے مراد آباء و اُمہات بعیدہ ہونگے، اول دُعا اپنے نفس کے لئے کی پھر اصول کے لئے پھر اہل و عیال کے لئے پھر عام تابعین کے لئے)۔

معارف و مسائل

يَعِظُكَ اللَّهُ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ، حرفِ مَجْ اکثر تبیض یعنی جزئیت بتلانے کے لئے آتا ہے اگر یہ معنی لئے جاویں تو مطلب یہ ہے کہ ایمان لانے سے تمھارے وہ گناہ معاف ہو جائیں گے جنکا تعلق حقوق اللہ سے ہے کیونکہ حقوق العباد کی معافی کے لئے ایمان لانے کے بعد بھی یہ شرط ہے کہ جو حقوق ادائیگی کے قابل ہیں ان کو ادا کرے جیسے مالی واجبات، اور جو قابل ادائیگی نہیں جیسے زبان یا ہاتھ سے کسی کو ایذا،

پہنچائی اُس سے معاف کرائے۔

حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ ایمان لانے سے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں آپس بھی حقوق العباد کی ادائیگی یا معافی شرط ہے۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ حرف مین اس جگہ زائد ہے اور مراد یہ ہے کہ ایمان لانے سے تمہارے سب گناہ معاف ہو جائیں گے مگر دوسری نصوص کی بناء پر شرط مذکور بہر حال ضروری ہے۔
وَيَوْمَ نَحْزِمُهُمُ إِلَىٰ آجِلٍ مُّسَمًّى، آجِل کے معنی مدت اور مسمیٰ سے مراد متعین کردہ۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس مدت تک دنیا میں مہلت دیگا جو تمہارے لئے مقرر اور متعین ہو یعنی مقررہ مدت عمر سے پہلے تمہیں کسی دنیاوی عذاب میں پکڑ کر ہلاک نہ کریگا۔ اسکا حاصل یہ ہوا کہ اگر ایمان نہ لائے تو یہ بھی ممکن ہے کہ مدت مقررہ سے پہلے ہی تمہیں عذاب لا کر ہلاک کر دے۔ معلوم ہوا کہ عمر کی مدت مقررہ میں بعض اوقات کوئی شرط ہوتی ہے کہ اس نے فلاں کام کر لیا تو اس کی عمر مثلاً اسی سال ہوگی اور نہ کیا تو ساٹھ سال میں موت مسلط کر دی جائے گی یا منفعی کاموں میں اللہ کی ناشکری سے عمر گھٹ جانا اور سرگزشتی سے عمر بڑھ جانا، اسی طرح بعض اعمال مثلاً والدین کی اطاعت و خدمت سے عمر میں ترقی ہونا جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اسکا بھی یہی مطلب ہے۔

انسان کی عمر میں کمی زیادتی کی بحث | اس کی تشریح تفسیر مظہری میں یہ ہے کہ تقدیر اور قضائے الہی کی دو قسمیں ہیں ایک مبہم یعنی قطعی، دوسری معلق یعنی جو کسی شرط پر معلق ہو۔ یعنی نوح محفوظ میں اس طرح لکھا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے اگر اللہ کی اطاعت کی تو اس کی عمر مثلاً ستر سال ہوگی اور نہ کی تو پچاس سال میں مار دیا جائیگا اس دوسری قسم تقدیر میں شرط نہ پائے جانے پر تبدیلی ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم میں ان دونوں قسم کی قضا و تقدیر کا ذکر اس آیت میں ہے تَجْعَلُوا لِلّٰہِ مَا یَشَآءُ وَیُتِّیْتُ وَعِنْدَہٗ أُمُّ الْکِتَٰبِ یعنی اللہ تعالیٰ نوح محفوظ میں محو و اثبات یعنی ترمیم و تبدیل کرتا رہتا ہے اور اللہ کے پاس ہے اصل کتاب، اصل کتاب سے مراد وہ کتاب ہے جس میں تقدیر مبہم لکھی ہوئی ہے کیونکہ تقدیر معلق میں جو شرط لکھی گئی ہے اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی سے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ شخص یہ شرط پوری کرے یا نہیں، اس لئے تقدیر مبہم میں قطعی فیصلہ لکھا جاتا ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لا یورد القضاۃ الا الذی جاء ولا یزید فی العمل الا الذی رواہ الترمذی (منظہری) یعنی قضائے الہی کو کوئی چیز بجزر دُعا کے نہیں روک سکتی اور کسی کی عمر میں زیادتی بجز زبرد والدین کے نہیں ہو سکتی۔ بر کے معنی اُن کے ساتھ اچھا سلوک ہے اور مطلب اس حدیث کا یہی ہے کہ تقدیر معلق میں ان اعمال کی وجہ سے تبدیلی ہو سکتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں جو آجِل مسمیٰ تک مؤخر کرنے کو ان کے ایمان لانے پر موقوف کیا ہے یہ اُن کی عمر کے بارے میں تقدیر معلق کا بیان ہے جسکا اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو علم

عطا فرما دیا ہوگا اسکے سبب سے انھوں نے اپنی قوم کو بتلایا کہ تم ایمان لائے تو جو اصلی عمر تمھارے لئے اللہ نے مقرر فرمائی ہے وہاں تک تمھیں مہلت ملے گی اور کسی عذاب دنیوی کے ذریعہ ہلاک نہ کئے جاؤ گے اور اگر ایمان نہ لائے تو اس اصلی عمر سے پہلے ہی خدا تعالیٰ کا عذاب تمھیں ہلاک کر دیگا اور آخرت کا عذاب اس صورت میں اسکے علاوہ ہوگا۔ آگے یہ بھی بتلادیا کہ ایمان لانے پر بھی ہمیشہ کے لئے موت سے نجات نہیں ہوگی بلکہ تقدیر مُبرم میں جو تمھاری عمر لکھی ہوئی ہے اُس پر موت آنا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے اس عالم دنیا کو دائمی نہیں بنایا یہاں کی ہر چیز کو فنا ہونا تقاضائے حکمت ہے اس میں ایمان و اطاعت اور کفر و معصیت سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ میں اسکا بیان ہے آگے حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کی اصلاح و ایمان کے لئے مسلسل مختلف قسم کی کوششوں میں لگے رہنے کا اور قوم کی طرف سے اُن کی مخالفت و تکذیب کا بیان تفصیل سے آیا ہے اور آخر میں مایوس ہو کر بددعا کرنے اور پوری قوم کے عذاب غرق میں مبتلا ہونے کا بیان ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی اور قرآنی تصریح کی مطابق انکی عمر پچاس کم ایک ہزار سال ہوگی، اس پوری مدت دراز میں نہ کبھی اپنی کوشش کو چھوڑا نہ کبھی مایوس ہوئے قوم کی طرف سے طح طح کی اندائیں دی گئیں سب پر صبر کرتے رہے۔

برداشت صفاک حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ان کی قوم ان کو اتنا مارتی کہ وہ گر جاتے تو انکو ایک کنبل میں لپیٹ کر مکان میں ڈال دیتے تھے اور یہ سمجھتے تھے یہ مر گئے، مگر پھر جب اگلے روز ان کو ہوش آتا تو اُن کو اللہ کی طرف بلاتے اور تبلیغ کے عمل میں لگ جاتے۔ محمد بن اسحق نے عبید بن عمر دلیثی سے روایت کیا کہ ان کو یہ خبر پہنچی ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم ان کا گلا گھونٹ دیتی تھی جس سے وہ بیہوش ہو جاتے اور جب ہوش آتا تو یہ دُعا کرتے تھے رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ اِنَّہُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ اے میرے پروردگار، میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ وہ جانتے نہیں۔ انکی ایک نسل کے ایمان لانیسے مایوسی ہوئی تو یہ امید رکھتے تھے کہ انکی اولاد میں کوئی ایمان لے آئیگا وہ نسل بھی گزر جاتی تو تیسری نسل سے یہی توقع لگا کر اپنے فرض منصبی میں مشغول رہتے کیونکہ ان نسلوں کی عمریں اتنی طویل نہ تھیں جتنی حضرت نوح علیہ السلام کو بطور معجزہ عطا ہوئی تھی، جب ان کی نسل پر نسل گزرتی رہی اور سرانسیوالی نسل پچھلی سے زیادہ شریر اور بدتر ثابت ہوئی تو حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں اپنا شکوہ پیش فرمایا جس میں بتلایا کہ میں نے ان کو رات دن اجتماعاً و افراداً، علانیہ اور خفیہ جو جو طریقہ کسی کو راستہ پر لایکا ہو سکتا ہے وہ سب اختیار کیا، کبھی اللہ کے عذاب سے ڈرایا، کبھی جنتوں کی نعمتوں کی ترغیب دلائی اور یہ بھی کہ ایمان اور عمل صالح کی برکت سے تمھیں دنیا میں بھی فراخی اور خوشحالی نصیب ہوگی۔ کبھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیوں کو پیش کر کے سمجھایا مگر انھوں نے ایک سنی، دوسری طرف حق تعالیٰ نے انکو یہی بتلادیا کہ آپکی پوری قوم میں جو ایمان لاتا تھا

انہیں کی عبادت کیا کرتے تھے یہاں سے بُت پرستی شروع ہو گئی اور ان پانچ بتوں کی عظمت ان کے دلوں میں چونکہ سب سے زیادہ بیٹھی ہوئی تھی اس لئے باہمی معاہدے میں ان کا نام خاص طور سے لیا گیا۔

وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ، یعنی ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھاد یکجہ۔ یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کا فرض منصبی قوم کو ہدایت کرنا ہے۔ نوح علیہ السلام نے اُن کی گمراہی کی بددعا کیسے کی کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اسکی تو خبر دیدی تھی کہ اب انہیں کوئی مسلمان نہیں ہوگا اسلئے ان کا گمراہی اور کفر پر مرنا تو یقینی تھا حضرت نوح علیہ السلام نے ان کی گمراہی بڑھادینے کی دُعا اسلئے فرمائی کہ جلد ان کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور ہلاک کر دیے جائیں۔

مِمَّا خَطِيئَتُهُمْ أُغْرِقُوا فَأَذْخَلْنَاهُمْ ، یعنی یہ لوگ اپنی خطاؤں کفر و سرک کی وجہ سے پانی میں غرق کئے گئے تو یہ آگ میں داخل ہو گئے۔ یہ متضاد عذاب کہ ڈوبے پانی میں اور نکلے آگ میں، حق تعالیٰ کی قدرت سے کیا بعید ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں جہنم کی آگ تو مراد نہیں کیونکہ اس میں داخلہ تو قیامت کے حساب کتاب کے بعد ہوگا یہ برزخی آگ ہے جس میں داخل ہونے کی قرآن کریم نے خبر دی ہے۔

عذاب قبر قرآن سے ثابت ہے | اس آیت سے معلوم ہوا کہ عالم برزخ یعنی قبر میں رہنے کے زمانے میں بھی مُردوں پر عذاب ہوگا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ جب قبر میں بدعمل کو عذاب ہوگا تو نیک عمل والوں کو ثواب اور نعمت بھی ملے گی۔ احادیث صحیحہ متواترہ میں قبر کے اندر عذاب و ثواب ہونیکا بیان اس کثرت اور وضاحت سے آیا ہے کہ انکار نہیں کیا جاسکتا اسلئے اس پر اُمت کا اجماع اور اسکا اقرار اہل سنت والجماعت کی علامت ہے

تَمَّتْ سُورَةُ نُوحٍ بِحَمْدِ اللَّهِ لِيَكُنَ الْآرِبَعَاءُ رَجَبٍ ۙ

سُورَةُ الْجِنِّ

سُورَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانُونَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعَانِ
سورہ جن مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی اٹھائیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ أَوْحَىٰ إِلَىٰ آلِهِ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۝۱

تو کہہ مجھ کو حکم آیا کہ میں نے کئی کئی لوگ جنوں کے پھر کہنے لگے ہم نے سنا ہے ایک قرآن عجیب

يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَامْتَابِهِ ۖ وَكُنْ تُشْرِكُ بَرَبِّنَا أَحَدًا ۝۲ وَأَنَّهُ تَعَالَىٰ جَدُّ

کہ بھٹاتا ہے نیک راہ سو ہم اُس پر یقین لائے اور ہرگز نہ شریک بتلائیں گے ہم اپنے رب کا کسی کو اور یہ کہ اوپنچی ہے شان ہمارے

رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا ۝۳ وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ

رب کی نہیں رکھی اُس نے جو رو نہ بیٹا اور یہ کہ ہم میں کا بیوقوف اللہ پر بڑھا کر

شَطَطًا ۝۴ وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّنْ نَقُولَ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۝۵ وَأَنَّهُ

بائیں کہا کرتا تھا اور یہ کہ ہم کو خیال تھا کہ ہرگز نہ بولیں گے آدمی اور جن اللہ پر جھوٹ اور یہ کہ

كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ۝۶

تھے کتنے مرد آدمیوں میں کے پناہ پکڑتے تھے کتنے مردوں کی جنوں میں کے پھر تو وہ اور زیادہ سرچڑھنے لگے

وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنْتُمْ أَن لَّنْ يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا ۝۷ وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ

اور یہ کہ ان کو بھی خیال تھا جیسا تم کو خیال تھا کہ ہرگز نہ اٹھائے گا اللہ کسی کو اور یہ کہ ہم نے ٹٹول دیکھا آسمان کو

فَوَجَدْنَا مُلَأًتٍ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا ۝۸ وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ

پھر پایا اس کو بھر رہے ہیں اُس میں چوکیدار سخت اور انگارے اور یہ کہ ہم بیٹھا کرتے تھے ٹھکانوں میں

لِلسَّمْعِ ۖ فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا ۝۹ وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرُّ

سننے کے واسطے پھر جو کوئی اب سُننا چاہے وہ پائے اپنے واسطے ایک انگار گھات میں اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ بُرا

أَرِيدُ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝۱۰ وَأَنَّا مِنَّا الصَّالِحُونَ وَ

ارادہ ٹھہرا ہے زمین کے رہنے والوں پر یا چاہا ہے اُن کے حق میں اُنکے رب نے راہ پر لانا اور یہ کہ کوئی ہم میں نیک نہیں اور

مِنَادُونَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَائِقَ قَدَدًا ۝۱۱ وَ اَنَّا ظَنَنَّا اَنْ لَّنْ نَعْجِزَ اللّٰهَ فِي

کوئی اس کے سوائے ہم تھے کئی راہ پر پہنچتے ہوئے اور یہ کہ ہمارے خیال میں آگیا کہ ہم چھپ نہ جائیں گے اللہ سے

الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهُ هَرَبًا ۝۱۲ وَ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰى اٰمَنَّا بِهِ فَمَنْ

زمین میں اور نہ تمھ کا دیں گے اس کو بھاگ کر اور یہ کہ جب ہم نے سن لی راہ کی بات تو ہم نے اسکو مان لیا پھر جو کوئی

يُؤْمِنُ مِنْ اٰرِبِيٍّ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۝۱۳ وَ اَنَّا مِّنَ الْمُسْلِمِينَ وَّ

یقین لائے گا اپنے رب پر سودہ نہ ڈرے گا نقصان سے اور نہ زبردستی سے اور یہ کہ کچھ ہم میں حکم بردار ہیں اور

مِنَّا الْقٰسِطُونَ فَمَنْ اَسٰمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝۱۴ وَ اَمَّا الْقٰسِطُونَ

کچھ ہیں بے انصاف سو جو لوگ حکم میں آگئے سو انھوں نے اُنکل کر لیا نیک راہ کو اور جو بے انصاف ہیں

فَكَانُوْا رِجْهَمَ حَطَبًا ۝۱۵ وَ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلٰى لَطْرِیْقَةٍ لَّا سَقِیْنٰهُمْ

وہ ہوئے دوزخ کے ایندھن اور یہ حکم آیا کہ اگر لوگ سیدھے رہتے راہ پر تو ہم پلاتے ان کو

مَآءٌ غَدَقًا ۝۱۶ لِّنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ وَّمَنْ یُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ یَسْلُكْهُ عَذَابًا

پانی بھر کر تاکہ ان کو جا پھیں اسیں اور جو کوئی منہ موڑے اپنے رب کی یاد سے وہ ڈال دیگا اس کو چڑھتے

صَعَدًا ۝۱۷ وَ اَنَّ الْمَسْجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝۱۸ وَ اَنَّ

عذاب میں اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی یاد کی واسطے ہیں سو مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو اور یہ کہ

لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا اَيْكُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لَبَدًا ۝۱۹ قُلْ اٰمَنَّا

جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ کہ اس کو پکارے لوگوں کا بندھنے لگتا ہے اس پر ٹھٹھہ تو کہہ میں تو

اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَا اُشْرِكُ بِهٖ اَحَدًا ۝۲۰ قُلْ اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًا وَّ

پکارتا ہوں بس اپنے رب کو اور شریک نہیں کرتا اسکا کسی کو تو کہہ میرے اختیار میں نہیں تمھارا بُرا اور

لَا رَشَدًا ۝۲۱ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۝۲۲ وَلَنْ اَجِدَ مِنْ

نہ راہ پر لانا تو کہہ مجھ کو نہ بچائے گا اللہ کے ہاتھ سے کوئی اور نہ پاؤں گا اس کے سوائے

دُوْنِیْ مُلْتَحِدًا ۝۲۳ اِلَّا بِلْغَا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلَتِهٖ وَّمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ

کہیں سرک رہنے کو جگہ مگر پہنچانا ہے اللہ کی طرف سے اور اس کے پیغام لانے اور جو کوئی حکم نہ ملے اللہ کا اور

رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِیۡنَ فِیْهَا اَبَدًا ۝۲۴ حَتّٰی اِذَا رَاوُا

اس کے رسول کا سوا کے لئے آگ ہے دوزخ کی رہا کریں اسیں ہمیشہ یہاں تک کہ جب دیکھیں گے

مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقْلُ عَدَدًا ۝۲۵ قُلْ

جو کچھ ان سے وعدہ ہوا تب جان لیں گے کس کے مددگار کمزور ہیں اور گنتی میں تھوڑے تو کہہ

اِنْ اَدْرِیْ اَقْرَبُ مَا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَّهٗ رَبِّیْ اَمَدًا ۝۲۶ عَلِمُ الْغٰیْبِ

میں نہیں جانتا کہ نزدیک ہے جس چیز کا تم سے وعدہ ہوا ہے یا کرے اسکو میرا رب ایک مدت کے بعد جاننے والا بھید کا

فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۝ إِلَّا مَن ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ

سو نہیں خبر دیتا اپنے بھید کی کسی کو مگر جو پسند کر لیا کسی رسول کو تو وہ چلاتا ہے

مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ۝ لِّيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا رَسُولًا

اُس کے آگے اور پیچھے جو کیدار تاکہ جانے کہ انھوں نے پہنچائے پیغام

رَزَّهُمْ وَاحِبًا بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۝

اپنے رب کے اور قابو میں رکھا ہے جو اُن کے پاس ہے اور گن لی ہے ہر چیز کی گنتی

خلاصہ تفسیر

شان نزول

تفسیر آیات سے پہلے چند واقعات جاننے کے قابل ہیں جن کی ضرورت تفسیر میں پیش آوے گی۔ واقعہ اول، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے شیاطین آسمان تک پہنچ کر فرشتوں کی باتیں سُنتے تھے، آپ کی بعثت کے بعد اُن کو شہاب ثاقب کے ذریعہ اس سُنتے سے روک دیا گیا اور اسی حادثہ کی تحقیق کے ضمن میں یہ جنات آپ تک پہنچے جیسا کہ سورہ احقاف میں گذرا۔ واقعہ دوم، زمانہ جاہلیت میں عادت تھی کہ جب کسی جنگل یا وادی میں دورانِ سفر قیام کی نوبت آتی تو اس اعتقاد سے کہ جنات کے سردار ہماری حفاظت کریں گے یہ الفاظ کہا کرتے تھے اَعُوذُ بِعَزِيزِ هَذَا الْوَادِي مِنْ شَرِّ سَفَهَاءِ قَوْمٍ یعنی میں اس جنگل کے سردار کی پناہ لیتا ہوں اُس کی قوم کے بیوقوف شریر لوگوں سے۔ واقعہ سوم، مکہ مکرمہ میں آپ کی بددعا سے قحط پڑا تھا اور کئی سال تک رہا۔ واقعہ چہارم، جب آپ نے دعوتِ اسلام شروع کی تو کفار مخالفین کا آپ کے خلاف ہجوم اور نرغہ ہوا۔ پہلے دو واقعے تفسیرِ درمنثور سے اور آخری دو تفسیر ابن کثیر سے لئے گئے ہیں۔

آپ (ان لوگوں سے) کہئے کہ میرے پاس اس بات کی وحی آئی ہے کہ جنات میں سے ایک جماعت نے قرآن سنا پھر (اپنی قوم میں واپس جا کر) انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو راہِ راست بتلاتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے (قرآن ہوتا تو اُس کے مضمون سے معلوم ہوا اور عجیب ہونا اس سے کہ مشابہ کلامِ بشر کے نہیں) اور ہم (اب) اپنے رب کے ساتھ کسی کو ہرگز شریک نہ بنائیں گے (یہ بیان ہے اَمْتَابِہِمْ کا) اور (انہوں نے ان مضامین کا بھی باہم تذکرہ کیا جو ذیل میں آئے ہیں اور وہ مضامین یہ ہیں کہ) ہمارے پروردگار کی بڑی شان ہے اُس نے نہ کسی کو بیوی بنایا اور نہ اولاد (کیونکہ ایسا ہونا عقلاً محال ہے۔ یہ بیان ہے لَنْ نُّشْرِكَ بِكَ) اور ہم میں جو احمق ہوئے ہیں وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے تھے (مُرَاد اس سے کلماتِ شرکِ بیوی اور اولاد کا اثبات وغیرہ ہیں) اور ہمارا (پہلے) یہ خیال تھا کہ انسان اور جنات کبھی خدا کی شان میں جھوٹ بات نہ کہیں گے (کیونکہ بڑی بے باکی کی

بات ہے اس میں وجہ اپنے مُشرک ہونے کی بیان کی کہ چونکہ اکثر جن و انس شرک کرتے تھے ہم سمجھے کہ خدا کی شان میں اتنے شخصوں نے جھوٹ پر اتفاق نہ کیا ہوگا۔ بس ہم نے بھی اسی طریقہ کو اختیار کر لیا حالانکہ نہ مطلق لوگوں کا اتفاق کوئی دلیل حقانیت ہے اور نہ ہر اتفاق کا اتباع عذر ہے اور یہ شرک مذکور تو مشترک تھا) اور (ایک شرک خاص تھا بعض آدمیوں کے ساتھ جس سے جنات کا کفر اور بڑھ گیا تھا وہ یہ کہ) بہت سے لوگ آدمیوں میں سے ایسے تھے کہ وہ جنات میں سے بعضے لوگوں کی پناہ لیا کرتے تھے، سو اُن آدمیوں نے اُن جنات کی بددماغی اور بڑھادی (کہ وہ اس وہم میں مبتلا ہو گئے کہ ہم جنات کے سردار تو پہلے سے تھے اب آدمی بھی ہم کو ایسا بڑا سمجھتے ہیں بس اس سے بددماغی بڑھی اور کفر و عناد پر اور زیادہ مہر ہو گئے۔ یہاں تک مضمون متعلق توحید کے تھا) اور (آگے بعثت یعنی قیامت کے متعلق ہے یعنی ان جنات نے باہم یہ بھی تذکرہ کیا کہ) جیسا تم نے خیال کر رکھا تھا ویسا ہی آدمیوں نے بھی خیال کر رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا (مگر یہ مضمون بھی غلط ثابت ہوا اور بعثت کا حق ہونا معلوم ہوا) اور (آگے رسالت کے متعلق مضمون ہے، یعنی ان جنات نے باہم یہ بھی تذکرہ کیا کہ) ہم نے آسمان (کی خبروں) کی (موافق عادت سابقہ کے) تلاشی لینا چاہا سو ہم نے اُس کو سخت پہرہ (یعنی محافظ فرشتوں) اور شعلوں سے (کہ جن کے ذریعہ سے حفاظت کی جاتی ہے) بھرا ہوا پایا (یعنی اب پہرہ ہو گیا کہ کوئی جن آسمانی خبر نہ لیجائے پائے اور جو جادے شہاب ثاقب سے مارا جائے) اور (اس کے قبل) ہم آسمان (کی خبر سننے) کے موقعوں میں (خبر) سننے کے لئے جا بیٹھا کرتے تھے (اور یہ مواقع خواہ اجزاء آسمان ہی کے ہوں اور یا اجزاء ہوں یا کسی ملایا خلا کے ہوں جو کہ آسمان کے قریب ہوں اور جنات اپنی لطافت اور عدم ثقل کی وجہ سے اُس پر مستقر ہو سکتے ہوں جیسے بعض پرندے ہوا میں چلتے چلتے ٹھہر جاتے ہیں) سو جو کوئی اب سُنا چاہتا ہے تو اپنے لئے ایک تیار شعلہ پاتا ہے (اور تحقیق مباحث شہاب کی سورہ ہجر کے رکوع دوم میں گزری ہے۔ یہ مضمون رسالت کے متعلق ہے۔ مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے رسالت دی ہے اور دفع التباس کے لئے باب کہانت بند کر دیا ہے اور اس استراق یعنی خبروں کی چوری کا بند ہونا ہی سبب ہوا ان جنات کے پہنچنے کا آپ کی خدمت میں، جیسا واقعہ اول میں مذکور ہے) اور (آگے مضامین مذکور کے متمات ہیں کہ) ہم نہیں جانتے کہ (ان جدید پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث فرمانے سے) زمین والوں کو کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے یا اُن کے رب نے اُن کو ہدایت کرنے کا قصد فرمایا ہے (یعنی مقصود تکوینی ارسالِ رسل کا معلوم نہیں کیونکہ رسول کے اتباع سے رشد و ہدایت ہوتی ہے اور مخالفت سے مفرت و عقوبت اور اتباع اور مخالفت آئندہ کا ہم کو علم نہیں اس لئے ہم یہ نہیں جانتے کہ ان کے بھیجنے سے قوم کو سزا دینا مقصود ہے یا ہدایت دینا، شاید یہ اس لئے کہا کہ ان کو اپنی قوم کا انداز تھا کہ ایمان لانے والے کم ہوں گے اور وہ سزا کے مستحق ہو جائیں گے و نیز نفی علم غیب سے تقویت ہے مضمون توحید کی کہ دیکھو بعضے لوگ علم غیب کو جنات کی طرف نسبت کرتے ہیں مگر اُن کو اتنی بھی خبر نہیں) اور ہم میں (پہلے سے بھی) بعضے نیک (ہوتے آئے) ہیں اور بعضے اور طرح کے (ہوتے

آئے) ہیں (غرض) ہم مختلف طریقوں پر تھے (اسی طرح ان نبی کی خبر سن کر اب بھی ہم میں دونوں طریقے کے لوگ موجود ہیں) اور (ہمارا طریقہ تو یہ ہے کہ) ہم نے سمجھ لیا ہے کہ ہم زمین (کے کسی حصہ) میں (جا کر) اللہ تعالیٰ کو ہرا نہیں سکتے اور نہ (اور کہیں) بھاگ کر اُس کو ہرا سکتے ہیں (بھاگنے سے مراد زمین کے علاوہ آسمان وغیرہ میں بھاگ جانا ہے جو فی الارض کے مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے) فہو کقولہ تعالیٰ مَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ شا۔ اس سے بھی مقصود انذار ہو کہ اگر کفر کریں گے تو خدا تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے اور اپنے پہلے مختلف طریقوں کے بیان کرنے سے شاید یہ مقصود ہو کہ باوجود حق کے واضح ہو جانے کے بعض کا ایمان نہ لانا حق کے حق ہونے میں کوئی شبہ پیدا نہیں کر سکتا کیونکہ یہ تو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے) اور ہم نے جب ہدایت کی بات سُن لی تو ہم نے تو اُس کا یقین کر لیا سو (ہماری طرح) : شخص اپنے رب پر ایمان لے آوے گا تو اُس کو نہ کسی کمی کا اندیشہ ہوگا اور نہ زیادتی کا (کمی یہ کہ اُس کی کوئی نیکی لکھنے سے رہ جائے اور زیادتی یہ کہ کوئی گناہ زیادہ لکھ لیا جاوے شاید مقصود اس سے ترغیب ہو) اور ہم میں بعضے تو (یہی مضامین انذار و ترغیب کو سمجھ کر) مسلمان (ہو گئے) ہیں اور بعضے ہم میں (بدستور سابق) بے راہ ہیں سو جو شخص مسلمان ہو گیا انہوں نے تو بھلائی کا راستہ ڈھونڈ لیا (جس پر ثواب مرتب ہوگا) اور جو بے راہ ہیں وہ دوزخ کے ایندھن ہیں (یہاں تک کلام جنات کا ختم ہو گیا جو معمول ہے قائلوا کا) اور (آگے اُدھیائی کے دوسرے معمولات ہیں یعنی مجھ کو ان مضامین کی بھی وحی ہوئی ہے ایک یہ کہ) اگر یہ (مکہ والے) لوگ (سیدھے) رستے پر قائم ہو جاتے تو ہم اُن کو فراغت کے پانی سے سیراب کرتے تاکہ اس میں اُن کا امتحان کریں (کہ نعمت کا شکر ادا کرتے ہیں یا ناشکری و نافرمانی کرتے ہیں) مطلب یہ کہ اگر اہل مکہ مشرک نہ کرتے جس کی مذمت اوپر بضم کلام جنات آچکی ہے تو اُن پر قحط مسلط نہ ہوتا جیسا واقعہ ثالثہ میں مذکور ہے مگر انہوں نے بجائے ایمان کے اعراض کیا اس لئے مُبتلائے قحط ہوئے) اور (عقوبت کفر میں کچھ تخصیص اہل مکہ کی نہیں بلکہ) جو شخص اپنے پروردگار کی یاد (یعنی ایمان و اطاعت) سے روگردانی کرے گا اللہ تعالیٰ اُس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا اور (ان وحی شدہ مضامین میں سے ایک یہ ہے کہ) جتنے سجدے ہیں وہ سب اللہ کا حق ہے (یعنی یہ جائز نہیں کہ کوئی سجدہ اللہ کو کیا جاوے اور کوئی سجدہ غیر اللہ کو جیسا مشرکین کرتے تھے) سو اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت مت کرو (اس مضمون میں بھی توحید کی تقریر ہے جس کا اوپر ذکر تھا) اور (ان وحی شدہ مضامین میں سے ایک یہ ہے کہ) جب خدا کا خاص بندہ (مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) خدا کی عبادت کرنے کھڑا ہوتا ہے تو یہ (کافر) لوگ اس بندہ پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں (یعنی تعجب و عداوت سے ہر شخص اس طرح دیکھتا ہے جیسے اب حملہ کرنے کے لئے بھیڑ لگا چاہتی ہے یہ بھی تتمہ ہے مضمون توحید کا کیونکہ اس میں مذمت ہے مشرکین کی کہ توحید سے ان کو عداوت اور نفرت ہے آگے اس تعجب

اور عداوت کے متعلق جواب دینے کے لئے آپ کو ارشاد ہے یعنی) آپ (ان سے) یہ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا (سو یہ کوئی تعجب اور عداوت کی بات نہیں یہ سب مضمون متعلق توحید تھا آگے رسالت کے متعلق مضمون ہے کہ) آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ میں تمہارے نہ کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا (یعنی تم جو ایسی فرمائشیں کرتے ہو کہ اگر آپ رسول ہیں تو ہم پر عذاب نازل کر دیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ میرے اختیار میں نہیں اور اسی طرح جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک طرح ہم آپ کو رسول مان لیں کہ آپ مضامین توحید و قرآن میں کچھ تغیر و تبدل کر دیں تو اس کے جواب میں) آپ کہہ دیجئے کہ (اگر خدا خواستہ میں ایسا کروں تو) مجھ کو خدا (کے غضب) سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ میں اُس کے ہوا کوئی پناہ (کی جگہ) پاسکتا ہوں (مطلب یہ کہ نہ خود کوئی میرا بچانے والا ہوگا اور نہ میری تلاش سے مل سکے گا اور کفار کے ایسے اقوال استعجالِ عذاب و استبدالِ قرآن و دین کے قرآن میں جا بجا مذکور ہیں۔ اور اوپر لَا اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا میں نفی اختیار نفع و ضرر کی فرمائی آگے اثبات منصب رسالت کا فرماتے ہیں کہ ضرر و نفع کا مالک ہونا تو لازمہ نبوت نہیں وہ تو منفی ہے) لیکن خدا کی طرف سے پہنچانا اور اُس کے پیغاموں کا ادا کرنا یہ میرا کام ہے اور (آگے توحید و رسالت دونوں کے متعلق مضمون ہے کہ) جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کا کہنا نہیں مانتے تو یقیناً اُن لوگوں کے لئے آتش دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (مگر کفار اس وقت ان مضامین سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ اُلٹا مسلمانوں کو ذلیل و حقیر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں اِنَّا الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدَبًا اور یہ اس جہالت سے باز نہ آویں گے) یہاں تک کہ جب اُس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے اُس وقت جانیں گے کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کی جماعت کم ہے (یعنی کافر ہی ایسے ہوں گے جن کے کوئی کام نہ آوے گا پس مراد جماعت سے جماعت مطیعہ ہے ناصر میں نافع اعلیٰ کی نفی ہو گئی اور عدداً میں نافع ادنیٰ کی۔ آگے قیامت کے متعلق کلام ہے کہ یہ لوگ قیامت کا وقت بطور انکار کے دریت کرتے ہیں تو) آپ (اُن سے) کہہ دیجئے کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آیا وہ نزدیک (آنے والی) ہے یا میرے پروردگار نے اُس کے لئے کوئی مُدَّتِ دراز مقرر کر رکھی ہے (لیکن ہر حال میں وہ آوے گی ضرور رہا علم تعین سو وہ محض غیب ہے اور) غیب کا جاننے والا وہی ہے سو (جس غیب پر کسی کو مطلع کرنا مصلحت نہیں ہوتا) وہ اپنے (ایسے) غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا (اور علم تعین قیامت ایسا ہی ہے کہ اس پر کسی کو مطلع کرنے میں کوئی مصلحت نہیں کیونکہ وہ علوم متعلقہ بالنبوت سے نہیں جنکے حصول کو قربِ الہی میں دخل ہوتا ہے پس ایسے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا) ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو (اگر کسی ایسے علم پر مطلع کرنا چاہتا ہے جو کہ علم نبوت سے ہو خواہ مثبت نبوت ہو جیسے پیشین گوئی یا خواہ فروع نبوت سے ہو جیسے علم احکام) تو (اس طرح اطلاع دیتا ہے کہ) اُس پیغمبر کے آگے اور پیچھے

(یعنی جمیع جہات میں وحی کے وقت) محافظ فرشتے بھیج دیتا ہے (تاکہ وہاں شیاطین کا گزرنہ ہو جو کہ وحی کو فرشتہ سے سُن کر اور کسی سے جا کہیں یا کسی وسوسہ وغیرہ کا القاء کر سکیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسے پہرہ دار فرشتے چار تھے کمافی روح المعانی اور یہ انتظام اس لئے کیا جاتا ہے) تاکہ (ظاہری طور پر) اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جاوے کہ ان فرشتوں نے اپنے پروردگار کے پیغام (رسول تک بحفاظت) پہنچا دیئے (اور اس میں کسی کا دخل و تصرف نہیں ہوا اور پہنچانے والا تو صرف وحی کا فرشتہ ہے لیکن معیت کی وجہ سے رصد یعنی محافظ فرشتوں کی طرف بھی اسناد فعل کی کر دی) اور اللہ تعالیٰ ان (پہرہ داروں) کے تمام احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہے (اس لئے پہرہ دار ایسے مقرر کئے گئے ہیں جو اس کام کے پورے پورے اہل ہیں) اور اس کو ہر چیز کی گفنی معلوم ہے (پس وحی کے سب اجزاء ایک ایک کر کے اُس کو معلوم ہیں۔ اور وہ سب کی پوری حفاظت کرتا ہے، حاصل مقام یہ کہ تعیین قیامت کا علم علوم نبوت سے نہیں اس لئے اس کا علم نہ ہونا نبوت کے منافی نہیں البتہ علوم نبوت عطا کئے جاتے ہیں اور ان میں احتمال خطا کا نہیں ہوتا تو ایسے علوم سے تم مستفید ہو اور زوائد کی تحقیق چھوڑو)

معارف و مسائل

نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ لَفْظِ نَفَرَتَيْنِ سے دس تک عدد کے لئے بولا جاتا ہے۔ جن جنات کا یہاں ذکر ہے روایت یہ ہے کہ یہ نو حضرات تھے نصیبین کے رہنے والے۔

جنات کی حقیقت جن مخلوقات الہیہ میں ایک ایسی مخلوق کا نام ہے جو ذی اجسام بھی ہیں ذی روح بھی اور انسان کی طرح عقل و شعور والے بھی مگر لوگوں کی نظروں سے مخفی ہیں، اسی لئے ان کا نام جن رکھا گیا کہ جن کے لفظی معنی مخفی کے ہیں۔ ان کی تخلیق کا غالب مادہ آگ ہے جیسے انسان کی تخلیق کا غالب مادہ مٹی ہے۔ اس نوع میں بھی انسان کی طرح نر و مادہ یعنی مرد و عورت ہیں اور انسان ہی کی طرح ان میں توالد و تناسل کا سلسلہ بھی ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ قرآن میں جن کو شیاطین کہا گیا ہے وہ بھی جنات ہی ہیں سے شریر لوگوں کا نام ہے۔ جنات اور فرشتوں کا وجود قرآن و سنت کی قطعی دلائل سے ثابت ہے جس کا انکار کفر ہے (تفسیر مظہری)

قُلْ أُوْحِيَ إِلَيَّ سے معلوم ہوا کہ جنات کے جس واقعہ کا یہاں ذکر ہے اُس میں آپ نے قرآن سننے والے جنات کو دیکھا نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو اطلاع دی۔

سورہ جن کے نزول کے صحیح بخاری، مسلم اور ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ (اس واقعہ کی تفصیل) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو قرآن بالقصد سنایا نہیں بلکہ اُن کو دیکھا بھی نہیں۔ بلکہ واقعہ یہ پیش آیا کہ آپ اپنے کچھ صحابہؓ کے ساتھ بازار عکاظ کی طرف جا رہے تھے

اور یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جبکہ شیاطین کو آسمان کی خبریں سننے سے شہاب ثاقب کے ذریعہ روک دیا گیا تھا۔ اور جنّات نے باہم مشورہ کیا کہ یہ حادثہ جو ہم پر آسمانی خبروں سے ممنوع ہو جانے کا پیش آیا ہے یہ کوئی اتفاقی بات معلوم نہیں ہوتی دنیا میں کوئی نئی چیز پیش آئی ہے جو اس کا سبب ہوئی اور یہ طے کیا کہ زمین کے مشرق و مغرب اور ہر طرف میں جنّات کے دفود جائیں اور اس کی تحقیق کر کے آویں کہ یہ نئی چیز کیا پیش آئی ہے۔ ان کا جو وفد تہامہ حجاز کی طرف بھیجا گیا تھا وہ مقام نخلہ پر پہنچے تو وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ صبح کی نماز جماعت سے ادا کر رہے تھے۔ جنّات کے اس وفد نے جب قرآن سنا تو قسمیں کھا کر آپس میں کہنے لگے کہ واللہ یہی کلام ہے جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل اور مانع بنا ہے۔ یہ لوگ یہاں سے ٹوٹے اور جا کر اپنی قوم سے یہ قصہ بیان کیا جس کا ذکر ان آیات میں ہے **إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا آلِیَہ**۔ اللہ تعالیٰ نے اس سارے واقعہ کی خبر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آیات میں دیدی۔

ابوطالب کی وفات اور آنحضرت ص کا سفر طائف | اور اکثر مفسرین نے فرمایا ہے کہ ابوطالب کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں بے یار و مددگار رہ گئے تو آپ نے تین تنہا طائف کا سفر کیا کہ وہاں کے قبیلہ بنی ثقیف سے اپنی قوم کے مظالم کے مقابلہ میں کچھ مدد اور معاونت حاصل کر سکیں محمد بن اسحق کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف پہنچے تو قبیلہ ثقیف کے تین بھائیوں کے پاس گئے جو قبیلہ کے سردار اور شریف سمجھے جاتے تھے، یہ تین بھائی عمیر کے بیٹے عبدیلیل اور سعود اور حبیب تھے، ان کے گھر میں ایک عورت قریش کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اسلام کی دعوت دی اور اپنی قوم کے مظالم کا ذکر کر کے اُن سے معاونت کے لئے فرمایا۔ مگر ان تینوں نے بڑا سخت جواب دیا اور آپ سے اور کچھ کلام نہیں کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ قبیلہ بنو ثقیف کے یہی تین آدمی ایسے شریف سمجھے جاتے تھے جن سے کسی معقول جواب کی اُمید تھی، ان سے بھی مایوسی ہو گئی تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ اچھا اگر آپ لوگ میری مدد نہیں کرتے تو کم از کم میرے آنے کو میری قوم پر ظاہر نہ کرنا۔ مقصد یہ تھا کہ اُن کو خبر ملے گی تو اور زیادہ ستا دیں گے، مگر ان ظالموں نے یہ بات بھی نہ مانی بلکہ اپنے قبیلہ کے بے وقوف لوگوں اور غلاموں کو آپ کے پیچھے لگا دیا کہ آپ کو گالیاں دیں اور شور مچائیں۔ اُن کے شور و شغب سے بہت سے اور مشریر جمع ہو گئے۔ آپ نے اُن کے شر سے بچنے کے لئے ایک باغ میں جو عقبہ اور شیبہ دو بھائیوں کا باغ تھا اُس میں پناہ لی اور یہ دونوں بھی اُس باغ میں موجود تھے۔ اُس وقت یہ شریر لوگ آپ کو چھوڑ کر واپس ہوئے۔ اور آپ انگوروں کے باغ کے سائے میں بیٹھ گئے۔ یہ دونوں بھائی آپ کو دیکھ رہے تھے اور یہ بھی دیکھا تھا کہ ان کی قوم کے بے وقوفوں کے ہاتھوں آپ کو

کیا تکلیف اور اذیت پیش آئی۔ اسی درمیان وہ قریشی عورت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی جو ان ظالموں کے گھر میں تھی۔ آپ نے اُس سے شکایت کی کہ تمہاری سُسرال کے لوگوں نے ہمارے ساتھ کیا معاملہ کیا۔

جب اس باغ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ اطمینان حاصل ہوا تو آپ نے اللہ جلّ شأ کی بارگاہ میں دُعا مانگنی شروع کی، اس دُعا کے الفاظ بھی عجیب و غریب ہیں، اور کسی موقع پر آپ سے ایسے الفاظ دُعا منقول نہیں، وہ دُعا یہ ہے:-

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْكُوْا اِلَیْكَ ضَعْفَ قُوَّتِیْ
وَقِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَهَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ وَاَنْتَ اَرْحَمُ
الرَّاحِمِیْنَ وَاَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعِفِیْنَ فَانْتَ
رَبِّیْ اِلَیَّ مِنْ تَمَكُّنِیْ اِلَیَّ بِعِیْدٍ یَّتَجَهَّمُنِیْ
اَوْ اِلَیَّ عَدُوٍّ مَلَکَتْ اَمْرِیْ اِنْ لَّمْ
تَكُنْ سَاخِطًا عَلَیَّ فَلَا اُبَالِیْ وَلٰكِنْ
عَافِیَّتَكَ هِیَ اَوْ سَعْمُیْ۔ اَعُوْذُ بِنُوْرٍ
وَجْهِكَ الَّذِیْ اَشْرَقْتَ لَهُ
الظُّلُمَاتُ وَصَلَحَ عَلَیْهِ
اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ مِنْ
اَنْ تُنْزِلَ لِیْ غَضَبَکَ
لَكَ الْعُثْبٰی حَتّٰی
تَرْضٰهُ وَلَا حَوْلَ
وَلَا قُوَّةَ
اِلَیْكَ

(مظہری باختصار)

یا اللہ میں آپ سے شکایت کرتا ہوں اپنی قوت کے ضعف اور کمزوری کی اور اپنی تدبیر کی ناکامی کی اور لوگوں کی نظروں میں اپنی حققت و بے توقیری کی اور آپ تو سب کام کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں اور آپ کمزوروں کی پرورش فرمانے والے ہیں آپ ہی میرے رب ہیں، آپ مجھے کس کے سپرد کرتے ہیں کیا ایک غیر آدمی کے جو مجھ پر حملہ کرے یا کسی دشمن کے جس کو آپ نے میرے معاملہ کا مالک بنا دیا ہے (کہ جو چاہے کرے) اگر آپ مجھ پر ناراض نہ ہوں تو مجھے ان سب چیزوں کی بھی پروا نہیں لیکن آپ کی عافیت میرے لئے زیادہ بہتر ہے (اُس کو طلب کرتا ہوں) میں آپ کی ذات مبارک کے نور کی پنا لیتا ہوں جس سے تمام اندھیریاں روشن ہو جاتی ہیں اور اسکی بنا پر دنیا و آخرت کے سب کام درست ہو جاتے ہیں۔ اس بات سے کہ مجھ پر اپنا غضب نازل فرمائیں ہمارا کام ہی یہ ہے کہ آپ کو راضی کرنے اور منانے میں لگے رہیں جب تک کہ آپ راضی نہ ہو جائیں اور ہم تو کسی بُرائی سے بچ سکتے نہیں نہ کسی بھلائی کو حاصل کر سکتے ہیں۔ بجز آپ کی مدد کے۔

جب ربیعہ کے دونوں بیٹوں عتبہ اور شیبہ نے یہ حال دیکھا تو اُن کے دل میں رحم آیا اور اپنے ایک نصرانی غلام عدا سے کہو یہ کھائیں۔ عدا نے ایسا ہی کیا اُس نے جا کر انگور کا یہ طبق آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے بسم اللہ پڑھ کر اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ عدا نے یہ دیکھ رہا تھا کہنے لگا واللہ یہ کلام یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم تو اس شہر کے لوگ نہیں بولتے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے پوچھا

عداس تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا کیا مذہب ہے۔ اُس نے کہا میں نصرانی ہوں اور نینوا کا رہنے والا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا تو اللہ کے نیک بندے یونس بن متی علیہ السلام کی بستی کے رہنے والے ہو۔ اُس نے کہا کہ آپ کو یونس بن متی کی کیا خبر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میرے بھائی ہیں کیونکہ وہ بھی اللہ کے نبی تھے میں بھی نبی ہوں۔

یہ سن کر عداس آپ کے قدموں پر گر پڑا اور آپ کے سر مبارک اور ہاتھوں پاؤں کو بوسہ دیا۔ عقبہ اور شیبہ یہ ماجرا دیکھ رہے تھے، ایک نے دوسرے سے کہا کہ اُس نے ہمارے غلام کو تو خراب کر دیا جب عداس لوٹ کر اُن کے پاس گیا تو انہوں نے کہا کہ عداس تجھے کیا ہوا کہ اس شخص کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینے لگا۔ اُس نے کہا کہ میرے سردارو۔ اس وقت زمین پر اس سے بہتر کوئی آدمی نہیں۔ اس نے مجھے ایک ایسی بات بتلائی جو نبی کے سوا کوئی نہیں بتلا سکتا۔ انھوں نے کہا کبخت ایسا نہ ہو کہ یہ آدمی تجھے تیرے مذہب سے پھیر دے۔ کیونکہ تیرا دین بہر حال اُس کے دین سے بہتر ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طاقت سے مکہ مکرمہ کی طرف لوٹ گئے جبکہ ثقیف کی ہر خیر سے مایوس ہو گئے۔ واپسی میں آپ نے مقام نخلہ پر قیام فرمایا اور آخر شب میں نماز تہجد پڑھنے لگے۔ تو ملک یمن نصیبین کے جنات کا یہ وفد بھی وہاں پہنچا ہوا تھا اُس نے قرآن سُنا اور سُن کر ایمان لے آئے اور اپنی قوم کی طرف واپس جا کر واقعہ بتلایا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے آیات مذکورہ میں نازل فرمایا۔ (منظہری)

ایک صحابی جن کا واقعہ | ابن جوزی نے کتاب الصفوہ میں اپنی سند کے ساتھ حضرت سہل بن عبد اللہ سے نقل کیا کہ انھوں نے ایک مقام پر ایک بوڑھے جن کو دیکھا کہ بیت اللہ کی طرف نماز پڑھ رہا ہے اور اُون کا جُعبہ پہنے ہوئے تھا جس پر بڑی رونق معلوم ہوتی تھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت سہل کہتے ہیں کہ میں نے اُن کو سلام کیا اور انھوں نے سلام کا جواب دے کر بتلایا کہ تم اس جُعبہ کی رونق سے تعجب کر رہے ہو یہ جُعبہ سات سو سال سے میرے بدن پر ہے، اسی جُعبہ میں میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی، پھر اسی جُعبہ میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور میں اُن جنات میں سے ہوں جن کے بارہ میں سورۃ جن نازل ہوئی ہے (منظہری)

اور روایات حدیث میں جو لیلۃ الحجن کا واقعہ مذکور ہے جس میں حضرت عبد اللہ بن مسعود آپ کے ساتھ تھے اُس میں آپ کا بالقصد جنات کو تبلیغ و دعوت کے لئے مکہ مکرمہ کے قریب جنگل میں جانا اور قرآن سُنانا منقول ہے وہ بظاہر اس واقعہ کے بعد کا قصہ ہے جس کا ذکر سورۃ جن میں آیا ہے۔

اور علامہ خفاجیؒ نے فرمایا کہ احادیث معتبرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جنات کے وفود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چھ مرتبہ حاضر ہوئے ہیں اس لئے ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں کہ سورۃ جن

والے واقعہ میں آپ کو جنات کے آنے اور قرآن سننے کی خبر بھی نہ تھی جب تک بذریعہ وحی آپ کو بتلایا نہ گیا اور یہ کہ یہ واقعہ مقام نخلہ کا اور طائف سے واپسی کے وقت کا ہے۔ اور دوسری روایات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر مکہ کے قریب ہی کے جنگل میں آپ بالقصد اسی کام کے لئے تشریف لے گئے کہ جنات کو دعوت اسلام دیں اور قرآن سنائیں یہ اس کے بعد پیش آیا (منظری)۔

وَ اِنَّ نَعْلِيْ جَدًّا سَرِيْنَا جَدَّ کے معنی شان کے ہیں حق تعالیٰ کے لئے بولا جاتا ہے، تعالیٰ جَدُّ یعنی بلند و بالا ہے اُس کی شان۔ یہاں جَدَّہ کی ضمیر راجع کرنے کے بجائے لفظ رَبِّ منظر رکھ دیا گیا جس میں اس علو شان کی دلیل بھی آگئی کیونکہ جو ذات مخلوق کی پروردگار ہے اُس کا سب مخلوق سے عالی شان ہونا ظاہر ہے۔

اس آیت میں وَ اِنَّ کے عطف اور ترکیب نحوی میں مفسرین کا کلام طویل ہے عوام کو اسکی حاجت نہیں۔

وَ اِنَّ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلٰی اللّٰهِ شَطَطًا لَا وَاَنَّا ظَنَنَّا اَنْ لَّنْ نَّقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اللّٰهِ كَذِبًا۔ لفظ شَطَط کے معنی قول بعید از عقل اور ظلم و جور کے آتے ہیں، مراد یہ ہے کہ ایمان لانے والے جنات نے اب تک شرک و کفر میں مبتلا رہنے کا عذر یہ بیان کیا کہ ہماری قوم کے بے وقوف لوگ اللہ تعالیٰ کی شان میں بے سرو پا باتیں کہا کرتے اور ہمیں یہ گمان نہ تھا کہ کوئی انسان یا جن اللہ کی طرف جھوٹی بات کی نسبت کر سکتا ہے اس لئے ان بے وقوفوں کی بات میں آکر آج تک ہم کفر و شرک میں مبتلا تھے اب قرآن سنا تو حقیقت کھلی۔

وَ اِنَّ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ حَرًّا۔ اس آیت میں مومن جنات نے یہ بیان کیا ہے کہ جاہلیت کے لوگ جب کسی جنگل میں قیام کرتے تو اُس جنگل کے جنات کی پناہ مانگتے تھے اس سے جنات یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم تو انسان سے بھی افضل ہیں کہ انسان بھی ہماری پناہ لیتا ہے۔ اس بات نے جنات کی گمراہی میں اور اضافہ کر دیا۔

حضرت رافع بن عمرؓ کا تفسیر منظہری میں ہے کہ ہوائف ابن میں سند کے ساتھ حضرت سعید بن جبیرؓ سے اسلام بسبب جنات یہ نقل کیا ہے کہ رافع بن عمرؓ صحابیؓ نے اپنے اسلام قبول کرنے کا ایک واقعہ یہ بتلایا ہے کہ میں ایک رات ایک ریگستان میں سفر کر رہا تھا۔ اچانک مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا میں اپنی اونٹنی سے اُترا اور سو گیا اور سونے سے پہلے میں نے اپنی قوم کی عادت کے مطابق یہ الفاظ کہ لئے اِنِّیْ اَعُوْذُ بِعَظِيْمِ هٰذَا الْوَادِیْ مِنَ الْجِنِّ یعنی میں پناہ لیتا ہوں اس جنگل کے جنات کے سردار کی میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کے ہاتھ میں ایک ہتھیار ہے اُس کو وہ میری ناقہ کے سینہ پر رکھنا چاہتا ہے، میں گھبرا کر اٹھا اور دائیں بائیں دیکھا کچھ نہ پایا تو میں نے دل میں کہا کہ یہ شیطانِ خیال ہے

خواب اصلی نہیں اور پھر سو گیا اور بالکل غافل ہو گیا۔ تو پھر وہی خواب دیکھا پھر میں اُٹھا اور اپنی ناقہ کے چاروں طرف پھر کچھ نہ پایا مگر ناقہ کو دیکھا کہ وہ کانپ رہی ہے۔ میں پھر ہا کر اپنی جگہ سو گیا تو پھر وہی خواب دیکھا، میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ میری ناقہ تڑپ رہی ہے اور پھر دیکھا ایک نوجوان ہے جس کے ہاتھ میں حربہ ہے یہ وہی شخص تھا جس کو خواب میں ناقہ پر حملہ کرتے دیکھا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ دیکھا کہ ایک بوڑھے آدمی نے اُس کا ہاتھ پکڑ رکھا ہے جو ناقہ پر حملہ کرنے سے اُس کو روک رہا ہے۔ اسی عرصہ میں تین گورخر سامنے آ گئے تو بوڑھے نے اُس نوجوان سے کہا ان تینوں میں سے جس کو تو پسند کرے وہ لے لے اور اس انسان کے ناقہ کو چھوڑ دے۔ وہ جوان ایک گورخر لے کر رخصت ہو گیا۔ پھر اُس بوڑھے نے میری طرف دیکھ کر کہا کہ اے بے وقوف جب تو کسی جنگل میں ٹھہرے اور وہاں کے جنات و شیاطین سے خطرہ ہو تو تو یہ کہا کر اَعُوذُ بِاللّٰهِ رَبِّ مُحَمَّدٍ مِنْ هٰذَا الْوَادِیْ۔ یعنی میں پناہ پکڑتا ہوں رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جنگل کے خوف اور شر سے اور کسی جن سے پناہ نہ مانگا کر۔ کیونکہ وہ زمانہ چلا گیا جب انسان جنوں کی پناہ لیتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہیں۔ اُس نے کہا کہ یہ نبی عربی ہیں، نہ شرقی نہ غربی، پیر کے روز یہ مبعوث ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ کہاں رہتے ہیں، اُس نے بتلایا کہ وہ یثرب میں رہتے ہیں جو کھجوروں کی بستی ہے۔ میں نے صبح ہوتے ہی مدینہ کا راستہ لیا اور سواری کو تیز چلایا یہاں تک کہ مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو میرا سارا واقعہ مجھے سنا دیا اس سے پہلے کہ میں آپ سے کچھ ذکر کروں اور مجھے اسلام کی دعوت دی میں مسلمان ہو گیا۔ سعید بن جبیرؓ اس واقعہ کو نقل کر کے فرماتے تھے کہ ہمارے نزدیک اسی معاملہ کے متعلق قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی ہے **وَ اَنۡتَ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِلَیۡسَ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ**۔

وَ اَنۡتَ لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدۡنَا مِلۡدَتۡ حَرَسًا شَدِیۡدًا وَّ شَہُبًا۔ لفظ سمار عربی لغت میں جس طرح آسمان کے لئے بولا جاتا ہے اُسی طرح بادل پر بھی لفظ سمار کا اطلاق عام اور معروف ہے۔ یہاں بظاہر سمار سے مراد یہی بادل ہے۔

جنات آسمانی خبریں سننے کیلئے صرف بادلوں تک جاتے تھے آسمان تک نہیں مطلب یہی ہے کہ بادلوں تک جاتے تھے اور وہاں سے آسمانی خبریں سننے لگتے تھے۔

اور دلیل اس کی حضرت صدیقہ عائشہؓ کی حدیث ہے جو صحیح بخاری میں بالفاظ ذیل آئی ہے:-

قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول ان الملائكة تنزل فی العتّان و هو السحاب فتذکر الامر الذی قضی فی السماء فتسترق الشیاطین السمع فتسمعه فتتوجّه الی

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرشتے عنان سمار میں اُترتے ہیں جس کے معنی بادل کے ہیں وہاں وہ ان فیصلوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آسمان میں جاری فرمائے ہیں۔ یہاں سے شیاطین یہ خبریں

الکھان فیکذبون معها مائۃ کذبة من عند انفسهم (از مظہری)

چراتے ہیں اور سن کر کاہنوں کے پاس لاتے ہیں اور اس میں اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر ان کو بتاتے ہیں۔

اور صحیح بخاری ہی میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اور مسلم میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اصل آسمانوں میں پیش آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم آسمان میں جاری فرماتے ہیں تو سب فرشتے بغرض اطاعت اپنے پر مارتے ہیں اور جب کلام ختم ہو جاتا ہے تو باہم تذکرہ کرتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا۔ اس تذکرہ کو آسمانی خبریں پھرنے والے شیاطین سن لیتے ہیں اور کاہنوں کے پاس اُس میں بہت سے جھوٹ شامل کر کے پہنچاتے ہیں۔

یہ مضمون حدیث عائشہؓ مذکورہ کے منافی نہیں کیونکہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شیاطین آسمانوں میں جا کر یہ خبریں پھراللاتے ہیں بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے یہ خبریں درجہ بدرجہ آسمانوں میں فرشتوں کے اندر پھیلتی ہوں، پھر فرشتے عنان سماء یعنی بادل تک آتے اور اس کا تذکرہ کرتے ہوں یہاں سے شیاطین خبروں کی چوری کرتے ہوں جیسا کہ حضرت صدیقہ عائشہؓ کی حدیث میں ہے (کذا فی المظہری)

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے شیاطین کا آسمانی خبریں سن کر کاہنوں تک پہنچانے کا سلسلہ بغیر کسی رکاوٹ کے جاری تھا۔ شیاطین بادلوں تک پہنچ کر فرشتوں سے سن لیا کرتے تھے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت آپ کی آسمانی وحی کی حفاظت کیلئے اس سلسلہ کو اس طرح بند کر دیا گیا کہ جب کوئی شیطان یہ خبریں سننے کے لئے اُپر آتا تو اُس کی طرف شہاب ثاقب کا انگارہ پھینک کر اُس کو دفع کر دیا جاتا ہے۔ یہی وہ نیا حادثہ تھا جس کی شیاطین جنات کو فکر ہوئی اور تحقیق حال کے لئے دنیا کی مشرق و مغرب میں وفود بھیجے پھر مقام نخلہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک وفد جنات کا قرآن سن کر ایمان لانا سورہ جن میں ذکر فرمایا گیا۔

شہاب ثاقب بعثت نبوی سے پہلے بھی تھے مگر یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شہاب ثاقب جس کو عرف میں ستارہ ان کے ذریعہ دفع شیاطین کا کام آپ کے زمانہ سے ہوا ٹوٹنا یا عربی میں القضا ض الکوکب کہتے ہیں۔ یہ تو دنیا میں قدیم زمانہ سے ہوتا آیا ہے اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عہد نبوی کی تخصیص ہے۔ جواب یہ ہے کہ شہاب ثاقب کا وجود تو پہلے سے تھا خواہ اس کی حقیقت وہ ہو جو فلاسفہ بیان کرتے ہیں کہ زمین سے کچھ آتشیں مادے فضا میں پہنچتے ہیں وہ کسی وقت بھڑک اٹھتے ہیں۔ یا یہ ہو کہ خود کسی ستارہ اور سیارہ سے یہ آتشیں مادہ نکلتا ہو۔ بہر حال اس کا وجود اگرچہ ابتداء عالم سے ہے مگر اس آتشیں مادہ سے شیاطین کو دفع کرنے کا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے شروع ہوا۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جتنے شہاب ثاقب نظر آتے ہیں سب سے ہی یہ کام لیا جاتا ہو۔ اس کی پوری تفصیل سورہ حجر کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

أَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَن فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا. یعنی جنات و شیاطین کو آسمانی خبریں سننے سے روک دیا بطور سزا کے بھی ہو سکتا ہے کہ زمین والوں کو آسمان کی خبریں نہ ملا کریں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے یہ ہدایت کا سامان کیا ہو کہ جنات و شیاطین وحی آسمانی میں کوئی خلل نہ ڈال سکیں۔

فَمَنْ يُؤْمِنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَهُوَ يُغْنِيهِ اللَّهُ وَاللَّهُ غَنِيٌّ غَنًى. بحسب بفتح الباء وسكون الخاء کے معنی حق سے کم دینے اور کم کرنے کے ہیں اور رہیق کے معنی ذلت و رسوائی طاری ہونا۔ مراد یہ ہے کہ جو اللہ پر ایمان لاتا ہے نہ اُس کی جزا میں کوئی کمی ہو سکتی ہے اور نہ آخرت میں اُس کو کوئی ذلت و رسوائی پیش آ سکتی ہے۔
وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا۔ مساجد جمع مسجد ہے، یہاں اس کے معروف مشہور معنی بھی لئے جاسکتے ہیں یعنی وہ عبادت گاہیں جو نماز کے لئے وقف کی جاتی ہیں اور مسجد کہلاتی ہیں اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ جب سب مساجد صرف اللہ کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہیں تو تم مسجدوں میں جا کر اللہ کے سوا کسی اور کو مدد کے لئے نہ پکارو جس طرح یہود و نصاریٰ اپنی عبادت گاہوں میں اس شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ حاصل اس کا مساجد کو عقائد فاسدہ اور اعمال باطلہ سے پاک رکھنا ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مساجد مسجد بفتح الجیم کی جمع ہو جو مصدر میسی بمعنی سجدہ آتا ہے تو معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ سب سجدے صرف اللہ کے لئے مخصوص ہیں، اور جو شخص غیر اللہ کو اعانت کیلئے پکارتا ہے گویا وہ اُس کو سجدہ کرتا ہے۔ غیر اللہ کے سجدہ سے اجتناب کرو۔
مسئلہ باجماع امت غیر اللہ کے لئے سجدہ حرام ہے اور بعض علماء کے نزدیک کفر ہے۔

قُلْ إِن آذَرْتُمْ أَقْرَبَٰتِ مَا تُوْعَدُونَ أَمْ لَكُمْ رَٰحَةٌ أَمَدًا. عَلِيمُ الْغَيْبِ۔ ان آیتوں میں سے پہلی آیت میں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم فرمایا کہ آپ ان منکرین سے جو آپ کو قیامت کا معین وقت بتلانے پر مجبور کرتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں یہ فرما دیجئے کہ قیامت کا آنا اور وہاں جزا و سزا ہونا تو یقینی ہے لیکن اُس کے واقع ہونے کی صحیح تاریخ اور وقت کو اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا اس لئے میں نہیں جانتا کہ وہ روز قیامت قریب آچکا ہے یا میرا رب اُس کے لئے کوئی دور کی مدت مقرر کر دیگا۔ دوسری آیت میں اس کی دلیل ارشاد فرمائی۔ عَلِيمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا۔ یعنی قیامت کے وقت معین سے میری بے خبری اس لئے ہے کہ میں عالم الغیب نہیں بلکہ عالم الغیب ہونا صرف اللہ رب العالمین کی خصوصی صفت ہے۔ اس لئے وہ اپنے غیب پر کسی کو بھی غالب و قادر نہیں بناتا۔ یہاں عالم الغیب میں الغیب کا الف لام استغراق جنس کیلئے ہے (لکافی الروح عن الرضی) یعنی عالم ہر فرد غیب اور جنس غیب کا۔ اور عَلٰی غَيْبِهِ میں غیب کی اضافت اللہ کی طرف کرنے سے

بھی اسی استغراق اور جامعیت کا اظہار مقصود ہے، یعنی ہر فرد و جنس غیب کا علم جو اللہ رب العالمین کا مخصوص وصف ہے اُس پر وہ کسی کو قادر و غالب نہیں کرتا کہ کوئی جس غیب کو چاہے معلوم کر لے۔ مقصود اس کلام سے علم غیب کُلّی کا جس سے جہان کا کوئی ذرہ مخفی نہ ہو اُس کی غیر اللہ سے نفی اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اثبات ہے۔ لیکن کسی بے وقوف کو اس سے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بھی غیب کی چیز کی خبر نہیں تو پھر وہ رسول کیا ہوئے، کیونکہ رسول کے پاس تو اللہ تعالیٰ ہزاروں غیب کی خبریں بذریعہ وحی بھیجتے ہیں۔ اور جس کے پاس اللہ کی وحی نہ آئے وہ نبی و رسول نہیں کہلا سکتا۔ اس لئے آگے آیت میں ایک استثناء کا ذکر فرمایا۔

علم غیب اور غیبی | إِلَّا مَن ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَيَمْنُنْ خَلْفَهُ رَصْدًا ۚ حاصل خبروں میں فرق | استثناء کا اُس سفیہا نہ شبہ کا یہ جواب ہے کہ علم غیب کُلّی کی نفی سے ہر غیب کی نفی مطلقاً مراد نہیں، بلکہ منصب رسالت کے لئے جس قدر علم غیب کی خبروں اور غیب کی چیزوں کا علم کسی رسول کو دینا ضروری ہے وہ اُن کو منجانب اللہ بذریعہ وحی دیدیا جاتا ہے اور وہ ایسے محفوظ طریقے سے دیا جاتا ہے کہ جب ان پر اللہ کی طرف سے کوئی وحی نازل ہوتی ہے تو اُس کے ہر طرف فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے تاکہ شیاطین اُس میں کوئی مداخلت نہ کر سکیں۔ اس میں اول تو لفظ رسول سے اُس غیب کی نوعیت متعین کر دی گئی جس کا علم رسول و نبی کو دیا جاتا ہے اور وہ ظاہر ہے علم شرائع و احکام بتمامہ اور غیب کی خبریں بقدر ضرورت وقت۔ اس کے بعد جو علم غیب رسول و نبی کو دیا جاتا ہے اُس کی نوعیت اگلے جملے سے یوں بھی متعین کر دی کہ وہ بذریعہ فرشتوں کے بھیجا جاتا ہے اور وحی لانے والے فرشتے کے گرد دوسرے فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس استثناء سے جس علم غیب کا نبی و رسول کے لئے اثبات ہے وہ بعض اور مخصوص علم غیب ہے جس کی ضرورت منصب رسالت کے لئے درپیش ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ استثناء اصطلاحی لفظوں میں استثناء منقطع ہے، یعنی جس علم غیب کُلّی کی اصل کلام میں غیر اللہ سے نفی کی گئی تھی مستثنیٰ میں اُس کا اثبات نہیں بلکہ مخصوص علوم غیبیہ کا اثبات ہے جس کو قرآن کریم میں جابجا اَنْبَاءُ الْغَيْبِ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے تِلْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا اِلَيْكَ۔

بعض ناواقف غیب اور انباء الغیب میں فرق نہیں سمجھتے اس لئے وہ انبیاء اور خصوصاً خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کُلّی ثابت کرتے ہیں اور آپ کو بالکل اللہ تعالیٰ کی طرح عالم الغیب ہر ذرہ کائنات کا علم رکھنے والا کہنے لگتے ہیں جو کھلا ہوا شرک اور رسول کو خدائی کا درجہ دینا ہے، نعوذ باللہ منہ۔ اگر کوئی شخص اپنا خفیہ راز کسی اپنے دوست کو بتلا دے جو اور کسی کے علم میں نہ ہو تو اس سے دنیا میں کوئی بھی اس دوست کو عالم الغیب نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو ہزاروں

غیب کی چیزوں کا بذریعہ وحی بتلا دینا اُن کو عالم الغیب نہیں بنا دیتا خوب سمجھ لیا جائے۔
 جاہل عوام جو ان دونوں باتوں میں فرق نہیں کرتے جب اُن کے سامنے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں، وہ اس کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ آپ کو معاذ اللہ کسی غیب کی چیز کی
 خبر نہیں جس کا دنیا میں کوئی قائل نہیں اور نہ ہو سکتا ہے، کیونکہ ایسا ہونے سے تو خود نبوت و رسالت
 کی نفی ہو جاتی ہے جس کا کسی مومن سے امکان نہیں۔

آخر سورت میں فرمایا وَ أَخْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات خاص ہے جس کے
 علم میں ہر چیز کے اعداد و شمار ہیں۔ اُس کو پہاڑوں کے اندر جتنے ذرے ہیں اُن کا بھی عدد معلوم ہے،
 ساری دنیا کے دریاؤں میں جتنے قطرے ہیں ان کا شمار اُس کے علم میں ہے۔ ہر بارش کے قطروں اور
 تمام دنیا کے درختوں کے پتوں کے اعداد و شمار کا اُسی کو علم ہے۔ اس میں پھر علم غیب کُلّی کا ذاتِ حق
 سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونا واضح کر دیا کہ کسی کو مذکورہ استثناء سے غلط فہمی نہ ہو جائے۔
 مسئلہ علم غیب کے معنی اور اُس کے احکام سورہ نمل کی آیت قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ کے تحت میں پوری تحقیق و تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے واللہ
 سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی سُوْرَةُ النِّجْمِ لَيْسَتْ بِالْجُمُعَةِ

۱۰ رَجَب ۱۳۹۱ھ

سُورَةُ الْمُرْسَلِ

سُورَةُ الْمُرْسَلِ بِكَیِّتِ وَهِيَ عِشْرَتَانِ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعَانِ
سورہ مرسل مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی بیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يَا أَيُّهَا الْمُرْسَلُ ۱ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۲ نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۳

اے کھڑے میں بچنے والے کھڑا رہ رات کو مگر کسی رات آدھی رات یا اس میں سے کم کر کے تھوڑا سا

أَوْزِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۴ إِنَّا سَنُلْقِيْكَ قَوْلًا

یا زیادہ کر اس پر اور کھول کھول کر پڑھ قرآن کو صاف ہم ڈالنے والے ہیں تجھ پر ایک بات

ثَقِيلًا ۵ إِن نَّاشَأْتَ اللَّيْلَ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا ۶ إِنَّ لَكَ

وزن دار البتہ اٹھنا رات کو سخت روندتا ہے اور سیدھی نکلتی ہے بات البتہ تجھ کو

فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۷ وَاذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۸

دن میں شغل رہتا ہے لمبا اور پڑھے جانام اپنے رب کا اور چھوٹ کر چلا اس کی طرف سب سے الگ ہو کر

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۹ وَاصْبِرْ

مالک مشرق اور مغرب کا اُس کے سوا کسی کی بندگی نہیں سو پکڑ لے اس کو کام بنانے والا اور سہتا رہ

عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ۱۰ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي

جو کچھ کہتے رہیں اور چھوڑ دے اُن کو بھلی طرح کا چھوڑنا اور چھوڑ دے مجھ کو اور جھٹلانے والوں کو جو

النَّعْمَةِ وَفِيهِمْ قَلِيلًا ۱۱ إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَارًا وَجَحِيمًا ۱۲ وَطَعَامًا

آرام میں رہے ہیں اور ڈھیل دے اُن کو تھوڑی سی البتہ ہمارے پاس بڑیاں ہیں اور آگ کا ڈھیر اور کھانا گلے میں

ذَاغُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا ۱۳ يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتْ

اٹکنے والا اور عذاب دردناک جس دن کہ کانپے گی زمین اور پہاڑ اور ہو جائیں گے

أَجْبَالٌ كَثِيرًا مَّهِيلًا ۱۴ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا ۱۵ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ

پہاڑ ریت کے تودے پھسلے ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول بتلانے والا تمہاری باتوں کا

کَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۖ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا

جیسے بھیجا فرعون کے پاس رسول پھر کہا نہ مانا فرعون نے رسول کا پھر پکڑی ہم نے اس کو

وَبَيَّلًا ۚ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ۚ ۱۷

د بال کی پکڑ پھر کیونکر بچو گے اگر منکر ہو گئے اُس دن سے جو کر ڈالے رکھوں کو بوڑھا آسمان

مَنْقُطَرٍ بِهِ ۖ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ۚ ۱۸

پھٹ جائیگا آسمان میں اس کا وعدہ ہونے والا ہے یہ تو نصیحت ہے پھر جو کوئی چاہے بنالے

إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۚ ۱۹

اپنے رب کی طرف راہ بیشک تیرا رب جانتا ہے کہ تو اٹھتا ہے نزدیک دو تنہائی رات کے اور

نِصْفَهُ ۚ وَثُلُثَهُ ۚ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ

آدھی رات کے اور تنہائی رات کے اور کتنے لوگ تیرے ساتھ کے اور اللہ ہوتا ہے رات کو اور دن کو

عِلْمَ أَن لَّنْ نَّخْصُوهُ ۚ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۚ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ عَلِمَ

اُس نے جانا کہ تم اس کو پورا نہ کر سکو گے سو تم پر معافی بھیج دی اب پڑھو جتنا تم کو آسان ہو قرآن سے جانا کہ

أَن سَيَكُونُ مِنكُم مَّرْضَىٰ ۚ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ

کتنے ہوں گے تم میں بیمار اور کتنے اور لوگ پھریں گے ملک میں ڈھونڈتے

مِنْ فَضْلِ اللَّهِ ۚ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَاقْرَءُوا مَا

اللہ کے فضل کو اور کتنے لوگ لڑتے ہوں گے اللہ کی راہ میں سو پڑھ لیا کرو جتنا

تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاقْرَأُوا اللَّهَ قَرْضًا

آسان ہو اس میں سے اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور قرض دو اللہ کو اچھی طرح پڑھ

حَسَنًا ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ مِن خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ ۚ

قرض دینا اور جو کچھ آگے بھیجو گے اپنے واسطے کوئی نیکی اس کو پاؤ گے اللہ کے پاس بہتر

وَأَعْظَمَ أَجْرًا ۚ وَاسْتَغْفِرُوا لِلَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۚ ۲۰

اور ثواب میں زیادہ اور معافی مانگو اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

خلاصہ تفسیر

اے کپڑوں میں لپٹنے والے (وجہ اس عنوان سے خطاب کرنے کی یہ ہے کہ ابتدائے نبوت میں قریش نے دارالندوہ میں جمع ہو کر آپ کے بارہ میں مشورہ کیا کہ آپ کی حالت کے مناسب کوئی لقب تجویز کرنا چاہیے کہ اس پر سب متفق رہیں۔ کسی نے کہا کہ کاہن ہیں، اس کو دوسروں نے رد کر دیا۔ کسی نے

مجنوں کہا پھر اس کو بھی سب نے غلط قرار دیا۔ پھر ساحر کہا پھر بعض نے اس کو بھی رد کر دیا لیکن پھر یہی کہنے لگے کہ ساحر اس لئے ہیں کہ دوست کو دوست سے جدا کر دیتے ہیں۔ آپ کو یہ خبر پہنچ کر رنج ہوا اور رنج کی حالت میں لیٹ گئے۔ اکثر سوچ اور رنج میں آدمی اس طرح کر لیتا ہے اس لئے آپ کو خوش کرنے اور لطف کا اظہار کرنے کیلئے اس عنوان سے خطاب فرمایا، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت علیؓ کو ابوتراب فرمایا تھا۔ غرض آپ کو خطاب ہے کہ ان باتوں کا رنج نہ کرو بلکہ حق تعالیٰ کی طرف مداومت کے ساتھ اور زیادہ توجہ رکھو اس طرح سے کہ رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات (کہ اس میں آرام کرو) یا اس نصف سے کسی قدر کم کرو (یعنی نصف سے کم قیام کرو اور نصف سے زیادہ آرام کرو اور اس نصف سے کم کا مصداق ایک ثلث ہے بقرینہ قولہ تعالیٰ فیما بعد وَ ثُلُثُہُ) یا نصف سے کچھ بڑھا دو (یعنی نصف سے زیادہ قیام کرو اور نصف سے کم آرام کرو اور اس نصف سے زیادہ کا مصداق قریب دو ثلث کے ہے بقرینہ قولہ تعالیٰ فیما بعد اَدْنٰی مِنْ ثُلُثِی الْلَیْلِ) غرض قیام لیل تو امر و جوبی سے فرض ہوا مگر مقدار وقت قیام میں تین صورتوں میں اختیار ہے نصف شب، دو تہائی شب، ایک تہائی شب (اور اس قیام لیل میں) قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو (کہ ایک ایک حرف الگ الگ ہو اور یہی حکم غیر صلوٰۃ میں بھی ہے اور تخصیص محض مقام کی وجہ سے ہے، آگے قیام اللیل کے حکم کی علت اور مصلحت کا بیان ہے کہ) ہم تم پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں (مُرَاد قرآن مجید ہے جو نزول کے وقت بھی آپ کی حالت کو متغیر کر دیتا تھا جیسا حدیثوں میں ہے کہ ایک بار آپ کی ران زید بن ثابت کی ران پر رکھی تھی، اُس وقت وحی نازل ہوئی تو زید بن ثابت کی ران پھٹنے لگی۔ اور جب آپ نزول وحی کے وقت ناقہ پر سوار ہوتے تو ناقہ گردن ڈال دیتی اور حرکت نہ کر سکتی اور شدت کے جاڑوں میں آپ پسینہ پسینہ ہو جاتے۔ پھر علاوہ اس کے اس کا محفوظ رکھنا پھر دوسروں تک پہنچانے میں کلفتیں برداشت کرنا ان اعتبارات سے ثقیل کہا گیا۔ اور مقصد یہ ہے کہ قیام لیل کو شاق نہ سمجھنا ہم تو اس سے بھی بھاری بھاری کام تم سے لینے والے ہیں۔ قیام اللیل کا حکم آپ کو اسی لئے دیا گیا ہے کہ آپ خوگر ہوں ریاضت کے جس سے استعداد نفس اکمل و اقویٰ ہو کیونکہ ہم آپ پر قول ثقیل نازل کرنے والے ہیں تو اس کے لئے اپنی استعداد کا قوی کرنا ضروری ہے، آگے قیام لیل کی دوسری مصلحت ہے کہ) بے شک رات کا اٹھنا خوب مؤثر ہے (نفس کے چلنے میں اور) دعا ہو یا قرأت ہو ظاہراً و باطناً) بات خوب ٹھیک نکلتی ہے (ظاہراً تو اس طرح کہ فرصت کا وقت ہوتا ہے الفاظ دعا و قرأت کے خوب اطمینان سے ادا ہوتے ہیں اور باطناً اس طرح کہ جی خوب لگتا ہے اور موافقت دل و زبان کا یہی مطلب ہے اور اس کا علت ہونا ظاہر ہے۔ آگے ایک تیسری علت ہے جس میں تخصیص شب کی حکمت کا بیان ہے وہ یہ کہ) بے شک تم کو دن میں بہت

کام رہتا ہے (دنیوی بھی جیسے تدبیر مہمات خانہ داری اور دینی بھی جیسے تبلیغ اس لئے ان کاموں کے لئے رات تجویز کی گئی) اور (علاوہ قیام لیل کے جس کا اوپر ذکر ہوا دوسرے اوقات میں بھی) اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے (تعلق قطع کر کے اُسی کی طرف متوجہ رہو) (یعنی ذکر و تبتل یہ ہر وقت کا فرض ہے اور تعلق قطع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خالق کا تعلق مخلوق کے سب تعلقات پر غالب ہے، آگے توحید کے ساتھ اس کی تاکید اور تصریح ہے یعنی) وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے اُس کے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں تو اُسی کو اپنے کام سپرد کرنے کیلئے قرار دیئے رہو اور یہ لوگ جو جو باتیں کرتے ہیں اُن پر صبر کرو اور خوبصورتی کے ساتھ اُن سے الگ ہو جاؤ (الگ ہونا یہ کہ کوئی تعلق نہ رکھو اور خوبصورتی سے یہ کہ ان کی شکایت و انتقام کی فکر میں مت پڑو) اور (آگے ان کے عذاب کی خبر دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے) مجھ کو اور ان جھٹلانے والوں کو ناز و نعمت میں رہنے والوں کو (حالت موجودہ پر) چھوڑ دو (یعنی رہنے دو و موت تفسیر فی آیت فذاری و من ینکذب بهذا الحدیث) اور ان لوگوں کو تھوڑے دنوں اور مہلت دیدو (یہ کنایہ ہے صبر و انتظار سے یعنی کچھ دن اور صبر کر لیجئے عنقریب ان کو سزا ہونے والی ہے کیونکہ) ہمارے یہاں بیڑیاں ہیں اور دوزخ ہے اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے (وہذا کقولہ یتجرعوا ولا یسبعوا) اور دردناک عذاب ہے (پس ان لوگوں کو ان چیزوں سے سزا دی جاوے گی اور یہ سزا اُس روز ہوگی) جس روز زمین و پہاڑ ہلنے لگیں اور پہاڑ (ریزہ ریزہ ہو کر) ریگ رواں ہو جائیں گے (پھر اُڑتے پھریں گے آگے مکذبین مذکورین کو بطور التفات کے خطاب ہے جس میں اثبات رسالت و تحقیق وعید بھی ہے یعنی) بے شک ہم نے تمہارے پاس ایک ایسا رسول بھیجا ہے جو تم پر (قیامت کے روز) گواہی دیں گے (کہ ان لوگوں نے تبلیغ کے بعد کیا برتاؤ کیا) جیسا ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا، پھر فرعون نے اس رسول کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اُس کو سخت پکڑنا پکڑا سو اگر تم (بھی بعثت رسول کے بعد نافرمانی اور کفر کرو گے تو) (اسی طرح ایک روز تم کو بھی مصیبت بھگتنا پڑے گی چنانچہ وہ مصیبت کا دن آنے والا ہے سو تم) اُس دن (کی مصیبت) سے کیسے بچو گے جو (اپنی شدت اور طول کی وجہ سے) بچوں کو بوڑھا کر دے گا، جس میں آسمان پھٹ جاوے گا بے شک اُس کا وعدہ ضرور ہو کر رہے گا (یہ بھی احتمال نہیں ہے کہ وہ وقت ٹل جاوے) یہ (تمام مضمون) ایک (بلغ) نصیحت ہے سو جس کا جی چاہے اپنے پروردگار کی طرف رستہ اختیار کرے (یعنی اس تک پہنچنے کے لئے دین کا رستہ قبول کرے، آگے اس قیام لیل کی فرضیت کا نسخ ہے جو شروع سورت میں مذکور تھا یعنی) آپ کے رب کو معلوم ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والوں میں سے بعض آدمی (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات (نماز میں) کھڑے رہتے ہیں اور رات اور دن

کا پورا اندازہ اللہ ہی کر سکتا ہے اس کو معلوم ہے کہ تم اس (مقدارِ وقت) کو ضبط نہیں کر سکتے (اور اس وجہ سے تم کو سخت مشقت لاحق ہوتی ہے کیونکہ انداز سے تخمینہ کرنے میں تو شبہ رہتا ہے کمی کا اور انداز سے زیادہ کرنے میں تمام رات کے قریب صرف ہو جاتا ہے تاکہ وقت مقدّر یقیناً پورا ہو جاوے اور ان دونوں امر میں مشقت شدید ہے روحانی یا جسمانی) تو (ان وجوہ سے) اس نے تمہارے حال پر عنایت کی (اور اس سے پہلے حکم کو منسوخ فرما دیا) سو (اب) تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو (مراد اس قرآن پڑھنے سے تہجد پڑھنا ہے کہ اس میں قرآن پڑھا جاتا ہے اور یہ امر استحباب کے لئے ہے۔ مطلب یہ کہ تہجد کی فرضیت منسوخ ہو گئی اب جب قدرِ وقت تک آسان ہو بطور استحباب کے اگر چاہو پڑھ لیا کرو اور منسوخ ہونے کی اصل علت مشقت ہے جس پر قَوْلُہُ اَنْ لَّنْ تَخْصُوْہُ کا قرینہ ہے اور اسکے قبل کا مضمون اسکی تہدید ہے، آگے اسی نسخ کی دوسری علت کا بیان ہے کہ) اس کو (یہ بھی) معلوم ہے کہ بعض آدمی تم میں بیمار ہونگے اور بعض تلاشِ معاش کے لئے ملک میں سفر کریں گے اور بعض اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے (اس لئے بھی اس حکم کو منسوخ کر دیا کیونکہ ان حالتوں میں پابندی تہجد اور اس کے اوقات کی مشکل تھی) سو (اس لئے بھی تم کو اجازت ہے کہ اب) تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو، اور (گو تہجد منسوخ ہو گیا مگر یہ احکام اب بھی باقی ہیں یعنی یہ کہ) نماز (فرض) کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو (قدم تفسیر فی اول المؤمنین) اور اللہ کو اچھی طرح (یعنی اخلاص سے) قرض دو اور جو نیک عمل اپنے لئے آگے (ذخیرہ آخرت کا بنا کر) بھیج دو گے اس کو اللہ کے پاس پہنچا کر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے (یعنی دنیوی اغراض میں خرچ کرنے سے جو عوض اور نفع مرتب ہوتا ہے اس سے بہتر اور عظیم نفقات خیر پر ملے گا) اور اللہ سے گناہ معاف کراتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے (استغفار بھی ان ہی احکامِ باقیہ میں ہے)

معارف و مسائل

يَا أَيُّهَا الْمَرْجَلُ، هُنَّ مَلِكٌ، کے لفظی معنی اپنے اوپر کپڑے لپیٹنے والا۔ تقریباً اسی کا ہم معنی لفظ مُرْجَر ہے جو اگلی سورت میں آ رہا ہے۔ ان دونوں سورتوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک فقیہی حالت اور مخصوص صفت کیسا تھا خطاب کیا گیا ہے کیونکہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدتِ خوف و فزع کے سبب سخت سردی محسوس کر رہے تھے اس لئے اپنے اوپر کپڑے ڈالنے کے لئے فرمایا یہ کپڑے ڈال دیئے گئے تو آپ اُن میں لپٹ گئے۔ واقعہ اسکا صحیحین بخاری و مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فترتِ وحی کے زمانے کا ذکر فرما رہے تھے فترت کے لفظی معنی سُست یا بند ہو جانے کے ہیں، واقعہ اسکا یہ پیش آیا تھا کہ سب سے پہلے غارِ حراء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جبریل امین نازل ہوئے اور سورہ ابراہیم کی ابتدائی آیتیں آپ کو سنائیں۔ یہ فرشتے کا نزول اور وحی کی شدت پہلے پہل تھی جسکا اثر طبعی

طور پر ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُم المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لے گئے سخت سردی محسوس کر رہے تھے اس لئے فرمایا زتلونی زتلونی یعنی ڈھانپو مجھے ڈھانپو۔ اسکا مفصل اور طویل واقعہ صحیح بخاری کے پہلے ہی باب میں مذکور ہے اس کے بعد کچھ دنوں تک یہ سلسلہ وحی کا بندرہا اس زمانے کو جس میں سلسلہ وحی بند رہا زمانہ فرت الوحی کہا جاتا ہے آپ نے اس زمانہ فرت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک روز میں چل رہا تھا کہ اچانک میں نے آواز سنی تو نظر آسمان کی طرف اٹھائی دیکھتا کیا ہوں کہ وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں میرے پاس آیا تھا آسمان وزمین کے درمیان ایک معلق کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ مجھے ان کو اس ہیئت میں دیکھ کر پھر وہ ہی رعب ہیئت کی کیفیت طاری ہو گئی جو پہلی ملاقات کے وقت ہو چکی تھی میں واپس اپنے گھر چلا آیا اور گھر والوں سے کہا کہ مجھے ڈھانپ دو اُس پر یہ آیت نازل ہوئی يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ، اس حدیث میں آیت يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ کے نزول کا ذکر ہے ہو سکتا ہے کہ اسی حالت کو بیان کرنے کے لئے يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ کا خطاب بھی آیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ مزمل کے لقب کا واقعہ الگ وہ ہو جو خلاصہ تفسیر میں بیان ہوا ہے، اس عنوان سے خطاب کرنے میں ایک خاص لطف و عنایت کی طرف اشارہ ہے جیسے محبت و شفقت میں کسی کو اُس کی وقتی حالت کے عنوان سے محض تلمظ کے لئے خطاب کیا جاتا ہے (روح المعانی) اس عنوان خاص سے خطاب فرما کر آپ کو نماز تہجد کا حکم اور اس کی کچھ تفصیل بتلائی ہے۔

نماز تہجد کے احکام اور انہیں تبدیلی | لفظ مزمل اور مدثر خود اسکا پتہ دیتے ہیں کہ یہ آیات بالکل شروع اسلام اور نزول قرآن کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی ہیں جبکہ اس وقت پانچ نمازیں اُمت پر فرض نہیں ہوئی تھیں کیونکہ پانچ نمازوں کی فرضیت تو شبِ معراج میں ہوئی ہے۔

امام بغویؒ نے حضرت صدیقہ عائشہؓ وغیرہا کی احادیث کی بنا پر یہ فرمایا ہے کہ اس آیت کی رو سے قیام اللیل یعنی رات کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام اُمت پر فرض تھی اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب پانچ نمازیں فرض نہیں تھیں۔

اس آیت میں قیام اللیل یعنی تہجد کی نماز کو صرف فرض ہی نہیں کیا گیا بلکہ اس میں کم از کم ایک چوتھائی رات سے مشغول رہنا بھی فرض قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان آیات میں اصل حکم یہ تھا کہ تمام رات با استثناء قلیل نماز میں مشغول رہیں اور استثناء قلیل کا بیان اور تفصیل آگے آتی ہے۔

امام بغویؒ روایات حدیث کی بنا پر فرماتے ہیں کہ اس حکم کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رات کے اکثر حصہ کو نماز تہجد میں صرف فرماتے تھے یہاں تک کہ اُن کے قدم ورم کر گئے اور یہ حکم خاصا بھاری معلوم ہوا۔ سال بھر کے بعد اسی سورت کا آفری حصہ فَاقْرَءْ مَا تَيسَّرُ مِنْهُ نازل ہوا جس نے اس طویل قیام کی پابندی منسوخ کر دی اور اختیار دیدیا کہ جتنی دیر کسی کے لئے آسان ہو سکے اتنا وقت خسرج کرنا نماز تہجد میں کافی ہے یہ مضمون ابو داؤد و نسائی میں حضرت صدیقہ عائشہؓ سے منقول ہے اور حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب پانچ نمازوں کی فرضیت شبِ معراج میں نازل ہوئی تو نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہو گئی البتہ سنت پھر بھی رہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس پر مداومت فرمائی اسی طرح اکثر صحابہ کرام بڑی پابندی سے نماز تہجد ادا کرتے تھے (منظہری) اب الفاظِ آیت کی تفسیر دیکھئے ارشاد فرمایا،

فَإِذَا لَیْلٌ أَلَّیْلًا، الیل پر الف لام داخل ہونے سے اس نے پوری رات کے معنی دیئے تو مطلب آیت کا یہ ہو گیا کہ آپ ساری رات قیام اتیل میں مشغول رہیں بجز قلیل کے۔ مگر چونکہ یہ لفظ قلیل مبہم تھا اس لئے آگے اس کی تشریح اس طرح فرمادی نَصْفًا أَوْ انْقُصَ مِنْهُ قَلِيلًا أَوْ زِدْ عَلَیْهِ یعنی اب آپ نصف رات قیام فرمائیں یا نصف سے کچھ کم کر دیں یا نصف سے کچھ بڑھا دیں۔ یہ بیان الّا قلیل کے استثناء کا ہے۔ اس لئے اس پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ نصف تو قلیل نہیں کہلاتا۔ جواب یہ ہے کہ رات کا ابتدائی حصہ تو نماز مغرب پھر عشاء وغیرہ میں گزر رہی جاتا ہے اب نصف سے مراد باقی ماندہ کا نصف ہوگا وہ مجموعہ رات کے اعتبار سے قلیل ہے اور اس آیت میں چونکہ نصف سے کم کرنے کی بھی اجازت ہے نصف سے زائد کرنے کی بھی، اس لئے مجموعی طور پر اس کا یہ حاصل ہوا کہ کم از کم چوتھائی رات سے کچھ زیادہ قیام اتیل میں مشغول رہنا فرض ہوگا۔

ترتیل و قرآن کا مطلب | وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیلًا، ترتیل کے لفظی معنی کلمہ کو سہولت اور استقامت کے ساتھ منہ سے نکالنے کے ہیں (مفردات امام راغب) مطلب آیت کا یہ ہے کہ تلاوتِ قرآن میں جلدی نہ کریں، بلکہ ترتیل و تسہیل کے ساتھ ادا کریں اور ساتھ ہی اس کے معانی میں تدبر و غور کریں (قرطبی) ورتل کا عطف قح الیل پر ہے اور اس میں اس کا بیان ہے کہ رات کے قیام میں کیا کرنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز تہجد اگرچہ قرأت و تسبیح، رکوع و سجود سمی اجزائے نماز پر مشتمل ہے مگر اس میں اصل مقصود قرأت قرآنی ہے اسی لئے احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز بہت طویل ادا فرماتے تھے، یہی عادت صحابہ تابعین میں معروف رہی ہے۔

مسئلہ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کا صرف پڑھنا مطلوب نہیں بلکہ ترتیل مطلوب ہے جس میں ہر ہر کلمہ صاف صاف اور صحیح ادا ہو۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح ترتیل فرماتے تھے حضرت ام سلمہؓ سے بعض لوگوں نے رات کی نماز میں آپ کی تلاوتِ قرآن کی کیفیت دریافت کی تو انھوں نے نقل کر کے بتلایا جس میں ایک ایک حرف واضح تھا (ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ازمنظہری)

مسئلہ۔ ترتیل میں تحمیدِ صوت یعنی بقدر اختیار خوش آوازی سے پڑھنا بھی شامل ہے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی کی قرأت و تلاوت کو ایسا نہیں سنتا جیسا اس نبی کی تلاوت کو سنتا ہے جو خوش آوازی کیساتھ جہراً تلاوت کرے (منظہری)

حضرت علقمہؓ نے ایک شخص کو حسن صوت کیساتھ تلاوت کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا لقد رتّل القرآن

فداہ ابی و اُمّی، یعنی اس شخص نے قرآن کی ترتیل کی ہے میرے ماں باپ اس پر قربان ہوں (قرطبی)
اور اصل ترتیل وہی ہے کہ حروف و الفاظ کی ادائیگی بھی صحیح اور صاف ہو اور پڑھنے والا اسکے معانی پر غور کر کے
اُس سے متاثر بھی ہو رہا ہو جیسا کہ حسن بصری رحمہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک شخص
پر ہوا جو قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا اور رو رہا تھا۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنا ہے
وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلًا۔ بس یہی ترتیل ہے (جو یہ شخص کر رہا ہے) از قرطبی

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قُرْآنًا ثَقِیْلًا، ثقیل کے معنی بھاری کے ہیں اور قول ثقیل سے مراد قرآن ہے کیونکہ
اس کے بیان کردہ حلال و حرام اور جائز اور ناجائز کے حدود کی دائمی پابندی طبعی طور پر بھاری ہے بجز اسکے
کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ اس کو آسان بنادے اور قرآن کو قول ثقیل اسوجہ سے بھی کہا جاسکتا ہے کہ اسکے
نزول کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک خاص وزن اور شدت محسوس فرماتے تھے جس سے سخت سُرّی
کے زمانے میں بھی آپ کی پیشانی پسینہ پسینہ ہو جاتی تھی اور اگر اس وقت کسی اونٹنی پر سوار ہیں تو وہ اس کے
بوجھ سے اپنی گردن ڈال دیتی تھی جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں (صحیح بخاری وغیرہ)

اس آیت میں اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ نماز تہجد کا حکم اسلئے دیا گیا کہ انسان مشقت اٹھانے
کا خوگر بنے۔ یہ رات کو نیند کے غلبہ اور نفس کی راحت کے خلاف ایک جہاد ہے اس کے ذریعہ ثقیل بوجھل
احکام کی برداشت آسان ہو جائے گی جو قرآن میں نازل ہونے والے ہیں۔

اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّیْلِ نَفْظٌ نَّاشِئٌ بِوَزْنٍ عَافِیْتٍ مصدر ہے جس کے معنی ہیں رات کی نماز کے لئے کھڑا
ہونا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ سونے کے بعد رات کی نماز کے لئے اُٹھنا ناشئۃ الیل ہے اس معنی کے
لحاظ سے نَفْظٌ نَّاشِئٌ اللَّیْلِ بمعنی تہجد ہو گیا کیونکہ تہجد کے لفظی معنی بھی رات میں سو کر اُٹھنے کے بعد نماز پڑھنے
کے ہیں۔ ابن کیسان نے فرمایا کہ آخر رات کے قیام کو ناشئۃ اللَّیْلِ کہا جاتا ہے۔ ابن زید نے فرمایا کہ رات
کے جس حصے میں بھی کوئی نماز پڑھی جائے وہ ناشئۃ الیل میں داخل ہے۔ اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ
عشاء کی نماز کے بعد ہر نماز ناشئۃ الیل میں داخل ہے۔ ابن ابی ملیکہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ
اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے ناشئۃ الیل کے معنی پوچھے تو انھوں نے فرمایا اَلِیْلُ کلّھا ناشئۃ یعنی
رات کے ہر حصہ کی نماز ناشئۃ الیل میں داخل ہے (منظہری)

ان مجموعہ اقوال میں کوئی تضاد نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قیام الیل اور ناشئۃ الیل کا مفہوم اصل میں
عام ہے رات کے کسی بھی حصہ میں جو نماز پڑھی جائے اس پر ان دونوں لفظوں کا اطلاق ہو سکتا ہے خصوصاً
جو نماز عشاء کے بعد ہو جیسا کہ حسن بصری کا قول ہے لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمہ ور صحابہ و
تابعین اور صلحائے اُمت کا ہمیشہ یہ عمل رہا ہے کہ اس نماز کو سو کر اُٹھنے کے بعد آخر شب میں ادا کرتے تھے
اسلئے وہ فضل اعلیٰ اور موجب برکات زیادہ ہے اور نفس سنت قیام الیل اور ناشئۃ الیل کی عشاء کی نماز کے

بعد نماز نفل سے ادا ہو جاتی ہے،

ہی اَشَدُّ وَطْأً، وَطْأً میں دو قراءتیں ہیں، مشہور قراءۃ بفتح الواو وسکون الطاء، بروزن صَرْط، جس کے معنی روندنے اور کچلنے کے آتے ہیں، اس کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ رات کی نماز نفس کشی اور نفس کو کچلنے میں بہت معین ہو، یعنی نفس کو قابو میں رکھنے اور ناجائز خواہشات پر اڑنے سے روکنے میں نماز تہجد سے بڑی عمد ملتی ہو، خلاصہ تفسیر مذکور میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ دوسری قراءۃ میں وَطْأً بکسر الواو وبالالف الممدودة بروزن کتاب ہو، اس صورت میں یہ مواطاة بمعنی موافقت کا مصدر ہو، قرآن کریم کی آیت لِيُؤْطِئَ اَعْدَاءَ مَا حَرَّمَ میں اسی موافقت کے معنی ہیں، ائمہ تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ اور ابن زیدؓ سے اس کے یہی معنی منقول ہیں، ابن زیدؓ نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ رات کے وقت نماز کے لئے اٹھنا قلب، نگاہ، کان اور زبان سب میں باہمی موافقت پیدا کر نیمیں شد ہو، یعنی بہت زیادہ مؤثر ہے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اَشَدُّ وَطْأً کے معنی یہ ہیں کہ کان اور قلب میں اس وقت زیادہ موافقت ہوتی ہے کہ رات کا وقت عموماً کاموں سے فراغت اور شور و شغب، نجات اور سکون کا وقت ہوتا ہے، اس وقت جو الفاظ زبان سے نکلیں گے اپنے کان بھی ان کو سنیں گے اور دل بھی حاضر ہوگا،

وَأَقْوَمُ قِيلاً، اور اقوم کے معنی زیادہ مستقیم و درست اور زیادہ ثابت کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ رات کے وقت میں تلاوت قرآن زیادہ درست اور جماد اور ثبات کیساتھ ہو سکتی ہے کیونکہ مختلف قسم کی آوازوں اور شور و شغب سے قلب اور ذہن مشوش نہیں ہوتا۔

خلاصہ اس آیت کا بھی حکم قیام الیل کی حکمت بیان کرتا ہے اس سے پہلی آیت میں جو اس کی حکمت ارشاد فرمائی گئی تھی اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا، یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ قدسی کے ساتھ خاص تھی کہ قولِ ثقیل یعنی قرآن کے نزول کا تعلق آپ ہی کی ذات سے ہے۔ اس دوسری آیت میں جو حکمت بیان ہوئی وہ سب اُمت کے لئے عام ہے کہ رات کی نماز میں دو وصف ہیں اول قلب زبان میں موافقت دوسرے تلاوت قرآن میں بوجہ سکون کے آسانی۔

اِنَّ لَكَ فِي النَّفَاكِ سَكْنًا مَّطْوِيًّا، نَفَاكِ سَكْنٌ کے لفظی معنی جاری ہونے اور گھومنے پھرنے کے ہیں اسی سے پانی میں تیرنے کو بھی سَکْنٌ اور سباحت کہا جاتا ہے کہ پانی میں بغیر کسی رکاوٹ کے گھومنا پھرنا تیراکی کے ساتھ آسان ہے۔ یہاں مراد سَکْنٌ سے دن بھر کے مشاغل ہیں جن میں تعلیم و تبلیغ اور اصلاحِ خلق کے لئے یا اپنی معاشی مصالح کے لئے چلنا پھرنا سب داخل ہیں۔

اس آیت میں قیام الیل کے حکم کی تیسری حکمت و مصلحت کا بیان ہے یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور پوری اُمت کے لئے عام ہے وہ یہ کہ دن میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی طرح دوسرے بھی حضرات کو بہت سے مشاغل چلنے پھرنے کے رہتے ہیں۔ فراغِ بالی سے عبادت میں توجہ مشکل ہوتی ہے رات کا وقت اس کام کے لئے رہنا چاہیے کہ بقدر ضرورت نیند اور آرام بھی ہو جائے اور قیام الیل کی عبادت بھی۔

فائدہ | حضرات فقہاء نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء و مشائخ جو تعلیم و تربیت اور اصلاح خلق کی خدمتوں میں لگے رہتے ہیں ان کو بھی چاہیے کہ یہ کام دن ہی تک محدود رہنے چاہئیں، رات کا وقت اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری اور عبادت کے لئے فارغ رکھنا بہتر ہے جیسا کہ علمائے سلف کا تعامل اس پر شاہد ہے کوئی وقتی ضرورت دینی، تعلیمی، تبلیغی کبھی اتفاقات کو بھی اس میں مشغول رکھنے کی داعی ہو تو وہ بقدر ضرورت مستثنیٰ ہے۔ اس کی شہادت بھی بہت سے حضرات علماء و فقہاء کے عمل سے ثابت ہے۔

وَاذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا، تَبَتَّلْ کے لفظی معنی مخلوق سے منقطع ہو کر خالق کی عبادت میں لگ جانے کے ہیں وَاذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ کا عطف قَوْلِ الْقِيلِ پر ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام لیل یعنی رات کی نماز کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے ضمن میں دن کی خاص خاص عبادتوں کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کافی قولہ إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا۔ اس آیت میں ایک ایسی عبادت کا حکم ہے جو رات یا دن کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر حال میں جاری رہتی ہے وہ ہے ذکر اللہ، اور مراد ذکر اللہ کے حکم سے اُس پر مداومت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکا تو تصور ہی نہیں ہو سکتا کہ آپ بالکل ذکر نہ کرتے ہوں اس لئے اس حکم کا منشاء دوام ذکر ہی ہو سکتا ہے (منظہری) اور مراد آیت کی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ذکر اللہ کو شب و روز ہمہ وقت جاری رکھیں اس میں نہ کبھی ذہول ہونا چاہیے نہ سستی۔ اور یہ مراد اُسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ ذکر اللہ سے مراد عام لیا جائے خواہ زبان سے ہو یا قلب سے یا اعضاء و جوارح کو اللہ تعالیٰ کے احکام میں مشغول رکھنے سے۔ اور ایک حدیث میں جو حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے یہ آیا ہے کہ کان بین کر اللہ علی کلّ حین، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ کا ذکر فرماتے تھے یہ بھی اس عام معنی کی رو سے صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ بیت النحلا وغیرہ میں آپ کا ذکر لسانی نہ کرنا روایات حدیث سے ثابت ہے مگر ذکر قلبی ہر وقت جاری رہ سکتا ہے اور ذکر قلبی کی دو صورتیں ہیں ایک الفاظ متخیلہ کے ذریعہ ذکر کرنا، دوسرے اللہ تعالیٰ کی صفات و کمالات میں غور و فکر کرنا، کما افادہ شیخی التھانوی قدس سرہ۔

دوسرا حکم اس آیت میں یہ دیا گیا کہ تَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا، یعنی آپ تمام مخلوقات سے قطع نظر کر کے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اُس کی عبادت میں لگ جائیں اس کے عام مفہوم میں اللہ کی عبادت میں غیر اللہ کو شریک نہ کرنا بلکہ خالص اللہ کے لئے عبادت کرنا بھی داخل ہے اور یہ بھی کہ اپنے تمام اعمال و افعال اور حرکات و سکنات میں نظر اور بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر رہے کسی مخلوق کو نفع و ضرر کا مالک یا حاجت روا اور مشکل کشا نہ سمجھیں۔ حضرت ابن زبیر نے فرمایا کہ متبل کے معنی یہ ہیں کہ تمام دنیا و مافیہا کو چھوڑیں اور صرف اُس چیز کی طرف متوجہ رہیں جو اللہ کے پاس ہے (منظہری) لیکن جس متبل اور مخلوق سے قطع تعلق کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے وہ اس ترک تعلقات اور ترک دنیا سے بالکل مختلف ہے جس کو قرآن میں رہبانیت کہا ہے اور اسکی مذمت کی طرف اشارہ کیا ہے وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا۔ اور جس کے متعلق حدیث میں ہے (رهبانیت فی الاسلام)۔

کیونکہ رہبانیت اصطلاح شرع میں اُس ترک دنیا اور ترک تعلقات کا نام ہے جس میں تمام لذائذ اور حلال طیب اشیا کو بہ نیت عبادت چھوڑ دیا جائے یعنی یہ اعتقاد ہو کہ ان حلال چیزوں کے چھوڑے بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں ہو سکتی۔ یا عملاً ترک تعلقات اس طرح کرے کہ لوگوں کے حقوق واجبہ کی رعایت نہ کرے اُن میں خلل آئے اور یہاں جس تبطل اور ترک تعلق کا حکم ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تعلق پر کسی دوسری مخلوق کا تعلق غالب نہ آجائے خواہ اعتقاداً یا عملاً اور ایسا ترک تعلق دنیوی تمام معاملات ازدواج و نکاح اور تعلقات رشتہ داری وغیرہ کے منافی نہیں بلکہ ان سب کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے جیسا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت خصوصاً سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری زندگی اور شمائل اس پر شاہد ہیں۔ یہاں جس مفہوم کو لفظ تبطل سے تعبیر کیا گیا ہے اسی کا دوسرا عنوان سلف صالحین کی زبان میں اخلاص ہے۔ (منظہری)

فائدہ مہم ذکر اللہ کی کثرت اور تعلقات دنیا کے ترک کے معاملے میں صوفیائے کرام سلفاً و خلفاً سب سے آگے رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم جس مسافت کو طے کرنے اور راستہ قطع کرنے میں دن رات لگے ہوئے ہیں درحقیقت اُس کے دو قدم ہیں۔ پہلا قدم مخلوق سے انقطاع ہے اور دوسرا قدم وصول الی اللہ ہے۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ آیت مذکورہ میں انہیں دو قدموں کو دو جہلوں میں عطف کر کے بیان فرمایا گیا ہے **وَإِذْ كُنَّا نَسُحِرْكِيكُفًا وَتَبْتَلُ إِلَيْهِ تُبْتِيلًا**۔

یہاں ذکر اللہ سے مراد اُس پر ایسی مداومت ہے جس میں کبھی قصور و فتور نہ ہو اور کسی وقت اُس سے ہول نہ ہو۔ یہی وہ مقام ہے جس کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں **وصول الی اللہ** کہا جاتا ہے۔ اس طرح پہلے جملے میں آخری قدم کا ذکر فرمایا اور دوسرے جملے میں پہلے قدم کا۔ یہ ترتیب شاید اس لئے بدل گئی کہ اگرچہ عمل میں تبطل یعنی قطع تعلقات (بالمعنی المذكور) مقدم ہے اور وصول الی اللہ اُس کے بعد اُس پر مرتب ہوتا ہے مگر چونکہ مقصد سالک کا یہ دوسرا ہی قدم ہے اور یہی درحقیقت مقصود المقاصد ہے اس کی اہمیت و افضلیت بتلانے کے لئے تربیت طبعی و قوی کو بدل کر ذکر اللہ کو مقدم بیان فرمایا گیا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے انہیں دو قدموں کو خوب بیان فرمایا ہے ۵

تعلق حجاب است و بے حالی : چو پیوند با بگسلی واصلی

ذکر اسم ذات یعنی اللہ اللہ کا | اس آیت میں ذکر اللہ کے حکم کو لفظ اسم کیساتھ مقید کر کے **وَإِذْ كُنَّا نَسُحِرْكِيكُفًا** تکرار بھی مامور بہ ذکر و عبادت سے فرمایا ہے **وَإِذْ كُنَّا نَسُحِرْكِيكُفًا** نہیں فرمایا اسمیں اشارہ اس طرف نکلتا ہے کہ اسم رب یعنی اللہ اللہ کا تکرار بھی مطلوب مامور بہ ہے (منظہری) بعض علماء نے جو صرف اسم ذات اللہ اللہ کے تکرار کو بدعت کہہ دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اسکو بدعت کہنا صحیح نہیں۔ واللہ اعلم **رَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا**، وکیل لغت میں اُس شخص کو کہا جاتا ہے جس کو کوئی کام سپرد کیا جائے۔ **فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا** کا مفہوم یہ ہوا کہ اپنے سب کاروبار

معاملات اور حالات کو اللہ کے سپرد کرو۔ اسی کا نام اصطلاح میں توکل ہے۔ اس سورت میں جو احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے ہیں یہ انہیں پانچواں حکم ہے۔ امام یعقوب کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شروع سورت سے اس آیت تک مقامات سلوک کی طرف اشارہ ہے یعنی رات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے خلوت۔ قرآن کریم میں اشتغال۔ ذکر اللہ پر دوام۔ ماسوی اللہ سے اعراض و ترک تعلق۔ اللہ تعالیٰ پر توکل۔ توکل کے آخری حکم سے پہلے اللہ تعالیٰ شانہ کی صفت رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ بیان کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ جو ذات پاک مشرق و مغرب یعنی سارے جہان کی پالنے والی اور ان کی تمام ضروریات ابتدا سے انتہا تک پورا کرنے کی متکفل ہے۔ توکل اور بھروسہ کرنے کے قابل صرف وہی ذات ہو سکتی ہے اور اس پر بھروسہ کرنے والا کبھی محروم نہیں رہ سکتا جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ، یعنی جو شخص اللہ پر توکل (بھروسہ) کرتا ہے اللہ اس کے (سب مہمات و مشکلات کیلئے) کافی ہو جاتا توکل کے معنی شرعی | اللہ پر توکل اور بھروسہ کے معنی نہیں کہ سب معاش اور دفع بلا کے جو اسباب و آلات قدرت حق نے آپ کو عطا فرمائے ہیں ان کو معطل کر کے اللہ پر بھروسہ کر دو، بلکہ حقیقت توکل کی یہ ہے کہ اپنے مقاصد کے لئے اللہ کی دی ہوئی قوت و توانائی اور جو اسباب میسر ہیں ان سب کو پورا استعمال کرو مگر اسباب مادیہ میں غلو اور انہماک زیادہ نہ کرو اعمال اختیار یہ کو کر لینے کے بعد نتیجہ کو اللہ کے سپرد کر کے بے فکر ہو جاؤ۔

توکل کا یہ مفہوم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ امام بغوی نے شرح السنۃ میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان نفسا لن تموت حتی تستكمل رزقها الا فاتقوا الله واجملوا فی الطلب (مظہری) یعنی روح القدس (جبریل امین) نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ اپنے مقدر میں لکھا ہوا اللہ کا رزق پورا پورا حاصل نہیں کر لے گا، اس لئے تم خدا سے ڈرو اور اپنے مقاصد کی طلب میں اختصار سے کام لو، زیادہ منہمک نہ ہو کہ قلب کی توجہ ساری انہیں مادی اسباب و آلات میں محصور ہو کر رہ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرو۔ اور ترمذی میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ترک دنیا اس کا نام نہیں کہ تم اپنے اوپر اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر لو یا جو مال تمہارے پاس ہو اُسے خواہ مخواہ اُڑا دو، بلکہ ترک دنیا اس کا نام ہے کہ تمہارا اعتماد اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں جو چیز ہے اُس پر زیادہ ہو بہ نسبت اُسکے جو تمہارے ہاتھ میں ہے (مظہری)

وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا، بقول امام کرخی یہ چھٹا حکم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے یعنی لوگوں کی ایذاؤں اور گالیوں پر صبر جمیل۔ یہ مقامات سلوک میں سب سے اعلیٰ مقام ہے کہ دشمنوں کی جفا و ایذا پر صبر کیا جائے، یعنی یہ حضرات جن لوگوں کی خیر خواہی اور ہمدردی میں اپنی ساری قوت و توانائی اور ساری عمر فرج کرتے ہیں انہیں کی طرف سے اُس کی جزاریں گالیاں، ایذاؤں، طرح طرح کے جوہر و تم ان کے

مقابلے میں آتے ہیں اُن پر صبر جمیل کرنا یعنی انتقام کا ارادہ بھی نہ کرنا یہ وہ اعلیٰ مقام ہے جو اصطلاح صوفیہ میں فنا رکامل کے بغیر نصیب نہیں ہوتا۔

وَالْهَجْرُ هَجْرًا جَمِيلًا، ہجر بفتح الہاء کے لفظی معنی کسی چیز کو رنج و ملال بیزاری کیساتھ چھوڑنے کے آتے ہیں۔ معنی یہ ہوئے کہ تکذیب کرنے والے کفار جو کچھ آپ کو ایذا کے کلمات کہتے ہیں آپ اسکا انتقام تو اُن سے نہ لیں مگر اُن سے تعلقات بھی نہ رکھیں مگر ترک تعلق کے وقت انسان کی طبعی عادت یہ ہے کہ جس سے تعلق چھوڑا جائے اسکا شکوہ شکایت اور اُس کو بُرا بھلا کہتا ہے اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے ہجر یعنی ترک تعلق کا جو حکم دیا گیا تو ساتھ ہجر اجمیل کی قید لگا دی گئی کہ آپکے منصبِ عالی اور خلقِ عظیم کا تقاضا یہ ہے کہ جن کفار سے ترک تعلق کریں زبان بھی اُن کو بُرا کہنے سے محفوظ رکھیں۔

بعض حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیاتِ جہاد و قتال جو بعد میں نازل ہوئیں اُن سے اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا، لیکن غور کیا جائے تو منسوخ کہنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ آیات مذکورہ میں کفار کی ایذاؤں پر صبر اور ہجر کی تلقین ہے یہ زجر اور سزا و قتال کے منافی نہیں، اس آیت کا حکم ہر وقت ہر حال میں ہو اور قتال و جہاد میں جو زجر و سزا ہے اسکا حکم خاص خاص اوقات میں ہے اور اسلامی قتال و جہاد درحقیقت کوئی انتقام یا اپنا غصہ نکالنا نہیں، جو صبر اور ہجر جمیل کے منافی ہو بلکہ خالص حکمِ خداوندی کی تعمیل ہے جس طرح صبر اور ہجر جمیل عام حالات میں اس کی تعمیل ہے یہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی ایذاؤں پر صبر اور ترک انتقام کی تلقین تھی آگے آپ کی تسلی کے لئے ان کفار پر جو عذابِ آخرت میں آنے والا ہے اسکا بیان ہے مقصد یہ ہے ان کی چند روزہ چیرہ دستی اور ظلم و جور سے آپ ملول نہ ہوں ان کو تو اللہ تعالیٰ سخت عذاب میں پکڑنے والا ہے ہاں حکمت ربانی کے تقاضے سے کچھ مہلت دے رکھی ہو، اسمیں آپ جلدی کی فکر نہ فرماویں یہی مفہوم ہے بعد کی آیت (ذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ اُولِيَ النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا) کا اس میں کفار مکذبین کو اُولی النعمۃ فرمایا ہے۔ نعمت بفتح النون کے معنی تنعم یعنی عیش و عشرت اور مال و اولاد کی بہتات کے ہیں اسمیں اشارہ ہے کہ دنیا کے مال و اولاد اور ناز و نعمت میں مست ہو جانا اُسی شخص سے ہو سکتا ہے جو آخرت کی تکذیب کرنے والا ہو۔ مومن کو بھی یہ چیزیں بسا اوقات نصیب ہوتی ہیں مگر وہ ان میں ایسا مست نہیں ہوتا اسلئے دنیا کے ہر عیش و راحت کے وقت بھی اسکا قلب فکرِ آخرت سے خالی نہیں ہوتا۔ خالص عیش و عشرت اور بالکل بے فکری اس دنیا میں کافروں اور آخرت کی تکذیب کرنے والوں ہی کا حصہ ہو سکتا ہے۔

آگے آخرت کے اس سخت ترین عذاب کا ذکر ہے جس میں پہلے آنکال کا ذکر کیا جس کے معنی قید و بند اور زنجیروں کے ہیں۔ پھر جہنم کی شدید آگ کا ذکر فرمایا۔ پھر اہل جہنم کے دردناک کھانے کا ذکر ہر طعاماً ذَا عَصَیۃ، عَصَیۃ کے لفظی معنی گلے میں لگانے والے پھندے کے ہیں کہ کوئی لقمہ گلے میں اس طرح پھنس جائے کہ نہ نگلا جاسکے نہ باہر اگلا جاسکے۔ ضریح اور زقوم جو اہل جہنم کو کھانے کے لئے دیا جائیگا انکا یہی حال ہوگا

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اسمیں آگ کے کانٹے ہونگے جو گلے میں پھنس جائیں گے (فعوذ باللہ منہ) آخر میں فرمایا وَعَنْ اَبَا اَلَيْمَّا، ان معین عذابوں کے ذکر کرنے کے بعد یہ سبہم لفظاً لا کر اس طرف اشارہ کیا گیا کہ اور عذاب ان سے بھی زیادہ شدید و سخت ہیں جو کاکوئی انسان تصور نہیں کر سکتا۔ (اللہم احفظنا منها) سلف صالحین کا خوفِ آخرت | امام احمد۔ ابن ابی داؤد۔ ابن عدی اور بیہقی کی روایت ہے کہ ایک شخص نے قرآن کی یہ آیت سنی تو خوف سے بیہوش ہو گیا، اور حضرت حسن بصریؒ ایک دن روزہ سے تھے افطار کے وقت کھانا سامنے آیا تو اس آیت کا دھیان آگیا، کھانا نہ کھا سکے اٹھوا دیا۔ اگلے روز پھر شام کو ایسا ہی ہوا، کھانا اٹھوا دیا۔ تیسرے روز پھر ایسا ہی ہوا تو ان کے صاحبزادے حضرت ثابت بنانی اور زید ضبئی اور یحییٰ بکار کے پاس گئے اور حال سنایا، یہ تینوں حضرات آئے اور حضرت حسن کو کھانے کا بہت اصرار کرتے رہے جب مجبور ہو کر کچھ تناول فرمایا (روح المعانی)

آگے کچھ قیامت کے ہولناک واقعات کا بیان فرمایا یَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ الْآیۃ اس کے بعد کفار مکہ کو فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سنا کر اس سے ڈرایا گیا کہ جس طرح فرعون اپنے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کر کے گرفتار عذاب ہوا، تم بھی اس پر تجھے رہے تو سمجھ لو کہ تم پر بھی ایسا ہی کوئی عذاب دُنیا میں آ سکتا ہے۔ آخر میں فرمایا کہ اگر دُنیا میں کوئی عذاب نہ بھی آیا تو قیامت کے اُس دن کے عذاب سے تمہیں کون بچا سکے گا جس کی ہولناکی اور طول کی وجہ سے بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ روز قیامت کے شدید اور ہولناک ہونیکا بیان ہے کہ اسمیں لوگوں پر ایسا خوف اور ہول طاری ہوگا کہ اگر کوئی بچہ بھی ہو تو بوڑھا ہو جائے غرض مراد اس سے ایک تمثیل ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مراد حقیقت ہے اور روز قیامت اس قدر طویل ہوگا کہ اُس میں ایک بچہ بھی بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائے گا (قرطبی و روح)

قیام الیل کی فرضیت منسوخ ہوگئی | شروع سورت میں قِمِ الْاَیْلِ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب مسلمانوں پر قیام الیل کو فرض قرار دیا گیا تھا اور اس قیام کا طویل ہونا بھی فرض تھا مگر اسکے طول میں اختیار دیا گیا تھا کہ آدھی رات سے کچھ کم یا کچھ زیادہ اور کم سے کم ایک تہائی رات ہونا چاہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت اس فرض کی ادائیگی میں اکثر عزیمت پر عمل فرماتے اور زیادہ سے زیادہ رات کا وقت اس نماز میں گزارتے تھے جو دو تہائی رات کے قریب ہوتا تھا۔ ہر رات میں یہ عمل پھر دن میں دین کی دعوت و تبلیغ اور ذاتی ضرورتاً خصوصاً صحابہ کرام کہ بیشتر محنت مزدوری یا تجارت کرتے تھے، اس طویل و ثقیل نماز کی پابندی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے پاؤں درم کر آئے۔ اُن کی یہ مشقت و محنت اللہ تعالیٰ کے سامنے تھی وہ اس سے بخوبی واقف تھے مگر علم الہی میں پہلے ہی سے متعین تھا کہ اتنی محنت کا فریضہ پسند روز

ہی رکھا جائیگا تاکہ آپ اور صحابہ کرام محنت و ریاضت کے خوگر ہو جائیں جس کی طرف آیات مذکورہ میں یہی اِذَا سَأَلَكَ عَنْ كَلِمَةٍ مِنْهُ تَقِيْلًا میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ آپ سے یہ محنت و مشقت اس لئے لیجا رہی ہے کہ آپ کو قول ثقیل یعنی قرآن کی خدمت سپرد ہونے والی تھی جو اس مشقت سے بڑی مشقت ہے۔ یہ حال علم ازلی کے مطابق جب یہ حکمت ریاضت و محنت کے خوگر بنانے کی پوری ہو گئی تو یہ فرض قیام لللیل منسوخ کر دیا گیا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیات مذکورہ سے صرف طول قیام کی فرضیت منسوخ ہوئی ہو اصل نماز تہجد کا فرض بدستور رہا ہو پھر شب معراج میں پانچ نمازوں کی فرضیت کے وقت نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہوئی ہو، واللہ اعلم

اور ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام امت سے یہ فرض منسوخ کر دیا گیا البتہ اسکا استحباب اور عند اللہ پسندیدہ ہونا پھر بھی باقی رہا اور اسمیں بھی یہ آسانی کردی گئی کہ وقت کی اور تلاوت قرآن کی کوئی تحدید نہیں رکھی گئی، ہر شخص اپنی اپنی طاقت و فرصت کے مطابق جتنے وقت میں ادا کر سکے کر لے اور اسمیں جتنا قرآن پڑھنا آسانی سے ہو سکے پڑھ لے۔

احکام شرعیہ کے منسوخ ہونے کی حقیقت دنیا کی حکومتیں یا ادارے جو اپنے قوانین میں ترمیم و تنسیخ کرتے رہتے ہیں اس کی بیشتر وجہ تو یہ ہوتی ہے کہ تجربے کے بعد کوئی نئی صورت حال سامنے آتی ہے جو پہلے سے معلوم نہ تھی تو اس صورت حال کے مطابق پہلے حکم کو منسوخ کر کے دوسرا حکم جاری کر دیا جاتا ہے مگر احکام الہیہ جس میں اس کا کوئی تصور و احتمال ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم محیط ازلی اور ابدی سے کوئی چیز باہر نہیں۔ کوئی حکم شرعی جاری ہونے کے بعد لوگوں کے کیا حالات رہیں گے کیا کیا صورتیں پیش آئیں گی حق تعالیٰ کو پہلے ہی سے معلوم ہی سیکر باقضاء حکمت و مصلحت کوئی حکم کچھ عرصہ کے لئے جاری کیا جاتا ہے پہلے ہی سے اسکا ہمیشہ جاری رکھنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ ایک مدت اللہ کے علم میں متعین ہوتی ہے کہ اس مدت تک یہ حکم جاری رہیگا مگر اس مدت کا اظہار مخلوق پر مصلحت نہیں کیا جاتا، الفاظ کے عموم سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حکم غیر موقت اور دائمی ہے عند اللہ جو اس کی مدت مقرر ہے جب وہ مدت ختم ہو کر حکم واپس لیا جاتا ہے تو مخلوق کی نظر میں وہ حکم کی منسوخی ہوتی ہے اور حقیقت میں وہ بیان مدت ہوتا ہے یعنی اس وقت مخلوق پر ظاہر کر دیا جاتا ہے کہ ہم نے یہ حکم ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ صرف اسی مدت کے لئے جاری کیا تھا اب وہ مدت ختم ہو گئی حکم باقی نہیں رہا۔

قرآن کریم میں بہت سی آیات کے منسوخ ہونے پر جو عامیانہ شبہ کیا جاتا ہے اس تقریر سے وہ شبہ رفع ہو گیا، کیا نماز تہجد خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت کے بعد بھی فرض رہی بعض ائمہ تفسیر نے اسی کو اختیار کیا ہے انکا استدلال سورہ بنی اسرائیل کی آیت وَ مِنَ الْبَيْتِ فَتَحَّجَّجْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ سے ہے جس میں نماز تہجد کو خاص آپ کے ذمہ ایک زائد فرض کی حیثیت سے عائد کیا گیا ہے کیونکہ نافلہ کے لغوی معنی زائدہ کے آتے ہیں اور مراد فرض زائدہ ہے مگر جمہور علماء کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ فرضیت اس نماز کی امت اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سے منسوخ ہو گئی البتہ بطور احتیاب اس کی ادائیگی سب کے لئے باقی رہی اور آیت مذکورہ میں نَافِلَةٌ لَّكَ اپنے اصطلاحی معنی میں بحکم نفل ہے پھر اس کی خصوصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو آیتیں لفظ لَک سے مفہوم ہوتی ہے اس کی کیا وجہ ہے یہ پوری تفصیل اور نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہونے کے بعد یہ نماز صرف نفل و مستحب کے درجہ میں رہی یا سنت مؤکدہ کے درجہ میں یہ پوری تحقیق سورۃ بنی اسرائیل کی آیت مذکورہ کے تحت میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے وہاں تہجد کے خاص فضائل اور مسائل کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔

یہ آیت جن کے ذریعہ نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہوئی إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ سے شروع ہو کر فَاَقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ تک آئی ہے یہ آیت شروع سورت کی آیات سے ایک سال یا آٹھ ماہ بعد نازل ہوئی جو سال بھر کے بعد قیام اللیل کی فرضیت منسوخ ہوئی، مسند احمد - مسلم - ابو داؤد - ابن ماجہ و نسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے شروع میں قیام اللیل کو فرض کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ایک سال تک اس کی پابندی کرتے رہے سورت کا آخری حصہ اللہ تعالیٰ نے بارہ مہینے تک آسمان میں روک رکھا سال بھر کے بعد آخری حصہ نازل ہوا جس میں قیام اللیل کی فرضیت منسوخ ہو کر تخفیف ہو گئی اور اسکے بعد قیام اللیل صرف نفل و مستحب گیا (از روح المعانی) پھر ان آیات میں تفسیر حکم کی علت یہ بتلائی ہے کہ عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصَوْا یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ تم اس کا احصاء نہ کر سکو گے۔ احصار کے لفظی معنی شمار کرنے کے ہیں۔ مطلب آیت کا بعض حضرات مفسرین نے یہ قرار دیا ہے کہ قیام اللیل میں اللہ تعالیٰ نے اگرچہ مقدار وقت کی پوری تعیین نہیں فرمائی بلکہ ایک تہائی رات سے دو تہائی رات تک کے درمیان کا وقت مقرر فرمایا تھا مگر صحابہ کرام جب اس نماز میں مشغول ہوتے تو اشتغال نماز کے ساتھ یہ معلوم ہونا دشوار تھا کہ رات آدھی ہوئی یا کم و بیش کیونکہ اوقات معلوم کرنے کے ایسے آلات گھڑیاں وغیرہ اُس زمانے میں موجود نہ تھیں، اور ہوتیں بھی تب بھی شغل نماز کے ساتھ بار بار گھڑیوں کو دیکھتے رہنا ان حضرات کے حالات اور ان کے خشوع و خضوع کے ساتھ آسان نہ تھا، یہ معنی ہوئے لَنْ تُحْصَوْا کے اور بعض حضرات نے یہاں احصاء سے مراد عمل احصاء یعنی اس طویل وقت اور نیند کے وقت کی نماز پر مداومت نہ کر سکرنا مراد لیا ہے۔ لفظ احصاء اس معنی کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں اسماء اللہ الحسنى کے بارے میں آیا من احصاها دخل الجنة، اس میں لفظ احصاء کا مفہوم بہت سے علماء نے عمل احصاء لیا ہے یعنی اسماء اللہیہ کے مقتضی پر پورا عمل ہونا، جیسا کہ معارف القرآن میں آیت وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا کے تحت میں اس کی تفصیل لکھی گئی (پارہ ۳ سورۃ ابراہیم)

فَتَابَ عَلَيْكُمْ، لفظ توبہ کے اصلی معنی رجوع کے ہیں۔ گناہ سے توبہ کو بھی اسی لئے توبہ کہا جاتا ہے

کہ وہ اپنے پچھلے جرم و گناہ سے رجوع ہوتا ہے اس جگہ مراد صرف رجوع ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ حکم قیام اللیل کی فرضیت کا واپس لے لیا، آخر میں فرمایا۔

فَاَقْرِءْ وَاَمَّا تَكْسِرُ مِنَ الْقُرْآنِ، یعنی نماز تہجد جواب بجائے فرض کے مستحب یا سنت باقی رہ گئی ہے اس میں حسب قدر قرآن آسانی سے کوئی شخص پڑھ سکے وہ پڑھ لیا کرے کسی خاص مقدار کی تعیین نہیں ہے اس آیت سے بہت سے مسائل فقہیہ نکلتے ہیں جو فقہ کی کتابوں میں مفصل مذکور ہیں وہاں دیکھا جاسکتا ہے وَاقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَآفِرِضُوا لِلّٰهِ قَرْضًا حَسَنًا، اَقِيْمُوا الصَّلَاةَ میں جمع ہوا مفسرین کے نزدیک نماز فرض مراد ہے اور یہ ظاہر ہے کہ نماز فرض پانچ ہیں جو لیلة المعراج میں فرض ہوئی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام اللیل کی فرضیت جو ایک سال تک جاری رہی تھی اسی عرصہ میں لیلة الاسرار کا واقعہ پیش آیا جس میں پانچ نمازیں فرض کی گئیں اور اس کے بعد آیات مذکورہ کے ذریعہ نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہو گئی اور آخر سورت میں جو اقامت صلوٰۃ کا حکم آیا ہے اس سے مراد پانچ نمازیں فرض ہیں (ابن کثیر - قرطبی - بحر محیط)

اسی طرح اَتُوا الزَّكَاةَ میں زکوٰۃ سے زکوٰۃ فرض مراد ہے مگر مشہور یہ ہے کہ زکوٰۃ بعد ہجرت دوسرے سال میں فرض ہوئی، اور یہ آیت مکی ہے۔ ابتدائے اسلام میں نازل ہوئی ہے اس لئے بعض مفسرین نے خاص اس آیت کو مدنی کہا ہے۔ مگر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ تو مکہ مکرمہ میں اوائل اسلام ہی میں فرض ہو گئی ہو مگر اس کے نصاب اور مقدار واجب کی تفصیلات مدینہ طیبہ میں ہجرت کے دوسرے سال میں بیان کی گئی ہوں، اس طرح آیت کے مکی ہونے کی صورت میں بھی اس کو زکوٰۃ فرض پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ مروج المعانی میں بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور اس کی پوری تحقیق احقر کے رسالہ نظام زکوٰۃ میں تفصیل سے آئی ہے۔

وَآفِرِضُوا لِلّٰهِ قَرْضًا حَسَنًا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کو اس عنوان سے تعبیر کیا کہ گویا یہ خرچ کرنے والا اللہ کو قرض دے رہا ہے اس میں اسکے حال پر لطف و کرم کی طرف اشارہ بھی ہے اور اس کا بیان بھی کہ اللہ تعالیٰ غنی الاغنیاء ہے اُس کو دیا ہوا قرض کبھی مارا نہیں جاسکتا ضرور وصول ہوگا، اور چونکہ زکوٰۃ فرض کا حکم اس سے پہلے آچکا ہے اس لئے اَفِرِضُوا لِلّٰهِ میں جس خیرات اور فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا ذکر ہے اس کو اکثر حضرات نے صدقات نافلہ اور تبرعات پر محمول کیا ہے جیسے اپنے اقارب و اعزاء کو کچھ دینا یا مہمان کی مہمانی پر خرچ کرنا یا علماء و صلحا کی خدمت کرنا وغیرہ اور بعض حضرات نے اس کا مفہوم یہ قرار دیا ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی بہت سے مالی واجبات انسان پر عائد ہوتے ہیں۔ جیسے ماں باپ، بیوی، اولاد کا نفقہ واجبہ یا دوسری واجبات شرعیہ تو اَتُوا الزَّكَاةَ میں اداائے زکوٰۃ کا حکم دینے کے بعد دوسرے واجبات کا ذکر اَفِرِضُوا لِلّٰهِ سے کر دیا گیا۔

وَمَا تَقْدِرُ مَوْارِثُكُمْ مِّنْ خَيْرِ الْآيَةِ ، مَا تَقْدِرُ مَوْارِثُكُمْ كَمَا مَطْلَبُ يَهُدَى كَمَا جَو
 نیک کام اپنی زندگی میں کر گزر وہ بہتر ہے اس سے کہ مرنیکے وقت وصیت کرو اس میں مالی عبادت
 صدقہ خیرات بھی داخل ہے اور نماز روزہ وغیرہ بھی جو کسی کے ذمہ قضا ہو اپنے ہاتھ سے اپنے
 سامنے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اُس سے سبکدوشی بہتر ہے بعد میں تو وارثوں کے اختیار میں بات
 رہتی ہے وہ کریں یا نہ کریں۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے سوال کیا کہ تم میں ایسا کون ہے
 جو اپنے وارث کے مال سے بہ نسبت اپنے مال کے زیادہ محبت رکھتا ہو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم میں کوئی
 بھی ایسا نہیں جو اپنے وارث کے مال کی محبت خود اپنے مال سے زیادہ رکھے۔ آپ نے فرمایا سوچ سمجھ کر
 بات کرو صحابہ نے عرض کیا کہ ہمیں تو اس کے سوا کوئی دوسری صورت معلوم نہیں، آپ نے فرمایا (جب یہ بات
 تو سمجھ لو کہ تمہارا مال وہ ہے جو تم نے اپنے ہاتھ سے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا اور جو رہ گیا وہ تمہارا مال
 نہیں بلکہ تمہارے وارث کا مال ہے) ذکرہ ابن کثیر باسناد ابی یعلیٰ الموصلی ثم قال ورواہ البخاری عن جابر
 حفص بن غیاث الخ

سُورَةُ الْمَزْمَلِ بِحَمْدِ اللَّهِ يَوْمَ الثَّلَاثَاءِ ۲۲ رَجَبِ ۹۱۲ھ

سُورَةُ الْمَدَّثَرِ

سُورَةُ الْمَدَّثَرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتَّةٌ وَخَمْسُونَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعٌ
سورۃ مدثر سکہ میں نازل ہوئی اور انکی چھپن آیتیں ہیں اور اس میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شرع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبِّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝

اے لحاف میں لپٹنے والے کھڑا ہو پھر ڈرنا دے اور اپنے رب کی بڑائی بول اور اپنے کپڑے پاک رکھ

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝ فَإِذَا

اور گندگی سے دور رہ اور ایسا نہ کر کہ احسان کرے اور بدلہ بہت چاہے اور اپنے رب سے اُمید رکھ پھر جب

نُقِرْ فِي النَّاقُورِ ۝ فَذَلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ۝ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ

بجٹنے لگے وہ کھوکھری چیز پھر وہ اُس دن مشکل دن ہے مشکروں پر نہیں

يَسِيرٌ ۝ ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ۝ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا

آسان چھوڑ دے مجھ کو اور اُس کو جس کو میں نے بنایا اٹکا اور دیا میں نے اس کو مال

مَمْدُودًا ۝ وَبَيْنَيْنَ شُهُودًا ۝ وَمَهَّدْتُ لَهُ تَمْهِيدًا ۝ ثُمَّ يَطْمَعُ

بھیلا کر اور بیٹے مجلس میں بیٹھنے والے اور تیاری کر دی اسکے لئے خوب تیاری پھر لالچ رکھتا ہے

أَنْ أَزِيدَ ۝ كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ۝ سَأَرْهُقَهُ صَعُودًا ۝

کہ اور بھی دوں ہرگز نہیں وہ ہے ہماری آیتوں کا مخالف اب اُس سے چڑھواؤں گا بڑی چڑھائی

إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝

اُس نے فکر کیا اور دل میں ٹھہرایا، سو مارا جائیو کیسا ٹھہرایا پھر مارا جائیو کیسا ٹھہرایا

ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ إِنْ

پھر نگاہ کی پھر تیوری چڑھائی اور منہ تھتھایا پھر پیٹھ پھیری اور غور کیا پھر بولا اور

هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ۚ (۲۷) إِنَّ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۚ (۲۸) سَأَصْلِيهِ سَقَرٌ ۚ (۲۹)

کچھ نہیں یہ جادو ہے چلا آتا اور کچھ نہیں یہ کہا ہوا ہے آدمی کا اب اُس کو ڈالوں گا آگ میں

وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرٌ ۚ (۳۰) لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ۚ (۳۱) كَوَاحٍ لِلْبَشَرِ ۚ (۳۲) عَلَيْهَا

اور تو کیا سمجھا کیسی ہے وہ آگ نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے جلا دینے والی ہے آدمیوں کو اُس پر

تِسْعَةَ عَشَرَ ۚ (۳۳) وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً ۚ وَمَا جَعَلْنَا

مقرر ہیں انیس فرشتے اور ہم نے جو رکھے ہیں دوزخ پر داروغہ وہ فرشتے ہی ہیں اور اُن کی جو

عَدَّتْهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَالْيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَ

گنتی رکھی ہے سو جاننے کو مستکروں کے تاکہ یقین کر لیں وہ لوگ جن کو ملی ہے کتاب اور

يَزِدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ

بڑھے ایمانداروں کا ایمان اور دھوکا نہ کھائیں جن کو ملی ہے کتاب اور مسلمان

وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا

اور تاکہ کہیں وہ لوگ کہ جن کے دل میں روگ ہے اور منکر کیا غرض تھی اللہ کو اس مثل

مَثَلًا كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَا يَعْلَمُ

سے یوں بچلاتا ہے اللہ جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے جس کو چاہے اور کوئی نہیں جانتا

جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَى لِلْبَشَرِ ۚ (۳۴) كَلَّا وَالْقَمَرِ ۚ (۳۵) وَاللَّيْلِ

تیرے رب کے لشکر کو مگر خود وہی اور وہ تو سمجھانا ہے لوگوں کے واسطے سچ کہتا ہوں اور قسم ہر چاند کی اور رات کی

إِذَا دُبُرٌ ۚ (۳۶) وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَر ۚ (۳۷) إِنَّهَا لِأَحَدَى الْكُبَرِ ۚ (۳۸) نَذِيرًا

جب پیٹھ پھیرے اور صبح کی جب روشن ہووے وہ ایک ہے بڑی چیزوں میں کی ڈرانے والی ہے

لِلْبَشَرِ ۚ (۳۹) لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ۚ (۴۰) كُلُّ نَفْسٍ بِمَا

لوگوں کو جو کوئی چاہے تم میں سے کہ آگے بڑھے یا پیچھے رہے ہر ایک جی اپنے کئے

كَسَبَتْ رَهِيْنَةً ۚ (۴۱) إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ۚ (۴۲) فِي جَدِّ يَتَسَاءَلُونَ ۚ (۴۳)

کاموں میں پھنسا ہوا ہے مگر داہنی طرف والے باغوں میں ہیں رل کر پوچھتے ہیں

عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۚ (۴۴) مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ ۚ (۴۵) قَالُوا الْمَرْكَ مِنْ الْمُصَلِّينَ ۚ (۴۶)

گنہگاروں کا حال تم کا ہے سے جا پڑے دوزخ میں وہ بولے ہم نہ تھے نماز پڑھتے

وَكَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۚ (۴۷) وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ۚ (۴۸) وَكُنَّا

اور نہ تھے کھانا کھلاتے محتاج کو اور ہم تھے باتوں میں دھنستے دھنسنے والوں کے ساتھ اور ہم تھے

تُكَذِّبُ يَوْمَ الدِّينِ ۝۳۶ حَتَّىٰ أَتٰنَا الْيَقِيْنُ ۝۳۷ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ

جھٹلاتے انصاف کے دن کو یہاں تک کہ آپہنچی ہم پر وہ یقینی بات پھر کام نہ آئے گی انکے سفارش

الشَّفَاعِيْنَ ۝۳۸ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ۝۳۹ كَانَتْهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝۴۰

سفارش کرنے والوں کی پھر کیا ہوا ہے اُن کو کہ نصیحت سے منہ موڑتے ہیں گویا کہ وہ گدھے ہیں بدکنے والے

فَرَسَاتٍ مِّنْ قُسُورٍ ۝۴۱ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُؤْتٰی صُفْحًا

بھاگے ہیں غل بچانے سے بلکہ چاہتا ہے ہر ایک مرد اُن میں کا کہ ملیں اس کو ورق

مُنَشَّرَةٌ ۝۴۲ كَلَّا بَلْ لَا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝۴۳ كَلَّا اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۝۴۴ فَمَنْ

کھلے ہوئے ہرگز نہیں بد وہ ڈرتے نہیں آخرت سے کوئی نہیں یہ تو نصیحت ہے پھر جو کوئی

شَاءَ ذَكَرَهُ ۝۴۵ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰی اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۝۴۶

چاہے اسکو یاد کرے اور وہ یاد بھی کریں کہ چاہے اللہ وہی ہے جس سے ڈرنا چاہیے اور وہی ہے بخشنے کے لائق

التذکرۃ
۱۶

خلاصہ تفسیر

اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھو (یعنی اپنی جگہ سے اٹھو یا یہ کہ مستعد ہو جاؤ) پھر (کافروں کو) ڈراؤ (جو کہ مقتضا منصب نبوت کا ہے اور یہاں تبشیر یعنی جنت کی بشارت کا اسلئے ذکر نہیں فرمایا کہ یہ آیت بالکل ابتدائے نبوت کی ہے اسوقت باستنار ایک دو کے کوئی مسلمان نہیں تھا تو انذار ہی انساب تھا) اور اپنے رب کی بڑائیاں کرو (کہ تبلیغ میں سب سے پہلی چیز توحید ہے) اور (آگے بعض ضروری اعمال و عقائد و اخلاق کی تعلیم ہے جس پر خود بھی عامل رہنا چاہیے کہ تبلیغ کے ساتھ اپنی اصلاح بھی ضروری ہے یعنی ایک تو) اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے (یہ اعمال میں سے ہے اور چونکہ بالکل ابتداء میں نماز نہ تھی اس لئے اسکا حکم نہیں ہوا) اور (دوسرے یہ کہ) بتوں سے الگ رہو (جس طرح کہ اب تک الگ ہو۔ یہ عقائد میں سے ہے یعنی بدستور سابق توحید پر دوام رکھو اور باوجودیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرک میں مبتلا ہونے کا کوئی احتمال نہ تھا پھر بھی یہ حکم اس لئے دیا گیا کہ عقیدہ توحید کی اہمیت معلوم ہو کہ معصوم کو بھی باوجود احتیاج نہ ہونے کے اس کی تعلیم کی جاتی ہے) اور کسی کو اس غرض سے مت دو کہ (دوسرے وقت) زیادہ معاوضہ چاہو (یہ متعلق اخلاق کے ہے اور گواہیوں کے لئے یہ امر جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے جیسا سورہ روم کی آیت وَمَا اَتٰیكُم مِّن رَّبِّاِ الْخِیْطِ کی تفسیر سے معلوم ہو سکتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان چونکہ اعلیٰ و ارفع ہے اس لئے آپ پر اس کو بھی حرام کر دیا گیا کما فی الرحمہ والا صحران النہی للتحریر و انت من خواصہ علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور پھر (انذار و تبلیغ میں جو ایذا ریش آوے اس پر) اپنے رب (کی خوشنودی) کے واسطے صبر کیجئے (یہ خاص اخلاق متعلقہ بالتبلیغ میں سے ہے پس یہ آیتیں جامع ہو گئیں اصلاح اعمال و اخلاق کو اپنے لئے بھی

دوسروں کے لئے بھی) پھر (اس ڈرانے کے بعد جو کوئی ایمان نہ لادے اس کے لئے یہ وعید ہے کہ) جس وقت صور پھونکا جاوے گا سو وہ وقت یعنی وہ دن کافروں پر ایک سخت دن ہوگا جس میں ذرا آسانی نہ ہوگی (آگے بعض خاص کفار کا ذکر ہے یعنی) مجھ کو اور اس شخص کو (اپنے اپنے حال پر) رہنے دو (کہ ہم اس سے نمٹ لیں گے) جس کو میں نے (مال و اولاد سے خالی اور) اکیلا پیدا کیا (جیسا کہ پیدا ہونے کے وقت آدمی کے پاس نہ مال ہوتا ہے اور نہ اولاد، اور مراد اس سے ولید بن مغیرہ ہے جس کا قصہ معارف و مسائل کے تحت آئے گا) اور اس کو کثرت سے مال دیا اور پاس رہنے والے بیٹے (دیئے) اور سب طرح کا سامان اس کے لئے مہیا کر دیا پھر بھی (باوجود اس کے) اس مال و اولاد کا شکر بجا نہ لایا کہ ایمان لے آتا بلکہ اس نعمت وافرہ کو براہ کفران و بی قدری قلیل سمجھ کر) اس بات کی ہوس رکھتا ہے کہ (اس کو) اور زیادہ دلوں ہرگز (وہ زیادہ دینے کے قابل) نہیں (کیونکہ) وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے (اور مخالفت کیساتھ عدم قابلیت ظاہر ہے) (استدراج کا معاملہ اس سے الگ ہے) اس شخص کی نزول آیت کے روز سے ظاہراً بھی ترقی بند ہوگئی چنانچہ پھر نہ کوئی اولاد ہوئی اور نہ کچھ مال بڑھا۔ اور یہ سزا تو دنیا میں ہے اور آخرت میں اس کو عنقریب (یعنی مزید بعد) دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا (حدیث ترمذی میں مرفوعاً ہے کہ صَعُودُ دُوزَخٍ مِنْ اَحَدِ مِجَازِیْنِ سِتْرَیْنِ مِیْنِ اِسْ كِیْ چوٹی پر پہنچے گا پھر وہاں سے گر پڑے گا پھر اسی طرح ہمیشہ چڑھے گا اور گرے گا اور وجہ اس سزا کی وہی عناد ہے جو اوپر مذکور ہوا، اور آگے بھی اس کی کچھ تفصیل ہے وہ یہ کہ) اس شخص نے (اس بات کی) سوچا (کہ قرآن کی شان میں کیا بات تجویز کروں) پھر (سوچ کر) ایک بات تجویز کی (جس کا بیان آگے آتا ہے) سو اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی (اور) پھر (مکرر) اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی (یہ تعجب مکرر اس کی سخت مذمت اور قابل تعجب بات پر ہے یعنی کیسی بے جوڑ بات تجویز کی جس کا احتمال ہی نہیں ہو سکتا) پھر (حاضرین کے چہروں کو) دیکھا (کہ وہ تجویز کی ہوئی بات ان سے کہوں) پھر منہ بنایا (تاکہ دیکھنے والے سمجھیں کہ اس کو قرآن سے بہت کراہت و انقباض ہے) اور زیادہ منہ بنایا پھر منہ پھیرا اور بکتر ظاہر کیا (جیسا عادت ہے کہ جس چیز کو قابل اعراض سمجھتے ہیں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے بھی گردن پھیر لیتے ہیں اور اظہار تنفر کرتے ہیں) پھر بولا کہ بس یہ تو جادو ہے (جو آدمیوں سے) منقول (ہے) بس یہ تو آدمی کا کلام ہے (یہ بیان ہے اس تجویز مذکور کا، مطلب یہ کہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ بشر کا کلام ہے جس کو آپ کسی جادوگر سے نقل کر دیتے ہیں یا آپ خود مصنف ہیں لیکن یہ مضامین مدعیان نبوت سابقین سے منقول ہیں اور اسلوب عبارت فعوذ باللہ آپ کے سحر کا اثر ہے۔ آگے اس عناد کی سزا تفصیلاً فرماتے ہیں جیسا اوپر سَأَرْهَقُهُ صَعُودًا میں اجمالاً فرمایا تھا پس عَنِیْدًا میں جُرْم کا ذکر اور سَأَرْهَقُهُ میں سزا کا ذکر اجمالاً اور اِنَّكَ كَوْنُ عَنِیْدٍ اِیْ کی تفصیل ہے اور سَأَصْلِبُہٗ - سَأَرْهَقُہٗ کی تفصیل ہے یعنی) میں اس کو جلدی دوزخ میں داخل کر دوں گا اور تم کو کچھ خبر ہے کہ دوزخ کیسی چیز ہے (وہ ایسی ہے کہ) نہ تو (داخل ہونے کے بعد داخل ہونے

والے کی کوئی چیز جلانے سے، باقی رہنے دیگی اور نہ (داخل ہونے کے قبل جو کفار اس وقت یا ہر ہونگے نہ انہیں سکے کسی کو بغیر اپنے اندر لئے ہوئے) چھوڑے گی (اور) وہ (جلا کر) بدن کی حیثیت بگاڑ دیگی (اور) اس پر انیس فرشتے (جو اس کے خازن ہیں جنہیں ایک کا نام مالک ہے مقرر) ہونگے (جو کافروں کو انواع انواع عذاب دیں گے۔ حاصل یہ کہ فرشتے جن کی قوت معلوم ہے باوجودیکہ انہیں کا ایک بھی تمام اہل جہنم کی تعذیب کے لئے کافی ہے پھر انیس فرشتوں کے مقرر ہونے سے ظاہر ہے کہ عذاب کا بہت ہی اہتمام ہوگا اور نکتہ خاص انیس کے عدد میں حقیقتہً اللہ ہی کو معلوم ہے لیکن دوسرے حضرات نے جو ذکر کیا ہے ان سب میں اقرب وہ ہے جو اللہ نے اس حقیر کے دل میں افکار فرمایا ہے وہ یہ کہ اصل تعذیب کفار کی عقائد حقہ کی مخالفت پر ہے اور عقائد قطعہ جو عملیات کے متعلق نہیں حسب تفصیل رسالہ فروع الایمان نو ہیں۔ ایمان لانا اللہ تعالیٰ پر، اعتقاد رکھنا کہ عالم حادث ہے، ایمان لانا فرشتوں پر، ایمان لانا اس کی سب کتابوں پر، ایمان لانا پیغمبروں پر، ایمان لانا قیامت کے دن پر، جنت کا یقین کرنا، دوزخ کا یقین کرنا، باقی سب عقائد انہیں کے ملحقات و فروع ہیں۔ اور عقائد قطعہ جو عملیات کے متعلق ہیں دس ہیں۔ پانچ مامورات کے متعلق، یعنی ان کے وجوب کا اعتقاد ضروری ہے۔ وہ پانچ مامورات جو شعار اسلام ہیں یہ ہیں، تلفظ بالشہادتین، اقامت صلوٰۃ، ایتار زکوٰۃ، صوم رمضان، حج بیت اللہ۔ اور پانچ منہیات کے متعلق یعنی ان کی تحریم کا اعتقاد واجب ہے اور وہ پانچ منہیات جو کہ آیت امتحان وغیرہ میں مذکور ہیں یہ ہیں۔ سرقة، زنا، قتل، خصوصاً قتل اولاد، بہتان، عصیان فی المعروف جس میں غیبت و ظلم یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھانا وغیرہ سب آگیا پس یہ سب عقائد ملا کر انیس ہوئے شاید ایک ایک عقیدہ کے مقابلے میں ایک ایک فرشتہ معین ہو اور چونکہ ان سب میں ایک عقیدہ سب سے بڑا ہے یعنی توحید اس لئے ان فرشتوں میں بھی ایک فرشتہ سب سے بڑا مقرر ہوا ہو یعنی مالک واللہ اعلم بکسرارہ) اور (اس آیت کا مضمون سن کر جو کفار نے تسخر کیا جس کا بیان معارف کے تحت میں آئے گا اس پر اگلا مضمون نازل ہوا کہ) ہم نے دوزخ کے کارکن (آدمی نہیں بلکہ) صرف فرشتے بنائے ہیں (جن میں سے ایک ایک فرشتہ میں تمام جن و انس کی برابر قوت ہے کذا فی الذہر فروعاً و لفظہ لھکذا الھم مثل قوۃ الثقلین) اور ہم نے جو ان کی تعداد (ذکر و حکایت میں) صرف ایسی رکھی ہے جو کافروں کی گمراہی کا ذریعہ ہو (مراد اس سے انیس کا عدد ہے) تو اس لئے (کہ یہ نتائج اس پر مرتب ہوں یعنی) تاکہ اہل کتاب (مسننے کیساتھ) یقین کر لیں اور ایمان والوں کا ایمان اور بڑھ جائے اور اہل کتاب اور مومنین شک نہ کریں اور تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں (شک کا) مرض ہے وہ اور کافر لوگ کہنے لگیں کہ اس عجیب مضمون سے اللہ تعالیٰ کا کیا مقصود ہے (اہل کتاب کے یقین کی دو توجیہ ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ ان کی کتاب میں بھی یہ عدد لکھا ہو تو فوراً مان لیں گے اور اگر اب ان کی کتابوں میں یہ عدد نہ ہو تو ممکن ہے کہ کتابوں کے ضائع اور محرف

ہونے سے ضائع ہو گیا ہو اور دوسری تو جیہہ یہ ہو سکتی ہے کہ عدد ان کی کتاب میں نہ ہو لیکن وہ فرشتوں کی قوت کے قائل تھے اور بہت سے امور تو یقیناً ان کی کتابوں میں موجود تھے تو ان کے پاس کوئی بنی انکار کا نہ تھا پس یقین سے مراد عدم انکار و عدم استہزاء ہو گا لیکن ظاہر تو جیہہ اول ہے اور اہل ایمان کے ایمان کی زیادت کی بھی دو تو جیہہ ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ اہل کتاب کے استیقان کو دیکھ کر ان کا ایمان کیفاً قوی ہو جائے کہ آپ باوجود عدم اختلاط اہل کتاب کے وحی سابق کے موافق خبر دیتے ہیں ضرور نبی برحق ہیں۔ دوسری تو جیہہ یہ کہ جب کوئی مضمون نیا نازل ہوتا تھا اس پر ایمان لاتے تھے پس ایک فرد تصدیق کی اور بڑھی، اس سے بحیثیت کمیت ایمان میں زیادتی ہوئی اور یونہی کتاب کو تاکید کے لئے بڑھایا کہ اثبات یقین اور نفی شک دونوں کی تصریح ہو جائے۔ اور مرض میں دو احتمال ہیں ایک تو شک کیونکہ ظہور حق کے بعد بعضے جاحد اور منکر ہوتے ہیں بعضے متردد ہوتے ہیں تو اہل مکہ میں بھی ایسے لوگ ہوں گے دوسرا بمعنی تفاق تو اس میں پیشین گوئی ہوگی کہ مدینہ میں منافق ہونگے اور ان کا یہ قول ہو گا اور مؤمنین اور اہل کتاب کے اثبات و نفی شک کو جدا جدا اس لئے فرمایا کہ اہل کتاب کا یقین و نفی شک لغوی ہے اور مؤمنین کا شرعی، آگے فریقین کے حال پر بطور تفریح کے فرماتے ہیں کہ جس طرح حق تعالیٰ نے ایمان والوں کو اس باب میں خاص ہدایت کی اور کافروں کو اس باب میں خاص گمراہ کیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کر دیتا ہے اور (آگے تہمت ہے مضمون سابق کا کہ جہنم کے خازن فرشتوں کا عدد انیس ایک خاص حکمت کی بنا پر ہے ورنہ تمہارے رب کے (ان) لشکروں (کی یعنی فرشتوں کی تعداد اس کثرت سے ہے کہ اس) کو بجز رب کے کوئی نہیں جانتا) اگر وہ چاہتے تو بے انتہا فرشتوں کو خازن بنا دیتے اور اب بھی گو خازن انیس ہیں مگر ان کے اور اعوان و انصار بہت کثرت سے ہیں چنانچہ حدیث مسلم میں ہے کہ جہنم کو اس حال میں حاضر کیا جائے گا کہ اس کی ستر ہزار باگیں ہونگی اور ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے پکڑے ہونگے) اور (جو اصل مقصود ہے جہنم کا حال بیان کرنے سے وہ عدد کی قلت یا کثرت یا تعین یا انکشاف حکمت تخصیص یا عدم انکشاف پر موقوف نہیں اور وہ اصل مقصود یہ ہے کہ) دوزخ (کا حال بیان کرنا) صرف آدمیوں کی نصیبت کیلئے ہے (تاکہ وہاں کے عذاب کو سن کر ڈریں اور ایمان لادیں اور یہ مقصود کسی خاص خصوصیات پر موقوف نہیں پس مقتضائ عقل کا بھی یہی ہے کہ اصل مقصود کو محفوظ و ملحوظ رکھ کر ان بالائی امور کے درپے نہ ہوں آگے جہنم کی عقوبت کا کسی قدر بیان ہے جس میں ذکر اللہ کے اجمال کی تفصیل ہے پس ارشاد ہے کہ) بالتحقیق قسم ہے چاند کی اور رات کی جب جانے لگے اور صبح کی جب روشن ہو جائے کہ وہ دونوں بڑی بھاری چیز ہیں جو انسان کے لئے بڑا ڈراوا ہے یعنی تم میں جو (خیر کی طرف) آگے بڑھے اس کے لئے بھی یا جو (خیر سے) پیچھے ہٹے اس کے لئے بھی (مطلب یہ کہ جمیع مکلفین کے لئے نذیر ہے اور چونکہ نتائج اس انداز کے قیامت میں ظاہر ہونگے اس لئے قسم ایسی چیزوں کی کھائی گئی جو قیامت کے بہت ہی مناسب ہیں)

چنانچہ قمر کا اول بڑھنا پھر گھٹنا نمونہ اس عالم کے نشوونما اور پھر اضمحلال و فنا کا ہے یہاں تک کہ چاند کے محاق یعنی بے نور ہو جانے کی طرح یہ بھی فانی محض ہو جائے گا، اسی طرح اس عالم دنیا کو اس عالم آخرت کے ساتھ اختصار و اکتشاف حقائق میں ایسی نسبت ہے جیسے رات کو دن کے ساتھ۔ پس اس عالم کا ختم ہو جانا مشابہ رات گزر جانے کے ہے اور اس عالم کا ظہور مشابہ اسفار صبح کے ہے۔ آگے دنیا اور اہل دنیا کے بعض احوال کا بیان ہے یعنی ہر شخص اپنے اعمال (کفریہ) کے بدلہ میں (دوزخ میں) محبوس ہوگا مگر دانے والے (یعنی مومنین جس کی تفصیل سورہ واقعہ میں گزری ہے اور چونکہ یہاں اصحاب الیمین مقابل اصحاب الشمال کے ہے اسلئے مقربین کو بھی شامل ہے حاصل یہ کہ مومنین اس قید سے مستثنیٰ ہیں) کہ وہ ہشتوں میں ہونگے (اور) مجرموں (یعنی کفار کا حال) (خود ان کفار ہی سے) پوچھتے ہوں گے (اور) کیفیت باہمی کلام کی باوجود اس بعد کے جو دوزخ اور جنت میں ہے۔ سورہ اعراف کی آیات وَ نَادَىٰ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ اَصْحَابُ النَّارِ الخ کی تفسیر میں گزری ہے اور یہ سوال زہر و تنبیہ کے لئے ہوگا حاصل یہ کہ مومنین کفار سے پوچھیں گے کہ تم کو دوزخ میں کس بات نے داخل کیا وہ کہیں گے کہ ہم نہ تو نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ غریب کو (جس کا حق واجب تھا) کھانا کھلایا کرتے تھے اور (جو لوگ دین حق کے ابطال کے مشغلہ میں رہتے تھے ان) مشغلہ میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی (اس) مشغلہ (ابطالین) میں رہا کرتے تھے اور قیامت کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے یہاں تک کہ (اسی حالت میں) ہم کو موت آگئی (اور) ہم ان حرکات سے باز نہ آئے یعنی خاتمہ اسی نافرمانی پر ہوا اسوجہ سے ہم دوزخ میں آئے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کفار مکلف بالفروع یعنی نماز روزہ احکام شرعیہ کے مامور ہوں کیونکہ جہنم میں دو چیزیں ہونگی ایک عذاب دوسرا شدت عذاب۔ پس ممکن ہے کہ مجموعہ اعمال مذکورہ سبب ہو مجموعہ عذاب اور شدت عذاب کا اس طرح کہ کفر و شرک تو سبب ہو تعذیب کا اور ترک صلوٰۃ وغیرہ سبب ہو زیادہ تعذیب کا اور کفار کے غیر مکلف بالفروع ہونے کے معنی یہ کہے جائیں گے کہ ان فروع پر نفس تعذیب نہ ہوگی اور زیادہ تعذیب اس لئے ہو سکتی ہے کہ اصول کے ضمن میں فروع بھی تبعاً آہی جاتے ہیں۔ اس لئے ضمناً مکلف ہونا زیادتی غذا کا سبب ہو سکتا ہے) سو (حالات مذکورہ میں) انکو سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دیگی (اور اس عدم نفع کا تحقق عدم شفاعت کے تحقق سے ہوگا یعنی کوئی ان کافروں کی شفاعت ہی نہ کر سکے گا بقولہ تعالیٰ فَتَالْتَمِمْ شَافِعِينَ، آگے ان کے اعراض پر تقریر ہے کہ جب کفر و اعراض کی بدولت ان کی یہ گت بننے والی ہے) تو اُن کو کیا ہوگا کہ اس نصیحت (قرآنی) سے روگردانی کرتے ہیں کہ گویا وہ وحشی گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے جا رہے ہیں (اس تشبیہ میں کئی امر کی رعایت ہے اول تو گدھا بے وقوفی اور حماقت میں مشہور ہے دوسرے اسکو وحشی فرض کیا جس کو گور خر کہتے ہیں کہ وہ جو چیزیں ڈرنے کی نہیں ہوتیں اُن سے بھی بلا وجہ ڈرتا اور بدکتا بھاگتا ہے تیسرے شیر سے اسکا ڈر نافرمانی کیا کہ اس صورت میں ان کا بھاگنا

انتہار درجہ ہوگا، اور اس بھاگنے کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اس قرآن کو بزمِ خودِ حجیت میں کافی نہیں سمجھتے، بلکہ ان میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھلے ہوئے (آسمانی) نوشتے دیئے جائیں (جیسا دُرّ منشور میں قتادہ سے مروی ہے کہ بعضے کفار نے آپ سے کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کا اتباع کریں تو خاص ہمارے نام آسمان سے ایسے نوشتے آئیں جن میں آپ کے اتباع کا حکم لکھا ہو اور وہن القولہ تعالیٰ حتّٰی تَنْزِلَ عَلَيْنَا کِتَابًا نَقْرُوْهُ اور مُنْشَرًّا کا بڑھانا تو ضعیف مقصود کے لئے ہے یعنی جیسے معمولی خط ہوتے ہیں کہ کھولے جاتے ہیں اور پڑھے جاتے ہیں ایسے ہی نوشتے ہمارے پاس آنے چاہئیں، آگے اس بیہودہ درخواست کا رد ہے کہ یہ) ہرگز نہیں (ہو سکتا کیونکہ نہ اس کی ضرورت اور نہ ان لوگوں کو اس کی لیاقت بالخصوص اسوجہ سے کہ اس درخواست کا سبب یہ نہیں ہے کہ دل میں ان کے ارادہ ہو کہ اگر ایسا ہوگا تو اتباع کر لیں گے، بلکہ (سبب یہ ہے کہ) یہ لوگ آخرت (کے عذاب) سے نہیں ڈرتے (اس لئے حق کی طلب نہیں ہے اور یہ درخواستیں محض ضد اور ہٹ دھرمی سے ہیں حتیٰ کہ اگر یہ درخواستیں بالفرض پوری بھی ہو جاویں تب بھی یہ لوگ اتباع نہ کریں) (لَقَوْلُهُ تَعَالٰی وَكُوْنْزِلْنَا عَلَیْكَ کِتَابًا فِی قُرْطَاسٍ فَلْيُسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ لَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ) آگے بطور نتیجہ کے اسکا رد اور اس پر زجر ہے کہ جب اس درخواست کا بیہودہ ہونا ثابت ہو گیا تو یہ) ہرگز نہیں (ہو سکتا بلکہ) یہ قرآن (ہی) نصیحت (کے لئے کافی) ہے، (دوسرے صحیفوں کی حاجت نہیں) سو (اس حالت میں) جسکا جی چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے (اور جسکا جی چاہے نہ کرے جہنم میں جادے ہم کو کوئی ضرورت نہیں کہ مطلوبہ قسم کے نوشتے نازل کریں) اور (قرآن کے تذکرہ یعنی ہدایت ہونے میں اس سے شبہ نہ کیا جادے کہ بعض لوگوں کو اس سے تذکرہ و ہدایت نہیں ہوتی، بات یہ ہے کہ قرآن گو فی نفسہ تذکرہ ہے لیکن) بدوں خدا کے چاہے یہ لوگ نصیحت قبول نہیں کریں گے (اور اس نہ چاہنے میں بعض حکمتیں ہیں لیکن قرآن فی نفسہ تذکرہ ضرور ہے پس اس سے تذکرہ حاصل کرو اور خدا کی اطاعت کرو کیونکہ) وہی ہے جس (کے عذاب) سے ڈرنا چاہیے اور (وہی ہے) جو (بندوں کے گناہ) معاف کرتا ہے (لَقَوْلُهُ تَعَالٰی اِنَّ رَبَّكَ لَسَدِیْمُ الْعِقَابِ وَاِنَّہٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ)

معارف و مسائل

سُورَةُ مَكِّيَّةٌ قرآنِ کریم کی ان سورتوں میں سے ہے جو نزولِ قرآن کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہو اسی لئے بعض حضرات نے اس سورت کو سب سے پہلے نازل ہونیوالی سورت بھی کہا ہے۔ اور روایات صحیحہ معروفہ کی رو سے سب سے پہلے سورہ اقرآ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ پھر کچھ مدت تک نزولِ قرآن کا سلسلہ بند رہا جس کو زمانہ فترت وحی کا کہا جاتا ہے اسی زمانہ فترت کے آخر میں یہ واقعہ پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں کسی جگہ تشریف لیجا رہے تھے اوپر سے کچھ آواز سنی تو اپنے آسمان کی طرف نظر اٹھائی

دیکھا کہ وہ ہی فرشتہ جو غارِ حرا میں سورہ ابراہیم کی آیات لیکر آیا تھا وہ ہی آسمان کے نیچے فضا میں ایک معلق کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کو اس حال میں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہی طبعی رعب ہیبت کی کیفیت طاری ہو گئی جو غارِ حرا میں نزولِ اقدس کے وقت ہوئی تھی سخت سردی اور کپکپی کے احساس سے آپ گھر میں واپس تشریف لے گئے اور فرمایا ذمّلونی ذمّلونی یعنی مجھے ڈھانپو مجھے ڈھانپو۔ آپ کپڑوں میں لپٹ کر لیٹ گئے اس پر سورہ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں کما فی حدیث صحیحین۔ اسی لئے اس سورت میں آپ کو خطاب **يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ** کے الفاظ سے کیا گیا، یہ لفظ دثار سے مشتق ہے جو ان زائد کپڑوں کو کہا جاتا ہے جو آدمی عام لباس کے اوپر کسی سردی وغیرہ کے دفع کرنے کے لئے استعمال کیا کرتا ہے اس لفظ سے خطاب ایک جیسا نہ مشفقانہ خطاب ہے جیسا کہ **هَرَّ مَلٌّ** میں بیان ہو چکا ہے۔ لفظ **هَرَّ مَلٌّ** کے معنی بھی اسی کے قریب ہیں۔ روح المعانی میں جابر بن زید تابعی سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ سورہ مدثر، منزل کے بعد نازل ہوئی ہے اور بعض حضرات نے یہ روایت حضرت ابن عباسؓ سے بھی نقل کی ہے مگر صحیحین کی جو روایت اوپر نقل کی گئی ہے اس میں اس کی تصریح ہے کہ سب سے پہلے سورہ مدثر نازل ہوئی (اور مراد یہ ہے کہ فترت وحی کے بعد سب سے پہلے یہ سورت نازل ہوئی) اگر منزل کا نزول اس سے پہلے ہوا ہوتا تو حضرت جابر ابن عبد اللہؓ راوی حدیث اس کو بیان کرتے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ لفظ **مَزَّلَ** اور **مُدَّثِّر** دونوں تقریباً ہم معنی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک ہی واقعہ میں ان دونوں کا نزول ہو اور وہ واقعہ وہی جبریل امین کو آسمان کے نیچے کرسی پر بیٹھے دیکھنے کا اور آپ کا گھر میں واپس ہو کر کپڑوں میں لپٹ جائیکا ہو جو اوپر مذکور ہوا ہے۔ اس سے کم از کم اتنا تو ثابت ہو جاتا ہے کہ سورہ منزل اور مدثر کی ابتدائی آیتیں فترت وحی کے بعد سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات ہیں ان دونوں میں کون مقدم اور کون مؤخر اس میں روایتیں مختلف ہو گئیں اور سورہ ابراہیم کی ابتدائی آیات کا ان سب سے پہلے نازل ہونا تمام روایا صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ دونوں سورتیں اگرچہ متقارب زمانے میں ایک ہی واقعہ میں نازل ہوئی ہیں مگر فرق دونوں میں یہ ہے کہ سورہ منزل کے شروع میں جو احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے ہیں ان میں اپنی ذاتی شخصی اصلاح سے متعلق ہیں۔ اور سورہ مدثر کے شروع میں جو احکام دیئے گئے ہیں ان کا تعلق زیادہ تر دعوت و تبلیغ اور اصلاحِ خلق سے ہے۔ سورہ مدثر میں سب سے پہلا حکم آپ کو یہ دیا گیا ہے کہ **فَاصْبِرْ** یعنی کھڑے ہو جائیے اسکے معنی حقیقی قیام کے بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ جو کپڑوں میں لپٹ کر لیٹ گئے ہیں اسکو چھوڑ کر کھڑے ہو جائیے اور یہ معنی بھی بعید نہیں کہ قیام سے مراد کام کے لئے مستعد اور تیار ہونا ہو اور مطلب یہ ہو کہ اب آپ ہمت کر کے خلقِ خدا کی اصلاح کی خدمت سنبھال لیں۔ **فَاصْبِرْ** انداز سے مشتق ہے جس کے معنی ڈرانے کے ہیں مگر ایسا ڈرانا جو شفقت و محبت پر مبنی ہوتا ہے جیسے باپ اپنے بچے کو سانپ، بچھو اور آگ سے ڈراتا ہے انبیاء کی یہی شان ہوتی ہے اس لئے ان کا لقب نذیر اور بشیر ہوتا ہے۔ نذیر کے معنی شفقت و ہمدردی کی بنا پر مضر چیزوں سے ڈرانے والا

اور بشیر کے معنی خوش خبری سنانے والا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی دونوں ہی لقب قرآن کریم میں جا بجا مذکور ہیں مگر اس جگہ صرف انذار کے ذکر پر التفاس لئے کیا گیا کہ اس وقت مومن مسلمان تو گئے چنے چنڈ ہی تھے باقی سب مشرکین و کفار تھے جو کسی بشارت کے مستحق نہیں بلکہ ڈرانے ہی کے مستحق تھے۔

دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ **وَرَبِّكَ فَكَبِّرْ** یعنی صرف اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے قول سے بھی، عمل سے بھی، لفظ رب اس جگہ اسلئے اختیار کیا گیا کہ یہ خود علت اس حکم کی ہے کہ جو سارے جہان کا پالنے والا ہے صرف وہی ہر بڑائی اور کبریائی کا مستحق ہے۔ تکبیر کے لفظی معنی اللہ اکبر کہنے کے بھی آتے ہیں جس میں نماز کی تکبیر تحریمہ اور دوسری تکبیرات بھی داخل ہیں اور خارج نماز بھی اذان اقامت وغیرہ کی تکبیر اس میں شامل ہے۔ اس حکم کو نماز کی تکبیر تحریمہ کیساتھ مخصوص قرار دینے کا الفاظ قرآن میں کوئی اشارہ نہیں۔

تیسرا حکم یہ دیا گیا **وَتَبَايَأْكَ فَطَهِّرْ**، ثیاب ثوب کی جمع ہے اس کے اصلی اور حقیقی معنی کپڑے کے ہیں اور مجازی طور پر عمل کو بھی ثوب اور لباس کہا جاتا ہے، قلب اور نفس کو بھی اور خلق اور دین کو بھی۔ انسان کے جسم کو بھی لباس سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کے شواہد قرآن اور محاورات عرب میں بکثرت ہیں۔ اس آیت میں حضرات مفسرین سے بھی معافی منقول ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہ کوئی تضاد اور اختلاف نہیں۔ بطور عموم مجاز کے اگر ان الفاظ سے بھی معنی مراد لئے جاویں تو کوئی بُعد نہیں، اور معنی اس حکم کے یہ ہونگے کہ اپنے کپڑوں اور جسم کو ظاہری ناپاکیوں سے پاک رکھئے قلب اور نفس کو باطل عقاید و خیالات سے اور اخلاقِ رذیلیہ سے پاک رکھئے۔ پانچامہ یا تہبند کو تختوں سے نیچے لٹکانے کی مانعت بھی اس سے مستفاد ہوتی ہے کیونکہ نیچے لٹکے ہوئے کپڑوں کا آلودہ ہو جانا بعید نہیں تو تطہیر ثوب کے حکم میں یہ بھی آگیا کہ کپڑوں کا استعمال اس طرح کرو کہ نجاست سے دور رہیں۔ اور کپڑوں کے پاک رکھنے میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ مال حرام سے نہ بنائے جائیں کسی ایسی وضع و ہیئت کے نہ بنائے جائیں جو شرعاً ممنوع ہیں اور ظاہر آیت سے یہ ہے کہ یہ تطہیر ثوب کا حکم نماز کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام حالات میں عام ہے اسی لئے فقہار نے فرمایا ہے کہ غیر حالت نماز میں بھی بغیر کسی ضرورت کے جسم کو ناپاک کھنا یا ناپاک کپڑے پہننے رکھنا یا ناپاک جگہ میں بیٹھے رہنا جائز نہیں، ضرورت کے اوقات مستثنیٰ ہیں (از مظہری) اللہ تعالیٰ طہارت کو پسند فرماتے ہیں **إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ**۔ اور حدیث میں طہارت کو نصف ایمان قرار دیا ہے اسلئے مسلمان کو ہر حال میں اپنے جسم اور مکان اور لباس کی ظاہری طہارت کا بھی اہتمام رکھنا ضروری ہے اور قلب کی باطنی طہارت کا بھی۔ واللہ اعلم

چوتھا حکم یہ دیا گیا **وَالرَّجُزَ فَاهْبِجْ**، رُجَز بضم الراء کسر ہا دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ ائمہ تفسیر مجاہد، عکرمہ، قتادہ، زہری، ابن زید وغیرہ نے اس جگہ رُجَز کے معنی بتوں کے قرار دیئے ہیں اور حضرت ابن عباس کی ایک روایت میں اس سے مراد ہر گناہ اور معصیت منقول ہے۔ معنی آیت کے یہ ہیں کہ بتوں کو یا گناہ و معصیت کو چھوڑیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے ہی سب کو چھوڑے ہوئے تھے آپ کو اسکا

حکم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آئندہ بھی ان چیزوں سے دور رہیں اور درحقیقت یہ حکم اُمت کے لئے تعلیم ہے جو نایت تاکید کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے دیا گیا ہے تاکہ وہ سمجھیں کہ جب پیغمبر معصوم کو بھی اسکا حکم ہے تو ہمیں اسکا کیسا اہتمام کرنا چاہیے۔

پانچواں حکم وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ، یعنی کسی شخص پر احسان اس نیت سے نہ کیجئے کہ جو کچھ اُس کو دیا ہے اس سے زیادہ وصول ہو جائیگا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کو ہدیہ تحفہ اس نیت سے دینا کہ وہ اس کے معاوضہ میں اس سے زیادہ دیکھا یہ مذموم و مکروہ ہے۔ قرآن کی دوسری آیت سے اگرچہ اسکا جواز عام لوگوں کے لئے معلوم ہوتا ہے مگر وہ بھی کراہت سے خالی نہیں اور شریفانہ اخلاق کے منافی ہے۔ خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو اس کو حرام قرار دیا گیا (قالہ ابن عباسؓ)۔

چھٹا حکم وَلَا تَكْفُرْ، صبر کے نفی معنی اپنے نفس کو روکنے اور قابو میں رکھنے کے ہیں اسلئے صبر کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی پر اپنے نفس کو قائم رکھے اور یہ بھی داخل ہے کہ اللہ کی حرام کی ہونے چیزوں سے نفس کو روکے اور یہ بھی داخل ہے کہ مصائب اور تکلیف میں اپنے اختیار کی حد تک جزع و فزع اور شکایت سے بچے اسلئے یہ حکم ایک جامع حکم ہے جو تقریباً پورے دین کو شامل ہے اس موقع پر اس حکم کی خصوصیت ممکن ہے اسلئے بھی ہو کہ اوپر کی آیات میں آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ عام خلق خدا تعالیٰ کو دین حق کی طرف دعوت دیں کفر و شرک اور معاصی سے روکیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اس کے نتیجہ میں بہت سے لوگ مخالفت و عداوت اور ایذا رسانی پر آمادہ ہو جائیں گے اسلئے داعی حق کو صبر و ضبط کا خوگر ہونا چاہیے۔ یہ چند احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینے کے بعد قیامت اور اُس کے ہولناکیوں کا ذکر ہے۔ ناقور کے معنی صور کے ہیں اور نقص سے مراد صُور میں پھونک مار کر آواز نکالنے کے ہیں۔ اور روز قیامت کا سبھی کفار کے لئے سخت و شدید ہونا بیان فرمانے کے بعد ایک خاص شریر کافر کے حالات اور اس کے عذاب شدید کا بیان ہے۔

ولید بن مغیرہ کی آمدنی | یہ کافر ولید بن مغیرہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مال و دولت اور اولاد فراوانی کے ایک کروڑ گنیاں سالانہ ساتھ دی تھی، بقول ابن عباسؓ اس کی زمین جائداد باغات مکہ سے طائف تک پھیلے ہوئے تھے، اور بقول ثوری اس کی سالانہ آمدنی ایک کروڑ دینار تھی۔ بعض نے اس سے کم بھی بتلایا ہے اتنا سب کے نزدیک مسلم ہے کہ اسکے کھیت اور باغات کی آمدنی اور پیداوار سال بھر سردی گرمی کی ہر موسم میں مسلسل رہتی تھی قرآن کریم میں اسی کو فرمایا ہے وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا۔ اور یہ عرب کا سردار مانا جاتا تھا۔ لوگوں میں اسکا لقب ریحانہ قریش مشہور تھا یہ خود اپنے آپ کو بطور فخر و تکبر کے وحید ابن الوحید، یعنی یکتا کا بیٹا یکتا کہا کرتا تھا کہ نہ قوم میں میری کوئی نظیر ہے نہ میرے باپ مغیرہ کی (قرطبی) مگر اس ظالم نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور قرآن کو کلام الہی یقین کر لینے کے باوجود اُس نے جھوٹی بات

بنائی اور قرآن کو سحر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر کہا۔ اسکا واقعہ تفسیر قرطبی میں یہ بیان کیا ہے کہ جب قرآن کی آیت حمہ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ سے اَلَيْهَ الْمَصِيرُ تک نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاوت کر رہے تھے ولید بن مغیرہ نے یہ قرات سنی تو بیباختہ اسکے کلام الہی ماننے اور یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ، واللہ لقد سمعت منه كلاما ما هو من كلام الانس ولا من كلام الجن وان له لاجلوة وان عليه لطلاوة وان اعلاه لغش وان اسفله لمغدق وانه ليعلم ولا يعطى عليه وما يقول هذا البشر

واللہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کلام سنا ہے جو نہ کسی انسان کا کلام ہو سکتا ہے نہ کسی جن کا اور اس میں بڑی جلالت ہے اور اس پر خاص رونق ہے اسکا اعلیٰ پھل دینے والا اور اسفل پانی جاری کرنا والا ہے وہ بلاشبہ سب سے بالا و بلند ہو کر رہے گا اس پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا یہ بشر کا کلام نہیں ہے۔

عرب کے سب سے بڑے مالدار سردار کا ایسا کہنا تھا کہ پورے قریش میں اسنے ایک زلزلہ ڈال دیا اور وہ سب اسلام و ایمان کی طرف بھٹکنے لگے، قریش کے کافر سرداروں کو فکر ہوئی اور جمع ہو کر مشورہ کرنے لگے۔ ابو جہل نے کہا کہ فکر نہ کرو میں ابھی جاتا ہوں اس کو ٹھیک کر دنگا۔

ابو جہل اور ولید بن مغیرہ کا مکالمہ ابو جہل و ولید بن مغیرہ کے پاس غمگین صورت بنا کر پہنچا (اور قصداً ایسی بات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی جس پر ولید کو غصہ آجاوے) ولید نے اس سے پوچھا کہ کیا بات تم غمگین

حقانیت پر دونوں کا اتفاق نظر آتے ہو۔ ابو جہل نے کہا کہ غمگین کیسے نہ ہوں یہ سارے باہم چندہ کر کے تجھے مال دیتے ہیں کہ تو اب بوڑھا ہو گیا ہے تیری مدد کرنا چاہیے مگر اب ان کو یہ معلوم ہوا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابن ابی قحافہ (ابو بکر رضی اللہ عنہما) کے پاس اسلئے جاتے ہو کہ تمہیں کچھ کھانے پینے کو ملجاوے اور ان کی خوشامدیں انکے کلام کی تحسین و تعریف کرتے ہو (ظاہر یہ ہے کہ قریش کا چندہ کر کے ولید کو مال دینا بھی جھوٹ تھا جو صرف اسکو

غصہ دلانے کے لئے بولا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانے کی چیزیں لینا تو جھوٹ تھا ہی) اس پر ولید بن مغیرہ کے غصہ کی انتہا نہ رہی اور اسکے نتیجے میں اُس پر اپنے تکبر و تعلیٰ کا جنون سوار ہو گیا کہنے لگا کہ میں محمد اور انکے ساتھیوں کے ٹکڑوں کا محتاج ہوں، کیا تم کو میرے مال و ددات کی کثرت معلوم نہیں۔ قسم ہے لات اور

عزریٰ کی (دو بتوں کے نام ہیں) میں اسکا ہرگز محتاج نہیں۔ البتہ تم لوگ جو یہ کہتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجنون ہیں یہ بات ایسی غلط ہے اسکا کوئی یقین نہیں کر سکتا کیا تم میں سے کسی نے اُن کو کوئی مجنونانہ کام کرتے دیکھا ہے ابو جہل نے اقرار کیا کہ لا واللہ یعنی واللہ تم نے کوئی ایسا کام اُن کا نہیں دیکھا، پھر ولید نے کہا تم لوگ انکو شاعر کہتے ہو

کیا تم نے ان کو کبھی شعر کہتے ہوئے سنا ہے (ایسی غلط بات کہنا اپنے آپ کو رسوا کرنا ہے) ابو جہل نے اس پر بھی یہی کہا لا واللہ۔ پھر ولید نے کہا کہ تم لوگ ان کو کذاب کہتے ہو تو بتلاؤ کہ تم نے عمر بھر میں کبھی اُن کی کسی بات کو جھوٹا پایا ہے۔ اس پر بھی ابو جہل کو یہی اقرار کرنا پڑا لا واللہ، پھر ولید نے کہا کہ تم لوگ ان کو کافران کہتے ہو

تو کیا تم نے کبھی ان کے ایسے حالات اور کلمات دیکھے سنے ہیں جو کافرانوں کے ہوا کرتے ہیں۔ ہم کافرانوں کی باتوں

کو اچھی طرح پہچانتے ہیں، اُن کا کلام کہانت نہیں ہو سکتا، اس پر بھی ابو جہل کو یہی اقرار کرنا پڑا لا وَاللّٰہِ اُوپرے قریش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صادق امین کے لقب سے معروف تھے اب ابو جہل اپنے ان سب بہتانوں سے تو دستبردار ہو گیا، فکر یہ پڑی کہ آخر پھر کیا کہہ کر لوگوں کو اسلام سے روکا جائے اس لئے خود ولید ہی کو خطاب کر کے کہا کہ پھر تم ہی بتلاؤ کہ ان کو کیا کہا جائے، اس پر اس نے پہلے تو اپنے دل میں سوچا پھر ابو جہل کی طرف نظر اٹھائی پھر منہ لبورا جس سے نفرت کا اظہار ہو اور آخر میں کہنے لگا کہ ان کو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون، شاعر، کاہن، کذاب تو کچھ نہیں کہا جاسکتا، ہاں ان کو ساحر کہو تو بات چل جائے گی۔ یہ کجبت خوب جانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساحر بھی نہیں اور نہ آپ کے کلام کو ساحروں کا کلام کہا جاسکتا ہے مگر اس نے بات بنائی یہ صورت تجویز کی کہ آپ کے کلام کے آثار بھی ایسے ہوتے ہیں جیسے ساحروں کے کیونکہ جیسے جادوگر اپنے عمل سے میاں بیوی، بھائی بھائی میں تفرقہ اور نفرت ڈالتے تھے (معاذ اللہ) آپ کے کلام کا بھی یہی اثر ہے کہ جو ایمان لے آتا ہے اپنے کافر ماں باپ اور عزیزوں سے متنفر ہو جاتا ہے۔ اس کے اس واقعہ کے آخری اجزاء ہی کو قرآن کریم نے ان آیات میں بیان فرمایا ہے اِنَّہٗ فُکِّرُوْا قَدْ رَہٗ فُقِیْلَ کَیْفَ قَدْ رَہٗ ثُمَّ قُتِلَ کَیْفَ قَدْ رَہٗ ثُمَّ نَظَرَہٗ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَہٗ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَہٗ فَقَالَ اِنْ ہٰذَا اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْتٰہٗ اِنْ ہٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشْرِہٗ اسیں قد تقدیر سے مشتق ہے جس کے لفظی معنی تجویز کرنے کے ہیں۔ مراد اس سے یہ ہے کہ اس کجبت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت و رسالت پر یقین کامل ہو جانے کے باوجود غصہ اور بغیرت سے مغلوب ہو کر مخالفت کرنا تو طے کر لیا مگر صاف جھوٹ بولنے سے پرہیز کرنا چاہتا تھا کہ اپنی رسوائی نہ ہو اس لئے بہت غور فکر کر کے یہ تجویز نکالی کہ ان کو ساحر اس بنا پر کہہ کہ آپ کے کلام اور تلقین سے باپ بیٹے بھائی بھائی میں تفریق ہو جاتی ہے جیسے جادو سے ہوتی ہے اسی تقدیر و تجویز پر حق تعالیٰ نے اس پر مکر لعنت قرآن میں فرمایا فُقِیْلَ کَیْفَ قَدْ رَہٗ ثُمَّ قُتِلَ کَیْفَ قَدْ رَہٗ

جھوٹ سے کفار بھی پرہیز کرتے تھے | غور کیجئے کہ یہ قریشی سردار اور بھی کفار فجار اور طرح طرح کے معاصی و فواحش میں گرفتار تھے مگر جھوٹ ایک ایسا عیب ہے کہ یہ کفار بھی اس سے بھاگتے تھے۔ ابوسفیان کا واقعہ قبل از اسلام جو دربار قیصر روم میں پیش آیا، اُس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں اپنی جان اور اولاد تک کو قربان کرنے کے لئے تیار تھے مگر ایسا جھوٹ بولنے کے لئے تیار نہیں تھے جس سے اُن کو دنیا میں جھوٹا کہا جائے۔ افسوس ہے کہ اس معکوس ترقی کے زمانے میں یہ عیب عیب ہی نہیں رہا بلکہ سب سے بڑا ہنر ہو گیا اور کفار فجار ہی نہیں نیک دیندار مسلمانوں کے دلوں سے بھی اسکی نفرت نکل گئی بے شک ان جھوٹ بولنے اور بولوانے کو فخر کے ساتھ بیان کرتے ہیں (نحوذ باللہ منہ)

اولاد کا اپنے پاس موجود | ولید بن مغیرہ پر اللہ تعالیٰ نے جو دنیا میں انعامات مبذول فرمائے تھے اُن میں ایک ہونا ایک مستقل نعمت ہے یہ بھی فرمایا ہے کہ بَتِّیْنُ شَہُوْدًا یعنی اولاد حاضر و موجود۔ اس سے معلوم ہوا کہ جیسا اولاد کا پیدا ہونا اور اسکا باقی رہنا اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں اسی طرح اولاد کا اپنے پاس حاضر و موجود ہونا

بھی ایک بڑا انعام ہے جو والدین کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک اور قلب کے سکون کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اُن کی حاضری سے اپنی خدمت اور کاروبار میں امداد کا فائدہ مزید براں ہے۔ اس معکوس ترقی نے جو یہ زمانہ کر رہا ہے صرف سونے چاندی کے سکوں بلکہ ان سکوں کے اقرار ناموں (نوٹوں) کا نام عیش و آرام رکھ لیا ہے جس کے لئے والدین بڑے فخر سے اولاد کو دوسرے ملکوں میں پھینک دیتے ہیں اور اس پر خوش ہوتے ہیں کہ اگرچہ سالہا سال بلکہ عمر بھر اولاد کی صورت بھی نہ دیکھیں مگر اُن کی بڑی تنخواہ اور آمدنی کی خبر ان کے کانوں تک پہنچتی ہے اور یہ اُس خبر کے ذریعہ اپنی برادری میں اپنی برتری ثابت کرتے رہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ آرام و راحت کے مفہوم سے بھی بے خبر ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کو بھلائے کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے کہ وہ خود اپنے آپ کو یعنی اپنے اہلی آرام و راحت کو بھی بھول جائے جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا تَسْأَلُ اللّٰہَ فَاِنَّہٗ لَہُمْ الْفَسَادُ

وَمَا یَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّکَ اِلَّا ہُوَ ائمہ تفسیر میں سے مقاتل نے فرمایا کہ یہ جواب ابو جہل کے کلام کا ہے اسے جب یہ آیت سنی کہ جہنم کے خازن اُنیس فرشتے ہیں تو قریشی جوانوں کو خطاب کر کے کہنے لگا کہ محمد کے ساتھی تو فقط اُنیس ہیں انکی تمہیں کیا فکر ہو سکتی ہے۔ اور یہی سدی سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی علیہا تسعة عشر تو ایک بیہودہ کافر قریش جس کو ابوالاسلین کہا جاتا تھا بول اٹھا کہ اے قوم قریش کچھ فکر نہ کرو۔ ان اُنیس کے لئے تو میں اکیلا کافی ہوں میں اپنے داہنے بازو سے دس کو اور بائیں بازو سے نو کو دفع کر کے ان اُنیس کا خاتمہ کر دوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ احمقو، اول تو فرشتہ ایک بھی سب کے لئے کافی ہے اور اُنیس کا عدد جو یہاں بتلایا گیا ہے یہ اُن فرشتوں کے بڑوں اور ذمہ داروں کا عدد ہے ان میں سے ہر ایک کے ماتحت خدائی خدمات اور کفار و فجار کو عذاب دینے کے لئے لاتعداد فرشتے مقرر ہیں جن کا عدد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا آگے قیامت اور احوال قیامت کا ذکر ہے اس میں فرمایا اِنَّہَا لِاحْدٰی الْکُبْرِ، اٹھارہ کی ضمیر سقر کی طرف راجع ہے جبکہ ذکر اوپر کی آیات میں آیا ہے۔ مگر بعض کاف و فح بار کبریٰ کی جمع ہے یہ صفت ہے داہیت یا مصیبت کی، معنی آیت کے یہ ہوئے کہ یہ سقر یعنی جہنم جس میں ان کو داخل کیا جائے گا بڑی بڑی آفتوں اور مصیبتوں میں سے ایک ہے اس کے علاوہ اور طرح طرح کے عذاب ہیں۔

لِمَنْ شَاءَ مِنْکُمْ اَنْ یَّتَقَدَّمَ اَوْ یَتَاَخَّرَ، یہاں تقدم سے مراد تقدم الی الایمان والطاعة اور تاخر سے مراد ایمان و طاعت سے پیچھے ہٹنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جہنم کے عذاب سے ڈرنا جو اوپر کی آیت میں ہے یہ ہر ایک انسان کے لئے عام ہے پھر کوئی یہ ڈر نہ کر ایمان و طاعت کی طرف پیش قدمی کرتا ہو کوئی بد نصیب اس کے باوجود پیچھے رہ جاتا ہے۔

کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ رَہِیْنَةٌ اِلَّا اَصْحَابَ الْیَمِیْنِ، رَہِیْنَةُ بمعنی مرہونہ ہے اور مراد اس سے اسکا مجبوس و مقید ہونا ہے جس طرح کوئی شخص قرض کے بدلے میں کوئی چیز رہن رکھ دے تو وہ چیز قرض خواہ کے قبضہ میں مجبوس رہتی ہے، مالک اُس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اسی طرح قیامت کے

روز ہر ایک نفس اپنے گناہوں کے بدلے میں مجبوس اور مقید رہے گا مگر اصحاب الیمین اس جس اور قید سے مستثنیٰ ہونگے۔ یہاں جس سے مراد جہنم میں مجبوس ہونا بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ خلاصہ تفسیر مذکور میں لیا گیا ہے تو معنی یہ ہونگے کہ ہر شخص اپنے اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے جہنم میں مجبوس رہے گا مگر اصحاب الیمین اس سے مستثنیٰ ہونگے۔ اس سیاق سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اصحاب الیمین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا قرض ادا کر دیا یعنی اللہ تعالیٰ اور بندوں کے سب حقوق دنیا میں ادا کر دیئے تھے یا اللہ تعالیٰ اور بندوں نے معاف کر دیئے وہ فرض اور قرض سب ادا کر چکے اُن کے نفوس کے مرہون ہونے کی کوئی وجہ نہیں، یہ تفسیر بظاہر صاف و بے تکلف ہے۔ اور اگر جس سے مراد حساب کتاب اور جنت و ترخ کے داخلے سے پہلے کسی جگہ مجبوس ہونا ہے تو اسکا حاصل یہ ہو گا کہ تمام نفوس اپنے اپنے حساب کے لئے مجبوس ہونگے جب تک حساب نہ ہو جائے کوئی کہیں نہ جائے گا۔ اس صورت میں اصحاب الیمین جو مستثنیٰ کئے گئے اُن سے مراد یا تو وہ معصومین ہو سکتے ہیں جن کے ذمہ حساب نہیں، جیسے نابالغ بچے، کما ہو قول علی کرم اللہ وجہہ یا پھر وہ لوگ جن کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ اس اُمت کے بہت سے لوگ حساب سے مستثنیٰ کر دیئے جا دیں گے وہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونگے۔ اور سورہ واقعہ میں جو حاضرین محشر کی تین قسمیں بتلائی ہیں۔ ایک سابقین و مقربین، دوسرے اصحاب الیمین، تیسرے اصحاب الشمال۔ یہاں مقربین کو بھی اصحاب الیمین میں شامل کر کے صرف اصحاب الیمین کے ذکر پر اکتفا کیا گیا لیکن اس معنی کے اعتبار سے تمام اصحاب الیمین کا حساب کے لئے مجبوس ہونے سے استثناء کسی نص سے ثابت نہیں یہی پہلی تفسیر معنی جس فی جہنم ہی کے ساتھ درست ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ، تَنْفَعُهُمْ کی ضمیر اُن مجرمین کی طرف راجع ہے جن کا ذکر اس سے پہلی آیت میں آیا ہے کہ انہوں نے اپنے چار جرائم کا اعتراف کیا، ایک یہ کہ وہ نماز نہیں پڑھتے تھے دوسرے یہ کہ وہ کسی سکین غریب کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ مراد یہ ہے کہ غریبوں کی ضروریات پر فرج نہیں کرتے تھے، تیسرے یہ کہ اہل باطل جو اسلام و ایمان کے خلاف باتیں کرتے یا معاصی و فواحش میں مبتلا ہوتے ہیں یہ بھی انکے ساتھ لگے رہتے تھے اُن سے بیزاری کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ چوتھے یہ کہ قیامت کا انکار کرتے تھے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ ایسے مجرم جو ان سب گناہوں کے مرتکب ہوں جن میں قیامت کی تکذیب بھی داخل ہے جو عین کفر ہے ایسے مجرموں کے لئے کسی کی شفاعت نافع نہ ہوگی، کیونکہ یہ کفار ہیں کسی کافر کی شفاعت کرنے کی بھی کسی کو اجازت نہیں ہوگی اور اگر کوئی کرے تو قبول نہیں ہوگی خواہ سارے شفاعت کرنے والے جمع ہو کر شفاعت کا زور لگائیں ہرگز نفع نہیں دیگی اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے شفاعۃ الشافعیین بصیغہ جمع لایا گیا ہے۔

کافر کے لئے کسی کی شفاعت | اس آیت سے یہ بھی استفاد ہوتا ہو کہ کفار کے علاوہ مسلمانوں کے لئے اگرچہ وہ گنہگار نافع نہیں مومن کے لئے نافع ہوگی | ہوں شفاعت نفع دے گی جیسا کہ بہت سی احادیث صحیحہ میں انبیاء علیہم السلام

اور اولیاء صلحاء بلکہ عام مؤمنین کا دوسروں کی شفاعت کرنا اور قبول ہونا ثابت ہے۔

فائدہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ آخرت میں اللہ کے فرشتے اور انبیاء اور شہداء و صالحین گناہگاروں کی شفاعت کریں گے اور وہ ان کی شفاعت سے جہنم سے نکال لئے جاویں گے بجز ان چار قسم کے مجرمین کے جن کا ذکر اوپر آیا ہے یعنی جو نماز و زکوٰۃ کے تارک ہیں اور جو اہل باطل کفار کی خلاف اسلام باتوں میں شریک رہتے ہیں اور جو قیامت کا انکار کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بے نماز اور تارک زکوٰۃ کے لئے شفاعت قبول نہیں ہوگی۔ مگر دوسری روایات سے صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں جن لوگوں کی شفاعت قبول نہ ہونا مذکور ہے وہ مراد ہیں جو ان چاروں جرائم کے مجرم ہوں جن میں تکذیب قیامت بھی داخل ہے۔ تکذیب کے علاوہ الگ الگ دوسرے جرم کرنے والے کی یہ سزا ہونا ضروری نہیں مگر بعض روایات حدیث میں خاص خاص گناہوں کے مرتکب کے متعلق بھی یہ آیا ہے کہ وہ شفاعت سے محروم رہے گا جیسے حدیث میں کہ جو شخص شفاعت کے حق ہونے ہی کا منکر ہو یا حوض کوثر کے وجود کا منکر ہو اس کا شفاعت اور حوض کوثر میں کوئی حصہ نہیں۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكُرَةِ مُعْوِضِينَ، یہاں تذکرہ سے مراد قرآن حکیم ہے کیونکہ تذکرہ کے لفظی معنی یاد دلانے والی چیز کے ہیں اور قرآن اللہ تعالیٰ کی صفات کمال اور اُس کی رحمت و غضب اور ثواب و عذاب کو یاد دلانے میں بے نظیر ہے اور آخر میں فرمایا کَلَّا إِنَّكَ تَذْكُرٌ مِّنْهُ، یعنی بلاشبہ قرآن تذکرہ ہے جس کو تم نے چھوڑ رکھا ہے قَسْرَةً کے معنی شیر کے بھی آتے اور تیرا نڈا زشکاری کے بھی اس جگہ صحابہ کرام سے دونوں منقول ہیں۔

هُوَ أَهْلُ الشَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ، اللہ تعالیٰ کا اہل تقویٰ ہونا بایں معنی ہے کہ صرف وہی اس کا مستحق ہے کہ اُس سے ڈرا جائے اور اُس کی نافرمانی سے بچا جائے اور اہل مغفرت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہی ایسی ذات ہے جو بڑے سے بڑے مجرم گناہگار کو اُس کے سب گناہ جب چاہتے ہیں بخش دیتے ہیں اور کسی کا یہ حوصلہ نہیں ہو سکتا۔

تَمَّتْ سُورَةُ الْمَدَّثِ ثَابِتٌ بِحَمْدِ اللَّهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ۲۵ رَجَبِ ۱۳۹۱ھ

سُورَةُ الْقِيَمَةِ

سُورَةُ الْقِيَمَةِ فَكَيِّتٌ وَهِيَ اَرْبَعُونَ بَيِّنٌ وَفِيهَا رُكُوعٌ ۱
سورة قیامت مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

شرع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

لَا اُقْسِرُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۱ وَلَا اُقْسِرُ بِالنَّفْسِ اللّٰوَامَةِ ۲ اَيَحْسَبُ

قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں جی کی کہ جو لامتناہی ہے اور کیا خیال رکھتا ہے

الْاِنْسَانُ اَلَنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ ۳ بَلَىٰ قَدَرِیْنِ عَلٰی اَنْ تُسَوِّیَ

آدمی کہ جمع نہ کریں گے ہم اس کی ہڈیاں کیوں نہیں ہم ٹھیک کر سکتے ہیں اس کی

بَنَانَهُ ۴ بَلٰی یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِفَجْرِ اَمَامَةٍ ۵ یَسْئَلُ اَیَّانَ یَوْمٍ

پوریان بلکہ چاہتا ہے آدمی کہ ڈھٹائی کرے اس کے سامنے پوچھتا ہے کب ہوگا دن

الْقِيَمَةِ ۶ فَاِذَا بَرَقَ الْبَصَرُ ۷ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۸ وَجُمِعَ الشَّمْسُ

قیامت کا پھر جب چنڈھیانے لگے آنکھ اور کہ جائے چاند اور اکٹھے ہوں سورج

وَالْقَمَرُ ۹ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَیْذٍ اَیْنَ الْمَقَرُّ ۱۰ کَلَّا لَا وَزَرَ ۱۱

اور چاند کہے گا آدمی اس دن کہاں چلا جاؤں بھاگ کر کوئی نہیں کہیں نہیں ہے بجاؤ

اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَیْذٍ الْمُسْتَقَرُّ ۱۲ یُنَبِّئُ الْاِنْسَانُ یَوْمَیْذٍ بِمَا قَدَّمَ

تیرے رب تک ہے اس دن جا ٹھہرنا بتلا دیں گے انسان کو اس دن جو اس نے آگے بھیجا

وَآخِرَ ۱۳ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسٍ بَصِیْرَةٌ ۱۴ وَلَوْ اَلْفِیْ مَعَاذِرَةٍ ۱۵

اور نیچے چھوڑا بلکہ آدمی اپنے واسطے آپ دلیل ہے اور پڑا لاڈالے اپنے بھانے

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۱۶ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهُ وَقُرْاٰنَهٗ ۱۷

نہ چلا تو اس کے پڑھنے پر اپنی زبان تاکہ جلدی اس کو سیکھ لے، وہ تو ہمارا ذمہ ہے اس کو جمع رکھنا تیرے سینہ میں اور پڑھنا تیری زبان سے

فَإِذَا قَرَأْتَهُ فَاسْتَبِعْ قُرْآنَهُ ۚ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۝ ۱۹ ۚ كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ

پھر جب ہم پڑھنے لگیں فرشتہ کی زبانی تو ساتھ رہ اس کے پڑھنے کے، پھر مقرر ہمارا ذمہ ہے اس کو کھول کر بتلانا، کوئی نہیں یہ تم چاہتے ہو

الْعَاجِلَةَ ۝ ۲۰ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ۝ ۲۱ ۚ وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ ۲۲ إِلَىٰ

جو جلد آئے اور چھوڑتے ہو جو دیر میں آئے کتنے منہ اُسدن تازہ ہیں اپنے

رَبِّهَا نَاضِرَةٌ ۝ ۲۳ ۚ وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ۝ ۲۴ ۚ تَظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ

رب کی طرف دیکھنے والے اور کتنے منہ اُس دن اُداس ہیں خیال کرتے ہیں کہ اُن پر

بِهَا فَاقِرَةٌ ۝ ۲۵ ۚ كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ الثَّرَاقِي ۝ ۲۶ ۚ وَقِيلَ مِنْ سَكَنَ رَاقٍ ۝ ۲۷

وہ آئے جس سے ٹوٹے کمر ہرگز نہیں جس وقت جان پہنچے ہانس تک اور لوگ کہیں کون ہے جھاڑ نے والا

وَتَظُنُّ أَنَّكَ الْفِرَاقُ ۝ ۲۸ ۚ وَالتَّقَاتِ السَّاقُ بِالْأَسَاقِ ۝ ۲۹ ۚ إِلَىٰ رَبِّكَ

اور وہ سمجھا کہ اب آیا وقت جدائی کا اور پٹ گئی پنڈلی پر پنڈلی تیرے رب کی طرف ہے

يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ۝ ۳۰ ۚ فَلَا صَدَقَ وَلَا صَلَّىٰ ۝ ۳۱ ۚ وَلَكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝ ۳۲

اُس دن کھینچ کر چلا جانا پھرنے یقین لایا اور نہ نماز پڑھی پھر جھٹلایا اور منہ موڑا

ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَمُتَّىٰ ۝ ۳۳ ۚ أُولَىٰ لَكَ فَأُولَىٰ ۝ ۳۴ ۚ ثُمَّ أُولَىٰ لَكَ فَأُولَىٰ ۝ ۳۵

پھر گیا اپنے گھر کو اکڑتا ہوا خرابی تیری خرابی پر خرابی تیری پھر خرابی تیری خرابی پر خرابی تیری

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى ۝ ۳۶ ۚ أَلَمْ يَكُنْ نَطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ يُُمْتَّىٰ ۝ ۳۷

کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ چھوٹا رہے گا بے قید بھلا نہ تھا وہ ایک بوند منی کی جو ٹپکی

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَتُهُ فَخْلَقَ فَسَوَّىٰ ۝ ۳۸ ۚ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ

پھر تھا لہو جا ہوا پھر اُس نے بنایا اور ٹھیک کر اٹھایا پھر کیا اس میں جوڑا کر

وَالْأُنثَىٰ ۝ ۳۹ ۚ أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَدِرٍ عَلَيَّ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ ۝ ۴۰

اور مادہ کیا یہ (خدا) زندہ نہیں کر سکتا مردوں کو

خلاصہ تفسیر

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں ایسے نفس کی جو اپنے اوپر ملامت کرے (یعنی نیکی کر کے یہ کہے کہ میں نے کیا کیا ہے اس میں اخلاص نہ تھا، اس میں فلاں فی خرابی رہ گئی تھی اور گناہ ہو جاوے تو بہت ہی نادام ہو۔ کذا فی الدر المنثور عن ابن عباس والحسن۔ پس اس معنی کے اعتبار سے یہ نفس مطمئنہ کو بھی شامل ہے اور جواب قسم مخدوف ہے یعنی تم ضرور مبعوث ہو گے، اور ان دونوں قسموں کا مناسب مقام ہونا ظاہر ہے قیامت تو اس لئے کہ وہ طرف ہے حشر و نشر کا اور نفس لوامہ کا اس لئے کہ ایسا نفس قیامت کی عملی تصدیق کرنے والا ہوتا ہے۔ آگے

منکرین بعث پر رد ہے یعنی) کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے (انسان سے مراد کافر اور ہڈیوں کی تخصیص اس لئے کہ اصل عمارت بدن یہی ہیں۔ آگے اس انکار کا جواب ہے یعنی) ہم ضرور جمع کریں گے (اور یہ جمع کرنا ہم کو کچھ دشوار نہیں) کیونکہ ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کی پوریوں تک درست کر دیں (پوریوں کی تخصیص ذکر یہ دو وجہ سے ہے ایک یہ کہ یہ اطراف بدن ہیں اور تکمیل ہر شے کے بننے کی اس کے اطراف پر ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمارے محاورہ میں بھی ایسے موقع پر پڑتے ہیں کہ میرے پور پور میں درد ہے یعنی تمام بدن میں۔ دوسرے یہ کہ پوریوں میں باوجود چھوٹی ہونے کے صنعت کی رعایت زیادہ ہے اور عادتاً یہ زیادہ دشوار ہے پس جو اس پر قادر ہوگا وہ آسان پر بدرجہ اولیٰ قادر ہوگا لیکن بعض آدمی قدرت الہیہ میں غور نہیں کرتا اور قیامت کا قائل نہیں ہوتا) بلکہ (ایسا) بعض آدمی (قیامت کا منکر ہو کر) یوں چاہتا ہے کہ اپنی آئندہ زندگی میں بھی (بے خوف و خطر ہو کر) فسق و فجور کرتا رہے (اس لئے بطور انکار کے) پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئیگا (یعنی چونکہ اپنی تمام عمر معاصی و شہوات میں گزارنا طے کر چکا ہے اس لئے اس کو طلب حق کی نوبت ہی نہیں آتی کہ قیامت کا ہونا کو ثابت ہو اس لئے انکار پر مصر ہے اور انکار اُپوچھتا ہے کہ کب آئے گی) سو جس وقت (مارے حیرت کے) آنکھیں خیرہ ہو جاویں گی (اور وجہ اس حیرت کی یہ ہوگی کہ جن امور کی تکذیب کرتا تھا وہ دفعتاً نظر آجائیں گے کذافی الجلالین) اور چاند بے نور ہو جاوے گا اور (چاند کی کیا تخصیص ہے بلکہ) سورج اور چاند (دونوں) ایک حالت کے ہو جائیں گے (یعنی دونوں بے نور ہو جاویں گے، جیسا حدیث بخاری میں آیا ہے) (تکوران ومعنی کورت قال ابن عباس اظلمت، رواہما فی الدار المنثور سورۃ التکوین) اور چاند کو جدا بیان کرنا شاید اس لئے ہو کہ عرب کو بوجہ قمری حساب رکھنے کے اس کا حال دیکھنے کا زیادہ اہتمام تھا) اس روز انسان کہے گا کہ اب کدھر بھاگوں (ارشاد ہوتا ہے کہ) ہرگز (بھاگنا ممکن) نہیں (ہوگا کیونکہ) کہیں پناہ کی جگہ نہیں (ہوگی) اس دن صرف آپ ہی کے رب کے پاس ٹھکانا (جانے کا) ہے (پھر خواہ جنت میں بھیجیں یا دوزخ میں اور رب کے سامنے جانے کے وقت) اس روز انسان کو اس کا سب اگلا بچھلا کیا ہوا جتلا دیا جائے گا (اور انسان کا اپنے اعمال سے آگاہ ہونا کچھ اس جتلانے پر موقوف نہ ہوگا) بلکہ انسان خود اپنی حالت پر (بوجہ انکشاف ضروری کے) خوب مطلع ہوگا گو (باقضائے طبیعت اس وقت بھی) اپنے حیلے (حوالے) پیش لاوے (جیسے کفار کہیں گے وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ، مگر دل میں خود بھی جانیں گے کہ ہم جھوٹے ہیں غرض انسان اپنے سب حال کو خوب جانتا ہوگا اس لئے جتلانا اعلام کے لئے نہ ہوگا بلکہ تنبیہ و اتمام حجت و قطع جواب کے لئے ہوگا اور) اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) یٰۤاٰیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰیُّہَا الْاِنْسَانُ سے دو مضمون مستفاد ہوئے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کے عالم اور محیط ہیں۔ دوسرا یہ کہ حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ جب حکمت مقتضی ہوتی ہے تو علوم غائبہ کثیرہ کو ذہن مخلوق میں حاضر کر دیتا ہی گو ان علوم غائبہ کا حاضر ہو جانا خلاف عادت طبعی ہو جیسا کہ قیامت میں اس کا وقوع ہوگا جب یہ بات ہے تو آپ نزول وحی کے وقت جیسا کہ اب تک آپ کی عادت ہے اس قدر مشقت نہ سہنتے بھی ہیں، پڑھتے بھی ہیں،

دھیان بھی رکھتے ہیں محض اس احتمال سے کیوں برداشت کرتے ہیں کہ شاید کچھ مضمون میرے ذہن سے نکل جائے، کیونکہ جب ہم نے آپ کو نبی بنایا ہے اور آپ سے تبلیغ کا کام لینا ہے تو یہاں مقتضائے حکمت یہی ہوگا کہ وہ مضامین آپ کے ذہن میں حاضر رکھے جائیں اور ہمارا اس پر قادر ہونا تو ظاہر ہی ہے اسلئے آپ یہ مشقت برداشت نہ کیا کیجئے، اور جب وحی نازل ہوا کرے تو آپ (قبل وحی ختم ہو چکنے کے) قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تاکہ آپ اُس کو جلدی جلدی لیں (کیونکہ) ہمارے ذمہ ہے (آپ کے قلب میں) اُس کا جمع کر دینا اور (آپ کی زبان سے) اسکا پڑھوا دینا (جب یہ ہمارے ذمہ ہے) تو جب ہم اُس کو پڑھنے لگا کریں (یعنی ہمارا فرشتہ پڑھنے لگا کرے) تو آپ (اپنے ذہن سے اور فکر سے ہمہ تن) اُس کے تابع ہو جایا کیجئے (یعنی اُدھر ہی متوجہ ہو جایا کیجئے اور اُس کے دوسرے امور میں مشغول نہ ہوا کیجئے) كَقَوْلِهِ تَعَالَى وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَى إِلَيْكَ وَحْيُهُ (پھر) آپ کی زبان سے لوگوں کے سامنے) اسکا بیان کر دینا (بھی) ہمارے ذمہ ہے (یعنی آپ کو یاد کر دینا اور آپ کی زبان پر جاری کر دینا پھر تبلیغ کے وقت بھی اُسکا یاد رکھنا اور لوگوں کے سامنے پڑھوا دینا یہ سب ہمارے ذمہ ہے اور یہ مضمون استطراداً آگیا تھا۔ آگے پھر غور ہے خطاب منکرین کی طرف یعنی) اے منکر (انسان کا اعمال) مقدمہ و متاخرہ پر مطلع کیا جانا قیامت میں ضرور ہے اور جیسا تم سمجھ رہے ہو کہ قیامت نہ ہوگی) ہرگز ایسا نہیں (اور نہ تمہارے پاس اس نفی کی کوئی دلیل ہے) بلکہ (صرف بات یہ ہے کہ) تم دُنیا سے محبت رکھتے ہو اور (اُس محبت میں نہ ہلک ہو کر) آخرت (سے غافل ہو اور غفلت کے سبب اُس) کو چھوڑ بیٹھے ہو (پس بناؤ تمہاری اس نفی کی محض فاسد ہے سو قیامت ضرور ہوگی اور ہر ایک کو اُس کے اعمال پر مطلع کر کے اُن اعمال کے مناسب جزا ملے گی جس کی تفصیل یہ ہے کہ) بہت سے چہرے تو اس روز بارونق ہونگے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہونگے اور بہت سے چہرے اس روز بدرونق ہونگے (اور وہ لوگ) خیال کر رہے ہونگے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا (یعنی اس کو عذاب شدید ہوگا۔ آگے دُنیا کی محبت پر زمر ہے کہ تم جو دُنیا کو محبوب اور آخرت کو متردک ہونے کے قابل سمجھ رہے ہو) ہرگز ایسا نہیں (کیونکہ دُنیا سے ایک روز مفارقت ہوئی ہوگی اور بالآخر آخرت میں جانا ہے جسکا بیان یہ ہے کہ) جب جان منسلی تک پہنچ جاتی اور (نہایت حسرت سے اُسوقت) کہا جاتا ہے (یعنی تیمار دار کہتے ہیں) کہ (ارے) کوئی جھاڑ (پھونک کر) نے والا بھی ہے (مراد مطلق معارج ہے چونکہ عرب میں جھاڑ پھونک کا زیادہ چرچا تھا اسلئے راقی سے تعبیر کیا) اور (اُسوقت) وہ (مردہ) یقین کر لیتا ہے کہ یہ مفارقت (دُنیا) کا وقت ہے اور (شدت سکرات موت سے) ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ لپٹ جاتی ہے (مراد اس سے ظہور آثار سکرات موت ہے) کچھ تخصیص ساقین کے لپٹ جانے کی نہیں اسکا ذکر تمثیلاً ہے۔ جب یہ حالتیں پیش آتی ہیں تو اسے شخص (اس روز تیرے رب کی طرف جانا ہوتا ہے) (پس ایسی حالت میں حب عاجلہ و ترک آخرت کس درجہ نادانی ہے پھر خدا کے پاس پہنچنے کے بعد اگر وہ کافر ہے) تو اُس کا بُرا حال ہوگا کیونکہ اُس نے نہ تو (خدا و رسول کی) تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی لیکن (خدا و رسول کی) تکذیب کی تھی اور (احکام سے) منہ موڑا تھا پھر (اس پر طرہ

یہ کہ داعی حق سے منہ موڑ کر اس پر افتخار اور ناز کرتا ہوا اپنے گھر چل دیتا تھا (مطلب یہ کہ اول تو کفر و عصیان پھر اس پر ندامت نہیں بلکہ اور الٹا فخر کرتا تھا کہ جیسے اس طرح حق کو زد کیا اور باطل پر جے رہا ہے اور پھر اس کے بعد طلب حق نہیں بلکہ اپنے خدم و خشم میں جا کر اور زیادہ مغرور اور غافل ہو جاتا، آگے اس کافر کی بد حالی کا بیان ہے کہ ایسے شخص سے کہا جاوے گا کہ تیری کمبختی پر کمبختی آنے والی ہے پھر (مکرر سن لے کہ) تیری کمبختی پر کمبختی آنے والی ہے (تکریر مفرد سے مقدار کی زیادتی مستفاد ہوئی اور تکریر مجموع سے کیفیت کی زیادتی، اور چونکہ وقوع جزائے مذکور موقوف ہے دو امر پر، ایک انسان کا مکلف ہونا دوسرے اس کا مکر دوبارہ زندہ ہونا جس کے امکان میں اُن کو کلام تھا اسلئے آگے دونوں مضمون ہیں یعنی) کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جاوے گا۔ (نہ اس پر احکام عائد کئے جاویں گے اور نہ اس سے حساب کتاب ہوگا بلکہ مکلف ہونا بھی یقینی ہے اور اُس پر باز پرس ہونا بھی یقینی، اور یہ جو بعثت کو محال سمجھتا ہے یہ بھی اُس کی حماقت ہے) کیا یہ شخص (ابتداء میں محض) ایک قطرہ مٹی نہ تھا جو (عورت کے رحم میں) ٹپکایا گیا تھا پھر وہ خون کا لوتھڑا ہو گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے (اس کو انسان) بنایا، پھر اعضاء درست کئے پھر اُس (انسان کی) دو قسمیں کر دیں مرد اور عورت (اور یہ تفسیر یہ ہے تو) کیا وہ (خدا جس نے ابتداء میں اپنی قدرت سے یہ سب کچھ کیا) اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ (قیامت میں) مردوں کو زندہ کر دے (حالانکہ دوبارہ پیدا کرنا پہلے پیدا کرنے کی نسبت آسان ہے)

معارف و مسائل

لَا أُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَمَةِ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ یہاں قسم سے پہلے حرف لا زائد ہے۔ جب قسم کسی مخالف کی بات رد کرنے کے لئے کھائی جاتی ہے تو اُس کے شروع میں حرف لا اُس شخص کے خیالِ باطل کی نفی کے لئے زائد استعمال ہوتا ہے اور محاورات عرب میں یہ استعمال معروف و مشہور ہے۔ ہماری زبان میں بھی بعض اوقات کسی قابل تاکید مضمون کے بیان سے پہلے کہا جاتا ہے، نہیں آگے اپنا مقصد بیان کیا جاتا ہے۔ اس سورت میں قیامت و آخرت کے منکروں کو تنبیہ اور اُن کے شکوک و شبہات کا جواب ہے۔ سورت کو اول قیامت پھر نفسِ لوامہ کی قسموں سے شروع فرمایا ہے اور جواب قسم بقرینہ مقام محذوف ہے یعنی قیامت ضرور آکر رہے گی۔ قیامت کی قسم تو اُس کی عظمت کے اثبات کے لئے مناسب مقام ہونا چاہیے۔ اسی طرح نفسِ لوامہ کی قسم میں بھی اسکی عظمت اور قبولیت عند اللہ کا اظہار ہے۔ نفس کے معنی جان یا روح کے معروف ہیں اور لوامہ لوم بفتح اللام سے مشتق ہے جس کے معنی ملامت اور سرزنش کرنے کے ہیں۔ نفسِ لوامہ سے مراد وہ نفس ہے جو خود اپنے اعمال کا محاسبہ کر کے اپنے آپ کو ملامت کرتا رہے یعنی جو گناہ سرزد ہوا یا عمل واجب میں کوتاہی ہوئی اُس پر خود اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے کہ تو نے ایسا کیوں کیا اور اعمال خیر اور حسنات کے متعلق بھی اپنے آپ کو اس پر ملامت کرے کہ اس سے زیادہ نیک کام

کر کے اعلیٰ درجات کیوں نہ حاصل کئے۔ غرض مومن کامل اپنے ہر عمل خیر و شر اور حسنات و سیئات میں اپنے آپ کو ہمیشہ ملامت ہی کرتا ہے۔ گناہ یا واجب میں کوتاہی پر ملامت تو ظاہر ہے حسنات اور نیک کاموں میں ملامت کی وجہ یہ ہے کہ اے نفس تو یہ کی اس سے زیادہ بھی تو کر سکتا تھا اُس زیادتی سے کیوں محروم رہا۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباس اور دوسرے ائمہ تفسیر سے منقول ہے (ابن کثیر وغیرہ) اور اسی مفہوم کی وجہ سے حضرت حسن بصریؒ نے نفسِ لوامہ کی تفسیر نفسِ مومنہ سے کی ہے۔ اور فرمایا کہ اللہ مومن تو ہمیشہ ہر حال میں اپنے نفس کو ملامت ہی کرتا ہے۔ سیئات پر تو ظاہر ہی ہے اپنے حسنات اور نیک کاموں میں بھی وہ بمقابلہ شانِ حق سبحانہ و تعالیٰ کے کمی اور کوتاہی محسوس کرتا ہے کیونکہ حق عبادت کو پورا ادا کرنا تو کسی کے بس میں نہیں اس لئے ادائے حق میں تقصیر اسکے سامنے رہتی ہے اُس پر ملامت کرتا ہے۔

نفسِ لوامہ کی تفسیر | حضرت ابن عباس اور حسن بصری وغیرہ کی اس تفسیر پر نفسِ لوامہ کی قسم کھانا حق تعالیٰ کی طرف سے ایسے نفوسِ مومنہ کے اکرام و شرف کے اظہار کے لئے ہے جو خود اپنے اعمال کا محاسبہ کر کے کوتاہی پر نادم ہوتے اور اپنے کو ملامت کرتے ہیں۔

نفسِ لوامہ اور مطمئنہ | اور نفسِ لوامہ کی اس تفسیر کے مطابق یہ نفسِ مطمئنہ کو بھی شامل ہے لوامہ اور مطمئنہ دونوں نفسِ متقی کے لقب ہیں۔

نفسِ امارہ، لوامہ، مطمئنہ | اور حضراتِ صوفیائے کرام نے اس میں یہ تفصیل کی ہے کہ نفسِ اپنی جبلت و فطرت کے اعتبار سے اقاؤ کا بالسوء ہوتا ہے یعنی انسان کو بُرے کاموں کی طرف بلانے اور اسیں مبتلا کرنے کا داعی ہوتا ہے مگر ایمان اور عملِ صالح اور ریاضت و مجاہدہ سے یہ نفسِ لوامہ نجات پاتا ہے کہ بُرائی اور کوتاہی پر نادم ہونے لگتا ہے مگر بُرائی سے بالکل انقطاع اسکا نہیں ہوتا۔ آگے عملِ صالح میں ترقی اور قربِ حق تعالیٰ کے حصول میں کوشش کرتے کرتے جب اسکا یہ حال ہو جائے کہ شریعت اس کی طبیعت بن جائے اور عہدِ شرع کام سے طبعی نفرت بھی ہونے لگے تو اُس نفس کا لقب مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم

آگے منکرینِ قیامت کے اس عامیانه شبہ کا جواب ہے کہ مرنے کے بعد جب انسان مٹی ہو گیا اُس کی ہڈیاں بھی ریزہ ریزہ ہو کر منتشر ہو گئیں اُن کو دوبارہ کیسے جمع کر کے زندہ کیا جائے گا۔ جس کے جواب میں فرمایا بَلٰی قَدْ رَیٰنَا عَلٰی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنٰنَہٗ، جس کا حاصل یہ ہے کہ تمہیں تو اس پر تعجب ہے کہ میت کے ذرات منتشرہ اور بوسیدہ ہڈیوں کو جمع کیسے کیا جاوے گا اور اُن میں دوبارہ حیات کیسے ڈالی جاوے گی۔ حالانکہ یہ بات پہلے ایک مرتبہ مشاہدہ میں آچکی ہے کہ ہر انسان کا وجود جو دُنیا میں پلتا اور بڑھتا ہے وہ دُنیا بھر کے مختلف ملکوں خطوں کے اجزاء اور ذرات کا مرکب ہوتا ہے تو جس ذاتِ قادر نے پہلی مرتبہ ساری دُنیا میں بکھرے ہوئے ذرات کو ایک انسان کے وجود میں جمع کر دیا تھا اب دوبارہ جمع کر لینا اسکے لئے کیوں مشکل ہوگا، اور جس طرح پہلے اس کے ڈھانچے میں رُوح ڈال کر زندہ کیا تھا دوبارہ ایسا کرنے

میں کیا حیرت کی بات ہے۔

حشر اجساد میں قدرت حق تعالیٰ غور اس پر کرو کہ ایک انسان جس ہیئت و جسامت اور شکل و صورت پر پہلے پیدا کیا گیا تھا قدرت حق دوبارہ بھی اس کے وجود میں اُنہی ساری چیزوں کو بغیر کسی ادنیٰ فرق کے جمع کر دے گی حالانکہ یہ اربوں پدموں انسان ابتداء سے قیامت تک پیدا ہوتے اور فنا ہوتے رہے کس کی مجال ہے کہ ان سب کی شکلوں صورتوں اور قد و قامت کی کیفیتوں کو الگ الگ یاد بھی رکھ سکے اُس جیسا دوبارہ بنانا تو بڑا کام ہے مگر حق تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ ہم صرف اسی پر قادر نہیں ہیں کہ میت کے سارے بڑے بڑے اجزاء و اعضاء کو دوبارہ اُسی طرح بنا دیں بلکہ انسانی وجود کی چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی ہم ٹھیک اُسی طرح کر دیں جس طرح وہ پہلے تھی اس میں بنان یعنی انگلیوں کے پوروں کا خاص ذکر فرمایا کہ وہ سب سے چھوٹے اجزاء ہیں۔ جب ان چھوٹے اجزاء کی دوبارہ ساخت میں فرق نہیں آیا تو بڑے بڑے اعضاء یا تھ پاؤں وغیرہ میں تو کیا فرق ہوتا۔

اور اگر غور کیا جائے تو شاید بنان یعنی انگلیوں کے پوروں کی تخصیص میں اس کی طرف بھی اشارہ ہو کہ حق تعالیٰ نے ایک انسان کو دوسرے انسان سے ممتاز کرنے کے لئے اُس کے سارے ہی بدن میں ایسی خصوصیات رکھی ہیں جن سے وہ پہچانا جاتا ہے اور ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے خصوصاً انسانی چہرہ جو چند اِنچ مربع سے زائد نہیں، اسکے اندر قدرت حق نے ایسے امتیازات رکھے ہیں کہ اربوں پدموں انسانوں میں ایک کا چہرہ بالکل دوسرے کے ساتھ ایسا نہیں ملتا کہ امتیاز باقی نہ رہے۔ انسان کی زبان اور حلقوم بالکل ایک ہی طرح ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے ایسی ممتاز ہے کہ بچے بوڑھے عورت مرد کی آوازیں الگ پہچانی جاتی ہیں اور ہر انسان کی آواز الگ الگ پہچانی جاتی ہے، اُس سے بھی زیادہ حیرت انگیز انسان کے انگوٹھے اور انگلیوں کے پوروں کے ہیں کہ اُن کے اوپر جو نقش و نگار خطوط کے جال کی صورت میں قدرت نے بنائے ہیں وہ کبھی ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ نہیں ملتے، صرف آدھ اِنچ کی جگہ میں ایسے امتیازات کہ اربوں انسانوں میں یہ پوروں مشترک ہونے کے باوجود ایک کے خطوط دوسرے سے نہیں ملتے۔ اور قدیم و جدید ہر زمانے میں نشان انگوٹھے کو ایک امتیازی چیز قرار دیکر عدالتی فیصلے اُس پر ہوتے ہیں، اور فنی تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ بات صرف انگوٹھے ہی میں نہیں ہر انگلی کے پوروں کے خطوط بھی اسی طرح ممتاز ہوتے ہیں۔

یہ سمجھ لینے کے بعد پوروں کے بیان کی تخصیص خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمہیں تو اسی پر تعجب ہے کہ یہ انسان دوبارہ کیسے زندہ ہو گیا ذرا اس سے آگے سوچو اور غور کرو کہ صرف زندہ ہی نہیں ہو گیا بلکہ اپنی سابقہ شکل و صورت اور اسکے ہر امتیازی وصف کیسا تھ زندہ ہوا ہے یہاں تک کہ انگوٹھے اور انگلیوں کے پوروں کے خطوط پہلی پیدائش میں جس طرح تھے اس نشأت ثانیہ میں بھی بالکل وہی ہونگے

فتبارک اللہ احسن الخالقین -

لَيَقْفَرَنَّ أَهْلُهَا ، لفظ امام بفتح الهمزہ سامنے اور مستقبل کے معنے میں ہے اسلئے معنے آیت کے یہ ہونگے کہ کافر اور غافل انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے ان مشاہدات میں غور نہیں کرتا کہ ماضی کے انکار پر تادم ہو کر اپنے مستقبل کو درست کر لے بلکہ مستقبل میں بھی وہ یہی چاہتا رہتا ہے کہ اپنے کفر و شرک اور انکار و تکذیب پر جمار ہے -

فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ، یہ قیامت کے حالات کا بیان ہے بوق بفتح الباء و کسر راء کے معنے آنکھ خیرہ ہو گئی کہ دیکھ نہ سکی - قیامت کے روز سب کی نگاہیں خیرہ ہو جائیں گی ، نگاہ جھا کر کسی چیز کو نہ دیکھ سکیں گی - خسف القمر خسوف سے مشتق ہے جس کے معنے روشنی ختم ہو کر تاریکی ہو جانے کے ہیں - معنے یہ ہیں کہ چاند بے نور ہو جائے گا - آگے وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ میں یہ بتلایا کہ صرف چاند ہی بے نور نہیں ہو گا بلکہ آفتاب بھی بے نور ہو جائے گا جس کے متعلق دنیا کے فلاسفہ کا یہ کہنا ہے کہ اصل روشنی آفتاب میں ہے - چاند کی روشنی بھی آفتاب کی شعاعوں سے استفادہ ہی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے روز یہ چاند اور سورج دونوں ایک ہی حال میں جمع کر دیے جا دیں گے کہ دونوں بے نور ہونگے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ چاند سورج کے جمع ہو جانیکا مطلب یہ ہے کہ اُس روز چاند اور سورج دونوں ایک ہی مطلع سے طلوع ہونگے جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے واللہ اعلم

يُنَبِّئُ الْإِنْسَانَ يَوْمَ مِيلَادِهِ مَا قَدَّمَ وَآخَرَ ، یعنی اُس روز انسان کو بتلادیا جائیگا کہ اُس نے کیا آگے بھیجا کیا پیچھے چھوڑا -

حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو نیک کام اپنی موت سے پہلے کر لیا وہ آگے بھیج دیا ، اور جو نیک یا بد مفید یا مضر کوئی طریقہ کوئی رسم ایسی چھوڑی کہ اسکے بعد لوگ اس پر عمل کریں وہ پیچھے چھوڑا (اسکا ثواب یا عذاب اس کو ملتا رہے گا) اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ مَا قَدَّمَ سے مراد وہ عمل صالح ہے جو اپنی زندگی میں کر گزرا اور مَا آخَرَ سے مراد وہ عمل صالح ہے جس کو کر سکتا تھا مگر نہ کیا اور فرصت ضائع کر دی -

بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَى نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۚ وَكَوَّاٰ لَٰئِي مَعَادٍ ۚ بَصِيرَةٌ ، بصیر اور بصیرۃ کے معنے دیکھنے والے کے بھی آتے ہیں اور بصیرۃ کے معنے حجت کے بھی آتے ہیں جیسے قرآن کریم میں ہے قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِّن رَّبِّكُمْ ، اس میں بصائر بصیرۃ کی جمع ہے اور معنے اسکے حجت کے ہیں اور معاذیر بمعنے عذر کی جمع ہے - معنے آیت کے یہ ہیں کہ اگرچہ عدالت کے ضابطہ کی رُو سے انسان کے سارے اعمال محشر میں اس کو ایک ایک کر کے بتلائے جا دیں گے مگر درحقیقت اس کو اس کی ضرورت نہیں ، کیونکہ وہ اپنے اعمال کو خوب جانتا ہے خود اس کو معلوم ہے کہ اس نے کیا کیا کام کئے - نیز یہ کہ محشر میں تمام اپنے اعمال

نیک و بد کا مشاہدہ بھی اُس کے سامنے ہو جائے گا جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا یعنی جو عمل انہوں نے دنیا میں کیا تھا اُس کو محشر میں حاضر و موجود پائیں گے اور آنکھوں سے دیکھ لیں گے یہاں جو انسان کو اپنے نفس پر بصیرہ فرمایا اسکا یہی حاصل ہے۔

اور اگر بصیرہ کے معنی حجت کے لئے جاویں تو معنی یہ ہیں کہ انسان خود اپنے نفس پر حجت و دلیل ہوگا وہ انکار بھی کریگا تو اس کے اعضاء اقرار کریں گے مگر انسان اپنے جرائم و تقصیرات کو جاننے کے باوجود عذر تراشی نہ چھوڑے گا اپنے کئے کا عذر بیان کرتا ہی رہے گا یہ معنی ہیں وَلَوْ اَلْفَىٰ مَقَادِيرَ كُفٍّ کے۔

یہاں تک قیامت کے احوال اور اہوال کا تذکرہ تھا اور آگے بھی یہی آنے والا ہے۔ درمیان میں چار آیتوں کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص ہدایت دی گئی ہے جو نزول وحی کے وقت نازل شدہ آیات کے متعلق ہے وہ یہ کہ جب جبریل امین قرآن کریم کی کچھ آیات بیکر نازل ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے پڑھنے کے وقت ایک تو یہ فکر ہوتی تھی کہ کہیں اس کے سننے اور پھر اس کے مطابق پڑھنے میں کوئی فرق نہ آجائے۔ دوسری فکر یہ ہوتی تھی کہ کہیں اسکا کوئی حصہ کوئی کلمہ ذہن سے نکل جائے اور بھول جائیں اس لئے آپ کو جبوقت جبریل امین کوئی آیت سناتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ساتھ پڑھتے اور زبان کو جلدی جلدی حرکت دینے لگتے تھے کہ بار بار پڑھ کر اس کو یاد کر لیں، آپ کی اس محنت و مشقت کو دور کرنے کے لئے ان چار آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کے صحیح صحیح پڑھوانے پھر یاد کر دینے اور پھر اس کو مسلمانوں کے سامنے اُسی طرح پیش کر دینے کی ذمہ داری خود لے لی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمادیا کہ آپ اس غرض کے لئے زبان کو جلدی جلدی حرکت دینے کی زحمت نہ اٹھائیں۔ لَا تَجْرُؤْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَتَجَلَّیَ بِهٖ کَاٰیٰہِیْ مُطَلَب ہے پھر فرمایا اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعًا وَقُرْآنًا، یعنی ان تمام آیات کو آپ کے قلب میں جمع کر دینا پھر اُس کو اُسی طرح آپ سے پڑھوا دینا یہ سب ہمارے ذمہ ہے اس لئے آپ اس کی فکر چھوڑ دیں اور فرمایا فَاِذَا قَرَأْتَ فَاتَّبِعْ قُرْآنًا، قرآن اس جگہ بمعنی قرأت ہے معنی یہ ہیں کہ جب ہم یعنی ہماری طرف سے جبریل امین قرآن پڑھیں تو آپ ساتھ ساتھ نہ پڑھا کریں بلکہ ہمارے پڑھنے کے بعد پڑھا کریں اور اسوقت خاموش ہو کر سنا کریں۔ یہاں باتفاق ائمہ اتباع قرآن سے مراد یہ ہے کہ جب جبریل امین پڑھیں تو آپ خاموش رہ کر سُنیں۔

امام کے پیچھے مقتدی کے | حدیث صحیح میں جو یہ آیا ہے کہ امام کو اقتدار اور اتباع ہی کے لئے بنایا گیا ہے قرأت نہ کرنے کی ایک دلیل | اس لئے مقتدیوں کو اسکا اتباع کرنا چاہیئے جب وہ رکوع کرے تو سب مقتدی رکوع کر لیں جب وہ سجدہ میں جائے تو سب سجدہ میں جائیں۔ صحیح مسلم کی روایت میں اسی کیساتھ یہ بھی ارشاد ہے کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہ کر سُنو اِذَا قَرَأَ فَانصِتُوْا، یہ بھی اسکا بیان ہے کہ مقصود امام کا اتباع ہے رکوع سجدے میں تو اتباع امام کی صورت یہ ہے کہ اُس کے ساتھ ساتھ وہ

افعال رکوع سجدے کے ادا کئے جاویں مگر قرارت کا اتباع یہ نہیں کہ ساتھ ساتھ پڑھا جائے بلکہ قرارت کا اتباع یہی ہے کہ جب امام قرارت کرے تو تم خاموش رہ کر سُنو۔ یہی استدلال ہے امام عظیم ابو حنیفہ اور بعض دوسرے ائمہ کا اس معاملے میں کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرارت نہیں کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم

آخر میں فرمایا تَعْلَمُ اَنْ عَلَيْنَا بَيَانُهُ، اسکا مطلب یہ ہے کہ آپ یہ فکر بھی اپنے اوپر نہ رکھیں کہ نازل شدہ آیات کا صحیح مفہوم اور مراد کیا ہے اسکا بتلانا سمجھا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے ہم قرآن کے ہر لفظ اور اُس کی مراد کو آپ پر واضح کر دیں گے۔ ان چار آیتوں میں قرآن اور اُس کی تلاوت وغیرہ کے متعلق احکام بیان کرنے کے بعد آگے پھر قیامت کے احوال و احوال ہی کا بقیہ تذکرہ آتا ہے۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان چار آیتوں کا اگلی پچھلی آیتوں سے ربط اور جوڑ کیا ہے۔ خلاصہ تفسیر مذکور میں اسکا ربط یہ بیان کیا گیا ہے کہ چار آیتوں سے پہلے جو قیامت کے حالات میں اسکا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اتنا وسیع ہے کہ ایک ایک افسانہ کو جس کیفیت جس شکل و صورت میں وہ پہلے تھا اُسی میں دوبارہ پیدا فرما دیں گے یہاں تک کہ اُس کی انگلیوں کے پورے پورے اور اُن پر بنے ہوئے امتیازی خطوط و نشانات کو بھی بالکل پہلے جیسا بنا دیئے اُس میں سرسبز فرق نہ ہوگا یہ جیسا ہو سکتا ہے کہ ذات حق تعالیٰ کا علم بھی بے انتہا ہے اور اسکا احصار اور محفوظ رکھنا بھی بے مثال ہے۔ اس کی مناسبت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان چار آیتوں میں تسلی دی گئی کہ آپ تو بھول بھی سکتے ہیں نقل میں غلطی کا بھی امکان ہو سکتا ہے مگر حق تعالیٰ ان سب سے بالا و برتر ہیں ان چیزوں کی ذمہ داری خود حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی ہے اس لئے آپ قرآن کے کلمات کو محفوظ رکھتے یا اُن کے معانی سمجھنے میں غور کرنے کی زحمت چھوڑ دیں، یہ سب کام حق تعالیٰ خود انجام دیں گے۔ آگے پھر قیامت کے حالات کا بیان ہے۔

وَجُودًا يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلَى رَهْطَانَا ظِرَّةٌ، ناضرة بمعنی تروتازہ یعنی اُس روز کچھ چہرے ہشاش بشاش تروتازہ ہونگے اِلَى رَهْطَانَا ظِرَّةٌ، یعنی یہ چہرے اپنے رب کو دیکھ رہے ہونگے، اس سے ثابت ہوا کہ آخرت میں اہل جنت کو حق تعالیٰ کا دیدار بچشم سرنصب ہوگا اس پر اہل سنت والجماعت اور علمائے فقہاء کا اجماع ہے، صرف معتزلہ اور خوارج منکر ہیں۔ وجہ انکار کی فلسفیانہ شبہات ہیں کہ آنکھ سے دیکھنے کے لئے دیکھنے والے اور جس کو دیکھا جائے اور ان دونوں کے درمیان مسافت کے لئے جو شرائط ہیں خالق و مخلوق کے درمیان اُن کا تحقق نہیں ہو سکتا۔ اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے کہ آخرت میں حق تعالیٰ کی رویت و زیارت ان سب شرائط سے بے نیاز ہوگی نہ کسی جہت اور سمت سے اسکا تعلق ہوگا نہ کسی خاص شکل و صورت اور ہیئت سے۔ ردایات حدیث سے یہ مضمون اور بھی زیادہ وضاحت سے ثابت ہے البتہ اس رویت و زیارت میں اہل جنت کے مختلف درجات ہونگے، بعض کو یہ زیارت ہفتہ وار جمعہ کو حاصل ہوگی بعض کو روزانہ صبح شام اور بعض کے لئے یہ ہر وقت ہر حال میں رہے گی (منظہری)

كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ النَّزَارِقُ ۚ وَقِيلَ مَنْ نَزَارِقُ ۚ وَكَانَ أَنتَ الْفِرَاقُ ۚ وَالتَّقَتِ السَّاقُ ۚ بِالسَّاقِ
إِلَى رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ۚ سابقہ آیات میں قیامت کے حساب کتاب اور اہل جنت و دوزخ کا کچھ
حال بیان فرمانے کے بعد اس آیت میں انسان کو متوجہ کیا گیا کہ اپنی موت کو نہ بھولے موت سے پہلے پہلے ایمان
اور عمل صالح کی طرف آجائے تاکہ آخرت میں نجات ملے۔ آیت مذکورہ میں موت کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا کہ
غفلت شعار انسان بھول میں رہتا ہے یہاں تک کہ موت سر پر آکھڑی ہو اور روح ترقوۃ یعنی گلے کی ہتھیلی میں
آپھنسے اور تیماردار لوگ دوا و علاج سے عاجز ہو کر جھاڑ پھونک کرنے والوں کو تلاش کرنے لگیں اور ایک
پاؤں کی پنڈلی دوسری پر لپٹنے لگے تو یہ وقت اللہ کے پاس جائیکا آگیا۔ اب نہ توبہ قبول ہوتی ہے نہ کوئی عمل
اسلئے عقلمند پر لازم ہے کہ اس وقت سے پہلے اصلاح کی فکر کرے وَالتَّقَتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ میں لفظ تق
کے مشہور معنی پاؤں کی پنڈلی کے ہیں اور پنڈلی کے ایک دوسرے پر لپٹنے کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت
اضطراب اور بے چینی سے ایک پنڈلی دوسری پر مارتا ہے اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اس وقت اگر ایک پاؤں
دوسرے پر رکھا ہوا ہے اور اسکو حرکت دیکر ہٹانا چاہتا ہے تو وہ اسکی قدرت میں نہیں ہوتا (کما قال الشیخ الحسن)
اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہاں دو ساقوں سے مراد دو عالم دنیا و آخرت کے ہیں اور مطلب
آیت کا یہ ہے کہ اس وقت دنیا کا آخری دن اور آخرت کا پہلا دن جمع ہوا ہے اسلئے دوسری مصیبت میں
مگر قنار ہے دنیا سے جدائی کا غم اور آخرت کے معاملے کی فکر۔ واللہ اعلم
أَوَّلَىٰ لَكَ فَأَوَّلَىٰ تَحْرَأَوَّلَىٰ لَكَ فَأَوَّلَىٰ، لفظ اَوَّلَىٰ ذیل کا متغلوب ہے۔ ذیل کے معنی ہلاکت اور
بربادی ہیں یہاں اُس شخص کے لئے جس نے کفر و تکذیب ہی کو اپنا شعار بنائے رکھا اور دنیا کے مال و دولت میں
مست رہا پھر اسی حال پر مر گیا اسکے لئے چار مرتبہ لفظ ہلاکت و بربادی استعمال کیا گیا کہ مرتبے کے وقت پھر مرنے کے
بعد قبر میں پھر حشر و نشر کے وقت پھر جہنم میں داخلے کے وقت یہ مصیبت و بربادی تیرا حصہ ہے۔
أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِقَدْرٍ عَلَىٰ أَنْ يَجْزِيَ الْمَوْتَىٰ، یعنی کیا وہ ذات حق جس کے قبضہ قدرت میں موت و
حیات اور سارا جہان ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ جو شخص سورہ قیامہ کی اس آیت کی تلاوت کرے تو اُس کو یہ کلمات کہنا چاہیے بلی وانا علی ذلک
من الشہدین۔ یعنی بلاشبہ وہ اس پر قادر ہے اور میں بھی ان لوگوں میں داخل ہوں جو اس کی گواہی
دیتے ہیں۔ اس حدیث میں یہی الفاظ سورہ والتین کی آخری آیت أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَاكِمِينَ پڑھنے
کے وقت بھی کہنے کی تعلیم دی گئی ہے اور اسی حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ جو شخص سورہ مرسلات کی اس آیت پر پہنچے
فَيَأَيَّ حَدِيثٍ بَعْدَ كَيْفٍ مَيَّوتٍ تو اس کو امتنا باللہ کہنا چاہیے۔

تَمَّتْ سُورَةُ الْقِيَمَةِ بِحَمْدِ اللَّهِ ۲۷ رَجَبِ ۱۳۹۱ھ

سُورَةُ الدَّهْرِ

سُورَةُ الدَّهْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ أَحَدُكَ وَثَلَاثُونَ آيَةً وَفِيهَا كَوْنُكَ
سورۃ دھر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی اکتیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شرع اللہ کے نام سے جو بجد مہربان نہایت رحم والا ہے

هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا ①

کبھی گزرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں کہ نہ تھا وہ کوئی چیز جو زبان پر آئی

إِنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا ②

ہم نے بنایا آدمی کو ایک دورنگی بوند سے ہم پلٹتے رہے اسکو پھر کر دیا اسکو سننے سننے

بَصِيرًا ③ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ ۖ إِمَّا شَاكِرًا ۖ وَإِمَّا كَفُورًا ④ إِنَّا

والادیکھنے والا ہم نے اسکو سچھائی راہ یا حق ماننا ہے اور یا ناشکری کرتا ہے ہم نے

أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلًا وَأَغْلَاقًا ۖ وَسَعِيرًا ⑤ إِنَّ الْإِبْرَارَ يَشْرَوْنَ

تیار کر رکھی ہیں منکروں کے واسطے زنجیریں اور طوق اور آگ دہکتی البتہ نیک لوگ بیٹے ہیں

مِنْ كَاسٍ كَانَتْ مِرَاجِحًا ۖ كَافُورًا ⑥ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ ⑦

پیالہ جس کی بلوتی ہے کافور ایک چٹمہ ہے جس سے پیتے ہیں بندے اللہ کے

يَفْجَرُونَهَا تَفْجِيرًا ⑧ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ ۖ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ

چلاتے ہیں وہ اُس کی نالیاں پورا کرتے ہیں سنت کو اور ڈرتے ہیں اُس دن سے کہ اس کی بُرائی

مُسْتَطِيرًا ⑨ وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبٍّ ۖ مُسْكِينًا وَيَتِيمًا

پھیل پڑے گی اور کھلاتے ہیں کھانا اُس کی محبت پر محتاج کو اور یتیم کو

وَأَسِيرًا ⑩ إِمَّا نَطْغَمُكُمْ لَوْ جَاءَ اللَّهُ لَا تَرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً ۖ وَ

اور قیدی کو ہم جو تم کو کھلاتے ہیں سو خالص اللہ کی خوشی چاہنے کو نہ تم سے ہم چاہیں بدلہ اور

لَا شُكُورًا ۹ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَتَطِرًا ۱۰ فَوَقَّعْنَاهُمْ

نہ چاہیں شکر گزاری ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے ایک دن اُسی والے کی سختی سے پھر بچالیا ان کو

اللَّهُ شَرَّ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا ۱۱ وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا

اللہ نے بُرائی سے اُس دن کی اور ملا دی ان کو تازگی اور خوش وقتی اور بدلہ دیا ان کو اُن کے صبر پر

جَنَّةً وَحَرِيرًا ۱۲ مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ لَا يَرَوْنَ فِيهَا

باغ اور پوشاک ریشمی تکیہ لگائے بیٹھیں اُس میں تختوں کے اوپر نہیں دیکھتے وہاں

شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا ۱۳ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلُّهَا وَذُلَّتْ قُطُوفُهَا

دھوپ اور نہ بھر اور مجھک رہیں اُن پر اسکی چھائیں اور پت کر رکھے ہیں اسکے پتے

تَنْزِيلًا ۱۴ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِانِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ

لُحَّاكِرَ ۱۵ اور لوگ لئے پھرتے ہیں اُن کے پاس برتن چاندی کے اور آنچورے جو ہورہے ہیں

قَوَارِيرًا ۱۶ قَوَارِيرًا مِّنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ۱۷ وَيُسْقَوْنَ

شیشے کے شیشے ہیں چاندی کے ماپ رکھا ہے اُن کا ماپ اور اُن کو وہاں

فِيهَا كَأَسَاكَانٍ مِّنْ زَاكِيَّاتٍ يُجْبِلَا ۱۸ عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّى سَلْسَبِيلًا ۱۹

پلاتے ہیں پیالے جس کی ملونی ہے سونٹھ ایک چشمہ ہے اسمیں اسکا نام کہتے ہیں سلسبیل

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۲۰ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ

اور پھرتے ہیں انکے پاس لڑکے سدا رہنے والے جب تو اُن کو دیکھے خیال کرے

لَوْ لَوْ أَكْمَلُوا ۲۱ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَرًا رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلَكًا كَبِيرًا ۲۲

کہ موتی ہیں بکھرے ہوئے اور جب تو دیکھے وہاں تو دیکھے نعمت اور سلطنت بڑی

عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ سُنْدُسٌ خُضْرٌ وَاسْتَبْرَقٌ ۲۳ وَحُلُودٌ آسَافٌ ۲۴

اُن پر کی پوشاک اُن کی کپڑے ہیں باریک شیشم کے سبز اور گارے اور اُن کو پہنائے جائیں گے کنگن

فِضَّةً ۲۵ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ۲۶ إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً

چاندی کے اور پلائے اُن کو اُن کا رب شراب جو پاک کرے دل کو یہ ہے تمہارا بدلہ اور

وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُورًا ۲۷ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ۲۸

کمائی تمہاری تمہکانے لگی ہم نے اتارا تجھ پر قرآن سچ سچ اتارنا

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَطِعْ مِنْهُمْ اِشْمًا اَوْ كَفُورًا ۲۹ وَاذْكُرْ اسْمَ

سو تو انتظار کر مایہ اپنے رب کے حکم کا اور کہنا مت مان اُن میں سے کسی گنہگار یا ناشکر کا اور لیتا رہ نام اپنے

رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۚ (۲۵) وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ۚ (۲۶)

رب کا صبح اور شام اور کسی وقت رات کو سجدہ کر اُس کو اور پاکی بول اسکی بڑی رات تک

إِنَّ هُوَ لَآءِ يُخَيِّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ۚ (۲۷)

یہ لوگ چاہتے ہیں جلدی ملنے والے کو اور چھوڑ رکھا ہے اپنے پیچھے ایک بھاری دن کو

نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ ۚ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَلَهُمْ تَبْدِيلًا ۚ (۲۸)

ہم نے اُن کو بنایا اور مضبوط کیا اُن کی جوڑ بندی کو اور جب ہم چاہیں بدل لائیں اُن جیسے لوگ بدل کر

إِنَّ هَذِهِ تَذَكُّرَةٌ ۚ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۚ (۲۹) وَمَا

یہ تو نصیحت ہے پھر جو کوئی چاہے کر رکھے اپنے رب تک راہ اور تم نہیں

تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۚ (۳۰) يَدْخُلُ

چاہو گے مگر جو چاہے اللہ بیشک اللہ ہے سب کچھ جاننے والا، حکمتوں والا داخل کر لے

مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۚ (۳۱)

جس کو چاہے اپنی رحمت میں اور جو گناہگار ہیں تیار ہے ان کے واسطے عذاب دردناک

خلاصہ تفسیر

بیشک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے جس میں وہ کوئی چیز قابل تذکرہ نہ تھا (یعنی انسان نہ تھا بلکہ نطفہ تھا اور اس سے قبل غذا اور اس سے پہلے عناصر کا جزو تھا) ہم نے اس کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا (یعنی مرد اور عورت دونوں کے نطفے سے کیونکہ عورت کی منی بھی اندر ہی اندر عورت کے رحم میں گرتی ہے۔ پھر کبھی فم رحم سے خارج ہو کر ضائع ہو جاتی ہے اور کبھی اندر رہ جاتی ہے اور مخلوط کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ اجزاء مختلفہ سے مرکب ہے چنانچہ ترکیب منی کی اجزاء مختلفہ سے ظاہر ہے غرض ہم نے اس کو ایسے نطفہ سے پیدا کیا) اس طور پر کہ ہم اس کو مکلف بنائیں تو (اسی واسطے) ہم نے اس کو مستند دیکھتا (سمجھتا) بنایا (اور چونکہ محاورہ میں سمیع و بصیر استعمالاً مخصوص ہے عاقل کے ساتھ اسلئے عقل دینے کی جو کہ مدار ہے مکلف ہونے کا تصریح نہیں فرمائی گئی مگر مراد وہ بھی ہے۔ مطلب یہ کہ ہم نے ایسی ہدایات و صفات کے ساتھ پیدا کیا کہ اس میں احکام شرعیہ کا مکلف بننے کی قابلیت ہو، اس کے بعد جب مکلف ہونے کا وقت آگیا تو) ہم نے اس کو (بھلائی برائی پر مطلع کر کے) رستہ بتلایا (یعنی احکام کا مخاطب بنایا پھر) یا تو وہ شکر گزار (اور مؤمن) ہو گیا یا ناشکر (اور کافر) ہو گیا (یعنی جس رستہ پر چلنے کو اس کو کہا تھا جو اس پر چلا وہ مؤمن ہو گیا جو بالکل نہ چلا کافر ہو گیا۔ آگے فریقین کی جزا کا ذکر ہے کہ) ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور آتش سوزاں تیار کر رکھی ہے (اور) جو نیک (لوگ) ہیں وہ ایسے جام شراب سے (شرابیں) پیوں گے

جس میں کافور کی آمیزش ہوگی یعنی ایسے چشمے سے (پیوئیں گے) جس سے خدا کے خاص بندے پیئیں گے اور جس کو وہ (خاص بندے جہاں چاہیں گے) بہا کر لے جائیں گے (اور یہ بہشتیوں کی ایک کرامت ہوگی کہ نہا جنت ان کے تابع ہوگی جیسا کہ درمنثور میں ابن شوزب سے مروی ہے کہ جنتیوں کے ہاتھ میں سونے کی چھڑیاں ہوں گی وہ چھڑیوں سے جس طرف اشارہ کر دیں گے نہریں اُسی طرف چلنے لگیں گی۔ اور یہ کافور دُنیا کا کافور نہیں ہے بلکہ جنت کا کافور ہے جو سپیدی اور خوشکی اور تفریح و تقویتِ دل و دماغ میں اسکا مشارک ہے شراب میں خاص کیفیات حاصل کرنے کے لئے عادت ہے بعض مناسب چیزوں کے ملائے کی پس وہاں اس جام میں کافور ملا یا جاد یگا اور وہ جام شراب ایسے چشمے سے بھرا جاد یگا جس سے مقرب بندے پیوئیں گے تو ظاہر ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کا ہوگا سو اس سے ابرار کی بشارت میں تقویت ہوگئی اور اگر ابرار و عباد اللہ کا مصداق ایک ہو تو دو جگہ بیان کرنے سے جُدا جُدا مقصود ہے ایک جگہ اس کی آمیزش بتلانا ہے دوسری جگہ اسکا کثیر و مسخر ہونا کہ اسبابِ عیش کی کثرت اور تابعِ طبیعت ہونا لذتِ عیش کو بڑھا دیتا ہے۔ آگے ان ابرار کی صفات مذکور ہیں کہ وہ لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں اور (ادا بھی کرتے ہیں خلوص سے کیونکہ وہ) ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی (یعنی کم و بیش سب پر اس کی سختی کا اثر ہوگا مراد قیامت کا دن ہے اللہ تعالیٰ) اور (وہ لوگ ایسے مخلص ہیں کہ عباداتِ مالیہ میں بھی خس میں غالباً اخلاص کم ہوتا ہے کمال درجہ کا اخلاص رکھتے ہیں چنانچہ) وہ لوگ (محض) خدا کی محبت سے غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (قیدی اگر مظلوم ہے کہ ظلماً قید کر لیا گیا تب تو اُس کی اعانت کا مستحق ہونا ظاہر ہے اور اگر ظالم ہے کہ ظلم کی سزا میں قید ہوا ہے تو شدتِ حاجت کے وقت اسکا اطعام بھی مستحق ہے اور وہ لوگ کھانا کھلا کر زبان سے یا دل سے یوں کہتے ہیں کہ) ہم تم کو محض خدا کی رضامندی کیلئے کھانا کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے (اسکا علی) بدلہ چاہیں اور نہ (اسکا قوی) شکریہ (چاہیں اور ہم خدا کی رضامندی کے لئے اس واسطے تم کو کھانا کھلاتے ہیں کہ) ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت اور تلخ دن کا اندیشہ رکھتے ہیں (تو اُمید رکھتے ہیں کہ ان مخلصانہ اعمال کی بدولت اُس دن کی تلخی اور سختی سے محفوظ رہیں اور اس سے معلوم ہوا کہ خوفِ آخرت سے کوئی کام کرنا اخلاص اور ایثارِ مرضاة اللہ کے منافی نہیں) سو اللہ تعالیٰ انکو (اس طاعت و اخلاص کی برکت سے) اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو تازگی اور خوشی عطا فرما دیگا، (یعنی چہروں پر تازگی اور قلوب میں خوشی دیگا) اور ان کی سختی (یعنی استقامت فی الدین) کے بدلہ میں اُن کو جنت اور ریشمی لباس دیگا اس حالت میں کہ وہ وہاں (جنت میں) مسہریوں پر (آرام و عزت سے) تکیہ لگائے ہونگے (اور نہ وہاں تپش (اور گرمی) پادیں گے اور نہ جاڑا (بلکہ فرحتِ بخش معتدل موسم ہوگا) اور یہ حالت ہوگی کہ وہاں کے یعنی جنت کے درختوں کے سائے اُن (بہشتیوں) پر جھکے ہونگے (یعنی قریب ہونگے اور سایہ اسبابِ نعم سے ہے۔ جنت میں آفتاب ماہتاب نہیں ہونگے تو پھر سایہ کا کیا مطلب ہے ہو سکتا ہے کہ

دوسرے اجسام نورانیہ کی روشنی سے سایہ مقصود ہو، اور فائدہ سایہ کا غالباً یہ ہے کہ حالات بدلتے رہیں، ایک حال کتنے بھی آرام و لذت کا ہو آخر کار اُس سے طبیعت اُکتا جاتی ہے، اور اُن کے پیوے اُن کے اختیار میں ہونگے (کہ ہر وقت ہر طرح بلا مشقت لے سکیں گے) اور ان کے پاس (کھانے پینے کی چیزیں پہنچانے کے لئے) چاندی کے برتن لائے جاویں گے اور آبخورے جو شیشے کے ہوں گے (اور) وہ شیشے چاندی کے ہوں گے جن کو بھرنے والوں نے مناسب انداز سے بھرا ہوگا (یعنی اس میں مشروب ایسے انداز سے بھرا ہوگا کہ نہ اس وقت کی خواہش میں کمی رہے اور نہ اس سے بچے کہ دونوں میں بے لطفی ہوتی ہے اور چاندی کے شیشے کے یہ معنی کہ سفیدی تو چاندی جیسی ہوگی اور شفاف شیشہ جیسی اور دنیا کی چاندی میں آر پار نظر نہیں آتا اور شیشے میں یہاں ایسی سفیدی نہیں ہوتی پس یہ ایک عجیب چیز ہوگی) اور وہاں اُن کو (علاوہ جام شراب مذکور بالا کے جس میں کافور کی آمیزش تھی اور بھی) ایسا جام شراب پلایا جاوے گا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی (کہ انتعاش حرارت غریبی اور منہ کا مزہ بدلنے کے لئے شراب میں اس کو بھی ملائے تھے) یعنی ایسے چشے سے جو وہاں ہوگا (اُن کو پلایا جاوے گا) جس کا نام (وہاں) سلسبیل (مشہور) ہوگا (مجموعہ مقام بالا اور مقام ہذا سے معلوم ہوتا ہے کہ چشمہ مذکورہ بالا کی شراب میں آمیزش کافور کی ہوگی اور اس چشمہ مذکورہ مابعد کی شراب میں آمیزش زنجبیل کی ہوگی واللہ اعلم بالسرائرہ) اور ان کے پاس (یہ چیزیں لیکر) ایسے لڑکے آمد و رفت کریں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے (اور وہ اس قدر حسین ہیں کہ) اے مخاطب اگر تو ان کو (چلتے پھرتے) دیکھے تو یوں سمجھے کہ موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں (موتی سے تو تشبیہ صفائی اور اشراق میں اور بکھرے ہوئے کا وصف اُن کے چلنے پھرنے کے لحاظ سے جیسے بکھرے موتی منتشر ہو کر کوئی ادھر جا رہا ہے کوئی اُدھر جا رہا ہے اور یہ اعلیٰ درجہ کی تشبیہ ہے) اور (اُن مذکورہ اسبابِ تنعم میں انحصار نہیں بلکہ وہاں اور بھی ہر سامان اس افراط اور رفعت کیساتھ ہوگا کہ) اے مخاطب اگر تو اس جگہ کو دیکھے تو تجھ کو بڑی نعمت اور بڑی سلطنت دکھلائی دے (اور) اُن جنتیوں پر باریک نشیم کے سینر کپڑے ہونگے اور دبیز نشیم کے کپڑے ہونگے (کیونکہ ہر لباس میں جُدا لطف ہے) اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جاویں گے (اس سورت میں تین جگہ چاندی کے سامان کا ذکر آیا ہے اور دوسری آیات میں سونے کا مگر دونوں میں تعارض نہیں کیونکہ دونوں طرح کا سامان ہوگا اور حکمت اسکی وہی تفسیر اور تغیر طبائع و تنعمات کا ہے اور یہ شبہ کہ مردوں کو زیور میسوب ہے اسلئے مندفع ہے کہ ہر مقام کا مقتضایہ جدا ہے یہاں عیب ہونا وہاں عیب ہونے کو مستلزم نہیں) اور اُن کا رب (جو اُن کو شراب پینے کو دے گا جس کا اوپر ذکر آیا ہے تو وہ مثل شراب دنیا کے ناپاک اور مزیل عقل و موجب خمار نہ ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ) ان کو پاکیزہ شراب پینے کو دے گا (جس میں نہ نجاست ہوگی اور نہ کدورت و نہ اقولہ تعالیٰ لَیْسَ دَاخِلُهَا مِنْ عَمَلِهَا وَ لَا مِنْ زُفُوفٍ اور تین جگہ جو سورت میں ذکر شراب کا آیا ہے ہر جگہ غرض جُدا ہے جیسا تقریر ترجمہ سے واضح ہے پھر اوّل میں یشربون ہے دوسری جگہ یُسْقَوْنَ جو زیادتِ اکرام و اعزاز پر دلالت کرتا ہے

تیسری جگہ سَقَطُوا رُجُومًا میں نہایت ہی تشریف و تکریم ہے پس تکرار کا شائبہ نہ رہا۔ اور ان سب نعمتوں کو دے کر اہل جنت سے مسرت روحانی بڑھانے کے لئے کہا جاوے گا کہ (یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری کوشش (جو دنیا میں کیا کرتے تھے) مقبول ہوئی) (آگے فریقین کی جسزائر کا ذکر کرنے کے بعد بطور تفریع معنوی کے آپ کو تسلی دینے کا بیان ہے۔ یعنی ان مخالفین کی سزا آپ نے سن لی، پس آپ اُن کی مخالفت سے غم نہ کیجئے اور اپنی عبادت اور دعوت و اصلاح کے کام میں لگے رہئے کہ علاوہ طاعت ہونے کے اس میں قلب کی بھی تو تقویت ہے اور بیان اس طاعت کا یہ ہے کہ) ہم نے آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے (تاکہ تھوڑا تھوڑا لوگوں کو پہنچاتے رہیں اور انکو اس سے فائدہ اٹھانے میں آسانی ہو جیسا کہ سورہ اسرار کے آخر میں ہے وَ قُرْآنًا فَارَقْنَاهُ) سو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر (کہ ہمیں) تبلیغ بھی داخل ہے) مستقل رہئے اور اُن میں سے کسی فاسق یا کافر کے کہنے میں نہ آئیے (یعنی یہ جو تبلیغ سے منع کرتے ہیں کما فی الدر المنثور من سورۃ الکافرین، اسکی موافقت نہ کیجئے، مقصود اس سے اظہار اہتمام شان ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کی موافقت کرنے کا کوئی احتمال ہی نہیں تھا یہ تو عبادت معتد یہ کام ہوا) اور (آگے عبادت لازمہ کا امر ہے یعنی) اپنے پروردگار کا صبح و شام نام لیا کیجئے اور کسی قدر رات کے حصے میں بھی اس کو سجدہ کیا کیجئے (یعنی نماز فرض پڑھا کیجئے) اور رات کے بڑے حصے میں اُس کی تسبیح (و تقدیس) کیا کیجئے (مراد اس سے تہجد ہے علاوہ فرائض کے اور آگے تقویت تسلی کے لئے ایک اور مضمون ہے جس میں کفار کی مذمت بھی ہے یعنی ان لوگوں کی مخالفت کی اصل وجہ آپ کے ساتھ یہ ہے کہ) یہ لوگ دُنیا سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے آگے (آنیوالے) ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں (پس حُبِ دُنیا نے اندھا کر رکھا ہے اسلئے حق کہنے سے بغض رکھتے ہیں اور یومِ ثقیل کا ذکر سُکر چونکہ احتمال اُن کے انکار کا تھا اسلئے آگے اُس یومِ ثقیل کے استبعاد کو دفع فرماتے ہیں یعنی) ہم ہی نے اُن کو پیدا کیا اور ہم ہی نے اُن کے جوڑ بند مضبوط کئے اور (نیز) جب ہم چاہیں اُن ہی جیسے لوگ ان کی جگہ بدل دیں (اور امرِ اول تو مشاہد ہے اور دوسرا امر ادنیٰ تنبیہ سے معلوم ہو سکتا ہے پس دونوں اُمروں سے قدرتِ الہیہ ظاہر ہے پھر مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے ہی میں کون بات زیادہ دشوار ہے کہ اس پر قدرت نہ ہو، آگے اُن تمام مضامین سابقہ پر بطور تفریع کے فرماتے ہیں کہ) یہ (سب جو مذکور ہوا کافی) نصیحت ہے سو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کر لے (وقد مرّ فی المرقل) اور (قرآن کے تذکرہ ہونے میں اس سے شبہ نہ کیا جاوے کہ بعض کو اس سے ہدایت نہیں ہوتی، بات یہ ہے کہ قرآن فی نفسہ تذکرہ اور ہدایت کافی ہے لیکن) بدون خدا کے چاہے تم لوگ کوئی بات چاہ نہیں سکتے (اور بعض لوگوں کے لئے خدا کے نہ چاہنے میں بعضی حکمتیں ہوتی ہیں کیونکہ) خدا تعالیٰ بڑا علم والا اور حکمت والا ہے وہ جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور (جس کو چاہے) کفر اور ظلم میں مبتلا رکھتا ہے پھر) ظالموں کے لئے اُس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

معارف و مسائل

سُورَةُ دہر کا نام سُورَةُ انسان اور سُورَةُ الابراہیم بھی ہے (روح) اسمیں تخلیق انسانی کی ابتدا و انتہا اور اعمال پر جزا و سزا قیامت اور جنت و دوزخ کے خاص حالات نہایت بلیغ اور مؤثر انداز میں بیان ہوئے ہیں۔

هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا، حرفِ ہل در اصل استفہام کے لئے آتا ہے اور بعض اوقات کسی بدیہی اور کھلی ہوئی چیز کو بصورت استفہام اس لئے تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ اسکا واضح ہونا اور نوکد ہو جائے کہ جس سے پوچھو گے یہی جوابے یگا، دوسرا احتمال ہی نہیں جیسے کوئی شخص نصف النہار کے وقت کسی سے کہے کہ کیا یہ دن نہیں ہے اس کی صورت تو استفہام کی ہے مگر درحقیقت اُسکے انتہائی واضح ہونیکا بیان ہے۔ اسی لئے ایسے مواقع میں بعض حضرات نے فرمایا کہ اس جگہ حرفِ ہل بمعنی قد ہے جو تحقیق واقع کے لئے بولا جاتا ہے۔ بہر دو صورت مطلب آیت کا یہ ہے کہ انسان پر ایک زمانہ دراز ایسا گزرا ہے کہ دُنیا میں کہیں اسکا نام و نشان یہاں تک کہ ذکر و تذکرہ تک نہ تھا۔ لفظِ حِين تنوین کے ساتھ ذکر کر نیے اسوقت اور زمانے کی درازی کی طرف اشارہ ہے اور اس آیت میں یہ مانہ دراز انسان پر گزرنا بیان فرمایا ہے جس میں اسکا فی الجملہ کسی نہ کسی طرح کا وجود ہونا لازمی ہے عدم محض کے زمانے کو تو انسان پر گزرنا نہیں کہا جاسکتا اس لئے اکثر حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اس زمانہ دراز سے جو انسان پر گزرا وہ زمانہ مراد ہے جو قرارِ حمل کے بعد سے پیدائش تک کا وقت ہے جو عادتہً نو مہینے ہوتے ہیں کہ اسمیں انسان کی تخلیق پر جتنے دُور گزرتے ہیں نطفہ سے لیکر جسم اور اعضاء اور پھر اُس میں رفح حیات آنے تک وہ سب شامل ہیں۔ اس پورے زمانے میں اگرچہ اسکا وجود ایک طرح قائم ہو چکا ہے مگر نہ کوئی جانتا ہے کہ لڑکا ہے یا لڑکی نہ کوئی اسکا نام ہے نہ کسی کو اسکی شکل و صورت معلوم ہے اس لئے اسکا کہیں نہ ذکر نہ تک نہیں ہے۔ اور اگر اس کو وسیع تر معنی دیئے جائیں تو تخلیق انسانی کی ابتدا جس طرح نطفہ سے سمجھی گئی ہے وہ نطفہ بھی جس غذا سے پیدا ہوا وہ غذا اور غذا سے پہلے اُس غذا کا مادہ کسی نہ کسی صورت سے دُنیا میں تھا اگر اُس زمانے کو بھی شامل کریں تو یہ زمانہ دراز ہزاروں سال کا ہو سکتا ہے۔ بہر حال حق تعالیٰ نے اس آیت میں انسان کو ایک ایسے امر کی طرف توجہ دلائی کہ اُس میں ذرا بھی شعور ہو اور کچھ بھی غور کرے تو اُس کو اپنی حقیقت کے انکشاف کے ساتھ اپنے پیدا کرنے والے اور بنانے والے کے وجود اور علم و قدرت پر مکمل ایمان و یقین کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ اگر ایک ستر برس کا انسان اسکا مراقبہ کرے اور اس پر غور کرے کہ اب سے اکہتر سال پہلے اسکا کہیں نام و نشان نہیں تھا اور نہ اسکا کسی عنوان سے کوئی ذکر کر سکتا تھا۔ ماں باپ اور دادا دادی کے دل میں بھی اس کے مخصوص وجود کا کوئی خطرہ تک نہ تھا گو مطلق بچہ کا تصور ہو۔ اسوقت کیا چیز اُس کی ایجاد و تخلیق کی داعی ہوئی اور کس غیر العقول قدرت نے دُنیا بھر میں

پھیلے ہوئے ذرات کو اس کے وجود میں سمو کر اس کو ایک ہوشیار دانا، سمیع و بصیر انسان بنا دیا تو وہ بے ساختہ یہ کہنے پر مجبور ہو گا۔ **۵** مابودیم و تقاضا ما نبود بہ لطف تو ناگفتہ ما می شنود

اس کے بعد تخلیق انسانی کی ابتداء کا بیان اس طرح فرمایا **إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ** یعنی ہم نے پیدا کیا انسان کو ایک مخلوط نطفہ سے **آمَشَاجٍ**، مشج یا مشج کی جمع ہے جس کے معنی مخلوط کے آتے ہیں اور یہاں ظاہر یہ ہے کہ مرد و زن کا مخلوط نطفہ مراد ہے جیسا کہ اکثر مفسرین نے فرمایا ہے اور رُوح المعانی میں بعض مفسرین سے نقل کیا ہے کہ **آمَشَاجٍ** سے مراد اخلاط الاربعہ یعنی خون، بلغم، سودا، صفرا ہیں جن سے نطفہ مرکب ہوتا ہے۔

ہر انسان کی تخلیق میں دنیا بھر کے اجزاء اور ذرات کی شمولیت اور اگر غور کیا جائے تو یہ اخلاط الاربعہ مذکورہ بھی اقسام غذا سے حاصل ہوتے ہیں اور ہر انسان کی غذا میں غور کیا جائے تو اس میں دور دراز ملکوں و خطوں کے اجزاء آب و ہوا وغیرہ کے ذریعہ شامل ہوتے ہیں اس طرح ایک انسان کے موجودہ جسم کا تجزیہ اور تحلیل کی جائے تو معلوم ہو گا کہ وہ ایسے اجزاء اور ذرات کا مجموعہ ہے جو دنیا کے گوشہ گوشہ میں بکھرے ہوئے تھے۔ قدرت کے نظام عجیب نے حیرت انگیز طریقہ پر ان کو اس کے وجود میں سمویا ہے۔ اگر **آمَشَاجٍ** کا مطلب یہ لیا جائے تو اس جگہ لفظ **آمَشَاجٍ** کے ذکر سے منکرین قیامت کے سب سے بڑے شبہ کا ازالہ بھی ہو جائیگا کیونکہ ان خدا شناس لوگوں کے نزدیک قیامت قائم ہونے اور مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے میں سب سے بڑا اشکال یہی ہے کہ انسان مرکب مٹی اور پھر ریزہ ریزہ ہو کر دنیا میں بکھر جاتا ہے ان کو دوبارہ جمع کرنا پھر انہیں رُوح ڈالنا ان کے نزدیک گویا ناممکن ہے۔

آمَشَاجٍ بمعنی اخلاط کی تفسیر میں ان کے اس شبہ کا ایک اصح جواب ہے کہ ابتدائی تخلیق انسانی میں بھی تو دنیا بھر کے اجزاء و ذرات شامل تھے جس کو یہ ابتدائی تخلیق مشکل نہ ہوئی اُس کے لئے اسکا دوبارہ پیدا کرنا کیوں مشکل ہو گیا اور اس تفسیر پر لفظ **آمَشَاجٍ** کا اس جگہ اضافہ بھی ایک مستقل فائدہ کیلئے ہو سکتا ہے واللہ اعلم۔ **فَبَلِّغْهُ أَتْلَافًا** سے مشتق ہے جس کے معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں یہ تخلیق انسانی کی غرض و حکمت کا بیان ہے کہ انسان کو اس شان کیسا تھپیدا کر نیک مقصد اُس کی آزمائش ہے جس کا بیان اگلی آیتوں میں آیا ہے کہ ہم نے انبیاء اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ اُس کو راستہ دکھلا دیا کہ یہ راستہ جنت کی طرف اور دوسرا دوزخ کی طرف جاتا ہے اور اُسے اختیار دیدیا کہ ان میں سے جس کو چاہے اختیار کرے چنانچہ انہیں دو گروہ ہو گئے **إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا** یعنی ایک گروہ اُن لوگوں کا ہوا جنہوں نے اپنے پیدا کرنے والے اور نعمت دینے والے کو پہچان کر اس کا شکر ادا کیا اور اُس پر ایمان لایا دوسرا گروہ وہ ہوا جس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور کافر رہا۔ اس کے بعد ان دونوں گروہوں کی جزا اور انجام کا ذکر فرمایا کہ کافروں کیلئے زنجیریں اور طوق اور جہنم ہے اور ابرار یعنی ایمان و طاعت کے پابند لوگوں کے لئے بڑی بڑی نعمتیں ہیں سب سے

پہلے پینے کی چیزوں کا ذکر فرمایا کہ اُن کو ایسا جام شراب دیا جائیگا جس میں کافور کی آمیزش ہوگی (يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا) بعض مفسرین نے فرمایا کہ کافور جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے اس شراب میں لذت و کیف بڑھانے کے لئے اُس چشمہ کا پانی شامل کیا جائیگا اور کافور کے مشہور معنی لئے جاویں تو فیضوری نہیں کہ جنت کا کافور بھی دُنیا کے کافور کی طرح ہو کھانے پینے کے قابل نہ ہو اس کافور کی خصوصیات جدا ہوں۔

عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ لَفْظٌ عَيْنًا ترکیب نحوی میں کافور اکایدل بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں یہ متعین ہو جاتا ہے کہ آیت مذکورہ میں کافور سے مراد چشمہ جنت ہے اور عباد اللہ سے مراد وہی اللہ کے نیک بندے ہیں جن کا ذکر پہلے ابرار کے عنوان سے کیا گیا ہے اور اگر عینا کو من کا س سے بدل قرار دیں تو یہ کسی دوسرے چشمہ اور پانی کا بیان ہے اور اس صورت میں عباد اللہ سے مراد اہل جنت کی کوئی دوسری جماعت ہے جو ابرار سے کم درجہ میں ہیں۔

يُؤْفَوْنَ بِالَّذِينَ، یہ بیان اسکا ہے کہ ابرار اور عباد اللہ کو یہ انعامات کس بنا پر ملیں گے۔ معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ جس کام کی اللہ کے لئے نذر (منت) مان لیتے ہیں اُس کو پورا کرتے ہیں۔ نذر کے لفظی معنی یہ ہیں کہ آپ اپنے اوپر کوئی ایسا کام واجب کر لیں جو شریعت سے آپ کے ذمہ واجب نہیں ہے۔ ایسی نذر کو پورا کرنا شرعاً واجب ہوتا ہے جس کی کچھ تفصیل آگے آتی ہے۔ یہاں اہل جنت کی جزائے عظیم اور انعامات کا سبب ایفاء نذر کو قرار دیا ہے۔ اس میں اشارہ اس کی طرف ہے کہ یہ لوگ جب اپنی طرف واجب کردہ چیزوں کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں تو جو فرائض و واجبات انکے اختیار سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر لازم کیے گئے ہیں انکا اہتمام بدرجہ اولیٰ کرتے ہونگے۔ اس طرح لفظ ایفاء نذر میں درحقیقت تمام واجبات شرعیہ اور فرائض کی ادائیگی شامل ہوگئی اور انعامات جنت کا سبب مکمل اطاعت اور تمام فرائض و واجبات کو ادا کرنا ہوگا۔ بہر حال اس جملے سے ایفاء نذر کی اہمیت اور وجوب ثابت ہوا۔

مسئلہ۔ نذر (منت) کے منعقد ہونے کے لئے چند شرائط ہیں۔ اول یہ کہ جس کام کی نذر مانی جائے وہ جائز و حلال ہو معصیت نہ ہو۔ اگر کسی نے کسی گناہ اور ناجائز کام کی نذر مان لی تو اس پر لازم ہے کہ وہ ناجائز کام نہ کرے اپنی قسم کو توڑ دے اور قسم کا کفارہ ادا کرے، دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے واجب نہ ہو اس لئے اگر کوئی شخص نماز فرض یا وتر واجب کی نذر مان لے تو یہ نذر لغو ہوگی وہ فرض یا واجب پہلے ہی سے اس پر واجب الاداء ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ جس کام کو بذریعہ نذر اپنے اوپر واجب کیا ہے اُس کی جنس سے کوئی عبادت شریعت میں واجب کی گئی ہو جیسے نماز روزہ صدقہ قربانی وغیرہ اور جبکی جنس سے شرعاً کوئی عبادت مقصود نہیں ہے اس کی نذر ماننے سے نذر لازم نہیں ہوتی جیسے کسی مریض کی عیادت یا جنازے کے پیچھے چلنا وغیرہ جو اگرچہ عبادات ہیں مگر عبادت مقصودہ نہیں، نذر و مین کے

احکام کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جائے۔

وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حَيْثُمَا مَسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا، یعنی اہل جنت کے یہ انعامات اس سبب بھی ہیں کہ وہ دنیا میں مسکینوں، یتیموں و قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے علیٰ حجبہ میں حرف علی بمعنی مع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ایسی حالت میں بھی غریبوں کو کھانا کھلاتے جبکہ وہ کھانا خود اپنے لئے بھی ان کو محبوب اور پسند ہے۔ یہی نہیں کہ اپنے سے زائد قائل کو کھانا غریبوں کو دیدیں۔ مسکین اور یتیم کو کھانا کھلانے کا عبادت و ثواب ہونا تو ظاہر ہے۔ قیدی سے مراد ظاہر ہے کہ وہ قیدی ہے جس کو اصول شرعیہ کے مطابق قید میں رکھا گیا ہے خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان مجرم۔ مگر بہر حال اس کا کھانا کھلانا حکومت اسلامی کی ذمہ داری ہے جو شخص اس کو کھانا کھلاتا ہے وہ گویا حکومت اور بیت المال کی اعانت کرتا ہے اس لئے قیدی چاہے کافر بھی ہو اس کو کھانا کھلانا ثواب ہو گا خصوصاً ابتدائے اسلام میں تو قیدیوں کا کھانا پینا اور انکی حفاظت عام مسلمانوں میں تقسیم کر کے انکے ذمہ کر دیا جاتی تھی جیسے غزوہ بدر کے قیدیوں کیساتھ معاملہ کیا گیا۔

قَوَارِيرَ مِنْ فِضَّةٍ، دنیا میں چاندی کا برتن کثیف ہوتا ہے آئینہ کی طرح نہیں ہو سکتا اور جو کانچ سے تیار کیا جاتا ہے وہ چاندی نہیں ہو سکتا ان دونوں میں تضاد ہے مگر یہ حذت کی خصوصیت ہے کہ وہاں کی چاندی آئینہ کی طرح شفاف ہوگی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حذت میں جتنی چیزیں ملیں گی ان سب کی نظیر اور شبیہ دنیا میں بھی ملتی ہیں سوائے ان گلاسوں اور برتنوں کے جن کی ساخت چاندی سے ہے مگر آئینہ کی طرح شفاف ہیں۔

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَتْ مِنْ أَجْجَا زَبْجِيلًا، زنجبیل کے معروف معنی سونٹھ کے ہیں اور عرب لوگ شراب میں اُس کی آمیزش کو پسند کرتے تھے اس لئے اس کو جنت میں بھی اختیار کیا گیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جنت کی نعمتوں اور دنیا کی چیزوں میں نام کے اشتراک کے سوا کوئی چیز مشترک نہیں اس لئے وہاں کی زنجبیل کو دنیا کی زنجبیل پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

وَحُلُوفًا أَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ، اساور کی جمع ہے کنگن کو کہا جاتا جو ہاتھوں میں پہننے کا زیور ہے اس آیت میں چاندی کے کنگن کا ذکر ہے اور ایک دوسری آیت میں اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ آیا ہے یعنی کنگن سونے کے، ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت چاندی کے کسی وقت سونے کے کنگن استعمال کئے جاویں یا بعض کے کنگن سونے کے ہوں بعض کے چاندی کے، مگر ایک سوال اس جگہ بہر حال ہے کہ چاندی کے کنگن ہوں یا سونے کے بہر حال یہ زیور ہیں جو عورتوں کے استعمال کے لئے ہوتے ہیں۔ مردوں کے لئے ایسے زیور پہننا عیب سمجھا جاتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا عورتوں یا مردوں کے لئے مخصوص ہونا اور ان کیلئے مستحسن یا عیب ہونا یہ چیز عرف و عادت کے تابع ہوتی ہے بعض ملکوں یا قوموں میں ایک چیز بڑی عیب اور بُری سمجھی جاتی ہے دوسری قوموں میں وہ بڑا حسن سمجھا جاتا ہے۔ دنیا میں ملک کسریٰ ہاتھوں نہیں

کنگن اور سینے اور تاج میں زیورات استعمال کرتے تھے اور یہ اُن کا خاص امتیاز و اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ ملک کسری فتح ہونے کے بعد جو خزان کسری مسلمانوں کو ہاتھ آئے اُن میں کسری کے کنگن بھی تھے۔ جب دنیا کے مختلف ملکوں اور قوموں کے معمولی جغرافیائی اور قومی تفادات سے یہ معاملہ مختلف ہو سکتا ہے تو جنت کو دنیا پر قیاس کرنے کے کوئی معنی نہیں ہو سکتا ہے کہ وہاں زیور مردوں کے لئے بھی مستحسن سمجھا جائے۔

إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَشْكُورًا، یعنی اہل جنت کو جنت میں پہنچنے کے بعد حق تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہو گا کہ جنت کی یہ محیر العقول نعمتیں سب تمہارے اُن اعمال کی جزا ہے جو تم نے دنیا میں کئے تھے اور تمہارے عمل اللہ کے نزدیک مقبول ہو گئے۔ یہ کلمات ان کو بطور مبارکباد کے کہے جائیں گے۔ اہل عشق و محبت سے پوچھئے تو جنت کی ساری نعمتیں ایک طرف اور رب العالمین کا یہ فرمانا ایک طرف سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے کہ اس میں حق تعالیٰ ان کو اپنی رضا کامل کی سند دے رہے ہیں۔ عام اہل جنت کے انعامات کا ذکر کرنے کے بعد خاص ان انعامات کا ذکر کیا گیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مبذول ہوئے اُن میں سب سے بڑا انعام تنزیل قرآن ہے اس انعام عظیم کا ذکر کرنے کے بعد اول تو آپ کو اس کی ہدایت کی گئی کہ مخالفین و کفار کی طرف سے جو ضد و انکار اور ان کی ایذاؤں کی تکلیف آپ کو پہنچتی ہے آپ اس پر صبر سے کام لیں۔ دوسرے اللہ کی عبادت کو دن رات کا مشغلہ بنائیں اسی سے کفار کی اذیت کا بھی ازالہ ہو گا۔

آخر میں معاند کفار کے کفر پر جھمپے رہنے کی وجہ بتلائی گئی کہ یہ جاہل دنیا کی سطحی سرسری اور فانی لذتوں میں ایسے مست ہو گئے کہ انجام کو یعنی آخرت کو بھلا بیٹھے حالانکہ ہم نے دنیا میں بھی خود اُن کے وجود میں ایسی چیزیں رکھی تھیں کہ انہیں غور کرتے تو اپنے خالق و مالک کو پہچانتے۔ مَثَلًا نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ یعنی ہم نے ہی اُن کو پیدا کیا اور ان کے وجود کی صنعت میں ایک خاص کمال یہ رکھا کہ اُسکے جوڑ بند مضبوط و مستحکم بنائے۔

انسانی جوڑ بند میں کرمہ قدرت | اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ انسان اپنے ایک ایک جوڑ بند پر نظر ڈالے کہ بقاضائے حکمت و راحت انسانی جوڑ دیکھنے میں نرم و نازک معلوم ہوتے ہیں اور نرم نرم پٹھوں کے ذریعہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں جس کا طبعی تقاضا یہ تھا کہ سال دو سال ہی میں یہ جوڑوں کے بندھن اعصاب گھس جاتے اور ٹوٹ جاتے خصوصاً جبکہ دن رات وہ حرکت میں رہتے ہیں موڑے توڑے جاتے ہیں اتنی شبانہ روز حرکت کیساتھ تو لوہے کے اسپرنگ بھی سال دو سال میں گھس کر ٹوٹ جاتے ہیں یہ نرم و نازک پٹھے دیکھو کس طرح اعضاء کے جوڑوں کو باندھے ہوئے ہیں نہ گھستے ہیں نہ ٹوٹتے ہیں۔ انسان اپنے ہاتھ کی انگلیوں کے جوڑوں کو دیکھے اور حساب لگائے کہ عمر بھر میں ان جوڑوں نے کتنی حرکتیں کی ہیں کیسے کیسے درا اور دباؤں پر ڈالے گئے ہیں کہ اگر فولاد بھی ہوتا تو گھس گیا ہوتا مگر یہ جوڑ ہیں جو ستر اسی سال چلنے پر بھی اپنی جگہ قائم ہیں۔ تبارک اللہ احسن الخالقین ۛ

تَمَّتْ سُورَةُ الدَّهْرِ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَى

سُورَةُ الْمُرْسَلَاتِ

سُورَةُ الْمُرْسَلَاتِ مَكِّيَّةٌ وَرُحِيَ خَمْسُونَ آيَةً وَفِيهَا مَكْرُورٌ
سُورَةُ مُرْسَلَاتٍ مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی پچاس آیتیں ہیں اور دُرُودِ رُکُوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مشروع اللہ کے نام سے جو بید مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا ۱) وَالْعَصْفَاتِ عَصْفًا ۲) وَالنَّشْرِ نَشْرًا ۳) فَالْفُرْقَاتِ

مستم ہے چلتی ہواؤں کی دل کو خوش آتی، پھر جھونکا دینے والیوں کی زور سے، پھر اُٹھانے والیوں کی اُٹھا کر، پھر پھاڑنے والیوں کی

فَرَقًا ۴) فَالْمُلْقِيَاتِ ذِكْرًا ۵) عَذْرًا أَوْ تَذَرًا ۶) إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعَ ۷)

بانٹ کر پھر فرشتوں کی جو اُتار کر لائیں دہی الزام اُتارنے کو یا ڈر سنانے کو مقرر جو تم سے وعدہ ہوا وہ ضرور ہونا ہے لا

فَإِذَا التَّجُومُ طُمِسَتْ ۸) وَإِذَا السَّمَاءُ فُرْجَتْ ۹) وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّفَتْ ۱۰)

پھر جب تارے مٹائے جائیں اور جب آسمان میں جھروکے پڑ جائیں اور جب پہاڑ اُڑا دیے جائیں

وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِيتَتْ ۱۱) لَا يَوْمَ يُجِزُّ ۱۲) لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۱۳) وَمَا

اور جب رسولوں کا وقت مقرر ہو جائے کس دن کیواسطے ان چیزوں میں دیر ہے اس فیصلے کے دن کیواسطے اور ٹوٹنے

أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الْفَصْلِ ۱۴) وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۱۵) أَلَمْ تَكُنْ لَهُ

کیا بوجھ کیا ہے فیصلے کا دن خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی کیا ہمنے نہیں مارا کھپایا

الْأَوَّلِينَ ۱۶) ثُمَّ نُنَبِّئُهُمُ الْآخِرِينَ ۱۷) كَذَلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ۱۸)

پہلوں کو پھر انکے پیچھے بھیجتے ہیں پچھلوں کو ہم ایسا ہی کیا کرتے ہیں گنہگاروں کے ساتھ

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۱۹) أَلَمْ تَخْلُقْهُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۲۰) فَجَعَلْنَاهُ

خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی کیا ہم نے نہیں بنایا ہم کو ایک بے قدر پانی سے پھر رکھا اس کو

فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۲۱) إِلَى قَدَرٍ مَّعْلُومٍ ۲۲) فَقَدَرْنَا قَدْرًا ۲۳) فَنِعْمَ الْقَدِرُونَ ۲۴)

ایک جگہ ہونے ٹھکانے میں ایک وعدہ مقرر تک پھر ہم اسکو پورا کر سکتے سو ہم کیا خوب سکت والے ہیں

وَيُلْ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكِنِّ بَيْنَ ۲۶ ۱۳۱ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰ ۱۰۱ ۱۰۲ ۱۰۳ ۱۰۴ ۱۰۵ ۱۰۶ ۱۰۷ ۱۰۸ ۱۰۹ ۱۱۰ ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی کیا ہم نے نہیں بنائی زمین سمیٹنے والی زندوں کو اور مردوں کو

وَجَعَلْنَا فِيهَا رِوَاسِيَ شِجَاتٍ ۚ وَأَسْقَيْنَاكُمْ قَوَّاءً ۚ فَرَأَانَا ۚ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ

اور رکھے ہم نے زمین میں بوجھ کے لئے پہاڑ اویٹھے اور بلایا ہم نے تم کو پانی بیٹھا پیاس بجھانے والا خرابی ہے اُس دن

لِّلْمُكِنِّ بَيْنَ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰

جھٹلانے والوں کی چل کر دیکھو جس چیز کو تم جھٹلاتے تھے چلو ایک چھاؤں میں

ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ ۚ لَا ظَلِيلٌ وَلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ ۚ إِنَّهَا تَزْدْهِ بِشَرِّ

جس کی تین پھانکیں ہیں نہ گہری چھاؤں اور نہ کچھ کام آئے تپش میں وہ آگ پھینکتی ہے چیز نگاریاں

كَالْقَصْرِ ۚ كَأَنَّهُ جَمَلَتِ صُفْرٌ ۚ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكِنِّ بَيْنَ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰

جیسے محل گویا وہ اونٹ ہیں زرد خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی یہ وہ

يَوْمَ لَا يَنْطِقُونَ ۚ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ ۚ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ

دن ہے کہ نہ بولیں گے اور نہ اُن کو حکم ہو کہ توبہ کریں خرابی ہے اُس دن

لِّلْمُكِنِّ بَيْنَ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰

جھٹلانے والوں کی یہ ہے دن فیصلے کا جمع کیا ہم نے تم کو اور اگلوں کو پھر اگر کچھ داؤ ہے تمہارا

كَيْدٌ فَكَيْدُونَ ۚ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكِنِّ بَيْنَ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰

تو چلاو مجھ پر خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی البتہ جو ڈرنے والے ہیں

فِي ظِلٍّ وَعُيُونٍ ۚ وَفَوَاحٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۚ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا

وہ سائے میں ہیں اور نہروں میں اور میوے جس قسم کے وہ چاہیں کھاؤ اور پیو مزے سے

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ إِنَّا كَذَّبْنَاكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۚ وَيْلٌ

بدلہ ان کاموں کا جو تم نے کئے تھے ہم پونہی دیتے ہیں بدلہ ان کی دلوں کو خرابی ہے

يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكِنِّ بَيْنَ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰

اُس دن جھٹلانے والوں کی کھاؤ اور برتو تھوڑے دنوں بیشک تم گنہگار ہو

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكِنِّ بَيْنَ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰

خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی اور جب کہیں ان کو کہ جھک جاؤ نہیں جھکتے

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكِنِّ بَيْنَ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰

خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی اب کس بات پر اس کے بعد یقین لائیں گے

خلاصہ تفسیر

قسم ہے اُن ہواؤں کی جو نفع پہنچانے کے لئے بھیجی جاتی ہیں پھر ان ہواؤں کی جو سختی سے چلتی ہیں جس سے خطرات کا احتمال ہوتا ہے اور ان ہواؤں کی جو بادلوں کو (اٹھا کر) پھیلاتی ہیں (جس کے بعد بارش ہونے لگتی ہے) پھر ان ہواؤں کی جو بادلوں کو متفرق کر دیتی ہیں (جیسا بارش کے بعد ہوتا ہے) پھر ان ہواؤں کی جو (دل میں) اللہ کی یاد یعنی توبہ کا یاد دلانے کا القاء کرتی ہیں (یعنی یہ ہوائیں مذکورہ حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر دلالت کی وجہ سے خالق کائنات کی طرف متوجہ ہو جانے کا سبب ہو جاتی ہیں اور وہ توجہ دو طور سے ہوتی ہے ایک خوف سے جبکہ ان ہواؤں سے آثار خوف کے نمایاں ہوں اور دوسرا توبہ و معذرت سے اور یہ خوف و رجاء کی دونوں صورتیں ہو سکتا ہے۔ اگر ہوائیں نفع بخش ہوں تب تو خدا کی نعمتوں کو یاد کر کے اس کا شکر اور اپنی تقصیرات سے عذر کرتے ہیں اور اگر وہ ہوائیں خوفناک ہوں تو خدا کے عذاب سے ڈر کر اپنے معاصی سے توبہ کرتے ہیں، آگے جواب قسم ہے) کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہونے والی ہے۔ (مراد قیامت ہے اور یہ سب قسمیں قیامت کے نہایت مناسب ہیں کیونکہ نفخہ اولیٰ کے بعد تمام عالم کی فناء کا واقعہ میز آندھیوں کے مشابہ ہے اور نفخہ ثانیہ کے بعد کے واقعات مردوں کا زندہ ہونا وغیرہ مشابہ واقعات ہوائے نافع کے ہیں جس سے بارش اور بارش سے حیات نباتی اُبھرتی ہے۔ آگے اس کے وقوع پر تفریح فرماتے ہیں) سو جب ستارے بے نور ہو جائیں گے اور جب آسمان پھٹ جاوے گا اور جب پہاڑ اُڑتے پھریں گے اور جب سب پیغمبر وقت معین پر جمع کئے جاویں گے (اس وقت سب کا فیصلہ ہوگا، آگے اس یوم کا ہولناک ہونا مذکور ہے کہ کچھ معلوم ہے) کس دن کے لئے پیغمبروں کا معاملہ ملتوی رکھا گیا ہے (آگے جواب ہے کہ) فیصلہ کے دن کے لئے (ملتوی رکھا گیا ہے، مطلب اس سوال و جواب کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفار جو رسولوں کی تکذیب کرتے آئے ہیں اور اب بھی اس اُمت کے کفار رسول اللہ ﷺ علیہ السلام کی تکذیب کر رہے ہیں اور جب اس تکذیب پر عذاب آخرت سے ڈرائے جاتے ہیں تو آخرت کی بھی تکذیب کرتے ہیں اور یہ تکذیب فی نفسہ مقتضی اس کو ہے کہ رسولوں کا جو قصہ کفار سے پیش آ رہا ہے اس کا فیصلہ ابھی ہو جاوے اور اس کی تاخیر سے کفار کو مزید ارکار و تکذیب کا موقع ملتا ہے اور مسلمانوں کو طبعی طور پر اسکے جلد ہو جانے کی خواہش ہوتی ہے پس اس آیت میں استعجال کا جواب ہے کہ حق تعالیٰ نے بعض حکمتوں سے اس کو مؤخر کر رکھا ہے لیکن واقع ضرور ہوگا) اور (آگے اُس فیصلہ کے دن کا ہولناک ہونا مذکور ہے کہ) آپ کو معلوم ہے کہ وہ فیصلہ کا دن کیسا کچھ ہے (یعنی بہت سخت ہے اور جو لوگ اس امر حق یعنی وقوع قیامت کو جھٹلاتے ہیں سمجھ رکھیں کہ) اُس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (آگے نظائر سابقہ کے ذریعہ موجودہ لوگوں کو ڈرانا ہے) کیا ہم اگلے (کافر) لوگوں کو (عذاب سے)

ہلاک نہیں کر چکے پھر پچھلوں کو بھی (غدا میں) اُن (پہلوں) ہی کے ساتھ ساتھ کر دیں گے (یعنی آپ کی اُمت کے کفار پر بھی وبالِ ہلاکت نازل کریں گے جیسا بدر وغیرہ غزوات میں ہوا) ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں (یعنی اُن کے کفر پر سزا دیتے ہیں خواہ دارین میں خواہ دارِ آخرت میں، اور جو اس امرِ حق یعنی کفر پر مستحقِ عذاب ہونے کے کو جھٹلا رہے ہیں سمجھ رکھیں کہ) اُس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (آگے وقوعِ قیامت اور احیاء موتی کو ذہنوں کے قریب کرنے کے لئے فرمایا) کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی (یعنی نطفہ) سے نہیں بنایا (یعنی ابتداء میں تم نطفہ تھے) پھر ہم نے اسکو ایک وقت مقرر تک ایک محفوظ جگہ (یعنی عورت کے رحم) میں رکھا، غرض ہم نے (ان سب تصرفات کا) ایک اندازہ ٹھیرایا، سو ہم کیسے اچھے اندازہ ٹھیرانے والے ہیں (اس سے مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قدرت ثابت ہوئی، پھر جو لوگ اس امرِ حق یعنی قدرتِ علی البعث کو جھٹلا رہے ہیں سمجھ رکھیں کہ) اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (آگے اپنی بعض نعمتیں جن سے ترغیبِ اطاعت و ایمان ہو ذکر فرماتے ہیں یعنی) کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مُردوں کی سمیٹنے والی نہیں بنایا (کہ زندگی اسی پر بسر ہوتی ہے مرنے کے بعد دفن اور غرق ہوجانے اور جلجانے کی صورت میں بالآخر مٹی ہو کر اجزاءِ ارضیہ ہی میں کھپ جاتے ہیں اور اس حالت بعد الموت کا نعمت ہونا اس طرح ہے کہ اگر مُردے خاک نہ ہو جایا کرتے تو زندے پر نشان ہو کر مُردہ سے بدتر ہو جاتے کہ اُن کو اپنے بسنے بلکہ چلنے پھرنے کی جگہ نہ ملتی) اور ہم نے اُس (زمین) میں اونچے اونچے پہاڑ بنائے (جن سے بہت سے منافع متعلق ہیں) اور ہم نے تم کو میٹھاپانی پلایا (اس نعمت کو خواہ مستقل کہا جاوے یا زمین ہی کے متعلق کہا جاوے کیونکہ مرکزِ پانی کا بھی زمین ہی ہے اور ان نعمتوں کا مقتضیٰ وجوب توحید ہے۔ پس جو لوگ اس امرِ حق یعنی وجوب توحید کو جھٹلا رہے ہیں سمجھ رکھیں کہ) اُس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (آگے قیامت کی بعض سزاؤں کا بیان ہے یعنی قیامت کے روز کفار سے کہا جائے گا کہ) تم اس عذاب کی طرف چلو جس کو جھٹلایا کرتے تھے (جس میں کی ایک سزا وہ ہے جس کا بیان اس حکم میں ہے کہ) ایک سائبان کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں جس میں نہ (ٹھنڈا) سایہ ہے اور نہ وہ گرمی سے بچاتا ہے (مراد اس سائبان سے ایک دھواں ہے جو جہنم سے نکلے گا اور چونکہ کثرت سے ہوگا اسلئے بلند ہو کر پھٹ کر تین ٹکڑے ہو جاویں گے کما فی الطبری عن قتادۃ اور فراغِ حساب تک کفار اسی دھوئیں کے احاطہ میں رہیں گے جیسا کہ مقبولینِ ظلِّ عرش میں ہوں گے کذا فی الخازن، آگے اس دھوئیں کا اور حال مذکور ہے کہ) وہ انکارے برسا دیگا جیسے بڑے بڑے محل جیسے کالے کالے ادنٹ (قاعدہ ہے کہ جب چنگاری آگ سے جھڑتی ہے تو بڑی ہوتی ہے۔ پھر بہت سے چھوٹے ٹکڑے ہو کر زمین پر گرتی ہے پس پہلی قشبیہ ابتدائی حالت کے اعتبار سے ہے اور دوسری قشبیہ انتہائی حالت کے اعتبار سے۔ کذا فی الروح، پھر

جو لوگ اس امر حق یعنی اس واقعہ کو جھٹلاتے ہیں سمجھ رکھیں کہ) اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (آگے اور واقعہ متعلق کفار ہے یعنی) یہ وہ دن ہوگا جس میں وہ لوگ نہ بول سکیں گے اور نہ ان کو اجازت (عذر پیش کرنے کی) ہوگی سو عذر بھی نہ کر سکیں گے (کیونکہ واقعہ میں کوئی معقول عذر ہوگا ہی نہیں، اور جو لوگ اس واقعہ حقہ کو بھی جھٹلاتے ہیں سمجھ رکھیں کہ) اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (آگے بھی اسی یوم کا بیان ہے کہ ان لوگوں سے کہا جاوے گا کہ) یہ ہے فیصلہ کا دن (جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے) ہم نے (آج) تم کو اور آگلوں کو (فیصلے کے لئے) جمع کر لیا سو اگر تمہارے پاس (آج کے نتیجے اور فیصلے سے بچنے کی) کوئی تدبیر ہو تو مجھ پر تدبیر چلاؤ (اور یہ کفار اس واقعہ حقہ کی بھی تکذیب کرتے ہیں سو سمجھ رکھیں کہ) اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (آگے کفار کے مقابلے میں اہل ایمان کے ثواب کا بیان ہے یعنی) پرہیزگار لوگ سایوں میں اور چشموں میں اور مرغوب میوؤں میں ہوں گے (اور ان سے کہا جاوے گا کہ) اپنے اعمال (نیک) کے صلہ میں خوب مزے سے کھاؤ پیو ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (اور یہ کفار نعمائے جنت کی بھی تکذیب کرتے ہیں سو سمجھ رکھیں کہ) اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (آگے پھر توبیخ و تنبیہ ہے کفار کو، یعنی اے کافرو!) تم (دنیا میں) تھوڑے دن اور کھالو اور برت لو (عنقریب کبھتی آنے والی ہے کیونکہ) تم بیشک مجرم ہو (اور مجرم کا یہی حال ہونے والا ہے اور جو لوگ سزائے جرم کو جھٹلاتے ہیں سمجھ رکھیں کہ) اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (ان کافروں کی سرکشی اور جرم کی یہ حالت ہے کہ) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (خدا کی طرف) جھکو (یعنی ایمان اور عبدیت اختیار کرو) تو نہیں جھکتے (اس سے زیادہ کیا جرم ہوگا اور یہ لوگ اسکے جرم ہونے کو بھی جھٹلاتے ہیں سو سمجھ رکھیں کہ) اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (اور ان تقریبات و تہدیدات قرآنیہ کا مقتضایہ تھا کہ سنتے ہی ڈر کر ایمان لے آتے مگر جب اس پر بھی ان کو اثر نہیں) تو پھر اس (قرآن بلیغ الالفاظ والانذار) کے بعد اور کونسی بات پر ایمان لادیں گے (اسی کفار پر توبیخ اور ان کے ایمان سے آپ کو مایوس کرنا ہے)

معارف مسائل

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ منیٰ کے ایک غار میں تھے اچانک سورۃ مرسلات نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پڑھتے جاتے تھے اور میں آپ کے مبارک منہ سے اس کو سنتا یا د کرتا جاتا تھا، آپ کا دہن مبارک اس سورۃ کی حلاوت سے رطب (شاداب) ہو رہا تھا اچانک ایک سانپ نے ہم پر حملہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا، ہم اُس کی طرف جھپٹے وہ نکل بھاگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ جس طرح تم اسکے شر سے محفوظ رہے وہ بھی تمہارے شر سے محفوظ ہو گیا (ابن کثیر)
اس سورت میں حق تعالیٰ نے چند چیزوں کی قسمیں کھا کر قیامت کے یقینی طور پر آنے کا ذکر فرمایا ہے، ان
چیزوں کا نام قرآن میں بیان نہیں کیا گیا البتہ ان کی اس جگہ پانچ صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ مُرسلات، عاصفات
ناشرات، فارقات، مُلقیات الذکر کسی حدیث مرفوعہ میں اس کی پوری تعین نہیں آئی کہ ان صفات
کے موصوفات کیا ہیں اس لئے صحابہ و تابعین کی تفسیریں اس معاملے میں مختلف ہو گئیں۔

بعض حضرات نے ان پانچوں صفات کا موصوف فرشتوں کو قرار دیا ہے اور یہ کہ ہو سکتا ہے کہ فرشتوں
کی مختلف جماعتیں ان مختلف صفات کی حامل ہوں۔ بعض حضرات نے ان صفات کا موصوف ہواؤں کو قرار
دیا ہے وہ بھی مختلف اقسام اور نوعیت کی ہوتی ہیں، اس لئے یہ صفاً مختلفہ اُن میں ہو سکتی ہیں۔ بعض حضرات
نے ان کا موصوف خود انبیاء و رسل کو قرار دیا ہے۔ ابن جریر طبری نے اسی لئے اس معاملے میں توقف
اور سکوت کو اسلم قرار دیا کہ احتمال دونوں ہیں ہم اپنی طرف سے کسی کو متعین نہیں کرتے۔

اور اس میں شبہ نہیں کہ جو پانچ صفات اس جگہ ذکر کی گئی ہیں اُن میں سے بعض تو ملائکہ اللہ پر زیادہ
چسپاں اور اُن کے مناسب ہیں ان کو ریح کی صفت بنائیں تو کھینچ تان اور تاویل کرنا پڑتی ہے، اور
بعض صفات ایسی ہیں جو ریح یعنی ہواؤں پر زیادہ چسپاں اور واضح ہیں اُن کو فرشتوں کی صفت
بنائیں تو تاویل کے بغیر نہیں بنتی۔ اس لئے اس مقام میں بہتر فیصلہ ابن کثیرؒ کا معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے فرمایا
کہ شروع کی تین صفات ہواؤں کی صفتیں ہیں ان تین میں ریح اور ہواؤں کی قسم ہو گئی یا قی آخری دو
صفتیں یہ فرشتوں کی صفات ہیں تو یہ فرشتوں کی قسم ہو گئی۔

ریح کی صفت قرار دینے میں آخری دو صفتوں میں جو تاویل کی جاتی ہے وہ آپ خلاصہ تفسیر میں دیکھ
چکے ہیں کیونکہ اُس میں اسی کو اختیار کر کے تفسیر کی گئی ہے۔ اسی طرح جن حضرات نے ان سب صفات
کو صفات ملائکہ قرار دیا ہے ان کو پہلی تین صفات یعنی مُرسلات عاصفات ناشرات کو فرشتوں پر چسپاں
کرنے کے لئے اسی طرح کی تاویلات سے کام لینا پڑا ہے۔ ابن کثیرؒ کے اختیار کے مطابق معنی ان آیتوں کے
یہ ہو گئے کہ قسم ہے ان ہواؤں کی جو بھیجی جاتی ہیں۔ عُرْفَا، یہاں عُرْفَا کا مفہوم وہ بھی ہو سکتا ہے جو خلاصہ تفسیر
میں اوپر مذکور ہوا یعنی جو دوسرا اور نفع رسانی۔ جو ہوائیں بارش لیکر آتی ہیں اُن کی جو دوسرا اور نفع رسانی
ظاہر ہے۔ اور دوسرے معنی عُرْفَا کے متتابع یعنی پے در پے کے بھی آتے ہیں۔ یہ معنی لئے جاویں تو مراد
وہ ہوائیں ہونگی جو بادل اور بارش کو لئے ہوئے مسلسل اور متتابع چلتی ہیں۔ اور عاصفات عصف
سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی ہوا کے تیز چلنے کے ہیں اس سے مراد وہ آندھیاں اور تیز ہوائیں ہیں جو بعض
اوقات دنیا میں آیا کرتی ہیں۔ اور ناشرات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بارش ختم ہونے کے بعد بادل کو
پھاڑ کر منتشر کر دیتی ہیں۔ اور فارقات، یہ صفت فرشتوں کی ہے جو وحی الہی نازل کر کے حق و باطل میں

فرق واضح کر دیتے ہیں اور تعلقیات ذکر ابھی فرشتوں کی صفت ہے اور ذکر سے مراد قرآن یا مطلق وحی ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ قسم ہے اُن فرشتوں کی جو بذریعہ وحی حق و باطل میں فرق اور امتیاز واضح کر دیتے ہیں اور قسم ہے اُن فرشتوں کی جو انبیاء علیہم السلام پر ذکر یعنی وحی اور قرآن کا اقرار کرتے ہیں۔ اس طرح کسی صفت میں تاویل اور کھینچ تان کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

میں تاویل اور صحیح تان کی ضرورت پس نہیں آتی۔
 رہا یہ سوال کہ اس تفسیر کی بناء پر پہلے ہواؤں کی مختلف اقسام کی قسم کھائی گئی پھر فرشتوں کی، ان دونوں
 میں ربط اور جوڑ کیا ہے سو کلام الہی کی حکمتوں کا احاطہ تو کوئی کر نہیں سکتا، یہ مناسبت بھی ہو سکتی ہے کہ ہواؤں
 کی دونوں قسمیں بارش والی نفع بخش اور سخت آندھیاں مضرت رساں یہ سب محسوسات میں سے ہیں ہر شخص
 ان کو پہچانتا ہے پہلے غور و فکر کے لئے انسان کے سامنے ان کو لایا گیا، اس کے بعد فرشتوں اور وحی کو پیش
 کیا گا جو محسوس نہیں مگر ذرا سے غور و فکر کرنے پر ان کا یقین ہو سکتا ہے۔

[illegible]

مذہب اور عذاب کے درمیان واسطہ ہو۔
ہواؤں یا فرشتوں یا دونوں کی قسم کھا کر حق تعالیٰ نے فرمایا اِنَّكُمْ لَوَاقِعٌ، یعنی تم سے جس قیامت اور حساب کتاب جزاء و سزا کا وعدہ بذریعہ انبیاء کیا جا رہا ہے وہ ضرور پورا اور واقع ہو کر رہے گا۔ آگے اس کے واقع ہونے کے وقت کے چند حالات کا ذکر ہے اول یہ کہ سب ستارے بے نور ہو جائیں گے جس کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ یہ سب بالکل فناء ہی ہو جاویں، یا یہ کہ موجود رہیں مگر ان کا نور سلب ہو جائے، اس طرح پوری دنیا ایک انتہائی سخت اندھیری میں غرق ہو جائے گی۔ دوسرا حال یہ بیان فرمایا کہ آسمان پھٹ جائیں گے۔ تیسرا یہ کہ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔ چوتھا حال یہ بتلایا گیا وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقْتُتْ، اُقْتُتْ، توقیت سے مشتق ہے جس کے اصلی معنی تعیین وقت اور تحدید وقت کے ہیں اور بقول زمخشری کبھی اسکے معنی کسی مقررہ وقت پر پہنچ جانے کے بھی آتے ہیں (کما فی الروح) اس جگہ یہی دوسرے معنی مناسب ہیں اور معنی آیت کے یہ ہونگے کہ انبیاء و رسل کے لئے جو میعاد اور وقت مقرر کیا گیا تھا کہ اس میں اپنی اپنی اُمتوں کے معاملے میں شہادت کے لئے حاضر ہوں وہ اس میعاد کو پہنچ گئے اور ان کی حاضری کا وقت آگیا۔ اسی لئے خلاصہ تفسیر مذکور میں اسکا ترجمہ انبیاء کے جمع کرنے کے ساتھ کیا گیا۔ آگے قیامت کے دن کے عظیم اور ہولناک ہونے کا بیان ہے کہ وہ فیصلہ کا دن ہے جس میں مکذبین اور کفار کے لئے تباہی بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

روایات حدیث میں ہے کہ وَّئِيلُ جَهَنَّمَ کی ایک وادی کا نام ہے جس میں اہل جہنم کے زخموں کی پریپ

جمع ہوگی یہ جگہ مکذبین کے رہنے کی قرار دی جاوے گی۔ اس کے بعد موجودہ لوگوں کو پچھلی امتوں کے حالات سے عبرت حاصل کرنے کے لئے فرمایا **أَلَمْ يَهْلِكِ الْأَوَّلِينَ ۝ ثُمَّ نَبْتَعُثُهُمُ الْآخِرِينَ** یعنی کیا پہلے لوگوں کو ان کے کفر و عناد کی وجہ سے ہلاک نہیں کر دیا۔ قوم عاد و ثمود اور قوم نوط قوم فرعون وغیرہ کی طرف اشارہ ہے اور **ثُمَّ نَبْتَعُثُهُمُ الْآخِرِينَ** مشہور معروف قرأت کے مطابق بسکون عین عطف ہے **هَلَكِ** پر جس کے معنی یہ ہیں کیا ہم نے اولین کے بعد آخرین کو بھی انکے پیچھے ہلاک نہیں کر دیا، اس لئے آخرین سے مراد بھی پچھلی امتوں ہی کے آخرین ہوں گے جن کی ہلاکت نزول قرآن سے پہلے واقع ہو چکی ہے اور دوسری ایک قرأت میں **نَبْتَعُثُهُمُ بضم عین** بھی آیا ہے اس قرأت پر یہ جملہ الگ ہے اور آخرین سے مراد اُمت محمدیہ کے کفار ہیں۔ پچھلی امتوں کی ہلاکت اور عذاب کی خبر دینے کے بعد موجودہ کفار اہل مکہ کو آئندہ ان پر آنے والے عذاب کی خبر دینا مقصود ہے جیسا کہ غزوہ بدر وغیرہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں ان پر عذاب ہلاکت نازل ہوا۔

فرق یہ ہے کہ پچھلی امتوں پر آسمانی عذاب آتا تھا جس سے پوری بستیاں تباہ ہو جاتی تھیں۔ اُمت محمدیہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے یہ اکرام خاص ہے کہ ان کے کفار پر آسمانی عذاب نہیں آتا بلکہ ان کا عذاب مسلمانوں کی تلوار سے آتا ہے ہمیں ہلاکت عام نہیں ہوتی صرف بڑے سرکش مجرم ہی مارے جاتے ہیں۔

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مَنَ كِفَاتًا ۝ أَحْيَاءُ وَأَمْوَاتًا، یعنی ہم نے زمین کو کفات بنایا ہے زندہ اور مردہ انسانوں کے لئے، کفات، کفت سے مشتق ہے جس کے معنی ملانے اور جمع کر لینے کے ہیں کفات وہ چیز جو بہت سی چیزوں کو اپنے اندر جمع کرے۔ زمین کو حق تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ زندہ انسان اسکی پیٹھ پر سوار ہیں اور مردے سب اسکے پیٹ میں جمع ہیں۔

إِنَّمَا تُرْوَى بِشَرْرٍ كَالْقَصْرِ ۝ كَأَنَّهُ جَدَّتْ صُفْرًا، قصر کے معنی بڑا عالیشان محل۔ اور جالہ بمعنی جمل اونٹ کو کہا جاتا ہے۔ صُفْر، اصفر کی جمع ہے جس کے معنی زرد کے ہیں۔ مراد آیت کی یہ ہے کہ اس جہنم کی آگ سے اتنے بڑے بڑے شرارے اُٹھیں گے جو ایک مستقل محل عالیشان کی برابر ہوں گے پھر وہ متفرق ہو کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہوں گے وہ ٹکڑے زرد اونٹوں کی برابر ہونگے اور بعض حضرات نے اس جگہ صُفْر کا ترجمہ سیاہ کیا ہے کیونکہ زرد اونٹ کی زردی سیاہی مائل ہوتی ہے (روح)

هَذَا يَوْمٌ لَا يَنْظِقُونَ ۝ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَنُونَ ۝، یعنی اس دن میں کوئی بول نہ سکے گا اور نہ کسی کو اپنے کئے ہوئے عمل کا عذر پیش کرنے کی اجازت ہوگی، اور دوسری آیات قرآن میں جو

۱۔ اس مقام پر حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ سے تسامح ہوا ہے، کیونکہ مشہور و معروف قرأت بسکون عین کی نہیں ہے ضم عین کی ہے، جیسا کہ کتب قرأت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، سکون عین کی قرأت درحقیقت شاذ ہے ۲۔ محمد عبد اللہ

کفار کا بولنا اور عذر پیش کرنا مذکور ہے وہ اس کے متنافی نہیں کیونکہ محشر میں مختلف مواقع اور مقامات آئیں گے، کسی مقام میں کلام اور عذر پیش کرنا ممنوع ہوگا، کسی میں اجازت ہوگی۔ (روح)

كُلُوا وَتَمَتُّعُوا قَلِيلًا اِنَّكُمْ تَجْزَمُونَ، یعنی کھاؤ پیو اور آرام اٹھاؤ تھوڑے دن کیونکہ تم مجرم ہو، آخر کار سخت عذاب میں جانا ہے۔ یہ مکتذبین کو خطاب ہے، دنیا میں، انبیاء کے ذریعہ ان کو کہا گیا ہے کہ یہ تمہارا عیش و آرام چند روزہ ہے پھر عذاب ہی عذاب ہے (کذا فسرۃ البو حیان)

وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ اَرْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ، یہاں اکثر مفسرین کے نزدیک رکوع سے مراد اُسکے لغوی معنی یعنی جھکنا اور اطاعت کرنا ہے مطلب یہ ہے کہ جب دنیا میں ان کو احکام الہیہ کی اطاعت کے لئے کہا جاتا تھا تو یہ اطاعت نہ کرتے تھے۔ اور بعض حضرات نے رکوع کے اصطلاحی معنی بھی مراد لئے ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جب ان کو نماز کی طرف بلایا جاتا تھا تو یہ نماز نہ پڑھتے تھے۔ رکوع بول کر پوری نماز مراد لی گئی ہے (روح)

قِيَاٰنِيْ حَدِيْثٍۭۙۤ اٰتٰۤیُوْهُمُوْنَ، یعنی جب یہ لوگ قرآن جیسی عجیب غریب بلیغ اور حکمتوں سے پُر واضح دلائل کی کتاب پر ایمان نہ لائے تو اس کے بعد اب کس بات پر ایمان لائیں گے مراد انکے ایمان سے مایوسی کا اظہار ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب تلاوت کرنے والا اس آیت پر پہنچے تو اسکو کہنا چاہیے اٰمَنَّا بِاللّٰهِ، یعنی ہم اللہ پر ایمان لے آئے۔ نماز سے خارج میں اور نوافل میں یہ الفاظ کہنے چاہئیں مگر فرائض میں اور سنن میں اس زیادتی سے احتراز کرنا روایات حدیث سے ثابت ہے اس لئے اُس میں نہ کہا جائے، واللہ اعلم

تَمَّتْ سُوْرَةُ الْعُرُسُلَاتِ بِحَمْدِ اللّٰهِ لَا حَزَنَ يَوْمَ مِنْ رَجَبٍ ۙ وَبِ

تَمَّ الْحِزْبُ التَّاسِعُ وَالْعِشْرُونَ مِنَ الْقُرْآنِ اللّٰهِ الْمُفِيقِ لِاتِّخَامِ الْبَاقِي



سُورَةُ النَّبَا

سُورَةُ النَّبَا مَكِّيَّةٌ وَهِيَ أَرْبَعُونَ آيَةً وَفِيهَا أَرْكَوْنُ
سورہ نبا مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چالیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ۱ عَنِ النَّبَا الْعَظِيمِ ۲ الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ ۳

کیا بات پوچھتے ہیں لوگ آپس میں پوچھتے ہیں اس بڑی خبر سے جس میں وہ مختلف ہیں

كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۴ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۵ أَلَمْ نَجْعَلِ لَارْضِ مَهْدًا ۶

ہرگز نہیں اب جان لیں گے پھر بھی ہرگز نہیں اب جان لیں گے کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو بچھونا

وَالْجِبَالِ أَوْتَادًا ۷ وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا ۸ وَجَعَلْنَا نُومَكُمْ سُبَاتًا ۹ وَ

اور پہاڑوں کو میخیں اور تم کو بنایا ہم نے جوڑے جوڑے اور بنایا غنہ کو تمہاری تکان دینے کے لئے اور

جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۱۰ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۱۱ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا

بنایا رات کو اوڑھنا اور بنایا دن کمائی کرنے کو اور چھپی ہم نے تم سے اوپر سات

سِدَادًا ۱۲ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا ۱۳ وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً

پُجْنًا مَضْبُوطًا اور بنایا ایک چراغ چمکتا ہوا اور اتارا نچرنے والی بدلیوں سے پانی کا

ثَجًّا جَا ۱۴ لِنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا ۱۵ وَجَنَّتِ الْأَفَاقُ ۱۶ إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ

ریلا تاکہ ہم نکالیں اس سے اناج اور سبزہ اور باغ پتوں میں لپٹے ہوئے بیشک دن فیصلہ کا ہے

كَانَ مِيقَاتًا ۱۷ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ۱۸ وَفُتِحَتْ

ایک وقت ٹھہرا ۱۷ جس دن پھونکی جائے صور پھر تم چلے آؤ جٹ کے جٹ اور کھولا جائے

السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ۱۹ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۲۰ إِنَّ جَهَنَّمَ

آسمان تو ہو جائیں اس میں دروازے اور چلائے جائیں گے پہاڑ تو ہو جائیں گے چمکتا رہتا بیشک دوزخ ہے

كَانَتْ مِرْصَادًا ۚ (۲۱) لِلطَّغِيْنَ مَا يَأْتِي (۲۲) لِبَثِّينَ فِيْهَا اَحْقَابًا ۚ (۲۳) لَا يَذُوُّوْنَ

تاک میں شہیروں کا ٹھکانا رہا کریں اس میں قرون نہ بچھیں

فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۚ (۲۴) اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ۚ (۲۵) جَزَاءُ وَّفَاقًا ۚ (۲۶) اِنَّهُمْ كَانُوْا

وہاں کچھ مزہ ٹھنڈک کا اور نہ پیناٹے کچھ مگر گرم پانی اور بہتی پیپ بدلہ ہے پورا اُن کو توقع

لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ۚ (۲۷) وَكَذَّبُوْا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ۚ (۲۸) وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنَاهُ

نہ تھی حساب کی اور جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو مگر اگر اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے

كِتٰبًا ۚ (۲۹) فَذُوْا فَلَئِنْ تَزِيْدُكُمْ اِلَّا عَذَابًا ۚ (۳۰) اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَارِجًا ۚ (۳۱)

لکھ کر اب چکھو کہ ہم نہ بڑھاتے جائیں گے تم پر مگر عذاب بیشک ڈروالوں کو اُن کی مُراد ملنی ہے

حَدَآئِقَ وَّاعْنَابًا ۚ (۳۲) وَكَوَاعِبَ اَنْرَابًا ۚ (۳۳) وَكَاسًا دِهَاقًا ۚ (۳۴) لَا يَسْمَعُوْنَ

باغ ہیں اور انگور اور نوجوان عورتیں ایک عمر کی سب اور پیالے پھٹکتے ہوئے نہ سنیں گے

فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذُّبًا ۚ (۳۵) جَزَاءُ مِّنْ رَّبِّكَ عَطَاءٌ حِسَابًا ۚ (۳۶) رَّحِيْبٌ

وہاں بیک بیک اور نہ مکرانا بدلہ ہے تیرے رب کا دیا ہوا حساب سے جو رب ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنُ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ۚ (۳۷)

آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے بڑی رحمت والا قدرت نہیں کہ کوئی اُس سے بات کرے

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۚ لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَن اٰذِنَ لَهُ

جس دن کھڑی ہو رُوح اور فرشتے قطار باندھ کر کوئی نہیں بولتا مگر جس کو حکم دیا

الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۚ (۳۸) ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَاءَ اَنْخَضْ

رحمن نے اور بولا بات ٹھیک وہ دن ہے برحق پھر جو کوئی چاہے بنارکھے

اِلٰى رَّبِّهِ مَا يَا ۚ (۳۹) اِنَّا اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ

اپنے رب کے پاس ٹھکانا ہم نے خبر سنادی تم کو ایک آفت نزدیک آنیوالی کی جس دن دیکھ لے گا آدمی

مَا قَدَّ مَتَّ يَدَاہُ وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ لِيُتِنٰی كُنْتُ تَرَبًّا ۚ (۴۰)

جو آگے بھیجا اسکے ہاتھوں نے اور کہے گا کافر کسی طرح میں مٹی ہوتا

خلاصہ تفسیر

یہ (قیامت کا انکار کرنے والے) لوگ کس چیز کا حال دریافت کرتے ہیں اس بڑے واقعہ کا حال دریافت کرتے ہیں جس میں یہ لوگ (اہل حق کیساتھ) اختلاف کر رہے ہیں (مراد قیامت ہے اور دریافت کرنے سے مراد بطور انکار کے دریافت کرنا ہے اور مقصود اس سوال و جواب سے اذہان کا ادھر متوجہ کرنا اور تفسیر بعد الایہام سے

اُسکا اہتمام شان ظاہر کرنا ہے، آگے اُن کے اختلاف کا بے وجہ اور باطل ہونا بیان کیا گیا ہے کہ جیسا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ قیامت نہ آوے گی) ہرگز ایسا نہیں (بلکہ قیامت آوے گی اور) اُن کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (یعنی جب دُنیا سے رخصت ہونے کے بعد اُن پر عذابِ اُلح ہوگا تب حقیقت اور حقیقت قیامت کی منکشف ہو جاوے گی اور ہم) پھر (مکرر کہتے ہیں کہ جیسا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ قیامت نہ آوے گی) ہرگز ایسا نہیں (بلکہ آوے گی اور) اُن کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (اور چونکہ وہ لوگ اس کو مستبعد یا محال سمجھتے ہیں، آگے اسکے امکان اور وقوع کا بیان ہے کہ اس کو محال سمجھنے سے ہماری قدرت کا انکار لازم آتا ہے اور ہماری قدرت کا انکار نہایت عجیب ہے کیونکہ) کیا ہم نے زمین کو فُشس اور پہاڑوں کو (زمین کی) میخیں نہیں بنایا (یعنی مثل میخوں کے بنایا، جیسا کسی چیز میں میخیں لگا دینے سے وہ چیز اپنی جگہ سے نہیں ہلتی اسی طرح زمین کو پہاڑوں سے مستقر کر دیا اس کی تحقیق سورہ نخل میں گزر چکی ہے) اور (اس کے علاوہ ہم نے اور بھی دلائل قدرت ظاہر فرمائے چنانچہ) ہم ہی نے تم کو جوڑا جوڑا (یعنی مرد و عورت) بنایا اور ہم ہی نے تمہاری نیند کو راحت کی چیز بنایا اور ہم ہی نے رات کو پردہ کی چیز بنایا اور ہم ہی نے دن کو معاش کا وقت بنایا اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے اور ہم ہی نے (آسمان میں) ایک روشن چراغ بنایا (مراد آفتاب ہے لقولہ تعالیٰ وَجَعَلْنَا الشَّمْسُ سِرَاجًا) اور ہم ہی نے پانی بھرے بادلوں سے بہت پانی برسایا تاکہ ہم اس پانی کے ذریعہ سے غلہ اور سبزی اور گنجان باغ پیدا کریں (اور ان سب سے ہمارا کمال قدرت ظاہر ہے پھر قیامت پر ہمارے قادر ہونے کا کیوں انکار کیا جاتا ہے۔ یہ بیان تھا امکان کا آگے وقوع کا ذکر ہو کہ) بیشک فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے یعنی جس دن صُور پھونکا جاوے گا پھر تم لوگ گردہ گردہ ہو کر آؤ گے (یعنی ہر امت جدا جدا ہوگی، پھر مومن جدا، کافر جدا، پھر ابرار جدا، اشرار جدا، سب ایک سرے سے ممتاز ہو کر میدانِ قیامت میں حاضر ہونگے) اور آسمان کھل جاوے گا پھر اس میں دروازے ہی دروازے ہو جاویں گے (یعنی اس قدر بہت سا کھل جاوے گا جیسے بہت سے دروازے ملا کر بہت بڑی جگہ کھلی ہوئی ہو پس کلام مبینی ہے تشبیہ پر، اب یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ دروازے تو آسمان میں اب بھی ہیں پھر اس دن دروازے ہونے کے کیا معنی، اور یہ کھلنا نزولِ ملائکہ کے لئے ہوگا جیسے سورہ فرقان میں تَشَقَّقُ السَّمَاءُ سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کی شرح وہاں گزری ہے) اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) ہٹا دیے جائیں گے سودہ ریت کی طرح ہو جاویں گے (کقولہ تعالیٰ کَثِيبًا مَّهِيلًا)۔ اور یہ واقعات نفخہِ ثانیہ کے وقت ہوں گے البتہ تسبیحِ جبال میں یہاں بھی اور جہاں جہاں واقع ہوا ہے دونوں احتمال ہیں یا تو نفخہِ ثانیہ کے بعد کہ اس سے عالم کی سب چیزیں اپنی ہیئت پر عود کر آویں گی، جب حساب کا وقت آوے گا پہاڑوں کو زمین کے برابر کر دیا جاوے گا تاکہ زمین پر کوئی آڑ پہاڑ نہ رہے سب ایک ہی میدان میں نظر آویں، اور یا یہ نفخہِ اولیٰ کا وقت ہوگا جس سے خود فنا کرنا مقصود بالذات ہوگا، پھر اس تقدیر پر یوم کو ان سب واقعات کا ظرف فرمانا اس بنا پر ہوگا کہ نفخہِ اولیٰ سے نفخہِ ثانیہ تک کا مجموعہ ایک یوم قرار دے لیا گیا اور اللہ اعلم

آگے اس یومِ انفصل میں جو فیصلہ ہوگا اسکا بیان ہے (یعنی) بیشک دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے (یعنی عذاب کے فرشتے انتظار اور تاک میں ہیں کہ کافر آویں تو ان کو پکڑتے ہی عذاب دینے لگیں اور وہ) سرکشوں کا ٹھکانا (ہے) جس میں وہ بے انتہار زمانوں (پڑے) رہیں گے (اور) اس میں نہ تو وہ کسی ٹھنڈک (یعنی راحت) کا مزہ چکھیں گے (اس سے زہر یعنی سخت سردی کی نفی نہیں ہوئی) اور نہ پینے کی چیز کا (جس سے پیاس بجھے) بجز گرم پانی اور پیپ کے یہ (ان کو) پورا بدلہ ملیگا (اور وہ اعمال جن کا یہ بدلہ ہے یہ ہیں کہ) وہ لوگ حساب (قیامت) کا اندیشہ نہ رکھتے تھے اور ہماری (ان) آیتوں کو (جن میں حساب و دیگر امورِ حقہ کی خبر تھی) خوب جھٹلاتے تھے اور ہم نے (ان کے اعمال میں سے) ہر چیز کو (ان کے نامہ اعمال میں) لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے سو (ان اعمال پر ان کو مطلع کر کے کہا جا دیکھا کہ اب ان اعمال کا) مزہ چکھو کہ ہم تم کو سزا ہی بڑھاتے چلے جائیگے (یہ تو کافروں کا فیصلہ ہوا آگے اہل ایمان کا فیصلہ مذکور ہے کہ) خدا سے ڈرنے والوں کے لئے بیشک کامیابی ہی (یعنی) (کھانے اور سیر کو) باغ (جن میں طرح طرح کے میوے ہونگے) اور انگور (یہ تخصیص بعد از تعمیم اہتمام شان کیلئے ہے) اور (دل بہلانے کو) نو خاستہ ہم عمر عورتیں ہیں اور (پینے کو) لبالب بھرے ہوئے جام شراب (اور) وہاں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ (کیونکہ یہ باتیں وہاں محض معدوم ہیں) یہ (ان کو ان کی نیکیوں کا) بدلہ ملے گا جو کہ کافی انعام ہوگا آپ کے رب کی طرف سے جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان چیزوں کا جو دونوں کے درمیان میں ہیں (اور جو) رحمان ہے (اور) کسی کو اس کی طرف سے (مستقل) اختیار نہ ہوگا کہ (اُس کے سامنے) عرض معروض کر سکے جس روز تمام ذی اروح اور فرشتے (خدا کے روبرو) صف بستہ (خشوع و خضوع کے ساتھ) کھڑے ہونگے (اُس روز) کوئی بول نہ سکے گا بجز اسکے جسکو رحمان (بولنے کی) اجازت دیدے اور وہ شخص بات بھی ٹھیک کہے (ٹھیک بات سے مراد وہ بات جس کی اجازت دی گئی ہے یعنی بولنا بھی محدود و مقید ہوگا) یہ نہیں کہ جو چاہے بولنے لگے اور مستقل اختیار سے اوپر ہی مراد ہے، آگے اوپر کے تمام مضامین کا خلاصہ ہے کہ (یہ دن جبکا اوپر ذکر ہوا) یقینی دن ہے سو جبکا جی چاہے (اسکے حالات منکر) اپنے رب کے پاس (اپنا) ٹھکانا بنا رکھے (یعنی نیک عمل کر کے کہ وہاں نیک ٹھکانا ملے، آگے اتمامِ حجت ہے کہ لوگو) ہم نے تم کو ایک نزدیک آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے (جو کہ ایسے دن میں واقع ہونے والا ہے) جس دن ہر شخص ان اعمال کو (اپنے سامنے حاضر) دیکھ لے گا جو اُس نے اپنے ہاتھوں کئے ہوں گے اور کافر (حسرت سے) کہے گا کہ کاش میں مٹی ہو جاتا (تاکہ عذاب سے بچتا، اور یہ اسوقت کہے گا جب چوپائے جانور مٹی کر دیے جا دیں گے، رواہ فی الدر عن ابی ہریرۃؓ)۔

معارف و مسائل

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ لفظ عَمَّ دو حرفوں سے مرکب عن اور ما حرف ما استفہام کے لئے آتا ہے۔

اس ترکیب میں حرف ما میں سے الف سا قح کر دیا گیا ہے معنی یہ ہوئے کہ یہ لوگ کس چیز میں باہمی سوال جواب کر رہے ہیں، پھر خود ہی اسکا جواب دیا گیا عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ الَّذِي هُمْ فِيْهِ مُحْتَمِلُوْنَ، لفظ نباء کے معنی خبر کے ہیں مگر ہر خبر کو نباء نہیں بلکہ جب کوئی عظیم الشان خبر ہو اُس کو نباء کہا جاتا ہے مراد اس انبا یعنی خبر عظیم الشان سے قیامت ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ یہ لوگ اہل مکہ اس عظیم الشان خبر یعنی قیامت کے بارے میں بحث اور سوال جواب کر رہے ہیں جس میں انکے آپس میں اختلاف ہو رہا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ جب قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا تو کفار مکہ اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر اسکے متعلق رائے زنی اور چہ میگوئیاں کیا کرتے تھے۔ قرآن میں کیا کاذب کہ اہمیت کیساتھ آیا ہے اور انکے نزدیک گویا یہ محال چیز تھی اسلئے اسیں گفتگو بکثرت چلتی تھی، کوئی تصدیق کرتا کوئی انکار اسلئے اس سورت کے شروع میں انکا یہ حال ذکر کر کے آگے قیامت کا واقع ہونا مذکور ہے اور اُن کے نزدیک جو اسکے واقع ہونے میں اشکال اور استبعاد تھا اسکا جواب دیا گیا۔ اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ یہ سوال جواب کوئی واقعی تحقیق کیلئے نہیں تھا بلکہ محض ستہ زار و تمسخر کے لئے تھا واللہ اعلم، قرآن کریم نے انکے جواب میں ایک ہی جملہ کو تاکید کے لئے دو مرتبہ فرمایا کَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ، کَلَّا کے معنی ہیں ہرگز نہیں، مراد یہ ہے کہ یہ سوال و جواب اور بحث و تحقیق سے سمجھ میں آنے والی چیز نہیں، وہ تو جب سامنے آئے گی اُس وقت حقیقت معلوم ہوگی۔ یہ ایک ایسی یقینی چیز ہے جس میں بحث و سوال اور انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ پھر فرمایا کہ اس کی حقیقت خود ان لوگوں پر عنقریب واضح ہو جائے گی یعنی مرنے کے بعد ان کو دوسرے عالم کی چیزوں کا انکشاف ہوگا اور وہاں کے ہولناک مناظر کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے اسوقت حقیقت کھل جائے گی۔ اسکے بعد حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت و صنعت کے چند مناظر کا ذکر فرمایا ہے جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے یہ کوئی بعید نہیں کہ وہ اس سارے عالم کو ایک مرتبہ فنا کر کے دوبارہ پھر ویسا ہی پیدا کر دے، اس میں زمین اور اس کے پہاڑوں کی تخلیق پھر انسان کی تخلیق مرد و عورت کے جوڑے کی صورت میں بیان فرمائی پھر انسان کی راحت اور صحت اور کاروبار کے لئے سازگار حالات پیدا کرنے کا ذکر فرمایا، اس میں ایک یہ ارشاد ہے جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا، سُبَات سبت سے مشتق ہے جس کے معنی موڈنے اور قطع کرنے کے ہیں، نیند کو حق تعالیٰ نے ایسی چیز بنایا ہے کہ وہ انسان کے تمام ہوم و غوم اور افکار کو قطع کر کے اسکے قلب کو دماغ کو ایسی راحت دیتی ہے کہ دنیا کی کوئی راحت اسکا بدل نہیں ہو سکتی، اسی لئے سُبَات کا ترجمہ بعض حضرات نے راحت سے بھی کیا ہے۔

نیند بہت بڑی نعمت ہے یہاں حق تعالیٰ نے انسان کو جوڑے جوڑے بنانے کا ذکر فرمانے کے بعد اس کی راحت کے سب سامانوں میں سے خاص طور پر نیند کا ذکر فرمایا ہے۔ غور کیجئے تو یہ ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے کہ انسان کی ساری راحتوں کا مدار یہی ہے اور اس نعمت کو حق تعالیٰ نے پوری مخلوق کے لئے عام ایسا فرما دیا ہے کہ امیر، غریب، عالم، جاہل، بادشاہ اور مزدور سب کو یہ دولت یکساں بیک وقت عطا ہوتی ہے، بلکہ

دُنیا کے حالات کا تجزیہ کریں تو غریبوں اور محنت کشوں کو یہ نعمت جیسی حاصل ہوتی ہے وہ مالداروں اور دُنیا کے بڑوں کو نصیب نہیں ہوتی، اُن کے پاس راحت کے سامان، راحت کا مکان، ہوا اور سردی گرمی کے اعتدال کی جگہ، نرم گدے تکئے سب کچھ ہوتے ہیں جو غریبوں کو بہت کم ملتے ہیں مگر نیند کی نعمت ان گدوں تکیوں یا کوٹھی بنگلوں کی فضا کے تابع نہیں، وہ تو حق تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جو براہِ راست اُس کی طرف سے ملتی ہے۔ بعض اوقات مفلس بے سامان کو بغیر کسی بستر تکئے کے کھلی زمین پر یہ نعمت فراوانی سے دیدی جاتی ہے اور بعض اوقات ساز و سامان والوں کو نہیں دی جاتی، اُن کو خواب آور گولیاں کھا کر حاصل ہوتی ہے اور بعض اوقات وہ گولیاں بھی کام نہیں کرتیں، پھر غور کرو کہ اس نعمت کو حق تعالیٰ نے جیسا ساری مخلوق انسان اور جانور کے لئے عام فرمایا ہے اور مفت بلا محنت سب کو دیا ہے اس سے بڑی نعمت یہ ہے کہ صرف مفت بلا محنت ہی نہیں بلکہ اپنی رحمت کاملہ سے اس نعمت کو جبری بنا دیا ہے کہ انسان بعض اوقات کام کی کثرت سے مجبور ہو کر چاہتا کہ رات بھر جاگتا ہی رہے مگر رحمت حق جل شانہ اس پر جبراً نیند مسلط کر کے اس کو سلا دیتی ہے کہ دن بھر کا لگان دور ہو جائے اور اُس کے قومی مزید کام کے لئے تیز ہو جائیں، آگے اسی نیند کی عظیم نعمت کا تکملہ یہ بیان فرمایا کہ وَجَعَلْنَا الْيَلَّ لِبَاسًا، یعنی رات کو ہم نے چھپانے کی چیز بنا دیا، اشارہ اس طرف ہے کہ انسان کو فطرۃً نیند اُس وقت آتی ہے جب روشنی زیادہ نہ ہو، ہر طرف سکون ہو، شور و غلب نہ ہو۔ حق تعالیٰ نے رات کو لباس یعنی اوڑھنے اور چھپانے کی چیز فرما کر اشارہ کر دیا کہ قدرت نے تمہیں صرف نیند کی کیفیت ہی عطا نہیں فرمائی بلکہ سارے عالم میں ایسے حالات پیدا کر دیئے جو نیند کے لئے سازگار ہوں۔ اول رات کی تاریکی، دوسرے پورے عالم انسان اور جانور سب پر بیک وقت نیند کا مسلط ہونا کہ جب سبھی سو جائیں گے تو پورے عالم میں سکون ہوگا ورنہ دوسرے کاموں کی طرح اگر نیند کے اوقات بھی مختلف لوگوں کے مختلف ہوا کرتے تو کسی کو بھی نیند کے وقت سکون میسر نہ آتا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا، وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا کہ انسان کی راحت و سکون کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو غذا وغیرہ کی ضروریات ملیں ورنہ وہ نیند موت ہو جائے گی۔ اگر ہمہ وقت رات ہی رہتی اور آدمی سوتا ہی رہتا تو یہ چیزیں کیسے حاصل ہوتیں، ان کے لئے جدوجہد اور محنت اور دوڑ دھوپ کی ضرورت ہے جو روشنی میں ہو سکتی ہیں اس لئے فرمایا کہ تمہاری راحت کو مکمل کرنے کے لئے ہم نے صرف رات اور اس کی تاریکی ہی نہیں بنائی بلکہ ایک روشن دن بھی دیا جس میں تم کا دوبارہ کر کے اپنی معاشی ضروریات حاصل کر سکو، فقبارک اللہ احسن الخالقین، اس کے بعد انسان کی راحت کے اس سامان کا ذکر ہے جو آسمان سے متعلق ہیں اُن میں سب سے بڑی نفع بخش چیز آفتاب کی روشنی ہے اس کا ذکر فرمایا وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا یعنی ہم نے آفتاب کو ایک روشن بھڑکنے والا چراغ بنا دیا، پھر آسمان کے نیچے جو چیزیں انسان کی راحت کے لئے پیدا فرمائیں اُن میں سب سے زیادہ ضرورت کی چیز پانی برسانے والے بادل ہیں اس کا ذکر فرمایا

وَأَنزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا، مُعْصِرَاتِ کی جمع ہے جو پانی سے بھرے ہوئے ایسے بادل کو کہا جاتا ہے جو برسنے ہی والا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بارش بادلوں سے نازل ہوتی ہے اور جن آیات میں آسمان سے نازل ہونے کا ذکر ہے یا تو ان میں بھی آسمان سے مراد فضائے آسمانی ہو جیسے کہ قرآن میں بکثرت لفظ سماء اس معنی کے لئے آیا ہے اور یا یہ کہا جائے کہ کسی وقت براہ راست آسمان سے بھی بارش آسکتی ہے اس کے افکار کی کوئی وجہ نہیں، ان تمام صنائع قدرت اور انعامات ربانی کا ذکر فرمانے کے بعد پھر اصل مضمون قیامت کی طرف رجوع ہے۔

إِنَّ يَوْمَ الْقِيَامِ كَانَ مِيقَاتًا، یعنی فیصلہ کا دن جس سے مراد قیامت ہے وہ ایک موقت اور متعین حد ہے جس پر یہ دنیا ختم ہو جائے گی جبکہ صور ٹھونکا جائے گا، اور دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نفع صور دو مرتبہ ہوگا، پہلے نفع سے سارا عالم فنا ہو جائے گا، دوسرے نفع سے پھر زندہ و قائم ہو جائیگا، اس دوسرے نفع کے وقت سارے عالم کے اگلے پچھلے انسان اپنے رب کے سامنے فوج در فوج ہو کر حاضر ہونگے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ قیامت کے روز تین فوجوں میں تقسیم ہوں گے، ایک فوج ان لوگوں کی ہوگی جو پیٹ بھرے ہوئے لباس پہنے ہوئے سوار یوں پر سوار میدانِ حشر میں آئیں گے، دوسری فوج پیادہ لوگوں کی ہوگی جو چل کر میدان میں آئیں گے، تیسری فوج ان لوگوں کی ہوگی جن کو چہروں کے بل گھسیٹ کر میدانِ حشر میں لایا جائے گا (منظری بروایت نسائی و حاکم و بیہقی) بعض روایات میں افواج کی تشریح دس قسم کی افواج سے کی گئی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حاضرینِ محشر کی بیشمار جماعتیں اپنے اپنے اعمال و کردار کے اعتبار سے ہونگی، ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں، سب جمع ہو سکتے ہیں۔

وَسَيُؤْتِي الْجِبَالُ شَرَابًا، سَيُؤْتِي سے مراد یہ ہے کہ پہاڑ جو آج ثبات و قرار میں بطور مثال کے پیش کئے جاتے ہیں یہ سب اپنی اپنی جگہوں کو چھوڑ کر ریزہ ریزہ ہو کر اڑتے پھرنے لگیں گے، شراب کے لفظی معنی ذہاب یعنی چلے جانیکے ہیں، جنگل کا وہ ریت جو دُور سے چمکتا ہو پانی کی صورت میں نظر آتا ہے اسکو بھی شراب اسی بنا پر کہتے ہیں کہ وہ قریب پہنچتے ہی نظر سے جاتا رہتا ہے (کذا فی الصحاح والراغب)

إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا، مِرْصَاد، وہ جگہ جہاں بیٹھ کر کسی کی نگرانی یا انتظار کیا جائے، جہنم سے مراد اس جگہ جہنم یعنی پُل صراط ہے۔ یہاں ثواب دینے والے اور عذاب دینے والے دونوں فرشتے انتظار کرتے ہوں گے اہل جہنم کو عذاب کے فرشتے پکڑ لیں گے اور اہل جنت کے ساتھ ثواب کے فرشتے ان کو ان کے مقام پر پہنچا دیں گے (منظری)

حضرت حسن بصری رحمہ نے فرمایا کہ جہنم کے پُل پر نگراں فرشتوں کی چوکی ہوگی جس کے پاس جنت میں جایکا پروانہ ہوگا، اسکو گزرنے دیا جائیگا جس کے پاس نہ ہوگا اسکو روک لیا جائے گا (قرطبی)

لِلطَّغِيْنَ مَا بَاءَ، ظاہر یہ ہے کہ لِلطَّغِيْنَ، مَا بَاءَ کے متعلق ہے اور یہ اِنْ جَحْتُمْ كَانَتْ کی دوسری خبر ہے، اس طرح معنی دونوں جملوں کے یہ ہوئے کہ جس جَحْتُمْ تو ہر نیک و بد کے لئے انتظار گاہ ہے سبھی کو اس کے اوپر سے گزرنا ہے اور جہنم طاغین کے لئے مستقر اور ٹھکانا ہے۔ طاغین طاغی کی جمع ہے طغیان سے شتق ہے جس کے معنی ہیں سرکشی اور طاغی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو سرکشی اور نافرمانی میں حد سے گزر جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے جبکہ وہ ایمان لائے نکل جائے اسلئے طاغین سے مراد اس جگہ کفار ہونگے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد وہ بد عقیدہ گمراہ مسلمانوں کے فرقے ہوں جو قرآن و سنت کی حدود سے نکلے ہوئے ہیں اگرچہ صراحۃً کفر اختیار نہیں کیا جیسے روافض، خوارج، معتزلہ وغیرہ (کما فی مظہری)

لِبَيْتَيْنِ فِيْهَا اَحْقَابًا، لَابِثَيْنِ، لَابِث کی جمع ہے جس کے معنی ٹھہرنے والے اور قیام کرنے والے کے ہیں، اَحْقَاب حقبہ کی جمع ہے، زمانہ دراز کو حقبہ کہا جاتا ہے، اس کی مقدار میں اقوال مختلف ہیں۔ ابن جریر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس کی مقدار اسی سال نقل کی اور ہر سال بارہ مہینے کا اور ہر مہینہ تیس دن کا اور ہر دن ایک ہزار سال کا۔ اس طرح تقریباً دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال کا ایک حقبہ۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ، عبد اللہ بن عمر، ابن عباس وغیرہ نے مقدار حقبہ اسی کے بجائے ستر سال قرار دی باقی حساب وہی ہے (ابن کثیر) مگر مسند بزار میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً یہ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ،

تم میں سے جو لوگ گناہوں کی سزا میں جہنم میں ڈالے جائیں گے کوئی اس وقت تک جہنم سے نہ نکلے گا جب تک میں چند اَحْقَاب نہ رہے اور حقبہ کچھ اوپر اسی سال کا، اور ہر سال قین نلو ساٹھ دن کا ہمارے موجودہ دنوں کے مطابق۔

لَا يَخْرُجُ اَحَدٌ مِّنَ النَّارِ حَتَّى يَمُوتَ فِيْہِ اَحْقَابًا وَالْحَقْبُ بَعْضُ وِثْمَانٍ سَنَةٌ سَنَةٌ ثَلَاثُمِائَةٍ وَسِتُّونَ يَوْمًا مِّمَّا تَعُدُّونَ (از مظہری)

اس حدیث میں اگرچہ اس آیت مذکورہ کی تفسیر مذکور نہیں ہے مگر بہر حال لفظ اَحْقَاب کے معنی کا بیان ہر چند صحابہ کرام سے جو اس میں ہر دن ایک ہزار سال کا منقول ہے اگر وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا ہے تو روایات حدیث میں تعارض ہوا، اس تعارض کے وقت کسی ایک پر جزم و یقین تو نہیں ہو سکتا مگر اتنی بات دونوں ہی روایتوں میں مشترک ہے کہ حقبہ یا حقب بہت ہی زیادہ طویل زمانے کا نام ہے اسی لئے بیضاوی نے اَحْقَاب کی تفسیر دھور تقابحہ سے کی ہے یعنی پے درپے بہت سے زمانے۔

جہنم کے خلود اور دوام پر اشکال و جواب | حقبہ کی مقدار کتنی بھی طویل سے طویل قرار دی جائے بہر حال وہ مقناہی اور محدود ہے۔ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس مدت طویلہ کے بعد کفار اہل جہنم بھی جہنم سے نکل جاویں گے حالانکہ یہ قرآن مجید کی دوسری واضح نصوص کے خلاف ہے جن میں خَلِيدٌ بَيْنَ فِیْہَا اَبَدًا کے الفاظ آئے ہیں اور اسی لئے اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ نہ جہنم کبھی فنا ہوگی، نہ کفار کبھی اس سے نکلے جائیں گے۔

سُدی نے حضرت مُرَّة بن عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ کفار اہل جہنم کو اگر یہ خبر دی جائے کہ اُن کا قیام جہنم

میں دنیا بھر میں کتنی کسکریاں تھیں انکی برابر ہوگا تو وہ اس پر بھی خوش ہوں گے کہ بالآخر یہ کسکریاں اربوں کھربوں کی تعداد میں بھی پھر بھی محدود اور متناہی تو ہیں، بہر حال کبھی نہ کبھی اس عذاب سے چھٹکارا ہو جائے گا اور اگر اہل جنت کو یہ خبر دی جائے کہ ان کا قیام جنت میں دنیا بھر کی کسکریوں کے عدد کے مطابق سالوں ہیگا تو وہ نعلین ہونگے کہ کتنی ہی مدت دراز سہی مگر بہر حال اس مدت کے بعد جنت سے نکال دیے جاویں گے (منظہری)

بہر حال اس آیت میں احتقاباً کے لفظ سے جو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ چند احتقاب کے بعد کفار اہل جہنم بھی جہنم سے نکال لئے جاویں گے، تمام نصوص اور اجماع امت کی خلاف ہونے کی بنا پر یہ مفہوم معتبر نہیں ہوگا کیونکہ اس آیت میں اس کی تصریح تو ہے نہیں کہ احتقاب کے بعد کیا ہوگا صرف اتنا ذکر ہے کہ مدت احتقاب ان کو جہنم میں رہنا پڑیگا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ احتقاب کے بعد جہنم نہیں رہے گا یا یہ لوگ اس سے نکال لئے جاویں گے۔ اسی لئے حضرت حسنؓ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے اہل جہنم کے لئے جہنم کی کوئی میعاد اور مدت مقرر نہیں فرمائی جس کے بعد ان کا اس سے نکل جانا سمجھا جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ جب ایک حقہ زمانے کا گزر جائیگا تو دوسرا شروع ہو جائیگا، اسی طرح دوسرے کے بعد تیسرا چوتھا یہاں تک کہ ابدالآباد یہی سلسلہ ہے گا، اور سعید بن جبیرؓ نے قتادہ سے بھی یہی تفسیر روایت کی ہے کہ احتقاب سے مراد وہ زمانہ ہے جس کا انقطاع اور انتہا نہیں بلکہ ایک حقہ ختم ہوگا تو دوسرا حقہ آجائیگا اور یہی سلسلہ ابد تک ہیگا (ابن کثیرؒ منظہری) اور یہاں ایک دوسرا احتمال اور بھی ہے جس کو ابن کثیرؒ نے یحتمل کے لفظ سے بیان کیا ہے اور قسطلیؒ نے فرمایا کہ یہ بات بھی ممکن ہے اور منظہریؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے وہ احتمال یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ طاغین سے مراد کفار نہ لئے جاویں بلکہ وہ اہل توحید جو عقائد باطلہ کے سبب اسلام کے گمراہ فرقوں میں شمار ہوتے ہیں جن کو محدثین کی اصطلاح میں اہل اہل اہل کہا جاتا ہے وہ مراد ہوں تو اس آیت کا حاصل یہ ہوگا کہ ایسے اہل توحید کلمہ گو جو عقائد باطلہ رکھنے کے سبب کفر کی حدود تک پہنچے ہوئے تھے مگر صریح کافر نہ تھے وہ مدت احتقاب جہنم میں رہنے کے بعد بالآخر کلمہ توحید کی بدولت جہنم سے نکال لئے جاویں گے۔

منظہریؒ نے اس احتمال کی تائید میں وہ حدیث مرفوع بھی پیش کی جو ابوہریرہؓ پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بحوالہ مسند بزار نقل ہو چکی ہے جس میں آپؐ نے یہی بیان فرمایا ہے کہ مدت احتقاب گزرنے کے بعد یہ لوگ جہنم سے نکال لئے جاویں گے مگر ابو حیان نے فرمایا کہ بعد کی آیات انہم کانوا لا یزجون حساباً وَ کَذَّبُوا بِآیَاتِنَا کَذَّابًا اس احتمال کے منافی ہیں کہ طاغین سے مراد اس جگہ اہل توحید اور گمراہ فرقے ہوں کیونکہ ان آخری آیات میں قیامت کے انکار اور تکذیبِ رسل کی تصریح ہے اسی طرح ابو حیان نے مقاتل کے اس قول کو بھی فاسد قرار دیا ہے کہ اس آیت کو منسوخ مانا جائے۔

اور ایک جماعت مفسرین نے ایک تیسرا احتمال اس آیت کی تفسیر میں یہ قرار دیا ہے کہ اس آیت کے بعد کا جملہ لَا یَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا لَا حِمِيمًا وَعَسَافًا، یہ احتقاباً سے جملہ حالیہ ہوا اور معنی آیت

کے یہ ہوں کہ احتساب کے زمانہ دراز تک یہ لوگ نہ ٹھنڈی لذیذ ہوا کا ذائقہ چکھیں گے نہ کسی کھانے اور پینے کی چیز کا بجز حمیم اور غساق، پھر احتساب گزرنے کے بعد ہو سکتا ہے کہ یہ حال بدل جائے اور دوسری اقسام کے عذاب ہونے لگیں حمیم وہ کھوتا ہوا گرم پانی ہے کہ جب چہرے کے قریب بیگاتا تو اس کا گوشت جل جائیگا اور جب پیٹ میں لگا جائیگا تو اندرونی اعضاء کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور غساق وہ خون اور پیپ وغیرہ جو اہل جہنم کے زخموں سے نکلے گی۔

جَزَاءً وِفَاقًا، یعنی جو سزا ان کو جہنم میں دی جائے گی وہ ان کے عقائد باطلہ اور اعمال سیدہ کی مطابق ہوگی اوروئے عدل و انصاف اس میں کوئی زیادتی نہ ہوگی فَنُؤْتِيهِمْ مَّا يَشَاءُونَ وَيُؤْتُونَ مَّا كَانُوا يَشَاءُونَ، یعنی جس طرح تم دنیا میں اپنے کفر و انکار میں زیادتی ہی کرتے چلے گئے اور اگر جبراً تمہیں موت نہ آجاتی تو اور بڑھتے ہی رہتے اسی طرح آج اُس کی جزا یہ ہے کہ تمہارا عذاب بڑھتا ہی چلا جائے یہاں تک کفار و فجار کی سزا کا بیان تھا آگے اس کے بالمقابل مومنین متقین کے ثواب اور نعمائے جنت کا تذکرہ ہے۔ ان نعمتوں کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا۔

جَزَاءُ مِمَّنْ رَّبَّنَا عَلَّمَهُمْ حِسَابًا، یعنی اوپر جنت کی جن نعمتوں کا ذکر آیا ہے یہ جزا ہے مومنین کے لئے اور عطا ہے اُن کے رب کی طرف سے عطا کئے کثیر۔ یہاں ان نعمتوں کو اول جزائے اعمال بتلایا پھر عطا ہے ربانی، بظاہر ان دونوں میں تضاد ہے کیونکہ جزا اُس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز کے بدلے میں ہو اور عطا وہ ہے جو بلا کسی بدلے کے بطور انعام و احسان ہو۔ قرآن کریم نے ان دونوں لفظوں کو یکجا جمع کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ جنت میں داخل ہونا اور اس کی نعمتیں صرف صورت اور ظاہر کے اعتبار سے تو اہل جنت کے اعمال کی جزا ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ خالص عطا ہے ربانی ہے کیونکہ انسانی اعمال تو ان نعمتوں کا بھی بدلہ نہیں بن سکتے جو اُن کو دنیا میں فیدی گئی ہیں آخرت کی نعمتوں کا حصول تو صرف حق تعالیٰ کا فضل و انعام اور عطا ہے محض ہے جیسا کہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے عمل سے جنت میں نہیں جاسکتا جب تک حق تعالیٰ کا فضل نہ ہو، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ کیا آپ بھی، آپ نے فرمایا کہ ہاں میں بھی اپنے عمل سے جنت میں نہیں جاسکتا، اور لفظ حساب کا دو معنی ہو سکتے ہیں، ائمہ تفسیر میں بعض نے پہلے بعض نے دوسرے معنی لئے ہیں پہلے معنی حساباً عطاء کا فیا کثیر کے ہیں یعنی ایسی عطا جو اس کی تمام ضرورتوں کے لئے کافی وافی اور کثیر ہو، یہ معنی اس محاورہ سے ماخوذ ہیں اَحْسَيْتُ فَلَا اِيْ اَعْطَيْتُهُ مَا يَكْفِيْهِ حَتّٰی قَالَ حَسْبِيْ یعنی اَحْسَيْتُ کا لفظ اس معنی کے لئے آتا ہے کہ میں نے اس کو اتنا دیا کہ اُس کے لئے بالکل کافی ہو گیا یہاں تک کہ بول اُٹھا حَسْبِيْ یعنی بس میرے لئے بہت ہے۔ اور دوسرے معنی حساب کے موازنہ اور مقابلے کے بھی آتے ہیں۔ حضرت مجاہد نے اس جگہ یہی معنی لے کر مطلب آیت کا یہ قرار دیا کہ یہ عطا ہے ربانی اہل جنت پر ان کے اعمال کے حساب سے مبذول ہوگی، اس عطا میں رجا بحساب اخلاص اور احسان عمل کے ہونگے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں صحابہ کرام کے اعمال کا درجہ باقی امت کے اعمال کے مقابلے میں یہ قرار دیا ہے کہ صحابی اگر اللہ کی راہ میں ایک دین خرچ کرے جو تقریباً ایک سیر موزن ہے، اور غیر صحابی اُحد پہاڑ کی برابر خرچ کرے تو صحابی کا ایک دین اس پہاڑ سے بڑھا ہوا رہے گا۔ واللہ اعلم

لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا، اس جملہ کا تعلق پہلے جملے جَزَاءُ مِّنْ رَبِّكَ عَطَاءٌ حَسَبًا سے بھی ہو سکتا ہے تو معنی یہ ہونگے کہ حق تعالیٰ جس کو جو درجہ ثواب کا عطا فرمادیں گے اُس میں کسی کو گفتگو کرنے کی مجال نہ ہوگی کہ فلاں کو زیادہ فلاں کو کم کیوں دیا گیا، اور اگر اس کو علیحدہ جملہ قرار دیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ محشر میں کسی کو بغیر اجازت حق تعالیٰ خطاب کرنے کا اختیار نہ ہوگا اور یہ اجازت بعض مواقع محشر میں ہوگی بعض میں نہ ہوگی۔

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا، روح سے مراد بعض ائمہ تفسیر کے نزدیک جبریل امین ہیں، ان کا ذکر عام ملائکہ سے پہلے انکی عظمت شان کے اظہار کے لئے ہے۔ اور بعض روایات مرفوعہ میں ہے کہ رُوح اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم الشان لشکر ہے جو فرشتے نہیں، اُن کے سر اور ہاتھ پاؤں ہیں۔ اس تفسیر پر گویا دو صفیں ہوں گی، ایک صف روح کی دوسری فرشتوں کی۔

يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ، ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد روز قیامت ہے، اور محشر میں شخص اپنے اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا خواہ اس طرح کہ نامہ اعمال اسکے ہاتھ میں آجائے گا اسکو دیکھے گا، یا اس طرح کہ اعمال محشر میں محکم اور متشکل ہو کر سامنے آجائیں گے جیسا کہ بعض روایات حدیث سے ثابت ہے۔ اور احتمال یہ بھی ہے کہ اس روز سے مراد موت کا دن ہو اور اپنے اعمال کا دیکھنا قبر و برزخ میں مراد ہو، کما فی المنہری۔

وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَكِيدُنِي كُنْتُ تُرَابًا، حضرت عبداللہ بن عمر رض سے روایت ہے کہ قیامت کے روز ساری زمین ایک سطح مستوی ہو جائے گی جس میں انسان، جنات، زمین پر چلنے والے پالتو جانور اور وحشی جانور سب جمع کر دیئے جائیں گے اور جانور و جنات سے اگر کسی نے دوسرے پر ظلم کیا تھا تو اس سے اسکا انتقام دلوایا جائیگا یہاں تک کہ اگر کسی سینگ والی بکری نے بے سینگ بکری کو مارا تھا تو آج اسکا بھی بدلہ دلوایا جائیگا، جب اس سے فراغت ہوگی تو سب جانوروں کو حکم ہوگا کہ مٹی ہو جاؤ وہ سب مٹی ہو جائیں گے، اس وقت کافر لوگ یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی جانور ہوتے۔ اور اس وقت مٹی ہو جاتے، حساب کتاب اور جہنم کی سزا سے بچ جاتے، نفوذ باللہ منہ، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

تَمَّتْ سُورَةُ النَّبَا بِحَمْدِ اللَّهِ لِيَلْحَظَ الْجَمْعَةُ ۲ شَبَّانِ ۱۳۹۱ھ

سُورَةُ النَّازِعَاتِ

سُورَةُ النَّازِعَاتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ وَأَرْبَعُونَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعٌ
سورہ نازعات مکہ میں نازل ہوئی اس کی چھیالیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شرع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالنَّازِعَاتِ غَرْقًا ۱ وَالنَّشِيطِ نَشْطًا ۲ وَالسَّابِحَاتِ سَبْحًا ۳ فَالسَّيِّئَاتِ سَبَقًا ۴

تسم ہے گھسیٹ لائی والوں کی غوطہ رگاز اور جب چمڑا دینے والوں کی کھول کر اور پیرنے والوں کی تیزی سے پھر آگے بڑھنے والوں کی دُور کر

فَالسُّدَّيَاتِ أَمْرًا ۵ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۶ تَتَّبِعَهَا الرَّادِّفَةُ ۷

پھر کام بنانے والوں کی حکم سے جس دن کانپے کا پھٹنے والی اُس کے پیچھے آئے دوسری

قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ ۸ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۹ يَقُولُونَ إِنْآ لَمَرْدُودُونَ ۱۰

کہتے دل اُس دن دھڑکتے ہیں اُن کی آنکھیں جھک رہی ہیں لوگ کہتے ہیں کیا ہم پھر آئیں گے

فِي الْخَافِرَةِ ۱۱ إِذَا كُنَّا عِظًا مَّائِخِرَةً ۱۲ قَالُوا تِلْكَ إِذْ أَلْرَّةُ خَاسِرَةٌ ۱۳

اُسے پاؤں کیا جب ہم ہو چکیں ہڈیاں کھوکھری بولے تو تو یہ پھر آنا ہے ٹوٹے کا

فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ ۱۴ فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۱۵ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى ۱۶

سو وہ تو صرف ایک جھڑکی ہے پھر بھی وہ آ رہی میدان میں کیا پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی

إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِأَلْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۱۷ إِذْ هَبُّ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ

جب پکارا اُس کو اس نے رب نے پاک میدان میں جس کا نام طوی ہے جا فرعون کے پاس اس نے

طَغَىٰ ۱۸ فَقُلْ هَلْ لَّكَ إِلَىٰ أَنْ تَزَكَّىٰ ۱۹ وَأَهْدِيكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ۲۰

سراٹھایا پھر کہہ تیرا جی چاہتا ہے کہ تو سنور جائے اور راہ بتلاؤں تجھ کو تیرے رب کی طرف پھر تجھ کو ڈر ہے

فَأَرَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ ۲۱ فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ ۲۲ ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَىٰ ۲۳ فَخَشَرُ

پھر دکھائی اس کو وہ بڑی نشانی پھر جھٹلایا اُس نے اور نہ مانا پھر چلا پیچھے بھیر کر تلاش کرتا ہوا پھر سب کو جمع کیا

فَنَادَىٰ (۲۳) فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْإِلَهَىٰ (۲۴) فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ

پھر پکارا تو کہا میں ہوں رب تمہارا سب سے اوپر پھر پکڑا اُس کو اللہ نے سزا میں آخرت کی

وَالْأُولَىٰ (۲۵) إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنِ يَخْشَىٰ (۲۶) وَأَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ

اور دنیا کی بیشک اس میں سوچنے کی جگہ ہے جس کے دل میں ڈر ہے کیا تمہارا بنانا مشکل ہے یا

السَّمَاءُ بِذَنبِهَا (۲۷) رَفَعَ سَمُكَهَا فَسَوَّيَهَا (۲۸) وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا (۲۹)

آسمان کا، اُس نے اس کو بنالیا، اونچا کیا اس کا اُبھار پھر اس کو برابر کیا اور اندھیری کی رات اُس کی اور کھول نکالی اس کی دھوپ

وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا (۳۰) أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا (۳۱) وَالْجِبَالَ

اور زمین کو اس کے پیچھے صاف بچھا دیا باہر نکالا زمین سے اس کا پانی اور چارا اور بہاڑی کو

أَرْسَمَهَا (۳۲) مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ (۳۳) فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَىٰ (۳۴)

قائم کر دیا کام چلانے کو تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے پھر جب آئے وہ بڑا ہنگامہ

يَوْمَ يَبْتَذِرُ كُرًّا لِّلنَّاسِ مَا سَعَىٰ (۳۵) وَبُرْزَتِ الْجَحِيمِ لِمَنْ يُّورَىٰ (۳۶) فَأَمَّا مَنْ

جس دن کہ یاد کرے گا آدمی جو اُس نے کمایا اور نکال ظاہر کر دیں دوزخ کو جو چاہے دیکھے سو جس نے کی ہو

كَفَىٰ (۳۷) وَآثَرَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (۳۸) فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ (۳۹) وَأَمَّا مَنْ

شرارت اور بہتر سمجھا ہو دنیا کا جینا سودورخ ہی ہے اُس کا ٹھکانا اور جو سکونت

خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ (۴۰) فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ (۴۱)

ڈرا ہوا اپنے رب کے سامنے گھڑے ہونے سے اور روکا ہو اُس نے ہی کو خواہش سے سو بہشت ہی ہے اُس کا ٹھکانا

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسِمُهَا (۴۲) فِيمَا أَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا (۴۳)

بتجہ سے پوچھتے ہیں وہ گھڑی کب ہوگا قیام اس کا تجھ کو کیا کام اُس کے ذکر سے

إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْتَهَاهَا (۴۴) إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ مِّنْ يَّخْشَاهَا (۴۵) كَانَتْهُمْ يَوْمَ

تیرے رب کی طرف ہے پہنچ اُس کی تو تو ڈر سنانے کے واسطے ہے اس کو جو اس سے ڈرتا ہے ایسا لگے گا جس دن

يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عِشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا (۴۶)

دیکھیں گے اس کو کہ نہیں ٹھہرے تھے دنیا میں مگر ایک شام یا صبح اُس کی

خلاصہ تفسیر

قسم ہے اُن فرشتوں کی جو (کافروں کی) جان سختی سے نکالتے ہیں اور جو (مسلمانوں کی) روح آسانی سے نکالتے ہیں گویا اُن کا) بند کھول دیتے ہیں اور جو (روحوں کو لیکر زمین سے آسمان کی طرف اس طرح سرعت و سہولت سے چلتے ہیں جیسے گویا) تیرتے ہوئے چلتے ہیں پھر (جب روحوں کو لیکر پہنچتے ہیں تو ان ارواح کے باب میں جو

خدا کا حکم ہوتا ہے اسکے امتثال کے لئے) تیزی کیساتھ دوڑتے ہیں پھر (ان ارواح کے متعلق ثواب کا حکم ہوا عقاب کا دوپٹی امروں میں سے) ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں (ان سب کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ) قیامت ضرور آدگی جس روز ہلائیے والی چیز ہلا ڈالے گی (مراد نفخہ اُولی ہے) جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آجاوے گی (مراد نفخہ ثانیہ ہے) بہت سے دل اُس روز دھڑک رہے ہونگے اُن کی آنکھیں (مارے ندامت کے) جھک رہی ہونگی (مگر یہ لوگ قیامت کا انکار کر رہے ہیں اور) کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی حالت میں پھر واپس ہونگے (پہلی حالت سے مراد حیات قبل الممات یعنی کیا بعد الموت پھر حیات ثانیہ ہوگی؟ مقصود استبعاد ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے) کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جاویں گے پھر (حیات کی طرف) واپس ہونگے (مقصود استعصاب ہے کہ یہ سخت دشوار ہے) کہنے لگے کہ (اگر ایسا ہوا تو) اُن صورت میں یہ واپسی (ہمارے لئے) بڑے خسارہ کی ہوگی (کیونکہ ہم نے تو اسکے لئے کچھ سامان نہیں کیا، مقصود اس سے تمسخر تھا اہل حق کے اس عقیدہ کے ساتھ، یعنی ان کے عقیدہ پر ہم بڑے خسارہ میں ہوں گے جیسے کوئی شخص کسی کو خیر خواہی سے ڈرائے کہ اس راہ مت جانا شیر طے گا اور مخاطب تکذیب کے طور پر کسی سے کہے کہ بھائی ادھر مت جانا شیر کھا جاوے گا مطلب یہ کہ وہاں شیر دیر کچھ بھی نہیں ہے۔ آگے استبعاد و استعصاب مذکور کا رد ہے کہ یہ لوگ جو قیامت کو بعید اور مشکل کہتے ہیں) تو (یہ سمجھ رکھیں کہ ہم کو کچھ مشکل نہیں بلکہ) وہ بس ایک ہی سخت آواز ہوگی جس سے سب لوگ فوراً ہی میدان میں آمو جو ہونگے (آگے مکذبین کی تحریف اور تکذیب پر اپنی تسلی کے لئے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کیساتھ بیان کیا جاتا ہے، پس فرماتے ہیں کہ) کیا آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) کا قصہ پہنچا ہے جبکہ اُن کو انکے پروردگار نے ایک پاک میدان یعنی طوی میں (یہ اسکا نام ہے) پکارا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی شرارت اختیار کی ہے سو اُس سے (جا کر) کہو کہ کیا تجھ کو اس بات کی خواہش ہے کہ تو درست ہو جاوے، اور (تیری درستی کی غرض سے) میں تجھ کو تیسرے رب کی طرف (ذات و صفات کی) رہنمائی کروں تو تو (ذات و صفات کو مٹ کر اس سے بھڑنے لگے) اور اس ڈر سے درستی ہو جاوے، غرض یہ حکم سن کر موسیٰ علیہ السلام اُن کے پاس گئے اور جا کر پیغام ادا کیا) پھر (جب اُس نے دلیل نبوت طلب کی تو) اُس کو بڑی نشانی (نبوت کی) دکھلائی (مراد معجزہ عصا ہے یا بارادہ جنس مجموعہ عصا و بیضیہ) تو اُس (فرعون) نے (اُن کو) جھٹلایا اور (اُن کا) کہنا نہ مانا پھر (موسیٰ علیہ السلام سے) جدا ہو کر (انکے خلاف) کوشش کرنے لگا اور (لوگوں کو) جمع کیا پھر (اُن کے سامنے) با آواز بلند تقریر کی اور کہا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں (اعلیٰ قید واقعی کے طور پر کہا پس اصل مقصود اَنَّا رَبُّکُمْ ہے اور اعلیٰ صفت مادہ بڑھادی اور احترازی نہیں جس سے غیر اعلیٰ دوسرے رب کا ثبوت ہو) سو اللہ تعالیٰ نے اُس کو آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں پکڑا۔ (دنیوی عذاب تو غرق ہے اور اُفروی عذاب خرق یعنی جلنا ہے) بیشک اس (واقعہ) میں ایسے شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو (اللہ تعالیٰ سے) ڈرے، (آگے قیامت کو بعید یا مشکل سمجھنے کا عقلی جواب ہے یعنی) بھلا تمہارا (دوسری بار) پید کرنا (فی نفسہ) زیادہ سخت ہے یا آسمان کا (اور فی نفسہ اسلئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نسبت

سے تو سب مساوی ہیں اور ظاہر ہے کہ آسمان ہی کا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے، پھر جب اس کو پیدا کر دیا تو تمہارا پیدا کرنا کیا مشکل ہے، آگے آسمان کے پیدا کرنا کی کیفیت بیان فرماتے ہیں کہ (اللہ نے اسکو بنایا) (اس طرح سے کہ) اسکی چھت کو بلند کیا اور اس کو درست بنایا (کہ کہیں ہمیں شقوق و قطور، پھٹا ہوا یا جوڑ پیوند تو نہیں) اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اسکے دن کو ظاہر کیا (رات اور دن کو آسمان کی طرف اسلئے منسوب کیا کہ رات اور دن آفتاب کے طلوع اور غروب ہوتے ہیں اور آفتاب آسمان سے متعلق ہے) اور اُسکے بعد زمین کو بچھایا (اور بچھا کر) اس سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو (اُس پر) قائم کر دیا تمہارے اور تمہارے مویشی کے قائدہ پہنچانے کے لئے (اصل استدلال خلقِ سماء سے تھا مگر زمین کا ذکر شاید اسلئے کر دیا کہ اسکے احوال ہر وقت پیش نظر ہیں اور گو سمار کے برابر نہ سہی لیکن فی نفسہ انسان کی تخلیق سے زمین کی تخلیق بھی اشد ہے پس حاصل استدلال کا یہ ہوا کہ جب ایسی ایسی چیزیں ہم نے بنادیں تو تمہارا دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے آگے بعث کے بعد جو واقعات مجازاۃ کے متعلق ہونگے اُن کی تفصیل ہے یعنی قیامت کا امکان اور صحت وقوع تو ثابت ہو گیا) سو جب وہ بڑا ہنگامہ آویجا یعنی جس دن انسان اپنے کئے کو یاد کر گیا اور دیکھنے والوں کے سامنے دوزخ ظاہر کیا دیگی تو (اُس روز یہ حالت ہوگی کہ) جس شخص نے (حق سے) سرکشی کی ہوگی اور (آخرت کا منکر ہو کر اُس پر) دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی سو دوزخ اُسکا ٹھکانا ہوگا اور جو شخص (دُنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا (کہ قیامت اور آخرت اور حساب کتاب پر اسکا ایمان مکمل ہو) اور نفس کو (حرام) خواہش سے روکا (یعنی اعتقادِ صحیح کے ساتھ عملِ صالح بھی کیا) ہوگا سو جنت اسکا ٹھکانا ہوگا (اور عملِ صالح طریقِ جنت ہے موقوف علیہ نہیں، چونکہ کفار بقصد انکار قیامت کے اسکا وقت پوچھا کرتے تھے آگے اسکا جواب ہے یعنی) یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اسکا وقوع کب ہوگا (سو) اس کے بیان کر نیسے آپ کا کیا تعلق (کیونکہ بیان کا موقوف علیہ علم ہے اور قیامت کا معینِ دقت ہم نے کسی کو بتلایا نہیں بلکہ) اُس (کے علم کی تعیین) کا مدار صرف آپ کے رب کی طرف ہے (اور) آپ تو صرف (اخبارِ جمالی سے) ایسے شخص کے ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہو (اور ڈر کر ایمان لانے والا ہو اور یہ لوگ جو جلدی مچا رہے ہیں تو سمجھ لیں کہ) جس روز یہ اس کو دیکھیں گے تو (اُن کو) ایسا معلوم ہوگا کہ گویا (دُنیا میں) صرف ایک دن کے آخری حصہ میں یا اسکے اول حصہ میں رہے ہیں (دبس یعنی دُنیا کی مدتِ طویلہ قصیر معلوم ہوگی اور سمجھیں گے کہ عذاب بڑی جلدی آگیا جس کی یہ استدعا کرتے ہیں حاصل یہ کہ جلد بازی کیوں کرتے ہو وقوع کے وقت اسکو ہی سمجھو گے کہ بڑی جلد ہو گیا جس دیر کو اب دیر سمجھ رہے ہو یہ دیر معلوم نہ ہوگی)

معارف و مسائل

وَالَّذِیْنَ غَرَقُوا، نازعات، نزع سے مشتق ہے جس کے معنی کسی چیز کو کھینچ کر نکالنے کے آتے ہیں، اور غرقا اُس کی تاکید ہے کیونکہ غرق اور اغراق کے معنی کسی کام میں پوری قوت شدت خرچ کرنے کے ہیں محاورہ

میں کہا جاتا ہے اغرق النازع فی لقوس یعنی کمان کھینچنے والے نے اس کے کھینچنے میں اپنی پوری قوت خرچ کر دی اس سورۃ کے شروع میں ملائکہ کی چند صفات اور حالات بیان کر کے انکی قسم کھائی گئی ہے اور جواب قسم بدلات حال حذف کر دیا گیا، مراد اس سے قیامت اور شر و نشر کا یقیناً واقع ہونا ہے۔ فرشتوں کی قسم شاید اس سبب سے کھائی گئی ہے کہ اگرچہ فرشتے اس وقت بھی تمام عالم کے نظم و نسق میں خل رکھتے اور اپنی اپنی خدمت بجالاتے ہیں لیکن قیامت کے روز اسبابِ مادیہ کے سبب شے ٹوٹ جائیگی غیر معمولی حالات و واقعات پیش آویں گے، ان واقعات میں فرشتے ہی کام کریں گے۔ فرشتوں کی اس جگہ پانچ صفات وہ بیان کی گئی ہیں جن کا تعلق انسان کی موت اور نزعِ روح سے ہے مقصد تو قیامت کا حق ہونا بیان کرنا ہے، شروع اسکا انسان کی موت سے کیا گیا کہ ہر انسان کی موت خود اس کے لئے ایک جزوی قیامت ہے اور قیامت کے اعتقاد میں اسکا بڑا دخل ہے۔ ان پانچ صفات میں سے پہلی صفت الَّذِينَ غَوَّاهُ یعنی سختی کے ساتھ کھینچ کر نکالنے والے، مراد اس سے وہ عذاب کے فرشتے ہیں جو کافر کی روح سختی کے ساتھ نکالتے ہیں، مراد اس سختی سے روحانی سختی اور تکلیف ہے یہ ضروری نہیں کہ دیکھنے والوں کو بھی اس سختی کا احساس ہو اسی لئے بسا اوقات یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کافر کی روح بظاہر آسانی سے نکلتی ہے مگر یہ آسانی ہمارے دیکھنے میں ہے جو سختی اُس کی روح پر ہو رہی ہے اس کو کون دیکھ سکتا ہے وہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی خبر دینے سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس لئے اس جملے میں یہ خبر دیدی گئی ہے کہ کفار کی روح کو کھینچ کر سختی سے نکالا جاتا ہے دوسری صفت ہے وَالَّذِينَ نَسَّطُوا، ناشطات نشط سے مشتق ہے جس کے معنی بندھن کھول دینے کے ہیں۔ جس چیز میں پانی یا ہوا وغیرہ بھری ہوں اسکا بندھن کھول دینے سے وہ پانی وغیرہ آسانی کیساتھ نکل جاتا ہے اسیں مومن کی روح نکلنے کو اس سے تشبیہ دیکر بتلایا ہے کہ جو فرشتے مومن کی قبض روح پر مقرر ہیں وہ آسانی سے اُس کو قبض کرتے ہیں شدت نہیں کرتے، یہاں بھی آسانی روحانی مراد ہے جسمانی نہیں اس لئے کسی مسلمان بلکہ مرد صالح کو بوقت موت نزعِ روح میں دیر لگنے سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اُس پر سختی ہو رہی ہے اگرچہ جسمانی طور پر یہ سختی دیکھی جاتی ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ کافر کو نزعِ روح کے وقت ہی سے برزخ کا عذاب سامنے آ جاتا ہے، اسکی روح اس سے گھبرا کر بدن میں چھپنا چاہتی ہے، فرشتے کھینچ کر نکالتے ہیں، اور مومن کی روح کے سامنے عالمِ برزخ کا ثواب، نعمتیں اور بشارتیں آتی ہیں تو اُس کی روح تیزی سے ان کی طرف جانا چاہتی ہے۔

تیسری صفت فرشتوں کی وَالَّذِينَ سَبَّحُوا یعنی تسبیح کے لغوی معنی تیرنے کے آتے ہیں، مراد اس جگہ تیزی سے چلنا ہے جیسے دریا میں کوئی آڑ پہاڑ نہیں ہوتا، تیرنے والا یا کشتی وغیرہ میں چلنے والا سیدھا اپنی منزل مقصود کی طرف جاتا ہے فرشتوں کی یہ صفت کہ تیز جانے والے ہیں یہ بھی ملائکہ موت سے متعلق ہے کہ انسان کی روح قبض کرنے کے بعد اس کو تیزی سے آسمان کی طرف لیجاتے ہیں۔

چوتھی صفت وَالَّذِينَ سَبَّحُوا ہے مراد یہ ہے کہ پھر یہ روح جو فرشتوں کے قبضہ میں ہے اس کو اس کے اچھے یا بُرے ٹھکانے پر پہنچانے میں سبقت اور عجلت سے کام لیتے ہیں۔ مومن کی روح کو جنت کی ہواؤں اور

نعمتوں کی جگہ میں کافر کی روح کو دوزخ کی ہواؤں اور عذابوں کی جگہ میں پہنچا دیتے ہیں۔

پانچویں صفت قائمہ بڑی آہستہ ہے۔ امر الہی کی تدبیر و تنفیذ کرنے والے یعنی ان ملائکہ موت کا آخری کام یہ ہوگا کہ جس روح کو ثواب اور راحت دینے کا حکم ہوگا اسکے لئے راحت کے سامان جمع کر دیں اور جس کو عذاب اور تکلیف میں ڈالنے کا حکم ہوگا اسکے لئے اسکا انتظام کر دیں۔

قبر میں ثواب و عذاب | موت کے وقت فرشتوں کا آنا اور انسان کی روح قبض کر کے آسمان کی طرف لیجانا پھر اسکے اچھے یا بُرے ٹھکانے پر جلدی سے پہنچا دینا اور وہاں ثواب یا عذاب، تکلیف یا راحت کے انتظامات کر دینا ان آیات مذکورہ سے ثابت ہو گیا۔ یہ عذاب و ثواب قبر یعنی برزخ میں ہوگا۔ حشر کا عذاب و ثواب اس کے بعد ہے احادیث صحیحہ میں اسکی بڑی تفصیلات مذکور ہیں۔ حضرت برار بن عازبؓ کی ایک طویل حدیث مشکوٰۃ میں بحوالہ مسند احمد مذکور ہے۔

نفس اور روح کے متعلق حضرت قاضی شہار الشہرہ کی تحقیق مفید

تفسیر مظہری کے حوالہ سے نفس و روح کی حقیقت پر کچھ کلام سورہ حجر کی آیت ۲۹ کے تحت گزر چکا ہے۔ اسی سلسلے کی مزید تحقیق و توضیح بہر حق وقت حضرت کاظمی شہرہ پانی پتی قدس سرہ نے اس جگہ تحریر فرمائی ہے جس سے بہت سے اشکالات حل ہو جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ حدیث مذکور سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نفس انسانی ایک جسم لطیف ہے جو اسکے جسم کثیف کے اندر سمایا ہوا ہے اور وہ انہیں مادی عناصر اربعہ سے بنا ہے۔ فلاسفہ اور اطباء اسی کو روح کہتے ہیں مگر درحقیقت روح انسانی ایک جوہر مجرد اور لطیف ربانی ہے جو اس طبعی روح یعنی نفس کیساتھ ایک خاص تعلق رکھتا ہے اور طبعی روح یعنی نفس کی حیثیت خود اس لطیف ربانی پر موقوف ہے گویا اس کو روح الروح کہہ سکتے ہیں کہ جسم کی زندگی نفس سے ہے اور نفس کی زندگی اس روح سے وابستہ ہے اس روح مجرد اور لطیف ربانیہ کا تعلق اسی جسم لطیف یعنی نفس کیساتھ کیا اور کس طرح کا ہے اس کی حقیقت کا علم انکے پیدا کرنے والے کے سوا کسی کو نہیں، اور یہ جسم لطیف جسکا نام نفس ہے اسکو حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایک آئینہ کی مثال بنایا ہے جو آفتاب کے بالمقابل رکھ دیا گیا ہو تو آفتاب کی روشنی اس میں ایسی آجاتی ہے کہ یہ خود آفتاب کی طرح روشنی پھیلاتا ہے نفس انسانی اگر تعلیم و حی کی مطابق ریاضت و محنت کر لیتا ہے تو وہ بھی منور ہو جاتا ہے ورنہ وہ جسم کثیف کے خراب اثرات میں ملوث ہوتا ہے یہی جسم لطیف ہے جس کو فرشتے اوپر لیجاتے ہیں اور پھر اعزاز کے ساتھ نیچے لاتے ہیں جبکہ وہ منور ہو چکا ہو، ورنہ آسمان کے دروازے اسکے لئے نہیں کھلتے، اوپر ہی سے نیچے پٹخ دیا جاتا ہے۔ یہی جسم لطیف ہے جس کے بار میں حدیث مذکور میں ہے کہ ہمنے اسکو زمین کی مٹی سے پیدا کیا، پھر اس میں کوٹائیں گے پھر اسی سے دوبارہ پیدا کریں گے یہی جسم لطیف اعمال صالحہ سے منور اور خوشبودار بن جاتا ہے اور کفر و شرک سے بدبودار ہو جاتا ہے۔ باقی روح مجرد اسکا تعلق جسم کثیف کے ساتھ بواسطہ جسم لطیف یعنی نفس کے ہوتا ہے اُس پر موت طاری نہیں ہوتی، قبر کا عذاب و ثواب بھی اسی جسم لطیف یعنی نفس سے وابستہ ہے اور اس نفس کا تعلق قبر سے ہی رہتا ہے اور روح مجرد علیین میں ہوتی ہے

اور روح مجرد اسکے ثواب عذاب سے بالواسطہ متاثر ہوتی ہے، اس طرح روح کا قبر میں ہونا بمعنی نفس کے صحیح ہے اور اسکا عالم ارواح یا علیین میں رہنا بمعنی روح مجرد صحیح ہے اس سے ان روایات مختلفہ کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے، واللہ اعلم۔ آگے قیامت کے وقوع اور اسمیں پہلے نفعی صورتوں سے سارے عالم کی فنا پھر دوسرے سے سارے عالم کی دوبارہ ایجاد اور اس پر کفار کے شبہ استبعاد کا جواب مذکور ہے اس کے آخر میں فرمایا قَدْ اَهْتَرَا بِالسَّاهِرَةِ ساہرہ سطح زمین کو کہا جاتا ہے۔ قیامت میں جو زمین دوبارہ پیدا کی جاوے گی وہ پوری ایک سطح مستوی ہوگی۔ اسمیں آڑ پہاڑ عمارت یا غار نہیں ہوگا، اسی کو ساہرہ کہا گیا ہے، اسکے بعد کفار منکرین قیامت کی ضد اور عقاد سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچتی تھی اسکا ازالہ فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کر کے کیا گیا ہے کہ مخالفین سے ایسی ایذاں کچھ آپ کے لئے مخصوص نہیں، انبیاء سابقین کو بھی بڑی بڑی ایذاں ان سے پہنچی ہیں، انھوں نے صبر کیا، آپ بھی صبر سے کام لیں۔

فَاَخَذَ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ، نکال ایسے عذاب کو کہا جاتا ہے جس کو دیکھ کر دوسروں کو عبرت ہو اور سبسم جائیں، نکال آخرت فرعون کے لئے آخرت کا عذاب ہے، اور نکال اولیٰ سے مراد وہ عذاب ہے جو دنیا میں اس کی پوری قوم کے غرق دریا ہو جانے سے ان کو پہنچا۔ آگے پھر منکرین حشر و نشر کے اس استبعاد اور شبہ کا ازالہ ہے کہ مرنے اور مٹی ہو جانے کے بعد کیسے دوبارہ زندہ کئے جاویں گے، اسمیں حق تعالیٰ نے آسمان زمین اور انکے اندر پیدا کی ہوئی عظیم مخلوقات کا ذکر کر کے انسان غافل کو اس پر متنبہ کیا ہے کہ جس ذات نے ایسی عظیم الشان مخلوقات کو ابتدائی وجود بغیر کسی مادہ و آلہ کے عطا فرمایا وہ اگر ان کو نیست و نابود کرنے کے بعد دوبارہ وجود عطا فرمادے تو تمھارے تعجب کا کیا مقام ہے۔ آگے پھر روز قیامت کی شدت اور اُس روز ہر شخص کے اعمال کا سامنے آجانا اور اہل جنت اور اہل جہنم کے دونوں ٹھکانوں کا بیان اور آخر میں اہل جنت اور اہل دوزخ کی خاص خاص علامات کا بیان ہے جس سے ایک انسان دنیا ہی میں یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ ضابطہ سے میرا ٹھکانا جنت میں ہے یا دوزخ میں، ضابطہ اس لئے کہا گیا ہے کہ کسی کی شفاعت یا بلا واسطہ حق تعالیٰ کی رحمت سے کسی جہنمی کو اُس سے آزاد کر کے جنت میں پہنچا دینا جیسا کہ بہت سی آیات و روایات حدیث اس پر دلالت کرتی ہیں وہ ایک استثنائی حکم ہے اور اصل ضابطہ جنت یا دوزخ میں ٹھکانے کا وہی ہے جو ان آیات میں بیان فرمایا ہے۔

پہلے اہل جہنم کی خاص علامات بیان کی گئی وہ دو ہیں قَامًا مِّنْ كُلِّیٍّ وَ اٰثَرُ الْحَیْوَةِ الدُّنْیَا، اول طفیان یعنی اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کے احکام کی پابندی کے بجائے کشری کرنا، دوسرے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دینا۔ یعنی جب ایسا کوئی کام سامنے آئے کہ اسکے اختیار کرنے سے دنیا میں تو آرام یا لذت ملتی ہے مگر آخرت میں سیر عذاب مقرر ہے اس وقت وہ دنیا کی لذت کو ترجیح دے کر آخرت کی فکر کو نظر انداز کر دے جو شخص دنیا میں ان دو بلاؤں میں مبتلا ہے اس کے لئے فرمادیا فَإِنَّ الْجَحِیْمَ هِيَ الْمَأْدٰی، یعنی جہنم ہی اُسکا ٹھکانا ہے، اسکے بعد اہل جنت کی اسی طرح دو علامتیں بتلائی ہیں قَامًا مِّنْ خَافٍ مَّقَامَ رَبِّہٖ وَ تَهْوٰی النَّفْسِ عَنِ الْهَوٰی،

اول یہ کہ جس شخص کو دنیا میں اپنے ہر عمل ہر کام کے وقت یہ خوف لگا رہا کہ مجھے ایک روز حق تعالیٰ کے سامنے پیش ہو کر ان اعمال کا حساب دینا ہوگا، دوسرے جس نے اپنے نفس کو قابو میں رکھا، ناجائز خواہشوں سے اسکو روک دیا، جس نے دنیا میں یہ دو وصف حاصل کر لئے قرآن کریم نے اسکو یہ خوشخبری دیدی **فَإِنَّ الْجَنَّةَ رَهِیَ الْمَأْدَىٰ** یعنی جنت ہی اُس کا ٹھکانا ہے۔

مخالفت نفس کے تین درجے | آیت مذکورہ میں جنت کے ٹھکانے کی دو شرطیں بتلائی ہیں اور غور کیا جائے تو وہ نتیجہ کے اعتبار سے ایک ہی ہے، کیونکہ پہلی شرط خدا تعالیٰ کے حضور جوابدہی کا خوف ہے۔ دوسری شرط نفس کو ہوئی سے روکنا، اور حقیقت یہ ہے کہ خدا کا خوف ہی نفس کو اتباع ہوئی سے روکنے والی چیز ہے۔ حضرت قاضی شہار اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ مخالفت ہوئی کے تین درجے ہیں۔

اول درجہ تو یہ ہے کہ آدمی اُن عقائد باطلہ سے بچ جائے جو ظاہر نصوص اور اجماع سلف کے خلاف ہوں، اس درجہ میں پہنچکر وہ سنی مسلمان کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔

متوسط درجہ یہ ہے کہ وہ کسی معصیت اور گناہ کا ارادہ کرے پھر اس کو یہ بات یاد آجائے کہ مجھے اللہ کے سامنے حساب دینا ہے اس خیال کی بنا پر گناہ کو ترک کر دے۔ اسی متوسط درجہ کا تکرار یہ ہے کہ آدمی شہادت سے بھی پرہیز کرے اور جس مباح و جائز کام میں مشغول ہونے سے کسی ناجائز کام میں مبتلا ہو جانیکا خطرہ ہو اُس جائز کام کو بھی ترک کر دے، جیسا کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسے مشتبہات سے پرہیز کر لیا اسے اپنی آبرو اور دین کو بچالیا اور جو شخص مشتبہات میں مبتلا ہو گیا وہ بالآخر حرمت میں مبتلا ہو جائیگا، مراد مشتبہات سے وہ کام ہیں جنہیں جائز و ناجائز ہونیکے دونوں احتمال ہوں، یعنی عمل کرنے والے کو یہ شبہ ہو کہ میرے لئے یہ کام جائز ہے یا ناجائز، مثلاً ایک شخص بیمار ہے وضو کرنے پر قادر تو ہے اور اسکا یقین پورا نہیں کہ میرے لئے وضو کرنا اس حالت میں مضر ہی ہے تو تیمم کا جواز اور عدم جواز مشتبہ ہو گیا اسی طرح کھڑے ہو کر نماز پڑھ تو سکتا ہے مگر مشقت بہت زیادہ ہے اسکی وجہ سے یہ اشتباہ ہو گیا کہ بیٹھ کر نماز میرے لئے درست ہو یا نہیں ایسے مواقع میں مشتبہ چیز کو چھوڑ کر یقینی جواز کو اختیار کرنا تقویٰ ہے اور مخالفت کا متوسط درجہ یہی ہے۔

مکائد نفس | نفس کی مخالفت ان چیزوں میں جو صریح طور سے گناہ اور سیئات ہیں یہ تو اگر کوئی کوشش کرے تو باختیار خود بھی آمیں کامیابی ہو جاتی ہے لیکن ایک ہلوی نفس وہ ہے جو عبادات اور اعمال حسنہ میں شامل ہو جاتی ہے، ریاء و نمود، خود پسندی، یہ ایسے دقیق گناہ اور شدید ہوائی نفس ہیں جس میں انسان اکثر خود بھی دھوکا کھاتا ہے اپنے عمل کو درست دیکھ سمجھتا رہتا ہے اور یہی وہ ہلوی نفس ہے جسکی مخالفت سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ضروری ہے، مگر اس سے بچنے کا صحیح علاج اور مجرب نسخہ اسکے سوا نہیں کہ انسان کوئی ایسا شیخ کامل تلاش کرے جو کسی ہر شیخ کی خدمتیں رہ کر مجاہدات کر کے عیوب نفس اور انکے معالجہ سے واقف ہوا اپنے آپکو اسکے حوالہ کر دے اور اسکے مشورہ پر عمل کرے۔

شیخ امام حضرت یعقوب کرخیؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنی ابتدائی عمر میں نجارتھا (لکڑی کا کام کرتا تھا) میں نے اپنے نفس میں سُستی اور باطن میں ایک قسم کی ظلمت محسوس کی تو ارادہ کیا کہ چند روز روزے رکھوں تاکہ یہ ظلمت اور سُستی دور ہو جائے، اتفاقاً اسی روز کے کیمال میں ایک روز میں شیخ اجل امام بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، شیخ نے مہانوں کے لئے کھانا منگایا اور مجھے بھی کھانیکا حکم دیا اور فرمایا بہت بُرا بندہ ہے جو اپنی ہوائی نفسانی کا بندہ ہو جو اسکو گمراہ کرے اور فرمایا کہ کھانا کھا لینا اُس روز سے بہتر ہے جو ہوائی نفسانی کے ساتھ ہو، اسوقت مجھے احساس ہوا کہ میرا نفس عجیب خود پسندی کا شکار ہو رہا تھا جس کو شیخ نے محسوس کیا اور مجھے ثابت ہو گیا کہ ذکر و شغل اور نفلی عبادات میں کسی شیخ کامل کی اجازت و ہدایت درکار ہے کیونکہ وہ مکالمہ نفس سے واقف ہوتا ہے جس نفلی عمل میں کوئی نفس کا کید ہوگا اسی سے روکدے گا، اس وقت میں نے حضرت شیخ نقشبند قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت اگر ایسا شیخ جس کو اصطلاح میں فانی فی اللہ اور باقی باللہ کہا جاتا ہے کسی کو میسر نہ ہو تو وہ کیا کرے، شیخ نے فرمایا کہ اس کو چاہیے کہ استغفار کی کثرت کرے اور ہر نماز کے بعد بیس مرتبہ استغفار کرنے کی پابندی کرے تاکہ پانچ وقت سو مرتبہ استغفار ہو جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بعض اوقات میں اپنے قلب میں کہ ورت محسوس کرتا ہوں اور میں ہر روز اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ استغفار یعنی طلبِ مغفرت کرتا ہوں۔

تیسرا اعلیٰ درجہ مخالفت ہوائی نفسانی کا یہ ہے کہ کثرتِ ذکر اور مجاہدات و ریاضات کے ذریعہ اپنے نفس کو ایسا مُڑکشی بنا لے کہ اس میں وہ ہوائی نفسانی باقی ہی نہ رہے جو انسان کو شرکی طرف کھینچتی ہے یہ مقام ولایتِ خاصہ کا مقام ہے اور اُسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جس کو صوفیہ کی اصطلاح میں فانی فی اللہ اور باقی باللہ کہا جاتا ہے، یہی لوگ قرآن کی اس آیت کے مصداق ہیں جو شیطان کو مخاطب کر کے کہی گئی ہے إِنَّ عِبَادِيَ لَآئِسِينَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ، یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہیں چل سکے گا، اور یہی مصداق ہیں اُس حدیث کے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا يُمْؤِنُ أَحَدٌ كَرَّحَقٍّ يَكُونُ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ، یعنی تم میں کوئی شخص اسوقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی ہوائی نفسانی میری تعلیمات کے تابع نہ ہو جائیں (اللہم اذقناہ بفضلک و کریمک)

آخر سورت میں کفار کے اس معاندانہ سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کی معین تاریخ اور وقت بتلانے پر اصرار کرتے تھے حاصل جواب یہ ہے کہ اسکو حق تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے صرف اپنی ذات کیلئے مخصوص رکھا ہے اسکی اطلاع کسی فرشتے یا رسول کو بھی نہیں دی گئی ہے اسلئے یہ مطالبہ لغو ہے۔

تَمَّتْ سُورَةُ النَّازِعَاتِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۱۴ شَعْبَانَ ۱۳۹۹ھ ۱۳ دُوسْتَنَہ

طَعَامٍ ۲۳ ۱۱ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۲۵ ۱۲ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ۲۶ ۱۳ فَانْبَثْنَا

کھانے کو کہ ہم نے ڈالا پانی اور پھرتا ہوا پھر چیرا زمین کو پھاڑ کر پھر اُگایا

فِيهَا حَبًّا ۲۷ ۱۴ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۲۹ ۱۵ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ۳۰ ۱۶ وَ

اس میں اناج اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجوریں اور گھن کے باغ اور

فَاِكْهَةً ۳۱ ۱۷ وَآيَاتٍ ۳۲ ۱۸ فَاذْجَاءَتِ الصَّاحَّةُ ۳۳ ۱۹

میوہ اور گھاس کام چلانے کو تمھارے اور تمھارے چوپایوں کے پھر جب آئے وہ کان پھوڑنے والی

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۳۴ ۲۰ وَأَقْرَبٍ ۳۵ ۲۱ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۳۶ ۲۲

جس دن کہ بھاگے مرد اپنے بھائی سے اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی ساتھ والی سے اور اپنے بیٹوں سے

لِكُلِّ امْرِيٍّ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۳۷ ۲۳ وَوَجْهٌ يُومِئِدُ مَسْفِرَةً ۳۸ ۲۴

ہر مرد کو لامیں سے اُس دن ایک فکر لگا ہوا ہے جو اسکے لئے کافی ہے کتنے منہ اُسدن روشن ہیں

ضَاحِكَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ ۳۹ ۲۵ وَوَجْهٌ يُومِئِدُ عَلَيْهَا غَيْرَةٌ ۴۰ ۲۶ تَرَاهُ قَهْقَرًا

ہنسنے خوشیاں کرتے اور کتنے منہ اُس دن اُن پر گرد ہڑی ہے چڑھی آتی ہے

قَارَةً ۴۱ ۲۷ أُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرَةُ الْفَجَرَةُ ۴۲ ۲۸

اُن پر سیاہی یہ لوگ وہی ہیں جو منکر ہیں ڈھیٹھے

خلاصہ تفسیر

شان نزول

ان آیات کے نزول کا قصہ یہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض رؤسائے مشرکین کو سمجھا رہے تھے، بعض روایات میں انہیں سے بعض کے نام بھی آئے ہیں۔ ابو جہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، ابی بن خلف، اُسیہ بن خلف، شیبہ کہاتے ہیں حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم نابینا صحابی حاضر ہوئے اور کچھ پوچھا، یہ قطع کلام آپ کو ناگوار ہوا اور آپ نے ان کی طرف التفات نہیں کیا، اور ناگواری کی وجہ سے آپ چپیں بچیں ہوئے، جب اس مجلس سے اٹھ کر گھر جانے لگے تو اشارہ وحی کے نمودار ہوئے اور یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ نازل ہوئیں، اسکے بعد جب وہ آپ کے پاس آئے آپ بڑی خاطر کرتے تھے ہذا الرایات کلھا فی الذال المنشور عرض واقعہ مذکور کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) چپیں بچیں ہوئے اور متوجہ نہ ہو گئے اس بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا (یہاں تو غائب کے صیغہ سے فرمایا اور یہ تسکلم کے انتہائی لطف و کرم اور مخاطب کی تکریم ہے کہ رُو در رُو اس امر کی نسبت نہیں فرمائی) اور (آگے خطاب کا صیغہ بطور التفات کے اس لئے اختیار کیا کہ شبہ اعراض کا نہ ہو، ارشاد ہوتا ہے کہ) آپ کو کیا خبر شاید وہ (نابینا آپ کی تعلیم سے پورے طور پر) سنو رہا تھا (کم سے کم کسی خاص امر میں) نصیحت قبول کرتا سو اس کو نصیحت کرنا (کچھ نہ کچھ) فائدہ پہنچاتا، تو جو

شخص (دین سے) بے پرواہی کرتا ہے آپ اس کی تو فکر میں پڑتے ہیں، حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنوے (اُس کی بے پرواہی ذکر کر کے اس کی طرف زیادہ توجہ نہ دینے کی ہدایت ہے) اور جو شخص آپ کے پاس (دین کے شوق میں) دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ (خدا سے) ڈرتا ہے آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں (ان آیات میں آپ کی اجتہادی لغزش پر آپ کو مطلع کیا گیا ہے، منشاء اس اجتہاد کا یہ تھا کہ یہ امر تو متیقن اور ثابت ہے کہ اہم کام کو مقدم کرنا چاہیے، آپ نے کفر کی شدت کو موجب اہمیت سمجھا جیسے دو بیمار ہوں ایک کو ہیضہ ہر اور دوسرے کو زکام، تو ہیضہ سے مرض کا علاج مقدم ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ مرض کی شدت اُس وقت موجب اہمیت ہے جب دونوں مرض طالب علاج ہوں، لیکن اگر مرض شدید والا علاج کا طالب ہی نہیں بلکہ مخالف ہو تو پھر مقدم وہ ہوگا جو طالب علاج ہے اگرچہ مرض اس کا خفیف ہو آگے ان مشرکین کی طرف اس قدر توجہ ضروری نہ ہونے کو ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ آئندہ) ہرگز ایسا نہ کیجئے (کیونکہ) قرآن (محض ایک) نصیحت کی چیز ہے (اور آپ کے ذمہ صرف اس کی تبلیغ ہے) سو جب کا جی چاہے اس کو قبول کرے (اور جو قبول نہ کرے وہ جانے، آپ کا کوئی ضرر نہیں، پھر آپ اس قدر اہتمام کیوں فرماتے ہیں۔ آگے قرآن کے اوصاف بیان فرماتے ہیں کہ) وہ (قرآن لوح محفوظ کے) ایسے صحیفوں میں (ثبت) ہے جو (عند اللہ) مکرم ہیں (یعنی پسندیدہ و مقبول ہیں، اور) رفیع المکان ہیں (کیونکہ لوح محفوظ تحت العرش ہے کما فی اللہ المنثور سورۃ البروج، اور وہ) مقدس ہیں (شیاطین خبیثہ کی وہاں تک رسائی نہیں، کقولہ تعالیٰ لَا یَمَسُّہُ إِلَّا الْمَطہَّرُونَ) جو ایسے لکھنے والوں (یعنی فرشتوں) کے ہاتھوں میں (رہتے) ہیں کہ وہ مکرم (اور) نیک ہیں (یہ سب صفات اسکے من جانب اللہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ سورہ واقعہ کی آیت لَا یَمَسُّہُ إِلَّا الْمَطہَّرُونَ میں بیان ہوا ہے اور لوح محفوظ ہر چند کہ شئی واحد ہے مگر اسکے اجزاء کو صحف سے تعبیر فرمایا، اور ان فرشتوں کو کاتب اسلئے کہا کہ یہ لوح محفوظ سے بامر الہی نقل کر لیا کرتے ہیں۔ حاصل آیات کا یہ ہوا کہ قرآن من جانب اللہ نصیحت کے لئے ہے، آپ نصیحت کر کے اپنے فرض سے فارغ ہو جاویں گے خواہ کوئی ایمان لاوے یا نہ لاوے پس اس قسم کی تقدیم تاخیر کی کوئی ضرورت نہیں، یہاں تک آداب تذکر و تبلیغ کے ہوئے آگے کفار کے اُس سے فائدہ نہ اٹھانے پر تشبیہ ہے کہ منکر آدمی پر (جو ایسے تذکرہ سے نصیحت حاصل کرے جیسے ابو جہل وغیرہ جن کو آپ سمجھاتے تھے اور وہ نہیں سمجھے تو ایسے شخص پر) خدا کی مار کہ وہ کیسا ناشکرا ہے (وہ دیکھتا نہیں کہ) اللہ تعالیٰ نے اس کو کیسی (حقیر) چیز سے پیدا کیا (آگے جواب ہے کہ) نطفہ سے (پیدا کیا، آگے اس کی کیفیت مذکور ہے کہ بہت سے انقلابات اور تغیرات کے بعد) اس کی صورت بنائی پھر اس (کے اعضا) کو اندازے سے بنایا (جیسا کہ سورہ الفیاء کی آیت فَخَلَقَ قَسْوَىٰ میں گزر چکا ہے) پھر اس کو (نکلنے کا) راستہ آسان کر دیا (چنانچہ ظاہر ہے کہ ایسے تنگ موقع سے اچھے خاصے نو مند بچہ کا صحیح سالم نکل آنا صاف دلیل ہے اللہ کے قادر اور عابد کے مقدور ہو کی) پھر (بعد عمر ختم ہو چکے) اس کو موت دی پھر اس کو قبر میں لے گیا (خواہ اول سے خاک میں رکھ دیا جائے یا بعد چند سے خاک میں مل جائے) پھر جب اللہ چاہے گا اس کو دوبارہ زندہ کر دیگا (مطلب یہ کہ سب تصرفات دلیل ہیں انسان کے داخل قدرت الہیہ ہو کی اور نعمت

بھی ہیں۔ بعضے حتیٰ بعضے معنوی جسکا مقتضی تھا وجوب طاعت و ایمان مگر اس نے (ہرگز) شکر) نہیں (ادا کیا اور اس کو جو حکم کیا تھا اس کو بجا نہیں لایا، سو انسان کو چاہیے کہ (اپنی خلیق کے ابتدائی حالات پر نظر کرنے کے بعد اسباب بقا و تعیش پر نظر کرے مثلاً) اپنے کھانے کی طرف نظر کرے (تاکہ وہ باعث ہو حق شناسی اور اطاعت ایمان کا اور آگے نظر کرنے کا طریقہ بتاتے ہیں وہ یہ) کہ ہم نے عجیب طور پر پانی برسیا، پھر عجیب طور پر زمین کو پھاڑا، پھر ہم نے اس میں غلہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارہ پیدا کیا (یعنی چیزیں) تمہارے اور (بعضی چیزیں) تمہارے مویشی کے فائدہ کے لئے (اور یہ سب بھی نعمت اور دلیل قدرت ہیں، اور اس مجموعہ میں ہر جزو مقتضی ہے وجوب شکر ایمان کو، یہاں تک تشبیح ہوگی نصیحت قبول نہ کرنے پر، آگے عدم تذکرہ پر سزا اور تذکرہ پر ثواب آخرت مذکور ہے۔ یعنی اب تو یہ لوگ ناشکری اور کفر کرتے ہیں) پھر جو وقت کانوں کا بہر کر دینے والا شور برپا ہوگا (یعنی قیامت اس وقت ساری ناشکری کا مزا معلوم ہو جائیگا، آگے اس دن کا بیان ہے کہ) جس روز (ایسا) آدمی (جسکا اور بیان ہوا) اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا (یعنی کوئی کسی کی ہمدردی نہ کرے گا، کقولہ تعالیٰ لَا يَسْأَلُ جِمَامٌ جِمَامًا وَجہ یہ کہ) ان میں ہر شخص کو (اپنا ہی) ایسا مشغلہ ہوگا جو اسکو اور طرف متوجہ نہ ہونے دیگا (یہ تو کفار کا حال ہوگا، آگے مجموعہ مومنین اور کفار کی تفصیل ہے کہ) بہت سے پہرے اس روز (ایمان کی وجہ سے) روشن (اور مسرت سے) خداں شاداں ہونگے اور بہت سے چہروں پر اس روز (کفر کی وجہ سے) ظلمت ہوگی (اور اس ظلمت کیساتھ) ان پر (غم کی) کدورت چھائی ہوگی یہی لوگ کافر فاجر ہیں (کافر سے اشارہ، فساد عقائد کی طرف اور فاجر سے فساد اعمال کی طرف)

معارف و مسائل

شان نزول میں جو واقعہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم نابینا صحابی رض کا نقل کیا گیا ہے اس میں بنوی نے یہ مزید روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ کو نابینا ہونے کے سبب یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کسی دوکے سے گفتگو میں مشغول ہیں، مجلس میں داخل ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دینی شروع کی اور بار بار آواز دی (مظہری) اور ابن کثیر کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آیت قرآن پڑھوانے کا سوال کیا اور اس سوال کے فوری جواب دینے پر اصرار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مکہ کے کفار سرداروں کو دین کی تبلیغ کرنے اور سمجھانے میں مصروف تھے۔ یہ سردار عتبہ بن ربیعہ، ابو جہل ابن ہشام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رض تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس موقع پر عبداللہ ابن ام مکتوم رض کا اس طرح خطاب کرنا اور ایک آیت کے الفاظ درست کر سیکے معمولی سوال پر فوری جواب کے لئے اصرار کرنا ناگوار ہوا جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ عبداللہ ابن ام مکتوم بچے مسلمان اور ہر وقت کے حاضر باش

تھے دوسرے اوقات میں بھی سوال کر سکتے تھے، ان کے جواب کے مؤخر کرنے میں کسی دینی نقصان کا خطرہ نہ تھا۔ بخلاف رؤسائے قریش کے نہ یہ لوگ ہر وقت آپ کی خدمت میں آتے ہیں اور نہ ہر وقت ان کو اللہ کا کلمہ پہنچایا جاسکتا، اس وقت یہ لوگ آپ کی بات سن رہے تھے جس سے ان کے ایمان لانیکی توقع کیجا سکتی تھی اور ان کی بات کاٹ دیجاتی تو ایمان ہی سے محرومی انکی ظاہر تھی۔ ان مجموعہ حالات کیوجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتومؓ سے رُخ پھیر کر اپنی ناگواری کا اظہار فرمایا اور جو گفتگو تبلیغ حق کی رؤسائے قریش کے ساتھ جاری تھی اُس کو جاری رکھا، اس پر مجلس سے فارغ ہونے کے وقت سورہ عبس کی آیات مذکورہ نازل ہوئیں جس میں آپ کے اس طرز عمل کو ناپسندیدہ قرار دے کر آپ کو ہدایت کی گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرز عمل اپنے اجتہاد پر مبنی تھا کہ جو مسلمان آداب مجلس کخیلاف طرز گفتگو اختیار کرے اسکو کچھ تنبیہ ہونی چاہیئے تاکہ آئندہ وہ آداب مجلس کی رعایت کرے اس کے لئے تو آپ نے حضرت ابن ام مکتومؓ سے رُخ پھیر لیا، اور دوسری بات یہ تھی کہ بظاہر حال کفر و شرک سب سے بڑے گناہ ہیں انکے ازالہ کی فکر مقدم ہونا چاہیئے بمقابلے دین کے فردعی احکام کی تعلیم کے جو عبد اللہ ابن ام مکتومؓ چاہتے تھے مگر حق تعالیٰ جل شانہ نے آپکے اس اجتہاد کو درست قرار نہیں دیا اور اس پر تنبیہ فرمایا کہ یہاں قابل غور یہ بات تھی کہ ایک شخص جو آپ سے دینی تعلیم کا طالب ہو کر سوال کر رہا ہے اسکے جواب کا فائدہ تو یقینی ہے اور جو آپ کا مخالف ہے آپ کی بات سُنا بھی پسند نہیں کرتا اُس سے گفتگو کا فائدہ موہوم ہے، موہوم کو یقینی پر ترجیح نہونا چاہیئے اور عبد اللہ ابن ام مکتومؓ سے جو آداب مجلس کخیلاف بات سرزد ہوئی ان کا عند قرآن نے لفظاً معنی کہہ کر تیلادیا کہ وہ نابینا تھے اسلئے اس کو نہ دیکھ سکتے تھے کہ آپ اس وقت کس شغل میں ہیں، کن لوگوں سے گفتگو چل رہی ہے اسلئے وہ معذور تھے، مستحق اعراض نہیں تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی معذور آدمی سے بخبری میں کوئی بات آداب مجلس کے خلاف ہو جائے تو وہ قابل عتاب نہیں ہوتا۔

عَبَسَ وَتَوَلَّى، عَبَسَ کے معنے ترش روی اختیار کرنا یعنی چہرہ سے اظہار ناگواری کرنا اور تَوَلَّى کے معنے رُخ پھیر لینے کے ہیں۔ اس جگہ موقع اسکا تھا کہ یہ الفاظ آپ کو بصیغہ خطاب کہے جاتے کہ آپ نے ایسا کیا۔ لیکن قرآن کریم نے صیغہ خطاب کے بجائے صیغہ غائب اختیار کیا جس میں عتاب کی حالتیں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام ملحوظ رکھا گیا اور صیغہ غائب اختیار کر کے یہ ایہام کیا کہ جیسے یہ کام کسی اور نے کیا ہو اشارہ اس طرف ہے کہ یہ کام آپکے شایان شان نہیں، اور دوسرے جملے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عذر کی طرف اشارہ فرمادیا وَمَا يُدْرِيكَ (یعنی آپ کو کیا خبر) اس میں تیلادیا کہ اعراض کی وجہ یہ پیش آئی ہے کہ آپ کا دھیان اس طرف نہیں گیا کہ یہ صحابی جو کچھ دریافت کر رہے ہیں اسکا اثر یقینی ہے اور غیروں سے گفتگو کا اثر موہوم۔ اور اس دوسرے جملے میں صیغہ غائب چھوڑ کر صیغہ خطاب کا اختیار فرمانے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم اور دلجوئی ہے کہ اگر بالکل خطاب کا صیغہ استعمال نہ ہوتا تو یہ شبہ

ہو سکتا تھا کہ اس طرز عمل کی ناپسندیدگی ترکِ خطاب کا سبب بن گئی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک ناقابلِ برداشت رنج و الم ہوتا، اسلئے جس طرح پہلے جملہ میں خطاب کے بجائے غائب کا صیغہ استعمال کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم ہے اسی طرح دوسرے جملے میں خطاب کرنا بھی آپ کی تکریم اور دلجوئی ہے۔

لَعَلَّہُ یُزَكِّیْ اَوْ یَدَّکَّرُ فَتَنْفَعُہُ الذِّکْرُ یعنی آپ کو کیا معلوم کہ یہ صحابی جو بات دریافت کر رہے تھے اس کا فائدہ متیقن تھا کہ آپ ان کو تعلیم دیتے تو یہ اُس کے ذریعہ اپنے نفس کا تزکیہ کر لیتے اور کمال حاصل کر لیتے اور یہ بھی نہ ہوتا تو کم از کم اس ذکر اللہ سے وہ ابتدائی نفع اٹھاتے کہ اس سے انکے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوف کی ترقی ہو جاتی۔ لفظ ذکر ہی کے معنے کثرتِ ذکر کے ہیں (کن فی الصحیح)

یہاں قرآن کریم نے دو جملے اختیار فرمائے یَزَكِّیْ اور یَدَّکَّرُ، پہلے کے معنے پاک صاف ہو جانے کے ہیں اور دوسرے کے معنے نصیحت حاصل کرنے اور ذکر سے متاثر ہونے کے ہیں۔ پہلا مقام ابرار و اتقیا کا ہے۔ جو اپنے نفس کو ظاہری اور باطنی ہر قسم کی گندگیوں سے پاک صاف کر لیں اور دوسرا مقام طسریٰ دین پر چلنے کے ابتدائی حال کا ہے کہ مبتدی کو اللہ کی یاد دلائی جاتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و خوف اسکے دل میں مستحضر ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو تعلیم دینا نفع سے کسی حال خالی نہیں تھا خواہ نفع کامل ہو جائے کہ تزکیہ نفس مکمل حاصل کر لیتے یا ابتدائی نفع حاصل ہوتا کہ اللہ کی یاد اور عظمت و خوف انکے دل میں بڑھ جاتا اور دونوں جملے بجز تردید یعنی اَوْ کے ساتھ استعمال کئے گئے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک حال ضرور حاصل ہوتا اس میں اصطلاحی مانعہ الحاد ہے یعنی احتمال یہ بھی ہے کہ دونوں نفع جمع ہو جائیں کہ ابتداءً تذکر ہو اور اسکے بعد تزکیہ مانعہ الجمع نہیں کہ دونوں جمع نہ ہو سکیں (مظہری)

تبلیغ و تعلیم کے لئے ایک ہم اصول قرآنی اس موقع میں یہ تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو کام بیک وقت آگئے، ایک مسلمان کو تعلیم اور اُس کی تکمیل اور دلجوئی، دوسرے غیر مسلموں کی ہدایت کے لئے اُن کی طرف توجہ۔ قرآن کریم کے اس ارشاد نے یہ واضح کر دیا کہ پہلا کام دوسرے کام پر مقدم ہے۔ دوسرے کام کی وجہ سے پہلے کام میں تاخیر کرنا یا کوئی خلل ڈالنا درست نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی تعلیم اور اُن کی اصلاح کی فکر غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کرنے کی فکر سے اہم اور مقدم ہے۔

اس میں اُن علماء کے لئے ایک اہم ہدایت ہے جو غیر مسلموں کے شبہات کے ازالے اور ان کو اسلام سے مانوس کرنے کی خاطر بعض ایسے کام کر بیٹھتے ہیں جن سے عام مسلمانوں کے دلوں میں شکوک شبہات یا شکایات پیدا ہو جاتی ہیں اُن کو اس قرآنی ہدایت کے مطابق مسلمانوں کی حفاظت اور اصلاح حال کو مقدم رکھنا چاہیے، اکبر مرحوم نے خوب فرمایا ہے

بے وفا سمجھیں تمہیں اہلِ حرم اس سے بچو ۔ دیر والے کج ادا کہدیں یہ بدنامی بھلی

بعد کی آیتوں میں قرآن کریم نے اسی بات کو پوری وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی

فَإِنَّ لَهُ تَصَدَّي، یعنی جو شخص آپ سے اور آپ کے دین سے استغناء اور بے رخی برت رہا ہے آپ اُس کے تو درپے ہیں کہ کسی طرح یہ مسلمان ہو جائے حالانکہ یہ آپ کے ذمہ نہیں، اور اگر وہ مسلمان نہ ہو تو آپ پر کوئی الزام نہیں، اور جو شخص دوڑتا ہوا طلب علم دین کے لئے آیا اور وہ خدا تعالیٰ سے ڈرنے والا بھی ہے آپ اُسکی طرف توجہ نہیں دیتے۔ اس میں واضح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت دی گئی کہ مسلمانوں کی تعلیم اور اصلاح و تربیت کر کے اُن کو پکا مسلمان اور قوی مؤمن بنانا یہ غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کرنے کی فکر سے زیادہ اہم اور مقدم ہے اس کی فکر زیادہ چاہیے۔ واللہ اعلم۔ اس کے بعد قرآن مجید کا اللہ کی طرف سے تذکرہ نصیحت ہونا اور اسکا مکرم عالیشان ہونا بیان فرمایا ہے۔

فِي صُحُفٍ مُّكْرَمَةٍ ۝ مَرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ، صحف سے مراد لوح محفوظ ہے وہ اگرچہ ایک ہی ہے مگر اسکو بصیغہ جمع صحف سے تعبیر اس لئے کیا گیا کہ اس میں سب صحائف آسمانی لکھے ہوتے ہیں یا اس لئے کہ فرشتے اپنے صحیفے اُس سے نقل کرتے ہیں۔ مرفوعہ سے مراد اُن صحیفوں کا عند اللہ عالیشان ہونا ہے۔ اور مطہرہ سے مراد یہ ہے کہ جنابت والے آدمی اور حیض نفاس والی عورت اور بے وضو کے لئے اُن کا چھونا جائز نہیں۔

بِأَيِّدِي سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍ بَرَرَةٍ، سَفَرٌ بفتح سین سا فر کی جمع بھی ہو سکتی ہے جس کے معنی کاتب کے ہیں، اس صورت میں اس سے مراد فرشتے، کرام کا تین یا انبیاء علیہم السلام اور اُن کی وحی کو لکھنے والے حضرات ہوں گے۔ حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد سے یہی تفسیر منقول ہے۔

اور لفظ سَفَرٌ، سفیر بمعنی قاصد کی جمع بھی ہو سکتی ہے، اس صورت میں اس سے مراد رسل ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام اور وحی کی کتابت کرنے والے حضرات صحابہ ہوں گے، اور علمائے امت بھی اُس میں داخل ہیں، کیونکہ وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان سفیر اور قاصد ہیں۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور وہ قرأت میں بھی ماہر ہے تو وہ سَفَرٌ کرام ابراہ کے ساتھ ہے۔ اور جو شخص ماہر نہیں مگر تکلف کے ساتھ مشقت اُٹھا کر قرأت صحیح کر لیتا ہے اُس کے لئے دوہرا اجر ہے (رواہ الشیخان عن عائشہؓ - مظہری) اس سے معلوم ہوا کہ غیر ماہر کو دو اجر ملتے ہیں ایک قرأت قرآن کا دوسرا مشقت اُٹھانے کا۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ماہر کو بے شمار اجر ملیں گے (مظہری)

سابقہ آیات میں قرآن کریم کا عالیشان و اجل لایمان ہونا بیان کرنے کے بعد کافر انسان جو قرآن کے منکر ہیں اُن پر لعنت اور اللہ کی نعمت کی ناشکری پر تنبیہ ہے اور قرآن کا منجانب اللہ ایک نعمت عظیم ہونا تو ایک معنوی چیز ہے جس کو اہل علم و فہم ہی سمجھ سکتے ہیں، آگے اُن انعامات الہیہ کا ذکر ہے جو انسان کی تخلیق سے آخر تک انسان پر مبذول ہوتے رہتے ہیں۔ یہ مادی اور محسوس چیز ہے جسکو ادنیٰ شعور والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔ اسی سلسلے میں تخلیق انسانی کا ذکر فرمایا مِنْ آيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ پہلے تو اس میں ایک سوال کیا گیا کہ اے انسان تو غور کر کہ تجھے اللہ نے کس چیز سے پیدا کیا ہے اور چونکہ اسکا

جواب متعین ہے، اس کے سوا کوئی دوسرا جواب ہو ہی نہیں سکتا، اسلئے پھر خود ہی فرمایا **مِنْ نُّطْفَةٍ**، یعنی انسان کو نطفہ سے پیدا کیا، پھر فرمایا **خَلَقَهُ فَقَدَرَهُ**، یعنی یہی نہیں کہ نطفہ سے ایک جاندار کا وجود بنا دیا بلکہ اس کو ایک خاص اندازہ اور بڑی حکمت سے بنایا، اُس کے قد و قامت اور جسمارت اور شکل و صورت اور اعضاء کے طول و عرض اور جوڑ پند اور آنکھ ناک کان وغیرہ کی تخلیق میں ایسا اندازہ قائم فرمایا کہ ذرا اس کے خلاف ہو جائے تو انسان کی صورت بگڑ جائے اور کام کاج مصیبت بن جائے۔

اور لفظ **قَدَرَهُ** سے یہاں یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ انسان جس وقت بطنِ مادر میں زیرِ تخلیق ہوتا ہے اُس وقت اللہ تعالیٰ اس کی چار چیزوں کی مقدار لکھ دیتے ہیں، وہ یہ کہ وہ کیا کیا اور کیسے کیسے عمل کرے گا، اُسکی عمر کتنی ہوگی، اُس کو رزق کتنا ملے گا، اور وہ انجام کار سعید و نیک نجات ہوگا یا شقی بد نجات (کمانی حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہما)

ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ، یعنی حق تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے انسان کی تخلیق بطنِ مادر کی تین اندھیروں اور ایسے محفوظ مقام میں فرمائی کہ جس کے پیٹ میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے اسکو بھی اس تخلیق کی تفصیل کی کچھ خبر نہیں، پھر یہ زندہ تمام اعضاء و جوارح سے مکمل انسان جس جگہ میں بنا ہے وہاں اُس دنیا میں آئیکاراستہ بھی باوجود تنگ ہونیکے حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ہی نے آسان فرمادیا کہ چارپانچ نوٹ کا وزنی جسم صحیح سالم برآمد ہو جاتا ہے اور ماں کے وجود کو بھی اس سے کوئی خاص نقصان نہیں پہنچتا۔ **فَتَبَرَّكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ**

ثُمَّ آمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ، تخلیقِ انسانی کی ابتدا بیان کرنے کے بعد اس کی انتہا موت اور قبر پر ہے اسکا ذکر بسلسلہ انعامات فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی موت درحقیقت کوئی مصیبت نہیں نعمت ہی ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **تَحْقُفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ** کہ مؤمن کا تحفہ موت ہے اور اس میں مجموعہ عالم کے اعتبار سے بڑی حکمتیں ہیں، اور **فَأَقْبَرَهُ** کے معنی پھر اس کو قبر میں داخل کیا یہ بھی ایک انعام ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے عام جانوروں کی طرح نہیں رکھا کہ مر گیا تو وہیں زمین پر مٹتا اور پھولتا پھٹتا ہے، بلکہ اُسکا اکرام یہ کیا گیا کہ اُس کو نہلا کر نئے اور پاک صاف کپڑوں میں ملبوس کر کے احترام کے ساتھ قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے۔

مسئلہ - اس آیت سے معلوم ہوا کہ مردہ انسان کو دفن کرنا واجب ہے۔

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ، اس میں تخلیقِ انسانی کی ابتدا و انتہا اور انہیں حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور انعامات کا ذکر کرنے کے بعد منکر انسان کو تنبیہ کی گئی کہ ان آیاتِ الہیہ اور انعامات کا تقاضا تھا کہ انسان ان میں غور کر کے اللہ پر ایمان لاتا اور اس کے احکام کی تعمیل کرتا مگر اس بد نصیب نے ایسا نہیں کیا، آگے پھر ان انعاماتِ الہیہ کا تذکرہ ہے جو تخلیقِ انسانی کی ابتدا و انتہا کے درمیانی زمانے میں انسان پر مبدول ہوتے ہیں کہ انسان کا رزق کس طرح پیدا کیا جاتا ہے کہ آسمان سے پانی برستا ہے، بیج اور دانہ جو زمین میں مدفون ہے یہ بارش

اس میں ایک حیات نیا تہ پیدا کرتی ہے جس کے ذریعہ ایک نحیف و ضعیف کو پیل زمین کو شق کر کے اوپر نکالتی ہے اور پھر اس سے انواع و اقسام کے فکے میوے اور باغات وجود میں آتے ہیں۔ ان سب انعامات الہیہ پر انسان کو مکرر سکھارتنبیہ کے بعد آخر سورت میں پھر قیامت کا ذکر ہے۔

فَإِذَا جَاءَتِ الطَّائِفَةُ، صَاخَّةٌ اِیْسے شور اور سخت آواز کو کہتے ہیں جس سے انسان کے کان بہرے ہو جائیں مراد اس سے شور قیامت یعنی نفع صور ہے۔

یَوْمَ یَفْقَهُ الْمَوْتُ مَنْ اَخْبَدَ، یہ محشر میں سب کے جمع ہونے کے وقت کا بیان ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے فکر میں اور نفسی نفسی کے عالم میں ہوگا، دُنیا میں جو رشتے ناتے ایسے ہیں کہ لوگ ایک دوسرے پر اپنی جان تک قربان کر دیتے ہیں اُس عالم میں ہر شخص اپنی اپنی فکر میں مبتلا ہوگا کہ کوئی کسی کی خبر نہ لے سکے گا بلکہ سامنے دیکھے گا تو بھی گریز کریگا۔ انسان اپنے بھائی سے ماں باپ سے بیوی اور اولاد سے منہ چھپاتا بھاگتا پھر گیا، دُنیا میں تعاون و تناصر اور امداد باہمی بھائیوں میں ہوتی ہے اس سے زیادہ ماں باپ کی امداد و اعانت کی فکر ہوتی ہے طبعی طور پر اُن سے بھی زیادہ بیوی اور اولاد سے تعلق ہو جاتا ہے اس میں ادنیٰ سے اعلیٰ تعلق کمپون ترتیب سے بیان فرمایا ہے، آگے اس میدانِ حشر میں مومنین اور کفار کے انجام کا ذکر کر کے سورت ختم کی گئی ہے۔

تَمَّتْ سُوْرَةُ عَبَسَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ لَبِئْسَ الْاِرْبَعَاءُ شَعْبَانِ ۱۳۵۹ھ



سُورَةُ التَّكْوِيْرِ

سُورَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً
سورة تکویر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۱ وَاِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝۳

جب سورج کی دھوپ تہ ہو جائے اور جب ستارے پیلے ہو جائیں اور جب پہاڑ چلائے جائیں اور

اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝۴ وَاِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۝۵ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝۶

جب بیاضی اونٹنیاں بھٹی پھریں اور جب جنگل کے جانوروں میں رول پڑ جائے اور جب دریا بھونکے جائیں اور

اِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝۷ وَاِذَا الْمَوْءِدَةُ سُيِّلَتْ ۝۸ بِآيٍ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝۹

جب جیوں کے جوڑے باندھے جائیں اور جب بیٹی جیتی گاڑ دی گئی کو بولو پھیں کہ کس گناہ پر وہ ماری گئی

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝۱۰ وَاِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ۝۱۱ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝۱۲

اور جب اعمانائے کھولے جائیں اور جب آسمان کا پوست اتار لیں اور جب دوزخ دھکائی جائے اور

اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝۱۳ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا اَحْضَرَتْ ۝۱۴ فَلَا اُقْسَمُ بِالْخَشْسِ ۝۱۵

جب بہشت پاس لائی جائے جان بیگا ہر ایک جی جو لے کر آیا سو قسم کھاتا ہوں میں تجھے ہٹ جانیاؤں

اَلْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝۱۶ وَاللَّيْلِ اِذَا اَغْشَعَ ۝۱۷ وَالصُّبْحِ اِذَا اَتَنَفَسَ ۝۱۸ اِنَّهٗ

سیدھے چلنے والوں دیک جانیاؤں کی اور رات کی جب پھیل جائے اور صبح کی جب دم بھرے

لَقَوْلِ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝۱۹ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝۲۰ مُطَاعٍ

کہا ہے ایک بھیجے ہوئے عزت والے کا قوت والا عرش کے مالک کے پاس درجہ پانے والا سب کا مانا ہوا

ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝۲۱ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲۲ وَلَقَدْ رَاَهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝۲۳

وہاں کا معتبر ہے اور یہ تمہارا رفیق کچھ دیوانہ نہیں اور اس نے دیکھا ہے اس فرشتے کو آسمان کے کھلے کنارہ کے پاس اور

مَا هُوَ عَلَىٰ الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۚ ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيزٍ ۚ ﴿۲۴﴾ فَإِنَّ تَذٰهَبُونَ ﴿۲۵﴾

یہ غیب کی بات بتانے میں بخیل نہیں اور یہ کہا ہوا نہیں کسی شیطان مردود کا پھر تم کہہ چلے جا رہے ہو

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۚ ﴿۲۶﴾ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ ۚ ﴿۲۷﴾ وَمَا

یہ تو ایک نصیحت ہے جہان بھر کے واسطے جو کوئی چاہے تم میں سے کہ سیدھا چلے اور تم

تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۚ ﴿۲۸﴾

جیسا چاہو کہ چاہے اللہ سارے جہان کا مالک

خلاصہ تفسیر

جب آفتاب بے نور ہو جاوے گا اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے اور جب پہاڑ چلائے جاویں گے اور جب دنا مہینے کی گاہ بھن اُونٹنیاں چھٹی پھریں گی، اور جب حشری جانور (مارے گھبراہٹ کے) سب جمع ہو جائیں گے اور جب دریا بھر کاٹے جاویں گے (یہ چھ واقعات تو نفعہ اولیٰ کے وقت ہونگے جبکہ دُنیا آباد ہوگی اور اس نفعہ سے یہ تغیرات و تبدلات واقع ہونگے اور اُس وقت اُونٹنیاں وغیرہ بھی اپنی اپنی حالت پر ہونگی جنہیں بعضے و ضح حمل کے قریب ہونگی جو کہ عرب کے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی مال ہے جس کی ہر وقت دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں مگر اُس وقت ہل چل میں کسی کو گھسیں کا ہوش نہ رہے گا اور وحوش بھی مارے گھبراہٹ کے سب گڈ بڑھ جائیں گے اور دریاؤں میں اول طغیانی پیدا ہوگی اور زمین میں شقوق واقع ہو جائیں گے جس سے سب شیریں اور شور دریا ایک ہو جائیں گے جس کا ذکر آئندہ سورت میں قَدْ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ میں فرمایا ہے۔ پھر شدت حرارت سے سب کا پانی آگ ہو جاوے گا، شاید اول ہوا ہو جاوے پھر ہوا آگ بن جاوے اسکے بعد عالم فنا ہو جاوے گا) اور (اگلے چھ واقعات بعد نفعہ ثانیہ کے ہونگے جن کا بیان یہ ہے کہ) جب ایک ایک قسم کے لوگ اکٹھے کئے جاویں گے (کافر الگ مسلمان الگ، پھر انہیں ایک ایک طریقہ کے الگ الگ) اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جاوے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی (مقصود اس پوچھنے سے زندہ درگور کر نیوالے ظالموں کا اظہارِ جرم ہے) اور جب نامہ اعمال کھول دیے جاویں گے (تاکہ سب اپنے اپنے عمل دیکھ لیں بقولہ تعالیٰ يَلْقَاهُ فَنَشُوْكَا) اور جب آسمان کھل جاوے گا (اور اسکے کھلنے سے آسمان کے اوپر کی چیزیں نظر آنے لگیں گی اور نیز اسکے کھلنے سے غمام کا نزول ہوگا جس کا ذکر پارہ ۱۹ دَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ عَالَمٌ مِّنْ اٰیٰتِہِ) اور جب دوزخ (اور زیادہ) دہسکائی جاوے گی، اور جب جنت نزدیک کر دی جاوے گی (کما فی سورہ ق وَ اَسْرُفْتَ الْحَيٰتِ لِلْمُتَّقِيْنَ، جب یہ سب واقعات نفعہ اولیٰ اور ثانیہ کے واقع ہو جائیں گے تو اُس وقت) ہر شخص اُن اعمال کو جان لے گا جو لیکر آیا ہے (اور جب ایسا واقعہ ہائے ہوئی والا ہے) تو (میں منکرین کو اسکی حقیقت بتلاتا ہوں اور مصدقین کو اسکے لئے آمادہ کرتا ہوں، اور یہ دونوں امر قرآن کی تصدیق اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتے ہیں کہ اس میں اسکا اثبات اور نجات کا طریق ہے

اسلئے) میں قسم کھاتا ہوں ان ستاروں کی جو (سیدھے چلتے چلتے) پیچھے کو ہٹنے لگتے ہیں (اور پھر پیچھے ہی کو) چلتے رہتے ہیں (اور کبھی پیچھے چلتے چلتے اپنے مطالع میں) جا چھپتے ہیں (ایسا امر پانچ سیاروں کو پیش آتا ہے کہ کبھی سیدھے چلتے ہیں کبھی پیچھے چلتے ہیں اور ان کو خمسہ متحیرہ کہتے ہیں۔ زحل، مشتری، عطارد، مریخ، زہرہ) اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے، اور قسم ہے صبح کی جب وہ آنے لگے (آگے جواب قسم ہے) کہ یہ قرآن (اللہ کا) کلام ہے ایک معزز فرشتہ (یعنی جبریل علیہ السلام) کا لایا ہوا جو قوت والا ہے (کما فی النجم عِلْمٌ شَدِيدٌ لِقَوًى اور) مالک عرش کے نزدیک ذی رتبہ ہے (اور) وہاں (یعنی آسمانوں میں) اسکا کہنا مانا جاتا ہے (یعنی فرشتے اسکا کہنا مانتے ہیں جیسا حدیث معراج سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انکے کہنے سے فرشتوں نے آسمانوں کے دروازے کھول دیے اور) امانت دار ہے (کہ وحی کو صحیح پہنچا دیتا ہے پس وحی لانیوالا تو ایسا ہے) اور (آگے جن پر وحی نازل ہوئی اُن کی نسبت ارشاد ہے کہ) یہ تمہارے ساتھ کے رہنے والے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب کا حال بخوبی تم کو معلوم ہے) مجنون نہیں ہیں (جیسا منکرین نبوت کہتے تھے) اور انھوں نے اس فرشتہ کو (اصلی صورتیں آسمان کے) صاف کنارہ پر دیکھا بھی ہے (صاف کنارہ سے مراد بلند کنارہ ہے کہ صاف نظر آتا ہے کما فی النجم وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَى، اور اسکا مفصل بیان سورہ نجم میں گزرا ہے) اور یہ پیغمبر مخفی (بتلای ہوئی وحی کی) باتوں پر خجل کر نیوالے بھی نہیں (جیسا کاہنوں کی عادت تھی کہ رقم لے کر کوئی بات بتلاتے تھے اس سے کہانت کی بھی نفی ہو گئی اور اس کی بھی کہ آپ اپنے کام کا کسی سے معاوضہ لیں) اور یہ قرآن کسی شیطان مردود کی کہی ہوئی بات نہیں ہے (اس سے نفی کہانت کی اور تاکید ہو گئی، حاصل یہ کہ نہ آپ مجنون ہیں نہ کاہن، نہ صاحب غرض، اور وحی لانیوالے کو پہچانتے بھی ہیں اور وحی لانیوالا ایسا ایسا ہے پس لامحالہ یہ اللہ کا کلام اور آپ اللہ کے رسول ہیں، اور یہ قسمیں مطلوب مقام کے نہایت مناسب ہیں چنانچہ ستاروں کا سیدھا چلنا اور ٹوٹنا اور چھپ جانا مشابہ ہے فرشتے کے آنے اور واپس جانے اور عالم ملکوت میں جا چھپنے کے اور رات کا گزرنا اور صبح کا آنا مشابہ ہے قرآن کے سبب ظلمت کفر کے رفع ہو جانے اور نور ہدایت کے ظاہر ہو جانے کے، جب یہ بات ثابت ہے) تو تم لوگ (اس بارہ میں) کدھر کو چلے جا رہے ہو (کہ نبوت کے مُسکر ہو رہے ہو) بس یہ تو (بالعموم) دُنیا جہان والوں کے لئے ایک بڑا نصیحت نامہ ہے (اور بالخصوص) ایسے شخص کے لئے جو تم میں سے سیدھا چلنا چاہے (عام لوگوں کے لئے ہدایت اس معنی سے ہے کہ اُن کو سیدھا راستہ بتلایا اور مومنین متقین کے لئے اس معنی سے کہ اُن کو منزل مقصود پر پہنچا دیا) اور (بعض کے نصیحت قبول نہ کرنے سے اس کے نصیحت نامہ ہونے میں شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ) تم بدون خدائے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے ہو (یعنی فی نفسہ تو نصیحت ہے لیکن تاثیر اس کی موقوف مشیت پر ہے جو بعض لوگوں کے لئے متعلق ہوتی ہے اور بعض کے لئے کسی حکمت سے متعلق نہیں ہوتی)

معارف و مسائل

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، تکویر سے مشتق ہے اسکے معنے بے نور ہو جانے کے بھی آتے ہیں۔ حسن بصریؒ کی یہی تفسیر ہے اور اسکے معنے ڈال دینے پھینک دینے کے بھی آتے ہیں۔ ربیع ابن خثیم نے اسکی یہی تفسیر کی ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ آفتاب کو سمندر میں ڈال دیا جائیگا جس کی گرمی سے سارا سمندر آگ بن جائیگا، اور ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہو سکتا ہے کہ اول آفتاب کو بے نور کر دیا جائے پھر اس کو سمندر میں ڈال دیا جائے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شمس و قمر قیامت کے دن دریا میں ڈال دیئے جائیں گے اور سمندر بزار میں اس کیساتھ یہ بھی ہے کہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ نے ان آیات کے متعلق یہ نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ شمس و قمر اور تمام ستاروں کو سمندر میں ڈال دیں گے اور پھر اُس پر تیز ہوا چلے گی جس سے سارا سمندر آگ ہو جائیگا، اس طرح یہ کہنا بھی صحیح ہو گیا کہ شمس و قمر کو دریا میں ڈال دیا جائے گا، اور یہ کہنا بھی درست رہا کہ جہنم میں ڈال دیا جائیگا کیونکہ سارا سمندر اس وقت جہنم بن جائے گا۔ (مستفاد من المنظری و القرطبی)

وَ اِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ، انکدار سے مشتق ہے اسکے معنے سقوط اور گرنے کے ہیں سلف سے یہی تفسیر منقول ہے اور مراد یہ ہے کہ آسمان کے سب ستارے سمندر میں گر پڑیں گے جیسا کہ مذکورہ روایات میں اسکی تفصیل آچکی ہے وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ، یہ عرب کی عادت کی مطابق بطور مثال کے فرمایا ہے کیونکہ اسکے پہلے مخاطب عرب لوگ تھے انکے نزدیک دس مہینے کی گنا بھن اونٹنی ایک بڑی دولت سمجھی جاتی تھی کہ اُس سے دودھ اور بچے کا انتظار ہوتا تھا اور وہ اُس کی دُوم سے لگے پھرتے تھے کسی وقت اُس کو آزاد نہ چھوڑتے تھے۔

وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّجَتْ، سُجِّجَتْ، تسبیح سے مشتق ہے جس کے معنے آگ لگانے اور بھڑکانے کے بھی آتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس جگہ بھی معنے لئے ہیں اور اسکے معنے بھر دینے کے بھی آتے ہیں اور گڈمڈ خلط ملط کر دینے کے بھی بعض ائمہ تفسیر نے یہی معنے لئے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ انہیں کوئی اختلاف نہیں۔ پہلے سمندر اور میٹھے دریاؤں کو ایک کر دیا جائیگا درمیان کی رکاوٹیں ختم کر دی جائیں گی جس سے دریائے شور اور شیریں دریاؤں کے پانی خلط ملط بھی ہو جائیں گے اور زیادہ بھی، پھر شمس و قمر اور ستاروں کو اُس میں ڈال دیا جائے گا پھر اس تمام پانی کو آگ بنا دیا جائیگا جو جہنم میں شامل ہو جائیگا (منظری)

وَ اِذَا الْهَافُوسُ زُوِّجَتْ، یعنی جبکہ حاضرینِ محشر کے جوڑے جوڑے اور جتھے بنا دیئے جائیں گے یہ جتھے اور جماعتیں ایمان و عمل کے اعتبار سے ہونگے کہ کافر ایک جگہ مومن ایک جگہ، پھر کافر و مومن میں بھی اعمال و عادات کا فرق ہوتا ہے، انکے اعتبار سے کفار میں بھی مختلف قسم کے گروہ ہو جائیں گے اور مسلمانوں میں بھی یہ گروہ عقیدے اور عمل میں اشتراک کی بنا پر ہونگے جیسا کہ بہقی نے بروایت حضرت نعمان بن بشیرؓ

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت کیا ہے کہ جو لوگ ایک جیسے اعمال کرتے ہوں گے وہ ایک جگہ کر دیے جاویں گے اعمال حسنہ ہوں یا سیئہ، مثلاً اچھے مسلمانوں میں علم دین کی خدمت کرنیوالے علماء ایک جگہ، عباد و زہاد ایک جگہ جہاد کرنے والے غازی ایک جگہ، صدقہ خیرات میں خصوصیت رکھنے والے ایک جگہ۔ اسی طرح بد اعمال لوگوں میں چور ڈاکو ایک جگہ، زنا کار فحاش ایک جگہ، دوسرے خاص خاص گناہوں میں باہم شریک رہنے والے ایک جگہ ہو جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محشر میں ہر شخص اپنی قوم کیساتھ ہوگا (مگر یہ قومیت نسبی یا وطنی نہیں بلکہ عمل و عقیدہ کے اعتبار سے ہوگی) نیک عمل کرنیوالے ایک جگہ بد عمل والے دوسری جگہ ہوں گے اور اس پر آیت قرآنی سے استشہاد فرمایا **ذَکُمْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلَاثَةً**، یعنی محشر میں لوگوں کے بڑے گروہ تین ہوں گے جیسا کہ سورۃ واقعہ کی آیت میں انکی تفصیل یہ آئی ہے کہ ایک گروہ سابقین اولین کا ہوگا، دوسرا اصحاب الیمین کا، یہ دونوں گروہ نجات پائیے ہوں گے تیسرا گروہ اصحاب الشمال کا ہوگا جو کفار فجار پر مشتمل ہوگا۔

وَإِذَا النُّفُوسُ سُئِلَتْ، موعودہ وہ لڑکی جس کو زندہ دفن کر دیا گیا جیسا کہ جاہلیت عرب میں یہ رسم تھی کہ لڑکی کو اپنے لئے موجب عار سمجھتے تھے اور زندہ ہی اس کو دفن کر دیتے تھے اسلام نے یہ رسم بد مٹائی، اس آیت میں قیامت و محشر کے حالات کے بیان میں ارشاد ہوا کہ جب اُس لڑکی سے سوال کیا جائیگا جس کو زندہ درگور کر کے مار دیا گیا تھا، ظاہر الفاظ سے یہ ہے کہ یہ سوال خود اس لڑکی سے ہوگا، اُس سے پوچھا جائے گا کہ تجھے کس جرم میں قتل کیا گیا، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مقصود اس سے سوال کر سیکام یہ ہے کہ یہ اپنی بے گناہی اور مظلوم ہونے کی پوری فریاد بارگاہ رب العزت میں پیش کرے تاکہ اُس کے قاتلوں سے انتقام لیا جائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مراد یہ ہو کہ موعودہ لڑکی کے بارے میں اس کے قاتلوں سے سوال کیا جائے گا کہ اس کو تم نے کس جرم میں قتل کیا۔

فَإِنَّ دَہَمَہَا یہاں بہر حال ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قیامت کا تو نام ہی یوم الحساب یوم الجزاء یوم الدین ہے اس میں تو ہر شخص سے اس کے سبھی اعمال کا محاسبہ اور سوال ہوں گے اس جگہ خصوصی احوال اور احوال قیامت کے سلسلہ میں خاص موعودہ لڑکی کے معاملے میں اور اس کے متعلق سوال ہونے کو اتنی اہمیت اور خصوصیت کیساتھ ذکر کر نہیں کیا حکمت ہے؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہ خصوصیت یہ ہے کہ یہ مظلوم لڑکی جس کو خود اس کے ماں باپ نے قتل کیا ہے اس کے خون کا انتقام لینے کے لئے اس کی طرف سے کوئی دعوے کرنے والا تو ہے نہیں خصوصاً جبکہ اس کو خفیہ دفن کر دیا ہو تو کسی کو اس کی خبر بھی نہیں ہوگی کہ شہادت دے سکے محشر کے میدان میں جو عدل و انصاف کی عدالت الہیہ قائم ہوگی، وہ ایسے نظام کو بھی سامنے لائیگی جس کے ظلم پر نہ کوئی شہادت ہے نہ کوئی اس مظلوم کا پرسان حال ہے۔ **وَاللّٰہُ اعْلَمُ**

چار ماہ کے بعد استطاق حمل مسئلہ - بچوں کو زندہ دفن کر دینا یا قتل کر دینا سخت گناہ کبیرہ اور ظلم عظیم ہے قتل کے حکم میں ہے اور چار ماہ کے بعد کسی حمل کو گرانا بھی اسی حکم میں ہے کیونکہ چوتھے مہینہ میں حمل میں

رُوح پڑ جاتی ہے اور وہ زندہ انسان کے حکم میں ہوتا ہے اسی طرح جو شخص کسی حاملہ عورت کے پیٹ پر ضرب لگائے اور اس سے بچہ سقط ہو جائے تو باجماع اُمت مارنے والے پر اس کی دیت میں غرہ یعنی ایک غلام یا اس کی قیمت واجب ہوتی ہے اور اگر بطن سے باہر آئیے وقت وہ زندہ تھا پھر مر گیا تو پوری دیت بڑے آدمی کے برابر واجب ہوتی ہے اور چار ماہ سے پہلے اسقاط حمل بھی بدون اضطراری حالات کے حرام ہے مگر پہلی صورت کی نسبت کم ہے کیونکہ اس میں کسی زندہ انسان کا قتل صریح نہیں ہے (منظہری)

مسئلہ۔ کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے حمل قرار نہ پائے جیسے آجکل دنیا میں ضبط تولید کے نام سے اس کی سیکڑوں صورتیں رائج ہو گئی ہیں اس کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داد خفی فرمایا ہے یعنی خفیہ طور سے بچہ کو زندہ درگور کر دینا (کما رواہ مسلم عن خدمۃ بنت وہب) اور بعض دوسری روایات میں جو غزل یعنی ایسی تدبیر کرنا کہ لطفہ رحم میں نہ جائے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سکوت یا عدم ممانعت منقول ہے وہ ضرورت کے مواقع کے ساتھ مخصوص ہے وہ بھی اس طرح کہ ہمیشہ کے لئے قطع نسل کی صورت نہ بنے (منظہری) آجکل ضبط تولید کے نام سے جو دوائیں یا معالجات کئے جاتے ہیں ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ ہمیشہ کے لئے سلسلہ نسل و اولاد کا منقطع ہو جائے اس کی کسی حال اجازت شرعاً نہیں ہے واللہ اعلم

وَلَا ذَا السَّمَاءِ كُشِطَتْ، کشط کے لغوی معنی جانور کی کھال اُتارنے کے ہیں، بظاہر یہ حال قیامت کا نفعہ اُولیٰ کے وقت کا ہے جو اسی دنیا میں پیش آئیگا کہ آسمان کی زینت جن ستاروں اور شمس و قمر سے تھی وہ سب بے نور ہو کر دریا میں ڈال دیے جاویں گے آسمان کی موجودہ ہیئت بدل جاوے گی، اس کو کشط کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور بعض حضرات مفسرین نے کشط کے معنی لپیٹنے کے لکھے ہیں اور معنی آیت کے یہ ہو گئے کہ آسمان جو چھت کی طرح سروں پر محیط ہے یہ لپیٹ دیا جائے گا۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ، یعنی جب قیامت کے حالات مذکورہ پیش آویں گے اُس وقت ہر انسان جان لیوے گا کہ وہ اپنے ساتھ کیا سامان لایا ہے۔ سامان سے مراد اس کا نیک یا بد عمل ہے کہ وہ سب اعمال اسکے سامنے آجاویں گے جو دنیا میں کئے تھے خواہ اس طرح کہ صحائف اعمال میں لکھے ہوئے اسکے ہاتھ میں آجائیں یا اس طرح کہ یہ اعمال کسی خاص شکل و صورت میں اسکے سامنے آویں جیسا کہ بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ قیامت کے احوال اور ہولناک مناظر اور وہاں محاسبہ اعمال کا ذکر فرمانے کے بعد حق تعالیٰ نے چند ستاروں کی قسم کھا کر فرمایا کہ یہ قرآن حق ہے اللہ کی طرف سے بڑی حفاظت کیساتھ بھیجا گیا ہے اور جن ذات پر نازل ہوا ہے وہ ذات ایک بڑی ہستی ہے وحی لانے والے فرشتے کو وہ پہلے سے جانتے پہچانتے تھے اس لئے اسکے حق ہونے میں کسی شک و شبہ کی راہ نہیں۔ جن ستاروں کی قسم یہاں کھائی گئی وہ پانچ ستارے ہیں جن کو علم ہیئت فلکیات میں خمسہ متحیرہ کہتے ہیں اور متحیرہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان پانچوں ستاروں کی حرکت دنیا میں اس طرح دیکھی جاتی ہے کہ کبھی مشرق سے مغرب کی طرف چل رہے ہیں کبھی پھر پیچھے کو مغرب سے مشرق کی طرف

چلنے لگتے ہیں اسکی وجہ کیا، اور دو مختلف حرکتوں کا سبب کیا ہے، اسکے بارے میں قدیم فلسفہ یونان والوں کے مختلف اقوال ہیں اور جدید فلسفہ والوں کی تحقیق اُن میں سے بعض کی مطابق ہے بعض کے خلاف اور حقیقت کا علم پیدا کرنیوالے کے سوا کسی کو نہیں، سب تجنیسے اور اندازے ہی ہیں جو غلط بھی ہو سکتے ہیں صحیح بھی، قرآن حکیم نے اُمت کو اس فضول بحث میں نہیں اُلجھایا، جتنی بات اُن کے فائدہ کی تھی وہ بتلادی کہ وہ رب العزت جل شانہ کی قدرت کا ملہ اور حکمت بالغہ کا اسمیں مشاہدہ کریں اور ایمان لائیں۔

اِنَّكَ لَقَوْلٌ رُّسُوْلٌ كَرِيْمٌ ذِي قُوَّةٍ اَمْ، ستاروں کی قسم کے بعد فرمایا کہ یہ قرآن قول ہے ایک مَؤَلِّم کا، آگے اس رُسُوْلِ کَرِیْم کی صفت ایک تو یہ بیان فرمائی کہ وہ ذی قوت ہے، دوسری یہ کہ رب العرش کے پاس وہ مُطَاع ہے کہ اسکے احکام عرش والے مانتے ہیں، تیسری یہ کہ وہ اللہ کے نزدیک امین ہے اس سے پیغام لانے اور پہنچانے میں کسی خیانت اور کمی بیشی کا امکان نہیں۔ اس جگہ رُسُوْلِ کَرِیْم سے مراد بظاہر جبریل امین ہیں کیونکہ لفظ رُسُوْل کا جیسے انبیاء پر اطلاق ہوتا ہے ایسے ہی فرشتوں کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اور آگے جتنی صفات رُسُوْل کی بیان کی گئی ہیں وہ سب جبریل امین پر بغیر کسی تکلف و تاویل کے منطبق ہیں، انکا ذی قوت ہونا سورہ نجم میں صراحتاً مذکور ہے عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى، اہل عرش و سموات میں اُن کا مُطَاع ہونا اور اُن کے احکام کی پیروی کرنا لیلۃ المعراج کی حدیث سے ثابت ہے کہ جب جبریل امین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر آسمان پر پہنچے اور آسمانوں کے دروازے کھلوانے کا ارادہ کیا تو دروازوں پر مقرر فرشتوں نے ان کے حکم کی اطاعت کی اور اُمین ہونا جبریل علیہ السلام کا ظاہر ہے۔ اور بعض ائمہ تفسیر نے اس جگہ رُسُوْلِ کَرِیْم سے مراد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے اور صفات مذکورہ کو سیدتہ تکلف سے آپ کی ذات پر منطبق کیا ہے واللہ اعلم۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان اور کفار کے بیہودہ الزاموں کا جواب ہے وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَحْنُوْنٍ، یہ اُن کفار کے بیہودہ اعتراض کا جواب ہے جو معاذ اللہ رُسُوْل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہتے تھے وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأَفْقِ الْمُبِیْنِ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین کو کھلے آفاق پر دیکھا ہے جیسا کہ سورہ نجم میں فَاَسْتَوٰی وَهُوَ بِالْأَفْقِ الْاَعْلٰی، اور مقصود اسکے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ وحی لانے والے فرشتے جبریل سے رُسُوْلِ کَرِیْم صلی اللہ علیہ وسلم خوب واقف تھے، اُن کو اصلی ہیئت و صورت میں بھی دیکھ چکے تھے اس لئے اس وحی میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں اباقی مضمون آیات خلاصہ تفسیر میں واضح ہو چکا ہے۔

تَمَّتْ سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ بِمَحْمَدٍ ﷺ يَوْمَ الْاَرْبَعَاءِ ۸ شَعْبَانَ ۹۱ هـ

سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ

سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ عَشْرَةً آيَةً
سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ نَازِلٌ فِيهِ اَوَّلُ اَنْبِيَا اٰتِيْنَ فِيْهِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ۝۱ وَاِذَا الْكُوَاكِبُ اُنْتَثَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْبِحَارُ

جب آسمان چر جائے اور جب ستارے جھڑ پڑیں اور جب دریا

فُجِّرَتْ ۝۳ وَاِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ۝۴ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدْ مَتَّ وَآخِرَتْ ۝۵

آبل نکلیں اور جب قبریں نہروں پر کردی جائیں جان لے ہر ایک جی جو کچھ کہے بھیجا اور تیجھے چھوڑا

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّبَكَ رَبِّكَ الْكَرِيمُ ۝۶ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ

اے آدمی کس چیز سے بہکا تو اپنے رب کریم پر جس نے تجھ کو بنایا پھر تجھ کو ٹھیک کیا

فَعَدَلَكَ ۝۷ فِيْٓ اٰیٍ صُوْرَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ۝۸ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ

پھر تجھ کو برابر کیا جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا ہرگز نہیں پر تم جھوٹ جانتے ہو

بِالدِّیْنِ ۝۹ وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۝۱۰ كِرَامًا كَتِبٰیْنَ ۝۱۱ یَعْلَمُوْنَ

انصاف کا ہونا اور تم پر نگہبان مقرر ہیں عزت والے عمل لکھنے والے جانتے ہیں جو کچھ

مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۱۲ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۝۱۳ وَاِنَّ الْفٰجِرَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ۝۱۴

تم کرتے ہو بیشک نیک لوگ بہشت میں ہیں اور بیشک گنہگار دوزخ میں ہیں

یَصْلُوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ۝۱۵ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغٰیِبِیْنَ ۝۱۶ وَمَا اَدْرٰیكَ مَا

ڈالے جائیں گے اس میں انصاف کے دن اور نہ ہونگے اُس سے جدا ہونے والے اور تجھ کو کیا خبر ہے کیسا ہے

یَوْمَ الدِّیْنِ ۝۱۷ ثُمَّ مَّا اَدْرٰیكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ۝۱۸ یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ

دن انصاف کا پھر بھی تجھ کو کیا خبر ہے کیسا ہے دن انصاف کا جس دن کہ بھلا نہ کر سکے کوئی جی

لِنَفْسٍ شَيْئًا وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ ۝۱۹

کسی جی کا کچھ بھی اور حکم اُس دن اللہ ہی کا ہے

خلاصہ تفسیر

جب آسمان پھٹ جائیگا اور جب ستارے (ٹوٹ کر) جھڑپیں گے اور جب سب دریا (شور و شیریں) بہہ پڑیں گے (اور بہہ کر ایک ہو جائیں گے جیسا اوپر کی سورت میں سچرت کی تفسیر میں بیان ہوا ہے یہ تینوں واقعات تو نفخہ اولیٰ کے ہیں آگے نفخہ ثانیہ کے بعد کا واقعہ ہے یعنی) اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی (یعنی انہیں کے مردے نکل کھڑے ہوں گے اس وقت) ہر شخص اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لیگا (اور ان واقعات کا مقتضی یہ تھا کہ انسان خواب غفلت سے بیدار ہوتا اسلئے آگے غفلت پر زبرد تنبیہ ہے کہ) اے انسان تجھ کو کس چیز نے تیرے ایسے رب کریم کے ساتھ بھول میں ڈال رکھا ہے جس نے تجھ کو (انسان) بنایا پھر تیرے اعضاء کو درست کیا پھر تجھ کو (مناسب) اعتدال پر بنایا (یعنی اعضاء میں تناسب رکھا اور) جس صورت میں چاہا تجھ کو ترکیب دیدیا، ہرگز (مغرور) نہیں (ہونا چاہیے مگر تم اغترار سے باز نہیں آتے) بلکہ (اس درجہ اغترار میں بڑھ گئے ہو کہ) تم (خود) جزا و سزا (ہی) کو (جس سے یہ غرور اور فریب و شمع ہو سکتا تھا) جھٹلاتے ہو اور (یہ جھٹلانا تمہارا خالی نہ جاویگا بلکہ ہماری طرف سے) تم پر (تمہارے سب اعمال کے) یاد رکھنے والے (جو ہمارے نزدیک معزز) (اور تمہارے اعمال کے) لکھنے والے (ہیں) مقرر ہیں جو تمہارے سب افعال کو جانتے ہیں (اور لکھتے ہیں پس قیامت میں یہ سب اعمال پیش ہونگے جنہیں تمہاری یہ تکذیب اور کفر بھی ہے اور سب پر مناسب جزا ملیگی جسکی تفصیل آگے ہے کہ) نیک لوگ بیشک آسائش میں ہونگے اور بدکار (یعنی کافر) لوگ بیشک دوزخ میں ہونگے روز جزا کو اس میں داخل ہونگے اور (پھر داخل ہو کر) اس سے باہر نہ ہونگے (بلکہ اس میں خلود ہوگا) اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ روز جزا کیسا ہے (اور ہم) پھر (مکر کہتے ہیں) آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ روز جزا کیسا ہے (مقصود اس استفہام سے تہویل ہے، آگے جواب ہے کہ) وہ ایسا دن ہے جس میں کسی شخص کا کسی شخص کے نفع کے لئے کچھ بس نہ چلے گا اور تمام تر حکومت اس روز اللہ ہی کی ہوگی۔

معارف و مسائل

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدْ مَتَّ وَ أَخْوَتْ، یعنی جب قیامت کے وہ حالات پیش آچکیں گے جن کا ذکر شروع سورت میں کیا گیا ہے، آسمان کا پھٹنا، ستاروں کا جھڑپنا، سب شور و شیریں دریاؤں کا ایک ہو جانا، قبروں سے مردوں کا اٹھنا اس وقت ہر انسان جان لیگا کہ اُس نے کیا آگے بھیجا کیا پیچھے چھوڑا۔ آگے بھیجنے سے مراد اس پر عمل کر لینا ہے اور پیچھے چھوڑنے سے مراد ترک عمل ہے تو قیامت کے دن ہر شخص جان لیگا کہ اُس نے نیک بد کیا کیا عمل کر لئے اور نیکی یا بدی میں سے کیا چھوڑ دی تھی اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ آگے بھیجے ہوئے اعمال سے مراد وہ

عمل ہوں جو اُسے خود کئے، خواہ نیک یا بد اور پیچھے چھوڑنے سے مراد وہ عمل ہوں جن اُسے خود تو نہیں کیا لیکن اسکی رسم دنیا میں ڈال گئے، اگر وہ نیک کام ہیں تو اُن کا ثواب ان کو ملتا رہے گا اور بُرے ہیں تو اسکی بُرائی اُس کے اعمال نامے میں لکھی جاتی رہے گی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جس شخص نے اسلام میں کوئی اچھی سنت اور طریقہ جاری کرایا اسکا ثواب ہمیشہ اس کو ملتا رہیگا، اور جس نے کوئی بُری رسم اور گناہ کا کام دنیا میں جاری کر دیا تو جب تک لوگ اس بُرے کام میں مبتلا ہونگے اسکا گناہ اس شخص کے لئے بھی لکھا جاتا رہے گا۔ یہ مضمون پہلے بھی آیت **يُنَبِّئُوا لِّلْاِنْسَانِ يَوْمَ مَبِيْدِهِ مَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ** کے تحت میں گزر چکا ہے۔

يَا أَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّبَكَ، اس سے پہلی آیات میں معاد اور انجام یعنی قیامت کے ہولناک معاملات کا ذکر فرمایا، اور اس آیت میں انسان کے مبداء یعنی تخلیق کے ابتدائی مراحل کا ذکر فرمایا، اس مجموعہ کا تقاضا یہ تھا کہ انسان کچھ بھی غور و فکر سے کام لیتا تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتا اور ان کے احکام کی سرِ موخلا و رزی نہ کرتا مگر انسان غفلت اور بھول میں پڑ گیا اس پر بطور زبرد تنبیہ کے یہ سوال فرمایا کہ اے انسان تیری ابتدا و انتہا کے یہ حالات سامنے ہونے کے باوجود تجھے کس چیز نے بھول اور دھوکے میں ڈالا کہ اللہ کی نافرمانی کرنے لگا۔ یہاں بیان مبداء یعنی تخلیق انسانی کے ابتدائی مراحل کے ذکر میں پہلے فرمایا **اَخْلَقَكَ فَسَوَّدَكَ** یعنی اللہ تعالیٰ نے تجھے پیدا کیا، اور صرف پیدا ہی نہیں کر دیا بلکہ تیرے وجود اور تمام اعضاء کو ایک خاص مناسبت کیساتھ درست کر کے بنایا، ہر عضو کو اس کے مناسب جگہ دی، ہر عضو کی جسامت اور طول و عرض کو ایک تناسب سے بنایا کہ ذرا اس سے مختلف ہو جائے تو اعضائے انسانی کے وہ فوائد باقی نہ رہیں جو اسکی موجودہ صورتیں ہیں، اس کے بعد فرمایا **قَدَّرَكَ**، یعنی تیرے وجود کو ایک خاص اعتدال و نجش وجود دنیا کے کسی دوسرے جاندار میں نہیں۔ اعضاء کے تناسب کے اعتبار سے بھی اور مزاج و طبیعت کے اعتبار سے بھی کہ اگرچہ انسان کی تخلیق میں متضاد اور مختلف مواد شامل ہیں۔ خون، بلغم، سودا، صفرا، کوی گرم کوی سرد مگر حکمت ربانی نے ان متضاد چیزوں سے ایک معتدل مزاج تیار کر دیا اس کے بعد ایک تیسری خصوصیت بیان فرمائی۔

فِي آيٍ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ، یعنی باوجود اس کے کہ تخلیق سب انسانوں کی ایک خاص وضع اور ہیئت اور مزاج پر ہوئی وجہ سے سب میں اشتراک ہے اسکا نتیجہ بظاہر یہ ہونا چاہئے تھا کہ سب ایک ہی شکل و صورت کے ہوتے باہمی امتیاز و شوار ہو جاتا، مگر حق تعالیٰ جل شانہ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ نے کر دروں بلکہ اربوں پدموں انسانوں کی شکل و صورت میں ایسے امتیازات پیدا فرما دیے جو ایک دوسرے سے مشتبہ نہیں ہوتے صاف اور نمایاں امتیاز رہتا ہے۔

انسان کی ابتدائی تخلیق کے یہ کمالات قدرت بیان فرما کر ارشاد فرمایا **مَا غَرَّبَكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ** کہ اے غافل انسان جس پر در دگار نے تیرے وجود میں ایسے ایسے کمالات و دیعت فرمائے اُس کے معاملے میں تو نے کیونکر دھوکہ اور فریب کھایا کہ اُسی کو بھول بیٹھا اُس کے احکام کی نافرمانی کرنے لگا، تجھے تو خود تیرے جسم کا

جوڑ جوڑ اللہ کی یاد دلانے اور اُس کی اطاعت پر مجبور کرنے کے لئے کافی تھا پھر یہ بھول اور غفلت یہ غرور اور دھوکہ کیسے لگا، اس جگہ رب کی صفت کریم ذکر کر کے اسکے جواب کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ انسان کے بھول اور دھوکہ میں پڑنے کا سبب حق تعالیٰ کا کریم ہونا ہے کہ وہ اپنے لطف و کرم سے انسان کے گناہ پر فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ اسکے رزق اور عافیت اور دیوی آسائش میں بھی کوئی کمی نہیں کرتا، یہ لطف و کرم اسکے غرور اور دھوکے کا سبب بن گیا حالانکہ ذرا عقل سے کام لیتا تو یہ لطف و کرم غرور و غفلت کا سبب بننے کے بجائے اور زیادہ اپنے رب کریم کے احسانات کا ممنون ہو کر اطاعت میں لگتا کہ اس کا سبب ہونا چاہئے تھا۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ کہرج مغرر تحت السّدر ھو لا یشعر یعنی کہتے ہی انسان ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے عیبوں اور گناہوں پر پردہ ڈالا ہوا ہے اُن کو رسوا نہیں کیا، وہ اس لطف و کرم اور زیادہ غرور اور دھوکے میں مبتلا ہو گئے۔

إِنَّ الْأَكْبَرَارَ كَفَىٰ نَعِيمٍ ۖ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَكَفَىٰ عَذَابٌ ۖ أَسْفَلُ السُّفْلٰۤی ۚ اس کا تعلق اُس جملے سے ہے جو پہلے گزر چکا یعنی عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدْ مَتَّ وَآخَرَتْ کہ قیامت کے روز ہر انسان کو اپنا اپنا عمل سامنے آجائیگا۔ اس جملے میں اس عمل کی سزا و جزا کا ذکر ہے کہ اطاعت شعار برابر تو اس روز اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں مسرور ہونگے اور سرکش نافرمان جہنم کی آگ میں۔

وَمَا هُمْ عَنْهَا لِغَاۤیِبِیۡنَ، یعنی جہنمی لوگ کسی وقت جہنم سے غائب نہ ہو سکیں گے کیونکہ اُن کے لئے خلود اور دائمی عذاب کا حکم ہے لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا، یعنی کوئی شخص باختیار خود کسی دوسرے کو محشر میں کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا نہ کسی کی تکلیف کو کم کر سکے گا، اس سے شفاعت کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ شفاعت کسی کی اپنے اختیار سے نہ ہوگی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کسی کو کسی کی شفاعت کی اجازت نہ دیں، اس لئے اصل حکم کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ ہی اپنے فضل سے کسی کو شفاعت کی اجازت دیدے اور پھر شفاعت قبول فرمائے تو وہ بھی اُسی کا حکم ہے، واللہ اعلم

تَمَّتْ سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ بِحَمْدِ اللّٰهِ لِيَلْتَمِزَ الْاَحْبَاءُ ۚ ۸ شَعْبَانَ ۱۳۹۱ھ

سُورَةُ التَّطْفِيفِ

سُورَةُ التَّطْفِيفِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ وَثَلَاثُونَ آيَةً

سُورَةُ تَطْفِيفِ مَكِّيَّةٌ نَازِلَةٌ بِمَكِّيٍّ اَوَّلِيٍّ اَسْمَاءُ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۱ ۱۱ الَّذِيْنَ اِذَا كَتٰلُوْا عَلٰی النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۲

خرابی ہے گھٹانے والوں کی وہ لوگ کہ جب ماپ کر لیں لوگوں سے تو پورا بھر لیں

وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۳ ۱۲ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ

اور جب ماپ کر دیں ان کو یا تول کر تو گھٹا کر دیں کیا خیال نہیں رکھتے وہ لوگ کہ ان کو

مُبْعُوْثُوْنَ ۴ ۱۳ لَيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۵ ۱۴ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۶ ۱۵ كَلَّا

اُٹھنا ہے اس بڑے دن کے واسطے جس دن کھڑے رہیں لوگ راہ دیکھتے جہان کے مالک کی ہرگز نہیں

اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سَجِيْنٍ ۷ ۱۶ وَّمَا اَدْرٰكَ مَا سَجِيْنٌ ۸ ۱۷ كِتٰبٌ مَُّرْقُوْمٌ ۹ ۱۸

بیشک اعمال نامہ گنہگاروں کا سجین میں ہے اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہے سجین ایک دفتر ہے لکھا ہوا

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۱۰ ۱۹ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ۱۱ ۲۰ وَمَا

خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی جو جھوٹ جانتے ہیں انصاف کے دن کو اور اس کو

يُكَذِّبُ بِهٖ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اٰثِمٍ ۱۲ ۲۱ اِذَا تَنٰتٰ عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ

جھٹلاتا ہے وہی جو بڑھ مٹکنے والا گنہگار ہے جب سنائے اس کو ہماری آیتیں کہے نقلیں ہیں

اَلْاَوَّلِيْنَ ۱۳ ۲۲ كَلَّا بَلْ كَثُرَ اَنْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۱۴ ۲۳

پہلوں کی کوئی نہیں ہر رنگ پکڑ گیا ہے ان کے دلوں پر جو وہ کہاتے تھے

كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَّزَقِهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمْ یَحْجُبُوْنَ ۱۵ ۲۴ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوْا

کوئی نہیں وہ اپنے رب سے اُس دن روک دیئے جائیں گے پھر مقرر وہ گریہ والے ہیں

الْحَجِيمُ ۱۶ ثُمَّ يُقَالُ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۱۷ كَلَّا إِنَّ كِتَابَ

دوزخ میں پھر کہا جائے گا یہ وہی ہے جس کو تم جھوٹ جانتے تھے ہرگز نہیں بیشک اعمال نامہ

الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ ۱۸ وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ ۱۹ كِتَابٌ مَرْقُومٌ ۲۰

نیکوں کا علیین میں ہے اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہے علیین ایک دفتر ہے لکھا ہوا

يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ ۲۱ إِنَّ الْأَبْرَارِ لَفِي نَعِيمٍ ۲۲ عَلَى الْأَرَائِكِ

اُس کو دیکھتے ہیں نزدیک والے یعنی فرشتے بیشک نیک لوگ ہیں آرام میں تختوں پر بیٹھے

يَنْظُرُونَ ۲۳ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ۲۴ يُسْقُونَ مِنْ

دیکھتے ہونگے پہچان لے تو اُن کے منہ پر تازگی آرام کی اُن کو پلائی جاتی ہے

رَّحِيْقٍ مَّخْتُومٍ ۲۵ خِتْمُهُ مُسْكٌ ۲۶ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ

شراب خالص مہر لگی ہوئی جس کی مہر جمتی ہے مشک پر اور اُس پر چاہیے کہ ٹھکیں

الْمُتَنَفِسُونَ ۲۷ وَمَرَّاجُهُ مِنْ تَسْنِيمٍ ۲۸ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ۲۹

ٹھکنے والے اور اُس کی ماری ہے تسنیم سے وہ ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں نزدیک والے

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ۳۰ وَإِذَا مَرُّوا

وہ لوگ جو گنہگار ہیں تھے ایمان والوں سے ہنسا کرتے اور جب ہو کر نکلتے

بِهِمْ يَتَغَامَرُونَ ۳۱ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ۳۲ وَ

انکے پاس کو تو آپس میں آنکھ مارتے اور جب پھر کر جاتے اپنے گھر پھر جاتے باتیں بناتے اور

إِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَّاوُونَ ۳۳ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَفِظِينَ ۳۴

جب اُن کو دیکھتے کہتے بیشک یہ لوگ بہک رہے ہیں اور اُن کو بھیجا نہیں اُن پر نگہبان بنا کر

فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ۳۵ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ۳۶

سو آج ایمان والے منکروں سے ہنستے ہیں تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہیں

هَلْ ثَوَابَ الْكُفَّارِ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۳۷

اب بدلہ پایا ہے منکروں نے جیسا کچھ کرتے تھے

خلاصہ تفسیر

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی کہ جب لوگوں سے (اپنا حق) ناپ کر لیں تو پورا لے لیں

اور جب اُن کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا دیں (گو لوگوں سے اپنا حق پورا لینا مذموم نہیں ہے مگر اسکے ذکر

کرنے سے مقصود خود اس پر ندمت کرنا نہیں ہے بلکہ کم دینے پر ندمت کی تاکید و تقویت ہے یعنی کم دینا اگرچہ

فی نفسہ مذموم ہے لیکن اس کے ساتھ اگر دوسروں کی ذرا رعایت نہ کی جاوے تو اور زیادہ مذموم ہے، بخلات رعایت کرنے والے کے کہ اگر اس میں عیب ہے تو ایک ہنر بھی ہے اس لئے اذل شخص کا عیب اشد ہے اور چونکہ اصل مقصود مذمت ہے کم دینے کی اس لئے اس میں ناپ اور تول دونوں کا ذکر کیا تاکہ خوب تصریح ہو جاوے کہ ناپنے میں بھی کم دیتے ہیں اور تولنے میں بھی کم دیتے ہیں اور چونکہ پورا لینا فی نفسہ مدار مذمت کا نہیں اس لئے وہاں ناپ اور تول دونوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ ایک ہی کا ذکر کیا پھر تخصیص ناپ کی شاید اس لئے ہو کہ عرب میں زیادہ دستور کھیل کا تھا خصوصاً اگر آیت مدنی ہو جیسا روح المعانی میں بروایت نسائی وابن ماجہ دیہی

اس کا نزول اہل مدینہ کے باب میں لکھا ہے تو اس وقت اس تخصیص کی وجہ زیادہ ظاہر ہے کیونکہ مدینہ میں کھیل کا دستور مکہ سے بھی زیادہ تھا، آگے ایسا کرنے والوں کو ڈرایا گیا ہے کہ) کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کر کے اٹھائے جا دیں گے جس دن تمام آدمی رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونگے (یعنی اس روز سے ڈرنا چاہیئے اور تطفیف یعنی لوگوں کی حق تلفی سے تو بہ کرنا چاہیئے اس باعث جزا کو سن کر جو مومن تھے وہ ڈر گئے اور جو کافر تھے وہ انکار کرنے لگے، اس لئے آگے انکار پر تنبیہ فرما کر فریقین کی جزا کی تفصیل فرمائی ہیں کہ جیسا کفار لوگ جزا و سزا کے مستحق ہیں) ہرگز (ایسا) نہیں (بلکہ جزا و سزا ضروری الوقوع ہے جن اعمال پر جزا و سزا ہوگی وہ بھی منضبط اور محفوظ ہیں اور اس مجموعہ کا بیان یہ ہے کہ) بدکار (یعنی کافر) لوگوں کا نامہ عمل سبچین میں رہے گا (وہ ایک مقام ساتویں زمین میں ہے جو مقام ہے ارواح کفار کا، کذا فی تفسیر ابن کثیر عن کعب دنی الدر المنثور عن ابن عباس و مجاہد و فرقد و قتادة و عبد اللہ ابن عمر و مرفوعاً، اور کفار کے اعمال کا اس مقام پر رہنا بھی مجاہد و عبد اللہ ابن عمر سے و المنثور میں منقول ہے، آگے ڈرانے کے لئے سوال ہے کہ) اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ سبچین میں رکھا ہوا نامہ عمل کیا چیز ہے وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے (نشان سے مراد ہر ہے کما فی الدر المنثور عن کعب الاحبار فیختم و یوضع ای بعد الموت مقصود یہ ہوگا کہ اس میں تغیر و تبدل کا کچھ احتمال نہیں پس حاصل اسکا اعمال کا محفوظ ہونا ہے جس سے جزا کا بحق ہونا ثابت ہوا آگے ان اعمال کی جزا کا بیان ہے کہ) اس روز (یعنی قیامت کے روز) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی جو کہ روز جزا کو جھٹلاتے ہیں اور اس (یوم جزا) کو تو وہی شخص جھٹلاتا ہے جو حد (عبدیت) سے گزرنے والا ہو مجرم ہو (اور) جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاویں تو یوں کہہ دیتا ہو کہ یہ بے سند باتیں اگلوں سے منقول چلی آتی ہیں (مطلب یہ بتلانا ہے کہ جو شخص روز قیامت کی تکذیب کرتا ہے وہ معتدی، اثم، مکذب بالقرآن ہے آگے تکذیب روز جزا پر جو صراحت مذکور ہے تنبیہ کی ہے کہ یہ لوگ اس کو قلعہ سمجھ رہے ہیں) ہرگز ایسا نہیں (اور کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ شاید ان کے پاس کوئی دلیل نفی کی ہوگی جس سے یہ استدلال کرتے ہونگے ہرگز نہیں) بلکہ (اصل وجہ تکذیب کی یہ ہے کہ) ان کے دلوں پر ان کے اعمال بدکارانہ بیٹھ گیا ہے (اس سے استعداد قبول حق کی فاسد ہو گئی اسلئے براہ عناد انکار کرنے لگے آگے پھر انکار پر زجر ہے کہ جیسا یہ لوگ سمجھ رہے ہیں) ہرگز ایسا نہیں

(آگے دیل کی کچھ تفصیل ہے کہ وہ فراہمی یہ ہے کہ) یہ لوگ اس روز (ایک تو) اپنے رب (کا دیدار دیکھنے) سے دُک دیئے جائیں گے پھر (صرف اسی پر اکتفا نہ ہوگا بلکہ) یہ دونوں میں داخل ہونگے پھر (ان سے) کہا جاوے گا کہ یہی ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے (اور چونکہ یہ لوگ یوم دین کی تکذیب میں جس طرح اپنی سزا کو جھٹلاتے تھے اسی طرح مومنین کی جزا کو بھی جھٹلاتے تھے، آگے اس پر تنبیہ فرماتے ہیں کہ یہ جو مومنین کے اجر و ثواب کے منکر ہیں) ہرگز ایسا نہیں، (بلکہ ان کا اجر و ثواب ضرور ہونے والا ہے جس کا بیان یہ ہے کہ) نیک لوگوں کا نامہ عمل علیین میں رہیگا (وہ ایک مقام ہے ساتویں آسمان میں جو مستقر ہے ارواح مومنین کا، کذا فی تفسیر ابن کثیر عن کعب) اور آگے تفہیم کے لئے سوال ہے کہ آپ کو کچھ معلوم ہے کہ علیین میں رکھا ہوا نامہ عمل کیا چیز ہے وہ ایک نشان کیا ہوا دفر ہے جس کو مقرب فرشتے (شوق سے) دیکھتے ہیں (اور یہ مومن کا بہت بڑا اکرام ہے جیسا کہ روح المعانی میں بتدریج عبد بن حمید حضرت کعب سے روایت ہے کہ جب ملائکہ مومن کی روح کو قبض کر کے لیجاتے ہیں تو ہر آسمان کے مقرب فرشتے اسکے ساتھ ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک پہنچکر اس روح کو رکھ دیتے ہیں، پھر فرشتے عرض کرتے ہیں کہ ہم اس کا نامہ اعمال دیکھنا چاہتے ہیں چنانچہ وہ نامہ عمل کھول کر دکھلایا جاتا ہے (مختصراً) آگے انکی جزا آخرت کا بیان ہے کہ) نیک لوگ بڑی آسائش میں ہونگے مسہریوں پر (بیٹھے بہشت کے عجائب) دیکھتے ہونگے (اے مخاطب) تو ان کے چہروں میں آسائش کی بشارت پہچانے گا (اور) ان کو پیئے کیلئے شراب خالص سر بہر جس پر مشک کی مہر ہوگی ملے گی اور عرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی عرص کرنا چاہیئے کہ عرص کے لائق یہی ہے خواہ صرف شراب مراد لیجاوے خواہ کل نعمائے جنت یعنی شوق و رغبت کی چیز یہ نعمتیں ہیں، نہ کہ دنیا کی ناقص اور فانی لذتیں اور ان کی تحصیل کا طریق نیک اعمال ہیں، پس اس میں کوشش کرنا چاہیئے) اور اس (شراب) کی آمیزش تسنیم (کے پانی سے) ہوگی (عرب عموماً شراب میں پانی ملا کر پیتے تھے تو اس شراب کی آمیزش کے لئے تسنیم کا پانی ہوگا، آگے تسنیم کی شرح ہے) یعنی ایک ایسا چشمہ جس سے مقرب لوگ پانی پیئیں گے، (مطلب یہ کہ سابقین یعنی مقربین کو تو خالص پیئے کو اس کا پانی ملے گا اور اصحاب الیمین یعنی ابرار کو اس کا پانی دوسری شراب میں ملا کر ملے گا، کذا فی الدر المنثور عن قتادہ و مالک ابن الحارث و ابن عباس و ابن مسعود و حذیفہ۔ اور یہ مہر گلنا علامت اکرام کی ہے ورنہ وہاں ایسی حفاظت کی ضرورت نہیں، اور مشک کی مہر کا مطلب یہ ہے کہ جیسے قاعدہ ہے کہ لاکھ وغیرہ لگا کر اس پر مہر کرتے ہیں اور ایسی چیز کو بطین ختام کہتے ہیں ہاں شراب کے برتن کے منہ پر مشک لگا کر اس پر مہر کر دی جاوے گی، یہاں تک فریقین کی جزائے اخروی کا الگ الگ بیان تھا آگے مجموعہ فریقین کا مجموعہ حال دنیا و آخرت مذکور ہے یعنی) جو لوگ مجرم (یعنی کافر) تھے وہ ایمان والوں سے (دنیا میں تحقیراً) ہنساکرتے تھے اور یہ (ایمان والے) جب ان کافروں کے سامنے سے ہو کر گزرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے تھے (مطلب یہ کہ انکے ساتھ استہزاء و تحقیر سے پیش آتے تھے) اور جب اپنے گھڑوں کو جاتے تو وہاں بھی ان کا تذکرہ کر کے (دل لگیاں) اور ہنسنے لگتے (مطلب یہ کہ غیبت و حضور ہر حال میں انکی تحقیر و

استہزاء کا مشغلہ رہتا، البتہ حضور میں اشارے چلا کرتے اور غیبت میں صراحتاً تذکرہ کرتے اور جب انکو دیکھتے تو یوں کہا کرتے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی پر ہیں (کیونکہ کفار اسلام کو غلطی پر سمجھتے تھے) حالانکہ یہ (کافر، ان (مسلمانوں) پر نگرانی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے) یعنی ان کو اپنی فکر کرنا چاہیے تھا، ان کے پیچھے کیوں پڑ گئے پس ان سے دو غلطیاں ہوئیں اول اہل حق کے ساتھ استہزاء پھر اپنی اصلاح سے بے فکری (سوائج قیامت کے دن) ایمان والے کافروں پر ہنستے ہونگے، مہربانوں پر (بیٹھے ان کا حال) دیکھ رہے ہونگے (درشتوں میں قتادہ سے منقول ہے کہ کچھ دریچے جھرو کے ایسے ہونگے جن سے اہل جنت اہل نار کو دیکھ سکیں گے، پس ان کا بُرا حال دیکھ کر بطور انتقام کے اپنے ہنسیں گے آگے تقریر ہے اس سزا کی یعنی) واقعی کافروں کو انکے کئے کا خوب بدلہ ملا۔

معارف و مسائل

سورۃ تطفیف حضرت عبداللہ بن مسعود کے قول پر مبنی سورت ہے عام مصاحف قرآن میں اسی بنا پر اسکو مکی لکھا ہے، اور حضرت ابن عباس، قتادہ، مقاتل، رضی اللہ عنہما کے نزدیک مدنی سورت ہے مگر انکی صرف آٹھ آیتیں مکی ہیں، امام نسائی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو دیکھا کہ مدینہ کے لوگ جن کے عام معاملات کھل یعنی ناپ کے ذریعہ ہوتے تھے وہ اس معاملہ میں چوری کرنے اور کم ناپنے کے بہت عادی تھے اس پر یہ سورت ویل للمطففین نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ پہلی سورت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ پہنچتے ہی نازل ہوئی، وجہ یہ تھی کہ اہل مدینہ میں یہ رواج اس وقت عام تھا کہ جب خود کسی سے سود لیتے تو ناپ تول پورا پورا لیتے تھے اور جب دوسروں کو بیچتے تو اس میں کمی اور چوری کیا کرتے تھے۔ اس سورت کے نازل ہونے پر یہ لوگ اس رسم بد سے باز آگئے اور ایسے بازار آئے کہ آج تک اہل مدینہ ناپ تول پورا پورا کرنے میں معروف و مشہور ہیں (رواہ الحاكم والنسائی وابن ماجہ صحیح از منطری)

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ، مطففین تطفیف سے مشتق ہے جس کے معنی ناپ تول میں کمی کرنے کے ہیں اور ایسا کرنے والے کو مطفف کہا جاتا ہے۔ قرآن حکیم کے اس ارشاد سے ثابت ہوا کہ تطفیف کرنا حرام ہے۔

تطفیف صرف ناپ تول ہی میں نہیں قرآن وحدیث میں ناپ تول میں کمی کرنے کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ عام طور سے بلکہ حقدار کو اس کے حق سے کم دینا کسی چیز میں ہو تطفیف میں داخل ہے کہ حقدار کا حق ادا ہو گیا یا نہیں، لیکن یہ معلوم ہے کہ مقصود اس سے ہر ایک حقدار

کا حق پورا پورا دینا ہے اس میں کمی کرنا حرام ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ صرف ناپ تول کیساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر وہ چیز جس کے کسی کا حق پورا کرنا یا نہ کرنا جانچا جاتا ہے اسکا یہی حکم ہے خواہ ناپ تول سے ہو یا عدد شماری سے یا کسی اور طریقے سے ہر ایک میں حقدار کے حق سے کم دینا بحکم تطفیف حرام ہے۔

موظا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز کے رکوع سجدے وغیرہ پورے

نہیں کرتا جلدی جلدی نماز ختم کر ڈالتا ہے تو اُس کو فرمایا لَقَدْ طَقَفْتَ یعنی تو نے اللہ کے حق میں تطفیف کر دی، فاروق اعظم کے اس قول کو نقل کر کے حضرت امام مالکؒ نے فرمایا لکل شیءٍ دفاء و تطفیف یعنی پورا حق دینا یا کم کرنا ہر چیز میں ہے یہاں تک کہ نماز، وضو، طہارت میں بھی اور اسی طرح دوسرے حقوق اللہ اور عبادات میں کمی کوتاہی کرنے والا تطفیف کرنے کا مجرم ہے اسی طرح حقوق العباد میں جو شخص مقررہ حق سے کم کرتا ہے وہ بھی تطفیف کے حکم میں ہے۔ مزدور ملازم نے جتنے وقت کی خدمت کا معاہدہ کیا ہے اُس میں سے وقت پُرانا اور کم کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ وقت کے اندر جس طرح محنت سے کام کرنے کا عرف میں معمول ہے اس میں کمی کرنا بھی تطفیف ہے اس میں عام لوگوں میں یہاں تک کہ اہل علم میں بھی غفلت پائی جاتی ہے، اپنی ملازمت کے فرائض میں کمی کرنے کو کوئی گناہ ہی نہیں سمجھتا اَعَاذَ اللہ مِنہ۔

حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خمس پنجس یعنی پانچ گنا ہول کی سزا پانچ چیزیں ہیں۔ (۱) جو شخص عہد شکنی کرتا ہے اللہ اُس پر اُس کے دشمن کو مسلط اور غالب کر دیتا ہے (۲) جو قوم اللہ کے قانون کو چھوڑ کر دوسرے قوانین پر فیصلے کرتے ہیں ان میں فقر و احتیاج عام ہو جاتا، (۳) جس قوم میں بے حیائی اور زنا عام ہو جائے اُس پر اللہ تعالیٰ طاعون (اور دوسرے وبائی امراض) مسلط کر دیتا، (۴) اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگیں اللہ تعالیٰ اُن کو قحط میں مبتلا کر دیتا ہے (۵) جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اُن سے بارش کو روک دیتا ہے (ذکرہ القرطبی و قال خرجہ البزار بمعناہ و مالک بن انس ایضاً من حدیث ابن عمرؓ) اور طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم میں مالِ غنیمت کی چوری رائج ہو جائے اللہ تعالیٰ انکے دلوں میں دشمن کا رعب اور ہیبت ڈال دیتے ہیں۔ اور جس قوم میں ربو یعنی سود خوری کا رواج ہو جائے انہیں موت کی کثرت ہو جاتی ہے اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ انکا رزق قطع کر دیتے ہیں اور جو لوگ حق کے خلاف فیصلے کرتے ہیں اُن میں قتل و خون عام ہو جاتا ہے اور جو لوگ معاہدات میں غداری کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن پر اُن کے دشمن مسلط کر دیتا ہے (رواہ مالک و توفیاً۔ از مظہری)

فقرو فاقہ اور قحط و قحط رزق کی مختلف صورتیں | حدیث میں جن لوگوں کا رزق قطع کر دینے کا ارشاد ہے اُس کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ اُس کو رزق سے بالکل محروم کر دیا جائے اور یہ صورت بھی قطع رزق ہی میں داخل ہے کہ رزق موجود ہوتے ہوئے وہ اُس کو کھانہ سکے یا استعمال نہ کر سکے جیسے بہت سی بیماریوں میں اسکا مشاہدہ ہوتا ہے اور اس زمانے میں بہت عام ہے۔ اسی طرح قحط کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ اشیاء ضرورت مفقود ہو جائیں، اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ موجود بلکہ کثیر ہونے کے باوجود اُن کی گرانی اتنی بڑھ جائے کہ خریداری مشکل ہو جائے جیسا کہ آج کل اسکا مشاہدہ اکثر چیزوں میں ہو رہا ہے۔ اور حدیث میں فقر مسلط کر نیکا ارشاد ہے اسکے معنی صرف یہی نہیں کہ روپیہ پیسہ اور ضرورت کی اشیاء اسکے پاس نہ رہیں بلکہ فقر کے اصلی معنی محتاجی اور حاجتمندی کے ہیں۔ ہر شخص اپنے کاروبار اور ضروریات زندگی میں دوسروں کا جتنا محتاج ہو وہ اتنا ہی فقیر ہے۔ اس زمانے کے حالات پر غور کیا جائے تو

انسان اپنے رہن سہن اور نقل و حرکت اور اپنے ارادوں کے پورا کرنے میں ایسے ایسے قوانین میں جکڑا ہوا نظر آتا ہے کہ اُس کے لقمہ اور کلمہ تک پر پابندیاں ہیں، اپنا مال موجود ہوتے ہوئے خریداری میں آزاد نہیں کہ جہاں سے چاہے کچھ خریدے۔ سفر میں آزاد نہیں کہ جب کہیں جانا چاہے چلا جائے، ایسی ایسی پابندیوں میں انسان جکڑا گیا ہے کہ ہر کام کے لئے دفتر گردی اور افسروں سے لیکر چیرا سیوں تک کی خوشامد کے بغیر زندگی گزارنا مشکل ہے یہ سب محتاجی ہی تو ہے جسکا دوسرا نام فقر ہے۔ اس تفصیل سے وہ شبہات رفع ہو گئے جو حدیث کے ارشاد کے متعلق ظاہری حالات کے اعتبار سے ہو سکتے ہیں۔

سجین اور علیین | **کَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ**، سجین، بکسر سین و تشدید جیم بر وزن سِجِّین سجن سے مشتق ہے جس کے معنی تنگ جگہ میں قید کرنے کے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ سجین کے معنی دائمی قید کے ہیں اور احادیث و آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سجین ایک مقام خاص کا نام ہے، اور کفار و فجار کی ارواح کا مقام یہی ہے اور اسی مقام میں انکے اعمال نامے رہتے ہیں، جسکا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُن کے اعمال نامے اس جگہ میں محفوظ کر دیے جاتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس جگہ کوئی ایسی کتاب جامع ہو جس میں تمام دنیا کے کفار و فجار کے اعمال لکھ دیئے جاتے ہوں۔

یہ مقام کس جگہ ہے اس کے متعلق حضرت برار بن عازب رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجین ساتویں زمین کے نچلے طبقہ میں ہے اور علیین ساتویں آسمان میں زیر عرش ہے (اخرجہ البغوی بسندہ واخرجہ احمد وغیرہ از منطہری) بعض روایات حدیث میں یہ بھی ہے کہ سجین کفار و فجار کی ارواح کا مستقر ہے، اور علیین، مومنین متقین کی ارواح کی جگہ ہے۔

جنت اور دوزخ کا مقام | یہی تھی نئے دلائل نبوت میں حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت کیا ہے کہ جنت آسمان میں ہے اور جہنم زمین میں، اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قرآن کریم میں جو یہ آیا ہے کہ قیامت کے روز جہنم کو لایا جائیگا و جائی یومئذ یجہنم اسکا مطلب کیا ہے، جہنم کو کہاں سے لایا جائے گا تو آپ نے فرمایا کہ جہنم کو ساتویں زمین سے لایا جائے گا۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم ساتویں زمین میں ہے وہیں سے بھڑک کر سارے سمندر اور دریا اُس کی آگ میں شامل ہو جائینگے اور سب کے سامنے آجائے گی۔ جہنم کے لئے جانیکا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے۔ اس طرح جن روایات میں یہ آیا ہے کہ سجین جہنم کے ایک مقام کا نام ہے وہ بھی اس پر منطبق ہو گیا، (منطہری) واللہ اعلم

کِتَابٌ مَّرْجُومٌ، مرقوم کے معنی اس جگہ مٹوم کے ہیں۔ یعنی مہر لگی ہوئی۔ امام بغوی اور ابن کثیر نے فرمایا کہ یہ جملہ مقام سجین کی تفسیر نہیں، بلکہ اس سے پہلے جو کتب الفجار آیا ہے اسکا بیان ہے، معنی یہ ہیں کہ کفار و فجار کے اعمال نامے مہر لگا کر محفوظ کر دیئے جاویں گے کہ انہیں کسی کمی بیشی اور تغیر کا امکان نہ رہے گا اور انکے محفوظ کرنے کی جگہ سجین ہے یہیں کفار کی ارواح کو جمع کر دیا جائے گا۔

کَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ، ران، رین سے مشتق ہے جس کے معنی رنگ اور میل

کہیں مطلب یہ کہ انکے دلوں پر انکے گناہوں کا زنگ لگ گیا ہے اور جس طرح زنگ لوہے کو کھاکر مٹی بنا دیتا ہے اسی طرح ان گناہوں کے زنگ نے ان کے دل کی اس صلاحیت کو ختم کر دیا جس سے بھلے بُرے کی تمیز ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اگر اُسے توبہ کرنی اور اُس پر نادم ہو کر آگے اپنے عمل کو درست کر لیا تو یہ سیاہ نقطہ مٹ جاتا ہے اور دل اپنی اصلی حالت پر منور ہو جاتا ہے اور اگر اُس نے توبہ نہ کی بلکہ اپنے گناہوں میں زیادتی کرتا چلا گیا تو یہ سیاہی اُس کے سارے قلب پر چھا جاتی ہے اسی کا نام ران ہے جو آیت قرآن بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مِمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (رواہ البغوی وکذا افرج احمد والترمذی وصحیحہ والنسائی وابن ماجہ وابن حبان والحاکم۔ از مظہری) لفظ کَلَّا جو آیت کے شروع میں ہے اسکو حرف ردع کہتے ہیں جس کے معنی دفع کرنے اور زبرد تنبیہ کر نیکیے ہیں۔ پہلی آیتوں میں کفار کی تکذیب کا ذکر تھا کہ وہ آیات قرآن کو کہانیاں کہہ کر ٹھٹھلاتے ہیں، اس آیت میں لفظ کَلَّا سے اس پر زبرد تنبیہ ہے کہ ان جاہلوں نے اپنے گناہوں کے انبار میں مبتلا ہو کر اپنے دلوں کی اُس نورانیت اور صلاحیت کو ختم کر دیا ہے جس سے حق و باطل پہچانا جاتا ہے اور یہ صلاحیت حق تعالیٰ ہر انسان کی جبلت اور فطرت میں رکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اُن کی یہ تکذیب کسی دلیل یا عقل و فہم کی بناء پر نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے قلوب اندھے ہو چکے ہیں انھیں بھلا بُرا نظر ہی نہیں آتا۔

اِنَّهُمْ عَنْ ذَرْبِهِمْ مُّجِنِّونَ لَمْ يَحْجُوْهُنَّ، یعنی قیامت کے روز یہ کفار فجار اپنے رب کی زیارت سے محروم ہیں پر وہ روک دئیے جاویں گے، یہ انکے اس عمل کی سزا ہوگی کہ انھوں نے دنیا میں حق کو نہیں پہچانا تو اب اپنے رب کی زیارت کے قابل نہیں رہے۔ حضرت امام مالکؒ اور شافعیؒ نے فرمایا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مومنین اور اولیاء اللہ کو حق تعالیٰ کی زیارت ہوگی ورنہ پھر کفار کے محبوب رہنے کا کوئی فائدہ ہی نہ ہوتا۔

فائدہ | بعض اکابر علماء نے فرمایا کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ ہر انسان اپنی فطرت سے حق تعالیٰ کی محبت پر مجبور ہے اسی لئے دنیا کے عام کفار و شرکین چاہے کتنے ہی کفر و شرک میں مبتلا ہوں اور اللہ جل شانہ کی ذات و صفات کے متعلق باطل عقیدے رکھتے ہوں مگر اتنی بات سب میں مشترک ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت سب کے دلوں میں ہوتی ہے اور اپنے اپنے عقیدے کے مطابق اُسی کی جستجو اور رضا جوئی کے لئے عبادتیں کرتے ہیں، راستہ غلط ہوتا ہے اس لئے منزل مقصود پر نہیں پہنچتے مگر طلب اُسی منزل حق کی ہوتی ہے وجہ استدلال کی یہ ہے کہ اگر کفار میں حق تعالیٰ کی زیارت کا شوق نہ ہوتا تو ان کی سزائیں یہ نہ کہا جاتا کہ وہ زیارت سے محروم رہیں گے کیونکہ جو شخص کسی کی زیارت کا طالب ہی نہیں بلکہ متنفر ہے اُس کے لئے یہ کوئی سزا نہیں کہ اُس کو اس کی زیارت سے محروم کیا جائے۔

اِنَّ كِتَابَ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْہِمْ سَیْرٌ، علیین بعض حضرات کے نزدیک علو کی جمع ہے اور مراد اعلیٰ درجہ کا علو اور بلندی ہے اور فرار کے نزدیک یہ ایک موضع کا نام ہے دزن جمع پر آیا ہے جمع نہیں، اور لفظ سیرین کی تحقیق میں اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت برابر بن عازبؓ کی مرفوع روایت سے ثابت ہے کہ علیین ساتویں آسمان پر زبیر عرش ایک مقام ہے جس میں مومنین کی ارواح اور صحائف اعمال رکھے جاتے ہیں، اور آگے جو کتب مرقومہ مذکور ہے یہ بھی علیین کی

تفسیر نہیں بلکہ ابرار کے نامہ اعمال کا بیان ہے جس کا ذکر ابراہیمؑ کی کتاب میں آیا ہے۔

يَشْهَدُونَ الْمَقَرَّةَ بَوْنِ، بیشد، شہود مشتق ہے جس کے معنی حاضر ہونے اور مشاہدہ کرنے کے آتے ہیں۔ بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ مراد آیت کی یہ ہے کہ ابرار و صالحین کی کتاب اعمال کو مقربین دیکھتے ہونگے اور مراد مقربین سے فرشتے ہیں اور دیکھنے سے مراد اس کی نگرانی اور حفاظت ہے، مطلب یہ ہے کہ ابرار و صالحین کے صحائف اعمال مقرب فرشتوں کی نگرانی میں ہونگے (قرطبی) اور شہود سے مراد حضور کے معنی لئے جائیں تو بیشدہ کی ضمیر کتاب کے بجائے علیین کی طرف راجع ہوگی اور معنی آیت کے یہ ہونگے کہ مقربین بارگاہ کی ارواح اسی مقام علیین میں حاضر ہونگی کیونکہ یہ ہی مقام انہی ارواح کا مستقر بنایا گیا ہے۔ جس طرح سچین کفار کی ارواح کا مستقر ہے اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہدار کی ارواح اللہ تعالیٰ کے نزدیک سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہونگی جو جنت کے باغات اور نہروں کی سیر کرتی ہونگی اور ان کے رہنے کی جگہ قندیل ہونگے جو عرش کے نیچے معلق ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شہدار کی ارواح تحت العرش رہیں گی اور جنت کی سیر کر سکیں گی اور سورہ یسین میں جو حبیب نجا کے واقعہ میں آیا ہے قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يَلَيْتُ قُوْحِي يَبْعَثُونِي بِمَا عَفَا رَبِّي رَزَوْنِي، اس سے معلوم ہوا کہ حبیب نجا موت کیساتھ ہی جنت میں داخل ہونگے اور بعض روایات حدیث سے بھی ارواح مؤمنین کا جنت میں ہونا معلوم ہوتا ہے، ان سب کا حاصل ایک ہی ہے کہ مستقر ان ارواح کا ساتویں آسمان پر تحت العرش ہے اور یہی مقام جنت کا بھی ہے ان ارواح کو جنت کی سیر کرنیکا اختیار دیا گیا ہے۔ اور یہاں اگرچہ یہ حال صرف مقربین کا انکی علی خصوصیت اور فضیلت کی وجہ سے بیان کیا گیا ہے مگر درحقیقت یہی مستقر تمام مؤمنین کی ارواح کا بھی ہے جیسا کہ حضرت کعب بن مالکؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ،

انما نسمة المؤمن طائر يعلق في شجرة الجنة حتى ترجع الى جسده يوم القيمة (رواه مالك والنسائي بسند صحيح)

مومن کی روح ایک پرندہ کی شکل میں جنت کے درختوں میں معلق رہے گی یہاں تک کہ قیامت کے روز وہ اپنے جسم میں پھر لوٹ جائے۔

اور اسی مضمون کی ایک حدیث ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت سے مسند احمد اور طبرانی میں آئی ہے (منظہری)

مقرر ارواح یعنی موت کے بعد اس معاملے میں روایات حدیث بظاہر مختلف ہیں، سچین اور علیین کی تفسیر میں جو روایات انسانی روجوں کا مقام کہاں ہے اور پرندہ کور ہوئی ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ارواح کفار سچین میں رہتی ہیں جو ساتویں زمین میں ہے اور ارواح مؤمنین علیین میں رہتی ہیں جو ساتویں آسمان پر زیر عرش ہے اور مذکورہ صدر روایات میں بعض سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ارواح کفار جہنم میں اور ارواح مؤمنین جنت میں رہیں گی۔ اور بعض روایات حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مؤمنین و کفار دونوں کی روحیں ان کی قبروں میں رہتی ہیں جیسا کہ حضرت برابر بن عازب کی طویل حدیث میں ہے کہ جب مومن کی روح کو آسمان میں فرشتے لیجاتے ہیں تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے اس بندے کا اعمال نامہ علیین میں لکھ دو اور اسکو زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ اس کو میں نے زمین ہی سے پیدا کیا ہے اور مرنے کے بعد

اُسی میں ٹوٹاؤں گا اور پھر اُسی زمین سے اُن کو دوبارہ زندہ کر کے نکالوں گا، اس حکم پر فرشتے اسکی رُوح کو قبر میں ٹوٹا دیتے ہیں۔ اسی طرح کافر کی رُوح کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور یہی حکم ہوگا کہ اس کو اس کی قبر میں ٹوٹا دو۔ امام ابن عبدالبر نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ سب کی ارواح بعد الموت قبر ہی میں رہتی ہیں۔ ان میں پہلی اور دوسری روایات میں جو یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ بعض سے ارواح مومنین کا علیین میں رہنا معلوم ہوتا ہے اور بعض سے جنت میں رہنا، غور کیا جائے تو یہ کوئی اختلاف نہیں کیونکہ مقام علیین بھی ساتویں آسمان پر زیر عرش ہے اور جنت کا بھی یہی مقام خود قرآن کریم کی تصریح سے ثابت ہے عِندَآ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی عِندَہَا جَنَّةُ الْمَاۗءِی، اس میں تصریح ہے کہ جنت سدرۃ المنتہی کے پاس ہے اور سدرہ کا ساتویں آسمان میں ہونا حدیث سے ثابت ہے اسلئے مقام ارواح جب علیین ہوا تو وہ جنت کے متصل ہے اور ان ارواح کو جنت کے باغات کی سیر نصیب ہے اسلئے ان کا مقام جنت بھی کہا جاسکتا ہے۔

اسی طرح کفار کی ارواح سجدین میں ہیں اور وہ ساتویں زمین میں ہے اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ جہنم بھی ساتویں زمین میں ہے اور اہل سجدین کو جہنم کی تپش اور ایذایں پہنچتی رہیں گی اسلئے ان کا مقام جہنم میں کھدینا بھی صحیح ہے۔ البتہ اوپر جس روایت میں ارواح کا قبروں میں رہنا معلوم ہوتا ہے۔ بظاہر پھلی دونوں روایتوں سے بہت مختلف ہے اس کی تطبیق بیہقی زمانہ حضرت قاضی شہار الشریانی پتی نے تفسیر منطہری میں یہ بیان کی ہے کہ یہ بات کچھ بعید نہیں کہ اصل مستقر ارواح کا علیین اور سجدین ہی ہوں مگر ان ارواح کا ایک خاص رابطہ قبروں کیساتھ بھی قائم ہو۔ اس رابطہ کی حقیقت تو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا مگر جس طرح آفتاب ماہتاب آسمان میں ہیں اور اُن کی شعاعیں زمین پر پڑ کر اسکو روشن بھی کر دیتی ہیں گرم بھی۔ اسی طرح علیین و سجدین کی ارواح کا کوئی رابطہ معنویہ قبروں سے ہو سکتا ہے اور ان تمام اقوال کی تطبیق میں حضرت قاضی شہار الشریہ کی تحقیق سورہ نازعات کی تفسیر میں ابھی گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ روح کی دو قسمیں ہیں ایک جسم لطیف ہے جو انسان کے بدن میں حلول کرتا ہے اور وہ مادی اور عنصری جسم ہے مگر لطیف ہے نظر نہیں آتا، اسی کو نفس کہا جاتا ہے۔ دوسری روح جو ہر مجرد ہے مادی نہیں، اور وہ روح مجردی روح اول کی حیثیت سے اسلئے اسکو روح الروح کہہ سکتے ہیں، انسان کے جسم سے تعلق تو ان دونوں قسم کی رُوحوں کا ہے مگر پہلی قسم جسم انسانی کے اندر رہتی ہے اسکے نکلنے ہی کا نام موت ہے۔ دوسری روح کا اس پہلی روح سے تعلق قریب تو ہے مگر اس تعلق کی حقیقت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ مرنے کے بعد روح اول تو آسمانوں میں لیجائی جاتی ہے پھر قبر میں ٹوٹا دی جاتی ہے اسکا مستقر قبر ہی ہے اسی پر عذابِ ثواب ہوتا ہے اور روح مجرد علیین یا سجدین میں رہتی ہے۔ اس طرح اقوال جمع ہو گئے مستقر ارواح کا جنت یا علیین میں یا اس کے بالمقابل جہنم یا سجدین میں ہونا روح مجرد کے اعتبار سے ہے اور انکا مستقر قبر میں ہونا روح کی قسم اول یعنی نفس کے اعتبار سے ہے جو جسم لطیف ہے اور مرنے کے بعد قبر میں رہتا ہے۔ واللہ اعلم

وَفِیْ ذٰلِکَ قَلِیْمًا مِّنَ الْمُتَفِیْسُوْنَ، تنافس کے معنے ہے چند آدمیوں کا کسی خاص مرغوب و محبوب چیز کے حاصل کرنے کے لئے جھپٹنا اور نہ تاکہ دوسروں سے پہلے وہ اس کو حاصل کر لیں، یہاں جنت کی

نعمتوں کا ذکر فرمانے کے بعد حق تعالیٰ نے غفلت شعار انسان کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ آج تم لوگ جن چیزوں کو مرغوب و مطلوب سمجھ کر ان کے حاصل کرنے میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہو۔ یہ ناقص اور فانی نعمتیں اس قابل نہیں کہ ان کو مقصود زندگی سمجھ کر ان کے لئے مسابقت کرو بلکہ ان میں تو اگر قناعت و ایشار سے کام لیکر یہ سمجھ لو کہ یہ چند روزہ راحت کا سامان ہاتھ سے نکل ہی گیا تو کچھ بڑے صدقے کی بات نہیں، ایسا خسارہ نہیں جس کی تلافی نہ ہو سکے، البتہ تنافس اور مسابقت کرنے کی چیز یہ جنت کی نعمتیں ہیں جو ہر حیثیت سے مکمل بھی ہیں اور دائمی بھی، اکبر مرحوم نے خوب فرمایا ۵

یہ کہاں کا فسانہ ہے سود و زیاں، جو گیا سو گیا جو بلا سو بلا
کہو ذہن سے فرصت عمر ہے کم، جو دلا تو خسار ہی کی یاد دلا

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ اللَّهِ يَنْ أَمَنُوا يَصْحَكَوْنَ، ان آیات میں حق تعالیٰ نے اہل حق

کے ساتھ اہل باطل کے طرز عمل کا پورا نقشہ کھینچ دیا ہے کہ کفار اہل باطل تو مبین اہل حق پر استہزاء ہنستے اور دل لگی کرتے ہیں اور جب اہل حق ان کے سامنے آتے ہیں تو یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو آنکھ کے اشارے کرتے ہیں جس سے مقصود بھی ان کی استہزار اور ایذا رسانی ہوتی ہے۔ پھر جب یہ کفار اہل باطل اپنے اپنے ٹھکانوں پر ٹوٹتے ہیں تو مومنین کے ساتھ جو تمسخر اور استہزار کیا ہے اس کا باہم تذکرہ منے لیکر کرتے ہیں کہ ہم نے خوب ان لوگوں کو ذلیل کیا۔ اور جب یہ کفار مومنین کو دیکھتے ہیں تو بظاہر ہمدردی کے لہجہ میں اور درحقیقت تمسخر کیلئے یہ کہتے ہیں کہ یہ بیچارے بڑے سادہ لوح بے وقوف ہیں ان کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے گمراہ کر دیا ہے۔

آج کل کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو اس وقت وہ لوگ جو کچھ نئی تعلیم کی نحوست سے دین و آخرت سے بے فکر ہو چکے ہوتے ہیں خدا و رسول پر ایمان برائے نام رہ جاتا ہے وہ علماء و صلحا کیساتھ بعینہ اسی طرح کا معاملہ کرتے ہیں، حق تعالیٰ مسلمانوں کو اس عذاب الیم سے نجات عطا فرماویں۔ مومنین صالحین کے لئے اس آیت میں تسلی کا کافی سامان ہے کہ ان کے ہنسنے کی پروا نہ کریں، کسی نے خوب کہا ہے ۵

ہنسنے جانے سے جب تک ہم ڈریں گے : زمانہ ہم پہ ہنستا ہی رہے گا

تَمَّتْ سُورَةُ التَّطْفِيفِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ لَيْلَةَ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ ۱۲ شَعْبَانَ ۱۳۹۸ھ

سورة الانشقاق

سورة الانشقاق فکیبترھی خمس و عشرين وایة
سورة انشقاق مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پچیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بحد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ ۱؎ وَاذِنْتَ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۲؎ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۳؎

جب آسمان پھٹ جائے اور میں نے حکم اپنے رب کا اور وہ آسمان اسی لائق ہے اور جب زمین پھیلا دی جائے

وَاَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ۴؎ وَاذِنْتَ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۵؎ يَا أَيُّهَا الْاِنْسَانُ

اور نکال ڈالے جو کچھ اس میں ہے اور خالی ہو جائے اور میں نے حکم اپنے رب کا اور وہ زمین اسی لائق ہے اے آدمی

اِنَّكَ كَادِحٌ اِلَىٰ رَبِّكَ كَدًا فَمُلِقِيْهِ ۶؎ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهُ

تجھ کو تکلیف اٹھانی ہے اپنے رب تک پہنچنے میں سہ سہ کر پھر اس سے ملنا ہے سو جس کو ملا اعمالنامہ اس کا

بِیْمٰیْنِهِ ۷؎ فَسَوْفَ يُحٰسِبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ۸؎ وَیُنْقَلِبُ اِلٰی اٰهْلِ

دائیں ہاتھ میں تو اس سے حساب لیں گے آسان حساب اور پھر کر آئے گا اپنے لوگوں کے پاس

مَسْرُوْرًا ۹؎ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهُ وَّرَآءَ ظَهْرِهِ ۱۰؎ فَسَوْفَ یَدْعُوْا

خوش ہو کر اور جس کو ملا اس کا اعمالنامہ پیٹھ کے پیچھے سے سو وہ پیکار کا موت

نُبُوْرًا ۱۱؎ وَیَصْلٰی سَعِیْرًا ۱۲؎ اِنَّهٗ كَانَ فِیْ اٰهْلِہٖ مَسْرُوْرًا ۱۳؎ اِنَّہٗ

موت اور پڑے گا آگ میں وہ رہا تھا اپنے گھر میں بے غم اُس نے

ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ ۱۴؎ بَلٰی ثَنَا اِنَّ رَبَّہٗ كَانَ بِہٖ بَصِیْرًا ۱۵؎ فَلَا اَفِیْمٌ

خیال کیا تھا کہ پھر گرنے جائے گا کیوں نہیں اُس کا رب اُس کو دیکھتا تھا سو قسم کھاتا ہوں

یٰلَسْفٰی ۱۶؎ وَاِلٰی مَا وَسَقَ ۱۷؎ وَالْقَمَرِ اِذَا تَسَقَ ۱۸؎ لَتَرْکَبُنَّ

شام کی سرخی کی اور رات کی اور جو چیزیں ہمیں سمٹ آتی ہیں اور چاند کی جب پورا بھر جائے کہ تم کو چڑھنا ہے

طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۱۹ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۲۰﴾ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ

سیرھی پر سیرھی پھر کیا ہوا ہے اُن کو جو یقین نہیں لاتے اور جب پڑھئے اُن کے پاس مستراں

لَا يَسْجُدُونَ ﴿۲۱﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا أَيْكُنُ بُؤُونَ ﴿۲۲﴾ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا

وہ سجدہ نہیں کرتے اُد پر سے اور یہ کہ منکر جھٹلاتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو اندر

يُوعُونَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۲۴﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

بھرا رکھتے ہیں سو خوشی سنا دے اُن کو عذاب دردناک کی مگر جو لوگ کہ یقین لائے اور کام کئے بھلے

لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿۲۵﴾

اُن کے لئے ثواب ہے بے انتہا

خلاصہ تفسیر

جب (نفخہ ثانیہ کے وقت) آسمان پھٹ جاوے گا (تاکہ اس میں سے غمام یعنی بادل کی شکل کی ایک چیز کا نزول ہو جس میں فرشتے ہونگے جس کا ذکر پارہ ۱۰۷ میں ہے) اَلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ آیت و یَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ فَتُكْوَنُ سُبُوحًا رَبِّكَ كَالْحَمْرِ سَمُورٍ (پارہ ۱۰۷ میں ہے) اور وہ (آسمان بوجہ محکوم قدرت ہونے کے) اسی لائق ہے (کہ جس امر کی مشیت اسکے متعلق ہو اس کا وقوع ضرور ہو جاوے) اور جب زمین کھینچ کر بڑھادی جاوے گی (جس طرح چمڑا یا ربڑ کھینچا جاتا ہے، پس اس وقت کی مقدار سے اُس وقت مقدار زیادہ ہو جاوے گی تاکہ سب اولین و آخرین اُس میں سما جاویں جیسا درمنثور میں بسند جید حاکم کی روایت سے مرفوعاً وارد ہے تَمَدَّ الْأَرْضُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَالْإِذِيمِ (پس آسمان کا یہ انشقاق اور زمین کا استداد دونوں حساب محشر کے مقدمات میں سے ہیں) اور (وہ زمین) اپنے اندر کی چیزوں کو (یعنی مُردوں کو) باہر اُگل دیگی اور (سب مُردوں سے) خالی ہو جاوے گی اور (وہ زمین) اپنے رب کا حکم سن لیگی اور وہ اسی لائق ہے (اسکی تفسیر بھی مثل سابق ہے پس اس وقت انسان اپنے اعمال کو دیکھے گا جیسا آگے ارشاد ہے کہ) اے انسان تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک (یعنی مرنے کے وقت تک) کام میں کوشش کر رہا ہے (یعنی کوئی نیک کام میں لگا ہوا ہے کوئی بُرے کام میں) پھر (قیامت میں) اُس (کام کی جزا) سے جا لیگا تو (اس روز) جس شخص کا نامہ اعمال اسکے داہنے ہاتھ میں ملے گا سو اس سے آسمان حساب لیا جاوے گا اور وہ (اس سے فارغ ہو کر) اپنے متعلقین کے پاس خوش خوش آئیگا (آسمان حساب کے مراتب مختلف ہیں ایک یہ کہ اس پر بالکل عذاب مرتب نہ ہو بعض کے لئے تو یہ ہو گا اور حدیث میں اسی کی تفسیر یہ آئی ہے کہ جس حساب میں مناقشہ (خوردہ گیری) نہ ہو صرف پیشی ہو جاوے اور یہ اُن کے لئے ہو گا جو بلا کسی عذاب کے نجات پائیں گے۔ دوسرا یہ کہ اُس پر عذاب دائمی نہ ہو اور یہ عام مومنین کیلئے ہو گا۔ اور مطلق عذاب اسکے منافی نہیں) اور جس شخص کا نامہ اعمال (اسکے بائیں ہاتھ میں) اسی پیٹھ کے پیچھے سے ملیگا (مراد اس

سے کفار ہیں، اور پشت کی طرف سے ملنے کی دُور صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اُس کی مشکلیں کسی ہوئی ہوں گی تو بایاں ہاتھ بھی پشت کی طرف ہوگا، دوسری صورت مجاہد کا قول ہے کہ اسکا بایاں ہاتھ پشت کی طرف نکال دیا جائیگا، کذافی الدر المنثور) سو وہ موت کو پکارے گا (جیسا مصیبت میں عادت ہے موت کی تمنا کرنے کی) اور جہنم میں داخل ہوگا، یہ شخص (دنیا میں) اپنے متعلقین (اہل و عیال و حشم و خدم) میں خوش خوش رہا کرتا تھا (یہاں تک کہ فرط خوشی میں آخرت کی تکذیب کرنے لگا تھا جیسا کہ آگے ارشاد ہے کہ) اُس نے خیال کر رکھا تھا کہ اُسکو (خدا کی طرف) ٹوٹنا نہیں ہے (آگے رد ہے اس گمان کا کہ ٹوٹنا) کیوں نہ ہوتا (آگے ٹوٹنے کے بعد جزا کا اثبات ہے کہ) اسکا رب اسکو خوب دیکھتا تھا (اور اسکے اعمال پر جزا دینے کے ساتھ مشیت متعلق کر چکا تھا اسلئے جزا کا وقوع ضروری تھا) سو (اس بنا پر) میں قسم کھا کر کہتا ہوں شفق کی اور رات کی اور اُن چیزوں کی جن کو رات سمیٹ (کر جمع کر) لیتی ہے (مراد وہ سب جاندار ہیں جو رات کو آرام کرنے کے لئے اپنے اپنے ٹھکانے میں آجاتے ہیں) اور چاند کی جب وہ پورا ہو جاوے (یعنی بدرجہا وے، ان سب چیزوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں) کہ تم لوگوں کو ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر پہنچنا ہے (تفصیل ہے یَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ تَمْلِكُ لِقَابِ رَبِّكَ، پس وہاں جس کو خطاب تھا یہاں جمیع افراد کو خطاب ہے وہاں تقائے عمل کا ذکر مجملاً فرمایا، یہاں اُس چیز کی تفصیل ہے جس سے روزِ محشر ملے گا یا اسکے سامنے آوے گی اور وہ حالتیں ایک موت ہے اسکے بعد احوالِ برزخ اسکے بعد احوالِ قیامت پھر خود انہیں بھی تعدد و کثرت ہے اور ان قسموں کا مناسب مقام ہونا اس طرح ہے کہ رات کے احوال کا مختلف ہونا کہ اول شفق نمودار ہوتی ہے پھر زیادہ رات آتی ہے تو سب سو جاتے ہیں اور پھر ایک رات کا دوسری رات سے نورِ قمر کی زیادت و نقصان میں مختلف ہونا، یہ سب مشابہ ہے اختلافِ احوال بعد الموت کے، و نیز موت سے عالمِ آخرت شروع ہوتا ہے جیسے شفق سے رات شروع ہوتی ہے پھر عالمِ برزخ میں رہنا مشابہ لوگوں کے سو رہنے کے ہے اور چاند کا پورا ہونا بعدِ محاق کے مشابہ ہے حیوۃ قیامت کے بعد فناءِ عالم کے) سو (باوجود ان مقتضیاتِ خوف و ایمان کے اجتماع کے) ان لوگوں کو کیا ہوا کہ ایمان نہیں لاتے اور (خود تو ایمان اور حق کی کیا طلب کرتے انکی عناد کی یہ حالت ہے کہ) جب انکے رب و ربِّ فرائین پڑھا جاتا ہے تو (اسوقت بھی خدا کی طرف) نہیں جھکتے بلکہ (بجائے جھکنے کے) یہ کافر (اور الٹی) تکذیب کرتے ہیں اور اللہ کو سب خبر ہے جو کچھ یہ لوگ (اعمالِ بد کا ذخیرہ) جمع کر رہے ہیں سو (ان اعمالِ کفریہ کے سبب) آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر دیدیجئے لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے عمل کئے انکے لئے (آخرت میں) ایسا اجر ہے جو کبھی موقوف ہوتا والا نہیں (عملِ صالح کی قیدِ شرط کے طور پر نہیں سبب کے طریق پر ہے)

معارف و مسائل

اس سورت میں قیامت کے احوال اور حساب کتاب اور نیک و بد کی جزا و سزا کا پھر غافل انسان کو خود انکی ذات اور گرد و پیش کے حالات میں غور کرنے اور اُن سے ایمان باللہ و القرآن تک پہنچنے کی ہدایت ہے۔ آمیں پہلے

آسمان کے پھٹنے کا ذکر ہے پھر زمین کا کہ جو کچھ اسکے پیٹ میں ہے خواہ وہ خزانے دفائن ہوں یا انسان کے مردہ اجسام وہ سب اگل کر نکال دے گی اور ہشر کے لئے ایک نئی زمین تیار ہوگی جس میں نہ کوئی غار، پہاڑ ہوگا نہ تعمیر اور درخت ایک صاف سطح مستوی ہوگی اس کو کھینچ کر بڑھا دیا جائیگا تاکہ تمام اولین و آخرین اس پر جمع ہو سکیں یہ بیان دوسری سورتوں میں مختلف عنوان سے آیا ہے، یہاں ایک نئی زیادتی یہ ہے کہ آسمان اور زمین دونوں پر جو تصرف حق تعالیٰ کی طرف سے روز قیامت ہوگا اسکے متعلق فرمایا وَإِذْ نَتَجَمَّعُهَا وَحَقَّقْتُ، اذن کے معنی ہیں سن لیا اور مراد سننے سے سنکراٹا کرنا ہے اور حَقَّقْتُ بصیغہ مجہول کے معنی یہ ہیں کہ حق لھا الانقیاد یعنی حق واجب تھا کہ وہ اللہ کے اس حکم کی اطاعت کئے احکام الہیہ کی دو قسمیں | یہاں آسمان و زمین کی اطاعت اور تعمیل حکم کے دو معنی ہو سکتے ہیں کیونکہ احکام الہیہ دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک تشرعی احکام جنہیں ایک قانون بتلایا جاتا ہے اور اس کی خلاف ورزی کی سزا بتلا دی جاتی ہے مگر کرنیوالے کو اس کی کسی جانب پر مجبور محض نہیں کیا جاتا بلکہ اس کو ایک درجہ کا اختیار دیا جاتا ہے وہ اپنے اختیار سے اس قانون کی پابندی کرے یا خلاف ورزی، اور ایسے احکام عموماً ان مخلوقات پر عائد ہوتے ہیں جو ذوی العقول کہلاتے ہیں جیسے انسان اور جن، یہیں سے ان میں مومن و کافر اور مطیع و نافرمان کی دو قسمیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ دوسری قسم احکام کی تکوینی اور تقدیری احکام ہیں ان کی تنفیذ جبری ہوتی ہے کسی کی مجال نہیں کہ سربران کے خلاف کر سکے ان احکام کی تعمیل کل مخلوقات جبراً کرتی ہے ان میں انسان اور جن بھی داخل ہیں، تکوینی احکام میں اُنکے لئے جو کچھ مقدّر کر دیا گیا، مومن ہو یا کافر، متقی ہو یا فاسق، سب کے سب اُسی تقدیری قانون کے تابع چلنے پر مجبور ہیں

ذَرَّه ذَرَّه دہر کا پابستہ تقدیر ہے | زندگی کے خواب کی جامی یہی تعبیر ہے

اس جگہ یہ ہو سکتا ہے کہ آسمان و زمین کو حق تعالیٰ خاص شعور و ادراک عطا فرمادیں جو مکلفین میں ہوتا ہے اور جب ان کو کوئی حکم حق تعالیٰ کی طرف سے ملا، انھوں نے با اختیار خود اس کی تعمیل اور اطاعت کی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حکم سے مراد حکم تکوینی لیا جائے جس میں کسی کے ارادہ و اختیار کو دخل ہی نہیں ہوتا إِذْ نَتَجَمَّعُهَا وَحَقَّقْتُ کے الفاظ پہلے معنی کے لئے زیادہ اقرب ہیں، دوسرے معنی بھی بطور مجاز کے بن سکتے ہیں۔

وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ، مد کے معنی کھینچنے اور دراز کرنے کے ہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز زمین کو اس طرح کھینچ کر پھیلا دیا جائیگا جیسے چمڑے (یا ربڑ) کو کھینچ کر بڑا کر دیا جاتا ہے، مگر اسکے باوجود میدان حشر جو اس زمین پر ہوگا اس میں ابتداءً دنیا سے قیامت تک کے تمام انسان جمع ہونگے تو صورت یہ ہوگی کہ ایک آدمی کے حصہ میں صرف اتنی زمین ہوگی جس پر اسکے پاؤں ہیں (رواہ الحاکم بسند جید مظہری)

وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ، یعنی اگل دیگی زمین ہر اس چیز کو جو اسکے بطن میں ہے اور بالکل خالی ہو جاوے گی زمین کے بطن میں خزانے و دفائن اور معادن بھی ہیں اور ابتداءً دنیا سے مرئیالے انسانوں کے اجسام و ذرات بھی زمین ایک زلزلہ کے ساتھ یہ سب چیزیں اپنے بطن سے باہر نکال دے گی۔

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ، کدح کے معنی کسی کام میں پوری جدوجہد اور اپنی توانائی صرف کرنے

کے ہیں، اور الی دیک سے مراد الی لقاء دیک ہے معنی انسان کی ہر سعی و جدوجہد کی انتہا اسکے رب کی طرف ہونیوالی ہے رجوع الی اللہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو خطاب فرما کر اسکے غور و فکر کے لئے ایک ایسی راہ دکھائی ہے کہ اس میں کچھ بھی عقل و شعور ہو تو وہ اپنی جدوجہد کا رخ صحیح سمت کی طرف پھیر سکتا ہے جو اسکو دنیا و دین میں سلامتی اور عافیت کی ضمانت دے۔ پہلی بات تو یہ ارشاد فرمائی کہ انسان نیک ہو یا بد، مومن ہو یا کافر اپنی فطرت سے اسکا عادی ہے کہ کچھ نہ کچھ حرکت کرے اور کسی نہ کسی چیز کو اپنا مقصود بنا کر اسکے حاصل کرنے کے لئے جدوجہد اور محنت برداشت کرے، جس طرح ایک شریف نیک خوان انسان اپنے معاش اور ضروریات زندگی کی تحصیل میں فطری اور جائز طریقوں کو اختیار کرتا ہے اور ان میں اپنی محنت و توانائی صرف کرتا ہے۔ بدکار بدخوان انسان بھی اپنے مقاصد کہیں بے محنت بے جدوجہد حاصل نہیں کر سکتا، چور ڈاکو بد معاش دھوکہ فریبے ٹوٹ کھسوٹ کرنے والوں کو دیکھو کسی کیسی ذہنی اور جسمانی محنت برداشت کرتے ہیں جب اُن کو اُن کا مقصود حاصل ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ بتلائی کہ عاقل انسان اگر غور کرے تو اسکی تمام حرکات بلکہ سکناات بھی ایک سفر کی منزلیں ہیں جسکو وہ غیر شعوری طور پر قطع کر رہا ہے، جسکی انتہا اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری یعنی موت ہے (الی دیک) میں اسی کا بیان ہے۔ اور یہ انتہا ایسی حقیقت ہے کہ جسکا کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ انسان کی ہر جدوجہد اور محنت موت پر ختم ہونا یقینی ہے۔ تیسری بات یہ بتلائی کہ موت کے بعد اپنے رب کے سامنے حاضری کے وقت اسکی تمام حرکات و اعمال اور ہر جدوجہد کا حساب ہونا اور رُئے عقل و انصاف ضروری ہے تاکہ نیک بد کا انجام الگ الگ معلوم ہو سکے ورنہ دنیا میں تو اسکا کوئی امتیاز نہیں ہوتا، ایک نیک آدمی ایک مہینہ محنت مزدوری کر کے اپنا رزق اور جو ضروریات حاصل کرتا ہے، چور ڈاکو اُس کو ایک رات میں حاصل کر لیتے ہیں۔ اگر کوئی وقت حساب کا اور جزا سزا کا نہ آئے تو دونوں برابر ہو گئے جو عقل و انصاف کی خلاف ہے۔ آخر میں فرمایا قَمَلٌ لِّقِيَّةٍ، ملاقیہ کی ضمیر کدح کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے تو معنی یہ ہو گئے کہ جو جدوجہد یہاں انسان کر رہا ہے بالآخر اپنے رب کے پاس پہنچ کر اپنی اس کمائی سے ملے گا اور اسکے اچھے یا بُرے نتائج اسکے سامنے آجائیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ملاقیہ کی ضمیر رب کی طرف راجع ہو اور معنی یہ ہوں کہ ہر انسان آخرت میں اپنے رب سے ملنے والا اور حساب کے لئے اسکے سامنے پیش ہونیوالا ہے، آگے نیک بد اور مومن و کافر انسانوں کے الگ الگ انجام کا ذکر ہے جس کی ابتدا اعمال نامہ کا داہنے یا بائیں ہاتھ میں آجانا و داہنے والوں کو جنت کی دائمی نعمتوں کی بشارت، اور بائیں والوں کو دوزخ کے عذاب کی اطلاع مل جاتی ہے۔ اس مجموعہ پر اگر انسان غور کرے کہ ضروریات زندگی بلکہ اپنے نفس کی غیر ضروری مرغوبات کو بھی حاصل تو نیک بد دونوں ہی لیتے ہیں اس طرح دنیا کی زندگی دونوں کی گزر جاتی ہے مگر ان دونوں کے انجام میں زمین و آسمان کا فرق ہے ایک کے نتیجہ میں دائمی غیر منقطع راحت ہی راحت ہے، دوسرے کے نتیجہ میں دائمی مصیبت و عذاب ہے پھر کیوں نہ انسان اس انجام کو آج ہی سوچ سمجھ کر اپنی سعی و عمل کا رخ اُس طرف پھیر دے جو دنیا میں بھی اُس کی ضرورتوں کو پورا کر دے اور آخرت کی دائمی نعمت بھی اس کو حاصل ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اَوْفَىٰ كِتَابَهُ بِحَمْدِ رَبِّهِ فَسَوْفَ يَحْسَبُ حَسَابًا يَسِيرًا وَيَنْقَلِبُ اِلَىٰ اٰهِلِهِ مَسْرُورًا

اس میں مومنین کا حال بیان فرمایا ہے کہ ان کے نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیئے جاویں گے اور ان سے بہت آسان حساب لے کر جنت کی بشارت دیدی جائے گی اور وہ اپنے گھردالوں کے پاس خوش خوش واپس ہوگا۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من حوسب يوم القيمة عذاب، یعنی قیامت کے روز جس سے حساب لیا جائے وہ عذاب سے نہ بچے گا۔ اسپر حضرت صدیقہ عائشہؓ نے سوال کیا کہ کیا قرآن میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں ہے یُحَاسِبُ حَسَابًا بَاسًا اَنْحَضَتْ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس آیت میں جو حساب سیر فرمایا وہ درحقیقت مکمل حساب نہیں بلکہ صرف رب العزت کے سامنے پیشی ہے اور جس شخص سے اسکے اعمال کا پورا پورا حساب لیا گیا وہ ہرگز عذاب سے نہ بچے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مومنین کے اعمال بھی رب العزت کے سامنے پیش تو سب ہونگے مگر ان کے ایمان کی برکت سے ان کے ہر ہر عمل پر مناقشہ نہیں ہوگا، اسی کا نام حساب سیر ہے۔ اور اپنے گھردالوں کی طرف خوش خوش واپس ہونیکے دو معنی ہو سکتے ہیں، یا تو گھردالوں سے مراد جنت کی خوریں ہیں جو وہاں اسکے اہل ہوں گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا میں جو اسکے اہل و عیال تھے محشر کے میدان میں جب حساب کے بعد کامیابی ہوگی تو دنیا کی عادت کے مطابق اس کی خوشخبری سنانے انکے پاس جائے، ائمہ تفسیر نے دونوں احتمال بیان فرمائے ہیں (قطبی)

فَسَوْفَ يَذْعُوَانِ بُرًّا، یعنی جبکہ اعمال نامہ اُس کی پشت کی طرف سے اسکے بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا وہ وہاں اس کی تمنا کرے گا کہ کاش وہ پھر مکر مٹی ہو جائے اور عذاب سے بچ جائے مگر وہاں یہ ناممکن ہوگا بلکہ اسکو جہنم میں داخل کر دیا جائیگا، اس کی ایک وجہ یہاں یہ ارشاد فرمائی کہ وہ دنیا میں اپنے اہل و عیال میں آخرت سے بے فکر ہو کر لگن اور خوش رہا کرتا تھا، بخلاف مومنین کے کہ ان کو دنیا کی زندگی میں کبھی بے فکری نہیں ہوتی، ہر عیش و راحت کے وقت بھی آخرت کی فکر ضرور لگی رہتی ہے جیسا کہ قرآن کریم نے ان کا حال بیان فرمایا ہے اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْ اَهْلِيْنَا مُشْفِقِيْنَ، یعنی ہم تو اپنے اہل و عیال میں رہتے ہوئے بھی آخرت کا خوف رکھتے تھے اس لئے ان دونوں فریق کا انجام انکے مناسب ہوا جو دنیا میں اپنے اہل و عیال کیساتھ آخرت سے بے فکر ہو کر عیش و عشرت اور خوشی و مسرت میں گزارتے تھے آج انکے حصہ میں یہ عذاب جہنم آئے گا، اور جو لوگ دنیا میں آخرت کے حساب عذاب سے ڈرتے رہتے تھے انکو وہاں مسرت و خوشی حاصل ہوگی اور اب وہ اپنے اہل و عیال میں دائمی مسرت کے ساتھ رہیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی راحتوں میں مسرت و سرور ہو جانا مومن کا کام نہیں، اس کو کسی وقت کسی حال آخرت کے حساب سے بے فکری نہیں ہوتی۔

فَلَا اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ، اس آیت میں حق تعالیٰ نے چار چیزوں کی قسم کے ساتھ موکد کر کے انسان کو پھر اُس چیز کی طرف متوجہ کیا ہے جسکا کچھ ذکر پہلے اِنَّكَ كَاذِبٌ اِلٰی رَبِّكَ میں آچکا ہے۔ یہ چاروں چیزیں جن کی قسم کھائی ہے اگر غور کرو تو اُس مضمون کی شاہد ہیں جو جواب قسم میں آئیوا لا ہے یعنی انسان کو ایک حال پر قرار نہیں اس کے حالات اور درجات ہر وقت بدلتے رہتے ہیں۔ پہلی چیز شفق ہے یعنی وہ سُرخ جو آفتاب غروب ہونے کے

بعد اُفق مغرب میں ہوتی ہے یہ رات کی ابتدا ہے جو انسانی احوال میں ایک بڑے انقلاب کا مقدمہ ہے کہ روشنی جا رہی ہے اور تاریکی کا سیلاب آرہا ہے، اسکے بعد خود رات کی قسم ہے جو اس انقلاب کی تکمیل کرتی ہے، اس کے بعد اُن تمام چیزوں کی قسم ہے جن کو رات کی تاریکی اپنے اندر جمع کر لیتی ہے۔ وَسَقَ کے اصل معنی جمع کر لینے کے ہیں، اس کے عام معنی مراد لئے جائیں تو اس میں تمام دُنیا کی کائنات داخل ہیں جو رات کی تاریکی میں چھپ جاتی ہیں اس میں حیوانات، نباتات، جمادات، پہاڑ اور دریا سبھی شامل ہیں۔ اور جمع کر لینے کی مناسبت سے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ چیزیں جو عادیۃً دن کی روشنی میں منتشر پھیلی ہوئی رہتی ہیں۔ رات کے وقت وہ سب سمٹ کر اپنے اپنے ٹھکانوں میں جمع ہو جاتی ہیں، انسان اپنے گھر میں، حیوانات اپنے اپنے گھروں اور گھونسلوں میں جمع ہو جاتے ہیں، کاروبار میں پھیلے ہوئے سامانوں کو سمیٹ کر یکجا کر دیا جاتا ہے، یہ ایک عظیم انقلاب خود انسان اور اسکے تعلقات میں ہے۔ چوتھی چیز جس کی قسم کھائی گئی وہ وَالتَّقْرِيدِ اِذَا النَّسَقَ ہے یہ بھی وَسَقَ سے مشتق ہے جس کے معنی جمع کر لینے کے ہیں قر کے اِنساق سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی روشنی کو جمع کرے اور یہ چودھویں رات میں ہوتا ہے جبکہ چاند بالکل مکمل ہوتا ہے۔ اِذَا النَّسَقَ کا لفظ چاند کے مختلف اطوار اور حالات کی طرف اشارہ ہے کہ پہلے ایک نہایت خفیف نحیف قوس کی شکل میں ہوتا ہے پھر اس کی روشنی روز بچھرتی کرتی ہے یہاں تک کہ بدر کامل ہو جاتا ہے۔ مسلسل اور پیہم انقلابات احوال پر شہادت دینے والی چار چیزوں کی قسم کھا کر حق تعالیٰ نے فرمایا لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنِ طَبَقٍ، جو چیزیں تہہ بر تہہ ہوتی ہیں اُس کی ایک تہہ کو طبق یا طبقہ کہتے ہیں جمع طبقات آتی ہے لَتَرْكَبُنَّ، رکوب بمعنی سوار ہونے سے مشتق ہے معنی یہ ہیں کہ اے بنی نوع انسان تم ہمیشہ ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ پر سوار ہوتے اور چڑھتے چلے جاؤ گے۔ یعنی انسان اپنی تخلیق کے ابتدا سے انتہا تک کسی وقت ایک حال پر نہیں رہتا بلکہ اسکے وجود پر تدریجی انقلابات آتے رہتے ہیں۔

انسانی وجود میں بیشمار انقلابات اور نطفہ سے منجمد خون بنا پھر اُس سے ایک مضغہ گوشت بنا پھر اُس میں ہڈیاں دائمی سفر اور اُس کی آخری منزل پیدا ہوئیں پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھا اور اعضا کی تکمیل ہوئی پھر اُس میں رُوح لا کر ڈالی گئی اور وہ ایک زندہ انسان بنا جس کی غذا بطن مادر کے اندر رحم کا گندہ خون تھا، نوہینے کے بعد اللہ نے اسکے دُنیا میں آنیکا راستہ آسان کر دیا اور گندی غذا کی جگہ ماں کا دودھ ملنے لگا۔ دُنیا کی وسیع فضا اور ہوا دیکھی بڑھنے اور پھلنے پھولنے لگا، دوبرس کے اندر چلنے پھرنے اور بولنے کی قوت بھی حرکت میں آئی، ماں کا دودھ چھوٹ کر اُس سے زیادہ لذیذ اور طرح طرح کی غذائیں ملیں، کھیل کود اور لہو و لعب اسکے دن رات کا مشغلہ بنا۔ کچھ ہوش و شعور بڑھا تو تعلیم و تربیت کے شکنجے میں کسا گیا، جوان ہوا تو پچھلے سب کام متروک ہو کر جوانی کی خواہشات نے اُن کی جگہ لے لی اور ایک نیا عالم شروع ہوا۔ نکاح شادی، اولاد اور خانہ داری کے مشاغل دن رات کا مشغلہ بن گئے۔ آخر یہ دور بھی ختم ہونے لگا، قوی میں ضحلال اور ضعف پیدا ہوا بیماریاں آئے دن رہنے لگیں، بڑھاپا آگیا اور اس جہان کی آخری منزل یعنی قبر تک پہنچنے کے سامان ہونے لگے۔ یہ سب چیزیں تو سب کی آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں

کسی کو مجال انکار نہیں مگر حقیقت سے نا آشنا انسان سمجھتا ہے کہ یہ موت اور قبر اس کی آخری منزل ہے آگے کچھ نہیں، اللہ تعالیٰ جو خالق کائنات اور علیم وخبیر ہے اُس نے آگے آنیوالے مراحل کو اپنے انبیاء کے ذریعہ غافل انسان تک پہنچایا کہ قبر تیری آخری منزل نہیں بلکہ یہ صرف ایک تظار گاہ (دیننگ دم) ہے اور آگے ایک بڑا جہان آنیوالا ہے اور اس میں ایک بڑے امتحان کے بعد انسان کی آخری منزل مقرر ہو جائے گی جو یاد الہی راحت و آرام کی ہوگی یا پھر دائمی عذاب مصیبت کی، اور اس آخری منزل پر ہی انسان اپنے حقیقی مستقر پر پہنچکر انقلابات کے چکر سے نکلیگا، قرآن کریم نے اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرَّجْعُ، اور اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی اور کَادِحًا اِلٰی رَبِّكَ میں یہی مضمون بیان فرما کر غفلت شعار انسان کو حقیقت اور اُس کی آخری منزل سے آگاہ اور اس پر متنبہ کیا کہ عمر دُنیا کے تمام حالات اور انقلابات آخری منزل تک جانے کا سفر اور اسکے مراحل ہیں اور انسان چلتے پھرتے سوتے جاگتے کھڑے بیٹھے ہر حال میں اس سفر کی منزلیں طے کر رہا ہے اور بالآخر اپنے رب کے پاس پہنچتا ہے اور عمر بھر کے اعمال کا حساب پھر آخری منزل میں قرار پاتا ہے جہاں یا راحت ہی راحت اور غیر منقطع آرام ہی آرام ہے یا پھر معاذ اللہ عذاب ہی عذاب اور غیر منقطع مصائب ہیں، تو عقلمند انسان کا کام یہ ہے کہ دُنیا میں اپنے آپ کو ایک مسافر سمجھے اور اپنے وطن صلی کے لئے سامان تیار کرنے اور بھیجنے کی فکر ہی کو دُنیا کا سب سے بڑا مقصد بنائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کُنْ فِی الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيبٌ اَوْ سَافِرٌ سَبِيْلٌ، یعنی دُنیا میں اس طرح رہو جیسے کوئی مسافر چند روز کے لئے کہیں ٹھہر گیا ہو یا کسی رگدڑ میں چلتے چلتے کچھ دیر آرام کے لئے رُک گیا ہو۔ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ کی تفسیر جو اوپر بیان کی گئی ہے ابو نعیم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی کی روایت سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی مضمون کی روایت کی ہے یہ طویل حدیث اسبغہ قرطبی نے بحوالہ ابی نعیم اور ابن کثیر نے بحوالہ ابن ابی حاتم مفصل نقل کی ہے۔ ان آیات میں غافل انسان کو اُس کی تخلیق اور عمر دُنیا میں اُس کو پیش آنے والے حالات و انقلابات سامنے کر کے یہ ہدایت دی کہ غافل اب بھی دُعا کے اپنے انجام پر غور اور آخرت کی فکر کر، مگر ان تمام روشن ہدایات کے باوجود بہت سے لوگ اپنی غفلت سے باز نہیں آتے اسلئے آخر میں ارشاد فرمایا فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ، یعنی ان غافل و جاہل انسانوں کو کیا ہو گیا کہ یہ سب کچھ سُننے اور جاننے کے بعد بھی اللہ پر ایمان نہیں لاتے وَلَا اَقْرَبُ نَعِيْمًا الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُوْنَ، یعنی جب اُن کے سامنے ان واضح ہدایات سے بھرا ہوا قرآن پڑھا جاتا ہے اُس وقت بھی وہ اللہ کی طرف نہیں جھکتے۔

سجدہ اور سجود کے معنی لغت میں جھکنے کے ہیں اور یہ اطاعت شکاری اور فرمانبرداری سے کنایہ کیا جاتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ سجدہ سے مراد سجدہ اصطلاحی نہیں بلکہ اللہ کے سامنے اطاعت کیساتھ جھکنا جسکو خشوع و خضوع کہتے ہیں وہ مراد ہے اور وجہ اس کی یہ کھلی ہوئی ہے کہ اس آیت میں حکم سجدہ کسی خاص آیت کے متعلق نہیں بلکہ پورے قرآن کے متعلق ہے اگر اس سے سجدہ اصطلاحی مراد لیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ پورے قرآن کی ہر آیت پر سجدہ لازم ہو جو باجماع اُمت مراد نہیں ہو سکتا۔ سلف و خلف میں کوئی اسکا قائل نہیں، اب رہا یہ مسئلہ کہ اس آیت کے پڑھنے اور سُننے پر سجدہ واجب ہے یا نہیں تو اگرچہ کسی قدر تاویل کے ساتھ اس آیت سے بھی وجوب سجدہ پر استدلال

ہو سکتا ہے جیسا کہ بعض فقہائے حنفیہ نے کہا ہے کہ یہاں القرآن سے مراد پورا قرآن نہیں، بلکہ الف لام مہم کا ہی اور مراد اس سے خاص یہی آیت ہے لیکن یہ ایک قسم کی تاویل ہی ہے جو احتمال کے درجہ میں تو صحیح کہی جاسکتی ہے۔ مگر اسکا مراد قرآن ہونا ظاہر عبارت سے بعید معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم، اسلئے صحیح بات یہ ہے کہ اسکا فیصلہ روایات حدیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے تعامل سے ہو سکتا ہے مگر روایات حدیث سجدہ تلاوت کے متعلق مختلف قسم کی آئی ہیں، بعض سے وجوب معلوم ہوتا ہے بعض سے رخصت، اسی لئے ائمہ مجتہدین کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس آیت پر بھی سجدہ واجب ہے جیسا کہ مفصل کی دوسری آیتوں پر واجب ہے۔ امام اعظم کا استدلال اسکے وجوب پر مندرجہ ذیل احادیث سے ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ایک روز عشا کی نماز حضرت ابو ہریرہؓ کے پیچھے پڑھی، انھوں نے سورہ اِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ کی تلاوت نماز میں کی اور اس آیت پر سجدہ کیا، میں نے ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ یہ کیسا سجدہ ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز میں اس آیت پر سجدہ کیا ہے اس لئے میں ہمیشہ اس آیت پر سجدہ کرتا رہوں گا جب تک کہ محشر میں آپ سے ملاقات ہو۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ میں اور اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ میں سجدہ کیا ہے۔ قرطبی نے ابن عربی سے نقل کیا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ یہ آیت بھی آیات سجدہ میں سے ہے اس کے پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہے مگر ابن عربی جن لوگوں میں مقیم تھے ان میں اس آیت پر سجدہ کرنا دراج نہیں تھا وہ کسی ایسے امام کے مقلد ہونگے جن کے نزدیک سجدہ واجب نہیں تو ابن عربی کہتے ہیں کہ میں نے یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ جب کہیں امامت کروں تو سورہ انشقاق نہیں پڑھتا کیونکہ میرے نزدیک اس پر سجدہ واجب ہے اگر سجدہ نہیں کرتا تو گناہ گار ہوتا ہوں اور اگر کرتا ہوں تو پوری جماعت میرے اس فعل کو برا سمجھے گی، بلا وجہ اختلاف کیوں ڈالا جائے، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

تَمَّتْ سُورَةُ الانشِقَاقِ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَى اِنَّ رِشْقَيْنِ اَسْمٰ

سُورَةُ الْبُرُوجِ

سُورَةُ الْبُرُوجِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَانِ وَعِشْرُونَ آيَةً

سورہ بروج مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی بائیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بھلا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ۱ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ۲ وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ ۳ قِيلَ

قسم ہے آسمان کی جس میں بروج ہیں اور اُس دن کی جس کا وعدہ ہے، اور اُس دن کی جو حاضر ہوتا ہے اور اس کی کہ جسے یا اس حاضر ہوتے ہیں اور

أَصْحَابُ الْأُخُودِ ۴ النَّارِ ذَاتِ الْوُكُودِ ۵ إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ ۶ وَهُمْ

گئے کھائیاں کھودنے والے آگ ہے بہت ایندھن والی جب وہ اس پر بیٹھے اور جو کچھ

عَلَى مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ ۷ وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا

وہ کرتے مسلمانوں کے ساتھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور اُن سے بدلہ نہ لیتے تھے مگر اسی بات کا کہ وہ یقین لائے

بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۸ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى

اللہ پر جو زبردست ہے تعریفوں والا جس کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اللہ کے

كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۹ إِنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ

سانے ہے ہر چیز حقیقی جو دین سے بچلائے ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو پھر

لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابٌ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ۱۰ إِنَّ

توبہ نہ کی تو اُن کے لئے عذاب ہے دوزخ کا اور ان کے لئے عذاب ہے آگ لگے کا بیشک

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۱۱

جو لوگ یقین لائے اور کیے انھوں نے بھلائیاں انکے لئے باغ ہیں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں

ذَلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ۱۲ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ۱۳ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِي

یہ ہے بڑی مراد یعنی بیشک تیرے رب کی پکڑ سخت ہے بیشک ہی کرتا ہے پہلی مرتبہ

وَيُعِيدُ ۱۳ ۝ وَهُوَ الْغَفُورُ الْودُودُ ۱۴ ۝ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ۱۵ ۝ فَعَالٌ ۱۶

اور دوسری اور وہی ہے بخشنے والا محبت کرنے والا مالک عرش کا بڑی شان والا کر ڈالنے والا

لِّمَا يُرِيدُ ۱۶ ۝ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ۱۷ ۝ فِرْعَوْنُ وَثَمُودُ ۱۸ ۝ بَلْ

جو چاہے کیا پہنچی تجھ کو بات ان لشکروں کی فرعون اور ثمود کے کوئی نہیں

الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ۱۹ ۝ وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ ۲۰ ۝ بَلْ

بلکہ منکر جھٹلاتے ہیں اور اللہ نے اُن کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے کوئی نہیں

هُوَ قَرَأْنٌ فَحِيدٌ ۲۱ ۝ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ۲۲ ۝

یہ قرآن ہے بڑی شان کا لکھا ہوا لوح محفوظ میں

خلاصہ تفسیر

اس سورت میں ایک قصہ کا اجمالاً ذکر ہے جو صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ کوئی

کافر بادشاہ تھا اسکے پاس ایک کاہن تھا (کاہن اس کو کہا جاتا ہے جو شیاطین کے ذریعہ یا

نجوم کے آثار کے ذریعہ کچھ مستقبل کی غیبی خبریں معلوم کر کے لوگوں کو بتائے) اس کاہن نے بادشاہ سے کہا کہ مجھ کو ایک

ہوشیار لڑکا دیا جاوے تو اُس کو اپنا علم سکھا دوں، چنانچہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا، اسکے راستے میں ایک راہب یعنی

عیسائی پادری رہتا تھا اور اُس زمانے میں دین عیسیٰ علیہ السلام ہی دین حق تھا اور یہ راہب ہی پر قائم عبادت گزار

تھا وہ لڑکا اسکے پاس آنے جانے لگا اور خفیہ مسلمان ہو گیا، ایک بار اس لڑکے نے دیکھا کہ کسی شیر نے راستہ روک

رکھا ہے اور خلق خدا پریشان ہے تو اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لیکر دعا کی کہ اے اللہ اگر راہب کا دین سچا ہے تو یہ پتھر

میرے پتھر سے مارا جاوے اور اگر کاہن سچا ہے تو نہ مارا جاوے اور یہ کہہ کر وہ پتھر مارا تو شیر کو لگا اور وہ ہلاک

ہو گیا، لوگوں میں شور ہو گیا کہ اس لڑکے کو کوئی عجیب علم آتا ہے کسی اندھے نے سنا اگر درخواست کی میری آنکھیں

اچھی ہو جاویں، لڑکے نے کہا بشرطیکہ تو مسلمان ہو جاوے چنانچہ اس نے قبول کیا، لڑکے نے دعا کی وہ اچھا ہو گیا

اور مسلمان ہو گیا، بادشاہ کو یہ خبریں پہنچیں تو اس راہب کو اور لڑکے کو اور اس نابینا کو گرفتار کر کے بلایا، اس نے

راہب اور اعمیٰ کو تو قتل کر دیا اور لڑکے کے لئے حکم دیا کہ پہاڑ کے اوپر لیجا کر گرا دیا جاوے مگر جو لوگ اس کو

لے گئے تھے وہ خود گر کر ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح سالم چلا آیا، پھر بادشاہ نے سمندر میں غرق کر نیکا حکم دیا وہ اس

سے بھی بچ گیا اور جو لوگ اس کو لے گئے تھے وہ سب ڈوب گئے پھر خود لڑکے نے بادشاہ سے کہا مجھ کو بسم اللہ

کہا کر تیر مار دو تو میں مرجاؤں گا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور لڑکا مر گیا، پس اس واقعہ عجیبہ کو دیکھ کر یک لخت عام

لوگوں کی زبان سے نعرہ بلند ہوا کہ ہم سب اللہ پر ایمان لاتے ہیں، بادشاہ بڑا پریشان ہوا اور ارکان سلطنت کے

مشورے سے بڑی بڑی خندقیں آگ سے بھرا کر اشتہار دیا کہ جو شخص اسلام سے نہ پھر گیا اس کو آگ میں جلا دیں گے

چنانچہ بہت آدمی جلائے گئے، اس صورت میں ان پر غضب الہی نازل ہونے کا بیان قسم کے ساتھ فرمایا ہے (قسم ہے
 بُرُجوں والے آسمان کی) (مُرَاد بُرُجوں سے بڑے بڑے ستارے ہیں، کذا فی الدر المنثور مرفوعاً) اور قسم ہے وعدہ کئے ہوئے
 دن کی (یعنی قیامت کے دن کی) اور قسم ہے حاضر بنیوالے (دن کی)، اور قسم ہے اُس (دن) کی جس میں لوگوں کی حاضری
 ہوتی ہے (حدیث ترمذی میں مرفوعاً ہے کہ یوم موعود قیامت کا دن ہے اور شاہد جمعہ کا دن ہے اور مشہود عرفہ کا
 دن ہے اور ایک دن کو شاہد اور دوسرے کو مشہود شاید اس لئے فرمایا کہ یوم جمعہ میں تو سب اپنی اپنی جگہ رہتے ہیں تو گویا
 وہ دن خود آتا ہے اور یوم عرفہ میں حجاج اپنے مقامات سے سفر کر کے عرفات میں اس یوم کے قصد سے جمع ہو جاتے
 ہیں تو گویا وہ دن مقصود و مشہود اور دوسرے لوگ حاضری کا قصد کر نیوالے ہیں آگے جواب قسم ہے) کہ خدق والے
 یعنی بہت سے ایندھن کی آگ والے ملعون ہوئے جس وقت وہ لوگ اُس (آگ) کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے اور
 وہ جو کچھ مسلمانوں کیساتھ (ظلم و ستم) کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے (انکے ملعون ہونے کی خبر دینے سے تسلی مؤمنین کی
 ظاہر ہے کہ اسی طرح جو کافر اس وقت مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہیں وہ بھی گرفتار لعنت ہونگے جسکا اثر خواہ دنیا میں بھی مرتب
 ہو جیسے غزوہ بدر وغیرہ میں مقتول و مخدول ہوئے یا صرف آخرت میں جیسا عام کفار کے لئے یقینی ہے اور دشمن کے
 عذاب کی خبر سے تسلی ہونا امر طبعی ہے اور ان لوگوں کا بیٹھنا اس ظلم و ستم کے انتظام اور نگرانی کے لئے تھا اور لفظ
 مشہود میں علاوہ نگرانی کے اشارہ ان لوگوں کی سنگدلی کی طرف بھی ہے کہ دیکھ کر بھی ترجم نہ آتا تھا اور اسکو خدا تعالیٰ کی
 لعنت میں خاص دخل ہے کہ یہ سنگدلی سبب لعنت ہے) اور ان کافروں نے ان مسلمانوں میں اور کوئی عیب
 نہیں پایا تھا بجز اسکے کہ وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست (اور) سزاوار حمد ہے ایسا کہ اسی کی ہے سلطنت آسمانوں
 اور زمین کی (یعنی ایمان لانے پر یہ معاملہ کیا اور ایمان لانا کوئی خطا نہیں، پس بے خطا اُن پر ظلم کیا اسلئے وہ لوگ ملعون
 ہوئے اور آگے ظالموں کے لئے عام وعید اور مظلوموں کے لئے عام وعدہ ہے) کہ اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے (مظلوم
 کی مظلومیت سے بھی پس اسکی نصرت کرے گا اور ظالم کی ظالمیت سے بھی تو اسکو سزا دیگا خواہ یہاں خواہ وہاں چنانچہ
 آگے یہی مضمون ہے کہ) جنہوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو تکلیف پہنچائی (اور) پھر توبہ نہیں کی تو انکے لئے جہنم کا
 عذاب ہے (اور جہنم میں بالخصوص) انکے لئے جلنے کا عذاب ہے (عذاب میں ہر طرح کی تکلیف داخل ہے۔ سانپ، بچھو، طوق
 زنجیریں، جمیم، غساق وغیرہ اور سب بڑھ کر جلنے کا عذاب ہے) اسلئے اسکو بالتحصیص فرمایا یہ تو ظالم کے حق میں فرمایا آگے
 مؤمنین کے حق میں نہیں مظلوم بھی آگے ارشاد ہے کہ) بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے انکے لئے (بہشت
 کے) باغ ہیں جنکے نیچے نہریں جاری ہونگی اور یہ بڑی کامیابی ہے (اور اور پر دو مضمون تھے کفار کے لئے جہنم ہونا اور مؤمنین
 کے لئے جنت ہونا، آگے انکے مناسب اپنے بعض افعال و صفات ان مضمونوں کی تقریر کے لئے ارشاد فرماتے ہیں کہ) آپکے
 رب کی دار و گیر بڑی سخت ہے (پس کفار پر سزائے شدید کا واقع ہونا مستبعد نہیں اور نیز) وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے
 اور دوبارہ (قیامت میں بھی) پیدا کر دیگا (پس یہ شبہ بھی نہ رہا کہ گو بطش شدید ہے مگر قیامت ہی واقع نہوگی جو کہ وقت
 بطش کا ہے اس سے تقریر ہو گئی وعید کفار کی) اور (آگے تقریر ہے وعدہ مؤمنین کی کہ) وہی بڑا بخشنے والا (اور بڑی محبت

کرنے والا اور عرش کا مالک (اور عظمت والا ہے) پس ایمان والوں کے گناہ معاف کر دیگا اور ان کو اپنا محبوب بنالیکھا، اور ذوالعرش اور مجید کو تعذیبے اثابت دونوں کیساتھ متعلق ہو سکتا ہے کہ دونوں فرع ہیں صاحب سلطنت کمال صفات کی، لیکن یہاں مقابلے کے قرینے سے ان پر اثابت کا متفرع کرنا مقصود ہے اور آگے دونوں کے اثابت کے لئے ایک صفت ارشاد ہے کہ) وہ جو چاہے سب کچھ کر گزرتا ہے (آگے مؤمنین کی مزید تسلی اور کفار کی مزید تنبیہ کے لئے بعض خاص مضمونین کا حال بیان فرماتے ہیں کہ) کیا آپ کو ان لشکروں کا قصہ پہنچا ہے یعنی فرعون (اور آل فرعون) اور ثود کا (کہ کس طرح کفر کیا اور کیونکر گرفتار عذاب ہوئے اس سے مؤمنین کو تسلی حاصل کرنا چاہیے اور کفار کو ڈرنا چاہیے مگر کفار بالکل عذاب سے نہیں ڈرتے) بلکہ یہ کافر (خود قرآن کی) تکذیب میں (لگے) ہیں پس اس کے مضمون تعذیب کو بھی اور دیگر مضامین کو بھی جھٹلاتے ہیں) اور (انجام کار اسکی سزا بھگتیں گے کیونکہ) الشران کو ادھر ادھر سے گھیرے ہوئے ہے (اسکے قبضہ قدرت اور عقوبت سے بچ نہیں سکتے، اور ان کا قرآن کو جھٹلانا محض حماقت ہے کیونکہ قرآن ایسی چیز نہیں جو جھٹلانے کے قابل ہو) بلکہ وہ ایک با عظمت قرآن ہے جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے (جس میں کوئی تغیر و تبدل محتمل نہیں، وہاں سے نہایت حفاظت کے ساتھ صاحبِ وحی کے پاس پہنچایا جاتا ہے کما قال تعالیٰ فی سورة الجن، فَإِنَّهُ یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهِ (صد) پس ایسی صورتیں تکذیب قرآن کی بلاشبہ جہالت و موجب عقوبت ہے)

معارف و مسائل

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ، بُرُوج کی جمع ہے بڑے محل یا قلعہ کو کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ، یہاں بُرُوج سے مراد محلات و قصور ہی ہیں اور اصل مادہ بُرُج کے لغوی معنی ظہور کے ہیں۔ بُرُج کے معنی بے پردہ کھلے پھرنے کے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى، اس آیت میں بُرُوج سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک بڑے بڑے ستارے ہیں۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، ضحاک حسن بصری، قتادہ، سدی سب کا یہی قول ہے اور بعض دوسرے ائمہ تفسیر نے اسجگہ بُرُج سے مراد قصور یعنی محلات لئے ہیں اور اس سے مراد وہ مکانات ہیں جو آسمان میں پہرہ داروں اور نگراں فرشتوں کے لئے مقرر ہیں۔ اور بعض متأخرین نے بُرُج سے مراد وہ بُرُج بتلائے ہیں جو فلاسفہ کی اصطلاح ہے کہ کل آسمان کو بارہ حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصہ کو ایک بُرُج کہا جاتا ہے اُن کا خیال یہ ہے کہ ثوابت ستارے انہی بُرجوں میں اپنی جگہ مقیم ہیں اور سیارات حرکت فلک کیساتھ متحرک ہوتے ہیں اور ان بُرجوں میں سیارات کا نزول ہوتا ہے، مگر یہ سراسر غلط ہے قرآن کریم سیارات کو آسمانوں میں مرکوز نہیں قرار دیتا بلکہ ہر سیارے کو اپنی ذاتی حرکت سے متحرک قرار دیتا جیسا کہ سورہ یس کی آیت میں ہے وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ، فلک سے مراد اس میں آسمان نہیں بلکہ سیارے کی مدار جس میں وہ حرکت کرتا ہے (منظہری)

وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ وَشَهِيدًا وَ مَشْهُودًا، خلاصہ تفسیر میں ترمذی کی مرفوع حدیث کے حوالہ سے ان

الفاظ کی تفسیر لکھ دی گئی ہے کہ یوم موعود سے مراد روز قیامت اور شاہد سے مراد روز جمعہ اور مشہود سے مراد روز عرفہ ہے اس آیت میں حق تعالیٰ نے چار چیزوں کی قسم کھائی، اول برجوں والے آسمان کی۔ پھر قیامت کے روز کی پھر جمعہ اور عرفہ کے دنوں کی۔ مناسبت ان چیزوں کی قسم کی جواب قسم کیسا تھا یہ ہے کہ یہ سب چیزیں حق تعالیٰ جل شانہ کی قدرت کاملہ پر اور پھر قیامت کے روز حساب کتاب اور جزا سزا پر ہیں اور روز جمعہ و عرفہ مومنین کے لئے ذخیرہ آخرت جمع کرنے کے مبارک دن ہیں، آگے جواب قسم میں اُن کفار پر لعنت آئی ہے جنہوں نے مسلمانوں کو انکے ایمان کی وجہ سے آگ میں جلایا اور پھر مومنین کے درجہ آخرت کا بیان فرمایا، واقعہ اصحاب اُفدود کی کچھ تفصیل یہی واقعہ اس سورت کے نزول کا سبب ہے جس کا خلاصہ صحیح مسلم کی حدیث کے حوالہ سے خلاصہ تفسیر میں بیان ہو چکا ہے۔ یہ شخص جس کو اس واقعہ میں کاہن کہا گیا بعض روایات میں کاہن کے بجائے ساحر آیا ہے اور یہ بادشاہ جس کا ذکر اس قصہ میں ہے ملک یمن کا بادشاہ تھا جس کا نام حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں یوسف ذو نو اس تھا، اس کا زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے ستر سال پہلے کا زمانہ تھا، اور یہ لڑکا جس کو کاہن یا ساحر کے پاس اس کا فن سیکھنے کے لئے بادشاہ نے مامور کیا تھا اس کا نام عبداللہ بن تامر ہے اور راہب عیسائی مذہب کا عابد و زاہد ہے اور اُس زمانے میں چونکہ مذہب عیسوی علیہ السلام ہی دین حق تھا اس لئے یہ راہب اس وقت کا سچا مسلمان تھا، یہ لڑکا عبداللہ بن تامر جس کو کہانت یا سحر سیکھنے کے لئے بادشاہ نے مامور کیا تھا اور وہ راستہ میں راہب کے پاس جاتا اور اس کا کلام سن کر متاثر ہوتا اور بالآخر مسلمان ہو گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو ایمان بھی ایسا پختہ نصیب فرمایا کہ ایمان کی خاطر لوگوں کی ایذاؤں برداشت کرتا تھا، کیونکہ جب جانیکے وقت راستہ میں راہب کے پاس بیٹھتا یہاں کچھ وقت لگتا تو جب ساحر یا کاہن کے پاس دیر سے پہنچتا تو وہ اس کو مارتا تھا اور واپسی کے وقت جب پھر راہب کے پاس بیٹھتا تو گھر واپس جانیکیں دیر ہوتی اس پر گھر والے اس کو مارتے تھے مگر اُس نے کسی کی پروا کئے بغیر راہب کی صحبت و مجالست نہ چھوڑی، انکی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کو وہ کرامات عطا فرمائیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس ظالم بادشاہ نے ایمان لانیوالوں کو عذاب دینے کے لئے خندق کھدوا کر اس کو آگ کے بڑے شعلوں سے لبریز کیا پھر ایمان لانیوالوں میں سے ایک ایک کو حاضر کر کے کہا کہ یا ایمان کو چھوڑ دیا پھر اس خندق میں گر جانا پڑے گا، اللہ تعالیٰ نے ان مومنین کو ایسی استقامت بخشی کہ ان میں سے ایک بھی ایمان چھوڑنے پر راضی نہ ہوا اور آگ میں گر جانا قبول کیا، صرف ایک عورت جس کی گود میں ایک بچہ تھا اس کو آگ میں گرنے سے ذرا جھجک ہوئی تو چھوٹا سا بچہ بولا کہ اماں جان صبر کرو، کیونکہ آپ حق پر ہیں جو لوگ اس طرح دہکتی آگ میں جلا کر اس ظالم نے قتل کئے انکی تعداد بعض روایات میں بارہ ہزار، بعض میں اس سے زیادہ منقول ہے۔

اور یہ لڑکا جس کی کرامتوں کا ذکر اوپر آچکا ہے اور یہ کہ اس نے خود بادشاہ کو اپنے قتل کی یہ صورت بتلائی کہ تم میرے ترکش کا تیرا وار اس پر باسم اللہ رہی کہ میرے تیر مارو تو میں مر جاؤں گا، اس ترکیب کیسا تھ لڑکے

نے توجان دیدی مگر اس واقعہ کو دیکھ کر بادشاہ کی ساری قوم نے نعرہ لگایا اور اپنے مسلمان ہونیکا اعلان کر دیا، کافر ظالم کو حق تعالیٰ نے دنیا میں بھی خائب و خاسر بنا دیا۔

محمد بن اسحق کی روایت میں ہے کہ یہ لڑکا عبداللہ بن تامر جس جگہ مدفون تھا اتفاقاً کسی ضرورت سے وہ زمین حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں کھودی گئی تو اسمیں عبداللہ بن تامر کی لاش صحیح سالم اس طرح برآمد ہوئی کہ وہ بیٹھے ہوئے تھے اور اُن کا ہاتھ اپنی پٹھ پڑی پر رکھا ہوا تھا جہاں تیر لگا تھا، کسی دیکھنے والے نے اُن کا ہاتھ اس جگہ سے ہٹایا تو زخم سے خون جاری ہو گیا پھر ویسے ہی رکھ دیا تو بند ہو گیا، اُن کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی جس پر لکھا ہوا تھا اللہ ربی۔ عامل ین نے اس واقعہ کی اطلاع حضرت فاروق اعظمؓ کو دی تو آپ نے جواب میں لکھا کہ اُن کو انکی ہیئت پر انگوٹھی سمیت اُسی طرح چھپا دو جیسے پہلے تھے (ابن کثیر)

فائدہ ابن کثیر نے بحوالہ ابن ابی حاتم نقل کیا ہے کہ آگ کی خندق کا واقعہ دنیا میں ایک ہی نہیں بہت مختلف ملکوں اور زمانوں میں ہوئے ہیں، پھر ابن ابی حاتم نے ان واقعات میں سے تین کا خصوصیت سے ذکر کیا کہ ایک خندق ین میں تھی (جسکا واقعہ زمان فترت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ستر سال پہلے پیش آیا ہے) دوسری خندق شام میں، تیسری فارس میں تھی۔ مگر قرآن کریم میں جس خندق کا ذکر اس سورت میں ہے وہ خندق نجران ملک ین کی خندق ہے کیونکہ یہی عرب کے ملک میں تھی۔

إِنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوا الْمُؤْمِنِينَ، یہ اُن ظالموں کی سزا کا بیان ہے جنہوں نے مسلمانوں کو صرف اُنکے ایمان کی بنا پر آگ کی خندق میں ڈال کر جلا یا تھا، اور سزائیں دو باتیں ارشاد فرمائیں فَالْهَمْدُ لِلَّهِ عَنِ ابْنِ جَهْدَةَ، یعنی اُنکے لئے آخرت میں جہنم کا عذاب ہے، دوسری وَلَهُمَّ عَذَابُ الْخَيْرِ نَبِيُّ، یعنی اُن کے لئے جہنم کا عذاب ہے، ہو سکتا ہے کہ دوسرا جملہ پہلے ہی جملے کا بیان اور تاکید ہو اور معنی یہ ہوں کہ جہنم میں جا کر اس کو ہمیشہ آگ میں جلتے رہنے کا عذاب ملے گا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ دوسرے جملے میں اُن کی اسی دنیا میں سزا کا ذکر ہو، جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ جن مؤمنین کو ان لوگوں نے آگ کی خندق میں ڈالا تھا اللہ تعالیٰ نے اُن کو تو تکلیف سے اس طرح بچا دیا کہ آگ کے چھونے سے پہلے ہی اُن کی ارواح قبض کر لی گئیں آگ میں مُردہ جسم پڑے، پھر یہ آگ اتنی بھڑک اُٹھی کہ خندق کے حدود سے نکل کر شہر میں پھیل گئی اور ان سب لوگوں کو جو مسلمانوں کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے اس آگ نے جلا دیا، صرف بادشاہ یوسف ذونواس بھاگ نکلا اور آگ سے بچنے کیلئے اپنے آپکو دریا میں ڈال دیا اسمیں غرق ہو کر مراد (منظہری) ان لوگوں کے لئے عذاب جہنم اور عذاب حریق کی خبر کے ساتھ قرآن کریم نے یہ قید بھی لگا دی کہ شَرَّ لَوْ يَتَوَجَّوْا، یعنی یہ عذاب اُن لوگوں پر پڑیگا جو اپنے اس فعل پر نادم ہو کر تائب نہیں ہوئے اس میں ان لوگوں کو توبہ کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس جو دو کرم کو دیکھو کہ ان لوگوں نے اللہ کے اولیاء کو زندہ جلا کر اُن کا تماشا دیکھا اور حق تعالیٰ اس پر بھی اُن کو توبہ اور مغفرت کی طرف دعوت دے رہا ہے (ابن کثیر)

تَمَّتْ سُورَةُ الْبُرُوجِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَرْسَلَكَ رَسُولًا

سُورَةُ الطَّارِقِ

سُورَةُ الطَّارِقِ فَكَيِّسَتْ وَهِيَ سَبْعٌ عَشْرَةَ آيَةً
سورہ طارق مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی سترہ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۱ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ۲ النُّجُومُ الثَّاقِبُ ۳ إِنَّ كُلَّ

قسم ہے آسمان کی اور اندھیرے میں آنیوالے کی اور تو نے کیا سمجھا کیا ہے اندھیرے میں آنیوالا وہ تارا چمکتا ہوا کوئی جی

نَفْسٌ لِّمَا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۴ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۵ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ

نہیں جس پر نہیں ایک نگہبان اب دیکھ لے آدمی کہ کس سے بنا ہے بنا ہے ایک اچھلتے ہوئے

دَافِقٍ ۶ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ التَّرَائِبِ ۷ إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ۸

پانی سے جو نکلتا ہے پیٹھ کے نیچے سے اور چھاتی کے پیچ سے بیشک وہ اس کو پھر لا سکتا ہے

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ۹ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ ۱۰ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۱۱

جس دن جانچے جائیں بھید تو کچھ نہ ہوگا اسکو زور اور نہ کوئی مدد کرنے والا قسم ہے آسمان چکر مارنے والے کی

وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۱۲ إِنَّهُ لَقَوْلُ فَصْلٍ ۱۳ وَهَؤُلَاءِ لَهْزَلٌ ۱۴ وَإِنَّهُمْ

اور زمین پھٹوٹ نکلتے والی کی بیشک یہ بات ہے دو ٹوک اور نہیں یہ بات ہنسی کی البتہ وہ

يَكِيدُونَ كَيْدًا ۱۵ وَأَكِيدُ كَيْدًا ۱۶ فَمَهْلُ الْكَافِرِينَ أَهْلُهُمْ رُودًا ۱۷

لگے ہوئے ہیں ایک دوسرے کو اور میں لگا ہوا ہوں ایک دوسرے کو سو ڈھیلے سنکڑوں کو ڈھیل دے ان کو تھوڑے دنوں

خلاصہ تفسیر

قسم ہے آسمان کی اور اُس چیز کی جو رات کو نمودار ہونے والی ہے اور آپ کو کچھ معلوم ہے وہ رات کو نمودار ہونے

والی چیز کیا ہے وہ روشن ستارہ ہے (کوئی ستارہ ہو کہ قولہ تعالیٰ وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ) آگے جواب قسم ہے کہ کوئی شخص

ایسا نہیں کہ جس پر کوئی اعمال کا یاد رکھنے والا (فرشتہ) مقرر نہ ہو (کقولہ تعالیٰ وَرَاقٌ عَلَيْكُمْ لَخِافَتَيْنِ كَرَّاهَا كَتَبَيْنَ يُحْكَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ، مطلب یہ کہ ان اعمال پر محاسبہ ہو نیوالا ہے اور اس قسم کو قصود سے مناسبت یہ ہے کہ جیسے آسمان پر ستارے ہر وقت محفوظ ہیں مگر ظہور ان کا خاص شب میں ہوتا ہے۔ اسی طرح اعمال سب نامہ اعمال میں اس وقت بھی محفوظ ہیں مگر ظہور ان کا خاص قیامت میں ہو گا جب یہ بات ہے) تو انسان کو (قیامت کی فکر چاہیے اور اگر اسکے استبعاد کا شبہ ہو تو اس کو) دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے، وہ ایک اُچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پشت اور سینہ (یعنی تمام بدن) کے درمیان سے نکلتا ہے (مراد اس پانی سے منی ہے خواہ صرف مرد کی یا مرد و عورت دونوں کی اور عورت کی منی میں گواندفاق (اُچھلنا) مرد کی منی کی برابر نہیں ہوتا لیکن کچھ اندفاق ضرور ہوتا ہے اور دوسری تقدیر پر یعنی جبکہ ماہ سے مراد مرد و عورت دونوں کا نطفہ ہو تو نطفہ ماء کا مفرد لانا اس بنا پر ہے کہ دونوں مادے مخلوط ہو کر مثل شئی واحد کے ہو جاتے ہیں اور پشت اور سینہ چونکہ بدن کے دو طرفین ہیں اس لئے کئی یہ جمیع بدن سے ہو سکتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ نطفہ سے انسان بنا دینا زیادہ عجیب ہے بہ نسبت دوبارہ بنانیکے اور جب عجیب تر امر اس کی قدرت سے ظاہر ہو رہا ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ وہ اسکے دوبارہ پیدا کرنے پر ضرور قادر ہے (پس وہ استبعاد قیامت کا شبہ دفع ہو گیا اور یہ دوبارہ پیدا کرنا اس روز ہو گا) جس روز سب کی قلعی کھل جاوے گی (یعنی سب مخفی باتیں عقائد باطلہ و نیات فاسدہ ظاہر ہو جا دیں گی، اور دنیا میں جس طرح موقع پر جرم سے مکر جلتے ہیں اس کو چھپا لیتے ہیں یہ بات وہاں ممکن نہ ہوگی) پھر اس انسان کو نہ تو خود (مدافعت) کی قوت ہوگی اور نہ اس کا کوئی حمایتی ہوگا (کہ عذاب کو اس سے دفع کر دے اور اگر کہا جائے کہ امکان قیامت کا کو عقلی ہے مگر وقوع نقلی ہے اور دلیل نقلی قرآن ہے اور وہ منہو محتاج اثبات ہے تو اس کے متعلق سنو کہ) قسم ہے آسمان کی جس سے پیالے بارش ہوتی ہے اور زمین کی جو (بیج نکلنے کے وقت) پھٹ جاتی ہے (آگے جواب قسم ہے) کہ یہ قرآن حق و باطل میں ایک فیصلہ کر دینے والا کلام ہے اور وہ کوئی لغو چیز نہیں ہے (اس سے قرآن کا کلام حق متجانب اللہ ہونا ثابت ہو گیا مگر باوجود اثبات حق کے ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ) یہ لوگ (نفی حق کے لئے) طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں اور میں بھی (ان کی ناکامی اور سزا کے لئے) طرح طرح کی تدبیریں کر رہا ہوں (اور ظاہر ہے کہ میری تدبیر غالب آدے گی اور جب میرا تدبیر کرنا سن لیا) تو آپ ان کافروں (کی مخالفت سے گھبرائیے نہیں اور ان پر جلدی عذاب آنے کی خواہش نہ کیجئے بلکہ ان کو یوں ہی رہنے دیجئے (اور زیادہ دن نہیں بلکہ انکو تھوڑے ہی دنوں رہنے دیجئے) پھر میں ان پر عذاب نازل کر دوں گا، خواہ قبل الموت یا بعد الموت، اخیر کی قسم کو اخیر کے مضمون سے یہ مناسبت ہے کہ قرآن آسمان سے آتا ہے اور جس میں قابلیت ہوتی ہے اس کو مالا مال کرتا ہے جیسے بارش آسمان سے آتی ہے اور عمدہ زمین کو فیضیاب کرتی ہے)

معارف و مسائل

اس سورت میں حق تعالیٰ نے آسمان اور ستاروں کی قسم کھا کر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہر انسان پر ایک

محافظ نگراں ہے جو اُس کے تمام افعال و اعمال اور حرکات و سکنات کو دیکھتا جانتا ہے اس کا تقاضائے عقلی یہ ہے کہ انسان اپنے انجام پر غور کرے کہ دنیا میں وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ اللہ کے یہاں محفوظ ہے اور یہ محفوظ رکھنا حساب کے لئے ہے جو قیامت میں ہوگا، اس لئے کسی وقت آخرت اور قیامت کی فکر سے غافل نہ ہو، اس کے بعد اُس شبہ کا جواب ہے جو شیطان لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے کہ مگر مٹی اور ذرہ ہو جانے کے بعد پھر سب اجزاء کا جمع ہونا اور اس میں زندگی پیدا ہونا ایک مہم خیاں بلکہ عوام کی نظر میں محال و ناممکن ہے۔ جواب میں انسان کی ابتدائی تخلیق پر غور کرنے کی ہدایت ہے کہ وہ کس طرح مختلف ذرات اور مختلف مواد سے ہوتی ہے جیسے ابتدائی تخلیق میں دنیا بھر کے مختلف ذرات کو جمع کر کے ایک زندہ سمیع و بصیر انسان بنا دیا، اُس کو اس پر بھی قدرت کیوں نہ ہوگی کہ پھر اس کو اسی طرح ٹوٹا دے، اس کے بعد کچھ حال قیامت کا بیان فرما کر دوسری قسم زمین اور آسمان کی کھا کر غافل انسان کو یہ بتلایا کہ جو کچھ اس کو فکر آخرت کی تلقین کی گئی ہے اس کو مذاق و دل لگی نہ سمجھے بلکہ ایک حقیقت ہے جو سامنے آکر ہے گی۔ آخر میں کفار کے اس شبہ کا جواب دیا گیا کہ کفر و شرک اور معاصی اگر اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں تو پھر دنیا ہی میں اُن پر عذاب کیوں نہیں آجاتا، اس پر سورت ختم کی گئی ہے۔

پہلی قسم میں آسمان کے ساتھ طارق کی قسم ہے، طارق کے معنی رات کو آنے والے کے ہیں، ستارے چونکہ دن کو چھپے رہتے ہیں اس لئے ستارہ کو طارق فرمایا اور خود قرآن نے اس کی تفسیر کر دی وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ، یعنی تمہیں کیا خبر کہ طارق کیا چیز ہے پھر فرمایا النَّجْمُ الثَّاقِبُ، یعنی ستارہ روشن، نجم کے معنی ستارہ کے ہیں، قرآن نے کوئی ستارہ متعین نہیں کیا، اس لئے ہر ستارہ اس کا مصداق ہو سکتا ہے بعض حضرات مفسرین نے نجم سے خاص ستارہ ثریا یا زحل مراد لیا ہے اور کلام عرب سے لفظ نجم کا اس پر اطلاق ثابت کیا ہے ثاقب کے معنی روشن چمکدار کے ہیں۔

إِنَّ كُلَّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ، یہ جواب قسم ہے، اس میں شروع کا حرف اِنْ نافہ ہے اور حرف لَمَّا تمشید یہیم بمعنی آتا ہے جو قبیلہ ہذیل کے لغت میں استنار کے معنی دیتا ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ کوئی نفس ایسا نہیں جس پر حافظ نہ ہو، حافظ کے معنی نگراں کے بھی آتے ہیں جو کسی کے اعمال کو نظر میں رکھے تاکہ ان کا حساب لے، اور حافظ بمعنی محافظ بھی آتا ہے جس کے معنی مصائب و آفات سے حفاظت کرنے والے کے ہیں، پہلے معنی کے اعتبار سے حافظ سے مراد فرشتہ کا ہے اعمال سے، اور یہاں اگرچہ اس کو بلفظ مفرد بمعنی جنس بیان کیا ہے مگر ان کا متعدد ہونا دوسری آیت سے ثابت ہے إِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ كِرَامًا كَذِبِينَ

اور دوسرے معنی کے اعتبار سے وہ فرشتے مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی حفاظت کے لئے مقرر کیے ہیں وہ دن رات تمام آفات و مصائب سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں، بجز اس مصیبت و آفت کے جو اللہ تعالیٰ نے اسکے لئے مقدر کر دی ہے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں اس کا صراحتہ بیان آیا ہے لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنَ أَمْرِ اللَّهِ، یعنی انسان کے لئے نوبت بہ نوبت آئیوالے محافظ فرشتے مقرر ہیں

جواکے آگے اور پیچھے سے اس کی حفاظت بامرالہی کرتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مومن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سو ساٹھ فرشتے اس کی حفاظت کے لئے مقرر ہیں جو ان کے ہر ہر عضو کی حفاظت کرتے ہیں ان میں سے سات فرشتے صرف انسان کی آنکھ کی حفاظت کے لئے مقرر ہیں، یہ فرشتے انسان سے ہر بلا و مصیبت جو اس کے لئے مقدر نہیں اس طرح انسان سے دفع کرتے ہیں جیسے شہد کے برتن پر آنے والی مکھیوں کو پنکھے وغیرہ سے دفع کیا جاتا ہے۔ اور اگر انسان پر یہ حفاظتی پہرہ نہ ہو تو شیاطین اُس کو اچک لیں (قطبی)

— خَلْقَ مِنْ مَّا كَانَتْ دَارِقَاتٍ، یعنی انسان پیدا کیا گیا ہے ایک اچھلنے والے پانی سے جو نکلتا ہے پشت اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے۔ عام طور سے حضرات مفسرین نے اس کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ نطفہ مرد کی پشت اور عورت کے سینے سے نکلتا ہے مگر اعضائے انسانی کے ماہر اطباء کی تحقیق اور تجربہ یہ ہے کہ نطفہ درحقیقت انسان کے ہر ہر عضو سے نکلتا ہے اور بچے کا ہر عضو اُس جز نطفہ سے بنتا ہے جو مرد و عورت کے اسی عضو سے نکلتا ہے۔ البتہ دماغ کو اس معاملے میں سب سے زیادہ دخل ہے اسی لئے مشاہدہ ہوتا ہے کہ جماع کی کثرت کرنے والے اکثر ضعف دماغ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسی کیساتھ انکی تحقیق یہ بھی ہے کہ نطفہ تمام اعضا سے منفصل ہو کر نخاع کے ذریعہ خصیتین میں جمع ہوتا اور پھر وہاں سے نکلتا ہے۔

اگر یہ تحقیق صحیح ہے تو حضرات مفسرین نے جو نطفہ کا خروج مرد کی پشت اور عورت کے سینے کے متعلق قرار دیا ہے اس کی توجیہ بھی کچھ بعید نہیں کیونکہ اس پر اطباء کا اتفاق ہے کہ نطفہ کی تولید میں سب سے بڑا دخل دماغ کو ہے اور دماغ کا خلیفہ وقائم مقام نخاع ہے جو ریڑھ کی ہڈی کے اندر دماغ سے پشت اور پیچھے خصیتین تک آیا ہوا ہے، اسی کے کچھ شعبے سینے کی ہڈیوں میں آئے ہوئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ عورت کے نطفہ میں سینے کی ہڈیوں سے آنیوالے نطفہ کا اور مرد کے نطفہ میں پشت سے آنیوالے نطفہ کا دخل زیادہ ہو (ذکرہ البیضاوی)

اور اگر قرآن کریم کے الفاظ پر غور کیا جائے تو ان میں مرد و عورت کی کوئی تخصیص نہیں، صرف اتنا ہے کہ نطفہ پشت اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے۔ اس کا یہ مطلب بتے تکلف ہو سکتا ہے کہ نطفہ مرد و عورت دونوں کے سارے بدن سے نکلتا ہے اور سارے بدن کی تعبیر آگے پیچھے کے اہم اعضا سے کر دی گئی سامنے کے حصہ میں سینہ اور پیچھے کے حصہ میں پشت سب سے اہم اعضا ہیں۔ ان دونوں کے اندر سے نکلنے کا مطلب یہ لیا جائے کہ سارے بدن سے نکلتا ہے جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں لکھا گیا ہے۔

إِنَّ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ، رجوع کے معنی لوٹا دینے کے ہیں مطلب یہ ہے کہ جس خالق کائنات نے اول انسان کو نطفہ سے پیدا کیا ہے وہ اس کو دوبارہ لوٹا دینے یعنی مرے بعد زندہ کر دینے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے۔

يَوْمَ تَبْلُغُ السَّرَّاءُ، تبلی کے نفلی معنی امتحان لینے اور آزمانے کے ہیں اور سرائی کے معنی ہیں مخفی امور مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز انسان کے تمام عقائد و خیالات اور نیت و عزم جو دل میں پوشیدہ تھی دنیا میں

اُس کو کوئی نہ جانتا تھا اسی طرح وہ اعمال و افعال جو اُس نے چھپ کر کئے دنیا میں کسی کو اُن کی خبر نہیں، محشر میں سب کا امتحان لیا جائے گا یعنی سب کو ظاہر کر دیا جائے گا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قیامت کے روز انسان کے ہر مخفی راز کو کھول دے گا۔ ہر اچھے بُرے عقیدے اور عمل کی علامت انسان کے چہرہ پر یازینت ہو کر یا ظلمت و سیاہی کی صورت میں ظاہر کر دی جائے گی (قطبی)

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ، رَجَعُ کے معنی اُس بارش کے ہیں جو پے درپے ہو کہ ایک مرتبہ بارش ہو کر ختم ہو جائے اور پھر لوٹے۔

اِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ، یعنی قرآن کریم ایک فیصلہ کن قول ہے جو حق و باطل میں فیصلہ کرتا ہے اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قرآن کے متعلق فرمایا کتاب فیہ خبر ما قبلکم و حکم ما بعدکم و هو الفصل لیس بالہزل یعنی یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں تم سے پہلی امتوں کے حالات و اخبار ہیں اور تمہارے بعد آنیوالوں کے لئے احکام ہیں وہ فیصلہ کن قول ہے ہنسی مذاق نہیں۔

تَمَّتْ سُورَةُ الطَّارِقِ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَى ۱۷ شَوَّالِ ۱۳۹۱ھ

سُورَةُ الْأَعْلَى

سُورَةُ الْأَعْلَى مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَعَشْرَةُ آيَاتٍ
سورة اعلیٰ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی انیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللہ کے نام سے جو بید مہربان نہایت رحم والا ہے

بِسْمِ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۱) الَّذِي خَلَقَ فَسْوَی ۲) وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى ۳) وَ

یا مکی بیان کرا اپنے رب کے نام کی جو سب سے اوجہ جس نے بنایا پھر ٹھیک کیا اور جس نے ٹھہرا دیا پھر راہ بتلای اور

الَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَى ۴) فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَى ۵) سَنَقِرُّكَ فَلَا تَنْسَى ۶)

جس نے نکالا چارہ پھر کر ڈالا اس کو کوڑا سیاہ البتہ ہم پڑھائیں گے تجھ کو پھر تو نہ بھولے گا

إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۷) إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَى ۸) وَنُيْسِرُكَ لِلْيُسْرَى ۹) فَذَكَرْ ۱۰)

مگر جو چاہے اللہ وہ جانتا ہے پکارنے کو اور جو چھپا ہوا ہے اور سچ سچ پہنچائیں گے تم کو آسانی تک، سو تو سمجھانے

إِنْ تَفْعَلِ الذِّكْرَى ۱۱) سَيَذَرُكَ مَنْ يَخْشَى ۱۲) وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ۱۳)

اگر فائدہ کرے سمجھانا سمجھ جائے گا جس کو ڈر ہوگا اور کیسور ہے گا اس سے بڑا بد قسمت

الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَى ۱۴) ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى ۱۵)

وہ جو داخل ہوگا بڑی آگ میں پھر نہ مرے گا اس میں اور نہ جسے گا

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ۱۶) وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى ۱۷) بَلْ تُؤْثِرُونَ

بیشک بھلا ہوا اُسکا جو سنورا اور لیا اسنے نام اپنے رب کا پھر نماز پڑھی کوئی نہیں تم بڑھاتے ہو

الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۱۸) وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَى ۱۹) إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ

دنیا کے جینے کو اور پچھلا گھر بہتر ہے اور باقی رہنے والا یہ لکھا ہوا ہے پہلے درقوں

الْأُولَى ۱۸) صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى ۱۹)

پہلی صحیفوں میں ابراہیم کے اور موسیٰ کے

خلاصہ تفسیر

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (اور جو مومن آپ کے ساتھ ہیں) اپنے پروردگار عالیشان کے نام کی تسبیح (وقدیس) کیجئے جس نے (ہر شئی کو) بنایا پھر (اس کو) ٹھیک بنایا (یعنی ہر شئی کو مناسب طور پر بنایا) اور جس نے (جانداروں کے لئے اُن کے مناسب چیزوں کو) تجویز کیا پھر (اُن جانداروں کو اُن چیزوں کی طرف) راہ بتلائی (یعنی اُن کی طبائع میں ان اشیاء کا تقاضا پیدا کر دیا) اور جس نے (سبز خوشنما) چارہ (زمین سے) نکالا پھر اس کو سیاہ کوڑا کر دیا (اول عام تصرفات مذکور ہیں، پھر حیوانات کے متعلق پھر نباتات کے متعلق، مطلب یہ ہے کہ طاعات کے ذریعہ آخرت کی تیاری کرنا چاہیے جہاں اعمال پر جزا و سزا ہونے والی ہے اور اسی طاعت کا طریقہ بتلانے کے لئے ہم نے قرآن نازل کیا ہے اور آپ کو اس کی تبلیغ کے لئے مامور کیا ہے سو اس قرآن کی نسبت ہم وعدہ کرتے ہیں کہ) ہم (جتنا) قرآن (نازل کرتے جاویں گے) آپ کو پڑھا دیا کریں گے (یعنی یاد کرادیا کریں گے) پھر آپ (اُس میں سے کوئی جز) نہیں بھولیں گے مگر جس قدر (بھلانا) اللہ کو منظور ہو (کہ نسخ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کما قال تعالیٰ مَا نَنْسِيْ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنْشِئُهَا) سو وہ البتہ آپ کے اور سب کے ذہنوں سے فراموش کر دیا جاوے گا، اور یہ یاد رکھنا اور فراموش کر دینا سب قرین حکمت ہو گا کیونکہ وہ ہر ظاہر اور مخفی کو جانتا ہے (اس لئے اُس سے کسی چیز کی مصلحت مخفی نہیں، تو جب کسی چیز کا محفوظ رکھنا مصلحت ہوتا ہے محفوظ رکھتے ہیں، اور جب بھلا دینا مصلحت ہوتا ہے تو بھلا دیتے ہیں) اور (جیسا ہم آپ کے لئے قرآن کا یاد ہونا آسان کر دیں گے اسی طرح) ہم اس آسان (شرعیّت کے ہر حکم پر چلنے) کے لئے آپ کو سہولت دیدیں گے (یعنی سمجھنا بھی آسان ہو گا اور عمل بھی آسان ہو گا اور تبلیغ بھی آسان ہو جاوے گی اور مزاحمتوں کو دفع کر دیں گے، اور شرعیّت کی صفت یُسْرٰی لانا بطور مدح کے ہے یا اس لئے کہ وہ سبک یُسْرٰی کا، اور جب ہم آپ کے لئے وحی کے متعلق ہر کام آسان کر دینے کا وعدہ کرتے ہیں) تو آپ (جس طرح خود تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اُس طرح دوسروں کو بھی) نصیحت کیا کیجئے اگر نصیحت کرنا مفید ہوتا ہو (مگر جیسا کہ ظاہر اور معلوم ہے کہ نصیحت اپنی ذات میں ہمیشہ مفید ہی ہوتی ہے کما قال تعالیٰ فَاِنَّ الدِّكَرَ لَیْ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ حاصل یہ ہوا کہ جب نصیحت نفع کی چیز ہے تو آپ نصیحت کرنیکا اہتمام کریں، مگر باوجود اسکے کہ نصیحت اپنی ذات میں نافع و مفید ہی اس سے یہ نہ سمجھئے کہ وہ سب ہی کے لئے مفید ہوگی اور سب ہی اُس کو مان لیں گے بلکہ) وہی شخص نصیحت مانتا ہے جو (خدا سے) ڈرتا ہے اور جو سخت بد نصیب ہو وہ اُس سے گریز کرتا ہے جو (آخر کار) بڑی آگ میں (یعنی آتش دوزخ میں جو دنیا کی سب آگوں سے بڑی ہے) داخل ہو گا پھر (اس سے بڑھ کر یہ کہ) نہ اس میں مر ہی جاوے گا اور نہ (آرام کی زندگی) جنے گا (یعنی جس جگہ نصیحت قبول کرنے کی شرط موجود نہیں ہوتی وہاں اگرچہ اُسکا اثر ظاہر نہ ہو مگر نصیحت فی نفسہ نافع و مفید ہی ہے، اور آپ کے ذمہ اُسکے واجب ہونے کے لئے یہی کافی ہے۔ خلاصہ اول سورت سے یہاں تک کا یہ ہوا کہ آپ اپنی بھی تکمیل کیجئے اور دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ کیجئے کہ ہم آپ کے معادوں میں

آگے اس کی تفصیل ہے کہ اللہ سے ڈرنے والے نصیحت سے فائدہ اٹھاتے ہیں) بامراد ہوا جو شخص (قرآن منکر عقائد باطلہ اور اخلاقِ رذیلہ سے) پاک ہو گیا اور اپنے رب کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا (مگر اے منکر و تم قرآن منکر اسکو نہیں مانتے اور آخرت کا سامان نہیں کرتے) بلکہ تم دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو حالانکہ آخرت (دنیا سے) بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے (اور یہ مضمون صرف قرآن ہی کا دعویٰ نہیں بلکہ) یہ مضمون اگلے صحیفوں میں بھی ہے، یعنی ابراہیم و موسیٰ (علیہما السلام) کے صحیفوں میں (روح المعانی میں عبد بن حمید کی روایت سے حدیث مرفوعہ مذکور ہے کہ ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے نازل ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام پر تورات کے نزول سے پہلے دس صحیفے نازل ہوئے)

معارف و مسائل

مسئلہ۔ علمائے فرمایا ہے کہ قاری جب سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى کی تلاوت کرے تو مستحب ہے کہ یہ کہے سُبْحَانَ رَبِّيَّ الْأَعْلَى، صحابہ کرام حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، ابو موسیٰ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہی معمول تھا کہ جب یہ سورت شروع کرتے تو سُبْحَانَ رَبِّيَّ الْأَعْلَى کہا کرتے تھے (قطبی) یعنی نماز کے سوا جب تلاوت کریں تو ایسا کہنا مستحب ہے۔

مسئلہ۔ حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ سے روایت ہے کہ جب سورہ سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اجعلوہا فی سجود کہ یعنی یہ کلمہ سُبْحَانَ رَبِّيَّ الْأَعْلَى اپنے سجدہ میں کہا کرو سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، تسبیح کے معنی پاک رکھنے اور پاکی بیان کرنے کے ہیں سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ کے معنی یہ ہیں کہ اپنے رب کے نام کو پاک رکھئے۔ مراد یہ ہے کہ رب کے نام کی تعظیم و تکریم کیجئے اور جب اللہ کا نام لیں تو خشوع خضوع اور ادب کا لحاظ رکھئے، اور ہر ایسی چیز سے اُس کے نام کو پاک رکھئے جو اس کے شایاں نہیں، اسمیں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف ان ناموں سے پکارئے جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بیان فرمائے ہیں یا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلائے ہیں انکے سوا کسی اور نام سے اسکو پکارنا جائز نہیں۔

مسئلہ۔ اسی طرح اس حکم میں یہ بھی داخل ہے کہ جو نام اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے وہ کسی مخلوق کیلئے استعمال کرنا اس کی تزیہ و تقدیس کے خلاف ہے اسلئے جائز نہیں (قطبی) جیسے رحمن، رزاق، غفار، قدوس وغیرہ آجکل اس معاملے میں غفلت بڑھتی جا رہی ہے، لوگوں کو ناموں کے انحصار کا شوق ہے، عبد الرحمن کو رحمن، عبد الرزاق کو رزاق، عبد الغفار کو غفار بے تکلف کہتے رہتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اسکا کہنے والا اور سُننے والا دونوں گنہگار ہوتے ہیں، اور یہ گناہ بے لذت رات دن بلا وجہ ہوتا رہتا ہے۔ اور بعض حضرات مفسرین نے اس جگہ اسم سے مراد خود مسمیٰ کی ذات مراد لی ہے اور عربی زبان کے اعتبار سے اس کی گنجائش بھی ہے اور قرآن کریم میں بھی اس معنی کے لئے استعمال ہوا ہے، اور حدیث میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلمہ کو نماز کے سجدے میں پڑھنے کا حکم دیا اُس کی تعمیل میں جو کلمہ اختیار کیا گیا وہ سُبْحَانَ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى نہیں بلکہ سُبْحَانَ

ربّی الاعلیٰ ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس جگہ مقصود نہیں خود بخود مراد ہے (خطیبی) واللہ اعلم
 تخلیق کائنات میں لطیف اور دقیق حکمتیں **الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ**، یہ سب ربّ الاعلیٰ کی صفات
 کا ذکر ہے جو تخلیق کائنات میں اُس کی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ کے مشاہدہ سے متعلق ہیں انہیں پہلی صفت خَلَقَ ہے
 خلق کے معنی محض صنعت گری کے نہیں بلکہ عدم سے بغیر کسی مادہ سابقہ کے وجود میں لانا ہے اور یہ کام کسی مخلوق
 کے بس میں نہیں صرف حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ ہے کہ بغیر کسی سابق مادہ کے جب چاہتے ہیں اور جس چیز
 کو چاہتے ہیں عدم سے وجود میں لے آتے ہیں۔ دوسری صفت اس تخلیق ہی کیساتھ وابستہ فسَوَّىٰ ہے جو تسویہ سے
 مشتق ہے اور اس کے نفی معنی برابر کرنے کے ہیں اور مراد برابر کرنے سے یہ ہے کہ ہر چیز کو جو وجود عطا فرمایا اسکی
 جسامت اور شکل و صورت اور اعضاء و اجزاء کی وضع و ہیئت میں ایک خاص تناسب ملحوظ رکھ کر یہ وجود بخشا
 گیا ہے، انسان اور ہر جانور کو اُس کی ضروریات کے مناسب اعضاء دیئے گئے اور اُن اعضاء کی جسامت
 اور وضع و ہیئت اُس کی ضروریات کے مناسب بنائی گئی ہیں، ہاتھ پاؤں اور اُن کی انگلیوں کے پوروں نہیں ایسے
 جوڑ رکھے اور قدرتی اسپرنگ لگائے کہ وہ ہر طرف موڑے توڑے اور رتہ کئے جاسکتے ہیں، اسی طرح دوسرے ایک
 ایک عضو کو دیکھو یہ حیرت انگیز تناسب خود انسان کو خالق کائنات کی حکمت و قدرت پر ایمان لائیکے لئے کافی ہے۔
 تیسری چیز اسی سلسلے میں فُسَوَّىٰ قَدَّرَ، تقدیر کے معنی کسی چیز کو خاص انداز سے پر بنانے اور باہمی موازنہ
 کے بھی آئے ہیں اور بمعنی قضا و قدر بھی استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہر چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور خاص
 تجویز کے ہیں، اس آیت میں یہی معنی مراد ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی چیزوں کو صرف پیدا کر کے او
 بنا کر نہیں چھوڑ دیا بلکہ ہر چیز کو کسی خاص کام کے لئے پیدا کیا اور اسکے مناسب اسکو وسائل دیئے اور اُسی کام میں اسکو
 لگا دیا، غور کیا جائے تو یہ بات کسی خاص جنس یا نوع مخلوق کے لئے مخصوص نہیں، ساری ہی کائنات اور مخلوقات
 ایسی ہیں کہ اُن کو اللہ تعالیٰ نے خاص خاص کاموں کے لئے بنایا ہے اور اُن کو اُسی کام میں لگا دیا ہے، ہر چیز اپنے
 رب کی مقرر کردہ ڈیوٹی پر لگی ہوئی ہے۔ آسمان اور اُس کے ستارے برق و باران سے لیکر انسان و حیوان اور نباتات
 و جمادات سب میں اسکا مشاہدہ ہوتا ہے کہ جسکو جس کام پر خالق نے لگا دیا وہ اسپر لگا ہوا ہے۔ ابرو باد و مہو خورشید و فلک کا رند
 اور مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ۵

بامں و تو مُردہ با حق زندہ اند

خاک باد و آب و آتش بندہ اند

خصوصاً انسان اور حیوان کے ہر نوع و صنف کو حق تعالیٰ نے جن خاص خاص کاموں کے لئے پیدا فرمایا ہے وہ

قدرتی طور پر اسی کام میں لگے ہوئے ہیں، اُن کی رغبت و شوق سب اُسی کام کے گرد گھومتا ہے ۵

میل اورا در دلش انداختند

ہر یکے را بہر کارے ساختند

چوتھی چیز یہ فرمائی فہدای یعنی خالق کائنات نے جس چیز کو جس کام کے لئے پیدا فرمایا اسکو اسکی ہدایت

بھی فرمادی کہ وہ کس کس طرح اس کام کو انجام دے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ہدایت تمام کائنات و مخلوقات کو

شامل ہے آسمان اور آسمانی مخلوقات ہوں یا زمین اور اُس کی مخلوقات کیونکہ ایک خاص قسم کی عقل و شعور اللہ تعالیٰ نے اُن کو بھی دیا ہے گو وہ انسان کے عقل و شعور سے کم ہو جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیت میں ارشاد ہے أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقًا ثُمَّ هَدَىٰ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کر کے ایک وجود بخشا پھر اس کو اسکے متعلقہ کام کی ہدایت کر دی اسی ہدایت عامہ کا اثر ہے کہ آسمان و زمین ستارے اور سیارات پہاڑ اور دریا سب کے سب جس خدمت پر اَوَّل خلقت سے مامور کر دیئے گئے اُس خدمت کو ٹھیک ٹھیک اسی طرح بغیر کسی کمی کوتاہی یا سستی کے بجالاتے ہیں خصوصاً انسان اور حیوانات جن کا عقل و شعور ہر وقت مشاہدہ میں آتا ہے ان میں بھی غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہیں سے ہر نوع ہر صنف بلکہ ہر فرد کو حق تعالیٰ نے اپنی ضروریات زندگی حاصل کرنے اور اپنے مخالف چیزوں کو دفع کرنے کے لئے کیسے کیسے دقیق ہنر سکھائے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، انسان تو سب سے زیادہ عقل و شعور والا، جنگل کے جانوروں، درندوں، پرندوں اور حشرات الارض کو دیکھو کہ ہر ایک کو اپنی ضروریات زندگی حاصل کرنے اور رہنے بسنے اور اپنی انفرادی اور جنسی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کیسے کیسے ہنر سکھائے ہیں اور یہ سب بلا واسطہ تعلیم خالق کائنات کی طرف سے ہے، انھوں نے کسی اسکول کالج میں رہ کر یا کسی استاد سے یہ چیزیں نہیں سیکھیں بلکہ یہ سب اسی ہدایت عامہ اور تلقین ربانی کے ثمرات ہیں جسکا ذکر آیت أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقًا ثُمَّ هَدَىٰ اور اس سورت کی قَدْ رَفَعْنَا میں فرمایا ہے۔

انسان کو سائنسی تعلیم بھی | انسان جس کو حق تعالیٰ نے عقل و شعور سب سے زیادہ مکمل عطا فرمایا اور اس کو مخدوم کائنات درحقیقت عطا ئے ربانی ہو | بنایا ہے تمام زمین اور پہاڑ اور دریا اور اُن میں پیدا ہونے والی اشیاء انسان کی خدمت اور اسکے نفع کے لئے پیدا ہوئی ہیں مگر اُن سے پورا پورا فائدہ اُٹھانا اور مختلف قسم کے منافع حاصل کرنا اور مختلف چیزوں کو جوڑ کر ایک نئی چیز پیدا کر لینا یہ بڑے علم و ہنر کو چاہتا ہے قدرت نے انسان کے اندر فطری طور پر عقل و فہم رکھا ہے کہ پہاڑوں کو کھود کر دریاؤں میں غوطہ لگا کر سیکڑوں معدنی اور دریائی چیزیں حاصل کر لیتا ہے اور پھر لکڑی، لوہے، تانبے، پیتل وغیرہ کو باہم جوڑ کر ان سے نئی نئی چیزیں اپنی ضرورت کی بنا لیتا ہے اور یہ علم و ہنر فلاسفہ کی تحقیقات اور کالجوں کی تعلیمات پر موقوف نہیں، ابتدائے دنیا سے اُن پڑھ جاہل یہ سب کام کرتے آئے ہیں، اور یہی فطری سائنس ہے جو حق تعالیٰ نے انسان کو فطرۃً بخشی ہے آگے فنی اور علمی تحقیقات کے ذریعہ اس میں ترقی کرنے کی استعداد بھی اسی قدرت ربانی کا عطیہ ہے۔

یہ سب جانتے ہیں کہ سائنس کسی چیز کو پیدا نہیں کرتی بلکہ قدرت کی پیدا کردہ اشیاء کا استعمال سکھاتی ہے اور اس استعمال کا ادنیٰ درجہ تو حق تعالیٰ نے انسان کو فطرۃً سکھا دیا ہے، آگے اس میں فنی تحقیقات اور ترقی کا بڑا وسیع میدان رکھا ہے اور انسان کی فطرت میں اسکے سمجھنے کی استعداد و صلاحیت رکھی ہے جس کے مظاہر اس سائنسی دور میں روز نئے سامنے آرہے ہیں اور معلوم نہیں آگے اس سے بھی زیادہ کیا کیا سامنے آئے گا غور کرو تو یہ سب ایک لفظ قرآن فہدای کی شرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان سب کاموں کا راستہ دکھایا، اور

اُس میں اُن کے پورا کر لینے کی استعداد عطا فرمائی مگر افسوس ہے کہ سائنس میں ترقی کرنے والے اس حقیقت سے اور زیادہ نا آشنا بلکہ اندھے ہوتے جا رہے ہیں۔

وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَىٰ، مرعی کے معنی چراگاہ کے ہیں جہاں چوپائے جانور چرتے ہیں اور غثاء اُس کوڑے کرکٹ کو کہتے ہیں جو پانی کے سیلاب میں اُوریا جاتا ہے۔ احوی، حوۃ سے مشتق ہے گہری سبزی میں جو ایک قسم کی سیاہی آجاتی ہے اسکو حوت کہتے ہیں، اس آیت میں حق تعالیٰ نے نباتات سے متعلق کچھ اپنی قدرت و حکمت کا بیان فرمایا ہے کہ زمین سے سرسبز گھاس بھالی پھر اسکو خشک کر کے سیاہ رنگ کر دیا وہ سرسبز جاتی رہی، اس میں انسان کو اس کے انجام کی طرف بھی اشارہ ہے کہ حییم کی شادابی خوبصورتی اور پستی چالاکی حق تعالیٰ کا عطیہ ہے مگر انجام کار پھر اس سب کو ختم ہونا ہے۔

سَنَقِرُ لَكَ فَلَا تَنْشَىٰ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ، سابقہ آیات میں حق تعالیٰ نے اپنی قدرت و حکمت کے چند مظاہر بیان فرمائیکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے فریضہ پیغمبری کی طرف چند ہدایات دی ہیں اور ہدایات سے پہلے آپ کے کام کو آسان کر دینے کی خوشخبری سنائی ہے وہ یہ کہ ابتدا میں جب آپ پر قرآن نازل ہوتا اور جبریل امین کوئی آیت قرآن سناتے تو آپ کو یہ فکر ہوتی تھی کہ ایسا نہ ہو کہ الفاظ آیت ذہن سے نکل جائیں اسلئے جبریل امین کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ آپ بھی الفاظ قرآن پڑھتے جاتے تھے۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ کام یعنی قرآن کا یاد کر دینا اپنے ذمہ لے لیا اور آپ کو بے فکر کر دیا کہ جبریل امین کے چلے جانے کے بعد آیات قرآن کا آپ سے صحیح صحیح پڑھو ادینا پھر اُن کو یاد میں محفوظ کر دینا ہماری ذمہ داری ہے آپ فکر نہ کریں جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ فَلَا تَنْشَىٰ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ یعنی آپ قرآن کی کوئی چیز بھولیں گے نہیں بجز اس کے کہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمت و مصلحت کی بنا پر آپ کے ذہن سے بھلا دینا اور محو کر دینا چاہیں، مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو بعض آیات قرآن کو منسوخ فرماتے ہیں اسکا ایک طریقہ تو معروف ہے کہ صاف حکم پہلے حکم کیخلاف آگیا، اور ایک صورت منسوخ کرنے کی یہ بھی ہے کہ اُس آیت ہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب مسلمانوں کے ذہنوں سے محو اور فراموش کر دیا جائے جیسا کہ نسخ آیات قرآنی کے بیان میں فرمایا ہے فَاَنْتَسَيْنَا مِنْ آيَاتِهِ اَوْ نُنْسِيْهَا یعنی ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یا آپ کے ذہن سے بھلا دیتے ہیں انہ اور بعض حضرات نے إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ کے استثناء کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مصلحت اور حکمت کی بنا پر عارضی طور سے کوئی آیت آپ کے ذہن سے بھلا دیا پھر یاد آجائے جیسا کہ بعض روایات حدیث میں ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی سورت تلاوت فرمائی جس میں ایک آیت پڑھنے سے رہ گئی، حضرت ابی بن کعب جو کاتب وحی تھے انھوں نے یہ سمجھا کہ شاید یہ آیت منسوخ ہو گئی مگر جب آپ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ منسوخ نہیں مجھ سے ہوا ترک ہو گئی (قرطبی) تو حاصل اس استثناء کا یہ ہوگا کہ وقتی اور عارضی طور پر کسی آیت کا بھول جانا اور پھر بدستور یاد آ جانا اس وعدے کے منافی نہیں، واللہ اعلم

وَنُنَسِّيْكَ لِلْبَشَرِ، لفظی ترجمہ اسکا یہ ہے کہ ہم آپ کو طریقہ نسیی کے لئے آسان کر دیں گے، طریقہ نسیی سے مراد نسیی ہے اسلام ہے بظاہر مقتضائے مقام یہ تھا کہ یہ فرمایا جاتا کہ ہم اس طریقہ اور شریعت کو آپ کے لئے آسان کر دیں گے مگر قرآن کریم نے اسکو چھوڑ کر یہ فرمایا کہ ہم آپ کو اس طریقہ کے لئے آسان کر دیں گے حکمت اس میں یہ بتلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو طبعی

اور مادی طور پر ایسا بنادیں گے کہ شریعت آپکی طبیعت بنجائے اور آپ شریعت کے سانچے میں ڈھل جائیں۔

قَدْ كَرِهَ اللَّهُ لَكَ ذَٰلِكَ، سابقہ آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپکے فریضہ پیغمبری کے اوکر نہیں حق تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی سہولتوں کا بیان تھا، اس آیت میں آپکو اس فریضہ کی ادائیگی کا حکم ہے اور معنی الفاظ آیت کے یہ ہیں کہ آپ لوگوں کو تبلیغ و نصیحت کیجئے اگر نصیحت نفع دیتی ہو، یہ الفاظ اگرچہ شرط کے آئے ہیں مگر درحقیقت مقصود کوئی شرط نہیں بلکہ اسکا تاکید ہی حکم دینا ہے جس کی مثال ہمارے عرف میں یہ ہے کہ کسی شخص کو بطور تنبیہ کے کہا جائے کہ اگر تو آدمی ہے تو فلاں کام کرنا ہو گا یا اگر تو فلاں کا بیٹا ہے تو تجھے ایسا کرنا چاہیے۔ یہاں مقصود شرط نہیں ہوتی بلکہ اسکا اظہار ہوتا ہے کہ جب تو آدمی زاد ہے یا جبکہ تو فلاں بزرگ یا شریف آدمی کا بیٹا ہے تو تجھ پر یہ کام لازم ہے مطلب یہ ہے کہ نصیحت و تبلیغ کا نافع و مفید ہونا تو متیقن اور متیقن ہے اسلئے اس نافع چیز کو آپ کسی وقت نہ چھوڑیں، قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى، تزکی، زکوٰۃ سے مشتق ہے جس کے اصل معنی پاک کر دینے کے ہیں مال کی زکوٰۃ کو بھی اسلئے زکوٰۃ کہتے ہیں کہ وہ باقی مال کو انسان کے لئے پاک کر دیتی ہے یہاں لفظ تزکی کا مفہوم عام ہے جس میں ایمانی اور اخلاقی تزکیہ طہارت بھی داخل ہے اور مال کی زکوٰۃ دینا بھی ہے۔ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى، یعنی اپنے رب کا نام لیتا اور نماز پڑھتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس میں ہر قسم کی نماز فرض و نفل شامل ہے، بعض مفسرین نے جو خاص نماز عید سے اسکی تفسیر کی ہے وہ بھی آہیں داخل ہے۔ بَلْ تُؤَخَّرُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ عام لوگوں میں دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی نعمت و راحت تو نقد و حاضر ہے اور آخرت کی نعمت و راحت نظروں سے غائب اور ادھار ہے حقیقت سے نا آشنا لوگوں نے حاضر کو غائب پر اور نقد کو ادھار پر ترجیح دیدی جو انکے لئے دائمی خسارہ کا سبب بنی، اسی خسارے سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ آخرت کی نعمتوں، راحتوں کو ایسا واضح کر دیا کہ گویا وہ حاضر و موجود ہیں اور یہ بتلا دیا کہ جس چیز کو تم نقد سمجھ کر اختیار کرتے ہو یہ متاع کا سد و ناقص اور بہت جلد فنا ہو جائیگا والا ہے عقلمند کا کام نہیں کہ ایسی چیز پر اپنا دل ڈالے اور اُس کے لئے اپنی توانائی صرف کرے اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے آگے ارشاد فرمایا وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقٰی، دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والوں کو تنبیہ ہے کہ ذرا عقل سے کام لو، کس چیز کو اختیار کر رہے اور کس کو چھوڑ رہے ہو دنیا جس پر تم فریفتہ ہو اول تو اسکی بڑی سے بڑی راحت و لذت بھی سُنج و غم اور کلفت و مشقت کی آمیزش سے خالی نہیں دوسرے اسکا کوئی قرار و ثبات نہیں، آج کا بادشاہ کل کا فقیر، آج کا جوان شہ زور کل کا ضعیف و عاجز ہونا رات دن دیکھتے ہو۔ بخلاف آخرت کے کہ وہ ان دونوں عیبوں سے پاک ہے اُس کی ہر نعمت و راحت خیر ہی خیر ہے اور دنیا کی نعمت و راحت سے اسکو کوئی نسبت نہیں اور اس سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ ابقی ہے یعنی ہمیشہ رہنے والی ہے۔ انسان ذرا غور کرے کہ اگر اُس کو کہا جائے کہ تمہارے سامنے دو مکان ہیں، ایک عالیشان محل اور جگہ تمام ساز و سامان سے آراستہ ہے اور دوسرا ایک معمولی کچا مکان ہے اور یہ سامان بھی اُس میں نہیں تمہیں ہم اختیار دیتے ہیں کہ یا تو یہ جگہ لے لو مگر صرف مہینہ دو مہینہ کیلئے اسکے بعد اسے خالی کرنا ہوگا، یا یہ کچا مکان

لیلو جو مختاری دائمی ملکیت ہوگی تو عقلمند انسان ان دونوں میں کس کو ترجیح دے گا، اسکا مقتضا تو یہ ہے کہ آخرت کی نعمتیں اگر بالفرض ناقص اور دنیا سے کم درجہ کی بھی ہوں مگر انکے دائمی ہونے کی وجہ سے وہی قابل ترجیح تھیں اور جبکہ وہ نعمتیں دنیا کی نعمتوں کے مقابلے میں خیر اور افضل اور اعلیٰ بھی ہیں اور دائمی بھی تو کوئی احمق بد نصیب ہی انکو چھوڑ کر دنیا کی نعمت کو ترجیح دے سکتا ہے۔

إِنَّ هَذَا لَنَبِيٍّ لِّظُفْرِ الْأَوَّلَىٰ صُحُفٍ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ یعنی اس سورت کے سب مضامین یا آخری مضمون یعنی آخرت کا یہ نسبت دنیا کے خیر اور البقی ہونا پچھلے صحیفوں میں بھی موجود تھا جسکا بیان آگے یہ فرمایا کہ حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں یہ مضمون تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات سے پہلے کچھ صحیفے بھی دیئے گئے تھے وہ مراد ہیں اور ہو سکتا ہے کہ صحیفہ موسیٰ سے تورات ہی مراد ہو۔

صحیفہ ابراہیمی کے مضامین | آجری نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے کیسے اور کیا تھے آپ نے فرمایا کہ ان صحیفوں میں امثال عبرت کا بیان تھا، ان میں سے ایک مثال میں ظالم بادشاہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے لوگوں پر مسلط ہو جانے والے مغرور مبتلی! میں نے تجھے حکومت اس لئے نہیں دی تھی کہ تو دنیا کا مال پر مال جمع کرتا چلا جائے بلکہ میں نے تو تجھے اقتدار اس لئے سونپا تھا کہ تو مظلوم کی بددعا بھٹکنے پہنچنے دے کیونکہ میرا قانون یہ ہے کہ میں مظلوم کی دعا کو رد نہیں کرتا اگرچہ وہ کافر کی زبان سے نکلی ہو۔

اور ایک مثال میں عام لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ عقلمند آدمی کا کام یہ ہے کہ اپنے اوقات کے تین حصے کرے ایک حصہ اپنے رب کی عبادت اور اُس سے مناجات کا ہو، دوسرا حصہ اپنے اعمال کے محاسبہ کا اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت و صنعت میں غور و فکر کا، تیسرا حصہ اپنی ضروریات معاش چل کرنے اور طبعی ضرورتیں پورا کرنے کا۔

اور فرمایا کہ عقلمند آدمی پر لازم ہے کہ اپنے زمانے کے حالات سے واقف رہے اور اپنے مقصود کام میں لگا رہے اپنی زبان کی حفاظت کرے، اور جو شخص اپنے کلام کو اپنا عمل سمجھ لے گا اسکا کلام بہت کم صرف ضروری کاموں میں رہ جائیگا۔

صحیفہ موسیٰ علیہ السلام کے مضامین | حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کیا کہ صحیفہ موسیٰ علیہ السلام میں کیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ ان میں سب عبرتیں ہی عبرتیں تھیں جن میں سے چند کلمات یہ ہیں :-

مجھے تعجب ہے اُس شخص پر جس کو مرنے کا یقین ہو پھر وہ کیسے خوش رہتا ہے، اور مجھے تعجب ہے اُس شخص پر جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہو وہ کیسے عاجز و درماندہ اور غمگین ہو اور مجھے تعجب ہے اُس شخص پر جو دنیا اور اس کے انقلابات اور لوگوں کے عروج و زوال کو دیکھتا ہے وہ کیسے دنیا پر مطمئن ہو بیٹھتا ہے، اور مجھے تعجب ہے اُس شخص پر جس کو آخرت کے حساب پر یقین ہو وہ کیسے عمل کو چھوڑ بیٹھتا ہے، حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے پھر یہ سوال کیا کہ کیا ان صحیفوں میں سے کوئی چیز آپ کے پاس آئینہ الی وحی میں بھی ہے آپ نے فرمایا اے ابوذرؓ یہ آیتیں پڑھو قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ

آخر سورہ اعلیٰ تک (قرطبی)

تَمَّتْ سُورَةُ الْأَعْلَىٰ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَىٰ لَيْلَةَ يَوْمِ الْاِحْدَىٰ ۱۸ شَعْبَانَ ۱۳۹۱ھ

سُورَةُ الْغَاشِيَةِ

سُورَةُ الْغَاشِيَةِ فَكَيْتَا وَرَهَى سِتُّونَ كَثِيرُونَ آيَاتٍ
سورہ غاشیہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھبیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ۝۱ وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝۲ عَامِلَةٌ تَأْسِبُ ۝۳

کچھ پہنچی تجھ کو بات اُس بھپالیئے والی کی کتنے منہ اُسدن ذلیل ہونے والے ہیں محنت کرنے والے تھکے ہوئے

تَصَلَّى نَارًا حَامِيَةً ۝۴ تَسْقَى مِنْ عَيْنٍ أِنِيَّةٍ ۝۵ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا

گرمی کے دہکتی ہوئی آگ میں پانی ملے گا ایک چشمے کھولتے ہوئے کا نہیں اُن کے پاس کھانا مگر

مِنْ ضَرِيعٍ ۝۶ لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ۝۷ وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاعِمَةٌ ۝۸

جھاڑ کانٹوں والا نہ موٹا کرے اور نہ کام آئے بھوک میں کتنے منہ اس دن تروتازہ ہیں

لِسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝۹ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝۱۰ لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاحِظٌ ۝۱۱ فِيهَا

اپنی کھائی سے راضی اونچے باغ میں نہیں سنتے اسیں بکواس اسیں

عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝۱۲ فِيهَا سُرُرٌ مَرْفُوعَةٌ ۝۱۳ وَأَكْوَابٌ مَوْضُوعَةٌ ۝۱۴ وَ

ایک چشمہ ہے بہتا اسیں تخت ہیں اونچے بچھے ہوئے اور آبخورے سامنے بچھے ہوئے اور

نَمَارِقٌ مَصْفُوفَةٌ ۝۱۵ وَزَرَائِبُ مَبْنُوتَةٌ ۝۱۶ أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَىٰ لِإِيلِ

غالیچے برابر بچھے ہوئے اور منجھل کے نہاچے جگہ جگہ پھیلے ہوئے بھلا کیا نظر نہیں کرتے اونٹوں پر

كَيْفَ خُلِقَتْ ۝۱۷ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝۱۸ وَإِلَىٰ جِبَالٍ كَيْفَ

کہ کیسے بنائے ہیں اور آسمان پر کہ کیسا اُس کو بلند کیا ہے اور پہاڑوں پر کہ کیسے کھڑے

نُصِبَتْ ۝۱۹ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝۲۰ فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ

کر دیئے ہیں اور زمین پر کہ کیسی صاف بچھائی ہے سو تو سمجھائے جا تیرا کام تو یہی

مَذَرُوا ۝ لَسْتُ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝ اِلَّا مَنْ تَوَلَّىٰ وَكُفِرَ ۝ فَيُعَذِّبُهُ

سمجھاتا ہے تو نہیں ان پر دارونہ مگر جس نے منہ موڑا اور منکر ہو گیا تو عذاب کرے گا

اللَّهُ الْعَذَابُ الْاَكْبَرُ ۝ اِنَّ الْبِنَاءَ اِيَّاهُمْ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۝

اُس پر اللہ وہ بڑا عذاب بیشک ہمارے پاس ہے اُن کو پھر آنا، پھر بیشک ہمارا ذمہ ہے اُن سے حساب لینا

خلاصہ تفسیر

آپ کو اس محیط عام واقعہ کی کچھ خبر پہنچی ہے (مراد اس واقعہ سے قیامت ہے کہ تمام عالم کو اس کا اثر محیط ہوگا اور مقصود اس استفہام سے تشوہی ہے جس سے کلام کے سُنے کا اہتمام پیدا ہوا، آگے بصورت جواب اس خبر کی تفصیل ہے یعنی) بہت سے چہرے اُس روز ذلیل اور مصیبت جھیلنے خستہ (اور در ماندہ) ہونگے (اور) آتش سوزاں میں داخل ہونگے اور کھولتے ہوئے چشمے سے پانی پلائے جا دیں گے اور ان کو بحر ایک خاردار جھاڑ کے اور کوئی کھانا نصیب نہ ہوگا جو نہ (تو کھانے والوں کو) فریبہ کرے (اُن کی) بھوک کو دفع کرے (یعنی نہ اس میں غذا بننے کی صلاحیت ہے نہ بھوک دفع کرنے کی، اور مصیبت جھیلنے سے مراد حشر میں پریشان پھرنا اور دوزخ میں سلاسل اور اعدال کو لادنا، دوزخ کے پہاڑوں پر چڑھنا اور اس کے اثر سے خشکی ظاہر ہے۔ اور کھولتا ہوا چشمہ ہی جس کو دوسری آیتوں میں جمیم فرمایا ہے اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اس کا بھی چشمہ ہوگا، اور یہ فرمانا کہ اس کا طعام بحر صریح کے اور نہ ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی لذیذ کھانا نہیں ہوگا، صریح ہی کی طرح زقوم یا غسلین کا اسکے کھانے میں شامل ہونا اسکے منافی نہیں، اور چہروں سے مراد اصحاب چہرہ ہیں یہ تو دوزخیوں کا حال ہوا، آگے اہل جنت کا حال ہے یعنی) بہت سے چہرے اُس روز بارونق (اور) اپنے نیک کاموں کی بدولت خوش ہونگے اور بہشت بریں میں ہونگے جن میں کوئی لغوبات نہ سنیں گے (اور) اس (بہشت) میں بہتے ہوئے چشمے ہونگے (اور) اس (بہشت) میں اپنے اپنے تخت (بچھے) ہیں اور رکھے ہوئے آبخورے (موجود) ہیں (یعنی یہ سامان اسکے سامنے ہی موجود ہوگا تاکہ جب پانی کو جی چاہے دیر نہ لگے) اور برابر لگے ہوئے گدے (تیکے) ہیں اور سب طرف قالین (ہی قالین) پھیلے پڑے ہیں (کہ جہاں چاہیں آرام کر لیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا بھی نہ پڑے یہ تفصیل ہوگئی جزا کی اور ان مضامین کو سن کر جو بعض لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں جن میں یہ سب واقعات ہونگے تو اُن کی غلطی ہے کیونکہ) کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح (عجیب طور پر) پیدا کیا گیا ہے (کہ ہنیت اور حسیت دونوں بہ نسبت دوسرے جانوروں کے اس میں عجیب ہیں) اور آسمان کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح کھڑے کئے گئے اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بچھائی گئی ہے (یعنی ان چیزوں کو دیکھ کر قدرت الہیہ پر استدلال نہیں کرتے تاکہ اس کا باعث یعنی قیامت پر قادر ہونا سمجھ لیتے اور تخصیص ان چار چیزوں کی اس لئے ہر کہ عرب کے لوگ اکثر جنگلوں میں چلتے پھرتے رہتے تھے اس وقت ان کے سامنے اونٹ ہوتے تھے اور اوپر آسمان

اور نیچے زمین اور اطراف میں پہاڑ اسلئے ان علامات میں غور کرتے کیلئے ارشاد فرمایا گیا اور جب یہ لوگ باوجود قیام دلائل کے غور نہیں کرتے تو آپ بھی ان کی فکر میں زیادہ نہ پڑیئے بلکہ صرف نصیحت کر دیا کیجئے (کیونکہ آپ تو بس صرف نصیحت کرنوالے ہیں اور آپ ان پر مسلط نہیں ہیں) جو زیادہ فکر میں پڑیں) ہاں مگر جو روگردانی اور کفر کر گیا تو خدا اس کو آخرت میں بڑی سزا دیگا کیونکہ ہمارے ہی پاس اُن کا آنا ہوگا پھر ہمارا ہی کام اُن سے حساب لینا ہے (آپ زیادہ غم میں نہ پڑیئے۔)

معارف و مسائل

وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ قِيَامَتٌ فِيهِ دَوْنُ فَرَقٍ مَوْنٌ وَكَافِرٌ لَّكَ هُوَ جَانِبٌ
 اُنکے چہرے الگ الگ پہچانے جائیں گے۔ اس آیت میں کافروں کے چہروں کا ایک حال یہ بتلایا ہے کہ وہ خاشعہ ہونگے، خشوع کے معنی جھکنے اور ذلیل ہونے کے ہیں۔ نماز میں خشوع کا یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکے اور ذلت و پستی کے آثار اپنے وجود پر طاری کرے جن لوگوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع و تذلل اختیار نہیں کیا اس کی سزا اُن کو قیامت میں یہ ملے گی کہ وہاں اُنکے چہروں پر ذلت اور رُسوائی کے آثار نمایاں ہونگے۔

دوسرا اور تیسرا حال اُن کے چہروں کا یہ بیان فرمایا کہ عَامِلَةٌ، ناصبہ ہونگے، عاملہ کے لفظی معنی عمل اور محنت کرنے والے کے ہیں۔ محاورات میں عامل اور عاملہ اُس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو مسلسل عمل اور محنت سے تھکا ماندہ چور ہو گیا ہو۔ اور ناصبہ نصب سے مشتق ہے اس کے معنی بھی تھکنے اور تعب و مشقت میں پڑ جانے کے ہیں۔ کفار و مجرمین کے یہ دو حال کہ عمل اور محنت سے تھکے در ماندہ ہونگے ظاہر یہ ہے کہ یہ حال اُن کی دنیا کا ہے کیونکہ آخرت میں تو کوئی عمل اور محنت نہیں، اسی لئے قرطبی وغیرہ مفسرین نے اسکا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ پہلا حال یعنی چہروں پر ذلت و رُسوائی یہ تو آخرت میں ہو گا اور عاملہ۔ ناصبہ کے دونوں حال ان لوگوں کے دنیا ہی میں ہوتے ہیں کیونکہ بہت سے کفار و مجرمین کا نہ عبادت اور باطل طریقوں میں مجاہدہ و ریاضت دنیا میں کرتے رہتے ہیں۔ ہندوؤں کے جوگی، نصاریٰ کے راہب بہت سے ایسے بھی ہیں جو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی کی رضا جوئی کے لئے دنیا میں عبادت و ریاضت کرتے ہیں اور انہیں محنت شاقہ برداشت کرتے ہیں مگر وہ عبادت و شکرانہ اور باطل طریقہ پر ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی اجر و ثواب نہیں رکھتی تو ان لوگوں کے چہرے دنیا میں بھی عاملہ ناصبہ رہے اور آخرت میں ان پر ذلت و رُسوائی کی سیاہی چھائی ہوگی حضرت حسن بصری ؓ نے روایت کیا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب ملک شام میں تشریف لے گئے تو ایک نصرانی راہب آپ کے پاس آیا جو بوڑھا تھا اور اپنے مذہب کی عبادت و ریاضت اور مجاہدہ و محنت میں لگا ہوا تھا۔ محنت سے اسکا چہرہ بگڑا ہوا، بدن خشک لباس خستہ و بدہیبت تھا، جب فاروق اعظم نے اس کو دیکھا تو آپ رو پڑے لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو فاروق اعظم نے فرمایا کہ مجھے اس

بوڑھے کے حال پر رحم آیا کہ اس بیچارے نے ایک مقصد کے لئے بڑی محنت و جانفشانی کی مگر وہ اس مقصد یعنی رضاۓ الہی کو نہیں پاسکا اور اس پر حضرت عمرؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی **وَجُودٌ بِعَمِيمٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ تَأْصِبَةٌ ۝** (قرطبی)

نَارًا حَامِيَةً ۝ حامیہ کے لفظی معنی گرم کے ہیں اور آگ کا گرم ہونا اُس کا طبعی حال ہے پھر اسکی صفتِ خاصہ بیان کرنا یہ بتلانے کے لئے ہے کہ اس آگ کی گرمی دنیا کی آگ کی طرح کسی وقت کم یا ختم ہونے والی نہیں بلکہ یہ حامیہ دائمی ہے۔

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ، یعنی اہل جہنم کو کھانے کے لئے ضریع کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ ضریع دنیا میں ایک خاص قسم کی خاردار گھاس ہے جو زمین پر پھیلی ہوئی ہے کوئی جانور اُس کے پاس نہیں جاتا یہ بودار زہریلی کانٹوں والی ہے (کذا فسرہ عکرمہ و مجاہد - قرطبی)

جہنم میں گھاس درخت کیسے | یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ گھاس درخت تو آگ سے جل جانے والی چیزیں ہیں جہنم میں یہ کیسے رہیں گی کیونکہ جس خالق و مالک نے اُن کو دنیا میں پانی اور ہوا سے پالا ہے اسکو یہ بھی قدرت ہے کہ جہنم میں ان درختوں کی غذا آگ ہی بنا دے وہ اسی سے پھلیں پھولیں۔

ایک شبہ کا جواب | قرآن میں اہل جہنم کی غذا کے بارے میں مختلف چیزوں کا ذکر آیا ہے۔ یہاں ضریع انکی غذا بتلائی ہے۔ دوسری جگہ زقوم اور تیسری جگہ غسلین، تو اس آیت میں جو حصر کیسا تھا بیان کیا گیا کہ اہل جہنم کو کوئی غذا بجز ضریع کے نہ دی جائے گی، یہ حصر بمقابلہ اُس غذا کے ہے جو کھانے کے لائق خوشگوار جزو بدن بننے والی ہو اور ضریع بطور مثال کے لایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل جہنم کو کوئی کھانے کے لائق غذا نہیں ملے گی بلکہ ضریع جیسی تکلیف دہ مضر چیزیں دی جائیں گی اسلئے ضریع میں حصر مقصود نہیں بلکہ زقوم اور غسلین بھی ضریع میں شامل ہیں اور قرطبی نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ جہنم کے مختلف درجات طبقات میں انکی مختلف غذائیں ہوں۔ کہیں ضریع کہیں زقوم کہیں غسلین۔

لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي عَنْهُ جُودُهُ، آیت سابقہ میں جو اہل جہنم کی غذا ضریع بتلائی گئی ہے بعض کفار مکہ نے جب یہ آیت سنی تو کہنے لگے کہ ہمارے اونٹ تو ضریع کھا کر خوب فرہ ہو جاتے ہیں اُن کے جواب میں فرمایا کہ جہنم کے ضریع کو دنیا کے ضریع پر قیاس نہ کرو۔ وہاں کے ضریع سے نہ فرہ ہی پیدا ہوگی اور نہ بھوک سے نجات ملے گی۔

لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَا غِيَةَ، یعنی جنت میں کوئی ایسا کلام ایسی بات اہل جنت کے کان میں نہ پڑے گی جو لغو و بیہودہ اور دلخراش ہو۔ اسمیں کلمات کفریہ باطلہ بھی آگئے اور گالی گلوچ، افتراء و بہتان الزام لگانا اور ایسے سب کلام آگئے جن کو سنکر انسان کو ایذا پہنچتی ہے۔ دوسری جگہ قرآن کریم نے اسی کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ **لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا**، یعنی اہل جنت جنت میں کوئی لغو بات یا الزام

لگانے کی بات نہ سنیں گے۔ اسکے علاوہ بھی کئی جگہ یہ مضمون قرآن کریم میں مذکور ہے۔
اس سے معلوم ہوا کہ الزام تراشی اور بے نیکی بے ڈھنگی باتیں بڑی ایذا کی چیز ہے اسی لئے قرآن کریم نے اہل جنت کے حالات میں اہتمام سے اس کو بیان فرمایا کہ اہل جنت کے کانوں میں کبھی کوئی ایسا کلمہ نہیں پڑیگا جس سے اُن کا دل بُرا اور میللا ہو۔

بعض آداب معاشرت | **وَ اَكْوَابًا مَّوْضُوعَةً**، اکواب، کُوب کی جمع ہے، پانی پینے کے برتن کو کہا جاتا ہے جیسے آبجورے، گلاس وغیرہ اس کی صفت میں لفظ موضوعہ یعنی اپنی مقررہ جگہ پر پانی کے قریب رکھے ہوئے ہونگے۔ یہ فرما کر آداب معاشرت کے ایک اہم باب کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ پانی پینے کے برتن پانی کے قریب مقررہ جگہ پر رہنے چاہئیں وہاں سے ادھر ادھر ہو جائیں اور پانی پینے کے وقت تلاش کرنا پڑے یہ ایذا تکلیف کی چیز ہے اس لئے ہر شخص کو اس کا اہتمام چاہیے کہ ایسی استعمالی چیزیں جو سب گھروالوں کے کام میں آتی ہیں جیسے بوتلے، گلاس، تولیہ وغیرہ ان کی جگہ مقرر رہنی چاہیے اور استعمال کرنے کے بعد اسکو وہیں رکھنا چاہیے تاکہ دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔ یہ اشارہ لفظ موضوعہ سے اس لئے نکلا کہ حق تعالیٰ نے اہل جنت کی راحت و آسائش کے لئے اس کے ذکر کا اہتمام فرمایا کہ اُنکے پانی پینے کے برتن پانی کے قریب رکھے ہوئے ملیں گے۔

اَفَلَا يَنْظُرُونَ اِلَى الْاِلٰہِیْلِ کَیْفَ خُلِقَتْ، الایت۔ قیامت کے احوال اور اسمیں مومن و کافر کی جزا و سزا کا بیان فرمانے کے بعد ان جاہل معاندین کی ہدایت کی طرف توجہ فرمائی جو اپنی بے وقوفی سے قیامت کا انکار اس بنا پر کرتے ہیں کہ انھیں مرنے اور مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا بہت بعید بلکہ محال نظر آتا ہے اُن کی ہدایت کے لئے حق جلّ شانہ نے اپنی قدرت کی چند نشانیوں میں غور کرنے کا ان آیتوں میں ارشاد فرمایا ہے اور اللہ کی قدرت کی نشانیاں تو آسمان و زمین میں بے شمار ہیں، یہاں اُن میں سے ایسی چار چیزوں کا ذکر فرمایا جو عرب کے بادیہ نشین لوگوں کے مناسب حال ہیں کہ وہ اونٹوں پر سوار ہو کر بڑے بڑے سفر طے کرتے ہیں اس وقت اُن کے سب سے زیادہ قریب اونٹ ہوتا ہے اور آسمان اور نیچے زمین اور دائیں بائیں اور آگے پیچھے پہاڑوں کا سلسلہ ہوتا ہے انھیں چاروں چیزوں میں ان کو غور کرنے کا حکم دیا گیا کہ دوسری آیات قدرت کو بھی چھوڑو انھیں چار چیزوں میں غور کرو تو حق تعالیٰ کی ہر چیز پر قدرت کاملہ کا مشاہدہ ہو جائے گا۔

اور جانوروں میں اونٹ کی کچھ ایسی خصوصیات بھی ہیں جو خاص طور سے غور کرنے والے کیلئے حق تعالیٰ کی حکمت و قدرت کا آئینہ بن سکتی ہیں۔ اول تو عرب میں سب سے زیادہ بڑا جانور اپنے ذیل ڈول کے اعتبار سے اونٹ ہی ہے، ہاتھی وہاں ہوتا نہیں دوسرے حق تعالیٰ نے اس عظیم الجثہ جانور کو ایسا بنا دیا کہ عرب کے بدو اور غریب مفلس آدمی بھی اس اتنے بڑے جانور کے پالنے رکھنے میں کوئی مشکل محسوس نہ کریں کیونکہ

اسکو چھوڑ دیجئے تو یہ اپنا پیٹ خود بچھ لیگا اور بچے درختوں کے پتے توڑنے کی رحمت بھی آپ کو نہیں کرنا پڑتی یہ خود درختوں کی شاخیں کھا کر گزارہ کر لیتا ہے، ہاتھی اور دوسرے جانوروں کی سی اس کی خوراک نہیں جو بڑی گرہا پڑتی ہے۔ عرب کے جنگلوں میں پانی ایک بہت ہی کمیاب چیز ہے، ہر جگہ ہر وقت نہیں ملتا۔ قدرت نے اس کے پیٹ میں ایک ریزروٹنکی ایسی لگا دی ہے کہ سات آٹھ روز کا پانی پی کر یہ اُس ٹنکی میں محفوظ کر لیتا ہے، اور تدریجی رفتار سے وہ اس کی پانی کی ضرورت کو پورا کر دیتا ہے۔ اتنے اونچے جانور پر سوار ہونے کے لئے سیڑھی لگانا پڑتی مگر قدرت نے اس کے پاؤں کو تین تہ میں تقسیم کر دیا یعنی ہر پاؤں میں دو گھٹنے بنا دیئے کہ وہ طے کر کے بیٹھ جاتا ہے تو اُس پر چڑھنا اور اترنا آسان ہو جاتا ہے۔ محنت کش اتنا ہے کہ سب جانوروں سے زیادہ بوجھ اٹھا لیتا ہے۔ عرب کے میدانوں میں دن کا سفر دھوپ کی وجہ سے سخت مشکل ہے قدرت نے اس جانور کو رات بھر چلنے کا عادی بنا دیا ہے۔ مسکین طبع ایسا ہے کہ ایک لڑکی بچی اُس کی تہا رکھ کر جہاں چاہے لیجائے اس کے علاوہ اور بہت سی خصوصیات ہیں جو انسان کو حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت بالغہ کا سبق دیتی ہیں۔ آخر سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے فرمایا کہ آپ کو ہم نے اس پر مسلط نہیں کیا کہ سب کو مومن ہی بنادیں لَسْتَ عَلَيْهِمْ مُقِیْطٌ بلکہ آپ کا کام تبلیغ کرنے اور نصیحت کرنے کا ہے وہ تمہارے آپ بے فکر ہو جائیں، ان کا حساب کتاب اور جزا و سزا سب ہمارا کام ہے۔

تَمَّتْ سُوْرَةُ الْغَاشِیَةِ بِحَمْدِ اللَّهِ لَیْلَةَ یَوْمِ الْاِثْنِیْنِ ۱۹ شَعْبَانَ ۱۴۱۸ھ

سُورَةُ الْفَجْرِ

سُورَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ وَرَهْیُ ثَلَاثُونَ آيَةً
سورة فجر مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی تیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بجد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْفَجْرِ ۱ وَكَیَالٍ عَشْرِ ۲ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۳ وَاللَّیْلِ إِذَا یَسْرِ ۴ هَلْ فِی

فجر ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور اُس رات کی جب رات کو چلے ہے ان

ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حَجْرٍ ۵ أَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۶ إِرْمَ ذَاتِ

چیزوں کی قسم پوری عقلمندوں کے واسطے تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے عاد کے ساتھ وہ جو ارم میں تھے

الْعِمَادِ ۷ الَّتِیْ لَمْ یَخْلُقْ مِثْلَهَا فِی الْبِلَادِ ۸ وَتَمُودَ الَّذِیْنَ جَابُوا

بڑے ستونوں والے کہ بنی نہیں ویسی سارے شہروں میں اور تمود کے ساتھ جنہوں نے تراشا

الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۹ وَفِرْعَوْنَ ذِی الْأَوْتَادِ ۱۰ الَّذِیْنَ طَعَوْا فِی

پتھروں کو وادی میں اور فرعون کے ساتھ وہ میخوں والا یہ سب تھے جنہوں نے سراٹھایا

الْبِلَادِ ۱۱ فَاکْثَرُوا فِیْهَا الْفَسَادَ ۱۲ فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ سُوطَ

ملکوں میں پھر بہت ڈالی ان میں خرابی پھر پھینکا اُن پر تیرے رب نے کوڑا

عَذَابٍ ۱۳ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمُرْصَادِ ۱۴ فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ

عذاب کا بیشک تیرا رب نگاہے گھات میں سو آدمی جو ہے جب جانچے اسکو رب

رَبُّهُ فَاکْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ ۱۵ فِیْقُولُ رَبِّیْٓ أَكْرَمَ مِنْ ۱۶ وَأَمَّا إِذَا مَا

اسکا پھر اس کو عزت دے اور اسکو نعمت دے تو کہے میرے رب نے مجھ کو عزت دی اور وہ جسوقت اسکو

ابْتَلَاهُ فَقَدْ رَعٰیہٗ رِزْقَہٗ ۱۷ فِیْقُولُ رَبِّیْٓ أَهَانِ ۱۸ کَلَّا بَلْ

جانچے پھر کھینچ کرے اُس پر روزی کی تو کہے میرے رب نے مجھے ذلیل کیا کوئی نہیں پر تم

لَا تَكْرُمُونَ الْيَتِيمَ ۝ وَلَا تَحْضُونِ عَلَىٰ طَعَامِ الْمُسْكِينِ ۝ وَلَا

عزت سے نہیں رکھتے یتیم کو اور تاکید نہیں کرتے آپس میں محتاج کے کھلانے کی اور

تَأْكُلُونَ الثَّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ۝ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝ كَلَّا

کھا جاتے ہو مردے کا مال سمیٹ کر سارا اور پیار کرتے ہو مال کو جی بھر کر کوئی نہیں

إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝

جب پست کر دی جائے زمین کوٹ کوٹ کر اور آئے تیرا رب اور فرشتے آئیں قطار قطار ط

وَجَاءَ يَوْمَئِذٍ بُجْهَنَّمْ ۝ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّىٰ لَهُ الذِّكْرَىٰ ۝

اور لائی جائے اُس دن دوزخ اُس دن سوچے گا آدمی اور کہاں ملے اسکو سوچنا

يَقُولُ يَلَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ۝ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعَذِّبُ عَذَابُهُ أَحَدٌ ۝

کہے کیا اچھا ہوتا جو میں کچھ آگے بھیج دیتا اپنی زندگی میں پھر اسدن عذاب نہ دے اس کا سا کوئی

وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ۝ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِي

اور نہ باندھ کر رکھے اسکا سا باندھنا کوئی اے وہ جی جس نے چین پکڑ لیا پھر چل

إِلَىٰ رَبِّكَ رَاضِيَةً مُّرْضِيَةً ۝ فَأَدْخِلْنِي فِي عَبْدِي ۝ وَأَدْخِلْنِي جَنَّتِي ۝

اپنے رب کی طرف تو اُس سے راضی وہ تجھ سے راضی، پھر شامل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو میری بہشت میں

خلاصہ تفسیر

قسم ہے (فجر کے وقت) کی اور (ذی الحجۃ کی) دس راتوں (یعنی دس تاریخوں) کی کہ وہ نہایت فضیلت والی ہیں کذا فستری الحدیث اور جفت کی اور طاق کی (جفت سے مراد دسویں تاریخ ذی الحجۃ کی اور طاق سے نویں تاریخ، کذا فی الحدیث، اور ایک حدیث میں ہے کہ اس سے نماز مراد ہے کہ کسی کی طاق رکعتیں ہیں کسی کی جفت، اور پہلی حدیث کو روایت بھی صحیح کہا گیا ہے، کذا فی الردح اور درایت بھی وہ راجح ہے کیونکہ اس سورت میں جن چیزوں کی قسم کھائی گئی وہ سب زمانے اور اوقات کی قسم سے ہیں۔ درمیان میں شفع اور وتر بھی اوقات ہی کی قسم سے ہو تو تناسب واضح رہتا ہے۔ اور یہ تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ شفع و وتر سے مراد ہر وہ جفت اور طاق ہوں جو لائق تعظیم ہیں، اوقات و ایام بھی ہیں داخل ہیں اور عدد رکعات نماز بھی) اور (قسم ہے) را کی جب وہ چلنے لگے (یعنی گزرنے لگے، کقولہ تعالیٰ وَاقِيلْ اِذَا دُكِّرَ۔ آگے بطور جملہ معترضہ کے تاکید کے لئے اس قسم کا عظیم ہونا بیان فرماتے ہیں کہ) کیا اس (قسم مذکور) میں عقلمند کے واسطے کافی قسم بھی ہے (یہ استفہام تقریر و تاکید کے لئے ہے یعنی ان مذکورہ قسموں میں ہر قسم تاکید کلام کے لئے کافی ہے اور گو سب قسمیں جو قرآن میں مذکور ہیں ایسی ہی ہیں مگر اہتمام کے لئے اس کے کافی ہونے کی تصریح فرمادی، کما مر فی قولہ تعالیٰ

فی سورۃ الواقعہ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لِّمَنْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ اور جواب قسم مقدر ہے کہ منکروں کو ضرور سزا ہوگی کما فی الجلالین جس پر آئندہ کلام قرینہ ہے جس میں منکرین سابقین کی تعذیب کا ذکر ہے یعنی (کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد یعنی قوم ارم کے ساتھ کیا معاملہ کیا جن کے قد و قامت ستون (وعمود) جیسے (دراز) تھے اور جن کی برابر (زور و قوت میں دُنیا بھر کے) شہروں میں کوئی شخص نہیں پیدا کیا گیا) (اس قوم کے دو لقب ہیں، عاد اور ارم، کیونکہ عاد بیٹا ہے عاص کا اور وہ ارم کا اور وہ سام بن نوح کا پس کبھی اُن کو باپ کے نام پر عاد کہتے ہیں اور کبھی دادا کے نام پر ارم کہتے ہیں اور اس ارم کا ایک بیٹا عابر ہے اور عابر کا بیٹا ثمود جس کے نام سے ایک قوم مشہور ہے پس عاد اور ثمود دونوں ارم میں جا ملے ہیں۔ عاد بواسطہ عاص کے اور ثمود بواسطہ عابر کے اور یہاں ارم اس لئے بڑھا دیا کہ اس قوم عاد میں دو طبقے ہیں، ایک متقدمین جن کو عاد اولی کہتے ہیں دوسرے متاخرین جن کو عاد آخری کہتے ہیں، پس ارم بڑھا دینے سے اشارہ ہو گیا کہ عاد اولی مراد ہے کیونکہ بوجہ قربت قلت و سائط کے ارم کا اطلاق عاد اولی پر ہوتا ہے (کذا فی الفرج و ہذا للتحقیق عندی قاض علی ماسبق فی الاعراف و النجم و الشہ علم) اور آگے عاد کے بعد دوسری ہلاک ہونے والی اُمتوں کا بیان فرماتے ہیں کہ آپ کو معلوم ہے کہ) قوم ثمود کے ساتھ (کیا معاملہ کیا جو وادی القریٰ میں پہاڑ کے پتھروں کو تراشا کرتے تھے) اور مکانات بنایا کرتے تھے۔ وادی القریٰ اُنکے شہروں میں سے ایک شہر کا نام ہے جیسا ایک کا نام حجر ہے اور یہ سب حجاز اور شام کے درمیان میں ہیں اور سب میں ثمود رہتے تھے کذا فی بعض التفاسیر، اور سینوں والے فرعون کے ساتھ (درمنثور میں ابن مسعود و سعید بن جبیر و مجاہد حسن و سدی سے اس کی تفسیر میں منقول ہے کہ وہ جس کو سزا دیتا اسکے چاروں ہاتھ پاؤں چار سینوں سے باندھ کر سزا دیتا، اور ایک تفسیر اس کی سورۃ ص میں مکرر چکی آگے سب کی صفت مشترکہ فرماتے ہیں کہ) جنہوں نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا، اور ان میں بہت فساد بچار کھا تھا سو آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا (یعنی عذاب نازل کیا پس عذاب کو کوڑے سے اور اسکے نازل کرنے کو برسانے سے تعبیر فرمایا، آگے اس عذاب کی علت اور موجودین کی عبرت کے لئے ارشاد ہے کہ) بیشک آپ کا رب تافرانوں کی نگہات میں ہے (جن میں سے مذکورین کو تو ہلاک کر دیا اور موجودین کو عذاب کرنے والا ہے) سو (اسکا مقتضایہ تھا کہ کفار موجودین عبرت پکڑتے اور اعمال موجبہ للعذاب سے بچتے لیکن کافر) آدمی (کا یہ حال ہے کہ اعمال موجبہ للعذاب کو اختیار کرتا ہے جن سب کی اصل حب دُنیا ہے چنانچہ اس) کو جب اسکا پروردگار آزماتا ہے یعنی اس کو ظاہرِ نعام اکرام دیتا ہے (مثل مال و جاہ وغیرہ جس سے مقصود اُس کی شکرگزاری کا دیکھنا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اسکو آزمانے سے تعبیر فرمایا) تو وہ (اسکو اپنا حق لازم سمجھ کر فخر و غرور سے) کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر بڑھا دی (یعنی میں اسکا مقبول ہوں کہ مجھ کو ایسی ایسی نعمتیں دیں) اور جب اس کو دوسری طرح آزماتا ہے یعنی اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے (جس سے مقصود اسکے صبر و رضا کا دیکھنا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو آزمانے سے تعبیر

فرمایا) تو وہ شکایت کرتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر گھٹا دی (یعنی مجھ کو باوجود استحقاق اکرام کے اپنی نظر سے آجکل گرا رکھا ہے کہ دنیوی نعمتیں کم ہو گئیں، مطلب یہ کہ کافر دنیاوی کو مقصود بالذات سمجھتا ہے کہ اس کی فراخی کو دلیل مقبولیت اور اپنے کو اس کا مستحق اور تنگی کو دلیل مردودیت اور اپنے کو اس کا غیر مستحق سمجھتا ہے پس اس میں دو غلطیاں ہیں، ایک دنیا کو مقصود بالذات سمجھنا جس سے آخرت کا انکار اور اس سے اعراض پیدا ہوتا ہے اور دوسرے دعوائے استحقاق جس سے نعمت پر فخر و غرور اور ناشکری اور مصیبت پر شکوہ اور بے صبری پیدا ہوتی ہے اور یہ سب اعمال سبب عذاب ہیں، آگے اس پر زہر و تنبیہ ہے کہ) ہرگز ایسا نہیں (یعنی نہ تو دنیا مقصود بالذات ہے اور نہ اس کا ہونا نہ ہونا دلیل مقبولیت یا فخذولیت کی ہے اور نہ کوئی کسی اکرام کا مستحق ہے اور نہ کوئی صبر و شکر کے وجوب سے مستثنیٰ ہے آگے بصیغہ خطاب بطور التفات کے فرماتے ہیں کہ تم لوگوں میں صرف یہی اعمال سبب عذاب نہیں) بلکہ (تم میں اور اعمال بھی مذموم و نامرضی عند اللہ و موجب عذاب ہیں چنانچہ) تم لوگ یتیم کی (کچھ قدر) اور خاطر نہیں کرتے ہو (مطلب یہ کہ یتیم کی اہانت اور اس پر ظلم کرتے ہو کہ اس کا مال کھا جائے ہو) اور دوسروں کو بھی مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتے (یعنی دوسروں کے حقوق واجبہ نہ خود ادا کرتے ہو اور نہ آوروں کو حقوق واجبہ ادا کرنے کو کہتے ہو اور عملاً اسکے تارک اور اعتقاداً اسکے منکر ہو اور کافر کے لئے ترک واجب زیادتی عذاب کا سبب ہوتا ہے اور اعتقاد کا فساد یعنی کفر و شرک اصل عذاب کی بنیاد ہے) اور (تم) میراث کا مال سارا سمیٹ کر کھا جاتے ہو (یعنی دوسروں کا حق بھی کھا جاتے ہو اور میراث تفصیل موجود گو مکہ مکرمہ میں مشروع نہ تھی مگر نفوس میراث شرع ابراہیمی و اسماعیلی سے متوارث چلی آتی تھی چنانچہ جاہلیت میں بیچوں اور لڑکیوں کو میراث کا مستحق نہ سمجھنا اس کی دلیل ہے کہ میراث کا حکم پہلے سے بھی تھا جس کا بیان سورہ نسا کے پہلے رکوع آیت لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا کے تحت میں گزر چکا ہے) اور (تم لوگ) مال سے بہت ہی محبت رکھتے ہو (اور اعمال مذکورہ سب اسی کی فرع ہیں کیونکہ حُب دنیا سب خطیئات کی اصل ہے۔ غرض یہ سب اعمال تولیہ فعلیہ حالیہ موجب تعذیب ہیں۔ پس انسان کا یہ حال ہے کہ مضامین عبرت سن کر بجائے اسکے کہ عبرت پکڑتا ایسے اعمال اختیار کرتا ہے جو اور زیادہ موجب عذاب ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دینے والا ہے کما قال تعالیٰ اِنَّ دَبْلًا لِّیَا لِعُرْصَادٍ آگے اُن لوگوں پر زہر و تنبیہ ہے جو ان افعال کو سبب عذاب نہیں سمجھتے) ہرگز ایسا نہیں (جیسا تم سمجھتے ہو کہ ان اعمال پر عذاب نہ ہوگا، ضرور ہوگا، آگے ہزار و ہزار کا وقت بتاتے ہیں جس میں ان کو عذاب اور اہل طاعت کو اجر و ثواب ملے گا پس ارشاد ہے کہ) جبوقت زمین کے بلند اجزاء پہاڑ وغیرہ کو توڑ توڑ کر (اور) ریزہ ریزہ کر کے زمین کو برباد کر دیا جائیگا (کہو کہ تعالیٰ لَا تَرٰی فِیْہَا عِوَجًا وَّ لَا اَمْتًا، سورہ طہ) اور آپ کا پروردگار اور جوق جوق فرشتے اسی ان محشر میں آویں گے (یہ حساب کے وقت ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا آنا متشابہات میں سے ہے جس کی حقیقت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا) اور اس روز جہنم کو لایا جائیگا (جیسا سورہ مدثر میں وَاَعْلَمُ

بَجُودِ رَبِّكَ کے متعلق بیان ہو چکا ہے) اس روز انسان کو سمجھ آدے گی اور اب سمجھ آئیگا موقع کہاں رہا (یعنی اب سمجھ آنے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے کیونکہ وہ دارالجزا رہے دارالعمل نہیں۔ آگے سمجھ آئیگے بعد جو اسکا قول ہوگا اسکا بیان ہے کہ وہ) کہے گا کاش میں اس زندگی (آخری) کے لئے کوئی (نیک) عمل آگے بھیج لیتا پس اس روز نہ تو خدا کے عذاب کی برابر کوئی عذاب دینے والا نکلے گا اور نہ اس کے جکڑنے کے برابر کوئی جکڑنے والا نکلے گا (یعنی ایسی سخت سزا اور قید کرے گا کہ دنیا میں کبھی کسی نے کسی کو نہ اتنی سخت سزا دی ہوگی نہ ایسی سخت قید کی ہوگی یہ سزا تو ان لوگوں کی ہوگی جو اعمال عذاب کے مرتکب ہوئے، اور جو اللہ کے فرمانبردار تھے ان کو ارشاد ہوگا کہ) اے اطمینان والی رُوح (یعنی جس کو امر حق میں یقین و اذعان تھا اور کسی طرح کا شک و انکار تھا اور تعبیر رُوح سے باعتبار جزر اشرف کے ہے) تو اپنے پروردگار (کے جو ارحمت) کی طرف چل اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش، پھر (ادھر چل کر) تو میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو جا (یہ بھی نعمت روحانی ہے کہ اس کے لئے احباب سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں) اور میری جنت میں داخل ہو جا (لفظ مطمئنہ میں ان لوگوں کے اعمال کی طرف اشارہ ہو گیا اور اعمال حسنہ کی طرف اشارہ اور اعمال عذاب کی تفصیل بیان فرمانا شاید اس لئے ہے کہ زیادہ مقصود یہاں اہل مکہ کو سنانا ہے اور اس وقت وہاں ایسے اعمال کے مرتکب زیادہ تھے)

معارف و مسائل

اس سورت میں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر اس مضمون کی تاکید کی گئی ہے جو آگے إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْعِزِّ صَادِقٌ میں بیان ہوا ہے یعنی اس دنیا میں تم جو کچھ کر رہے ہو اس پر جزا و سزا ہونا لازمی اور یقینی ہے تمہارا رب تمہارے سب اعمال کی نگرانی میں ہے خواہ اسی جملے إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْعِزِّ صَادِقٌ کو جواب قسم کہا جائے یا محذوف قرار دیا جائے۔ وہ پانچ چیزیں جن کی قسم کھائی ہے ان میں پہلی چیز فجر یعنی صبح صادق کا وقت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مراد ہر روز کی صبح ہو کہ وہ عالم میں ایک انقلاب عظیم لاتی ہے اور حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ الفجر کے الف لام کو عہد کا قرار دیکر اس سے کسی خاص دن کی فجر مراد ہو مفسرین صحابہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت ابن عباسؓ ابن زبیرؓ سے پہلے معنی عام وقت فجر کسی روز کا ہو منقول ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت میں اس سے مراد ماہ محرم کی پہلی تاریخ کی فجر ہے جو اسلامی قمری سال کا آغاز ہے۔ حضرت قتادہ نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔

اور بعض حضرات مفسرین نے ذی الحجہ کی دسویں تاریخ یعنی یوم النحر کی صبح اس کی مراد قرار دی ہے۔ مجاہد و عکرمہ کا یہی قول ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی ایک روایت میں یہ قول منقول ہے وجہ اس یوم النحر کی تخصیص کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دن کے لئے ایک رات ساتھ لگائی ہے جو اسلامی اصول کے مطابق دن سے پہلے ہوتی ہے صرف یوم النحر ایسا دن ہے کہ اس کے ساتھ کوئی رات نہیں کیونکہ یوم النحر سے

پہلے جو رات ہے وہ یوم النحر کی نہیں بلکہ شرعاً عرفہ ہی کی رات قرار دی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی حج کرنے والا عرفہ کے دن میدان عرفات میں نہ پہنچ سکا رات کو صبح صادق سے پہلے کسی وقت بھی عرفات میں پہنچ گیا تو اسکا وقوف معتبر اور حج صحیح ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ روز عرفہ کی دو راتیں ہیں ایک اس سے پہلے دوسری اسکے بعد اور یوم النحر کی کوئی رات نہیں، اس لحاظ سے صبح یوم النحر تمام ایام دنیا میں ایک خاص شان رکھتی ہے (قطبی)

دوسری چیز جس کی قسم ہے وہ لیالیٰ عشر یعنی دس راتیں، حضرت ابن عباسؓ، قتادہ، مجاہد سدی، ضحاک، کلبی، ائمہ تفسیر کے نزدیک ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں مراد ہیں کیونکہ حدیث میں ان کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبادت کرنے کے لئے اللہ کے نزدیک سب دنوں میں عشرہ ذی الحجہ سب سے افضل ہے اسکے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کی برابر اور اس میں ہر رات کی عبادت شپ قدر کی برابر ہے (رواہ الترمذی وابن ماجہ وندبہ عن ابی ہریرہؓ منظرہ) اور ابوالزبیر نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وَالْفَجْرِ ذِیَ لَیَالِیِّ عَشْرِ کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد عشرہ ذی الحجہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ دس راتیں وہ ہی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں آئی ہیں وَأَتَمَّعْنَاهَا بِعَشْرِ۔ کیونکہ یہی دس راتیں سال کے ایام میں افضل ہیں۔ امام قرطبی نے فرمایا کہ حضرت جابرؓ کی حدیث مذکور سے افضل ایام ہونا عشرہ ذی الحجہ کا معلوم ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے بھی یہی دس راتیں ذی الحجہ کی مقرر کیں گئیں وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ، شفع کے لغوی معنی جوڑ کے ہیں جس کو اُردو میں جُفت کہتے ہیں اور وتر کے معنی طاق اور فرد کے ہیں۔ قرآن کریم کے الفاظ میں یہ متعین نہیں کہ اس جفت اور طاق سے کیا مراد ہے اس لئے ائمہ تفسیر کے اقوال اس میں بے شمار ہیں مگر خود حدیث مرفوعہ جو ابوالزبیر نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے اسکے الفاظ یہ ہیں

(وَالْفَجْرِ ذِیَ لَیَالِیِّ عَشْرِ) هُوَ الصَّبْحُ وَعَشْرُ النَّحْرِ وَالْوَتْرُ یَوْمَ عَرَفَةَ وَالشَّفْعُ یَوْمَ النَّحْرِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الفجر و لیالیٰ عشر کے متعلق فرمایا کہ فجر سے مراد صبح اور عشر سے مراد عشرہ نحر ہے (اور یہ عشرہ ذی الحجہ کا پہلا ہی عشرہ ہو سکتا ہے جس میں یوم نحر شامل ہے) اور فرمایا کہ وتر سے مراد روز عرفہ اور شفع سے مراد یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) ہے

قرطبی نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ اسناد کے اعتبار سے صحیح ہے بہ نسبت دوسری حدیث کے جو حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت سے نقل ہوئی ہے جس میں شفع دو تر نماز کا ذکر ہے۔ اسی لئے حضرت ابن عباسؓ، عکرمہ، نخاسؓ نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ شفع سے مراد یوم النحر اور وتر سے مراد یوم عرفہ ہے۔ اور بعض ائمہ تفسیر ابن سیرین، مسروق، ابو صالح، قتادہ نے فرمایا کہ شفع سے مراد تمام مخلوقات ہیں

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب مخلوقات کو جوڑ جوڑ جفت پیدا کیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ، یعنی ہم نے ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا ہے۔ کفر و ایمان، شقاوت و سعادت، نور و ظلمت، لیل و نہار، سردی گرمی، آسمان و زمین، جن و انس، مرد و عورت، اور ان سب کے بالمقابل و تروہ صرف اللہ جل شانہ کی ذات ہے ھو اللہ الاحد الصمد والیل اذا یسر، یسر ہسری سے مشتق ہے جس کے معنی رات کو چلنے کے ہیں۔ یہاں خود رات کو کہا گیا کہ جب وہ چلنے لگے یعنی ختم ہونے لگے۔ یہ پانچ قسمیں ذکر فرمانے کے بعد حق تعالیٰ نے غفلت شمار انسان کو ایک خاص انداز میں سوچنے سمجھنے کی دعوت دینے کے لئے فرمایا ھَلْ فِيْ ذٰلِكَ تَسْمَعُوْنَ لَیْنٰی حَیْیُوْ، حجر کے لفظی معنی روکنے کے ہیں انسان کی عقل اُس کو بُرائی اور مضرت رساں چیزوں سے روکنے والی ہے اسلئے حجر بمعنی عقل بھی استعمال ہوتا ہے یہاں یہی معنی مراد ہیں۔ معنی آیت کے یہ ہیں کہ کیا عقل والے آدمی کے لئے یہ قسمیں بھی کافی ہیں یا نہیں۔ یہ صورت تو استفہام کی ہے مگر درحقیقت انسان کو غفلت سے بیدار کرنے کی ایک تدبیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت شان پر اور اسکے قسم کھا کر ایک بات کو بیان کرنے پر اور خود ان چیزوں کی عظمت پر جن کی قسم کھائی گئی ہے ذرا سا غور کرو تو جس چیز کے لئے یہ قسم کھائی گئی اسکا یقینی ہونا ثابت ہو جائے گا اور وہ چیز یہی ہے کہ انسان کے ہر عمل کا آخرت میں حساب ہونا اور اُس پر جزا و سزا ہونا شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ یہ جواب قسم اگرچہ صراحتہً مذکور نہیں مگر سابق کلام سے ثابت ہے اور آگے جو کفار پر عذاب آنیکا بیان ہو رہا ہے وہ بھی اسی کا بیان ہے کہ کفر و معصیت کی سزا آخرت میں تو ملنا طے شدہ ہی ہے کبھی کبھی دنیا میں ایسے لوگوں پر عذاب بھیج دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں تین قوموں کے عذاب کا ذکر فرمایا۔ اول قوم عاد، دوسرے ثمود، تیسرے قوم فرعون۔ عاد و ثمود دو قومیں جنکا سلسلہ نسب اوپر جا کر آدم میں ملتا ہے اس طرح نبط ارم عاد و ثمود دونوں کے لئے بولا جاسکتا ہے۔ یہاں صرف عاد کے ساتھ ارم کا ذکر کرنے کی وجہ خلاصہ تفسیر میں عاد و ثمود کے دونوں قوموں کے تحقیقی حالات کے ساتھ گزر چکی ہے۔

اَرَامَ ذَاتِ الْعِمَادِ، لفظ ارم عاد کا عطف بیان یا بدل ہے اور مقصود اس سے قبیلہ عاد کی دو قوموں میں سے ایک کی تعیین ہے یعنی عادِ اولیٰ جو انکے متقدمین ہیں ان کو عاد ارم کے لفظ سے اسلئے تعبیر کیا کہ یہ لوگ اپنے جدِ اعلیٰ ارم سے بہ نسبت عادِ آخریٰ کے قریب تر ہیں۔ ان کو اس جگہ قرآن کریم عاد ارم کے لفظ سے اور سورہ نجم میں اَهْلَکَ عَادَ الْاُولٰی کے عنوان سے تعبیر فرماتا ہے۔ ان کی صفت میں قرآن کریم نے ذَاتِ الْعِمَادِ فرمایا۔ عماد اور عمود ستون کو کہتے ہیں۔ قوم عاد کو ذاتِ العماد اسلئے کہا گیا کہ انکے قد و قامت بڑے طویل تھے اور یہ قوم اپنے ڈیل ڈول اور قوت و طاقت میں سب دوسری قوموں سے ممتاز تھی ان کے اس امتیاز کو خود قرآن کریم نے بڑے واضح الفاظ میں فرمایا لَمْ یَخْلُقْ مِثْلَهَا فِی الْاَسْوَادِ، یعنی ایسی طویل قامت قوی قوم دنیا میں اس سے پہلے پیدا نہیں کی گئی تھی۔ قرآن کریم نے انکے طویل قامت اور ڈیل ڈول کا دنیا کی ساری قوموں سے زیادہ ہونا تو واضح فرما دیا مگر ان کی کوئی ہیمنش ذکر کرنا ضرورت سے زائد کام تھا اسکو چھوڑ دیا۔ اسرائیلی روایات میں انکے قد و قامت اور قوت کے

مستقل عجیب عجیب اقوال مذکور ہیں۔ حضرت ابن عباس اور مقاتل سے اُن کی قمارت کا طول بارہ ہاتھ یعنی چھ گز یا ۱۸ فٹ منقول ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اُن کا یہ قول بھی اسرائیلی روایات ہی سے ماخوذ ہے واللہ اعلم اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ ارم اُس جنت کا نام ہے جو عاد کے بیٹے شداد نے بنائی تھی اور اُسی کی صفت ذات العباد ہے کہ وہ ایک عظیم الشان عمارت بہت سے عمودوں پر قائم ہونے چاندی اور جواہرات سے تعمیر کی تھی تاکہ لوگ آخرت کی جنت کے بدلے اس نقد جنت کو اختیار کر لیں مگر جب یہ عالیشان محلات تیار ہو گئے اور شداد نے اپنے رؤسائے مملکت کیساتھ اس میں جایکا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا یہ سب ہلاک ہو گئے اور وہ محلات بھی مسمار ہو گئے (قرطبی) اس اعتبار سے اس آیت میں قوم عاد کے ایک خاص عذاب کا ذکر ہوا جو..... شداد بن عاد اور اس کی بنائی ہوئی جنت پر نازل ہوا اور پہلی تفسیر جس کو جمہور مفسرین نے اختیار کیا ہے اس میں قوم عاد پر جتنے عذاب آئے ہیں ان سب کا بیان ہے۔

وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ، اوتاد، وتد کی جمع ہے سیخ کو کہتے ہیں۔ فرعون کو ذی الاوتاد کہنے کی مختلف وجوہ حضرات مفسرین نے بیان فرمائی ہیں، مشہور جمہور مفسرین کے نزدیک وہی ہے جو خلاصہ تفسیر میں اوپر آچکی ہے کہ اس لفظ میں اُسکے ظلم و جور اور وحشیانہ سزاؤں کا ذکر ہے وہ جس پر خفا ہوتا اس کے ہاتھ پاؤں چار سینوں میں باندھ کر یا خود انہیں میخیں گاڑ کر اس کو دھوپ میں لٹا دیتا اور اس پر سانپ بچھو چھوڑ دیتا تھا۔ اور بعض مفسرین نے اس کی اپنی بیوی حضرت آسیہ کے متعلق ایک طویل قصہ اُنکے مومن ہونے اور پھر فرعون کے سامنے اظہار ایمان کرنا اور پھر فرعون کی اسی قسم کی سزا کے ذریعہ ہلاک کرنا ذکر کیا ہے (منظہری)

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ، قوم عاد و ثمود اور قوم فرعون کے شر و فساد کا تذکرہ فرماتے ہوئے جو عذاب اُن پر نازل ہوا اُس کو عذاب کا کوڑا برسانے کے عنوان سے تعبیر کیا ہے اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جس طرح کوڑا مختلف اطراف بدن پر پڑتا ہے ان پر بھی مختلف قسم کے عذاب نازل کئے گئے۔

إِنَّ رَبَّكَ لَبَاسٌ عَرَصًا، مرصاد اور مرصد رصد گاہ اور انتظار گاہ کو کہا جاتا ہے جو کسی مقام بلند پر ہو جہاں بیٹھ کر کوئی شخص دور دور تک کے لوگوں کو دیکھ سکے اور اُنکے افعال و اعمال کی نگرانی کر سکے مطلب آیت کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہر انسان کے تمام اعمال اور حرکات و سکنات کو دیکھ رہا ہے اور سب کو اُن کی جزا و سزا دینے والا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ جملہ ہی ان قسموں کا جواب ہے جو وَالْفَجْرِ وَاَلْجَبَالِ عَشِيرَہ میں مذکور ہوئی ہیں۔

دُنْیَا میں رزق کی فراخی اور نگی اللہ کے قَامًا إِلَّا نَسَانِ الآتِہ، یہاں انسان سے مراد اصل میں تو کافرانسان ہے نزدیک مقبول یا مردود ہوئی علامت نہیں جو اللہ تعالیٰ کے متعلق جو چاہے خیال باندھ لے مگر مفہوم عام کے اعتبار سے وہ مسلمان بھی اس خطاب میں شریک ہے جو اس جیسے خیال میں مبتلا ہو اور وہ خیال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ

کسی کو اپنے رزق میں وسعت اور مال و دولت صحت و تندرستی سے نوازے تو شیطان اس کو دوا بطل خیالات میں مبتلا کرتا ہے اول یہ کہ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ میری ذاتی صلاحیت اور عقل و فہم اور سعی و عمل کا لازمی نتیجہ ہے جو

مجھے ملنا ہی چاہیے میں اسکا مستحق ہوں دوسرے یہ کہ ان چیزوں کے حاصل ہونے سے یہ قرار دے کہ میں اللہ کے نزدیک بھی مقبول ہوں اگر مردود ہوتا تو وہ مجھے یہ نعمتیں کیوں دیتا۔ اسی طرح جب کسی انسان پر رزق میں تنگی اور فقر و فاقہ آوے تو اسکو اللہ کے نزدیک مردود ہونے کی دلیل سمجھے اور اُس پر اسلئے سخفا ہو کہ میں تو مستحق انعام و اکرام کا تھا مجھے بے وجہ ذلیل و حقیر کر دیا، ایسے خیالات کفار و مشرکین میں تو ہوتے ہی تھے اور قرآن کریم میں کئی جگہ کفار کے ان خیالات کا اظہار مذکور بھی ہے افسوس ہے کہ آج کل بہت سے مسلمان بھی اس گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان آیات میں ایسے انسانوں کا حال ذکر کر کے فرمایا کہ **کَلَّا** یعنی تمہارا یہ خیال بالکل باطل بے بنیاد ہے نہ دنیا میں وسعت رزق نیک اور مقبول عند اللہ ہونے کی علامت ہے اور نہ تنگی رزق اور فقر و فاقہ اللہ کے نزدیک مردود یا ذلیل ہونے کی علامت ہے بلکہ اکثر معاملہ برعکس ہوتا ہے۔ فسرخون کو دعوائے خدائی کے ساتھ کبھی درد سر بھی نہ ہوا اور بعض پیغمبروں کو دشمنوں نے آسے سے چیر کر ڈھکڑے کر دیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرات مہاجرین میں سے جو فقیر و مفلس تھے وہ اغنیاء مہاجرین سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہو گئے (رواہ مسلم عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس بندہ سے محبت فرماتے ہیں اسکو دنیا سے ایسا پرہیز کراتے ہیں جیسے تم لوگ اپنے بیمار کو پانی سے پرہیز کراتے ہو (رواہ احمد والترمذی عن قتادة بن النعمان - مطہری)

یتیم پر صرف فرح کرنا کافی نہیں | اس کے بعد کفار کو ان کی چند بُری خصلتوں پر تنبیہ ہے **اَوَّلَ لَا تَعْلَمُونَ** اُس کا احترام بھی ضروری ہے **الْيَتِيمَ** یعنی تم یتیم بچے کا اکرام نہیں کرتے اس میں اصل بتلانا تو یہ ہے کہ یتیم کے حقوق ادا نہیں کرتے اس پر ضروری فرح نہیں کرتے لیکن اس کی تعبیر اکرام کے عنوان سے کی گئی جس میں اشارہ ہے کہ عقل و انسانیت کا اور اللہ نے جو مال تمہیں دیا ہے اس کے شکر کا تقاضا تو یہ ہے کہ تم یتیم کو فقط یہی نہیں کہ اسکا حق دو اور اس پر فرح کر دو بلکہ واجب ہے کہ اسکا اکرام بھی کرو اپنے بچوں کے مقابلے میں اُس کو ذلیل و حقیر نہ جانو۔ یہ بظاہر کفار کے اس قول کا جواب ہے کہ دنیا کی فراخی کو اکرام اور تنگی کو اہانت سمجھا کرتے تھے اس پر صرف **بَلَّ** کے ساتھ یہ ذکر فرمایا کہ اگر تمہیں کبھی تنگی رزق پیش آتی ہے تو وہ اسوجہ سے کہ تم ایسی بُری عادتوں میں پھنسے ہوئے ہو کہ یتیم جیسے قابل رحم بچوں کے حقوق بھی ادا نہیں کرتے۔ دوسری بُری خصلت اُن کی یہ بتلانی **وَلَا تَحْضُرُونَ عَلَى طَعَامِ الْمَسْكِينِ** یعنی تم خود تو کسی مسکین غریب کو کیا دیتے دوسروں کو بھی اُنکی ترغیب نہیں دیتے کہ وہ بھی یہ کام کر لیں۔ اس عنوان میں بھی ان کفار کی بُری عادت اور مذمت کے بیان کیساتھ اس طرف اشارہ ہے کہ غرباء و مساکین کا حق جیسے اغنیاء اور مالداروں پر ہے کہ اُن کو اپنے پاس سے دیں اس طرح جو لوگ خود دینے کی قدرت نہیں رکھتے انکو بھی اتنا تو کرنا چاہیے کہ دوسروں ہی کو اسکے لئے ترغیب دیں۔

تیسری بُری خصلت یہ بیان فرمائی **وَتَاكُلُونَ الثَّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا** لہر کے معنی جمع کر نیكے ہیں، مطلب یہ ہے کہ تم میراث کا مال حلال و حرام سب کو جمع کر کے کھا جاتے ہو اپنے حصے کے ساتھ دوسروں کا حق

بھی غصب کر لیتے ہو۔ یہاں خصوصیت سے میراث کے مال کا ذکر کیا گیا حالانکہ ہر ایک مال جس میں حلال و حرام کو جمع کیا گیا ہو ناجائز ہی ہے۔ وجہ خصوصیت کی شاید یہ ہو کہ میراث کے مال پر زیادہ نظر رکھنا اور اُس کے دپے ہونا بڑی کم ہمتی اور کم حوصلہ ہونے کی دلیل ہے کہ مرد اور خورجا نوروں کی طرح تکتے رہیں کہ کب ہمارا مورث مرے اور کب ہمیں یہ مال تقسیم کرنیکا موقع ہاتھ آئے۔ اولوالعزم اور باہمت لوگ اپنی کمائی پر خوش ہوتے ہیں۔ مردوں کے مال پر ایسی حرصانہ نظر نہیں ڈالتے۔

چوتھی بڑی خصلت یہ بتلائی وَتَجِدُونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا، جم کے معنے کثیر کے ہیں مطلب ہے کہ تم مال کی محبت بہت کرتے ہو، بہت کے لفظ سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ مال کی ایک درجہ میں محبت تو انسان کا فطری تقاضا ہے وہ سبب مذمت نہیں بلکہ اس کی محبت میں حد سے بڑھنا اور انہماک کرنا یہ سبب مذمت ہے۔ کفار کی ان بڑی خصلتوں کے بیان کے بعد پھر صہل مضمون کی طرف عود کیا گیا جو شروع سورت میں پانچ قسموں کیساتھ مکرر کیا گیا ہے یعنی آخرت کی جزا و سزا۔ اس سلسلہ میں اول قیامت کے آنیکا ذکر فرمایا۔

اِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا، لفظ دکت کے لفظی معنے کسی چیز کو ضرب مار کر توڑنے کے ہیں مراد قیامت کا زلزلہ ہے جو پہاڑوں کو باہم ٹکرا کر ریزہ ریزہ کر دیگا اور دکا دکا کو مکرر لانیسے اس طرف اشارہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ یکے بعد دیگر مسلسل رہے گا۔

وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا، یعنی آئے گا آپ کا رب اور فرشتے صف بصف مراد میدانِ حشر میں آنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے آنے کی کیا شان ہوگی اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، یہ متشابہات میں سے ہے اور فرشتوں کا صف بصف آنا ظاہر ہے وَجَاءَ يَوْمَئِذٍ الْمَلَائِكَةُ، یعنی لایا جائیگا اس روز جہنم کو۔ جہنم کو لائے جانے کا کیا مطلب ہے اور کس طرح میدانِ حشر میں لائی جائے گی اس کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ظاہر یہ ہے کہ جہنم جو اب ساتویں زمین کی تہ میں ہے اُس وقت وہ بھڑک اٹھے گی اور سمندر سب آگ ہو کر اُس میں شامل ہو جائیں گے اس طرح جہنم عرصہ حشر میں سب کے سامنے آجائے گی۔

يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّى لَهُ الذِّكْرَى، اس جگہ تذکر سے مراد سمجھ میں آ جانا ہے یعنی کافر کو اُس روز سمجھ آئے گی کہ مجھے دُنیا میں کیا کرنا چاہئے تھا اور میں نے کیا کیا مگر اُس وقت یہ سمجھ میں آنا بے سود ہوگا کہ عمل اور اصلاحِ حال کا زمانہ گزر چکا آخرت دارِ العمل نہیں دارِ الجزا ہے آگے اس تذکرے کا بیان ہے کہ وہ تمنا کرے گا کہ کاش میں دُنیا میں کچھ نیک عمل کر لیتا۔ يَلَيِّتَنِي قَدْ مَتَّ لِحَيَاتِي، پھر اس تمنا کا باطل اور غیر مفید ہونا بتلایا کہ اب جبکہ کفر و شرک کی سزا سامنے آگئی اب اس تمنا سے کچھ فائدہ نہیں اب تو عذاب اور پکڑ کا وقت ہے اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ کی برابر کوئی پکڑ نہیں ہو سکتی۔ کفار کے عذاب بیان کرنے کے بعد آخر میں مومن کا ثواب اور ان کا جنت میں داخل کیا جانا ذکر فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ائِیْہَا مومن کی رُوح کو نفس مطمئنہ کے لقب سے خطاب کیا گیا ہے۔

کے لفظی معنی ساکنہ کے ہیں۔ مراد وہ نفس ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اسکی اطاعت سے سکون و قرار پاتا ہے اسکے ترک سے بے چینی محسوس کرتا ہے اور یہ وہی نفس ہو سکتا ہے جو ریاضات و مجاہدات کر کے اپنی بُری عادات اور اخلاقِ رذیلہ کو دور کر چکا ہو۔ اطاعت حق اور ذکر اللہ اسکا مزاج اور شریعت اسکی طبیعت بن جاتی ہے اس کو خطاب کر کے فرمایا گیا اِذْ حَتَّىٰ اِلٰی رَبِّكَ یعنی ٹوٹ جاؤ اپنے رب کی طرف، ٹوٹنے کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا پہلا مقام بھی رب کے پاس تھا اب وہیں واپس جائیکہ حکم ہو رہا ہے، اس سے اُس روایت کی تقویت ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ مومنین کی ارواح انکے اعمال ناموں کے ساتھ علیین میں رہیں گی اور علیین ساتویں آسمان پر عرشِ رحمن کے سایہ میں کوئی مقام ہر گز اِذْ حَتَّىٰ انسان کا اُلی مستقر وہی ہے وہیں سے روح لاکر انسان کے جسم میں ڈالی جاتی ہے اور پھر موت کے بعد وہیں واپس جاتی ہے رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً، یعنی یہ نفس اللہ تعالیٰ سے اسکے تکوینی اور تشریعی احکام پر راضی ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہے کیونکہ بندہ کا اللہ تعالیٰ کے تقدیری احکام پر راضی ہونا ہی اس کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے، اگر اللہ تعالیٰ اس سے راضی نہ ہوتا تو اسکو رضا بالقضائے توفیق ہی نہ ہوتی۔ یہ نفس اپنی موت کے وقت موت پر بھی راضی اور خوش ہوتا ہے حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ احبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ احبَّ اللّٰهَ لِقَاءَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهَ لِقَاءَهُ، یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اُس سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ بھی اُس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے یہ حدیث سن کر حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ سے ملنا تو موت ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے، لیکن موت تو ہمیں یا کسی کو بھی پسند نہیں آتا نے فرمایا یہ بات نہیں، حقیقت یہ ہے کہ مومن کو موت کے وقت فرشتوں کے ذریعہ اللہ کی رضا اور جنت کی بشارت دی جاتی ہے جس کو سن کر اسکو موت زیادہ محبوب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کافر کو موت کے وقت عذاب اور سزا سامنے کر دی جاتی ہے اسلئے اسکو اُس وقت موت سے بڑھ کر کوئی چیز بُری اور مکروہ معلوم نہیں ہوتی (رداۃ البخاری و مسلم مظہری) خلاصہ یہ ہے کہ موت کی محبت یا کراہت اسوقت کی معتبر نہیں بلکہ نزع روح کے وقت جو مرنے اور اللہ سے ملنے پر راضی ہو اللہ بھی اس سے راضی یہی مفہوم ہے راضیۃ مرضیۃ کا۔

قَدْ خَلَىٰ فِي عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ، نفسِ مطلقہ کو مخاطب کر کے یہ حکم ہو گا کہ میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ اس میں پہلے اللہ کے صالح اور مخلص بندوں میں شامل ہونیکا حکم ہے پھر جنت میں داخل ہونیکا، اس میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ جنت میں داخل ہونا اس پر موقوف ہے کہ پہلے اللہ کے صالح مخلص بندوں کے زمرہ میں شامل ہو ان سب کے ساتھ ہی جنت میں داخل ہو گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو دنیا میں صالحین کی صحبت و معیت اختیار کرتا ہے یہ علامت اس کی ہے کہ یہ بھی انکے ساتھ جنت میں جائے گا اسی لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی دُعا میں فرمایا وَادْخُلِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ اور حضرت یوسف علیہ السلام نے دُعا میں فرمایا وَادْخُلْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ، معلوم ہوا کہ صحبتِ صالحین نعمتِ باری ہے

کہ انبیاء علیہم السلام بھی اس کی دُعائے مستغنی نہیں۔

وَاذْخُلْ جَنَّتٍ، اسیں جنت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کر کے میری جنت فرمایا جو بڑا اعزاز و اکرام ہے اور اسیں اشارہ پایا جاتا ہے کہ جنت میں صرف یہی نہیں کہ ہر طرح کی راحتیں جمع ہیں اور دائمی ہیں بلکہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا مقام ہے۔

آیات مذکورہ میں مومنین کی جزا و ثواب کو اس طرح ذکر کیا گیا کہ اُن کی ارواح کو حق تعالیٰ کی طرف سے بواسطہ ملائک اعزاز و اکرام کے ساتھ خطاب کیا جائے گا جو ان آیات میں مذکور ہے۔ یہ خطاب کس وقت ہوگا اسیں بعض ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ قیامت میں حساب کتاب کے بعد یہ خطاب ہوگا اور سابق آیات سے اسکی تائید ہوتی ہے کہ اوپر جو عذاب کفار کا بیان ہوا ہے وہ آخرت میں قیامت کے بعد ہی ہوگا اس سے ظاہر ہے کہ مومنین کا یہ خطاب بھی اسی وقت ہو۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ خطاب مومنین کو موت کے وقت دنیا ہی میں ہوتا ہے بہت سی صحیح احادیث اس پر شاہد ہیں۔ اسی لئے ابن کثیر نے فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ دونوں وقتوں میں یہ خطاب ارواح مومنین کو ہوگا موت کے وقت بھی، پھر قیامت میں بھی۔

وہ احادیث جن سے اس خطاب کا بوقت موت ہونا معلوم ہوتا ہے ایک تو وہی حدیث عبادہ ابن صامت سے جو ادھر گزر چکی ہے اور ایک طویل حدیث حضرت ابو ہریرہ کی مسند احمد، نسائی، ابن ماجہ میں ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب مومن کی موت کا وقت آتا ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشمی کپڑا سنانے کے اسکی روح کو خطاب کرتے ہیں اخذی راضیۃ مرضیۃ الی روح اللہ وریحانہ، یعنی اس بدن نے کلو اس حالت میں کہ تم اللہ سے راضی ہو اور اللہ تم سے راضی، اور یہ بکلام اللہ تعالیٰ کی رحمت اور جنت کی دائمی راحتوں کی طرف ہوگا۔ الحدیث، اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں نے ایک روز یہ آیت یَا بَیْتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنِّۃُ اَخْفَضَتْ صَلَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ سَلَامٌ کے سامنے پڑھی تو صدیق اکبرؓ جو مجلس میں موجود تھے کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یہ کتنا اچھا خطاب ہے اکرام ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں لو فرشتہ موت کے بعد آپ کو یہ خطاب کریگا (ابن کثیر)

چند واقعات عجیبہ | حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ رض کا طائف میں انتقال ہوا، جنازہ تیار ہونے کے بعد ایک عجیب غریب پرندہ جس کی مثال پہلے کبھی نہ دیکھی گئی تھی آیا اور جنازہ کی نعش میں داخل ہو گیا پھر کسی نے اُس کو نہکتے ہوئے نہیں دیکھا جس وقت نعش قبر میں رکھی جانے لگی تو قبر کے کنارے ایک غیبی آواز نے یہ آیت پڑھی یَا بَیْتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنِّۃُ اَخْفَضَتْ صَلَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ سَلَامٌ سب نے تلاش کیا کون پڑھ رہا ہے کسی کو معلوم نہ ہو سکا (ابن کثیر) اور امام حافظ طبرانی نے کتاب المعجائب میں اپنی سند سے قتبان بن رزین ابی ہاشم سے ان کا اپنا واقعہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ہمیں بلاد روم میں قید کر لیا گیا اور وہاں کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اس کا فریاد سنا نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم اسکا دین اختیار کریں، اور جو اس سے انکار کریگا اُس کی گردن مار دی جائے گی ہم چند آدمی تھے اُن میں سے تین آدمی جان کے خوف سے مرتد ہو گئے بادشاہ کا دین اختیار کر لیا۔ چوتھا آدمی پیش ہوا اُس نے کفر

کرنے اور اس کے دین کو اختیار کرنے سے انکار کیا، اس کی گردن کاٹ کر سر کو ایک قریبی نہریں ڈال دیا گیا، اُس وقت تو وہ سریانی کی تہ میں چلا گیا، اس کے بعد پانی کی سطح پر ابھرا اور ان لوگوں کی طرف دیکھ کر ان کے نام لیکر آواز دی کہ فلا نے فلا نے اور پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّاتِي**، اس کے بعد پھر پانی میں غوطہ لگا دیا۔ یہ عجیب واقعہ سب حاضرین نے دیکھا اور سنا، اور وہاں کے نصاریٰ یہ دیکھ کر تقریباً سب مسلمان ہو گئے اور بادشاہ کا تخت ہل گیا، یہ تین آدمی جو مرتد ہو گئے تھے یہ سب پھر مسلمان ہو گئے اور پھر خلیفہ ابو جعفر منصور نے ہم سب کو اُن کی قید سے رہا کرایا (ابن کثیر)

الحمد للہ کہ تفسیر سورۃ والفجر آج ۲۱ شعبان ۱۳۹۱ھ میں تمام ہوئی، جبکہ اس ناکارہ گنہگار کی عمر کا چھیتر واں سال ختم اور ستتر واں شروع ہو رہا ہے۔ یوں نصف صدی زیادہ حق تعالیٰ کی دی ہوئی مہلت کو غفلتوں گناہوں میں برباد کرنے پر حسرت و افسوس جتنا بھی ہو کم ہی ہے مگر قدم قدم پر حق تعالیٰ شانہ کے انعامات کی بارش اور اپنی کتاب کی اس ناپذیر خدمت کو قریب الختم پہنچا دینے کا احسانِ عظیم عفو و کرم ہی کی اُمید دلا رہا ہے۔ یا مَنْ لَا تَضُرُّكَ الذُّنُوبُ وَلَا تَنْقُصُكَ الْمَغْفِقُ هَبْ لِي مَا لَا يَنْقُصُكَ وَاعْفُ لِي مَا لَا يَضُرُّكَ وَاجْعَلْ لِي مِنَ الَّذِينَ يَقَالُ لَهُمْ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّاتِي

سُورَةُ الْبَلَدِ

سُورَةُ الْبَلَدِ ۶۰ آیتیں اور اس کی بیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بجد مہربان نہایت رحم والا ہے

لَا أَفْهَمُ هَذَا الْبَلَدِ ۱ وَأَنْتَ حَلُّ هَذَا الْبَلَدِ ۲ وَوَالِدٌ وَمَوْلَدٌ ۳

قسم کھاتا ہوں میں اس شہر کی اور تجھ پر قید نہیں رہے گی اس شہر میں اور تم ہے جنت کی اور جو اُسے جنا

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ ۴ أَيْحَسِبُ أَنْ لَنْ يُقَدَّرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ۵

تحقیق ہم نے بنایا آدمی کو محنت میں کیا خیال رکھتا ہے وہ کہ اس پر بس نہ چلے گا کسی کا

يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَا لَا لُبَّاءَ ۶ أَيْحَسِبُ أَنْ لَمْ يَرَهُ أَحَدٌ ۷ أَلَمْ

کہتا ہے میں نے فریج کر ڈالا مال ڈھیروں کیا خیال رکھتا ہے کہ دیکھا نہیں اس کو کسی نے بھلا ہم نے

نَجْعَلُ لَهُ عَيْنَيْنِ ۸ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۹ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ۱۰

نہیں دے دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ اور دکھلا دیں اس کو دو گھاٹیاں

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۱۱ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ۱۲ فَكُلْ رَقِيبَةً ۱۳ أَوْ

سو نہ دھمک سکا گھاٹی پر اور تو کیا سمجھا کیا ہے وہ گھاٹی چھڑانا گردن کا یا

إِطْعَمَ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۱۴ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۱۵ أَوْ مِسْكِينًا ذَا

کھلانا بھوک کے دن میں یتیم کو جو قرابت والا ہے یا محتاج کو جو خاک میں

مَتْرَبَةٍ ۱۶ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا

دل رہا ہے پھر ہووے ایمان والوں میں جو تاکید کرتے ہیں آپس میں تحمل کی اور تاکید

بِالْمَرْحَمَةِ ۱۷ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۱۸ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَابْتَغَوْا

کرتے ہیں رحم کھانے کی وہ لوگ ہیں بڑے نصیب والے اور جو منکر ہوئے ہماری آیتوں سے

هُم أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝ (۱۹) عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤَصَّدَةٌ ۝ (۲۰)

وہ ہیں کہ بجتی والے انہی کو آگ میں موند دیا ہے

خلاصہ تفسیر

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی اور (جواب قسم سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ایک بشارت دی گئی کہ) آپ کو اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے (چنانچہ فتح مکہ کے روز آپ کے لئے قتال جائز کر دیا گیا تھا۔ احکام حرم باقی نہیں رہے تھے) اور قسم ہے باپ کی اور اولاد کی (ساری اولاد کے باپ آدم علیہ السلام ہیں پس آدم اور بنی آدم سب کی قسم ہوئی آگے جواب قسم ہے کہ ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے (چنانچہ عمر بھر کہیں مرض میں کہیں رنج میں کہیں فکریں اکثر اوقات مبتلا رہتا ہے اور اسکا مقتضایہ تھا کہ اس میں عجز و درماندگی پیدا ہوتی اور اپنے کو بستہ حکم تقدیر سمجھ کر مطیع امر و تابع رضا ہوتا لیکن انسان کافر کی یہ حالت ہے کہ بالکل بھول میں پڑا ہے تو) کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہ چلے گا (یعنی کیا اللہ کی قدرت سے اپنے کو خارج سمجھتا ہے جو اسقدر بھول میں پڑا ہے اور) کہتا ہے کہ میں نے اتنا دافعال خرچ کر ڈالا (یعنی ایک تو شہنی بھگارتا ہے پھر عداوت رسول و مخالفت اسلام و معاصی میں خرچ کرنے کو ہنر سمجھتا ہے پھر جھوٹ بھی بولتا ہے کہ اس کو مال کثیر بتلاتا ہے) کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں (یعنی اللہ تعالیٰ نے تو دیکھا ہے اور وہ جانتا ہے کہ معصیت میں خرچ کیا ہے پس اس پر سزا دی جائے مقدار بھی دیکھی ہے کہ اسقدر نہیں ہے جسقدر لوگوں کو یقین دلانا چاہتا ہے یہ حال مطلق کافر کا ہے کہ اس وقت آپ کے مخالفین کے یہی اقوال و احوال تھے، غرض یہ شخص نہ تو محض یعنی تکلیف و رنج سے متاثر ہوا اور نہ منن یعنی انعامات و احسانات سے جسکا آگے بیان ہے کہ) کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور (پھر) ہم نے اس کو دونوں رستے (غیر شر) کے بتلا دیئے (تاکہ طریق مضر سے بچے اور نافع پر چلے سوا اسکا بھی مقتضایہ تھا کہ احکام الہی کا تابع ہوتا مگر) مودہ شخص (دین کی) گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا (دین کے کاموں کو اس لئے گھاٹی کہا کہ نفس پر شاق ہے) اور آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی (سے) کیا (مراد) ہے وہ کسی کی گردن کا (غلامی سے) چھڑا دینا ہو یا کھانا کھانا فاقہ کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو یا کسی خاک نشین محتاج کو (یعنی ان احکام الہیہ کو بجالانا چاہئے تھا) پھر (سب سے بڑھ کر یہ کہ) ان لوگوں میں سے نہ ہو جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو (ایمان کی) پابندی کی فہمائش کی اور ایک دوسرے کو ترجم (علی انلق) کی (یعنی ترک ظلم کی) فہمائش کی (ایمان تو سب سے مقدم ہے پھر امر بالثبات علی الایمان اوروں سے افضل ہے، پھر لوگوں کی ایذا سے بچنا یقینہ سے اہم ہے پھر ان اعمال کا رتبہ ہے جو فلاح دہ سے مثربۃ تک مذکور ہیں پس یہ ثم تفرغیم رتبہ کے لئے ہے، مطلب یہ کہ جمیع اصول و فروع میں بطاعت کرنا چاہیے تھا، آگے اللّٰہِ اٰمَنُوْا الخ کی جزا کا بیان ہے یعنی) یہی لوگ داہنے والے ہیں (جن کی تفصیل جزا سورہ واقعہ میں ہے اور یہاں اسمیں مطلق اہل ایمان خواص عوام

سب داخل ہیں) اور آگے اُنکے مقابلین کا بیان ہے کہ جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہیں (خود اصول ہی میں مخالف ہیں فرمے گا تو کہنا کیا) وہ لوگ بائیں والے ہیں، ان پر آگ محیط ہوگی جس کو بند کر دیا جائیگا (یعنی دوزخیوں کو دوزخ میں بھر کر آگے سے دروازہ بند کر دیں گے کیونکہ خود کی وجہ سے نکلنا تو ملے گا ہی نہیں)

معارف و مسائل

لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ، حرف لا اس جگہ زائد ہے اور قسموں میں یہ حرف زائد لانا عرب کے محاورہ میں معروف ہے اور زیادہ اصح یہ ہے کہ یہ حرف لا مخاطب کے باطل خیال کی تردید کے لئے شروع قسم میں لایا جاتا ہے جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جو تمہیں خیال باندھ رکھا ہے وہ نہیں بلکہ تم قسم کیساتھ کہتے ہیں کہ حقیقت وہ ہے جو ہم بیان کرتے ہیں۔ اور البلد سے مکہ مکرمہ مراد ہے جیسا کہ سورہ والنہین میں بھی شہر مکہ کی قسم کھائی ہے اور اسکے ساتھ اس کی صفت امین بھی بیان فرمائی۔ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِينِ، شہر مکہ کی قسم کھانا اس شہر کی بہ نسبت دوسرے شہروں کے شرافت و افضلیت کو بتلانا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عدی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے وقت شہر مکہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ (خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ تو ساری زمین میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بہتر اور محبوب ہے اور اگر مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کر دیا جاتا تو میں تیری زمین سے نہ نکلتا) (رواہ الترمذی وابن ماجہ - منظرہ)

وَانتَ حِلٌّ لِّهٰذَا الْبَلَدِ لفظ حِلّ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ حلول سے مشتق ہو جس کے معنی کسی شئی کے اندر سمانے اور رہنے اور اُترنے کے آتے ہیں، اس اعتبار سے حِلّ کے معنی اُترنے والے اور رہنے والے کے ہونگے۔ اور مراد آیت کی یہ ہوگی کہ شہر مکہ خود بھی محترم اور مقدس ہے خصوصاً جبکہ آپ بھی اس شہر میں رہتے ہیں تو مکین کی فضیلت سے بھی مکان کی فضیلت بڑھ جاتی ہے اسلئے شہر کی عظمت و حرمت آپ کے اس میں مقیم ہونے سے دوہری ہوگئی۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ لفظ حِلّ مصدر حَلَّت سے مشتق ہو جس کے معنی کسی چیز کے حلال ہونے کے ہیں، اس اعتبار سے لفظ حِلّ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ آپ کو کفار مکہ نے حلال سمجھ رکھا ہے کہ آپ کے قتل کے درپے ہیں حالانکہ وہ خود بھی شہر مکہ میں کسی شکار کو بھی حلال نہیں سمجھتے مگر اُن کا ظلم و سرکشی اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ جس مقدس مقام پر کسی جانور کا قتل بھی جائز نہیں اور خود ان لوگوں کا بھی یہی عقیدہ ہے وہاں اُنھوں نے اللہ کے رسول کا قتل و خون حلال سمجھ لیا ہے دوسرے معنی حِلّ کے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کے لئے حرم مکہ میں قتال کفار حلال ہونے والا ہے جیسا کہ فتح مکہ میں ایک روز کے لئے آپ سے احکام حرم اُٹھائے گئے تھے اور کفار کا قتل حلال کر دیا گیا تھا۔ خلاصہ تفسیر مذکور میں یہی تیسرے معنی لیکر تفسیر کی گئی۔ منظرہ میں تینوں احتمال مذکور ہیں اور تینوں معنی کی گنجائش ہے وَ اِلٰی ذٰلِكَ، والد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں جو سب انسانوں کے باپ ہیں اور ذٰلِكَ سے اُن کی اولاد مراد ہے جو ابتداء دُنیا سے قیامت تک ہوگی۔ اس طرح اس لفظ میں حضرت آدم اور تمام بنی آدم کی قسم ہوگئی۔ آگے جواب قسم مذکور ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ، کبک کے لفظی معنی محنت و مشقت کے ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی فطرت سے ایسا پیدا کیا گیا ہے کہ اول عمر سے آخر تک محنتوں اور مشقتوں میں رہتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ابتدائے حمل سے رحم مادر میں مجوس رہا پھر ولادت کے وقت کی محنت و مشقت برداشت کی، پھر ماں کا دودھ پینے پھر اُسکے چھوٹنے کی محنت پھر اپنے معاش اور ضروریات زندگی فراہم کرنے کی مشقت پھر بڑھاپے کی تکلیفیں پھر موت پھر قبر پھر حشر اور اس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اعمال کی جوابدہی پھر جزا و سزا، یہ سب دُور اُس پر محنتوں ہی کے آتے ہیں، اور یہ محنت و مشقت اگرچہ انسان کے ساتھ مخصوص نہیں سب جانوروں بھی اس میں شریک ہیں مگر اس حال کو انسان کے لئے بالخصوص اسلئے فرمایا کہ اول تو وہ سب جانوروں سے زیادہ شعور و ادراک رکھتا ہے اور محنت کی تکلیف بھی بقدر شعور زیادہ ہوتی ہے، دوسرے آخری اور سب سے بڑی محنت محشر میں دوبارہ زندہ ہو کر عمر بھر کے اعمال کا حساب دینا ہے وہ دوسرے جانوروں میں نہیں۔

بعض علماء نے فرمایا کہ کوئی مخلوق اتنی مشقتیں نہیں جھیلی جتنی انسان برداشت کرتا ہے باوجودیکہ وہ جسم اور جثہ میں اکثر جانوروں کی نسبت ضعیف و کمزور ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ انسان کی دماغی قوت سب سے زیادہ عیسیٰ لئے اُس کی تخصیص کی گئی۔ مکہ مکرمہ اور آدم و اولاد آدم علیہ السلام کی قسم کھا کر حق تعالیٰ نے اس حقیقت کو بیان فرمایا کہ انسان کو ہم نے شدت و محنت اور مشقت ہی میں اور اُسی کے لئے پیدا کیا ہے جو اس کی دلیل ہے کہ انسان خود بخود پیدا نہیں ہو گیا یا اسکو کسی دوسرے انسان نے جنم نہیں دیا بلکہ اسکا پیدا کرنے والا ایک قادر مختار ہے جس نے اپنی حکمت سے ہر مخلوق کو خاص خاص مزاج اور خاص اعمال و افعال کی استعداد دیکر پیدا کیا ہے اگر انسان کی تخلیق میں خود انسان کو کچھ دخل ہوتا تو وہ اپنے لئے محنتیں مشقتیں کبھی تجویز نہ کرتا (قرطبی)

دُنیا میں مکمل راحت جس میں کوئی تکلیف نہ ہو کسی کو اس قسم اور جواب قسم میں انسان کو اس پر متنبہ کیا گیا ہے کہ تمہاری حاصل نہیں ہوگی اسلئے انسان کو چاہیے کہ مشقت کیلئے تیار رہے جو یہ خواہش ہے کہ دنیا میں ہمیشہ راحت ہی راحت ملے کسی تکلیف سے سابقہ نہ پڑے یہ خیال خام ہے جو کبھی حاصل نہیں ہوگا اسلئے ضروری ہے کہ ہر شخص کو دنیا میں محنت و مشقت اور رنج مصیبت پیش آئے، اور جب مشقت و کلفت پیش آنا ہی ہے تو عقلمند کا کام یہ ہے کہ یہ محنت و مشقت اُس چیز کیلئے کرے جو اسکو ہمیشہ کام آدے اور دائمی راحت کا سامان بنے اور وہ صرف ایمان اور عطا حق میں منحصر ہے۔ آگے غافل اور آخرت کے منکر انسان کی چند جاہلانہ خصلتوں کا ذکر کر کے فرمایا اَلْحَسْبُ اَنْ لَّكَ زَكَاةٌ اَحَدٌ یعنی کیا یہ بیوقوف یہ سمجھتا ہے کہ اُس کے اعمال بد کو کسی نے دیکھا نہیں اسکو جاننا چاہیے کہ اسکا خالق اُس کے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔

اَنكُھ اور زبان کی تخلیق میں چند حکمتیں اَلَمْ يَجْعَلْ لَّكَ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ وَهَدٰ يٰنُجْدَيْنِ، نجدین تنبیہ نجد کا ہے جس کے لفظی معنی اس راستہ کے ہیں جو اوپر بلندی کی طرف جاتا ہو مراد اس سے کھلا واضح راستہ ہے اور ان دو راستوں میں ایک خیر و فلاح کا دوسرا شر و ہلاکت کا راستہ ہے۔

سابقہ آیت میں انسان کی اس غفلت و جہالت پر تنبیہ تھی کہ وہ سمجھتا ہے کہ میرے اوپر اللہ تعالیٰ کو بھی

قدرت نہیں، اور یہ کہ اُس کے اعمال و افعال کو کوئی دیکھنے والا نہیں۔ اس آیت میں چند اُن نعمتوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُس کے وجود میں ایسی عطا فرمائی ہیں کہ خود اُن کی صنعت و حکمت ہی پر غور کرے تو حق تعالیٰ کی بے مثال حکمت و قدرت کا نظارہ انھیں چیزوں میں کرے، انہیں پہلے دو آنکھوں کا ذکر فرمایا کہ آنکھ کے نازک پردے نازک شرایین (رگیں) اُنہیں قدرتی روشنی، پھر آنکھ کی وضع و ہیئت کہ یہ نازک ترین عضو ہے اسکی حفاظت کا کیا سامان خود اسکی خلقت میں کیا گیا کہ اسکے اوپر ایسے پردے ڈال دیئے جو خود کار مشین کی طرح جب کوئی مضر چیز سامنے سے آتی دکھائی دے خود بخود بغیر کسی اختیار کے بند ہو جاتے ہیں ان پردوں کے اوپر پلکوں کے بال کھڑے کر دیئے کہ گرد و غبار کو روک لیں اسکے اوپر بھوؤں کے بال رکھے کہ اوپر سے آئینوالی چیز براہ راست آنکھ میں نہ پہنچے، اس کو چہرے کے اندر اس طرح فٹ کیا گیا کہ اوپر سخت ہڈی ہے، نیچے رخسارہ کی سخت ہڈی ہے آدمی کہیں چہرے کے بل گر جائے یا اس کے چہرے پر کوئی چیز آپڑے تو اوپر نیچے کی ہڈیاں آنکھ کو بچالیں گی۔

دوسری چیز زبان ہے اس کی عجیب و غریب تخلیق اور دل کی باتوں کی ترجمانی جو اس پر اسرار اور خود کار مشین کے ذریعہ ہوتی ہے اسکے حیرت انگیز طریقہ کار کو دیکھو کہ دل میں ایک مضمون آیا دماغ نے اُس پر غور کیا اُس کیلئے مضمون اور الفاظ تیار کئے وہ الفاظ اس زبان کی مشین سے نکلنے لگے یہ اتنا بڑا کام کیسی سرعت کیساتھ ہو رہا ہے کہ سننے والے کو یہ احساس بھی نہیں ہو سکتا کہ ان الفاظ کے زبان پر آنے میں اسکے پیچھے کتنی مشینری نے کام کیا ہے تب یہ کلمات زبان پر آئے ہیں۔ زبان کیساتھ شفتین یعنی ہونٹوں کا ذکر اسلئے بھی فرمایا کہ زبان کے کام میں ہونٹ بڑے مددگار ہیں آواز و حرف کی ممتاز شکلیں وہی بناتے ہیں اور شاید اسلئے بھی کہ قدرت نے زبان کو ایسی سریع العمل مشین بنایا ہے کہ آدھے منٹ میں اس سے ایسا کلمہ بھی بولا جاسکتا ہے جو اس کو جہنم سے نکال کر جنت میں پہنچا دے جیسے کلمہ ایمان یا دُنیا میں دشمن کی نظر میں بھی اس کو محبوب بنا دے جیسے پھیلے قصور کی معافی، اور اسی زبان سے اتنے ہی وقفہ میں ایسا کلمہ بھی بولا جاسکتا ہے جو اس کو جہنم میں پہنچا دے جیسے کلمہ کفر یا دُنیا میں اسکے بڑے سے بڑے ہر بان دوست کو اسکا دشمن بنا دے جیسے گالی گلوچ وغیرہ۔ جس طرح زبان کے منافع بیشمار ہیں اس کی ہلاکت آفرینی بھی اسی انداز کی ہے گویا یہ ایک تلوار ہے جو دشمن پر بھی چل سکتی ہے اور خود اپنا گلا بھی کاٹ سکتی ہے اسلئے حق تعالیٰ اجل شائد نے اس تلوار کو دو ہونٹوں کے غلاف میں مستور کر کے عطا فرمایا اور اس جگہ ہونٹوں کا ذکر کرنا اس طرف اشارہ ہو سکتا ہے کہ جس مالک نے انسان کو زبان دی اُس نے اُس کو روکنے بند کرنے کے لئے ہونٹ بھی دیئے ہیں اسلئے اسکے استعمال میں سوچ سمجھ سے کام لے، بے موقع اسکو ہونٹوں کی میان سے نہ نکالے، تیسری چیز دو راستوں کی ہدایت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو خیر و شر اور بھلے بڑے کے پہچان کے لئے ایک استعداد اور مادہ خود اسکے وجود میں رکھ دیا، جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا فَخُذْهَا وَقْوَاهَا یعنی نفس انسانی کے اندر اللہ تعالیٰ نے خیر اور تقوا سے دونوں کے مادے رکھ دیئے ہیں تو اس طرح ایک ابتدائی ہدایت انسان کو خود اسکے ضمیر سے ملتی ہے پھر اس ہدایت کی تائید کے لئے انبیاء علیہم السلام اور اسمانی کتابیں آتی ہیں جو انکو بالکل واضح کر دیتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جاہل

اور غافل انسان قدرت حق کے منکر ذرا اپنے ہی وجود کی چند نمایاں چیزوں میں غور کرے تو قدرت و حکمت حق کے کمال کا مشاہدہ ہو جائیگا۔ آنکھوں سے دیکھو پھر زبان سے اقرار کرو پھر دواستوں میں سے خیر کے راستے کو اختیار کرو۔ آگے پھر اس کی غفلت شعاری اور بے فکری پر تنبیہ ہے کہ ان روشن دلائل سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اور اسکے ذریعہ قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے اور حساب دینے کا یقین ہو جانا چاہیے اس یقین کا مقتضایہ تھا کہ یہ خلق خدا کو نفع اور راحت پہنچاتا، اُن کی ایذاؤں سے بچتا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا اور خود اپنی اصلاح کرتا اور دوسرے لوگوں کی اصلاح کی فکر کرتا تاکہ قیامت میں وہ اصحابِ مین یعنی اہل جنت میں شامل ہو جائے مگر اس بد نصیب نے ایسا نہ کیا بلکہ کفر پر قائم رہا جسکا انجام جہنم کی آگ ہے۔ آخر سورت تک یہ مضمون بیان ہوا ہے اس میں چند نیک اعمال کے اختیار نہ کرنے کو ایک خاص انداز سے بیان فرمایا ہے۔

فَلَا اقْتَحِرْ الْعَقْبَةَ وَمَا اَدْرَاكَ مَا الْعَقْبَةُ فَلَوْ رَقَبْتَ ، عَقْبَهُ پھاڑ کی بڑی چٹان بھی کہتے ہیں اور دو پہاڑوں کے درمیانی راستہ کو یعنی گھاٹی کو بھی، اور دشمن سے نجات حاصل کرنے میں یہ عقبہ انسان کی مدد کرتا ہے کہ پہاڑ کے اوپر چڑھ کر دشمن سے اپنے کو بچالے یا پھر گھاٹی میں داخل ہو کر یہاں سے نکل جائے۔ اس جگہ طاعات و عبادات کو ایک عقبہ تعبیر فرمایا ہے کہ جس طرح عقبہ دشمن سے نجات دلانیکا سبب ہوتا ہے اعمالِ صالحہ آخرت کے عذاب سے نجات کا ذریعہ بنتے ہیں پھر ان اعمالِ صالحہ میں پہلے فَلَوْ رَقَبْتَ فرمایا، یعنی کسی غلام کو آزاد کرنا کہ بہت بڑی عبادت اور ایک انسان کی زندگی کو بنادینا ہے۔ دوسری چیز اَوْ اطْعَمْ بیان فرمائی کہ بھوکے کو کھانا کھلانا بہت بڑا ثواب ہے اور کھانا کھلانا کسی کو بھی ہو ثواب کے خالی نہیں مگر بعض کو کھلانا بہت بڑا ثواب بن جاتا ہے اس لئے اُس بڑے ثواب کے حاصل کرنے کے لئے فرمایا يَتِيمًا اِذَا مَقْرَبَةً اَوْ مَسْكِيْنًا اِذَا مَقْرَبَةً، یعنی خصوصاً جب کھانا کسی ایسے یتیم کو کھلایا جائے جس کیساتھ تمہاری قرابت و رشتہ داری بھی ہے تو اس میں دو ہر ثواب ہو گیا، ایک بھوکے کا پیٹ بھرنا دوسرے رشتہ داری کی صلہ رحمی اور اسکا حق ادا کرنا۔ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْعَبَةٍ، یعنی بالخصوص ایسے دن میں اس کو کھانا کھلانا جس میں وہ بھوکا ہو اور بھی زیادہ موجب ثواب ہے۔ اسی طرح یتیم رشتہ دار نہ ہو تو ایسا مسکین ہو جس کی مسکنت نے اُس کو خاک نشین بنا رکھا ہے مراد بہت زیادہ مفلس و محتاج ہے اور جس پر خرچ کیا جائے وہ جتنا زیادہ محتاج ہوگا اتنا ہی خرچ کرنے والے کا ثواب بڑھے گا۔

ایمان کا تقاضا ہے کہ انسان صرف اپنی نیکی پر اکتفا نہ کرے دوسروں کو بھی نیکی کی ہدایت کرتا رہے اس آیت میں ایمان کے بعد مومن کا یہ فرض بتلایا گیا کہ وہ دوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی صبر اور رحمت کی تلقین کرتا رہے۔ صبر سے مراد نفس کو ہر ایسے سے روکنا اور بھائیوں پر عمل کرنا ہے اور رحمت سے مراد دوسروں کے حال پر رحم کھانا، اُن کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھ کر اُن کی ایذا اور اُن پر ظلم سے بچنا، اس میں تقریباً دین کے سارے ہی احکام آگئے۔

تَمَّتْ سُورَةُ الْبَكْدِ بِحَمْدِ اللَّهِ ۲۴ شَعْبَانَ ۱۳۹۱ھ

سُورَةُ الشَّمْسِ

سُورَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَسٌ عَشْرَةٌ آيَاتٌ

سورۃ شمس مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پندرہ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شرع اللہ کے نام سے جو بحد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا ① وَالْقَمَرُ إِذَا تَلَّهَا ② وَالنَّهَارُ إِذَا جَلَّهَا ③ وَاللَّيْلُ

قسم سورج کی اور اُس کے دھوپ چڑھنے کی، اور چاند کی جب اُسے سورج کے پیچھے، اور دن کی جب اُس کو روشن کر لے اور رات کی جب

إِذَا يَغْشَاهَا ④ وَالسَّمَاءُ وَمَا بَيْنَهَا ⑤ وَالْأَرْضُ وَمَا لَحْظَاهَا ⑥ وَنَفْسٌ

اس کو ڈھانک لیوے اور آسمان کی اور جیسا کہ اُس کو بنایا، اور زمین کی اور جیسا کہ اس کو پھیلایا اور جی کی

وَمَا سَوَّاهَا ⑦ فَالْهَمَّهَا فَجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ⑧ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ⑨ وَ

اور جیسا کہ اس کو ٹھیک بنایا، پھر سمجھ دی اس کو دھنائی کی اور بچکر چلنے کی تحقیق مراد کو پہنچا جس نے اُس کو سزا لیا اور

قَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ⑩ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا ⑪ إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا ⑫

نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں ملا چھوڑا جھٹلایا ثمود نے اپنی شرارت سے جب اُنھ کو کھڑا ہوا انہیں کا بڑا بد بخت

فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا ⑬ فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا ⑭

پھر کہا اُن کو اللہ کے رسول نے خبردار رہو اللہ کی اونٹنی سے اور اس کی پانی پینے کی باری سے، پھر انھوں نے جھٹلایا اس کو، پھر پاؤں کاٹ ڈالے

قَدْ مَدَّ مَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ يَدَهُمْ يَدَيْنِ نَجْمٍ قَسْوَاهَا ⑬ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ⑭

اُس کے، پھر اُلٹ مارا اُن کے رب نے بسبب اُن کے گناہوں کے پھر برابر کر دیا سب کو، اور وہ نہیں ڈرتا پیچھا کرنے سے

خلاصہ تفسیر

قسم ہے سورج کی اور اُس کی روشنی کی اور چاند کی جب سورج (کے غروب) سے پیچھے آوے (یعنی طلوع ہو مراد

اس سے وسط ماہ کی بعض شبوں کا چاند ہے کہ سورج کے چھپنے کے بعد طلوع ہوتا ہے اور یہ قید شاید اس لئے ہو کہ وہ

وقت کمال نور کا ہوتا ہے جیسا کہ مٹھا ہوا اشارہ ہے کمال نور آفتاب کی طرف اور یا اس وقت دو آیت قدرت علی سبیل التعاقب والاقصال ظاہر ہوتی ہیں غروب شمس و طلوع قر (اور قسم ہے) دن کی جب وہ اس سورج کو خوب روشن کر دے اور قسم ہے رات کی جب وہ اس سورج کو (افلاس کے آثار و انوار کو بالکل بچھپالے) یعنی خوب رات ہو جاوے کہ دیکھی روشنی کا کچھ اثر نہ رہے اور چاروں چیزیں جن کی قسم کھائی گئی ہے ان میں جو فیدیں لگائی گئی ہیں وہ ان کے کمال کے اعتبار سے ہیں، یعنی ہر ایک کی قسم ان کی حالت کمال کے اعتبار سے ہے (اور قسم ہے آسمان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو بنایا) مراد اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح ماطہا اور ماسواہا میں بھی اور مخلوق کی قسم کو خالق کی قسم پر مقدم فرمانا اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس میں ذہن کو دلیل سے مدلول کی طرف منتقل کرنا ہے کیونکہ مصنوع دلیل ہے صنایع پر تو اس میں استدلال علی التوحید کی طرف بھی اشارہ ہو گیا (اور قسم ہے زمین کی اور اس ذات کی جس نے اس کو بچھایا اور قسم ہے انسان کی جان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو ہر طرح صورت شکل اعضاء سے درست بنایا پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری (دونوں باتوں کا اس کو اتقا کیا) یہ اسناد باعتبار تخلیق کے ہے یعنی قلب میں جوگی کار حجان ہوتا ہے یا جو بدی کی طرف میلان ہوتا ہے دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، گو اقرار اول میں فرشتہ واسطہ ہوتا ہے اور ثانی میں شیطان پھر وہ رجحان و میلان کبھی مرتبہ عزم تک پہنچ جاتا ہے جو کہ انسان کے قصد و اختیار سے صادر ہوتا ہے اسی قصد اختیار پر عذاب ثواب مرتب ہوتا ہے جس کے بعد صدور فعل تخلیق حق ہوتا ہے اور کبھی عزم تک نہیں پہنچتا وہ عاف آگے مضمون کی تکمیل کے لئے اہل فجور و اہل تقویٰ کا مال بتلاتے ہیں کہ) یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس (جان کو پاک کر لیا) (یعنی نفس کو فجور سے روکا اور تقویٰ اختیار کر لیا) اور نامراد ہوا جس نے اس کو (فجور میں) دبا دیا (اور فجور سے مغلوب کر دیا، اس کے بعد جواب قسم مقدّر ہے یعنی اے کفار کہ جب تم اہل فجور ہو تو ضرور مبتلائے غضب و ہلاک ہو گے آخرت میں تو یقیناً اور دنیا میں بعض اوقات جیسا کہ قوم ثمود اس فجور کی وجہ سے غضب الہی اور عذاب کی مورد بنی جن کا قصہ یہ ہے کہ) قوم ثمود نے اپنی شرارت کے سبب (صالح علیہ السلام کی) تکذیب کی (اور یہ اس زمانہ کا قصہ ہے) جبکہ اس قوم میں جو سب سے زیادہ بد بخت تھا وہ (ادنیٰ کے قتل کرنے کے لئے) اٹھ کھڑا ہوا (یعنی آئندہ ہو گیا اور اسکے ساتھ اور لوگ بھی شریک تھے) تو ان لوگوں سے اللہ کے پیغمبر (صالح علیہ السلام) نے (جب ان کو اس عزم قتل کی اطلاع ہوئی کذا فی الخازن) فرمایا کہ اللہ کی (اس) دشمنی سے اور اسکے پانی پینے سے خبردار رہنا (یعنی اس کو قتل مت کرنا اور نہ اس کا پانی بند کرنا، چونکہ ارادہ قتل کا اصل سبب بھی پانی کی باری تھی اس لئے اسکی تصریح فرمائی۔ اور اللہ کی ادنیٰ اس لئے کہا کہ خدا تعالیٰ نے اس کو معجزہ کے طور پر عجیب طرح سے پیدا کر کے دلیل نبوت بنا دیا اور اس کے احترام کو واجب فرمایا) سو انہوں نے پیغمبر کو (یعنی دلیل نبوت کو جو ناقہ اللہ کے ذریعہ ظاہر ہوئی) جھٹلایا (کیونکہ وہ ان کو نبی نہ سمجھتے تھے) پھر اس ادنیٰ کو مار ڈالا تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہ کے سبب ان پر ہلاکت نازل فرمائی پھر اس (ہلاکت) کو تمام قوم کے لئے ہمام فرمایا اور اللہ تعالیٰ کو اس ہلاکت کے اخیر میں کسی غرابی (بکلمت کا کسی سے) اندیشہ نہیں ہوا (جیسے ملوک دنیا کو بعض اوقات کسی قوم کو سزا دینے کے بعد احتمال ہوتا ہے

کہ اس پر کوئی شورش و ہنگامہ ملے مرتب ہو، مفصل قصہ نمود کا اور ادنیٰ کا سورۃ اعراف میں گزر چکا ہے۔

معارف و مسائل

اس سورت کے شروع میں سات چیزوں کی قسم آئی ہے اور ساتوں چیزوں کیساتھ اُن کی حالت کمال کے اعتبار سے کچھ اوصاف اور قیود ذکر کئے گئے ہیں۔ پہلی قسم وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا، یہاں اگرچہ ضحیٰ کو واو عطف کے ساتھ ذکر کیا ہے مگر بقرینہ بعد کی اشیاء کے ضحیٰ کا ذکر بطور وصف شمس کے ہے یعنی قسم ہے آفتاب جبکہ وہ وقت ضحیٰ میں ہو۔ ضحیٰ اس وقت کو کہا جاتا ہے جب آفتاب طلوع ہو کر کچھ بلند ہو جائے اور اُس کی روشنی زمین پر پھیل جائے، اس وقت میں وہ انسان کو قریب نظر آتا ہے اور تمازت زیادہ ہونے کی وجہ سے اُس کو پوری طرح دیکھ بھی سکتے ہیں۔

دوسری قسم وَالْقَمَرُ اِذَا اَظْلَمَ، یعنی چاند کی قسم جبکہ وہ آفتاب کے پیچھے آئے۔ اسکا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب چاند غروب آفتاب کے بعد طلوع ہو اور یہ مہینہ کے وسط میں ہوتا ہے جبکہ چاند تقریباً مکمل ہوتا ہے اور پیچھے آنے کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح کہ ضحیٰ کے وقت میں آفتاب بکمال نظر آتا ہے اسی طرح جبکہ چاند اُس کے پیچھے آئے یعنی کامل ہونے میں آفتاب کے تابع ہو جائے۔ تیسری قسم وَالنَّجْمُ اِذَا اَجْلَہَا، جَلَّہَا کی ضمیر زمین یا دُنیا کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے اگرچہ اس سے پہلے زمین اور دُنیا کا ذکر نہیں آیا مگر محاورات عرب میں ایسی چند چیزیں جو عموماً انسانوں کے سامنے رہتی ہیں اُن کی طرف بغیر ذکر ماضی کے بھی ضمیر راجع کر دینا مشہور و معروف ہے اور قرآن کریم میں بھی اس کی نظائر موجود ہیں۔ اس اعتبار سے معنی یہ ہوئے کہ قسم ہے دن کی اور دُنیا کی یا زمین کی جس کو دن نے روشن کر دیا ہے اس میں بھی اشارہ اس طرف ہے کہ دن کی قسم اس حالت کے اعتبار سے ہے جبکہ وہ پوری طرح روشن ہو جائے۔ اور عبارت کے اعتبار سے ظاہر یہ ہے کہ یہ ضمیر آفتاب کی طرف راجع ہو اس صورت میں معنی یہ ہونگے کہ قسم ہے دن کی جبکہ وہ آفتاب کو روشن کر دے۔ یہ اسناد مجازی ہوگی اور مطلب یہ ہوگا کہ جب دن نکل آنے کے سبب آفتاب روشن نظر آنے لگے۔

چوتھی قسم وَاللَّیْلُ اِذَا یَغْشٰہَا، یعنی قسم ہے رات کی جبکہ وہ آفتاب پر چھا جائے یعنی آفتاب کی روشنی کو مستور کر دے۔

پانچویں قسم وَالسَّمَاءُ وَاقَابِہَا، اس میں سابق نظم کے اعتبار سے زیادہ واضح بات یہ ہے کہ مَا بَدَلْہَا میں صرف ما کو مصدر یہ قرار دیکر معنی یہ لئے جا دیں کہ قسم ہے آسمان اور اس کے بنانے کی جیسا قرآن کریم میں ہے۔ وَمَا غَفَرٰی رَبِّیْ۔ اسی طرح چھٹی قسم وَالْاَرْضُ وَمَا طَحْہَا میں بمعنی مصدر لیکر ترجمہ یہ ہوا کہ قسم ہے زمین اور اس کے بچھانے پھیلانے کی، کیونکہ طُو مصدر کے معنی بچھانے پھیلانے کے آتے ہیں۔ اس میں آسمان کیساتھ بنائیکا اور زمین کے ساتھ بچھانے پھیلانے کا ذکر بھی اُسی حالت کمال کو بتلانے کے لئے ہے کہ قسم ہے آسمان کی اُس حالت میں جبکہ اُس کی تخلیق و تکوین مکمل ہو گئی، اور قسم ہے زمین کی جبکہ اسکو پھیلا کر اُس کی تخلیق مکمل کر دی گئی۔ حضرت قتادہ وغیرہ

سے یہی تفسیر منقول ہے۔ کثافت اور بیضاوی و قریبی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور بعض حضرات مفسرین نے اس جگہ حرف ما کو بمعنی مَنْ لیکر اس کی مراد حق تعالیٰ کی ذات لی ہے کہ قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے والے کی، اسی طرح وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَّهَا کا مفہوم یہ بیان کیا گیا کہ قسم ہے زمین اور اُس کے پھیلانے والے کی۔ مگر یہاں جتنی قسمیں اب تک مذکور ہوئیں اور جو آگے آ رہی ہیں وہ سب مخلوقات کی قسمیں ہیں، درمیان میں ذاتِ حق کی قسم آجانا نسق اور ترتیب سے بعید معلوم ہوتا ہے اور اس صورت میں جو اوپر لکھی گئی ہے یہ اشکال بھی نہیں لازم آتا کہ مخلوقا کی قسم کو ذاتِ خالق پر مقدم کیوں بیان کیا گیا۔ واللہ اعلم

ساتویں قسم وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا، اس میں بھی ما کو مصدر یہ لیا جائے تو معنی یہ ہیں کہ قسم ہے انسانی جان کی اور اس کے درست و متناسب کرنے کی اور اگر ما کو بمعنی مَنْ لیا جائے تو معنی یہ ہونگے کہ قسم ہے نفس کی اور اس کے برابر درست کر دینے کی۔ تسو یہ یعنی درست اور برابر کرنے کا مفہوم اس سے پہلی سورتوں میں آچکا ہے۔

فَالْهَمَّهَا فَجُورَهَا وَتَقْوَاهَا، الہام کے معنی دل میں ڈالنا۔ فجور کے معنی کھلا گناہ اور تقویٰ کا مفہوم معروف و مشہور ہے۔ یہ جملہ بھی ساتویں قسم وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا کے ساتھ مربوط ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کو بنایا، پھر اس کے دل میں فجور اور تقویٰ دونوں کا الہام کر دیا، مراد یہ ہے کہ نفس انسانی کی تخلیق میں حق تعالیٰ نے گناہ اور طاعت دونوں کے مادے اور استعداد رکھ دی ہے پھر انسان کو ایک خاص قسم کا اختیار اور قدرت دیدی کہ وہ اپنے قصد و اختیار سے گناہ کی راہ اختیار کر لے یا طاعت کی، جب وہ اپنے قصد و اختیار سے انہیں سے کوئی راہ اختیار کرتا ہے تو اسی قصد و اختیار پر اس کو ثواب یا عذاب ملتا ہے، اس تفسیر سے وہ شبہ نفع ہو گیا کہ گناہ اور طاعت جب خود انسان کی تخلیق میں رکھ دی گئی تو وہ اس کے کرنے پر مجبور ہوا، ایسی صورتیں وہ نہ کسی ثواب کا مستحق ہے نہ عذاب کا، اور یہ تفسیر ایک حدیث مرفوعہ سے مستفاد ہے جو صحیح مسلم میں حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت سے آئی ہے کہ بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ تقدیر کے متعلق سوال کیا تو آپ نے جواب میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اس آیت مسئلہ تقدیر کے شبہ کا جواب اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ الہام فجور و تقویٰ سے مراد یہ لیا جائے کہ دونوں کے مادے اور استعدادیں حق تعالیٰ نے نفس انسانی کے اندر رکھ دی ہیں مگر اس کو انہیں سے کسی ایک پر مجبور محض نہیں کیا بلکہ اُس کو قدرت و اختیار دیا کہ انہیں سے جس کو چاہے اختیار کر سکتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ آیت تلاوت فرماتے تو بلند آواز سے یہ دعا پڑھا کرتے تھے اللَّهُمَّ ارِنِي نَفْسِي تَقْوَاهَا أَنْتَ وَلَيْسَ وَمَوْلَاهَا وَأَنْتَ خَيْرُ مَنْزِلِهَا یعنی یا اللہ میرے نفس کو تقویٰ کی توفیق عطا فرما، آپ ہی میرے نفس کے ولی اور مربی ہیں۔

ان سات قسموں کے بعد جواب قسم میں فرمایا قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا، یعنی بامراد ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا۔ تزکیہ کے صلی معنی باطنی پاکی کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ جس نے اللہ کی اطاعت کر کے اپنے ظاہر و باطن کو پاک کر لیا۔ اور محروم ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو گناہوں کی دلدل میں دھنسا دیا

لفظ دَسَّی، دَسَّ سے مشتق ہے جس کے معنی زمین میں دفن کر دینے کے ہیں کما قال تعالیٰ اَمْ يَدُسُّ فِي التُّرَابِ اور بعض مفسرین نے یہاں دَسَّی اور دَسَّی دونوں میں ضمیر فاعل اللہ کی طرف راجع کر کے معنی یہ کہتے ہیں کہ بامراد ہوا وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے پاک کر دیا، اور نامراد و محروم ہوا وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں میں دھنسا دیا اس آیت نے کل انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا، ایک بامُراد دوسرا نامراد، آگے اس دوسری قسم کے لوگوں کا ایک واقعہ بطور مثال کے پیش کر کے اُن کے انجام بد سے ڈرایا گیا ہے کہ ان نامرادوں کو آخرت میں تو سخت سزا ملے گی بعض اوقات دنیا میں بھی اُن کو سزا کی ایک قسط دیدی جاتی ہے جیسے قوم ثمود کو پیش آیا، ان کا واقعہ تفصیل کیساتھ سورہ اعراف میں آچکا ہے یہاں اس کی طرف اجمالی اشارہ فرما کر ان کے عذاب کا بیان فرمایا۔

فَدَامَ عَلَيْهِمْ رَجْمُهُمْ فَسَوَّاهَا، دَمَدَمہ کا لفظ ایسے سخت عذاب کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی شخص یا قوم پر بار بار آتا رہے یہاں تک کہ ان کو بالکل فنا کر دے۔ اور فسَوَّاهَا کا مطلب یہ ہے کہ یہ عذاب پوری قوم پر محیط ہو گیا جس میں مرد و عورت بچہ بوڑھا سب برابر ہو گئے۔ آخر میں فرمایا وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا، یعنی حق تعالیٰ کا عذاب اور کسی قوم کو تباہ کر دینے کے معاملے کو دنیا کے معاملات کی طرح نہ سمجھ کہ اس میں بڑے سے بڑا بادشاہ صاحبِ قوت و شوکت بھی جب کسی قوم کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے جس میں پوری قوم کی ہلاکت ہے تو اس کو خود بھی یہ خطرہ رہتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اُن کے بقایا یا ان کے حامی لوگ ہم سے انتقام لیں اور بغاوت کرنے لگیں غرض دنیا میں دوسروں کو مارنے والا خود بھی کبھی بے خطر نہیں رہتا، جو دوسروں پر حملہ کرتا ہے اس کو اپنے پر حملے کا خطرہ بھی لازماً برداشت کرنا پڑتا ہے بجز حق تعالیٰ جل شانہ کے کہ اس کو کسی وقت کسی سے کوئی خطرہ نہیں، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

تَمَّتْ سُورَةُ الشَّمْسِ بِحَمْدِ اللَّهِ ۲۴ شَعْبَانَ ۱۳۹۱ھ

سُورَةُ الْبَلَدِ

سُورَةُ الْبَلَدِ فِكِّيَّةٌ وَهِيَ أَحَدُكَ وَعِشْرُونَ آيَةً
سورہ بیل سکھ میں نازل ہوئی اور اس کی ایکس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیکر مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْبَلَدِ إِذَا يَغْشَى ۱ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى ۲ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى ۳

قسم رات کی جب چھا جائے اور دن کی جب روشن ہو اور اُس کی جو اُس نے پیدا کئے تر اور مادہ

إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّى ۴ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ۵ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ۶

تمہاری کمائی طرح پر ہے سو جس نے دیا اور ڈرتا رہا اور سچ جانا بھلی بات کو

فَسَنِّيَسِرُهُ لِلْيُسْرَى ۷ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى ۸ وَكَذَّبَ

تو اسکو ہم سچ سچ پہنچا دیں گے آسانی میں، اور جس نے نہ دیا اور بے پروا رہا اور جھوٹ جانا

بِالْحُسْنَى ۹ فَسَنِّيَسِرُهُ لِلْعُسْرَى ۱۰ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى ۱۱

بھلی بات کو، سو اسکو ہم سچ سچ پہنچا دیں گے سختی میں اور کام نہ آئے گا اس کے مال اسکا جب گڑھے میں گرے گا

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَى ۱۲ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ۱۳ فَأَنْذَرْتُكُمْ نَارًا

ہمارا اذہم ہے راہ بچھا دینا اور ہمارے ہاتھ میں ہے آخرت اور گزشتہ سو میں نے سنا دی تم کو خبر ایک

تَنْكُطُ ۱۴ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ۱۵ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۱۶ وَسَيُجَنَّبُهَا

بھڑکتی ہوئی آگ کی، اُسیں وہی گرے گا جو بڑا بد بخت ہے جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا، اور بچا دیں گے اُس سے بڑے

الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ۱۷ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَكَ مِنْ نِّعْمَةٍ

وَرِثْوَةٍ ۱۸ جودیتا ہے اپنا مال دل پاک کرنے کو اور نہیں کسی کا اُس پر احسان جس کا

تَجْزَىٰ ۱۹ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ۲۰ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ۲۱

بدل دے مگر واسطے چاہنے مرضی اپنے رب کی جو سب سے بڑے اور آگے وہ راضی ہوگا

خلاصہ تفسیر

قسم ہے رات کی جبکہ وہ آفتاب کو اور دن کو چھپا لے، اور قسم ہے دن کی جبکہ وہ روشن ہو جاوے اور قسم ہے اُس ذات کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا (مراد اللہ تعالیٰ ہے آگے جواب قسم ہے) کہ بیشک تمہاری کوششیں (یعنی اعمال) مختلف ہیں (اور اسی طرح انکے ثمرات بھی مختلف ہیں) سو جس نے (اللہ کی راہ میں مال) دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات (یعنی ملتِ اسلام) کو سچا سمجھا تو ہم اس کو راحت کی چیز کے لئے سلمان دیدیں گے (راحت کی چیز سے نیک عمل اور بواسطہ نیک عمل کے جنت مراد ہے کہ عُسْر کا سبب اور محل ہے اسی لئے عُسْر کی کہدیا گیا ورنہ عُسْر کے معنی ہیں آسان چیز) اور جس نے حقوق واجبہ سے بخل کیا اور بجائے خدا سے ڈرنے کے خدا سے بے پروائی اختیار کی اور اچھی بات (یعنی ملتِ اسلام) کو جھٹلایا تو ہم اس کو تکلیف کی چیز کے لئے سلمان دیدیں گے (تکلیف کی چیز سے بد عمل اور بواسطہ بد عمل کے دوزخ مراد ہے کہ عُسْر کا سبب اور محل ہے اس لئے اُس عُسْر کو عُسْر کی کہدیا گیا اور سلمان دینے سے مراد دونوں جگہ یہ ہے کہ اچھے یا بُرے کام اُس کے لئے آسان ہو جائیں گے اور بے تکلف سرزد ہونے لگیں گے اور ویسے ہی اسباب جمع ہو جاویں گے پھر نیک اعمال کا سلمان جنت ہونا اور اعمالِ بد کا سلمان دوزخ ہونا ظاہر ہی ہے۔ حدیث میں ہے اَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَيُشْرَعِلُ اَهْلَ السَّعَادَةِ دَكَانَ فِي الشَّقَاوَةِ اور آگے صاحب عُسْر کا حال مذکور ہے کہ) اس کا مال اسکے کچھ کام نہ آدیکا جب وہ برباد ہونے لگے گا (بربادی سے مراد جہنم میں جانا ہے) واقعی ہمارے ذمہ (اپنے وعدہ کے مطابق) راہ کا بتلا دینا ہے (سو وہ ہم نے پوری طور سے بتلا دیا ہے پھر کسی نے ایمان و طاعت کی راہ اختیار کر لی جس کا ذکر من اعطی الخ میں ہوا ہے، اور کسی نے کفر و معصیت کی راہ کو اختیار کر لیا جس کا ذکر من بخل میں ہوا ہے) اور (جیسی راہ کوئی شخص اختیار کرے گا ویسا ہی ثمرہ اس کو دیں گے کیونکہ) ہمارے ہی قبضہ میں ہے آخرت اور دنیا (یعنی دونوں میں ہماری ہی حکومت ہے اس لئے دنیا میں ہم نے احکام مقرر کئے اور آخرت میں مخالفت اور موافقت پر سزا و جزا دیں گے جس کا بیان دو جگہ فَسَيُشْرَعِلُ میں ہوا ہے۔ آگے بطور تنبیہ اور توضیح کے ارشاد ہے کہ میں نے جو تم کو اعمال مختلفہ کی مختلف جزائیں بتلا دی ہیں) تو میں تم کو ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں (جس پر جملہ فَسَيُشْرَعِلُ لِلْعُسْرَى دلالت کرتا ہے تاکہ ایمان و طاعت جن کا ذکر اعطی الخ میں ہے اختیار کر کے اس آگ سے بچو، اور کفر و معصیت جن کا ذکر بخل الخ میں ہے اختیار کر کے اس آگ سے بچو، اور نہ جانے اور نہ جانے کے یہی اسباب ہیں چنانچہ آگے اس کی تصریح ہے کہ) اس میں ہمیشہ کے لئے ہم ہی بد بخت داخل ہوگا جس نے (دین حق کو) جھٹلایا اور اس سے بدگردانی کی اور اس سے ایسا شخص دُور رکھا جو بڑا پرہیزگار ہے، جو اپنا مال (محض) اس غرض سے دیتا ہے کہ گناہوں سے پاک ہو جاوے۔ (یعنی محض رضائے حق اس کا مطلوب ہے) اور بجز اپنے عالیشان پروردگار کی رضا جوئی کے (کہ یہی اس کا

مقصود ہے) اس کے ذمہ کسی کا احسان نہ تھا کہ (اس دینے سے) اسکا بدلہ اُتارنا (مقصود) ہو (اسیں نہایت ہی مبالغہ ہے اخلاص میں کیونکہ کسی کے احسان کا بدلہ اُتارنا بھی فی نفسہ مستحب اور فضل و موجب ثواب ہے مگر فضیلت میں احسان ابتدائی کی برابر نہیں، پس جب اس شخص کا انفاق فی سبیل اللہ اس سے بھی بڑا ہے تو ریا وغیرہ معاصی کی آمیزش سے بدرجہ اولیٰ بُری ہوگا اور یہ کمال اخلاص ہے) اور (ایسے شخص کے لئے اوپر صرف جہنم سے بچنا مذکور تھا آگے حصول نعمائے آخرت کو فرماتے ہیں کہ) یہ شخص عنقریب خوش ہو جاوے گا (یعنی آخرت میں ایسی ایسی نعمتیں ملیں گی جن سے اس کو دائمی خوشی نصیب ہوگی)

معارف و مسائل

إِنْ سَعَيْكُمْ لَشَقِيٌّ، یہ ایسا جملہ ہے جیسے سورۃ انشقاق میں مذکور ہوا اِنَّكَ كَادِحٌ لِّمَا لِي رَبِّكَ كَذَّ حَاجِس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی فطرت سے کسی نہ کسی کام کے لئے سعی و عمل اور جدوجہد کرنیکا خوگر ہے مگر بعض لوگ اپنی جدوجہد اور محنت سے دائمی راحت کا سامان کر لیتے ہیں اور بعض دوسرے اپنی اسی محنت سے دائمی عذاب خرید لیتے ہیں جیسے حدیث میں ہے کہ ہر انسان جب صبح کو اُٹھتا ہے تو وہ اپنے نفس کو تجارت پر لگا دیتا ہے کوئی تو اس تجارت میں کامیاب ہوتا ہے اور اپنے آپ کو عذابِ آخرت سے آزاد کر لیتا، اور کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسکی محنت اور سعی و عمل ہی اُس کی ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے مگر عقل کا کام یہ ہے کہ پہلے اپنی سعی و عمل کے انجام کو سوچے، جس عمل کے انجام میں وقتی آرام و لذت ہو مگر دائمی عذابِ رنج کا سبب بنے اُس کے پاس نہ جائے۔

سعی و عمل کے اعتبار سے انسانوں کے دو گروہ آگے قرآن حکیم نے سعی و عمل کے اعتبار سے انسانوں کے دو گروہ بتلائے اور دونوں کے تین تین اوصاف ذکر کئے۔ پہلا گروہ کامیاب لوگوں کا ہے اُن کے تین عمل یہ ہیں قَامًا مِّنْ اَعْطٰی وَاَتَقٰی وَاَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی، یعنی جس نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور اللہ سے ڈر کر زندگی کے ہر شعبہ میں اُس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچا رہا اور جس نے اچھی بات کی تصدیق کی۔ اچھی بات سے مراد کلمہ ایمان لا الہ الا اللہ ہے۔ (کما قالہ ابن عباس و البخاری و الترمذی) اس کلمہ کی تصدیق سے مراد ایمان لے آنا ہے اور اگرچہ ایمان سب اعمال کی روح اور سب سے مقدم ہے اسکو یہاں مؤخر کر دیا شاید یہ وجہ ہو کہ اس جگہ ذکر سعی و عمل اور جدوجہد کا ہے اور وہ اعمال ہی ہیں۔ ایمان تو ایک قلبی چیز ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تصدیق کرے پھر زبان سے بھی اسکا اقرار کلمہ شہادت کے ذریعہ کر لے، اور ظاہر ہے کہ ان دونوں چیزوں میں کوئی جہانی محنت نہیں نہ کوئی اسکو اعمال کی فہرست میں شمار کرتا ہو دوسرے گروہ کے بھی تین عمل کا ذکر فرمایا قَامًا مِّنْ اَعْطٰی وَاَتَقٰی وَاَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی، یعنی جس نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے بخل کیا کہ زکوٰۃ فرض اور صدقات واجبہ بھی ادا کرنے سے گریز کیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اسکی طرف جھکنے اور اطاعت اختیار کرنے کے بجائے اُس سے بے نیازی اور بے رخی اختیار کی اور اچھی بات یعنی کلمہ ایمان

کی تکذیب کی، ان دونوں گروہوں میں سے پہلے گروہ کے بارے میں فرمایا فَنَسِيْرًا لِلْيُسْرٰی، یُسْرٰی کے لفظی معنی ہیں آسان اور آرام دہ چیز جس میں مشقت نہ ہو مراد اس سے جنت ہے۔ اسی طرح اسکے بالمقابل دوسرے گروہ کے متعلق فرمایا فَنَسِيْرًا لِلْعُسْرٰی، عُسْرٰی کے لفظی معنی مشکل اور تکلیف دہ چیز کے ہیں، مراد اس سے جہنم ہے۔ اور معنی دونوں جملوں کے یہ ہیں کہ جو لوگ اپنی سعی و محنت پہلے تین کاموں میں لگاتے ہیں یعنی اللہ کی راہ میں خرچ اور اللہ سے ڈرنا اور ایمان کی تصدیق، ان لوگوں کو ہم یُسْرٰی یعنی اعمال جنت کے لئے آسان کر دیتے ہیں اور جو لوگ یہ سعی و عمل دوسرے تین کاموں میں لگاتے ہیں ان کو ہم عُسْرٰی یعنی اعمال جہنم کے لئے آسان کر دیتے ہیں، یہاں بظاہر مقتضائے مقام یہ کہنے کا تھا کہ ان کے لئے اعمال بہت یا اعمالِ دُورِخ آسان کر دیئے جائیں گے کیونکہ آسان یا مشکل ہونا صفت اعمال ہی کی ہو سکتی ہے تو خود ذات و اشخاص آسان ہوتے ہیں مشکل، مگر قرآن کریم نے اس کی تعبیر اس طرح فرمائی کہ خود ان لوگوں کی ذات اور وجود ان اعمال کے لئے آسان کر دیئے جاویں گے اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان کی طبیعتوں اور مزاجوں کو ایسا بنا دیا جائیگا کہ پہلے گروہ کیلئے اعمال جنت انکی طبیعت بن جائیں ان کے خلاف کرنے میں وہ تکلیف محسوس کرنے لگیں گے، اسی طرح دوسرے گروہ کا مزاج ایسا بنا دیا جائیگا کہ اس کو اعمال جہنم ہی پسند آئیں گے، انھیں میں راحت ملے گی اعمال جنت سے نفرت ہوگی۔ ان دونوں گروہوں کے مزاجوں میں یہ کیفیت پیدا کر دینے کو اس سے تعبیر فرمایا کہ یہ خود ان کاموں کے لئے آسان ہو گئے۔ ایک مرفوع حدیث میں اس کی تائید اس طرح آتی ہے کہ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا اَعْمَلُوا فِکُمْ مِیْسَرًا خَلَقَ لَہٗ اَقَامَ مِنْ کَانَ مِنْ اَہْلِ السَّعَادَةِ فِیْسَرًا لِّعَمَلِ السَّعَادَةِ وَاَقَامَ مِنْ کَانَ مِنْ اَہْلِ الشَّقَاوَةِ فِیْسَرًا لِّعَمَلِ اَہْلِ الشَّقَاوَةِ (رواہ البخاری و مسلم عن علی رضی اللہ عنہما) یعنی تم جو عمل کرتے ہو وہ کرتے رہو کیونکہ ہر ایک آدمی کے لئے وہی کام آسان کر دیا گیا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا، اس لئے جو اہل سعادت نیک بخت خوش نصیب ہیں تو اہل سعادت ہی کے اعمال ان کی طبعی رغبت بن جاتے ہیں اور جو اہل شقاوت بد نصیب یعنی اہل جہنم ہیں ان کے لئے اہل شقاوت ہی کے اعمال کرنا مزاج اور طبیعت بن جاتی ہے۔ مگر یہ دونوں چیزیں اپنے خداداد اختیار کو استعمال کرنے کے نتیجہ میں ملتی ہیں اس لئے ان پر عذاب و ثواب کا ترتیب مستبعد نہیں کہا جاسکتا۔ اسکے بعد بد نصیب گروہ اہل جہنم کو تنبیہ ہے وَمَا یُعْطٰی عَنْہُ مَالٌۭ ؕ اِذَا تَوَدَّی، یعنی جس مال کی خاطر یہ کسبخت حقوق واجبہ میں بھی بخل کیا کرتا تھا یہ مال اس پر عذاب آنے کے وقت کچھ کام نہ دیگا۔ تَوَدَّی کے لفظی معنی گرہے میں گر جانے اور ہلاک ہونے کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ موت کے بعد قبر میں اور پھر قیامت میں جب وہ جہنم کے گرہے میں گرتا ہوگا تو یہ مال اُس کو کچھ نفع نہیں دیگا۔

لَا یَصْلٰہَا اِلَّا الشَّقِیُّ ۝ الَّذِیْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی، یہ نار جہنم کے حال کا بیان ہے کہ اس میں داخل نہیں ہوگا مگر وہ ہی شخص جو بد نصیب ہے اور جس نے اللہ و رسول کی تکذیب کی اور ان کی اطاعت سے روگردانی کی اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ و رسول کی تکذیب کرنا صرف کافر ہی ہو سکتا ہے۔ اس سے بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مومن گناہگار جو تکذیب کا مجرم نہیں جہنم میں نہیں جائے گا، حالانکہ قرآن و حدیث کی بشمار نصوص اس سے بھری ہوئی ہیں،

کہ مومن بھی جو گناہ کرتا ہے اگر اُس نے توبہ نہ کر لی یا کسی کی شفاعت سے یا خالص رحمت سے اسکو معاف نہ کر دیا گیا تو وہ بھی جہنم میں جائیگا اور اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے تک جہنم میں رہے گا، البتہ سزا بھگتنے کے بعد جہنم سے نکال لیا جائے گا اور پھر برکت ایمان جنت میں داخل ہو جائیگا، بظاہر اس آیت کے الفاظ اس کیخلاف ہیں اس لئے ضروری ہے کہ مراد اس آیت کی وہ ہو جو دوسری آیات قرآن اور احادیث صحیحہ کیخلاف نہ ہو، اسکی بہت آسان توجیہ تو وہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں لی گئی ہے کہ یہاں دخول جہنم سے مراد وہ دخول ہے جو ہمیشہ کے لئے ہو اور ایسا دخول صرف کافر کے ساتھ مخصوص ہے مومن کسی نہ کسی وقت بالآخر اپنے گناہ کی سزا پوری کرنے کے بعد جہنم سے نکال لیا جائیگا۔ علماء مفسرین نے اس کے سوا دوسری کچھ توجیہات بھی بیان فرمائی ہیں وہ بھی اپنی جگہ درست ہو سکتی ہیں۔ اور تفسیر منطوری میں اس کی ایک توجیہ یہ کی ہے کہ اس آیت میں اشقیٰ اور اتقیٰ سے مراد عام نہیں، بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں موجود تھے، اُن موجودین میں سے کوئی مسلمان باوجود گناہ سرزد ہونے کے بھی برکت صحبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جہنم میں نہیں جائے گا۔

صحابہ کرام سب کے سب جہنم سے محفوظ ہیں [وجہ یہ ہے کہ اول تو ان حضرات میں کسی سے بھی گناہ کا صدور بہت ہی شاذ و نادر ہوا ہے اور بوجہ خوفِ آخرت کے اُن کے حالات سے یہ لازم معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی سے کوئی گناہ ہوا بھی ہے تو اُس نے توبہ کر لی ہوگی۔ پھر اسکے ایک گناہ کے مقابلے میں اُس کے اعمالِ حسنہ اتنے زیادہ ہیں کہ انکی وجہ سے بھی یہ گناہ معاف ہو سکتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے **إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ**، یعنی نیک اعمال بُرے اعمال کا کفارہ بنجاتے ہیں اور خود صحبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسا عمل ہے جو تمام اعمالِ حسنہ پر غالب ہے۔ حدیث میں صلیارامت کے بارے میں آیا ہے **ہم قوم لا یشفع جلیسہم ولا یجنا بانیسہم** (صحیحین) یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کیساتھ بیٹھنے والا شقی و نامراد نہیں ہو سکتا اور جو اُن سے مانوس ہو وہ محروم نہیں رہ سکتا۔ تو جو شخص سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا جلیس اور انیس ہو وہ کیسے شقی ہو سکتا ہے۔ اسی لئے احادیث صحیحہ میں اس کی تصریحات موجود ہیں کہ صحابہ کرام سب کے سب ہی عذابِ جہنم سے بری ہیں۔ خود قرآن کریم میں صحابہ کرام کے بارے میں یہ موجود ہے **وَكَلَّا وَكَلَّا لِلّٰهِ الْحُسْنٰی**، یعنی انہیں سے ہر ایک کے لئے اللہ نے حسنیٰ یعنی جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور دوسری آیت میں ہے **إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰی أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ**، یعنی جن لوگوں کے لئے ہماری طرف حسنیٰ مقدّر ہو چکی ہے وہ نارِ جہنم سے دور رہیں گے۔ اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جہنم کی آگ اُس شخص کو نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا ہے (ترمذی عن جابر بن عبد اللہ)

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقٰی اللہ تعالیٰ جو آدمی اتقیٰ یعنی مکمل اطاعتِ حق کا خوگر ہو اور وہ اپنا مال اللہ کی راہ میں صرف اسلئے خرچ کرتا ہے کہ وہ گناہوں سے پاک ہو جائے ایسا شخص اس جہنم کی آگ سے دور رکھا جائے گا۔ الفاظِ آیت کے تو عام ہیں جو شخص بھی ایمان کیساتھ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے اُس کے لئے یہ

بشارت ہے لیکن شانِ نزول کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مراد اس لفظِ اتقی سے حضرت صدیق اکبرؓ ہیں ابن ابی حاتم نے حضرت عروہ سے روایت کیا ہے کہ سات مسلمان ایسے تھے جن کو کفار مکہ نے اپنا غلام بنایا ہوا تھا جب وہ مسلمان ہو گئے تو ان کو طرح طرح کی ایذائیں دیتے تھے حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنا مال خرچ کر کے ان کو کفار سے خرید کر آزاد کر دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (منظہری)

اسی کے مناسب آیت کا آخری جملہ ہے **وَمَا لِأَحَدٍ عِندَكَ مِنْ نِعْمَةٍ تَنْجُزِي**، یعنی جن غلاموں پر حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ احسانِ عظیم فرمایا کہ زبردستی خرچ کر کے خرید اور آزاد کر دیا، ان کا کوئی سابقہ احسان بھی ان کے ذمہ نہیں تھا جس کے بدلے میں یہ اقدام کرتے بلکہ **إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى**، یعنی ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کا عیش و نشاط کی رضا جوئی کے سوا کچھ نہ تھا۔

مستدرک حاکم میں حضرت زبیرؓ سے منقول ہے کہ صدیق اکبرؓ کی یہ عادت بھی تھی کہ جس مسلمان کو کفار کے ہاتھ میں قیدی دیکھتے اس کو خرید کر آزاد کر دیتے تھے اور یہ لوگ عموماً ضعیف ہوتے تھے، صدیق اکبرؓ کے والد حضرت ابو قحافہؓ نے ان سے فرمایا کہ جب تم غلاموں کو آزاد ہی کرتے ہو تو اتنا کام کر لو کہ ایسے غلاموں کو آزاد کیا کرو جو قوی و بہادر ہیں تاکہ وہ کل تمہارے دشمنوں کا مقابلہ اور تمہاری حفاظت کر سکیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ میرا مقصد ان آزاد کردہ حضرات سے کوئی فائدہ اٹھانا نہیں بلکہ میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ان کو آزاد کرتا ہوں (منظہری)

وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ، یعنی جس شخص نے اپنا مال خرچ کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو دیکھا اپنا کوئی دنیوی فائدہ نہیں نکا تو اللہ تعالیٰ بھی آفرت میں اس کو راضی ہی کر دیں گے کہ جنت کی نعمت عجیبہ دائمہ نصیب فرما دیں گے۔ شانِ نزول کے واقعہ سے ان آیات کا صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہونا ثابت ہے اس لئے یہ آخری کلمہ حضرت صدیق اکبرؓ کے لئے ایک عظیم خوشخبری اور اعزاز ہے کہ ان کو دنیا ہی میں اللہ کی طرف سے راضی کر دیئے جانے کی خوشخبری سنادی۔

تَمَّتْ سُورَةُ التَّيْلِ بِحَمْدِ اللَّهِ ۲۵ رَجَبِ ۹۱ هـ

سُورَةُ الضُّحَىٰ

سُورَةُ الضُّحَىٰ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ إِحْدَى عَشْرَةَ آيَةً

سورہ ضحیٰ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شرع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالضُّحَىٰ ۱ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۲ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۳ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ

نشم دھوپ چڑھتے وقت کی اور رات کی جب چھا جائے نہ رخصت کر دیا تجھ کو تیرے رب نے اور نہ بیزار ہوا، اور البتہ اچھلی بہتر ہے

لَكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۴ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۵ أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا

تجھ کو پہلی سے اور آگے دیگا تجھ کو تیرا رب پھر تو راضی ہوگا بھلا نہیں پایا تجھ کو یتیم

فَأَوَىٰ ۶ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۷ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ۸ فَأَمَّا الْيَتِيمَ

پھر جگہ دی اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سمجھائی اور پایا تجھ کو مفلس پھر بے پردا کر دیا سو جو یتیم ہو

فَلَا تَقْهَرْ ۹ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۱۰ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۱۱

اسکو مت دبا اور جو مانگتا ہو اس کو مت بھڑک اور جو احسان ہے تیرے رب کا سو بیان کر

خلاصہ تفسیر

قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جب کہ وہ قرار پکڑے (قرار پکڑنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک حقیقی معنی اسکی ظلمت کا کامل ہو جانا کیونکہ رات میں اندھیری رفتہ رفتہ بڑھتی ہے، کچھ رات گزرنے پر مکمل ہو جاتی ہے، دوسرے مجازی یعنی جانداروں کا اسمیں سو جانا اور چلنے پھرنے اور بولنے چالنے کی آوازوں کا ساکن ہو جانا، آگے جواب قسم ہے کہ آپکے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا اور نہ آپ سے بیزار ہوا (کیونکہ اول تو آپ سے کوئی بات ایسی نہیں ہوئی دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس سے محفوظ و معصوم بنایا ہے۔ پس آپ کفار کے خرافات و لغویات سے محزون نہ ہو جائے جو چند روز وحی کی تاخیر کے سبب یہ کہنے لگے کہ آپ کو آپکے خدا نے چھوڑ دیا ہے، آپ برابر نعمت وحی سے

مشرف رہیں گے اور یہ شرف و کرامت تو آپ کے لئے دنیا میں ہے) اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے (پس وہاں آپ کو اس سے زیادہ نعمتیں ملیں گی) اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو (آخرت میں بکثرت نعمتیں) دے گا سو آپ (انکے عطا ہونے سے) خوش ہو جاویں گے (اور جس کی قسم کھائی ہے اُس کو اس بشارت سے مناسبت یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ظاہر میں اپنی قدرت و حکمت کے مختلف نشان ظاہر کرتا ہے دن کے پیچھے رات کو اور رات کے پیچھے نکلوتا ہے یہی کیفیت باطنی حالات کی سمجھو۔ اگر سورج کی دھوپ کے بعد رات کی تاریکی کا آنا اللہ تعالیٰ کی خفگی اور ناراضی کی دلیل نہیں اور نہ اسکا کوئی ثبوت ہے کہ اس کے بعد دن کا آجلا کبھی نہ ہوگا تو چند روز وحی کے رکے رہنے سے یہ کیونکر سمجھ لیا جائے کہ آجکل خدا اپنے منتخب کئے ہوئے پیغمبر سے خفا اور ناراض ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے وحی کا دروازہ بند کر دیا، ایسا کہنا تو خدا تعالیٰ کے علم محیط اور حکمت بالغہ پر اعتراض کرنا ہے گویا اسکو خبر نہ تھی کہ جس کو میں نبی بنا رہا ہوں وہ آئندہ چلکر اسکا اہل ثابت نہ ہوگا نعوذ باللہ منہ۔ آگے بعض نعمتوں سے مضمون مذکور کی تائید ہے یعنی) کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو شیم نہیں پایا پھر (آپ کو) ٹھکانا دیا (کہ شکم مادر میں ہونے کے وقت ہی آپ کے والد کی وفات ہو گئی اللہ تعالیٰ نے آپ کے دادا سے پرورش کرایا پھر جب آپ آٹھ برس کے ہوئے تو ان کی بھی وفات ہو گئی تو آپ کے چچا سے پرورش کرایا، ٹھکانہ دینے کا مطلب یہی ہے) اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو (شرعیات سے) بے خبر پایا سو (آپ کو شریعت کا) رستہ بتلایا (کقولہ تعالیٰ مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ الخ اور وحی سے پہلے شریعت کی تفصیل معلوم نہ ہونا کوئی عیب نہیں) اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادار پایا سو مالدار بنا دیا (اس طرح کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال میں آپ نے بطور مضاربہ کے تجارت کی، اس میں نفع ملا، پھر حضرت خدیجہ نے آپ سے نکاح کر لیا اور اپنا تمام مال حاضر کر دیا مطلب یہ کہ آپ ابتدا سے مورد انعامات رہے ہیں آئندہ بھی رہیں گے اُن انعامات پر ادائے شکر کا حکم ہے کہ جب ہم نے آپ کو یہ نعمتیں دی ہیں) تو آپ (اس کے شکر میں) شیم پر سختی نہ کیجئے اور سائل کو مت جھڑکئے (یہ تو شکر فعلی ہے) اور اپنے رب کے انعامات (مذکورہ) کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے۔

معارف و مسائل

شان نزول | اس سورت کے سبب نزول کے متعلق بخاری و مسلم میں حضرت جندب بن عبد اللہ کی روایت سے آیا ہے اور ترمذی نے حضرت جندب سے یہ روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک انگلی زخمی ہو گئی اُس سے خون جاری ہوا تو آپ نے فرمایا، اِنَّا نَتَّالِصُ بِمِيتَةٍ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيتُ، یعنی تو ایک انگلی ہی تو ہے جو خون آلودہ ہو گئی اور جو کچھ تکلیف تجھے پہنچی وہ اللہ کی راہ میں ہے (اس لئے کیا غم ہے) حضرت جندب نے یہ واقعہ ذکر کر کے فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد (کچھ روز) جبریل امین کوئی وحی میسر نہیں آئے تو مشرکین مکہ نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اُن کے خدا نے چھوڑ دیا اور ناراض ہو گیا، اس پر یہ سورت صبحی نازل ہوئی حضرت جندب کی روایت جو بخاری میں ہے اس میں ایک دو رات تہجد کے لئے نہ اُٹھنے کا ذکر ہے وحی میں تاخیر کا ذکر نہیں اور ترمذی میں تہجد میں ایک دو رات نہ اُٹھنے کا ذکر نہیں صرف وحی میں تاخیر کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ

ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، ہو سکتا ہے کہ دونوں باتیں پیش آئی ہوں، راوی نے کبھی ایک کو بیان کیا کبھی دوسرے کو، اور یہ عورت جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طعنہ دیا اُمّ جمیل ابولہب کی بیوی تھی جیسا کہ دوسری روایت میں ہے اور تاخیر وحی کے واقعات متعدد مرتبہ پیش آئے ہیں ایک شروع نزول قرآن میں پیش آیا جسکو زمانہ فرت وحی کہا جاتا ہے یہ سب سے زیادہ طویل تھا۔ ایک واقعہ تاخیر وحی کا اس وقت پیش آیا جبکہ مشرکین یا یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کی حقیقت کے متعلق سوال فرمایا اور آپ نے بعد میں جواب دینے کا وعدہ فرمایا، مگر انشاء اللہ نہ کہنے کے سبب کچھ روز تک سلسلہ وحی کا بند رہا اسپر مشرکین نے یہ طعنہ دینا شروع کئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خدا اُن سے ناراض ہو گیا اور اُن کو چھوڑ دیا، اسی طرح کا یہ واقعہ ہے جو سورہ ضحیٰ کے نزول کا سبب ہوا یہ ضروری نہیں کہ یہ سب واقعات ایک ہی زمانے میں پیش آئے ہوں بلکہ آگے پیچھے بھی ہو سکتے ہیں۔

وَلَا خَيْرَ لَكَ مِنَ الْأُولَىٰ، یہاں آخرت کو اپنے معروف معنی میں اور اس کے بالمقابل اولیٰ کو دُنیا کے معنی میں لیا جائے تو تفسیر وہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں اُدھر آچکی ہے کہ یہ کفار و مشرکین جو طعنہ آپ کو دے رہے ہیں یہ دُنیا میں تو دیکھ ہی لیں گے کہ وہ سراسر لغو اور غلط تھے ہم اُس سے آگے آخرت کے انعامات کا بھی آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کو دُنیا سے بہت زیادہ انعامات سے نوازا جائیگا اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ اس جگہ آخرت کو اس کے لفظی معنی میں لیا جاوے یعنی پچھلی حالت جیسا کہ لفظ اولیٰ کے لفظی معنی پہلی حالت کے ہیں تو مطلب آیت کا یہ ہو گا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کے انعامات برابر زیادہ ہی ہوتے چلے جائیں گے کہ ہر پہلی حالت سے پچھلی حالت بہتر اور افضل ہوتی چلی جائے گی، اس میں علوم و معارف اور قرب الہی کے درجات میں ترقی بھی داخل ہے اور دُنیا کے معاشی مسائل اور عزت و حکومت بھی۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ، یعنی آپ کا رب آپ کو اتنا دیگا کہ آپ راضی ہو جائیں، اس میں حق تعالیٰ نے یہ متعین کر کے نہیں بتلایا کہ کیا دیں گے اس میں اشارہ عموم کی طرف ہے کہ آپ کی ہر مرغوب چیز آپ کو اتنی دیں گے کہ آپ راضی ہو جائیں۔ آپ کی مرغوب چیزوں میں دین اسلام کی ترقی، دین اسلام کا عام طور پر دُنیا میں پھیلنا پھر اُمت کی ہر ضرورت اور خود آپ کا دشمنوں پر غالب آنا، ان کے ملک میں اللہ کا کلمہ بلند کرنا اور دین حق پھیلانا سب داخل ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا لَا اَرْضَ لِي وَوَاحِدٌ مِّنْ اُمَّتِي فِي النَّارِ یعنی جب یہ بات ہے تو میں اُس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک میری اُمت میں سے ایک آدمی بھی جہنم میں رہے گا (قرطبی) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری اُمت کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمائیں گے یہاں تک کہ حق تعالیٰ فرمادیں گے رَضِيتَ يَا اَحْمَدُ، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اب بھی آپ راضی ہیں، تو میں عرض کروں گا یا رب رَضِيتُ یعنی اے میرے پروردگار میں راضی ہوں۔ اور صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن عاص رضی کی روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ آیت تلاوت فرمائی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ہے فَمَنْ تَبِعَنِي فَاِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَاِنَّكَ غَافِرٌ رَّحِيمٌ، پھر دوسری آیت تلاوت فرمائی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کا قول ہے اِنْ تَعَدَّ بَعْضُ فَاَتَمَّ عِبَادُكَ، پھر آپ نے دعا کے لئے دونوں ہاتھ اٹھائے اور گریہ و زاری شروع کی اور بار بار فرماتے تھے اَللّٰهُمَّ اَمِّتْنِیْ اَمِّتْنِیْ، حق تعالیٰ نے جبریل امین کو بھیجا کہ آپ سے دریافت کریں کہ آپ کیوں روتے ہیں (اور یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ ہمیں سب معلوم ہے) جبریل امین آئے اور سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ میں اپنی اُمّت کی مغفرت چاہتا ہوں۔ حق تعالیٰ نے جبریل امین سے فرمایا کہ پھر جاؤ اور کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ آپ سے فرماتے ہیں کہ ہم آپ کو آپ کی اُمّت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور آپ کو رنجیدہ نہ کریں گے۔

ادھر طعنہ کفار کے جواب میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر انعامات الہیہ دنیا و آخرت میں فائز ہو سکا اجمالی ذکر آیا ہے اسمیں اس کی تھوڑی سی تفصیل تین خاص نعمتوں کے ذکر سے فرمائی گئی ہیں اَوَّلُ الْخَيْرِ لَكَ يَتِيمًا فَادَوٰی یعنی ہم نے آپ کو یتیم پایا کہ والد کا انتقال ولادت سے پہلے ہی ہو چکا تھا اور انھوں نے کوئی مال و جائداد بھی تھوڑی تھی جس سے آپ کی پرورش ہو سکے، تو ہم نے آپ کا ٹھکانہ بنا دیا، یعنی آپکے دادا عبد المطلب اور انکے بعد چچا ابو طالب کے دلوں میں آپ کا ایسی محبت ڈال دی کہ صلیبی اولاد سے زیادہ آپ کی تربیت میں کوشش کرتے تھے۔

دوسری نعمت وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰی، لفظ ضال کے معنی گمراہ کے بھی آتے ہیں اور ناواقف بے خبر کے بھی، یہاں دوسرے ہی معنی مراد ہو سکتے ہیں کہ نبوت سے پہلے آپ شریعت الہیہ کے احکام اور علوم سے بے خبر تھے، آپ کو منصب نبوت پر فائز کر کے آپ کی رہنمائی فرمائی۔

تیسری نعمت وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰی، عائل، عیالہ سے مشتق ہے جس کے معنی فقیر و محتاج ہونے کے ہیں، معنی آیت کے یہ ہوئے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تادار اور بے زر پایا تو آپ کو غنی و مالدار کر دیا، جس کی ابتداء حضرت خدیجہ کبریٰ رض کے مال میں بطور شرکت مضاربت کے تجارت کرنے سے ہوئی پھر وہ خود آپ کے عقد نکاح میں آکر اُمّ المؤمنین ہوئیں تو ان کا سارا مال ہی آپ کی خدمت کے لئے ہو گیا۔

ان تینوں نعمتوں کا ذکر فرمانے کے بعد آپ کو تین چیزوں کا حکم دیا گیا، اَوَّلُ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تُفْهَرُ، قہر کے معنی غلبہ اور جبری تسلط کے ہیں، مراد یہ ہے کہ آپ کسی یتیم کو ضعیف اور بے وارث سمجھ کر اسکے اموال و حقوق پر اس طرح مسلط نہ ہوں کہ اس کا حق ضائع ہو جائے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیم کے ساتھ شفقت کے معاملے کی تاکید فرمائی اور اسکے ساتھ دل شکنی کا برتاؤ کرنے سے منع فرمایا، ارشاد ہے کہ مسلمانوں کے گھروں میں بہتر گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اسکے ساتھ احسان و محبت کا سلوک کیا جاتا ہو، اور سب بُرا گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اسکے ساتھ بُرا سلوک کیا جاتا ہو (رواہ البخاری فی الادب المفرد، وابن ماجہ والبیہقی، منطہری)

دوسرا حکم فَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرُ، تنہر، نہر سے مشتق ہے جس کے معنی زجر اور جھڑکنے کے ہیں اور سائل کے معنی سوال کرنے والا، اسمیں وہ بھی داخل ہے جو کسی مال کا سوال کرے اور وہ بھی جو علمی تحقیق کا سوال کرے، دونوں کو جھڑکنے دانستنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منع فرمایا گیا، بہتر یہ ہے کہ سائل کو کچھ دیکر رخصت کرے اور نہیں دے سکتا تو نرمی سے عذر کر دے اسی طرح کسی علمی مسئلہ کا سوال کرنے والے کے جواب میں بھی سختی اور بد خوئی

منوع ہے نرمی اور شفقت سے جواب دینا چاہیے بجز اسکے کہ سائل کسی طرح مانے ہی نہیں تو بصورت زبردستی جائز ہے۔
تیسرا حکم وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ، حدّث، تحدیث سے مشتق ہے جس کے معنی بات کرنے کے ہیں، مراد یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا لوگوں کے سامنے ذکر کیا کریں کہ یہ بھی ایک طریقہ شکر گزاری کا ہے یہاں تک آدمی جو کسی آدمی پر احسان کرے اسکا بھی شکر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے جو شخص لوگوں کے احسان پر اُفکا شکر نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر نہیں کرے گا (رواہ احمد ورواہ ثقات، منطہری)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص تم پر کوئی احسان کرے تو چاہیے کہ آپ بھی اسکے احسان کا بدلہ دو، اور اگر مالی بدلہ دینے کی استطاعت نہیں تو یہی کر دو کہ لوگوں کے سامنے اُس کی تعریف کر دو کیونکہ جس نے لوگوں کے مجمع میں اس کی ثناء و تعریف کی تو اُس نے شکر گزاری کا حق ادا کر دیا (رواہ البیہقی عن جابر بن عبد اللہ، منطہری)
مسئلہ۔ ہر نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے مالی نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس مال میں سے کچھ اللہ کے لئے اخلاصیت کے ساتھ خرچ کرے اور نعمت بدن کا شکر یہ ہے کہ جسمانی طاقت کو اللہ تعالیٰ کے واجبات ادا کرنے میں صرف کرے اور علم و معرفت کی نعمت کا شکر یہ ہے کہ دوسروں کو اُس کی تعلیم دے (منطہری)

مسئلہ۔ سورہ الضحیٰ سے آخر قرآن تک ہر سورت کیساتھ تکبیر کہنا سنت ہے اور اس تکبیر کے الفاظ شیخ صالح لمصری نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ بتلائے ہیں (منطہری)

ابن کثیر نے ہر سورت کے ختم پر اور بیہقی نے ہر سورت کے شروع میں ایک مرتبہ تکبیر کہنے کو سنت کہا ہے (منطہری)
دونوں میں سے جو صورت بھی اختیار کرے سنت ادا ہو جائے گی۔ واللہ اعلم
فائدہ | سورہ ضحیٰ سے آخر قرآن کریم تک بیشتر سورتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حق تعالیٰ کے خاص انعامات اور آپ کے مخصوص فضائل کا ذکر ہے اور چند سورتوں میں قیامت اور اسکے احوال کا۔ قرآن حکیم کا شروع خود قرآن کی عظمت اور ناقابل شک و شبہ ہونے سے کیا گیا اور ختم قرآن اُس ذات کی عظمت و شان پر کیا گیا جس پر قرآن نازل ہوا۔

تمت سورۃ الضحیٰ ۲۸ شعبان ۱۳۵۹ھ

سُورَةُ الْاِنْشِرَاحِ

سُورَةُ الْاِنْشِرَاحِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانُ آيَاتٍ
سورة انشراح مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۙ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۙ

کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ اور اتار رکھا ہم نے تجھ پر سے بوجھ تیرا جس نے جھکا دی تھی پیٹھ تیری

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۙ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ فَاِذَا

اور بلند کیا ہم نے تذکر تیرا سو البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے پھر جب

فَرَعْتَ فَاَنْصَبْ ۙ وَ اِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ۙ

تو فارغ ہو تو منھت کر اور اپنے رب کی طرف دل لگا

خلاصہ تفسیر

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ (علم و حلم سے) کشادہ نہیں کر دیا (یعنی علم بھی وسیع عطا فرمایا اور تبلیغ میں جو مخالفین کی مزاحمت سے ایذا پیش آتی ہے اس میں تحمل اور حلم بھی دیا، کذا قال الحسن کما فی الدر المنثور) اور ہم نے آپ پر سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی (وِزْر سے مراد وہ مباح اور جائز امور ہیں جو کبھی کبھی کسی حکمت و مصلحت کے پیش نظر آپ سے صادر ہو جاتے تھے اور بعد میں ان کا خلاف حکمت و خلافِ اِلیٰ ہونا ثابت ہوتا تھا اور آپ بوجہ علو شان و غایت قرب کے اس سے ایسے منغوم ہوتے تھے جس طرح گناہ سے کوئی منغوم ہوتا ہے، اسمیں بشارت ہے ایسے امور پر مواخذہ نہ ہونے کی کذا فی الدر المنثور عن مجاہد و شریح بن عبد الحمزہ) پس اس بنا پر یہ بشارت آپ کو دوبار ہوئی، اول مکہ میں اس سورت کے ذریعہ، دوسری مدینہ میں سورہ فتح میں اُنکی تاکید و تکمیل اور تجدید و تفصیل کے لئے) اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا آواز بلند کیا (یعنی اکثر جگہ شریعت میں

اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کا نام مبارک مقرون کیا گیا، کذا فی الدر المنثور مرفوعاً قال اللہ تعالیٰ اذا ذکرْتُ ذکرتُ معی، یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جہاں میرا ذکر ہوگا آپ کا ذکر بھی میرے ساتھ ہوگا (رواہ ابن جریر وابن ابی حاتم) جیسے خطبہ میں تشہد میں نمازیں اذان میں اقامت میں اور اللہ کے نام کی رفعت اور شہرت ظاہر ہے پس جو اس کے قرین ہوگا رفعت و شہرت میں وہ بھی تابع رہے گا اور چونکہ مکہ میں آپ اور مومنین طرح طرح کی تکالیف و شدائد میں گرفتار تھے اسلئے آگے انکے ازالہ کا بطریق تفریح علی السابغ کے وعدہ فرماتے ہیں کہ جب ہم نے آپ کو روحانی راحت دی اور دنیوی کلفت رفع کر دی جیسا الم نشرح الخ سے معلوم ہوا (سو اس سے دنیوی راحت و محنت میں بھی ہمارے فضل و کرم کا اُمیدوار رہنا چاہیے چنانچہ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ) بیشک موجودہ مشکلات کے ساتھ (یعنی غمغریب ہی جو حکماً ساتھ ہونے کے معنی میں ہے) آسانی (ہونے والی) ہے (اور چونکہ ان مشکلات کے انواع و اعداد کثیر تھے اس لئے اس وعدہ کو مکرر تاکید کے لئے فرماتے ہیں کہ) بیشک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی (ہونی والی) ہے (چنانچہ وہ مشکلات ایک ایک کر کے سب رفع ہو گئیں جیسا روایات احادیث و سیر و تواریخ اس پر متفق ہیں، آگے ان نعمتوں پر شکر کا حکم ہے کہ جب ہم نے آپ کو ایسی ایسی نعمتیں دی ہیں) تو آپ جب (تبلیغ احکام سے جو دوسروں کی نفع رسانی کی وجہ سے عبادت ہے) فارغ ہو جایا کریں تو (دوسری عبادات متعلقہ بذات خاص میں) محنت کیا کیجئے (مراد کثرت عبادت و ریاضت ہے کہ آپ کی شان کے یہی مناسب ہے) اور (جو کچھ مانگنا ہو اس میں) اپنے رب ہی کی طرف توجہ رکھئے (یعنی اُسی سے مانگئے اور اس میں بھی ایک حیثیت سے بشارت ہے زوالِ عُسر کی کہ خود درخواست کرنے کا حکم گویا درخواست پورا کرنے کا وعدہ ہے)

معارف و مسائل

جیسا کہ سورہ ضحیٰ کے آخر میں بیان ہو چکا ہے کہ سورہ ضحیٰ سے آخر قرآن تک بائیس سورتوں میں بیشتر ذکرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر انعاماتِ الہیہ اور آپ کی عظمتِ شان سے متعلق مضامین ہیں، صرف چند سورتیں احوالِ قیامت یا بعض دوسرے مضامین سے متعلق آئی ہیں۔ سورہ الانشراح میں بھی اُن خاص خاص نعمتوں کا ذکر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حق تعالیٰ نے مبذول فرمائیں اور اسکے بیان میں اسی عنوان استغفار کو اختیار فرمایا ہے جو سورہ ضحیٰ میں آکھ یجددک الخ میں تھا فرمایا،

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ، شرح کے فعلی معنی کھولنے کے، اور سینہ کو کھول دینا اس کے علوم و معارف اور اخلاقِ حسنہ کے لئے وسیع کر دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْاِسْلَامِ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو حق تعالیٰ نے علوم و معارف اور اخلاقِ کریمہ کے لئے ایسا وسیع بنا دیا تھا کہ آپ کے علم و حکمت کو بڑے بڑے عقلا بھی نہ پاسکے اور اسی شرح صدر کا نتیجہ تھا کہ آپ کو مخلوق کی طرف توجہ کرنا حق تعالیٰ کی طرف توجہ میں مغل نہ ہوتا تھا اور بعض احادیث صحیحہ

میں یہ آیا ہے کہ فرشتوں نے حکیم الہی آپؐ کا سینہ مبارک ظاہری طور پر بھی چاک کر کے صاف کیا، بعض حضرات مفسرین نے شرح صدر سے اس جگہ وہی شق صدر کا معجزہ مراد لیا ہے، کما فی ابن کثیر وغیرہ، واللہ اعلم

وَوَضَعْنَا عَنكَ وَزْرَكَ الَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَ، وزن رک کے فاعلی معنی بوجھ کے ہیں اور نقض ظہر کے فاعلی معنی کمر توڑ دینے یعنی کمر کو جھکا دینے کے ہیں جیسا کوئی بڑا بوجھ انسان پر لا دیا جائے تو اس کی کمر جھک جاتی ہے، اس آیت میں ارشاد یہ ہے کہ وہ بوجھ جس نے آپؐ کی کمر جھکا دی تھی ہم نے اس کو آپؐ سے ہٹا دیا۔ وہ بوجھ کیا تھا اس کی ایک تفسیر تو وہ ہے جو اوپر خلاصہ تفسیر میں آچکی ہے کہ اس سے وہ جائز اور مباح کام ہیں جن کو بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرین حکمت و مصلحت سمجھ کر اختیار کر لیا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مصلحت کی خلاف یا خلاف اولیٰ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی علوشان اور تقریب الہی میں خاص مقام حاصل ہونے کی بنا پر ایسی چیزوں پر بھی سخت رنج و ملال اور صدمہ ہوتا تھا۔ حق تعالیٰ نے اس آیت میں بشارت سنائی کہ وہ بوجھ آپؐ سے ہٹا دیا کہ ایسی چیزوں پر آپؐ سے مواخذہ نہ ہوگا۔

اور بعض حضرات مفسرین نے وزن رک یعنی بوجھ کی مراد اس جگہ یہ لکھی ہے کہ ابتداء نبوت میں وحی کا اثر بھی آپؐ پر شدید ہوتا تھا اور اس میں آپؐ پر جو ذمہ داری ساری دنیا میں کلمہ حق پھیلانے اور کفر و شرک کو مٹا کر خلق خدا کو توحید پر جمع کرنے کی ڈالی گئی تھی اور اس سب کام میں حکم یہ تھا کہ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ، یعنی آپؐ امر الہی کے مطابق استقامت پر رہیں جس کی طرف جھکاؤ نہ ہو، اسکا بارِ عظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محسوس فرماتے تھے اور بعض روایات حدیث میں آیا ہے کہ آپؐ کی لہجہ مبارک میں کچھ سفید بال آگئے تو آپؐ نے فرمایا کہ اس آیت فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ نے بوڑھا کر دیا۔

یہ وہ بوجھ تھا جس کو آپؐ کے قلب سے ہٹا دینے کی بشارت اس آیت میں دی گئی ہے اور اس کے ہٹا دینے کی صورت اگلی آیات میں یہ آئی ہے کہ آپؐ کی ہر مشکل کے بعد آسانی ہونیوالی ہے حق تعالیٰ نے شرح صدر کے ذریعہ آپؐ کا جو صلہ اتنا بلند فرما دیا کہ یہ سب مشکلات آسان نظر آنے لگیں اور وہ بوجھ بوجھ نہ رہا، واللہ اعلم

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رفع ذکر یہ ہے کہ تمام اسلامی شعار میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپؐ کا نام مبارک لیا جاتا ہے جو ساری دنیا میں مسلمانوں اور منبروں پر اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللہ کے ساتھ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللہ پکارا جاتا ہے اور دنیا میں کوئی سمجھدار انسان آپؐ کا نام بغیر تعظیم کے نہیں لیتا اگرچہ وہ مسلمان بھی نہ ہو۔

خاند کا | یہاں تین نعمتوں کا ذکر ہے شرح صدر، وضع وزن، رفع ذکر، ان تینوں کو تین جملوں میں ذکر فرمایا ہے اور سب میں فعل اور مفعول کے درمیان ایک حرف لک یا عندک لایا گیا ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت اور خاص عظمت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سب کام آپؐ کی خاطر کئے گئے ہیں۔

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا، عربی زبان کا قاعدہ یہ ہے کہ جس کلمہ کے شروع میں الف لام ہوتا ہے جس کو اصطلاح میں لام تعریف کہتے ہیں۔ اگر اسی کلمہ کو الف لام ہی کیساتھ مکرر لایا جائے تو اس کا مصداق

وہ ہی ہوتا ہے جو پہلے کلمہ کا تھا اور اگر بغیر الف لام تعریف کے مکرر لایا جائے تو دونوں کے مصداق الگ الگ ہوتے ہیں۔ اس آیت میں العسر جب مکرر آیا تو معلوم ہوا کہ اس سے وہ پہلا ہی عسر مراد ہے کوئی نیا نہیں۔ اور مفسر اُنسیرا دونوں جگہ بغیر الف لام کے لایا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ دوسرا عسر پہلے عسر کے علاوہ ہے تو اس آیت میں لَات مَعَ الْعُسْرِ اُنسیرا کے تکرار سے نتیجہ نکلا کہ ایک ہی عسر مشکل کے لئے دو آسانیوں کا وعدہ ہے اور دوسرے مراد بھی خاص دو کا عدد نہیں بلکہ متعدد ہونا مراد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ایک عسر یعنی تنگی اور مشکل جو آپ کو پیش آئی یا آئے گی اُس کیساتھ بہت سی آسانیاں آپ کو دی جائیں گی۔

حضرت حسن بصریؒ سے مرسل روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو اس آیت سے بشارت سنائی اور فرمایا لَنْ يَغْلِبَ عُسْرُ يُسْرَيْنِ یعنی ایک عسر دو یسروں پر (ایک مشکل دو آسانیوں پر) غالب نہیں آسکتی۔ چنانچہ تاریخ و سیرت کی سب کتابیں جو اپنوں اور غیروں، مسلم و غیر مسلم نے لکھی ہیں وہ اس پر شاہد ہیں کہ جو کام مشکل سے مشکل بلکہ لوگوں کی نظر میں ناممکن نظر آتے تھے آپ کے لئے وہ سب آسان ہوتے چلے گئے۔ روایت مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس آیت میں العسر کا الف لام عہد کے لئے ہے اور مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا عسر ہے، یعنی یہ وعدہ کہ ہر مشکل کے ساتھ بہت سی آسانیاں دی جائیں گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے لئے ہے جس کو حق تعالیٰ نے ایسا پورا فرمایا کہ دنیا نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب اگر دنیا میں کسی شخص کو عسر کے بعد یسر نصیب ہو تو وہ اس آیت کے منافی نہیں، البتہ عادیۃ الشرب بھی یہی ہے کہ جو شخص سختی پر صبر کرے اور سچے دل سے اللہ پر اعتماد رکھے اور ہر طرف سے ٹوٹ کر اُسی سے ٹو لگائے اور اُسی کے فضل کا اُمیدوار رہے اور کامیابی میں دیر نہ رہنے سے اُس نہ ٹوڑ بیٹھے تو ضرور اللہ تعالیٰ اُس کے حق میں آسانی کر دیگا (فوائد عثمانیہ) بعض روایات حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

تَعَالِيمٌ تَبْلِيغُ كَرْنِ وَالْوَلُّوْ كُوْخُلُوْ تِیْنِ | قَاذَا فَرْغَتْ قَا نَصَبٍ ۝ وَرَالِی رِبِّكَ قَا رَغَبٍ ، یعنی جب آپ ایک ذکر اللہ اور توجہ الی اللہ بھی ضروری ہے محنت یعنی دعوت حق اور تبلیغ احکام سے فارغ ہوں تو (دوسری) محنت کے لئے تیار ہو جائیے وہ یہ کہ نماز اور ذکر اللہ اور دُعَا استغفار میں لگ جائیں۔ اکثر حضرات مفسرین نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔ بعض حضرات نے دوسری تفسیر بھی لکھی ہیں مگر اقرب وہی ہے جو اوپر لکھی گئی، اس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ اور خلق خدا کو راستہ دکھانا اُن کی اصلاح کی فکر یہ آپ کی سب سے بڑی عبادت تھی مگر یہ عبادت بواسطہ مخلوق ہے کہ ان کی اصلاح پر توجہ دیں اور اس کی تدبیر کریں، آیت کا مقصود یہ ہے کہ صرف اس عبادت بالواسطہ پر آپ قناعت نہ کریں بلکہ جب اس سے فرصت ملے تو بلا واسطہ خلوت میں حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں اُسی سے ہر کام میں کامیابی کی دُعا کریں کہ اصل مقصود جس کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے وہ ذکر اللہ اور عبادت بلا واسطہ ہی ہے اور شاید اسی لئے پہلی قسم یعنی عبادت بالواسطہ سے فراغت کا ذکر فرمایا کہ وہ کام ایک ضرورت کے لئے ہے اُس سے فراغت ہو سکتی ہے اور دوسرا کام

یعنی توجہ الی اللہ ایسی چیز ہے کہ اس سے فراغتِ مومن کو کبھی نہیں ہو سکتی بلکہ اپنی ساری عمر اور توانائی کو اس میں صرف کرنا ہے۔

فائدہ ۵ | اس سے معلوم ہوا کہ علماء جو تعلیم و تبلیغ اور اصلاحِ خلق کا کام کرنے والے ہیں ان کو اس سے غفلت نہ ہونا چاہیے کہ ان کا کچھ وقت خلوت میں توجہ الی اللہ اور ذکر اللہ کے لئے بھی مخصوص ہونا چاہیے جیسا کہ علماء سلف کی سیرت میں اس پر شاہد ہیں اسکے بغیر تعلیم و تبلیغ بھی موثر نہیں ہوتی ان میں نور و برکت نہیں ہوتی۔

فائدہ ۶ | لفظ **فالنصب**، **النصب** سے مشتق ہے جس کے اصلی معنی **تعب** اور **تکلیف** کے ہیں انہیں اشارہ پایا جاتا ہے کہ عبادت اور ذکر اللہ اس حد تک جاری رکھا جائے کہ کچھ مشقت اور تکلیف محسوس ہونے لگے، صرف نفس کی راحت و خوشی ہی پر اسکا مدار نہ رہے اور کسی وظیفہ اور معمول کی پابندی خود ایک مشقت اور تعب، خواہ کام مختصر ہی ہو۔

تَمَّتْ سُورَةُ الْاِنْشَارِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

سُورَةُ التِّينِ

سُورَةُ التِّينِ مَكِّيَّةٌ وَرَحْمَةُ رَبِّكَ
سورہ تین مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ ۝۱ وَطُورِ سِیْنِیْنِ ۝۲ وَهَذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ۝۳ لَقَدْ

تیم انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینین کی اور اس شہر امن والے کی ہم نے

خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝۴ ثُمَّ رَدَدْنٰهٗ اَسْفَلَ سَافِلِیْنِ ۝۵

بنایا آدمی خوب سے انداز سے پر پھر پھینک دیا اس کو نیچوں سے نیچے

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۶ فَمَا

مگر جو یقین لائے اور عمل کئے اچھے سو ان کے لئے ثواب ہے بے انتہا پھر تو

مَنْکَرٌ بِكَ بَعْدُ بِالْاِیْمٰنِ ۝۷ اَلِیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰکِمِیْنَ ۝۸

اسکے پیچھے کیوں جھٹلائے بدلہ ملنے کو کیا نہیں ہے اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم

خلاصہ تفسیر

قسم ہے انجیر (کے درخت) کی اور زیتون (کے درخت) کی اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر (یعنی مکہ معظمہ) کی کہ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچہ میں ڈھالا ہے پھر (ان میں جو بوڑھا ہو جاتا ہے) ہم آکو پستی کی حالت والوں سے بھی پست تر کر دیتے ہیں (یعنی وہ خوبصورتی بد صورتی سے اور قوت ضعف سے بد جاتی ہو اور بُرے سے بُرا ہو جاتا ہے مقصود اس سے بیان کرنا کمال قبح کا ہے جس سے اُن کے دوبارہ پیدا کرنے پر حق تعالیٰ کی قدرت ہونا واضح ہوتا ہے کہ قولہ تعالیٰ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ کُمْ مِّنْ ضَعْفٍ اِنْج اور مقصود اس سورت کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت دوبارہ پیدا کرنے اور زندہ کرنے پر ثابت کرنا ہے جیسا کہ فَمَا یُکَذِّبُکَ بَعْدُ بِالذِّیْنِ کے جملے سے اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے اور اس آیت کے عموم سے چونکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بوڑھے سب کے سب قبیح اور بُرے ہو جاتے ہیں اس ایہام کو دور کرنے کے لئے آگے آیت میں ایک استثناء بیان کیا جاتا ہے کہ) لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے تو اُن کے لئے اس قدر ثواب ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا (جس میں بتلادیا کہ مومن صالح بوڑھے ضعیف ہو جانے کے باوجود انجام کار کے اعتبار سے اچھے ہی رہتے ہیں بلکہ پہلے سے زیادہ ان کی عزت بڑھ جاتی ہے، آگے خَلَقْنَا اور کَرَرْنَا پر تفریع ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تخلیق و تقلیب احوال پر قادر ہیں) تو (اے انسان) پھر کون چیز تجھ کو قیامت کے بارے میں منکر بنا رہی ہے (یعنی وہ کونسی دلیل ہے جس کی بنا پر تو ان دلائل کے ہوتے ہوئے قیامت کا منکر ہو رہا ہے) کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے (تصرفات دنیویہ میں بھی جن میں سے تخلیق انسانی اور پھر بڑھاپے میں اُس میں تغیرات کا ذکر اُدھر آیا ہے اور تصرفات اخرویہ میں بھی جن میں سے قیامت و مجازاة بھی ہے)

معارف و مسائل

وَالَّتِیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ، اس آیت میں چار چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے جن میں دو درخت ہیں ایک تین یعنی انجیر، دوسرے زیتون اور ایک پہاڑ طور اور ایک شہر یعنی مکہ مکرمہ کی، اس تخصیص کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ دونوں درخت کثیر البرکت کثیر المنافع ہیں جس طرح طور پہاڑ اور شہر مکہ کثیر البرکت ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں تین اور زیتون کے ذکر سے مراد وہ جگہ ہو جہاں یہ درخت کثرت سے پیدا ہوتے ہیں اور وہ ملک شام ہے جو معدن انبیاء علیہم السلام ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی ملک میں مقیم تھے انکو ہجرت کر کر مکہ معظمہ لایا گیا تھا اس طرح ان قسموں میں تمام وہ مقامات مقدسہ شامل ہو گئے جہاں خاص خاص انبیاء علیہم السلام پیدا اور مبعوث ہوئے، ملک شام عام انبیاء علیہم السلام کا وطن اور مسکن ہے۔ کوہ طور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہونے کی جگہ ہے اور سینین یا سینار اُس مقام کا نام ہے جہاں یہ پہاڑ واقع ہے اور

بلد امین مکہ مکرمہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد و مکن ہے۔

ان چار چیزوں کی قسم کھا کر فرمایا گیا لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ، تقویم کے لفظی معنی کسی چیز کے قوام اور بنیاد کو درست کرنے کے ہیں۔ احسن تقویم سے مراد یہ ہے کہ اسکی جبلت و فطرت کو بھی دوسری مخلوقات کے اعتبار سے احسن بنایا گیا اور اس کی جسمانی ہیئت اور شکل و صورت کو بھی دنیا کے سب جانداروں سے بہتر اور حسین بنایا گیا۔

انسان تمام مخلوقات میں سب جسکا حاصل یہ ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ سے زیادہ حسین بنایا ہے۔ ابن عربی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں کوئی انسان سے

احسن نہیں کیونکہ اُس کو اللہ تعالیٰ نے حیات کیساتھ عالم، قادر، متکلم، سمیع، بصیر، مدبر اور حکیم بنایا ہے اور یہ سب صفات دراصل خود حق سبحانہ و تعالیٰ کی ہیں۔ چنانچہ بخاری و مسلم کی روایت میں آیا کہ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے۔ مراد اس سے یہ ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا کوئی درجہ اس کو بھی دیا گیا ہے ورنہ حق تعالیٰ ہر شکل و صورت سے بڑی ہو (قرطبی)

حُسن انسانی کا ایک عجیبہ افتہا قرطبی نے اس جگہ نقل کیا ہے کہ عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی جو خلیفہ ابو جعفر منصور کے دربار کے مخصوص لوگوں میں سے تھے اور اپنی بیوی سے بہت محبت رکھتے تھے ایک روز چاندنی رات میں بیوی کے ساتھ بیٹھے ہوئے بول اُٹھے اَنْتَ طَالِقٌ ثَلَاثًا اِنْ لَحَرَتْكَوْنِي احسن من القمر یعنی تم پر تین طلاق ہیں، اگر تم چاند سے زیادہ حسین نہ ہو، یہ کہتے ہی بیوی اُٹھ کر پردہ میں چلی گئی کہ آپ نے مجھے طلاق دیدی، بات ہنسی دل لگی کی تھی مگر طلاق کا حکم یہی ہے کہ کسی طرح بھی طلاق کا صریح لفظ بیوی کو کہہ دیا جائے تو طلاق ہو جاتی ہے خواہ ہنسی دل لگی ہی میں کہا جائے۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے رات بڑی بے چینی اور رنج و غم میں گزار دی صبح کو خلیفہ وقت ابو جعفر منصور کے پاس حاضر ہوئے اور اپنا قصہ سنایا اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا منصور نے شہر کے فقہاء اہل فتویٰ کو جمع کر کے سوال کیا سب نے ایک ہی جواب دیا کہ طلاق ہو گئی کیونکہ چاند سے زیادہ حسین ہونے کا کسی انسان کے لئے امکان ہی نہیں، مگر ایک عالم جو امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سے تھے خاموش بیٹھے رہے منصور نے پوچھا کہ آپ کیوں خاموش ہیں تب یہ بولے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سورہ تین تلاوت کی اور فرمایا کہ امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا احسن تقویم میں ہونا بیان فرما دیا ہے، کوئی شے اس سے زیادہ حسین نہیں۔ یہ سن کر سب علماء فقہاء حیرت میں رہ گئے کوئی مخالفت نہیں کی اور منصور نے حکم دے دیا کہ طلاق نہیں ہوئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سب سے زیادہ حسین ہے ظاہر کے اعتبار سے بھی اور باطن کے اعتبار سے بھی، حسن و جمال کے اعتبار سے بھی اور بدنی ساخت کے اعتبار سے بھی، اس کے سر میں کیسے کیسے اعضاء کیسے عجیب کام کر رہے ہیں کہ ایک مستقل فیکٹری معلوم ہوتی ہے جس میں بہت سی نازک باریک خود کار مشینیں چل رہی ہیں۔ یہی حال اسکے سینہ اور پیٹ کا ہے اسی طرح اسکے ہاتھ پاؤں کی ترکیب و ہیئت ہزاروں حکمتوں پر مبنی ہے۔ اسی لئے فلاسفہ نے کہا ہے کہ انسان ایک عالم اصغر یعنی پورے عالم کا ایک نمونہ ہے۔ سارے عالم میں جو چیزیں بکھری ہوئی ہیں وہ سب اسکے وجود میں جمع ہیں (قرطبی) صوفیائے کرام نے بھی اس کی تائید کی اور بعض حضرات نے انسان کے سر سے پیر تک کا سراپا لیکر اشیائے عالم کے نمونے اس میں دکھلائے ہیں۔

ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ، پہلے جملے میں ساری مخلوقات اور کائنات سے احسن بنانے کا بیان تھا، اس جملے میں اسکے بالمقابل یہ بتلایا گیا ہے کہ جس طرح وہ اپنی ابتدا اور شباب میں ساری مخلوقات سے زیادہ حسین اور سب سے بہتر تھا آخر میں اس پر یہ حالت بھی آتی ہے کہ وہ بد سے بدتر اور بُرے سے بُرا ہو جاتا، ظاہر یہ ہے کہ بدتری اور بُرائی اُس کی ظاہری جسمانی حالت کے اعتبار سے بتلائی گئی ہے کہ شباب ڈھلنے کے بعد شکل و صورت بدلنے لگتی ہے بڑھاپا اس کا روپ بالکل بدل ڈالتا ہے، بد ہیئت بد شکل نظر آنے لگتا ہے بیکار اور دوسروں پر بار ہو کر رہ جاتا ہے کسی کے کام نہیں آتا، بخلاف دوسرے جانوروں کے کہ وہ آخر تک اپنے کام میں لگے رہتے ہیں، انسان اُن سے دودھ اور سواری بابر داری کے اور دوسری قسم کے سیکڑوں کام لیتے ہیں، وہ ذبح کر دیے جائیں یا مر جائیں تو بھی اُن کی کھال، بال، ہڈی، غرض جسم کا ریزہ ریزہ انسانوں کے کام میں آتا ہے بخلاف انسان کے کہ جب وہ بیماری اور بڑھاپے میں عاجز و در ماندہ ہو جاتا ہے تو مادی اور دنیا داری کے اعتبار سے کسی کام کا نہیں رہتا مرنیکے بعد بھی اسکے کسی جز کے کسی انسان یا جانور کو فائدہ نہیں پہنچتا، خلاصہ یہ ہے کہ اسکے اسفل السافلین میں پہنچ جانے سے مراد اس کی مادی اور جسمانی کیفیت ہے۔ یہ تفسیر حضرت ضحاکؒ وغیرہ ائمہ تفسیر سے منقول ہے (کما فی القرطبی)

اس تفسیر پر اگلی آیت میں جو مومنین صالحین کے استثناء یعنی اَلَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَكُلُمُ اَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ کا ذکر ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان پر بڑھاپے میں کے حالات اور عجز و در ماندگی نہیں آتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس جسمانی بیماری اور مادی فراہی کا نقصان ان کو نہیں پہنچتا بلکہ نقصان صرف اُن لوگوں کو پہنچتا ہے جنہوں نے اپنی ساری فکر اور توانائی اسی مادی درستی پر خرچ کی تھی وہ اب ختم ہو گئی اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں بخلاف مومنین صالحین کے کہ ان کا اجر و ثواب کبھی قطع ہو نہ والا نہیں۔ اگر دنیا میں بڑھاپے کی بیماری کمزوری اور عجز سے سابقہ بھی پڑا تو آخرت میں اُنکے لئے درجات عالیہ اور راحت ہی راحت موجود ہے اور بڑھاپے کی بیماری میں بھی عمل کم ہو جائیکے باوجود اُنکے نامہ اعمال کا وہ سب اعمال لکھے جاتے ہیں جو وہ قوت کے زمانے میں کیا کرتا تھا حضرت

انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان کسی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال لکھنے والے فرشتے کو حکم دیدیتے ہیں کہ جو جو عمل خیر یہ اپنی تندرستی میں کیا کرتا تھا وہ سب اس کے اعمال نامہ میں لکھتے رہو (رواہ البغوی فی شرح السنہ والبخاری عن ابی موسیٰ مثله فی المریض والمسافر) اس کے علاوہ اس مقام پر مومنین صالحین کی جزا جنت اور اس کی نعمتوں کو بیان کر نیکی بجائے کہ لہذا اجر غیر مومن فرمایا ہے یعنی اُن کا اجر کبھی مقطوع و منقطع ہونیوالا نہیں۔ اس میں اشارہ اس طرف بھی ہو سکتا ہے کہ اُن کا یہ صلہ دنیا کی مادی زندگی ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ حق تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے لئے بڑھاپے اور ضعف میں ایسے مخلص رفقا رہتے ہیں جو اُن کے آخری لمحہ تک ان سے روحانی فوائد اُٹھاتے ہیں اور انکی ہر طرح کی خدمت کرتے ہیں اسی طرح بڑھاپے کا وہ وقت جب انسان مادی اور جسمانی طور پر معطل بیکار اور لوگوں پر بار سمجھا جاتا ہے، اللہ کے یہ بندے اُس وقت بھی بیکار نہیں ہوتے۔ اور بعض حضرات مفسرین نے اس آیت کی تفسیر یہ فرمائی ہے کہ رَدُّنَّہٗ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ عام انسانوں کے لئے نہیں بلکہ کفار و فجار کے لئے ہے۔ جنہوں نے خداداد احسن تقویم اور انسانی کمالات و مشرافت اور عقل کو مادی لذائذ کے پیچھے برباد کر دیا تو امن شکر کی سزائیں اُن کو اسفل السافلین میں پہنچا دیا جائے گا، اس صورت میں اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا استثناء اپنے ظاہری مفہوم پر رہتا ہے کہ اسفل سافلین میں پہنچنے سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور عمل صالح کے پابند رہے کیونکہ ان کا اجر ہمیشہ جاری رہے گا (کذا فی المنظر ہی)

فَمَا یُکَذِّبُکَ بَعْدَ اِلْدَیْسٍ، پچھلی آیات میں تخلیق انسانی کے کمال اور اُس پر حق تعالیٰ کے خاص انعام کا پھر بڑھاپے میں حالات کے انقلاب کا ذکر فرما کر اس آیت میں منکرین قیامت کو تنبیہ کی گئی ہے کہ قدرت الہیہ کے ایسے مناظر اور انقلابات دیکھنے کے بعد بھی کیا گنجائش ہے کہ تم آخرت اور قیامت کی تکذیب کرو، کیا اللہ تعالیٰ سب حکومت کرنے والوں پر حاکم نہیں۔

مسئلہ۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سورہ تین پڑھے اور اس آیت پر پہنچے اَلِیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمَ الْحٰکِمِیْنَ تو اُس کو چاہیے کہ یہ کلمہ کہے بکلی وَاَكَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰہِدِیْنَ اس لئے حضرات فقہاء نے فرمایا کہ یہ کلمہ پڑھنا مستحب ہے۔

تَمَّتْ سُورَةُ التَّيْنِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

سُورَةُ الْعَلَقِ

سُورَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَعَشْرَةٌ آيَةً
سورہ علق مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی آئیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شرع اللہ کے نام سے جو بید مہربان نہایت رحم والا ہے

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اقْرَأْ وَ

پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنایا والا بنایا آدمی کو جھے ہوئے لہو سے پڑھ اور

رَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝۳ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵ كَلَّا

تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم سے سکھلایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا کوئی نہیں

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَافٍ ۝۶ أَنزَلْنَاهُ فِي رَجُلٍ عِزٍّ ۝۷ وَإِنَّا لَنَرُّوهُ

آدمی سرچڑھتا ہے اس سے کہ دیکھے اپنے آپ کو بے پروا بیشک تیرے رب کی طرف پھر جانا ہے

أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى ۝۸ عَبْدًا إِذَا صَلَّى ۝۹ أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَى الْهُدَى ۝۱۰

تو نے دیکھا اُس کو جو منع کرتا ہے ایک بندہ کو جب وہ نماز پڑھے بھلا دیکھ تو اگر نیک راہ پر

أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَى ۝۱۲ أَرَأَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى ۝۱۳ أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ

یا سکھاتا اور کے کام بھلا دیکھ تو اگر جھٹلایا اور منہ موڑا یہ نہ جانا کہ اللہ

يَرَى ۝۱۴ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَدْنِهِ ۝۱۵ لَنَسْفَعًا مِّنَ النَّاصِيَةِ ۝۱۶ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝۱۷

دیکھتا ہے کوئی نہیں اگر باز نہ آئے گا ہم گھسیٹیں گے چوٹی پکڑ کر کیسی چوٹی جھوٹی گنہگار

فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۝۱۸ سَدِّعُ الزَّبَانِيَةَ ۝۱۹ كَلَّا لَا تَطَعُهُ ۝۲۰ وَأَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝۲۱

اب بلا لیوے اپنی مجلسوں کو ہم بھی بلاتے ہیں پیادے سیاست کرنے کو، کوئی نہیں مت مان اسکا کہا اور سجدہ کر اور نزدیک ہو

خلاصہ تفسیر

اقرآن سے مالم تعلیم تک سب سے پہلی وحی ہے جس کے نزول سے نبوت کی ابتدا ہوئی جسکا قصہ حدیث شریفین

میں یہ ہے کہ عطاء نبوت کے قریب زمانے میں آپ کو از خود خلوت پسند ہو گئی، آپ غار حرا میں تشریف لے جایا کر کئی کئی شب رہتے، ایک روز دفعۃً جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ سے کہا کہ اِقْرَأْ یعنی پڑھئے، آپ نے فرمایا کہ مَا أَنَا بِقَارِئٍ، یعنی میں کچھ پڑھا ہوا نہیں، انہوں نے خوب آپ کو زور سے دیا یا پھر چھوڑ دیا اور پھر کہا اِقْرَأْ، آپ نے پھر وہی جواب دیا، اسی طرح تین بار کیا پھر آخر میں دبانے کے بعد چھوڑ کر کہا اِقْرَأْ اِلٰی مَا لَمْ يَعْلَمْ۔

اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (پرجو) قرآن (نازل ہوا کر چکا جس میں اس وقت کی نازل ہونے والی آیتیں بھی داخل ہیں) اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے (یعنی جب پڑھئے تو بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر پڑھا کیجئے جیسا کہ اس آیت میں اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اَمْحِمْ میں قرآن کے ساتھ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ پڑھنے کا حکم ہوا ہے اور ان دونوں امر سے جو اصل مقصود ہے معنی توکل و استعانت وہ تو واجب ہے اور زبان سے کہہ لینا مسنون و مندوب ہے اور گو اصل مقصود کے اعتبار سے اس آیت کے نزول کے وقت بسم اللہ کا آپ کو معلوم ہونا ضروری نہیں لیکن بعض روایات میں اس سورت کے ساتھ بسم اللہ الرحمن الرحیم کا نازل ہونا بھی آیا ہے اَخْرَجَهُ الْوَاحِدِيُّ عَنْ عِكْرَةَ وَالْحَسَنُ اَنْهَا قَالَا اَوَّلَ مَا نَزَلَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَاَوَّلَ سُورَةٍ اَقْرَأَ وَاَخْرَجَهُ ابْنُ جَبْرِ وَغَيْرُهُ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنْهُ قَالَ اَوَّلَ مَا نَزَلَ جَبْرِیْلٌ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَلٰی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا مُحَمَّدُ اسْتَعِذْ ثُمَّ قُلْ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کُنْ اِنِّیْ رُوْحُ الْمَعٰنِیْ، اور ان آیتوں میں جو قِرَآءَةُ کو اسم الہی کے ساتھ افتتاح کرنے کا حکم ہوا ہے اس حکم میں خود ان آیتوں کا داخل ہونا ایسا ہے کہ جیسے کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ اَسْمَعْ مَا اَقُولُ لَكَ یعنی میں جو کچھ تجھ سے کہوں تو اس کو سُن، تو خود اس جملہ کے سننے کا حکم کرنا بھی اس کو مقصود ہے پس حاصل یہ ہوگا کہ خواہ ان آیتوں کو پڑھو یا جو آیات بعد میں نازل ہوں گی ان کو پڑھو سب کی قرأت اسم الہی سے ہونا چاہیے اور آپ کو بعلم ضروری معلوم ہو گیا کہ یہ قرآن اور وحی ہے۔ اور حدیثوں میں جو آپ کا ڈر جانا اور ورقہ ابن نوفل سے بیان کرنا آیا ہے وہ بوجہ شبہ کے تھا بلکہ خوفِ ہیبت وحی سے اضطرابی تھا اور ورقہ سے بیان کرنا مزید اطمینان و زیادتِ ایتقان کے لئے تھا نہ کہ عدم ایتقان کے سبب، اور معلوم متعلم سے ابجد شروع کرانے کے وقت کہتا ہے کہ ہاں پڑھ، پس اس سے تکلیف مالا یطاق لازم نہیں آتی اور آپ کا عذر فرمانا یا تو اس وجہ سے ہے کہ آپ کو اس جملے کے معنی متعین نہ ہوئے ہوں کہ مجھ سے کیا پڑھونا چاہتا ہے اور یہ امر کوئی خلافِ شان نہیں ہے یا باوجود تعینِ مراد کے اس سبب سے ہے کہ قرأت کا استعمال اکثر لکھی ہوئی چیز کو پڑھنے کے معنی میں آتا ہے تو آپ نے بوجہ حرفِ شناس نہ ہونے کے یہ عذر فرمایا ہو اور حضرت جبریل علیہ السلام کا دباننا بطنِ غالب واللہ اعلم بحقیقۃ الحال اس لئے ہوگا کہ آپ کے اندر بارِ وحی کے تحمل کی استعداد پیدا کر دیں اور لفظ رب کے اشارہ اس طرف ہے کہ ہم آپ کی مکمل تربیت کریں گے اور نبوت کے درجاتِ عالی پر پہنچا دیں گے آگے رب کی صفت ہے یعنی وہ ایسا رب ہے جس نے (مخلوقات کو) پیدا کیا (اس وصف کی تخصیص میں یہ نکتہ ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمتوں میں اول ظہور اس نعمت کا ہوتا ہے تو تذکیر میں اس کا مقدم ہونا مناسب ہے

اور نیز خلق و دلیل ہے خالق پر اور سب سے اہم اور اقام معرفت خالق ہے آگے بطور تخصیص بعد تعلیم کے ارشاد ہے کہ جس نے (سب مخلوقات میں سے بالخصوص) انسان کو خون کے بوتھڑے سے پیدا کیا (اس تخصیص بعد تعلیم میں اشارہ ہے کہ نعمت خلق میں بھی عام مخلوقات سے زیادہ انسان پر انعام ہے کہ اس کو کس درجہ تک ترقی دی کہ صورت کیسی بنائی، عقل و علم سے مشرف بنایا، پس انسان کو زیادہ شکر اور ذکر کرنا چاہیے، اور تخصیص خلق کی شاید اس لئے ہے کہ یہ ایک برزخی حالت ہے کہ اس کے قبل نطفہ اور غذا و عنصر ہے اور اسکے بعد مضغہ اور ترکیب عظام و نفخ روح ہی پس گویا وہ جمیع احوال مقدمہ و متاخرہ کے درمیان ہے آگے قرارت کو مقصود اہم قرار دینے کیلئے ارشاد ہے کہ) آپ قرآن پڑھا کیجئے (حاصل یہ کہ پہلے امر یعنی اقرأ یا تم ربک سے یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ یہاں اصل مقصود ذکر اسم اللہ ہے بلکہ قرارت خود بھی فی نفسہا مقصود ہے کیونکہ تبلیغ کا ذریعہ ہی قرارت ہے اور تبلیغ ہی اصل کام صاحب وحی کا ہے پس اس تکرار میں آپ کی نبوت اور مامور با تبلیغ ہونے کا اظہار بھی ہو گیا) اور (آگے اُس عذر کو رفع کر دینے کی طرف اشارہ ہے جو آپ نے اول جبریل علیہ السلام سے پیش کیا تھا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس کے لئے ارشاد فرمایا کہ) آپ کا رب بڑا کریم ہے (جو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور وہ ایسا ہے) جس نے (لکھے پڑھوں کو نوشتہ) قلم سے تعلیم دی (اور عموماً و مطلقاً) انسان کو (دوسرے ذرائع سے) ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا (مطلب یہ کہ اول تو تعلیم کچھ کتابت میں منحصر نہیں کیونکہ دوسرے طریقوں سے بھی تعلیم کا مشاہدہ کیا جاتا ہے، ثانیاً اسباب مؤثر بالذات نہیں، مسبب حقیقی اور علم دینے والے ہم ہیں، پس گو آپ لکھنا نہیں جانتے مگر ہم نے جب آپ کو قرارت کا امر کیا ہے تو ہم دوسرے ذریعہ سے آپ کو قرارت اور حفظ علوم و وحی پر قدرت دیدیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا، پس ان آیات میں آپ کی نبوت اور اُس کے مقدمات و ثبوتات کا پورا بیان ہو گیا اور چونکہ صاحب نبوت کی مخالفت غایت درجہ کا گناہ اور شنیع امر ہے اس لئے آئندہ آیات میں جن کا نزول آیات اولیٰ سے ایک مدت کے بعد ہوا ہے آپ کے ایک خاص مخالف یعنی ابو جہل کی مذمت عام الفاظ سے جس میں دوسرے مخالفین بھی شامل ہو جاویں، جس کا سبب نزول یہ ہے کہ ایک بار ابو جہل نے آپ کو نماز پڑھتے دیکھا کہنے لگا کہ میں آپ کو اس سے باز کر چکا ہوں، آپ نے اس کو جھڑک دیا تو کہنے لگا کہ مکہ میں سب سے بڑا مجمع میرے ساتھ ہے اور یہ بھی کہا تھا کہ اگر اب کی بار نماز پڑھتے دیکھوں گا تو نعوذ باللہ آپ کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا چنانچہ ایک بار اس قصد سے چلا مگر قریب جا کر رُک گیا اور پیچھے ہٹنے لگا، لوگوں نے وجہ پوچھی کہنے لگا مجھ کو ایک خندق آگ کی حائل معلوم ہوئی اور اس میں پر دار چیزیں نظر آئیں آپ نے فرمایا وہ فرشتے تھے اگر اور آگے آتا تو فرشتے اس کو بوٹی بوٹی کر کے نوح ڈالتے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کذافی الدر المنثور عن الصحیح وغیرہا من کتب الحدیث ارشاد ہے کہ) سحیح بیہک (کافر) آدمی حد (آدمیت) سے نکل جاتا ہے اس وجہ سے کہ اپنے آپ کو (اینا ئے جنس سے) مستغنی دیکھتا ہے (کہ قولہ تعالیٰ ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا الخ حالانکہ اس استغنا پر سرکشی حماقت ہے کیونکہ کسی کو گو مخلوق سے من وجہ استغنا ہو بھی جاوے لیکن حق تعالیٰ سے

استغفار تو کسی حال میں نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ آخر میں) اے مخاطب (عام) تیرے رب ہی کی طرف سب کا لوٹنا ہوگا (اور اس وقت بھی مثل حالت حیات کے اس کی قدرت کے احاطہ میں گھرا ہوگا اور اس حالت میں جو اسکو طغیان کی سزا ہوگی اس سے بھی کہیں نہ بھاگ سکے گا پس ایسا عاجز ایسے قادر سے کب مستغنی ہو سکتا ہے تو اپنے کو مستغنی سمجھنا اور اس کی بنا پر سرکشی کرنا بڑی بیوقوفی ہے، آگے بصورت استفہام تعجب ہے اس کی سرکشی پر یعنی) اے مخاطب (عام) بھلا اس شخص کا حال تو بتلا جو (ہمارے) ایک (خاص) بندے کو منع کرتا ہے جب وہ (بندہ) نماز پڑھتا ہے (مطلب یہ کہ اس شخص کا حال دیکھ کر تو بتلا کہ اس سے زیادہ عجیب بات بھی کوئی ہے حاصل یہ کہ نماز کو نماز سے روکنا نہایت ہی بُری اور عجیب بات ہے، آگے اسی تعجب کی تاکید و تقویت کے لئے مکرر فرماتے ہیں کہ) اے مخاطب (عام) بھلا یہ تو بتلا کہ اگر وہ بندہ (جس کو نماز سے روکا گیا ہے) ہدایت پر ہو (کہ جو کمال لازمی ہے) یا وہ (دوسروں کو بھی تقویٰ کی تعلیم دیتا ہو) (جو کمال تعدی یعنی دوسروں کی نفع رسانی ہے اور شاید کلمہ تردید لانے سے اشارہ اس طرف ہو کہ اگر ان میں سے ایک صفت بھی ہوتی تب بھی منع کرنے والے کی مذمت کے لئے کافی تھی چہ جائیکہ دونوں ہوں اور) اے مخاطب (عام) بھلا یہ تو بتلا کہ اگر وہ شخص (منع کرنے والا دین حق کو) جھٹلاتا ہو اور (دین حق سے) روگردانی کرتا ہو (یعنی نہ عقیدہ رکھتا ہو اور نہ عمل، یعنی اول تو یہ دیکھو کہ نماز سے منع کرنا کتنا بُرا ہے پھر بالخصوص یہ دیکھو کہ جب منع کرنے والا ایک گمراہ اور جس کو منع کر رہا ہے وہ ہدایت کا اعلیٰ نمونہ ہے تو یہ کتنی عجیب بات ہے۔ آگے اس منع کرنے پر اس کو وعید ہے یعنی) کیا اس شخص کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ (اسکی سرکشی اور اُس سے پیدا ہونے والے اعمال کو) دیکھ رہا ہے (اور اس پر سزا دیگا، آگے اس پر زجر ہے یعنی اسکو) ہرگز (ایسا) نہیں (کرنا چاہیے اور) اگر یہ شخص (اپنی اس حرکت سے) باز نہ آوے گا تو ہم (اس کو) پٹھے پکڑ کر جو کہ دروغ اور خطا میں آلودہ پٹھے ہیں (جہنم کی طرف) گھسیٹیں گے (ناصیہ سر کے اگلے بالوں کو کہا جاتا ہے جن کو اردو میں پٹھے بولتے ہیں اس کی صفت میں کاذبہ خاطئہ مجازاً فرمایا اور اس کو جو اپنے مجمع پر گھمنڈ ہے اور ہمارے پیغمبر کو دھمکاتا ہے) سو یہ اپنی مجلس والوں کو بلالے (اگر اس نے ایسا کیا تو) ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلالیں گے (چونکہ اُس نے نہیں بلایا اس لئے اللہ نے ان فرشتوں کو بھی نہیں بلایا کما روی الطبری عن قتادہ مرسلًا قال انبی صلی اللہ علیہم و آلہم لاخذتہ الملیکۃ الزبانیۃ عیاناً۔ آگے پھر زیادت زجر کے لئے اس کو تنبیہ ہے کہ اسکو) ہرگز (ایسا) نہیں (کرنا چاہیے مگر) آپ اس نالائق کی ان حرکتوں کی کچھ پرواہ نہ کیجئے اور) اسکا کہنا نہ مانئے (جیسا اب تک بھی نہیں مانا) اور (بدستور) نماز پڑھتے رہئے اور (خدا کا) قرب حاصل کرتے رہئے (اس میں ایک لطیف وعدہ ہے کہ حق تعالیٰ آپ کو ان لوگوں کے ضرر سے محفوظ رکھیں گا کیونکہ نماز سے قرب ہوتا ہے اور قرب موجب عظمت ہے الالحاکہ خاصہ پس ایسے امور کی طرف ذرا التفات نہ کیجئے اپنے کام میں لگے رہئے۔)

معارف و مسائل

وحی نبوت کی ابتدا اور سب سے پہلی وحی | صحیحین اور دوسری معتبر روایات سے ثابت اور جمہور سلف و خلف کا اس پر

آفاق ہے کہ وحی کی ابتدا سورۃ علق یعنی اقراسے ہوئی ہے اور اس سورۃ کی ابتدائی پانچ آیات مالم یعلم تک سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ بعض حضرات نے سورۃ مدثر کو سب سے پہلی سورت قرار دیا ہے اور بعض نے سورۃ فاتحہ کو۔ امام بغوی نے فرمایا کہ جبہ و سلف و خلف کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ سب سے پہلے سورۃ اقراس کی پانچ آیتیں نازل ہوئیں (کذا روی عن ابن عباس والزہری وعمر بن دینار۔ درمنثور) اور جن حضرات نے سورۃ مدثر کو پہلی سورت فرمایا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اقراس کی پانچ آیتیں نازل ہونے کے بعد نزول قرآن میں ایک مدت تک توقف رہا جس کو زمانہ فترت کا کہا جاتا ہے اور وحی کی تاخیر و توقف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت رنج و غم پیش آیا اسکے بعد اچانک پھر حضرت جبریل امین سامنے آئے اور سورۃ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں اسوقت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی اور ملاقات جبریل سے وہی کیفیت طاری ہوئی جو سورۃ اقراس کے نزول کے وقت پیش آئی تھی جس کا بیان آگے آ رہا ہے اس طرح فترت کے بعد سب سے پہلے سورۃ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں اس لحاظ سے کہو بھی پہلی سورت کہہ سکتے ہیں اور سورۃ فاتحہ کو جن حضرات نے پہلی سورت فرمایا ہے اُس کی بھی ایک وجہ ہے وہ یہ کہ مکمل سورت سب سے پہلے سورۃ فاتحہ ہی نازل ہوئی اس سے پہلے چند سورتوں کی متفرق آیات ہی کا نزول ہوا تھا (منظہری) صحیحین کی ایک طویل حدیث میں نبوت اور وحی کی ابتدا کا واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ وحی رویا کے صالحہ یعنی سچے خوابوں سے شروع ہوا جس کی کیفیت یہ تھی کہ جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے بالکل اسکے مطابق واقعہ پیش آتا اور اسمیں کسی تعبیر کی بھی ضرورت نہ تھی، صبح کی روشنی کی طرح واضح طور پر خواب میں دیکھا ہوا واقعہ سامنے آ جاتا تھا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق سے کیسوی اور خلوت میں عبادت کرنیکا داعیہ قوی پیش آیا جس کے لئے آپ نے غار حرا کو منتخب فرمایا (یہ غار مکہ مکرمہ کے قبرستان جنۃ المعلیٰ سے کچھ آگے ایک پہاڑ پر ہے جسکو جبل النور کہا جاتا ہے اس کی چوٹی دُور سے نظر آتی ہے) حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ اس غار میں جا کر راتوں کو رہتے اور عبادت کرتے تھے جب تک اہل و عیال کی خبر گیری کی ضرورت پیش نہ آتی وہیں مقیم رہتے تھے اور اس وقت کے لئے آپ ضروری توشہ لیجاتے تھے اور پھر توشہ ختم ہونے کے بعد حضرت خدیجہ اُمّ المؤمنین کے پاس تشریف لاتے اور مزید کچھ دنوں کے لئے توشہ لیجاتے یہاں تک کہ آپ اسی غار حرا میں تھے کہ اچانک آپ کے پاس حق یعنی وحی پہنچی۔ (غار حرا میں خلوت گزینی کی مدت میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحیحین کی روایت ہے کہ آپ نے ایک ماہ یعنی پورے ماہ رمضان اسمیں قیام فرمایا۔ ابن اسحق نے سیرت میں اور زر قافی نے شرح مواہب میں فرمایا کہ اس سے زیادہ مدت کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے اور یہ عبادت جو آپ غار حرا میں نزول وحی سے پہلے کرتے تھے اسوقت نماز وغیرہ کی تعلیم تو ہوئی نہ تھی، بعض حضرات نے فرمایا کہ نوح اور ابراہیم اور عیسیٰ علیہم السلام کی شرائع کے مطابق عبادت کرتے تھے مگر نہ کسی روایت سے اسکا ثبوت ہے اور نہ آپ کے اُمّی ہونے کی وجہ سے یہ احتمال صحیح ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اسوقت آپ کی عبادت محض مخلوق سے انقطاع

اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ خاص اور تفکر کی تھی (منظری)

حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ وحی آنے کی صورت یہ ہوئی کہ فرشتہ یعنی جبریل امین آپ کے پاس آیا، اور آپ سے کہا لا قرأ یعنی پڑھئے، آپ نے فرمایا ما انا بقاری یعنی میں پڑھنے والا نہیں ہوں (کیونکہ آپ اُمّی تھے، اور جبریل امین کے قول لا قرأ کی مراد آپ پر اس وقت واضح نہ تھی کہ کیا اور کس طرح پڑھوانا چاہتے ہیں کیا کوئی لکھی ہوئی تحریر دیں گے جس کو پڑھنا ہوگا اس لئے اپنے اُمّی ہونے کا ذکر کر دیا) حضرت صدیقہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے اس جواب پر جبریل امین نے مجھے آغوش میں لیکر اتنا دبایا کہ مجھے اسکی تکلیف محسوس ہونے لگی اس کے بعد مجھے چھوڑ دیا اور پھر وہی بات کہی اقرأ میں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں تو پھر جبریل امین نے دوبارہ آغوش میں لیکر اتنا دبایا کہ مجھے اس کی تکلیف محسوس ہونے لگی پھر چھوڑ دیا اور تیسری مرتبہ پھر کہا اقرأ میں نے پھر وہی جواب دیا ما انا بقاری تو تیسری مرتبہ پھر آغوش میں دبایا پھر چھوڑ کر کہا، اقرأ یا سمیع ربک الذی خلق الخلق ○ خلق الانسان من علق ○ لا قرأ و ربک الاکرم ○ الذی علم بالقلم ○ علم الانسان ما لم یعلم ○

قرآن کی یہ (سب سے پہلی پانچ) آیتیں لیکر آپ گھر واپس تشریف لائے آپ کا دل کانپ رہا تھا حضرت خدیجہؓ کے پاس آکر فرمایا زقلونی زقلونی مجھے ڈھانپو مجھے ڈھانپو (حضرت خدیجہؓ نے آپ پر کپڑے ڈالے) یہاں تک کہ یہ ہیبت کی کیفیت رفع ہوئی (یہ کیفیت اور کچی جبریل علیہ السلام کے خوف سے نہیں تھی کیونکہ آپ کی شان اس سے بہت بلند و بالا ہے بلکہ اس وحی کے ذریعہ جو نبوت و رسالت کی ذمہ داری آپ کو سونپی گئی اسکا بار گراں محسوس فرمانے اور ایک فرشتہ کو اُس کی اصلی ہیبت میں دیکھنے سے طبعی طور پر یہ ہیبت کی کیفیت پیدا ہوئی) حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اتفاق کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کو غار حرا کا پورا واقعہ سنایا اور فرمایا کہ اس سے مجھ پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہو گیا۔ حضرت خدیجہؓ ام المومنینؓ نے عرض کیا کہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز ناکام نہ ہونے دیں گے کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ بوجھ میں دبے ہوئے لوگوں کا بوجھ اٹھا لیتے ہیں۔ بے روزگار آدمی کو کسب پر لگاتے ہیں مہمانوں کی مہمانداری کرتے ہیں اور مصیبت زدوں کی امداد کرتے ہیں (حضرت خدیجہؓ ہم لکھی پڑھی خاتون تھیں اُن کو شاید کتب سابقہ توریت و انجیل سے یا اسکے علماء سے یہ بات معلوم ہوئی ہوگی کہ جس شخص کے اخلاق و عادات ایسے کریمانہ ہوں وہ محروم و ناکام نہیں ہوا کرتا اسلئے اس طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی)

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ ابن نوفل کے پاس لے گئیں یہ زمانہ جاہلیت ہی میں بُت پرستی سے تائب ہو کر نصرانی ہو گئے تھے (کیونکہ اس وقت کا دین حق یہی تھا) ورقہ ابن نوفل (لکھے پڑھے آدمی تھے عبرانی زبان بھی جانتے تھے اور عربی تو اُن کی مادری زبان تھی) وہ عبرانی زبان میں بھی لکھتے تھے اور انجیل کو عربی زبان میں لکھتے تھے اور اس وقت وہ بہت بوڑھے تھے، بڑھاپے کی وجہ سے بنیائی

جاتی رہی تھی، حضرت خدیجہؓ نے اُن سے کہا کہ میرے چچا زاد بھائی ذرا اپنے بھتیجے کی بات تو سنو۔ ورقہ ابن نوفل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حال دریافت کیا تو آپ نے غارِ حرا میں جو کچھ دیکھا تھا بیان کر دیا۔ ورقہ بن نوفل نے سنتے ہی کہا کہ یہ وہ ہی ناموس یعنی فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا کاش میں آپ کی نبوت کے زمانے میں قوی ہوتا، اور کاش کہ میں اُس وقت زندہ ہوتا جبکہ آپ کی قوم آپ کو (وطن سے) نکالے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تعجب سے پوچھا) کیا میری قوم مجھے نکال دیگی، ورقہ نے کہا کہ بلاشبہ نکالے گی کیونکہ جب بھی کوئی آدمی وہ پیغام حق اور دین حق لیکر آیا ہے جو آپ لائے ہیں تو اُس کی قوم نے اُس کو ستایا ہے اور اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو میں آپ کی بھرپور مدد کروں گا مگر ورقہ اسکے چند ہی روز کے بعد انتقال کر گئے اور اس واقعہ کے بعد وحی قرآن کا سلسلہ رک گیا (بخاری و مسلم) فترتِ وحی کی مدت کے متعلق سہیلی کی روایت یہ ہے کہ ڈھائی سال تک ہی اور بعض روایات میں تین سال کی مدت بیان کی گئی ہے (منظہری)

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، بِاسْمِ رَبِّكَ میں لفظ اسم بڑھانے سے اسطرف اشارہ ہے کہ قرآن جب بھی پڑھیں اللہ کا نام لیکر یعنی بِسْمِ اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر شروع کریں جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں لکھا گیا ہے، دوسرا اشارہ اسمیں اُس عذر کے جواب کا ہے جو آپ نے پیش کیا تھا کہ میں قاری نہیں، بِاسْمِ رَبِّكَ کے لفظ سے اسطرف اشارہ کیا گیا کہ اگرچہ آپ اپنی موجودہ حالت کے اعتبار سے اُمّی ہیں لکھے پڑھے نہیں مگر آپ کے رب کو سب قدرت ہے وہ اُمّی شخص کو اعلیٰ علوم اور خطابت کا سلیقہ اور فصاحت و بلاغت کا وہ درجہ دے سکتا ہے کہ جس کے سامنے بڑے بڑے لکھے پڑھے عاجز ہو جائیں جیسا کہ بعد میں اسکا ظہور ہوا (منظہری) اور اس جگہ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے لفظ رب کو خصوصیت سے اختیار کرنے میں اس مضمون کی مزید تائید و تاکید ہوئی کہ اللہ تعالیٰ آپ کا پروردگار ہے ہر طرح کی تربیت کرتا ہے وہ اُمّی ہونے کے باوجود آپ سے پڑھوا بھی سکتا ہے الَّذِي خَلَقَ صفاتِ الہیہ میں سے اس جگہ صفتِ تخلیق کو خصوصیت سے ذکر کرنے میں شاید حکمت ہو کہ مخلوقات پر جیسے انعامات و احسانات حق تعالیٰ کے ہیں انہیں سب سے پہلا انعام اسکو وجود عطا کرنا ہے جو تخلیق ربانی کے ذریعہ عطا ہوتا ہے، اور اس جگہ خَلَقَ کا مفعول یعنی جس چیز کو پیدا کیا وہ ذکر نہیں کی گئی اسمیں اشارہ عمومِ کثیر ہے کہ ساری ہی کائنات اُس کی مخلوق ہیں۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، الَّذِي خَلَقَ میں پوری کائنات کی تخلیق کا بیان ہوا تھا خَلَقَ الْإِنْسَانَ میں اشرفِ المخلوقات انسان کی تخلیق کا ذکر فرمایا کہ غور سے دیکھو تو پوری کائنات و مخلوقات کا خلاصہ انسان، جہاں میں جو کچھ ہے اُس کی نظائر انسان کے وجود میں موجود ہیں اسی لئے انسان کو عالم اصغر کہا جاتا ہے اور انسان کی تخصیص بالذکر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نبوت و رسالت اور قرآن کے نازل کرنے کا مقصد احکامِ الہیہ کی تنفیذ و تعمیل ہے وہ انسان ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ عَلَقٍ کے معنی منجمد خون کے ہیں انسان کی تخلیق پر مختلف دور گزرے اور گزرتے ہیں اُس کی ابتدا رمٹی اور غنا صر سے ہے پھر نطفہ سے اُس کے بعد عَلَقٌ

یعنی نجد خون بنتا ہے پھر مٹھنے گوشت پھر ہڈیاں وغیرہ پیدا کی جاتی ہیں۔ علقہ ان تمام اڈوں اور تخلیق میں ایک درمیانہ حالت ہے اس کو اختیار کر کے اسکے اول و آخر کی طرف اشارہ ہو گیا۔

اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ، یہاں لفظ اِقرأ کو مکرر لایا گیا ہے جس کی ایک وجہ خلاصہ تفسیر میں آچکی ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ پہلا اِقرأ تو خود آپ کے پڑھنے کے لئے فرمایا تھا، یہ دوسرا تبلیغ و دعوت اور لوگوں کو پڑھانے کے لئے فرمایا اور اگر محض تاکید کے لئے تکرار ہو تو وہ بھی کچھ بعید نہیں۔ اور صفت اکرم میں اس طرف اشارہ ہے کہ تخلیق عالم اور تخلیق انسان میں اللہ تعالیٰ کی اپنی کوئی غرض اور نفع نہیں بلکہ یہ سب بتقاضائے جو دو کرم ہے، کہ بے مانگے کائنات کو وجود کی نعمت عظمیٰ عطا فرمائی۔

الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، تخلیق انسانی کے بعد اُس کی تعلیم کا بیان ہے کیونکہ تعلیم ہی وہ چیز ہے جو انسان کو دوسرے تمام حیوانات سے ممتاز اور تمام مخلوقات سے اشرف و اعلیٰ بناتی ہے پھر تعلیم کی عام صورتیں دو ہیں ایک زبانی تعلیم دوسرے بذریعہ قلم تحریر و خط سے۔ ابتدائے سورت میں لفظ اِقرأ میں اگرچہ زبانی تعلیم ہی کی ابتداء ہے مگر اس آیت میں جہاں تعلیم دینے کا بیان آیا ہے اس میں قلمی تعلیم کو مقدم کر کے بیان فرمایا ہے۔

تعلیم کا سب سے پہلا اور اہم ذریعہ قلم اور کتاب ہے | ایک صحیح حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لما خلق الله الخلق كتب في كتابه فهو عندہ فوق العرش، ان رحمۃ غلبت غضبی، یعنی اللہ تعالیٰ نے ازل میں جب مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب میں جو عرش پر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یہ کلمہ لکھا کہ ”میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی“

اور حدیث میں یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ الْقَلَمَ فَقَالَ لَعَلَّہُ اَکْتُبْ فَکُنْتُ مَا یُکُونُ اِلَیْ یَوْمَ الْقِیَمَةِ فَهُوَ عِنْدَہُ الَّذِیْ کَرَفُوقِ عَرْشِہُ، یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس کو حکم دیا کہ لکھے، اُس نے تمام چیزیں جو قیامت تک ہونے والی تھیں لکھ دیں، یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے پاس عرش پر ہے (قرطبی)

قلم کی تین قسمیں | علماء نے فرمایا ہے کہ عالم میں قلم تین ہیں۔ ایک سب سے پہلا قلم جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور تقدیر کائنات لکھنے کا اُس کو حکم دیا، دوسرے فرشتوں کے قلم جس سے وہ تمام ہونے والے واقعات اور اُن کی متبادر کو نیز انسانوں کے اعمال کو لکھتے ہیں۔ تیسرے عام انسانوں کے قلم جن سے وہ اپنے کلام لکھتے اور اپنے مقاصد میں کام لیتے ہیں اور کتابت درحقیقت بیان کی ایک قسم ہے اور بیان انسان کی مخصوص صفت ہے (قرطبی) امام تفسیر مجاہد نے ابو عمرو سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات میں چار چیزیں اپنے دست قدرت سے خود بنائیں اور اُن کے سوا باقی مخلوقات کے لئے حکم دیا کُنْ یعنی ہو جا وہ موجود ہو گئیں۔ یہ چار چیزیں یہ ہیں۔ قلم، عرش، جنت عدن، آدم علیہ السلام

علم کتابت سب سے پہلے بنایا گیا | بعض حضرات نے فرمایا کہ سب سے پہلے یہ فن کتابت ابوالبشر حضرت آدمؑ

کو سکھایا گیا تھا اور سب سے پہلے انھوں نے لکھنا شروع کیا (کعب احبار) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ سب سے پہلے یہ فن حضرت ادریس علیہ السلام کو ملا ہے اور سب سے پہلے کاتب دنیا میں وہی ہیں (ضحاک) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر شخص جو کتابت کرتا ہے وہ تعلیم منجانب اللہ ہی ہے۔

خط و کتابت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے | حضرت قتادہ رحمہ نے فرمایا کہ قلم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اگر یہ ہوتا تو نہ کوئی دین قائم رہتا نہ دنیا کے کاروبار درست ہوتے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا کرم ہے کہ اُس نے اپنے بندوں کو اُن چیزوں کا علم دیا جن کو وہ نہیں جانتے تھے اور اُن کو جہل کی اندھیری سے نورِ علم کی طرف نکالا اور علم کتابت کی ترغیب دی کیونکہ اُس میں بیشمار اور بڑے منافع ہیں جن کا اللہ کے سوا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ تمام علوم و حکم کی تدوین اور اولین و آخرین کی تاریخ ان کے حالات و مقالات اور اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابیں سب قلم ہی کے ذریعہ لکھی گئیں اور رہتی دنیا تک باقی رہیں گی اگر قلم نہ ہو تو دنیا و دین کے سارے ہی کام مختل ہو جائیں۔

علمائے سلف و خلف نے ہمیشہ تعلیم خط و کتابت کا بڑا اہتمام کیا ہے جس پر اُن کی خط و کتابت کا بہت اہتمام کیا ہے | علمائے سلف و خلف نے ہمیشہ تعلیم خط و کتابت کا بڑا اہتمام کیا ہے جس پر اُن کی تصانیف کے عظیم الشان ذخائر آج تک شاہد ہیں۔ افسوس ہے کہ ہمارے اس دور میں علماء و طلباء نے اس اہم ضرورت کو ایسا نظر انداز کیا ہے کہ سیکڑوں میں دو چار آدمی مشکل سے تحریر کتابت کے جاننے والے نکلتے ہیں خالی اللہ اشتکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو | حق تعالیٰ جلّ شانہ نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو لوگوں کے فکر و قیاس کتابت کی تعلیم نہ دینے کا راز سے بالاتر بنانے کے لئے آپ کی جائے پیدائش سے لیکر آپ کے ذاتی حالات تک سب سے بنائے تھے کہ جن میں کوئی انسان اپنی ذاتی کوشش محنت سے کوئی کمال حاصل نہیں کر سکتا۔ جائے پیدائش کے لئے عرب کا صحرا تجویز ہوا جو متمدن دنیا اور علم و حکمت کے گہواروں سے بالکل کٹا ہوا تھا اور راستے اور مواصلات اتنے دشوار گزار تھے کہ شام و عراق اور مصر وغیرہ کے متمدن شہروں سے یہاں کے لوگوں کا کوئی جوڑ نہ تھا، اسی لئے عرب سب کے سب ہی امیہین کہلاتے ہیں، ایسے ملک اور ایسے قبائل میں آپ پیدا ہوئے اور پھر حق تعالیٰ نے ایسے سامان کئے کہ عرب کے لوگوں میں جو خال خال کوئی علم و حکمت اور خط و کتابت سیکھ لیتا تھا، آپ کو اُسکے سیکھنے کا بھی موقع نہ دیا گیا، ان حالات میں پیدا ہونے والے انسان سے علم و حکمت اور اخلاقِ فاضلہ عالیہ کا کس کو تصور ہو سکتا ہے۔ اچانک حق تعالیٰ نے خلعتِ نبوت سے نوازا اور علم و حکمت کا غیر منقطع سلسلہ آپ کی زبان مبارک پر جاری فرما دیا، فصاحت و بلاغت میں عرب کے بڑے بڑے شعراء و بلغار آپ کے سامنے عاجز ہو گئے یہ ایک ایسا کھلا ہوا معجزہ تھا کہ ہر آنکھوں والا اسکو دیکھ کر یہ یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ کے کمالات انسانی سعی و عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے غیبی عطیات ہیں، خط و کتابت کی تعلیم نہ دینے میں بھی یہی حکمت تھی (ماخوذ از قرطبی)

عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ، اس سے پہلی آیت میں تعلیم کے ایک خاص ذریعہ کا ذکر تھا جو عام طور پر تعلیم کے لئے استعمال ہوتا ہے یعنی قلمی تعلیم۔

ذریعہ علم صرف قلم نہیں بلکہ بیشتر ذرائع ہیں | اس آیت میں اس کا ذکر ہے کہ اصل تعلیم دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے لئے ذرائع تعلیم بیشتر ہیں، کچھ قلم ہی کیساتھ مخصوص نہیں اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ علم دیا جس سے وہ پہلے ناواقف تھا، اس میں قلم یا کسی دوسرے ذریعہ تعلیم کا ذکر نہ فرمانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ کی تعلیم انسان کی ابتداء آفرینش سے جاری ہے کہ اول اس میں عقل پیدا کی جو سب سے بڑا ذریعہ علم ہے، انسان اپنی عقل سے خود بغیر کسی تعلیم کے بہت سی چیزیں سمجھتا ہے پھر اسکے پس و پیش میں اپنی قدرت کاملہ کے ایسے مناظر اور دلائل قدرت رکھتے ہیں جن کا مشاہدہ کر کے وہ اپنی عقل سے اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان سکے۔ پھر وحی اور الہام کے ذریعہ بہت سی چیزوں کا علم انسان کو عطا فرمایا اور بہت سی ضروری چیزوں کا علم انسان کے ذہن میں خود بخود پیدا فرمادیا جس میں کسی زبان یا قلم کی تعلیم کا دخل نہیں، ایک بے شعور بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کیساتھ ہی اپنی غذا کے مرکز یعنی ماں کی چھاتیوں کو پہچان لیتا ہے پھر چھاتی سے دودھ اُتارنے کے لئے منہ کو دبانا اس کو کس نے سکھایا اور کون سکھا سکتا تھا، پھر اس کو ایک ہنر رونے کا اللہ تعالیٰ نے اول ولادت ہی سے سکھا دیا، بچے کا یہ رونا اُس کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے اُس کو روتا ہوا دیکھ کر ماں باپ اس فکر میں پڑ جاتے ہیں کہ اس کو کیا تکلیف ہے۔ اس کی بھوک پیاس، سردی، گرمی کی سب ضروریات اسی رو دینے سے ہی پوری ہوتی ہیں۔ یہ رونے کی تعلیم اس نو مولود کو کون کر سکتا تھا اور کس طرح کرتا۔ یہ سب وہی علم ہے جو اللہ تعالیٰ ہر جاندار کے خصوصاً انسان کے ذہن میں پیدا فرمادیتا ہے۔ اس ضروری علم کے بعد پھر زبانی تعلیم پھر قلبی تعلیم کے ذریعہ اس کے علوم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور مَا لَمْ يَعْلَمْ یعنی جس کو وہ نہیں جانتا تھا اس کے کہنے کی بظاہر کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ عادتاً تعلیم تو اُسی چیز کی ہوتی ہے جس کو انسان نہیں جانتا اس کے فرمانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ اس خدا داد علم و ہنر کو انسان اپنا ذاتی کمال نہ سمجھ بیٹھے، مَا لَمْ يَعْلَمْ سے اشارہ فرمادیا کہ انسان پر ایک ایسا وقت بھی آیا ہے جب کچھ نہیں جانتا تھا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُونِ اُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا یعنی اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے بطن سے ایسی حالت میں نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے، معلوم ہوا کہ انسان کو جو بھی علم و ہنر ملا ہے وہ اُس کا ذاتی نہیں بلکہ سب خالق و مالک کا عطیہ ہے۔ (منظہری) اور بعض حضرات مفسرین نے اس آیت میں انسان سے حضرت آدم یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مراد قرار دیا ہے کیونکہ آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان ہیں جن کو تعلیم دی گئی وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ آخری پیغمبر ہیں جن کی تعلیم میں تمام انبیاء سابقین کے علوم اور لوح و قلم کے علوم شامل ہیں کما قال ۛ مِنْ عَلَوٰمِ عَلَّمَ اللّٰوْحِ وَالْقَلَمِ

یہاں تک سورہ اِقرآ کی پانچ آیتیں سب سے پہلے نازل ہوئیں، اس کے بعد کی آیتیں کافی عرصہ کے بعد نازل ہوئی ہیں کیونکہ باقی آیتیں آخر سورت تک ابو جہل کے ایک واقعہ کے متعلق ہیں اور ابتداء وحی و نبوت میں تو

مکہ میں کوئی بھی آپ کا مخالف نہ تھا سب آپ کو امیرین کے لقب سے پکارتے تھے اور محبت و تعظیم کرتے تھے، ابو جہل کی نفرت اور دشمنی خصوصاً نماز پڑھنے سے روکنے کا واقعہ جو آگے آنے والی آیات میں مذکور ہے ظاہر ہے کہ اس وقت کا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت و دعوت کا اعلان فرمایا اور شبِ معراج میں آپ کو نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔

كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِكَيِّفٍ ۖ آجَزَّ ۖ ذَآءُ ۖ اسْتَغْنَىٰ ۚ اس آیت کا روئے سخن اگرچہ ایک خاص شخص یعنی ابو جہل کی طرف ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی مگر عنوان عام رکھا ہے جس میں عام انسانوں کی ایک کمزوری بیان کی گئی وہ یہ ہے کہ انسان جب تک دوسروں کا محتاج رہتا ہے تو سیدھا چلتا ہی اور جب اُس کو یہ گمان ہو جائے کہ میں کسی کا محتاج نہیں رہا تو اس کے نفس میں طغیان یعنی سرکشی وغیرہ اور دوسروں پر ظلم و جور کے رجحانات پیدا ہو جاتے ہیں، جیسا کہ عموماً مالداروں اور اقتدار حکومت والوں اور اولاد و احباب یا خدام کی کثرت رکھنے والوں میں اس کا بکثرت مشاہدہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے تمول اور جماعت جتنے کی طاقت میں مست ہو کر کسی کو نظر میں نہیں لاتے، چونکہ ابو جہل کا بھی یہی حال تھا کہ مکہ مکرمہ کے خوشحال لوگوں میں سے تھا اور اس کے قبیلے بلکہ پورے شہر کے لوگ اس کی تعظیم و تکریم کرتے اور بات مانتے تھے وہ بھی اسی پندار میں مبتلا ہوا یہاں تک کہ سید الانبیاء اور اشرف المخلوق کی شان میں گستاخی کر بیٹھا۔ اگلی آیت میں ایسے سرکشوں کے بُرے انجام پر تنبیہ ہے۔

إِنِّ إِلَٰهِي رَبُّكَ الرَّجُّجِي ۚ رُجْعِي مِثْلَ بُشْرَىٰ كَيْفَ مَصْدَرٌ ۚ معنی یہ ہیں کہ سب کو اپنے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے اس کے ظاہر معنی تو یہی ہیں کہ مرنے کے بعد سب کو اللہ کے پاس جانا اور اچھے بُرے اعمال کا حساب لینا ہی اس وقت اس طغیانی اور سرکشی کے انجام بد کو آنکھوں سے دیکھ لیگا اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس جملے میں مغرور انسان کے غرور کا علاج بتلایا گیا ہو کہ اے احمق تو اپنے آپ کو سب سے بے نیاز خود مختار سمجھتا ہے اگر غور کر لیا تو اپنی ہر حالت بلکہ ہر حرکت و سکون میں تو اپنے آپ کو رب تعالیٰ کا محتاج پائیگا، اگر اُس نے تجھے کسی انسان کا محتاج بظاہر نہیں بنایا تو کم از کم اس کو تو دیکھ کہ اللہ تعالیٰ کا تو ہر چیز میں محتاج ہے اور انسانوں کی محتاجی سے بے نیاز سمجھنا بھی صرف ظاہری مغالطہ ہی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مدنی الطبع بنایا ہے وہ اکیلا اپنی ضروریات میں سے کسی ایک ضرورت کو بھی پورا نہیں کر سکتا، اپنے ایک لقمہ کو دیکھے تو پتہ چلے گا کہ ہزاروں انسانوں اور جانوروں کی محنت شاقہ اور مدت و راز تک کام میں لگے رہنے کا نتیجہ یہ لقمہ تر ہے جو بے فکری کیساتھ نگل رہا ہے اور اتنے ہزاروں انسانوں کو اپنی خدمتیں لگا لینا کسی کے بس کی بات نہیں، یہی حال اس کے لباس اور تمام دوسری ضروریات کا ہے کہ ان کے مہیا کرنے میں ہزاروں لاکھوں انسانوں اور جانوروں کی محنت کا دخل ہے جو تیرے غلام نہیں اگر تو ان سب کو تنخواہیں دیکر بھی چاہتا کہ اپنے اس کام کو پورا کرے تو ہرگز تیرے بس میں نہ آتا، ان باتوں میں غور و فکر انسان پر یہ راز کھولتا ہے کہ اس کی تمام ضروریات کے مہیا کرنے کا نظام خود اس کا بنایا ہوا نہیں بلکہ خالق کائنات نے اپنی حکمت بالغہ سے بنایا اور چلایا ہے کسی دل میں ڈال دیا کہ زمین میں کاشت کا کام کرے، کسی کے دل میں یہ پیدا کر دیا کہ وہ لکڑی تراشنے اور نجاری کا کام کرے، کسی کے دل میں لوہار کے کام کی رغبت ڈال دی، کسی

کو محنت مزدوری کرنے ہی میں راضی کر دیا، کسی کو تجارت و صنعت کی طرف راغب کر کے انسانی ضروریات کے بازار لگا دیئے۔ نہ کوئی حکومت اسکا نظم قانون سے کر سکتی تھی نہ کوئی فرد۔ اسلئے اس غور و فکر کا لازمی نتیجہ الیٰ رَبِّكَ الْوَجْہُ یعنی انجام کار سب چیزوں کا حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے تابع ہونا مشاہدہ میں آ جاتا ہے۔

اَرَعَيْتَ الَّذِي يَنْهٰی عَبْدًا اِذَا صَلَّى، اس آیت سے آخر سورۃ تک ایک قعہ کھٹرف اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے کا حکم دیا اور آپ نے نماز پڑھنا شروع کی تو ابو جہل نے آپ کو نماز پڑھنے سے روکا اور دھکی دی کہ آئندہ نماز پڑھیں گے اور سجدہ کریں گے تو وہ معاذ اللہ آپ کی گردن کو پاؤں سے کچل دے گا، اسکے جواب اور اُس کو زجر کرنے کے لئے یہ آیات آئی ہیں انہیں فرمایا اَلَمْ يَعْلَم بِاَنَّ اللّٰهَ يَوْنٰی، یعنی کیا وہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، یہاں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ کس کو دیکھ رہا ہے اسلئے عام اور شامل ہے کہ نماز پڑھنے والی بزرگ ہستی کو بھی دیکھ رہا ہے اور اُس سے روکنے والے بد بخت کو بھی اور یہاں صرف اس جملہ پر اکتفا کیا گیا کہ ہم یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں، آگے دیکھنے کے بعد کیا حشر ہوگا اُس کے ذکر نہ کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ہولناک انجام قابل تصور نہیں۔

لَنْسَفَعًا بِالْغَاصِيَةِ، سفع مصدر سے مشتق ہے جس کے معنی سختی کے ساتھ کھینچنے کے ہیں اور ناصیت سر کے اگلے بالوں کو کہا جاتا ہے جو پیشانی کے اوپر ہوتے ہیں جس شخص کے پیشانی کے بال کسی کے ہاتھ میں آجائیں وہ اسکے ہاتھ میں مجبور و مقہور ہو کر رہ جاتا ہے۔

كَلَّا لَا تَطَّعُهُ وَاَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہے کہ ابو جہل کی بات پر کان دھریں اور سجدہ اور نماز میں مشغول رہیں کہ یہی اللہ تعالیٰ کے قرب کا راستہ ہے۔

سجدے کی حالتیں قبولیت دُعَا، ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقرب ما يكون العبد من ربه وهو ساجد فاكثروا الدعاء، یعنی بندہ اپنے رب سے قریب تر اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ سجدہ میں ہو اسلئے سجدہ میں بہت دُعا کیا کرو۔ اور ایک دوسری صحیح حدیث میں یہ لفظ بھی آئے ہیں فَانْتَقَمْنِ انْ يَسْتَجَابَ لَكُمْ، یعنی سجدے کی حالت میں دُعا قبول ہونے کے لائق ہے۔

مسئلہ نفل نمازوں کے سجدہ میں دُعا کرنا ثابت ہے، بعض روایات حدیث میں اس دُعا کے خاص الفاظ بھی آئے ہیں وہ الفاظ ماثورہ پڑھے جائیں تو بہتر ہے۔ فرائض میں طرح کی دُعائیں ثابت نہیں، کیونکہ فرائض میں اختصار مطلوب ہے۔

مسئلہ اس آیت کو پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہے۔ صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت پر سجدہ تلاوت کرنا ثابت ہے واللہ اعلم

سُورَةُ الْقَدْرِ

سُورَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ آيَاتٌ
سُورَةُ قَدَر مَكَّة میں نازل ہوئی اور اس کی پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۚ لَيْلَةُ

ہم نے اس کو اتارا شب قدر میں اور تو نے کیا سمجھا کہ کیا ہے شب قدر

الْقَدْرِ ۚ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۚ تَنْزِيلُ الْمَلِكَةِ ۚ وَالرُّوحُ فِيهَا

قدر بہتر ہے ہزار مہینے سے اترتے ہیں فرشتے اور روح اُس میں

بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ ۚ سَلَامٌ قَدْ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۚ

اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر امان ہے وہ رات صبح کے نکلنے تک

خلاصہ تفسیر

بیشک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے (تحقیق شب قدر میں نازل ہونے کی سورہ دُخان میں گمزی ہے) اور (زیادت تشویق کے لئے فرماتے ہیں کہ) آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شب قدر کیسی چیز ہے (آگے جواب ہے کہ) شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے (یعنی ہزار مہینہ تک عبادت کرنے کا جس قدر ثواب ہے اُس سے زیادہ شب قدر میں عبادت کرنیکا ثواب ہے، کذا فی الخازن اور وہ رات ایسی ہے کہ) اس رات میں فرشتے اور روح القدس یعنی جبریل علیہ السلام اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر (زمین کی طرف) اترتے ہیں (اور وہ شب) سراپا سلام ہے (جیسا حدیث بیہقی میں حضرت انس رضی عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ شب قدر میں حضرت جبریل علیہ السلام فرشتوں کے ایک گروہ میں آتے ہیں اور جس شخص کو قیام و قعود ذکر میں مشغول دیکھتے ہیں تو اُس پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں یعنی اُس کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں اور خازن نے ابن الجوزی سے اس روایت میں سَلَامٌ بھی بڑھایا ہے یعنی سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ اور یُصَلُّونَ کا خلاصہ

بھی یہی ہے کیونکہ رحمت و سلامتی میں تلازم ہے اسی کو قرآن میں سلام فرمایا ہے اور امرِ خیر سے مراد یہی ہے، اور نیز روایات میں اسمیں توبہ کا قبول ہونا ابوابِ سمار کا مفتوح ہونا اور ہر مومن پر ملائکہ کا سلام کرنا آیا ہے۔ کذا فی الدر المنثور۔ اور ان امور کا بواسطہ ملائکہ کے ہونا اور موجب سلامت ہونا ظاہر ہے یا امر سے مراد وہ امور ہوں جن کا عنوان سورۃ دخان میں امرِ حکیم اور اس شب میں ان کا طے ہونا ذکر فرمایا ہے اور (وہ شب قدر) اسی صفت و برکت کے ساتھ (طلوع فجر تک رہتی ہے) یہ نہیں کہ اس شب کے کسی حصہ خاص میں یہ برکت ہو اور کسی میں نہ ہو (

معارف و مسائل

شانِ نزول | ابن ابی حاتم نے مجاہد سے مرسل روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک مجاہد کا حال ذکر کیا جو ایک ہزار مہینے تک مسلسل مشغول جہاد رہا، کبھی ہتھیار نہیں اتارے مسلمانوں کو یہ شکر تعجب ہوا، اس پر سورۃ قدر نازل ہوئی جس میں اس اُمت کے لئے صرف ایک رات کی عبادت کو اس مجاہد کی عمر بھر کی عبادت یعنی ایک ہزار مہینے سے بہتر قرار دیا ہے۔ اور ابن جریر نے بروایت مجاہد ایک دوسرا واقعہ یہ ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد کا یہ حال تھا کہ ساری رات عبادت میں مشغول رہتا اور صبح ہوتے ہی جہاد کے لئے نکل کھڑا ہوتا دن بھر جہاد میں مشغول رہتا، ایک ہزار مہینے اُس نے اسی مسلسل عبادت میں گزار دیئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ قدر نازل فرما کر اس اُمت کی فضیلت سب پر ثابت فرمادی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر اُمتِ محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے (منظہری)

ابن کثیر نے یہی قول امام مالک کا نقل کیا ہے اور بعض ائمہ شافعیہ نے اس کو جہور کا قول لکھا ہے خطابی نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے مگر بعض محدثین نے اس میں اختلاف کیا ہے (ماخوذ از ابن کثیر)

لیلۃ القدر کے معنی | قدر کے ایک معنی عظمت و شرف کے ہیں۔ زہری وغیرہ حضرات علماء نے اس جگہ یہی معنی لئے ہیں اور اس رات کو لیلۃ القدر کہنے کی وجہ اس رات کی عظمت و شرف ہے۔ اور ابو بکر دراق نے فرمایا کہ اس رات کو لیلۃ القدر اسوجہ سے کہا گیا کہ جس آدمی کی اس سے پہلے اپنی بے عملی کے سبب کوئی قدر و قیمت نہ تھی اس رات میں توبہ و استغفار اور عبادت کے ذریعہ وہ صاحبِ قدر و شرف بن جاتا ہے۔

قدر کے دوسرے معنی تقدیر و حکم کے بھی آتے ہیں، اس معنی کے اعتبار سے لیلۃ القدر کہنے کی وجہ یہ ہوگی کہ اس رات میں تمام مخلوقات کے لئے جو کچھ تقدیر ازلی میں لکھا ہے اس کا جو حصہ اس سال میں رمضان سے اگلے رمضان تک پیش آئی والا ہے وہ اُن فرشتوں کے حوالہ کر دیا جاتا ہے جو کائنات کی تدبیر اور تنفیذ امور کے لئے مامور ہیں، اسمیں ہر انسان کی عمر اور موت اور رزق اور بارش وغیرہ کی مقدار میں مقررہ فرشتوں کو لکھوا دی جاتی ہیں یہاں تک کہ جس شخص کو اس سال میں حج نصیب ہو گا وہ بھی لکھ دیا جاتا ہے اور یہ فرشتے جن کو یہ امور سپرد کئے جاتے ہیں

بقول ابن عباس چار ہیں۔ اسرافیل، میکائیل، عزرائیل، جبرائیل علیہم السلام (قطبی)

سورۃ دخان کی آیت اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْمُبَرَّكَۃِ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝۵ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَکِيْمٍ ۝۶ اَمْرًا قَرِيْنًا میں یہ مضمون خود صراحت کیساتھ آگیا ہے کہ اس لیلۃ مبارکہ میں تمام امور تقدیر کے فیصلے لکھے جاتے ہیں اور اس آیت کی تفسیر میں گزر گیا ہے کہ جمہور مفسرین کے نزدیک لیلۃ مبارکہ سے مراد بھی لیلۃ القدر ہی ہے اور بعض حضرات نے جو لیلۃ مبارکہ سے نصف شعبان کی رات یعنی لیلۃ البرات مراد لی ہے تو وہ اس کی تطبیق اس طرح کرتے ہیں کہ ابتدائی فیصلے امور تقدیر کے اجمالی طور پر شبِ برات میں ہو جاتے ہیں پھر ان کی تفصیلات لیلۃ القدر میں لکھی جاتی ہیں اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کے ایک قول سے ہوتی ہے جس کو بخاری نے بروایت ابو اسحق نقل کیا ہے اس میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سال بھر کے تقدیری امور کا فیصلہ تو شبِ برات یعنی نصف شعبان کی رات میں کر لیتے ہیں پھر شبِ قدر میں یہ فیصلے متعلقہ فرشتوں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں (مظہری) اور یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ امور تقدیر کے فیصلے اس رات میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سال میں جو امور تقدیر نافذ ہونا ہیں وہ لوح محفوظ سے نقل کر کے فرشتوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں اور اہل نوشتہ تقدیر ازل میں لکھا جا چکا ہے۔

لیلۃ القدر کی تعیین | اتنی بات تو قرآن کریم کی تصریحات سے ثابت ہے کہ شبِ قدر ماہِ رمضان المبارک میں آتی ہے مگر تاریخ کے تعیین میں علماء کے مختلف اقوال ہیں جو چالیس تک پہنچتے ہیں مگر تفسیر مظہری میں ہے کہ ان سب اقوال میں صحیح یہ ہے کہ لیلۃ القدر رمضان مبارک کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے مگر آخری عشرہ کی کوئی خاص تاریخ متعین نہیں بلکہ ان میں سے کسی بھی رات میں ہو سکتی ہے وہ ہر رمضان میں بدلتی بھی رہتی ہے۔ اور ان دس میں سے خاص طاق راتیں یعنی ۲۱-۲۲-۲۳-۲۴-۲۵-۲۶-۲۷-۲۸-۲۹ میں ازل سے احادیث صحیحہ زیادہ احتمال ہے۔ اس قول میں تمام احادیث جو تعیین شبِ قدر کے متعلق آئی ہیں جمع ہو جاتی ہیں جن میں ۲۱-۲۲-۲۳-۲۴-۲۵-۲۶-۲۷-۲۸-۲۹ راتوں میں شبِ قدر ہونے کا ذکر آیا ہے۔ اگر شبِ قدر کو ان راتوں میں دائر اور ہر رمضان میں منتقل ہونے والا قرار دیا جائے تو یہ سب روایات حدیث اپنی اپنی جگہ درست اور ثابت ہو جاتی ہیں کسی میں تاویل کی ضرورت نہیں رہتی، اسی لئے اکثر ائمہ فقہاء نے اس کو عشرۃ اخیرہ میں منتقل ہونے والی رات قرار دیا ہے۔ ابو قلابہ، امام مالک، احمد بن حنبل، سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ، ابو ثور، مزنی، ابن خزیمہ وغیرہ سب نے یہی فرمایا ہے اور ایک روایت میں امام شافعیؒ سے بھی اس کے موافق منقول ہے اور دوسری روایت امام شافعیؒ کی یہ ہے کہ یہ رات منتقل ہونے والی نہیں بلکہ معین ہے (ابن کثیر)

صحیح بخاری میں حضرت صدیقہ عائشہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تَحْدِثُوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْاَوَّلِ مِنْ رَمَضَانَ، یعنی شبِ قدر کو رمضان کے آفری عشرہ میں تلاش کرو۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَاُطْلِبُوْهَا فِي الْاَوَّلِ مِنْهَا، یعنی شبِ قدر کو رمضان کے عشرۃ اخیرہ کی طاق راتوں میں طلب کرو (مظہری)

لیلۃ القدر کے بعض فضائل اور اس رات کی مخصوص دعا | اس رات کی سب سے بڑی فضیلت تو وہی ہے جو اس سورت میں

بیان ہوئی ہے کہ اس ایک رات کی عبادت ایک ہزار مہینوں یعنی تراسی سال سے زائد کی عبادت سے بھی بہتر ہے پھر بہتر ہونے کی کوئی حد مقرر نہیں، کتنی بہتر ہے کہ دو گنی چو گنی دس گنی سو گنی وغیرہ سمی احتمالات ہیں۔

اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شب قدر میں عباد کے لئے کھڑا رہا اسکے تمام پچھلے گناہ معاف ہو گئے۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب قدر میں وہ تمام فرشتے جبکہ مقام سدرۃ المنتہی پر ہے جبریل امین کیساتھ دنیا میں اترتے ہیں اور کوئی مومن مرد یا عورت ایسی نہیں جسکو وہ سلام نہ کرتے ہوں۔ بجز اُس آدمی کے جو شراب پیتا یا خنزیر کا گوشت کھاتا ہو اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شب قدر کی خیر و برکت سے محروم رہا وہ بالکل ہی محروم بد نصیب ہے۔ شب قدر میں بعض حضرات کو خاص انوار کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے مگر نہ سب کو حاصل ہوتا ہے نہ رات کی برکات اور ثواب حاصل ہونے میں ایسے مشاہدات کا کچھ دخل ہے اسلئے اسکی فکر میں نہ پڑنا چاہیے۔ حضرت صدیقہ عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر میں شب قدر کو پاؤں تو کیا دعا کروں آپ نے فرمایا کہ یہ دعا کرو اللہم اِنَّكَ عَفُوٌّ رَّحِيمٌ تَجِبُ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي یا اللہ آپ بہت معاف کرنے والے ہیں اور معافی کو پسند کرتے ہیں۔ میری خطائیں معاف فرما (قطبى)

اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ، اس آیت میں تصریح ہے کہ قرآن کریم شب قدر میں نازل ہوا، اسکا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے پورا قرآن لوح محفوظ سے اس رات میں اُتار گیا پھر جبریل امین اس کو تدریجاً تیس سال کے عرصہ میں حسب ہدایت تھوڑا تھوڑا لاتے رہے اور یہ بھی مُراد ہو سکتی ہے کہ ابتدائے نزول قرآن اس رات میں چند آیتوں سے ہو گیا باقی بعد میں نازل ہوتا رہا۔

تمام اسمانی کتابیں رمضان | حضرت ابوذر غفاریؓ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی میں نازل ہوئی ہیں۔ کہ صحیفہ ابراہیم علیہ السلام تیسری تاریخ رمضان میں، اور تورات چھٹی تاریخ میں اور انجیل تیرھویں تاریخ میں اور زبور اٹھارویں تاریخ رمضان میں نازل ہوئی ہیں اور قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر چوبیسویں تاریخ رمضان میں اُترا ہے (مظہری)

تَنْزِيلَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالنُّزُوْلُ، روح سے مراد جبریل امین ہیں۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شب قدر ہوتی ہے تو جبریل امین فرشتوں کی بڑی جماعت کیساتھ زمین پر اترتے ہیں اور جتنے اللہ کے بندے مرد و عورت نماز یا ذکر اللہ میں مشغول ہوتے ہیں سب کیلئے رحمت کی دعا کرتے ہیں (مظہری)

مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ مِنْ حَرِّ مِّنْ مَّعْنٰی بَارِہِ جیسے یَقْظُوْنَہُ مِّنْ اَمْرِ اللّٰہِ الآیۃ میں بھی مِّنْ بمعنی بار استعمال ہوا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ فرشتے لیلۃ القدر میں تمام سال کے اندر پیش آنے والے تقدیری واقعات لیکر زمین پر اترتے ہیں۔ اور بعض حضرات مفسرین مجاہد وغیرہ نے مِّنْ كُلِّ اُمَّةٍ کو سلام کے ساتھ متعلق کر کے یہ معنی قرار دیئے ہیں کہ یہ رات سلامتی ہے ہر شر و آفت اور بُری چیز سے (ابن کثیر)

سَلَامٌ، عبارت کی اصل بھی سَلَامٌ ہے۔ لفظ ہی حذف کر دیا گیا، معنی یہ ہیں کہ یہ رات سلام اور سلامتی ہی ہے اور خیر ہی خیر ہے اس میں شر کا نام نہیں (قطبی) اور بعض حضرات نے تقدیر عبارت سلام ہو قرار دے کر اُسکو مِنْ قِبَلِ الْفَرَقِ کی صفت بنایا اور معنی یہ ہوئے کہ یہ فرشتے ہر ایسا امر لیکر آتے ہیں جو خیر و سلام ہے (مظہری)۔
 هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ، یعنی لیلة القدر کی یہ برکات رات کے کسی خاص حصہ کی ساتھ مخصوص نہیں، شروع رات سے طلوع فجر تک ایک ہی حکم ہے۔

فائدہ | ان آیات میں لیلة القدر کو ایک ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ ان ایک ہزار مہینوں کے اندر بھی ہر سال ایک شب قدر آئے گی تو حساب کس طرح بنے گا۔ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ یہاں ایک ہزار مہینوں سے وہ مراد ہیں جن میں شب قدر شامل نہ ہو اسلئے کوئی اشکال نہیں (کذا ذکرہ ابن کثیر عن مجاہد)۔
 اختلاف مطالع کے سبب مختلف ملکوں اور شہروں میں شب قدر مختلف دنوں میں ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں، کیونکہ ہر جگہ کے اعتبار سے جو رات شب قدر قرار پائے گی اُس جگہ اُسی رات میں شب قدر کے برکات حاصل ہونگے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ۔ جس شخص نے شب قدر میں عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھ لی اُس نے بھی اس رات کا ثواب پالیا، اور جو شخص جتنا زیادہ کرے گا زیادہ ثواب پائے گا۔ صحیح مسلم میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر لی تو اُدھی رات کے قیام کا ثواب پالیا، اور جس نے صبح کی نماز بھی جماعت سے ادا کر لی تو پوری رات جاگنے عبادت کر نیکا ثواب حاصل کر لیا۔

تَمَّتْ سُورَةُ الْقَدْرِ جَمَلًا لِلَّهِ رِضًا لِّرَسُولِهِ

سُورَةُ الْبَيِّنَةِ

سُورَةُ الْبَيِّنَةِ مَكِّيَّةٌ نَبِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِيَةُ آيَاتٍ

سورة بینہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بجد مہربان نہایت رحم والا ہے

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِينَ حَتَّىٰ

نہ تھے وہ لوگ جو منکر ہیں اہل کتاب اور مشرک باز آنے والے یہاں تک کہ

تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝۱ رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝۲ فِيهَا كُتِبَ

پہنچے اُن کے پاس کھلی بات ایک رسول اللہ کا پڑھتا ہوا ورق پاک اُس میں لکھی ہیں

قِيَمَةٍ ۲۰ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ تَهُمْ

کتاب میں مضبوط اور وہ جو پھوٹ پڑی اہل کتاب میں سو جبکہ آچکی اُن کے پاس کھلی

الْبَيْتَةِ ۲۱ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ حُنَفَاءَ

بات اور اُن کو حکم یہی ہوا کہ مندرگی کریں اللہ کی خالص کمر کے اسکے واسطے مندرگی ابراہیم کی راہ پر

وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَمَةِ ۚ إِنَّ الَّذِينَ

اور قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور یہ ہے راہ مضبوط لوگوں کی اور جو

كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خُلِدُوا فِيهَا أُولَٰئِكَ

منکر ہوئے اہل کتاب اور مشرک ہونگے دوزخ کی آگ میں سدا رہیں اُسہیں وہ لوگ ہیں

هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۚ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ

سب خلق سے بدتر وہ لوگ جو یقین لائے اور کئے بھلے کام وہ لوگ ہیں سب

خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۚ جَزَاءُ وَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَجْرِي مِنْ

خلق سے بہتر بدلہ اُن کا اُن کے رب کے یہاں باغ ہیں ہمیشہ رہنے کو نیچے بہتی ہیں

تحتها الْأَنْهَارُ خُلِدُوا فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ

اُن کے نہریں سدا رہیں اُن میں ہمیشہ اللہ اُن سے راضی اور وہ اُس سے راضی

ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ۚ

یہ ملتا ہے اُس کو جو ڈرا اپنے رب سے

خلاصہ تفسیر

جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے (قبل بعثت نبویہ) کافر تھے وہ (اپنے کفر سے ہرگز) باز آنے والے

نہ تھے جب تک کہ اُن کے پاس واضح دلیل نہ آتی (یعنی) ایک اللہ کا رسول جو (اُن کو) پاک صحیفے پڑھ کر سنا دے

جن میں درست مضامین لکھے ہوں (مراد قرآن ہے) مطلب یہ ہے کہ ان کفار کا کفر ایسا شدید تھا اور ایسے جہل میں

بتلا تھے کہ بدون کسی عظیم رسول کے اُن کی راہ پر آنے کی کوئی توجہ نہ تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن پر اپنی حجت تمام

کمر کرنے کے لئے آپ کو قرآن دے کر مبعوث فرمایا (اور اُن کو چاہیے تھا کہ اس کو غنیمت سمجھتے اور اس پر ایمان

لے آتے مگر) جو لوگ اہل کتاب تھے (اور غیر اہل کتاب تو بدرجہ اولیٰ) وہ اس واضح دلیل کے آنے ہی کے بعد

(دین میں) مختلف ہو گئے (یعنی دین حق سے بھی اختلاف کیا اور باہمی اختلاف جو پہلے سے تھے اُن کو بھی دین حق

کا اتباع کر کے دور نہ کیا اور مشرکین کو بدرجہ اولیٰ اس لئے کہا کہ اُن کے پاس تو پہلے سے بھی کوئی علم سماوی نہ تھا) حالانکہ

اُن لوگوں کو (کتب سابقہ میں) یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت کو اسی کے لئے خالص رکھیں
 یکسو ہو کر (ادیان باطلہ کی طرح کسی کو اللہ کا شریک نہ بناویں) اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ دیا کریں، اور
 یہی طریقہ ہے اُن درست مضامین (مذکورہ) کا (بتلایا ہوا۔ حاصل تقریر کا یہ ہوا کہ اُن اہل کتاب کو انکی کتابوں
 میں یہ حکم ہوا تھا کہ قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں، اور یہی تعلیم تھی قرآن کی جس کو اوپر کتب قیمہ
 سے تعبیر فرمایا ہے اس لئے اس قرآن کے نہ ماننے سے خود اپنی کتب کی مخالفت بھی لازم آتی ہے۔ یہ تو الزام
 اہل کتاب کو ہوا اور مشرکین اگرچہ پہلی کتب کو نہیں مانتے مگر ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کا حق ہونا یہ بھی تسلیم
 کرتے تھے اور یہ بات یقینی طور پر ثابت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام شرک سے بالکل بُری تھے، اور کتب قیمہ یعنی
 قرآن کا اُس طریقے کے ساتھ متوافق ہونا بھی ظاہر ہے اس لئے اُن پر بھی حجت تمام ہو گئی اور مُراد ان متفرقین
 و مخالفین سے بعض وہ کفار ہیں جو ایمان نہ لائے تھے اور قرینہ مقابلہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جن لوگوں نے تفرق
 اور خلافت نہیں کیا وہ اہل ایمان ہیں، آگے بیان عمل کے بعد تصریحاً کفار کی دونوں قسموں یعنی اہل کتاب و مشرکین
 کی اور مومنین کی سزا و جزا کا مضمون ارشاد فرماتے ہیں یعنی) بے شک جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر
 ہوئے وہ آتش دوزخ میں جاویں گے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ لوگ بدترین خلائق ہیں (اور) بیشک
 جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے وہ لوگ بہترین خلائق ہیں اُن کا صلہ اُن کے پروردگار کے
 نزدیک ہمیشہ رہنے کی بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) اللہ تعالیٰ اُن
 سے خوش رہے گا اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے (یعنی نہ اُن سے کوئی معصیت ہوگی اور نہ اُن کو کوئی امر مکروہ
 پیش آوے گا جس سے احتمال عدم رضا کا جابنیں سے ہو اور) یہ (جنت اور رضا) اُس شخص کے لئے ہے جو اپنے
 رب سے ڈرتا ہے (اور اللہ سے ڈرنے ہی پر ایمان و عمل صالح مرتب ہوتا ہے جس کو دخولِ جنت و حصولِ رضا
 کا مدار فرمایا ہے)

معارف و مسائل

پہلی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا میں کفر و شرک اور جہالت کے انتہائی عموم اور
 غلبہ کو ذکر کر کے فرمایا گیا ہے کہ کفر و شرک کی ایسی عالمگیر ظلمت کو ذکر کرنے کے لئے رب العالمین کی حکمت و رحمت کا
 تقاضا یہ ہوا کہ جیسے اُن کا مرض شدید اور دیر عالمگیر ہے اُس کے علاج کے لئے بھی کوئی سب سے بڑا ماہر حاذق معالج
 بھیجنا چاہیے اس کے بغیر وہ اس مرض سے نجات نہ پاسکیں گے۔ آگے اُس حاذق و ماہر حکیم کی صفت بیان کی کہ اس
 کا وجود ایک بیتہ یعنی حجت واضح ہو شرک و کفر کے ابطال کے لئے آگے فرمایا کہ مراد اس معالج سے اللہ کا وہ رسول
 اعظم ہے جو قرآن کی حجت واضح لے کر اُن کے پاس آوے۔ اس مجموعہ میں بعثتِ نبوی سے پہلے زمانے کے فسادِ عظیم
 اور ہر طرف جہالت و ظلمت ہونا بھی معلوم ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان کا بھی بیان ہوا۔ آگے

فتح مانگتے تھے یعنی اللہ سے دعا کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں جو آنے والے ہیں اُن کی برکت سے ہمیں فتح نصیب فرمادے یا یہ کہ یہ مشرکین سے کہا کرتے تھے تم لوگ ہمارے خلاف زور آزمائی کرتے ہو مگر عنقریب ایک ایسے رسول آنے والے ہیں جو تم سب کو زیر کر دیں گے اور ہم چونکہ اُن کے ساتھ ہونگے تو ہماری فتح ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تو اہل کتاب سب کے سب آپ کی نبوت و رسالت پر متفق تھے مگر جب آپ تشریف لے آئے تو منکر ہو گئے۔ اسی مضمون کو قرآن میں ایک جگہ فرمایا قُلْ مَا جَاءَكُمْ مِنْ رَسُولٍ فَاعْلَمُوا لَقَدْ جَاءَكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ بَيِّنَاتٌ وَإِنْ تَرَوْا كَثِيرًا مِنْهُمْ فَسَاهُوا وَاعْتَدُوا ۚ یعنی جب ان لوگوں کے پاس وہ رسول یا دین حق یا قرآن آگیا جس کو انہوں نے بھی اپنی آسمانی کتابوں کی پیش گوئی کے مطابق پہچان لیا تو لگے کفر کرنے۔ اور آیت مذکورہ میں اسی مضمون کو اس طرح ذکر فرمایا کہ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ الْأَيُّهُ، یعنی یہ عجیب بات ہے کہ آپ کے آنے اور دیکھنے سے پہلے تو ان لوگوں کو آپ سے کوئی اختلاف نہیں تھا سب آپ کی نبوت کے اعتقاد پر جمع تھے مگر جب یہ اللہ کا بیٹہ واضح یعنی رسول آخر الزماں تشریف لے آئے تو ان میں افتراق پیدا ہو گیا کچھ لوگ تو آپ پر ایمان لائے اور بہت سے انکار کرنے لگے۔

یہ معاملہ چونکہ اہل کتاب ہی کے ساتھ مخصوص تھا اس لئے اس آیت میں صرف اہل کتاب ہی کا ذکر فرمایا ہو مشرکین کو شامل نہیں کیا بلکہ فرمایا وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ الْأَيُّهُ، اور پہلا معاملہ مشرکین اور اہل کتاب دونوں کو عام اور شامل تھا اس لئے وہاں فرمایا لَقَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ۔

اور خلاصہ تفسیر مذکور میں معاملہ ثانیہ کو بھی مشرکین اور اہل کتاب دونوں میں عام قرار دئے کر اس کے مطابق تقریر کی گئی ہے واللہ اعلم۔

وَذَلِكَ دِينَ الْقِيَمَةِ، یہاں لفظ قِيَمَةُ بظاہر کتب کی صفت ہے جس کا ذکر اوپر آیا ہے اور بعض نے اس کو ملت کی صفت قرار دیا ہے۔ حاصل آیت کا یہ ہے کہ اہل کتاب کو اُن کی کتابوں میں یہی حکم دیا گیا تھا کہ اپنی عبادت و اطاعت کو خالص اللہ کے لئے رکھیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، پھر فرمایا کہ یہ کچھ اُن کی ہی خصوصیت نہیں، ہر ملت قیَمہ یا تمام کتب قیَمہ جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئیں اُن سب کا دین اور طریقہ یہی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ قیَمہ جو کتب کی صفت ہے اس سے مراد بقرینہ سابق احکام قرآنیہ لئے جائیں تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ اس شریعت محمدیہ نے بھی جو احکام اُن کو دیئے وہ بھی بعینہا وہی تھے جو پہلے اُن کی کتابوں نے دیئے تھے اُن سے کچھ مختلف احکام ہوتے تو اُن کو مخالفت کا کچھ بہانا بھی ہوتا اب وہ بھی نہیں۔

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ، اس آیت میں اہل جنت کی سب سے بڑی نعمت کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہے اب ناراضی کا کوئی خطرہ نہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے خطاب کیلئے فرمائیے

یا اهل الجنة، تو اہل جنت جواب دیں گے لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدُكَ بِكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ، یعنی اے ہمارے رب ہم حاضر ہیں اور اطاعت حکم کے لئے تیار ہیں اور ہر بھلائی آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ پھر حق تعالیٰ فرمائیں گے هَلْ رَضِيتُمْ یعنی تم لوگ راضی اور خوش ہو وہ جواب دیں گے، اے ہمارے پروردگار، اب بھی راضی نہ ہونے کا کیا احتمال ہے جبکہ آپ نے ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما دیا جو کسی مخلوق کو نہیں ملا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا میں تم کو اس سے بھی افضل اور بہتر نعمت دیدوں، پھر فرمائیں گے کہ میں نے اپنی رضا تمہارے اوپر نازل کر دی اب کبھی تم سے ناراض نہ ہوں گا (رواہ البخاری و مسلم - منظری)

اس حدیث میں بھی اہل جنت سے پوچھا گیا کہ آپ راضی بھی ہو، اور اس آیت میں خبر دی گئی کہ رَضُوا عَنْهُ، یعنی اہل جنت بھی اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں گے، یہاں بظاہر یہ سوال ہوتا ہے کہ اللہ سے اور اسکے ہر حکم اور ہر فعل سے راضی ہونا تو فرائض بندگی اور لازمہ عبدیت ہے اس کے بغیر تو کوئی جنت میں جا ہی نہیں سکتا، پھر یہاں اہل جنت کی رضا مندی ذکر کرنے کا کیا مطلب ہے، جواب یہ ہے کہ رضا کے عام مفہوم کے اعتبار سے تو یہ صحیح ہے کہ رضا بالقدر واجبات و فرائض عبدیت میں سے ہے لیکن رضا کا ایک درجہ اور بھی ہے جو اس سے آگے ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اس کی ہر مراد عطا کر دیں اور کوئی تمنا و آرزو باقی نہ چھوڑیں، اس جگہ رضا سے یہی مراد ہے جیسے سورہ صُحُح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آیا ہے وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى، یعنی عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو دیں گے وہ چیز جس سے آپ راضی ہو جائیں گے، یہاں بھی مراد غایت تمنا کا پورا کر دینا ہے اسی لئے اس آیت کے نزول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تو میں اُس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک ایک بھی مؤمن جہنم میں باقی رہے گا (من المنظری)

ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ، آخر سورت میں تمام کمالات دینی اور نعمائے اُفرادی کا جس پر مدار ہے وہ بتلا دیا یعنی خشیت اللہ، خشیت اُس خوف کو نہیں کہا جاتا جو کسی دشمن یا درندے یا موذی چیز سے طبعاً ہوتا ہے بلکہ خشیت اُس خوف کو کہتے ہیں جو کسی کی انتہائی عظمت و جلال کی وجہ سے پیدا ہو جسکا مقتضایہ ہوتا ہے کہ وہ ہر کام ہر حال میں اُس کی رضا جوئی کی فکر کرتا ہے اور ناراضی کے شبہ سے بھی بچتا ہے یہی وہ چیز ہے جو انسان کو عبدِ کامل اور مقبول بنانے والی ہے۔

بِسْمِ سُوْرَةِ الْبَيِّنَاتِ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَى

سُورَةُ الزَّلْزَالِ

سُورَةُ الزَّلْزَالِ مَكِّيَّةٌ وَرُحِيَ تَمَكَّنُ آيَاتُهَا
سورۃ زلزال مدینہ میں نازل ہوئی اور اسکی آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو مہربان نہایت رحم والا ہے

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۝

جب ہلا ڈالے زمین کو اُس کے بھونچال سے اور نکال باہر کرے زمین اپنے اندر سے بوجھ اور

قَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ تُخْبِرُهَا ۝ بِمَا كَانَتْ تَكْتُمُ

کہے آدمی اس کو کیا ہو گیا اُس دن کہہ ڈالے گی وہ اپنی باتیں اس واسطے کہ ترے رعب نے

أَوْحَىٰ لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَنْ

حکم بھیجا اُس کو اُس دن ہو پڑیں گے لوگ طرح طرح پر کہ اُن کو دکھا دیے جائیں انکے عمل سوجھنے

يَعْمَلُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝

کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اُسے اور جس نے کی ذرہ بھر بُرائی وہ دیکھ لے گا اُسے

خلاصہ تفسیر

جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلائی جائے گی اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی (مراد بوجھ سے
دھینے اور مڑے ہیں، اور اگرچہ بعض روایات سے پہلے بھی دھینے کا باہر آجانا معلوم ہوتا ہے لیکن ممکن ہے کہ قیامت
سے پہلے جو دھینے باہر آ گئے تھے مروجہ قیامت سے پھر اُن پر مٹی آ گئی ہو اور مستور ہو گئے ہوں اور قیامت کے روز پھر نکلیں
اور دفائن کے ظاہر ہو جانے کی شاید یہ حکمت ہو کہ مال کی بہت محبت کرنے والے اپنی آنکھوں اموال کا بیکار ہونا
دیکھ لیں) اور (اس حالت کو دیکھ کر کافر) آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوا (کہ زمین اس طرح ہل رہی ہے اور رب

دینے باہر آ رہے ہیں) اس روز زمین اپنی سب (اچھی بُری) خبریں بیان کرنے لگے گی اس سبب سے کہ آپ کے رب کا اُس کو یہی حکم ہوگا (ترمذی وغیرہ میں اسکی تفسیر میں حدیث مرفوعہ آئی ہے کہ جس شخص نے روئے زمین پر جیسا عمل کیا ہوگا اچھا یا بُرا زمین سب کہہ دے گی یہ اُس کی شہادت ہوگی) اُس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر (موقف حساب سے) واپس ہوں گے (یعنی جو لوگ حساب محشر سے فارغ ہو کر ٹوٹیں گے تو کچھ جماعتیں جنتی کچھ دوزخی قرار پا کر جنت و دوزخ کی طرف چلی جا دیں گی) تاکہ اپنے اعمال (کے ثمرات) کو دیکھ لیں، سو جو شخص (دُنیا میں) ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لیگا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لیگا (بشرطیکہ اُس وقت تک وہ خیر و شر باقی رہی ہو، ورنہ اگر کفر کے سبب وہ چیز فنا ہو چکی ہو یا ایمان و توبہ کے ذریعہ بدی معاف ہو چکی ہو تو وہ اس میں داخل نہیں کیونکہ اب نہ وہ باطل شدہ خیر خیر ہے اور نہ وہ معاف کیا ہوا گناہ اور شر شر ہے اس لئے محشر میں وہ سامنے نہ آویں گی۔)

معارف و مسائل

اِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا، اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں جس زلزلہ کا ذکر ہے یہ وہ زلزلہ ہے جو نفعہ اولیٰ سے پہلے دُنیا میں ہوگا جیسا کہ علامات قیامت میں اس زلزلہ کا ذکر آیا ہے یا اس زلزلہ سے مراد نفعہ ثانیہ کے بعد جب مُردے زندہ ہو کر زمین سے اُٹھیں گے اُس وقت کا زلزلہ ہے۔ روایات اور اقوال مفسرین کے مختلف ہیں اور اس میں بھی کوئی بُعد نہیں کہ زلزلے متعدد ہوں، ایک نفعہ اول سے پہلے، دوسرا نفعہ ثانیہ کے بعد مُردوں کے زندہ ہونے کے وقت اور اس جگہ بھی دوسرا زلزلہ مراد ہو، اور اس سورت میں جو آگے احوال قیامت حساب کتاب کا ذکر ہے وہ قرینہ اسی کا ہے کہ یہ زلزلہ دوسرا نفعہ ثانیہ کے بعد کا ہے۔ واللہ اعلم (از منظر)

وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زلزلہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ زمین اپنے جگر کے ٹکڑے سونے کی بڑی چٹانوں کی صورت میں اُٹھل دے گی اس وقت ایک شخص جس نے مال کے لئے کسی کو قتل کیا تھا وہ دیکھ کر کہے گا کہ یہ وہ چیز ہے جس کے لئے میں نے اتنا بڑا جرم کیا تھا، جس شخص نے اپنے رشتہ داروں سے مال کی وجہ سے قطع تعلق کیا تھا وہ کہے گا کہ یہ ہے وہ چیز جس کے لئے میں نے یہ حرکت کی تھی۔ چور جب کا ہاتھ چوری کی سزائیں کاٹا گیا تھا اُس کو دیکھ کر کہے گا کہ اس کے لئے میں نے اپنا ہاتھ گنوا یا تھا پھر کوئی بھی اس سونے کی طرف التفات نہ کرے گا۔ (رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ رض)

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، آیت میں خیر سے مراد وہ خیر ہے جو شرعاً مغنہ ہے، یعنی جو ایمان کے ساتھ ہو بغیر ایمان کے اللہ کے نزدیک کوئی نیک عمل نیک نہیں یعنی آخرت میں ایسے نیک عمل کا جو حیات کفر میں کیا ہے کوئی اعتبار نہیں ہوگا گو دُنیا میں اُس کو اس کا بدلہ دیدیا جائے اسی لئے اس آیت اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ جس شخص کے دل میں ایک ذرہ برابر ایمان ہوگا وہ بالآخر جہنم سے نکال لیا جاوے گا کیونکہ اس آیت کے وعدہ کے مطابق اسکو اپنی نیکی کا پھل بھی آخرت میں ملنا ضرور ہے اور کوئی بھی نیکی نہ ہو تو خود ایمان بہت بڑی نیکی ہے۔

اسلئے کوئی نومن کتنا ہی گناہگار ہو ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گا۔ البتہ کافر نے اگر دنیا میں کچھ نیک عمل بھی کئے تو شرطاً عمل یعنی ایمان کے نہ ہونے کی وجہ سے کالعدم ہیں اس لئے آخرت میں اُس کی کوئی خیر خیر ہی نہیں۔

وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۖ مراد اس سے وہ شر ہے جس سے اپنی زندگی میں توبہ نہ کر لی ہو کیونکہ توبہ سے گناہوں کا معاف ہونا قرآن و سنت میں یقینی طور پر ثابت ہے۔ البتہ جس گناہ سے توبہ نہ کی ہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا آخرت میں اسکا نتیجہ ضرور سامنے آئے گا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقہ عائشہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھو ایسے گناہوں سے بچنے کا پورا اہتمام کرو جن کو چھوٹا یا حقیر سمجھا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس پر بھی مواخذہ ہوتا ہے (رواہ النسائی وابن ماجہ عنہا)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ یہ آیت قرآن کی سب سے زیادہ مستحکم اور جامع آیت ہے اور حضرت انسؓ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو الفاظہ الجامعہ فرمایا ہے یعنی منفرد یکتا اور جامع۔

اور حضرت انسؓ اور ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ اِذَا زُلْزِلَتْ کو نصف القرآن اور قل ہو اللہ احد کو ثلث القرآن اور قل یا ایہا الکفرؤن کو ربع القرآن فرمایا ہے (رواہ الترمذی والبخاری - منطری)

سُورَةُ الْعَدِیَّتِ

سُورَةُ الْعَدِیَّتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ أَحَدُ عَشْرَةِ آيَاتٍ
سورة عادیات مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بحد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْعَدِیَّتِ صَبِيحًا ۱۱ فَاَلْمُورِیَّتِ قَدَحًا ۱۲ فَاَلْمُغِیْرَتِ صَبِيحًا ۱۳ فَاَلتَّوْنِیَّةِ

شتم ہے دوڑنے والے گھوڑوں کی ہانپ کر پھر آگ سلگانے والے جھاڑ کر پھر غارت ڈالنے والے صبح کو پھر اٹھانے والے آسمیں

نَقْعًا ۱۴ قَوْسَظَنَ بِهٖ جَمْعًا ۱۵ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُودٌ ۱۶ وَاِنَّهٗ عَلٰی ذٰلِكَ

گرد پھر گھس جانے والے اسوقت فوج میں بیشک آدمی اپنے رب کا ناشکر ہے اور وہ آدمی اس کام کو

لَشَهِيدٌ ۱۷ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۱۸ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی

سامنے دیکھتا ہے اور آدمی محبت پر مال کی بہت پکا ہے کیا نہیں جانتا وہ وقت کہ کریدا جائے جو کچھ

الْقُبُوْرُ ۱۹ وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ ۲۰ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۲۱

قبروں میں ہے اور تحقیق ہودے جو کچھ کہ جیوں میں ہے بیشک اُن کے رب کو اُن کی اُس دن سب خبر ہے

خلاصہ تفسیر

قسم ہے اُن گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں پھر (پتھر پر) ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں پھر صبح کے وقت تاخت تاراج کرتے ہیں پھر اُس وقت غبار اُڑاتے ہیں پھر اُس وقت (دُشمنوں کی) جماعت میں جا گھستے ہیں (مراد اس سے لڑائی کے گھوڑے ہیں۔ جہاد ہو یا غیر جہاد، عرب چونکہ حرب و ضرب اور جنگ کے عادی تھے جس کے لئے گھوڑے پالتے تھے اُن کی مناسبت سے ان جنگی گھوڑوں کی قسم کھائی گئی آگے جواب قسم ہے کہ) بیشک (کافر) آدمی اپنے پروردگار کا بڑا ناشکر ہے اور اُس کو خود بھی اس کی خبر ہے (کبھی ابتداء ہی اور کبھی کچھ غور کے بعد اپنی ناشکری کا احساس کر لیتا ہے) اور وہ مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے (یہی اسکی ناشکری کا سبب ہے، آگے حُب مال اور ناشکری پر وعید ہے یعنی) کیا اُس کو وہ وقت معلوم نہیں جب زندہ کئے جاویں گے جتنے مُردے قبروں میں ہیں اور ظاہر ہو جائیگا جو کچھ دلوں میں ہے بیشک اُن کا پروردگار اُن کے حال سے اُس روز پورا آگاہ ہے (اور مناسب جزا دیگا۔ حاصل یہ ہے کہ انسان کو اگر اُس وقت کی پوری خبر ہوتی اور آخرت کا حال مستحضر ہوتا تو اپنی ناشکری اور حُب مال سے باز آجاتا)

معارف و مسائل

سورہ عادیات حضرت ابن مسعود رضی اور جابر رضی اور حسن بصری، عکرمہ، عطاء رحمہم اللہ کے نزدیک مکی اور ابن عباس رضی، انس رضی، امام مالک، قتادہ کے نزدیک مدنی سورت ہے (قطبی)

اس سورت میں حق تعالیٰ نے جنگی گھوڑوں کے کچھ خاص حالات و صفات کا ذکر فرمایا اور ان کی قسم کھا کر یہ ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے رب کا بڑا ناشکر ہے۔ یہ بات تو قرآن میں بار بار معلوم ہو چکی ہے کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے مختلف چیزوں کی قسم کھا کر خاص واقعات اور احکام بیان فرماتے ہیں حق تعالیٰ کی خصوصیت انسان کے لئے کسی مخلوق کی قسم کھانا جائز نہیں ہے اور قسم کھانے کا مقصد عام قسموں کی طرح اپنی بات کو محقق اور یقینی بتلانا ہے اور یہ بات بھی پہلے آچکی ہے کہ قرآن کریم جس چیز کی قسم کھا کر کوئی مضمون بیان فرماتا ہے تو اس چیز کو اُس مضمون کے ثبوت میں داخل ہوتا ہے اور یہ چیز گویا اُس مضمون کی شہادت دیتی ہے۔ یہاں جنگی گھوڑوں کی سخت خدمات کا ذکر گویا اس کی شہادت میں لایا گیا ہے کہ انسان بڑا ناشکر ہے۔ تشریح اسکی یہ ہے کہ گھوڑوں کے اور خصوصاً جنگی گھوڑوں کے حالات پر نظر ڈالیے کہ وہ میدان جنگ میں اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر کسی کسی سخت خدمات انسان کے حکم و اشارہ کے تابع انجام دیتے ہیں حالانکہ انسان نے ان گھوڑوں کو پیدا نہیں کیا، انکو جو کھا کس دانہ انسان دیتا ہے وہ بھی اسکا پیدا کیا ہوا نہیں، اسکا کام صرف اتنا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پیدا کئے رزق کو اُن تک پہنچانے کا ایک اسطہ بنتا ہے اب گھوڑے کو دیکھئے کہ وہ انسان کے اتنے سے احسان کو کیسا پہچانتا اور مانتا ہے کہ اُس کے ادنیٰ اشارہ پر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے اور سخت سے سخت مشقت برداشت کرتا ہے اس کے بالمقابل انسان کو دیکھو جس کو ایک حقیر قطرہ سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور اسکو مختلف کاموں کی قوت بخشی، عقل و شعور

دیا، اُن کے کھانے پینے کی ہر چیز پیدا فرمائی اور اُس کی تمام ضروریات کو کس قدر آسان کر کے اس تک پہنچا دیا کہ عقل حیران رہ جاتی ہے مگر وہ ان تمام اُکمل و اعلیٰ احسانات کا بھی شکر گزار نہیں ہوتا اب لفاظِ آیت کی تشریح دیجئے عادیات، عَدُوئے شتق ہے جسکے معنی دَوڑنے کے ہیں۔ صَبَحًا، صبح وہ خاص آواز ہے جو گھوڑے کے دَوڑنے کے وقت اس کے سینے سے نکلتی ہے جسکا ترجمہ ہانپنا کیا گیا ہے۔ مُوَرِّیَات، ایراء سے مشتق ہے جس کے معنی آگ نکالنے کے ہیں جیسے چھاق کو مار کر یا دیا سلائی کو رگڑ کر نکالی جاتی ہے۔ قَدَحًا، قدح کے معنی ٹاپ مارنے کے ہیں پتھر ملی زمین پر جب گھوڑا تیزی سے دَوڑے خصوصاً جبکہ اُس کے پاؤں میں آہنی نعل بھی ہو تو ٹکراؤ سے آگ کی چنگاریاں نکلتی ہیں۔ مُغِیْرَات، اغارہ سے مشتق ہے جس کے معنی حملہ کرنے اور چھاپہ مارنے کے ہیں۔ صَبَحًا صبح کے وقت کی تخصیص بیانِ عادت کے طور پر ہے کیونکہ عرب لوگ افہارِ شجاعت کے لئے رات کی اندھیری میں چھاپہ مارنا معیوب سمجھتے تھے حملہ صبح ہونے کے بعد کیا کرتے تھے اَثَرًا، اثرات سے مشتق ہے غبار اُڑانے کے معنی میں اور نَقَعَ غبار کو کہا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ یہ گھوڑے میدان میں اس تیزی سے دَوڑتے ہیں کہ اُن کے ٹکڑوں سے غبار اُڑ کر پھا جاتا ہے خصوصاً صبح کے وقت میں غبار اُڑنا زیادہ سُرعت اور تیزی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ وقت عادیۃ غبار اُڑنے کا نہیں کسی سخت دَوڑ ہی سے اس وقت غبار اُٹھ سکتا ہے۔

فَوَسْطَنَ بِہِ جَمْعًا، یعنی یہ دشمن کی صفوں میں بے خوف و خطر گھس جاتے ہیں۔ کَنُود کے معنی میں حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ وہ شخص جو مصائب کو یاد رکھے اور نعمتوں کو بھول جائے اُس کو کَنُود کہا جاتا ہے۔ ابوبکر واسطی نے فرمایا جو اللہ کی نعمتوں کو اُس کی معصیتوں میں صرف کرے وہ کَنُود ہے۔ اور ثرندی نے فرمایا کہ جو شخص نعمت کو دیکھے اور مُنعم یعنی نعمت دینے والے کو نہ دیکھے وہ کَنُود ہے۔ ان سب اقوال کا حاصل نعمت کی ناشکری کرنا ہے اس لئے کَنُود کا ترجمہ ناشکر کا کیا گیا ہے۔

وَرَاتَ لِحَبِيبٍ الْخَيْرِ لَشَدِيدٍ، خیر کے لفظی معنی ہر بھلائی کے ہیں۔ عرب میں مال کو بھی لفظ خیر سے تعبیر کرتے تھے، گویا مال بھلائی ہی بھلائی اور فائدہ ہی فائدہ ہے حالانکہ درحقیقت بعض مال انسان کو ہزاروں مصیبتوں میں بھی مبتلا کر دیتے ہیں۔ آخرت میں تو ہر مال حرام کا یہی انجام ہے کبھی کبھی دُنیا میں بھی مال انسان کے لئے وبال بن جاتا ہے مگر عرب کے محاورہ کے مطابق اس آیت میں مال کو لفظ خیر سے تعبیر کر دیا ہے جیسا ایک دوسری آیت میں فرمایا اِنْ تَرَكَ خَيْرًا، یہاں بھی خیر سے مراد مال ہے۔

آیت مذکورہ میں گھوڑوں کی قسم کھا کر انسان کے متعلق دو باتیں کہی گئیں، ایک یہ کہ وہ ناشکر ہے۔ مصیبتوں تکلیفوں کو یاد رکھتا ہے نعمتوں اور احسانات کو بھول جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ مال کی محبت میں شدید ہے۔ یہ دونوں باتیں شرعاً و عقلاً مذموم ہیں ان میں انسان کو ان مذموم خصلتوں پر متنبہ کرنا مقصود ہے۔ ناشکری کا مذموم ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ مال کی محبت کو جو مذموم قرار دیا حالانکہ وہ انسانی ضروریات کا مدار ہے۔ اور اُس کے کسبِ اکتساب کو شریعت نے صرف حلال ہی نہیں بلکہ بقدر ضرورت فرض قرار دیا ہے تو مال کی محبت

کا مذموم ہوتا یا تو وصف شدت کے اعتبار سے ہے کہ مال کی محبت میں ایسا مغلوب ہو جاوے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے بھی غافل ہو جائے اور حلال و حرام کی پروا نہ رہے، اور یا اسلئے کہ مال کا کسب اکتساب اور بقدر ضرورت جمع کرنا تو مذموم نہیں بلکہ فرض ہے مگر محبت اُس کی بھی مذموم ہے کیونکہ محبت کا تعلق دل سے ہے اسکا حاصل یہ ہوگا کہ مال کو بقدر ضرورت حاصل کرنا اور اُس سے کام لینا تو ایک فریضہ اور محمود ہے لیکن دل میں اُس کی محبت ہونا پھر بھی مذموم ہی ہے۔ جیسا انسان پیشاب پاخانے کی ضرورت کو پورا بھی کرتا ہے اُس کا اہتمام بھی کرتا ہے مگر اسکے دل میں محبت نہیں ہوتی۔ بیماری میں دوا بھی پیتا ہے آپریشن بھی کرتا ہے مگر دل میں ان چیزوں کی محبت نہیں ہوتی بلکہ بدرجہ مجبوری کرتا ہے اسی طرح اللہ کے نزدیک مومن کو ایسا ہونا چاہیے کہ بقدر ضرورت مال کو حاصل بھی کرے اُس کی حفاظت بھی کرے اور مواقع ضرورت میں اُس سے کام بھی لے مگر دل اسکے ساتھ مشغول نہ ہو، جیسا کہ مولانا رومیؒ نے بڑے بلیغ انداز میں فرمایا ہے ۵

آب اندر ز کشتی کشتی است ۛ آب در کشتی ہلاک کشتی است

یعنی پانی جب تک کشتی کے نیچے رہے تو کشتی کا مددگار ہے مگر یہی پانی جب کشتی کے اندر آجائے تو کشتی کو لے ڈوبتا ہے۔ اسی طرح مال جب تک دل کی کشتی کے ارد گرد رہے تو مفید ہے جب دل کے اندر گھس گیا تو ہلاکت ہے۔ آخر سورت میں انسان کی ان دونوں مذموم خصلتوں پر آخرت کی وعید سنائی گئی۔

أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ۖ آلائیہ، کیا اس غافل انسان کو اس کی خبر نہیں کہ قیامت کے روز جبکہ مڑے قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے جاویں گے اور دلوں میں چھپی ہوئی باتیں بھی سب کھل کر سامنے آجاوئیں گی اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ رب العالمین ان سب کے سب حالات سے یا خبر ہیں تو اسکے مطابق جزا سزا دیں گے اسلئے عقلمند کا کام یہ ہے کہ ناشکری سے باز آئے اور مال کی محبت میں ایسا مغلوب ہو کہ اچھے بُرے کی تمیز نہ رہے۔

فائدہ ۵ | اس آیت میں یہ دو مذموم خصلتیں مطلق انسان کی بیان کی گئی ہیں حالانکہ انسان میں انبیاء و اولیاء اور بہت سے صلحاء و عباد ایسے ہیں، جو ان مذموم خصلتوں سے پاک اور شکر گزار بندے ہوتے ہیں مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالنے کے لئے تیار رہتے ہیں حرام مال سے بچتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ مطلق انسان کی طرف ان مذموم خصلتوں کی نسبت اس لئے کر دی گئی کہ اکثر انسان ایسے ہی ہیں اس سے سب کا ایسا ہونا لازم نہیں آتا۔ اسی لئے بعض حضرات نے اس آیت میں انسان سے مراد انسان کا فرمایا ہے جیسا کہ اوپر خلاصہ تفسیر میں ایسا ہی ہے اسکا حاصل یہ ہوگا کہ یہ دونوں مذموم خصلتیں دراصل کافر کی ہیں کسی مسلمان میں بھی خدا نخواستہ پائی جائیں تو اُسے فکر کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم

تَمَّتْ سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَى

سُورَةُ الْقَارِعَةِ

سُورَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اخْدَعِي عَشْرَةَ آيَاتٍ
سورة قارعہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بحد مہربان نہایت رحم والا ہے

الْقَارِعَةُ ۱ مَا الْقَارِعَةُ ۲ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ۳ يَوْمَ يَكُونُ

دہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی اور تو کیا سمجھا کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی جس دن ہوں

النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۴ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۵

لوگ جیسے پتنگے بکھرے ہوئے اور ہوں بہار جیسے رنگی ہوئی اُون دھنی ہوئی

فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۶ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۷ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ

سو جس کی بھاری ہوئیں تو وہ رہے کامن مانتے نگران میں اور جس کی ہلکی ہوئیں

مَوَازِينُهُ ۸ فَأَمُّهُ هَادِيَةٌ ۹ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَهْ ۱۰ نَارُ حَامِيَةٍ ۱۱

تو اس کا ٹھکانا گرٹھا ہے اور تو کیا سمجھا وہ کیا ہے آگ ہے دہکتی ہوئی

خلاصہ تفسیر

وہ کھڑکھڑانے والی، چیز، کسی ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز اور آپ کو کچھ معلوم ہے کسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز (مراد قیامت ہے جو دلوں کو گھبراہٹ سے اور کانوں کو سخت آوازوں سے کھڑکھڑائے گی اور یہ اُس روز ہوگا) جس روز آدمی پریشان پر والوں کی طرح ہو جاویں گے (پر والوں سے تشبیہ چند چیزوں کی وجہ سے دی گئی، ایک کثرت سے ہونا کہ سارے اولین و آخرین انسان ایک میدان میں جمع ہو جاویں گے، دوسرے کمزور ہونا کہ سب انسان اُس وقت کمزوری میں پر والے جیسے ضعیف و عاجز ہوں گے یہ دونوں وصف تو تمام

اہل محشر انسانوں میں عام ہوں گے، تیسرے بنیاب اور بے چین ادھر ادھر پھرنا جو بد دانوں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے یہ صورت خاص مومنین میں نہیں ہوگی وہ اپنی قبروں سے مطمئن اٹھیں گے اور بہار ڈھنکی ہوئی رنگین اُون کی طرح ہو جائیں گے (عہن رنگین اُون کو کہا جاتا ہے، بہار ڈوں کے رنگ چونکہ مختلف ہیں وہ سب اُڑتے پھریں گے جن کی مثال اُس اُون کی ہوگی جس میں مختلف رنگ کے بال ملے ہوئے ہوں اُس روز اعمال انسانی تو لے جائیں گے پھر جس شخص کا پلہ (ایمان کا) بھاری ہوگا (یعنی جو مومن ہوگا) وہ تو خاطر خواہ آرام میں ہوگا (یعنی نجات پا کر جنت میں جائے گا) اور جس شخص کا پلہ (ایمان کا) ہلکا ہوگا (یعنی کافر) اس کا ٹھکانا ہادیہ ہوگا اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ (ہادیہ) کیا چیز ہے (وہ) ایک دھکتی ہوئی آگ ہے۔

معارف و مسائل

اس سورت میں اعمال کے وزن ہونے اور اُن کے ہلکے بھاری ہونے پر دوزخ یا جنت ملنے کا ذکر ہے۔ وزن اعمال کی پوری تحقیق اور شبہات کا جواب سورۃ اعراف کے شروع میں گزر چکا ہے (معارف جلد سوم ص ۵۲ تا ۵۳) وہاں دیکھ لیا جائے اُس میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ روایات حدیث اور آیات کی تطبیق سے معلوم ہوتا ہے کہ وزن اعمال غالباً دو مرتبہ ہوگا، ایک مرتبہ کے وزن سے مومن اور کافر کا امتیاز کر دیا جائے گا ہر مومن کا پلہ بھاری اور کافر کا ہلکا رہے گا، پھر مومنین میں اعمال حسنہ اور سیئہ کا امتیاز کرنے کے لئے دوسرا وزن ہوگا، اس سورت میں بظاہر وہ پہلا وزن مراد ہے جس میں ہر مومن کا پلہ ایمان کی وجہ سے بھاری رہے گا خواہ اس کا عمل کیسا بھی ہو اور کافر کا پلہ ایمان نہ ہونے کے سبب ہلکا رہے گا خواہ اُس نے کچھ نیک کام بھی کئے ہوں۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ قرآن کریم میں عام طور پر جزا و سزا میں تقابل کفار کا مومنین صالحین کیساتھ کیا گیا لہذا صلی مومنین کا ملین ہی ہیں، باقی رہے وہ مومنین جنہوں نے اعمال صالحہ اور سیئہ مخلوط کئے ہیں قرآن میں عام طور پر اُن سے سکوت کیا گیا، اور ان سب آیات میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قیامت میں انسانوں کے اعمال تو لے جائیں گے گنے نہیں جائیں گے، اور عمل کا وزن بقدر اخلاص اور مطابقت سنت کے بڑھتا ہے جس شخص کے عمل میں اخلاص بھی کامل ہو اور سنت کی مطابقت بھی مکمل ہو اگرچہ اسکے عمل تعداد میں کم ہوں اس کا وزن بہ نسبت اُس شخص کے بڑھ جائیگا جس نے تعداد میں تو نماز روزے، صدقہ خیرات، حج عمرے بہت کئے مگر اخلاص میں کمی رہی یا سنت کی مطابقت میں کمی رہی۔ والٹر اعلم :

تَمَّتْ سُورَةُ الْقَارِعَةِ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَى

سُورَةُ التَّكْوِيْنِ

سُورَةُ التَّكْوِيْنِ تَرْكِبُهَا وَوُجْهُهَا بِشَكْلِهَا

سورۃ تکوین مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْهٰكُمْ التَّكْوِيْنُ ۱ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۲ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۳

غفلت میں رکھا تم کو بہتایت کی حرص نے یہاں تک کہ جا دیکھیں قبریں کوئی نہیں آگے جان لو گے

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۴ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۵ لَتَرَوُنَّ

پھر بھی کوئی نہیں آگے جان لو گے کوئی نہیں اگر جانو تم یقین کر کے بیشک دیکھنا ہے

الْحٰجِيْمَ ۶ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۷ ثُمَّ لَنَسْأَلَنَّ يَوْمَئِذٍ الْعٰلَمِيْنَ ۸

دوزخ پھر دیکھنا ہے اُس کو یقین کی آنکھ سے پھر پوچھیں گے تم سے اُس دن آرام کی حقیقت

خلاصہ تفسیر

دنوی سامان پر فخر کرنا تم کو (آخرت سے) غافل کئے رکھتا ہے یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو (یعنی مرجاتے ہو کذا فی تفسیر ابن کثیر مرفوعاً) ہرگز نہیں (یعنی دنیوی سامان قابل فخر ہے اور نہ آخرت قابل غفلت) تم کو بہت جلد (قبر میں جاتے ہی یعنی مرتے ہی) معلوم ہو جائے گا پھر (دوبارہ تم کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ) ہرگز یہ چیزیں قابل فخر اور توجہ کے اور آخرت قابل غفلت و انکار کے نہیں تم کو بہت جلد (قبر سے نکلنے ہی یعنی حشر میں) معلوم ہو جائیگا (کذا فی فتح البیان مرفوعاً اور سہ بارہ پھر تم کو متوجہ کیا جاتا ہے کہ) ہرگز (یہ چیزیں قابل فخر و توجہ کے اور آخرت قابل غفلت و انکار کے) نہیں (اور اگر تم یقینی طور پر جان لیتے (یعنی دلائل صحیحہ میں غور و توجہ سے کام لیتے اور اسکا یقین آجاتا تو کبھی اس سامان پر فخر اور آخرت سے غفلت میں نہ پڑتے) واللہ تم لوگ ضرور دوزخ کو دیکھو گے پھر (مکرر تاکید کے لئے کہا جاتا ہے) واللہ تم لوگ ضرور اس کو ایسا دیکھنا دیکھو گے جو کہ خود یقین ہے (کیونکہ یہ دیکھنا استدلال اور دلائل کی راہ سے نہیں ہوگا جس سے یقین حاصل ہونے میں کبھی دیر بھی لگتی ہے بلکہ یہ آنکھوں کا مشاہدہ ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اپنی آنکھوں دیکھ لینے کو عین الیقین سے تعبیر فرمایا ہے) پھر (اور بات سنو کہ) اُس روز تم سب سے نعمتوں کی پوچھ ہوگی۔ (کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا حق ایمان و اطاعت کیساتھ بجالائے یا نہیں)

معارف و مسائل

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ: تکاثر کثرت سے مشتق ہے معنی ہیں کثرت کیساتھ مال و دولت جمع کرنا۔ حضرت ابن عباسؓ اور حسن بصریؒ نے اس لفظ کی یہی تفسیر کی ہے اور یہ لفظ بمعنی تفاخر بھی استعمال کیا جاتا ہے حضرت قتادہ کی یہی تفسیر ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ پڑھ کر فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مال کو ناجائز طریقوں سے حاصل کیا جائے اور مال پر جو فرائض اللہ کے عائد ہوتے ہیں انہیں خرچ نہ کریں (قطبی)

حَتّٰی ذُرِّعُوا الْمَقَابِرَ: یہاں زیارت مقابر سے مراد مگر قبر میں پہنچنا ہے جیسا کہ حدیث مرفوعہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حَتّٰی ذُرِّعُوا الْمَقَابِرَ کی تفسیر میں فرمایا حَتّٰی یَاۤتِیَکُمُ الْمَوْتُ (ابن کثیر بروایت ابن ابی قحافہ) اس لئے مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ تم لوگوں کو مال و دولت کی بہتات یا مال و اولاد اور قبیلہ و نسب پر تفاخر غفلت میں ڈالے رہتی ہے اپنے انجام اور آخرت کے حساب کی کوئی فکر نہیں کرتے یہاں تک کہ اسی حال میں تمہیں موت آجاتی ہے اور وہاں عذاب میں پکڑے جاتے ہو۔ یہ خطاب بظاہر عام انسانوں کو ہے جو مال و اولاد کی محبت یا دوسروں پر اپنی برتری اور تفاخر میں ایسے مست رہتے ہیں کہ اپنے انجام کو سوچنے کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ حضرت عبداللہ بن شخیرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو آپ اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ پڑھ رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے کہ

آدمی کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال حالانکہ اس میں تیرا حصہ تو اتنا ہی ہے جس کو تو نے کھا کر فنا کر دیا یا پہنکر بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کر کے اپنے آگے بھیج دیا اور اسکے سوا جو کچھ ہے وہ تیرے ہاتھ سے جانے والا ہے تو اُس کو لوگوں کے لئے چھوڑنے والا ہے۔

یَقُولُ ابْنُ اٰدَمَ مَا لِيْ مَالِيْ وَهَلْ لِّكَ مِنْ مَّالٍ اَكْثَرُ مَا اَكَلْتَ فَافْنَيْتْ اَوْ لَبَسْتَ فَاَبْلَيْتْ اَوْ نَصَدَّقْتَ فَاَمْضَيْتْ وَفِيْ رَوَاۤتٍ مُّسَلَّمٍ وَمَا سَوَىْ ذٰلِكَ فَنَ اَهْبِ وَتَارِكٌ لِلنَّاسِ (ابن کثیر و قطبی بروایت مسلم۔ ترمذی و احمد)

امام بخاری نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اگر آدم زادے کے لئے ایک وادی (داسن کوہ) سونے سے بھری ہوئی موجود ہو تو (وہ اس پر قناعت نہیں کریگا بلکہ) چاہیگا کہ ایسی دو وادیاں ہو جاویں اور اُس کے منہ کو تو (قبر کی) مٹی کے سوا کوئی چیز بھر نہیں سکتی اور اللہ تعالیٰ تو یہ قبول کرتا ہے اُس شخص کی جو اُس کی طرف رجوع ہو۔

لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيًا مِّنْ ذَهَبٍ لَّاحْتَبَانِ يَكُوْنُ لَهُ وَادِيَانِ وَلَنْ يَمْلَأَا فَاهُ اَكَا التَّرَابِ وَيَتَوَبَّ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ تَابَ -

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ ہم حدیث کے الفاظ مذکورہ کو قرآن سمجھا کرتے تھے یہاں تک کہ سورہ اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ نازل ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ پڑھ کر مذکورہ الفاظ اُس کی تفسیر و تشریح کے طور پر پڑھے تھے اس سے بعض صحابہ کوشہ ہو گیا کہ یہ بھی قرآن ہی کے الفاظ ہیں بعد میں جب پوری سورہ اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ سامنے آئی تو اس میں یہ الفاظ نہیں تھے اس سے حقیقت واضح ہو گئی کہ یہ الفاظ تفسیر کے تھے۔

لَوْ تَعْلَمُوْنَ عَلٰمَ الْبَقِيْنِ: حرف کو جو شرط کے لئے آتا ہے اس کے مقابل کوئی جزاء ہونا چاہیے وہ بقرینہ سیاق اس جگہ حذف کر دی گئی ہے یعنی لَمَّا اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرَ یعنی اگر تم کو قیامت کے حساب کتاب کا یقین ہوتا

تو تم اس تکاثر اور تغافل میں نہ پڑتے۔

ثُمَّ لَتَرَوْهَا عَيْنَ الْيَقِينِ، اور فلا صدہ تفسیر سے معلوم ہو چکا ہے کہ عین الیقین سے مراد وہ یقین ہے کہ جو کسی چیز کے مشاہدہ کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ سب سے اعلیٰ درجہ یقین کا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر تشریف رکھتے تھے اور اُن کے پیچھے اُن کی قوم نے گو سالہ پرستی شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو وہیں کوہ طور پر خیر کر دی تھی کہ تمہاری قوم اس ویاں میں مبتلا ہو گئی ہے مگر موسیٰ علیہ السلام پر اس خبر سے اتنا اثر نہیں ہوا جتنا اس وقت ہوا جب واپس پہنچ کر انھوں نے بنی اسرائیل کی گو سالہ پرستی آنکھوں سے دیکھی اسکا اثر یہ ہوا کہ بے اختیار ہو کر الواح تورات ہاتھ سے چھوڑ دیں (رواہ احمد والطبرانی بسند صحیح - مظہری)

ثُمَّ لَنَسْأَلَنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيَةِ، یعنی تم سب سے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کے متعلق متعلق باز پرس ہوگی کہ تم نے اُن کا شکر کیا ادا کیا اور اُن کو گناہوں میں تو خرچ نہیں کیا، انہیں سے بعض نعمتوں کے متعلق تو خود قرآن میں دوسری جگہ وضاحت آگئی جیسا فرمایا اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلًّا اُولَٰئِكَ كَانَ اَعْنَهُ مَسْئُوكَا جہیں انسان کی قوت شنوائی، بینائی اور دل سے متعلق وہ لاکھوں نعمتیں آگئیں جن کو انسان ہر لمحہ استعمال کرتا ہے حدیث - اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز بندہ سے جس چیز کا سب سے پہلے سوال ہوگا (وہ تندرستی ہے) اُس کو کہا جائے گا کہ کیا ہم نے تمہیں تندرستی نہیں دی تھی اور کیا ہم نے تمہیں ٹھنڈا پانی نہیں پلایا تھا (ترمذی عن ابی ہریرہ وابن حبان فی صحیحہ - ابن کثیر)

حدیث - اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محشر میں کوئی آدمی اپنی جگہ سے سرک نہ سکے گا جب تک پانچ سوالوں کا جواب اُس سے نہ لیا جائے۔ ایک یہ کہ اُس نے اپنی عمر کو کن کاموں میں فنا کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اُس نے اپنے شباب کی قوت کو کن کاموں میں خرچ کیا ہے۔ تیسرے یہ کہ جو مال اُس نے حاصل کیا وہ کس کس طریقے جائز یا ناجائز سے حاصل کیا۔ چوتھے یہ کہ اس مال کو کہاں کہاں خرچ کیا، پانچویں یہ کہ جو علم اللہ نے اُس کو دیا تھا اُس پر کتنا عمل کیا۔ (رواہ البخاری)

اور امام تفسیر مجاہد نے فرمایا کہ قیامت میں یہ سوال دنیا کی ہر لذت کے متعلق ہوگا (قرطبی) خواہ اسکا تعلق کھانے پینے سے ہو یا لباس اور مکان سے یا بیوی اور اولاد سے یا حکومت و عزت سے۔ قرطبی نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ بالکل درست ہے اس سوال میں کسی خاص نعمت کی تخصیص نہیں ہے۔

سورۃ تکاثر کی خاص فضیلت | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے خطاب کر کے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی آدمی اس کی قدرت نہیں رکھتا کہ ہر روز قرآن کی ایک ہزار آیتیں پڑھا کرے صحابہ کرام نے عرض کیا کہ روزانہ ایک ہزار آیتیں کون پڑھ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں کوئی الہام الکاثر نہیں پڑھ سکتا، مطلب یہ ہے کہ الہام الکاثر روزانہ پڑھنا ایک ہزار آیتوں کے پڑھنے کی برابر ہے۔ (مظہری بحوالہ حاکم و بیہقی عن ابن عمرؓ)

نَمَتْ سُوْرَةُ التَّكْوِيْنِ حَمْدًا لِلَّهِ تَعَالٰی

سُورَةُ الْعَصْرِ

سُورَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ وَرُوحِيَّةٌ ثَلَاثٌ آيَاتٌ
سورۃ عصر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی تین آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْعَصْرِ ۱ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ خَسِرٌ ۲ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

وتم ہے عصر کی مقرر انسان ٹوٹے میں ہے مگر جو لوگ کہ یقین لائے اور کئے بھلے کام

وَتَوَّاصَوْا بِالْحَقِّ ۵ وَتَوَّاصَوْا بِالصَّبْرِ ۳

اور آپس میں تاکید کرتے رہے تھے دین کی اور آپس میں تاکید کرتے رہے تھے تحمل کی

خلاصہ تفسیر

قسم ہے زمانہ کی (جس میں رنج و خسران واقع ہوتا ہے) کہ انسان (اپنی عمر ضائع کرنے کی وجہ سے) بڑے خسارے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے (جو اپنے نفس کا کمال ہے) اور ایک دوسرے کو حق (پر قائم رہنے) کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو (اعمال کی) پابندی کی فہمائش کرتے رہے (جو دوسروں کی تکمیل ہے تو جو لوگ خود بھی یہ کمال حاصل کریں اور دوسروں کی بھی تکمیل کریں یہ لوگ البتہ خسارے میں نہیں بلکہ نفع میں ہیں)

معارف و مسائل

سورۃ عصر کی خاص فضیلت | حضرت عبید اللہ ابن حصن فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دو شخص ایسے تھے کہ جب وہ آپس میں ملتے تھے تو اُس وقت تک مجاہد نہ ہوتے جب تک انہیں سے ایک دوسرے کے سامنے سورۃ والعصر نہ پڑھ لے (رداء الطبرانی) اور امام شافعی رحمہ نے فرمایا کہ اگر لوگ صرف اسی

سُورۃ میں تدبیر کر لیتے تو یہی اُن کے لئے کافی تھی (ابن کثیر)

سورۃ عصر قرآن کریم کی بہت مختصر سی سورت ہے لیکن ایسی جامع ہے کہ بقول حضرت امام شافعیؒ اگر لوگ اسی سورت کو غور و تدبیر کے ساتھ پڑھ لیں تو دین و دنیا کی درستی کے لئے کافی ہو جائے۔ اس سورت میں حق تعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ فروع انسان بڑے خسارے میں ہے اور اس خسارہ سے مستثنیٰ صرف وہ لوگ ہیں جو چار چیزوں کے پابند ہوں۔ ایمان، عمل صالح، دوسروں کو حق کی نصیحت و وصیت اور صبر کی وصیت، دین و دنیا کے خسارے سے بچنے اور نفع عظیم حاصل کرنے کا یہ قرآنی نسخہ چار اجزاء سے مرکب ہے جن میں پہلے دو جز اپنی ذات کی اصلاح کے متعلق ہیں اور دوسرے دو جز دوسرے مسلمانوں کی ہدایت و اصلاح سے متعلق ہیں۔

یہاں پہلی بات یہ غور طلب ہے کہ اس مضمون کے ساتھ زمانے کو کیا مناسبت ہے جس کی قسم کھائی گئی کیونکہ قسم اور جواب قسم میں باہم مناسبت ضرور ہوتی ہے۔ عام حضرات مفسرین نے فرمایا کہ انسان کے تمام حالات اُسکا نشوونما، اُس کی حرکات سکنت، اعمال، اخلاق سب زمانے ہی کے اندر ہوتے ہیں۔ جن اعمال کی ہدایت اس سورت میں دی گئی ہے وہ بھی اسی زمانے کے لیل و نہار میں ہونگے اسکی مناسبت سے زمانہ کی قسم اختیار کی گئی، زمانے کو نوع انسانی کے اور توضیح اس کی یہ ہے کہ انسان کی عمر کا زمانہ اس کے سال اور مہینے اور دن رات خسارے میں کیا دخل ہے بلکہ گھنٹے اور منٹ اگر غور کیا جائے تو یہی اسکا سرمایہ ہے جس کے ذریعہ وہ دنیا و آخرت کے منافع عظیمہ عجیبہ بھی حاصل کر سکتا ہے اور عمر کے اوقات اگر غلط اور بُرے کاموں میں لگا دیے تو یہی اس کے لئے وبال جان بھی بن جاتے ہیں، بعض علماء نے فرمایا ہے ۵

حَيَاتُكَ أَنْفَاسٌ نَعْدُ فَكَلِّمْكَ ۖ مَضَى نَفْسٌ مِنْهَا انْتَقَصَتْ بِمِ جُزْءًا

یعنی تیری زندگی چند گنے ہوئے سانسوں کا نام ہے۔ جب اُن میں سے ایک سانس گزر جاتا ہے تو تیری عمر کا ایک جز ر کم ہو جاتا ہے حق تعالیٰ نے ہر انسان کو اُس کی عمر کے اوقات عزیز کا بے بہا سرمایہ دے کر ایک تجارت پر لگایا ہے کہ وہ عقل و شعور سے کام لے اور اس سرمایہ کو خالص نفع بخش کاموں میں لگائے تو اس کے منافع کی کوئی حد نہیں رہتی اور اگر اس کے خلاف کسی مضرت رساں کام میں لگا دیا تو نفع کی تو کیا امید ہوتی یہ راس المال بھی ضائع ہو جاتا ہے اور صرف اتنا ہی نہیں کہ نفع اور راس المال ہاتھ سے جاتا رہا۔ بلکہ اُسپر سیکڑوں جرائم کی سزا عائد ہو جاتی ہے اور کسی نے اس سرمایہ کو نہ کسی نفع بخش کام میں لگایا نہ مضرت رساں میں تو کم از کم یہ خسارہ تو لازمی ہی ہے کہ اسکا نفع اور راس المال دونوں ضائع ہو گئے اور یہ کوئی شاعرانہ تمثیل ہی نہیں بلکہ ایک حدیث مرفوعہ سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

عَنْ بَعْدُ قَبَائِعُ نَفْسِهِ فَمُعْتَقُهَا ۖ

آؤ مَوْعِقُهَا

یعنی ہر شخص جب صبح اٹھتا ہے تو اپنی جان کا سرمایہ تجارت پر لگاتا ہے پھر

کوئی تو اپنے اس سرمایہ کو خسارہ سے آزاد کر لیتا ہے اور کوئی ہلاک کر ڈالتا ہے

خود قرآن کریم نے بھی ایمان و عمل صالح کو انسان کی تجارت کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے هَلْ أَدُلُّكُمْ

عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ، اور جب زمانہ عمر انسان کا سرمایہ ہوا اور انسان اس کا تاجر تو عام حالات میں اس تاجر کا خسارہ میں ہونا اس لئے واضح ہے کہ اس مسکین کا سرمایہ کوئی منجھ چیز نہیں جس کو کچھ دن بیکار بھی رکھا تو نکلے وقت میں کام آسکے بلکہ یہ سیال سرمایہ ہے جو ہر منٹ ہر سکنڈ بڑھ رہا ہے اس کی تجارت کرنے والا بڑا ہوشیار مستعد آدمی چاہیے جو بہتی ہوئی چیز سے نفع حاصل کرے۔ اسی لئے ایک بزرگ کا قول ہے کہ وہ برف بچنے والے کی دوکان پر گئے تو فرمایا کہ اس کی تجارت کو دیکھ کر سورۃ والعصر کی تفسیر سمجھ میں آگئی کہ یہ ذرا بھی غفلت سے کام لے تو اس کا سرمایہ پانی بن کر ضائع ہو جائے گا اس لئے اس ارشاد قرآنی میں زمانے کی قسم کھا کر انسان کو اس پر متوجہ کیا ہے کہ خسارے سے بچنے کے لئے جو چار اجزاء سے مرکب نسخہ بتلایا گیا ہے اُس کے استعمال میں ذرا غفلت نہ کرتے۔ عمر کے ایک ایک منٹ کی قدر پہنچانے اور ان چار کاموں میں لگوشغول کر دے۔

زمانہ کی قسم کی ایک مناسبت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی جائے وہ ایک حیثیت سے اس معاملہ کے شاہد کے قائم مقام ہوتی ہے اور زمانہ ایسی چیز ہے کہ اگر اس کی تاریخ اور اُس میں قوموں کے عروج و زوال کے بھلے بڑے واقعات پر نظر کرے گا تو ضرور اس یقین پر پہنچ جائے گا کہ صرف یہ چار کام ہیں جن میں انسان کی فلاح و کامیابی منحصر ہے جس نے ان کو چھوڑا وہ خسارہ میں پڑا دُنیا کی تاریخ اس کی گواہ ہے۔

آگے ان چاروں اجزاء کی تشریح یہ ہے کہ اِعْمَلْ صَالِحْ جو خود انسان کی ذات سے متعلق ہیں ان کا مواضع واضح ہے کسی تشریح کا محتاج نہیں البتہ آخری دو جز یعنی تَوَاصَىٰ بِالْحَقِّ اور تَوَاصَىٰ بِالصَّدَقِ یہ قابل غور ہیں کہ ان سے کیا مراد ہے۔ لفظ تَوَاصَىٰ وصیت سے مشتق ہے کسی شخص کو تاکید کے ساتھ مؤثر انداز میں نصیحت کرنے اور نیک کام کی ہدایت کرنے کا نام وصیت ہے اسی وجہ سے مرنے والا جو اپنے بعد کے لئے کچھ ہدایات دیتا ہو اس کو بھی وصیت کہا جاتا ہے۔

یہ دو جز درحقیقت اسی وصیت کے دو باب ہیں۔ ایک حق کی وصیت دوسرے صبر کی وصیت، اب ان دونوں نفلوں کے معنی میں کئی احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ حق سے مراد عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کا مجموعہ ہو، اور صبر کے معنی تمام گناہوں اور بُرے کاموں سے بچنا ہو تو پہلے لفظ کا حاصل امر بالمعروف ہو گیا یعنی نیک کاموں کا حکم کرنا اور دوسرے کا حاصل نہی عن المنکر ہو گیا یعنی بُرے کاموں سے روکنا، اس مجموعہ کا حاصل پھر وہی ایمان اور عمل صالح جس کو خود اختیار کیا ہے اُس کی تاکید و نصیحت دوسروں کو کرنا ہو گیا اور ایک احتمال یہ ہے کہ حق سے مراد اعتقادات حقہ لئے جائیں اور صبر کے مفہوم میں تمام اعمال صالحہ کی پابندی بھی ہو اور بُرے کاموں سے بچنا بھی، کیونکہ لفظ صبر کے حقیقی معنی اپنے نفس کو روکنے اور پابند بنانے کے ہیں اس پابندی میں اعمال صالحہ بھی آگئے اور گناہوں سے اجتناب بھی۔

اور حافظ ابن تیمیہ نے اپنے کسی رسالے میں فرمایا کہ انسان کو ایمان اور عمل صالح سے روکنے والی عادۃ دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک شبہات یعنی اُس کو ایمان و عمل صالح میں کچھ نظری اور فکری شبہات پیدا ہو جائیں

جن کے سبب عقائد ہی مختلف ہو جائیں اور عقائد کے مختلف ہونے سے عمل صالح کا خلل پذیر ہونا خود ظاہر ہے۔ دوسرے شہوات یعنی خواہشات نفسانی جو انسان کو بعض اوقات نیک عمل سے روک دیتی ہیں اور بعض اوقات بُرے اعمال میں مبتلا کر دیتی ہیں اگرچہ وہ نظری اور اعتقادی طور پر نیکی پر عمل اور بُرائی سے بچنے کو ضروری سمجھتا ہو مگر نفسانی خواہشات اُسکے خلاف ہوں اور وہ ان خواہشات سے مغلوب ہو کر سیدھا راستہ چھوڑ بیٹھے، تو آیت مذکورہ میں وصیت حق سے مراد یہی کہ شہوات کو دور کرے، اور وصیت صبر سے مراد یہ کہ نفسانی خواہشات کو چھوڑ کر اچھے اعمال اختیار کر سکی ہدایت کرے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ وصیت بالحق سے مراد دوسرے مسلمانوں کی علمی اصلاح ہے اور وصیت بالصبر سے مراد عملی اصلاح۔ نجات کے لئے صرف اپنے عمل کی اصلاح کافی | اس سورت نے مسلمانوں کو ایک بڑی ہدایت یہ دی کہ اُن کا صرف نہیں بلکہ دوسرے مسلمانوں کی فکر بھی ضروری ہے اپنے عمل کو قرآن و سنت کے تابع کر لینا جتنا اہم اور ضروری ہے اتنا ہی اہم یہ ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی ایمان اور عمل صالح کی طرف بلانے کی مقدور بھرکوشش کرے ورنہ ضرر اپنا عمل نجات کے لئے کافی نہ ہوگا، خصوصاً اپنے اہل و عیال اور احباب و متعلقین کے اعمال سے غفلت برتنا اپنی نجات کا راستہ بند کرنا ہے اگرچہ خود وہ کیسے ہی اعمال صالحہ کا پابند ہو، اسی لئے قرآن و حدیث میں ہر مسلمان پر اپنی اپنی قدرت کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کیا گیا ہے۔ اس معاملے میں عام مسلمان بلکہ بہت سے خواص تک غفلت میں مبتلا ہیں، خود عمل کرنے کو کافی سمجھ بیٹھے ہیں، اولاد و عیال کچھ بھی کرتے رہیں انکی فکر نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس آیت کی ہدایت پر عمل کی توفیق نصیب فرما دیں۔

سُورَةُ الْهُمَزَةِ

سُورَةُ الْهُمَزَةِ بِكَسْبَتَيْنِ وَهِيَ تِسْعٌ بَلَدًا

سورة ہمزہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی نو آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بےحد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۱ ۚ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۚ ۲ ۚ يَحْسَبُ

خرابی ہے ہر طعنے دینے والے عیب چلنے والے کی جس نے سمیٹا مال اور گن گن کر رکھا خیال کرتا ہے

أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۚ ۳ ۚ كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۚ ۴ ۚ وَمَا أَدْرَاكَ مَا

کہ اسکا مال سدا کو رہے گا اسکے ساتھ کوئی نہیں وہ پھینکا جائیگا اُس روندنے والی میں اور تو کیا سمجھا کون ہے وہ

الْحُطَمَةُ ۚ ۵ ۚ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ۚ ۶ ۚ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْآفِئَةِ ۚ ۷ ۚ إِنَّهَا

روندنے والی ایک آگ ہے اللہ کی سداگئی ہوئی وہ جہاں تک لیتی ہے دل کو اُن کو

عَلَيْهِمْ مَوْصَدَةٌ ۙ فِيْ سَعْيِكَ مُمْسَدَةٌ ۙ ۹

اسمیں موند دیا ہے بے بے ستونوں میں

خلاصہ تفسیر

بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو (اور) رُو در رُو طعنہ دینے والا ہو جو (بہت حرص کی وجہ سے) مال جمع کرتا ہو اور (اُس کی محبت اور اُس پر فخر کے سبب) اس کو بار بار گنتا ہو (اسکے بڑاؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا) وہ خیال کر رہا ہے کہ اسکا مال اسکے پاس سدا رہے گا (یعنی مال کی محبت میں ایسا انہماک کھتا ہو جیسے وہ اسکا معتقد ہے کہ وہ خود بھی ہمیشہ زندہ رہے گا اور اسکا مال بھی ہمیشہ یوں ہی رہے گا حالانکہ یہ مال اسکے پاس) ہرگز نہیں (رہے گا، آگے اُس کی دلیل یعنی خرابی کی تفصیل ہے کہ) اللہ وہ شخص ایسی آگ میں ڈالا جائیگا جس میں جو کچھ پڑے وہ اُس کو توڑ پھوڑ دے، اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ توڑنے پھوڑنے والی آگ کیسی ہے وہ اللہ کی آگ ہے جو (اللہ کے حکم سے) سُلاگائی گئی ہے (آگ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر نہیں اُس آگ کے سخت اور ہولناک ہونے کی طرف اشارہ ہے، اور وہ ایسی ہے) جو (بدن کو لگتے ہی) دلوں تک جا پہنچے گی وہ (آگ) اُن پر بند کر دی جاوے گی (اس طرح سے کہ وہ لوگ آگ کے) بڑے لمبے لمبے ستونوں میں (گھرے ہوئے ہوں گے جیسے کسی کو آگ کے صندوقوں میں بند کر دیا جائے)

معارف و مسائل

اس سورت میں تین سخت گناہوں پر عذاب شدید کی وعید اور پھر اُس عذاب کی شدت کا بیان ہے وہ تین گناہ یہ ہیں ہَمَز، لَمَز، جَمْع مَال۔ ہمز اور لمز چند معافی کے لئے استعمال ہوتے ہیں، اکثر مفسرین نے جس کو اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ ہمز کے معنی غیبت یعنی کسی کے پیٹھ پیچھے اُس کے عیوب کا تذکرہ کرنا ہے اور لمز کے معنی آئنا سامنے کسی کو طعنہ دینے اور بُرا کہنے کے ہیں، یہ دونوں ہی چیزیں سخت گناہ ہیں۔ غیبت کی وعیدیں قرآن و حدیث میں زیادہ ہیں جس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس گناہ کے اشتغال میں کوئی رکاوٹ سامنے نہیں ہوتی جو اسمیں مشغول ہو تو بڑھتا چڑھتا ہی چلا جاتا ہے اسلئے گناہ بڑے سے بڑا اور زیادہ سے زیادہ ہوتا جاتا ہے بخلاف آئنا سامنے کہنے کے کہ وہاں دوسرا بھی مدافعت کے لئے تیار ہوتا ہے اسلئے گناہ میں استداد نہیں ہوتا، اسکے علاوہ کسی کے پیچھے اسکے عیوب کا تذکرہ اس لئے بھی بُرا ظلم ہے کہ اُس کو خیر بھی نہیں کہ مجھ پر کیا الزام لگایا جا رہا ہے کہ اپنی صفائی پیش کر سکے۔

اور ایک حیثیت سے لَمَز زیادہ شدید ہے، کسی کے روبرو اُس کو بُرا کہنا اُس کی توہین و تذلیل بھی ہے، اور اس کی ایذا بھی اشد ہے اسی اعتبار سے اسکا عذاب بھی اشد ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

شَرُّ أَعْبَادِ اللَّهِ ثَلَاثَةٌ أَلَا تَعْلَمُونَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بَيْنَ الْأَحْبَةِ وَالْبَاغِثِ وَالْزَوَّارِ الْعَنْتِ

یعنی اللہ کے بندوں میں بدترین وہ لوگ ہیں جو چغلی خوری کرتے ہیں اور دوستوں کے درمیان فساد ڈلاتے ہیں، اور بے گناہ لوگوں کے عیب تلاش کرتے رہتے ہیں۔

تیسری خصلت جس پر عذاب کی وعید اس سورت میں آئی ہے وہ مال کی حرص اور محبت ہے اُسی کو آیت میں اس طرح سے تعبیر کیا ہے کہ حرص و محبت مال کی وجہ سے اُس کو بار بار گشتار ہوتا ہے۔ چونکہ دوسری آیات دروایات اس پر شاہد ہیں کہ مطلقاً مال کا جمع رکھنا کوئی حرام و گناہ نہیں اسلئے یہاں بھی مراد وہ جمع کرنا ہے جسہیں حقوق واجبہ ادا نہ کئے گئے ہوں یا فخر و تفاخر مقصود ہو یا اُس کی محبت میں نہمک ہو کر دین کی ضروریات سے غفلت ہو۔

تَطْلِمْ عَلَى الْآخِرَةِ، یعنی یہ جہنم کی آگ دلوں تک پہنچ جائے گی۔ یوں تو ہر آگ کا خاصہ یہی ہے کہ جو چیز اس میں پڑے اسکے سبھی اجزاء کو جلا دیتی ہے انسان اُس میں ڈالا جائے گا تو اُس کے سارے اعضاء کے ساتھ دل بھی جل جائے گا، یہاں جہنم کی آگ کی یہ خصوصیت اس لئے ذکر کی گئی کہ دنیا کی آگ جب انسان کے بدن کو لگتی ہے تو اُس کے دل تک پہنچنے سے پہلے ہی موت واقع ہو جاتی ہے بخلاف جہنم کے کہ اُس میں موت تو آتی نہیں تو دل تک آگ کا پہنچنا بحالت حیات ہوتا ہے اور دل کے جلنے کی اذیت اپنی زندگی میں انسان محسوس کرتا ہے۔

تَسْتَسُوْرَةُ الْهَمَزَةِ بِحَمَلِ اللّٰهِ تَعَالٰی

سُورَةُ الْفِيلِ

سُورَةُ الْفِيلِ كِتَابٌ وَرَهِ خَمْسٌ اٰیَاتٍ
سورہ فیل مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بوجد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ۱ اَلَمْ یَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِیْ

کیا تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا نہیں کر دیا اُن کا دَاؤ

تَضْلِیْلٍ ۲ وَاَرْسَلَ عَلَیْهِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ ۳ تَرْمِیْهِمْ بِحِجَارَةٍ

غلط اور بھیجے اُن پر اُڑتے جانور ٹکڑیاں ٹکڑیاں پھینکتے تھے اُن پر پتھریاں

مِّنْ سِجِّیْلٍ ۴ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّا كُوِّلَ ۵

سکر کی پھر کر ڈالا اُن کو جیسے بھس کھایا ہوا

خلاصہ تفسیر

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا معاملہ کیا (اس استفہام و سوال سے مقصود اس واقعہ کی عظمت اور ہولناکی ہونے پر تنبیہ کرنا ہے۔ آگے اس معاملہ کا بیان ہے) کیا اُن کی تدبیر کو (جو کعبہ پران کرنے کے لئے تھی) سر تاپا غلط نہیں کر دیا (یہ استفہام و سوال تقریری ہے یعنی واقعہ کی صحت ثابت کرنے کے لئے) اور اُن پر غول کے غول پرندے بھیجے جو اُن لوگوں پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے اُن کو کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح (پامال) کر دیا (حاصل یہ کہ احکام الہیہ کی بے حرمتی کرنے والوں کو ایسے عذاب و عقاب سے بے فکر نہ رہنا چاہیے ہو سکتا ہے کہ دنیا ہی میں عذاب آجائے جیسے اصحاب فیل پر آیا ورنہ آخرت کا عذاب تو یقینی ہی ہے)

معارف و مسائل

اس سورت میں اصحاب فیل کے واقعہ کا مختصر بیان ہے کہ اُنھوں نے بیت اللہ کو سہارا کرنے کے قصد سے ہاتھیوں کی فوج لیکر مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی تھی، حق تعالیٰ نے معمولی پرندوں کے ذریعہ اُن کی فوج کو عذابِ سہمی نازل فرما کر نیست و نابود کر کے اُن کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔

واقعہ فیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم | یہ واقعہ اُس سال میں پیش آیا جس سال میں حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی ولادت کے سال میں ہوا | مکہ مکرمہ میں ہوئی، بعض روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور یہی مشہور قول ہے (ابن کثیر) حضرات محدثین نے اس واقعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قسم کا معجزہ قرار دیا ہے مگر چونکہ معجزات کا قانون یہ ہے کہ وہ نبی کے دعوائے نبوت کیساتھ اُن کی تصدیق کے لئے ظاہر کئے جاتے ہیں۔ دعوائے نبوت سے پہلے بلکہ نبی کی ولادت سے بھی پہلے حق تعالیٰ بعض اوقات دنیا میں ایسے واقعات اور نشانیاں ظاہر فرماتے ہیں جو خرق عادت ہونے میں مثل معجزہ کے ہوتے ہیں۔ اس طرح کی نشانیاں کو محدثین کی اصطلاح میں ارہاس کہا جاتا ہے جو تاسیس و تمہید کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ رہس شگ بنیاد کو کہتے ہیں (قاموس) انبیاء علیہم السلام کی دنیا میں تشریف آوری سے یا انکے دعوائے نبوت سے پہلے بھی حق تعالیٰ کچھ ایسی نشانیاں ظاہر فرماتے ہیں جو معجزات کی قسم سے ہوتی ہیں، اور ایسی نشانیاں چونکہ انکی نبوت کے اثبات کا مقدمہ اور اس قسم کی تمہید و تاسیس ہوتی ہیں اس لئے ان کو ارہاس کہا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور ولادت سے پہلے بھی اس قسم کے ارہاسات متعدد قسم کے ہوئے ہیں۔ اصحاب فیل کو آسمانی عذاب کے ذریعہ بیت اللہ پر حملے سے روک دینا بھی انہی ارہاسات میں سے ہے۔

اصحاب فیل کا واقعہ | امام حدیث و تاریخ ابن کثیر نے اس طرح نقل فرمایا ہے کہ یمن پر بلوک حمیر کا قبضہ تھا یہ لوگ مشرک تھے ان کا آخری بادشاہ ذو نواس ہے جس نے اُس زمانے کے اہل حق یعنی نصاریٰ پر شدید مظالم کئے، اسی نے ایک طویل عرصہ خندق کھدوا کر اسکو آگ سے بھرا اور جتنے نصرانی بت پرستی کے خلاف ایک اللہ کی عبادت کرنیوالے تھے سب کو اس آگ

کی خندق میں ڈال کر جلا دیا جن کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی۔ یہی وہ خندق کا واقعہ ہے جس کا ذکر اصحاب الاخذہ کے نام سے سورہ بروج میں گزرا ہے۔ ان میں دو آدمی کسی طرح اکی گرفت سے نکل بھاگے اور انھوں نے قیصر ملک شام سے جا کر فریاد کی کہ دونوں اس ملک حمیر نے نصاریٰ پر ایسا ظلم کیا ہے آپ نکاح انتقام لیں۔ قیصر ملک شام نے بادشاہ حبشہ کو خط لکھا یہ بھی نصرانی تھا اور یمن سے قریب تھا کہ آپ اس ظالم سے ظلم کا انتقام لو، اس نے اپنا عظیم لشکر دو کمانڈر (امیر) ارباط اور ابرہہ کی قیادت میں یمن کے اس بادشاہ کے مقابلے پر بھیج دیا، لشکر اس کے ملک پر ٹوٹ پڑا اور پورے یمن کو قوم حمیر کے قبضہ سے آزاد کرایا۔ ملک حمیر ذوالنواس بھاگ نکلا اور دریا میں غرق ہو کر مر گیا۔ اس طرح ارباط و ابرہہ کے ذریعہ یمن پر بادشاہ حبشہ کا قبضہ ہو گیا، پھر ارباط اور ابرہہ میں باہمی جنگ ہو کر ارباط مقتول ہو گیا ابرہہ غالب آگیا اور یہی بادشاہ حبشہ نجاشی کی طرف سے ملک یمن کا حاکم (گورنر) مقرر ہو گیا، اس نے یمن پر قبضہ کرنے کے بعد ارادہ کیا کہ یمن میں ایک ایسا شاندار کنیسہ بنائے جس کی نظیر دنیا میں نہ ہو۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ یمن کے عرب لوگ جو حج کرنے کے لئے مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں یہ لوگ اس کنیسہ کی عظمت و شوکت سے مرعوب ہو کر کعبہ کے بجائے اسی کنیسہ میں جانے لگیں گے، اس خیال پر اس نے بہت بڑا عالیشان کنیسہ بناؤ پنا تعمیر کیا کہ اس کی بلندی پر نیچے کھڑا ہوا آدمی نظر نہیں ڈال سکتا تھا اور اس کو سونے چاند اور جواہرات سے مرصع کیا اور پوری مملکت میں اعلان کر دیا کہ اب یمن سے کوئی کعبہ کے حج کے لئے نہ جائے اس کنیسہ میں عبادت کرے۔ عرب میں اگرچہ بت پرستی غالب آگئی تھی مگر دین ابراہیم اور کعبہ کی عظمت و محبت ان کے دلوں میں پیوست تھی اس لئے عدنان اور قحطان اور قریش کے قبائل میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی یہاں تک کہ انہیں سے کسی نے رات کے وقت کنیسہ میں داخل ہو کر اس کو گندگی سے آلودہ کر دیا اور بعض روایات میں ہے کہ انہیں سے مسافر قبیلہ نے کنیسہ کے قریب اپنی ضروریات کے لئے آگ جلائی اس کی آگ کنیسہ میں لگ گئی اور اس کو سخت نقصان پہنچ گیا۔

ابرہہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی اور بتلایا گیا کہ کسی قریشی نے یہ کام کیا ہے تو اس نے قسم کھائی کہ میں ان کے کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رہوں گا، ابرہہ نے اس کی تیاری شروع کی اور اپنے بادشاہ نجاشی سے اجازت مانگی اس نے اپنا خاص ہاتھی کہ جس کا نام محمود تھا ابرہہ کے لئے بھیج دیا کہ وہ اس پر سوار ہو کر کعبہ پر حملہ کرے بعض روایات میں ہے کہ یہ سب سے بڑا عظیم الشان ہاتھی تھا جس کی نظیر نہیں پائی جاتی تھی اور اس کے ساتھ آٹھ ہاتھی دوسرے بھی اس لشکر کے لئے بادشاہ حبشہ نے بھیج دیے تھے۔ ہاتھیوں کی یہ تعداد بھیجنے کا منشا یہ تھا کہ بیت اللہ کعبہ کے ڈھانے میں ہاتھیوں سے کام لیا جائے تجویز یہ تھی کہ بیت اللہ کے ستونوں میں لوہے کی مضبوط اور طویل زنجیریں باندھ کر ان زنجیروں کو ہاتھیوں کے گلے میں باندھیں اور ان کو ہنکا دیں تو سارا بیت اللہ (معاذ اللہ) فوراً ہی زمین پر آگرے گا۔

عرب میں جب اس کے حملے کی خبر پھیلی تو سارا عرب مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ یمن کے عربوں میں ایک شخص ذوالفرنامی تھا اس نے عربوں کی قیادت اختیار کی اور عرب لوگ اس کے گرد جمع ہو کر مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے اور ابرہہ کے خلاف جنگ کی مگر اللہ تعالیٰ کو تو یہ منظور تھا کہ ابرہہ کی شکست اور اس کی رسوائی نمایاں ہو کر دنیا کے سامنے آئے

اسلئے یہ عرب مقابلے میں کامیاب نہ ہوئے، ابرہہ نے اُن کو شکست دیدی اور ذونفر کو قید کر لیا اور آگے روانہ ہو گیا اس کے بعد جب وہ قبیلہ خثعم کے مقام پر پہنچا تو اس قبیلہ کے سردار نفیل بن حبیب نے پورے قبیلہ کیساتھ ابرہہ کا مقابلہ کیا مگر ابرہہ کے لشکر نے اُن کو بھی شکست دیدی اور نفیل بن حبیب کو بھی قید کر لیا اور ارادہ اُن کے قتل کا کیا مگر پھر یہ سمجھ کر اُن کو زندہ رکھا کہ اُن سے ہم راستوں کا پتہ معلوم کر لیں گے، اسکے بعد جب یہ لشکر طائف کے قریب پہنچا تو طائف کے باشندے قبیلہ ثقیف پچھلے قبائل کی جنگ اور ابرہہ کی فتح کے واقعات سُن چکے تھے انھوں نے اپنی خیر منانے کا فیصلہ کیا اور یہ کہ طائف میں جو ہم نے ایک عظیم الشان بُت خانہ لات کے نام سے بنا رکھا ہے یہ اُس کو نہ چھڑے تو ہم اسکا مقابلہ نہ کریں، انھوں نے ابرہہ سے بلکہ یہ بھی طے کر لیا کہ ہم تمھاری امداد اور رہنمائی کے لئے اپنا ایک سردار ابو رغال تمھارے ساتھ بھیج دیتے ہیں، ابرہہ اس پر راضی ہو کر ابو رغال کو ساتھ لیکر مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام مغسّ پر پہنچ گیا جہاں قریش مکہ کے اونٹ چر رہے تھے، ابرہہ کے لشکر نے سب سے پہلے ان پر حملہ کر کے اونٹ گرفتار کر لئے جن میں دو سو اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبد المطلبؑ میں قریش کے بھی تھے ابرہہ نے یہاں پہنچ کر اپنا ایک سفیر حنظلہ حمیری کو شہر مکہ میں بھیجا کہ وہ قریش کے سرداروں کے پاس جا کر اطلاع کر دے کہ ہم تم سے جنگ کے لئے نہیں آئے، ہمارا مقصد کعبہ کو ڈھانا ہے اگر تم نے اس میں رکاوٹ نہ ڈالی تو تمھیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ حنظلہ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو سب نے اُس کو عبد المطلب کا پتہ دیا کہ وہ سب سے بڑے سردار قریش کے ہیں حنظلہ نے عبد المطلب سے گفتگو کی اور ابرہہ کا پیغام پہنچا دیا۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق عبد المطلب نے یہ جواب دیا کہ ہم بھی ابرہہ سے جنگ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، نہ ہمارے پاس اتنی طاقت ہے کہ اسکا مقابلہ کر سکیں۔ البتہ میں یہ بتائے دیتا ہوں کہ یہ اللہ کا گھر اور اسکے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے وہ خود اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے اللہ سے جنگ کا ارادہ ہے تو جو چاہے کرے پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کیا معاملہ کرتے ہیں۔ حنظلہ نے عبد المطلب سے کہا کہ تو پھر آپ میرے ساتھ چلیں میں آپ کو ابرہہ سے ملاتا ہوں۔ ابرہہ نے جب عبد المطلب کو دیکھا کہ بڑے وجہ آدمی ہیں تو انکو دیکھ کر اپنے تخت سے نیچے اتر کر بیٹھ گیا اور عبد المطلب کو اپنی برابر بٹھایا اور اپنے ترجمان سے کہا کہ عبد المطلب سے پوچھو کہ وہ کس غرض سے آئے ہیں، عبد المطلب نے کہا کہ میری ضرورت تو اتنی ہے کہ میرے اونٹ جو آپ کے لشکر نے گرفتار کر لئے ہیں اُن کو چھوڑ دیں۔ ابرہہ نے ترجمان کے ذریعہ عبد المطلب سے کہا کہ جب میں نے آپ کو اڈل دیکھا تو میرے دل میں آپ کی بڑی وقعت و عزت ہوئی مگر آپ کی گفتگو نے اس کو بالکل ختم کر دیا کہ آپ مجھ سے صرف اپنے دوستوں کی بات کر رہے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ میں آپ کا کعبہ جو آپ کا دین ہے اُس کو ڈھانے کے لئے آیا ہوں اسکے متعلق آپ نے کوئی گفتگو نہیں کی۔ عبد المطلب نے جواب دیا کہ اونٹوں کا مالک تو میں ہوں مجھے اُن کی فکر ہوئی اور بیت اللہ کا میں مالک نہیں بلکہ اسکا مالک ایک عظیم ہستی ہے وہ اپنے گھر کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔ ابرہہ نے کہا کہ تمھارا خدا اُس کو میرے ہاتھ سے نہ بچا سکے گا۔ عبد المطلب نے کہا کہ پھر تمھیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔ اور بعض روایات میں ہے کہ عبد المطلب کیساتھ اور بھی قریش کے چند سردار گئے تھے اور انھوں نے

ابرہہ کے سامنے یہ پیش کش کی کہ اگر آپ بیت اللہ پر دست اندازی نہ کریں اور ٹوٹ جائیں تو ہم پورے تہامہ کی ایک تہائی پیداوار آپ کو بطور خراج ادا کرتے رہیں گے مگر ابرہہ نے اُس کے ماننے سے انکار کر دیا۔ عبدالمطلب کے اونٹ ابرہہ نے واپس کر دیئے وہ اپنے اونٹ بیکر واپس آئے تو بیت اللہ کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر دعار میں مشغول ہوئے اور قریش کی ایک بڑی جماعت ساتھ تھی سب نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیں کہ ابرہہ کے عظیم لشکر کا مقابلہ ہمارے توہین میں نہیں، آپ ہی اپنے بیت کی حفاظت کا انتظام فرمادیں، الحاح وزاری کے ساتھ دعا کرنے کے بعد عبدالمطلب مکہ مکرمہ کے دوسرے لوگوں کو ساتھ لیکر مختلف پہاڑوں پر پھیل گئے انکو یہ یقین تھا کہ اسکے لشکر پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا، اسی یقین کی بنا پر انھوں نے ابرہہ سے خود اپنے اونٹوں کا مطالبہ کیا، بیت اللہ کے متعلق گفتگو کرنا اسلئے پسند نہ کیا کہ خود تو اسکے مقابلے کی طاقت نہ تھی اور دوسری طرف یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اُنکی بے بسی پر رحم فرما کر دشمن کی قوت اور اس کے عزائم کو خاک میں ملا دیں گے۔ صبح ہوئی تو ابرہہ نے بیت اللہ پر چڑھنے کی تیاری کی اور اپنے ہاتھی محمود نامی کو آگے چلنے کے لئے تیار کیا۔ نفیل بن جعیب جن کو راستہ سے ابرہہ نے گرفتار کیا تھا اُس وقت وہ آگے بڑھے اور ہاتھی کا کان پکڑ کر کہنے لگے تو جہاں سے آیا ہے وہیں صحیح سالم ٹوٹ جا، کیونکہ تو اللہ کے بلدا میں (محفوظ شہر) میں ہے یہ کہہ کر اسکا کان چھوڑ دیا، ہاتھی یہ سنتے ہی بیٹھ گیا، ہاتھی بانوں نے اُس کو اٹھانا چلانا چاہا لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا، اس کو بڑے بڑے آہنی تبروں سے مارا گیا، اُس کی بھی پروا نہ کی، اُس کی ناک میں آنکڑا لٹو ہے کا ڈال دیا پھر بھی وہ کھڑا نہ ہوا، اس وقت ان لوگوں نے اس کو عین کی طرف ٹوٹانا چاہا تو فوراً کھڑا ہو گیا پھر شام کی طرف چلانا چاہا تو چلنے لگا پھر مشرق کی طرف چلایا تو چلنے لگا، ان سب اطراف میں چلانے کے بعد پھر اس کو مکہ مکرمہ کی طرف چلانے لگے تو پھر بیٹھ گیا۔

قدرت حق جل شانہ اسکا یہ کرم تو یہاں ظاہر ہوا۔ دوسری طرف دریا کی طرف سے کچھ پرندوں کی قطاریں آتی دکھائی دیں جن میں سے ہر ایک کے ساتھ تین کنکریاں چنے یا مسور کی برابر تھیں ایک چوخی میں اور دو بنجوں میں واقعی کی روایت میں ہے کہ پرندے عجیب طرح کے تھے جو اس سے پہلے نہیں دیکھے گئے، جنہ میں کبوتر سے چھوٹے تھے اُن کے پنجے سرخ تھے، ہر پنجے میں ایک کنکر اور ایک چوخی میں لئے آتے دکھائی دیئے اور فوراً ہی ابرہہ کے لشکر کے اوپر چھا گئے، یہ کنکریں جو ہر ایک کے ساتھ تھیں اُن کو ابرہہ کے لشکر پر گرایا۔ ایک ایک کنکر نے وہ کام کیا جو یوں کی گولی بھی نہیں کر سکتی، کہ جس پر پڑتی اُسکے بدن کو چھیدتی ہوئی زمین میں گھس جاتی تھی۔ یہ عذاب دیکھ کر ہاتھی سب بھاگ کھڑے ہوئے، صرف ایک ہاتھی رہ گیا تھا جو اس کنکری سے ہلاک ہوا، اور لشکر کے سب آدمی اسی موقع پر ہلاک نہیں ہوئے بلکہ مختلف اطراف میں بھاگے اُن سب کا یہ حال ہوا کہ راستہ میں مر مر کر گر گئے۔ ابرہہ کو چونکہ سخت سزا دینا تھی یہ فوراً ہلاک نہیں ہوا مگر اسکے جسم میں ایسا زہر سراپت کر گیا کہ اسکا ایک ایک جوڑ گل سڑ کر گرنے لگا اسی حال میں اس کو واپس یمن لایا گیا، دارالحکومت صنعاء پہنچ کر اسکا سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گیا اور مر گیا۔ ابرہہ کے ہاتھی محمود کے ساتھ دو ہاتھی بان یہیں مکہ مکرمہ میں رہ گئے مگر اس طرح کہ دونوں اندھے اور پا بج ہو گئے

تھے۔ محمد بن سحیح نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے ان دونوں کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ وہ اندھے اور اپاہج تھے اور حضرت صدیقہ عائشہ کی بہن اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے دونوں اپاہج اندھوں کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا ہے۔ اصحاب فیل کے اسی واقعہ کے متعلق اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا ہے،

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ، یہاں اللہ تعالیٰ فرمایا جس کے معنی ہیں کیا آپ نے نہیں دیکھا حالانکہ یہ واقعہ آپ کی ولادت باسعادت سے کچھ دن پہلے کا ہے، آپ کے دیکھنے کا یہاں بظاہر کوئی موقع نہیں تھا مگر جو واقعہ یقینی ایسا ہو کہ عام طور پر مشاہدہ کیا گیا ہو اُس کے علم کو بھی لفظ رویت سے تعبیر کر دیا جاتا ہے کہ گویا یہ آنکھوں نے دیکھا واقعہ ہے، اور ایک حد تک دیکھنا بھی ثابت ہے جیسا کہ اوپر گزر رہا ہے کہ حضرت صدیقہ عائشہ اور اسماء رضی اللہ عنہما نے ہاتھی بانوں کو اندھا اور اپاہج بھیک مانگتے دیکھا ہے۔

طَبَرًا آيَابَيْلٍ، ابابیل لفظ جمع کا ہے مگر اسکا کوئی مفرد مستعمل نہیں، معنی اس کے پرندوں کے غول کے ہیں کسی خاص جانور کا نام نہیں، اردو زبان میں جو ایک خاص چڑیا کو ابابیل کہتے ہیں وہ مراد نہیں جیسا کہ اوپر روایت میں گزر چکا ہے۔ یہ پرندے کبوتر سے کسی قدر چھوٹے تھے اور کوئی ایسی جنس تھی جو پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی، کذا قال سعید بن جبیر، قرطبی

مَجَارِقَ قِنْ سَجِيلٍ، سَجِيل بکسرین سنگ گِل کا معرب کیا ہوا لفظ ہے جس کے معنی ہیں ایسی کنکریں جو تر مٹی کو آگ میں پرکانے سے بنتی ہے اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ کنکریں بھی خود کوئی طاقت نہ رکھتی تھیں معمولی گارے اور آگ سے بنی ہوئی تھیں مگر بقدرت حق سبحانہ انھوں نے ریواور کی گولیوں سے زیادہ کام کیا۔

فَجَعَلَهُمْ كَعَصِفٍ مَّا كُوِّلٍ، عَصِف، بھوسہ کو کہتے ہیں اول تو خود بھوسہ ہی منتشر تھکے ہوتے ہیں، پھر جبکہ اُس کو کسی جانور نے چبا بھی لیا ہو تو وہ تھکے بھی اپنے حال پر نہیں رہتے۔ ابراہیم کے لشکر میں جس پر یہ کنکریں پڑی ہے اس کا یہی حال ہو گیا ہے۔

اصحاب فیل کے اس عجیب غریب واقعہ نے پورے عرب کے دلوں میں قریش کی عظمت بڑھادی اور سب ماننے لگے کہ یہ لوگ اللہ والے ہیں ان کی طرف سے خود حق تعالیٰ جلّ شانہ نے اُن کے دشمن کو ہلاک کر دیا (قرطبی) اسی عظمت کا یہ اثر تھا کہ قریش مکہ مختلف ملکوں کا سفر بغرض تجارت کرتے تھے اور راستہ میں کوئی اُن کو نقصان نہ پہنچاتا حالانکہ اُس وقت دوسروں کے لئے کوئی سفر ایسے خطرات سے خالی نہیں تھا۔ قریش کے انہی سفروں کا ذکر آگے اگلی سورت سورہ قریش میں کر کے اُن کو شکر نعمت کی طرف دعوت دی گئی ہے۔

تَمَّتْ سُورَةُ الْفِيلِ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَى

سُورَةُ الْقُرَيْشِ

سُورَةُ الْقُرَيْشِ كَيْتَرُوهِيَ اَرْبَعُ اَيَاتٍ
سُورَةُ قُرَيْشٍ مَكَّةَ مِیْن نَازِلٌ هُوَیْ اَوْرَاسِ كِی چار آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

بشروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

لَا یَلِیْفُ قُرَیْشٍ ۱) اَلْفِیْهِمْ رِحْلَةُ الشِّتَاءِ وَالصَّیْفِ ۲) فَلِیَعْبُدُوْا رَبَّ

اس واسطے کہ مانوس رکھا قریش کو مانوس رکھنا اُن کو سفر سے جاڑے کے اور گرمی کے تو چاہیئے کہ بندگی کریں

هٰذَا الْبَیْتِ ۳) الَّذِیْ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوعٍ ۴) وَامْنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۵)

اس گھر کے رب کی جس نے اُن کو کھانا دیا بھوک میں اور امن دیا ڈر میں

خلاصہ تفسیر

چونکہ قریش خوگر ہو گئے ہیں یعنی جاڑے اور گرمی کے سفر کے خوگر ہو گئے ہیں تو (اس نعمت کے شکر میں) انکو چاہیئے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں جس نے اُن کو بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے اُن کو امن دیا۔

معارف و مسائل

اس پر تو سب مفسرین کا اتفاق ہے کہ معنی اور مضمون کے اعتبار سے یہ سورت سورہ فیل ہی سے متعلق ہے، اور شاید اسوجہ سے بعض مصاحف میں ان دونوں کو ایک ہی سورت کر کے لکھا گیا تھا، دونوں کے درمیان بسم اللہ نہیں لکھی تھی مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب اپنے زمانے میں تمام مصاحف قرآن کو جمع کر کے ایک نسخہ تیار فرمایا اور تمام صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہوا۔ اسی نسخہ قرآن کو جمہور کے نزدیک امام کہا جاتا ہے اس میں ان دونوں کو دو الگ الگ سورتیں ہی لکھا ہے، دونوں کے درمیان بسم اللہ لکھی گئی ہے۔

لَا یَلِیْفُ قُرَیْشٍ، حرف لام ترکیب نحوی کے اعتبار سے اسکا مقتضی ہے کہ اسکا تعلق کسی تو مضمون

کے ساتھ ہو اسی لئے اس کے متعلق میں متعدد اقوال ہیں، پچھلی سورت کیساتھ معنوی تعلق کی بنا پر بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہاں مخدوف جملہ اَنَا اَهْلُکُنَا اصْحَابُ الْفِیْلِ ہے یعنی ہم نے اصحابِ فیل کو اس لئے ہلاک کیا کہ قریش سردی گرمی کے دو سفروں کے عادی تھے، ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہے سب کے دلوں میں انکی عظمت پیدا ہو جائے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مخدوف جملہ عجیبو ہے یعنی تعجب کرو قریش کے معاملے سے کہ کس طرح سردی گرمی کے سفر آزادانہ بے خطر ہو کر کرتے ہیں، اور بعض نے فرمایا کہ اسکا تعلق اس جملہ سے ہے جو آگے آیت میں آ رہا ہے یعنی قَلْبَعْبُدُ وَا، مطلب یہ ہوا کہ قریش کو اس نعمت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا اور اس کی عبادت میں لگ جانا چاہئے۔ اس سورت میں قَلْبَعْبُدُ وَا کے اوپر حرف فارسلے ہے کہ پہلے جملے میں ایک منی شرط کے پائے جاتے ہیں۔ بہر حال اس سورت میں ارشاد یہ ہے کہ قریش مکہ چونکہ دو سفروں کے عادی تھے، ایک سردی میں یمن کی طرف دوسرا گرمی میں شام کی طرف اور انہی دو سفر پر ان کی تجارت اور کاروبار کا مدار تھا اور اسی تجارت کی بنا پر وہ مالدار اور اغنیاء تھے اسلئے اللہ تعالیٰ نے انکے دشمن اصحابِ فیل کو عبرتناک سزا دیکر انکی عظمت کو گونکے قلوب میں بڑھادی، یہ پورے ممالک میں جہاں بھی جائیں لوگ انکی تعظیم کریم کرتے ہیں۔

قریش کی فضیلت سارے عرب پر | اس سورت میں انکی طرف بھی اشارہ ہے کہ تمام قبائل عرب میں قریش اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مقبول ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے کنانہ کو اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو انتخاب کر لیا ہے (البغوی عن واثق بن اسحق) اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام آدمی قریش کے تابع ہیں خیر و شر میں (رواہ سلم عن جابر مظہری) اور پہلی حدیث میں جس خداوندی انتخاب کا ذکر ہے غالباً اس کی وجہ ان قبائل کے خاص ملکات اور استعدادیں ہیں، کفر و شرک اور جہالت کے زمانہ میں بھی ان کے بعض اخلاق اور ملکات نہایت اعلیٰ تھے انہیں قبول حق کی استعداد بہت کامل تھی، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام اور اولیاء اللہ میں بیشتر لوگ قریش میں سے ہوئے ہیں (مظہری) رَحَلَةَ الشَّتَاءِ وَالصَّیْفِ، یہ بات معلوم و معروف ہے کہ مکہ مکرمہ ایک ایسے مقام میں آباد ہے جہاں کوئی زراعت نہیں ہوتی وہاں باغات نہیں جن کے پھل مکہ والوں کو مل سکیں، اسی لئے باقی بیت اللہ حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ مکرمہ کے آباد ہونے کے وقت اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی تھی کہ اس شہر کو جائے امن بنادے اور اہل مکہ کو ثمرات کا رزق عطا فرمائے اَرْزُقْ اَهْلَکَ مِنَ الثَّمَرَاتِ، اور باہر سے ہر طرح کے پھل یہاں لائے جایا کریں۔ مَجْنٰی الْکِبَرِ ثَمَرَاتُ کُلِّ شَیْءٍ، اسلئے اہل مکہ کے معاش کا مدار اس پر تھا کہ وہ تجارت کے لئے سفر کریں اور اپنی ضروریات وہاں سے لائیں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مکہ والے بڑے افلاس اور تکلیف میں تھے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہاشم نے قریش کو اس کے لئے آمادہ کیا کہ دوسرے ملکوں سے تجارت کا کام کریں۔ ملک شام ٹھنڈا ملک تھا گرمی کے زمانے میں وہاں اور یمن گرم ملک ہے سردی کے زمانے میں اس طرف تجارتی سفر کرتے اور منافع حاصل کرتے تھے اور چونکہ یہ لوگ بیت اللہ کے خادم ہونے کی حیثیت سے تمام عرب میں مقدس و محترم مانے جاتے تھے تو یہ راستہ کے ہر خطرے سے بھی محفوظ رہتے تھے، اور ہاشم چونکہ ان سب کے سردار مانے جاتے تھے اُن کا طریقہ یہ تھا کہ اس

تجارت میں جو منافع حاصل ہوتے اُن کو قریش کے امیر و غریب سب میں تقسیم کر دیتے تھے یہاں تک کہ انکا غریب آدمی بھی مالداروں کی برابر سمجھا جاتا تھا۔ پھر حق تعالیٰ نے اُن پر یہ مزید احسان فرمایا کہ ہر سال کے دو سفروں کی رحمت سے بھی اس طرح بچا دیا کہ مکہ مکرمہ سے ملے ہوئے علاقہ یمن، تبالہ اور عرش کو اتنا سرسبز اور زرخیز بنا دیا کہ وہاں کا غلہ انکی ضرورت سے زائد ہونے کی بنا پر ان کو اس کی ضرورت پڑی کہ یہ غلات وہاں سے لاکر جدہ میں فروخت کریں چنانچہ اکثر ضروریات زندگی جدہ میں ملنے لگیں مکہ والے ان طویل دو سفروں کے بجائے صرف دو منزل پر جا کر جدہ سے سب سامان لانے لگے۔ آیت مذکورہ میں حق تعالیٰ نے مکہ والوں پر اسی احسان و انعام کا ذکر فرمایا ہے۔

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ، انعامات کا ذکر کرنے کے بعد اُن کا شکر ادا کرنے کے لئے قریش کو خصوصی خطاب کے ساتھ یہ ہدایت فرمائی کہ اس گھر کے مالک کی عبادت کیا کرو۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے رب البیت ہونے کی صفت کو خصوصیت سے اسلئے ذکر فرمایا کہ یہی بیت کعبہ اُن کے تمام فضائل اور برکات کا سرچشمہ تھا

الَّذِينَ اطَّعَهُم مِّنْ جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ، اس میں قریش مکہ کے لئے دنیا کی اُن تمام عظیم نعمتوں کو جمع فرما دیا ہے جو انسان کے خوش عیش رہنے کے لئے ضروری ہیں اطَّعَهُم مِّنْ جُوعٍ میں کھانے پینے کی ضروریات داخل ہیں اور آمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ میں دشمنوں ڈاکوؤں کے خوف سے مأمون ہونا بھی شامل ہے اور آخرت کے عذاب سے مأمون ہونا بھی۔

فَانذِرْهُمْ | ابن کثیر نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ جو شخص اس آیت کے حکم کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو اللہ تعالیٰ اسکے لئے دنیا میں بھی اُمن اور بے خوف و خطر رہنے کا سامان فرما دیتے ہیں اور آخرت میں بھی، اور جو اس سے انحراف کرے اُس سے یہ دونوں قسم کے امن سلب کر لئے جاتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا اَمِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللَّهِ فَاَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ، یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک بستی تھی جو مأمون و محفوظ اور ہر خطرہ سے مطمئن تھی اسکا رزق ہر جگہ سے وافر آ جاتا تھا، پھر اس بستی والوں نے اللہ کے انعامات کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کو بھوک اور خوف کی پریشانی میں مبتلا کر دیا اُن کے کرب و تنگ کی بنا پر۔

فائدہ عظیمہ | ابوالحسن قزوینی نے فرمایا کہ جس شخص کو کسی دشمن یا اور کسی مصیبت کا خوف ہو اسکے لئے لایلا قریش کا پڑھنا امان ہے، اس کو امام جزری نے نقل کر کے فرمایا کہ یہ عمل آزمودہ اور مجرب ہے۔ حضرت قاضی ثنابرا شر پانی پتی رحم نے تفسیر مظہری میں اس کو نقل کر کے فرمایا کہ مجھے میرے شیخ حضرت مرزا مظہر جان جانا نے خوف و خطر کے وقت اس سورۃ کے پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ہر بلا و مصیبت کے دفع کرنے کے لئے اس کی قرارت مجرب ہے۔ حضرت قاضی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ میں نے بھی بار بار اسکا تجربہ کیا ہے۔

تَمَّتْ سُورَةُ الْقُرَيْشِ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَى

سُورَةُ الْمَاعُونِ

سُورَةُ الْمَاعُونِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتَّةٌ آيَاتٌ
سُورَةُ مَاعُونِ مَكِّيَّةٌ تَنْزِيلُهَا فِي سِتِّ آيَاتٍ هِيَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بھلا مہربان نہایت رحم والا ہے

أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالْإِيمَانِ ۚ فَذَلِكَ الَّذِي يَدْعُ الْيَتِيمَ ۚ وَلَا

تو نے دیکھا اُس کو جو جھٹلاتا ہے انصاف ہونے کو سو یہ وہی ہے جو دھکے دیتا ہے یتیم کو اور نہیں

يَحْضُ عَلَى طَعَامِ الْمُسْكِينِ ۚ قَوْلُ لِّلْمَصْلِينِ ۚ الَّذِينَ هُمْ عَنْ

تاکید کرتا محتاج کے کھانے پر پھر خرابی ہے اُن نمازیوں کی جو اپنی

صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ ۚ الَّذِينَ هُمْ يُرَادُّونَ ۚ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۚ

نماز سے بے خبر ہیں وہ جو دکھلا داکرتے ہیں اور مانگی نہ دیوں برتنے کی چیز

خلاصہ تفسیر

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے سو آپ اس کا حال سُنا چاہیں تو سُنئے کہ وہ شخص وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور محتاج کو کھانا دینے کی (دوسروں کو بھی) ترغیب نہیں دیتا (یعنی وہ ایسا سنگدل ہے کہ خود تو وہ کسی غریب کو کھانا دیتا دوسروں کو بھی اس پر آمادہ نہیں کرتا۔ اور جب بندوں کا حق ضائع کرنا ایسا بُرا ہے تو خالق کا حق ضائع کرنا تو اور زیادہ بُرا ہے) سو (اس سے ثابت ہوا کہ) ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں (یعنی ترک کر دیتے ہیں) جو ایسے ہیں کہ (جب نماز پڑھتے ہیں تو) ریاکاری کرتے ہیں اور زکوٰۃ بالکل نہیں دیتے (کیونکہ زکوٰۃ کے لئے شرعی ضروری نہیں کہ سب کے سامنے ظاہر کر کے دے سلسلے اس کو بالکل نہ دینے سے بھی کوئی اعتراض نہیں کر سکتا بخلاف نماز کے وہ جماعت کیساتھ علانیہ ادا کی جاتی ہے اس کو بالکل چھوڑ دے تو سب پر نفاق ظاہر ہو جاوے اسلئے نماز کو محض دکھلاوے کے لئے پڑھ لیتا ہے)

معارف و مسائل

اس سورۃ میں کفار و منافقین کے بعض افعال قبیحہ مذمومہ کا ذکر اور ان پر جہنم کی وعید ہے، یہ افعال اگر کسی مؤمن سے سرزد ہوں جو تکذیب نہیں کرتا وہ بھی اگرچہ شرعاً مذموم اور سخت گناہ ہیں مگر وعید مذکور ان پر نہیں ہے اسی لئے ان افعال و اعمال سے پہلے ذکر اس شخص کا فرمایا ہے جو دین اور قیامت کا منکر ہے اکی تکذیب کرتا ہے اس میں اشارہ اسطرح ضرور ہے کہ یہ اعمال جنکا ذکر آگے رہا ہے مؤمن کی شان سے بعید ہیں وہ کوئی منکر کا فرہی کر سکتا ہے، وہ اعمال قبیحہ جنکا اس جگہ ذکر اس سورۃ میں فرمایا ہے یہ ہیں، یتیم کے ساتھ بدسلوکی اور اس کی توہین۔ مسکین محتاج کو بادر قدرت کے کھانا نہ دینا اور دوسروں کو اس کی ترغیب نہ دینا، نماز پڑھنے میں ریاکاری کرنا، زکوٰۃ ادا نہ کرنا یہ سب افعال اپنی ذات میں بھی بہت مذموم اور سخت گناہ ہیں اور جب کفر و تکذیب کے نتیجہ میں یہ افعال سرزد ہوں تو اسکا وبال دائمی جہنم ہے جیسا کہ اس سورۃ میں اسکو ذیل کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔

فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ بِهِ حَالَ مُنَافِقِينَ كَا
بیان فرمایا ہے جو لوگوں کو دکھلانے اور اپنے دعوائے اسلام کو ثابت کرنے کے لئے نماز تو پڑھتے ہیں مگر چونکہ وہ نماز کی فرضیت اسی کے مقتدر نہیں اسلئے نہ اوقات کی پابندی کرتے ہیں نہ اصل نماز کی، جہاں دکھلائیگا موقع ہوا پڑھ لی، ورنہ ترک کر دی عن صَلَاتِهِمْ میں لفظ عن کا مفہوم یہی ہے کہ اصل نماز ہی سے بے پروائی اختیار کرے جو منافقین کی عادت ہے اور نماز کے اندر کچھ سہو و نسیان ہو جانا جس سے کوئی مسلمان یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خالی نہیں، وہ اس کلمہ کی مراد نہیں ہے کیونکہ اس پر وعید دین جہنم کی نہیں ہو سکتی، اور اگر یہ مراد ہوتی تو عن صَلَاتِهِمْ کے بجائے فی صَلَاتِهِمْ فرمایا جاتا، احادیث صحیحہ میں متعدد مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں سہو واقع ہونا ثابت ہے وَمِنْ عَنِ الْمَاعُونِ
ماعون کے اصل لفظی معنی ہنسی، قلیل و حقیر کے ہیں اسلئے ماعون ایسی استعالیٰ اشیاء کو کہا جاتا ہے جو عادتاً ایک دوسرے کو عاریت دی جاتی ہیں اور جن کا باہم لین دین عام انسانیت کا تقاضا سمجھا جاتا ہے جیسے کلہاڑی پھاڑہ یا کھانے پکانے کے برتن جنکا ضرورت کے وقت پڑوسیوں سے مانگ لینا کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا اور جو اس میں دینے سے بخل کرے وہ بڑا کنجوس کہلے سمجھا جاتا ہے۔ مگر آیت مذکورہ میں لفظ ماعون سے مراد زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ کو ماعون اسلئے کہا گیا ہے کہ وہ مقدار کے اعتبار سے نسبتاً بہت قلیل ہے یعنی صرف چالیسواں حصہ، حضرت علیؓ، ابن عمرؓ، حسن بصریؒ، قتادہؒ، ضحاکؒ وغیرہ جمہور مفسرین نے اس آیت میں ماعون کی تفسیر زکوٰۃ ہی سے کی ہے (منظہری) اور اس کے نہ دینے پر جو عذاب و دین جہنم کا مذکور ہے وہ بھی ترک فرض ہی پر ہو سکتا ہے اشیاء استعمال کا دوسروں کو دینا بہت بڑا ثواب اور انسانیت و مروت کے لحاظ سے ضروری ہی مگر فرض و واجب نہیں جس کے روکنے پر جہنم کی وعید ہو، اور بعض روایات حدیث میں جو اس جگہ ماعون کی تفسیر استعالیٰ اشیاء اور برتنوں سے کی گئی ہے اسکا مطلب ان لوگوں کی انتہائی خست کا اظہار ہے کہ یہ زکوٰۃ تو کیا دیتے استعالیٰ اشیاء جن کے دینے میں اپنا کچھ خرچ نہیں ہوتا اس میں بھی کنجوسی کرتے ہیں، تو وعید صرف ان اشیاء کے نہ دینے پر نہیں بلکہ زکوٰۃ فرض کی عدم ادائیگی اور اس کے ساتھ مزید بخل شدید پر ہے واللہ اعلم۔

سُورَةُ الْكَوثرِ

سُورَةُ الْكَوثرِ فَكَيْفَ تَرَى ذَٰلِكَ اَيُّهَا
سورہ کوثر مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی تین آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شرع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوثرَ ۱ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۲ اِنَّ شَانِئَكَ

بیشک ہم نے دی تجھ کو کوثر ۱ سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی کر بیشک جو دشمن ہے تیرا

هُوَ الْاَبْتَرُ ۳

وہی رہ گیا بیچھا کٹا

خلاصہ تفسیر

بیشک ہم نے آپ کو کوثر (جنت کی ایک حوض کا نام بھی ہے اور ہر خیر کثیر بھی اس میں شامل ہے) عطا فرمائی ہے (جس میں دنیا و آخرت کی ہر خیر و بھلائی شامل ہے دنیا میں دین اسلام کی بقا و ترقی اور آخرت میں جنت کے رجحان عالیہ سب داخل ہیں) سو (ان نعمتوں کے شکر میں) آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھئے (کیونکہ سب سے بڑی نعمت کے شکر میں سب سے بڑی عبادت چاہیئے اور وہ نماز ہے) اور تکمیل شکر کے لئے جسمانی عبادت کیساتھ مالی عبادت یعنی اُسی کے نام کی) قربانی کیجئے (جیسا دوسری آیتوں میں عموماً نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم ہے اس میں زکوٰۃ کے بجائے قربانی کا ذکر شاید اسلئے اختیار کیا گیا کہ قربانی میں مالی عبادت ہونے کے علاوہ مشرکین اور شرکانہ رسوم کی علی مخالفت بھی ہے کیونکہ مشرکین بتوں کے نام کی قربانی کیا کرتے تھے۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے قاسم کی بچپن میں وفات پر بعض مشرکین نے جو یہ طعنہ دیا تھا کہ ان کی نسل نہ چلے گی اور ان کے دین کا سلسلہ جلد ختم ہو جائے گا، اسکا جواب ہے کہ آپ بفضلہ تعالیٰ بے نام و نشان نہیں ہیں بلکہ، بالیقین آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان ہے (خواہ ظاہری نسل اس دشمن کی چلے یا نہ چلے لیکن دنیا میں اسکا ذکر خیر باقی نہیں رہے گا، بخلاف

آپ کے کہ آپ کی اُمت اور آپ کی یاد نیک نامی، محبت و اعتقاد کے ساتھ باقی رہے گی، اور یہ سب نعمتیں لفظ کوثر کے مفہوم میں داخل ہیں۔ اگر پسری اولاد کی نسل نہ ہو نہ سہی، جو نسل سے مقصود ہے وہ آپ کو حاصل ہی نہ ہوا تک کہ دنیا سے گزر کر آخرت تک بھی، اور دشمن اس سے محروم ہے)

معارف و مسائل

شان نزول | ابن ابی حاتم نے سدی سے اور بیہقی نے دلائل نبوت میں حضرت محمد بن علی بن حسینؑ سے نقل کیا ہے کہ جس شخص کی اولاد ذکر مر جائے اُس کو عرب ابتر کہا کرتے تھے یعنی مقطوع نسل۔ جو وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے قاسم یا ابراہیم کا، بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تو کفار مکہ آپ کو ابتر کہہ کر طعنہ دینے لگے ایسا کہنے والوں میں عاص بن دائل کا نام خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے اس کے سامنے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو کہتا تھا کہ اُن کی بات چھوڑو یہ کچھ فکر کرنے کی چیز نہیں کیونکہ وہ ابتر (مقطوع نسل) ہیں جب اُن کا انتقال ہو جائیگا ان کا کوئی نام لینے والا بھی نہ رہے گا، اس پر سورہ کوثر نازل ہوئی (رواہ ابن ندی، ابن کثیر و منطہری) اور بعض روایات میں ہے کہ کعب بن اشرف یہودی ایک مرتبہ مکہ مکرمہ آیا تو قریش مکہ اس کے پاس گئے اور کہا کہ آپ اس نوجوان کو نہیں دیکھتے جو کہتا ہے کہ وہ ہم سب سے (دین کے اعتبار سے) بہتر ہے حالانکہ ہم حجاج کی خدمت میں گئے اور بیت اللہ کی حفاظت کرنے والے اور لوگوں کو پانی پلانے والے ہیں۔ کعب نے یہ سن کر کہا کہ نہیں تم لوگ اس سے بہتر ہو، اس پر یہ سورہ کوثر نازل ہوئی (ذکرہ ابن کثیر عن البزار باسناد صحیح و قد رواہ مسلم قال منطہری)

خلاصہ یہ ہے کہ کفار مکہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسری اولاد نہ رہنے کے سبب ابتر ہونے کے طعنہ دیتے تھے یا دوسری وجہ سے آپ کی شان میں گستاخی کرتے تھے اُن کے جواب میں سورہ کوثر نازل ہوئی ہے جس میں اُن کے طعنوں کا جواب بھی ہے کہ صرف اولاد زنیہ کے نہ رہنے سے آپ کو مقطوع نسل یا مقطوع الذکر کہنے والے حقائق سے بے خبر ہیں۔ آپ کی نسل نبی بھی انشاء اللہ دنیا میں تا قیامت باقی رہے گی اگرچہ دُختری اولاد سے ہو اور نسل معنوی یعنی آپ پر ایمان لائیوالے مسلمان جو درحقیقت نبی کی اولاد معنوی ہوتے ہیں وہ تو اس کثرت سے ہونگے کہ پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام کی اُمتوں سے بھی بڑھ جائیں گے۔ اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ کے نزدیک مقبول اور مکرم و معظّم ہونا بھی مذکور ہے جس سے کعب بن اشرف کے قول کی تردید ہو جاتی ہے۔ یہ سب مضمون سورہ کی تیسری آیت میں آیا ہے۔

اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ، امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی سے اس کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اُنھوں نے فرمایا کہ ”کوثر وہ خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے“ ابن عباس رضی کے خاص شاگرد سعید بن جبیر رضی سے کسی نے کہا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے تو سعید بن جبیر نے جواب دیا کہ (ابن عباس رضی کا قول اس کے منافی نہیں بلکہ) وہ نہر جنت جس کا نام کوثر ہے وہ بھی اس خیر کثیر میں

داخل ہے اسی لئے امام تفسیر مجاہد نے کوثر کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ دنیا و آخرت دونوں کی خیر کثیر ہے، ہمیں جنت کی خاص نہر کوثر بھی داخل ہے۔

حوض کوثر | بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ مسلم کے الفاظ یہ ہیں۔

بينارسل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بين اظہرنا فی المسجد اذا غفی اغفاءة ثم رفع رأسہ متبسمًا۔ قلنا ما اضحکک یا رسول اللہ قال لقد انزلت علی انفا سورة فقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم انما اعطینک الکوثر الخ ثم قال اتدرون ما الکوثر قلنا اللہ ورسولہ اعلم قال فانتہ نہرٌ وعدنیہ ربی عن رجل علیہ خیر کثیر و هو حوض ترد علیہ امتی یوم القیامة أنیتہ عدد نجوم فی السماء فیحتلج العبد منہم فاقول رب انہ من امتی فیقول انک لا ری ما احدث بعدک

ایک روز جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہمارے درمیان تھے اچانک آپ پر ایک قسم کی نیند یا بیہوشی کی سی کیفیت طاری ہوئی پھر سنہتے ہوئے آپ نے سر مبارک اٹھایا، ہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے سنہنے کا سبب کیا ہے، تو فرمایا کہ مجھ پر اسی وقت ایک سورت نازل ہوئی ہے پھر آپ نے بسم اللہ کے ساتھ سورۃ کوثر پڑھی، پھر فرمایا تم جانتے ہو کوثر کیا چیز ہے، ہم نے عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم، آپ نے فرمایا یہ ایک نہر جنت ہے جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے جس میں خیر کثیر ہے اور وہ حوض ہے جس پر میری امت قیامت کے روز پانی پینے کے لئے آئے گی اسکے پانی پینے کے برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد میں ہونگے اس وقت بعض لوگوں کو فرشتے حوض سے شادینگے تو میں کہوں گا کہ میرے پروردگار یہ تو میری امت میں ہے، اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ آپ نہیں جانتے کہ اسنے آپکے بعد کیا نیا دین اختیار کیا ہے۔

ابن کثیر نے اس روایت کو نقل کر کے مزید لکھا ہے،

وقد ورد فی صفۃ الحوض یوم القیمة انہ لیشخب فیہ میزابان من السماء من نہر الکوثر وان أنیتہ عدد نجوم السماء

حوض کی صفت میں روایات حدیث میں آیا ہے کہ اس میں د پر نالے آسمان سے گریں گے جو نہر کوثر کے پانی سے حوض کو بھر دیں گے اسکے برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد میں ہوں گے

اس حدیث سے سورۃ کوثر کا سبب نزول بھی معلوم ہوا اور لفظ کوثر کی صحیح تفسیر بھی یعنی خیر کثیر، اور یہ بھی کہ اس خیر کثیر میں وہ حوض کوثر بھی شامل ہے جو قیامت میں امت محمدیہ کو سیراب کرے گی۔ نیز اس روایت نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اصل نہر کوثر جنت میں ہے اور یہ حوض کوثر میدان حشر میں ہوگی اس میں دو پر نالوں کے ذریعہ نہر کوثر کا پانی ڈالا جائیگا۔ امیں ان روایات کی بھی تطبیق ہو گئی جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حوض کوثر پر امت کا ورود دخول جنت سے پہلے ہوگا، اور اس حدیث میں جو بعض لوگوں کو حوض کوثر سے شادینے کا ذکر ہے یہ وہ لوگ ہیں جو بعد میں اسلام سے پھر گئے یا پہلے ہی سے مسلمان نہیں تھے مگر منافقانہ اظہار اسلام

کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کا نفاق کھل گیا، واللہ اعلم
احادیث صحیحہ میں حوض کوثر کے پانی کی صفائی اور شیرینی اور اُس کے کناروں کا جواہرات سے مرصع ہونے
کے متعلق ایسے اوصاف مذکور ہیں کہ دنیا میں ان کا کسی چیز پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اس سورۃ کا نزول اگر کفار کے طعنوں کے دفاع میں ہو جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ آپ کی اولاد زینہ فوت
ہو جانے کی وجہ سے وہ آپ کو آخر مقطوع النسل قرار دے کر کہا کرتے تھے کہ ان کا کام چند روزہ ہے پھر کوئی
نام لینے والا بھی نہ رہے گا تو اس سورۃ میں آپ کو کوثر عطا فرمانے کا ذکر جس میں حوض کوثر بھی شامل ہے ان
طعنہ زنون کی مکمل تردید ہے کہ ان کی نسل و نسب صرف یہی نہیں کہ دنیا کی عمر تک چلیگی بلکہ اُن کی روحانی اولاد
کارشتہ عشریں بھی محسوس ہوگا جہاں وہ تعداد میں بھی تمام اُمتوں سے زیادہ ہوں گے اور ان کا اعزاز و اکرام
بھی سب سے زیادہ ہوگا۔

فَصَلِّ لِرَبِّكِ وَانْحَرِي، انحر، نحر سے مشتق، اونٹ کی قربانی کو نحر کہا جاتا ہے جس کا مسنون طریقہ
اسکا پاؤں باندھ کر حلقوم میں نیزہ یا چھری مار کر خون بہا دینا ہے جیسا کہ گائے بکری وغیرہ کی قربانی کا طریقہ فہم کرنا
یعنی جانور کو لٹا کر حلقوم پر چھری پھیرنا ہے۔ عرب میں چونکہ عموماً قربانی اونٹ کی ہوتی تھی اس لئے قربانی کرنے کے
لئے یہاں لفظ وانحر استعمال کیا گیا۔ بعض اوقات لفظ نحر مطلقاً قربانی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس
سورۃ کی پہلی آیت میں کفار کے زعم باطل کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوثر یعنی دنیا و آخرت کی ہر خیر
اور وہ بھی کثیر مقدار میں عطا فرمانے کی خوشخبری سننے کے بعد اس کے شکر کے طور پر آپ کو دو چیز ذکی ہدایت
کی گئی ہے۔ ایک نماز، دوسرے قربانی۔ نماز بدنی اور جسمانی عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت ہے اور
قربانی مالی عبادتوں میں اس بنا پر خاص امتیاز اور اہمیت رکھتی ہے کہ اللہ کے نام پر قربانی کرنا بت پرستی کے
شعار کے خلاف ایک جہاد بھی ہے کیونکہ اُن کی قربانیاں بتوں کے نام پر ہوتی تھیں۔ اسی لئے قرآن کریم کی ایک اور
آیت میں بھی نماز کے ساتھ قربانی کا ذکر فرمایا ہے اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ
اس آیت میں وانحر کے معنی قربانی ہونا حضرت ابن عباسؓ، عطاءؓ، مجاہد اور حسن بصری وغیرہ سے مستند
روایات میں ثابت ہے۔ بعض لوگوں نے جو وانحر کے معنی نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کے بعض ائمہ تفسیر کی
طرف منسوب کئے ہیں اس کے متعلق ابن کثیر نے فرمایا کہ روایت منکر (نا قابل اعتبار) ہے۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ لفظ شَانِئ کے معنی بغض رکھنے والے عیب دگانے والے کے ہیں یہ آیت
اُن کفار کے متعلق نازل ہوئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر مقطوع النسل ہونے کا طعنہ دیتے تھے۔
اکثر روایات میں عاص بن وائل، بعض میں عقبہ، بعض میں کعب بن اشرف اس کے مصداق ہیں۔ حق تعالیٰ
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوثر یعنی خیر کثیر عطا کی جس میں اولاد کثیر بھی داخل ہے آپ کے لئے اولاد کی کثرت
اس لحاظ سے ہے کہ فیسی اولاد بھی آپ کی ماشاء اللہ کچھ کم نہیں اور پیغمبر چونکہ پوری اُمت کا باپ ہوتا ہے اور

پوری اُمت اُس کی اولاد روحانی اور آپ کی اُمت پچھلے تمام انبیاء کی اُمتوں سے تعداد میں زیادہ ہوگی۔ ایک طرف تو ان دشمنوں کی بات کو اس طرح خاک میں ملا دیا دوسری طرف یہ بھی فرمادیا کہ جو لوگ آپ کو اہتر ہونے کا طعنہ دیتے ہیں وہ ہی اہتر ہیں۔

عبرت | اب غور کیجئے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو حق تعالیٰ نے کیسی رفعت اور عظمت عطا فرمائی کہ آپ کے عہد مبارک سے آج تک پوری دنیا کے چپہ چپہ پاپ کا نام مبارک پانچ وقت اللہ کے نام کے ساتھ میناروں پر بچھا رہا جاتا ہے اور آخرت میں آپ کو شفاعت کبریٰ کا مقام محمود حاصل ہوگا، اسکے بالمقابل دنیا کی تاریخ سے پوچھئے کہ عاص بن وائل، عقبہ، کعب کی اولاد کہاں اور ان کا خاندان کیا ہوا، خود ان کا نام بھی اسلامی روایات سے تفسیر آیات کے ذیل میں محفوظ ہو گیا ورنہ دنیا میں آج ان کا نام لینے والا کوئی باقی نہیں ہے۔

سُورَةُ الْكَافِرُونَ

سُورَةُ الْكَافِرُونَ فَكَيْتَرُ وَرَهِی سِتْ ایلہ

سورۃ کافرون مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۱ لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۲ وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُونَ

تو کہہ اے مسکرو میں نہیں پوجتا جس کو تم پوجتے ہو اور نہ تم پوجو

مَا اَعْبُدُ ۳ وَلَا اَنَا عٰبِدُ ۴ مَا عٰبَدُ تٰمُرٌ ۵ وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُونَ ۶ مَا

جسکو میں پوجوں اور نہ مجھ کو پوجنا ہے اسکا جس کو تم نے پوجا اور نہ تم کو پوجنا ہے اسکا جس کو

اَعْبُدُ ۵ لَكُمْ دِیْنُكُمْ وِلٰی دِیْنِ ۶

میں پوجوں تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ

خلاصہ تفسیر

آپ (ان کافروں سے) کہہ دیجئے کہ اے کافرو (میرا تمہارا طریقہ ایک نہیں ہو سکتا اور نہ (قونی الحال) میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو اور نہ (آئندہ استقبال میں) میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرو گے (مطلب احقر کے نزدیک یہ ہے کہ میں موحّد ہو کر شرک نہیں کر سکتا نہ اب نہ آئندہ) اور تم شرک ہو کر موحّد نہیں قرار دیئے جاسکتے نہ اب نہ آئندہ، یعنی تو حید و شرک جمع نہیں ہو سکتے)

تم کو تمہارا بدلہ ملیگا اور مجھ کو میرا بدلہ ملیگا (اس میں اُن کے شرک پر وعید بھی سنائی گئی۔)

معارف و مسائل

سورت کے فضائل اور خواص | حضرت صدیقِ عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فجر کی سنتوں میں پڑھنے کے لئے دو سورتیں بہتر ہیں۔ سورۃ کافرون اور سورۃ اخلاص (رواہ ابن ہشام مظہری) اور تفسیر ابن کثیر میں متعدد صحابہ سے منقول ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کی سنتوں میں اور بعد مغرب کی سنتوں میں بکثرت یہ دو سورتیں پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ بعض صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمیں کوئی دعا بتا دیجئے جو ہم سونے سے پہلے پڑھا کریں، آپ نے قل یا ایہا الکفرون پڑھنے کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ یہ شرک سے برات ہے (رواہ الترمذی و ابوداؤد) اور حضرت جبر بن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جب سفر میں جاؤ تو وہاں تم اپنے سب رفقاء سے زیادہ خوشحال با مراد رہو اور تمہارا سامان زیادہ ہو جائے۔ انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ بیشک میں ایسا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ آخر قرآن کی پانچ سورتیں سورۃ کافرون، سورۃ نصر، سورۃ اخلاص، سورۃ فلق اور سورۃ ناس پڑھا کر دو اور ہر سورۃ کو بسم اللہ سے شروع کرو اور بسم اللہ ہی پر ختم کرو۔ حضرت جبر فرماتے ہیں کہ اُس وقت میرا حال یہ تھا کہ سفر میں اپنے دوسرے ساتھیوں کے بالمقابل قلیل الزاد خستہ حال ہوتا تھا۔ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم پر عمل کیا میں سب سے بہتر حال میں رہنے لگا (مظہری بحوالہ ابویعلیٰ) اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بچھونے کاٹ لیا تو آپ نے پانی اور نمک منگایا اور یہ پانی کاٹنے کی جگہ لگاتے جاتے تھے اور قل یا ایہا الکافرون قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس پڑھتے جاتے تھے۔ (مظہری)

شانِ نزول | ابن سحاح کی روایت ابن عباسؓ سے یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل اور اسود بن عبدالمطلب اور اُمیہ بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ آؤ ہم آپس میں اس پر صلح کر لیں کہ ایک سال آپ ہمارے بتوں کی عبادت کیا کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں (قرطبی) اور طبرانی کی روایت حضرت ابن عباسؓ سے یہ ہے کہ کفار مکہ نے اُدل تو باہمی مصالحت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ صورت پیش کی کہ ہم آپ کو اتنا مال دیتے ہیں کہ آپ سارے مکہ میں سب سے زیادہ مالدار ہو جائیں اور جس عورت سے آپ چاہیں آپکا نکاح کر دیں، آپ صرف اتنا کریں کہ ہمارے معبودوں کو بُرا نہ کہا کریں اور اگر آپ یہ بھی نہیں مانتے تو ایسا کریں کہ ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کیا کریں اور ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کیا کریں (مظہری) اور ابو صلیح کی روایت حضرت ابن عباسؓ سے یہ ہے کہ کفار مکہ نے باہمی مصالحت کے لئے یہ صورت پیش کی تھی کہ آپ ہمارے بتوں میں سے بعض کو صرف ہاتھ لگا دیں تو ہم آپ کی تصدیق کرنے لگیں گے، اس پر جبریل امین سورۃ کافرون لیکر نازل ہوئے جس میں کفار کے اعمال سے برات اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم ہے۔

شان نزول میں جو متعدد واقعات بیان ہوئے ہیں اُن میں کوئی تضاد نہیں، ہو سکتا ہے کہ یہ واقعات بھی پیش آئے ہوں اور ان سب کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی ہو جسکا حاصل ایسی مصالحت سے روکنا ہے۔

لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ الْآیۃ، اس سورۃ میں یہ چند کلمات مکرر آئے ہیں، اس تکرار کو رفع کرنے کیلئے ایک تفسیر تو وہ ہے جس کو بخاری نے بہت سے مفسرین سے نقل کیا ہے کہ دو کلمے ایک مرتبہ زمانہ حال کے لئے، اور دوسری مرتبہ زمانہ مستقبل کے متعلق آئے ہیں اسلئے کوئی تکرار نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نہ تو بالفعل ایسا ہو رہا ہے کہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں اور تم میرے معبود کی عبادت کرو، اور نہ آئندہ ایسا ہو سکتا ہے کہ میں اپنی توحید پر تم اپنے شرک پر قائم رہتے ہوئے ایک دوسرے کے معبود کی عبادت کریں۔ اسی تفسیر کو حضرت حکیم الامتؒ نے تفسیر بیان القرآن میں اختیار فرمایا ہے جو اوپر خلاصہ تفسیر میں آچکی ہے مگر بخاری کی تفسیر میں لکھم دینکم دینی کی تفسیر دین بمعنی مذہب اسلام و کفر سے کی ہے اور مطلب یہ قرار دیا ہے کہ مصالحت کی مجوزہ صورت قابل قبول نہیں میں تو اپنے دین پر قائم ہوں ہی تم بھی اپنے دین پر مصر ہو تو تم جانو، اسکا انجام تمہیں بھگتنا ہے اور بیان القرآن میں دین کو بمعنی جزا قرار دیا ہے۔

دوسری تفسیر وہ ہے جس کو ابن کثیر نے اختیار فرمایا ہے کہ حرف ما لغت عرب میں جیسا اسم موصول الذی کے معنی میں آتا ہے ایسا ہی کبھی مصدری معنی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے کہ وہ جس فعل پر داخل ہوا اسکو بمعنی مصدر کر دیتا ہے۔ اس سورت میں پہلی جگہ تو حرف ما اسم موصول الذی کے معنی میں ہے اور دوسری جگہ فامصدر کے تشریح اکی یہ ہے کہ پہلے جملہ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَلَا أَنْتُمْ عِبُدُونَ مَا أَعْبُدُ کے معنی یہ ہوئے کہ جن معبودوں کی تم عبادت کرتے ہو میں اُن کی عبادت نہیں کرتا اور جس معبود کی میں عبادت کرتا ہوں اُسکی تم نہیں کرتے۔ اور دوسرے جملے وَلَا أَنَا عَابِدٌ لِّمَا عَبَدْتُمْ وَلَا أَنْتُمْ عِبُدُونَ لِمَا أَعْبُدُ میں صرف فامصدر یہ ہے اور معنی یہ ہیں انا عابدٌ عبادتکمْ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ عبادتی، یعنی ہماری اور تمہاری عبادت کے طریقے ہی الگ الگ ہیں، میں تمہارے طرز کی عبادت نہیں کر سکتا اور تم جب تک ایمان نہ لاؤ تو میرے طرز کی عبادت نہیں کر سکتے۔ اس طرح پہلے جملے میں معبودوں کا اختلاف بتلایا اور دوسرے جملے میں عبادت کے طرز و طریقہ کے اختلاف کو ظاہر کیا، حاصل یہ ہوا کہ نہ تمہارے اور ہمارے معبود میں اشتراک ہے نہ طریق عبادت میں، اس طرح تکرار رفع ہوا اور طریق عبادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا وہ ہے جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی بتلایا گیا، اور مشرکین کے طریقہ خود ساختہ ہیں۔

ابن کثیر نے اس تفسیر کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ کلمۃ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے یہی مفہوم نکلتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور طریق عبادت وہ معتبر ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہم تک پہنچا ہے، اور لکھم دینکم دینی کی تفسیر میں ابن کثیر نے فرمایا کہ یہ جملہ ایسا ہی ہے جیسے دوسری جگہ قرآن کریم کا ارشاد ہے فَإِنْ كُنَّ بُولُوكُمْ فَقُلْ لِي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اور دوسری جگہ ہے لَنَّا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ اسکا حاصل یہ ہے

کہ لفظ دین کو ابن کثیر نے بھی اعمال دین کے معنی میں لیا ہے اور پھر مقصود اس سے وہی ہوگا جو بیان القرآن میں بیان کیا گیا کہ ہر ایک کو اپنے اپنے عمل کی جزا سزا خود بھگتنی پڑے گی۔

اور بعض مفسرین نے ایک تیسری تفسیر یہ اختیار کی کہ حرف ما دونوں جگہ موصولہ ہی ہے اور حال استقبال کا بھی فرق نہیں بلکہ یہ دو جملے فی الواقع مکرر لائے گئے ہیں مگر ہر تکرار برا نہیں ہوتا، بہت جگہ تکرار تقاضا بلاغت ہوتا ہے جیسا کہ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا میں ہے۔ یہاں اس تکرار کا مقصد تاکید مضمون بھی ہے اور یہ بھی کہ کفار کی طرف سے چونکہ ایسی مصالحت کی پیش کش متعدد مرتبہ کی گئی تو متعدد جملوں سے اُس کو رد کیا گیا (نقلہ ابن جریر۔ ابن کثیر)

کفار سے معاہدہ صلح کی بعض صورتیں جائز ہیں بعض ناجائز | سورہ کافرون میں کفار کی طرف سے پیش کی ہوئی مصالحت کی چند صورتوں کو بالکل رد کر کے اعلان برائت کیا گیا، مگر خود قرآن کریم میں یہ ارشاد بھی موجود ہے وَإِنْ جَاءَكُمْ مِنَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَةِ قَوْمٌ مُّشْرِكُونَ فَاصْلَحْ بَيْنَهُمْ (یعنی معاہدہ صلح کر لیجئے) اور مدینہ طیبہ جب آپ ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو یہود مدینہ سے آپ کا معاہدہ صلح مشہور و معروف ہے اسلئے بعض مفسرین سورہ کافرون کو منسوخ کہہ دیا اور منسوخ کہنے کی بڑی وجہ آیت لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ کو قرار دیا ہے کیونکہ بظاہر یہ احکام جہاد کے منافی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہاں لَكُمْ دِينُكُمْ کا یہ مطلب نہیں کہ کفار کو کفر کی اجازت یا کفر پر برقرار رکھنے کی ضمانت دیدی گئی بلکہ اسکا حاصل وہی ہے جو لَنَا اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ کا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ جیسا کر دگے ویسا بھگتو گے اسلئے راجح اور صحیح جمہور کے نزدیک یہ ہے کہ یہ سورت منسوخ نہیں، جس قسم کی مصالحت سورہ کافرون کے نزول کا سبب بنی وہ جیسے اُس وقت حرام تھی آج بھی حرام ہے اور جس صورت کی اجازت آیت مذکورہ میں آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدہ یہود سے عملاً ظاہر ہوئی، وہ جیسے اُس وقت جائز تھی آج بھی جائز ہے۔ بات صرف موقع و محل کو سمجھنے اور شرائط صلح کو دیکھنے کی ہے جسکا فیصلہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرما دیا ہے جس میں کفار سے معاہدہ کو جائز قرار دینے کے ساتھ ایک استثناء کا ارشاد ہے وہ یہ ہے اِلَّا صَلَاحًا اَحْلَ حَرَامًا اَوْ حَرَّمَ حَلَالًا، یعنی ہر صلح جائز ہے بجز اُس صلح کے جس کی رو سے اللہ کی حرام کی ہوئی کسی چیز کو حلال یا حلال کی ہوئی چیز کو حرام قرار دیا گیا ہو۔ اب غور کیجئے کہ کفار مکہ نے صلح کی جو صورتیں پیش کی تھیں، اُن سب میں کم از کم کفر و اسلام کی حدود میں القیاس یقینی ہے اور بعض صورتوں میں تو اصول اسلام کے خلاف شرک کا ارتکاب لازم آتا ہے، ایسی صلح سے سورہ کافرون نے اعلان برائت کر دیا، اور دوسری جگہ جس صلح کو جائز قرار دیا اور معاہدہ یہود سے اُس کی عملی صورت معلوم ہوئی، اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جس میں اصول اسلام کا خلاف کیا گیا ہو یا کفر و اسلام کی حدود آپس میں ملتیں ہوئی ہوں۔ اسلام سے زیادہ کوئی مذہب رواداری، حسن سلوک صلح و سالمیت کا داعی نہیں مگر صلح اپنے انسانی حقوق میں ہوتی ہے۔ خدا کے فتون اور اصول دین میں کسی صلح مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں۔ واللہ اعلم

سُورَةُ النَّصْرِ

سُورَةُ النَّصْرِ قَدْ نَبِّئَتْ وَرُحِيَ ثَلَاثُ آيَاتٍ
سورة نصر مدینہ میں نازل ہوئی اور اسکی تین آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیکہ مہربان نہایت رحم والا ہے

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۝۱ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ

جب پہنچ چکے مدد اللہ کی اور فیصلہ اور تو دیکھے لوگوں کو داخل ہوتے دین میں

اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝۲ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝۳

غول کے غول تو پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں اور گناہ بخشو اس سے، بیشک وہ معاف کرنے والا ہے

خلاصہ تفسیر

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جب خدا کی مدد اور (مکہ کی) فتح (مع اپنے آثار کے) آپہنچے اور اس فتح پر مرتب ہونے والے آثار یہ ہیں کہ آپ لوگوں کو اللہ کے دین (اسلام) میں جوق جوق داخل ہوتا دیکھ لیں، تو (اسوقت سمجھئے کہ مقصود دنیا میں رہنے کا اور آپ کی بعثت کا جو تکمیل دین تھا وہ پورا ہو چکا، اور اب سفر آخرت قریب، اُس کے لئے تیاری کیجئے اور) اپنے رب کی تسبیح و تہلیل کیجئے اور اُس سے مغفرت کی درخواست کیجئے (یعنی ایسے امور جو خلاف اولیٰ واقع ہو گئے اُن سے مغفرت مانگئے) وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

معارف و مسائل

یہ سورۃ باجماع مدنی ہے اور اسکا نام سُورَةُ التَّوْدِيعِ بھی ہے، تودیع کے معنی کسی کو رخصت کرنے کے ہیں اس سورۃ میں چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات قریب ہونے کی طرف اشارہ ہے اسلئے اس کو سُورَةُ التَّوْدِيعِ بھی کہا گیا۔

قرآن مجید کی آخری سورۃ اور آخری آیت | صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ سورۃ نصر قرآن کی آخری سورۃ ہے (قرطبی) مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی مکمل سورۃ نازل نہیں ہوئی بعض آیات کا نزول جو اسکے بعد ہونا بعض روایات میں ہے وہ اس کے منافی نہیں، جیسا کہ سورۃ فاتحہ کو قرآن کی سب سے پہلی سورۃ اسی معنی میں کہا جاتا ہے کہ مکمل سورۃ سب سے پہلے فاتحہ نازل ہوئی ہے۔ سورۃ اقرار اور مدثر وغیرہ کی چند آیات کا اس سے پہلے نازل ہونا اس کے منافی نہیں۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ سورۃ حجتہ الوداع میں نازل ہوئی اس کے بعد آیت الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ نازل ہوئی، ان دونوں کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں صرف اسی روز رہے (اسی روز کے بعد وفات ہو گئی) ان دونوں کے بعد آیت کلامہ نازل ہوئی جس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے کل پچاس دن رہ گئے تھے اس کے بعد آیت لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ الْاٰیہ نازل ہوئی جس کے بعد عمر شریف کے کل پینتیس روز باقی تھے اسکے بعد آیت اِشْقُوا يَوْمَ تَرْجَعُونَ فِیْہِ اِلٰی اللّٰہِ نازل ہوئی جس کے بعد صرف اکیس روز اور مقاتل کی روایت میں صرف سات روز کے بعد وفات ہو گئی (قرطبی)

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس آیت اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ میں فتح سے فتح مکہ مراد ہے، اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ سورۃ فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی ہے یا بعد میں، لفظ اِذَا جَاءَ سے بظاہر قبل فتح نازل ہونا معلوم ہوتا ہے اور روح المعانی میں بحر محیط سے ایک روایت بھی اسکے موافق نقل کی ہے جس میں اس سورۃ کا نزول غزوہ خیبر سے ٹوٹنے کے وقت بیان کیا گیا، اور خیبر کی فتح فتح مکہ سے مقدم ہونا معلوم و معروف ہے اور روح المعانی میں اسد عبد ابن حمید حضرت قتادہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سورۃ کے نزول کے بعد دو سال زندہ رہے۔ اسکا حاصل بھی یہی ہے کہ اسکا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا کیونکہ فتح مکہ سے وفات تک دو سال سے کم مدت ہے۔ فتح مکہ رمضان سنہ ہجری میں ہوئی اور وفات ربیع الاول سنہ ہجری میں۔ اور جن روایات میں اسکا نزول فتح مکہ یا حجتہ الوداع میں نازل ہونا بیان کیا گیا ہے اُن کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورۃ پڑھی ہوگی جس سے لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ یہ ابھی نازل ہوئی ہے۔ مزید تحقیق اس کی بیلن القرآن میں مذکور ہے۔

متعدد احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ میں ہے کہ اس سورۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آجانے کی طرف اشارہ ہے کہ اب آپؐ کی بعثت اور دنیا میں قیام کا کام پورا ہو چکا اب تسبیح و استغفار میں لگ جائیے۔ مقاتل کی روایت میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپؐ نے صحابہ کرام کے مجمع کے سامنے اس کی تلاوت فرمائی جن میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ وغیرہ موجود تھے سب اس کو مستنکر خوش ہوئے کہ اسمیں فتح مکہ کی خوشخبری ہے مگر حضرت عباسؓ نے رونے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ رونے کا کیا سبب ہے تو حضرت عباسؓ نے عرض کیا کہ اس میں تو آپؐ کی وفات کی خبر مضمر ہے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مضمون روایت کیا ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا کہ اس سورت کے مفہوم سے میں بھی یہی سمجھتا ہوں (رداء الترذی وقال حدیث حسن صحیح - قرطبی)

وَرَأَيْتَ النَّاسَ ، فتح مکہ سے پہلے بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی تھی جن کو رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور اسلام کی حقانیت پر تقریباً یقین ہو چکا تھا مگر اسلام میں داخل ہونے سے ابھی تک قریش کی مخالفت کے خوف سے یا کسی تذبذب کی وجہ سے رُکے ہوئے تھے۔ فتح مکہ نے وہ رکاوٹ دور کر دی تو فوج فوج ہو کر یہ لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ یمن سے سات سو نفر مسلمان ہو کر پہنچے جو راستہ میں اذانیں دیتے اور قرآن پڑھتے ہوئے آئے۔ اسی طرح عام عرب فوج فوج ہو کر داخل اسلام ہوئے۔

جب موت قریب محسوس ہو تو قَسَبْتَ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرُكَ، حضرت صدیقہ عائشہ رضی فرماتی ہیں کہ تسبیح واستغفار کی کثرت چاہیئے اس سورت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نماز پڑھتے تو یہ دعا کرتے تھے سُبْحَانَكَ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي (رواہ البخاری)

حضرت اُم سلمہؓ فرماتی ہیں کہ اس سورت کے نزول کے بعد اُٹھتے بیٹھتے اور جاتے آتے ہر وقت میں یہ دعا پڑھتے تھے، سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ اَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَآتُوْبُ اِلَيْهِ، اور فرماتے تھے کہ مجھے اس کا حکم کیا گیا اور دلیل میں اِذَا جَاءَ لَصْرُ اللَّهِ کی تلاوت فرماتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سورت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت میں بڑا مجاہدہ فرمایا یہاں تک کہ آپ کے پاؤں درم کر گئے۔ (قطبی)

تَمَّتْ سُورَةُ النَّصْرِ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَى

سُورَةُ الْاَلْهَبِ

سُورَةُ الْاَلْهَبِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ اَيَاتٍ
سورۃ لہب مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شرع اللہ کے نام سے جو بجد مہربان نہایت رحم والا ہے

تَبَّتْ یَدَا اَبْنٰی لَہِبٍ وَتَبَّ ۱ مَا اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ ۲

ٹوٹ گئے ہاتھ ابی لہب کے اور ٹوٹ گیا وہ آپ کا مال نہ آیا اس کو اور نہ جو اُس نے کمایا

سَیَصْلٰی نَارًا اِذَا تَ لَہِبٍ ۳ وَامْرَاَتُہٗ ۴ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۵

اب پڑے گا ڈیگ مارتی آگ میں اور اُس کی جوڑو جو سر پر لئے پھرتی ہے ایندھن

فِیْ جِدِّہَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۵

اُس کی گردن میں رستی ہے موبخہ کی

خلاصہ تفسیر

ابو لہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے۔ نہ اُس کا مال اُس کے کام آیا اور نہ اُس کی کمائی (مال سے مراد اصل سرمایہ اور کمائی جو مراد اسکا نفع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی سامان اُس کو ہلاکت سے نہ بچا دیکھا یہ حالت تو اس کی دنیا میں ہوئی اور آخرت میں) وہ عنقریب (یعنی مرتے ہی) ایک شعلہ زن آگ میں داخل ہوگا، وہ بھی اور اُس کی بیوی بھی جو لکڑیاں لا کر لاتی ہے (مراد خاردار لکڑیاں ہیں جن کو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استہ ہیں پچھا دیتی تھی تاکہ آپ کو تکلیف پہنچے اور دوزخ میں پہنچکر) اُس کے گلے میں (دوزخ کی زنجیر اور طوق ہوگا کہ گویا وہ) ایک رستی ہوگی خوب بڑی ہوئی (تشبیہ شدت اور استحکام میں ہے)

معارف و مسائل

ابو لہب کا اصلی نام عبد العزیٰ تھا، یہ عبد المطلب کی اولاد میں سے ہے۔ سُرخ رنگ ہونے کی وجہ سے

اس کی کنیت ابو لہب شہور تھی۔ قرآن کریم نے اسکا اصلی نام اسلئے چھوڑا کہ وہ نام بھی شرکانہ تھا اور ابو لہب کنیت میں، لہب جہنم سے ایک مناسبت بھی تھی۔ یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھید دشمن اور اسلام کا شدید مخالف، آپ کو سخت ایذا میں دینے والا تھا، جب آپ لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے یہ ساتھ لگ جاتا اور آپ کی تکذیب کرتا جاتا تھا (ابن کثیر)

شان نزول صحیحین میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت **وَإِذْ زَعَجْتُمْ تِلْكَ الْأَنْفُسُ** نازل ہوئی تو آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر اپنے قبیلہ قریش کے لوگوں کو آواز دی، بعض روایات میں ہے کہ یا صبا حاہ کہہ کر یا بنی عبد مناف اور یا بنی عبد المطلب وغیرہ ناموں کیساتھ آواز دی (اس طرح آواز دینا عرب میں خطرہ کی علامت سمجھا جاتا تھا) سب قریش جمع ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ دشمن تم پر چڑھ آیا ہے اور صبح شام میں تم پر ٹوٹ پڑنے والا ہے کیا آپ لوگ میری تصدیق کرو گے۔ سب نے یکے بان ہو کر کہا کہ ہاں ضرور تصدیق کریں گے، پھر آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں ایک عذاب شدید سے (جو شرک کفر پر اللہ کی طرف سے مقرر ہے) یہ سن کر ابو لہب نے کہا **تَبَّأَلَا لَكَ الْهَيْدَانِ أَجْمَعَتَانِ**۔ ہلاکت ہو تیرے لئے کیا تو نے ہمیں اس کے لئے جمع کیا تھا اور آپ کو مارنے کیلئے ایک پتھر اٹھالیا، اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

تَبَّتْ يَدَايَ آيَةٍ كَهَيْبٍ وَتَبَّ، یہ کے اسی معنی ہاتھ کے ہیں، چونکہ انسان کے سب کام نہیں بڑا دخل ہاتھوں کو ہے اس لئے کسی شخص کی ذات اور نفس کو یہ سے تعبیر کر دیتے ہیں جیسے قرآن میں ہے **بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ** اور یہی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ ابو لہب نے ایک روز لوگوں سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد فلاں فلاں کام ہونگے پھر اپنے ہاتھوں کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ ان ہاتھوں میں ان چیزوں میں سے کچھ بھی آیا نہیں پھر اپنے ہاتھوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا **مَا أَدْرِي فَبِكَمَا شِئْنَا فَمَا قَالَ** محمد، یعنی تم برباد ہو جاؤ میں تمہارے اندر ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں دیکھتا جن کے ہونے کی خبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دیتے ہیں اس کی مناسبت سے قرآن کریم نے ہلاکت کو ہاتھوں کی طرف منسوب کیا۔

تَبَّ، کتاب سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں ہلاک و برباد ہو، اس آیت میں پہلا جملہ **تَبَّتْ يَدَايَ آيَةٍ** لہب بطور بددعا کے ہے یعنی ابو لہب ہلاک ہو جائے اور دوسرا جملہ یعنی **وَتَبَّ** جملہ خبریہ ہے گویا بددعا کے ساتھ اسکا اثر بھی بتلا دیا کہ وہ ہلاک ہو گیا اور جملہ بددعا کا مسلمانوں کے شفا و غیظ کے لئے ارشاد فرمایا گیا کیونکہ جس وقت ابو لہب نے آپ کی شان میں تبأ کہا تو مسلمانوں کے دل کی خواہش تھی کہ وہ اس کے لئے بددعا کریں، حق تعالیٰ نے گویا ان کے دل کی بات خود فرمادی اور ساتھ ہی یہ خبر بھی دیدی کہ یہ بددعا اسکو لگ بھی گئی اور وہ ہلاک ہو گیا۔ قرآن نے اسکی ہلاکت و بربادی کی خبر جو پہلے ہی دیدی تھی اسکا اثر یہ ہوا کہ واقعہ بدر کے سات روز بعد اسکے طاعون کی کٹی ٹنگی جس کو عرب عدسہ کہتے ہیں۔ مرض دوسروں کو لگ جانیکے خوف سے سب گھروالوں نے اسکو الگ ڈال دیا یہاں تک کہ اسی کے کسی کی حالت میں مر گیا اور تین روز تک اسکی لاش یونہی

پڑی رہی، جب سڑنے لگا تو مزدوروں سے اٹھوا کر دیوادیا۔ اُنھوں نے ایک گڑھا کھود کر ایک لکڑی سے اُس کی لاش کو گڑھے میں ڈال دیا اور پر سے پتھر بھر دیئے (بیان القرآن بحوالہ روح)

مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ، ناکسب کے معنے ہیں جو کچھ اس نے کمایا، اس سے مراد وہ منافع تجارت وغیرہ بھی ہو سکتے ہیں جو مال کے ذریعہ حاصل کئے جاتے ہیں جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں کہا گیا ہے اور اولاد بھی مراد ہو سکتی ہے کیونکہ اولاد کو بھی انسان کی کمائی کہا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اطیب ما اکل الرجل من کسبه وان ولده من کسبه یعنی جو کھانا آدمی کھاتا ہے اس میں سے زیادہ حلال طیب وہ چیز ہے جو آدمی اپنی کمائی سے حاصل کرے اور آدمی کی اولاد بھی اسکے کسب میں داخل ہے یعنی اولاد کی کمائی کھانا بھی اپنی ہی کمائی سے کھانا ہے (قرطبی) اسی لئے حضرت عائشہ مجاہد، عطاء، ابن سیرین وغیرہ نے اس جگہ ناکسب کی تفسیر اولاد سے کی ہے ابو لہب کو اللہ تعالیٰ نے مال بھی بہت دیا تھا اولاد بھی، یہی دونوں چیزیں ناشکری کی وجہ سے اُسکے فخر و غرور اور دیال کا سبب بنیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو ابو لہب نے یہ بھی کہا تھا کہ جو کچھ میرا بھتیجہ کہتا ہے اگر وہ حق ہی ہوا تو میرے پاس مال و اولاد بہت ہے میں اسکو دیکر اپنی جان بچا لوں گا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ یعنی جب اس کو خدا تعالیٰ کے عذاب نے پکڑا تو نہ اُس کا مال کام آیا نہ اولاد، یہ تو حال اسکا دنیا میں ہوا، آگے آخرت کا ذکر ہے۔

سَيَصْلٰے نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ، یعنی قیامت کے بعد یا مرنیکے فوراً بعد قبر ہی میں یہ ایک شعلہ زن آگ میں داخل ہوگا۔ اسکے نام کی مناسبت سے آگ کیساتھ ذات لہب کی صفت میں خاص بلاغت ہے۔

وَأَمْرًا أَنَّهُ حِمْلَالٌ الْحَطَبِ، جس طرح ابو لہب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت غیظ اور دشمنی تھی اُس کی بیوی بھی اس دشمنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی میں اس کی مدد کرتی تھی۔ یہ ابوسفیان کی بہن بنت حرب بن امیہ ہے جس کو ام جمیل کنیت کے اعتبار سے کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت نے بتلایا کہ یہ بخت بھی اپنے شوہر کیساتھ جہنم کی آگ میں جائیگی اسکے ساتھ اسکا ایک حال یہ بتلایا کہ وہ حِمْلَالٌ الْحَطَبِ ہے۔ جس کے لفظی معنے ہیں سوختہ کی لکڑیاں لادنے والی۔ یعنی آگ لگانے والی ہرب کے مجاورات میں چغلی خوری کرنے والے کو حال الحطب کہا جاتا تھا کہ جیسے کوئی سوختہ کی لکڑیاں جمع کر کے آگ لگانے کا سامان کرتا ہے چغلی خور کا عمل بھی ایسا ہی ہے کہ وہ اپنی چغلی خوری کے ذریعہ افراد اور خاندانوں میں آگ بھڑکا دیتا ہے یہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی ایذا رسانی کے لئے چغلی خوری کا کام بھی کرتی تھی۔ اس آیت میں ابو لہب کی بیوی کو حِمْلَالَةُ الْحَطَبِ کہنے کی تفسیر حضرت ابن عباس، مجاہد، عکرمہ وغیرہ ایک جماعت مفسرین نے یہی کی ہے کہ یہ چغلی خوری کرنے والی تھی، اور ابن زید، ضحاک وغیرہ مفسرین نے اسکو اپنے حقیقی معنے میں رکھا ہے جس کی وجہ یہ بتلای ہے کہ یہ عورت جنگل سے خاردار لکڑیاں جمع کر کے لاتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے

میں بچھا دیتی تھی تاکہ آپ کو تکلیف پہنچے اس کی اس ذلیل و خسیس حرکت کو قرآن نے تمناۃ المطلب سے تعبیر فرمایا ہے (قرطبی، ابن کثیر) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اسکا یہ حال جہنم میں ہو گا کہ اپنے شوہر پر جہنم کے درختوں و رقوم وغیرہ کی لکڑیاں لگا کر ڈالیں گی تاکہ اکی اگ اور بھڑک جائے جس طرح دنیا میں وہ اسکے کفر و ظلم کو بڑھاتی تھی آخرت میں اسکے عذاب کو بڑھائیگی (ابن کثیر) چغلیخوری سخت گناہ کبیرہ ہے | حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں چغلیخورد داخل نہ ہو گا اور حضرت فضیل بن عیاض نے فرمایا کہ تین عمل ایسے ہیں جو انسان کے تمام اعمال صالحہ کو برباد کر دیتے ہیں روزہ دار کا روزہ اور وضو والے کا وضو خراب کر دیتے ہیں یعنی غیبت اور چغلیخوری اور جھوٹ۔ عطار بن مسائب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شعبی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا ذکر کیا جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ لا یدخل الجنة من اذک دہم ولا مشاء بئیمۃ ولا تابعیہ بری، یعنی تین قسم کے آدمی جنت میں نہ داخل ہو گئے۔ ناحق خون بہانے والا اور چغلیخوری کرنے والا، اور وہ تاجر جو سود کا کاروبار کرے۔ عطار کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا ذکر کر کے شعبی سے بطور تعجب کے دریافت کیا کہ حدیث میں چغلیخور کو قاتل اور سود خو کی برابر بیان فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں چغلیخوری تو ایسی چیز ہے کہ اس کی وجہ سے قتل ناحق اور غضب اموال کی ثوبت آجاتی ہے (قرطبی)

رفیٰ یجید ہا حبیل مِّنْ مَّسَدٍ، مَسَدٌ بَسْکُونُ الْمَسِینِ مصدر ہے جس کے معنی رستی یا ڈور ٹٹنے یا اسکے تار پر تار چڑھا کر مضبوط کرنے کے ہیں اور مَسَدٌ بفتح میم و سین اُس رستی یا ڈور کو کہا جاتا ہے جو مضبوط بنائی گئی ہو خواہ وہ کسی چیز کی ہو، کھجور یا ناریل وغیرہ سے یا آہنی تاروں سے ہر طرح کی مضبوط رستی اس میں داخل ہے (کذا فی القاموس) بعض حضرات نے جو خاص کھجور کی رستی اسکا ترجمہ کیا ہے۔ وہ عرب کی عام عادت کے مطابق کیا گیا ہے اصل مفہوم عام ہے۔ اسی مفہوم عام کے اعتبار سے حضرت ابن عباس عروہ بن زبیر وغیرہ نے فرمایا کہ یہاں حَبِلٌ مِّنْ مَّسَدٍ سے مراد لوہے کے تاروں سے بٹا ہوا رستا ہے اور یہ اسکا حال جہنم میں ہو گا کہ آہنی تاروں سے مضبوط بٹا ہوا طوق اُس کے گلے میں ہو گا۔ حضرت مجاہد نے بھی اس کی تفسیر میں فرمایا ہے مِّنْ مَّسَدٍ اِیْ مِنْ حَدِیدٍ (مظہری)

اور شعبی اور مقاتل وغیرہ مفسرین نے اس کو بھی دنیا کا حال قرار دیکر حَبِلٌ مِّنْ مَّسَدٍ سے مراد کھجور کی رستی لی ہے اور فرمایا کہ اگرچہ ابو لہب اور اُس کی بیوی مالدار غنی اور اپنی قوم کے سردار مانے جاتے تھے مگر اُس کی بیوی اپنی خست طبیعت اور کنجوسی کے سبب جنگل سے سوختہ کی لکڑیاں جمع کر کے لاتی اور اُس کی رستی کو اپنے گلے میں ڈال لیتی تھی کہ یہ گٹھا سر سے گرنہ جائے، اور یہی ایک روز اُس کی ہلاکت کا سبب بنا کہ لکڑیوں کا گٹھا سر پر اور رستی گلے میں تھی تھک کر کہیں بیٹھ گئی اور پھر گر کر اسکا گٹھا گھٹ گیا اور اسی میں مر گئی۔ اس دوسری تفسیر کی رو سے یہ حال اسکا اس کی خست طبیعت اور اسکا انجام بد بیان کرنے کے لئے ہے (مظہری) مگر چونکہ ابو لہب کے گھرانہ خصوصاً بیوی سے ایسا کرنا مستبعد تھا اس لئے اکثر حضرات مفسرین نے پہلی ہی تفسیر کو اختیار فرمایا ہے۔ وَاللّٰهُ عَلٰمُ غُیُوبِ النَّاسِ

سُورَةُ الْاِخْلَاصِ

سُورَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ وَرُحِيَ اَنْ يَكُونَ اِيَّاهُ

سورة اخلاص مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی چار آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ ۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ ۲ لَمْ يَلِدْ ۝ ۳ وَلَمْ يُولَدْ ۝ ۴ وَلَمْ

تو کہہ وہ اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ کسی کو جنا نہ کسی سے جنا اور نہیں

يَكُنْ لَّهِ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ ۵

اُس کے جوڑ کا کوئی

خلاصہ تفسیر

(اس کا سبب نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ مشرکین نے آپ سے کہا کہ اپنے رب کی صفات اور نسب بیان کیجئے اس پر یہ سورت نازل ہوئی، کذا فی الدر المنثور باسانید مستعدہ) آپ (ان لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ (اپنے کمال ذات و صفات میں) ایک ہے (کمال ذات یہ ہے کہ واجب الوجود ہے، یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اور کمال صفات یہ کہ علم قدرت وغیرہ اسکے قدیم اور محیط ہیں اور) اللہ بے نیاز ہے (یعنی وہ کسی کا محتاج نہیں اور اُس کے سب محتاج ہیں) اُس کے اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اُس کے برابر کا ہے۔

معارف و مسائل

مَنازِلِ نَزول | ترمذی حاکم وغیرہ کی روایت میں ہے کہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کا نسب پوچھا تھا اُن کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔ دوسری بعض روایات میں یہ سوال یہو

مدینہ کی طرف منسوب کیا ہے اسی لئے اس سورت کے منگنی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے حضرت عبداللہ بن مسعود، حسن بصری، عطاء، عکرمہ، جابر رضی اللہ عنہم نے اس کو منگنی کہا ہے اور قتادہ، ضحاک وغیرہ نے مدنی، حضرت ابن عباس کے دو قول منقول ہیں (قرطبی)

بعض روایات میں ہے کہ مشرکین کے سوال میں یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کا بنا ہوا ہے سونا یا ندی یا اور کچھ، ان کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔

فضائل سورت | امام احمد نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے اس سورت (یعنی سورۃ اخلاص) سے بڑی محبت ہے آپؐ نے فرمایا کہ اس کی محبت نے تمہیں جنت میں داخل کر دیا (ابن کثیر)

ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ سب جمع ہو جاؤ میں تمہیں ایک تہائی قرآن سناؤں گا جو جمع ہو سکتے تھے جمع ہو گئے تو آپؐ تشریف لائے اور قُلْ ہُوَ اللہ احد الخ کی قرات فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ سورت ایک تہائی قرآن کی برابر ہے (رواہ سلم فی صحیحہ) ابوداؤد، ترمذی، نسائی نے ایک طویل حدیث میں رد کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صبح اور شام قُلْ ہُوَ اللہ احد اور معوذتین پڑھ لیا کرے تو یہ اُس کے لئے کافی ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یہ اس کو ہر بلا سے بچانے کے لئے کافی ہے (ابن کثیر)

امام احمد نے حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو ایسی تین سورتیں بتاتا ہوں کہ جو تورات، انجیل، زبور اور قرآن سب میں نازل ہوئی ہیں اور فرمایا کہ رات کو اُس وقت تک نہ دو جب تک ان تینوں (معوذتین اور قُلْ ہُوَ اللہ احد) کو نہ پڑھ لو۔ حضرت عقبہؓ کہتے ہیں کہ اُس وقت سے میں نے کبھی ان کو نہیں چھوڑا (ابن کثیر)

قُلْ ہُوَ اللہ احد، لفظ قل میں اشارہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی طرف کہ اُن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی ہدایت کا حکم ہو رہا ہے اور لفظ اللہ اُس ذات کا نام ہے جو واجب الوجود ہے اور تمام کمالات کا جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے۔ احد اور واحد ترجمہ تو دونوں کا ایک ہی کیا جاتا ہے مگر مفہوم کے اعتبار سے لفظ احد کے معنے میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ ترکیب اور تجزیہ سے اور تعدد سے اور کسی چیز کی مشابہت اور مشاکلت سے پاک ہے یعنی وہ کسی ایک یا متعدد مادوں سے نہیں بنا، نہ اُس میں تعدد کا کوئی امکان ہے نہ کسی کے مشابہ ہے، یہ جواب ہو گیا اُن لوگوں کا جو اللہ تعالیٰ کے متعلق پوچھتے تھے کہ وہ سونے چاندی کا ہے یا کسی جوہر کا۔ اس ایک مختصر جملہ میں ذات و صفات کے سب مباحث آ گئے اور لفظ قل میں نبوت رسالت کا مسئلہ آگیا، اس میں غور کرو تو یہ ایک مختصر جملہ اُن عظیم الشان مباحث کو حاوی ہیں جو بڑی بڑی جلدوں میں لکھے جاتے ہیں۔

اللّٰهُ الصَّمَدُ، لفظ صمد کے بہت سے معنی ہو سکتے ہیں اسی لئے حضرات مفسرین کے اقوال اس میں بہت ہیں امام حدیث طبرانی نے کتاب السنۃ میں ان تمام اقوال کو جمع کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ سب صحیح ہیں اور ان میں جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ سب ہمارے رب کی صفات ہیں، لیکن اصل معنی صمد کے یہ ہیں کہ جس کی طرف لوگ اپنی حاجات اور ضروریات میں رجوع کریں اور جو بڑائی اور سرداری میں ایسا ہو کہ اُس سے کوئی بڑا نہیں، خلاصہ یہ کہ اُس کے محتاج ہوں وہ کسی کا محتاج نہ ہو (ابن کثیر)

لَا یُکَلِّدُ ۙ وَ لَکَ یُوَلِّدُ ۙ، یہ اُن لوگوں کا جواب ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نسب نامہ کا سوال کیا تھا کہ اس کو مخلوق پر قیاس نہیں کیا جاسکتا جو توالد و تناسل کے ذریعہ وجود میں آتی ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے نہ کوئی اس کی اولاد۔

وَ لَکَ یَسْتَعِیْذُ ۙ، کفو کے لفظی معنی مثل اور مماثل کے ہیں، معنی یہ ہیں کہ نہ کوئی اُس کا مثل ہے نہ کوئی اُس سے مشاکلت اور مشابہت رکھتا ہے۔

سورۃ اخلاص میں مکمل توحید اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک سمجھنے والے منکرین توحید کی دُنیا میں مختلف اقسام ہر طرح کے شرک کی نفی ہے۔ سورۃ اخلاص نے ہر طرح کے شرک کا نہ خیالات کی نفی کر کے مکمل توحید کا سبق دیا ہے کیونکہ منکرین توحید میں ایک گروہ تو خود اللہ کے وجود ہی کا منکر ہے بعض وجود کے تو قائل ہیں مگر وجودِ جو بے منکر ہیں بعض دونوں کے قائل ہیں مگر کمال صفات کے منکر ہیں۔ بعض یہ سب کچھ مانتے ہیں، مگر پھر عبادت میں غیر اللہ کو شریک ٹھہراتے ہیں، ان سب کے خیالات باطلہ کا رد اللہ احد میں ہو گیا، بعض لوگ عبادت میں بھی کسی کو شریک نہیں کرتے مگر حاجت روا اور کار ساز اللہ کے سوا دوسروں کو بھی سمجھتے ہیں اُن کے خیال کا ابطال لفظ صمد میں ہو گیا۔ بعض لوگ اللہ کے لئے اولاد کے قائل ہیں اُن کا رد لَکَ یُوَلِّدُ میں ہو گیا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

سُورَةُ الْفَلَقِ

سُورَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ وَ رَوَّحُهَا خَمْسٌ ۙ بِسْمِ

سورة فلق مدینہ میں نازل ہوئی اور اسکی پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۲ وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ

تو کہہ میں پناہ میں آیا صبح کے رب کی ہر چیز کی بدی سے جو آنسوئے بنائی اور بدی سے اندھیرے کی

إِذَا وَقَبُ ۝ وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ

جب سمٹ آئے اور پدی سے عورتوں کی جو گرہوں میں پھونک ماریں اور پدی سے پڑا چاہنے والے کی

إِذَا حَسَدَ ۝

جب لگے ٹوک لگانے

خلاصہ تفسیر

آپ (اپنے استعاذہ یعنی اللہ سے پناہ مانگنے کے لئے اور دوسروں کو بھی یہ استعاذہ سکھلانے کے لئے جس کا حاصل اللہ پر توکل اور مکمل بھروسہ کی تعلیم ہے۔ یوں) کہیے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں۔ تمام مخلوقات کے شر سے اور (بالخصوص) اندھیری رات کے شر سے جب وہ رات آجادے (رات میں شرور و آفات کا احتمال ظاہر ہے) اور (بالخصوص گندے کی) گرہوں پر پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے (اول تمام مخلوقات کے شر سے پناہ لینے کا ذکر کرنے کے بعد خاص خاص چیزوں کا ذکر شاید بمناسبت مقام یہ ہو کہ اکثر سحر کی ترتیب اور ترکیب رات کو ہوتی ہے (کذا فی الخازن) تاکہ کسی کو اطلاع نہ ہو اطمینان سے اُس کی تکمیل کر سکیں۔ اور گندہ پر دم کرنے والی جانوں یا عورتوں کی مناسبت اس جگہ ظاہر ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر اسی طرح ہوا تھا خواہ مرد نے کیا ہو یا عورتوں نے، کیونکہ لفظ نقاثات کا موصوف نفوس بھی ہو سکتے ہیں جو مرد و عورت دونوں کو شامل ہیں اور عورتیں بھی اس کی موصوف ہو سکتی ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو یہودیوں نے سحر کیا تھا اُس کا اصل منشاء حسد تھا۔ اس طرح سحر کے متعلق جتنی چیزیں تھیں سب سے استعاذہ ہو گیا اور باقی شرور و آفات کو شامل کرنے کے لئے من شَرِّ خَالِقِ فرمادیا۔ اور آیت میں جو اللہ کی صفت رب الفلق یعنی صبح کا مالک ذکر کی گئی حالانکہ اللہ تو صبح اور شام بھی چیزوں کا رب اور مالک ہے۔ اس تخصیص میں شاید اشارہ اس طرف ہو کہ جیسے اللہ تعالیٰ رات کی اندھیری کا ازالہ کر کے صبح کی روشنی نکال دیتا ہے اسی طرح سحر کا بھی ازالہ کر سکتا ہے۔

معارف و مسائل

یہ سورت سورۃ فلق اور اس کے بعد کی سورۃ ناس دونوں سورتیں ایک ساتھ ایک ہی واقعہ میں نازل ہوئی ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے ان دونوں سورتوں کی تفسیر یکجا لکھی ہے اُس میں فرمایا ہے کہ ان دونوں سورتوں کے منافع اور برکات اور سب لوگوں کو اُن کی حاجت و ضرورت ایسی ہے کہ کوئی انسان ان سے مستغنی نہیں ہو سکتا ان دونوں سورتوں کو سحر اور نظر بد اور تمام آفات جسمانی و روحانی کے دور کرنے میں تاثیر عظیم ہے اور حقیقت کو سمجھا جائے تو انسان کو اس کی ضرورت اپنے سانس اور کھانے پینے اور لباس سب چیزوں سے زیادہ ہے اس کا

واقعہ مسند احمد میں اس طرح آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک یہودی نے جادو کر دیا تھا جس کے اثر سے آپ بیمار ہو گئے۔ جبریل امین نے آکر آپ کو اطلاع کی کہ آپ پر ایک یہودی نے جادو کیا ہے اور جادو کا عمل جس چیز میں کیا گیا ہے وہ فلاں کنویں کے اندر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں آدمی بھیجے وہ یہ جادو کی چیز کنویں سے نکال لائے اُس میں گرہیں لگی ہوئی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گرہوں کو کھول دیا اُسی وقت آپ بالکل تندرست ہو کر کھڑے ہو گئے (اور اگرچہ جبریل علیہ السلام نے آپ کو اس یہودی کا نام بتلا دیا تھا اور آپ اُس کو جانتے تھے مگر اپنے نفس کے معاملے میں کسی سے انتقام لینا آپ کی عادت نہ تھی اسلئے) عمر بھر اُس یہودی سے کچھ نہیں کہا اور نہ کبھی اُس کی موجودگی میں آپ کے چہرہ مبارک سے کسی شکایت کے آثار پائے گئے (وہ منافق ہونے کی وجہ سے حاضر باش تھا) اور صحیح بخاری کی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ ہے کہ آپ پر ایک یہودی نے سحر کیا تو اس کا اثر آپ پر یہ تھا کہ بعض اوقات آپ محسوس کرتے تھے کہ فلاں کام کر لیا ہے مگر وہ نہیں کیا ہوتا۔ پھر ایک روز آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے کہ میری بیماری کیا ہے، اور فرمایا کہ (خواب میں) دو شخص آئے، ایک میرے سر پر ہاتھ پٹھ گیا، ایک پاؤں کی طرف، سر پر ہاتھ والے نے دوسرے سے کہا کہ ان کو کیا تکلیف ہے، دوسرے نے کہا کہ یہ مسح رہیں، اس نے پوچھا کہ سحران پر کس نے کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ لبید بن اعصم نے جو یہودیوں کا حلیف منافق ہے اُس نے پوچھا کہ کس چیز میں جادو کیا ہے، اُس نے بتلایا کہ ایک کنگھے اور اُس کے دندانوں میں، پھر اس نے پوچھا کہ وہ کہاں ہے تو اُس نے بتلایا کہ کھجور کے اُس غلاف میں جس میں کھجور کا پھل پیدا ہوتا ہے سرزدوان (ایک کنویں کا نام ہے) میں ایک پتھر کے نیچے مدفون ہے۔ آپ اُس کنویں پر تشریف لے گئے اور اسکو نکال لیا، اور فرمایا کہ مجھے خواب میں یہی کنواں دکھلایا گیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ نے اسکا اعلان کیوں نہ کر دیا کہ فلاں شخص نے یہ حرکت کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے شفا دیدی۔ اور مجھے یہ پسند نہیں کہ میں کسی شخص کے لئے کسی تکلیف کا سبب بنوں (مطلب یہ تھا کہ اسکا اعلان ہوتا تو لوگ اسکو قتل کر دیتے یا تکلیف پہنچاتے) اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کا یہ مرض چھ مہینے تک رہا اور بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ جن صحابہ کرام کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ کام لبید بن اعصم نے کیا ہے اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم اس خبیث کو کیوں قتل نہ کر دیں، آپ نے وہی جواب دیا جو صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیا تھا، اور امام شعبی کی روایت میں ہے کہ ایک بڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا، اس منافق یہودی نے اُس کو بہلا پھسلا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کنگھا اور کچھ اُس کے دندانے اس سے حاصل کر لئے اور ایک تانت کے تار میں گیارہ گرہیں لگائیں، ہر گرہ میں ایک سوئی لگائی، کنگھے کے ساتھ اُس کو کھجور کے پھل کے غلاف میں رکھ کر ایک کنویں میں پتھر کے نیچے دبا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دو سورتیں نازل فرمائیں جن میں گیارہ آیتیں ہیں، آپ ہر گرہ پر ایک ایک آیت پڑھ کر ایک ایک کھولتے رہے یہاں تک کہ سب گرہیں کھل گئیں،

اور آپ سے اچانک ایک بوجھ سا اُتر گیا (یہ سب روایتیں تفسیر ابن کثیر سے لی گئی ہیں)

سحر کے اثر سے متاثر ہو جانا | جو لوگ سحر کی حقیقت سے ناواقف ہیں اُن کو تعجب ہوتا ہے کہ رسول اللہ نبوت و رسالت کے منافی نہیں

صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر کیسے ہو سکتا ہے۔ سحر کی حقیقت اور اُس کے اقسام و احکام پوری تفصیل کے ساتھ سورہ بقرہ کی تفسیر معارف القرآن جلد اول ص ۲۱۷ تا ص ۲۲۳ میں بیان کئے جا چکے ہیں وہاں دیکھ لئے جائیں۔ خلاصہ اسکا جسکا جائنا یہاں ضروری ہے اتنا ہے کہ سحر کا اثر بھی اسباب طبعیہ کا اثر ہوتا ہے جیسے آگ سے جلنا یا گرم ہونا، پانی سے سرد ہونا۔ بعض اسباب طبعیہ سے بخار آجانا یا مختلف قسم کے درد و امراض کا پیدا ہو جانا ایک امر طبعی ہے جس سے پیغمبر و انبیاء مستثنیٰ نہیں ہوتے اسی طرح سحر و جادو کا اثر بھی اسی قسم سے ہے اس لئے کوئی بعید نہیں۔

معوذتین ہر قسم کی دُنیوی اور دینی آفات | یہ تو ہر مومن کا عقیدہ ہے کہ دُنیا و آخرت کا ہر نفع نقصان اللہ تعالیٰ سے حفاظت کا قلعہ ہیں، ان کے فضائل کے ہاتھ میں ہے بغیر اس کی مشیت کے کوئی کسی کو ایک ذرہ کا نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا تو دُنیا و آخرت کی تمام آفات سے محفوظ رہنے کا اصل ذریعہ ایک ہی ہے کہ انسان اپنے آپ کو اللہ کی پناہ میں دیدے اور اپنے عمل سے اُس کی پناہ میں آنے کے قابل بننے کی کوشش کرے۔ ان دونوں سورتوں میں پہلی یعنی سورہ فلق میں تو دُنیاوی آفات سے اللہ کی پناہ مانگنے کی تعلیم ہے اور دوسری سورت یعنی سورہ ناس میں اُخروی آفات سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے۔ مستند احادیث میں ان دونوں سورتوں کے بڑے فضائل اور برکات منقول ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں کچھ خبر ہے کہ آج کی رات اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ایسی آیات نازل فرمائی ہیں کہ انکی مثل نہیں دیکھی یعنی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ تورات۔ انجیل اور زبور اور قرآن میں بھی اُن کی مثل کوئی دوسری سورت نہیں ہے۔ ایک دوسری روایت انہی حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو معوذتین پڑھائی اور پھر مغرب کی نماز میں انہی دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا کہ ان سورتوں کو سونے کے وقت بھی پڑھا کرو اور پھر اٹھنے کے وقت بھی (رواہ النسائی) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان دونوں سورتوں کو ہر نماز کے بعد پڑھنے کی تلقین فرمائی (رواہ ابو داؤد والنسائی)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی بیماری پیش آتی تو یہ دونوں سورتیں پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کر کے سارے بدن پر پھیر لیتے تھے۔ پھر جب مرض وفات میں آپ کی تکلیف بڑھی تو میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ کے ہاتھوں پر دم کر دیتی تھی آپ اپنے تمام بدن پر پھیر لیتے تھے۔ میں یہ کام اسلئے کرتی تھی کہ حضرت کے مبارک ہاتھوں کا بدل میرے ہاتھ نہ ہو سکتے تھے (رواہ الامام مالک) (یہ سب روایتیں تفسیر ابن کثیر سے نقل کی گئی ہیں) اور حضرت عبداللہ بن حبیب سے روایت ہے کہ ایک رات میں بارش

اور سخت اندھیری تھی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے کے لئے نکلے، جب آپ کو پایا تو آپ نے فرمایا کہ کہو، میں نے عرض کیا کہ کیا کہوں، آپ نے فرمایا، قل ہو اللہ احد اور معوذتین پڑھو، جب صبح ہوا اور جب شام ہو تین مرتبہ یہ پڑھنا تمہارے لئے ہر تکلیف سے امان ہوگا (رواہ الترمذی ابو داؤد والنسائی - مظہری)

خلاصہ یہ ہے کہ تمام آفات سے محفوظ رہنے کے لئے یہ دو سورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا معمول تھیں۔ آگے سورت کے الفاظ کے ساتھ تفسیر دیکھئے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، فلق کے لفظی معنی پھٹنے کے ہیں مراد رات کی پو پھٹنا اور صبح کا نمودار ہونا ہے جیسا ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت فلق الاصباح آئی ہے۔ اس کلمہ میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات میں سے اس کو اختیار کرنے کی حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ رات کی اندھیری اکثر شرور و آفات کا سبب بنتی ہے اور صبح کی روشنی اس کو دور کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ کی اس صفت میں یہ اشارہ ہے کہ جو اس کی پناہ مانگے گا اللہ تعالیٰ اُس کی تمام آفات کو دور فرما دیگا (مظہری)

لفظ شر کے معنی از علامہ ابن قیم | مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ، علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ لفظ شر دو چیزوں کے لئے عام اور شامل ہے۔ ایک آلام و آفات، جن سے براہ راست انسان کو رنج و تکلیف پہنچتی ہے دوسرے وہ چیزیں جو آلام و آفات کے موجبات اور اسباب ہیں۔ اس دوسری قسم میں کفر و شرک اور تمام معاصی بھی لفظ شر کے مفہوم میں داخل ہیں۔ قرآن و حدیث میں جن چیزوں سے پناہ کا ذکر آیا ہے وہ ان دونوں قسموں کے کسی ایک میں داخل ہوتی ہیں کہ یا تو وہ خود آفت یا مصیبت ہوتی ہیں یا اُسکے لئے سبب موجب ہوتی ہیں۔ نماز کے آخر میں جو دُعا استعاذہ مسنون ہے اس میں چار چیزیں مذکور ہیں۔ عذاب قبر۔ عذاب نار۔ فتنۃ المحیاء والممات۔ انیس پہلی دو چیزیں خود مصیبت و عذاب ہیں اور آخری دو چیزیں مصیبت و عذاب کے اسباب ہیں۔

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ کے لفظ میں ساری مخلوقات کا شر داخل ہے اس لئے یہ کلمہ تمام شر و آفات سے پناہ لینے کے لئے کافی تھا مگر اس جگہ تین چیزوں کو ممتاز کر کے اُن کے شر سے پناہ مانگنے کا علیحدہ ذکر فرمایا جو اکثر آفات و مصائب کا سبب بنتی ہیں۔ پہلے فرمایا مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ اس میں لفظ غاسق، غسق سے مشتق ہے جس کے معنی اندھیری کا پھیل جانا اور چھا جانا ہے اس لئے غاسق کے معنی حضرت ابن عباسؓ اور حسنؓ اور مجاہدؓ نے رات کے لئے ہیں اور وَقَب و قوب سے مشتق ہے جس کے معنی اندھیری کے پوری طرح بڑھ جانے کے ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں رات سے جبکہ اُس کی اندھیری پوری ہو جائے رات کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہی وقت جنات و شیاطین اور موذی جانوروں اور حشرات الارض اور چوروں ڈاکوؤں کے پھیلنے اور دشمنوں کے حملہ کرنے کا وقت ہوتا ہے اور جادو کی تاثیر بھی رات میں زیادہ ہوتی ہے۔ صبح ہوتے ہی ان چیزوں کا تسلط ختم ہو جاتا ہے (ابن قیم) دوسری چیز یہ فرمائی کہ وَرَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ، نفث سے مشتق ہے جس کے معنی پھونک مارنے کے ہیں۔ اور عُقَد عُقْدَة کی جمع ہے جس کے معنی گرہ کے ہیں۔ جادو کرنے والے ڈورے وغیرہ میں گرہ

لگا کر اُس پر جادو کے کلمات پڑھ کر پھونکتے ہیں۔ نفاثات فی العقد کے معنی ہوئے گرہوں پر پھونکنے والیاں۔ مراد جادو کرنے والیاں ہیں اور لفظ نفاثات کا موصوف نفوس بھی ہو سکتا ہے جس میں مرد و عورت دونوں داخل ہیں اس صورت میں جادو کرنے والیوں سے مراد جادو کرنے والی جانیں ہوں گی اور ظاہر یہ ہے کہ اسکا موصوف عورتیں ہیں۔ عورتوں کی تخصیص شاید اس لئے کی گئی کہ جادو کا کام عموماً عورتیں کرتی ہیں اور کچھ خلق عورتوں کو اس سے مناسبت بھی زیادہ ہے۔ اور یا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرنے کا جو واقعہ ان سورتوں کا سبب نزول ہوا اس میں جادو کرنے والیاں ولید بن اعصم کی لڑکیاں تھیں جنہوں نے باپ کے کہنے سے یہ کام کیا تھا۔ اس لئے اس جادو کی نسبت ان کی طرف کر دی گئی۔ اور جادو کرنے والوں سے پناہ مانگنے کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ سبب نزول یہی جادو کا واقعہ ہے اور یہ بھی کہ اسکا شر اور ضرر اس لئے زیادہ ہے کہ انسان کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی بے خبری کی وجہ سے اس کے ازالہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی، وہ بیماری سمجھ کر دوا دارو میں لگا رہتا ہے اور تکلیف بڑھ جاتی ہے۔

تیسری چیز جو خصوصیت کے ساتھ ذکر کی گئی وہ حاسد اور حسد ہے اس کی تخصیص کی وجہ بھی یہی دونوں ہو سکتی ہیں کیونکہ آپ پر جادو کرنے کا اقدام اسی حسد کے سبب سے ہوا۔ یہود اور منافقین آپ کی اور مسلمانوں کی ترقی کو دیکھ کر جلتے تھے، اور ظاہری جنگ قتال میں آپ پر غالب نہیں آ سکے تو جادو کے ذریعہ اپنی حسد کی آگ لے بھجانا چاہا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاسد دنیا میں بے شمار تھے اس لئے بھی خصوصیت سے پناہ مانگی گئی۔ نیز حاسد کا حسد اُس کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتا وہ ہر وقت اس کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتا ہے اس لئے یہ ضرر شدید بھی ہے۔ حسد کہتے ہیں کسی کی نعمت و راحت کو دیکھ کر جلنا اور یہ چاہنا کہ اس سے یہ نعمت زائل ہو جائے چاہے اسکو بھی حاصل نہ ہو، یہ حسد حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور یہ سب سے پہلا گناہ ہے جو آسمان میں کیا گیا اور سب سے پہلا گناہ ہے جو زمین میں کیا گیا، کیونکہ آسمان میں ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کیا اور زمین پر اُن کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل سے کیا (قرطبی) حسد سے ملتا جلتا غبطہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی کی نعمت کو دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ یہ نعمت مجھے بھی حاصل ہو جائے یہ جائز ہے بلکہ مستحسن ہے۔

یہاں تین چیزوں سے خصوصاً پناہ مانگنے کا ذکر ہے مگر پہلی اور تیسری میں تو ایک ایک قید کا ذکر کیا گیا۔ پہلی غاسق کے ساتھ اذا قرب فرمایا، اور تیسری میں حاسد کے ساتھ اذا حسد فرمایا، اور درمیانی چیز یعنی جادو کرنے والوں میں کوئی قید ذکر نہیں فرمائی۔ سبب یہ ہے کہ جادو کی مضرت عام ہے اور رات کی مضرت اُسی وقت ہوتی ہے جب اندھیری پوری ہو جائے، اسی طرح حاسد کا حسد جب تک وہ اپنے حسد کی وجہ سے کسی ایذا پہنچانے کا اقدام نہ کرے اُس وقت تک تو اسکا نقصان خود اُسی کی ذات کو پہنچتا ہے کہ دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر جلتا کڑھتا ہے، البتہ محسود کو اسکا نقصان اس وقت پہنچتا ہے جبکہ وہ مقتضائی حسد پر عمل کر کے ایذا رسانی کی کوشش کرے اسلئے پہلی اور دوسری چیز میں یہ قیدیں لگا دی گئیں۔

سُورَةُ النَّاسِ

سُورَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ مِّنْ ثَمَانِيْنَ وَرَبْعِيْنَ اٰیَةً

سورۃ الناس مدینہ میں نازل ہوئی اور اُس کی چھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ مَلِكِ النَّاسِ ۝۲ اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳ مِنْ

تو کہہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی لوگوں کے بادشاہ کی لوگوں کے معبود کی ہدی

شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝۴ الَّذِیْ یُوسْوِسُ فِیْ صُدُوْرٍ

سے اُس کی جو پھسلانے اور چھپ جانے وہ جو خیال ڈالتا ہے لوگوں کے

النَّاسِ ۝۵ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝۶

دل میں جنوں میں اور آدمیوں میں

خلاصہ تفسیر

آپ کہیے کہ میں آدمیوں کے مالک، آدمیوں کے بادشاہ، آدمیوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں دوسرے الٰہی والے پیچھے ہٹ جانے والے (شیطان) کے شر سے (پیچھے ہٹنے کا مطلب یہ کہ حدیث میں ہے کہ اللہ کا نام لینے سے شیطان ہٹ جاتا ہے) جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے خواہ وہ (وسوسہ ڈالنے والا) جن ہو یا آدمی (یعنی جس طرح میں شیاطین الجن سے پناہ مانگتا ہوں، اسی طرح شیاطین الانس سے بھی پناہ مانگتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ جنات اور انسان دونوں میں شیاطین ہونیکا ذکر ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيْطٰنِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ)

معارف و مسائل

سورۃ فاق میں دنیوی آفات و مصائب سے پناہ مانگنے کی تعلیم ہے اور اس سورت میں اخروی آفات

سے پناہ مانگنے کی تاکید ہے اور جیسا کہ لفظ شرک کا مفہوم سورۃ فلق میں بیان کیا گیا ہے کہ آلام اور وجبات آلام دونوں کو شامل ہے اس سورت میں اُس شر سے پناہ مانگی گئی ہے جو تمام گناہوں کا سبب ہے یعنی شیطانی وساوس و اثرات، اور چونکہ آخرت کی مضرت اشد ہے اس لئے اس کی تاکید پر قرآن ختم کیا گیا۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ، رب کے معنی پالنے والے اور ہر حال کی اصلاح کرنے والے کے ہیں اس جگہ رب کی اضافت ناس کی طرف کی گئی اور پہلی سورت میں فلق کی طرف وجہ یہ ہے کہ سورۃ فلق میں ظاہری اور جسمانی آفات سے پناہ مانگنا مقصود ہے اور وہ انسان کے ساتھ مخصوص نہیں۔ جانوروں کو بھی بدنی آفات و مصائب پہنچتے ہیں بخلاف وسوسہ شیطانی کے کہ اسکا نقصان انسان کے ساتھ مخصوص ہے اور جنات بھی انہیں تبعاً شامل ہیں اسلئے یہاں رب کی اضافت ناس کی طرف کی گئی۔ (منظہری عن البیضاوی)

مَلِكِ النَّاسِ، یعنی لوگوں کا بادشاہ اِلٰہِ النَّاسِ لوگوں کا معبود، ان دو صفتوں کا اضافہ اس لئے کیا گیا کہ لفظ رب جب کسی خاص چیز کی طرف منسوب ہو تو اللہ تعالیٰ کے سوا بھی دوسروں کیلئے بولا جاتا ہے جیسا رب الارکھ کے مالک کو، رب المال، مال کے مالک کو کہا جاتا ہے، اور ہر مالک بادشاہ نہیں ہوتا اس لئے ملک کا اضافہ کیا کہ وہ رب یعنی مالک بھی ہے اور ملک یعنی بادشاہ بھی، پھر ہر بادشاہ معبود نہیں ہوتا اسلئے تیسری صفت ذکر فرمائی اِلٰہِ النَّاسِ، ان تین صفتوں کو جمع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ انہیں سے ہر صفت حفاظت کی داعی ہے کیونکہ ہر مالک اپنے مملوک کی حفاظت کرتا ہے۔ اسی طرح ہر بادشاہ اپنی رعیت کی حفاظت کرتا ہے اور معبود کا اپنے عابد کے لئے محافظ ہونا تو سب کا ظہر ہے۔ یہ تینوں صفتیں صرف حق تعالیٰ میں جمع ہیں اُس کے سوا کوئی ان صفتوں کا جامع نہیں اس لئے اُس کی پناہ حاصل کرنا سب سے بڑی پناہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے ان تین صفتوں کے ساتھ پناہ مانگنا دعا کی قبولیت کے لئے اقرب ہے کہ یا اللہ آپ ہی ان صفات کے جامع ہیں ہم صرف آپ ہی سے پناہ مانگتے ہیں۔ یہاں جبکہ پہلے جملہ میں رَبِّ النَّاسِ آچکا تو بظاہر تقاضا مقام کا یہ تھا کہ آگے اس کی طرف ضمیریں راجع کرنے سے کام لیا جاتا ملککم واللہم فرمایا جاتا مگر اس لفظ کا بار بار تکرار اسلئے ہے کہ مقام دعا اور مدح و ثناء کا ہے اس میں تکرار ہی بہتر ہے۔ اور بعض حضرات نے لفظ ناس کے بار بار تکرار میں یہ لطیفہ بیان کیا ہے کہ اس سورت میں یہ لفظ پانچ مرتبہ آیا ہے۔ پہلے لفظ ناس سے مراد بچے ہیں اور لفظ رب اور ربوبیت اسکا قرینہ ہے کیونکہ پرورش کی حاجت سب سے زیادہ بچوں کو ہوتی ہے اور دوسرے لفظ ناس سے جو ان مراد ہیں، اور لفظ ملک اسکا قرینہ ہے جو ایک سیاست کے معنی رکھتا ہے وہ جو انوں کے مناسب ہے اور تیسرے لفظ ناس سے بڑھ کر مراد ہیں جو دُنیا سے منقطع ہو کر عبادت میں مشغول ہوں اور لفظ اللہ اسکا قرینہ ہے جو عبادت کی طرف مشیر ہے اور چوتھے لفظ ناس سے مراد اللہ کے صالح بندے ہیں اور لفظ وسوسہ اسکا قرینہ ہے کیونکہ شیطان نیک بندوں کا دشمن ہے اُن کے دلوں میں وسوسے ڈالتا اس کا مشغلہ ہے اور پانچویں لفظ ناس سے مراد مفسد لوگ ہیں کیونکہ اُن کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ، اللہ تعالیٰ کی تین صفات ذکر کر کے اب اُسکا بیان ہے جس سے پناہ مانگنا مقصود ہے وہ ہے وسواسِ خناس، وسواس مصدر اور اصل بمعنی وسوسہ ہے یہاں شیطان کو وسواسِ مبالغہ فرمایا گیا کہ وہ سراپا وسوسہ ہے اور وسوسہ کے معنی شیطان کا اپنی اطاعت کی طرف ایک مخفی کلام کے ذریعہ بلانا ہے جسکا مفہوم انسان کے دل میں آجائے اور کوئی آواز سنائی نہ دے (قرطبی) خناس، خنس سے مشتق ہے جس کے معنی پیچھے ٹوٹنے کے ہیں۔ شیطان کو خناس اس لئے کہا گیا کہ اسکی عادت یہ ہے کہ انسان جب اللہ کا نام لیتا ہے تو پیچھے بھاگتا ہے پھر جب ذرا غفلت ہوئی پھر آجاتا ہے پھر وہ اللہ کا نام لیتا ہے تو پھر پیچھے ٹوٹ جاتا ہے یہی عمل مسلسل جاری رکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر انسان کے قلب میں دو گھر ہیں ایک میں فرشتہ رہتا ہے دوسرے میں شیطان (فرشتہ اسکو نیک کاموں کی رغبت دلاتا رہتا ہے اور شیطان بُرے کاموں کی) پھر جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب تک وہ ذکر اللہ میں مشغول نہیں ہوتا تو اپنی چونچ انسان کے دل پر رکھ کر اسیں بُرائیوں کے دوسے ڈالتا ہے (رواہ ابو یعلیٰ عن انس مرفوعاً منطہری)

مِنْ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ، یہ بیان ہے وسواس کا یعنی وسوسہ ڈالنے والے جنات میں سے بھی ہوتے ہیں، اور انسانوں میں سے بھی، تو حاصل اسکا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کی تلقین فرمائی کہ اللہ سے پناہ مانگیں جناتِ شیاطین کے شر سے بھی اور انسانی شیاطین کے شر سے بھی۔ اگر یہ شبہ ہو کہ وسوسہ جناتی شیاطین کی طرف سے ہونا تو ظاہر ہے کہ وہ مخفی طور پر انسان کے قلب میں کوئی مخفی کلام ڈالیں، مگر انسانی شیاطین تو کھلم کھلا سامنے آکر بات کرتے ہیں اُن کا وسوسہ سے کیا تعلق ہے تو جواب یہ ہے کہ انسانی شیاطین بھی اکثر ایسی باتیں کسی کے سامنے کرتے ہیں جن سے اس کے دل میں کسی معاملے کے متعلق ایسے شکوک و شبہات پیدا ہو جاتے ہیں جنکو وہ صراحتہ نہیں کہتے۔ اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے اپنی کتاب (الفوائد فی مشکلات القرآن) میں فرمایا کہ انسانی شیطان کے شر سے مراد خود اپنے نفس کا وسوسہ ہے، کیونکہ جس طرح شیطان جن انسان کے دل میں بُرے کاموں کی طرف رغبت ڈالتا ہے اسی طرح خود انسان کا اپنا نفس بھی بُرے ہی کاموں کی طرف مائل ہوتا ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے نفس کے شر سے بھی پناہ مانگنا سکھلایا ہے حدیث میں ہے اللہم اعوذ بك من شر نفسي وشر الشيطان وشرک، یعنی یا اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اپنے نفس کے شر سے بھی اور شیطان کے شر اور شرک سے بھی۔

شیطانی وسواس سے پناہ | ابن کثیر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں انسان کو اس کی تلقین فرمائی ہے کہ مانگنے کی بڑی اہمیت | اللہ تعالیٰ کی یہ تین صفتیں دُب، مَلِك، اَلہ ذکر کر کے اس سے شیطانی وسواس اور سانس سے پناہ مانگنا چاہیے، کیونکہ ہر انسان کے ساتھ ایک قرین (ساتھی) شیطان لگا ہوا ہے جو ہر قدم پر اس کو شش میں رگا رہتا ہے کہ انسان کو تباہ و برباد کر دے، اول تو اُس کو گناہوں کی رغبت دیتا ہے، اور

طرح طرح سے اُس کو بہلا کر گناہوں کی طرف لیجاتا ہے، اگر اسمیں کامیاب نہ ہوا تو انسان جو طاعات و عبادت کرتا ہے اُس کو فراب اور ضائع کرنے کے لئے ریا و نمود اور غرور و تکبر کے دوسو سے دل میں ڈالتا ہے، علم والوں کے دلوں میں عقائد حقہ کے متعلق شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اسکے شر سے وہی بچ سکتا ہے جس کو اللہ ہی بچائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی ایسا نہیں جس پر اسکا قرین (ساتھی) شیطان مسلط نہ ہو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کے ساتھ بھی یہ قرین ہے۔ فرمایا ہاں مگر اللہ تعالیٰ نے اُس کے مقابلے میں میری اعانت فرمائی اور اُس کو ایسا کر دیا کہ وہ بھی مجھے بجز خیر کے کسی بات کو نہیں کہتا۔

صحیحین میں حضرت انسؓ کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف تھے ایک ات میں ام المؤمنین حضرت صفیہؓ آپ کی زیارت کے لئے مسجد میں گئیں واپسی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ہوئے، گلی میں دو انصاری صحابی سامنے آگئے تو آپؐ نے آواز دیکر فرمایا، ٹھہرو میرے ساتھ صفیہ بہت جی ہیں، ان دونوں نے بکمال ادب عرض کیا سبحان اللہ یا رسول اللہ (یعنی کیا آپ نے ہمارے بارے میں یہ خیال کیا کہ ہم کوئی بدگمانی کریں گے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک کیونکہ شیطان انسان کے خون کے ساتھ اُس کی رگ و پے میں اثر انداز ہوتا ہے، مجھے یہ خطرہ ہوا کہ کہیں شیطان تمہارے دلوں میں کوئی دوسوہ بدگمانی کا پیدا نہ کر دے (اس لئے میں نے بتلادیا کہ کوئی غیر عورت میرے ساتھ نہیں)

فائدہ ۵ جیسا کہ خود بڑے کاموں سے بچنا انسان کے لئے ضروری ہے اسی طرح مسلمانوں کو اپنے بارے میں بدگمانی کا موقع دینا بھی درست نہیں، ایسے مواقع سے بچنا چاہیے جس سے لوگوں کے دلوں میں بدگمانی پیدا ہوتی ہو اور کوئی ایسا موقع آجائے تو بات واضح کر کے تہمت کے مواقع کو ختم کر دینا چاہیے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث نے شیطانی دوسوہ کا بڑا خطرناک ہونا ثابت کیا ہے جس سے بچنا آسان نہیں۔ بجز خدا کی پناہ کے۔

تنبیہ یہاں جس دوسوہ سے ڈرایا گیا ہے اس سے مراد وہ خیال ہے جس میں انسان باختیار خود مشغول ہو، اور غیر اختیاری دوسوہ و خیال جو دل میں آیا اور گزر گیا وہ کچھ مضر نہیں، نہ اُس پر کوئی گناہ ہے۔

لطیفہ، سورۃ فلق اور ناس سورۃ فلق میں تو اللہ تعالیٰ، جس کی پناہ مانگی گئی ہے اُس کی صرف ایک صفت پر کے تعوذات میں ایک فرق اکتفا کیا گیا یعنی رب الفلق، اور جن چیزوں سے پناہ مانگی گئی وہ بہت ہیں جن کو

اولاً من شر ما خلق میں اجمالاً ذکر کیا، پھر ان میں سے خاص تین آفات کو الگ بیان فرمایا، اور سورۃ ناس میں جس چیز سے پناہ مانگی گئی ہے وہ تو صرف ایک ہی ہے یعنی دوسوہ اور جس کی پناہ مانگی ہے اُس کی اس جگہ تین صفتیں بیان کر کے پناہ کی دعا کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کا شر سب شرور و آفات سے بڑھا ہوا ہے، اول تو اسلئے کہ اور آفات و مصائب کا اثر تو انسان کے جسم اور دنیاوی امور پر پڑتا ہے بخلاف شیطان کے کہ یہ انسان کی دنیا و آخرت دونوں کو اور بالخصوص آخرت کو تباہ کرنے کی فکر میں ہے اسلئے اسکا ضرر اشد ہے دوسرے یہ کہ دنیا کی آفات کا تو کچھ نہ کچھ علاج مادی بھی انسان کے قبضہ میں ہے اور وہ کرتا رہتا ہے بخلاف شیطان

کے کہ اس کے مقابلے کی کوئی مادی تدبیر انسان کے بس کی نہیں، وہ تو انسان کو دیکھتا ہے انسان اُس کو نہیں دیکھتا وہ انسان کے باطن میں غیر معلوم طریقہ پر تصرف کرنے کی قدرت رکھتا ہے اسکا علاج صرف اللہ کا ذکر اور اسکی پناہ لینا ہے۔

انسان کے دو دشمن، انسان اور شیطان | انسان کا دشمن انسان بھی ہوتا ہے اور شیطان بھی اسکا دشمن ہے حق تعالیٰ اور دونوں دشمنوں کا الگ الگ علاج نے انسانی دشمن کو اول تو حسن خلق اور مدارات اور ترک انتقام و صبر کے

ذریعہ رام کرنے کی تلقین فرمائی ہے اور جو ان تدبیروں سے باز نہ آئے اسکے ساتھ جہاد و قتال کا حکم دیا ہے۔ بخلاف دشمن شیطانی کے اسکا مقابلہ صرف استعاذہ اور اللہ کی پناہ سے تلقین کیا گیا ہے۔ ابن کثیر نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں قرآن کریم کی تین آیتیں اس مضمون کی لکھی ہیں جن میں ان دونوں دشمنوں کا ذکر کر کے انسانی دشمن کا دفاع حسن خلق ترک انتقام اور اسکی ساتھ احسان کا سلوک کرنا بتلایا اور اسکے مقابلے میں شیطان کا دفاع استعاذہ تلقین فرمایا، ابن کثیر نے

فرمایا کہ پورے قرآن میں یہ تین ہی آیتیں اس مضمون کی آئی ہیں۔ ایک آیت سورہ اعراف میں ہے کہ اول فرمایا حَسَنِ الْعَفْوَ وَامْرُؤًا بِالْعُرْوَةِ الْاُخْرَىٰ

درگزر اور اُس کو نیک کام کی تلقین اور اسکی برائی سے چشم پوشی بتلائی۔ اسی آیت میں آگے فرمایا وَامَّا يَنْزَغُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ یہ تلقین دشمن شیطانی کے مقابلے میں فرمائی جسکا حاصل اللہ

سے پناہ مانگنا ہے۔ دوسری آیت سورہ قذاف المومنون میں اول دشمن انسانی کے مقابلے کے علاج میں فرمایا، اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةِ

وَقُلْ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ وَاعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنَ، یعنی اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کی چھیڑے اور اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔ اور تیسری آیت سورہ حم سجدہ کی ہے

جس میں اول دشمن انسانی کی مدافعت کے لئے ارشاد فرمایا اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ، یعنی تم برائی کو بھلائی کے ذریعہ دفع کرو اگر ایسا کر لو گے تو مشابہ ہو گا کہ تمھارا دشمن تمھارا

مخلص دوست بن جائیگا۔ اسی آیت میں دوسرا جز، دشمن شیطانی کے مقابلے میں یہ فرمایا وَامَّا يَنْزَغُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، یہ تقریباً وہی الفاظ ہیں جو سورہ اعراف میں شیطان کے

مقابلے کے لئے ارشاد فرمائے ہیں اور حاصل اسکا یہ ہے کہ اسکا مقابلہ بجز استعاذہ کے کچھ نہیں (ابن کثیر) ان تینوں آیتوں میں انسانی دشمن کا علاج عفو و درگزر اور حسن سلوک سے بتلایا گیا ہے کیونکہ انسانی فطرت یہی ہے کہ

حسن خلق اور احسان سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ اور جو شریر النفس فطری انسانی صلاحیت کھو بیٹھے ہوں انکا علاج دوسری آیات میں جہاد و قتال بتلایا گیا ہے کیونکہ وہ کھلے دشمن ہیں، کھلے ساز و سامان کیساتھ سامنے آتے ہیں انکی قوت

کا مقابلہ قوت سے کیا جاسکتا ہے، بخلاف شیطان بعین کے کہ وہ اپنی فطرت میں شریر ہے احسان اور عفو و درگزر اس پر کوئی اچھا اثر نہیں ڈالتا ہے جس سے یہ اپنی شرارت سے باز آجائے اور نہ ظاہری مقابلہ اسکا جہاد و قتال سے

ہو سکتا ہے یہ دونوں قسم کی نرم و گرم تدبیریں صرف انسانی دشمن کے مقابلے میں چلتی ہیں شیطان کے مقابلے میں

نہیں چلتی اس لئے اُسکا علاج صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنا اور ذکر اللہ میں مشغول ہو جانا ہے جو پورے قرآن میں تلقین کیا گیا ہے اور اسی پر قرآن کو ختم کیا گیا ہے۔

انسانی اور شیطانی دشمن کے مقابلے | اور پر قرآنی تعلیمات میں انسانی دشمن کا دفاع اول احسان اور صبر جمیل سے میں انجام کے اعتبار سے بڑا فسرق | تبلیا گیا ہے اگر اسمیں کامیابی نہ ہو تو جہاد و قتال سے اور دونوں صورتوں میں مقابلہ کرنے والا مومن کامیاب ہی کامیاب ہے بالکل ناکامی مومن کے لئے ممکن ہی نہیں کیونکہ دشمن سے مقابلہ میں یہ غالب آگیا تب تو اس کی کامیابی کھلی ہوئی ہے اور اگر شکست کھا گیا یا مقتول بھی ہو گیا تو آخرت کا اجر و ثواب اور شہادت کے فضائل اُس کو اتنے بڑے ملیں گے جو دنیا کی کامیابی سے کہیں زیادہ ہونگے۔ غرض انسانی دشمن کے مقابلے میں ہار جانا بھی مومن کے لئے کوئی مضرت نہیں، بخلاف شیطان کے کہ اس کی خوشامد اور اسکو راہنی کرنا بھی گناہ ہے اور اس کے مقابلے میں ہار جانا تو آخرت کو تباہ کر لینا ہے یہی وجہ ہے جس کے لئے دشمن شیطانی کی مدافعت کے واسطے حق تعالیٰ ہی کی پناہ لینا علاج ہے اسکی پناہ کے سامنے شیطان کی ہر تہ بیر ضعیف و بے اثر ہے۔

کید شیطانی ضعیف ہے | مذکورہ وجوہ سے کسی کو یہ خیال نہ ہونا چاہیے کہ شیطان کی طاقت بڑی ہے اسکا مقابلہ مشکل ہے اسی خیال کو دفع کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے **إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا**، اور سورہ نحل میں جہاں قرآن پڑھنے کے وقت استعاذہ کا حکم دیا گیا ہے اُس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ ایمان والوں اور اللہ پر بھروسہ رکھنے والوں پر یعنی اللہ کی پناہ لینے والوں پر شیطان کا کوئی تسلط نہیں ہوتا ارشاد ہے **فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ إِنَّمَا سُلْطَانُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَكَّلُونَ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ۝** یعنی جب تو قرآن پڑھنے لگے تو پناہ لے اللہ کی شیطان مردود سے۔ اسکا زور نہیں چلتا اُن پر جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اسکا زور تو انہی پر ہے جو اسکو رفیق سمجھتے ہیں اور جو اس کو شریک مانتے ہیں۔

سورہ نحل کی تفسیر معارف القرآن جلد پنجم ص ۳۸ میں اس آیت کی پوری تشریح اور استعاذہ کے مسائل اور شرعی احکام کی تفصیل گزر چکی ہے اُس کو دیکھ لیا جاوے۔

قرآن کریم کے فاتحہ اور فاتحہ میں مناسبت | قرآن کریم کو حق تعالیٰ نے سورہ فاتحہ سے شروع فرمایا ہے جسکا خلاصہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد اُس کی مدد حاصل کرنا اور اس سے صراطِ مستقیم کی توفیق مانگنا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور صراطِ مستقیم یہی دو چیزیں ہیں جن میں انسان کی دنیا و دین کے سب مقاصد کی کامیابی مضمر ہے۔ لیکن ان دونوں چیزوں کے حصول میں اور حصول کے بعد اس کے استعمال میں ہر قدم پر شیطان لعین کے مکر و فریب اور وسوسوں کا جال بچھا رہتا ہے اس لئے اس جال کو پاش پاش کرنے کی مؤثر تدبیر استعاذہ پر قرآن کو ختم کیا گیا۔ و باختتامہ تحریر محمد اللہ و فضلہ و کرمہ و عونہ تفسیر القرآن الکوبہ و للہ الحمد اولہ و آخرہ و ظاہرہ و باطنہ فما کنا لنهتدی الیہ لو لا ان هدانا اللہ و صلے اللہ تعالیٰ علی خیر

خلقهم وصفوة رسله وامام انبيائه محمد خاتم النبيين وسيد المرسلين عليهم وعليهم
صلوات الله وسلامه وعلى آله واصحابه اجمعين ربنا تقبل منا انك انت السميع
العليم وذلك في الحادي والعشرين من شعبان سنة ١٣٩٢ هـ ضحوة يوم السبت ومن
غريب الاتفاق ان هذا اليوم هو اليوم الذي ولدت فيه في هذا اليوم تمت من عمر
هذا العبد الضعيف الجاني على نفسه سبعة وسبعون سنة واخذت في الشا من
والسبعين والله سبحانه وتعالى ادعوا وارجو ان يجعل خير عمري اخرة وخير عملي
خواتيمه وخيراياي يوم القاه فيه بركة كتابه المبين ونبيه الامين وان
يتقبل مني جهد المقل الذي اتعبت فيه نفسي في امراض وهوم وضعف القوى وما
هو الا بتوفيقه وعونه وان يغفر لي خطيئاتي وتقصيراتي في حقوق كتابه الكريم
وان ينفع به المسلمين الى امد بعيد وان يجعله ذخرا ليوم لا بيع فيه ولا خلال
ولا يجدى فيه مال ولا آل فسبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم

وتم النظر الثاني على المجلد الثامن من تفسير معارف القرآن يوم

الجمعة عاشر شوال سنة ١٣٩٢ هـ بعد ما اخذت فيه لثالث رمضان سنة ١٣٩٢ هـ

فكان في نحو اربعين يوما والله الحمد